ماہ نامہ المیزان بمبئی

امام رضا نمبر

مختصر تاریخی جائزہ

اور قائم رکھو وزن کو انصاف سے اور نہ گھٹاؤ میزان کو (قرآن کریم)

بیادگار: مخدوم الملت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

ماہنامہ المیزان بمبئی

سرپرست: شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں
ایڈیٹر: سید محمد جیلانی محامد

امام احمد رضا نمبر

جلد ۳ شمارہ ۷-۸-۹ . اپریل، مئی، جون۔ تاریخ اشاعت ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء . قیمت [illegible] روپے

ماہنامہ **المیزان** بمبئی

کا

امام احمد رضا نمبر

زرِ سالانہ ◀ ہندوستان سے بیس روپے
غیر ممالک سے چار پاؤنڈ

قیمت ◀ عام شمارہ : ــــــ دو روپے
امام احمد رضا نمبر : ــــ پچیس روپے

مطبع :- اردو پریس زیر نگرانی اردو ٹائمز بمبئی

خط و کتابت

ایڈیٹر سے
دارالعلوم دیوان شاہ ، اشرف نگر
درگاہ روڈ ۔ بھیونڈی ۔ تھانہ ۔

منیجر سے
ماہنامہ "المیزان"
57/E سانکلی اسٹریٹ ۔ جونی مسجد کمپاؤنڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۸

پیغام

پیامات

اداریہ

قرآن فہمی

فقہیات

روحانیات

تجدید و احیاء دین

علوم جدیدہ

تالیفات

سوانحیات

سیاسیات

تنقیدات

شعروادب

تاثرات

ارشادات

تجلیات حرمین

ہمارے معاونین ایک نظر میں

مرتبین

جنہوں نے امام احمد رضا نمبر کی تدوین و ترتیب میں دن و رات وقف کر دیے

مولانا محمد احمد مصباحی بہارکپوری

مولانا سید شمس الضحیٰ غازی پوری

مولانا محمد ایوب رضوی جمداشاہی بستوی

مولانا عبید اللہ خاں رضوی اعظمی

مولانا مصطفےٰ علی خان جہتاب افتخاری

مولانا شاہد رضا ایم اے

منظور حسین بہادری

قاری جنید عالم اشرفی

وحید احمد انصاری

محمد خلیل اشرفی رامپوری

محمد ہارون انصاری

منتظمین

جنہوں نے امام احمد رضا نمبر کی طباعت و اشاعت میں رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔

جناب محمد یٰسین انصاری جنرل سکریٹری سنی لیگ

〃 عبدالرزاق منشی اختر سکریٹری سنی لیگ

〃 منظور احمد مالک اردو ٹائمز

〃 سعید احمد انصاری سب ایڈیٹر اردو ٹائمز

〃 منیر احمد انصاری خازن سنی لیگ

〃 ابراہیم حاجی عبدالغفار مالک پاپولر اسٹورس

〃 شفیع اللہ خان غازیپوری نائب صدر سنٹرل ریلوے مزدور سنگھ ہیڈ آفس بمبئی

〃 محمد الیاس فیاض بائنڈنگ ورکس

〃 عبدالرحیم انصاری مالک شالیمار پرنٹرس

〃 محمد یوسف منہار منہار کنسٹرکشن کمپنی

〃 محمد ابراہیم محمد عمر مرچنٹ

کاتبین

جنہوں نے امام احمد رضا نمبر کی ستھری کتابت میں فن خوشنویسی کا شاندار مظاہرہ کیا۔

شمس الکاتبین قادر رقم مولانا شمس الحق خاں بلیاوی

شمس الحق خان شمس بلیاوی

علیم اللہ خان بلیاوی

محمد اسد خان بلیاوی

جلال الدین خان اعظمی

سعید احمد انصاری الہ آبادی

شبیر احمد خاں بتو رامپوری

سید مشتاق علی فتحپوری

مولانا حفظ الرحمٰن خان دیوریاوی

اخلاق احمد خان غازیپوری

افتخار احمد آثر اعظمی

تزئین کار:

ہندوستان کے مشہور آرٹسٹ

عالیجناب ظفر محمد خاں بھوپالی

4059

تار کا پتہ: مفتی اعظم ہند بریلی

۷۸۶
۹۲

شاہزادہ اعلیٰ حضرت العلامہ مصطفےٰ رضا خاں
مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ سوداگران بریلی شریف

تاریخ ۷ دسمبر ۱۹۷۵ء مطابق ۳ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

حضرت سید محمد جیلانی میاں صاحب ایڈیٹر ماہنامہ المیزان بمبئی

اور جناب محمد یسین انصاری رضوی جنرل سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ

آستانہ عالیہ رضویہ پر تشریف لائے اور المیزان کی خاص اشاعت "امام احمد رضا نمبر" کا ذکر کیا سنکر نہایت دلی مسرت ہوئی۔ بصمیم قلب دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ بطفیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس اہم تاریخی تحقیقی اور علمی کام کو کامیاب وکامران فرمائے اور ہر مسلمان کو فاضل بریلوی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان سے استفادہ کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وآلہ وصحبہ اجمعین۔ فقیر دعا گو ہے کہ المیزان کو مولائے کریم یوما فیوما ترقیوں کی منزل پر گامزن فرمائے۔ میری نیک تمنائیں اور پرخلوص دعائیں ماہنامہ المیزان اور آل انڈیا سنی لیگ و رفقاء اہلسنت کے لئے ہیں۔

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہ
۳ ذی الحجہ ۹۵

ابوالمسعود سید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی
سجادہ نشین کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد

Abul Masud Syed Mohd. Mukhtar Ashraf Ashrafi-ul-Jilani

SAJJADA NASHEEN KICHHAUCHHA SHARIF, DIST. FAIZABAD. (U.P.)

Ref No.________ Date________

۷۸۶
۹۲

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت یوں تو محتاج تعارف نہیں لیکن انکی فکر و نظر کے فیضان سے ملت اسلامیہ کے تحفظ و بقا اور اسلامی شعور کی صالحیت پر جو تاریخی اثرات مرتب ہوئے ہیں انکا تعارف ابھی تک نہیں ہوسکا ہے۔ مجھے بیحد مسرت ہے کہ وقت کی اس اہم ترین دینی و ملی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ماہنامہ "المیزان" بمبئی "امام احمد رضا نمبر" شائع کر رہا ہے۔

ماہنامہ المیزان" کی یہ عظیم پیشکش اور "آل انڈیا سنی لیگ" کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی "امام احمد رضا کانفرنس" میں اسکی رسم اجراء ہماری جماعت میں بیداری کی ایک نئی لہر کا اشاریہ ہے۔ اور قومی سطح پر ہمارے جماعتی وجود کی اہمیت کے احساس و اعتراف کی بنیاد کو استوار کرنے کی ایک زبردست علامت ہے۔ میری بے شمار دعائیں اور نیک خواہشات ان تمام حضرات کیساتھ ہیں جو اسی تاریخی و تحقیقی کارنامہ میں کسی بھی طرح حصہ لے رہے ہیں۔

سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین
کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد
۳ر صفر المظفر ۱۳۹۶ھ
۴ر فروری ۱۹۷۶ء

SYED MOHAMMED MADNI
ASHRAFI JILANI
Patron:- AL MEEZAN
P. O. Kichhochha Sharif
Dist. FAIZABAD U.P

سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی
سرپرست المیزان
پوسٹ کچھوچھا شریف، ضلع فیض آباد (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میری دیرینہ تمنا تھی کہ امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت پر ایک اہم دستاویز منظر عام پر آئے جو نئی نسل کو امام احمد رضا کی ہزار پہلو شخصیت سے حقیقی معنوں میں متعارف کرانے کا باعث ہو —— ماہنامہ المیزان کا امام احمد رضا نمبر صرف یہی نہیں کہ میری دیرینہ تمناؤں کا مظہر ہوگا بلکہ ملت اسلامیہ کا ایک عظیم سرمایہ بھی ہوگا —— امام احمد رضا نمبر کی اشاعت پر میری دلی مبارکباد —— آل انڈیا سنی لیگ کی جانب سے ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء بمبئی میں منعقد ہونے والی عظیم الشان امام احمد رضا کانفرنس امام احمد رضا کے تجدیدی، تحقیقی، علمی اور دینی کارناموں کی اشاعت کیلئے ایک اہم مستحسن اقدام ہے۔ میں نے امام احمد رضا کانفرنس میں شرکت کیلئے اپنے سفر برطانیہ پر روانگی کی تاریخ کو ایک ہفتہ کیلئے بڑھا دیا ہے انشاء المولیٰ تعالیٰ میں اس کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل کروں گا فقط

والسلام

محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہٗ
یکم مارچ ۱۹۷۶ء

D.O. NO 1357/GO.

GOVERNOR, ORISSA.

اکبر علی خان

گورنر اڑلیسہ

RAJ BHAVAN
BHUBANESWAR

14 February 1976

Dear Syed Mohamed Jilani Muhamid Sahib,

I have received your letter intimating to me that you propose to have a Special Number in the name of Janab Hazrat Ahmed Reza Khan Sahib (May his soul rest in peace!), depicting different aspects of his contribution to Islamic literature. I have had the privilege of meeting him in my student days when I was staying at Aligarh from 1917 to 1920. Let me confess - I do not know much about many books that he has written. I would like your Special Number to highlight the essential prices of his work which would unite not only all sections of the Muslim community, but also all sections of Indian society and even the whole world. The great saying of our Holy Prophet that "The whole human race, ~~which~~ is a family, irrespective of different caste, creed, religion and country ~~and it~~ should be fully respected in thought and in deed. Any community will be judged not by theological processes but by the conduct of the people professing that religion in relation to their services to humanity. I join with you in paying my respects tothe great personality Janab A Raza Sahib who has also been in the fore-front of Independence struggle, as indicated in your letter. I would end this letter with a couplet of Hazrat Maulana Rumi —

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا = بندۂ ما را ز ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی = نے برائے فصل کردن آمدی

With best wishes, and my profound respects for the great soul

Yours Sincerely,

Akbar Ali Khan

(Akbar Ali Khan)

Janab Syed Mohamed Jilani Muhamid,
Editor, The Almeezan Monthly,
57-E, Sankli Street, Juni Masjid Compound,
BOMBAY-400 008 (Maharashtra)

Press Secretary
to the Chief Minister

وزیر اعلیٰ راجستھان

February 19, 1976

Dear Shri Muhamid,

Thank you for your circular letter of February 12, 1976, addressed to the Hon. Chief Minister, Shri Harideo Joshi.

The Hon. Chief Minister sends his good wishes to "Almeezan" on the occasion of publication of a souvenir in the memory of Imam Ahmedreza Khan Saheb.

Yours sincerely,

(L. M. Eshwar)

Syed Mohamed Jilani Muhamid,
Editor,
ALMEEZAN,
57-E, Sankli Street,
Juni Masjid Compound,
BOMBAY.

امام احمد رضا کے متعلق مودودی صاحب کی رائے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابو الاعلیٰ مودودی
اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ
لاہور - ۱۲ (پاکستان)

فون نمبر ۵۲۵۰۸
حوالہ ....382........
مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۷۸ء

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ آپ کا پہلا عنایت نامہ کب آیا اور میں نے کیا جواب دیا ۔ پھر کچھ مجھے مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم کے بارے میں کچھ لکھنے سے گریز نہیں ہے ، بلکہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے علالت کے باعث میرا لکھنے پڑھنے کا کام بالکل محدود ہو کر رہ گیا ہے ۔

میری نگاہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم و مغفور دینی علم و بصیرت کے حامل اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کے قابل احترام مقتدا تھے ۔ اگرچہ ان کے بعض فتاویٰ و آراء سے مجھے اختلاف ہے لیکن میں اُن کی دینی خدمت کا معترف بھی ہوں ۔

آپ نے مسلمانوں کی تمام جماعتوں کے مابین اتحاد کی جس فضا کا ذکر کیا ہے ، میں اس کا دل سے خواہاں ہوں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے مسلمہ مکاتب فکر اگر ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق سے اجتناب کریں ، باہمی اختلاف کا اظہار ضروری ہو تو اس میں دل آزاری سے پہلو بچائیں اور ہر نزاعی مسئلے کو کفر و اسلام کا مسئلہ نہ بنائیں تو اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی انشاء اللہ ہم مل جل کر دین و ملت کی خدمت انجام دے سکیں گے ۔

خاکسار
مودودی

ترجمانِ اہلسنت کراچی ۔ مئی جون ۱۹۷۵ء (۱۳)

محمد صادق قصوری
حسین خان والا تھاڑ براہ قصور
ضلع لاہور (پاکستان)

۱۶ دسمبر ۱۹۷۵ء

برادر عزیز ڈاکٹر محمد اسد پیلی بھیتی کے خط سے یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ کا ماہنامہ "المیزان" اعلیٰحضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی یاد میں "امام احمد رضا نمبر" کے نام سے ایک خاص اشاعت پیش کر رہا ہے۔ اس اہم اور نیک فرض کی ادائیگی کے لئے مبارکباد قبول فرمائیے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ اپنے وقت کے ولیٔ کامل فقیہ اعظم اور بہت بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ فرقہائے باطلہ کی سرکوبی کے لئے آپ کے کارنامے ہمارے لئے مشعل راہ اور باعث فخر ہیں۔ میرے پیر و مرشد حضرت قبلہ عالم امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر مولانا احمد رضا خاںؒ نہ ہوتے تو دیوبندی سارے ہندوستان کو وہابی بنا دیتے۔"

الحمد للہ! آج برصغیر میں اگر سنّی پائے جاتے ہیں تو صرف آپ کے طفیل ہی۔ ع

احمد رضا کے فیض کا در ہے کھلا ہوا
ہے سنّی فقیروں کا جھنڈا گڑا ہوا

محمد صادق قصوری
۱۶/ دسمبر ۱۹۷۵ء

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید شاہ زین العابدین علی خان

سجادہ نشین درگاہ ولی الہند خواجہ غریب نواز، اجمیر شریف

ھو المعین

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

مکرمی جناب سید محمد جیلانی صاحب، ایڈیٹر ماہنامہ المیزان بمبئی

آپ کا مکتوب مرسلہ ۱۹ فروری فقیر کو ۲۸ فروری کو موصول ہوا۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ اپنے موقر ماہنامہ کا امام احمد رضا نمبر عنقریب شائع کر رہے ہیں۔ شائع ہوجانے پر مذکورہ اشاعت کی ایک نقل بذریعہ وی پی ضرور بھیج دیجیے۔

بیشک حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات کا شمار چودھویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے اکابر علماء و مبلغین میں ہوتا ہے۔ اپنے نامور اسلاف کی تبلیغی مساعی کا اعتراف و اعادہ بار بار کرنا اخلاف کا مذہبی فریضہ ہے۔

فقیر دست بدعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہندوستان کے ہادیٔ اعظم جدِ بزرگوار حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کے صدقہ میں آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

دعاگو

فقیر سید زین العابدین علی خان

عالیجناب خلیفہ ضیاء الدین صاحب

ریٹائرڈ پرنسپل انجمن اسلام ہائی اسکول، بمبئی

۲۰ مارچ ۱۹۷۶ء

عالی جناب سید محمد جیلانی صاحب
اڈیٹر ماہنامہ المیزان، بمبئی

سلام مسنون

آل انڈیا سنی لیگ کے ایک وفد سے گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ آل انڈیا سنی لیگ کے زیر اہتمام امام احمد رضا کانفرنس ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء کو بمبئی میں منعقد ہوگی جس میں المیزان کے امام احمد رضا نمبر کی رسم اجرا بھی انجام پائے گی۔ مجھے بھی امام مرحوم سے ایک خاص تعلق ہے کیونکہ ان کے شاگرد رشید اور مرید و خلیفہ مولانا دیدار علی کی شاگردی کی سعادت حاصل ہے۔

مذکورہ بالا وفد سے جو باتیں مجھے معلوم ہوئیں تقریباً پچاس سال کے عرصے میں کسی اور سے نہیں سنیں۔ امام صاحب موصوف جس انداز سے پیش کئے جاتے رہے ہیں اس سے ان کی شکل ہمارے سامنے دھندلی ہوکر آئی ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ نزاعی مسائل نے ان کے تبحر علمی کو بالکل دبا رکھا ہے۔ مجھے مسرت ہوئی کہ کانفرنس میں ان کے علمی، تحقیقی اور تجدیدی کارناموں کو نئے انداز سے واقف کرانے کی جانب قدم اٹھایا جا رہا ہے خدا اس خدمت کو قبول کرے۔

مجھے امید ہے کہ المیزان کا امام احمد رضا نمبر علمی و تحقیقی دنیا میں نئی راہیں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ میری نیک تمنائیں اور پرخلوص دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ والسلام

دعاگو
ضیاء الدین

عالی جناب سیّد اوصاف علی

ناظم انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
نئی دہلی ۱۱۰۰۱

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی رحلت کو کم وبیش نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوا۔ افسوس ہے اس قلیل مدت میں ہم نے ایسے باکمال عالم اور بے مثل شخصیت کو بھلا دیا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ غالباً ان کی راسخ الاعتقادی ہے جس کے آگے کسی مخالف کے افکار کا چراغ نہ جل سکا۔

بہرحال ان کے علم وفضل کے معترف ان کے موافقین اور مخالفین سبھی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد بعض لوگوں کے نزدیک پانچ سو اور بعض کے ایک ہزار تک ہے۔ جن علوم میں انھوں نے دسترس حاصل کی ان کی تعداد پچاس بتائی جاتی ہے۔ نزهة النحواطر میں بھی اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ مولانا احمد رضا کو فقہ حنفی کی باریکیوں کا ایسا علم تھا کہ اس کی نظیر ان کے زمانے میں نہیں ملتی۔ اس کی شہادت ان کے فتووں کا مجموعہ ہے اور ان کی کتاب کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم ہے جو انھوں نے مکہ میں ۱۳۲۳ھ میں لکھی تھی۔ ریاضیات، ہیئت ونجوم سے وہ اچھی طرح شناسا تھے اور رمل وجفر سے بھی واقف تھے۔

مولانا احمد رضا نے لمبی عمر نہ پائی۔ وہ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس ۶۵ برس کے عرصے میں انھوں نے علم کی ایسی خدمت انجام دی جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہے کہ سیّد محمد جیلانی محامد صاحب نے المیزان کا ایک خصوصی شمارہ مولانا احمد رضا خان پر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے یہ شمارہ باعتبار مضامین بلند پایہ اور بطور یادگار نہایت اہم ہوگا۔

سید اوصاف علی
ناظم انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
نئی دہلی ۱۱۰۰۱

قدوۃ المشائخ حضرت خواجہ سید پیر ضامن نظامی سید بخاری

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب "المیزان" بمبئی

سلام مسنون دعائے خیر

دعاگو کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ماہنامہ المیزان بمبئی نے امام احمد رضا نمبر کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ ایک نیک قدم ہے۔ اور آج کل کے دور کے لئے اشد ضروری ہے کہ ملک کی عظیم ہستیوں کی زندگی کے روشن پہلو عوام و خواص کے سامنے اجاگر کئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس انکی مثالی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب ہندوستان کی برگزیدہ شخصیت تھے۔ انکی ذات مجمع الصفات تھی مختلف علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک شاعر بے بدل بلند پایہ ادیب۔ مفسر قرآن اور محدث اعظم تھے۔ وہ جنگ آزادی کے مجاھد بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے انھوں نے بے شمار خلق اللہ کو نیکی کے راستہ کی طرف گامزن کیا۔ ان کی عالمانہ شخصیت اور بے مثال خدمات کا اعتراف ہندوستان کی اعلیٰ شخصیتوں نے کیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نمبر کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی مدد کرے۔ مجھے امید ہے کہ ادارہ المیزان کی یہ کوشش حضرت احمد رضا خاں صاحب کی زندگی اور ان کے کارنامے اور ملک و قوم کے لئے ان کی لافانی خدمات کی مکمل تصویر عوام کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوگا۔

دعاگو

پیر ضامن نظامی سید بخاری

سجادہ نشیں درگاہ حضرت نظام الدین اولیا درگاہی مرکز

نئی دہلی

عون احمد قادری
خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف
پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"داستانِ فصلِ گل خوش می سراید عندلیب"

فاضلِ بریلی، محققِ دوراں مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی یاد و تذکار میں رسالہ المیزان بمبئی "امام احمد رضا نمبر" شائع کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں بندۂ عاجز سے کچھ عرض کرنے اور پیام بھیجنے کی خواہش ظاہر کی گئی ہے۔

بمصداق ع "نام نیک رفتگاں ضائع مکن" عرض ہے۔

ایسی شخصیتوں کے کارنامے، ان کے محاسن و کمالات سے اس دور کے لوگوں کو روشناس کرانا بہت مفید اور اہم کام ہے۔ بلاشبہ وہ ایک محقق فاضل اور شاعر و ادیب تھے بہت سے علمی مسائل کی تحقیق فاضلانہ انداز میں کی ہے اور شعر و ادب کے میدان میں صفِ اوّل میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔ اور نعت گوئی میں ان کا مخصوص رنگ ہے جس سے ذاتِ اقدس نبوی سے ان کی عقیدت اور محبت و شغف ملتا ہے۔

ادارۂ المیزان کے مساعی مشکور ہوں۔ اس میں صاحبِ تذکرہ کی حیات کے افادی پہلوؤں کو اُجاگر کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

ماہ ربیع الاوّل شریف کی آمد آمد ہے، اس مناسبت سے آخر میں حضرت موصوف کا ایک مطلع عرض ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

عبد عاجز عون احمد قادری غفر اللہ
پھلواری شریف
(پٹنہ)

شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ سید عزیز احمد صاحب قبلہ
سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الہ آباد

یکم ربیع الاول شریف ۹۶ھ
3.3.76

مکرمی اور محترمی جناب سکریٹری صاحب زاد لطفہ

امام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم روحانی شخصیت کے سلسلے میں ماہنامہ "المیزان" نے جس گراں قدر جد وجہد اور خلوص و محبت کا ثبوت پیش کیا ہے اس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ آج امام احمد رضا نمبر کی ہر طرف دھوم مچ کر رہ گئی ہے

المیزان کے ذریعہ آپ حضرات کے پروگرام کی برابر خبر ملتی رہی ہے۔ میں رضا کانفرنس میں شریک ہونے پر فخر محسوس کروں گا۔ اگرچہ ماہ ربیع الاول کے موقع پر بے پناہ مصروفیات کا سلسلہ قائم ہو چکا ہے۔ مگر آپ کے پرخلوص دعوت نامہ کو نظر انداز نہ کیا جا سکا لہذا میں ۲۶ مارچ کو بمبئی میل سے حاضر ہو رہا ہوں۔ فقط

نیازمند

حکیم سید عزیز احمد ابوالعلائی

۱۲/۷ چک نیا حجرہ
الہ آباد ۳

صاحبزادہ حضرت سید شاہ انوار اللہ حسینی

یکم مارچ ۱۹۷۶ء

افتخاری چشتی القادری۔ حیدرآباد

گرامی مرتبت مخدوم زادہ مولانا سید محمد جیلانی محامد اشرفی الجیلانی مدظلہ ایڈیٹر ماہنامہ المیزان بمبئی
وعلیکم السلام والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کرم نامہ نظر نواز ہوا۔ المیزان کے امام احمد رضا نمبر کی اشاعت کی اطلاع سے بیحد مسرت ہوئی۔ امام احمد رضا نمبر کے لئے پیغام ارسال کرنے کی آنمحترم نے ہدایت فرمائی ہے۔ خورد نوازی پر مشکور ہوں۔

مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات کا چند جملوں میں احاطہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔ مجدد دین وملت امام احمد رضا کی جامع الصفات شخصیت سطحی نظر سے مطالعہ کی حامل نہیں۔ مجدد دین وملت کا احاطہ کرکے قلم اٹھانے کی جراءت وہی شخص کرسکے گا جو قدآور نگاہ کا مالک ہو کر ان پچاس سے زیادہ علوم وفنون کا ماہر ہو جن علوم وفنون پر مجدد دین وملت نے اپنی پوری زندگی کی ذہنی ریاضت صرف کی ہے۔

مجدد دین وملت کے تعلق سے حضرت والد صاحب قبلہ خطیب الملت مولانا الحاج سید شاہ نور اللہ حسینی افتخاری چشتی القادری قدس سرہٗ وحضرت مخدوم الملت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنا اس کی موثر بالذت سے آج تک سرشار ہوں۔

مجدد دین وملت امام احمد رضا کی تاریخ ساز شخصیت کے ہر پہلو سے واقفیت کے لئے ابھی تک کوئی لٹریچر سامنے نہیں آسکا۔ المیزان کا امام احمد رضا نمبر عقل ونظر کے اس درخشاں دور میں نئے دور کی پُرآشوب ذہنی کشمکش میں مبتلا نوجوانوں کو مجدد دین وملت کی عہد آفریں شخصیت کی رہنمائی میں منزل آشنا کرسکے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

آل انڈیا سنی لیگ امام احمد رضا کانفرنس کے ذریعہ اور ماہنامہ المیزان امام احمد رضا نمبر کے ذریعہ مجدد دین وملت کی اجتہادی فراست سے نئی نسل کو آگاہ کرنے کی تیاریوں اور تفصیلات سے عزیز القدر برادر طریقت محمد علیم الدین عارف افتخاری بی ایس سی (عثمانیہ) نے اپنے حالیہ سفر بمبئی سے واپسی پر مجھے واقف کروایا۔ تفصیلات سن کر بیحد مسرت ہوئی۔ اس عظیم خدمت کے انجام دینے والے تمام محبین اہلسنت کو اللہ عزوجل اپنے اکرام خصوصی سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

غازی ملت علامہ سید محمد ہاشمی میاں مدظلہ صدر آل انڈیا سنی لیگ وعالیجناب مجاہد سنیت محمد لبین انصاری صاحب کی خدمت میں میری جانب سے اور حاضر الوقت برادر طریقت حضرت خواجہ فاروق گودڑشاہی وبرادر طریقت حضرت خواجہ ذاکر گودڑشاہی ومولانا الحاج غلام محمد صاحب اطہر شرفی جنرل سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ آندھرا پردیش کی جانب سے سلام مسنون عرض فرمایئے۔ انشاءاللہ تعالیٰ آل انڈیا سنی لیگ کے زیر اہتمام ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء کو بمبئی میں منعقد ہونیوالی امام احمد رضا کانفرنس میں میرے علاوہ برادران طریقت وآل انڈیا سنی لیگ آندھرا پردیش کے عہدیداران واراکان وکارکنان کا ایک بڑا قافلہ شرکت کی سعادت حاصل کریگا۔ والسلام

خیر اندیش: سید شاہ انوار اللہ حسینی افتخاری سجادہ نشین، طریقت منزل، جلیہ پوڑہ حیدرآباد ۲۔ ۵۰۰۰۰۲ (آندھرا پردیش)

اداریہ

دو دو باتیں

ایڈیٹر:
سید محمد جیلانی بن سید محامد اشرف

• آج دنیا کو احمد رضا چاہیئے • تہمتوں کے انبار
• بیگانوں کا ظلم • الزامات کے ثبوت
• نرم روی کی واضح ہدایت • تکفیر مسلمین میں
بیباکی؟ • امام احمد رضا کی احتیاط • اتمام
حجت کی منزل • امام احمد رضا دیار
قدس میں • رضا مخالف مشن • امام
احمد رضا پر تیسرا الزام • غیر خدا کیلئے سجدہ
روا جانتے تھے؟ • اپنوں کا ظلم • یہ بھی ظلم
ہی ہے • اپنوں کا ظلم پر ظلم • بے دخل
کرنے کا منصوبہ • امام احمد رضا پر
کام کے طریقے • خیال آیا تو کیوں آیا
• بات پر بات نکل آتی ہے • بات ہے ایک
سال کی • شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی
• شکریہ کیوں ادا کروں • خانوادۂ برکاتیہ
کا تعاون • جب ہم بریلی پہنچے • بکھرے
ذروں کو اجتماعیت • ندامت کے آنسو
• آخری بات۔

اداریہ

آج دنیا کو احمد رضا چاہیئے

امام احمد رضا کا مختصر ترین تعارف یہ ہے کہ افغان نسل کے ایک خوشحال اور متمول گھرانے میں بریلی کی سرزمین پر ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ولادت ہوئی، اپنے والد سے تعلیم پائی. خداداد صلاحیتوں نے چودہ سال کی عمر میں (۱۸۶۹ء) میں مسند افتار کا ذمہ دار بنادیا. ۱۸۷۷ء میں خانوادہ برکاتیہ کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے. ۱۸۷۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی، جہاں علمار حرمین وطیبین نے سند واجازت سے نوازا، دوسری بار ۱۹۰۵ء میں حج وزیارت کو گئے، مکہ معظمہ میں ۸ گھنٹے کے اندر الدولۃ المکیہ تصنیف فرمائی. جسے دیکھ کر علمار حرمین نے اپنا امام تسلیم کیا. اسی سفر میں ہند کے چند علمار سور کی وریدہ دہنیوں پر علمار عرب سے آخری فیصلہ حاصل کیا. جسے "حسام الحرمین" کے نام سے جانا جاتا ہے ۱۹۱۱ء میں قرآن عظیم کا شاندار ترجمہ (کنز الایمان) کیا. ۱۹۲۱ء میں وصال ہوا. ۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء تک کی ۶۵ سالہ حیات میں امام احمد رضا نے تقریباً ۶۵ علوم وفنون پر ایک ہزار کتب ورسائل تصنیف فرمائیں، عشق وایمان سے بھرپور ترجمۂ قرآن دیا. ۱۲ ہزار صفحات پر مشتمل فقہی مسائل کا خزانہ "فتاویٰ رضویہ" کی شکل میں عطا کیا. اگر ہم ان کی علمی وتحقیقی خدمات کو ان کی ۶۶ سالہ زندگی کے حساب سے جوڑیں تو ہر ۵ گھنٹے میں امام احمد رضا ایک کتاب ہمیں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک متحرک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو کام تھا امام احمد رضا نے تن تنہا انجام دیکر اپنی جامع وہمہ صفت شخصیت کے زندہ نقوش چھوڑے لیکن افسوس کہ اس جاندار حقیقت کی معرفت والے اب تک اپنا حق ادا نہ کر سکے، آج ہم سن عیسوی کے چھہترویں سال میں داخل ہوچکے ہیں اور امام احمد رضا کو پردہ فرمائے ۵۵ برس گذر گئے، ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے محبوب قائد کے علمی کارناموں سے اسلامیان ہند اور عالم اسلام کو متعارف کراتے. تحقیقات وتصنیفات کے جواہر پارے بکھیر دیتے. افسوس کہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ہم ۵۵ برس کے بعد ۵۵ کتابیں بھی نہ پیش کر سکے. ابتک جو کچھ لکھا وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں، اگرچہ بعض حضرات نے جزوی کوششیں کیں، لیکن وہ تحقیقی وسوانحی معیار کیمطابق نہیں زندہ قوم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی خدمات اور قربانیوں کو اجاگر کرے، اور ان کی شہرت کو چار چاند لگائے مگر اجاگر کرنا تو بڑی بات امام احمد رضا کو اب تک صحیح انداز میں پیش بھی نہ کر سکے. ابن عبدالوہاب سے لیکر ابوالاعلیٰ مودودی تک جتنے قابل ذکر مخالفین ہیں سب کی سوانحیات پر بے شمار کتابیں ان کے اپنوں نے لکھیں اور احسان مندی کا ثبوت دیا. یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجیے کہ امام احمد رضا کا علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا. جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو امام احمد رضا کو جانتا بھی نہیں! امام احمد رضا کے گیت ہمارے ہر

اسٹیج پر گائے جاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا مشکل ہوگا کہ امام تمام یونیورسٹیوں، کالجوں، دانش گاہوں اور لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کی سچی، صحیح، مستند، مدلل و مکمل اور جدید سوانح نگاری کے تقاضوں پر سوانح حیات لکھی جائے، آپ کے علمی کارناموں پر تحقیقات کی جائے غرضیکہ آپ کو اپنوں سے نکالکر بیگانوں تک پہنچایا جائے، آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلسِ رضا نے انہیں خطوط پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

تہمتوں کے انبار

ایک طرف ہماری سرد مہری کا یہ عالم کہ ان پر کتابیں لکھنا تو ایک طرف خود ان کی بہت سی کتابیں ابتک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں جبکہ دوسری جانب مسلسل تقریر و تحریر کے ذریعہ امام احمد رضا کی شخصیت کو مسخ کرکے پیش کیا جاتا رہا ہے، ان کی گرانمایہ خدمات کا اعتراف تو بڑی بات ان پر تہمتوں کے انبار ہیں۔ یہ سلسلہ برس دس برس سے نہیں نصف صدی سے جاری ہے، غیر شعوری نہیں منظم طریقے پر، ہند ہی میں نہیں ایشیا و یوروپ کے تمام ممالک میں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آج کا سنجیدہ انسان اس طرف رخ کرتے جھجکتا ہے، عام طور پر امام احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے (مسلمانوں کو کافر گردانتے والے) بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی، آج ایشیا میں جتنے بھی تحقیقاتی ادارے ہیں، وہاں امام احمد رضا پر کام تو درکنار نام بھی نہیں ملے گا، سوانح نگاری اور تاریخ نگاری تعصب و تنگ نظری کی بھٹی پر چڑھادی گئی ہے، امام احمد رضا سے اختلاف کے جذبے نے ان کے سارے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ امام احمد رضا اس ہیرے کے مانند ہیں جو اپنی تابناک شعاعوں سے عالم کو منور کرنا چاہ رہا ہو لیکن اس پر غلط فہمیوں، الزام تراشیوں کی خاک ڈال کر چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی ہو۔ وقت کا یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ ایک فریق کے چہروں پر تاریخ و تذکرہ کی بھرپور روشنی نچھاور کی جائے اور دوسرے فریق کا ذکر ضمناً بھی نہ آنے دیا جائے؟ کاش! ہمارے مصنفین اور اصحاب دانش فراخدلی و اعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے امام احمد رضا کے موقف کا تجزیہ کرتے اور اساطین دیوبند سے اختلاف کی بے لاگ چھان بین کرتے تو آج بہت سی تلخیوں کا وجود بھی نہ ہوتا ——— ضرورت ہے اختلاف کی اہمیت کو ٹھیک انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ موجودہ نئی نسل بلا جھجک امام احمد رضا کے قریب آئے۔

بیگانوں کا ظلم

۵۵ سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہے، افواہوں کو پھیلانے ہیں، بدگمانیوں کی اشاعت میں، اتہام و افترا کو وسیع کرنے میں دو چار سال بھی بہت ہوتے ہیں اور جبکہ مخالفت کا محور صرف ایک ذات ہو، اسوقت اور آسانی ہو جاتی ہے، ایک طرف مخالفت کا پچپن سالہ تسلسل دوسری جانب تنہا امام احمد رضا! وہ کون سے حربے ہیں جنہیں امام احمد رضا کو مجروح کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ اس وقت میرا خطاب ان سے نہیں ہے جو پہلے ہی سے امام احمد رضا کی بارگاہ میں نذر عقیدت پیش کرنا باعث سعادت سمجھتے ہیں اُن سے ہے جو غلط فہمیوں کے شکار بنائے گئے ہیں اور جنہیں مولیٰ عز وجل نے کسی بھی حد تک شعور و آگہی عطا فرمائی ہے، ان حضرات سے مجھے امید ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت کے صحیح خد و خال دیکھنے کی کوشش کریں گے، امام احمد رضا کے متعلق زمانہ دراز سے عوام و خواص میں جو بدگمانیاں پھیلائی جاتی رہی ہیں ان کا ایک سرسری جائزہ بھی لیتے چلیں۔

۱۔ وہ بہت سخت مزاج اور شدت پسند تھے۔

۲۔ مسلمانوں کو کافر کہنے میں بے حد بے باک تھے۔

۳۔ رسول اللہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر جانتے تھے،

۴۔ غیر خدا کے لئے سجدہ کو حلال جانتے تھے۔

محاسبۂ آخرت سے بے نیاز ہو کر بے بنیاد الزامات کسی پر بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ چودہ سو سال کی تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اسلام کا کوئی ایسا محقق در رہنما نہیں ہے، جسے الزامات کی وادیوں سے نہیں گذرنا پڑا۔ لیکن عدل پسندوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ الزامات کو ثبوت کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ ثابت ہونے پر ملزم کو مجرم سمجھا عدم ثبوت پر مظلوم گردانا۔ امام احمد رضا کو مجرم ثابت کرنے یا مظلوم ثابت کرنے کیلئے اس وقت کون سے ذرائع ہیں؟ بالکل سامنے کی بات ہے کہ ان کی خود کی تصنیفات و تالیفات ہی مخالف و موافق کے لئے ذریعہ بن سکتی ہیں۔ لہٰذا ہمارے مخالفین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امام احمد رضا کی کتب سے اپنے الزامات کا ثبوت پیش کریں۔

الزامات کے ثبوت

(۱) امام احمد رضا بہت سخت مزاج تھے، شدت پسندی ان میں زیادہ تھی، یہ الزام اس لئے لگایا جاتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ امام احمد رضا ایک جذباتی اور ہیجانی کیفیت کا نام ہے جیسا کہ ہوتی ہے جب ہم دیکھتے

ہیں کہ یہ بدگمانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد محترم عبدالحئی لکھنوی کو بھی تھی، اپنی کتاب نزہتہ الخواطر میں امام احمد رضا کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ

" دشمنی و خصومت میں بہت ہی سخت تھے، اپنی ذات اور اپنے علم پر گھمنڈ کرتے تھے، ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جاتے تھے"

(نزہتہ الخواطر کا مدلل اور مکمل جواب بڑے ستھرے اور معقول انداز میں عالیجناب محترم حکیم خلیل صاحب لکچر رطبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے تحریر فرمایا ہے جس کی پہلی قسط امام احمد رضا نمبر میں شریک اشاعت ہے)

مولانا لکھنوی کی اس بیزاری کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۸۹۳ء میں جب ندوۃ العلما کی تاسیس کے لئے علمار کا اجتماع ہوا تو امام احمد رضا نے بھی شرکت فرمائی تھی، بعد میں جب امام کے نکو رساذہن نے انگریزی سامراجیت کو بھانپ لیا، جو علمار ہی کے ہاتھوں رسول دشمنی کا بیج بونا چاہتی تھی تو فوری اس سے علیحدہ ہونے کا اعلان فرمایا اور اس سلسلے میں اپنے موقف کے اظہار کے لئے ضروری واہم رسائل تصنیف فرمائے جس نے بہت سارے علمار کی آنکھوں سے فریب کا پردہ اٹھایا۔ امام احمد رضا کے اس مومنانہ اختلاف کو دشمنی، خصومت، غرور، اور سخت گیری سے تعبیر کیا جانے لگا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر امام احمد رضا سخت گیر جھگڑالو گھمنڈی ہوتے تو تاسیس ندوہ کی میٹنگ میں شرکت ہی نہ کرتے امام احمد رضا کی شرکت ان کے خلاقی اقدار کا بیّن ثبوت ہے، اور سازشوں کی اطلاع کے بعد ندوہ کی کھلی مخالفت جرأت مومنانہ کی واضح دلیل ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ فی نفسہ مزاج میں شدت کیا مذموم ہے؟ بتایا جائے کہ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کس کے لئے ارشاد ہے؟ اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ کا مخاطب کون ہے؟

بیشک امام احمد رضا کے مزاج میں شدت وحدت تھی ایک سوال کے جواب میں امام نے فرمایا کہ

حدیث میں ہے کہ میری امت کے علمار کو گرمی پیش آئے گی،
قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے۔ (الملفوظ ۴)

نرم روی کی واضح ہدایت!

امام احمد رضا شدید تھے ان لوگوں کے لئے جو قوم و ملت کو مٹانے کا سازشی ذہن رکھتے تھے، ورنہ نرم مزاجی اور سنجیدہ ذہنی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تو اپنے صلح کلی اور مذبذب قسم کے لوگوں کے ساتھ بھی نرم رویہ

اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے،

دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل

ہو سکتے ۔ جن لوگوں کے عقاید مذبذب ہوں ان سے

نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں ۔ (الملفوظ ۱)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھکر امام احمد رضا کے موقف پر مزید روشنی ڈالیں۔ امام نے نہ صرف مذبذب و متزلزل عقائد والوں ہی کے تعلق سے میانہ روی کی ہدایت فرمائی بلکہ انہوں نے رسول دشمنوں سے بھی ابتدأً نرمی برتی، افہام تفہیم کے ذریعہ اصلاح کی کوشش فرمائی، غلط روی سے انہیں آگاہ کیا، لیکن جب ان کے اکابرین نے ایک نہ سنی تو ان پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے شدت اختیار فرمائی، ایسی شدت جس کا حکم قرآن عظیم نے دیا، اب خود امام احمد رضا کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں۔ ان سے بھی ابتدأً بہت نرمی کی گئی مگر چونکہ ان کے دلوں میں وہابیت راسخ ہو گئی تھی اور مصداق ثم لا یعودون حق نہ مانا اس پر سختی کی گئی کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے

یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم۔

اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ لازم ہے کہ وہ (کفار و منافقین) تم میں درشتی (سختی) پائیں ۔ ———— (الملفوظ ۱)

دیانتداری سے ہمیں تسلیم کر لینا چاہیئے کہ بے گانوں کے ساتھ نرم مزاجی کی واضح ہدایت فرماتے ہوئے رسول دشمنوں سے سختی امام احمد رضا کی پیداوار نہیں ہے بلکہ قرآنی مزاج ہے، اب جس کے سینے میں قرآن کی عظمت بسی ہوگی اسی کے ذہن و دماغ اور فکر و شعور میں اسلام دشمنوں کے بارے میں تصلّب فی الدین ہوگا۔ لہٰذا مولوی عبدالحی لکھنوی اور ان کے ہمنواؤں کو امام احمد رضا پر الزام لگانے سے پہلے قرآن عظیم کے حکم پر غور کرنا چاہیئے تھا جس کا اعلامیہ ہے کہ دشمنوں اور منافقوں پر شدت برتی جائے، کیا امام احمد رضا کو قرآنی حکم کی بجا آوری پر مطعون کرنا ظلم نہیں ہے؟ غالباً امام احمد رضا نے اسی موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

- (نہ لوگوں کی تحسین کا لطف لیتا ہوں، نہ ان کی طعن و تشنیع سے جل اٹھتا ہوں

. میرے کان مدحت سرائی کے منتظر نہیں رہتے، اور نہ ہی مجھے مذمت سننے کا ہوش ہے)

تکفیر مسلمین میں بیباکی ؟

(۲) امام احمد رضا پر یہ الزام کہ وہ تکفیر مسلمین میں بے باک تھے آیئے اسے بھی حقائق کی کسوٹی پر پرکھیں، کیا واقعی امام احمد رضا بغیر سوچے سمجھے کسی کو بھی کافر کہہ دیا کرتے تھے؟ کیا امام احمد رضا کے سامنے شریعت کا یہ اصول نہ تھا کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، آخر امام احمد رضا کو کیا ہو گیا تھا کہ اٹھتے بیٹھتے لوگوں کو کافر و مرتد گردانا کرتے تھے، ہم جب اس الزام کو ان کے اقوال وارشادات کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ایک فیصد بھی سچائی نظر نہیں آتی۔ سچائی ہے تو یہ کہ امام احمد رضا موجودہ صدی کے ایک انتہائی محتاط اور با اخلاص وجود کا نام ہے بشرعی فیصلے صادر کرنے میں امام احمد رضا جیسا محتاط فی الشریعۃ ہم کو نظر نہیں آتا یہ میری مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ایک مرتبہ سوال ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر کہہ دیا تو کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا نے کیا جواب دیا ملاحظہ کیجئے۔

بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہگار رہوا اور

اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا ——— (الملفوظ ۲)

سب جانتے ہیں کہ ہند میں گروہ وہابیہ کے بانی مولوی اسماعیل دہلوی پر تیرہویں صدی ہجری کے تمام علماء اسلام نے بالاتفاق کفر وارتداد کا شرعی حکم نافذ فرمایا تھا۔ امام احمد رضا سے پہلے جن اخیار امت نے وہابیت اور وہابی سربراہوں کے خلاف جہاد بالقلم فرمایا ان کی مختصر فہرست ذیل میں ہے۔

۱:- حضرت علامہ منور الدین دہلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے پرنانا)

۲: حضرت علامہ سید اشرف علی مدعو گلشن آبادی (ناسک)

۳: حضرت علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی۔ ۴:- حضرت علامہ مخصوص اللہ محدث دہلوی (حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے) ۵:- حضرت علامہ محمد موسیٰ دہلوی (شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے) ۶:- حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی (تحریک آزادی کے سالار) ۷:- حضرت علامہ خیرالدین مکی (مولانا آزاد کے والد) ۸:- حضرت علامہ عبدالحق خیرآبادی (علامہ فضل حق کے صاحبزادے) ۹:- حضرت علامہ شاہ سید ابوالحسین احمد نوری مارہرہ شریف ۱۰:- حضرت علامہ نقی علی خاں (امام احمد رضا کے والد) ۱۱- حضرت علامہ سید آل رسول مارہروی (امام احمد رضا کے مرشد) ۱۲:- حضرت علامہ عبدالعلی رامپوری۔

۱۳:۔ حضرت علامہ نور فرنگی محلی لکھنوی ۱۴:۔ حضرت علامہ شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی۔

۱۵:۔ حضرت علامہ محمد حسن کانپوری۔ ۱۶:۔ حضرت علامہ محمد حسین الہ آبادی۔ ۱۷:۔ حضرت علامہ عبدالوہاب لکھنوی۔ ۱۸:۔ حضرت علامہ قاضی شہاب الدین المہری بمبئی۔ ۱۹:۔ حضرت علامہ سید محمد ابراہیم بغدادی بمبئی، ۲۰:۔ حضرت علامہ غلام محمد حیدر اسلام آبادی (بھیرٹی)

یہ وہ دینی رہنما ہیں جنہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ امام الوہابیہ کا رد بلیغ فرمایا مولوی اسماعیل دہلوی کو کافر و مرتد ثابت کیا، سیکڑوں کتابیں لکھکر طوفان وہابیت کی روک تھام کی، مذکورہ علماء میں وہ لوگ بھی ہیں جو مولوی اسماعیل دہلوی سے خونی رشتہ رکھتے ہیں۔ لیکن جادۂ حق پر چلنے والوں کی نظر میں قرابت داری کچھ اہمیت نہیں رکھتی، اصل ایمان اور صرف ایمان ہے۔

امام احمد رضا کی احتیاط!

آئیے ہم دیکھیں کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے بارے میں امام احمد رضا کا کیا موقف رہا ہے۔

"علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے" (سبحن السبوح)

"ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (کافر کہنے) سے کف لسان

ماخوذ و مختار و مناسب ہے" (الکوکبۃ الشہابیہ)

امام احمد رضا نے مولوی اسماعیل دہلوی کے بہت سے اقوال پر کفر لزوم ثابت فرمایا ہے، لیکن تکفیر کلامی سے زبان کو بند کرلیا جس کی ایک وجہ یہ اطلاع کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اقوال کفریہ سے توبہ کرلی مگر شرعی ثبوت نہ ہونے سے انہیں مسلمان بھی نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ زبان کو روکا جائے۔ ایک جگہ امام فرماتے ہیں کہ

لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔ ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے (سل السیوف الہندیہ)

کافر کہنے میں اب اس سے زیادہ اور کتنی احتیاط ہو سکتی ہے۔ اتنے محتاط موقف کے باوجود ہمارے کرم فرما مخالفین امام احمد رضا کی ذات پر تکفیر مسلم کا الزام لگانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھکر

اکفر سمجھتے تھے۔

(ذکر آزاد مرتبہ عبد الرزاق ملیح آبادی)

قارئین اندازہ لگائیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین تعصب و تنگ نظری میں کسقدر تجاوز کر چکے ہیں، ذکر آزاد ہو یا جناب رئیس احمد ندوی کی آزادی ہند ہو، مولوی عبد الحئی لکھنوی کی نزہتہ الخواطر ہو یا المہند الشہاب الثاقب ہو یا اشد العذاب کسی جگہ بھی عدل و دیانت کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔

اتمام حجت کی منزل!

امام احمد رضا نے کسی بھی مسلمان کو کافر نہیں کہا۔ ہاں جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں کفری عبارات کو جگہ دی، متنبہ کرنے اور توجہ دلانے پر بھی رجوع نہیں کیا، اور ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا افہام تفہیم کیلئے مراسلت کی جگہ اس کا منفی جواب دیا گیا تو شریعت اسلامیہ کے ایک ذمہ دار ہونے کے ناطے امام احمد رضا کو آخری فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا جن علماء کے بارے میں امام احمد رضا نے عرب و عجم مشاہیر سے شرعی فیصلہ حاصل کیا ان کے اسماء مع کتب حسب ذیل ہیں۔

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی	اعجاز احمدی وغیرہ
(۲) مولانا رشید احمد گنگوہی	فتوی رشید احمد گنگوہی
(۳) مولانا قاسم نانوتوی	تحذیر الناس
(۴) مولانا خلیل احمد امبیٹھوی	براہین قاطعہ
(۵) مولانا اشرف علی تھانوی	حفظ الایمان

کمال احتیاط کو ملاحظہ کیجئے کہ امام احمد رضا نے مذکورہ بالا علماء خمسہ سے براہ راست مراسلت کی قابل اعتراض کفری عبارتوں پر بار بار انتباہ دیا۔ حالانکہ یہ علماء اپنے ہاتھوں کافر ہو چکے تھے، مگر امام احمد رضا شریعت کے ایک مخلص اور ذمہ دار خادم تھے۔ اتمام حجت کے تمام شرعی امور کو اختیار فرمایا آخر میں حجت شرعیہ قائم کرتے ہوئے یہ تحریر کیا کہ

> یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی غوغے پر التفات نہ ہوگا، منوا دینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔

(دافع الفساد حسن مراد آبادی)

امام احمد رضا دیار قدس میں!

حیف صد حیف مخالفین نے امام احمد رضا کی صلح جویانہ جدوجہد کا ذرا بھی پاس نہ کیا، بار بار انتباہ کے باوجود توجہ نہ دی اور معترضہ کتابیں برابر چھاپی جاتی رہیں، امام احمد رضا نے جب دیکھا کہ پندرہ بیس برس گذر جانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی بات پر اٹل ہیں، توبہ واستغفار تو بڑی بات ان ایمان سوز عبارتوں کی اشاعت بھی نہیں بند کر رہے ہیں تو مجبوراً حکم شرعی کا نفاذ کرنا پڑا۔ اور ۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند عالم وجود میں آئی، پھر کیا تھا مخالف کیمپ میں آگ سی لگ گئی، اور امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی گئی، امام احمد رضا شان تجدیدی لیکر پیدا ہوئے تھے، ان کے ہاتھوں اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی عظمت وحرمت کا تحفظ مقدر تھا، لہٰذا حالات نے نئی کروٹ لی، امام احمد رضا کو اپنے شرعی فیصلے کی تصدیق وتوثیق کے لئے اس سرزمین کو منتخب کرنا پڑا جس کی تقدیس کی گواہی قرآن وحدیث نے دی ہے ۱۹۰۵ء میں حرمین طیبین جاکر امام احمد رضا نے مذکورہ بالا پانچوں علماء کی قابل اعتراض عبارتوں کو وہاں کے اجلہ علماء روزگار کی خدمت میں پیش کیا جن کے شرعی احکامات عالم اسلام کی عدالت عالیہ میں چیلنج نہیں کئے جاسکتے تھے، امام احمد رضا نے پورے شرح وبسط کے ساتھ ان تمام کتابوں

کو علماء مکہ ومدنیہ کے حضور پیش کیا، اور انہیں کئی ماہ ان عبارتوں کے سمجھنے اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کا موقع دیا، ہفتے دو ہفتے یا بیس پچیس دن کی مدت نہیں پورے چار ماہ حرمین طیبین میں امام احمد رضا کا قیام رہا۔ آخر کار اکابرین اسلام نے امام احمد رضا کے شرعی فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر کے گستاخان ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر وارتداد پر آخری کیل ٹھونک دی۔ جن میں مکہ معظمہ کے ۲۰ مدینہ طیبہ کے ۱۳ علماء وفضلا تھے ان قدسی صفات حضرات نے صرف "الجواب صحیح" پر اکتفا نہیں بلکہ امام احمد رضا کی تبحر علمی، تجدیدی قوت اور فضل وکرم کے سامنے عقیدت کے پھول برسائے۔ کسی نے سلطان العلماء المحققین (علماء محققین کے بادشاہ) کہا تو کسی نے ارشد العباد (بندوں کی رہنمائی کرنے والا) فرمایا کوئی کہہ رہا ہے، المجدد لہٰذہ الامۃ (امت مسلمہ کے مجدد) اور کوئی "کشاف مشکلات العلوم فی الباطن والظاہر" (علوم کی ظاہر وباطن مشکلات کھولنے والا) کوئی گویا ہوا تو یوں انہ مجدد ھذا القرن (بیشک اس صدی کے مجدد تھے)، اور کوئی یوں عمدۃ الموحدین وعصام المہتدین (موحدین کا مطلع اور ہدایت یابوں کا نگراں) آخر میں ملاحظہ کیجئے، حضرت علامہ شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی کے خیالات کا اردو ترجمہ:

وہ جیسے لئے مکہ معظمہ کے علماء کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ

سرداروں میں یکتا و یگانہ ہے، امام وقت، بیکس سردار، میری جائے
پناہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں
کو اس کی زندگی سے بہرہ ور فرمائے اور مجھے اس کی روش نصیب
کرے کہ اس کی روش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش ہے۔ (حسام الحرمین)

حرمین کے اساطین کا امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت دیکھنا ہے تو "حسام الحرمین" کا مطالعہ کیجئے، مخالفین کے پانچ اکابرین پر آخری اور قطعی فیصلے کا نام ہے "حسام الحرمین" جسمیں علماء مکہ ومدینہ نے انشراح صدر کے ساتھ علماء خمسہ کے کفر کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے، یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ اب حجت شرعیہ قائم ہوجانے کے بعد اطلاع شرعی کے باوجود جو ان پانچوں کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ من شك في كفره وعذابه فقد كفر، جواب دیا جائے! کیا علماء حرمین بھی مکفر المسلمین ہیں؟ کیا ان مقامات مقدسہ میں بھی کفر ساز مشین نصب تھی؟ حسام الحرمین کی روشنی میں اگر مخالفین اپنا احتساب کرتے اور حرمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے عزت نفس کا پاس ولحاظ نہ کرتے تو بات اس وقت بھی بن جاتی وقت گذرتا گیا، بات بڑھتی گئی غالباً ان حضرات نے اپنی عبارتوں کو غیر متبدل اور ناقابل تنسیخ سمجھ رکھا تھا عبارتوں میں توجیہہ بھی کی کہ بات الجھ کر رہ گئی، رجوع و توبہ نہ بن سکی۔ ان حالات کو جوں کا توں رکھکر

وہ پانچوں تو دنیا سے رخصت ہوگئے مگر امت مسلمہ کو ایک نہ ختم ہونے والا فتنہ دیکر۔

رضا مخالف مشن!

چودھویں صدی کے ابتدائی دور میں مذہبی اختلاف کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک جانب عرب وعجم کی مسلمہ شخصیتیں ہیں دوسری جانب صرف پانچ علماء ہیں اور ان کے چند مؤیدین۔ اس تاریخی حقیقت کے باوجود تنہا امام احمد رضا پر عصبیت کے گولے برسانا کہاں کا عدل ہے؟ آج امام احمد رضا ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کے علمی شہ پاروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ "رضا مخالف مشن" نے ابتدائی دور ہی سے افواہوں، من گھڑت باتوں اور بے بنیاد الزامات کا سلسلہ جاری رکھا گیا، آیئے خود امام احمد رضا کی زبانی سنیئے!

عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علماء اہلسنت کے فتاویٰ تکفیر کا کیا اعتبار، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہدیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ (حسام الحرمین)

مخالفین نے ابتدا میں من گھڑت الزامات کے لئے جو راہ اپنائی تھی ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی

اور مولوی رئیس احمد ندوی بھی اسی پر گامزن ہیں۔ حد تو یہ کہ مشہور صحافی مولانا عثمان فارقلیط بھی اسی راہ کے راہی نظر آتے ہیں (تفصیل کے لئے ماہ نومبر ۸۴ء کا شبستان ڈائجسٹ دہلی اور فروری ۸۵ء کا ماہنامہ المیزان)
امام احمد رضا تکفیر مسلم کے الزام کے جواب میں آگے یوں رقم طراز ہیں۔

اسماعیل دہلوی کو کافر کہدیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کہدیا مولوی عبدالحئ صاحب کو کہدیا، پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے، وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذاللہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو کہدیا شاہ ولی اللہ صاحب کو کہدیا، حاجی امداداللہ کو کہدیا اور شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہدیا۔ یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہدیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اسکے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہدیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذاللہ معاذاللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہدیا ——— (حسام الحرمین)

امام احمد رضا کے اس وضاحتی بیان کے بعد مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کا یہ الزام ایک بار پھر ملاحظہ کریں کہ

یاد رہے مولانا احمد رضا خان صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھکر اکفر سمجھتے تھے ——— (ذکر آزاد)

ہم جانتے ہیں کہ ہر مرد حق آگاہ کو مخالفت کے طوفانوں سے گذرنا پڑا ہے لیکن امام احمد رضا ایک ایسی مظلوم ذات کا نام ہے جسے اہل دانش و بینش کی بزم سے دور پھینکدینے کی منظم سازش کی جاتی رہی ہے۔ جس کا ردعمل یہ ہے کہ تمام تر حقائق کے باوجود آج اہل دانش امام احمد رضا کی عبقری ذات کو نہ تو جانتے ہیں نہ ہی پہچانتے ہیں، ان کا اسم گرامی ایک مذہبی گالی سمجھا جاتا ہے، اس بھیانک اور افسوسناک صورتحال کی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے تاریخ کا طالب علم جب دیکھے گا کہ مسلسل ستر سال سے رد رضا مخالف مشن کی جارحیت جاری ہے۔ لیکن امام احمد رضا زندہ باد کا فلک شگاف نعرہ لگانے والے بے حسی اور تن آسانی میں مبتلا رہے تو بیگانوں کو بے گانہ کہکر آگے بڑھ سکتا ہے مگر اپنوں کی ناکردگی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

امام احمد رضا پر تیسرا الزام!

(۳) امام احمد رضا پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ذاتی علم مانتے ہیں، علم الٰہی کے مساوی جانتے ہیں۔ مخالفین کا یہ الزام بھی گذشتہ الزامات کی طرح اختراعی ہے، اس ضمن میں جتنے بھی اعتراضات ہیں امام احمد رضا کی روشن تحریرات اور فکر خیز تشریحات سے بے بنیاد اور خود ساختہ ثابت ہو جاتے ہیں۔ علم غیب کے مسئلے میں امام احمد رضا کا عقیدہ انہیں کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے۔

علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لئے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے ——— خالص الاعتقاد)

علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن وہ قدیم یہ حادث وہ نامخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضروری البقاء یہ جائز الفناء، وہ ممتنع الغیر یہ ممکن التبدل ——— (ابناء المصطفیٰ)

اگر تمام اہل علم اگلے پچھلوں، سب کے علوم جمع کئے جائیں تو اِن کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندر سے ——— (خالص الاعتقاد)

ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع ——— (خالص الاعتقاد)

امام احمد رضا نے علم غیب کے مسئلے پر دو ٹوک اپنا نظریہ پیش فرمایا ہے، پھر بھی مخالفین کی کور بینی سمجھائے ہوئے ہے، مخالف عناصر اپنے اسلاف کی ڈگر سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں چاہتے، آج بھی ان کے کیمپ سے جتنی کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں ان میں ان الزامات کو شاہ سرخیوں سے سجایا جاتا ہے، گویا، امام احمد رضا اور سواد اعظم لاکھ اپنے نظریات کی وضاحت کرے ہم تو وہی کہیں گے جو ہمارے پیشروؤں نے کہا ہے لکھا ہے اور لکھ کر چھاپا ہے جبکہ امام احمد رضا نے آج سے پچھتر سال قبل بے گانوں کی افترا پردازی پر علم الٰہی کے تعلق سے اپنے نظریے کو ظاہر کرتے ہوئے اپنا معاملہ منتقم حقیقی کے حضور یوں پیش کر دیا تھا۔

اس سے بڑھکر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے،

مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب (خالص الاعتقاد)

غیر خدا کیلئے سجدہ روا جانتے تھے؟

(۴) امام احمد رضا پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ غیر خدا کے لئے سجدہ نہ صرف روا جانتے تھے بلکہ اس کا حکم بھی فرماتے تھے، الزام اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب اس کا وجود کسی ٹھوس بنیاد پر ہو، دستاویزی ثبوت ہی الزام کے وقار کو نکھارتے ہیں۔ الزام لگانا آسان ہے ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے، اور پھر بزم گاہ تنقید و تحقیق میں جہاں کوئی بات بلا دلیل نہیں مانی جاتی کسی الزام کو بغیر ثبوت کے کسطرح مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں جن لوگوں کے نزدیک محض الزام ہی کو اہمیت دی جاتی ہو اور مخالفت برائے مخالفت ہی پسندیدہ مشغلہ ہو ان کے ذہن و فکر سے غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے امام احمد رضا کے اقوال پیش خدمت کر رہا ہوں ممکن ہے کہ انتشار ذہنی اور خلجان باطنی کیلئے یہ اقوال مُسکّن کا کام دیدیں۔

" مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ۔ اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً، اجماعاً شرک مہین و کفر مبین۔ اور سجدۂ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین۔ ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول ہے ــــــــــ (الزبدة الزکیة)

امام احمد رضا نے غیر خدا کے لئے سجدہ تعبدی کفر و شرک سے تعبیر کر کے کتنے کھلے الفاظ میں تردید فرمادی۔

امام احمد رضا نے نہ صرف اپنے عقیدے کا اظہار کیا بلکہ عقیدے کی تائید میں چہل حدیث بھی پیش فرمائی۔

" علماء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں، ہم بتوفیقہ تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں ...

(تفصیل کے لئے الزبدة الزکیة کا مطالعہ کیجئے)

امام احمد رضا پر الزامات کا ایک انبار ہے، افترا پردازی کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ ہے، اتہامات کی ایک طویل فہرست ہے، میں نے اختصار کے پیش نظر محض چند بھیانک اور افسوس ناک الزامات کو امام احمد رضا کے ارشادات کی روشنی میں بے بنیاد اور ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ گذشتہ اوراق میں میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اسلوب بیان میں جارحیت نہ آنے پائے، نہ ہی احساس کمتری شامل ہو، حقیقت پسندانہ طرز نگارش اختیار کرنے میں میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ امام احمد رضا کو اپنے اور بیگانے دیکھیں، پڑھیں، پرکھیں

اور دیکھیں، اپنے اپنی عقیدت کی دنیا میں اچھی طرح بسالیں اور بیگانے قریب آئیں، آنکھوں سے بدگمانیوں کے پردے ہٹاکر امام احمد رضا کے ان تجدیدی کارناموں سے جانکاری حاصل کریں جس کے لئے انہیں موجودہ صدی کا مجدد بناکر پروردگار عالم نے بھیجا تھا۔

اپنوں کا ظلم:

بات وہیں پر ختم ہوچکی تھی جہاں بے گانوں کے مظالم کا بیان ختم ہوا تھا، لیکن امام احمد رضا پر مظالم کا وہ صرف ایک رخ تھا ظلم کا وہ رخ سامنے نہیں آسکا جسکے ذمہ دار اپنے ہی ہیں، ہوش وحواس کی درستگی کے ساتھ مخالفین کے سارے اعتراضات کا مطالعہ کیجئے آپکو اکثر اعتراضات کی مبنیٰ وہ کتابیں ملیں گی جو امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہیں۔

مخالفین کے اسلاف کی کتابیں دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے الزامات کا مقصد امام احمد رضا کی شخصیت کو مجروح کرنیکے سوا کچھ نہ تھا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیتیں امام احمد رضا کی سامنے سر نیاز جھکائے کھڑی ہیں تو معاصرانہ حسد میں جل بھن کر جو دل میں آیا لکھا اور شائع کیا۔ ۱۹۲۱ء سے پہلے کی اُن کتابوں کو پڑھ جایئے جو امام احمد رضا کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں، آپ دیکھیں گے کہ اعتراضات والزامات میں ظنی، قیاسی اور اختراعی باتوں کی بھرمار ہے، وجہ یہ تھی کہ ساری کوششوں کے باوجود امام احمد رضا کی تصنیفات کے انہیں وہ مواد ہی نہ مل سکا جو ان کی سوزش فکر کے لئے مرہم ثابت ہوتا۔ لیکن امام احمد رضا کے پردہ فرمانے کے بعد چند کتابیں ایسی شائع ہوئیں، جنہیں نہ شائع کرنے سے امام احمد رضا کا کوئی نقصان نہ تھا۔ نغمۃ الروح ہرگز امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہے، لیکن کچھ کہا نہیں جاتا اہل عقیدت کی اس نذر عقیدت کے بارے میں اور بن کہے رہا نہیں جاتا۔ نذر عقیدت کے طور پر پیش کی جانے والی یہ چند ورقی کتاب نغمۃ الروح خدا معلوم امام احمد رضا نے قبول فرمایا کہ نہیں لیکن ان کے مخالفین نے نہ صرف اسے آنکھوں سے لگایا بلکہ امام پر جارحانہ حملے کیلئے اسے ہتھیار کی حیثیت دے رکھی ہے، مخالف کیمپ زمانۂ دراز سے منتظر تھا کہ امام احمد رضا کو بانیٔ مذہب بنانے کیلئے کچھ تو حاصل ہو، امام کی کتابوں نے انہیں ہمیشہ مایوس کیا، اگر کسی نے جرأت بھی کی تو آفتاب پر تھوکنے والوں جیسا حشر ہوا۔ نغمۃ الروح جو امام احمد رضا کی مدحت وتعریف میں ایک عقیدتمند کی جانب سے شائع کی گئی، اس سے امام احمد رضا کو نشانہ بنایا جائے؟ کہاں کا انصاف ہے۔ ہم جس سماج میں رہتے ہیں اور جس شریعت کو مانتے ہیں اس کا اصول یہ ہے کہ قائل کے قول سے اسکے عقیدے ونظریے کو پرکھا جائے گا مصنف کی تصنیف سے اس کی تحریک کو سمجھا جائے گا۔ یہ کون سا سماج ودھرم ہے کہ کہے کوئی مورد الزام ٹھہرے کوئی، غلطی کرے کوئی سزا بھگتے کوئی

خدارا! اپنوں پر میری اس تنقید کو مخالفین کے اعتراضات کا ردعمل ہرگز نہ سمجھا جائے، اور نہ ہی احساس کمتری میں یہ سب کچھ کہے جا رہا ہوں۔ ہمارے علماء نے نغمۃ الروح پر کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات دئے ہیں۔ لیکن کیا ہی بہتر ہوتا کہ عقیدت کے یہ گل نہ کھلائے گئے ہوتے۔ ایسے ہی عقیدت والوں کے درمیان ایک سے ایک عبقری شخصیتیں دب کر رہ جاتی ہیں، شعوری یا غیر شعوری طور پر نذر کئے جانے والے انہیں نغموں کو ظلم و زیادتی سے تعبیر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میرا یہ ذہن ہے کہ امام احمد رضا پر کئے گئے حملوں کا ہم جم کر دفاع کریں اور مخالفین کی جارحیت سے امام احمد رضا کو محفوظ رکھنے کا فریضہ ادا کریں، چاہے اس کے لئے ہمیں اپنی جماعت کی اہم شخصیت کے بچاؤ سے معذور ہی کیوں نہ ہونا پڑے، دفاعی جنگ میں کچھ تو خسارہ برداشت ہی کرنا پڑے گا۔

یہ بھی ظلم ہی ہے!

سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ حدائق بخشش دو حصوں میں منقسم ہے اور یہ دونوں حصے امام احمد رضا کی حیات مبارکہ میں ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہو چکے تھے، اسی دیوان نے اردو شاعری کو ایک نئی راہ دکھائی، صنف نعت کو ایک ستھرا شعور دیا، مسلمانوں کے قلوب کو مصطفےٰ جان رحمت کی طرف پھیر دیا، حدائق بخشش نعتوں کا ایک مجموعہ ہی نہیں ہے، سیکڑوں آیات و احادیث کا تشریحی گلدستہ ہے۔ حدائق بخشش کے دونوں حصے چھپتے رہے اور فیض رسانی کا ذریعہ بنتے رہے، لیکن ۶۶ سال کے بعد اس وقت ملت اسلامیہ کو ایک دھماکہ خیز صورت حال سے دوچار ہونا، جب ۱۳۶۶ھ میں ہماری ہی جماعت کے ایک سربراہ نے نعتیہ کلام کے ایک مجموعہ کو "حدائق بخشش" کا نام دیکر شائع کیا۔ طرفہ یہ کہ اسے تیسرا حصہ بھی قرار دیدیا۔ اس خود ساختہ تیسرے حصے کے بارے میں مرتب نے بھی اقرار کیا ہے کہ امام احمد رضا کے وصال کے بعد انہیں کچھ کلام مختلف جگہوں سے دستیاب ہوئے ہیں جسے "حدائق بخشش حصہ سوم کی شکل و صورت میں پیش کیا جا رہا ہے کیا اب بھی اس وضاحت کی ضرورت باقی ہے کہ امام احمد رضا کا مرتب کیا ہوا یہ تیسرا حصہ نہیں ہے؟ یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ یہ تیسرا حصہ امام احمد رضا کے ایک عقیدتمند کی خوش عقیدگی کا نادر نمونہ ہے۔ جس سے صاحب حدائق بخشش کا دور دور سے واسطہ نہیں ہے۔

علم و تحقیق کی دنیا والوں کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ جب بھی کسی ذات کے علمی شاہکار اور منتشر فکری آثاثہ کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے براہ راست صاحب تذکرہ کی تخلیق قرار نہیں دیتے، مثلاً غالب و اقبال کے دور میں جو کچھ بھی مواد چھپے وہ انہیں کی مرضی کے مطابق تھے لیکن بعد کے آنے والوں کو ان حضرات کے جو بھی تخلیقی شاہکار

میسر ہوئے اسے "باقیات غالب"، اور "باقیات اقبال" کا نام دیکر شائع کیا، تاکہ اگر اس میں کچھ رطب و یابس شامل ہوجائے کو صاحب تذکرہ کی شخصیت مضروب نہ ہو، "باقیات" کے مدوّن کو ذمہ دار قرار دیا جائے۔

افسوس کہ امام احمد رضا کے ساتھ ایسا نہ ہوسکا، اپنی مرضی اور اپنی صوابدید پر ایک ایسا قدم اٹھادیا، جس کی ہمت خود امام احمد رضا کے صاحبزادوں میں بھی نہ تھی اگر محبوب الملت مولانا محبوب علی خاں صاحب محنتِ شاقہ سے حاصل ہونے والے "مجموعہ کلام" کو "باقیات رضا" کے نام سے طبع کراتے تو آج وہ صورتحال ہمارے سامنے نہ آتی، جس کے نہ آنے ہی میں امام احمد رضا اور سواد اعظم کی بھلائی تھی، مجھے محبوب الملت کے خلوص سے انکار نہیں ہے، اور نہ ہی میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم رنجش کے بنا پر ایسا کیا ہے۔ لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پارہا ہوں کہ محبوب الملت نے کسی سے مشورہ کئے بغیر حدائق بخشش میں تیسری جلد کا اضافہ کرکے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے، ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی، ایک ایسی فاش غلطی جس کی تنہا ذمہ داری محبوب الملت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی، سوچ کر بتائیے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو آنے والا مورخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کرے گا۔

اپنوں کا ظلم پر ظلم!

محبوب الملت کی مرتبہ حدائق بخشش کس طرح اور کہاں اشاعت پذیر ہوئی، مذہبی حلقہ بخوبی واقف ہے، لیکن پس پردہ بمبئی اور بیرون بمبئی جو کچھ فتنے اٹھائے گئے، وہ "رضا مخالف مشن" ہی کی کارفرمائی کا نتیجہ تھے حالانکہ مرتب علیہ الرحمۃ نے احساس غلطی کا اظہار کیا اور ۱۹۵۵ء میں بالاعلان توبہ واستغفار کی سعادت حاصل کی، بارگاہ خداوندی میں توبہ وندامت کا اظہار "مرد مومن" کی شان بندگی ہے۔ لیکن جب ہمیں معلوم ہوا کہ اس پردہ زنگاری میں ایک معشوق چھپا ہے تو سر دھننے کو جی چاہتا ہے، دل کی دھڑکن اور تیز ہوجاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مخالفین کے پردہ زنگاری میں چھپا ہوا معشوق ہمارا ہی ہے، جو ملت اسلامیہ کی پاسبانی کے بجائے جاسوسی کے فرائض انجام دیتا نظر آرہا تھا، اسے پہیلی نہ سمجھئے یہ ایک سچا حادثہ ہے، جس نے "خانہ ساز تیسری جلد" کو مخالف کیمپ تک پہنچانے میں اپنا خطرناک رول ادا کیا۔ اور جس کے اس کردار نے امام احمد رضا اور سواد اعظم دونوں کو قصداً یا سہواً خسران کی منزل سے گذارا۔ اسے اپنوں کا ظلم پر ظلم نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ آج وہ وقت نہیں ہے، وقت آئے گا تو ہم امام احمد رضا کی عظمت کے لئے ایسے چہروں کو پیش کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکیں گے۔

وقت گذرتا گیا، مخالفین کا وہ زور بھی ماند پڑتا گیا جسے "اہانت صدیقہ" کا نام لیکر ابھارا گیا تھا لیکن عرض یہ کہ خدا کے واسطے اب کوئی بھی کام ہو تو آنکھ بند کر کے نہ ہو، حواس خمسہ کیساتھ ساتھ چھٹی حس کو بھی بیدار کر کے امام احمد رضا اور دوسرے اکابرین اسلام پر کام کیا جائے، نذرِ عقیدت پیش کرتے وقت جوشِ عقیدت کیساتھ ہوشِ شریعت کی بھی شمولیت ضروری ہے، اختصار اجازت نہیں دے رہا ہے ورنہ اس موضوع کے دوسرے بھی کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا، لہٰذا اسے یہیں پر بس کرتا ہوں۔

بے دخل کرنے کا منصوبہ!

امام احمد رضا کی قدآور اور کثیر الحیثیات ذات کی گیرائی اور تنہائی دیکھکر ہمیں ایک خاص تشنگی کا احساس ہوتا ہے کہ آج کے ترقی پسندانہ اور عقلی دور میں بھی حقائق کو حقائق کی نظر سے دیکھنے کا حوصلہ کم ہی لوگوں میں ملتا ہے جس نے بھی قلم اٹھایا آنکھ بند کر کے الزامات کی بوچھار کرتا رہا۔ ذکر آزاد سے لیکر اشد العذاب اور ان جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ نظریہ کار فرما نظر آتا ہے کہ امام احمد رضا کو عوام کے ساتھ ساتھ خواص کی بھی بزم سے دور بہت دور کر دیا جائے۔

ہم اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجک رہے ہیں کہ مدبرین و دانشوروں کی لائبریریوں سے لیکر طلبا و ریسرچ اسکالرس کی میزوں تک اگر نظر آئیں گی تو بیگانوں کی کتب ہی نظر آئیں گی۔ نصف صدی کے طویل ترین عرصے میں امام احمد رضا کی یہی تصویر پیش کی جاتی رہی کہ تکفیر کی تلوار لیکر ہر کسی کو قابل گردن زدنی قرار دینے والے فرد کا نام ہے۔ امام احمد رضا — گویا امام احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر ایک عنصر کے دو نام ہیں، حرکت و عمل کی اسی توانائی کے ساتھ امام احمد رضا کو علمی حلقوں سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جو اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا ہے۔ جو ر د جفا کے اس ناروا ماحول میں مجھے یقین ہے کہ دور حاضر کے محققین و مدبرین امام احمد رضا پر لگائے گئے الزامات کے پس منظر اور پیش منظر کا ادراک کریں گے۔ تحقیق و تنقید کے ذریعہ امام احمد رضا کی بے داغ و بے ریا شخصیت کیخلاف محاذ آرائی میں عدل و دیانت کا ساتھ دیں گے کیونکہ ان حالات سے پرے ہو کر سمجھنے والوں کو کشاں کشاں امام احمد رضا کے قدموں میں جاتے ہوئے ہم نے دیکھا ہے، رومی ہو یا مصری، شامی ہو یا یمنی، افغانی ہو یا ترکی، مکی ہو مدنی، چینی ہو روسی، یوروپین ہو یا ایشین، عربی ہو یا عجمی جس نے امام احمد رضا کی تحریرات انیقہ دیکھا امام احمد رضا کا ہو گیا۔

امام احمد رضا پر کام کے طریقے!

بات تلخ ہے مگر سچ ہے کہ ہم نے امام احمد رضا کو "جذباتی عقیدت" کے دبیز غلاف میں لپیٹ رکھا ہے
جس کے بغیر گویا امام احمد رضا کی سیرت کا حسن نکھر ہی نہیں سکتا۔ آہ! موجودہ صدی کا مجدد محض خوش
عقیدگی کے خوبصورت پردے میں ڈھک کر رہ گیا ہے، آج ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں وہ سائنسی
اور تحقیقی دنیا ہے۔ یہاں ہمیں باور کرانا ہوگا کہ ہمارے امام نے ملت کی حفاظت و صیانت کیساتھ قوم و ملک
کے فلاح و صلاح کے لئے کون سے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، کون سے لائحہ عمل کے ذریعہ انہوں نے
قوم کی ترقی اور ملک کی تعمیر کا نشانہ متعین فرمایا ہے۔ ملک کی آزادی کے لئے بیرونی تسلط کے خلاف انہوں نے
اور ان کے رفقا نے کون سی راہ عمل اختیار فرمائی ہے۔

از بس ضروری ہے کہ امام احمد رضا کی انقلاب آفریں شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ٹٹول
ٹٹول کر واقعات کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ علمی، تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی اصولوں کے سائے میں
امام احمد رضا کے تمام فکری اثاثے کو جانچا جائے، کھلے ذہن و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، بصیرت
و بصارت کی رہنمائی میں امام احمد رضا کی عہد ساز زندگی پر ریسرچ کیا جائے، محض جذباتیت
ہی کو اوڑھنا بچھونا نہ بنایا جائے، ایثارانہ کاوش اور سعی پیہم کے ذریعہ ان کے علم حدیث اور علم فقہ و فنون پر کئے
ہوئے کام کو اس طریقے سے منظر عام پر لایا جائے جس سے امام احمد رضا کی پاکباز اور جانباز، باعمل و پُر کردار
متحرک اور باوقار حیات اپنی عبقریت کا لوہا منوا سکے۔ انہیں خطوط پر چل کر ہم ایک عظیم قائد کے مشن کیساتھ صحیح
وابستگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

خیال آیا تو کیوں آیا!

زمانۂ طالب علمی سے ہی میرا دل مسوستا تھا کہ آخر امام احمد رضا پر تحقیقات کیوں نہیں کی جاتی،
ہند کے کسی بھی سرکاری، نیم سرکاری یا غیر سرکاری تعلیمی اداروں، دانش گاہوں اور فلاحی تربیت گاہوں میں جاؤ تو
صرف انہیں کی تخلیقات سامنے آتی ہیں جنہیں ہم، وہابی کی جگہ لہابی، مودودی کی جگہ مردودی، تبلیغی کی جگہ
تبلیغی کہکر مطمئن ہو جایا کرتے ہیں، کاش ہم اپنے قیمتی اوقات اور فکری صلاحیتیں اختلافی باتوں کے سوا اپنے
امام کیلئے بھی صرف کرتے، تقسیم ہند کے پاؤ صدی کے بعد غیر ممالک میں امام احمد رضا پر تحقیقاتی
کام شروع کیا گیا ہے، لیکن بھارت میں ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ کی مرتبہ
"حیات اعلحضرت" اور حضرت مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی کی مولفہ "ملفوظات اعلحضرت" کے بعد امام احمد
رضا پر کوئی قابل ذکر کام ہی نہیں کیا گیا، کچھ کیا گیا تو انہیں دونوں کتابوں کا چربہ بنا کر۔ آخر وہ
کون سے عوامل تھے جس نے ہمیں امام احمد رضا پر کام کرنے کی جانب متوجہ کیا، آج سے دو سال قبل

"علماء اہلسنت کے نام گشتی مراسلہ پڑھکر جہاں مجھے خوشی ہوئی وہیں حیرت بھی۔ خوشی اس لئے کہ جو کام آج سے پچاس سال قبل ہونا چاہئے تھا اسے آج سوچا جارہا ہے اور حیرت یوں کہ جو لوگ پچاس سال کے عرصے میں کچھ نہ کرسکے آپ ان سے تعاون کی آس لگائے بیٹھے ہیں؟ ممکن ہے کہ آپ میری اس بیباکی کو پسند نہ کریں لیکن یہ سچ ہی ہے کہ جن علماء کرام کے نام گشتی مراسلہ آپ نے جاری فرمایا ہے وہ یا تو آرام پسند ہو چکے ہیں یا گوشہ تنہائی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں ۔ یا ۔ پھر امام احمد رضا کا نام لیکر "شکم پروری" میں مبتلا ہیں۔ امام کی عبقری ذات، تاریخ ساز اور انقلابی شخصیت پر ریسرچ کرنے کی توفیق نہ انہیں کل تھی، نہ آج ہے اور نہ کل ہوگی اِلّا ماشاء اللہ! بارگاہ امام میں عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنے والوں کی کمی گو نہیں ہے، لیکن کیا ان کی علمی، ادبی، قومی، ملکی اور بین الاقوامی خدمات سے اقوام عالم کو روشناس کرانے کیلئے ایک بھی قدم اٹھایا گیا؟

———— ایک عرض سماعت فرماتے چلیں کہ جس قوم کے نام محترم نے گشتی مراسلہ جاری فرمایا ہے اسکے علاوہ اہلسنت کے اس دھڑ کی جانب بھی توجہ دیں جو کالج و یونیورسٹی میں تحقیقاتی ذمہ داریوں کو نبھار ہے ہیں۔ امام احمد رضا کی مسعود زندگی پر یہی عناصر وسعت مطالعہ، دقت نظر اور اصابت فکر کے ساتھ کماحقہ کام کرسکتے ہیں ———— المیزان نے امام احمد رضا نمبر نکالنے کا جو پروگرام ترتیب دیا اور سنی لیگ نے مجلس رضا کے قیام میں جو نقشہ تشکیل دیا ہے اس میں ہم انہیں ارباب فکر و نظر کو مخاطب کر رہے ہیں الغرض جماعت کے تمامی صاحب زبان و بیان کی فکری و علمی توانائی حاصل کرنے کا ایک جامع منصوبہ مرتب کیا گیا ہے۔ سات سمندر پار آپ نے بھی اس کار عظیم کا اعلان فرما کر ہمارے عزائم کو زبردست حوصلگی عطا فرمائی۔

مذکورہ بالا تاثرات المیزان اگست ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئے تھے ممکن ہے کہ میرے ان تاثرات "کو دیوانے کی بڑ سے تعبیر کیا جائے، لیکن امام احمد رضا نمبر کے لئے اکابرین ملت کے تئیں جن حوصلہ شکن اور ہوشربا حالات سے گذرنا پڑا ہے اس کے مطالعہ کے بغیر للہ! میرے تاثرات "پر آخری رائے" قائم نہ

کی بات ہے کہ جب شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں برطانیہ کے تبلیغی دورے پر تھے تو بلجیم بھی جانا ہوا، میزبان نے جو شیخ الاسلام کا نیاز مند تھا اپنے فرزند سے کہا کہ وہ کتاب حضرت کو دکھاؤ جو تمہارے مطالعہ میں ہے۔ صاحب زادہ نے فرینچ زبان میں بہشتی زیور لاکر سامنے رکھدی، جسکے ٹائیٹل پر نام نہاد حکیم الامۃ کو امام اہلسنت لکھا تحیر و تاسف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شیخ الاسلام دیر تک عالم خیال میں گم ہو گئے۔ آہ! جو امام اہلسنت ہے، اُسے نہ جانا جائے اور جو گستاخ رسول ہے اسے امام اہلسنت لکھکر متعارف کرایا جائے، وہ بھی ایک پردیسی زبان میں، اِس کا ذمہ دار کون، مخالفین یا ہم؟ شیخ الاسلام نے بمبئی آکر اگست ۸۸ء کے المیزان کا اجراء کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ طاغوتی طاقتوں اور رسول دشمنوں کی سرگرمیوں کا نقطۂ عروج یہاں تک پہنچ چکا ہے ——— اور ہم ہیں کہ اُردو زبان میں بھی کماحقہ لٹریچر نہ پہنچا سکے، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مختلف زبانوں میں بین الاقوامی سطح پر ہم اپنے لٹریچر پھیلا دیں۔ ورنہ ہمارے اکابرین اور ان کی ملی خدمات تاریخ کی بھول بھلیاں بنکر رہ جائیں گی۔ شیخ الاسلام نے زعماء اسلام پر کام کرنے کی جانب خصوصی توجہ دلائی اور اپنے ہر طرح کی تعاون کا یقین دلایا۔

یہیں سے ہم نے عزم کیا کہ اب اگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہ گئے تو یہ ماضی سے بھی زیادہ بھیانک غلطی ہوگی اس طرح شیخ الاسلام کی دکھائی راہ پر چلتے ہوئے سب سے پہلے "امام اہلسنت" ہی پر کام کا فیصلہ کیا گیا۔

بات پہ بات نکل آتی ہے!

امام احمد رضا پر تحقیقاتی کام کیلئے ضروری تھا کہ کوئی متحرک تنظیم آگے آئے اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے میں اسے اسلامیان ہند کی فیروز بختی سمجھتا ہوں کہ آل انڈیا سنی لیگ کے حوصلہ مند اراکین نے تیزی کے ساتھ ضرورت کا احساس کیا۔ الحمد للہ یہ احساس "مرکزی مجلس رضا" کا وجود لیکر ابھرا۔ ۹ مارچ ۸۹ء کو آل انڈیا سنی لیگ کی "مجدد اعظم کانفرنس" میں ایک متفقہ ریزولیشن کے ذریعہ مجلس کی تشکیل کی گئی۔ اور پھر دوسرے دن سے "امام احمد رضا نمبر" کی تیاریوں میں ہم سب لگ گئے۔ بات پر بات نکل ہی آتی ہے۔

مجھے آج وہ گشتی مراسلہ یاد آرہا ہے، جسے ورلڈ اسلامک مشن کے دائرۃ المعارفۃ الرضویہ کی جانب سے علماء اہلسنت کی خدمات بابرکات میں ارسال کیا گیا تھا، مئی ۸۸ء کے اس مراسلے میں ۵ دفعات کی روشنی میں امام احمد رضا پر کام کرنے کے لئے اکابرین جماعت سے درخواست پیش کی گئی۔ ورلڈ اسلامک مشن کو بھرپور اشتراک کا یقین دلاتے ہوئے گشتی مراسلے کے جواب میں میں نے "وم" کے سکریٹری جنرل کو لکھا تھا۔

کی جائے۔ امام احمد رضا نمبر کے لئے ملک کے تقریباً تمام اکابرین امت اور اصحاب قلم سے رابطہ قائم کیا گیا۔ مضامین کے لئے گذارش کی گئی، کم سے کم درجے میں پیغام ہی ارسال فرمانے کی درخواست پیش کی گئی، احساس ذمہ داری کا یہی تھی کہ ان حضرات کو ہم نے خطوط لکھے، یا براہ راست ملاقات کر کے معروضہ پیش کیا جن میں مذکورہ ذیل حضرات نے وعدہ فرمایا۔

۱: حضرت مولانا مفتی برہان الحق صاحب جبلپوری ۲: حضرت مولانا قاضی شمس الدین جونپوری ۳ حضرت مولانا ارشد القادری صاحب۔ ۴: حضرت مولانا ثنار اللہ مئوی، ۵: حضرت مولانا اسرار الحق کوٹوی، ۶: حضرت مولانا مشتاق نظامی صاحب ۷: حضرت مولانا شمیم اشرف خاں ازہری صاحب، ۸: حضرت مولانا محمد قاسم فیض آبادی ۹: حضرت مولانا نسیم اشرف خاں حبیبی، ۱۰: حضرت مولانا نیم بستوی صاحب ۱۱: حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی ۱۲: حضرت مولانا اصغر امام امجدی۔

حسب ذیل علمار عظام نے علالت اور عدم فرصت کی بنا پر عذر نامے سے سرفراز فرمایا۔

۱: حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب اعظمی ۲: حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب براؤں شریف۔ ۳: حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب مبارکپوری، ۴: حضرت مولانا حبیب اشرف سنبھلی ۵: حضرت مولانا محمد محبوب اشرفی کانپوری۔ اور حضرت مولانا سید حسین صاحب۔

مندرجہ ذیل علمار کرام کے جواب سے ہم محروم رہے۔

۱: حضرت مولانا عبد المصطفےٰ اعظمی صاحب ۲: حضرت مولانا ضیار المصطفےٰ اعظمی ۳: حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی ۴: حضرت مولانا تحسین رضا خاں صاحب، ۵: حضرت مولانا نور الدین نظامی بریلوی ۶: حضرت مولانا سخاوت علی بستوی، ۷: حضرت مولانا عبد اللہ عزیزی گونڈوی، ۸: حضرت مولانا افتخار احمد اعظمی، ۹: حضرت مولانا غلام ربانی فائق اعظمی، ۱۰: حضرت مولانا بدر الدین قادری ۱۱: حضرت مولانا محمد احمد بھیروی، ۱۲: حضرت مولانا عاشق الرحمٰن صاحب الہ آبادی ۱۳: حضرت مولانا مفتی مقبول حسین صاحب الہ آبادی ۱۴: حضرت مولانا محمود احمد کانپوری ۱۵: حضرت مولانا محمد احمد اشرفی کانپوری ۱۶: حضرت مولانا سید کلیم اشرف جائسی۔

جن حضرات نے مضامین یا پیغامات سے نوازا۔ ان کا تذکرہ زینت نمبر ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علمار کرام اگر دل پر لے لیں تو کیا نہیں ہو سکتا۔ مجھے دل کی گہرائیوں سے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علمار کی جماعت میں ایک سے ایک نادر روزگار صاحب فکر و فن اور قلم کے بادشاہ موجود ہیں جن کی تحریریں اپنی مثال آپ ہیں۔ لیکن۔۔۔ ۔۔۔۔۔ نہ جانے کب وہ ساعت آئے گی جب ہمارے علمار "تن آسانی" کی وادیوں سے باہر آئیں گے، اور موجودہ دور

کے چیختے ہوئے تقاضوں پر کان دھریں گے۔

بات ہے ایک سال کی !

جب ۹ مارچ ۱۹۸۵ء کو ممبئی میں آل انڈیا سنی لیگ کی " مجدد اعظم کانفرنس " میں "مرکزی مجلس رضا " کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ آزادی ہند کے بعد غالباً یہ پہلی سنی کانفرنس ہے جس نے صرف ایک تجویز پاس کی اور مسلسل ۵،۶،۳ دنوں تک تجویز کی روشنی میں کام کرتی رہی، سنی لیگ اگر اپنی تجویز کو عملی روپ نہ دیتی تو ہم اس کو بھی گیا سکتے تھے، آجکل تجاویز پاس کرکے ردی کی ٹوکری میں پھینکدینا فیشن بن چکا ہے سنی لیگ بھی تو اسی ماحول کی پیداوار ہے۔ جتنے ضروری امور ہیں۔ اسے بھی انجام دے دینا چاہئے تھا، مثلاً کانفرنس کرنا ضروری، کانفرنس کا انعقاد ہوا، تجویزیں پاس کرنا ضروری، تجویز بھی پاس ہوگئی، پاس شدہ تجویز کو طاق نسیاں کے سپرد کرنا ضروری؟ ...... یہی ضروری کام نہ ہوسکا؟ سارے ضروری کام انجام دیکر سنی لیگ نے آخری کام نہ کر کے دیگر تنظیموں کی موجودہ روش سے اپنے کو علیحدہ کرلیا۔ اس کی یہ علیحدگی لائق مذمت ہے یا قابل تحسین اس کا فیصلہ قارئین کریں۔ لیکن میں اس بولتی حقیقت کو کیسے چھپا سکتا ہوں جو ایک کلو وزن کے ساتھ بشکل امام احمد رضا نمبر آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ آپ کا بیدار ضمیر یہ بولنے پر مجبور ہوگا کہ ایسی کانفرنس ہر ماہ منعقد کی جائے تو ہم اس کی حوصلہ افزائی کریں گے، کوئی بھی تنظیم ہو اسکے کچھ رہنما اصول ہوتے ہیں، اصولوں پر چلنا جہاں اس تنظیم کو رشتۂ حیات سے منسلک کئے رہتا ہے وہیں اصولوں سے صرف نظری پیغام موت لایا کرتی ہے، اور ہاں جو تنظیم "کام" کو عزیز رکھتی ہے، اسے آبرومندانہ مقام ملتا ہے۔ "کام" کسی تنظیم کے لئے" دو آتشہ" کی حیثیت رکھتا ہے، یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سنی لیگ نے صحتمند قیادت کے لئے " دو آتشہ" حاصل کرلیا ہے۔ قوم کا سنجیدہ طبقہ اس وقت تک سنی لیگ کے ساتھ رہے گا۔ جبتک سنی لیگ عملی سرگرمیوں سے دلچسپی لے گی جس دن بے حسی اور مردنی کی کیفیت نے آگھیرا سنی لیگ بھی دوسری جماعتوں کی قطار میں نظر آئے گی۔

شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی !

ادارۂ المیزان اور آل انڈیا سنی لیگ کی ایک سالہ بھاگ دوڑ اور تگ و دو نے ہمیں کام کرنے کا آہنی شعور بخشا ہے، کیونکہ آج ہم جس تابناک منزل میں نظر آرہے ہیں۔ یہاں آنے تک محبت و نفرت، شفقت و عداوت تساہلی و سرگرمی، فرض ناشناسی و فرض شناسی حسن ظن و بدگمانی، بغض و الفت، فراخدلی و حوصلہ شکنی، اعلیٰ ظرفی و تنگ نظری، قرار و بے چینی، خوشگوار اور ناخوشگوار حالات سے ہمیں گذرنا پڑا۔

یہ حالات کچھ تو ہمارے اور کچھ بے گانوں کے پیدا کردہ ہیں، جی چاہتا ہے اس روشن حقیقت کے اظہار کا کہ امام احمد رضا نمبر کو تاریخ ساز نمبر بنانے میں اگر سب سے زیادہ کسی دینی رہنما نے دلچسپی دکھائی ہے تو وہ ہیں شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں (جانشین حضور محدث اعظم ہند) انہیں کی متعینہ راہ پر امام احمد رضا نمبر کا کام شروع کیا گیا ان کا بے لوث تعاون ہر ہر قدم پر ملتا رہا۔ ملک کے طول وعرض کا دورہ کرتے ہوئے بھی شیخ الاسلام ہماری کارکردگیوں سے مطلع ہوتے رہے۔ تاکیدی خطوط، ضروری مشورے اور اہم ہدایتوں کا تانتا بندھا رہا۔ شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی ایک مکتوب کے اقتباس سے واضح ہے۔

"امام احمد رضا نمبر کو ایک تاریخی اور مثالی نمبر بنانے کے لئے جس قدر جد وجہد کی ضرورت ہے اس سے دریغ نہ کیا جائے اپنے عہد کے ایک عظیم امام اور عبقری شخصیت کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کا ارمغانِ خلوص پیش کرنا صرف اس کی عظیم اسلامی خدمات کا اعتراف ہی نہیں ہے بلکہ اس میں دینی اور ملی خدمت بھی ہے ــــــــــ"

شیخ الاسلام نے اہم ہدایتوں اور مالی اعانتوں سے جس طرح قوت عطا فرمائی ہے۔ اسے المیزان کے روشن مستقبل کی ضمانت سمجھنا چاہیئے۔ سچ جانئے! شیخ الاسلام کی کھلی حمایت اور بھرپور اعانت ہمیں حاصل نہ ہوتی تو وعدوں کے شامیانے تلے ہمیں میٹھی نیند آجاتی اور حرارتِ عمل ناامیدی کے سرد خانے کی زینت بن جاتی۔ خدا بھلا کرے شیخ الاسلام کا جنہوں نے المیزان اور سنی لیگ دونوں کے منصوبوں کو نئی اسپرٹ عطا کی۔

شکریہ کیوں ادا کروں؟

کوئی بھی کام ہو چاہے سماجی یا سیاسی، قومی یا مذہبی شکریہ ادا کرنا ایک رسم سی بن گئی ہے، اور یہ ایسی رسم ہے جس کی ادائیگی ہر رسم کے بعد ہی انجام پذیر ہوتی ہے، آج کل پرانی رسموں سے گلو خلاصی کی ہوا چل رہی ہے، میں بھی متاثر ہوا چاہتا تھا کہ اچانک حدیث پاک کے اِن الفاظ نے مجھے سنبھالا۔

"جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکر ادا نہ کیا ــــــــــ"

شکر الٰہی کہ ناشکرا بننے سے بال بال بچ گیا، رسم شکریہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہوئے سب سے پہلے محب گرامی عالی جناب محمد یٰسین انصاری کو امتنان وتشکر کا گلدستہ پیش کرتا ہوں، جن کے سینے میں چھپے مجاہد نے ہر لمحہ ہمارا ساتھ دیا۔ ممبئی میں "المیزان" کا قدم جمانے میں انصاری صاحب کی رضا کارانہ خدمات کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔

ان کی زندگی کا یہ کوئی نیا کام نہیں ہے ، ۵۰ سالہ فعال زندگی قومی ، سیاسی اور مذہبی امور کی انجام دہی سے بھری پڑی ہے ، ناموری اور شہرت پسندی سے گھبرانے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج سنی دنیا اس حقیقت سے ناآشنا ہے کہ لیسین انصاری صاحب آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے بانیوں میں سے ہیں ، بزرگ رہنما الحاج نصرت اللہ عباسی سنی جمعیۃ کے بانی اور انصاری صاحب اس کے پہلے سوئیدار اور پھر

"لوگ ساتھ ہوتے گئے اور کارواں بنتا گیا"

دارالعلوم دیوان شاہ آل انڈیا سنی جمعیۃ ، آل انڈیا سنی لیگ ، امام احمد رضا نمبر اور امام احمد رضا کانفرنس میں محترم لیسین کا خونِ جگر شامل ہے ، خدائے تعالیٰ انصاری صاحب کو صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے ۔ اراکین سنی لیگ ، سنی لیگ کی مجلس رضا ، امام احمد رضا کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا شکریہ جن الفاظ میں بھی ادا کروں کم ہے ، مضامین کی فراہمی میں گرامی قدر محترم سید امین اشرف ایم اے علیگ ، مکرمی ڈاکٹر محمد اسعد غازی ملت حضرت ہاشمی میاں حضرت العلام سید الزماں حمدوی ، محب گرامی محب الحق رضوی دعلیگ ، عزیزی طارق سعید بی اے (لکھنؤ) محب محترم مولانا محمد احمد مصباحی نے جس لگن سے کام کیا ہے اسے نظر انداز کرنا حکم تشکر کی صریح خلاف ورزی ہوگی ۔ ملک کے موقر اخبار "روزنامہ اردو ٹائمز" کے اسٹاف خصوصاً محترمی منظور احمد مالک اردو ٹائمز نے پرنٹنگ اور خیاص

بائنڈنگ ورکس کے مالک محمد الیاس صاحب نے بائنڈنگ میں اپنا مکمل خلوص پیش کیا ، اس خلوص کا بھرپور فائدہ محترم عبدالرزاق منشی اختر اشرفی کی قیادت میں ہم نے حاصل کیا ۔

اشتہارات کو جمع کرنے میں ، جناب محمد ابراہیم حاجی عبدالغفار میمن ، جناب شفیع اللہ خاں غازی پوری صاحبزادہ صوفی سید جہانگیر اشرف ، جناب عبدالقدیر چودھری جبلپوری ، میسرز اے حق اینڈ برادرس پٹنہ ، عزیزی عارف اور جلال میاں ، محترمی منیر اشرفی ، قاری جنید عالم اشرفی ، الحاج جسیم سردار ، محبی سرفراز فقیہ ، ایڈوکیٹ حیدر پٹھان ، عزیزی عبدالقیوم عطر والا ، محترم یوسف قریشی اشرفی ، مکرم نثار احمد نثار ، جناب یوسف منہار ، محبی محمد ابراہیم اسمٰعیل زری والا محب گرامی محمد یوسف تاشیر اور عزیز محترم مصطفیٰ علی خاں مہتاب افتخاری نے جس محنت و لگن کا مظاہرہ کیا ہے ، اس کا نتیجہ نمبر کے مطالعہ کے بعد ہی نکالا جا سکتا ہے ۔

قوم کاتب کی مہربانیوں سے جن کا پالا پڑا ہے ، انہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے ، ایک مجلس میں کسی نے کہا تھا کہ اگر کسی کو سزا دینا ہو تو کاتب بنا دیا جائے ، اس پر کسی نے برجستہ جواب دیا کہ کسی کو عبرتناک سزا دینی ہو تو کاتب کے پاس پہنچا دیا جائے ، لیکن کیا آپ یقین کریں گے کہ المیزان کے کاتبوں نے ہماری راہ میں خلوص و محبت کے پھول برسائے ہیں ، اتنا ضخیم نمبر اور اس قدر مہین کتابت وہ بھی انتہائی خوبصورت اور ایک جیسی پھر بھی وقت سے پہلے ہمارے

سپرد کر دینا کسی کے لیے حیرت ناک ہو سکتی ہے لیکن میرے سامنے حقیقی روپ دھارن کئے ہوئے ہے۔ دل سے دعا نکل رہی ہے کہ امام احمد رضا نمبر کا نبوں کے چہروں کو روشن کرے اور کتابت کے تعلق سے ان کی آبرو میں چار چاند لگائے۔ آمین

مارہرہ، بریلی، کچھوچھا، جبلپور، علی گڑھ، کلیان، بھیونڈی اور بمبئی عظمیٰ کے ان تمام محسنین کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے انتہائی خاموشی کے ساتھ المیزان نوازی کا ثبوت دیا ہے۔

خانوادہ برکاتیہ کا تعاون

احسن العلما حضرت علامہ شاہ سید حسن میاں صاحب زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کا بصمیم قلب شکر گذار ہوں کہ انہوں نے بنا مانگے وہ شاہکار عطا فرمائے جسے خانوادہ برکاتیہ تقریباً ایک صدی سے گلے لگائے ہوئے ہے، امام احمد رضا کی عربی تحریر کا عکس، اس مقدس تخت کا فوٹو جس پر خاتم الاکابر نے امام احمد رضا کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا تھا اور دیگر ضروری عکسی تصاویر ارسال فرما کر ہمارے حوصلے کو پذیرائی بخشی۔ حضور سید العلما حضرت علامہ سید آل مصطفےٰ علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور جانشین مخدوم زادہ حضرت حسنین میاں صاحب مارہروی نے بھی نمبر میں شامل ہو کر ہمارا تعاون فرمایا۔ حضرت احسن العلما کے صاحبزادوں (عزیزان گرامی اشرف میاں اور امین میاں) نے بھی مضامین کے ذریعہ ہمیں حوصلگی دی۔

امام احمد رضا نمبر کیلئے ضروری مواد کی حصولیابی کے لئے جب راقم الحروف اور محترم لیسین انصاری کو بریلی جانا ہوا تو وہاں حضرت علامہ ریحان رضا صاحب زید عنایتہ نے ایک بزرگ رہنما حضرت سید فاروق احمد کو ہمارے سپرد کیا تاکہ آباد و اجداد تمام خاندانی حالات سے آگہی حاصل کی جا سکے انہوں نے مسلسل ۴۸ گھنٹے بریلی کے اہم مقامات کی سیر کرائی اور خاندانِ رضویہ کے تاریخی حالات و واقعات سے ہمیں آگہی دی اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی کی، محترم سید فاروق خاندان برکاتیہ کے متعلقین میں سے تھے، اور حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے شرف بیعت حاصل تھی، سید صاحب موصوف نے مجھے چند نایاب تحفے بھی دئے جس کی حفاظت وہ برسہا برس سے کرتے چلے آرہے تھے، سید فاروق صاحب پوسٹ گریجویٹ اور بریلی میونسپلٹی کے ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ تھے، افسوس صد افسوس! محترم سید صاحب نے ۲۰ فروری ۱۹۷۶ء کو اچانک راہ بقا کو کوچ کیا، خدائے تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

جب ہم بریلی پہنچے!

شہزادۂ امام

بریلی شریف میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ان کے ذکر کیا تھا ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

احمد رضا سرکار مفتی اعظم ہند باوجود شدید علالت کے، شرف ملاقات سے نوازا ہم نے ان کی خدمت میں آل انڈیا سنی لیگ کے منصوبوں کو پیش کیا۔ حوصلہ افزائی کے لئے اپنے لٹر پیڈ پر پیغام مبارکبادی اور دعائیہ کلمات تحریر کرا کے اپنا دستخط ثبت فرمایا۔ اور پھر آخر میں سنی لیگ کی ترقی و بقا اور المیزان کے فروغ و اشاعت کے لئے تین بار ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ بالنہارا سرکار مفتی اعظم ہند کے سایۂ عاطفت کو سنیت کے لئے تا دیر قائم رکھ آمین۔ نبیرۂ زادگان امام احمد رضا حضرت علامہ ریحان رضاخاں رحمانی میاں ایم ایل سی، حضرت العلام اختر رضاخاں ازہری، صاحبزادہ حضرت قمر رضاخاں ایم اے علیگ نے بھی ہمارے حوصلے کو بڑھاوا دیا۔ رضوی خاندان سادات کے احترام و اکرام میں اپنی مثال آپ ہے۔ ان حضرات نے بھی سادات نوازی کا مکمل ثبوت دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان شہزادوں کو اپنے خاندانی بزرگوں کی روش پر ہمیشہ چلاتا رہے۔ آمین!

امام احمد رضا کی تحریروں کا عکس لینے میں حضرت مولانا ساجد علی خان نے بھی ہماری معاونت کی۔ ان کی ہدایت پر محب گرامی مولانا محمد اعظم صاحب نے جس دلچسپی کا ثبوت دیا ہم اسے فراموش نہ کر سکیں گے۔ امام احمد رضا نے کتب احادیث و فقہ وغیرہ پر جو حاشیہ لکھا ہے، اس کی نشاندھی کرنے، اور اس کے فوٹو لینے میں مولانا اعظم نے کافی وقت صرف کیا اور تندہی سے یہ کام انجام دیا ———— بریلی شہر کا گشت لگا کر تصاویر اتارنے میں "شاہین اسٹوڈیو" کی خدمات بھی نہ بھولنے کے قابل ہیں۔ اسٹوڈیو کے جواں سال مالک جناب شکیل انصاری نے فوٹو گرافی کی اچھی مثال قائم کی۔ تجارتی انداز فکر سے الگ ہو کر انہوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ کیوں کر نہ ہم ان کا بھی شکریہ ادا کریں۔

مذکورہ بالا حضرات کے لئے اظہار تشکر کسی رسم کی تکمیل کے طور پر ہرگز نہ سمجھا جائے، حق تو یہ ہے اگر یہ تمام حضرات ہوش و جوش کے حسین امتزاج کے ساتھ مدد نہ فرماتے تو "امام احمد رضا نمبر" موجودہ شکل و صورت کے ساتھ پیش کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ————

بکھرے ذروں کو اجتماعیت

سُنّی لیگ کی مرکزی مجلس رضا اور ادارۂ المیزان کی یک سالہ محنت و کاوش امام احمد رضا نمبر کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، ایک سال قبل آل انڈیا سُنّی لیگ نے ایک جوت جلائی تھی جس کی تیز لو نے بکھرے ذروں کو اجتماعیت دی، کام کا شعور دیا، آگے بڑھنے کا ڈھنگ سکھایا جس کی نشاندھی مجدد اعظم کانفرنس منعقدہ ۹ مارچ ۱۹۷۵ء میں جس کی صدارت جواں سال خطیب مجاہد سنیت حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی رضوی سکریٹری آل انڈیا سُنّی لیگ کر رہے تھے، صدر نشین آل انڈیا سُنّی لیگ غازی ملت حضرت مولانا سید

ہاشمی میاں شہزادہ حضور محدث اعظم ہند نے ان الفاظ میں کی تھی، ہمارے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ

۱:- ہم مجدد اعظم کے حالات زندگی معلوم کریں۔

۲: ان کے مجاہدانہ طرز حیات سے استفادہ کریں۔

۳: ان کی مقدس فکر و نظر سے ایمان کی شمعیں جلائیں۔

۴: ان کے حالات و کوائف کو جان کر ہم نہ صرف یہ کہ ایک تاریخی تقاضہ پورا کریں بلکہ اپنی فلاح و نجات کے تمام ممکنہ وسائل بھی مہیا کریں۔

(ماخوذ امام احمد رضا ایک نظر میں) مجدد اعظم کانفرنس بمبئی

ندامت کے آنسو!

لیجئے امام احمد رضا جیسی عبقری اسلام شخصیت کے حضور ہمارا یہ پہلا نذرانۂ عقیدت ہے، کون ہے جو اپنے اس کارنامے پر فخر نہیں کریگا۔ سرور و انبساط میں مست ہیں ہوگا۔ خوشی و مسرت کے شادیانے نہیں بجے گا۔ سر اونچا کر کے نہیں چلے گا، لیکن خدا گواہ ہے۔ ہماری آنکھوں میں ندامت کے آنسو ہیں، ہم نے اپنے امام کی بارگاہ میں جو کچھ بھی ہدیہ کیا ہے اس کی حیثیت شیخ الاسلام کے ان الفاظ سے زیادہ نہیں کہ

"المیزان کا یہ تاریخی اور تحقیقی نذرانہ امام احمد رضا پر احسان نہیں ہے بلکہ ہم پر عائد ملی اور دینی فریضہ کی ادائیگی کا ایک حقیر سا حصہ ہے"

امام احمد رضا نے ملت اسلامیہ کی حفاظت و صیانت کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، ان کے شایان شان یہ نمبر ایک حقیر سا تحفہ ہے، خراج عقیدت کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، ایسے نازک وقت جبکہ ایک طرف کاغذ کی ہوشربا گرانی طباعت بکتابت کے مشکل ترین مراحل دوسری طرف مادی وسائل کی کمیابی، پھر بھی اسے منفی رضا کا مظہر کے لئے کر امید و بیم کے ماحول سے گذر کر اطمینان بخش منزل میں پہنچ ہی گئے۔ امام احمد رضا کو اب صرف دینی مدارس اور مذہبی جلسوں تک گھیر کر نہیں رکھا جاسکے گا۔ اب کوئی بھی امام احمد رضا کو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جانے سے روک نہیں سکتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اب ریسرچ کی راہیں وا ہو کر رہیں گی۔

آخری بات!

امام احمد رضا نمبر ایک گلدستے کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ اس گلدستے کو سجانے اور سنوارنے میں ہم کہاں تک کامیاب رہے، اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ نمبر میں مختلف الخیال حضرات کے رشحات قلم شامل ہیں، کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ ان سے اتفاق رکھیں، اختلاف کا جمہوری حق آپکو حاصل ہے سنجیدہ تنقید کو المیزان میں جگہ دیکر ہم صحافتی دیانتداری کا ثبوت دینگے۔ اس نمبر کی تمام خوبیاں مرکزی مجلس رضا اور حسن تدوین کے تمام محاسن محب محترم مولانا محمد احمد مصباحی مبارکپوری کو بخشتا ہوں، جو خامیاں کمزوریاں اور کوتاہیاں نظر آئیں انہیں میں اپنے سر لینے کو تیار رہوں۔

آپ کا: جمیل فاروقی

امام احمد رضا

ایک نظر میں

ولادت (بریلی میں)	۱۴ جون سنہ ۱۸۵۶ء	۱۰ شوال المکرم سنہ ۱۲۷۲ھ
ختم ناظرہ قرآن	سنہ ۱۸۶۰ء	سنہ ۱۲۷۶ھ
پہلا خطاب	سنہ ۱۸۶۲ء	ربیع الاوّل سنہ ۱۲۷۸ھ
پہلی تصنیف شرح ہدایۃ النحو	سنہ ۱۸۶۴ء	سنہ ۱۲۸۰ھ
مسلم الثبوت پر حاشیہ	سنہ ۱۸۶۶ء	سنہ ۱۲۸۲ھ
دستار فضیلت	سنہ ۱۸۶۹ء	سنہ ۱۲۸۶ھ
مسند افتاء کی ذمہ داری	سنہ ۱۸۶۹ء	۱۴ شعبان المعظم سنہ ۱۲۸۶ھ
ازدواجی زندگی کا آغاز	سنہ ۱۸۷۴ء	سنہ ۱۲۹۱ھ
پہلے صاحبزادے کی ولادت (حجۃ الاسلام)	سنہ ۱۸۷۵ء	ربیع الاوّل سنہ ۱۲۹۲ھ
شرف بیعت	سنہ ۱۸۷۷ء	جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۹۴ھ
پہلا حج	سنہ ۱۸۷۸ء	سنہ ۱۲۹۶ھ
ضیاء الدین احمد کا لقب (مکہ معظمہ میں)	سنہ ۱۸۷۸ء	سنہ ۱۲۹۶ھ
نزول فرنگی محل (لکھنؤ)	سنہ ۱۸۹۱ء	سنہ ۱۳۰۹ھ
دوسرے صاحبزادے کی ولادت (مفتئ اعظم ہند)	سنہ ۱۸۹۲ء	۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۰ھ

واقعہ	عیسوی	ہجری
جلسۂ تاسیس ندوہ میں شرکت	۱۸۹۳ء	۱۳۱۱ھ
تحریکِ ندوہ سے علیحدگی	۱۸۹۷ء	۱۳۱۵ھ
المعتمد المستند کی تصنیف	۱۹۰۲ء	۱۳۲۰ھ
فتوٰی رضویہ	۱۹۰۴ء	۱۳۲۲ھ
دارالعلوم منظر اسلام کی بناء	۱۹۰۴ء	۱۳۲۲ھ
دوسرا حج	۱۹۰۵ء	ذی القعدہ ۱۳۲۳ھ
تصنیف الدولۃ المکیہ (مکہ معظمہ میں)	۱۹۰۶ء	صفر المظفر ۱۳۲۴ھ
حسام الحرمین	۱۹۰۶ء	۱۳۲۴ھ
نزول بمبئی (واپسی حج پر)	۱۹۰۶ء	ربیع الاوّل ۱۳۲۴ھ
نزول احمد آباد	۱۹۰۶ء	ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ
پوتے کی ولادت (مفسر اعظم ہند)	۱۹۰۷ء	۱۳۲۵ھ
ترجمہ قرآن کنز الایمان	۱۹۱۱ء	۱۳۳۰ھ
نزول جبلپور	۱۹۱۸ء	جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ
قیام کوہ بھوالی (نینی تال)	جون ۱۹۲۱ء	رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ
وصال	نومبر ۱۹۲۱ء	۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ

نوٹ:۔ واضح رہے کہ امام احمد رضا کی عمر باعتبار سن عیسوی ۶۵ سال اور باعتبار سن ہجری ۶۸ سال ہوتی ہے۔ (ایڈیٹر)

امام احمد رضا کا شجرۂ نسب
ایک نظر میں

ذیل میں امام احمد رضا کا شجرۂ نسب پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کی ابتدا حضرت سعید اللہ خان صاحب سے کی جا رہی ہے۔ جو عالیجاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے اور قندھار سے سلطان شاہ محمد شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت وقت نے انہیں "شش ہزار" کے منصب جلیلہ سے سرفراز کیا تھا، لاہور کا "شیش محل" انہیں کا تھا، حضرت سعید اللہ کے صاحبزادے حضرت سعادت یار خاں، سلطان وقت کی حکومت کے "وزیر مالیات" تھے، ان کی امانتداری اور دیانتداری کا یہ عالم تھا کہ سلطان محمد شاہ نے ضلع بدایوں کے کئی مواضعات انہیں عطا کئے۔ جو آج بھی اس خاندان کے حصے میں ہیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت محمد اعظم خاں صاحب بھی وزارت اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ مگر کچھ برسوں کے بعد سلطنت کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کی، اور زہد و اتقا ریاضت و روحانیت کی جانب مکمل طور پر مائل ہو گئے، حضرت محمد اعظم ہی کی ذات والا تبار سے قندھار کے دس خانوادے میں علم و فضل، ورد و وظائف زہد و تقویٰ کا بول بالا شروع ہوا۔ ان سے حضرت حافظ کاظم علی خاں تولد ہوئے، ان سے امام العلما حضرت رضا علی خاں، ان سے رئیس الاتقیا حضرت نقی علی خاں صاحب، حضرت نقی علی خاں سے مجدد مأتہ حاضرہ امام احمد رضا تولد ہوئے، مذکورہ ذیل شجرہ کے لئے "حیات اعلیٰحضرت"، مولفہ ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے مدد لی گئی ہے، آخر میں جو اضافہ کیا گیا ہے اسے ہم نے بریلی شریف جا کر حضرت علامہ ریحان رضا خاں صاحب کی مدد سے حاصل کیا ہے، جس کے بموجب "خاندان رضویہ" کے اولاد ذکور کا کوئی ایسا بچہ نہیں رہ گیا ہے جسے شامل شجرہ نہ کر لیا گیا ہو۔

(ایڈیٹر)

سعید اللہ خان (شجاعت جنگ بہادر)

سعادت یار خان (وزیر مالیات)

محمد معظم خان — محمد اعظم خان — محمد مکرم خان

حافظ کاظم علی خان — چار صاجزادیاں

تین صاجزادیاں — امام العلماء رضا علی خان — حکیم نقی علی خان — جعفر علی خان

رئیس الاتقیاء نقی علی خان — تین صاجزادیاں

محمد رضا خان — امام احمد رضا — حسن رضا خان — دو صاجزادیاں

ایک صاجزادی (اہلیہ حضور مفتی اعظم ہند)

حسین رضا خان — حسین رضا خان

سبطین رضا خان — تحسین رضا خان — حبیب رضا خان — دو صاجزادیاں

امام احمد رضا

مفتی اعظم ہند مصطفٰے رضا خان | حجتہ الاسلام حامد رضا خان | پانچ صاحبزادیاں

انوار رضا خان
دو سال کی عمر میں انتقال ہو گیا | چھ صاحبزادیاں

چار صاحبزادیاں | ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں | حماد رضا خان عرف نعمانی میاں
(جن کا خاندان پاکستان میں ہے)

یزدانی میاں | رضوانی میاں | نورانی میاں | تین صاحبزادیاں

ریحان رضا خان | تنویر رضا خان
(مفقود الخبر) | اختر رضا خان | قمر رضا خان | منان رضا خان | تین صاحبزادیاں

اسجد رضا خان

فیضان رضا خان | عثمان رضا خان | توقیر رضا خان | توصیف رضا خان | تسلیم رضا خان | دو صاحبزادیاں

شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

مولائے کائنات

سیدنا امام حسین

سیدنا امام زین العابدین

سیدنا امام باقر

سیدنا امام جعفر

سیدنا امام موسیٰ کاظم

سیدنا امام علی رضا

سیدنا شیخ معروف کرخی

سیدنا شیخ سری سقطی

سیدنا جنید بغدادی

سیدنا ابوبکر شبلی

سیدنا عبدالواحد تمیمی

سیدنا ابوالفرح طرطوسی

سیدنا ابوالحسن علی ہنکاری

سیدنا ابوسعید مخزومی

سیدنا غوث اعظم جیلانی بغدادی

سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیّدنا عبد الرزاق

سیّدنا ابو صالح نصر

سیّدنا محی الدین ابو نصر

سیّدنا سیّد علی

سیّدنا سیّد موسیٰ

سیّدنا سیّد حسن

سیّدنا سید احمد جیلانی

سیّدنا بہاء الدین

سیّدنا ابراہیم ایرجی

سیّدنا محمد بھکاری بادشاہ

سیّدنا قاضی ضیاء الدین

سیّدنا شیخ جمال الاولیاء

سیّدنا سیّد محمد

سیّدنا سیّد احمد

سیّدنا فضل اللہ

سیّدنا شاہ برکت اللہ

سیّدنا شاہ آل محمد

سیّدنا شاہ حمزہ

سیّدنا شاہ آل احمد اچھے میاں

سیّدنا شاہ آل رسول

مجدد اعظم امام احمد رضا

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

فوٹو اسٹیٹ شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف جسے امام احمد رضا نے اپنے مرشد کی فرمائش پر بہ صیغہ درود شریف قلم برداشتہ تحریر فرمایا!

فقیر برکاتی: سید مصطفےٰ حیدر حسن برکاتی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ (ایٹہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی رَفِیْعِ الْمَکَانِ الْمُرْتَضٰی عَلِیِّ الشَّانِ الَّذِیْ رُجِیْلَ مِنْ اُمَّتِہٖ خَیْرٌ مِّنْ رِّجَالٍ مِّنَ السَّالِفِیْنَ وَحُسَیْنٍ مِّنْ ذُرِّیَّتِہٖ اَحْسَنُ مِنْ کَذَا وَکَذَا حَسَنًا مِّنَ السَّابِقِیْنَ السَّیِّدُ السَّجَّادُ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ بَاقِرُ عُلُوْمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَاقِی الْکَوْثَرِ مَالِکُ تَسْنِیْمٍ وَجَعْفَرٌ الَّذِیْ یَطْلُبُ مُوْسَی الْکَلِیْمُ رِضَا رَبِّہٖ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ وَیَذْھَبُ اِبْرٰھِیْمُ الْخَلِیْلُ لِطَلَبِ مَعْرُوْفِ جُوْدِہٖ اِلَیْہِ

السری الساری سرہ فی ذرات الاکوان

الغالب جنید من جنودہ علی جیوش

الجور والعدوان اصل المراد من عالم

الایجاد الذی لہ ان یقول لآدم ومن

دونہ تجلی ولکل اسد من اسد اللہ

شبلی الاحد الماجد عبد الواحد

اخو الاحزان فی عشقہ ابو الفرح

من لطفہ ورفقہ الایمان حسن

وھو ابو الحسن اذ منہ نشأ وبہ

ظھر والمؤمن سعید وھو ابو سعید

اذ ھو الذی ربی وھداہ فربح وافر

الایدی فی در الایدین عبد القادر

عه السری سردار ۱۲

عه اسحل الولد ۱۲

عه الشبل بچہ شیر ۱۲

عه سید ۱۲

عه خبر ۱۲

عه الایدی النعم ۱۲

عه نکوکار ارشد آن مسلمان ۱۲

غوثُ الثقلین ۱۸ عبدُ الرزاق ۱۹
قاسمِ الأرزاقِ ابو صالح ۲۰
المؤمنین نصرِ الاسلام محی الدین
علیِ ۲۱ المرتقی والمدارج موسیٰ ۲۲
طورِ المعارج حسن ۲۳ الخلق احمد ۲۴
الخلق بہاءُ الدین ۲۵ الکریم سنا
شریعۃ ابراہیم ۲۶ الامیّ القاری ۲۷
نظامُ دینِ الباری العرب والفرس
والہند کلُّھم لہ سائلٌ و گدا و بھکاری
ضیاءُ الانبیا جمالُ الاولیا محمدٌ
الذات احمدُ الصفات فضلُ اللہ
وبرکۃُ اللہِ و علیٰ الِ محمدٍ الاعاظم

العارفين نصّ الشرع المطهّر ورمزه

الصاغر المتحمّلين شدّة الجهاد الاكبر و

حمزة هم آل احمد العظيم الكريم

آل الرسول الرؤف الرحيم اللّٰهمّ و

على اصحابه العظام ومشائخنا الكرام

وعلينا معهم يا ذا الجلال والاكرام

مارهرة اقمار اليقين في مهمه صدور

العارفين آمين آمين يا ارحم الراحمين

(اللّٰهمّ) ومن انشأ هذه الصيغة المباركة

فاغفر له يا عظيم وارض عنه حبيبك

احمد رضا المولى العفو الكريم آمين

كتبه الفقير احمد رضا القادري غفر له في مارهرة المطهرة ۲۱ محرم يوم الجمعة ۱۳۰۶

امام احمد رضا

کی کہانی تصویروں کی زبانی

(۱)

محلہ جسولی میں

امام احمد رضا

کی جائے پیدائش، جو اس وقت بریلی کے ایڈوکیٹ ازور حسین کی ملکیت میں ہے۔

(۲)

محلہ سوداگران بریلی کا وہ مکان جہاں سے امام احمد رضا نے علوم و فنون کے دریا بہائے۔ آجکل یہ مکان ایک غیر مسلم کے قبضے میں ہے۔ وہ جگہ آج بھی احترام کے ساتھ محفوظ ہے۔

(۳)
دارالافتاء جہاں سے فتویٰ نویسی کا کام کیا جاتا تھا۔ الماری میں وہ کتابیں نظر آرہی ہیں جس پر امام احمد رضا نے حاشیے لکھے ہیں

(۴)
مسجد رضا
سامنے وہ ممبر بھی ہے جس پر امام احمد رضا خطبہ دیا کرتے تھے
یہ مسجد روضۂ امام کے سامنے ہے

(۵)

امام احمد رضا

کی غیر مطبوعہ کتابیں۔ جسے اس الماری میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے وہ وقت آئے کہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر زینتِ بزمِ کائنات بنیں۔

۶

حاشیہ الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ جزء اوّل موضوع بحث ایمان

(۷)
شان غوث الاعظم پر برجستہ ایک رسالہ تحریر فرمایا۔
موضوع!
قدمی ہذہ علی رقبۃ الخ
شامی جلد دوم کے آخر میں یہ رسالہ تحریر ہے۔

(۸)
مذکورہ بالا موضوع پر یہ رسالہ بھی ہے۔

(۹)

شامی کی پانچ جلدوں پر امام احمد رضا نے جو حاشیہ لکھا ہے اس کا نام جد الممتار ہے، یہ حاشیہ شامی جلد پنجم کا ہے۔ موضوع: وراثت برائے اولاد

(۱۰)

تیسیر شرح جامع صغیر پر حاشیہ
موضوع: حدیث مغفرت برائے یزید۔ امام احمد رضا نے ٹھوس دلائل سے اس کا رد فرمایا۔

(۱۱)

فتاویٰ عالمگیری پر حاشیہ

موضوع!

مسلم اور غیر مسلم میت جب مخلوط ہو جائے تو کیا کیا جائے۔

(۱۲)

تیسیر شرح جامع صغیر لامام محمد پر حاشیہ

موضوع!

حدیث منکر پر افادہ فرمایا ہے اور شاندار تحقیق فرمائی ہے

(۱۳)
دارالعلوم
منظر اسلام
(بریلی)
جسے امام احمد
رضا نے اپنی
حیات میں قائم
فرمایا تھا۔

(۱۴)
دارالعلوم
منظر اسلام
کا
رضوی دارالافتاء

(۱۵)

شاہی اکبری مسجد
المشہور بہ مرزائی مسجد
محلہ گھیر جعفر خان
بریلی
امام احمد رضا سال میں
دو بار اسمیں وعظ فرمایا
کرتے تھے۔
شہنشاہ اکبر کے حکم سے
یہ مسجد ۹۸۶ھ میں
بنائی گئی۔

(۱۶)

مزار حضرت شاہ قلندر بخش یہیں پر خانوادۂ
اشرفیہ کے شہزادے قیام کرتے تھے۔
امام احمد رضا بہ نفس نفیس مزار پر
حاضری دیا کرتے تھے۔

(۱۷)

خانقاہ اشرفیہ (محلہ ذخیرے (بریلی) جہاں امام احمد رضا تشریف لایا کرتے اور اکابرین اشرفیہ کو اپنے دولت کدے پر لے جاتے تھے۔

(۱۸)

دار العلوم منظر اسلام جو مسجد بی بی جی (محلہ بہاری پور) جسے حضور مفتی اعظم ہند نے قائم فرمایا ہے۔

(۲۵)

روضۂ امام احمد رضا کا دلکش نظارہ
جس کی تصویر رضوی مہمان خانے کی
چھت سے لی گئی ہے۔

(۲۶)

روضے کے اندر
امام احمد رضا
کا
مزار مبارک

(۲۱)

امام احمد رضا کی والدہ محترمہ اور اہلیہ محترمہ کے مزارات واقع سٹی قبرستان بریلی

(۲۲)

مسجد نوری جس کی زمین امام احمد رضا کے چچا محترم نے انگریزوں سے لڑکر خریدا۔ اور خطیر رقم لگاکر خود تعمیر کرائی۔ یہ مسجد بریلی اسٹیشن کے سامنے آج بھی شوکتِ اسلامی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

(۲۳)

امام احمد رضا کی آخری آرام گاہ
روضہ کا بیرونی حصہ

(۲۴)

روضہ امام احمد رضا
کے سامنے کا حصّہ

(۱۹)
امام احمد رضا کے دادا مولانا
رضا علی خان اور والد مولانا
نقی علی خان کے مزارات
اسی چہار دیواری میں ہیں۔
واقع سٹی قبرستان
بریلی

(۲۰)
امام احمد رضا کے
بھائی مولانا
محمد رضا اور
مولانا حسن رضا
کے مزارات۔
واقع سٹی قبرستان
بریلی

(۲۷)

امام احمد رضا کے صاحبزادے
حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا
خاں علیہ الرحمہ کی آخری آرامگاہ
روضۂ
امام احمد رضا میں

(۲۸)

امام احمد رضا کے
پوتے مفسر اعظم علامہ
ابراہیم رضا خاں کی آخری
آرامگاہ
روضۂ امام احمد رضا
میں

(۲۹)

سادات مارہرہ کے مورث اعلیٰ
حضرت سیّد شاہ عبد الجلیل قدس سرہٗ
کا مزار مبارک

(۳۰)

امام السلسلۂ برکاتیہ
مخدوم شاہ برکت اللہ رضی اللہ عنہ
کا مزار پاک

(۳۱)

مسجد برکاتی۔ خانقاہ برکاتیہ
مارہرہ مطہرہ

(۳۲)

مسند پاک سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں رضی اللہ عنہ
حضور خاتم الاکابر نے اسی مسند پر بیٹھ کر
امام احمد رضا کو مرید کیا اور خلافت سے نوازا

(۳۳)

درگاہ برکاتیہ مارہرہ
مقدسہ کا صدر دروازہ

(۳۴)

درگاہ برکاتیہ مارہرہ
شریف کا روح پرور منظر

حق سمجھا یا حق فرمایا حق کے علاوہ سب ٹھکرایا
حق کی عزت حق کی رفعت حق کی نصرت اعلیٰ حضرت

قرآن فہمی

۱

امام احمد رضا اور اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ

۲

امام احمد رضا اور محاسن کنز الایمان

۳

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں

۴

امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کی خصوصیات

۵

کنز الایمان اور معارف القرآن

امام احمد رضا اور

اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی ہمہ گیر اصلاحی اور تبلیغی مصروفیات کے باوجود عام فہم اور آسان اسلوب بیان کے ساتھ قرآن عظیم کا ترجمہ فرما کر اردو خوان افراد ملت پر عظیم احسان فرمایا ہے جو اردو کے جملہ قرآنی تراجم میں زبردست افادیت و اہمیت سے بھرپور منفرد اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے

اس بیش بہا ترجمہ پر ماہنامہ دارالعلوم دیو بند سہارنپور نے بشکل پروپگنڈہ مسلکی عصبیت سے مملو چھ قسطوں پر مشتمل ایک تنقیدی مضمون شائع کیا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں قبلہ شہزادہ و جانشین مخدوم الملتہ علیہ الرحمہ نے ہماری گزارش پر اسی شش قسطی مضمون کا حقائق و معلومات کے اجالے میں تحلیل و تجزیہ فرمایا ہے۔ حضرت کے شکریہ کے ساتھ ہم یہ طویل و بسیط مضمون شامل امام احمد رضا نمبر کر رہے ہیں ——— ایڈیٹر

دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے اسکا نام بھی "دارالعلوم" ہی ہے اس کے چند شمارے اسوقت میرے پیش نظر ہیں ان شماروں کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں چھ قسطوں پر مشتمل ایک مضمون ہے جسکا عنوان ہے ——— "مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمۂ قرآن کا تقابلی مطالعہ" ——— مقالہ نگار دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ علوم قرآنی سے تعلق رکھنے والے مولوی محمد محفوظ الرحمٰن قاسمی ہیں ——— مقالہ نگار نے پوری فنی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عام قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ

(۱) امام احمد رضا کی ذہنی ساخت اُن گمراہ فرقوں کی ذہنی بناوٹ سے مختلف نہیں جو اپنے مخصوص نظریات و عقائد کی تائید میں اور چیزوں کے ساتھ قرآن حکیم کو بھی بطور دلیل استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور اُن الفاظ قرآنی کو جو ان کے مفروضہ عقائد و نظریات کے خلاف تھے اپنے رجحان و افکار کا ایسا جامہ پہنانے کی سعی کرتے رہے ہیں جو اسلامی حقائق کے نہ صرف معاند تھے بلکہ قرآن پاک ہم کو جو علم دینا چاہتا تھا اس سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

(۲) ممکن تلاش و جستجو کے بعد بھی اس حقیقت کا سراغ نہیں لگایا جا سکا جس نے امام احمد رضا کے دل میں ترجمۂ قرآن کا داعیہ پیدا کیا سوائے اس کے کہ انھوں نے قرآن حکیم کو اپنے عقیدہ کے اظہار کا ذریعہ بنانا چاہا تاکہ اس طرح زمرۂ عقیدتمنداں میں اپنی فکری قیادت و امامت کیلئے ایک دلیل فراہم ہو جائے۔

(۳) امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں نہ انداز بیان کی شگفتگی ہے نہ مطالب قرآن کی عمدہ وضاحت اور نہ کسی طرح کی کوئی فنی خوبی۔

(۴) امام احمد رضا کو اپنا "نیا ترجمہ" پیش کرنے کی اسلئے ضرورت پڑی تاکہ لوگ اپنے صفحۂ دل سے عقیدت کا وہ نقش مٹنے نہ دیں جسے بڑی مشکل سے انھوں نے ان کے دلوں کی سادہ تختیوں پر مرتسم کیا ہے۔

(۵) انکا یہ نیا ترجمہ آیات قرآنی کے نظم و اسلوب اور منشاء خداوندی کو نظر انداز کر کے ان آیتوں میں تاویل و تحریف معنوی کا دروازہ کھولنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا جو ان کے مخصوص فکر و عقیدہ کے خلاف ہیں۔

یہ پانچ نکات وہ ہیں جو مقالہ نگار کی تمہیدی گفتگو کا خلاصہ ہیں جنکا حاصل یہ ہے کہ امام احمد رضا فرقہائے باطلہ میں سے ایک باطل فرقہ کے امام اور چند نئے نظریات و خیالات اور باطل عقائد کے بانی و موجد ہیں لہذا انھوں نے اپنے ترجمۂ قرآن میں اپنے انہی غیر اسلامی عقائد کی پیش کش کی ہے ——— مقالہ نگار کا مذکورہ بالا خیال اُس عظیم شخصیت سے متعلق ہے اجلۂ علماء کے بیان کی روشنی میں گذشتہ دو صدی سنہ ۱۲۰۰ھ و سنہ ۱۳۰۰ھ کے اندر جیسی کوئی متبحر جامع عالم ہستی نظر نہیں آئی چنانچہ تفسیر حدیث، عقائد و کلام، فقہ، سلوک، تصوف، اذکار، اوفاق، تاریخ، سیر، مناقب، جفر، تکسیر، ادب، نحو، لغت، عروض، زیجات، علم مثلث، جبر و مقابلہ، لوگارثم، ارثماطیقی، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، توقیت، نجوم منطق، فلسفہ اور حساب وغیرہ علوم و فنون میں آپ کی بے مثل تصانیف و حواشی آپ کے کمال تبحر و جامعیت پر شاہد عدل ہیں ——— مقالہ نگار کو فکر و شعور کا اگر چالیسواں حصہ بھی ملا ہوتا تو اُس کیلئے اتنا سمجھ لینا دشوار نہ ہوتا کہ گروہی عصبیت کے نشے میں چور ہو کر جو تحریر

صفحۂ قرطاس پر منتقل کی جائے گی وہ دین و دیانت اور علم و تحقیق کے تقاضے نہیں پوری کر سکتی

اگر مقالہ نگار منصف مزاج ہوتا تو اُس حقیقت کو سمجھنے میں اسے دشواری پیش نہ آتی جس نے فاضل بریلوی کو اردو تراجم قرآن کی موجودگی میں نیا ترجمہ کرنے پر آمادہ کیا ـــــ

ـــــ میں سوچتا ہوں کہ بات پہلے یہیں سے شروع کی جائے کہ آخر وہ کون سی ضرورت تھی جس نے فاضل بریلوی کو مجبور کیا کہ جہاں انھوں نے تقریباً پچاس فنون میں کم و بیش ایک ہزار کتابیں تحریر کر ڈالی ہیں وہیں اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی فرمادیں ـــــ امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن اردو کا کوئی پہلا ترجمہ نہ تھا اس کے منظر عام پر آنے سے پہلے ہی بہت سے تراجم قرآن مسلمانوں کے گھر گھر پہونچائے جاچکے تھے اور اس کے بعد بھی ترجمہ نگاری کا کام ہوتا رہا۔ بعض نے مکمل قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور بعض نے اس کے بعض کلمات و آیات کی تشریح پیش کی ـــــ اس مقام پر ان حضرات کے چند ترجمے بطور نمونہ نقل کردینا مناسب خیال کرتا ہوں تاکہ ناظرین بخوبی اندازہ کرلیں کہ یہ معروف و مشہور مترجمین مطالب قرآن کی وضاحت اور منشاء ہدایت کو ادا کرنے والی برجستہ و برمحل تعبیر پیش کرنے میں کس درجہ ناکام رہے ہیں۔

(۱) ارشاد قرآنی ہے اَللّٰہُ یَسْتَہْزِیُٔ بِہِمْ اس آیت کا ترجمہ مختلف مترجمین یہ کرتے ہیں۔

"اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے" (سرسید)

"اللہ ان کو بناتا ہے" (ڈپٹی نذیر احمد)

"ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے" (فتح محمد جالندھری)

"اللہ ہنسی اڑاتا ہے اُن کی" (مرزا حیرت)

"اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے (شیخ دیوبند محمود حسن)

"اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے" (نواب وحید الزماں)

دیکھئے اگر ان مترجمین کو تائید ربانی حاصل ہوتی اور ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا سچا تصور ہوتا تو وہ اس سبوح و قدوس کے حق میں دل لگی کرنا، ٹھٹھا کرنا، بنانا، ہنسی اڑانا وغیرہ بازاری محاورے ہرگز استعمال نہ کرتے ـــــ یہ جاننا کہ رب العزۃ جل جلالہ کی بارگاہ عظمت ٹھٹھا کرنے، ہنسی اڑانے وغیرہ عیوب سے پاک ہے صرف مرد مومن مؤید من اللہ ہی کا کام ہے ـــــ ان ترجموں کو دیکھنے کے بعد کیا کسی ایسے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو معارف قرآن کا رازداں ہو؟ عظمت و جلال الٰہی کے آگے سر جھکانے والو جواب دو۔

(۲) ـــ ارشاد قرآنی ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَۃَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْہَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ ط ـــــ اس کے ترجمے یہ کئے گئے ہیں

"اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو (یعنی اللہ کو) معلوم ہوجائے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے" (مولوی اشرف علی تھانوی)

آیت مذکورہ بالا میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ دیگر مترجمین نے یہ کیا ہے

"ہم جان لیں" (سرسید علیگڑھی) ـــ (اخلاق حسین قاسمی ماہنامہ دارالعلوم ص۱۳ فروری ۱۹۷۱ء)

"ہم معلوم کرلیں" (ڈپٹی نذیر احمد)

"ہمیں معلوم ہوجائے" (مرزا حیرت)

دیکھئے ان مترجمین نے عربی اردو ڈکشنری میں العلم کا ترجمہ جاننا پڑھا تھا اس کے مطابق آیت میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ "ہم کو یعنی اللہ کو معلوم ہوجائے" لکھ دیا لیکن بصیرت ایمانی سے محرومی کے باعث اتنا نہ سوچ سکے کہ "معلوم ہوجائے" کا محاورہ اس کے لئے استعمال کیا جائے گا جس کو پہلے سے معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا ازلی و ابدی طور پر عالم ہے تو پھر اس کے حق میں معلوم ہوجائے کا کیا معنیٰ؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ ترجمۂ قرآن کیلئے صرف عربی دانی کام نہیں دے سکتی بلکہ اس کے ساتھ خود قرآن کے مخصوص انداز و محاورے کو پہچاننا، آیات محکمات و متشابہات میں امتیاز کرنا انتہائی ضروری ہے ـــــ ان ترجموں کو دیکھ کر کیا کسی ایسے مؤید من اللہ کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی خدائی نوازشیں بطور خاص جس پر سایہ گستر ہوں؟ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب والشہادہ ماننے والو جواب دو۔

(۳) ـــ ارشاد ربانی ہے وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اس آیت کا ترجمہ شیخ دیوبند مولوی محمود حسن نے یہ کیا ہے

"اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو"

فتح محمد جالندھری نے یوں لکھا ہے

"حالانکہ ابھی خدا نے تم میں جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور یہ کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے"

دیکھئے تائید ربانی سے محرومی کے باعث یہ نادار مترجمین کتنی بری طرح ہچکولے کھا رہے ہیں ـــــ مسلمانوں کے ایمان کو غارت کردینے والے ترجموں کو دیکھ کر کیا ایسے ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جو ایمان کو روشنی بخشے؟ دین و دیانت والو بولو۔

(۴) ارشاد قرآنی ہے اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥ اسکا ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیمات حصہ اول میں اس طرح کیا ہے

"اور کیا وہ اللہ کی چال سے بے خوف ہوگئے سو اللہ کی چال سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جنکو برباد ہونا ہے"

اللہ رب العزۃ جل مجدہ کی شان پاک میں "چال" کا لفظ استعمال کرنا بتا رہا ہے کہ مترجم بالکل غیر مہذب اور بارگاہ خداوندی کے آداب سے ناواقف ہے۔

ان حالات میں کیا ایسے ترجمے کی تلاش نہ ہوگی جو ایسے کے قلم سے نکلا ہو جو خدا کی بارگاہ عظمت کے آداب سے بے بہرہ نہ ہو۔

(۵) ارشاد ربانی ہے وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ اسکا ترجمہ مولوی عاشق الٰہی

دیوبندی نے اس طرح لکھا ہے

"اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی بس گمراہ ہوئے"

اس ترجمے میں مترجم نے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گمراہ ٹھہرایا حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ایک معصوم نبی ہیں ان کی بارگاہ گمراہی سے پاک ہے۔ ایسے گمراہ مترجمین کے ترجموں کو دیکھکر کیا کسی ایسے کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو ہدایت یافتہ اور مؤید من اللہ ہو؟

(۶) ارشاد قرآنی ہے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

"پھر (یونس نے) سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اسکو" (محمود حسن)

"اور (یونس نے) خیال کیا ہم اُن پر قابو نہیں پاسکیں گے"

(فتح محمد جالندھری)

"ان کو (یونس کو) ایسا داہمہ گزرا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے" (ڈپٹی نذیر احمد)

ان نادار مترجمین نے باطل ترجمہ کرکے حضرت سیدنا یونس علیہ السلام پر یہ بہتان لگایا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو نہیں پاسکتا اور نہ میری پکڑ کی طاقت رکھتا ہے۔ گویا ان مترجمین کے نزدیک حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ معاذ اللہ۔ ان ناداروں نے سمجھا کہ آیت میں نقدر القدرۃ سے مشتق ہے بس بے سوچ سمجھے اسکی اردو بنادی حالانکہ یہ نقدر القدر سے مشتق ہے۔ (دیکھو مفردات امام راغب) ـــــــ بولئے تقدیس نبوت کو مجروح کرنے والوں کا ترجمہ دیکھنے کے بعد کیا کسی بارگاہ نبوت کے سچے شیدائی کے ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

(۷) ارشاد ربانی ہے لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ اس آیت کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یوں لکھا ہے۔

"میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی"

مقام عبرت ہے کہ مولوی تھانوی جو دیوبندی مکتب فکر میں ذمہ دار صاحب قلم مشہور کئے جاتے ہیں انھوں نے بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے حق میں "قسم کھاتا ہوں" کا نازیبا محاورہ استعمال کردیا تو دوسرے آزاد دیوبندی قرآن کے ترجمے میں جو کچھ لکھ جائیں وہ تھوڑا ہے۔ غور کیجئے ایسے مطلق العنان مترجمین کے ترجموں کو دیکھ کر کیا کسی ایسے کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو ایمان افروز پاکیزہ محاورہ پیش کررہا ہو

(۸) ـ قل یا ایھا الکافرون کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یہ لکھا ہے

"آپ کہدیجئے کہ اے کافرو!"

یہ ترجمہ ایسا ہے کہ نہ تو اللہ رب العزت کی حضور علیہ السلام پر برتری ظاہر ہوتی ہے اور نہ حضور کے مخاطبین پر حضور کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ غالباً تھانوی صاحب نے غور نہیں کیا کہ کلام الٰہی کا ترجمہ کرنا اور ہے اور عربی کلمات کو اردو کا روپ دے دینا اور ہے۔ المختصر صرف تبدیلیٔ زبان اور ہے اور ترجمۂ قرآن اور ـــــ اس ترجمہ کو دیکھنے کے بعد کیا آپ اُس ترجمے کو آنکھوں سے نہ لگائیں گے جس میں صرف زبان کو تبدیل نہیں کیا گیا ہے بلکہ صحیح معنوں میں قرآن کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۹) اھدنا الصراط المستقیم کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یہ کیا ہے

"بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا"

یہ ترجمہ وہی تو کرے گا جسے ابھی تک سیدھا راستہ معلوم نہ ہوسکا لہٰذا ضرورت ہے ایک ایسے کے ترجمے کی جو سیدھا راستہ پاچکا ہو

(۱۰) ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں خاتم النبیین کا کیا معنی ہے؟ اس سلسلے میں مولوی قاسم نانوتوی رقم طراز ہیں۔

"بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں" (تحذیر الناس ص۳)

تحذیر الناس کی مفصل عبارت اور اسپر مدلل نقد و نظر ملاحظہ کرنے کیلئے "ماہنامہ المیزان کا ختم نبوت نمبر" ضرور ملاحظہ فرمائیے یہ مقام تفصیلات کا متحمل نہیں ـــــ تحذیر الناس کے ذریعہ نانوتوی صاحب نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کا یہ معنی سمجھنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں یہ تو ناسمجھ لوگوں کا خیال ہے۔ سمجھدار لوگوں کے نزدیک یہ معنی غلط ہیں کیونکہ زمانہ کے لحاظ سے سب سے پہلے یا سب سے پیچھے ہونا اپنے اندر بالذات کوئی فضیلت نہیں رکھتا ـــ اب تک تمام اگلے پچھلے اولیاء، علماء اور عوام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کے صرف یہی معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں یہی معنی تمام ائمہ اسلام، صوفیاء عظام متکلمین فہام، فقہائے اعلام اور مفسرین عالی مقام نے بتائے یہی معنی صحابہ کرام نے تابعین کو سمجھائے بلکہ یہی معنی سیکڑوں حدیثوں سے ثابت ہے الغرض خاتم النبیین کا یہی معنی مراد لینا ضروریات دین میں سے ہے لہٰذا جو شخص اس معنی کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بتائے وہ شرعی اصطلاح میں کافر و مرتد ہے ـــــــ نانوتوی صاحب نے اسی اجماعی اتفاقی معنی کا انکار کرتے ہوئے قرآن مجید، حدیث شریف اور لغت عرب کے خلاف خاتم النبیین میں خاتم کا ایک نیا معنی خاتم ذاتی گڑھا ہے اس اعتراف کے ساتھ کہ یہ معنی آخر نبی خود انہی کی اپنی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اسی نئے معنی کو ثابت کرنے کیلئے تحذیر الناس میں پورا زور لگا دیا ہے ـــــــ ناظرین کرام ان حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ جب اسلام و ایمان کا ادعا کرنے والوں کی بے حیائی و بے شرمی اسقدر بڑھ جائے کہ وہ علانیہ کلام الٰہی کے

کلمات کے اجماعی، ایقانی، ایمانی معنی سے انکار کرنے لگیں اور کفر و ارتداد کا دروازہ کھول دیں تو کیا ایسے مرد مومن کی ضرورت نہ محسوس کی جائے گی جو قرآنی نظریات، اسلامی عقائد اور ارشادات ربانی کے مفاہیم و معانی کی حفاظت اپنے ترجمۂ قرآن کے ذریعہ کرے ــــــــ مذکورہ بالا دس مثالیں ایک مختصر ترین انتخاب ہیں اگر فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن کو اور اردو کے دیگر شائع شدہ ترجموں کو سامنے رکھ کر انصاف و دیانت اور فکر و نظر کی گہرائی کے ساتھ ان سب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو انصاف پسند کیلئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ دور حاضر میں اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنز الایمان ہے جو قرآن کریم کا صحیح ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے، اہل تفویض کے مسلک اسلم کا عکاس ہے، اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مؤید ہے، زبان کی روانی و سلاست میں بے مثل ہے، عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے، قرآن کریم کے اصل منشاء و مراد کو بتاتا ہے، آیات ربانی کے انداز خطاب کو پہچنواتا ہے، قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشاندہی کرتا ہے قادر مطلق کی ردائے عزت و جلال میں نقص و عیب کا دھبہ لگانے والوں کیلئے شمشیر براں ہے، حضرات انبیاء کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے، عامۃ مسلمین کیلئے حقائق و معرفت کا امنڈتا سمندر ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قرآن حکیم قادر مطلق جل جلالہ کا مقدس کلام ہے اور کنز الایمان اس کا مہذب ترجمان ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ یہ ترجمہ اس کا پیش کردہ ہے جو عظمت مصطفیٰ کا علم بردار، تائید رحمانی کا سرمایہ دار، انوار ربانی کا حامل، حقائق قرآن کا ماہر اور دقائق آیات کا عارف تھا ــــــــ میں نے بطور نمونہ جو مثالیں پیش کی ہیں مقالہ نگار نے اگر انہی پر غور و فکر کر لیا تو اُسے بآسانی اس حقیقت کا سراغ لگ جائے گا جس نے فاضل بریلوی کے دل میں ترجمۂ قرآن کا داعیہ پیدا کیا ــــــــ ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد بھی اگر مقالہ نگار کو فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن میں کوئی خوبی نظر نہ آتی ہو نیز موجودہ رائج الوقت ترجموں کے بعد اس کی ضرورت نہ محسوس ہوتی ہو تو پھر اس کو چاہئے کہ وہ اعلان کر دے کہ جو ترجمہ قرآن ہمارے مکتبۂ فکر کے ترجمے کی اباطیل سے نقاب کشائی کرے اور ان کی زبان و بیان کی شناعت و قباحت سے روشناس کرائے نیز قرآن کریم میں ان کی پیش کردہ معنوی تحریفات سے آگاہ کرے اُس ترجمہ قرآن کا خوبیوں سے خالی ہونا لازمی اور ضروری ہے ــــــــ اس اعلان و تشہیر کے بعد اس کو لمبی چوڑی مقالہ نگاری کے ذریعہ غایت جہل کی اس منزل کا تعارف نہ کرانا پڑے گا جہاں سے وہ بول رہا ہے ــــــــ میں نے جو مختصر ترین انتخاب پیش کیا ہے اسمیں تو بعض ترجمے وہ ہیں جو براہ راست اسلامی نظریات و عقائد سے واضح طور پر متصادم ہیں اور بعض وہ ہیں جو مترجمین کی زبان و بیان کی نادانی و بیچارگی کی نشاندہی کرتے ہیں ــــــــ "ترجمے میں عقیدہ کی آمیزش" کی سرخی لگا کر مقالہ نگار نے دو دعوے کئے ہیں۔

۱۔ امام احمد رضا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حدود بشریت سے بالاتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات پر "عالم الغیب" کا اطلاق کیا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیلئے جمیع ماکان و مایکون کے علوم کا اثبات کیا ہے۔ پہلا دعویٰ کہ امام احمد رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حدود بشریت سے بالاتر ثابت کرنا چاہتے ہیں فاضل بریلوی کی ذات پر ایک عظیم بہتان ہے اس بے بنیاد دعوے کو دیکھ کر یہ خیال غیر فطری نہیں کہ "دار العلوم دیوبند" میں افترا پردازی کی خاص ٹریننگ دی جاتی ہے۔ فاضل بریلوی کا ترجمۂ قرآن ہی نہیں بلکہ ان کی تمام تصانیف اور جملہ تحریرات میں سے ایک فقرہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں رسول کریم کی بشریت کا انکار ملتا ہو ــــــــ فاضل بریلوی رسول کریم کی بشریت کے بارے میں کسی جدید خیال کے بانی نہیں بلکہ اس سلسلے میں انکا عقیدہ وہی ہے جو تمام محققین علماء اسلام کا ہے اور جو آیات قرآنیہ اور ارشادات نبویہ سے ثابت ہے ــــــــ وہ یہ کہ ــــــــ انبیاء کرام سب بشر تھے اور سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور اللہ تعالیٰ کی جو سنت نوع بشر کے لئے ٹھہر چکی ہے وہ ہمیشہ اُن پر جاری ہوتی چلی آئی ہے۔ بہت سارے بشری احوال و کوائف کا ظہور ان پر ہوتا رہا ہے تاکہ ہر بشر کو اس کے ہر شعبۂ حیات میں ان کی پاک زندگی سے روشنی ملتی رہے ــــــــ مگر ــــــــ اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز بھی ہوا کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیٰحدہ علیٰحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ متنبی مشہور شاعر نے ایک ہی صنف میں اشتراک کے باوجود ان کے افراد میں امتیاز کی معقولیت کو کیا خوب انداز سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے۔

وان تفق الانام وانت منهم فان المسك بعض دم الغزال

اے ممدوح اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے آخر مشک بھی تو اُسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت وہ متعفن اور یہ معطر وہ ناپاک اور یہ پاک پس اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی بشر ہونے میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن پھر ان سے مشک کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں صرف اپنی سیرت میں نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی۔ المختصر۔ اگر ایک طرف انبیاء علیہم السلام میں بشریت کی وہ عام صفات موجود ہوتی ہیں جو ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ہیں تو اسی کے ساتھ دوسری طرف ان میں وہ صفات بھی موجود ہوتی ہیں جو عام بشریت سے ان کی فوقیت کا اس سے زیادہ بدیہی ثبوت ہوتی ہیں ــــــــ مگر ایک طبقہ عجیب و غریب ہے کہ جب وہ بشریت کا قائل ہوا تو اس نے رسولوں کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں اس طرح سمجھ لیا کہ پھر ان کے حق میں کسی امتیاز کا قائل ہونا اُس کے نزدیک گویا ان کی بشریت ہی کے انکار کے مرادف بن گیا ــــــــ مقالہ نگار شاید اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے جبھی اس کے نزدیک امام احمد رضا بشریت انبیاء کے منکرین میں نظر آتے ہیں ــــــــ امام احمد رضا نے آیت کریمہ قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم اله واحد کا جو ترجمہ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے"

مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ امام احمد رضا نے اس ترجمہ میں آیت کریمہ کے مفہوم و منشا کو خبط کر دیا ہے نیز نظم قرآن کی ترتیب کے اعتبار سے یہ ترجمہ صحیح نہیں اس لئے کہ مقالہ نگار کے خیال میں اس ارشاد قرآنی کا منشا یہ ہے کہ اس خیال کی تردید کر دی جائے کہ جو نبی ہوگا وہ بشر نہیں ہو سکتا ——— مقالہ نگار نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اگر ارشاد قرآنی کا منشا صرف اتنا ہوتا کہ نبی کی بشریت واضح کر دی جائے تو پھر اس کیلئے "انما انا بشر" فرمانا کافی تھا "مثلکم" کے اضافے کی ضرورت نہ تھی ——— قرآن مجید کا اصل منشا، اپنی طبیعت سے گڑھنا اور پھر اس پر احکام مرتب کرنا اگر انصاف ہے تو یہ وہ انصاف ہے جو دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری ہی کو مبارک ہو ——— اچھا آئیے مقالہ نگار کے پسندیدہ و مصدقہ ترجموں میں سے مولوی عبد الحق حقانی (جو مقالہ نگار کے نزدیک جید عالم تھے اور جنکا ترجمہ اس کے نزدیک تمام معنوی خوبیوں کا حامل ہے) انہی کے ترجمہ پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے۔ ان کے ترجمے کی عبارت یہ ہے۔

"اے نبی کہدو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں
یہی ہے کہ میری طرف وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود
ایک ہی معبود ہے"

اس ترجمے کی خامیوں پر غور نہ کیجئے بلکہ مقالہ نگار سے دریافت کیجئے کہ اچھا چلو کر لو "بشر مثلکم" کا ترجمہ "تمھاری طرح بشر" مگر اب واضح کرو کس بات میں رسول مخاطبین کی طرح ہیں؟ ——— ذہن نشیں رہے کہ آیت کریمہ میں مخاطب کفار و مشرکین ہیں نہ کہ مومنین و مطیعین (دیکھو ابن کثیر و ابن جریر وغیرہا) تو ظاہر ہے کہ آیت میں مذکور ضمیر "کم" کا جو اپنے کو مخاطب سمجھے گا تو وہ دانستہ و نادانستہ اپنے کو اسی زمرے میں شامل کر رہا ہے جو اس ضمیر خطاب کے مخاطبین کا زمرہ ہے۔ ایسی صورت میں کوئی ایمان والا ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ اپنے کو اس ضمیر خطاب کا مخاطب قرار ہی نہیں دے سکتا۔ ——— کفار و مشرکین کیا اگر رسول کو مومنین صالحین کیطرح کہا جائے جب بھی وجہ تشبیہ کی تلاش میں عقل حیران ہو جاتی ہے کہ اگر رسول ہمارے مثل ہیں تو کس بات میں۔ مماثلت کلیہ کا دعویٰ تو پاگل بھی نہیں کر سکتا۔ خود مقالہ نگار بھی نبی و غیر نبی کی بالکلیہ مماثلت کا قائل نہیں تو اب صرف بعض امور میں مماثلت کا مسئلہ زیر بحث رہ گیا تو آخر وہ امور کون سے ہیں؟ ایمان، اعمال، احکام اور معاملات کسی میں بھی ہم کو ان سے مماثلت و مشابہت نہیں ———

غور کیجئے رسول کریم کا کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ نہیں ہے کوئی معبود برحق اللہ کے سوا اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر یہی کلمہ ہم پڑھیں تو کافر ہو جائیں ——— ہم پر پانچ وقت کی نمازیں فرض اور حضور پر چھ وقت کی نمازیں فرض تہجد بھی آپ پر فرض ہے ——— ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ نماز، روزہ، حج، زکواۃ، جہاد۔ اور آپ کے لئے چار اس لئے کہ زکواۃ آپ پر فرض نہیں۔ ہم کو صرف چار بیویوں کی اجازت ہے اور آپ جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں لیکن آپ کی ازواج پاک مسلمانوں کی مائیں ہیں کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہوگی اور آپ کی میراث نہ بٹے گی۔ ہمارا ایمان ایمان بالغیب آپ کا ایمان ایمان بالشہادۃ۔ ہم بیٹھ کر نفل پڑھیں تو ثواب نصف ہو جائے اور آپ بیٹھ کر بھی پڑھیں جب بھی اجر میں کمی نہیں ہوتی۔ ابتداء میں صحابہ نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ وہ شرعی احکام جو نبی و غیر نبی کے لئے عام ہیں اس میں نبی ہماری طرح ہیں لیکن رسول کریم نے ایک موقعہ پر لست کاحد منکم فرما کر ان کے خیال کی اصلاح فرما دی ———

ہم اسلامی قانون پر عمل کرنے والے ہیں اور رسول کریم اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والے ہیں اس منصب رفیع کے ساتھ کہ جس کو چاہیں اور جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں یہ اختیار کسی امتی کو تا قیامت حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک موقعہ پر حضرت ابوبردہ کیلئے شش ماہہ بکری کی قربانی جائز فرما دی، ایک بار حضرت عقبہ ابن عامر کو بھی شش ماہہ بکری کی قربانی کی اجازت عطا فرما دی ایک بار حضرت ام عطیہ کو نوحہ کرنے کی رخصت بخشدی، ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت عمیس کو عدت وفات کا سوگ معاف فرما دیا، ایک صاحب کو مہر کی جگہ صرف سورت قرآن سکھانا کافی کر دیا، حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی تنہا گواہی کو شہادت کا نصاب کامل کر دیا ایک صحابی کے لئے روزے کا کفارہ خود ہی کھا لینا جائز فرما دیا، ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دی اور اس سے حرمت رضاعت ثابت فرما دی، دو صاحب کو ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دیدی، مولیٰ علی کو بحالت جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرما دیا، مخدرات اہلبیت کو بحالت عارضہ ماہانہ مسجد مبارک میں آنا جائز فرما دیا، حضرت براء ابن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرما دی، حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن حضور کی اجازت سے پہنائے گئے، حضرت عثمان غنی کو بے حاضری جہاد سہم غنیمت کا مستحق فرما دیا اور عطا کیا، حضرت معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرما دیا، ام المومنین حضرت عائشہ کو عصر کے بعد دو رکعت نفل جائز فرما دی، ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرما لیا کہ وہ دو نماز سے زیادہ نہ پڑھے گا ——— وغیرہا وغیرہا ——— صفحات کتب احادیث پر پھیلے ہوئے یہ سارے واقعات و حقائق واضح کرتے ہیں کہ رسول کریم کی ذات گرامی ایمان و احکام معاملات و عبادات میں بھی بے مثل و بے نظیر ہے ہم جیسی نہیں ——— یہی نہیں بلکہ آپ کا سر سے لیکر پیر تک ہر ہر عضو بدن بے مثل و بے نظیر ہے اللہ عز و جل نے آپ کو اپنی ذات و صفات کا مظہر اتم حقیقت و معرفت کے تمام ظاہری و باطنی کمالات کا مخزن اور روحانیت کے تمام محاسن و اوصاف کا معدن بنایا تھا۔ آپ کے حسن و جمال کا عالم یہ تھا کہ نگاہیں دیکھ کر خیرہ ہو گئیں جس کا مشاہدہ کر کے زبان کو عالم حیرت میں کہنا پڑا لم ار قبلہ و بعدہ مثلہ ایسا حسین و جمیل نہ آپ کے قبل دیکھا نہ آپ کے بعد خود حضرت علی نے آپ کے سر سے پاؤں تک کے

اوصاف جمیلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا یقول ناعته لم ار قبله ولا بعده مثله صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو حضور کی نعت بیان کرے گا وہ ضرور کہے گا کہ میں نے حضور کے مثل نہیں دیکھا۔ حضرت مولائے کائنات نے فیصلہ فرما دیا کہ یہ ممکن نہیں کہ حضور کی مدح و ثنا کرنے والا حضور کو بے مثل نہ کہے اسلئے کہ جب تک وہ حضور کو بے مثل نہ کہے گا اور "لا یمکن الثناء کما کان حقه" کا اعتراف نہ کرے گا اس کی مدح و ثنا مکمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت علی کا ارشاد اسبات کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ حضور سے مثلیت کا دعوی وہی کرے گا جو حضور کا ناعت (ثنا خواں) نہ ہوگا بلکہ حضور کی توہین و تنقیص کا قصد رکھتا ہوگا ——— حضرت حسان فرماتے ہیں۔

خلقت مبرأ من کل عیب ——— (اے میرے محبوب) آپ ہر عیب پاک و صاف پیدا کئے گئے

کانک قد خلقت کما تشاء ——— گویا آپ کی تخلیق آپ کی مرضی سے کی گئی

واجمل منک لم تر قط عینی ——— آپ سے زیادہ حسین و جمیل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا

واکمل منک لم تلد النساء ——— آپ سے زیادہ باکمال کسی عورت نے جنا ہی نہیں

صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے ما رایت شیئا احسن من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم نے حضور سے زیادہ خوبصورت کسی انسان ہی نہیں بلکہ (کائنات) کی کسی چیز کو بھی نہیں دیکھا ——— حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ چہرۂ نبوی کے حسن کا یہ عالم تھا "کان الشمس تجری فی وجهه" گویا سورج آپ کے چہرے میں رقصاں ہے۔ عارض پاک کا عالم یہ تھا "کان ماء الذهب تجری فی صفحة خده" گویا صفحۂ رخسار پر سونے کا پانی چھلک رہا ہے دندان مبارک موتیوں کی طرح سفید و چمکدار تھے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں "اذا ضحک یتلالاء فی الجدر" جب آپ تبسم فرماتے تو دندان مبارک کے نور سے دیواروں پر روشنی چھا جاتی۔ لب مبارک کے بارے میں مواہب شریف میں ہے "احسن عباد اللہ شفتین" اللہ کے تمام بندوں سے اچھے تھے ——— اللہ اللہ کیا اعجاز تھا آپ کے لبہائے مبارک کا کہ ایک بار حضرت علی شدید بیمار ہوئے آپ نے دیکھ کر فرمایا "اللهم عافه او اشفه" الٰہی اسے عافیت دے یا شفا دے۔ لب جان بخش کے ہلاتے ہی شفا ہو گئی اور پھر اس کے بعد تا حیات اس مرض میں گرفتار نہ ہوئے ——— زبان مبارک کا یہ عالم کہ خود ارشاد فرماتے ہیں "انا افصح العرب" میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں ——— ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر کے اس استفسار پر کہ حضور میں نے عرب کا دورہ کیا بڑے بڑے فصحاء سے ملاقات کی مگر آپ جیسی فصاحت کسی میں نہ پائی آپ نے ارشاد فرمایا ادبنی ربی مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ——— ایک غزوہ میں حضور علیہ السلام نے نزول اجلال فرمایا ایک چشمے کے متعلق صحابہ نے عرض کیا کہ حضور اس چشمہ کا نام بیسان ہے اسکا پانی کھارا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا "بل هو نعمان وهو طیب" نہیں اس کا نام نعمان ہے اس کا پانی میٹھا ہے صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور نے چشمہ کا نام بدل دیا تو اللہ نے اس کا ذائقہ بدل دیا ——— حضور علیہ السلام کی زبان کی عظمت کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ وہی زبان مبارک ہے جو حریم خلوت گاہ قدس میں پہونچ کر رب العالمین سے شرف کلامی حاصل کرتی ہے۔ ایک بار آپ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں "فو الذی نفسی بیده ما یخرج منه الا حق" مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق ہی نکلتا ہے۔ قرآن نے اعلان فرمایا "ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی" یہ اپنی طرف سے نہیں بولتے ان کا بولنا وحی الٰہی ہے ——— ایک مرتبہ شدت تشنگی میں حضرت امام حسن کے منہ میں آپ نے اپنی زبان رکھ دی انھوں نے چوسی اور سیراب ہو گئے ——— آپ کی مقدس آنکھوں کے لئے اندھیرا بھی حجاب نہ تھا حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ "حضور رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کے اُجالے میں" حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور نے خود ہی فرمایا ہے کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے ——— بلکہ ——— حضور کا یہ بھی ارشاد ہے کہ خدا کی قسم تمھارے رکوع اور خشوع مجھ پر پوشیدہ نہیں۔ خشوع دل کی کیفیت نیاز کا نام ہے مگر نگاہ احمدی کے قربان جو نمازی کے خشوع کا بھی ادراک رکھتی ہے ——— مدینہ میں رہ کر غزوہ موتہ کے حالات کو ملاحظ فرمانا اور پھر مجاہدین کی واپسی پر خود ہی تمام حالات کو من و عن بیان کر دینا حدیثوں میں مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ چشم نبوت اندھیرے، اجالے دور و نزدیک کے قانون سے علیٰحدہ ہے یہ قانون، دوسروں کی آنکھوں کیلئے ہے۔ آپ کے موئے مبارک بھی ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اسلام کے مشہور جرنیل حضرت خالد کو میدان کارزار میں فتح و نصرت الٰہی انھیں مبارک بالوں کی برکت سے حاصل ہوتی تھی۔ امام بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت خالد کی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کے چند بال تھے اور انھیں بالوں کی برکت سے انھیں ہر معرکہ میں فتح ہوتی تھی ——— حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ایک بال ہمیں دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہے ——— حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حلاق حضور کے بال اتار رہا ہے اور صحابہ کرام پروانہ وار موئے مبارک حاصل کرنے کیلئے حضور کا طواف کر رہے ہیں تاکہ ایک بال بھی زمین پر نہ گرے اور ان کے ہاتھوں میں آ جائے ——— حضرت علی کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے دست مبارک میں اپنا ایک بال لئے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جس نے میری ایک بال کی توہین کی اس پر جنت حرام ہے ——— آپ کی قوت سامعہ بھی بے نظیر ہے حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا "میں وہ دیکھتا ہوں جو کوئی نہیں دیکھتا اور وہ سنتا ہوں جو کوئی نہیں سنتا" ——— خود حضور نے فرما دیا کہ میری قوت سامعہ و باصرہ عام انسانوں کی طرح نہیں ——— آسمان کی چرچراہٹ سماعت فرمانا، عذاب قبر کو سننا وغیرہ وغیرہ آپ کی سماعت کی بے مثلی کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ ——— آپ کا بچپن بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور آپ کا زمانہ طفولیت عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ حضرت امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ آپ نے صحن عالم پر قدم رکھا تو پہلا کلام یہ فرمایا "اللہ اکبر کبیرا الحمد للہ کثیرا" معلوم ہوا کہ حضور کو بچپن اد

کمسنی میں بھی ادراک، وشعور اور علم و فہم حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمام اخلاق حمیدہ اور آداب شرعیہ آپ میں جمع فرمادئے تھے ——— امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ حضرت حلیمہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف آپ کے دائیں طرف کا دودھ نوش فرماتے اور بائیں طرف کا دودھ پلانا بھی چاہتیں تو نہ نوش فرماتے علماء فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ تھی "وذالک من عدلہ لانہ یعلم ان لہ شریکا فی الرضاعۃ" یہ آپ کا عدل تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ میرا ایک رضاعی شریک بھی ہے یعنی حضرت حلیمہ ایک اور بچے کو دودھ پلاتی تھیں جس کے لئے آپ نے بائیں طرف کا حصہ مخصوص فرمادیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایام شیرخوارگی کے عالم میں عدل و مساوات کا یہ اہتمام فرمانا آپ کی بے مثلی کو ظاہر فرمارہا ہے اسلئے کہ اس عمر میں یہ دیانت و شعور کس میں ہوتا ہے؟ ——— آیئے دست رسول کے بھی جلوے ملاحظ فرمائیے۔ جنگ احد میں حضرت عبداللہ ابن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انھیں ایک کھجور کی ٹہنی دی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی ——— لکڑی کو لوہا بنا دیا اور حقیقت کو بدلدیا اسی کو قلب اعیان کہتے ہیں۔

——— حضرت سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا حضور کا ادھر سے گزر ہوا آپ نے فرمایا کون ہیں تو عرض کیا سائب ابن یزید ہوں پھر آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ برکت دے جس کا اثر یہ ہوا کہ میرے بال ہمیشہ سیاہ رہے ———

انگشتان مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، ایک اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا، ایک اشارہ سے مدینہ طیبہ سے چھٹ کر بادلوں کا اطراف کا رخ کرلینا، دست مبارک میں شفاء کی سی خاصیت ہونا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا دست مبارک بے مثل و بے نظیر تھا۔

آپ کی قوت ذائقہ کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ صحابہ کے ساتھ ایک میت کی تدفین کے بعد واپس ہو رہے تھے کہ ایک خاتون نے آپ سب کو کھانے پر مدعو کیا۔ صحابہ نے آپ کے بعد کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کر دیا مگر آپ کے دہن مبارک میں جیسے ہی لقمہ پہونچا آپ نے فرمایا کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے چنانچہ آپ نے اس لقمے کو نوش نہیں فرمایا ——— بات بھی صحیح تھی اسلئے کہ وہ بکری اصل مالک کے بجائے اس کی بیوی کی اجازت سے حاصل کی گئی تھی ———

خیال کیجئے کہ تلخ و شیریں کا احساس تو عام بشر کی زبانیں بھی کرلیتی ہیں مگر نبی و رسول کی زبان حلال و حرام کا بھی احساس فرمالیتی ہے ——— آپ کی مبارک آواز کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب آپ منبر پر خطبہ کیلئے بیٹھے تو لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ آپ کی یہ آواز حضرت عبداللہ ابن رواحہ کے کان میں بھی پہونچی وہ اسوقت بکریوں میں تھے آپ کی آواز سنکر فوراً وہیں بیٹھ گئے ——— حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ کی روایت ہے کہ رسول کریم نے منیٰ میں ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اللہ نے ہمارے کان اس طرح کھول دئے تھے کہ ہم تمام حجاج جہاں جہاں تھے وہیں بیٹھے ہوئے آپ کی آواز سن رہے تھے ——— منیٰ کی سرزمین شاہد ہے کہ نبی کریم کے بعد اس فضل سے کسی کو نوازا نہیں گیا تاکہ اس خاص موقع کا یہ واقعہ آپ کے خصائص میں شمار ہوسکے

آپ اس رفیع الصوت کا پرتو ایک عاشق رسول پر پڑا تھا جس نے مدینہ طیبہ میں آواز بلند کی تو وہ آواز نہاوند کی فوج میں سنی گئی۔ المختصر ـ منی والا واقعہ اپنے جائے وقوع اور کیفیات کے لحاظ سے جداگانہ ہے ——— آپ کے لعاب دہن کا یہ حال کہ کھارے پانی میں پڑے تو پانی کو میٹھا کر دے، پائے صدیق میں لگے تو تریاق بن جائے، چشم علی میں لگے تو کحل الجواہر کا کام دے، عبداللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں لگ جائے تو ہڈیوں کو جوڑ دے ——— آپ کی نیند کا یہ عالم کہ خود فرمائیں "اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ" میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا ——— نیز ——— ارشاد فرمایا کہ ——— ہم انبیاء کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے ———

انبیاء کرام کو وفات سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو دنیا ہی میں رہیں اور چاہیں تو آخرت کو پسند فرمالیں ـ نیز ـ کسی نبی پر وفات طاری نہیں کیجاتی جب تک جنت میں اسکا مقام اُسے دکھا نہیں دیا جاتا اور اُسے دنیا و آخرت میں ایک کو پسند کرلینے کا اختیار نہیں دیدیا جاتا ——— احادیث سے یہ حقائق ثابت ہیں۔ ان امور کے علاوہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی کے کپڑوں میں غسل دینے کی غیبی ہدایت، غسل میں فرشتوں کی بھی غائبانہ شرکت، حضور کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے اوّلاً حضرت جبرائیل پھر حضرت میکائیل پھر حضرت اسرافیل پھر حضرت عزرائیل کا بہت سارے فرشتوں کے ساتھ حاضر ہونا۔ پھر اہلبیت اطہار کا نماز کیلئے حاضر ہونا ان سب کے بعد دوسرے لوگوں کا تنہا تنہا بغیر امام کے نماز پڑھنا۔ قبر میں اتارتے وقت ملائکہ کا بھی شریک کار ہونا۔ آپ کی وفات کے بعد ملائکہ کا اہلبیت کے پاس آکر تعزیتی کلمات غائبانہ طور پر پیش کرنا اس طرح کہ وہ نظر نہیں آرہے تھے مگر اُن کی آواز سنی جارہی تھی، عام بشر کی تعزیت عام بشر کرلیتے ہیں مگر رسول وہ ہیں جن کے گھر والوں کی تعزیت میں خدا کے مقدس فرشتے بھی شریک رہتے ہیں۔ یوں ہی ہر ہر نبی کا اسی جگہ پر وفات پانا جہاں اُسے دفن ہونا محبوب ہو، دفن کے بعد زمین کے تخریبی اثرات سے انکا محفوظ رہنا اور قبروں میں نمازیں پڑھنا حقیقت بیں نگاہوں میں مدینے میں آپ کے آنے سے روشنی اور وفات سے تاریکی پھیل جانا، اور حضور سے جدا ہو جانے کے نتیجے میں صحابہ کا اپنے قلوب کی حالت دگرگوں پانا، حیات طیبہ میں رسول کی صحبت سے الگ ہوتے ہی صحابہ کا اپنی قلبی کیفیت میں تبدیلی کا احساس ہونا، فرشتوں سے ہمکلام ہونا، فرشتوں کا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شرف صحبت سے مستفیض ہونا، آپ کے نماز پڑھنے سے میت کے قبر کا روشن و منور ہو جانا، جنت، و دوزخ کا حالت نماز میں آپ کے سامنے متمثل ہو کر حاضر ہونا، اس حیات دنیوی میں رہتے ہوئے بارہا بنفس نفیس جنت میں تشریف لیجانا، یہ سارے حقائق وہ ہیں جو احادیث نبویہ سے ثابت ہیں۔ طوالت تحریر کا اندیشہ کلمات احادیث کو نقل کرنے سے مانع ہے ——— یہی وہ حقائق ہیں جن کے پیش نظر امام رازی نے صاف صاف فرمادیا کہ انبیاء کرام جس طرح عام بشر سے اپنی روحانی قوتوں میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح جسمانی طاقتوں میں بھی ممتاز ہوتے ہیں یعنی اپنی سامعہ، باصرہ، شامہ اور ذائقہ میں

طاقتوں میں ـــــــ امام رازی کا یہ قول مولوی بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنۃ جلد سوم ص ۲۰۱ پر نقل کیا ہے ـــــــ علامہ زرقانی نے تو یہاں تک فرما دیا کہ حضور پر ایمان لانے کی تکمیل یہ ہے کہ آدمی اس پر ایمان لائے، بان اللّٰہ تعالیٰ جل خلق بدنہ الشریف علی وجہ ای حال وھیئۃ لم یظہر قبلہ ولا بعدہ خلق آدمی مثلہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے جسد شریف کو اس شان کا پیدا فرمایا کہ کوئی انسان آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا نہ ہوا، حکیم ترمذی حضرت ذکوان سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ چاند کی چاندنی میں دکھائی دیتا تھا نہ سورج کی روشنی میں، حضرت ابن سبع فرماتے ہیں کہ جسم اطہر پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ حضرت حارث ابن اسامہ حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چالیس جنتی جوانوں سے زیادہ توانائی رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کے چہرہ اقدس پر پسینہ موتی کی طرح نظر آتا تھا اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ تھی، آپ کا قد مبارک نہ بہت دراز تھا نہ بہت کوتاہ جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوتا تھا کہ جب آپ قوم کے درمیان تشریف رکھتے تو آپ کے مونڈھے سب سے بلند رہتے۔ عقل و دانائی کا عالم کہ امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ حضور تمام دنیا کے انسانوں میں عقل و رائے کے لحاظ سے برتری رکھتے تھے۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مطالعہ کیا سب میں یہی لکھا پایا کہ ابتدائے آفرینش سے لیکر انتہائے عالم تک سارے عقلاء کی عقلیں حضور سید عالم کی عقل کے مقابل ریت کا ایک ذرہ نظر آتی ہیں۔ قدموں کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن بریدہ فرماتے ہیں کہ آپ کے قدم مبارک تمام انسانوں کے قدموں سے زیادہ حسین تھے۔ قدموں کی ٹھوکر سے پانی کا چشمہ جاری کر دینا اور پھر ٹھوکر مار کر اس چشمے کو بند کر دینا اور اپنی ٹھوکروں سے عصائے موسوی کا کام لینا حدیث سے ثابت ہے ـــــــ

انتہا یہ ہے کہ آپ کے تمام فضلات مبارکہ امت کے حق میں طیب و طاہر باعث برکت و رحمت ہیں لیکن خود آپ کے حق میں آپ کی عظمت شان کے سبب حکم اصلی باقی ہے۔ فتاوی اسعدیہ میں ان کی طہارت کی صراحت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضور علیہ السلام کے پچھنے لگائے جسم اقدس سے جو خون نکلا وہ انھوں نے پی لیا اس پر حضور نے ارشاد فرمایا جا تو نے اپنے نفس پر آتش دوزخ حرام کر لی حضرت ابن زبیر نے خون مبارک بطور تبرک پیا کسی نے پوچھا خون کا ذائقہ کیا تھا فرمایا ذائقہ شہد کی طرح تھا اور خوشبو مشک و عنبر جیسی تھی ـــــــ حضرت ام ایمن نے ایک مرتبہ آپ کا بول مبارک پی لیا اور پھر جب آپ سے عرض کیا تو آپ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ آج سے تجھے کبھی پیٹ کی بیماری نہ ہوگی ـــــــ روحانی کمالات کو الگ رکھئے یہ جسمانی محیر العقول کمالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ نبی کریم کی طرح مومنین صالحین تک نہیں نہ روحانی درجات میں نہ جسمانی کمالات اور ظاہری عضو کے کسی حصے میں ـــــــ پھر کفار و مشرکین کا آپ کی طرح ہونا یا آپ کا ان کی طرح ہونا کس قدر بعید از قیاس ہے ـــــــ اب رہ گیا ـــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے، پینے، سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اپنا کام اپنے ہاتھوں انجام دینے، زخمی ہونے، بیمار پڑنے وغیرہ وغیرہ میں ہمارا شریک نظر آنا تو اس سے بھی آپ ہماری طرح نہیں ہو جاتے اسلئے کہ نبی کے افعال امت کی تعلیم کیلئے ہوتے ہیں اُن کی ہر ادا معلمانہ شان رکھتی ہے پھر ان کے افعال کی حقیقت کو امتی کے افعال کی حقیقت سے کیا نسبت ـــــــ غور کیجئے ابیت عند ربی یطعمنی ربی ویسقینی میں رب کے یہاں شب گزارتا ہوں مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے ـــــــ بلفظ دیگر ـــــــ انی لست کھیئتکم انی اُطعم واُسقی میں تمہاری ہیئت و ماہیت کے مثل نہیں میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں ـــــــ بروایت دیگر ـــــــ انی لست مثلکم میں تمہارے مثل نہیں ـــــــ تیسری روایت میں ہے ـــــــ ایکم مثلی تم میں کون میرے مثل ہے۔ ان ظاہر المراد کلمات کے ذریعہ اپنی بے مثلی و بے نظیری کا اعلان فرمانے والا رسول اگر بھوکا، پیاسا، زخم خوردہ و مجروح، بطن اقدس پر پتھر باندھے ہوئے وغیرہ وغیرہ نظر آئے تو کیا اس کے ان افعال کی وہی حقیقت ہوگی جو مجبوروں اور بیکسوں کے افعال کی ہوتی ہے؟ یا عائشۃ لو شئت لسارت معی جبال الذھب اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں ارشاد فرمانے والے رسول کے دولت کدے سے دھواں نہ اٹھے تو کیا اسے اسکی بے کسی و مجبوری پر محمول کیا جائے گا؟ کیا انبیاء پر بشری احوال و کوائف کا ظہور اسلئے ہوتا ہے کہ غیر نبی کو انھیں اپنا جیسا کہنے کا جواز مل جائے؟ ـــــــ یا یہ کہ ـــــــ انبیاء کے یہ سارے اعمال امت کی تعلیم اور انھیں فقر و زہد، صبر و شکر، توکل و استغناء، عجز و انکسار نیز اللہ کی رضا سے راضی رہ کر ہر شعبہ حیات میں پاکیزہ زندگی گزارنے کا سبق سکھانے کے لئے تھے۔ قرآن و حدیث سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ نبی کریم کی شان تو نرالی ہے آپ کی طرف جس کی نسبت ہو گئی وہ بے مثل ہو گیا ـــــــ جبھی تو ـــــــ نبی کی ازواج عورتوں میں بے مثل، نبی کے امتی دیگر امتیوں میں بے مثل، نبی کا شہر شہروں میں بے مثل، نبی کے قبر انور کی زمین زمینوں میں بے مثل، نبی پر نازل شدہ کتاب آسمانی کتابوں میں بے مثل، نبی کا لایا ہوا دین ادیان میں بے مثل، نبی کا قبیلہ قبیلوں میں بے مثل، نبی کا خاندان خاندانوں میں بے مثل نبی کا گھرانا گھرانوں میں بے مثل وغیرہ وغیرہ تو جب آثار و منسوبات کا یہ حال ہے تو پھر منسوب الیہ کی بے مثلی و بے نظیری سمجھانے کے لئے کسی دلیل کی کیا ضرورت ـــــــ شیخ محقق نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاف صاف فرما دیا کہ ـــــــ ولکنی لست کاحد منکم لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ حضور کا اپنے اس کلام سے مقصد یہ ہے کہ بیٹھکر نماز پڑھنا اور پورا پورا ثواب ملنا میرے خصائص سے ہے فلا تقیسونی علی احد، ولا تقیسوا علیّ احداً لہٰذا مجکو کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ مجھ پر کسی کو قیاس کرو ـــــــ یہاں تک میں نے احادیث کریمہ اور ارشادات علماء کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ ہر نبی اپنی ذات و صفات، اعضاء و

جوارح میں غیر نبی ممتاز ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب حقیقت وماہیت میں مماثلت نہ رہ گئی تو اب ذات وصفات اور اعمال وافعال نیز اعضاء وجوارح کی جو ظاہری صورت ہے اُسی میں مماثلت ہو سکتی ہے ——— امام احمد رضا کی بصیرت اور ان کی بے پناہ فہم وفراست پر قربان جائیے کہ انھوں نے قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمے میں لفظ کے نیچے لفظ رکھ دینا پسند نہیں فرمایا بلکہ اسی وجہ تشبیہ کو ترجمے کی صورت دیدی جس کے سوا کوئی اور مماثلت کی وجہ نہ بن سکے تاکہ عام ذہن وجہ تشبیہ کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان نہ ہو نیز غفلت ولاعلمی کے سبب کسی ایسی چیز کو وجہ تشبیہ نہ ٹھہرالے جس سے وہ خارج از اسلام ہی ہو جائے ——— مقالہ نگار اگر ذرا بھی منصف مزاج ہوتا تو امام احمد رضا کے ترجموں کو آنکھوں سے لگاتا اور ان کی فراست ایمانی کے حضور سرنیاز جھکا دیتا ایک فقرہ میں طویل وعریض تحقیقات کا عطر پیش کر دینا اور بے غبار لفظوں میں اسلامی عقیدے کی وضاحت کر دینا تائید ربانی ہی پر موقوف ہے ——— یہاں اس نکتے کو بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ " انا بشر مثلکم " (میں تمھاری طرح بشر ہوں) کی ترجمانی کی دو صورتیں ہیں

۱۔ میں تمھاری طرح انسان ہوں یعنی جیسے تم انسان ہو (فرشتہ وجن نہیں) اسی طرح میں بھی انسان ہوں (فرشتہ وجن نہیں) اس ترجمانی میں وجہ مماثلت انسانیت اور بشریت ہے یعنی انسان وبشر ہونے میں تمھاری طرح ہوں۔

۲۔ میں تمھاری طرح انسان ہوں یعنی جس طرح کے انسان تم ہو اسی طرح کا انسان میں بھی ہوں یعنی تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔

ظاہر ہے کہ پہلی ترجمانی ہی اسلامی عقائد ونظریات کے مطابق ہے جس سے واضح ہے کہ مماثلت صرف " آدمی ہونے " میں ہے نہ کہ دوسرے صفات وغیرہا کی حقیقت وماہیت میں۔ خود مقالہ نگار نے فتح القدیر، بحر المحیط اور روح المعانی سے جو عبارتیں نقل کی ہیں اُن سے بھی یہی ثابت ہے کہ وجہ مماثلت صرف بشریت (یعنی آدمی ہونا) ہے۔ فتح القدیر کی عبارت مقالہ نگار نے نقل کی ہے اُس نے تو یہاں تک واضح کر دیا کہ اپنے لئے بشریت ثابت فرما کر رسول کریم اپنی ذات سے ملکیت کی نفی فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ میں بشر ہوں ملک نہیں ہوں جیسے تم بشر ہو ملک نہیں ہو یہی یہ سمجھ لیجئے کہ بشریت کا ترجمہ بحر المحیط کی عبارت منقولہ کا ترجمہ کرتے ہوئے خود مقالہ نگار نے " آدمی ہونا " ہی کیا ہے ——— اسی وجہ مماثلت کو امام احمد رضا نے جب سورہ سجدہ کے رکوع ۱ کی آیت قل انما انا بشر مثلکم کی ترجمانی کرتے ہوئے رکھدیا اور یہ ترجمانی فرمائی

" تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں "

اس پر مقالہ نگار بول پڑا کہ بشر کا معنی " آدمی ہونا " کہاں ہے میں پوچھتا ہوں کہ بشر کا معنی آدمی ہونا نہیں لیکن بشریت کا معنی تو آدمی ہونا ہے اور پھر جب بشر مثلکم سے " مماثلت فی البشریۃ " مقصود ہونے پر ساری تفسیریں متفق ہیں تو پھر اسی وجہ مماثلت کو قرآن کی ترجمانی میں اگر رکھدیا جائے اور ذہنوں کو ادھر اُدھر بھٹکنے سے بچالیا جائے تو اسمیں کونسا جرم ہے؟ مقصود قرآن کو ترجمۂ قرآن کی صورت دیدینا کیوں غلط ہے؟ ——— امام احمد رضا نے اسی وجہ مماثلت کو کہیں " ظاہر صورت بشری " اور کہیں " آدمی ہونے " کے لفظوں سے ظاہر کیا ہے دونوں فقروں کا حاصل ومآل ایک ہے ——— مقالہ نگار کے چیں بجبیں ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کا جس مکتب فکر سے تعلق ہے اس میں نبی کی حیثیت ایک " معمولی انسان " کی ہے چنانچہ اپنے عہد میں خارجیت اور وہابیت کے مسلمہ امام مولوی عبد الشکور کاکوروی ایڈیٹر النجم آیت زیر بحث کا ترجمہ کرتے ہوئے ماہنامہ النجم مورخہ ۱۱ رجون ۱۹۳۶ء ص۵ کالم ۳ میں لکھتے ہیں

" نبی کریم نے فرمایا انما انا بشر مثلکم یوحی الی میں تمھاری طرح ایک معمولی انسان ہوں اگر تم میں اور مجھ میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمھارے پاس خدائے تعالیٰ کا پیام لایا ہوں "

آج تک دیوبند کے کسی پوت وسپوت کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ بارگاہ نبوت کے اس گستاخ سے سوال کرتا کہ " معمولی انسان " آیت کریمہ کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ مقالہ نگار نے اگر گروہی عصبیت سے ہٹ کر اس گمراہ کن ترجمے پر اعتراض کیا ہو تو میں اُسے ضرور جاننا چاہونگا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ نہ مقالہ نگار نے ایسا کیا ہوگا اور نہ کبھی ایسا کر سکے گا اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ جس مکتبہ فکر سے وابستہ ہے وہاں بڑے بڑے سورما پیدا ہو چکے ہیں۔ جو نبی کریم کی ذات کیلئے معمولی بشر، بڑا بھائی، گاؤں کا چودھری، فقط ایک ایلچی کا لفظ استعمال کرنے والے، نبی کیلئے اپنی آخرت سے بے خبر اور مر کر مٹی میں مل جانے کا خیال ظاہر کرنے والے علم نبوی کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دینے والے۔ علم نبوی کو شیطان کے علم سے کم سمجھنے والے۔ نبی کریم کو اردو سکھانے کا دعویٰ رکھنے والے۔ نبی کریم کیلئے ذرّہ بے مقدار اور چمار سے زیادہ ذلیل کا لفظ استعمال کرنے والے۔ نبی کے فضل وکمال، جاہ وجلال، حسن وجمال، جود ونوال کی احادیث کو ضعیف، کمزور نا قابل پذیرائی قرار دینے والے۔ اور جس کلام میں بظاہر کچھ شان اقدس کی منقصت نظر آئے اسپر رنگ روغن چڑھا کر قریہ قریہ بستی بستی اسے بیان کرنے والے المختصر تقدیس رسالت کی نفی کو توحید الٰہی سمجھنے والے ہیں بھلا ایسوں سے کیا امید کیجائے کہ وہ بھی دین ودیانت کے تقاضوں کو کبھی پورا کر سکیں گے ——— مقالہ نگار کی علمی خیانت تو ملاحظہ فرمائیے اس نے امام احمد رضا کے ترجمے کی نقل مطابق اصل نہیں کی نہ تو سورۂ کہف والی آیت کا ترجمہ مطابق اصل نقل کیا اور نہ ہی سورہ سجدہ والی آیت کا ترجمہ من وعن نقل کیا دونوں مقامات کی آیات کے ترجموں کو اصل کے مطابق ملاحظہ فرمائیے۔

" تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم
جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود
ایک معبود ہے " (سورہ کہف)

"تو میں" کا لفظ مقالہ نگار نے نقل ہی نہیں کیا تاکہ اردو کے محاورے میں وہ حصر نہ آسکے جو قرآنی آیت سے مستفاد ہے

تم فرماؤ کہ آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں"

(سورہ سجدہ)

یہاں "تمھیں" کو مقالہ نگار نے "تم" کر دیا تاکہ یہ بھی اپنے اندر کوئی حصر کا مفہوم نہ رکھے مقالہ نگار نے یہ سب کچھ اسلئے کیا ہے تاکہ اُسے یہ کہنے کا موقعہ مل جائے کہ دونوں میں انما کے معنی تخصیص و حصر کو چھوڑ دینے کی زبردست کمی پائی جاتی ہے ـــــ مقالہ نگار کو یہ شکایت ہے کہ امام احمد رضا نے بشر مثلکم کا ترجمہ وہ کیا ہے جو انا مثلکم فی البشریۃ کا ترجمہ ہے ـــــ میں پوچھتا ہوں کہ جب خود مقالہ نگار نے بحر المحیط کے حوالے سے یہ واضح کر دیا ہے کہ بشر مثلکم میں مماثلت فی البشریۃ مراد ہے یعنی بشر مثلکم کا مطلب انا مثلکم فی البشریۃ ہی ہے تو پھر بشر مثلکم کے ترجمہ میں اسی معنی مراد کو رکھ دینا اصول ترجمانی سے کیسے باہر ہو گیا؟ بشر بول کر انسان اور آدمی ضرور مراد لیا جاتا ہے مگر سوچنا یہ ہے کہ انسان کو بشر کیوں کہتے ہیں۔ مفردات امام راغب میں ہے کہ بَشَر "بشرۃ" سے ماخوذ ہے اور بشرۃ انسان کی جلد کی اوپری سطح کو کہتے ہیں چونکہ انسان کی جلد بالوں سے صاف ہوتی ہے (اس کے برعکس دیگر حیوانات کی کھال پر اون، بال اور ریشم ہوتی ہے) اسی لئے اسکو بشر کہتے ہیں ـــــ اس صورت میں بشر کا لفظی معنی "صاحب بشرۃ" ہوا یعنی چہرہ، مہرہ اور صاف جلدوں والا اور ظاہر ہے کہ چہرے مہرے اور اوپری جلدوں کا تعلق ظاہر صورت ہی سے ہے۔ اس تحقیق نے امام احمد رضا کے نظر کی گہرائی کو اور بھی روشن کر دیا ہے۔ یقیناً انھوں نے اپنے ترجمے میں لفظ بشر کے ماخذ کے بنیادی معنی کی خاص رعایت رکھی ہے ـــــ مقالہ نگار نے لغوی تحقیق کے نام پر لفظ بشر کی جو تشریح کی ہے وہ ناقص ہے اور غیر ضروری بھی۔ یوں ہی لفظ انما کے تعلق سے تشریحی عبارتیں بلا ضرورت اظہار لیاقت کی ایک کوشش ہے۔ حصر کے تعلق سے آگے کچھ تحقیقی مباحث آرہے ہیں ـــــ مقالہ نگار کی یہ کوشش بھی غیر ضروری تھی کہ وہ نبی و رسول کے اصطلاحی معنی کی تشریح میں وقت صرف کرے ـــ نیز ... بشریت انبیاء کو ثابت کرنے کیلئے اپنے قلم کی روشنائی ضائع کرے اسلئے کہ امام احمد رضا نہ تو بشریت انبیاء کے منکر تھے اور نہ نبی و رسول کی معروف تعریف پر معترض اور نہ ہی ان کے ترجموں سے ان میں سے کسی امر کا انکار ملتا ہے۔ خود امام احمد رضا کے ترجموں پر غور کیجئے ایک جگہ "ظاہر صورت بشری" میں اور دوسری جگہ "آدمی ہونے" میں حضور کو مخاطبین کے مماثل قرار دے رہے ہیں اور صاف لفظوں میں آپ کو صاحب صورت بشری اور آدمی ظاہر کر رہے ہیں ـــ کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر صورت بشری کے بشر ہو جائے ـــ یا ـــ صورت بشری ہو اور بشر نہ ہو یا ـــ کوئی کسی سے ظاہر صورت بشری میں مماثل ہو لیکن خود بشر نہ ہو ـــ یا بلفظ دیگر کوئی کسی سے "آدمی ہونے" میں مماثل ہو لیکن خود آدمی نہ ہو؟ ـــــ آخر امام احمد رضا کے ترجموں کے کس گوشے سے بشریت کا انکار ملتا ہے؟ مقالہ نگار جب امام احمد رضا کے اردو ترجموں کو نہ سمجھ سکا تو پھر قرآن و حدیث سے براہ راست اکتساب فیض کی اس میں کیا صلاحیت ہوگی۔ مقالہ نگار رقم طراز ہے کہ

"مترجم (امام احمد رضا) یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ آپ کا یہ اعلان فقط ظاہری صورت میں تھا اظہار حقیقت کے طور پر نہیں تھا"

مقالہ نگار کو جب فہم و فراست کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا تو "تقابلی مطالعہ" کے چکر میں کیوں پڑ گیا۔ ذرا مقالہ نگار اپنی خود ساختہ اس وضاحت کو دیکھے اور بتلائے کہ کیا تعلق ہے اس کا فاضل بریلوی کے بے داغ ترجمے سے؟ ـــــ فاضل بریلوی نے ترجمے میں "ظاہر صورت بشری" میں رسول کو جو مخاطبین کا مماثل قرار دیا ہے یہی تو عین حقیقت ہے۔ اگر فاضل بریلوی کے ترجمے کو مقالہ نگار نہ سمجھ سکا تو پھر اس پر یہ کب لازم تھا کہ وہ خواہ مخواہ کے لئے فاضل بریلوی پر ایک عظیم بہتان جڑ دے ـــــ امام احمد رضا نہ تو رسول کریم کی بشریت کے منکر ہیں اور نہ قرآن میں ذکر کردہ مماثلت سے ـــــ بلکہ ـــــ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم بشر بھی ہیں اور مخاطبین کے مماثل بھی مگر وجہ مماثلت وہ نہیں ہے جو شاتمان رسول کی تحریروں سے ظاہر ہے بلکہ وجہ مماثلت صرف وہی ہے جو خود امام احمد رضا کے ترجمے سے ظاہر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول کریم بشر ہیں مگر آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے جوہری اور حقیقی فرق رکھتی ہے۔ بالکل یہی بات امام احمد رضا سے پہلے علامہ امام واسطی ید اللہ فوق ایدیھم کی تفسیر میں فرما چکے ہیں کہ

اخبر اللہ بھذا الایۃ ان البشریۃ	اس آیت سے اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ میرے نبی
فی نبیہ عاریۃ واضافیۃ لاحقیقۃ	کی بشریت عارضی اور اضافی ہے حقیقی نہیں ہے۔

ذہن نشیں رہے کہ بشریت کی ابتداء حضرت آدم سے ہوئی آپ سب سے پہلے بشر ہیں سارے بشر آپ ہی کی اولاد ہیں اسلئے آپ ابو البشر کہلائے ـــــ معلوم ہوا کہ حضرت آدم پہلے بشر ہیں پھر نبی اور اللہ کے خلیفہ وغیرہ ایسے ہی ہر ہر نبی اور ہر ہر انسان پہلے بشر ہے پھر دوسری صفات والا ـــــ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبی ہیں پھر بشر ہیں جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد یعنی ابھی حضرت آدم کی تخلیق بھی نہ کی گئی لیکن میں نبی تھا ـــــ بلفظ دیگر ـــــ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین ـــــ یا ـــــ کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینتہ میں نبی تھا درانحالیکہ حضرت آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے ـــــ حضور سے دریافت کیا گیا "متی وجبت لک النبوۃ" حضور آپ کو نبوت کب ملی ارشاد فرمایا و آدم بین الروح والجسد ابھی آدم روح و جسد کی منزلیں طے کر رہے تھے یعنی پیدا نہیں کئے گئے تھے ـــــ تو جنکی بشریت مقدم ہے اُن کے جملہ صفات پر بشریت ہی انکی حقیقت و ماہیت ہے جسے لے لیا جائے تو اُن کے پاس کچھ نہ بچے ـــــ مگر ـــــ جنکی نبوت مقدم ہے بشریت پر بشریت اس کے لئے ایک عارضی و اضافی چیز ہے جسے اگر اس سے لے لیا

جائے جب بھی اس کی نبوت پر آنچ نہ آئے ـــــ امام واسطی نے اپنے ارشاد میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی گوشۂ ذہن میں رکھی جائے کہ نبی کریم کے سوا ہر نبی کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت کیطرح اپنے اپنے باقی صفات پر مقدم ہے مگر بایں ہمہ کسی نبی کی بشریت کی حقیقت غیر نبی کی بشریت کی حقیقت کی طرح نہیں بس صرف صورت میں مماثلت ہے ـــــ یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے نبی کا جامۂ بشری میں یعنی بشر بنکر آنا ضروری ہے مگر ان کی بشریت کا دوسروں کی بشریت کی حقیقت میں مماثل ہونا ضروری نہیں ـــــ یہ بھی خیال رہے کہ مفسرین کرام کا آیت زیر بحث کی تشریح میں ہر ہر نبی و رسول کا غیر نبی سے شرف نبوت و رسالت میں ممتاز قرار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے نزدیک نبوت و رسالت کے امتیاز کے سوا نبی و غیر نبی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارشاد قرآنی تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض خود انبیاء کرام کے مابین بعض پر بعض کی فضیلت کی نشان دہی کر رہا ہے اور ارشاد ربانی رفع بعضھم درجات رسول کریم کو تمام انبیاء و مرسلین پر درجوں بلند ظاہر فرما کر بے شمار امتیازات کا پتہ دے رہا ہے ـــــ لہٰذا ـــــ نبی کریم اور آیت کے مخاطبین میں صرف شرف وحی کے امتیاز کو مخصوص کر دینا جیسا کہ مقالہ نگار کے بعض پسندیدہ مترجمین نے کیا ہے بالکل باطل ہے اور بے شمار نصوص کی تکذیب بھی۔ الغرض یہ مترجمین قرآن شریف کے الفاظ کی اردو زبان میں موزوں تعبیر سے قاصر ہے اور زبردستی اپنے خاص نظریے کو قرآن کے ترجمے کی شکل میں پیش کر دیا۔ یہ مترجمین اپنی ذہنیت اور قائم کردہ رجحان فکر کے سانچے میں قرآنی الفاظ کو ڈھال کر ان کے معانی بیان کرنے اور اُسے ترجمہ قرآن قرار دینے میں بڑے ہی چابکدست نظر آئے۔ ـــــ کاش کہ مقالہ نگار اپنی آنکھوں کی ان شہتیروں کو دیکھ سکتا ـــــ

مقالہ نگار اپنے فن میں استاد نظر آرہا ہے اس لئے کہ اس نے تفسیر ابن جریر کی ایک عبارت نقل کر کے لکھ دیا کہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں بھی یہی ہے حالانکہ تفسیر ابن کثیر میں یہ عبارت موجود نہیں ـــــ یوں ہی ـــــ اُس میں امام رازی کی تفسیر کبیر کی ایک عبارت نقل کی ہے مگر اُسی منقولہ عبارت کے اوپر متصلاً جو عبارت ہے اُسے کاٹ دیا اور وہ یہ ہے۔ واعلم انہ تعالیٰ لما بین کمال کلام اللہ امر محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بان یسلک طریقۃ التواضع فقال قل انما انا بشر مثلکم الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے کمال کو ظاہر فرما دیا تو نبی کریم کو حکم دیا کہ وہ تواضع کی شاہراہ پر چلیں چنانچہ فرمایا کہ فرما دو میں آدمی ہونے میں تمہاری طرح ہوں الخ ـــــ مقالہ نگار کو اس بددیانتی کی ضرورت اسی لئے پیش آئی تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ یہ کلام سید المتواضعین کی زبان سے بطور تواضع ادا کرایا گیا ہے ـــــ حضرت عبد اللہ ابن عباس سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ کلام تواضعاً ارشاد فرمایا گیا ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں بھی یہی ہے کہ رسول کریم کی زبان سے بطور تواضع یہ کلام ادا کرایا گیا ہے۔ تفسیر خازن و تفسیر بغوی میں بھی حضرت ابن عباس کا قول منقول ہے۔ جلیل القدر مفسرین اس قول پر اعتماد کر کے اس کو نقل فرما رہے ہیں مگر مقالہ نگار کے نزدیک یہ روایت ناقابل پذیرائی ہے۔ شاید اسلئے کہ اسمیں نبی کریم کو اپنا جیسا کہنے کی راہ نہیں ملتی ـــــ مقالہ نگار نے انکساری و فروتنی کو حقیقت و واقعیت سے متصادم قرار دیا ہے اور تواضع کی یہ تعریف کی ہے کہ خلاف واقعہ اور نفس الامر کے غیر مطابق بات کا اظہار تواضع ہے ـــــ حالانکہ تواضع کا خلاف واقعہ بات کے اظہار سے کوئی تعلق نہیں اسلئے کہ تواضع کی دو صورت ہے ایک فعل سے دوسرے قول سے۔ فعل کے ذریعہ فروتنی و انکساری کا اظہار فعلی تواضع ہے۔ اور اپنی بڑائی نیز اپنے کمالات و خصوصیات کے ذکر کو چھوڑ کر اپنی اُن صفات کو بیان کرنا جو بادی النظر میں کوئی انفرادیت نہ رکھتی ہوں بلکہ اس میں عام لوگوں سے بظاہر مماثلت نظر آتی ہو خواہ یہ صفات اس شخص میں فی الواقع موجود ہوں ـــــ یا ـــــ موجود تو نہ ہوں مگر وہ اسے علم و یقین کی روشنی میں انھیں اپنی ذات میں موجود سمجھتا ہو ـــــ یہ قولی تواضع ہوئی ـــــ لہٰذا ـــــ تواضع کے تعلق سے مقالہ نگار کی ساری گفتگو اس کے غایت جہل کی دلیل ہے ـــــ یہ بھی خیال رہے کہ جو شخص تواضعاً کوئی کلام نکالتا ہے تو اس کلام کے نکالنے کا حق صرف اسی فرد کو رہتا ہے جس نے تواضعاً اُسے ادا کیا ہے اب اگر کوئی دوسرا شخص اُسی لفظ کو اس کیلئے استعمال کر دے تو اسے کھلی ہوئی بے ادبی اور بدتمیزی سے تعبیر کیا جائے گا ـــــ مثلاً ـــــ مولوی حسین احمد ٹانڈوی زندگی بھر اپنے کو "ننگ اسلاف" کہتے رہے اب خواہ وہ واقعی "ننگ اسلاف" ہوں یا صرف اپنے علم و یقین سے اپنے کو ایسا سمجھ رہے ہوں دونوں صورتوں میں اگر یہی لفظ کوئی دوسرا ان کے لئے استعمال کر دے تو ارت دیوبندیہ اُسے بے ادبی پر محمول کئے بغیر نہ رہے گی ـــــ المختصر ـــــ مفسرین کرام کا یہ فرمانا کہ حضور نے یہ تواضعاً فرمایا ہے اسلئے نہیں ہے کہ اس فرمان کی واقعیت میں شک کیا جائے بلکہ اسی لئے ہے کہ رسول کریم کو "صاحب بشرۃ" اور آدمی ہونے میں مخاطبین کے مماثل جاننے اور ماننے کے باوجود کسی غیر رسول کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ آپ کو مخاطبین کی طرح کہے اسلئے کہ اس کا ایسا کہنا یقیناً بارگاہ رسالت میں بہت بڑی بے ادبی ہے ـــــ بیان عقیدہ اور دریافتِ مسائل کے احکام اور ہیں ان کے سوا عام گفتگو میں نبی کریم کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا ـــــ دوسرے برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت ہو تو کفر ہے ـــــ قرآن نے واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا ہے کہ رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ـــــ خیال رہے کہ نبی کریم کو بشر ماننا اور ہے اور آپ کو کہنا اور ہے دونوں کے احکام الگ الگ ہیں ـــــ اسلئے کہ بے شمار حقائق ایسے ہیں جو مانے جاتے ہیں مگر کہے نہیں جاتے ـــــ مثلاً ـــــ

رب تبارک وتعالیٰ مالک السموات والارض اور خالق کل شیٔ ہے ـــــ ہے کوئی کائنات میں ایسی چیز جس کا وہ خالق ومالک نہ ہو؟ رب تعالیٰ کو ذرہ ذرہ پتہ پتہ قطرہ قطرہ دریا دریا صحرا صحرا گوشہ گوشہ محفل محفل الغرض ہر ہر چیز کا خالق ومالک ماننا ضروری ہے ـــــ بایں ہمہ ـــــ اس کی مخلوقات ومملوکات میں بعض چیزیں ایسی ہیں اگر صراحۃً خدا کو ان کا خالق ومالک کہا جائے تو کفر ہو جائے ـــــ خالق ومالک نہ مانو تو کافر اور مان کر کہدو تو کافر گو دونوں کے کفر کی وجہ الگ الگ ہے ـــــ مثلاً ـــــ اگر کوئی نادان بک دے کہ "خدا میرے سنڈاس کا مالک ہے" ـــــ یا ـــــ "خدا خنزیر کا خالق ہے" تو وہ کافر ہو جائے گا ـــــ دیکھا آپ نے نفس الامر میں ان باتوں کی صحت کا کوئی بھی مقام ہو مگر ایک ذلیل مملوک ومخلوق کی طرف نسبت میں جو شناعت وقباحت ہے اس نے اس قول کو کفریہ اور قائل کو کافر بنا دیا ـــــ معلوم ہوا ماننا اور ہے کہنا اور ہے ـــــ یوں ہی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان قطرۂ ناپاک سے پیدا ہوا ـــــ مگر ـــــ ہو جرأت تو کہدیجئے کہ کسی انسان کو "اے قطرۂ ناپاک سے پیدا ہونے والے" پھر آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ ماننا اور ہے کہنا اور ہے ـــــ اختلاف رسول کریم کو بشر ماننے میں نہیں ہے بلکہ آپ کو بشر کہنے اور آپ کی بشریت کو بالکل اپنی بشریت کی طرح سمجھنے میں ہے ـــــ مقالہ نگار قرآن وحدیث سے نکال کر کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا جسمیں رسول کریم نے یا کسی نبی نے اپنے ماننے والوں سے کہا ہو کہ میں تمھاری طرح بشر ہوں ـــــ یا ـــــ کسی ماننے والے نے اپنے نبی سے کہا ہو کہ آپ میری طرح یا میں آپ کی طرح بشر ہوں ـــــ ہاں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ انبیاء نے کفار سے کہا کہ آدمی ہونے میں ہم تمھاری طرح ہیں اور کفار نے انبیاء سے کہا آپ ہماری ہی طرح بشر ہیں ـــــ اس کے برعکس نبی کریم نے جب مومنین کو مخاطب فرمایا تو "ایکم مثلی" تم میں ہم جیسا کون ہے۔ "لستُ کاحدٍ منکم" ہم تمھاری طرح نہیں فرما کر اپنی بے مثلیت ہی کا اظہار فرمایا اور صحابہ کرام بہت سے موقعوں پر اینا مثلہ ہم میں حضور کیطرح کون ہے کہکر حضور کی بے مثلی کا خطبہ پڑھتے رہے اور کبھی آیت زیر بحث کو بہانہ بنا کر رسول کو کسی بات میں بھی اپنی طرح ـــــ یا ـــــ اپنے کو رسول کی طرح کہنا گوارا نہ کیا۔ امت دیابنہ کو صحابہ کرام کے اس طرز عمل سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

ـــــ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اب خود بعض دیوبندی مولوی بھی حضرات علماء اہلسنت کے موقف کی صحت کو تسلیم کر چکے ہیں چنانچہ مولوی مفتی محمد شفیع سرگودھوی اپنی کتاب کلمۃ الایمان کے صفحہ ۲۲ پر رقم طراز ہیں۔

> "انبیاء علیہم السلام کو خصوصاً سرور انبیاء کو صرف لفظ بشر سے یاد نہ کیا جائے بلکہ خیر البشر یا افضل البشر سے ذکر کرے زیادہ بہتر یہی ہے کہ سنت اللہ کے مطابق حضور علیہ السلام کو القاب عالیہ سے یاد کرے"

ارشاد قرآنی "انما انا بشر مثلکم" میں مذکور لفظ انما سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے مقالہ نگار نے اسے حصر حقیقی سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے یہ تفصیل پیش نظر رہے۔ حصر کی دو قسمیں ہیں ایک حصر حقیقی اور دوسرا حصر اضافی ان دونوں حصروں کی دو۔ دو صورتیں ہیں ایک حصر الموصوف علی الصفۃ اور دوسری حصر الصفۃ علی الموصوف۔ اب اگر ہم ارشاد قرآنی کے حصر کو حصر حقیقی مان کر حصر الموصوف علی الصفۃ کا گوشہ اختیار کریں تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صرف بشر ہیں" حالانکہ یہ بات غلط ہے اسلئے کہ آپ نبی بھی ہیں رحمۃ اللعالمین بھی ہیں اور خاتم النبیین وغیرہ بھی ـــــ اور اگر حصر حقیقی مانتے ہوئے حصر الصفۃ علی الموصوف کی صورت اختیار کریں تو حاصل ارشاد یہ ہوگا کہ

نہیں ہے کوئی بشر مگر رسول

یہ بھی باطل ہے۔ الغرض بشریت کو ذات رسول کریم میں بطور حصر حقیقی مقصور ومحصور کرو تو یہ بھی غلط اور اسی حصر حقیقی کے بنیاد پر ذات رسول کریم کو بشریت میں محصور ومقصور کر دو یہ بھی باطل ـــــ لہٰذا متعین ہو گیا کہ یہاں حصر سے حصر اضافی یعنی صرف کسی غیر کی نسبت سے حصر کرنا مراد ہے اور چونکہ کلمہ حصر کے قریب موصوف ہی ہے صفت نہیں ہے۔ لہٰذا حصر اضافی کی حصر الموصوف علی الصفۃ والی صورت ہی مراد ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں حاصل ارشاد یہ ہوگا

> "بہ نسبت الوہیت وملکیت کے نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مگر صرف بشرہ والے مخاطبین کی طرح یعنی جس طرح مخاطبین خدا یا فرشتہ نہیں یوں ہی آنحضرت بھی خدا یا فرشتہ نہیں ہیں۔"

تفسیر فتح القدیر کی یہ عبارت کہ "حالی مقصود علی البشریۃ لایتخطاھا الی الملکیۃ" یعنی میرا حال تو صرف بشریت میں منحصر ہے بشریت کو عبور کر کے ملکیت میں داخل نہیں ـــــ نیز ـــــ تفسیر نیشاپوری کا یہ جملہ کہ حالہ مقصور علی البشریۃ لا یتخطاھا الی الملکیۃ یعنی آپ کا حال بشریت میں منحصر ہے اسے عبور کر کے ملکیت میں داخل نہیں۔ اس بات پر نص صریح ہے کہ یہاں حصر بالنسبۃ الی الملکیت ہے یعنی حصر اضافی ہے اور اگر آیۃ "یوحی الی" کو پیش نظر رکھکر حصر بالنسبۃ الی الالوھیۃ ہو ـــــ یا ـــــ الوہیت وملکیت دونوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں

قل انما انا بشر مثلکم کا مطلب روح البیان میں حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی نے یہ فرمایا ہے

قل یا محمد ما انا الا آدمی مثلکم فی الصورۃ ومساویکم فی بعض الصفات البشریۃ	اے محمد فرما دو میں نہیں ہوں مگر تم جیسا آدمی صورت میں (نہ کہ حقیقت وماہیت میں) اور بعض صفات بشریہ (نہ کہ کل صفات بشری) کے ظہور میں تم جیسا ہوں۔

——— یعنی تم جن جن صفات بشریہ کے حامل ہو ان میں سے بعض کا ظہور میری ذات سے بھی ہوتا ہے گو دونوں کی حقیقت و ماہیت میں فرق ہے مگر بظاہر دیکھنے میں دونوں ایک طرح ہیں ——— صاحب تفسیر روح البیان سورۃ مریم میں کھیعص کے تحت صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں صورت بشری، صورت ملکی اور صورت حقی۔ صورت بشری کا ذکر انما انا بشر میں ہے اور صورت ملکی کا ذکر لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میں ہے یعنی بعض وقت ہمکو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ اسمیں نہ مقرب فرشتے کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی۔ رہ گئی صورت حقی تو اسکا ذکر من رآنی فقد رای الحق میں ہے یعنی جس نے ہمکو دیکھا حق کو دیکھا ——— اس وضاحت کی روشنی میں پتہ چلا کہ آیت زیر بحث میں رسول کریم کی صرف ایک صورت کا ذکر ہے ——— رہ گئی آپ کی مخاطبین سے مماثلت تو وہ تو اسی صورت بشری کے ظاہر میں ہے نہ کہ حقیقت و ماہیت میں اسلئے کہ رسول کریم کی بشریت وہ ہے جو ہزار ہا جبریل حیثیت سے اعلیٰ ہو

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر ٭ بہر حق سوئے غریباں یک نظر

معراج میں سدرہ کے اوپر جانے سے سید الملائکہ کو اپنا بازو جل جانے کا اندیشہ ہوا لیکن رسول کی بشریت مقام قاب قوسین او ادنی تک پہونچ گئی اور اسکی پلک بھی نہ جھپکی ——— غور کرو سدرہ کے اوپر جانے سے سید الملائکہ، حامل وحی الٰہی، معصوم فرشتہ، نوری مخلوق کے بازو جل جائیں اور مکہ کی سرزمین پر چلنے والے جامۂ بشری میں ملبوس رسول کے دامن پر داغ نہ لگے کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ میرے رسول کی بشریت کی وہ حقیقت نہیں جو عام انسانوں کی بشریت کی ہے ———

مولانا روم نے اس سلسلے میں خوب فیصلہ فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ "کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر ایک جیسے بشر ہیں ہم اور وہ دونوں کھانے اور سونے سے وابستہ ہیں انھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت فرق ہے۔ زنبور اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دو طرح کے ہرن ایک ہی دانہ و پانی کھاتے ہیں ایک سے غلاظت اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے۔ نبی کے کھانے سے نور خدا بنتا ہے" ——— قل انما انا بشر مثلکم کے مفہوم و معنی کی وضاحت کے سلسلے میں اب تک جو کچھ کہا گیا ہے نیز امام احمد رضا نے جو اس کا ترجمہ فرمایا ہے اس میں اصحاب تاویل کے مسلک سالم کی رعایت ہے ——— رہ گیا اہل تفویض کا مسلک اسلم تو اگر اس پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے پھر تو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ آیت زیر بحث متشابہات میں سے ہے اسلئے جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں اور جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں خدا یا اس کے بتلانے سے رسول ہی اسکی مراد کو جانیں۔ جس طرح کہ ید اللہ فوق ایدیھم اور مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح سے جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں اور جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں ——— جب کسی ارشاد کا ظاہر مراد لینے سے شان والے کی شان گھٹ رہی ہو تو اسکا متشابہات سے ہونا متعین ہو جاتا ہے ——— شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ جلد اوّل باب سوم وصل ازالہ شبہات میں واضح طور پر قل انما انا بشر مثلکم کو متشابہات میں شمار کرایا ہے ——— اب مقالہ نگار کا اس آیت کریمہ کے ظاہر سے دلیل پکڑنا اصولاً غلط اور اس کے کمال جہالت کی دلیل ہے ——— اس آیت کو متشابہات میں شمار کرنے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ بقول جمہور مفسرین و سیاق کلام الٰہی "مثلکم" کا خطاب کفار سے ہے پھر تو کوئی ناپاک انسان بھی حضور کو کفار کیطرح کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کے ظاہر کا مراد نہ ہونا اور مراد کا ظاہر نہ ہونا ہی صحیح و درست ہے ——— مگر جو زائغین ہیں اور اپنے دل میں کجی رکھتے ہیں وہ کیوں مسلک سالم یا راہ اسلم کو اپنانے لگے انھیں تو وہی کہنا ہے مقالہ نگار جسے ثابت کرنے کے درپے ہے۔ مقالہ نگار کے طرز استدلال کو اگر بہ نظر استحسان دیکھا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آگے بڑھ کر یہ دعویٰ نہ کر دے کہ "اللہ ہماری طرح موجود ہے ——— یا یہ کہ ——— "اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے" اسلئے کہ کلمۂ موجود یوں ہی لفظ سمیع و بصیر ہر جگہ بولا جاتا ہے ——— حالانکہ ——— ہماری موجودیت و سماعت و بصارت اور رب کی موجودیت وغیرہا میں کوئی نسبت ہی نہیں ——— اسی طرح یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ بول پڑے "میری کتاب قرآن کی طرح ہے" کیوں کہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک ہی طرح کے کاغذ پر ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے تیار ہوئیں ایک ہی پریس میں چھپیں، دونوں کے اوراق و صفحات کی تعداد بھی ایک ہی ہے اگر ترازو پر وزن کیا جائے تو وزن بھی ایک ہی ہے۔ طول و عرض و عمق سب میں برابر ہیں دونوں کا کاتب بھی ایک ہی ہے۔ ایک ہی جلد ساز نے اور ایک ہی طرح کی جلد باندھی ہے اور اسوقت ایک ہی طرح کے جزدان میں ایک ہی الماری کے ایک ہی خانہ میں رکھی ہوئی ہیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے؟ ——— حالانکہ ——— یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ ان ظاہری باتوں کو دیکھ کر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی۔ پھر غور کرو کہ ہم صاحب قرآن کے مثل کس طرح ہو سکتے ہیں ———

اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف ہی میں ہے "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" نہیں ہے کوئی جانور زمین میں اور نہ کوئی پرندہ جو کہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر تمھاری طرح امتیں ہیں۔ دیکھئے یہاں بھی لفظ "امثالکم" موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اور الو کی طرح ہے؟ ——— کیا مقالہ نگار اسبات کی اجازت دیگا کہ "اھم امثالکم" کے پیش نظر اسکو اور اسکی پوری جماعت دیوبندیہ کو جماعتی اعتبار سے گدھوں اور الوؤں کی طرح کہا جائے؟ اور اگر نہیں اجازت دیگا تو جواب دے کہ کیا اسکی اور اس کی جماعت کی ناموس و عزت اللہ کے محبوب، خلیفۃ اللہ الاعظم کی ناموس و عزت سے بھی بڑھ گئی کہ "بشر مثلکم" کا لفظ دیکھا اور رسول کو اپنی طرح کہنا شروع کر دیا ——— ارے نادان انسان اور دیگر حیوان میں صرف ایک درجے کا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ناطق ہے اور دوسرے حیوان ناطق نہیں اس کے سوا جوہریت، جسمیت، قوت نمو، احساس، حیوانی ضروریات تمام باتوں میں انسان دوسرے حیوانوں کا شریک ہے

مگر صرف ناطق ہونے نے اسمیں اور دیگر حیوان میں جوہری اور ذاتی فرق ڈال دیا ——— اور ایسا فرق ——— کہ اس قدر وجوہ مماثلت کے باوجود نہ کوئی حیوان اپنے کو انسان کی طرح کہہ سکتا ہے اور کوئی انسان اپنے کو حیوان کی طرح کہنا گوارا کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانا ہو تو مقالہ نگار اپنے دار العلوم کے کسی ادنی چپراسی کو بھی گدھے اور الو، کتا اور خنزیر کی طرح دیکھ لے۔ جب ادنیٰ انسان ان تشبیہات کا متحمل نہ ہوگا پھر تو دار العلوم کے مہتمم صاحب کی شان تو بڑی ہے وہ بھلا کیسے گوارا کریں گے کہ انھیں جانوروں کیطرح کہا جائے ——— جب معاملہ یہ ہے کہ صرف ایک درجہ کے فرق کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے پھر تو نبی کو امتی کیطرح یا عام بشر کیطرح کہنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے اسلئے کہ نبی وامتی کے مابین بے شمار مراتب کا فرق ہے پھر عام بشر اور مصطفی علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے ——— المختصر ——— جس طرح لفظ موجود خدا کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے لئے بھی حالانکہ دونوں کی موجودیت کی حقیقت جدا گانہ ہے ——— یوں ہی ——— لفظ بشر نبی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے لئے بھی مگر دونوں کی بشریت کی ماہیت علٰحدہ ہے ——— میں تو مقالہ نگار کو اس کی جماعت میں اس وقت سورما سمجھوں جبکہ وہ نفس بشریت کے لحاظ سے اپنے کو ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید ابن مغیرہ اور فرعون ونمرود کی طرح قرار دے۔ اور اُسے ایسا کرنا ہی چاہئے اس لئے کہ اس کے خیال میں جو وجہ مماثلت رسول کو اپنی طرح کہنے کیلئے ہے بالکل وہی وجہ مماثلت اس کو فرعون ونمرود اور ابوجہل وغیرہ کی طرح بناتی ہے ——— اب اگر اس کو ابوجہل کی طرح آدمی کہنا اسکی توہین ہے تو پھر سید المرسلین کو اس کی طرح بشر کہنے میں آپ کی توہین کیوں نہیں؟ امت دیابنہ جس بنیاد پر رسول کو بانگ دہل اپنی طرح بشر کہنے کی عادی ہے اسی بنیاد کے موجود رہنے کے باوجود اس کا اپنے کو ابوجہل کی طرح نہ کہنا بتا رہا ہے ان کا سارا جھگڑا رسول کریم ہی کی عزت وناموس سے ہے اور تقدیس رسالت کو مسلسل مجروح کرنے کی جدوجہد کرنا ان کا مشن ہے۔ کیا ان نادانوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان کی خفیف الحرکاتیاں تقدیس رسالت کے دامن کو داغدار نہ کر سکیں گی اسلئے کہ ناموس رسالت کا محافظ خدائے عز وجل ہے ——— اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا خالی از فائدہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے بعض وقت حضرت جبرائیل کو بھی بشری صورت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ حضرت جبرائیل جب حضرت مریم کے پاس آئے تھے تو بشر ہی کی صورت میں تھے قرآن نے ان کے لئے "بشراً سویاً" کا لفظ بھی استعمال فرمایا ——— یوں ہی ——— حدیث جبرائیل سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کی موجودگی میں بارگاہ رسول میں حضرت جبریل آدمی کی صورت میں آئے حضرت عمر نے لفظ رجل کا انھیں مصداق قرار دیتے ہوئے فرمایا "طلع علینا رجل"۔ اور جب جب آپ نے بشری صورت اختیار کی تو آپ کی ذات سے بعض بشری آداب وخصائل اور بشری انداز وادا کا ظہور بھی ہوا اور آپ کو بشر ورجل کے لفظ کا مصداق بھی ٹھہرایا گیا اور بالفرض اگر حضرت جبریل لاکھ برس اُسی صورت بشری میں رہتے تو لاکھ برس تک بشر ہی کہا جاتا ——— اس کے باوجود انکی بشریت کی حقیقت وہ نہ ہوتی جو ہم انسانوں کی بشریت کی حقیقت ہے۔ شیطان کو بھی اللہ نے جا بُرزہ میں آنیکی قوت عطا فرمائی ہے اور وہ بسا اوقات جامہ بشری میں آیا بھی مگر جب جب آیا اس کے لئے لازم ہو گیا کہ جبتک وہ اس صورت میں رہے بشریت کے بعض تقاضوں کو اپنائے رہے چنانچہ وہ اس پر ہمیشہ مجبور رہا شیطان کو خوب معلوم ہے کہ جب بشر کی ہدایت کے لئے بشری لباس ہی میں ہادیوں کا آنا ضروری ہوا تو پھر ان کو گمراہ کرنے کے لئے بھی اسی لباس کو اختیار کرنا زیادہ سود مند ہے ——— اس کے لباس بشری میں آنے کا ایک واقعہ بہت ہی مشہور ہے جبکہ اس نے اپنی پسند کے مطابق شیخ نجدی کا روپ دھارن کیا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب مکہ کے دار الندوہ میں سارے بڑے بڑے ندوی جمع ہو کر باہمی مشورے کر رہے تھے۔ چونکہ شیطان نے انسان کی صورت اختیار کر لی تھی اسلئے اب وہ وہاں اس طرح نہیں جا سکتا تھا جس طرح وہ ہر جگہ پہونچا کرتا ہے بلکہ اب اُسے انسانیت کے تقاضے کو اپناتے ہوئے انسانوں ہی کی طرح جانا ہے، دروازہ کھٹکھٹانا ہے اور جب دروازہ کھل جائے جب ہی اندر داخل ہونا ہے اور چونکہ اس نے بوڑھے کی صورت اختیار کی تھی تو اُسے لاٹھی بھی ٹیکنا پڑ گیا اور اگر بالفرض وہ اسی لباس کو ہزار برس تک اپنائے رہتا تو اس کو ہزار برس تک شیخ نجدی ہی کہا جاتا اور اُسے بعض انسانی تقاضوں اور انسانی آداب واطوار کو اپنائے رکھنا ضروری ہوتا ——— بایں ہمہ ——— ہزار برس کے بعد بھی اسکی بشریت کی وہ حقیقت نہ ہوتی جو دوسرے انسانوں کی بشریت کی ہے ——— پھر وہ خدا کا حبیب جو خلقت میں اول ہے بعثت میں آخر ہے نبوت میں ظاہر ہے اور حقیقت میں باطن ہے جس کا نور اصل کائنات ہے۔ جو نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا اور جو نہ ہوگا تو کچھ نہ ہوگا جس نے خود فرمایا "یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی" اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ اگر صرف ترسٹھ برس تک بشری صورت میں ہمارے سامنے چلے پھرے کھائے پئے بعض بشری آداب واطوار کو اپنائے وغیرہ وغیرہ تو اس کی بشریت کی حقیقت دوسرے ہم جیسے انسانوں کی بشریت کی حقیقت کی طرح کیسے ہو گئی؟

——— ان تمام مباحث کو بغور دیکھ لینے کے بعد امام احمد رضا کے ترجمے کی اہمیت کا اندازہ لگتا ہے کہ اس قدر طویل بحث وتمحیص کے بعد جو حقیقت سامنے آئی اس کو امام احمد رضا نے اپنے ترجموں کے مختصر سے فقروں میں سمو دیا ہے اور اس احتیاط سے یہ کام انجام دیا کہ نہ کسی اسلامی عقیدے پر آنچ آئی، نہ بارگاہ رسالت کے آداب میں کوئی فرق ہوا، نہ محاورے کی پیشانی پر کوئی شکن پڑی، نہ اصحاب تاویل کی روش پر ارشاد ربانی کے مقصود کا دامن ہاتھ سے چھوٹا نہ اصولی اور لغوی حقائق سے روگردانی کی اور نہ ہی اولیاء کاملین اور اسلاف متقدمین کے راستے سے ہٹے۔ بے شک ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔ "ترجمے میں عقیدے کی پیشکش"، کی سرخی لگا کر کالم نگار نے جو دو دعوے کئے اسمیں ایک دعوے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اب آئیے دوسرے دعوے کی طرف توجہ کیجئے دوسرے دعوے کا حاصل یہ ہے

"فاضل بریلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر عالم الغیب کا اطلاق کیا ہے اور آپ کیلئے جمیع ما کان وما یکون کے علوم کا اثبات

کیا ہے "

یہ دعویٰ دو شقوں میں بٹ جاتا ہے ایک کا تعلق لفظ عالم الغیب کے اطلاق سے ہے اور دوسرے کا تعلق جمیع ماکان و مایکون کے علوم کے اثبات سے ہے ـــــ پہلی شق کا جواب تو بہت مختصر ہے اور وہ یہ کہ یہ امام احمد رضا پر بہتان عظیم اور افتراء مبین ہے کہ انھوں نے آنحضرت کی ذات پر مطلقاً عالم الغیب کے لفظ کا اطلاق کیا ہے یا اس اطلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ خود فاضل بریلوی اپنی بے نظیر تصنیف الامن والعلی مطبوعہ اقبال الیکٹرک پریس بریلی کے صفحہ ۱۶۵ پر ارشاد فرماتے ہیں

" وجہ ممانعت علم غیب کی اسناد مطلق بے ذکر تعلیم الٰہی عزوجل ہے شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لمعات میں اس طرف ایما فرمایا "

اسی صفحہ پر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

علم غیب بالذات اللہ عزوجل کیلئے خاص ہے کفار اپنے معبودان باطل وغیرہم کیلئے مانتے تھے لہٰذا مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے امور غیب پر انھیں اطلاع ہے "

مذکورہ بالا دونوں تحریروں سے واضح ہو گیا کہ غیر خدا کی طرف علم غیب کی اسناد مطلق نیز اُن پر عالم الغیب کے لفظ کا اطلاق ممنوع و مکروہ ہے۔ ایسی صورت میں امام احمد رضا کی طرف اس اطلاق کرنے کی نسبت کرنا مقالہ نگار کی بد دیانتی کی نشان دہی کر رہا ہے

اب آئیے دوسرے شق (یعنی اثبات علوم ماکان و مایکون) پر غور فرمائیے اس سلسلے میں مقالہ نگار سے دو غلطیاں ہوئی ہیں

پہلی غلطی یہ کہ وہ خدا کے لئے صرف جمیع ماکان و مایکون کا علم مانتا ہے اسی لئے کسی غیر خدا کے لئے جمیع ماکان و مایکون کے علوم کے اثبات میں اُسے اُس غیر خدا کی خدا سے مساوات و ہمسری نظر آتی ہے ـــــ حالانکہ ـــــ جمیع ماکان و مایکون کے علوم علم الٰہی کے سامنے وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو سات سمندر کے سامنے ایک قطرے کو حاصل ہے علم الٰہی کو گھٹا کر ماکان و مایکون کے حدود میں محدود کر دینا اتنی بڑی جسارت ہے دین و ایمان کی سلامتی کے ساتھ جس کا امکان نہیں ـــــ مقالہ نگار اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ کائنات میں جو ہو چکا وہ بھی محدود اور جو کچھ ہوتا رہے گا وہ بھی محدود اور جو ہو چکا اور جو ہو گا ان سب کا کل بھی محدود ـــــ تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان میں واحصی کل شئی عددًا کے تحت واضح لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ "کل شئی" غیر متناہی نہیں ہے بلکہ متناہی ہے۔ لفظ جمیع بھی کل ہی کے معنی میں ہے۔ لہٰذا خدا کیلئے صرف "کل شئی" کا علم ماننا اس کے لامحدود اور غیر متناہی علوم کو محدود و متناہی قرار دینا ہے ـــــ تو پھر اگر کوئی کسی غیر خدا کیلئے صرف کل شئی بلفظ دیگر جمیع ماکان و مایکون کا علم مان لے تو اس سے غیر خدا کی خدا سے ہمسری کہاں لازم آتی ہے؟ ـــــ دوسری غلطی ـــ یا ـــ

دانستہ طور پر بد دیانتی مقالہ نگار سے یہ ہوئی ہے کہ اُس نے علوم ماکان و مایکون کو ذات رسالت مآب کے لئے اثبات کو خود فاضل بریلوی کا اپنا ذاتی اختراع قرار دیا ہے حالانکہ اس سلسلے میں فاضل بریلوی نے جو کچھ کہا ہے وہ آیات قرآنیہ کی کھلی تصریحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور محققین علماء اسلام کی تحقیقات کے عین مطابق ہے بلکہ انھیں کی توضیح و تشریح ہے ـــــ مقالہ نگار نے امام احمد رضا کی عظیم المرتبت تصنیف الدولۃ المکیۃ کی ایک عبارت نقل کر دی اور اس کے سارے مباحث سے آنکھیں چرالی۔ الدولۃ المکیۃ کو اگر وہ سمجھ کے پڑھ لیتا تو علم غیب نبوی، علم ماکان و مایکون، علوم لوح محفوظ، علم قرآنی اور علوم خمسہ کے تعلق سے اس پر ہر ہر گوشہ واضح ہو جاتا ـــــ امام احمد رضا کی دوسری تصنیف "انباء المصطفیٰ" سے بھی اُس نے جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ تو محض دعویٰ ہیں ان دعووں کی دلیل میں قرآن و حدیث اور ارشادات علماء سے جو کچھ پیش کیا گیا ہے مقالہ نگار نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے سب سے چشم پوشی کر لی اور اپنی ہی راگ الاپنے لگا سچ ہے "بے حیا باش ہر چہ خواہی کن"۔ مختلف ترجموں کے مابین تقابلی مطالعے کیلئے صرف تراجم و تفاسیر کے اُن حصوں کو سامنے رکھنا کافی تھا جن کا براہ راست ترجمہ قرآن کی صحت و عدم صحت سے تعلق ہو ـــ مگر مقالہ نگار نے سوچا کہ قرآن کریم کی تفاسیر کی روشنی میں ہم امام احمد رضا کے ترجمے کو غلط نہ ثابت کر سکیں گے تو اس نے بطور تمہید ایک غیر ضروری بحث چھیڑ دی اور اس کو کافی طول دیا مسئلہ علم غیب مصطفیٰ میں دیوبندی اور وہابی مکتبۂ فکر سے علماء اہلسنت و جماعت کی تحریری و تقریری معرکہ آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ دیابنہ ہر ہر معرکے میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتے رہے ہیں مگر جن جن سوالات کے جوابات بار بار تحریراً اور تقریراً دئے گئے اور جن جن شبہات کو بار بار دفع کیا انھیں سوالات و شبہات کو بار بار مقالہ نگار کے مکتبہ فکر کے علماء دہراتے رہتے ہیں اور اسی کو اپنے علم و فضل کا نشان تصور کرتے ہیں ـــــ الدولۃ المکیہ اور انباء المصطفیٰ کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے ان کتابوں کو ضرور دیکھا ہے پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جن کتابوں میں اس کے تمام سوالات و شبہات کے واضح جوابات موجود ہوں ان کا مطالعہ کر لینے کے بعد بھی اس نے اپنے ذہن و فکر کی اصلاح نہیں کر لی بلکہ انھیں سوالات و شبہات کو اس طرح بیان کرنے لگا گویا اس کو اب تک اس کا جواب ہی نہیں ملا۔ اس کا یہ طرز عمل ہو سکتا ہے کہ دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری میں داد کے قابل ہو مگر ارباب علم اور اصحاب دیانت اس کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھ سکتے ـــــ جو علم غیب مصطفیٰ کے تعلق سے تمام مالہ وما علیہ کو جاننا چاہے اس سے میری گزارش ہے کہ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم مندرجہ ذیل کتابوں کا ضرور مطالعہ کرے ۱ـ الدولۃ المکیہ (عربی) مصنفہ امام احمد رضا ۲ـ انباء المصطفیٰ مصنفہ امام احمد رضا (اردو) ۳ـ خالص الاعتقاد (اردو) مصنفہ امام احمد رضا ۴ـ الکلمۃ العلیا (اردو) مصنفہ صدر الافاضل مرادآبادی ۵ـ جاء الحق حصہ اول (اردو) مصنفہ مفتی احمد یار خان صاحب ـــــ اس سلسلے میں علمائے اہلسنت کی اور بھی کتابیں ہیں مگر تحقیق حق کے لئے اسی قدر کافی ہیں ـــ بلکہ ـــ ان میں کا ہر ایک کافی ہے ـــ الکلمۃ العلیا اور جاء الحق کا طرز بیان نہایت آسان ہے۔ عام قارئین بھی اُسے

بخوبی سمجھ سکتے ہیں ـــــ علم غیب کے سلسلے میں مقالہ نگار نے جو تحریری کاوش کی ہے اس پر نقد و نظر کے بجائے میں سوچتا ہوں کہ چند اصولی باتیں عرض کر دوں تا کہ علم غیب کے سلسلے میں اسلامی موقف واضح طور پر سامنے آجائے ـــــ علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علٰحدہ علٰحدہ احکام ہیں۔

(۱)۔(ا) اللہ عزوجل عالم بالذات ہے اُس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

(ب) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(ج) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے حضرت آدم حضرت خلیل، حضرت ملک الموت علیہم السلام اور شیطان بھی خلقت میں ـــــ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں انکا انکار کفر ہے۔

(۲)۔ (ا) اولیاء کرام کو بھی بواسطہ انبیاء کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت سے جزئیات کا علم دیا ـــــ

جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بدمذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۳)۔ (ا) حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔

(ب) تمام گذشتہ اور آئندہ واقعات جو کہ لوح محفوظ میں ہیں ان کا بھی بلکہ اُن سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

(ج) حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔ اس تیسری قسم میں علماء اہلسنت کا اختلاف رہا ہے اس کے منکر کو کافر تو کیا گمراہ بھی نہیں کہہ سکتے ـــــ ہاں ـــــ جو تحقیقاً نہیں بلکہ عناداً انکار کرے وہ یقیناً گمراہ و بے دین ہے ـــــ جس طرح اس تیسری قسم کے منکر کو کافر و گمراہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح اس کے قائلین کو بھی کافر و گمراہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو اُسے چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱)۔ وہ آیت قطعی الدلالۃ ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں نیز وہ منسوخ نہ ہو۔ اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

(۲)۔ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا ـــــ یا ـــــ حضور علیہ السلام فرما دیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

(۳)۔ صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں کہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو ـــــ اسی طرح ـــــ حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ خدا ہی جانے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا ـــــ مجھے کیا معلوم ـــــ یا یہ کہ ـــــ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں یہ کام انجام دیتا وغیرہ کافی نہیں اسلئے کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے بھی ہوتے ہیں۔

(۴)۔ جس کے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ صفات الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعویٰ نہیں کرتے۔

اس مقام پر چند باتیں اور ذہن نشین کر لی جائیں

(۱)۔ رب تبارک وتعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی، مستقل، ازلی، ابدی ہیں۔ جو خدا کی کسی صفت کو ذاتی نہ مانے وہ کافر ہے ـــــ لہٰذا اب جس صفت کو خدا کے لئے ثابت کریں گے اس کا ذاتی ہونا ضروری ہے۔ ذاتی کی قید لفظوں میں بیان کی جائے یا نہ کی جائے مگر معنوی طور پر اُسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے ـــــ مثال کے طور پر علم کو لے لیجئے چونکہ خدا کا علم ذاتی ہے اس لئے اب جہاں جہاں خدا کے لئے علم ثابت یا مخصوص کیا جائے گا وہ یہی ذاتی علم ہوگا بس اسی علم ذاتی ہی کی نسبت خدا کی طرف کیجا سکتی ہے۔

(۲)۔ غیر خدا سے اگر کسی شے کے علم کی نفی کی جائے اور پھر اُس علم کو خدا کے لئے ثابت مخصوص کیا جائے تو پھر وہ وہی علم ہوگا جو خدا کے لئے ثابت ہو سکے یعنی علم ذاتی چنانچہ غیر خدا سے اسی علم ذاتی کی نفی ہوگی اور خدا کیلئے اسی کا ثبوت ہوگا ـــــ ایسا نہیں ـــــ کہ غیر خدا سے علم عطائی کی نفی کی جائے اور اُسی علم عطائی کو خدا کے لئے ثابت کر دیا جائے اسلئے کہ علم ہی کیا خدا کی کسی صفت کو بھی عطائی قرار دینا کفر ہے ـــــ جس طرح کہ غیر خدا کی کسی صفت کو ذاتی سمجھنا کفر ہے۔

(۳)۔ غیر خدا سے علم ذاتی کی نفی سے ـــــ یا ـــــ خدا کے لئے علم ذاتی کے اثبات و تخصیص سے غیر خدا کے علم عطائی کی نفی نہیں ہوتی۔

(۴)۔ کسی چیز کا نفس علم برا نہیں ـــــ ہاں ـــــ بری باتوں کو کرنا ـــــ یا ـــــ ان کو کرنے کے لئے سیکھنا برا ہے ـــــ ہاں۔ بعض علوم بعض دوسرے علوم سے افضل ہیں مگر فی نفسہ کوئی علم برا نہیں ـــــ اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا اور اس علم سے کوئی عیب دار ہو جاتا پھر تو خدا کو بھی ان باتوں کا علم نہ ہوتا اسلئے کہ خدا کی تقدیس و تنزیہ تو وحدہ لاشریک ہے۔

(۵) رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور بو ناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے معلوم کی جاتی ہے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور بو آنکھ کے لئے مغیب تو اگر کوئی اللہ کا بندہ بُو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے تو وہ بھی علم غیب ہے جیسے کہ قیامت میں مختلف شکلوں میں اعمال نظر آئیں گے اگر کوئی اُن شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ بھی

غیب ہے ـــــ اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے کی وجہ سے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب ہے ـــــ اسی طرح اگر کوئی ہندوستان کے کسی شہر میں رہ کر مکہ معظمہ یا دور دراز ملکوں کو مثل کف دست دیکھے یہ سب علم غیب میں داخل ہیں۔

(۶) ـ علم غیب کی ذکر کردہ تین صورتوں میں چونکہ ہر صورت کے احکام الگ الگ ہیں لہذا ہر ہر صورت کے ثابت کرنے والے دلائل کا معیار بھی الگ الگ رہے گا مثلاً ـــــ وہ عقیدہ جو پہلی صورت کے ضمن میں آتا ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نصوص کی ضرورت ہے ـــــ اس کے برعکس وہ عقائد جو دوسری صورت کے ضمن میں ہیں۔ ان کو ثابت کرنے کے لئے اتنے قوی دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ دلائل ظنیہ اور احادیث صحیحہ سے وہ ثابت ہو جائیں گے۔ رہ گئے تیسری صورت کے ضمن میں ذکر کردہ عقائد ان کا تعلق سراسر فضائل سے ہے جن کو ثابت کرنے کے لئے ضعیف حدیثیں بھی کافی ہیں ـــــ مثلاً رسول کریم کے علم قیامت، علم حقیقت روح اور قرآنی متشابہات نیز لوح محفوظ کے تمام مندرجات کے علوم کا تعلق آپ کے فضائل سے ہے لہذا ان کے ثبوت کے لئے ایسے دلائل کا مطالبہ جو پہلی صورت یا دوسری صورت کے ضمن میں آنے والے عقائد کے لئے ضروری ہیں غایت جہل کی دلیل ہوگی ـــــ اور چونکہ اس تیسری قسم کے بعض عقائد میں خود علمائے حق کے مابین اپنی اپنی تحقیقات کی روشنی میں اختلاف ہو سکتا ہے لہذا اس پر بحث کرتے وقت صرف منکرین کے اقوال کو چھانٹ چھانٹ کے پیش کر دینا اور قائلین کے ارشادات سے چشم پوشی کر لینا دیانت تحقیق کے خلاف ہے ـــــ مقالہ نگار نے جس کا بڑا ہی شاندار مظاہرہ کیا ہے ـــــ مذکورہ بالا تمام اصولی باتوں کو سامنے رکھ کر جو کتب تفاسیر و احادیث نیز ارشادات علماء کی چھان بین کرے گا وہ انشاء المولیٰ تعالیٰ شاہراہ اعتدال ہی پر رہے گا اور مقالہ نگار جیسے شاطروں کی شاطرانہ اداؤں کا شکار نہ ہوگا۔

مقالہ نگار نے رسول کریم کے لئے بے مثال بشریت اور علم ما کان و ما یکون ماننے کو آپ کو آپ کی قدر و منزلت سے بڑھا دینا سمجھ لیا ہے اور اس عقیدے کی تعبیر رسول کریم کو حد اعتدال سے بڑھا دینے سے کی ہے ـــــ اور اس سلسلے میں چند ارشادات رسول بھی پیش کئے ہیں ـــــ جن کا حاصل یہ ہے کہ میری تعریف میں اتنا مبالغہ نہ کرو جتنا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں کیا نیز مجھے میرے حقیقی مرتبے سے اونچا مت اٹھاؤ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی رسول بنانے سے پہلے عبد بنایا ہے۔" ـــــ اگر مقالہ نگار غور کرتا تو ارشاد مذکور کا مطلب بہت واضح طور پر سمجھ لیتا کہ سرکار رسالت امت کو اس مبالغہ آرائی سے منع فرما رہے ہیں جو عبد کو معبود کا شریک بنا دے بلفظ دیگر عبد اللہ کو اللہ یا ابن اللہ بنا دے یہی وہ مبالغہ آرائی اور حد اعتدال سے تجاوز تھا جو عیسائیوں نے کیا اور اسی سے سرکار عربی اپنے ماننے والوں کو روک رہے ہیں ـــــ رسول کریم کا اپنی عبدیت پر اصرار ابنیت ہی کی نفی کے لئے ہے کہ جو عبد اللہ ہوگا وہ ابن اللہ نہیں ہو سکتا اور چونکہ صرف لفظ عبد اللہ کے ذکر سے بظاہر دوسرے عام بندوں سے اشتراک و مساوات کا واہمہ ہو سکتا تھا اسلئے عبد اللہ کے ساتھ رسول اللہ کی بھی قید لگا دی تاکہ جہاں آپ کو عبد اللہ کہنے والا آپ کو ابن اللہ نہ کہہ سکے وہیں رسول اللہ کہنے والا اپنا جیسا بھی نہ سمجھ سکے ـــــ کاش کہ مقالہ نگار میرے رسول کی شان عبدیت کو سمجھ سکتا اس سلسلے میں مولوی بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنۃ جلد سوم ص۲۲۵ میں امام العارفین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

> "مقام عبدیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے ایک مرتبہ مجھ پر سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل گیا ہوتا"

اللہ اکبر کیا شان عبدیت ہے۔ بھلا کیا نسبت ہے اس رفیع المنزلت عبدیت کاملہ سے ہم جیسوں کی عبدیت کو ـــــ مقالہ نگار نے اس سلسلے میں جو حدیثیں نقل کی ہیں اس پر غور نہیں کیا وہ حدیثیں خود سرکار عربی کی شان عبدیت کے امتیاز کو نمایاں کر رہی ہیں۔ چنانچہ انھیں منقولہ روایات میں سے ایک روایت یہ ہے۔

فان اللہ قد اتخذنی عبداً قبل ان یتخذنی نبیاً — کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا ہے۔

حدیث نے واضح کر دیا کہ عبدیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نبوت پر مقدم تھی اور بشریت کی بحث میں یہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ آپ کی نبوت آپ کی بشریت پر مقدم تھی اس لئے کہ اس کا وجود ابو البشر کے وجود سے پہلے ہی ہو چکا تھا چنانچہ جب حضور سے دریافت کیا گیا متی وجبت لک النبوۃ حضور کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی آپ نے فرمایا وآدم بین الروح والجسد جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے۔ اس حدیث کو حاکم، بیہقی، ابو نعیم، اور ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔ الفاظ روایت ترمذی کے ہیں جنھوں نے افادۂ تحسین کے ساتھ اسے روایت کیا ہے نیز ـــــ اسی حدیث کو امام احمد نے مسند میں امام بخاری نے تاریخ میں، ابن سعد و حاکم اور بیہقی و ابو نعیم نے حضرت میسرہ سے اور طبرانی و بزاز و ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے اور ابو نعیم نے حضرت فاروق اعظم سے نیز ابن سعد نے حضرت ابن ابی الجدعاء و حضرت مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر اور حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بآسانید متباینہ و الفاظ متقاربہ روایت کیا ہے۔ امام عسقلانی نے کتاب الاصابۃ میں حدیث میسرہ کی نسبت فرمایا ہے " سندہ قوی" اس کی سند قوی ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی مدارج النبوۃ ص۲ میں محل استناد میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ کنت نبیا و آدم

لمنجدل فی طینتہٖ میں اسی وقت نبی تھا جب آدم آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے اس حدیث کی نقل سے پہلے متصلاً حضرت شیخ فرماتے ہیں "اول ست در نبوت" یعنی حضور نبوت میں اول ہیں۔ خود مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس صـ پر مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے اور اُسے مقام استشہاد اور محل استناد میں رکھا ہے کنت نبیا و آدم بین الماء والطین میں نبی تھا اور ابھی آدم آب وگل میں تھے ——— ان نصوص نے یہ بھی واضح کر دیا کہ رسول کریم کے آخری نبی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو نبوت سب کے آخر میں دی گئی اس لئے کہ نبوت میں تو آپ اول ہیں ہاں آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا اور اب آپ کے عہد میں نیز آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ——— الحاصل ——— نبی کریم کی عبدیت آپ کی نبوت پر مقدم ہے اور آپ کی نبوت آپ کی بشریت پر مقدم ہے ——— نیز آپکی بشریت آپکی بعثت و رسالت پر مقدم ہے لہذا ——— پہلے آپ عبد ہوئے پھر نبی پھر بشر پھر رسول ——— بعض اولیاء کاملین نے غیر مبہم لفظوں میں رسول عربی کی عبدیت کو آپ کی رسالت پر افضل قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر روح البیان اور الحقیقۃ المحمدیہ مصنفہ شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی)

——— یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ اگر ساری کائنات کے غیر نبی افراد مل جائیں پھر بھی وہ اپنی ذات وصفات اور جملہ کمالات کے ساتھ رسول کریم کے مقام رسالت تک نہیں پہونچ سکتے یعنی کسی غیر نبی کی ذات یا اس کی کوئی صفت کمال رسالت کی طرح نہیں ہو سکتی ——— پھر کسی غیر نبی کی عبدیت اس نبی کی اس عبدیت کی طرح کیسے ہو سکتی ہے جو عبدیت خود اس کی رسالت پر افضل ہے ——— تو اب ہمارا اپنے کو عبد کہنا اور رسول کریم کو عبد کہنا ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم اپنے کو بھی موجود کہتے ہیں اور خدا کو بھی موجود کہتے ہیں۔ جس طرح ہماری موجودیت کو خدا کی موجودیت سے کوئی نسبت نہیں ——— اس مختصر سی وضاحت نے ظاہر کر دیا کہ رسول کریم رفعت وعظمت کے جس مقام پر جلوہ افروز ہیں اس مقام سے آپ کو اوپر اٹھانے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کو الوہیت والوہیت والا قرار دے دیا جائے اس لئے کہ الوہیت والوہیت سے نیچے رکھ کر آپ کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا میں جو کچھ کہا جائے گا اس میں ذرّہ برابر نہ تو مبالغہ ہوگا اور نہ حد اعتدال سے تجاوز بلکہ وہ تو یا تو بالکل آپ کی شان کریم کے عین مطابق ہوگا یا کچھ کم ہی ہوگا بڑھنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں

——— اس بحث کو یہیں پر ختم کر کے آیئے اور دیکھئے کہ مقالہ نگار ایک عجیب وغریب دعویٰ کر رہا ہے اس دعویٰ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ قرآن وحدیث کے ارشادات سے ہٹ کر خود اس کی عقل بے مایہ کا فیصلہ ہے ——— چنانچہ پہلے وہ یہ سرخی قائم کرتا ہے

"آنحضور کو کس طرح کے علوم دئے گئے"

اس سرخی کے تحت وہ رقم طراز ہے

"آپ کو صرف وہ علوم دیئے گئے جن سے آپ کی رفعت شان، بلندی جاہ، اور پیغمبرانہ عظمت متعلق تھی"

پھر فوراً ہی رفعت شان اور بلندی جاہ کو نظر انداز کر کے اس نے آپ کے لئے صرف اتنے ہی علوم کو تسلیم کیا جو آپ کے منصب نبوت اور مقصد بعثت ورسالت سے مناسبت رکھتے ہیں اگر ان کے سوا دوسرے علوم رسول کو دے جاتے تو آپ تبلیغ احکام اور دعوتِ دین کے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہتے اس طرح آپ کی بعثت کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا ——— اب مقالہ نگار سے سوال کیجئے کہ "علوم متعلقہ نبوت" کے سوا خدائے تعالیٰ نے دیگر علوم اپنے محبوب کو نہیں عطا فرمایا اسکو نصوص شرعیہ سے منصوص کرو ——— نیز ——— اگر خدا نے نہیں دیا تو اس نہ دینے کی حکمت بھی خدا ہی جانے اب تم نے جو حکمت بتائی ہے وہی خدائی حکمت ہے اسکو بھی مدلل ومبرہن کرو ——— یہ دونوں باتیں مقالہ نگار ہی کیا اس کی پوری جمعیت کے بس سے باہر ہے لہذا اس کے لئے زیادہ آسان یہی ہے کہ وہ اپنے مفتری ہونے کا اقرار کر لے ——— اس لئے کہ جس چیز کو وہ عقل وفہم کا تقاضہ کہہ رہا ہے وہ اس کی جہالت ولاعلمی کی پیداوار ہے ——— کیا مقالہ نگار یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہر نبی کو صرف انہی صفات سے نوازا جاتا ہے جن کا تعلق مقصد نبوت سے ہوتا ہے؟ انبیاء ومرسلین کے درمیان بعض پر بعض کی فضیلت اور ہر ہر نبی مرسل کی اپنی اپنی خصوصیات اور اپنے اپنے امتیازات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہیں جو مقالہ نگار کی عقل کے تقاضے کی تکذیب کرتے ہیں۔ انبیاء کو وہی چیز نہیں دی گئی ہے جس کا تعلق مقصد بعثت سے تھا بلکہ انھیں بے شمار ایسے کمالات سے بھی نوازا گیا جن کا تعلق ان کی شان بندگی اور خدا کی بندہ نوازی سے ہے اور جو ان کی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت اور خدائے عزوجل کی بے پایاں نوازشات کا نتیجہ ہیں ——— خود نبی کریم کو بے شمار ایسی نوازشات کا مرکز بنایا گیا جن کا تعلق ورابطہ آپ کی رفعت شان وبلندی جاہ اور خدا کی بے پایاں نوازشات کے ساتھ رہا ——— علوم ماکان ومایکون حاصل ہونے کی صورت میں تبلیغ احکام اور دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہنا اور مقصد بعثت پورا نہ کر سکنا نیز وفور علم کو نبی کریم کے لئے الجھن کا باعث قرار دینا اور وہ بھی دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری میں رہ کر؟ مجھے کہنے دیجئے۔

"ز دیوبند ..... ایں چہ بوالعجبی ست"

مقالہ نگار بتلائے کہ کیا تعلق تھا علم سیدنا آدم کو ان کے مقصد بعثت سے اور کیا رابطہ تھا ملکوت السموات والارض کے مشاہدہ کو حضرت خلیل کے مقصد رسالت سے ——— نیز ——— یہ بھی بتائے کہ اتنے وسیع العلم ہونے کے بعد یہ حضرات دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی میں کہاں قاصر رہے؟ اور اپنے مقصد بعثت کے حصول میں کہاں نامراد رہے؟ ———

——— مقالہ نگار یہ بھی نہ سوچ سکا کہ سرکار عربی صرف نبی ورسول ہی نہ تھے بلکہ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین اور شاہد کائنات وغیرہ بھی تھے اور ظاہر ہے کہ جو بلا تخصیص ساری کائنات کیلئے اور ہر ہر ساعت کیلئے رحمت ہو کائنات کے ذرہ ذرہ سے اُسے باخبر رہنا ہی چاہئے تاکہ اس کی رحمت ونوازش سے کوئی کسی وقت محروم نہ رہے ——— المختصر ——— سرکار رسالت کو رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین اور شاہد کائنات

بنانے والے نے آپکو صرف وہی علوم نہیں عطا فرمائے جن کا تعلق آپ کے مقصد بعثت و رسالت سے ہے بلکہ ایسے علوم بھی دیئے جن کا تعلق آپ کی شان رحمت، مرتبہ شفاعت اور رتبہ شہادت وغیرہ سے ہے ـــــ اس مقام پر پہونچ کر مقالہ نگار کی ایک خیانت اور ملاحظہ کیجئے وہ ایک تفسیر کی کتاب سے ایک مفصل حوالہ نقل کرتا ہے اسی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول بھی موجود ہے

وقال ابن مسعود اوتی نبیکم — حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مفاتیح غیب
صلی اللہ علیہ وسلم کل شئ — کے علاوہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
الا مفاتیح الغیب — ہر چیز کا علم دیا گیا۔

مقالہ نگار نے مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ یہ کیا ہے

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی
صلعم کو نبوت کے شایان شان ہر چیز کا علم مفاتیح
غیب کے علاوہ دیا گیا"

ذرا کوئی مقالہ نگار سے پوچھے کہ یہ "نبوت کے شایان شان" کس لفظ کا ترجمہ ہے حضرت ابن مسعود کے کلام میں معنوی تحریف کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ کل قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں اپنے کرتوتوں کا جواب دینا ہے۔

ـــــ مقالہ نگار نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیئے جانے کا عقیدہ امام احمد رضا کا اپنا ذاتی اختراع ہے۔ مقالہ نگار کی تحریر کے اس طلسم کو توڑنے کے لئے ضروری ہے کہ میں بعض اکابرین ملت اور اولیاء امت کے نام پیش کردوں جو رسول کریم کے لئے جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے بخوبی وضاحت ہوجائے گی امام احمد رضا اس عقیدہ کو اپنانے میں متبع ہیں نہ کہ مبتدع۔ اور یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ جمیع علوم لوح محفوظ رسول کریم کے لئے ماننا نہ کفر و شرک ہے نہ ضلالت و گمراہی اس لئے کہ اگر بالفرض یہ کفر و شرک یا ضلالت و گمراہی ہوتا تو اس کو صحیح ماننے والے کافر و مشرک اور ضال و گمراہ ہوتے اور انھیں لوگ اولیائے ملت اور بزرگان امت کے نام سے نہ یاد کرتے۔ انتخاب میں کوشش کروں گا کہ ایسے حضرات کے اسماء سامنے آئیں جن کو کافر و مشرک یا ضال و گمراہ کہتے ہوئے مقالہ نگار کو بھی ہزار بار سوچنا پڑے۔

(۱) ـــ قصیدہ بردہ شریف میں سلطان العارفین علامہ بوصیری فرماتے ہیں

فان من جودک الدنیا وضرتھا
ومن علومک علم اللوح والقلم

دنیا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے۔

(۲) ـــ علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں

فان قیل اذا کان علم اللوح — اگر کہا جائے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور
والقلم بعض علومہ علیہ السلام — علیہ السلام کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے
فما البعض الآخر اجیب — بعض کون سے ہیں جواب دیا جائے گا کہ
بان البعض الآخر ھو ما اخبرہ — وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے
اللہ تعالیٰ من احوال الآخرۃ — جسکی اللہ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی
لان القلم انما کتب فی اللوح — کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہی لکھا ہے جو
ما ھو کائن الی یوم القیمہ — قیامت تک ہونے والا ہے۔

(۳) ـــ ملا علی قاری حل العقدہ شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وکون علومھما من علومہ — لوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم سے
علیہ السلام ان علومہ تتنوع — بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم
الی الکلیات والجزئیات — ہیں جزئیات اور کلیات، حقائق اور
وحقائق ومعارف وعوارف — معرفت اور ان معرفتوں کی طرف
تتعلق بالذات والصفات — جن کا تعلق ذات و صفات سے ہے
وعلمھما یکون نھرا من بحور — لہذا لوح و قلم کا علم حضور علیہ السلام
علمہ وحرفا من سطور — کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور
علمہ — حضور کے علم کی سطروں کا ایک حرف ہے

(۴) ـــ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں۔

اطلاع برلوح محفوظ و دیدن نقوش — لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر
از بعضے اولیاء بتواتر منقول است — دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بطریق تواتر منقول ہے

(۵) ـــ شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابطال — اے بہادرو! اے فرزندو! آؤ
یا اطفال ھلموا وخذوا عن — اور اس دریا سے کچھ لے لو جسکا
ھذا البحر الذی لا ساحل لہ — کنارہ ہی نہیں قسم ہے اپنے رب کی
وعزۃ ربی ان السعداء ع — کہ بے شک نیک بخت اور بد بخت
والاشقیا یعرضون علی وان — لوگ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور
بؤبؤۃ عینی فی اللوح المحفوظ — ہمارا گوشۂ چشم لوح محفوظ میں رہتا
وانا غائص فی بحار علم اللہ — ہے اور میں اللہ کے علوم کے سمندر میں غوطہ لگا رہا ہوں۔

(۶) ـــ بحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی حاشیہ رسالہ میر زاہد کے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

علمہ علوما ما احتوی علیہ العلم الاعلی وما استطاع علی احاطتھا اللوح الادنی لم یلد اللہ دھر مثلہ من الازل ولم یولد الی الابد فلیس لہ من فی السموات والارض کفوا احد ـــ

یعنی حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرنے پر لوح محفوظ قادر نہیں نہ تو ازل سے آپ کے مثل پیدا ہوا اور نہ ابد تک ہوگا

پس آسمانوں اور زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔

اس مختصر سے انتخاب نے ظاہر کر دیا کہ نبی کریم کی تو بڑی شان ہے آپ کے سچے غلاموں یعنی آپ کی امت کے بعض اولیاء کی نگاہیں لوح محفوظ سے لگی ہوئی ہیں ——— اب مقالہ نگار جواب دے کہ وہ آیات و احادیث جس میں وہ غیر خدا کے لئے علم غیب کی مطلقاً نفی سمجھ رہا ہے نیز اس کی روشنی میں غیر خدا کے لئے جمیع مندرجاتِ لوح محفوظ کے علوم تسلیم کرنے کو باطل قرار دے رہا کیا وہ ان اکابرین ملت کے سامنے نہ تھیں؟ کیا یہ حضرات اس کے مطالب و مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہے؟ کیا انھوں نے مندرجات لوح محفوظ کا علوم نبی کریم بلکہ بعض اولیاء امت کے لئے ثابت کر کے ان کو خدا کے برابر کر دیا؟ جلدی فیصلہ کرو مذکورہ بالا عقائد کی وجہ سے یہ حضرات کافر و مشرک ہوئے یا ضال و گمراہ؟ ——— مقالہ نگار اب امام احمد رضا کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے کم از کم اِن افراد کے بارے میں اپنی رائے ضرور ظاہر کرے ——— مقالہ نگار نے چلتے چلتے ایک بڑی ہی عامیانہ بات کہہ دی ہے وہ یہ کہ روافض اپنے امام کو عالم ما کان و ما یکون مانتے ہیں تو نبی کریم کو عالم ما کان و ما یکون ماننا روافض کے اسی خیال کی بازگشت ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ

"کارے گھٹنا پھوٹے آنکھ"

مقالہ نگار کا اگر یہی طرز فکر رہا تو ہو سکتا ہے کہ وہ نبی کریم کی عصمت کا منکر ہو جائے اور قائلین عصمت سے بحث کرے کہ روافض اپنے ائمہ کو معصوم مانتے ہیں تو تم جو نبی کو معصوم قرار دیتے ہو یہ انہی کے باطل خیال کی بازگشت ہے ———

آگے چل کر مقالہ نگار نے "اظہار عقیدہ کی دوسری مثال" کی سرخی لگا کر ایک مختصر سی تمہیدی گفتگو کی ہے اور امام احمد رضا نے سورہ رحمٰن کی ابتدائی آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس پر اعتراض کیا۔ اولاً مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے ترجمے کو تفاسیر و ارشادات علماء حق کی روشنی میں دیکھا جائے۔

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علمه البیان اس کا ترجمہ امام احمد رضا نے یہ کیا ہے۔

"رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان
محمد کو پیدا کیا ما کان و ما یکون کا بیان انھیں سکھایا"

مقالہ نگار نے جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ مطابق اصل نہیں اس لئے کہ اس نے اپنی نقل میں اصل ترجمہ کے "کا بیان" کا لفظ اڑا دیا ہے ——— اس آیت کے شان نزول سے متعلق دو باتیں منقول ہیں

(۱) جب آیت اسجدوا للرحمٰن نازل ہوئی تو کفار مکہ نے کہا رحمٰن کیا ہے ہم نہیں جانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن نازل فرمائی کہ رحمٰن جس کا تم انکار کرتے ہو وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمایا۔

(۲) اہل مکہ نے جب کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن نے قرآن اپنے حبیب کو سکھایا۔ (خازن)

تفسیر معالم و حسینی میں ہے۔

خلق الانسان ای محمداً علیه السلام علمه البیان یعنی بیان ما کان و ما یکون	اللہ نے انسان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور ان کو ماکان و مایکون کا بیان سکھایا۔

نیز تفسیر معالم التنزیل ہی میں ہے وقیل الانسان ههنا محمد علیه السلام و بیانه علّمك ما لم تكن تعلم — کہا گیا ہے کہ اس آیت سے انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ نیز تفسیر حسینی میں ہے ——— یا وجود محمد را بیاموز ایندو ے را آنچہ بود ہست و باشد ——— یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کو اور انکو سکھایا جو ہو چکا ہے یا ہے یا ہوگا۔

تفسیر خازن میں ہے

قیل اراد بالانسان محمداً صلی الله علیه وسلم علّمه البیان یعنی بیان ما کان و ما یکون لانه علیه السلام نبئ عن خبر الاولین والآخرین وعن یوم الدین	ایک قول کے مطابق انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو ماکان و مایکون کا بیان سکھا دیا گیا کیوں کہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔

روح البیان میں ہے

(علّم) محمداً صلی الله علیه وسلم (القرآن) بواسطة جبریل علیه السلام وبواسطة محمد علیه السلام غیره من الامة .... وعلم نبینا علیه السلام القرآن واسرار الالوهية كما قال وعلمك ما لم تكن تعلم	رحمٰن نے حضور علیہ السلام کو بواسطہ حضرت جبریل اور امت محمدیہ کو بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سکھایا...... ...... اور ہمارے نبی علیہ السلام کو قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود آپ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو کہ آپ نہ جانتے تھے۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

(الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان) ای الجنس او آدم او محمد علیهما السلام	(رحمٰن نے قرآن سکھایا انسان کو پیدا کیا) انسان سے مراد جنس انسان ہے یا حضرت آدم ہیں یا حضور علیہ السلام ہیں۔

تفسیر صاوی میں ہے

وقیل هو محمد صلی الله علیه وسلم لانه	ایک قول ہے کہ انسان سے مراد حضور علیہ السلام

الانسان الکامل والمراد بالبیان علم ما کان وما یکون وما هو کائن

ہیں اسلئے کہ آپ انسان کامل ہیں اور بیان سے مراد "جو ہو چکا جو ہوگا اور جو ہے ان سب کا علم ہے۔

تفسیر جمل میں ہے۔

قیل اراد الانسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم علمہ البیان یعنی بیان ما کان وما یکون لانہ صلی اللہ علیہ وسلم ینبئ عن خبر الاولین والآخرین وعن یوم الدین

ایک قول کے مطابق انسان سے حضور علیہ السلام مراد ہیں آپ کو بیان سکھایا یعنی ماکان و مایکون کا علم دیا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین وآخرین اور یوم قیامت سے باخبر کر دیا گیا ہے۔

تفسیر جمل ہی میں ہے

(علم القرآن) ..... فقیل تقدیرہ علم جبریل القرآن وقیل علم محمداً وقیل علم الانسان وھذا ادلی لعمومہ ولان قولہ خلق الانسان حال علیہ

(قرآن سکھایا) .... کہا گیا کہ حضرت جبریل کو سکھایا ایک قول کے مطابق حضور علیہ السلام کو سکھایا اور ایک قول کے مطابق انسان کو سکھایا۔ اپنے عموم کے لحاظ سے یہ زیادہ بہتر ہے! اور یہ اس لئے بھی اولیٰ ہے خلق الانسان سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے

(علم القرآن) ای علمہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اداہ الی جمیع الناس..... .... (خلق الانسان) .... وعن ابن عباس ایضاً وابن کیسان الانسان ھھنا یراد بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والبیان بیان الحلال والحرام والھدی من الضلال وقیل ما کان وما یکون لانہ بین عن الاولین والآخرین ویوم الدین

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا یہاں تک کہ آپ نے تمام انسانوں تک پہونچا دیا ..... (انسان کو پیدا کیا) ...... ابن کیسان نیز حضرت ابن عباس کا بھی ایک قول یہ ہے کہ آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد حلال وحرام ہدایت وضلالت کا بیان ہے اور ایک قول کے مطابق بیان سے مراد ماکان ومایکون کا بیان ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام کو اولین وآخرین اور یوم قیامت سے باخبر فرما دیا گیا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

قال ابن کیسان الانسان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .... ولعل ابن کیسان یقدر مفعول علم الانسان مراداً بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایضاً

ابن کیسان نے کہا کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ..... ہو سکتا ہے کہ ابن کیسان کے نزدیک الانسان علمہ کا مفعول مقدر ہو اور اس سے بھی وہ نبی کریم ہی کی ذات کریم مراد لیتے ہوں۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے

(علم القرآن) .... وقیل ھو جبرائیل ای علم جبرائیل القرآن حتی نزل بہ علی محمد وقیل علم محمداً او الانسان القرآن کما یلیق بفہمھم علی حسب استعدادھم .... وقد نقل عن ابن عباس ان الانسان آدم علمہ الاسماء کلھا او محمد صلی اللہ علیہ وسلم والبیان القرآن فیہ بیان ما کان وما سیکون الی یوم القیامۃ

(قرآن سکھایا) .... ایک قول کے مطابق معنی یہ ہوا کہ حضرت جبریل کو قرآن سکھایا یہاں تک وہ اُسے لیکر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے دوسرا قول یہ ہے کہ حضور کو قرآن سکھایا یا یہ کہ انسانوں کو ان کے فہم و استعداد کے مطابق قرآن سکھایا۔ ..... حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ انسان کے مراد حضرت آدم ہیں جنکو تمام اسماء سکھائے گئے حضرت ابن عباس ہی سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اس سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور بیان سے مراد قرآن ہے جس میں جو ہوا اور جو قیامت تک ہوگا سب کا بیان ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔

ما المراد من الانسان نقول ھو الجنس وقیل المراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقیل المراد آدم

انسان سے کیا مراد؟ میں کہتا ہوں جنس انسان اور ایک قول کے مطابق حضور علیہ السلام مراد ہیں اور ایک قول کے مطابق حضرت آدم۔

تفاسیر کے مذکورہ بالا حوالوں نے اتنا تو ثابت ہی کر دیا کہ علم القرآن کا مفعول مقدر حضور علیہ السلام کو ٹھہرانا اور خلق الانسان میں انسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا نیز البیان سے ماکان ومایکون کا بیان مراد لینا فاضل بریلوی کا اپنا ذہنی اختراع نہیں ان تفسیری اقوال کا وجود تو اُس وقت ہو چکا تھا جبکہ امام احمد رضا پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ——— لہٰذا ——— آیت زیر بحث کے ترجمے کی روشنی میں امام احمد رضا کو کسی نئے عقیدے کی پیش کش کرنے والا قرار دینا مقالہ نگار جیسے فن کاروں ہی سے ممکن ہے۔ ——— کتب تفاسیر کا تفصیلی جائزہ لینے کی صورت میں آیت زیر بحث سے متعلق تین سوال سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علم القرآن قرآن سکھایا۔ کس کو سکھایا؟

۲۔ خلق الانسان انسان کو پیدا کیا۔ انسان سے مراد کیا ہے؟

۳۔ علمہ البیان اسے بیان سکھایا۔ بیان سے مراد کیا ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں چار قول ملتے ہیں

اول جبرائیل علیہ السلام دوم حضور علیہ السلام سوم امت محمدیہ چہارم جنس انسان

تفسیر جمل میں جنس انسان مراد لینے کو اولیٰ کہا ہے ــــــ تفسیر قرطبی اور تفسیر روح البیان نے علم القرآن کا معنی یہ کیا ہے کہ رحمٰن نے نبی کریم کو قرآن سکھایا۔ صاحب روح المعانی نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے علامہ ابن کیسان نے بھی علم القرآن کا مفعول انسان کو قرار دیکر اس سے نبی کریم کی ذات مراد لی ہو ــــــ اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے جو تفسیر منقول ہے اس میں امت محمدیہ کو قرآن سکھایا جانا مراد ظاہر کیا گیا ہے اور ارشاد کا حاصل یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو قرآن دیکر حضور علیہ السلام کی طرف بھیجا اور آپ کو اپنی امت کی طرف مبعوث کیا ــــــ

دوسرے سوال کے جواب میں تین قول ملتے ہیں

۱۔ انسان سے مراد حضرت آدم ہیں یہ حضرت ابن عباس وقتادہ اور حسن سے منقول ہے (قرطبی، روح البیان ناقلاعن بحر العلوم)

۲۔ انسان سے مراد نبی کریم ہیں یہ علامہ ابن کیسان سے نیز حضرت ابن عباس سے بھی منقول ہے (قرطبی، روح المعانی، نیشاپوری)

۳۔ انسان سے مراد جنس انسان ہے۔ جلالین، تفسیر طبری، تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ میں اسی معنی کو ترجیح دی گئی ہے ــــــ تفسیر صاوی، تفسیر قرطبی، تفسیر مدارک تفسیر معالم التنزیل، تفسیر حسینی، تفسیر خازن وغیرہ نے صرف نقل اقوال کیا ہے اور کسی کو راجح و مرجوح نہیں قرار دیا ہے ــــــ اور اگر ذکر میں تقدیم کو راجح قرار دینا تسلیم کیا جائے۔ تو خازن، قرطبی کے نزدیک انسان سے حضرت آدم مراد لینا راجح ہوگا ــــــ حالانکہ ــــــ تفسیر جمل میں علم القرآن کے مفعول سے متعلق جن تین اقوال کا ذکر ہے اس میں از روئے ذکر جس قول کو آخر میں رکھا ہے اُسی کو اولیٰ قرار دیا ہے ــــــ اور اگر یہ کہا جائے کہ جس قول کو لفظ "قیل" کہہ کر بیان کیا جائے وہ مرجوح ہے تو پھر تفسیر خازن اور تفسیر قرطبی کی روشنی میں راجح صرف پہلا قول ہے باقی دونوں قول یعنی نبی کریم ــــــ یا ــــــ جنس انسان مراد لینا مرجوح ہے یہ اصول بھی اسلئے غلط ہے کہ تفسیر جمل میں جس قول کا ذکر لفظ قیل کے ذریعہ کیا ہے اُسے خود ہی راجح بھی قرار دیا ہے ــــــ الغرض ــــــ ہر جگہ لفظ قیل کو مرجوحیت ہی کے اظہار کے لئے نہیں استعمال کیا جاتا لہٰذا لفظ قیل کسی قول کی مرجوحیت کی دلیل نہیں اس کی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں بہت سے اقوال ملتے ہیں ــــــ اگر انسان سے مراد جنس انسان ہے تو۔

۱۔ بیان سے مراد قوت گویائی ہے جس سے انسان دیگر حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے (طبری، خازن، جمل، ابن کثیر، قرطبی، روح المعانی وغیرہ)

۲۔ بیان سے مراد کتابت اور سمجھنے سمجھانے کی قوت ہے (جمل، قرطبی)

۳۔ بیان سے مراد ہر قوم کی زبان ہے جس میں وہ کلام کرتی ہے۔ (بقول سدی)

۴۔ بیان سے مراد حلال وحرام اور ہدایت وگمراہی ہے۔ (طبری)

۵۔ بیان سے مراد دنیا وآخرت ہے۔ (طبری)

۶۔ بیان سے مراد نفع بخش اور نقصان دہ امور (قتادہ وربیع ابن انس)

۷۔ بیان سے مراد خیر وشر ہے (ضحاک وقتادہ)

۸۔ بیان سے مراد کسی چیز کو واضح کردینا یہ نطق سے عام ہے۔ (امام راغب)

۹۔ بیان سے مراد دین ودنیا کے وہ جملہ امور ہیں جن کی انسان کو حاجت ہو۔ یعنی حلال وحرام، زندگی کے سامان خورد ونوش اور گویائی وغیرہ (طبری)

البیان کی تشریح کرنے والے جملہ اقوال میں سے امام طبری نے قول ۹ کو ترجیح دی ہے بلکہ اسی کو درست قرار دیا ہے اور وجہ بھی ان لفظوں میں۔

والصواب من القول فی ذالک	اور ان تمام اقوال میں درست بات یہ ہے
ان یقال ان اللہ علم الانسان	کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو
مابہ الحاجۃ الیہ الخ	اس کی ضرورت کی چیزیں سکھا دیں الخ

اپنے مذکورہ خیال کے درست ہونے اور دوسرے اقوال کے نادرست ہونے کی وجہ ــــ یا ــــ کم سے کم درجے میں اپنے قول کے راجح ہونے کا سبب امام طبری نے یہ بتایا ہے۔

لان اللہ عزوجل لم یخصص	اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام میں تخصیص
فی خبرہ ذالک انہ علمہ	پیدا کرکے یہ نہیں فرمایا کہ اس نے بیان سے
من البیان بعضا دون بعض	متعلق بعض باتیں سکھا دی ہیں اور بعض نہیں
بل عمّ فقال علمہ البیان	بلکہ اُسے عام رکھا ہے پھر علمہ البیان
فھو کما عمّ	فرمایا ہے پس بیان ایسا ہی عام رہے گا جیسا کہ اللہ نے عام رکھا۔

مذکورہ وجہ صواب ــــ یا ــــ وجہ ترجیح منقولی نہیں بلکہ معقولی ہے۔ مقالہ نگار نے بھی طبری کی مذکورہ عبارتوں کو نقل کیا ہے اور اس پر یہ ریمارک دیا ہے

"امام طبری کی مذکورہ تحریر سے ثابت ہوا کہ بیان کے معنی میں تخصیص پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنا ہے"

امام طبری کی تحریر اور مقالہ نگار کے تبصرہ دونوں نے قول ۹ کے سوا باقی اقوال کو مرجوح بلکہ نادرست قرار دیدیا ہے اور ان کے قائلین پر یہ الزام لگا دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنے والے ہیں ــــــ اب اور آگے آیئے اور ایک دوسرا تماشہ ملاحظہ کیجئے۔ حضرت حسن نے بیان کی تشریح نطق سے کی ہے۔ ذکر کردہ اقوال میں نے اسے پہلے نمبر میں رکھا ہے اسی قول ۱ کے بارے میں ابن کثیر میں ہے۔

وقول الحسن ھھنا احسن	حضرت حسن کا قول اس جگہ زیادہ عمدہ
واقوی	اور قوی تر ہے۔

قول حسن کے حسن وقوی تر ہونے کی انہوں نے وجہ یہ بتائی ہے کہ سیاق کلام

کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن کی تعلیم دے رہا ہے اور ظاہر ہے کہ تعلیم تلاوت کی ادائیگی کا نام ہے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نطق یعنی گویائی کو مخلوق پر آسان فرمادے اور اس کے تمام مخرج حلق، زبان، ہونٹ وغیرہ جگہوں سے حروف کے نکلنے کو آسان کردے کہ وہ اپنے مخارج سے حسب قاعدہ نکلتے رہیں" ـــــ مقالہ نگار نے قول حسن یعنی ہماری ذکر کردہ ترتیب کے مطابق قول ۱ کی تائید کرنے والے بہت سارے مفسرین کی فہرست پیش کی ہے اور پھر آگے چل کر ابو حیان اور بحر المحیط کے حوالے سے یہ واضح کردیا کہ جمہور مفسرین و محققین کا مسلک یہ ہے کہ البیان سے مراد "النطق" ہے ـــــ لہٰذا ـــــ امام طبری کے ارشاد کی روشنی میں نیز خود مقالہ نگار کے اس تبصرے کے رد سے جو اس نے امام طبری کے ارشاد کو نقل کرنے کے بعد کیا ہے۔ حضرت حسن (جو جلیل القدر تابعی اور بے مثال محدث و مفسر ہیں) نیز ان کی اتباع کرنے والے جمہور مفسرین راہ صواب سے ہٹے ہوئے ہیں اور بقول مقالہ نگار یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنے والے ہیں اور ان جمہور مفسرین کے خیال کی روشنی میں علامہ طبری کا اپنے قول کے بارے میں ادعاء صواب کوئی وزن نہیں رکھتا ـــــ اب مقالہ نگار فیصلہ کرے کہ کون راہ صواب پر ہے اور کون جادۂ خطا پر؟ کس کا قول راجح ہے اور کس کا مرجوح؟

اس مقام پر پہونچ کر مقالہ نگار کو بھی کہنا پڑے گا کہ کسی مفسر کا اپنے قول کے لئے صواب، اقرب الی الصواب، اصح، اقوی، اولی کا لفظ استعمال کرنا دوسرے مفسر کے قول کو لازمی طور پر فی نفسہ نادرست، صواب سے دور، غیر صحیح کمزور اور خلاف اولی نہیں قرار دیتا ـــــ اس لئے کہ ـــــ ممکن ہے کہ ہر ہر قول مختلف اعتبار و حیثیت سے اپنی اپنی ترجیح کی الگ الگ وجہیں رکھتے ہوں ـــــ اب اگر ایک مفسر کسی قول کو راجح سمجھتا ہے اور اس کے سوا دوسرے قول کو راجح نہیں قرار دیتا تو اس سے فی نفسہ دوسرا قول مرجوح نہیں ہوجاتا اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس دوسرے قول کے قائل کے نزدیک یہی دوسرا قول ہی لائق ترجیح ہو ـــــ المختصر ـــــ اپنے علم و یقین کی روشنی ہر عالم ربانی کو اپنے اپنے قول کو اصح، اولی، اقوی وغیرہ کہنے کا پورا حق ہے۔ اسی حق کو امام طبری نے استعمال کیا جبھی تنہا جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف پورے گھن گرج کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کردیا ـــــ جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف ہونے کے باوجود مقالہ نگار نے امام طبری کے ارشاد کو نہ مرجوح کہا اور نہ قابل رد۔ اور نہ انہیں سمندر کے گھونگے اور سیپ سے تشبیہ دی ـــــ مقالہ نگار کا سارا بخار تو امام احمد رضا ہی پر اتارنے کے لئے ہے اور اس کی ساری دلچسپی ان اقوال کو مرجوح، قابل رد بتانے اور انہیں سمندر کے گھونگے اور سیپ سے تشبیہ دینے سے وابستہ ہے جن سے عظمت مصطفیٰ اور رفعت محمدیہ کا پتہ چلے ـــــ غور کیجئے امام احمد رضا نے اپنے علم و یقین کی روشنی میں جن اقوال کو لائق ترجیح سمجھا وہ کچھ ان کے اپنے ذہن کے پیداوار نہ تھے بلکہ معتبر تفسیروں میں موجود تھے نیز حضرت ابن کیسان اور ایک قول کے مطابق حضرت عبد اللہ ابن عباس جیسے جلیل القدر صحابی رسول، فقیہ امت اور سید المفسرین سے منقول بھی تھے ـــــ امام طبری نے تو جس معنی کو ترجیح دی بلکہ درست ٹھہرایا وہ تو ان کی اپنی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے ؎

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

پھر ورق الٹ کر دیکھئے اس صفحے کو جس میں بیان سے متعلق ۹ اقوال پیش کئے گئے ہیں یہ سب اس وقت مراد ہیں جب الانسان سے مراد جنس انسان ہو اور اگر انسان سے مراد حضرت آدم ہوں تو بیان سے مراد مندرجہ ذیل امور منقول ہیں۔

۱۔ تمام اشیاء اور زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں کے نام۔ (ابن عباس)

۲۔ دنیا بھر کی زبانیں۔ (قرطبی، خازن، روح البیان وغیرہ)

اور اگر انسان سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں تو بیان سے مراد یہ بتائی گئی ہے

۱۔ ماکان وما یکون کا بیان (تفسیر معالم، تفسیر خازن، تفسیر حسینی، تفسیر صاوی، تفسیر جمل، تفسیر قرطبی)

۲۔ کتاب منزل کی مراد کو واضح کردینا (روح المعانی)

۳۔ قرآنی مجملات و مبہمات کی شرح کردینے والا کلام (روح المعانی)

۴۔ قرآن (روح المعانی، تفسیر نیشاپوری)

۵۔ جنس انسان مراد ہونے کی صورت میں بیان سے جو جو مراد ظاہر کی گئی ہے ان میں سے وہ سارے معانی جو سرکار رسالت کی شان اقدس کے مناسب ہوں (روح المعانی)

مذکورہ بالا تمام اقوال میں سے کسی قول کو بھی کسی مفسر نے بھی مردود نہیں قرار دیا۔ نیز ان اقوال میں سے کسی بھی قول کے قائل کو کسی مفسر نے نہ کافر و مشرک قرار دیا نہ ضال و گمراہ اور نہ ہی جادۂ حق و صواب سے ہٹا ہوا ـــــ اور نہ ایسا ہی ہوا کہ ان میں سے کسی قول کے قائل دوسرے قول کے قائلین قرآن کے اسلوب بیان، فطری انداز تربیت اور قرآن فہمی کے لئے ضروری علوم و فنون، ادب، لغت، نحو، صرف، معانی و بلاغت عقائد و کلام اور حدیث و فقہ سے تہی دامن و بے بہرہ ظاہر کردیتے اور ان کی دینی اور قرآنی خدمات کا انکار کر بیٹھتے ـــــ ناظرین کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جو کام سارے مفسرین نہ کرسکے مقالہ نگار نے اس کے لئے اپنے کو تیار کرلیا اور صرف تیار ہی نہیں کرلیا بلکہ عمل کرکے دکھا دیا اور اپنے قلم کو ایک لازوال رسوائی کا شکار بنا دیا ـــــ خدا کی شان دیکھو مقالہ نگار اپنے گھر کے سارے الزامات دین رسول کے ان سچے وفاداروں کے سر ڈالنا چاہتا ہے جنھوں نے ناموس رسالت کی حفاظت میں اپنی متاع حیات قربان کردی اور زندگی کے ایک ایک لمحے کو جہاد بالقلم کے لئے وقف کردیا تاکہ اسلام کے نام پر اسلام کی صورت بدل دینے کی کوشش کرنے والے منافقین کی ریشہ دوانیوں سے اہل اسلام باخبر رہیں ـــــ میں نے دیوبندی تراجم کا مختصر سا اقتباس شروع میں پیش کردیا ہے کیا اس سے اندازہ نہیں لگتا کہ قرآن کریم کو اپنے عقائد و نظریات کا شکار کس نے بنایا ہے؟ اسے اپنے ذہنی سانچے میں ڈھال کر منظر عام پر لانے کی جرات و جسارت کس نے

کی ہے؟ انسانی ہدایت کا یہ آسمانی صحیفہ جس چیز کا مستحق تھا کیا علمائے دیوبند نے اُسے پیش کیا؟ بانی دارالعلوم دیوبند نے جب قرآنی لفظ خاتم النبیین کے اجماعی معنی کو جہلاء کا خیال بتا کر سارے صحابہ و تابعین اور تمام علمائے متقدمین و متاخرین حتی کہ ذات رسالت مآب تک کو عوام کے زمرے میں شامل کر دیا تھا تو اس وقت قرآن کی خیر خواہی کا دم بھرنے والی مقالہ نگار کی جمعیت کہاں تھی؟ اور آج بھی تحذیر الناس کی اشاعت ہو رہی ہے آج بھی تقویت الایمان، حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور بہشتی زیور کی ضلالت بستی بستی صحرا صحرا گوشہ گوشہ محفل محفل اپنی تاریکیاں پھیلا رہی ہے۔ اے اسلام کا ادعاء کرنے والو کیا بانی اسلام کی توہین ہی سے تمہاری توحید چمکتی ہے؟ کیا بانی اسلام کی عزت و ناموس سے کھیلنے ہی کا نام اسلام کی وفاداری ہے؟

_______ اس مقام پر امام احمد رضا کے ترجمے کی وجہ ترجیح ظاہر کرنے سے پہلے مناسب لگتا ہے کہ ذات رسول کریم کے لئے ماکان و مایکون کے علوم کے اثبات کرنے والے چند علمائے ملت اسلامیہ اور عارفین کرام نیز شارحین احادیث نبویہ کے ارشادات سے تعارف کرا دوں تاکہ ذات نبوی کے لئے علم ماکان و مایکون کے اثبات کو امام احمد رضا کا خود ساختہ عقیدہ نہ کہا جا سکے۔

(۱) ـــ مرقات شرح مشکوٰۃ، شرح شفا ملا علی قاری، زرقانی شرح مواہب اور نسیم الریاض شرح شفا میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد ہے

وحاصله انّه طوى له الارض وجعلها مجموعة كهيئة كف فيه مرآة ينظر الى جمعها وطراها بتقريب بعيدة الى قريبها حتىٰ اطلعت على ما فيها

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے لئے زمین سمیٹ دی گئی اور اس کو ایسا جمع فرما دیا گیا جیسے کہ ایک ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اُس پورے آئینہ کو دیکھتا ہو اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اس کے قریب کی طرف یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔

(۲) ـــ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے ہے۔

فعلمت بسبب وصول ذالك الفيض ما فى السموات والارض يعنى ما اعلمه الله تعالىٰ مما فيهما من الملائكة والاشجار وغيرها وهو عبارة عن سعة علمه الذى فتح الله عليه وقال ابن حجر اى جميع الكائنات التى فى السموات بل وما فوقها .... وجميع ما فى الارضين السبع بل وما تحتها

اس فیض کے پہونچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اُس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ نے آپ پر ظاہر فرمایا ابن حجر نے فرمایا کہ حضور نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں بلکہ ان کے اوپر ہے...... اور اُن تمام چیزوں کو بھی جان لیا جو ساتوں زمینوں بلکہ اس کے نیچے ہے۔

(۳) ـــ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے

پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم و شناختم ہمہ را

(حضور فرماتے ہیں کہ) ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

(۴) ـــ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ہی میں ہے۔

عبارت است از حصول تمام علوم جزوی و کلی و احاطہ آں

(یہ حدیث) تمام جزئی و کلی علوم کے حصول اور اس کے احاطہ کی نشان دہی کرتی ہے

(۵) علامہ زرقانی شرح مواہب میں ہے

اى اظهر وكشف لى الدنيا بحيث احطت بجميع ما فيها فانا انظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم القيمة كانما انظر الى كفى هذه اشارة الى انه نظر حقيقة دُفع به انه اريد بالنظر العلم

(یعنی حضور فرماتے ہیں کہ) ہمارے سامنے دنیا ظاہر کر دی گئی اور منکشف کی گئی تو ہم نے اس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اُس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اپنے اس ہاتھ کو۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور نے حقیقۃً ملاحظہ فرمایا تو یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔

(۶) ـــ امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں فرماتے ہیں

ولاشك ان الله قد اطلعه علىٰ ازيد من ذالك والقى عليه علم الاولين والأخرين

اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے اگلے اور پچھلے حضرات کا علم دے دیا۔

(۷) ـــ ملا علی قاری ایک حدیث کی شرح فرماتے ہوئے مرقات میں فرماتے ہیں۔

فيه مع كونه من المعجزات دلالة على انّ علمه عليه السلام محيط بالكليات والجزئيات من الكائنات وغيرها

اس حدیث میں معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کائنات کے کلیات و جزئیات وغیرہا کو گھیرے ہوئے ہے۔

(۸) ـــ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں

دے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیز از شیونات و احکام الٰہی

حضور علیہ السلام تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں اور انھوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے

واحکام وصفات حق واسماء وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر و باطن وادل وآخر احاطہ نمودہ فوق کل ذی علم علیم شد

احکام اور حق تعالیٰ کے صفات وافعال اور سارے ظاہر و باطن اول وآخر کے علوم کا احاطہ فرمالیا اور پھر ہر ذی علم کے اوپر علیم کے مصداق ہوگئے۔

(۹) ـــ اسی مدارج میں ہے

از زمان آدم تا نفخۂ اولی بروے علیہ السلام منکشف ساختند تاہمہ احوال اورا از اول وآخر معلوم گردد ویاران خود را نیز از بعضے احوال خبر داد

حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام کو حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمادیا تاکہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہوجائیں اور حضور نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

(۱۰) ـــ شفا شریف میں قاضی عیاض فرماتے ہیں

خصّ اللہ تعالیٰ بہ علیہ السلام بالاطلاع علی جمیع مصالح الدنیا والدین ومصالح امتہ وما کان فی الامم وما سیکون فی امتہ من النقیر والقطمیر وعلی جمیع فنون المعارف کاحوال القلب والفرائض والعبادۃ والحساب (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ بردہ)

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو دینی اور دنیاوی مصلحتوں اپنی امت کے مصالح، گذشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنی سے ادنی واقعہ پر خبردار فرماکر نیز تمامی معرفت کے فنون مثلاً دل کے حالات اور فرائض عبادات وعلم حساب پر مطلع فرماکر ممتاز ومخصوص فرمادیا۔

(۱۱) ـــ امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ ام القریٰ میں فرماتے ہیں

وسّع العالمین علما وحلما فھو بحر لم تعیھا الاعیاء

حضور علیہ السلام نے اپنے علم واخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا پس آپ ایسے سمندر ہیں جسے گھیرنے والے نہ گھیر سکے

اسی شعر کی شرح میں شیخ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

ای وسع علمہ علوم العٰلمین الانس والجن والملائکۃ لان اللہ تعالیٰ اطلعہ علی العالم کلّہ فعَلِمَ علم الاولین والآخرین وما کان وما یکون

یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انسان اور فرشتوں کے علوم کو گھیرے ہوئے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمادیا اور اولین وآخرین اور ما کان و ما یکون کا علم عطا فرمادیا۔

(۱۲) ـــ امام ابن حجر مکی اسی شعر کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لان اللہ اطلعہ علی العالم فعلم الاولین والآخرین وما کان وما یکون

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام جہان پر خبردار فرمادیا پس آپ نے اولین و آخرین اور ما کان و ما یکون کو جان لیا۔

(۱۳) ـــ حافظ سلیمان ابریز شریف میں فرماتے ہیں

یعلم علیہ السلام من العرش الی الفرش ویطلع علی جمیع ما فیھا

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک اور ان میں جو کچھ ہے سب کو جانتے ہیں۔

(۱۴) ـــ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں

وکلھم من رسول اللہ ملتمس غرفا من البحر اورشفا من الدیم

تمام رسول علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں سمندر سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹا

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں

ان جمیع الانبیاء کل واحد منھم طلبوا واخذوا العلم من علمہ علیہ السلام الذی کالبحر فی السعۃ والکرم من کرمہ علیہ السلام الذی ھو کالدیم لانہ علیہ السلام مفیض وھم مستفاضون لانہ تعالیٰ خلق ابتداءً روحہ علیہ السلام ووضع علوم الانبیاء وعلم ما کان وما یکون ثم خلقھم فاخذوا علومھم منہ علیہ السلام

ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو کہ وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا جو کہ تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی اور پھر اس روح میں نبیوں کے اور ما کان و ما یکون کے علوم رکھے پھر اُن رسولوں کو پیدا فرمایا پس اُن سب نے اپنے علوم کو حضور علیہ السلام سے حاصل فرمالیے۔

(۱۵) ـــ امام بوصیری قصیدہ بردہ ہی میں فرماتے ہیں

وکل ای اتی الرسل الکرام بھا فانما اتصلت من نورہ بھم

انبیاء کرام جو معجزات امم سابقہ پر لائے وہ سب حضور پاک کی لمعانیت وتابانیت سے انہیں حاصل ہوئے۔

چنانچہ حضرت امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں

فجمیع ما ظھر علی ایدی الرسل علیھم السلام من الانوار فانما ھی من نورہ الفائض

انبیاء کرام ورسل عظام سے جو معجزات ظاہر ہوئے وہ سب حضور کے فیض کا ظہور تھا۔

(۱۶) ـــ تفسیر روح البیان میں سورہ فتح میں انا ارسلناک شاھداً کے تحت ہے۔

فانہ لما کان اول مخلوق خلقہ اللہ کان شاھداً بوحدانیۃ الحق و شاھد ابما اخرج من العدم الی الوجود من الارواح والنفوس

چونکہ حضور علیہ السلام ہی اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے چشم دید گواہ ہیں اور ان تمام چیزوں کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں جو کہ عدم سے وجود

والاجرام والارکان والاجساد والمعادن والنبات والحیوان والملک والجن والشیطان والانسان وغیر ذالک لئلا یشذ عنه ما یمکن للمخلوق من اسرار افعاله و عجائبه۔	میں آئے مثلاً ارواح، نفوس، اجرام، ارکان، اجسام، معدنیات، نباتات، حیوانات، فرشتے، جن، شیطان اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار و عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہیں۔

اسی مختصر سے انتخاب پر اکتفاء کرتا ہوں اسلئے کہ اہل انصاف کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ میں نے کسی بھی ارشاد پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا اس لئے کہ سب اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں ـــــ باطل مکتبہ ہائے فکر نے زبردستی اپنے عقائد و نظریات کو منوانے کے لئے آیات و احادیث میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھول رکھا ہے صریح لفظوں کو اس کے معنی سے پھیرنے کی جدوجہد ان کا عام مذاق بن گئی ہے چنانچہ مقالہ نگار نے بھی اس کا جگہ جگہ مظاہرہ کیا ہے اور اپنے اس باطل خیال کو منوانے کے لئے کہ ہر نبی کو وہی چیز عطا کی جاتی ہے جس کی اُسے ضرورت ہو اور جو اس کے مقصد بعثت سے رابطہ رکھتی ہو بڑی نبی چابکدستی دکھائی ہے۔ اس کی دو ایک مثال میں دے چکا ہوں ایک مثال اور بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ پہلے اُس نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا

الهمه الله بیان کل شئ واسماء کل دابة تکون علی وجه الارض	اللہ نے حضرت آدم کو ہر شئے کا بیان عطا فرما دیا اور انہیں تمام جانوروں کے نام بتادیئے۔

مقالہ نگار قوسین کے درمیان ایک فقرہ اپنی طرف سے بڑھا کر حضرت ابن عباس کی عبارت کے عموم کو یوں باطل کردیتا ہے۔

"اور ان کو تمام چیزوں (جن کی انہیں ضرورت تھی) اور زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں کے نام بتادیئے"

"جنکی انہیں ضرورت تھی" یہ فقرہ کس لفظ کا ترجمہ ہے مقالہ نگار صبح قیامت تک نہ بتا سکے گا ـــــ ان حالات میں میں نے مناسب سمجھا کہ صرف مستند و معتمد علماء و ائمہ کے ارشادات کو پیش کردوں اس لئے کہ آیات و احادیث کے معانی و مفاہیم پر ان کی گہری نظر ہے یہ کسی بھی ایسی بات کو اپنے خیالات و نظریات میں جگہ نہ دیں گے جن کا ماننا کفر و شرک ـــ یا ـــ ضلالت و گمراہی ہو ـــ یا ـــ جس کو مان کر لوگ شاہراہ اعتدال سے باہر ہو جائیں ـــ لہذا ـــ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ان کے بعض خیال سے کوئی علمی و تحقیقی بنیاد پر اختلاف کرے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے اس خیال کو کفر و شرک یا ضلالت و گمراہی قرار دیکر انہیں کافر و مشرک اور ضال و گمراہ قرار دے ـــــ علماء کرام کے منقولہ ارشادات اس قدر واضح ہیں کہ اُن کو دیکھ کر ہی رسول کریم کے بارے میں ان کے نظریات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ـــــ خاص کر کے جس لفظ "ما کان و ما یکون" سے مقالہ نگار وحشت زدہ ہے اس کے علوم کا ذات رسول کے لئے اثبات بہت سارے ارشادات میں واضح طور پر ملتا ہے ـــ لہذا ـــ علم ما کان و ما یکون کو رسول کے لئے ماننا اگر کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی ہے تو پھر کفار و مشرکین یا ضالین یا مضلین کے فہرست میں مقالہ نگار کو اُن علماء و ائمہ کو بھی رکھنا ہوگا جن کا وجود امام احمد رضا کے وجود پر بہت ہی مقدم ہے ـــ الغرض ـــ مذکورہ نظریہ کو امام احمد رضا کا ذہنی اختراع قرار دینا مقالہ نگار کی جہالت و فاتر العقلی کی نشان دہی کرتا ہے ـــ ان مباحث کو سامنے رکھ کر اب آئیے اور امام احمد رضا کے ترجمے کی وجہ ترجیح پر غور کیجئے ـــ پہلے اتنا سمجھ لئے کہ بے شمار احادیث و ارشادات علماء و عرفاء سے بصراحت اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ـــ نیز ـــ بعض قرآنی آیات میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کی سب سے پہلی مخلوق ہیں اور یہ حصر بھی حقیقی ہے نہ کہ اضافی اور چونکہ اول ممکنات ہیں تو پھر اپنی صلاحیت و استعداد میں ساری مخلوقات سے قوی و اقوی ٹھہرے اور اپنے تمام فضائل و کمالات میں سب سے منفرد ہوئے ـــــ چنانچہ رب تبارک و تعالیٰ سے براہ راست بغیر واسطہ فیض لینے کی اگر صلاحیت و قوت ہے تو صرف آپ ہی میں ہے۔ رب تبارک و تعالیٰ نے اپنی تجلیات و نوازشات کا مرکز صرف آپ کی ذات کو بنایا ہے باقی مخلوق خواہ وہ کسی عالم کی مخلوق کیوں نہ ہو آپ کے واسطے سے فیض حاصل کرتی ہے ـــ رب قادر مطلق ہے وہ سب کو براہ راست اپنے فیضان کا مرکز بنا سکتا ہے مگر براہ راست خدا سے فیض لینے کی صلاحیت حقیقت محمدیہ کے سوا کسی شئی بھی نہیں تو نقص جانب قدرت نہ رہا بلکہ نقص کا رخ مخلوقات کی عدم صلاحیت کی طرف ہے ـــ اللہ کے محبوب کی ذات کریم چونکہ ایک برزخ کبریٰ کی حیثیت رکھتی ہے جو اللہ سے بھی واصل ہے اور مخلوق میں بھی شامل ہے لہذا رب العالمین اور عالمین کے درمیان رحمۃ للعالمین کے فرائض انجام دینے کی اسی میں صلاحیت تھی ـــ الغرض ـــ اللہ تعالیٰ سے جس کو جو ملا، جو مل رہا ہے اور جو ملتا رہے گا وہ اسی خلیفۃ اللہ الاعظم کی بارگاہ فیض سے ملا، مل رہا ہے اور ملتا رہے گا اسمیں نبی و غیر نبی اور ملک اور غیر ملک کی کوئی تخصیص نہیں سبھی آپ کی بارگاہ فیض سے مستفیض و مستنیر ہیں ـــــ

ـــــ اور جب آپ کی ذات رب تبارک و تعالیٰ سے براہ راست بلا واسطہ فیض حاصل کرتی ہے تو آپ کو جتنے علوم ملے وہ رب تعالیٰ کی براہ راست عطا ہیں جب خدا کے بارگاہ فیض سے رسول کریم بلا واسطہ فیض لے سکنے کی صلاحیت کاملہ رکھتے ہوں تو پھر خدا و رسول کے مابین کسی واسطہ کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ واسطے کا قول آپ کی عدم صلاحیت کا ابہام پیدا کرتا ہے ـــ الحاصل ـــ خدائے عز و جل

نے ذات نبوی کو جو علوم عطا فرمائے ہیں وہ سب کے سب بلا واسطہ عطا فرمائے ہیں۔ اور آپ کے سوا کو جو علوم عطا فرمائے ہیں وہ اسی برزخ کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ——— اتنی بات تو سبھی پر واضح ہے کہ انسانوں کو علوم انبیاء و مرسلین کے ذریعہ عطا کئے گئے اور میرے نقل کردہ اقتباسات میں سے اقتباس ۱۴ اور اقتباس ۱۵ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء و مرسلین کو امام الانبیاء اور سید المرسلین کی بارگاہ فیض سے علوم ملے پھر اسباب کی صداقت میں کیا استحالہ ہو سکتا ہے کہ نور محمدی بلفظ دیگر حقیقت محمدیہ ہی سارے کائنات کے لئے واسطۂ فیضان الٰہی ہے ——— اب جب یہ کہا جائے کہ "اللہ نے رسول کو سکھایا" تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ بلا واسطہ سکھایا اور جب یہ کہا کہ اللہ نے آدم کو یا جبرائیل وغیرہ کو سکھایا" تو اس کا مطلب یہ ہوگا حقیقت محمدیہ کے ذریعہ اپنے علم کا فیض پہونچایا ——— اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کوئی استاد یہ کہتا ہو کہ "میں نے فلاں کتاب سکھادی" ——— تو اس سوال کے جواب میں کہ "کس کو سکھائی؟" عقل کا یہی فیصلہ اور عرف کا یہ کہنا ہے کہ اُسی کا نام لیا جائے جس نے اُس استاد سے براہ راست سیکھا ——— ہمارا عرف ہے کہ جب ہم اپنے اساتذہ کی فہرست مرتب کرتے ہیں تو استاد کے استاد کا نام نہیں لکھتے بلکہ اسی کا نام لکھتے ہیں جس سے براہ راست بلا واسطہ علم حاصل کیا ہو اسی طرح جب کوئی استاذ اپنے شاگردوں کی لسٹ مرتب کرتا ہے تو انھیں کا نام لکھتا ہے جن کو بغیر واسطہ پڑھایا ہو۔ شاگردوں کے شاگرد کا ذکر نہیں کرتا ——— گو استاد کے استاد کو بھی بالواسطہ اپنا استاد اور شاگرد کے شاگرد کو بھی بالواسطہ اپنا شاگرد سمجھا جا سکتا ہے ——— مگر ——— یہاں تو عرف و اطلاق اور تبادر ذہنی کی بات ہے ——— تو اب جن مفسرین کرام نے علّم القرآن کا مطلب یہ لیا ہے کہ "اللہ نے اپنے نبی کو قرآن سکھایا" یہ زیادہ قرین قیاس اور اولیٰ ہے اسلئے کہ نبی کریم ہی نے بغیر واسطہ قرآن خدا سے سیکھا ——— مقالہ نگار کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حضرت جبریل حضور علیہ السلام کے استاد تھے اور حضرت جبریل نے حضور کو قرآن سکھایا خدا نے براہ راست (بلا واسطہ) نہیں سکھایا ——— وعلمک مالم تکن تعلم کی صراحت بتا رہی ہے کہ آپ کو تعلیم دینے والا خدا ہے اور جہاں بلا واسطہ علوم دینے کا مفہوم نکل سکے وہاں بالواسطہ علوم دینے کا معنی نکالنا عرف و تبادر کے خلاف ہے ——— جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو سکھایا تو اس کا یہ مطلب لینا عرف و تبادر کے بالکل خلاف ہے کہ اُسے بالواسطہ سکھایا ——— اسی لئے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ "علمہ شدید القویٰ" میں اگر شدید القویٰ سے حضرت جبرئیل مراد ہیں تو تعلیم سے مراد تبلیغ ہے یعنی حضرت جبرئیل پہونچانے آتے تھے نہ کہ پڑھانے۔ پہونچانا اور ہے پڑھانا اور ہے۔ معلم پڑھانے والا اور سکھانے والا ہوتا ہے نہ کہ پیغام پہونچانے والا ——— حضرت جبرائیل کا پہونچانا تو محض ایک سنت الٰہیہ و ضابطۂ خداوندی کے تحت تھا۔

غور کیجئے سدرہ پر ٹھہر جانے والا خلوت گاہ قدس اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہونچ جانے والے کا معلم ہو یہ کس قدر مستبعد ہے۔ بعض علماء نے شدید القویٰ کو صفت باری تعالیٰ قرار دیا ہے ——— کسی کلام کے رخ کو اس کے متبادر مفہوم سے اسی وقت پھیرا جاتا ہے جب اس مفہوم کو مراد لینے میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ پیش آجائے اور اگر شرعی یا عقلی استحالہ پیش نہ آئے تو پھر متبادر معنی مراد نہ لینا یقیناً خلاف اولیٰ ہے ——— الحاصل ——— علّم القرآن کا یہ ترجمہ کہ "رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا" اقرب الی الصواب، اولیٰ اور راجح ترین ہے۔ یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ قرآن کریم تبیاناً لکل شیء ہر شے کا واضح بیان ہے اور بقول حضرت مجاہدؒ "ما من شیٔ فی العالم الا ھو فی کتاب اللہ" عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو کہ قرآن میں نہ ہو ——— اور یہ ظاہر ہے کہ آیہ کریمہ نزّلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء ہم نے تم پر قرآن اتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے دلیل ہے کہ قرآن کریم صرف اس کے لئے ہر چیز کا روشن بیان ہے جس پر وہ براہ راست نازل کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضور آیہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تو اب قرآنی مقطعات، متشابہات، مبہمات، محکمات اور جمیع ما فی القرآن کو واضح طور پر جاننے والے صرف رب تعالیٰ سے براہ راست قرآن سیکھنے والے مہبط آیات قرآنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ باقی کو حضور علیہ السلام نے اس کی صلاحیت و استعداد کے مطابق جو دیا اُسے وہی ملا۔ خود سید الملائکہ حضرت جبریل بھی قرآنی مقطعات و متشابہات وغیرہا کے رموز و اسرار کو سمجھنے سے قاصر ہیں معلوم ہوا کہ پیغام کا پہونچانا اور ہے اور اسکا سمجھنا اور ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو پورے طور پر قرآن کا عالم ہوگا وہ یقیناً عالم ما کان و ما یکون ہوگا تو اب اولیٰ اور اقرب الی الصواب یہی ہے علّم القرآن میں مفعول ثانی اسی کو قرار دیا جائے جو قرآن کا حقیقی معنوں میں پورے طور پر عالم ہو اور وہ ہیں اللہ کے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم ——— مقالہ نگار نے علّم القرآن کا مفعول ثانی جبرائیل کو قرار دینا اقرب الی الصواب قرار دیا ہے جبکہ تفسیر جمل میں الانسان کو مفعول ثانی قرار دینا اولیٰ کہا ہے ——— تو اب اگر کوئی اپنے علم و یقین کی روشنی میں نبی کریم کو مفعول ثانی قرار دے اور اسی کو اقرب الی الصواب اور اولیٰ قرار دے تو وہ مجرم کیسے ہو گیا؟ ——— اب ارشاد کے دوسرے حصے پر غور کیجئے خلق الانسان وعلمہ البیان ——— چونکہ اس آیت میں بھی سکھانے کی نسبت رب تبارک و تعالیٰ کی طرف ہے لہٰذا سیکھنے والا بھی اُسی کو قرار دینا چاہئے جس نے براہ راست رب تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی ہو اور وہ حضور علیہ السلام ہیں تو پھر الانسان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا راجح و اولیٰ ہے ——— ویسے بھی یہ اصول اپنی جگہ مسلم ہے کہ "المطلق اذا اطلق فیراد بہ الفرد الکامل" اطلاق کی صورت میں مطلق سے اس کا فرد کامل مراد لیا جاتا ہے ——— اور ظاہر ہے کہ انسانوں میں فرد کامل ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے انسان کامل ہونے میں کیا شک ہے تفسیر صاوی نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ چونکہ حضور علیہ السلام

انسان کامل ہیں لہذا الانسان سے (جو مطلق واقع ہوا ہے) آپ کی ذات ہی مراد ہے اُسی اصول کی روشنی میں جس کا ذکر ابھی ابھی کر چکا ہوں ـــــ الغرض ـــــ یہ ضابطہ بھی (الانسان) سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے کو اولیٰ قرار دے رہا ہے ـــــ اور الانسان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے کی صورت میں "البیان" سے ماکان و مایکون کا بیان مراد لینا ہی راجح ہے اس لئے کہ جب کہ ارشادات علماء سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اولین و آخرین بلفظ دیگر ماکان و مایکون کا علم عطا فرما دیا ہے تو پھر ان سب کا مراد لینا زیادہ راجح ہے ـــــ غالباً البیان سے ماکان و مایکون کا بیان مراد لینے والوں کے نزدیک اس سے نطق و گویائی اور قوت فہم و افہام (جو تمام انسانوں میں مشترک ہے) مراد لینا اس لئے بھی اولیٰ نہیں کہ نطق و فہم وغیرہ کا تعلق تخلیق سے ہے نہ کہ تعلیم سے اور علمہ البیان میں تعلیم کا ذکر ہے نہ کہ تخلیق کا تو اب نطق وغیرہ مراد لینے کی صورت میں تعلیم کو مجازاً اس کے حقیقی معنی سے ہٹانا ہوگا اور جب حقیقت بن سکے تو پھر مجاز کی طرف عدول کس طرح بہ نظر استحسان دیکھا جا سکتا ہے ـــــ قرآن کریم نے وعلمک مالم تکن تعلم سے اللہ کو رسول کا تعلیم دینے والا اور یعلمھم الکتب والحکمۃ سے رسول کریم کو ساری کائنات کو کتاب و حکمت سکھانے والا قرار دیا ہے بلفظ دیگر سارے عالم کو رسول کا شاگرد اور رسول کریم کو رب تعالیٰ کا شاگرد واضح کیا ہے تو اللہ خدا نے رسول کو سکھایا اور رسول نے حسب ضرورت دوسرے تمام انسانوں کو درس دیا۔ قرطبی نے اسی مفہوم کو ان لفظوں میں ادا کیا ہے

علم القرآن ای علمہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اداہ الی جمیع الناس

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن سکھایا تاکہ وہ اسے (خلائق ہدایات عامہ) کو تمام انسانوں تک پہونچا دیں

لہذا امام احمد رضا کے ترجمے پر مقالہ نگار کا یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ انھوں نے انسان سے رسول مراد لیکر کے رب العزت کی رحمت و رافت کو محدود کر دیا ہے اسلئے کہ محدود تو اس وقت ہو جبکہ تعلیم کا سلسلہ ذات رسول تک پہونچکر منتہی ہو جائے لیکن جب حضور علیہ السلام کو اسی لئے سکھایا جائے کہ وہ دوسروں کو سکھائیں کیونکہ دوسرے براہ راست لینے کے اہل نہیں تو پھر رحمت و رافت کے محدود ہونے کا کیا سوال ہے بلکہ یہ تو کمال رحمت و رافت کی بات ہے کہ جب ہم بلا واسطہ سیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے تو ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اپنے رسول کے واسطے سے ہماری استعداد کے مطابق ہمیں بھی علوم سے نواز دیا گیا ـــــ

ـــــ مقالہ نگار نے سوچا ہوتا کہ جس خدا نے اپنی تمام تجلیات و نوازشات کا مرکز ذات رسول کو بنایا ہے اس نے اُس رسول کو رحمۃ للعالمین بھی بنا دیا ہے تو پھر بارگاہ رسول سے بٹنے والی خدائی نعمتیں نوع انسان کے کسی ایک فرد کے ساتھ کیسے مخصوص ہو سکتی ہیں بے شک رحمۃ للعالمین کی رحمت مسلم و کافر موحد و ملحد عالم و جاہل حتی کہ نبی اور غیر نبی سب پر عام ہے ـــــ یہ بات اگر مقالہ نگار نہ سمجھ سکا تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے ـــــ مقالہ نگار نے چلتے چلتے ایک عجیب و غریب دعویٰ کیا ہے وہ رقم طراز ہے

"آپ خود سوچئے اللہ رب العالمین ہے
اس نے خود کو کہیں بھی "رب محمد" نہیں کہا"

معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کا قرآنی مطالعہ بہت ناقص ہے۔ قرآن کریم میں ساٹھ سے زیادہ مقامات پر حضور علیہ السلام کو مخاطب فرما کر "ربک" کا لفظ موجود ہے اور اس کا معنی "رب محمد" کے سوا ہو کیا سکتا ہے ـــــ مقالہ نگار کو کیا سورۂ کوثر بھی یاد نہ رہی جس میں فصل لربک موجود ہے تو کیا ساٹھ سے زیادہ مقامات پر "ربک" فرمانے سے رب العالمین کی ربوبیت محدود و مخصوص ہو گئی؟ صحیح ہے ؎

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہوں ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات

بفضلہ تعالیٰ ان تمام تحقیقات و تشریحات نے واضح کر دیا کہ امام احمد رضا نے سورہ رحمن کی آیت زیر بحث کا جن مفسرین کرام کے اقوال کی روشنی میں ترجمہ کیا ہے تمام منقولہ اقوال میں انہی کا اختیار کرنا اولیٰ، ارجح، اصح اور اقرب الی الصواب تھا ـــــ اور امام احمد رضا کے ترجمے کو مرجوح قرار دینے میں مقالہ نگار کی ساری کوشش تحقیق کے بجائے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس کے اس عناد کو ظاہر کرتی ہے جو اس کے اکابرین سے حاصل شدہ اس کا موروثی سرمایہ ہے ـــــ اچھا چلو امام احمد رضا کے ترجمے کو مرجوح ہی مان لو مگر بہر حال وہ منقول تو ہے مردود تو نہیں ـــــ خلاف اولیٰ کو مان لینا خلاف اولیٰ ہی تو ہوگا اُسے کفر و شرک گمراہی و ضلالت تو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ماننے والے کو نئے نظریات و خیالات کا بانی اور غیر اسلامی عقائد کا موجد تو نہیں قرار دیا جا سکتا ـــــ مقالہ نگار کو اگر فرصت ہو تو اپنے گھر کا جائزہ لے جہاں "رسول دشمنی" کے جذبۂ فراواں سے سرشار ہو کر "مردود" قول کو بھی حجت و دلیل کے طور پر پیش کر دیا ـــــ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ـــــ حالانکہ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ نے جہاں یہ روایت نقل کی ہے وہیں یہ بھی وضاحت فرما دی ہے کہ ـــــ

"ایں سخن اصلے ندارد و روایت
براں صحیح نشدہ"

یعنی یہ روایت بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ تو جس روایت کو حضرت شیخ نے بے اصل فرما کر مردود قرار دیا حضرت شیخ کے ریمارک کو نظر انداز کر کے اسی مردود

روایت کو حضرت شیخ ہی کے حوالے سے بیان کر کے حجت قرار دینا کسی گرگ باراں دیدہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ آخر یہ کس نے ایسا کیا؟ میرے خیال میں مقالہ نگار کو اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ـــــ یہ اشارا میں نے صرف اس لئے کر دیا ہے تاکہ مقالہ نگار کچھ تو عبرت حاصل کرے کہ رسول کریم کی تنقیص و تقلیل شان کے لئے مردود روایت بھی حجت اور اگر عظمت مصطفیٰ کا اظہار ہو رہا ہو تو بگمان خویش مرجوح قول بھی حلق کے نیچے نہ اترے ـــــ آخر میں مقالہ نگار یہ بھی سمجھ لے کہ جن مفسرین کے اقوال کی روشنی میں امام احمد رضا کا ترجمہ مرجوح اقوال پر مشتمل ہے انھوں نے صرف اس ترجمے کو مرجوح قرار دیا ہے اُس عقیدے کو مرجوح نہیں قرار دیا ہے جو ترجمہ کی عبارت سے ظاہر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ وہ عقیدہ آیت زیر بحث سے ثابت نہ ہوگا ـــــ اور اس سے نقصان ہی کیا جبکہ آیات و احادیث اور ارشادات علماء ملت سے یہ نظریہ فاضل بریلوی کے وجود کے پہلے ہی سے مدلل و مبرہن چلا آرہا ہے ـــــ مقالہ نگار کی پیش کردہ تفسیروں میں کوئی تفسیر ایسی نہیں جس نے اپنے مرجوح کردہ اقوال کو اس لئے مرجوح قرار دیا ہو کہ وہ غیر اسلامی نظریات کے حامل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اقوال مردود ہوتے نہ کہ صرف مرجوح و خلاف اولیٰ ـــــ بلکہ صرف مرجوح قرار دیکر مرجوح قرار دینے والے مفسرین نے بھی مقالہ نگار کے اس خیال کی تردید کر دی کہ رسول کریم کو ماکان و مایکون کا عالم ماننا غیر اسلامی عقیدہ ہے ـــــ الغرض ـــــ اپنے جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مقالہ نگار نے خواہ مخواہ کیلئے "تقابلی مطالعہ" کا بہانہ نکالا تھا اسمیں وہ بہرحال ناکام رہا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین
وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امام احمد رضا اور

محاسنِ کنزالایمان

عالیجناب ملک شیر محمد خان اعوان آف کالاباغ
(پاکستان)

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز قرآن حکیم ہے باقی تمام عقائد و اعمال اسی اصل سے ماخوذ ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور معاشی و معاشرتی ضوابط ہیں سب اسی مرکز سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ یہ وحی، کتاب کی شکل میں آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سر چشمہ ہے

قرآنِ حکیم کا فیضان زمان و مکان کے اندر محدود نہیں اس سے ہر شخص خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصہ پر آباد ہو، کسی دور میں زندگی بسر کرے یکساں طور پر ہدایت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے اور حقائق و معارف سے مستفیض ہو سکتا ہے اس لئے قرآن کا سمجھنا اور سمجھ کر اس سے اپنی زندگی کے ہر مرحلہ میں رہنمائی حاصل کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔

قرآن نے اپنے نزول کی غرض و غایت یہ بتلائی ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۲)

"یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

(پارہ ۲۶ رکوع ۷)

"تو کیا وہ قرآن کو، سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں۔"

اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جو قرآن میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کا فرضِ اولین ہے کہ قرآنِ کریم کو خود پڑھے اوروں کو پڑھائے، خود سمجھے دوسروں کو سمجھائے، خود عمل کرے دوسروں سے عمل کرنے کی جد و جہد کرے۔ قرآنِ حکیم چونکہ عربی مبین میں ہے اور ہر آدمی عربی کا فاضل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ کرنا ناگزیر ہے اور پھر ترجمہ کی مشکلات کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جناب ملا واحدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سلطنت حیدر آباد دکن کے آخری سلطان نظام الملک ہفتم میر عثمان علی خاں کے پاس ایک صاحب تھے جنہیں آج سے چالیس پچاس برس پہلے دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ان کا کام فقط یہ تھا کہ جسے میر عثمان علی خاں زبانی پیغام بھیجنا چاہیں اسے وہ اس طرح پہنچا دیں جس طرح میر عثمان علی خاں نے پیغام دیا ہے۔ پیغام سناتے وقت پیغام پہنچانے والے صاحب پر ان کیفیات کا طاری ہونا ضروری تھا جو پیغام بھیجتے وقت میر عثمان علی خاں پر طاری ہوتی تھیں۔ میر عثمان علی خاں خوش ہو کر کوئی بات کہتے تو وہ بھی خوش ہو کر اُسے نقل کرتے۔ میر عثمان علی خاں بگڑ کر، تیوری چڑھا کر بات کرتے تو وہ بھی بگڑتے اور تیوری چڑھاتے۔ الفاظ کا بدلنا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ لہجہ اور طرزِ کلام بھی میر عثمان علی خاں کا رہتا تھا۔ مخاطب جان جاتا تھا کہ مجھ پر عنائت ہوئی ہے یا عتاب ہوا ہے۔"

ایک انسان کی بات دوسرے انسان کو من و عن پہنچانی کس قدر مشکل تھی یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنا پیغام اپنے الفاظ اور اپنے لہجے میں محفوظ کرا دیا اور اس کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جو لوگ قرآن مجید کو قرآن مجید کی اصل زبان عربی میں سمجھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے اصل زبان عربی کا بدل نہیں ہیں —— قرآن مجید کی عربی کی عربی میں بھی تفہیم کی جائے یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب کوئی عرب اپنی زبان میں بھی بیان کرے تو وہ کیفیت باقی نہیں رہے گی جو قرآن مجید کی عربی میں ہے پھر دوسری زبان میں ترجمہ تو اصل کیفیت کو بالکل کھو دیتا ہے۔ لیکن چارہ ہی کیا ہے۔

جب ہمارے ہاں ہندوستان میں عربی جاننے والے ختم ہو گئے تو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کرنا پڑا۔ ہندوستان کے دیگر علماء ترجمہ کرنے کے خلاف تھے مگر مولانا شاہ ولی اللہ دُور اندیش تھے انہوں نے اچھا کیا کہ قرآن مجید کے سمجھنے کا کچھ تو سامان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ خدمت انجام دلا دی۔ ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبد القادر نے دیکھا کہ فارسی بھی ہندوستان میں چند دن کی مہمان ہے۔ لہذا مولانا شاہ رفیع الدین نے قرآن مجید کا اردو میں لفظی ترجمہ کر ڈالا۔ (لفظ کے نیچے لفظ) اور مولانا شاہ عبد القادر نے با محاورہ ترجمہ کیا۔ دو کم برس قبل کی با محاورہ اردو میں، لیکن زبان و بیان کی قدامت کے باعث ان ترجموں سے

اردو خواں طبقہ کے لئے استفادہ ممکن نہیں تھا۔ علاوہ ازیں "تقویت الایمان" کے مکتبۂ فکر کے علماء نے اپنے عقائد کے مطابق ان ترجموں میں کہیں کہیں تصرف بھی کر دیا تھا۔

ان ترجموں کے بعد ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید شائع ہوا۔ لیکن انہوں نے ترجمہ میں جابجا محاورات گھسیڑ کر قرآنِ حکیم کے مطالب کو ہی گم کر دیا اور اکثر مقامات پر اپنے نیچری خیالات کو بھی داخل کر دیا۔ اندریں حالات ملت اسلامیہ کے لئے قرآن مجید کے ایک صحیح، سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کی اشد ضرورت تھی۔ آخر اس ضرورت کو احسن طور پر پورا کرنے کی سعادت امام احمد رضا کو نصیب ہوئی۔ امام احمد رضا نے ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں قرآن مجید کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں مکمل ہوا۔ اور ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء میں منظر عام پر آیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم (مع تفسیر قرآن) تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کس طرح عالم وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل امام احمد رضا کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد رضوی کی زبان سے سنئے:

"صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرمالیا۔ لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو امام احمد رضا نے فرمایا چونکہ ترجمہ کیلئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہوگیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ امام احمد رضا زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین امام احمد رضا کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ امام احمد رضا کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے امام احمد رضا سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کرالیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو کنز الایمان کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی۔"

(سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۷۴/ ۲۷۵)

تعارف صاحبِ کنز الایمان

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

زمین سیکڑوں مرتبہ آفتاب عالمتاب کے گرد چکر لگاتی ہے۔ چاند لاکھوں بار کرۂ ارض کا طواف کرتا ہے اور سورج کروڑوں مرتبہ حجلۂ مشرق سے جھانکتا اور خلوت کدہ مغرب کی کالی تاریکیوں میں اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے۔ تب کہیں تاریخ کے صفحات میں کوئی ایسی شخصیت ابھرتی ہے جس پر کائنات کے پردۂ زنگاری میں بیٹھا ہوا محبوب اپنی اعجاز آگیں نوازشیں بکھیر دیتا ہے اور اس محبوب دلنواز کے ساحر تبسم کے فدائی اُس شخصیت کے قدموں پر عقیدتوں کے نذرانے بچھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ تاریخ ایسی شخصیتوں کو پیش کرنے میں بالکل تہی دامن اور مفلس نہیں رہی لیکن یہ بھی ایک برہنہ حقیقت ہے کہ اس کے پاس ایسا سرمایہ نادر و نایاب کی حد تک قلیل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی پوری تاریخ چھان ڈالئے۔ آپ کو صرف ایک ہی شخصیت نظر آئے گی جس نے فقہی فضیلت اور علمی کمال کے ساتھ ساتھ دینی و ملی خدمات کی سرانجام دہی میں مؤثر ترین کردار ادا کیا اور یہ شخصیت امام احمد رضا کی تھی۔ سلف صالحین کا دَور آفتاب و ماہتاب کا دور تھا لیکن متاخرین کا دور بھی مولانا احمد رضا کے علمی کارہائے نمایاں پیش کر کے اپنے ماتھے سے کم مائیگی کا داغ دھو سکتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانانِ ہند صرف میدانِ جنگ میں ہی نہیں بلکہ میدان علم و حکمت میں بھی انگریزی علوم سے شکست کھا چکے تھے اس وقت مغربی علوم سے مرعوب ذہنیتیں جنم لے رہی تھیں مغربی علوم کا سیل بلاحصار اسلام کی بنیادوں سے ٹکرا رہا تھا اور ادھر صورتِ حال یہ تھی کہ جن لوگوں کا فریضہ' مدافعت تھی وہ خود بے بس تنکوں کی طرح اس سیلاب کے تند ریلوں کے ساتھ بہہ رہے تھے اور دوسروں کو بھی یہ تلقین کر رہے تھے کہ:۔

"دُرْ مَعَ الدَّهْرِ کَیْفَ یُدَار"

"چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی"

اس وقت امام احمد رضا کے علم و دانش نے زبان و قلم کے ہتھیاروں سے تجدد کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف صف آرائی کی اور تاریخ آج تک شہادت دے رہی ہے کہ اس منہ زور تحریک نے علم کے اسی بحر ذخار کے سامنے دم توڑ دیا۔ وہ معارف قلب و روح کے ساتھ علوم عقلی و نقلی میں بے مثال مہارت کے حامل تھے مسلمانانِ پاک و ہند کے سواد اعظم کو ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر علمائے اہلِ سنت کے فتویٰ جہاد کے بعد آپ ہی کی تحریکِ عرفانِ رسالت نے مجتمع کیا تھا۔ ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کی از سرِ نو تنظیم کا صلہ وہ تاجِ عظمت و کرامت ہے جو امام احمد رضا کے لقب کی صورت میں آپ کے فرقِ مبارک پر زینت افروز ہوا۔

منعم حقیقی نے انتہائی فیاضی سے انہیں بے مثال قابلیت، فہم و ذکا، بے نظیر حافظہ،

فصاحت و بلاغت اور سرودیٔ قلم و بیان کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دینی علوم میں آپ کی مسلمہ مہارت تو خیر ایک حقیقت ثابتہ شمار کی جاتی ہے، لیکن ریاضی، تکسیر اور نجوم وغیرہ علوم دنیوی میں بھی آپ کو وہ تبحر حاصل تھا کہ ان علوم کے ماہرین اپنے اشکالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے اس منبع علم و حکمت کی بارگاہِ دانش کے محتاج رہتے تھے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے معروف و مسلم ماہر شمار کئے جاتے تھے۔ وہ بعض مسائل ریاضیہ کے سلسلہ میں بہت سی الجھنوں میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مولانا سید سلیمان اشرف کے توسط سے امام احمد رضا کے حضور میں شرف باریابی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد سلسلۂ گفتگو کی ابتدا ہوئی۔ آپ نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کی مختلف اشکال کے ادق مسائل تحریر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو دکھایا۔ وہ انگشت بدنداں ہو کر کہنے لگے کہ میں نے ان چیزوں کے حصول کے لئے بارہا مشرق و مغرب کے ماہرین ریاضی سے ملاقاتیں کیں مگر یہ چیزیں کہیں بھی حاصل نہ ہو سکیں۔ آخر آپ نے یہ سب کچھ کس استاد سے پڑھا آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے والد صاحب سے (محض) جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں کیوں وقت صرف کرتے ہو۔ یہ تمام علوم بارگاہِ رسالت میں تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی بارگاہِ اقدس و اعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔

یہ گوناگوں صلاحیتیں اور بے مثال قابلیت منعم حقیقی نے ایک مخصوص مقصد کی تکمیل کے لئے آپ کو ودیعت فرمائی تھیں۔ فہم و فراست کا یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ میں مکمل دستگاہ حاصل کر لی اور پھر درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور عبادات و ریاضات کو اپنا معمول بنا لیا اور آخری سانس تک زبان و قلم سے حقیقی اسلام کی اشاعت اور سیل الحاد و تجدد کی مخالفت اور اسلام کی مدافعت میں مصروف رہے۔ بارگاہِ رسالت کو نشانہ بنا کر جو تیر بھی چلایا گیا اس دیوانۂ رسالت نے سینہ سپر کر دیا۔ توہین رسالت کے لئے کہیں کوئی زبان حرکت میں آئی اس فدائے مصطفیٰ کا قلم برقِ خاطف بن کر اس پر گرا اور اسے بھسم کر کے دکھ دیا مخالفت کے تند ریلے آئے۔ الزام تراشیوں کے طوفان اٹھتے رہے۔ عداوت کی بلاخیز موجیں ٹکراتی رہیں مگر رسالت کا یہ عاشق پہاڑ کی طرح ان کے سامنے ڈٹا رہا اور زمانے کے کان سنتے رہے کہ وہ کہہ رہا تھا ؎

اگر ایک ذرہ کم گردد ز انگیز وجودِ من

بایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

آج اگر عصمتِ انبیاء کا چراغ روشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ احمد رضا کا دامن اس کا فانوس بنا ہوا ہے۔ آج سوادِ اعظم کے جتنے بھی علمائے کرام ہیں انہیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ وہ امام احمد رضا کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد اور عقیدت کیش ہیں ؎

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو

یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

انگریزی علوم کے مقابلہ میں آپ نے ایک ایسے علم کلام کی بنیاد ڈالی جس نے شک و ارتیاب کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اذہان کو مینارِ نور بن کر راہِ ہدایت دکھائی آپ نے ہندوستان میں نیچریت وغیرہ کی سی اعتزالی تحریکوں کو غیر اسلامی ثابت کر کے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ امکان نظیرِ رسالت یا امکان کذب باری تعالیٰ کی ملعون تحریکیں صرف علمی بحثیں نہیں بلکہ فرنگی کی فتنہ پرور ذہنیت کی اڑائی ہوئی ایسی چنگاریاں ہیں۔ جو مسلمانوں کے قلوب سے روح جہاد فنا کرنے کے لئے کسی وقت بھی آتش بار شعلوں میں بدل سکتی ہیں۔

تقدیس رسالت کی جو تحریک آپ نے ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۱ء تک جاری رکھی اور محافل میلاد کے انعقاد کی جو شعلیں آپ نے روشن رکھیں وہ آج سلگتے ہوئے ستاروں میں تبدیل ہو کر ظلمت کدۂ دہریت و الحاد میں ضیاء بکھیر رہی ہیں۔ آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیات خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا درجہ رکھتا تھا۔

احمد رضا خاں کسی فرد واحد کا نام نہیں۔ تقدیسِ رسالت کی تحریک کا نام تھا عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے، پاک، بابرکت اور پُرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی امام احمد رضا کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے اور اب حادثاتِ حیات کا کوئی بیداد جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگ دل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ نے عشق کو نئی زندگی عطا کر دی۔ جنونِ محبت کو دوام عطا کر دیا اور جہان قلب و روح میں محبت کی وہ سرمدی مستی اور لافانی سرور و خمار بھر دیا جسے فنا کرنا تو کجا اس کی حدت کا کم ہونا بھی ابد تک ممکن نہیں۔

امام احمد رضا کے مخالفین انکے اپنے دور میں بھی بیشمار تھے اور آج بھی لاتعداد ہیں مگر کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت اس کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج تک اسکے منور نام کی درخشندگی کم کر سکے ہیں۔ وہ حُبِ رسالت کا قاسم تھا۔ اس نے تقدیس رسالت کا درس دیا۔ محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر دادِ تحقیق دی۔ لیکن اگر وہ اتنی پُرعظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی تھا۔ ان کا عشقِ رسول

اور سوز و مستی میں ڈوبا ہوا کلام اقبال کے اس شعر کی حسین تفسیر ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر ۔۔۔ وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور آپ کے کلام کا اس سے زیادہ اور کیا اعجاز ہوگا کہ آج تک آپ کے نغماتِ نعت بے مثال سمجھے جاتے ہیں اور آپ ہی کے لکھے ہوئے درود و سلام سے منبر و محراب گونج رہے ہیں۔ آپ نے بے مثل و بے مثال کی مدح سرائی میں زبان کھولی تھی اسی لئے خدائے قدوس نے آپکے کلام کو بھی یکتا و بے نظیر کر دیا۔ احمد رضا خان کی شاعری عشق و مستی کے نئے نئے جہانوں کی موجد بن رہی ہے اور ان نو رسیدہ جہانوں کے افق پر محبت کے ایسے آفتاب و ماہتاب روشن ہیں جو پیچ در پیچ صدیوں کی تاریکیوں میں ہمیشہ ضوبار رہیں گے۔

امام احمد رضا کا ایک عظیم ترین کارنامہ اور علمی شاہکار قرآنِ حکیم کا اردو ترجمہ ہے جو کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے موسوم ہے۔ تمام اردو تراجم قرآن سامنے رکھ لیجئے۔ اور امام احمد رضا کے ترجمہ کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ کیجئے آپ واضح ترین فرق و امتیاز محسوس کریں گے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ لغوی، معنوی، ادبی اور علمی کمالات کا جامع ترین مرقع ہے۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو عربیت اور قرآن فہمی کا کس قدر ملکہ حاصل تھا۔

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے محاسن

امام احمد رضا برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں جنہوں نے انتہائی کد و کاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور با محاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا ہے۔ انکے ترجمۂ قرآن کے جملہ محاسن بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم تصنیف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس طرح ان تمام مقامات کو زیر بحث لانا پڑے گا جنہیں دوسرے تراجم کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے بخوفِ طوالت "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر صرف چند مقامات کے ترجمہ کا دوسرے تراجم سے موازنہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اہل بصیرت پر اس ترجمہ کی اہمیت و افادیت واضح ہو جائے۔

میں یہاں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا مقصد متقدمین کی مساعی کی عیب جوئی نہیں۔ اس موازنہ کا مقصد صرف امام احمد رضا کے فہم قرآن کی حقیقت پسندانہ اعتراف ہے اور بس۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین میرے اسی جذبہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کا مطالعہ کریں گے۔ آیئے اب ذرا وہ چند مقامات دیکھ لیں جہاں امام احمد رضا کے ترجمہ کو میں نے نمایاں حیثیت کا حامل پایا ہے:

آیت نمبر ایک: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (پارہ ۱)

ترجمہ محمود الحسن: "اس کتاب میں کچھ شک نہیں"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی:

"یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔"

عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے اور لفظ فی کا مدخول ظرف ہوتا ہے۔ کبھی زمان اور کبھی مکان تو اب معنی یہ ہوگا کہ قرآن مجید جنس ریب کا محل نہیں بنا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں کسی نے شک نہیں کیا، حالانکہ دوسرے مقام پر ہے "وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا" اور اس سے واضح ہے کہ قرآن محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں ریب کیا ہے یہی وہ اشکال تھا جسے رفع کرنے کے لئے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں طویل عبارات لکھی ہیں لیکن امام احمد رضا خان نے ترجمہ کے چند الفاظ میں اشکال رفع کر دیا۔ ذرا ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں"

ذرا "ذٰلِكَ" کے ترجمہ کا تقابلی مطالعہ بھی کیجئے۔ معمولی عربی دان بھی یہ جانتا ہے کہ "ذٰلِكَ" اشارہ قریب نہیں اشارہ بعید ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر مترجمین اس کا ترجمہ "یہ" کرتے ہیں۔ اعلیحضرت نے اسے اپنے اصل معنوں میں لے کر اس کا ترجمہ "وہ" کیا ہے اور عبارت کا حسن بھی قائم رکھا ہے۔

آیت نمبر دو: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ

(پارہ ۱ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

سب مترجمین اس طرف گئے ہیں کہ لفظ "لَعَلَّ" بمعنی "کَیْ" ہے یعنی تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا:

"لم یثبت فی اللغۃ مثلہ"

"یعنی لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں۔"

پھر علامہ ممدوح نے فرمایا کہ یہ حال ہے ضمیر اعبدوا سے مطلب یہ ہوا کہ:

"اعبدوا راجین ان ینخرطوا فی سلک المتقین۔"

"یعنی عبادت کرو، یہ امید کرتے ہوئے کہ تم متقیوں کی صف میں شامل ہو جاؤ"

امام احمد رضا نے اسی استدلال کو اختیار فرما کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

ترجمہ امام احمد رضا :۔

”اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے“۔

آیت نمبر۳: ـــــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ط (پارہ ۲ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔ ”اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائیگا اُلٹے پاؤں“۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ـــــ ”اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کون رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے“۔

دونوں مترجمین نے ”لِنَعْلَمَ“ کے لغوی مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ”معلوم کریں“ اور ”ہم کو معلوم ہو جائے“۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لفظی ترجمہ اپنی جگہ درست ہے۔ مگر اس سے یہ عجیب تأثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ایک چیز خدائے علیم و خبیر کو معلوم نہ تھی اور اس آزمائش میں ڈال کر وہ اسے معلوم کرنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ ”معلوم ہو جائے“ کی نسبت خدا سے کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے منشاء اور اندازِ بیان کی تفہیم کے لئے لفظی ترجمہ کی بجائے کہیں کہیں ترجمانی کا رنگ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اب دیکھیئے کہ امام احمد رضا مترجم کے اس اہم فرض سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

امام احمد رضا نے متذکرہ آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

”اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے“۔

آیت نمبر۴: ـــــ ”إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ج

(پارہ ۲ رکوع ۵)

آیہ زیرِ نظر میں ”أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ“ کے الفاظ برصغیر پاک و ہند کے دو مکاتیبِ فکر (بریلی اور دیوبند) کے درمیان مابہ النزاع بن کر رہ گئے ہیں اس سے دیوبندی مکتبۂ فکر یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ جس جانور کو بھی غیر اللہ کے نام سے منسوب کر دیا جائے پھر چاہے ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام بھی پڑھا جائے وہ جانور حرام ہو جائے گا۔

یہ مکتبۂ فکر اس معاملہ میں انتہائی متشدد ہو گیا ہے۔ بریلوی مکتبۂ فکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آیت صرف اسی مذبوحہ جانور کو حرام کہتی ہے جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کی بجائے غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اصل میں سارا نزاع لفظ ”اُهِلَّ“ سے پیدا ہوا۔

بریلوی حضرات کے نزدیک اھلال کے معنی ہیں ”رفع الصوت عند الذبح“ جب کہ دیوبندی حضرات اسے مطلق منسوب کرنے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ نزاع مولانا اشرف علی تھانوی کی جدّت سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے آیت زیرِ نظر کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

”اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔“

اس ”اھلال“ کے لئے صاف نامزد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لغت جس کی تائید نہیں کر سکتی۔ مولانا تھانوی کے بعد ان کے گروہِ فکر کے تمام مترجمین حتیٰ کہ مولانا عبد الماجد دریا بادی بھی ”اھلال“ کے لئے یہی نامزد کا لفظ ایسے استعمال کرتے ہیں جیسے یہ لغت کا مستند ترجمہ ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ دیکھا آپ جانتے ہیں کہ قرآن کا دوسری زبانوں میں ترجمہ پیش کرنے والوں میں حضرت شاہ ولی اللہ کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے آپ بھی زیرِ بحث آیت میں ان کا ترجمہ دیکھئے اور پھر خود ہی اندازہ کیجئے کہ ان کے اور مولانا تھانوی کے تراجم میں کتنا واضح اختلاف ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

”جز ایں نیست کہ حرام کردہ است برشما مردار را و خون را و گوشتِ خوک را و آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا“

آپ دیکھ رہے ہیں کہ شاہ صاحب نے ”اھلال“ کا ترجمہ نامزد وغیرہ نہیں کیا بلکہ صاف الفاظ میں ”آواز بلند کردہ شود در ذبح وے“ لکھا ہے اور یہ ترجمہ بالکل وہی ہے جو اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے پیش کیا ہے ان کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

”اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا“۔

آیت نمبر۵ : ـــــ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ہ

(پارہ ۳ ـ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ ”اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے“۔

مکر کے لغوی معنیٰ خفیہ تدبیر کرنے کے ہیں مگر اردو میں یہ لفظ دھوکہ اور فریب جیسی مبتذل صفات کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سوچئے کہ خدا کی ذات سے ”مکر“ اور ”داؤ“ جیسے الفاظ کا استعمال کس قدر سوء ادبی کا متحمل ہے۔ اب ذرا اعلیٰحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

”اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور

اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے"۔

آیت نمبر۶: ــــ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (پارہ ۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ــــ "اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو"۔

ترجمہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے خدا کو پہلے کسی بات کا علم نہیں تھا اور یہ چیز خدا کے عالم الغیب ہونے کے سراسر منافی ہے۔ اسلئے امام احمد رضا نے ایسا انداز بیان اختیار کیاہے کہ کسی ذہن میں کسی قسم کا اعتراض پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ امام احمد رضا مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

"اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی"۔

آیت نمبر۷: ــــ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج (پارہ ۵ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ــــ البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا"۔

"دغا" کا لفظ کس قدر رکیک لفظ ہے؟ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور جب اس لفظ کو خدا کی ذات اقدس واعظم سے منسوب کیا جائے تو اعدائے دین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ امام احمد رضا نے کس احتیاط سے یہاں ترجمانی کے فرائض نبھائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے :۔

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو
فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل
کرکے مارے گا"۔

آیت نمبر۸: ــــ "اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (پارہ ۹ رکوع ۲)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ــــ کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے"۔

اس آیت کے ترجمہ میں بھی مکر کو داؤ سے تعبیر کیا گیا ہے جو نہ صرف اس کے لغوی مفہوم کے خلاف ہے بلکہ اس سے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ امام احمد رضا کا محتاط اور متکلمانہ ترجمہ ملاحظہ کیجئے :۔

"کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے"۔

آیت نمبر۹: ــــ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝
(پارہ ۹ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ــــ "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے"۔

مولانا محمود الحسن نے یہاں بھی "مکر" کو "داؤ" کے معنوں میں استعمال کیا ہے مگر امام احمد رضا نے صحیح لغوی مفہوم کو ترجمہ میں شامل کرکے سارے شکوک وشبہات دور کردیئے امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا
اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر"۔

آیت نمبر۱۰: ــــ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط (پارہ ۱۰ رکوع ۱۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ــــ "بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو"۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ــــ "انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا۔ پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا"۔

"نَسِيَ" کے معنی بالارادہ اور بے ارادہ بھول جانے کے بھی ہیں اور نظر انداز کرنے اور چھوڑ دینے کے بھی۔ مترجم کا بھی فرض ہے کہ وہ ترجمہ کرتے ہوئے خدا کی شان اور عظمت کو ضرور پیش نظر رکھے۔ مولانا محمود الحسن ــــ نے "بھول جانے" کے الفاظ خدا سے منسوب کئے ہیں۔ جن سے یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کو بھی نسیان لاحق ہوسکتا ہے اس کے برعکس امام احمد رضا کا ترجمہ زیادہ واضح ہے انہوں نے لغت سے ایسا مفہوم لیا ہے جو شان خداوندی کے خلاف نہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :۔

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا"۔

آیت نمبر۱۱ ــــ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ط (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔ "کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے"

آیت زیر نظر میں مولانا محمود الحسن نے مکر کے معنی "حیلہ" کئے ہیں۔ جس کی خدا سے نسبت کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ان کے برعکس امام احمد رضا نے صحیح لغوی مفہوم استعمال کیا ہے اور معترض ذہنوں کے اشکالات رفع کردیئے ہیں۔ ان کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"تم فرمادو، اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے"۔

آیت نمبر۱۲ ــــ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا (پارہ ۱۲ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ــــ اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا"

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ــــ اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا"

زیر نظر آیت کے تراجم پر غور کیجئے ایک تو تھانوی صاحب کا ترجمہ ترجمہ نہیں ترجمانی کا رنگ اختیار کر گیا ہے دوسرے تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے تراجم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو بدکاری پر آمادہ تھی ہی معاذ اللہ یوسف علیہ السلام بھی آمادہ

ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ اجتماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی صریح مخالفت ہے ان حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے "هَمَّ بِهَا" کے بعد آنے والے "لَوْ" کے حرفِ شرط کو منقطع کر دیا ہے حالانکہ یہ متصل ہے۔ اعلیحضرت بریلوی کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ انہوں نے حرفِ شرط کو متصل کر کے عصمتِ انبیاء کے اجتماعی عقیدہ کی تائید بھی کر دی ہے۔ ترجمہ لفظی بھی ہے اور کوئی لفظ زائد استعمال نہیں ہوا مگر دشمنانِ اسلام کو اعتراض کا موقعہ بھی نہیں ملا۔

امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔"

آیت نمبر ۱۳ ـــــــ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ (پارہ ۱۳ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــــ "یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــــ "ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی"

"کید" کا لفظ عربی زبان میں خفیہ تدبیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسے داؤ اور فریب کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے مگر جب اس کی نسبت خدائے قدوس کی طرف ہو تو اس کا ترجمہ داؤ یا فریب کرنا سراسر توہین باری تعالیٰ ہے۔ اب دیکھئے کہ اول الذکر ترجمہ سے کتنے دریدہ دہنوں کو قرآنِ کریم پر زبانِ اعتراض دراز کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ثانی الذکر ترجمہ ایسا حسین ہے کہ کسی قسم کے اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۱۴ ـــــــ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ (پارہ ۱۳ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــــ "لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ـــــــ "وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــــ "بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں"

حضرت یعقوب علیہ السلام جب کہتے ہیں کہ انہیں پیراہن یوسف کی خوشبو آرہی ہے تو جواب میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کے سلسلۂ کلام سے پوری صراحت ہو جاتی ہے کہ "قَالُوْا" کا اشارہ ان کے بیٹوں کی طرف ہے اور یہ الفاظ ان کے بیٹوں نے ہی کہے تھے سیاق میں کہیں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ اس وقت بیٹوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے لیکن مولانا محمود الحسن نے نہ معلوم کس خیال کے تحت اس قول کو دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا۔ ان کی اتباع میں تھانوی صاحب نے بھی "وہ (پاس والے) کہنے لگے" لکھ کر اس قول کو بیٹوں کے بجائے دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا (پاس والے) کا اضافہ معلوم نہیں کیوں ضروری سمجھا گیا۔ ان حضرات کے برعکس امام احمد رضا نے قرآنی سیاق و سباق کے عین مطابق "قَالُوْا" کا ترجمہ "بیٹے بولے" کیا ہے۔

علاوہ ازیں آیت زیر نظر میں "ضَلٰلِكَ" کا لفظ آیا ہے۔ جس کے ترجمہ میں واضح اختلاف ہے۔ مولانا محمود الحسن نے اس کا ترجمہ "غلطی" کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے اسے "غلط خیال" لکھ دیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ "ضلالت" کو "غلطی" کے معنوں میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر بھی ملتی ہے یہ ٹھیک ہے کہ ان حضرات نے "گمراہی" کی بجائے "غلطی" کا لفظ محض اس لئے لگایا ہے کہ پیغمبر کو گمراہ کہنا اس کی شان کے شایان نہیں۔ مگر ترجمہ کے لئے لغت کی تائید بھی تو ضروری ہے۔ ان کے مقابلہ میں امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے انہوں نے اس کا ترجمہ "خود رفتگی" کیا ہے۔ لفظ "خود رفتگی" ایک طرف تو ادبی محاسن کا مرقع ہے۔ دوسری طرف اس سے محبت و شیفتگی کے تمام جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے اور بیٹے یہ لفظ اگر یعقوب علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو نازیبا بھی نہیں پھر لغت بھی اس کی مکمل تائید کرتی ہے خود قرآن حکیم میں اس کی نظیر موجود ہے۔ خدائے قدوس نے حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اس آیت میں حضور کو "ضَآلًّا" کہا گیا ہے جو حضرات آیت موضوع بحث میں "ضلالت" کے معنی غلطی کرتے ہیں اس طرح اس جگہ بھی ان کے یہاں اسی قسم کا ترجمہ ہوگا آپ جانتے ہیں کہ نبی معصوم کے حق میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال کتنی بڑی سوء ادبی ہے مگر اس چیز کی پروا کئے بغیر مولانا محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے :۔

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی"

گویا معاذ اللہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے حالانکہ یہ بات امّت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ امام احمد رضا نے یہاں بھی وہی ترجمہ کیا ہے جو شان نبوت کے شایاں ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ :۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

چونکہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں "ضلالت" کی نسبت انبیاء کی طرف تھی اس لئے آپ نے اس کا ترجمہ خود رفتگی کیا ہے جو محبت کے انتہائی مقام کو ظاہر کرتا ہے۔ اس آیت .... (وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى) سے متعلق مستقل بحث اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں :۔

آیت نمبر ۱۵ : ـــــــ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَايْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (پارہ ۱۳ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی : ـــــــ "یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی"

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــــ "یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔"

زیرِ نظر تراجم پر نظر ڈالیے سب سے پہلے جو چیز ابھر کر سامنے آتی ہے وہ اِذَا اسْتَايْـَٔسَ الرُّسُلُ" کا ترجمہ مولانا تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ پیغمبر تائید ربانی سے مایوس ہو گئے حالانکہ انبیاء کرام کا تائید خداوندی سے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا پورا یقین ہوتا ہے اور یہ یقین ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کوئی قوت اسے متزلزل نہیں کر سکتی۔ مولانا محمود الحسن نے "مایوس ہو گئے" کی متذکرہ بالا صورت سے بچنے کے لئے "ناامید ہونے لگے" لکھا ہے گویا ناامیدی کا

صدمہ تو تھا ہوا لیکن ناامید ہونے والے ضرور تھے اس میں بھی پیغمبروں کی تائید ربانی سے مایوس ہونے کا امکان بڑا واضح ہے۔

اب ذرا امام احمد رضا خاں کے ترجمہ کو دیکھئے انہوں نے لکھا ہے:۔

"یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔"

ترجمہ کتنا قریب حقیقت ہے۔ عربیت بھی برقرار رہی اور منشائے خداوندی کا بھی اظہار ہوگیا کہ اس کی تائید ایسے وقت نمودار ہوجاتی ہے جب ظاہری اسباب منقطع ہوجاتے ہیں۔ مولانا تھانوی اور مولانا محمود الحسن کے تراجم سے اعدائے اسلام کو یہ بیج نکالنے کا موقع ملتا ہے کہ جب انبیاء کو بھی تائید خداوندی پر یقین نہیں تھا تو عام مسلمان کیسے اس پر یقین رکھ سکتے ہیں لیکن امام احمد رضا کے ترجمہ نے یہ اشکال پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔

اس آیت کے ترجمہ میں دوسری قابل غور بات "ظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا" کا ترجمہ ہے۔ مولانا محمود الحسن اور مولانا تھانوی کے تراجم سے صاف عیاں ہے کہ انبیاء مایوسی کے عالم میں یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے خدا نے تائید و نصرت کے جو وعدے فرمائے تھے وہ معاذ اللہ سب جھوٹے تھے۔ اور یہ چیز یں شانِ نبوت کے صریحاً خلاف ہے انبیاء کو اگر وعدۂ خداوندی کی صداقت پر یقین نہیں تھا تو پھر اور کسے ہوگا۔ یہاں بھی امام احمد رضا کا ترجمہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے انہوں نے "ظَنُّوْٓا" کی ضمیر جمع غائب کا مرجع انبیاء کو نہیں بلکہ "لوگوں" کو ٹھہرایا ہے۔ اس طرح ہر قسم کے اشکالات ترجمہ میں ہی رفع ہوگئے۔

آیت نمبر ۱۶: ـــــــ وَقَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلِلّٰہِ الْمَکْرُ جَمِیْعًا ط

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب"

اس آیت میں مکر کو فریب کے معنی میں لے کر "سارا فریب" خدا کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے۔ اس طرح عام لوگ یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں کہ العیاذ باللہ سب سے بڑا فریب کار خود خدائے قدوس ہے لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ہر شبہ کا مسکت جواب ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"اور ان سے اگلے فریب کر چکے ہیں تو ساری خفیہ تدبیر کا مالک تو اللہ ہی ہے۔"

آیت نمبر ۱۷: ـــــ قَالَ ھٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ط

(پارہ ۱۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــ "لوط نے فرمایا کہ یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم (میرا کہنا) کرو۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔"

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور کفار اپنے شوق لواطت میں ان کے پیچھے دوڑتے آتے ہیں اور ان کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں تو حضرت لوط علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "ھٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۵" اب ذرا اس آیت مقدسہ کے ان تراجم پر غور کیجئے۔ پہلے دونوں تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لئے اپنی بیٹیاں پیش کر دی تھیں حالانکہ یہ بات ایک اولوالعزم پیغمبر تو کجا کسی بھی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی۔ مہمانوں کو بچانے کے لئے جان تو قربان کر دی جاسکتی ہے لیکن عزت اور غیرت کی قربانی گوارا نہیں کی جاسکتی۔ ان تراجم کے برعکس ذرا امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے آپ نے کس حسنِ ادا سے تمام اعتراضات صرف ترجمہ میں ہی ختم کر دیئے ہیں۔ قوم کا سردار قوم کے تمام افراد کا باپ ہوتا ہے اس طرح انہیں شرم دلانے کے لئے یہ فرما رہے ہیں کہ تمہاری اپنی بیویاں موجود ہیں جو جنسی خواہش کی تسکین کا جائز ذریعہ ہیں۔ ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر کلام میں انتہائی زور پیدا کیا گیا تھا لیکن مترجمین نے نزاکت الفاظ اور بلاغت بیان کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسا ترجمہ کیا کہ خود دامنِ نبوت پر اعتراضات کے چھینٹے پڑ گئے۔

آیت نمبر ۱۸: ـــــ وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ۵

(پارہ ۱۶ رکوع ۱۶)

ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: ـــــ "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے)"

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے ترجمہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے دو باتیں منسوب ہوگئی ہیں (۱) نافرمانی (۲) گمراہی۔ اور یہ دونوں افعال عصمت انبیاء کے نقیض ہیں۔ اس کے مقابلہ میں امام احمد رضا نے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لغت کے خلاف بھی نہیں گئے اور عصمتِ انبیاء پر بھی حرف نہیں آنے دیا۔ امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھئے:۔

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔"

آیت نمبر ۱۹: ـــــ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔"

اس آیت میں مولانا محمود الحسن نے "نہ پکڑ سکیں گے اس کو" کے جو الفاظ لکھ دیئے ہیں اُن سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ غالباً یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ خدا کی ذات ان پر قابو نہ پاسکے گی۔ ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے متعلق تو کجا کسی عام مسلمان

کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے مقابلہ میں خدا کی گرفت کو عاجز اور درماندہ خیال کرے مگر امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"تو گمان کیا (یونس علیہ السلام) نے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔" امام احمد رضا کے الفاظ دیکھئے "ہم اس پر تنگی نہ کریں گے"۔ کتنے حسین الفاظ میں حقیقی مفہوم ادا کیا ہے ایک محب اپنی محبت کے زعم میں یقیناً یہ خیال کر سکتا ہے کہ محبوب ازل اسے کسی تنگی میں مبتلا نہیں کریگا پھر یہ خیال کیجئے کہ امام احمد رضا نے اپنی زبان قرآن کے منہ میں رکھ کر یہ ترجمہ کر دیا ہے کہ خود قرآن ان کے ترجمہ کی صحت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج

(پارہ ۲۰ رکوع ۱۱)

"اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے"

آیت نمبر ۲۰: ـــــ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؕ

(پارہ ۱۹ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــ موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی"

"ضلالت" کے ایک معنی راہ سے بے خبر ہونے کے بھی ہیں۔ آیت زیر نظر میں "ضالّین" کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے "بڑی غلطی" کا مفہوم دے دیا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السّلام کی عصمت پر حرف آگیا۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھیئے:۔

"موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔"

آیت نمبر ۲۱ ـــــ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا (پارہ ۱۹ رکوع ۱۹)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب۔"

آیت زیر نظر میں بھی مولانا محمود الحسن نے "مکر" کو فریب کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور پھر اسے اللہ کی ذات سے نسبت دی ہے ان کے مقابلہ میں امام احمد رضا نے مکر کو خفیہ تدبیر کے معنوں میں لے کر خدا کی تنزیہہ کو برقرار رکھا۔ امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی"

آیت نمبر ۲۲: ـــــ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لئے"۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــ" اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیئے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی"

مولانا محمود الحسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے ترجموں میں ایسے الفاظ استعمال کئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خطا کار بنا ڈالا۔ ذرا غور کیجئے ان غیر محتاط تراجم کے مطالعہ سے ایک عام مسلمان یا ایک غیر مسلم کیا تاثر لے سکتا ہے یہی کہ معاذ اللہ خود حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن بھی خطاؤں سے پاک نہ تھا۔ کیا یہ تراجم دشمنان اسلام کے ہاتھ میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار تھما دینے کے موجب نہیں ہوں گے۔ کیا ان تراجم سے عصمتِ انبیاء کا مسئلہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ ان تراجم کے مقابلہ میں امام احمد رضا کا ترجمہ ایمان و عرفان اور علم و تحقیق کا ایک حسین مرقع ہے۔ انہوں نے خدائے قدوس کے کلام پاک کے شایانِ شان ترجمہ کر کے حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت اور عظمت مصطفویت کو کتنے عمدہ پیرایہ میں اجاگر کیا ہے اور کسی طویل تفسیر کے بغیر ترجمہ میں ہی ساری بات واضح کر دی ہے کہ "مومنین و مومنات" سے عام مسلمان مرد و زن مراد ہیں اور "ذنبک" میں امتِ مسلمہ کے خواص کی طرف اشارہ ہے۔ جن کے لئے حضور کو شفاعت و مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں معاذ اللہ حضور کی خطاؤں کا ذکر نہیں کیونکہ آپ کی ذات معصوم اور پاک ہے جن کی زبان وحی ترجمان اور جن کا سینہ الم نشرح کا گنجینہ ہو جو شفیع المذنبین ہوں جن کے معاملہ کو خدا اپنا معاملہ اور جن کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمائے ان کے متعلق گناہ و خطا کی نسبت کا تصور بھی گناہ اور خطا ہے:۔

ع یہ سوء ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں

اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو"

آیت نمبر ۲۳: ـــــ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــ بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے"

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ" ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے"

یہاں بھی مترجمین نے خطاؤں کو حضور کی ذات سے منسوب کر دیا۔ ان غیر محتاط مترجمین کے تراجم سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضور سے پہلے بھی گناہ سرزد ہوتے رہے اور بعد میں بھی اور خدا نے اس آیت میں ان کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے لیکن امام احمد رضا کے محتاط قلم نے عصمتِ انبیاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا ایمان افروز ترجمہ کیا ہے جو ان کے عدیم المثال فہم قرآن پر دلالت کرتا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔

اس آیت کے تفسیری حاشیہ میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی، تفسیر خازن اور تفسیر

روح البیان کے حوالے لکھتے ہیں کہ :۔

"یعنی تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے"

آیت نمبر ۲۴ ـــــ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ (پارہ ۲۷ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "قسم ہے تارے کی جب گرے"

مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں ستارے گرنے کا بیان ہے جس کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا عام قاری کے لئے ناممکن کی حد تک مشکل ہے

نیز اس ترجمہ سے کلام خداوندی کی جامعیت و بلاغت اور مقام مصطفیٰ کی رفعت وعظمت بھی واضح نہیں ہوتی لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ایسا جامع، واضح اور بلیغ ہے کہ کوئی انصاف پسند اہل ذوق اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ انتہا درجہ کی عقیدت ومحبت کا مرقع نظر آتا ہے۔ "نجم" کے مطلب کے ساتھ اس کی مراد بھی واضح کردی گئی ہے چونکہ سورہ النجم میں حضور کی سیر آسمانی (معراج جسمانی) کا ذکر ہے۔ اس لئے (مذکورہ ترجمہ کے مطابق) ذکر معراج سے ہی ابتداء کی گئی ہے اس طرح حضور کی جلالت وعظمت نمایاں ہوجاتی ہے جیسے ایک عام قاری بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے اور یہی تفسیر حضرت امام جعفر سے منقول ہے (کما فی المظہری والمعالم وغیرہما) مذکورہ آیت کا ترجمہ امام احمد رضا بریلوی نے اس طرح کیا ہے :۔

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے"

آیت نمبر ۲۵: ـــــ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (پارہ ۲۸ رکوع ۲۰)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــ "اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی"

یہ آیت حضرت مریم کی عصمت وتقدیس کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ اب دونوں تراجم پر نظر ڈالئے۔ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ بلاشبہ درست لفظی ترجمہ ہے لیکن ہر زبان کا اپنا اپنا انداز و اسلوب بیان ہوتا ہے۔ مترجم کا فرض یہ ہے کہ وہ اصل زبان کا صحیح مفہوم سمجھ کر اسے اس زبان کے اسلوب بیان میں ڈھالے جس میں وہ عبارت کو منتقل کر رہا ہے۔ عربی زبان میں "حصن" کا لفظ محفوظ کرنے، روکنے اور قلعہ کے معنوں میں آتا ہے لیکن یہ تمام معانی اسی امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے بنیادی معنی حفاظت کے ہیں۔ امام احمد رضا نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے "فرج" کے لفظی معنی بلاشبہ جائے شہوت ہیں لیکن اردو میں یہ لفظی ترجمہ کچھ زیب نہیں دیتا۔ امام احمد رضا نے جو مرادی ترجمہ کیا ہے اس میں عربی کی اصل روح بھی برقرار ہے اور اردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب بھی قائم ہے۔

آیت نمبر ۲۶: ـــــ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (پارہ ۳۰ سورہ الضحیٰ)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی"

مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں لفظ "بھٹکتا" قابل غور ہے۔ اردو زبان کی سب سے بڑی لغت "جامع اللغات" میں اس لفظ کے یہ معنی لکھے ہیں "گمراہ ہونا۔ آوارہ پھرنا۔" ایک طرف خدا کا ارشاد ہے۔ "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (پارہ ۲۷ رکوع ۵) (تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے) پھر انکے متعلق یہ فرمانا کہ "ہم نے تجھے بھٹکتا پایا" مترجم نے ایک لفظی معنی کے پیچھے پڑ کر یہ نہ سوچا کہ ان کے قلم سے کس عظیم القدر ہستی کا دامن عصمت چاک ہو رہا ہے۔ ایک لفظ کے ہر جگہ ایک ہی معنی نہیں ہوتے۔ اس آیت میں "ضال" کے معنی بے پناہ محبت کرنے اور محبت میں گویا خود رفتہ ہونیکے ہیں قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے متعلق "ضال" کا لفظ آیا ہے "اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ" (پارہ ۱۳ رکوع ۵) اس کا بھی دراصل یہی مفہوم ہے کہ آپ بڑے عرصہ سے یوسف علیہ السلام کی محبت میں برگشتہ اور خود رفتہ رہے حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے آیت زیر بحث کے ترجمہ میں اپنی بے مثال لغت دانی اور حب رسول کا عظیم ترین ثبوت دیا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

کنزالایمان کے ادبی کمالات

پچھلے صفحات میں انتہائی اختصار سے تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں چند آیات کے تراجم بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا کا ترجمہ علمی، لغوی اور اعتقادی لحاظ سے باقی تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔ اب ذرا امام احمد رضا کے ترجمہ کے ادبی کمالات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے اور یہ ذہن میں رکھیئے کہ جن حضرات کے تراجم تقابل کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، امام احمد رضا نے ان سے بہت پہلے یہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔ اس دور میں اردو اس قدر ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جتنی آج ہے مگر انہوں نے جو کچھ برسوں پیشتر لکھا ہے اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آج کا ادیب ترجمہ تحریر کر رہا ہے۔

بخوف طوالت صرف چند آیات کے تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کرلیں گے کہ امام احمد رضا کے ترجمہ میں کتنے ادبی اوصاف موجود ہیں اور انہوں نے اپنے کوثر وتسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے کتنا پاکیزہ ترجمۂ قرآن اردو کے حوالے کرکے اس کے احساس تہی مائیگی کو ختم کردیا ہے اور اس طرح مشہور صوفی شاعر اور عارف باللہ جناب خواجہ میر درد دہلوی علیہ الرحمۃ کی درج ذیل پیشگوئی کا صحیح مصداق ثابت ہوئے :۔

"اے اردو گھبرانا نہیں تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے خوب پھلے پھولے گی تو پروان چڑھے گی۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن وحدیث تیری آغوش میں آکر آرام کریں گے۔"

(میخانۂ درد صفحہ ۱۵۳ مولفہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی)

تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں ذیل میں چند آیات کے ترجمے ملاحظہ فرمایئے :۔

آیت نمبر۱ :۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط
(پارہ ۱ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ـــــ "اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں"۔

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں"

آیت نمبر۲ : ـــــ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ
(پارہ ۱۲ رکوع ۱۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا۔"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــ "تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔"

آیت نمبر۳ : ـــــ سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
(پارہ ۱۸ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــ "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کئے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں۔"

آیت نمبر۴: ـــــ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا
(پارہ ۱۹ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــ "اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا"

آیت نمبر۵ : ـــــ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (پارہ ۱۹ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "اب آگے کو ہونی ہے مٹھ بھیڑ"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــ "تو اب ہوگا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا"

آیت نمبر۶ : ـــــ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ
(پارہ ۲۳ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــ "اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے"

ترجمہ امام احمد رضا : ـــــ "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو"

آیت نمبر۷ : ـــــ "إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ط (پارہ ۲۹ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا حریص"

آیت نمبر۸ : ـــــ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ط (پارہ ۳۰ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ "اور گھن کے باغ"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "اور گھنے باغیچے"

آیت نمبر۹ :۔ ـــــ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ط (پارہ ۳۰ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں۔"

آیت نمبر۱۰: ـــــ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ط (پارہ ۳۰ رکوع ۲۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں۔"

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا ہے یہ ایک وسیع موضوع ہے جس پر تفصیل بحث کسی آئندہ فرصت میں ہوسکتی ہے ؎

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے
میرا ہر داغ دل اک تخل ہے سرو چراغاں کا

بہرحال ان چند مثالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ امام احمد رضا قرآن میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ امام احمد رضا کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علما میں ہوتا ہے جن کی قامت پر "رسوخ فی العلم" کی قبا راست آتی ہے۔ قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا۔ اسی مسلسل تدبر و تفکر کا نتیجہ تھا کہ امام احمد رضا کو قرآن پاک سے خاص مناسبت ہوگئی۔

ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے۔ جس کی چند جھلکیاں پچھلے صفحات میں پیش کی گئی ہیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام احمد رضا کا

ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں

نبیرۂ زادہ امام احمد رضا حضرت مولانا اختر رضا خاں ازہری
ایم اے ازہر یونیورسٹی متحدہ عرب جمہوریہ (مصر)

رضوی گلستاں کے ایک شاداب پھول کا نام ہے اختر رضا خاں، جو مفسر اعظم حضرت العلام ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں حاصل کی ۱۹۶۳ء میں بغرض حصول علم جامعہ ازہر مصر گئے۔ مسلسل تین سال وہاں قیام پذیر رہ کر علوم احادیث و تفاسیر میں مہارت پیدا کی۔ اور "الاجازۃ العالیہ" کی سند حاصل کی۔ جسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ایم اے کے مساوی تسلیم کرتی ہے۔ نومبر ۱۹۶۶ء میں مصر سے واپس ہوئے اور دارالعلوم منظر اسلام میں تدریسی خدمات پر مامور ہو گئے ——— ادھر جب انھوں نے دیکھا کہ دیابنہ کی نگاہیں امام احمد رضا کے ترجمہ پر اٹھ رہی ہیں جس کا مقصد عوام الناس میں "کنز الایمان" سے سوءظنی پھیلانے کے سوا کچھ نہیں تو حضرت اختر رضا سے نہ رہا گیا اور اپنے پردادا کی مدافعت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ دراصل اس مدافعت میں اسلام کے جلیل القدر مفسرین و محدثین کی ذوات قدسیہ بھی شامل ہیں ——— یہ مدافعت اُس حملے کا نتیجہ ہے جسے مولوی امام علی قاسمی رائے پوری فاضل دیوبند وغیرہ کی گمراہ ذہنیت نے انجام دیا ہے، مدرسہ رئیس العلوم رائے پور ضلع لکھیم پور یوپی سے "قرآن پر ظلم" نامی کتاب شائع کر کے جس فتنے کا دروازہ فرزندان دیوبند نے کھولنا چاہا تھا حضرت علامہ اختر رضا ازہری کے دلائل و براہین نے اسے اکھیڑ پھینکا ——— ذیل کے معرکۃ الآراء تحقیقی سطور اس حقیقت کے بین ثبوت ہیں ——— امام احمد رضا نمبر کیلئے اس مضمون کو عنایت فرما کر حضرت ازہری نے ہماری جو حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس مختصر سی تمہید کے بعد کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سکون و راحت اور آخرت میں نجات و مغفرت حاصل کرنے کا ذریعہ اس دین کی پیروی ہے جسے اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا قاسمی صاحب یوں شعلہ افشانی کرتے ہیں" اس کے ساتھ یہ ایک تکلیف دہ اور افسوس ناک حقیقت ہے کہ ہر زمانے میں اپنے کو مسلمان کہنے والوں میں ایسے گمراہ لوگ بھی پیدا ہوتے رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو زبان سے کتاب و سنت کی اتباع کا دعوی کرتے ہیں مگر اپنی طرف سے کچھ عقیدے اور احکام نکال لیتے ہیں پھر انہیں ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی غلط تفسیر اور حدیثوں کی مہمل تاویل کرتے ہیں ایسے ہی گمراہ لوگوں میں نام نہاد بریلوی مکتب فکر کے لوگ ہیں" الخ فاقول آپ نے دوسروں کو تو دل کھول کر گمراہ کہا قرآن و حدیث کی غلط تفسیر و مہمل تاویل کرنے اپنی طرف سے عقیدے اور احکام نکالنے کا الزام دیا قطع نظر اس کے کہ یہ الزام ہرگز صحیح نہیں یہاں آپ سے آپ ہی کے امام کی عبارتیں پیش کر کے پوچھنا یہ ہے کہ کیا آپ اور آپ کے امام الطائفہ پر یہ الزام عاید نہیں ہوتے۔ اب ہم وہ عبارتیں ذکر کرتے ہیں جن سے بعونہ تعالے یہ ثابت ہو کہ یہ الزام انہیں پر عاید ہیں اور بزور زبان انہوں نے ہمارے اوپر تھوپے ہیں۔ امام الطائفہ اپنی کتاب تقویت الایمان میں رقمطراز ہیں:۔

"جس کا نام محمد یا علی ہے کسی چیز کا مختار نہیں" ص۳۔ نیز کہتے ہیں" اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی" ص۱ اور اسے آیت سے ثابت بتایا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ امام الطائفہ کا یہ دعوی اس آیت مذکورہ سے کسطرح ثابت ہو جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فالمدبرات امرا" یعنی قسم ان کی جو کاموں کی تدبیر کریں جمہور مفسرین کے نزدیک اس جگہ قسم سے مراد ملائکہ ہیں اور علامہ بیضاوی نے بطور احتمال فرمایا کہ اس قسم سے مراد کاملین کی روحیں ہیں جو شدت کے ساتھ جسموں سے جدا ہوتی ہیں اور جلد عالم ملکوت میں پہنچتی اور حظائر قدس کی طرف بڑھ کر تدبیر امور کرتی ہیں۔ ان کی عبارت زیر کریمۂ والنازعات یہ ہے۔ أو صفات النفوس الفاضلۃ حال المفارقۃ فانها تنزع عن الأبدان غرقاً أی نزعاً شديداً من اغراق النازع فی القوس فتنشط إلی عالم الملكوت وتسبح فيه

فتسبق إلی خطایر القدس فتصیر بشر فیها وقوتها من المد برات اھ ملتقطاً۔ أقول دونوں توجیہوں پر (خواہ ملائکہ مراد ہوں خواہ ارواح کاملین) تصرف غیر اللہ ثابت اور امام الطائفہ کا دعوی باطل وللہ الحمد نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکایت فرماتا ہے کہ انھوں نے فرمایا أنی أخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فأنفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ ج وأبرئ الأکمہ والأبرص وأحی الموتی باذن اللہ الآیۃ یعنی میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ اب بتاؤ غلط تفسیر کا الزام کس کے سر ہے؟ امام الطائفہ کے اس قول سے ان آیات واحادیث کی جن میں انبیاء و اولیاء کے تصرف کی تصریح ہے تعطیل لازم آتی ہے کہ نہیں۔ قرآن وسنت کا نام لیں اور قرآن وسنت کو جھٹلائیں۔ سچ کہا "زبان سے کتاب وسنت کی اتباع کا دعوی کرتے ہیں" اگر کسی کے لئے تصرف کی قدرت ثابت کرنا شرک ہے جیسا کہ اس کی مذکورہ عبارتوں کا مفاد ہے کما لا یخفی بلکہ خود اس نے تصریح کی ہے کہ جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ اللہ کے برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلے کی طاقت اس کو نہ ثابت کرے۔ تو بتائیے ان ائمۂ اعلام اساطین دین و فقہاء و محدثین کے لئے کیا حکم ہوگا جو تصرف ثابت کر گئے اگر وہ مشرک ہیں (تمہارے زعم پر) تو مشرک کی خبر دیانات میں نامعتبر تو قرآن وسنت (جو دین کی اصل ہیں اور انہیں سے پہنچے ہیں) کا اعتبار کیوں کر ہوگا اور جب یہ نامعتبر ٹھہرے تو دین کس چیز کا نام رہ گیا ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔ جانے دو اپنے مستند ابن تیمیہ کو کیا کہو گے جو یہ تصریح کر گئے ولأن الأمۃ لا یصلون ما بینھم وبین ربھم إلا بواسطۃ الرسول لیس لاحد طریق غیرہ ولا سبب سواہ وقد اقامہ اللہ مقام نفسہ فی امرہ ونھیہ واخبارہ وبیانہ فلا یجوز أن یفرق بین اللہ ورسولہ فی شئ من ھذہ الأمور اھ الصارم المسلول۔ کتنا عظیم تصرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت کیا کہ ساری امت کا واسطۂ عظمیٰ خدا کے دربار میں انہیں قرار دیا بلکہ خدا کے امر و نہی وخبر و بیان میں خدا کا نائب ٹھہرایا۔ بولو کتنا بڑا شرک اسنے کیا۔ رہا حدیثوں کی مہمل تاویل کا الزام تو سنو۔ امام الوہابیہ نے شفاعت کی تین قسمیں کیں اور تیسری کو جائز مانا کہتا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہوگئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اسنے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا سو اس پر شرمندہ ہے آگے کہتا ہے "سو اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگذر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے

آگے لکھا "سو اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں" صـ۲۸ و صـ۲۹ أولاً اس کے زعم پر اس قسم کی شفاعت کیوں کر ہو سکتی ہے۔ وہ تو کہہ چکا "سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے" صـ ملتقطاً ثانیاً اس کا یہ کہنا "اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے الخ" اپنے منہ آپ قرآن وسنت کو جھٹلانے کا اقرار ہے کہ نہیں؟ سچ ہے "اپنی طرف سے عقیدے و احکام نکال لیتے ہیں" الخ شفاعت بالوجاہت کے معنی اپنی طرف سے گڑھ کر اس کا انکار کرتے اور بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑتے ہوئے خود کہا "اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے کسی کام کے لئے کچھ سامان اور اسباب جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں" للہ انصاف تو یہاں کیوں سبب کی حاجت ہو گئی ما قدروا اللہ حق قدرہ اللہ کی قدر ہی نہ جانی۔ امام الطائفۃ الوہابیہ کے کلام سے ظاہر ہے کہ جس نے چوری کو اپنا پیشہ بنا لیا اللہ اس سے درگذر نہ فرمائیگا تو نصوص شفاعت کی طرح نصوص عفو و درگذر بھی مخصوص ہو گئیں یہ تخصیص بھی اسمٰعیلی وحی باطنی میں اتری ہے یا اس پر کوئی دلیل ہے؟ جب گناہ کے پیشہ وروں سے درگذر نہیں تو لاجرم وہ بھی مثل شفاعت اس کے زعم اسیکے لئے ہوا جس نے گناہ کو اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا تو یہ درگذر دنیا ہی میں ہوگی اسلئے کہ شرمساری گناہ پر توبہ ہے اور توبہ دنیا ہی میں ہوگی کما لا یخفی۔ احادیث شاہد کہ اللہ کی رحمت بڑے بڑے گنہ گاروں کو برزخ میں نوازتی ہے اور قیامت میں بھی وہ غفور و رحیم جسے چاہے طفیل نبی رحیم و کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ شرح الصدور میں وہ احادیث بکثرت ہیں ہم ایک طویل حدیث کا کچھ حصہ ذکر کریں أخرج الطبرانی فی الکبیر والحکیم الترمذی فی نوادر الأصول والأصبھانی فی الترغیب عن عبد الرحمن بن سمرۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم قال انی رأیت البارحۃ عجباً رأیت رجلاً من أمتی جاءہ ملک الموت لیقبض روحہ فجاء برہ لوالدیہ فردہ عنہ ورأیت رجلاً من امتی بسط علیہ عذاب القبر فجاءہ وضوءہ۔ فاستنقذہ من ذلک ورایت رجلاً من امتی قد احتوشتہ ملائکۃ العذاب فجاءتہ صلاتہ فاستنقذتہ من أیدیھم ورایت رجلاً من أمتی یلھث عطشاً کلما ورد حوضاً منع منہ فجاءہ صیامہ فسقاہ وأرواہ ورایت رجلاً من امتی یتقی وھج النار وشررھا بیدہ عن وجھہ فجاءتہ صدقتہ فصارت ستراً علی وجھہ وظلاً علی رأسہ ورائیت رجلاً من امتی قد ھوت بہ صحیفتہ من قبل شمالہ

فجاءہ خوف من اللہ فأخذ صحیفتہ فجعلھا فی یمینہ ورایت رجلاً من امتی قائماً علی شفیر جھنم فجاءہ وجلہ من اللہ فاستنقذہ من ذلك ومضیٰ ورأیت رجلاً من امتی علی الصراط یزحف احیانا و یحبوا احیانا فجاءتہ صلاتہ علی فأخذت بیدہ فأقامتہ ومضیٰ علی الصراط ورایت رجلاً من امتی انتھی الیٰ ابواب الجنۃ فغلقت الأبواب دونہ فجاءتہ شھادۃ أن لا الٰہ الا اللہ ففتحت لہ الأبواب وادخلتہ الجنۃ، الخ

ملخصاً یعنی طبرانی کبیر اور حکیم ترمذی نوادر الاصول میں اور اصبہانی ترغیب میں عبدالرحمٰن بن سَمُرَہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور فرمایا آج رات میں نے عجیب منظر دیکھا میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح کھینچنے کو آیا ہے تو اس کے والدین کے ساتھ اس کے حسن سلوک نے اسے رد کردیا (یعنی علم الٰہی میں اس کی موت معلق تھی صحف ملٰئکہ میں معلق نہ تھی) اور میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جس پر عذاب قبر بچھا دیا گیا تو اس کے وضو نے آکر اسے بچالیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ پیاس سے ہانپ رہا ہے جب کسی حوض پر جاتا ہے روکا جاتا ہے تو اس کا روزہ آیا اور اسے اس نے سیراب کیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ آگ کی گرمی اور لپٹ کو اپنے چہرے سے ہاتھ کے ذریعہ بچانا چاہتا ہے تو اس کا صدقہ آیا جو اس کے چہرے کی آڑ اور سر کا سایہ بن گیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے نامۂ اعمال نے اسے بائیں جانب گرادیا ہے تو اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اپنے نامۂ اعمال کو دائیں ہاتھ میں لے لیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے تو اس کے پاس اس کا اللہ سے لرزنا آیا جس نے اسے بچالیا اور میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کبھی گھٹنوں کے بل اور کبھی کولھوں کے بل چل رہا ہے تو اس کا میرے اوپر بھیجا ہوا درود آیا جس نے اس کی دستگیری کی اور اسے کھڑا کردیا تو وہ پل پر گذر گیا اور میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ جنت کے دروازوں پر پہنچا ہے تو دروازے اس پر بند ہوگئے ہیں تو کلمۂ طیبہ آیا اور اس کے لئے دروازے کھول کر اسے جنت میں لے گیا یہ حدیث ذکر کرکے علامۂ سیوطی نے فرمایا قال القرطبی ھذا حدیث عظیم ذکر فیہ اعمالاً خاصۃ تنجی من اھوال خاصۃ یعنی یہ حدیث عظیم ہے جس میں خاص اعمال کا ذکر ہے جو خاص مصیبتوں سے بچاتے ہیں۔ الحمد للہ یہ حدیث برزخ و قیامت میں عفو و درگذر کی جامع ہے ان احادیث کا کیا جواب ہوگا؟ ایک سوال اور پوچھو آگے چل کر خود کہا "وہ خود بڑا غفور و رحیم ہے۔ سب مشکلیں اپنے ہی فضل سے کھولدیگا اور سب گناہ اپنی ہی رحمت سے بخشدیگا" یہ کھلا اقرار ہے کہ اللہ ہر گنہ گار کو بخشنے پر قادر ہے خواہ وہ ہمیشہ کا گناہگار رہا ہو تو بھلا یہ گناہگاروں کی تفصیل اور یہ تین صورتیں پھر شفاعت کا تیسری صورت میں حصر یہ سب پاپڑ کیوں بیلے اپنے منہ پر خود طمانچہ مار لیا کہ بے دلیل تخصیص کی تھی وللہ الحمد کفی اللہ المومنین

القتال اسی پر بس کردں۔ ورنہ امام الطایفہ کے کلام میں معارضہ تناقض بہت ہے۔ اور اسی طرح اس کے پیروان امام کے کلام ہیں۔ ناظر منصف اسی کو دیکھ کر یہ سمجھ لیگا کہ واقعی یہ لوگ اپنی طرف سے کچھ عقیدے اور احکام نکال لیتے ہیں پھر انہیں ثابت کرنے کے لئے قرآن کی غلط تفسیر اور حدیثوں کی مہمل تاویل کرتے ہیں۔ آخر میں عامر عثمانی مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند کی بھی سنتے چلئے۔ مولینا ارشد القادری صاحب کی کتاب زَلزَلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ مصنف ایک طرف تو حضرت اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان اور بعض اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے یہ دکھلاتے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیا کے حق میں علم غیب اور تصرف وغیرہ کے عقیدے کو علمائے دیوبند نے شرک و بدعت اور خلاف توحید کہا ہے اور دوسری طرف یہ دکھلاتے ہیں کہ خود اپنے بزرگوں کے حق میں یہ سارے عقاید علمائے دیوبند کے یہاں موجود ہیں" آگے لکھا "ہم اگرچہ حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ ہم دفاع کریں تو کیسے۔ دفاع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا۔" آگے چل کر کہا "ہم اپنا دیانتدارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ متعدد علماء دیوبند پر تضاد پسندی کا جو الزام دلیل و شہادت کے ساتھ اس کتاب میں عاید کیا گیا ہے وہ اٹل ہے" عامر عثمانی کا یہ مشورہ بھی ملاحظہ ہو کہ ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاوی رشیدیہ اور فتاوی امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چولہے پر رکھ کر آگ دیدی جائے اور صاف اعلان کردیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں" الخ آگے چل کر قاسمی رقمطراز ہیں کہ "قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے جنہیں تفسیر لکھنے والے علماء نے بیان فرمایا ہے الخ

بعد میں ان علوم کا ذکر کیا ہے جو قرآن فہمی میں شرط ہیں پھر قرآن مجید سمجھنے کا غلط طریقہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ آدمی میں شرطیں موجود نہوں اور محض ترجمہ کی مدد سے مفسر بن جائے یا ہوں مگر وہ غلط عقیدہ و نظریہ کیلئے شرطوں کی مخالفت کرے ایسے کو تفسیر بالرائے کا مرتکب بتایا ہے اور اس پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کا ذکر کیا ہے

أقول آپ تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے مگر کچھ خبر بھی ہے امام الطائفۃ الوہابیہ کیا کہتا ہے سنئے وہ صاف کہتا ہے کہ "اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کیلئے بہت علم نہیں چاہئے" الخ

الحمد للہ آپ نے اپنے امام کے کلام کو خود ہی رد کردیا اور اپنے کلام سے اسے ان سب وعیدوں کا مستحق بھی بتادیا کہ یہ وعید جب [illegible] تفسیر بالرائے کے مرتکب پر ہے بدرجۂ اولیٰ اس پر بھی ہے جو اسے جائز بتلائے۔ ہمیں تو خوشی ہے کہ چاہ کن راچاہ درپیش کی مثل صادق آئی رہا یہ کہ کون سچا ہے آپ یا آپ کا امام

اس کا فیصلہ کسی وہابی سے کرائیے۔ رہا آپ کا امام احمد رضا و مولینا نعیم الدین علیہما الرحمۃ والرضوان کے بارے میں یہ کہنا "مگران کے ترجمہ کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی اعتقاد و نظریہ کو اصل قرار دیکر ترجمہ کیا ہے اور جو کچھ کمی رہ گئی تھی اسے ان کے معتقد مولوی نعیم الدین مرادآبادی نے حاشیہ چڑھا کر پوری کر دی ہے" صریح افتراء و بہتان ہے یہاں بھی آپ نے اپنے الزام کو دوسروں کے سر تھوپا ہے۔ ابھی ابھی خوب مبرہن ہو چکا ہے کہ امام الطائفہ نے اپنے دل سے کیسے کیسے عقاید گڑھے ہیں اور انبیاء و اولیاء اور اپنے پیروں کے ساتھ کیسی دورنگی چلا ہے اور غلط تفسیر و مہمل تاویل کے نمونے بھی گذر چکے ہیں اور آیات و احادیث کی تکذیب کی مثالیں بھی دی جا چکی ہیں۔ آگے چل کر معترض ترجمہ رضویہ و تفسیر نعیمی کی خامی بیان کرنے چلا ہے۔ کہتا ہے کہ اس ترجمہ و تفسیر کی بنیادی خامی یہی ہے کہ مولوی احمد رضا خاں اور مولوی نعیم الدین نے قرآن مجید کے اس ترجمہ و مفہوم کو نظر انداز کر دیا ہے جسے مستند مفسرین لکھتے آئے ہیں" چلئے ابھی کھلا جاتا ہے کہ اس دعوے میں کتنی صداقت ہے۔ اب ہم بعونہ تعالے معترض کے پہلے اعتراض کا جواب دیں جو اسنے شاہداً کا ترجمہ "حاضر و ناظر" کرنے پر کیا ہے۔ فنقول و باللہ التوفیق مناسب ہے کہ پہلے شہادۃ و شاھد وغیرہ کے جو معانی لغت میں بیان ہوئے ذکر کئے جائیں کہ شاھد کی حقیقت آشکارا ہو جائے۔ قاموس میں ہے

الشھادۃ خبر قاطع وقد شھد کعلم وکرم وقد تسکن ھاءہ وشھدہ کسمعہ شھوداً حضرہ فھو شاھد وشھد لزید بکذا أدی ما عندہ من الشھادۃ فھو شاھد واستشھدہ سألہ أن یشھد والشھید وتکسر شینہ الشاھد والأمین فی شھادۃ والذی لا یغیب عن علمہ شئ والقتیل فی سبیل اللہ لأن ملٰئکۃ الرحمۃ تشھدہ او لأن اللہ تعالیٰ وملٰئکتہ شھود لہ بالجنۃ أو لأنہ ممن یستشھد یوم القیامۃ علی الأمم الخالیۃ أو لسقوطہ علی الشاھدۃ أی الارض أو لأنہ حی عند ربہ حاضر أو لأنہ یشھد ملکوت اللہ وملکہ وأشھد بکذا أی أحلف وشاھدہ عاینہ وامرأۃ مشھد حضر زوجھا والتشھد فی الصلاۃ م والشاھد من أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم واللسان والملک ویوم الجمعۃ والنجم وما یشھد علی جودۃ الفرس من جریہ ومن الأمور السریع وصلاۃ الشاھد صلوۃ المغرب والمشھود یوم الجمعۃ او یوم القیامۃ أو یوم عرفۃ وشھد اللہ أنہ لا الٰہ إلا اللہ أی علم اللہ او قال اللہ او کتب اللہ واشھد ان لا الہ الا اللہ ای اعلم وأبین وأشھدہ أحضرہ والجاریۃ حاضت وادرکت وأشھد مجھولاً قتل فی سبیل اللہ کاستشھد والمشھدۃ والمشھدۃ محضر الناس وشھود الناقۃ أثار موضع منتجھا من دم أو سلی اھ ملتقطاً من القاموس۔ ناظر دیکھیے۔ شہادت، شہود، شاہد، شہید کے معانی میں حضور غالب ہے۔ ہم ان معانی کو ذیل میں درج کریں شَہِدَ وشھدہ حاضر ہوا۔ شاھد حاضر شھد لزید بکذا زید کے لئے گواہی دی۔ شہادت کیلئے حضور ضروری۔ فقہاء کرام کی عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔ تنویر و در مختار کی عبارتیں عنقریب آتی ہیں۔ شہید شاہد، شہادت میں امانت والا جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا (اسے شہید اس لئے کہتے ہیں کہ ملٰئکۂ رحمت اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں یا اس لئے کہ اللہ اور اسکے فرشتے اس کیلئے جنتی ہونے کے گواہ ہیں یا اسلئے کہ وہ اگلی امتوں پر قیامت کے دن گواہ ہوگا یا اس لئے کہ وہ شاہدہ (زمین) پر گرتا ہے (زمین کو شاہدہ کہا گیا اسلئے کہ وہ قیامت کے دن گواہی دے گی قال تعالےٰ یومئذٍ تحدث أخبارھا اس کے تحت تفسیر عزیزی میں ہے آں روز باوجود شدت زلزلہ وکمال بے تابی و بیقراری سخن گوید زمین از خبرہائے خود یعنی اعمال بنی آدم را اظہار کند و بگوید کہ فلاں کس بر من نماز گذارد و روزہ داشت و کارہائے نیک کرد و فلاں کس خون ناحق کرد و زنا بعمل آورد و دزدی نمود الخ یا اس لئے کہ وہ اللہ کی ملکوت و ملک کا مشاہدہ کرتا ہے شاھدہ عاینہ کسی چیز کا مشاہدہ و معاینہ کرنا امرأۃ مشھد وہ عورت جس کا شوہر حاضر ہو شاھد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام (اسی میں تمہیں نزاع ہے) نیز فرشتہ یوم جمعہ ستارہ۔ گھوڑے کی جودت کی علامت جسے مجازاً "شاہد" کہا گیا۔ جلد ہونے والا کام اسے بھی مجازاً شاہد بمعنی حاضر سے تعبیر کیا گیا گویا وہ جلد ہونے کی وجہ سے حاضر ہی ہے۔ صلوۃ الشاھد مغرب کی نماز۔ المشھود۔ جمعہ یا عرفہ یا قیامت کا دن وأشھدہ۔ کسی کو حاضر کرنا۔ أشھدت الجاریۃ لڑکی کا بلوغ کو پہنچنا۔ المشھدۃ۔ لوگوں کے حاضر ہونے کی جگہ۔ دیکھو ان تمام معانی میں حضور ملحوظ ہے اور یہ معانی لغت میں غالب ہیں تو لاجرم شہود کا حقیقی معنی حضور ٹھہرا اس لئے کہ یہی معنی عند الاطلاق متبادر ہوتے ہیں اور تبادر امارات حقیقت سے ہے جیسا کہ فتح القدیر اور رد المحتار سے مستفاد ہے اور نسمات الأسحار حاشیہ منار للشامی میں ہے۔ التبادر من امارات الحقیقۃ ملتقطاً لہذا کہنے دو کہ شاہداً کا ترجمہ حاضر و ناظر ٹھیک لغوی معنی کے مطابق ہے بلکہ شرعاً بھی یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ اسی لئے قرآن عظیم میں جابجا شہود کے مشتقات بمعنی حضور وارد ہیں۔ فَمَنْ شَہِدَ (حَضَرَ) منکم الشھر الآیۃ جو رمضان کو پائے تو اس مہینے کے روزے رکھے وَلْیَشْھَدْ عذابھما الآیۃ اور زانی مرد و عورت کے کوڑے مارے جانے کو مسلمانوں کی ایک جماعت آکر دیکھے۔ أم کنتم شھداء إذ حضر یعقوب الموت۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی وکنت شھیداً علیھم الآیۃ (رقیباً امنعھم مما یقولون) جلالین میں یعنی عیسیٰ علیہ السلام ان پر نگہبان تھا جب تک ان میں تھا۔ للہ الحمد

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ شہود بمعنی حضور حقیقت لغویہ ہی نہیں بلکہ شرعیہ بھی ہے بلکہ پچھلی آیت نے تو خاص شاھدًا کا فیصلہ کر دیا کہ جب شھیدًا بمعنی نگہبان ٹھہرا اور اس کیلئے حضور ضروری اور وہ اسم فاعل کے معنی میں ہے کما لا یخفی تو شاھدًا بھی بمعنی نگہبان و حاضر ہے۔ یہیں سے ظاہر کہ حاضر شاہد کا اسلامی معنی ہے اور عبادات علماء کرام سے عنقریب مزید ظاہر ہو جائیگا۔ اب ذرا یہ بتائیے کہ آپ کا اسے امام احمد رضا کا ذاتی نظریہ قرار دے کر ان پر کھلی خیانت کا الزام لگانا اور اس کے اسلامی معنی ہونے سے انکار کرنا کس درجہ کی بدترین خیانت ہے جسے آپنے اس کے سر دھرا ہے جس کا دامن بحمدہ ہر خیانت سے پاک ہے یہ تو تمہیں اور تمہارے امام ہی کو مبارک ہو جس نے اپنے گڑھے ہوئے عقاید کے لئے کتنی آیات و احادیث کو جھٹلایا اور اپنے مہاخائن ہونے کا ثبوت دیا۔ آگے آپ یوں گویا ہوئے ہیں" اس ترجمے میں لفظ شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر لکھا ہے جبکہ یہ تمام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے" یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کیا جناب نے تمام تفاسیر دیکھ لی ہیں اگر ایسا ہے تو ڈبل خیانت مبارک ہو کہ جناب نے ان تفسیروں کی عبارتوں کو نظر انداز کر دیا جن سے آپ کا مطلب نہیں نکلتا اور پھر منہ بھر کے یہ جھوٹ بول دیا کہ "یہ تمام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے" تمام مفسرین تو تمام مفسرین کسی ایک معتمد سنی صحیح العقیدہ مفسر کی تفسیر کیخلاف ثابت کر دکھاؤ اور اگر نہیں دیکھیں تو یہ قرآنی فتوے مبارک ہو الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین پھر یہ امر کس قدر دلچسپ ہے کہ آپ نے اپنے دعوی کے ثبوت میں دو ترجمے ترجمہ شاہ رفیع الدین و ترجمہ شاہ عبد القادر پیش کیے ہیں کیا جناب کے نزدیک ترجمہ و تفسیر کا مفہوم ایک ہی ہے اور اس سے زیادہ پر لطف آپ کا یہ کہنا کہ "شاہ صاحب نے بھی شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر نہیں کیا ہے بلکہ گواہ کے مرادف بتانیوالا کرکے یہ سمجھایا ہے کہ نبی اکرم اس معنی میں گواہ ہیں کہ آپ سیدھا راستہ بتاتے ہیں" أوّلاً بتانے والا گواہ کے مرادف ہرگز نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بتلانے والا عام ہے گواہ و غیر گواہ دونوں کو شامل ہے اور گواہ خاص ہے تو یہاں وحدت معنی بکل وجہ متحقق نہیں اور مترادفین میں وحدت معنی من کل وجہ کا اعتبار ہے۔ علامہ عبد الحق خیر آبادی علیہ الرحمہ شرح مرقات میں فرماتے ہیں المعتبر فیھما وحدۃ المعنی من کل وجہ فالمتحدان لا من کل وجہ کالناطق والفصیح لیسا مترادفین مگر شاہ صاحب علیہ الرحمہ چونکہ امام الطایفہ کے بزرگوں میں ہیں اس لئے ان کی بات بنانے کے لئے اپنے مبلغ علم کے مطابق کچھ کہنا ضرور تھا ثانیاً بتانے والا گواہ کے مرادف ہے اس پر کسی مستند کی شہادت اگر نہ لاسکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہرگز نہ لاسکو گے تو یہ سنتے چلو کہ تم تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو مستند تفسیروں کی مخالفت کا الزام دیتے تھے اپنے گھر کی تو خبر لو کہ تمہارے زعم پر تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا دامن بھی اس سے داغدار ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ثالثاً یہ ایک ہی رہی کہ نبی اکرم اس معنی میں گواہ ہیں کہ آپ سیدھا راستہ بتلاتے ہیں" کیوں صاحب گواہ بایں معنی کس لغت میں آپ نے دیکھا۔ آیا کسی عالم کا یہ قول ہے یا بات یہ ہے کہ آپ خود ہی چلتی پھرتی لغت ہیں یا بات یہ ہے کہ گواہ میں جناب نے حضور ضروری سمجھا تو اندھیرے میں یہ دور کی سوجھی کہ کسی طرح سرکار کے حاضر ہونے کا انکار ہو جائے مگر یہ تو بتلایئے کہ جس نے راستہ دیکھا ہی نہ ہو وہ کیا راستہ بتلائے گا۔ ایمان والے تو یہی سمجھتے ہیں کہ سرکار راہ دیدہ منزل شناس ہیں۔ ہاں کوئی کسی اندھے کے پیچھے ہولے کل حزب بما لدیھم فرحون۔ پھر آپ نے بیضاوی و خازن و ابن کثیر و نسفی کے ارشادات کو ذکر کر کے یوں منہ کھولا ہے" مسلمانو سوچو بلند پایہ مفسرین شاہد کے معنی گواہ لے رہے ہیں دوسری آیتوں سے مطابقت بھی اسی معنی کے مراد لینے میں ہے مگر فاضل بریلوی سب کے خلاف محض اپنے غلط عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر کر رہے ہیں" الخ ھذیانہ۔ اقول۔ یہ سارا واویلا بیکار ہے اولاً اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ شاھدًا سے محض گواہ بلا لحاظ معنی دیگر مراد ہے تو تمہیں کیا مفید اور ہمیں کیا مضر۔ اجی گواہ کے لئے بھی تو حضور ضروری۔ فقہاء کرام کے ارشادات دیکھنے کی فرصت نہ ملی ہو تو ہم سے سنو۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے وشرائط التحمل ثلثۃ۔ العقل الکامل وقت التحمل والبصر و معاینۃ المشھود بہ اسی میں ہے ورکنھا لفظ اشھد لا غیر لتضمنہ معنی مشاہدہ۔ رد المحتار میں اس کے تحت ہے وھی الاطلاع علی الشیٔ عیاناً۔ نیز آگے اسی میں ہے ولا یشھد احد بما لم یعاینہ بالاجماع الخ دیکھو یہ عبارتیں تصریح فرما رہی ہیں کہ شہادت میں بینائی اور امر مشہود بہ کو آنکھوں دیکھنا شرط ہے اور صاف بتا رہی ہیں کہ معاینہ مشہود بہ اصل ہے اور اصل سے عدول بے دلیل جائز نہیں۔ اسی لئے اس کا رکن لفظ اشہد ٹھہرا کہ وہ مشاہدہ و معاینہ کو متضمن ہے لاجرم ثابت کہ شاہد و حاضر میں منافات نہیں تو جو شاہد ملنے گا وہ ضرور حاضر مانے گا اور تم نہیں مانتے تو بولو کہ شاھدًا کے منکر ہوئے کہ نہیں ضرور ہوئے تو پھر کس منہ سے بے گناہوں پر مخالفت کی تہمت دھرتے ہو۔ کیا قرآن کو ماننا اسی کا نام رہ گیا ہے کہ نام کو لفظ بولے جاؤ اور معنی کا انکار کیے جاؤ۔ یہیں سے ثابت ہوگیا کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر مفسرین کی مخالفت کا الزام محض بہتان ہے وللہ الحمد۔ ثانیاً تمہاری ہی منقولہ عبارتوں سے ظاہر کہ یہاں شاہدًا علی الناس۔ علی من بعثت الیھم محض گواہ کے معنی میں نہیں اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مؤمن و کافر دونوں کے اعمال کے گواہ ہیں تو باعتبار مؤمنین شاھدًا کا صلہ لھم اور باعتبار کفار کے علیھم ہونا چاہئے اور یہاں علی من بعثت الیھم مطلق فرمایا لاجرم یہاں رقیبًا کے معنی کی تضمین ماننا پڑے گی کہ جس کے لحاظ سے شاھدًا کا علی کے ذریعہ متعدی ہونا صحیح ہو جائے۔ تمہاری ہی مبلغ علم تفسیر بیضاوی

میں ہے۔ وھذہ الشھادۃ وان کانت لھم لکن لما کان الرّسول علیہ السّلام کالرّقیب المھیمن علیھم عدی بعلیٰ اور تفسیر نسفی میں ہے لما کان الشھید کالرّقیب جئ بکلمۃ الاستعلاء کقولہ تعالیٰ کنت انت الرّقیب علیھم۔ دیکھو یہ دونوں علماء صاف بتا رہے ہیں کہ اگرچہ شہادت مؤمنین کے لئے ہے تو صلہ لام ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر رقیب ونگہبان ہیں اسلئے علیٰ سے متعدی کیا گیا لہذا کہنے دو کہ اسی لئے مفسرین کرام نے نگہبانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مطلقاً علیٰ من بعثت الیھم فرمادیا لاجرم علامہ ابوالسعود نے اسی لئے فرمایا ترجمہ:۔ یعنی ہم نے بھیجا گواہ ان لوگوں پر جن کے لئے تجھے نبی بنایا گیا کہ تو ان کی حالتوں پر نگاہ رکھتا اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی تصدیق وتکذیب وہدایت وگمراہی کی شہادت کا حامل ہے اور قیامت کے دن تو اس شہادت کو ادا فرمائے گا بحمدہ تعالیٰ یہاں سے ظاہر ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں اور اپنی امت پر نگہبان ورقیب بھی ہیں اور دونوں وجوہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا ظاہر وباہر وللہ الحمد اسی لئے تفسیر کبیر میں فرمایا ثالثھا انہ شاھد فی الدنیا باحوال الآخرۃ من الجنۃ والنار والصراط والمیزان وشاھد فی الآخرۃ بأحوال الدنیا من الطاعۃ والمعصیۃ والصّلاح والفساد یعنی تیسری توجیہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آخرت کے احوال پر یعنی (جنت ودوزخ وپل صراط ومیزان) حاضر ہیں اور آخرت میں دنیا کے احوال طاعت ومعصیت وصلاح وفساد پر حاضر ہیں۔ دیکھو کیسی صریح عبارتیں ہیں کہ سرکار حاضر وناظر ہیں یہیں سے ظاہر کہ جسے تم اپنی دلیل سمجھے تھے وہ تو ہماری دلیل ہے وللہ المنۃ اب بتائیے جن نصوص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا اثبات ہوا نہیں اس کی نفی کی دلیل بنانا خصم کا مال ہتھیانا ہے نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ پھر اسی کے سر خیانت کا الزام چوری اور سینہ زوری ہی تو ہے۔ کہنے کو تو کہہ دیا مگر یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کسے کسے لپیٹے گا اور سنو علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں أنا فرطکم فأنا شھید کی توجیہ میں فرماتے ہیں۔ أی أشھد علیکم بأعمالکم فکأنی باق معکم یعنی میں تمہارے اعمال کی گواہی دوں گا تو میں تمہارے ساتھ باقی ہوں۔ نیز اسی میں ہے۔ میں ان شہیدوں کے لئے کل گواہی دوں گا یعنی ان کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ انہوں نے اپنی جانیں اللہ کے لئے دیں مطلب یہ ہے کہ میں ان کا نگہبان ہوں کہ ان کے احوال پر نظر رکھتا ہوں اور انہیں معاصی سے بچاتا ہوں۔ نیز اسی میں ہے۔ والشاھد من أسماء صلی اللہ علیہ وسلم لأنہ یشھد للأنبیاء بالتبلیغ ویشھد علیٰ أمتہ ویزکیھم أو ھو بمعنی الشاھد للحال کأنہ الناظر الیھا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شاہد ہے اس لئے کہ وہ قیامت میں انبیاء کے لئے تبلیغ کی گواہی دیں گے اور اپنی امت کے لئے گواہی دینگے اور انہیں عدل (صالح شہادت) فرمائیں گے یا اس معنی کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں۔ بولو کس کس کا عقیدہ غلط بتاؤ گے اور اگر یہ خیانت ہے تو بولو کسے کسے خائن بتاؤ گے اور سنو علامہ اسمٰعیل حقی رومی تفسیر روح البیان میں ویکون الرسول علیکم شہیدًا کے تحت فرماتے ہیں" ومعنی شھادۃ الرّسول علیکم اطلاعہ علیٰ رتبۃ کل متدین بدینہ وحقیقتہ التی ھو علیھا من دینہ وحجابہ الذی ھو محجوب عن کمال دینہ فھو یعرف ذنوبھم وحقیقۃ ایمانھم وأعمالھم وحسناتھم وسیئاتھم واخلاصھم ونفاقھم وغیر ذلک بنور الحق"۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فتح العزیز میں بعینہ یہی فرما رہے ہیں ترجمہ یعنی قیامت میں تمہارے رسول تم پر گواہ ہوں گے اسلئے کہ وہ مطلع ہیں نور نبوت سے اپنے دین سے ہر متدین کے رتبہ پر کہ وہ میرے دین میں کس درجہ پر پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ حجاب جس کی بدولت وہ ترقی سے محجوب رہا کیا ہے تو وہ جانتے ہیں تمہارے گناہوں کو اور تمہارے درجات ایمان کو اور تمہارے اچھے برے اعمال کو اور تمہارے اخلاص ونفاق کو لہذا ان کی شہادت امت کے حق میں دنیا وآخرت میں بحکم شرع مقبول وواجب العمل ہے۔ اب بتاؤ شاہ صاحب کے عقیدہ ودیانت کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ بحمدہ تعالیٰ عبارات علماء کرام سے مسئلہ خوب روشن ہوگیا اور ازانجا کہ کسی عبارت میں خلاف کی حکایت نہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے درمیان اجتماعی ہے ہم نے جو عبارتیں لکھیں وہ معترض کی عبارتوں کے علاوہ ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ ہم نے ثابت کیا کہ وہ تمام عبارتیں ہمارے مدعیٰ کی واضح دلیل ہیں۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ معترض ایسے مسئلہ میں خلاف کرتا ہے اور بے گناہ پر خیانت اور جمہور کے عقیدہ کی مخالفت کا الزام دھرتا ہے اور خود ہی فیصلہ کرلیں کہ یہ الزام کس کے سر ہے رہی یہ بات کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اگر اس میں اب بھی معترض کو شک باقی ہے تو شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی یہ شہادت بھی سنتا چلے۔ وہ اقرب السبل میں فرماتے ہیں۔ وباچندیں اختلافات وکثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبۂ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی است وبر اعمال امت حاضر وناظر وبر طالبان حقیقت راو متوجہان آنحضرت را مفیض ومربی است۔ اب آنکھوں کی پٹی اتار کر بغور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو کہ یہ شیخ محقق کیسا صاف تحریر فرما رہے ہیں کہ اس میں کسی کو خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات حقیقی کے ساتھ جس میں نہ مجاز کا شائبہ نہ تاویل کا وہم دائم وباقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر ہیں کہ ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور طالبان حقیقت اور متوجہان درگاہ کیلئے فیض رساں ومربی ہیں۔ مگر تم نے بعید

نہیں کہ تم یہ سب دیکھ کر بھی اندھے ہو جاؤ کہ آخر تمہارا امام الطائفہ تقویت الایمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جھوٹ دھر چکا "یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" ص۵۵ خیانت اسے کہتے ہیں کہ احادیث وارشادات علماء کو ہضم کر کے یہ کہا اور اسے جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اچھا۔ اگر حاضر و ناظر تمہاری جڑ ہے تو یہی سہی۔ تمہاری ہی منقولہ عبارت اخیرہ میں یہ فقرہ وارد ہے وقیل شاھد علی الخلق اور کہا گیا کہ خلق پر حاضر ہیں۔ اس فقرہ کے بارے میں کچھ اور سہی۔ دل اعداء کو رضا تیز نمک کی دھن ہے اک ذرا اور چھڑکتا ہے خامہ تیرا۔ سگ رضا انہیں سے اکتساب فیض کر کے کہتا ہے۔ أولاً۔ فقرہ جناب کے نزدیک لائق استناد ہے کہ نہیں ثانیاً مستند ہے تو سبحان اللہ بچشم ما روشن ودل ما شاد اور مستند نہیں ہے تو کیوں جبکہ آپ یہ تمام عبارتیں اس دعویٰ پر لائے ہیں کہ آیت میں شاھداً بمعنی گواہ وارد ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنی لیاقت علمی سے جناب نے گواہ کو حاضر کے منافی سمجھ لیا اور آپ تو نمین نظر کا تقت جملہ اس معنی پر کر دیا ثالثاً مستند ہونے کی تقدیر پر یہ بتاتے چلو کہ مخلوق پر سرکار کے شاہد ہونے کے کیا معنی ہیں رابعاً حاضر تو چڑ ہے تو لامحالہ گواہ کہو گے اور مخلوق پر گواہ ہونے کے کیا معنی ہیں نا کہ سرکار گواہ ہیں کہ ہر شئے سرکار کی رسالت کا اقرار کرتی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت اور گواہ میں حضور اصل اور اصل سے بے دلیل عدول ناجائز تو اب مخلوق پر گواہ ماننے سے لامحالہ حاضر علی الخلق ماننا لازم۔ اب بتایئے کہ جس سے بھاگے وہیں پلٹے کہ نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں الفرار علی ما منہ الفرار وللہ الحمد والمنۃ علی اتمام الحجۃ واکمال النعمۃ۔ خامساً عجب نہیں کہ اصل سے عدول کر جائیں اور یوں منہ کھولیں کہ حضور کوئی ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سرکار دور ہی سے سن لیں یا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے آپ شاہد ہوں۔ میں کہوں گا کہ دور ہی سے سن لینے کی ٹھہراؤ گے تو وہ دیکھو سر پر تقویت الایمانی شرک سوار ہوتا ہے "جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا اس واسطے کہ ان سے کوئی حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروا لی ہے سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں جبھی ان کو اس طرح سے پکارا" اور حضور کی نفی جب بھی نہ ہو گی کہ دور سے سننے کے لئے لامحالہ روح کا اتصال ضروری اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت اور روحانیت سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں رہی دوسری شق یعنی اعلام الٰہی سے شاہد ہونا أقول حاضر کر دینا بھی تو اعلام الٰہی کی ایک شکل ہے تو اعلام الٰہی کو اس حضور کے ماسوا میں حصر کرنا کیا معنی حالانکہ شاہد ہونے کے لئے حاضر ہونا اصل ہے

سادساً کوئی دور نہیں کہ کہہ بیٹھو کہ یہ قول ہمارا مستند کیوں ہو کہ اسے (قیل) سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہوتا ہے أقول۔ یہ کوئی کلیہ نہیں کہ جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہی ہو بعض مرتبہ عدم شہرت کی بنا پر قیل کہہ دیتے ہیں حالانکہ قول ضعیف نہیں ہوتا جلالین آیت کریمہ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ الآیۃ کے معنی یہ بتائے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہرگز نہ فرمائے گا تو وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکائے اور اسے اپنی گردن میں باندھ کر خود کو پھانسی دے لے اس پر صاوی نے فرمایا ترجمہ: یعنی پہلا طریقہ آیت کی تفسیر میں مشہور ہے اسی لئے مفسر اسی پر چلے اور کہا گیا ہے کہ جسے گمان ہو کہ اللہ ہرگز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ فرمائے گا تو کوئی تدبیر کرے کہ آسمان تک پہنچ جائے پھر ان سے نصرت کو بند کر دے اور دیکھے کیا اس کی تدبیر اس کے غیظ کو دور کر دے گی۔ کسی عاقل کے نزدیک یہ تفسیر ضعیف نہیں بلکہ بہت مناسب ہے اسی لئے علامہ صاوی نے صرف یہی اشارہ کیا کہ یہ معنی مشہور نہیں ہیں اور اسے ضعیف نہیں بتایا اور کبھی قول احسن کو بھی قیل سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اسی صاوی میں ہے۔ قولہ (زائدۃ) الحاصل أن من الأولی ابتدائیۃ والثانیۃ فیھا ثلثۃ أوجہ قیل زائدۃ وقیل ابتدائیۃ وقیل تبعیضیۃ وھو الأحسن۔ دیکھو یہاں اقوال مختلفہ کو قیل سے تعبیر کیا اور قول آخر کو احسن بتایا جس سے صاف ظاہر کہ اس کا مقابل قول ضعیف نہیں اس لئے کہ أحسن کا مقابل حَسَن ہوتا ہے نہ کہ ضعیف۔ معلوم ہوا کہ یہ کلیہ نہیں کہ جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہو۔ تو محض بلادلیل قیل سے تمسک کر کے اس قول کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ اور وہ کیوں کر ضعیف ہو گا جب کہ اجلۂ علماء یہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے ہر شئے میں جلوہ گر اور اپنی روحانیت مقدسہ سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ علامہ صاوی وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یحتمل أن المراد بالسراج الشمس وھو ظاھر ویحتمل أن المراد بہ المصباح وحینئذ یقال انما شبہ بالسراج ولم یشبہ بالشمس مع ان نورھا اتم لان السراج یسھل اقتباس الأنوار منہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم یقتبس منہ الأنوار الحسیۃ والمعنویۃ۔ یعنی احتمال ہے کہ سراج سے مراد آفتاب ہو اور یہ ظاہر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد چراغ ہو۔ اس وقت یہ کہا جائے گا کہ سراج سے تشبیہ دی اور آفتاب سے نہ دی حالانکہ اس کا نور اتم ہے اس لئے کہ چراغ سے انوار لینا آسان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انوار حسی ومعنوی لئے جاتے ہیں، علامہ علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔ ترجمہ:۔ یعنی چمکتا آفتاب اس میں یہ عظیم تنبیہ ہے کہ سورج انوار حسیہ میں سب سے بلند ہے اور تمام اس سے مستفیض ہیں اسی طرح نبی علیہ السلام سب انوار معنویہ سے افضل

ہیں اور باقی انسے مستفید ہیں اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل کا واسطہ اور دائرۂ کائنات کے مرکز ہونے کا حکم رکھتے ہیں جیسا کہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری (اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) سے مستفاد ہے۔ شفا و مطالع المسرات میں کعب احبار وسعید بن جبیر وسہل بن عبد اللہ تستری سے مروی کہ مثل نورہ الخ میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں واللفظ للمطالع قال کعب وابن جبیر وسهل بن عبد الله المراد بالنور الثانی هو محمد صلی الله علیه وسلم فقوله تعالیٰ مثل نوره أی نور محمد صلی الله علیه وسلم وحقيقة النور هو الظاهر بنفسه المظهر لغیره۔ یعنی اللہ کے قول مثل نورہ کا معنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مثال الخ اور نور کی حقیقت یہ ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ اسی مطالع المسرات میں ہے ترجمہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہی سے تمام انوار خواہ آپ کی صورت ظاہری سے سابق ہوں یا اس سے لاحق ہوں لئے گئے بغیر مانع و بے حجاب و بے کلفت اور جتنا بھی حضور کے نور اقتباس کیا جائے استمداد ناپید نہ ہوگی بلکہ وہ تو ہر سابق و لاحق میں وہ فضل کے چراغ ہیں تو ہر ضیا ان کی ضیا سے صادر ہوتی ہے۔ نیز شرح شفا ملا علی قاری میں ہے وَقد انكشف به الحقائق الالٰهية والأسرار الأحدية والأسرار الصمدية وبه اشرقت الكائنات، وخرجت عن حيّز الظلمات۔ یعنی حضور کے دم سے حقایق الٰہیہ و اسرار ربانیہ و رموز صمدانیہ ظاہر ہوئے اور انھیں کے نور سے کائنات روشن ہوئی اور عدم کی ظلمتوں سے نکلی۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ یہ عبارات علماء کرام صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرے ذرے میں ساری و جاری ہے اور اس کی ادنیٰ مثال محسوسات میں آفتاب ہے کہ وہ تمام اجرام نیرہ میں اعلیٰ ہے اور چاند ستارے سب اسی سے روشن ہوتے ہیں سب میں اسی کا نور جاری ہے اور اسی کی روشنی متعدد جگہ بیک وقت حاضر ہو جاتی ہے۔ پھر اس ذات مقدسہ کے حاضر و ناظر ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے جس کے نور معنوی سے نہ صرف سورج بلکہ کائنات ظاہر ہوئی کیا ان بصیرت کے اندھوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج سے بھی کم ہیں یا سورج ان کے نزدیک خدا ہے۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم بھلا جس کے نور سے کائنات پیدا ہو اور جس کا نور سارے جہاں میں جلوہ گر ہو اسے روح کائنات کے سوا اور کیا کہا جائے اسی لئے تو اس کے اسماء طیبہ میں روح الحق وارد ہوا۔ اس پر امام علام محمد بن مہدی بن احمد بن علی بن یوسف فاسی کا کلام سننے کے قابل ہے۔ وروحه صلی الله علیه وسلم هو انسان عين الأرواح وأبوها واس وجودها وأول صادر عن الله عز وجل وايضاً هو صلی الله عليه وسلم روح الله الموضوع فی الوجود الذی به قوامه و تبائنه ولولاه لاضمحل وذهب۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تمام روحوں کی آنکھ کی پتلی اور ان کی اصل اور ان کے وجود کی بنیاد اور اللہ کی پہلی مخلوق ہے اور نیز حضور علیہ السلام اللہ کی روح ہیں جو وجود میں وضع کی گئی ہے جس سے اس کی بقا ہے اگر حضور نہ ہوں تو عالم فنا ہو جائے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

بھلا جب وہ کائنات کی روح ٹھہرے اور قالب کی زندگی کے لئے روح کا تن میں حاضر ہونا ضروری تو لا محالہ وہ ضرور حاضر و ناظر ہیں بلکہ افراد ممکنات میں ان کی حقیقت جاری و ساری ہے جیسا کہ عنقریب شیخ محقق کی شہادت اس پر گذریگی تو اب کوئی پاگل ہی کہے گا کہ مرے جسم میں میری جان نہیں۔ علماء کرام شارع علیہ السلام کے امین ہیں۔ میزان شعرانی میں ہے۔ العلماء أمناء الشارع اور یہ ظاہر کہ ان ارشادات میں رائے کو دخل نہیں تو لاجرم یہ ارشادات اقوال صحابہ کا مفاد ہوئے۔ اور اصول حدیث میں مقرر ہوا کہ صحابی کا وہ قول جس میں رائے کو دخل نہ ہو وہ حدیث مرفوع (حدیث رسول) کے حکم میں ہے۔ اب ایک صحابی جلیل کی تصریح بھی سنتے چلئے۔ حضرت عباس بن عبد المطلب عم رسول اللہ علیہ السلام نے حضور کی مدح میں آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھے۔

مِنْ قبلها طبت في الظلال — وَفي مستودع حيث يخصف الورق

ثم هبطت البلاد لا بشر — أنت وَلا مضغة وَلا علق

بَلْ نُطفة تركب السفين وَقد — ألجم نسراً وَأهله الغرق

تنقل من صالب إلى رحم — إذا مضىٰ عالم بدا طبق

وَ أنت لما ولدت أشرقت — الأرض وَنارت بنورك الأفق

فنحن في ذلك الضياء — وَفي النور وفي سبل الرشاد نخترق

یعنی حضور آپ دنیا سے پہلے جنت کے سایوں میں اور صلب آدم میں طیب و طاہر تھے۔ پھر حضور دنیا میں آئے۔ اسوقت حضور نہ بشر تھے نہ مضغۂ گوشت نہ جما ہوا خون بلکہ صلب نوح علیہ السلام میں نطفہ تھے جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار ہوا جبکہ نسر صنم اور اس کے پجاریوں کو طوفان نے گھیر لیا تھا۔ حضور آپ منتقل ہوتے رہے صلب سے رحم میں۔ جب ایک نسل گذرتی دوسری ظاہر ہوتی اور جب آپ پیدا ہوئے زمین آپ کے نور سے جگمگا اٹھی اور آسمان منور ہو گئے۔ تو ہم اسی ضیا اور اسی نور اور رشد و ہدایت کے رستے میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ ارشاد دو وجہ سے حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تو یہی کہ اس میں رائے کو دخل نہیں اور صحابی کا ایسا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ اشعار حضور کے سامنے حضور کی اجازت سے پڑھے گئے۔ شرح شفا میں ہے ترجمہ یعنی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان شعروں کو ابوبکر شافعی اور طبرانی نے روایت کیا۔ خریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ تو میں ان کے حضور میں آیا جب حضور علیہ السلام تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ میں اسلام لایا اور میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کہ کہتے سنا یا رسول اللہ میں حضور کی مدح سرائی کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہو اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔ معلوم ہوا کہ یہ اشعار حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھے گئے اور جو قول و فعل حضور کے عہد مبارک میں ہو پھر حضور اسے مقرر رکھیں وہ محدثین کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حدیث قرار پاتا ہے کما صرح به فی اصول الحدیث تو لاجرم یہ ارشاد عباسی حدیث نبوی ہوا جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہی نور دنیا سے پہلے جنت میں تھا پھر اسی نور کا لمعہ اپنے آباء کرام و امہات عظام کے اصلاب و ارحام میں چمکا اور اسی نور کے جلووں نے آسمان و زمین کو جگمگایا بحمدہ تعالےٰ اب تو حضور علیہ السلام کی حدیث تقریری سے ثابت ہوگیا کہ سرکار اپنی روحانیت سے حاضر و ناظر اور اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر ہیں۔ تم تو امام احمد رضا کو خیانت کا الزام دیتے تھے اب بتاؤ یہ دریدہ دہنی کہاں تک پہنچی۔ مگر کوئی عجب نہیں کہ تمہارے امام کا شرک بھی تمہارے الزام کی طرح خدا و رسول کو بھی نہیں چھوڑتا چنانچہ ہم اس کی مثالیں دے چکے اجی آپ کہاں ہیں۔ حضور کی روحانیت مقدسہ تو اس مقام کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے جسے شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر ائمۂ اعلام مرتبہ جمع و فرق سے تعبیر کرتے ہیں۔ شیخ محقق مدارج النبوۃ میں فرمایا۔ "و انشراح صدر مقامیست عالی کہ بتمام و کمال جز در ذات با برکات آنحضرت سید السادات علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات وجود و ثبوت ندارد و کمل اولیاء را نیز از ارباب تمکین بقدر ادراک بہ شرف متابعت وے نصیبہ ازاں حاصل است و ازینجا گفتہ اند کہ الصوفی کائن بائن نہ از فرق در جمع ایشاں خللے چنانکہ محجوبان را باشد و نہ جمع را بر فرق غلبہ چنانکہ مجذوباں را بود اھ یعنی شرح صدر وہ مقام عالی ہے کہ یہ تمام و کمال حضور ہی کی ذات میں موجود ہے اور اولیاء کاملین ارباب تمکین کو بھی حضور کے شرف پیروی سے اس مرتبہ سے بہرہ حاصل ہے اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ صوفی شامل بہ خلق و اصل بہ خالق ہوتا ہے نہ ان کے شمول سے ان کے وصول میں خلل ہو جیسا کہ محروموں کے لئے ہوتا ہے نہ وصول کو شمول پر غلبہ جیسا کہ مجذوبوں کے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ سرکار بوجہ اتم و اکمل بارگاہ الہی میں حضور سے موصوف ہیں اور حضور کی روح پاک مخلوق میں بھی حاضر ہے۔ ہم اس قول کی تائید میں شفا سے حدیث ذکر کریں وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کانت روحہ نورًا بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم بالفی عام یسبح ذلک النور و تسبح الملئکۃ بتسبیحہ الخ یعنی حضرت ابن عباس سے مروی کہ حضور علیہ السلام کی روح اللہ کے حضرت قربت میں نور تھی آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے یہ نور تسبیح کرتا اور ملئکہ اس کیساتھ تسبیح کرتے۔ اسی لئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو امام حضرۃ اللہ کہا گیا۔ عارف جزولی نے دلائل الخیرات میں فرمایا و امام حضرتک یعنی درود بھیج اے اللہ اپنی بارگاہ کے امام پر۔ اسپر علامہ فاسی مطالع المسرات میں فرماتے ہیں (و امام حضرتک) الذی هو المقتدی به و المتمسک به باسبابه فی الوصول الی محل قربک و مشاهدتک و الحضرة ماخوذة من الحضور و الاضافة علی معنی فی کامام المسجد الخ" یعنی جو تیرے محل قرب و مشاہدہ تک پہنچنے کے لئے مقتدا ہیں اور جن کا دامن پکڑا جاتا ہے اور حضرت ماخوذ ہے حضور سے اور اضافت بمعنی "فی" ہے جیسے امام المسجد میں" نیز علامہ نسفی فرماتے ہیں وَسراجًا وجهة ظاهرة لحضرتنا۔ یعنی ہم نے تجھے اپنی بارگاہ کا چراغ چمکتا اور رہنما بنا کر بھیجا۔ بحمداللہ اتو علامۂ نسفی کی ارشاد فرمائی ہوئی اس وجہ پر آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہوا کہ وہ روح پرفتوح حاضر بارگاہ الہی ہے اور اس بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کی امام و پیشوا ہے۔ حدیث ابن عباس میں گذرا کہ حضور کی روح حضرت الہی میں نور تھی جو نور تسبیح کرتا اور ملئکہ اس کی تسبیح پر تسبیح کرتے اور ملا علی قاری کے کلام میں حدیث گذری أوّل ما خلق اللہ نوری اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا تو لاجرم حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وجہ پر "امام حضرۃ اللہ" ہوئے اور قرآن اپنی جمیع وجوہ پر حجت ہے۔ تو جب سرکار سب کے حق میں سراج حضرۃ اللہ و امام حضرۃ اللہ باذن اللہ ٹھہرے تو ضرور عالم ارواح کے شاہد و رقیب و مربی و نقیب ہوئے اور جب عالم ارواح کے مربی ہوئے تو بالضرورۃ عالم اجساد و اشباح کے بھی مربی قرار پائے۔ اسی لئے تو ان کے حق میں فرمایا گیا وَما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ہم نے تمہیں سب جہانوں کی رحمت بنا کر بھیجا۔ اس معنی پر سرکار کے معجزات شاہد ہیں۔ لاجرم اسی لئے شیخ محقق جو معترض کے بھی مستند ہیں فرماتے ہیں۔ "ہمچنانکہ احادیث در تکثیر آب قلیل کثیر آمدہ در تکثیر طعام یسیر نیز کثیر است و ایں ہر دو اثر تربیت و ولی نعمی آں سید کائنات است کہ ہمچنانکہ بحسب روحانیت مربی و مکمل قلوب و ارواح است در عالم جسمانیت نیز پرورندہ و خورش دہندہ ابدان و اشباح است اھ مدارج النبوۃ یعنی جس طرح کہ تھوڑے سے پانی کی افزائش کے بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں اسی طرح تھوڑے کھانے کو بڑھانے کی حدیثیں بہت ہیں اور یہ دونوں اُس سید کائنات کی تربیت کا اثر ہیں کہ جو روحانیت کے اعتبار سے قلوب و ارواح کے مربی ہیں اور عالم جسمانیت میں اجساد و اشباح کے پالنے پڑھانے والے بھی ہیں۔ اور جو عالم ارواح و اشباح کا مربی ہو بھلا وہ شاھد علی الخلق کیوں نہ ہوگا۔ کہئے اب بھی اس قول کے ضعف پر جمئے گا اور جب شاھدًا اے اور سراجًا منیرًا اے بحمداللہ سرکار عالی مدار علیہ التحیۃ والثناء کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو لیا تو اب بتائیے کہ خدا کو معاذاللہ کیا کیا الزام نہ دیجئے گا، نے فرو عت محکم آمد نے اصول شرم بادت از خدا و از رسول۔ اجی یہ تو کہو کہ محمود حسن دیوبندی کو کیا کہو گے جو گنگوہی کے بارے میں کہہ گئے ع خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے۔ حدیث میں آیا إن اللہ لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر۔ اللہ تعالے اس دین کی تائید فاجر مرد سے بھی فرماتا ہے۔ یہ مرے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ جسے تم شرک کہتے ہو

تمہارے اکابر کے منہ سے اپنوں کے حق میں وہی کہلوا کے ظاہر فرمادیا کہ حق وہی ہے جسے یہ چھپا رہے ہیں اور باطل وہی ہے جسے یہ گا رہے ہیں بلکہ خود تم سے شاھدً اعلی الخلق لکھوا لیا۔ اب تم اپنے ہی لکھے کو رد کرکے اپنے آپ کو جھٹلاؤ تو جھٹلاؤ۔ کذلک العذاب ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔ اب ہم سرکار کے حاضر بارگاہ ہونے پر نیز ان کی حقیقت کے جاری و ساری ہونے پر میزان و مدارج النبوۃ اشعۃ اللمعات کی عبارتیں مزید وضاحت کے لئے لکھیں وبہ التوفیق۔ میزان میں سیدی علی خواص سے افادہ فرمایا کہ التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم اس لئے ہوا کہ غافلوں کو اللہ متنبہ فرمادے کہ ان کا نبی حضرت الٰہی میں حاضر ہے وہ حضرت الٰہیہ سے کبھی جدا نہیں ہوتا تو وہ بالمشافہ اسے سلام سے مخاطب کریں۔ میزان کی عبارت یہ ہے۔ وسمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ یقول انما اَمر الشارع المصلی بالصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینبہ الغافلین علیٰ شھود بینھم فی تلک الحضرۃ فانہ لایفارق حضرۃ اللہ تعالیٰ ابداً فیخاطبونہ بالسلام مشافھۃ اھ مدارج النبوۃ میں فرمایا ودر بعضی کلام بعضی عرفا واقع شدہ کہ خطاب از مصلی بملاحظ روح مقدس وسریان وے در ذراری موجودات خصوصاً در ارواح مصلین است وبالجملہ دریں حالت از شہود وجود وحضور از آنحضرت غافل و ذاہل نہ باید بود بامید ورود فیوض از روح پر فتوح وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اھ اشعۃ اللمعات میں قدرے تفصیل کے ساتھ فرمایا۔ ونیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں احوال بیشتر وقوی تر است وبعضی از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد اھ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مؤمنوں کے نصب العین اور عابدوں کے قرۃ العین ہیں تمام احوال و اوقات خصوصاً حالت نماز میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت وانکشاف ان احوال میں بیشتر وقوی تر ہوتے ہیں اور بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ خطاب یعنی (السلام علیک الخ) حقیقت محمدیہ کے ذرات موجودات وافراد ممکنات میں ساری ہونے کی وجہ سے ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں حاضر ہیں تو مصلی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس کے مشاہدے سے کبھی غافل نہ ہو تاکہ اسرار قرب وانوار معرفت سے متنور وفائز ہو۔ نیز شیخ محقق نے تحصیل البرکات میں یہی مضمون افادہ فرمایا ہے، فلیر اجع۔ یہی وجہ ہے کہ درمختار وعالمگیری ومراقی الفلاح میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ نمازی الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا قصد کرے گویا کہ وہ اللہ کو تحیت کر رہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر رہا ہے اور خود پر اور

اولیاء پر سلام بھیج رہا ہے ترجمہ! یعنی الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا قصد کرے کہ بطور انشاء یہی اس کی مراد ہوں گویا کہ وہ اللہ کو تحیت کرتا ہے اور اپنے نبی پر اور خود پر اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے نہ کہ اس کی خبر دینے کا قصد کرے (یعنی اس واقعہ کی خبر وحکایت کا قصد نہ کرے جو معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے واقع ہوا ردالمحتار) اسے ذکر کیا مجتبی میں اور ظاہر اس کا یہ ہے (علینا) کی ضمیر حاضرین کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت نہیں ہے اھ ترجمہ درمختار، نیز مسلک متوسط علامہ رحمۃ اللہ سندی ومنسک متقسط ملا علی قاری میں ہے ترجمہ! یعنی زائر مدینہ پاک میں داخل ہونے کے وقت سے روضۂ پاک میں پہنچنے تک اپنے ظاہر وباطن سے متواضع رہے اور اس شہر کی حرمت کی تعظیم کرے اور اس میں جلوہ گر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وہیبت سے مملو ہو اور ان کی عظمت کا لحاظ رکھے گویا کہ وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے مقام مراقبہ ومرتبۂ مشاہدہ میں دیکھ رہے ہیں نیز اسی میں ہے (متمثلاً صورتہ الکریمۃ فی خیالک مستشعراً بانہ علیہ الصلاۃ والسلام عالم بحضورک وقیامک وسلامک) أی بل بجمیع افعالک وأحوالک ومقامک وارتحالک وکانہ حاضر جالس بازائک یعنی اے زائر حضور کی بارگاہ میں یوں کھڑا ہو کہ ان کی صورت کریمہ تیرے خیال میں جمی ہو اور تو یہ سمجھ رہا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے سلام وقیام کو دیکھ رہے ہیں سن رہے ہیں بلکہ وہ تیرے تمام افعال واحوال و اقامت ورحلت کو دیکھ رہے ہیں اور وہ تیرے سامنے جلوہ افروز ہیں۔ ہم نے عالم کا ترجمہ "دیکھ رہے ہیں" کیا اسلئے کہ علم یہاں علم مشاہدہ ہے اور اس پر قرینہ فقرۂ سابقہ ہے کانہ یراہ گویا کہ وہ اسے دیکھ رہے ہیں اور کانہ حاضر الخ ہے کما لایخفی اب کلام اس طرف منجر ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت بیداری میں جائز ہے کہ نہیں فأقول ہاں بے شک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت جسطرح خواب میں ہوتی ہے اسی طرح بیداری میں ممکن بلکہ واقع ہے اور علماء کی ایک جماعت کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جاگتے میں دیکھنا اور بعض مشکلات کے بارے میں ان سے سوال اور ان کی کشود کے طریقے دریافت کرنا اور احادیث کی تصحیح کرنا ثابت ہے۔ بلکہ عرفاء کی ایک جماعت تو فرماتی ہے کہ اگر ایک لمحہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہم سے محجوب ہو جائے ہم اپنے کو مسلمانوں میں نہ گنیں۔ المعتقد علامہ فضل رسول میں شرح منظومۂ بحرے نقل کیا ترجمہ! یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت بیداری میں بالاتفاق ممکن ہے اور واقع ہے۔ اسلئے کہ ابن ابی جمرہ نے ایک جماعت سے ذکر کیا کہ انہوں نے اسی پر محمول کیا ہے اس روایت کو کہ جسنے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے بیداری میں دیکھیگا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پھر جاگتے میں دیکھا اور انہوں نے بعض اشیاء سے اپنی تشویش کے بارے میں حضور سے عرض کیا تو حضور نے انہیں ان کی کشود کے طریقے بتائے تو ویسا ہی

نہ کم نہ زیادہ۔ شارح بحر نے کہا کہ اس امر کا منکر اگر کرامات اولیاء کو جھٹلانے والا ہے تو اس سے بحث نہیں اسلئے کہ وہ اسے جھٹلاتا ہے جسے سنت نے ثابت فرمایا اور اگر کرامات اولیاء کو مانتا ہے تو یہ رویت بھی اسی سے ہے۔ اس لئے کہ ان کے لئے خلاف عادت عالم علوی وسفلی میں بہت سی اشیاء سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ مدارج النبوۃ میں شیخ محقق نے من رآنی فے المنام فیسرانی فی الیقظۃ کی توجیہات میں ایک توجیہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ بشارت بعض مقربان درگاہ و سالکان راہ کے لئے ہو جو گاہ و بیگاہ نعمت دیدار سے مشرف ہوتے ہیں حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جاگتے میں بھی اس سعادت سے بھی بہرہ مند ہوتے ہیں وَھذا الفتۃُ" وتواند کہ ایں بشارت باشد بعضے مستعدان و مقربان درگاہ و سالکان راہ راکہ گاہ و بیگاہ بایں نعمت مشرف شدہ اند حال بجائے رسد کہ در یقظہ نیز بایں سعادت مشرف شوند۔ پھر آخر میں اس بحث کا (کہ آیا یہ رؤیت عینیت حس و غلبۂ حال و بیخودی میں ہوتی ہے اور دیکھنے والے اس کو بیداری گمان کرتے ہیں (یا حقیقۃ بیداری میں ہوتی ہے) تصفیہ فرماتے ہوئے فرمادیا وبالجملہ دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد از موت مثال است چنانکہ در نوم مرئی می شود در یقظہ نیز می نماید و آں شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہماں متمثل می گردد در یک آن متصور بصور متعددہ عوام را در منام و خواص را در یقظہ الخ یعنی بالجملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بعد وصال مثالی ہے جس طرح سوتے میں نظر آتی ہے جاگتے میں بھی جلوہ فرما ہوتی ہے اور وہ شخص شریف جو مدینے میں قبر میں زندہ و آسودہ ہے وہی ایک آن میں متعدد صورتوں کے ساتھ متمثل ہو جاتا ہے عوام کے لئے سوتے میں اور خواص کے لئے جاگتے میں۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ شیخ محقق نے کتنا صاف فرمایا کہ وہ روح پاک آن واحد میں عوام و خواص سب کے لئے خواب و بیداری میں حاضر ہو جاتی ہے۔ بحمدہ تعالیٰ شیخ نے جو معترض کے بھی مستند ہیں ہمارے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ نیز اسی مدارج النبوۃ میں فرمایا "وبسیارے از محدثین تصحیح احادیث کہ مروی است از حضرت دے نمودہ و عرض کردہ یا رسول اللہ فلاں ایں حدیث از حضرت تو روایت کردہ است پس فرمود آنحضرت نعم اَو لا در رویت کہ در یقظہ است بعضے مشائخ نیز ہم چنیں استفادۂ علوم نمودہ اند واللہ اعلم یعنی بہت سے محدثین نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ان احادیث کی تصحیح کی جو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں اور عرض کیا یا رسول اللہ فلاں نے آپ سے یہ حدیث روایت کی ہے تو حضور نے ہاں یا نہ فرمایا یہ سب کچھ اس روئیت میں جو جاگتے میں انہیں نصیب ہوئی۔ بعض مشائخ نے بھی اسی طرح حضور سے علوم کا استفادہ فرمایا ہے۔ نیز میزان شعرانی میں ہے۔ وقد بلغنا عن الشیخ أبی الحسن الشاذلی وتلمیذہ الشیخ أبی العباس المرسی وغیرھما أنھم کانوا یقولون لو حجبت عنا رؤیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرفۃ عین ما عددنا أنفسنا من جملۃ المسلمین الخ۔

یعنی ہمیں شیخ ابوالحسن شاذلی اور ان کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی وغیرہما سے خبر پہنچی کہ وہ کہتے تھے کہ اگر ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روئیت پلک جھپکنے بھر کو محجوب ہو جائے ہم خود کو مسلمانوں میں نہ شمار کریں۔ دیکھو کیسی تصریح ہے کہ بعض اللہ والے انہیں ہر جگہ حاضر و ناظر دیکھتے ہیں۔ وللہ الحجۃ الباہرۃ۔ اس مقام پر اگر اسمعیل دہلوی کی صراط مستقیم کی شہادت نہ دوں تو مزہ ہی کیا۔ الفضل ما شھدت بہ الأعداء۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ پھر سنو۔ وہ اپنے پیروں کیلئے کیا گا رہی ہے۔" بالجملہ ائمۂ ایں طریق و اکابر ایں فریق در زمرۂ ملئکۂ مدبرات الامر کہ در تدبیر امور از جانب ملاء اعلی ملہم شدہ در اجرائے آں می کوشند پس احوال ایں کرام بر احوال ملئکۂ عظام قیاس باید کرد۔ دیکھو کیسا صاف کہہ رہی ہے اور بیکدست میاں اسمٰعیل اور تمام وہابیہ کے منھ پر طمانچہ مار رہی ہے کہ میاں تم کیسے رسول اللہ کو حاضر و ناظر نہیں مانتے جب کہ تمہارے پیروں کی یہ حالت ہے کہ وہ ملئکہ کی طرح مدبر عالم ہیں۔ ارے جب وہ مثل ملئکہ ٹھہرے اور ملئکہ اپنے امور کی تدبیر کے لئے متعدد جگہ حاضر ہو جاتے ہیں تو وہ بھی ضرور ان کی طرح حاضر ٹھہرے۔ پھر یہ کیسا دھرم ہے کہ امتی کے لئے یہ فضیلت مانو اور نبی کے لئے شرک گاؤ ولاحول ولا قوۃ إلّا باللہ العلی العظیم۔

فقیر عاجز صراط مستقیم کی عبارت لکھنے کے بعد یہ قصد ہی کر رہا تھا کہ اب معترض کی باقی موشگافیوں کی خبر لی جائے کہ اچانک حاشیۂ نور الایضاح مصنفہ اعزاز علی مدرس دار العلوم دیوبند کی ورق گردانی کرتے ہوئے ان کی اس عبارت پر نظر پڑ گئی۔ لکھتے ہیں قولہ (حجب) فمثلہ صلے اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ کمثل شمع فی حجرۃ أغلق بابھا فھو مستور عمن ھو خارج الحجرۃ ولکن نورہ کما کان بل أزید ولھذا حرم نکاح أزواجہ بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یجری احکام المیراث فیما ترکہ لأنھما من احکام الموت اھ حاشیۂ نور الایضاح صفحہ ۱۴۱ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال بعد وصال ایک شمع کی ہے جو کمرہ میں ہو اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے مستور ہیں جو حجرہ شریفہ کے باہر ہیں لیکن ان کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح حضور کے بعد حرام ہوا اور آپ کے مال میں میراث کے احکام جاری نہ ہوئے اسلئے کہ یہ دونوں تو احکام موت سے ہیں۔ دیکھو کیسی کھلی تصریح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرقد انور میں جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے۔ یہی تو ہمارا دعوی ہے کہ اس نور کا ظہور جیسے کل تھا ویسے آج بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر ہیں وللہ الحجۃ السامیۃ۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ الفضل ما شھدت بہ الأعداء۔ کوئی دور نہیں کہ معترض کو یہ شبہ گذرے کہ اعزاز علی کی عبارت سے

ہمارا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال ایک شمع سے دی جو حجرہ میں بند ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہر جگہ ظاہر کیوں ہوگا بلکہ وہ تو اسی حجرۂ شریفہ میں بند ہوگیا۔ یہ شبہ معترض ہی کی عقل کے لائق وشایان۔ أقول أولاً یہ ظاہر کہ لکن دفع وہم واستدراک کے لئے آتا ہے چونکہ محشی کی تمثیل سے یہ وہم ہوتا تھا کہ وہ نور ازہر اب مستور ہوگیا جیسا کہ حجرہ میں بند شمع کا نور پوشیدہ ہوجاتا ہے اس لئے محشی نے الکن نورہ کما کان الخ) لیکن حضور کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے کہہ کر اس وہم کو دور کردیا اور صاف بتادیا کہ وہ نور ایسا نہیں کہ حجابات کثیفہ سے رک جائے۔ ثانیاً اگر یہ نہ مانو تو مستدرک بہ اور مستدرک علیہ میں فرق نہ ہوگا نیز محشی پر یہ الزام آئے گا کہ صاحب نور الایضاح نے فرمایا تھا کہ (غیر انہ حجب عن القاصرین الخ) یعنی حضور قبر شریف میں تمام نعمتوں اور عبادتوں سے لطف اندوز ہیں مگر قاصروں کی نظر سے پوشیدہ ہیں اس قول پر محشی کی وہ تمثیل صحیح نہ ہوگی کہ جب تمہارے طور پر وہ نور حجرۂ شریفہ میں بند ہے اور ظاہر نہیں ہے۔ تو اب قاصر نظروں کی کیا تخصیص رہی۔ ومن هنا ظهر أن التشبيه في قوله ولكن نوره كما كان الخ في الظهور والبقاء معا لا البقاء فحسب فسقط ما أورده البعض عن المعترض ولله الحمد۔ ثالثاً محشی کا قول ابل ازید) اس شبہ کا کافی رد ہے۔ کہ وہ نور جب قبر شریف میں محصور ہوگیا تو ازید کب رہا بلکہ انقص ہوگیا هذا خلف۔ یہ تو محشی کے مفروضے کے خلاف ہے۔ بحمدہ مالعین کے مستند کی عبادت سے استدلال تام ہوا ولله الحجة القاهرة اب معترض صاحب کی بقیہ موشگافیوں کی خبر لیں والله المستعان وعليه التكلان۔ لکھتے ہیں "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ فتح سورۂ مزمل سورۂ احزاب میں شاہد اور سورۂ بقرہ سورۂ نساء میں شہید کہا گیا ہے اصول تفسیر کا تقاضا ہے کہ تمام مقامات پر شاہد اور شہید کے ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ایک دوسرے کے خلاف نہ ہوں کیوں کہ اللہ کا کلام تضاد سے پاک ہے مگر ترجمہ رضویہ میں سورۂ احزاب اور سورۂ فتح میں شاهد کا ترجمہ حاضر وناظر لکھا ہے اور سورۂ بقرہ میں شہید کا ترجمہ نگہبان وگواہ لکھا ہے" أقول۔ ہم پہلے ثابت کر آئے کہ شاہد وحاضر میں منافات نہیں اور جو شاہد مانے گا وہ ضرور حاضر مانے گا اس لئے کہ شہادت میں حضور شرط ہے اور وہی اصل ہے اور اصل سے عدول بے دلیل جائز نہیں۔ نیز ہم یہ دکھا آئے کہ شہیداً میں نگہبان وگواہ معترض کی مبلغ علم تفسیر بیضاوی وتفسیر نسفی میں فرمایا گیا ہے اور یہ بھی گذر چکا کہ اسی طرح شاہداً میں رقیباً کی تضمین ضروری ہے جس طرح شہیداً میں مانی گئی۔ اس پر تفسیر ابو السعود وجمل کی عبارتیں گذریں۔ اب اگر یہی لیاقت علمی ہے کہ حاضر وگواہ کو ایک دوسرے کے خلاف سمجھ لیا جائے تو قرآن میں تضاد کا الزام محض امام احمد رضا کے سر نہ رہے گا بلکہ نسفی وبیضاوی ودیگر مفسرین کے سر بھی جائے گا۔ معترض صاحب بتائیں کہ ان مفسرین کرام کو کیسے کیسے الزاموں سے خراج تحسین پیش کریں گے

پھر اس میں کون سی آفت ہے کہ ایک شخص شاہد بھی ہو حاضر بھی ہو نگہبان بھی ہو جبکہ شاہد ونگہبان کے لئے حضور ضروری ہے ارے صاحب آپ جیسے گستاخان رسول کے حق میں قرآن فرماتا ہے صُمٌّ بکمٌ عمیٌ الآیۃ گونگے بہرے اندھے۔ کہئے یہاں بھی تضاد کا ئیے گا۔ آگے آپ نے آیۂ کریمہ وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا کا ترجمہ رضویہ لکھا ہے جو یہ ہے "اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں کے گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان وگواہ" پھر لکھتے ہیں "یہاں شہید کا ترجمہ نگہبان وگواہ لکھا ہے اور "شہداء" کا ترجمہ صرف گواہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نگہبان کا لفظ محض اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے بڑھایا ہے۔ ورنہ جب شہید کا ترجمہ گواہ ہوگیا تو پھر نگہبان کس کا ترجمہ ہے" جی ہاں بیضاوی ونسفی سے بھی پوچھئے کہ آپ نے رقیباً کی تضمین کیوں مانی ہے اور انہیں بھی یہی الزام دیجئے کہ انہوں نے ایسا محض اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے کیا ہے ورنہ جب شہید کا معنی صرف گواہ ہوگیا تو رقیب ونگہبان کس کا معنی ہے۔ بلکہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے رونا روئیے کہ حضرت آپ تو ہمارے امام الطایفہ کے بزرگوں میں ہیں۔ آپ نے ہمارے امام الطائفہ کی ایک نہ رکھی ہائے آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ "بلکہ می تواں گفت کہ شہادت درینجا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی است تا از حق بیروں نہ روید چنانچہ والله على كل شئ شهيدا ودر مقولۂ حضرت عیسی کہ كنت عليهم شهيداً ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم وانت على كل شئ شهيد وچوں ایں نگہبانی واطلاع طریق تحمل شہادت است وتحمل شہادت برائے ادائے شہادت می باشد در احادیث ایں شہادت را بگواہی روز قیامت تفسیر فرمودہ اند بیانا لحاصل المعنى لا تفسير اللفظ یعنی کہا جا سکتا ہے کہ شہادت یہاں بمعنی گواہی نہیں بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی ہے تاکہ راہ حق سے باہر نہ جاؤ جیسا کہ والله على كل شئ شهيد (اللہ ہر شے پر نگہبان ہے) میں اور حضرت عیسی علیہ السلام کے مقولہ كنت عليهم شهيداً میں (یعنی میں انپر نگہبان تھا) اور جبکہ اطلاع ونگہبانی تحمل شہادت کا وسیلہ ہے اس لئے احادیث میں شہادت کو گواہی سے تفسیر فرمادیا حاصل معنی کے بیان کے لئے نہ کہ لفظ کی تفسیر کے لئے۔ آگے چل کر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں ذکر کرنے کے بعد یوں منہ کھولیں گے "جب حدیث سے شہید کے معنی گواہ متعین ہوگئے تو پھر کسی دوسرے معنی کو مراد لینا رسول دشمنی نہیں تو کیا ہے" شاہ صاحب کی عبادت سے خصوصاً فقرہ مذکورہ بیانا لحاصل المعنى لا تفسير اللفظ سے اپنی ساری تقریر کا جواب پیشگی لیجئے اور یہ بتاتے چلئے کہ جب حدیث سے شہید کے معنی گواہ متعین ہوگئے تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے کیونکر فرمادیا "بلکہ می تواں گفت الخ" کیوں جی اپنے ہی منہ سے شاہ صاحب کو رسول دشمن کہنے سے پہلے کہیں کلیجہ تو منہ کو نہ آئے گا۔ آگے تحریر کرتے ہیں "پھر شہداء میں نگہبان اس لئے نہ بڑھایا کہ پوری امت کو حاضر وناظر ماننا

پڑتا اقول اُوّلاً یہ اعتراض بھی حسب سابق بیضاوی و نسفی و دیگر مفسرین بلکہ خود شاہ صاحب پر لگا کہ انہوں نے بھی شھیداً عینی نگہبان کی تضمین نہ مانی ثانیاً اس کا جواب اپنی مبلغ علم بیضاوی و نسفی ہی سے لیجئے۔ بیضاوی میں ہے ترجمہ: یعنی تاکہ تم ان دلائل سمعیہ میں جو تمہارے لئے نصب کی گئیں اور اس کتاب میں غور کرکے جو تمہارے اوپر اتری جان لو کہ اللہ نے کسی کے حق میں نہ بخل کیا نہ ظلم فرمایا بلکہ راہیں آشکار فرمادیں اور رسول بھیجے تو انہیں تبلیغ فرمائی اور نصیحت کی۔ نسفی میں ہے والشھادۃ قد تکون بلا مشاھدۃ کالشھادۃ بالتسامع فی الأشیاء المعروفۃ الخ اور شہادت کبھی بغیر مشاہدہ کے ہوتی ہے جیسے سن کر شہادت دینا جانی پہچانی ہوئی باتوں میں۔ خود شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔ "وہذا چوں امم دیگر در مقام رد شہادت ایشاں خواہند گفت کہ شما از چہ رد شہادت می دہید حالانکہ در وقت ما نبودید و حاضر واقعہ نہ شدید ایشاں جواب خواہند گفت کہ ما را خبر خدا بوساطت پیغمبر خود رسید و نزد ما بہتر از دیدن و حاضر شدن گردید و در شہادت علم یقینی بہ مشہود علیہ می باید بھر طریق کہ حاصل شود۔ دیکھو علامہ بیضاوی و علامہ نسفی و شاہ صاحب سب کس قدر صاف فرمارہے ہیں کہ امت کی شہادت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے ہے۔ ان کی اخبار و احادیث سن کر یہ شاہد ہوں گے اور شاہ صاحب نے تو یہ بھی فرمادیا کہ یہاں حضور سے سن لینا مشاہدہ و معاینہ سے امت کے حق میں بہتر قرار پایا بلکہ خود حدیث میں اس امر پر دلالت موجود کہ امت کی شہادت شہادت بالتسامع ہے۔ افسوس کہ پھر بھی معترض کو حضور کی شہادت اور امت کی شہادت میں فرق نہ سوجھا نیز آپ تحریر کرتے ہیں "سورۂ نساء کی آیت وَجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا میں بھی۔ یہی حرکت کی ہے" اقول یہ اگر نازیبا حرکت ہے تو آپ کے زعم پر بیضاوی و نسفی اور خود شاہ صاحب نے بھی سورۂ بقرہ میں یہی حرکت کی ہے کہ گواہ کے معنی میں نگہبان کی تضمین کردی ہے بلکہ شاہ صاحب نے تو یوں فرمایا ہے "بلکہ می تواں گفت کہ شہادت درینجا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است"۔ تو تمہارے زعم پر تو شاہ صاحب کی بات اور زیادہ سخت ہوگی کہ انہوں نے شہادت کو بمعنی گواہی نہ رکھا بلکہ بمعنی نگہبانی متعین فرمادیا تو پھر کسی دوسرے معنی کو مراد لینا رسول دشمنی نہیں تو کیا ہے تو آپ کے زعم پر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ معاذ اللہ زیادہ مجرم ہوئے کہ انہوں نے اس معنی کا انکار فرمادیا جو آپکے زعم پر حدیث سے متعین ہوگئے بخلاف دوسروں کے کہ انہوں نے اس معنی کو مقرر کہا ہاں نگہبان کی تضمین اس میں کردی جو آپ کو ناگوار ہے۔ اب اگر آپ واقعی منصف مزاج ہیں تو بیضاوی و نسفی اور خصوصاً شاہ صاحب پر بھی نفرین کیجئے۔ فقرۂ سابقہ کے متصل ہی آپ یوں منہ کھولتے ہیں جبکہ دوسرے مفسرین و مترجمین صرف گواہ مراد لے رہے ہیں" مفسرین کرام نے کیا مراد لیا وہ تو پہلے ہی کھل گیا۔ شیخ محقق کی شہادت اور سنئے جلوہ فرماتے ہیں "واں حضرت را نیز شاہد و شہید خواندہ در انا ارسلناك الا شاھدا" یعنی عالم و حاضر بحال امت الخ مدارج النبوۃ۔ ہم کہیں اور سب کہیں۔ "جھوٹوں پہ خدا کی لعنت" اور سنئے لکھتے ہیں "لغت میں شاہد کا ترجمہ حاضر بھی لکھا گیا ہے اس لئے آیت میں اگر شاہد کا ترجمہ حاضر لکھ دیا گیا تو لغت کے اعتبار سے صحیح ہونا چاہئے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جب لفظ دو معنوں میں مشترک ہو" الخ اقول ہم ثابت کر آئے کہ شاہد کا معنی حقیقت لغویہ بلکہ شرعیہ ہے تو "حاضر و گواہ" میں شاہد کے مشترک ہونے کا دعوی باطل اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے ثابت ہوا کہ شہادت میں حضور شرط و اصل ہے تو شاہد بمعنی گواہ حاضر کا ایک فرد ہوا نہ کہ شاہد و حاضر متنافی ہوئے غرضیکہ آپ کی اگلی اور پچھلی دونوں راہیں بند ہیں۔

قولہ "اسلئے شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر کرکے اللہ کی صفت خاص میں پیغمبر کو شریک ماننا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا"

اقول جس طرح اللہ کی صفت میں کسی کو شریک ماننا شرک ہے اسی طرح مخلوق کی صفت میں اللہ کی شرکت ماننا کفر ہے بحمدہ تعالیٰ ہم نے ثابت کر دیا کہ حاضر و ناظر کے معانی حقیقیہ اللہ کے شایان شان نہیں اسلئے کہ وہ تمام معانی لوازم اجسام ہیں تو وہ اس کیلئے ہوسکتے ہیں جو جسم ہو تو اسے ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا اسے جسم کہنا ہے تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ یہاں سے ظاہر کہ اہلسنت پر اللہ کی صفت خاص میں پیغمبر کو شریک ماننے کا الزام محض بہتان ہے بلکہ درحقیقت آپ نے خود اللہ کے لئے مخلوق کی صفت ثابت کی ہے اور یہ آپ کی کوئی نئی نہیں بلکہ آپ کے امام الطائفہ نے بھی خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر کہہ کر اس کی توہین کی ہے پھر اسی منہ سے توحید پرست بنتے ہو اور دوسروں کو مشرک بتاتے ہو۔ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی اور اگر تمہارے نزدیک یہ اللہ کی صفت خاصہ ہی ہے تو ان سے پوچھو جنھیں تم بھی امام و مقتدا مانتے ہو جو تمہارے امام الطائفہ کے بزرگوں میں ہیں کہ یا حضرت آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امت کے مراتب پر مطلع مان کر اور انہیں تمام امت پر نگہبان بتا کر شرک کیوں کیا اور ہمیں بتاؤ کہ جب تمہارے اور تمہارے امام الطائفہ کے فتوے سے وہ مشرک ہوئے تو تم انہیں امام و مقتدا مانکر کافر ہوئے کہ نہیں۔ قولہ "یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین شاہد کے معنی گواہ لے رہے ہیں" پھر وہی رٹ۔ ہم پھر کہیں گے کہ مفسرین صرف گواہ مراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ رقیب کی تضمین مان رہے ہیں جیسا کہ گزرا اور اگر وہ صرف گواہ ہی مراد لے رہے ہیں تو تمہیں کیا مفید ہے ہم نے بحمدہ ثابت کیا کہ دونوں طرح ہمارا مدعی ثابت ہے گواہ کہو یا نگہبان وللہ الحجۃ البارعۃ

قولہ "اور قرآن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد و شہید کہا گیا ہے اور امت محمدیہ کو شہداء کہا گیا ہے جو شاھد کی جمع ہے تو اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر ہوں تو تمام امت کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے جو عقل و نقل کے خلاف ہے" ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور امت کی شہادت میں فرق بتا آئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں حضور و مشاہدہ ملحوظ ہے تو حضور کی شہادت بہ معاینہ ہے اور امت کی شہادت بہ معاینہ نہیں بلکہ حضور کی شہادت پر شہادت بالتسامع ہے اسی لئے مفسرین کرام نے شہیدا میں

رقیب کی تضمین مانی اور شاہد کی تفسیر مراقبہ و مشاہدہ سے کی ہے جیسا کہ تفسیر ابوالسعود وجمل سے گذرا علامہ صاوی کا فرمان اور سنتے چلو کہ باذن اللہ ہمارا دعوی مزید مؤکد ہو اور ذہن معترض میں ابھرنے والے سوال کا پیشگی جواب بھی ہو جائے۔ آیت کریمہ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (یعنی جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی رسالت فرمائی تو آپ سینا کی جانب غربی میں نہ تھے اور آپ شاہدین میں سے نہ تھے) کے تحت فرماتے ہیں۔ وَهٰذَا بِالنَّظَرِ إِلَى الْعَالَمِ الْجِسْمَانِيِّ لِإِقَامَةِ الْحُجَّةِ لِلْخَصْمِ وَأَمَّا بِالنَّظَرِ إِلَى الْعَالَمِ الرُّوحَانِيِّ فَهُوَ حَاضِرٌ رِسَالَةَ كُلِّ مُرْسَلٍ وَمَا وَقَعَ لَهُ مِنْ لَدُنْ آدَمَ إِلَىٰ أَنْ ظَهَرَ بِجِسْمِهِ الشَّرِيفِ وَلٰكِنْ لَا يُخَاطَبُ بِهِ أَهْلُ الْعِنَادِ۔ خلاصہ یہ کہ ارسال رسل اور ان کے زمانوں کے واقعات پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر و موجود نہ ہونا عالم جسمانی کے اعتبار سے ہے یعنی ان واقعات پر نبی کریم کا جسمانی حضور نہ تھا اور عالم روحانی کے اعتبار سے نظر کیجئے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام آدم علیہ السلام کے زمانے سے لیکر اپنے زمانے تک ہر رسول کی رسالت اور تمام واقعات پر حاضر ہیں یہاں تک کہ حضور نے اپنی جسمانیت مطہرہ کے ساتھ ظہور فرمایا لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ اہل عناد کو خطاب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی اگر اپنے دعوی پر جمو تو میں کہوں گا کہ تمام امت کی شہادت اگرچہ بالتسامع ہے مگر فضل الٰہی سے اولیاء کے لئے شہادت بالمعانہ کچھ دور نہیں اور ان کیلئے اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں حضور مَعَ المشاهدہ مانا جائے تو یہ ہمارے دعوی کا عین مؤید ہوگا کہ ان کا یہ کمال کمال مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی دلیل ہے بلکہ عین کمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہے علماء فرماتے ہیں الكرامة من جنس المعجزة کرامت معجزہ ہی کی جنس سے ہے۔ اور بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے طفیل بہت سے اولیاء کو حضور مَعَ المشاهدہ کی فضیلت حاصل ہے۔ صاوی میں علامہ شعرانی کی القواعد الکشفیہ سے حضرت علی مرتضی اور حضرت سہل تستری رضی اللہ عنہما کی بابت نقل فرمایا۔ وَكَانَ عَلِيٌّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ يَقُولُ إِنِّي لَأَعْرِفُ الْعَهْدَ الَّذِي عَهِدَ إِلَيَّ رَبِّي وَكَانَ سَهْلٌ التُّسْتَرِيُّ يَقُولُ إِنِّي لَأَعْرِفُ تَلَامِذَتِي مِنْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَمْ أَزَلْ أُرَبِّيهِمْ فِي الْأَصْلَابِ حَتّٰى وَصَلُوا إِلَيَّ یعنی حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے کہ مجھے وہ عہد یاد ہے جو اللہ نے مجھ سے عالم ارواح میں فرمایا تھا اور حضرت سہل تستری فرماتے کہ اس دن سے اپنے شاگردوں کو پہچانتا ہوں اور ان کی تربیت اصلاب آباء میں کرتا رہا یہاں تک کہ وہ مجھ تک پہنچے

روح البیان میں ہے قال الغزالی رحمہ اللہ تعالے والرسول له الخيار في طواف العالم مع أرواح الصحابة رضي الله عنهم لقد رآه كثير من الأولياء یعنی غزالی نے فرمایا رسول کو صحابہ کی روحوں کے ساتھ عالم کے طواف کا اختیار ہے بہت سے اولیاء نے حضور کو صحابہ کیساتھ دیکھا ہے۔ بہجۃ الاسرار شریف میں سرکار غوث اعظم سے نقل کیا کہ آپ فرماتے ہیں پروردگار تعالے وتقدس کی قسم نیک بخت و بد بخت سب مجھ پر پیش ہوتے ہیں اور میری نظر لوح محفوظ میں ہے۔ میں دریائے علم و مشاہدۂ الٰہی کا غوطہ خور ہوں۔ میں تم سب پر اللہ کی حجت و نائب رسول اللہ اور ان کا وارث ہوں۔

عزة ربي ان السعداء والأشقياء ليعرضون على عيني في اللوح المحفوظ أنا غائص في البحر علم الله ومشاهدته انا حجة الله عليكم جميعكم انا نائب رسول الله صلى الله عليه وسلم ووارثه في الأرض۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں اس عبارت کا فارسی ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ بعزت پروردگار کہ نیک بختان و بد بختان ہمہ عرض کردہ می شوند بر من و نظر من در لوح محفوظ است منم غواص دریائے علم و مشاہدۂ الٰہی من حجت خداوندم بر تمام شما و نائب رسول اللہ و وارث ادیم اھ۔ شیخ محقق کی عبارت اگرچہ بعینہ بہجۃ الاسرار کی عبارت کا ترجمہ ہے مگر ہمنے پھر بھی اسے پیش کیا اسلئے کہ شیخ محقق معترض کے بھی مستند ہیں اور یہی شیخ محقق بہجۃ الاسرار سے اخذ و استناد فرماتے ہیں جیسا کہ مدارج النبوۃ میں نظر کرنے سے ظاہر ہے۔

ہر چند کہ ہمیں امت کے حضور مَعَ المشاهدہ ثابت کرنیکی چنداں ضرورت نہ تھی اسلئے کہ خود معترض کی منقولہ روایات سے اور اقوال علماء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی شہادت میں فرق خود روشن ہو گیا تاہم ہمنے معترض صاحب کی یہ بالک ہٹ بھی پوری کر دی وللہ الحمد۔ اب معترض صاحب نے یہ جو لکھا کہ تمام امت کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے جو عقل و نقل کیخلاف ہے" اولاً اس دعویٰ کے متعلق یہ بتلاتے چلیں کہ انہوں نے اس دعوی پر قرآن و حدیث و اقوال علماء سے دلیل کیوں قائم نہ کی نیز وہ کونسی دلیل عقلی ہے جس سے یہ دعوی ثابت ہے؟ کیوں نہ بتایا۔ ثانیاً جبکہ یہ دعوی مسلمات سے نہیں تو اس دعوی پر دلیل نہ قائم کرنا اور خصم کو یہ وہم دلانا کہ یہ امر مسلمہ ہے جبھی تو دلیل نہ قائم کی بدترین جہالت، صریح فریب اور امانت علمی میں خیانت ہے کہ نہیں؟۔ ثالثاً اپنا چاک گریباں تو دیکھئے۔ ابھی صراط مستقیم میاں اسمعیل دہلوی کے پیروں کیلئے کیا کہہ چکی۔ وہ تو انہیں ملائکہ مدبرات الامر کے زمرہ میں گنا چکی اور تدبیر امور کیلئے ملائکہ بیک وقت ہر جگہ حاضر ہو جاتے ہیں اور میاں جی ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کیلئے خاص بتا چکے اور اسطرح اپنی توحید مزعوم میں روافض سے مل چکے جو حضرت علی کی نسبت حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ مشرکین کے بھی مشابہ ہو گئے جو رام کو ہر شے میں رما ہوا جانتے ہیں والعیاذ باللہ العلی العظیم دیکھو تقویۃ الایمان ص۱ لَا جَرَمَ اپنے مشائخ طریقت اور ملائکہ کو خود ہی معاذ اللہ خدا کے برابر کر دیا۔ کیوں معترض صاحب یہ تو عقل و نقل کے خلاف نہیں بلکہ عین اسلام ہوگا۔ اسی منہ سے مسلمانوں کو مشرک گردانتے ہو۔

نے فروعت محکم آمد نے اصول
شرم بادت از خدا و از رسول

قولہ اور حدیث میں بھی رسول اکرم اور ان کی امت کو گواہ کہا گیا ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اس لئے شاہد کا ترجمہ گواہ متعین ہو گیا أقول جی ہاں اور شاہ صاحب نے بلکہ می تواں گفت کہ شہادت در اینجا بمعنی گواہی نیست کہہ کر آپ کے اس متعین کا انکار فرمایا ہے

انصاف کے پکے شاہ صاحب کو اپنے زعم پر کافر و گمراہ کہیں تو ہم جانیں۔ قولہ شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر کرنے میں قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی مخالفت لازم ہوتی ہے جس سے بچنا فرض ہے۔ اقول۔ شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر نہ کرنے میں صراط مستقیم کی زبردست تعریض کا سامنا ہے کہ مشایخ طریقت کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھا دیا اور کرنے میں تم سب پر تقویت الایمان کا شرک سوار ہوتا ہے جس سے بچنا فرض ہے۔ بچ نکلو تو جانیں وَلَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیم

بحمدہ تعالےٰ شاھداً کے ترجمہ تمام اعتراضات معترض کا جواب شافی ہوگیا۔

قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ پر اعتراض

معترض صاحب نے قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ رضویہ پر بھی اعتراض کا منہ کھولا ہے۔ ترجمۂ رضویہ درج ذیل ہے

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں"

معترض صاحب کو لفظ "ظاہر صورت بشری" پر اعتراض ہے۔ ان کی معترضانہ تحریر عنقریب آئے گی۔ سردست ہمیں ان کلمات سے کام ہے جو معترض نے بطور تمہید کہے ہیں معترض نے کہا "بریلوی فرقے کی طرف سے علما و اہل سنت کے بارے میں یہ بار بار کہا جاتا رہا ہے کہ وہ پیغمبروں کی بشر اور بھائی کہہ کر توہین کرتے ہیں" اُقول و باللہ التوفیق چہ خوش۔ اپنی پردہ پوشی کا کیا خوب انداز ہے۔ عبارت ایسی اختیار کی جو ناظر کو خواہ مخواہ یہ وہم دلائے کہ یہ بیچارے علمائے دیوبند اس الزام سے بری ہیں۔ جی ہاں بے شک توہین رسول تمہارا اور تمہارے اکابر کا شیوہ ہے۔ منجملہ تنقیص شان رسالت کے یہ بھی ہے کہ تمہارے امام الطایفہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف بھائی کہا ہے اور جگہ محبوبان خدا کو تمام انسانوں کیساتھ عجز و نادانی میں شریک بتا کر اپنا جیسا بشر قرار دیا ہے تقویت الایمان میں کہا "ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم چھوٹے" ص۱۸ سو بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے"، ص۵۸ نیز کہا "جو بشر کی سی تعریف ہے سو وہی کرو اس میں بھی اختصار ہی کرو" ص۵۸ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قوم کے چودھری اور گاؤں کے زمیندار سے تشبیہہ دی اس کی عبارت یہ ہے "جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار اسی طرح سے ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں" ص۸۵ و ص۸۶ نیز اسی تقویت الایمان میں ہے "ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان" نیز سب انبیاء کے لئے لکھ مارا "سب انبیاء اس کے روبرو ذرۂ ناچیز سے کمتر ہیں" بحمدہ تعالیٰ معترض نے جیسے یہ کہہ کر کہ بریلوی فرقہ کی طرف سے الخ چھپانا چاہا تھا ہم نے اسے بے نقاب کردیا۔ خود معترض کی پردہ پوشی ان عبارتوں کی قباحت کی کھلی دلیل ہے ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ لہذا ہمیں انکے رد کی چنداں حاجت نہیں ولِلّٰہِ الحمد۔ ابھی منہ سے اپنے کو علمائے اہل سنت کہتے ہو۔ یہ منہ اور مسور کی دال قولہ لیکن جب بریلویوں کے مجدد ترجمہ کرتے کرتے ان آیتوں پر پہنچے جن میں پیغمبروں کو بشر اور بھائی کہا گیا ہے تو عجیب کشمکش اور الجھن میں پڑ گئے کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے اس لئے درمیانی چال چلی کہ ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دئے، الخ ھذیانات۔ اَقول اَولاً معترض صاحب کی یہ عادت بن گئی ہے کہ دعوی کر دیتے ہیں اور دلیل نہیں دیتے جیسے ان کا دعویٰ مسلمات میں سے ہو۔ یہاں بھی یہی کیا ہے کہ دعویٰ کر دیا کہ "الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے" اور وجہ نہ بتائی۔ ہم بتائیں معترض صاحب کی یہ لیاقت علمی ہے کہ انہوں نے آیۂ کریمہ قل اِنّما انا بشر مثلکم کو اپنے دعوے کی دلیل سمجھ لیا ہے۔ جبھی تو چمک کے کہا کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الخ حالانکہ آیۂ کریمہ میں حضور سے فرمایا گیا کہ تم تواضعاً فرما دو میں تم جیسا ہوں نہ کہ ہمیں حکم ہوا کہ ہم کہیں کہ حضور ہم جیسے بشر ہیں اور ہمیں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں جبکہ اللہ عزوجل حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء اے نبی کی بیبیو تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے فرماتے ہیں تم میں کون مجھ جیسا ہے لست کاحد منکم میں تم میں کسی کی طرح نہیں تو یہ خوش فہمی معترض صاحب پر الزام کی رجسٹری کر رہی ہے وللہ الحمد

ثانیاً معترض نے کہا "اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے"۔ بحمدہ تعالےٰ معترض نے خود اپنے منہ قبول دیا کہ یہ ترجمہ رضویہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے اس لئے کہ ناظرین کرام پر یہ روشن کہ یہ کہنا کہ "اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں" اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ترجمہ غلط نہ ہو اور ہر سمجھ والے پر ظاہر کہ غلط اور صحیح کے درمیان واسطہ نہیں تو جو غلط نہ ہوگا ضرور صحیح ہوگا تو اب ناظرین کرام خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ معترض نے یہ کہہ کر کہ اسلئے درمیانی چال چلی الخ اپنا رد خود ہی کرلیا اور اپنی سمجھ دانی سب کو کھول کر دکھا دی ع خدا جب دین لیتا ہے خرد بھی چھین لیتا ہے

کذلک العذاب ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون

اب معترض صاحب بہادر ترجمہ رضویہ لکھنے کے بعد یوں منہ کھولتے ہیں "اس ترجمہ پر کئی اعتراض واقع ہوتے ہیں اول یہ کہ قرآن مجید میں اِنّما انا بشر مثلکم اصل عبارت ہے۔ معمولی عربی جاننے والا سمجھتا ہے کہ اِنّما حصر کے لئے ہے اور بشر کے معنی آدمی اور مثل کے معنی جیسے اور کم کے معنی تم ہیں اسلئے صحیح ترجمہ یہ ہوا بس میں تمہارے جیسا آدمی ہوں اسی لئے شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہارے اور شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے "میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم" ان حضرات کے علاوہ اردو ترجمہ کرنے والوں نے اسی جیسا ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے فاضل بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا اور وہ بھی بریکٹ کے بغیر بہرحال غلط ہے اقول اولاً آپ کا یہ زعم کہ "فاضل بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا بہرحال غلط ہے" بالکل غلط اور مہمل ہے آپ پہلے یہ کہہ کر کہ "اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے" اپنے منہ آپ قبول چکے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط نہیں ہے۔ ہاں اپنی لیاقت علمی سے اسے درمیانی بتا رہے ہیں تو آپ کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ یہ ترجمہ نہ غلط ہے نہ صحیح ہے بلکہ درمیانی ہے۔ یہیں سے آپ کے اعتراض کی حقیقت ظاہر کہ خود ہی کچھ

کہتے ہیں اور خود ہی اسے جھٹلا دیتے ہیں۔ ثانیاً۔ جناب کا تراجم کو ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے پر دلیل بنانا صحیح نہیں یوں کہئے کہ ترجمۂ رضویہ ان دو مشہور تراجم کیخلاف ہے تو ایک بات بھی ہوتی مگر صاحب بہادر ہر غیر مشہور کا غلط ہونا ضروری نہیں۔ ہم صادی سے اس کی مثال دے چکے فتذکو ثمہ۔ ثالثاً ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھادئے اور اسی کی دلیل آیت کریمہ کے مفردات کے معانی بیان کرکے دی ہے۔ سبحٰن اللہ آپ عربی بھی پڑھانے لگے۔ یہ منہ اور مسور کی دال پھر اس عربی پڑھانے میں کیسی صریح غلطی کی کہ کُم کے معنی تم۔ جی اگر کم کا معنی تم ہے تو (تمہارے) کس کا ترجمہ ہے۔ یہیں سے ظاہر کہ جناب کو معمولی عربی بھی نہیں آتی کہ سمجھ لیتے کہ کُم یہاں محل جر میں مضاف الیہ ہے تو اس کا ترجمہ تمہارے ہوا نہ کہ تم۔ أقول وباللہ التوفیق۔ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ظاہر صورت بشری" کلام پر زائد ہے اسلئے کہ پر ظاہر کہ إنما أنا بشر مثلکم (میں تم جیسا بشر ہوں" میں تشبیہ ہے اور تشبیہ کے ارکان چار ہیں۔ مشبہ۔ مشبہ بہ۔ اداۃ تشبیہ اور وجہ تشبیہ۔ اب میں تم جیسا بشر ہوں" میں بشریت حضور مشبہ اور لوگوں کی بشریت مشبہ بہ اور جیسا اداۃ تشبیہ ہے۔ رہی وجہ تشبیہ تو وہ لفظ میں موجود نہیں بلکہ محذوف ہے اور محذوف میں حقیقت میں لفظ ہے۔ شرح جامی میں ہے۔ والمحذوف لفظ حقیقۃ إلخ اور محذوف حقیقۃً لفظ ہے۔ معترض صاحب اب بتائیں کہ یہ ترجمہ میں زیادتی ہوئی۔ یا اس محذوف وجہ تشبیہ کا اظہار ہوا جو جزو تشبیہ ہے اور جسکے بغیر کلام صحیح نہیں۔ اسی منہ سے عربی پڑھانے چلے تھے، پھر یہ کہ آیت کریمہ میں بشر مثلکم خود اس وجہ تشبیہ کے محذوف ہونے پر قرینہ ہے جو یہ بتا رہا ہے کہ تشبیہ ظاہر بشریت میں ہے نہ کہ باطن و روح میں مگر سمجھنے کا قرینہ تو چاہئے۔ معترض صاحب اب بتائیں کہ جبکہ وجہ تشبیہ یہاں ضروری اور اس پر خود قرینۂ لفظیہ موجود تو شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادر علیہما الرحمۃ کے ترجمے میں اور ترجمۂ رضویہ میں سوائے اس خصوصیت کے کہ ترجمۂ رضویہ میں وجہ تشبیہ صراحۃً مذکور ہے اور ان دو میں نہیں کیا فرق ہوا ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

یہ تو اس صورت پر تھا جب بشریت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشبہ بنائیں اب اگر کہو کہ بشر خود معنی وجہ تشبیہ ہے تو اس صورت میں ظاہر صورت بشری اس وجہ تشبیہ کی تفسیر ہوگی کہ یہاں بشریت میں تشبیہ محض باعتبار ظواہر اور اعراض بشری کے ہے نہ کہ باعتبار کل وجوہ کے بلکہ ذہین و فطین پر روشن کہ یہ بشر کے وجہ تشبیہ ہونے کی طرف اشارہ کیساتھ اس کے معنی کا بطرز لطیف بیان بھی ہے اس لئے کہ بشر میں ظہور ملحوظ ہے۔ شرح شفاء میں ہے وَسموا بشرا لظھور جلو دھم لأن البشرۃ ظاھر الجلد۔ یعنی انسان کو بشر اس کے جلد کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں اس لئے کہ بشرہ ظاہر جلد ہے تو اسے زیادتی کہنا زیادتی ہے۔ کوئی معقول آدمی ہوتا تو امام احمد رضا کا شکر گذار ہوتا کہ ایسا ترجمہ فرمایا کہ جسنے شبہات کا ازالہ کردیا اور اس خصوصیت کو سمجھتا کہ ان کا ترجمہ ترجمہ ہی نہیں بلکہ مختصر اور جامع تفسیر بھی ہے جو اس کے دیکھنے والوں کو بڑی بڑی کتابوں میں دیدہ ریزی کی مشقت سے بچا لیتی ہے مگر معترض سے اس کی کیا امید ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے۔ اب چلو میں تمہارا جی رکھنے کو یہ تسلیم کرلوں کہ تمہارے بقول ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھادئے مگر اے عقلمند ہر زیادتی ناجائز نہیں ہوتی۔ زیادتی وہ ناجائز ہوتی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس پر صحت کلام موقوف ہو وہ حقیقت میں زیادتی ہی نہیں چہ جائیکہ ناجائز ہو۔ اور یہاں تم جسے زیادتی سمجھے ہو وہ زیادتی ضروری ہے اور خود اس کی ضرورت اس کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور سے فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم یعنی تم فرمادو میں تم جیسا بشر ہوں اور حضور کی ازواج مطہرات سے فرمایا یا نساء النبی لستن کاحد من النساء۔ اے نبی کی بیویو تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو بھلا کوئی ایمان والا کہہ سکتا ہے کہ نبی تو ہم جیسے بشر ہوں اور نساء نبی جنہیں ساری فضیلت دبرتری نساء نبی ہو کر ملی وہ کسی کی طرح نہوں اور خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لست کھیئتکم۔ میں تمہاری ہئیت پر نہیں۔ لست کأحد منکم۔ میں کسی جیسا نہیں۔ أیکم مثلی۔ تم میں کون مجھ جیسا ہے۔ تو کیا کوئی یہ کہے گا کہ سرکار نے بشریت کا انکار فرمادیا والعیاذ باللہ۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر اس تعارض کا کیا تدارک ہوگا ظاہر کہ یہاں ترجیح کی طرف راہ نہیں تو لامحالہ تطبیق ضروری اور وہ اسی طرح ہوگی کہ مثلیت کا اقرار باعتبار ظاہر جسمیت و اعراض کے ہو اور مثلیت کا انکار باعتبار باطن و روح محمدی کے ہو۔ دور کیوں جاؤ۔ اسی آیت کو لیلو جسے تم لوگ بشر کہنے کی دلیل بنائے ہوئے ہو خود اس میں اس پر دلیل موجود ہے ہم سے سنو۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے متصل ہی فرمایا گیا۔ یُوحٰی إِلَیَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ یہ ارشاد خود فرق کی روشن دلیل ہے۔ اور اس وجہ تطبیق کی طرف راہ نما ہے جو امام احمد رضا نے "ظاہر صورت بشری" فرماکر افادہ فرمائی اسلئے کہ پر ظاہر کہ وحی ایسا باطنی امر ہے کہ اس کی خبر ماد شما کو تو کیا ہوتی صحابۂ کرام نے بھی اس کے نزول کو نہ دیکھا بلکہ منزل دنی میں جو وحی ہوئی اس سے تو خود وحی لانے والے جبرئیل امین بھی بے خبر ہیں قال تعالٰے فَأَوْحٰی إِلٰی عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰی۔ تو اللہ نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ آیت کریمہ میں عَبْدِهٖ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور أَوْحٰی کی ضمیر اسم جلالت کی طرف راجع ہے کما افادہ فی الشفاء عن جماعۃ من المفسرین وایدہ تو جب وحی ایسا باطنی امر ہے تو لامحالہ اس باطن کیلئے اسی جیسا باطن سرکار کیلئے ضروری جو تمام بشر کے بواطن سے اعلیٰ ہو اور جب وہ باطن سرکار کیلئے ثابت تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اس باطن و روح کے اعتبار سے بشر سے جدا ہونا ضروری امر ہوا اور تشبیہ محض باعتبار ظاہر کے رہ گئی اسی کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا أبا بکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی کذا فی مطالع المسرات۔ یعنی اے ابوبکر میری حقیقت کو سوائے میرے رب کے کسی نے نہ جانا اور یہی مراد ہے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمان سے جو ارشاد ہوا کہ لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل اللہ کیساتھ میرا ایک وہ وقت ہے جسمیں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش نہ کسی نبی مرسل کی مجال اس پر شرح شفا میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کا فرمان واجب الاذعان سننے کے قابل ہے

فرمایا:۔ "والتحقیق أن المراد بالنبی المرسل ذاتہ الأکمل فانہ فی مقام جمع الجمع یفنی عن ذاتہ ومقاماتہ ویستغرق فی مشاھدۃ ذات اللہ وصفاتہ اھ۔ یعنی تحقیق یہ ہے کہ مراد نبی مرسل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کاملہ ہے کیونکہ حضور مقام جمع الجمع میں اپنی ذات ومقامات سے فنا ہو کر اللہ کی ذات وصفات کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ علامہ علی قاری کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ سرکار ابد قرار علیہ افضل الصلاۃ واکمل السلام کیلئے ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں خود انہیں کی بشریت حاضر نہیں ہوتی بھلا جس کا باطن ایسا ارفع واعلیٰ ہو اسمیں سوائے مشابہت ظاہری کے اور کیا متصور ہو۔ لاجرم اسی لئے علماء کرام نے مشابہت صرف حضور علیہ السلام کے ظاہر میں رکھی وہ بھی بایں معنی کہ حضور پر بعض اعراض وامراض بشری طاری ہوتے ہیں نہ کہ حسن وصورت میں کہ وہ تو سب سے اعلیٰ ہے اور جس طرح ان کا باطن سب سے ارفع ہے اسی طرح تمام انبیاء کے بواطن تمام بشر سے اعلیٰ ہیں، شفا میں ہے فظواھرھم واجسادھم وبنیتھم متصفۃ باوصاف البشر طارئ علیھا ما یطرأ علی البشر من الأعراض والاسقام والموت والفناء ونعوت الانسانیۃ وأرواحھم وبواطنھم متصفۃ باعلیٰ من اوصاف البشر متعلقۃ بالملأ الأعلیٰ متشبھۃ بصفات الملئکۃ سلیمۃ من التغیر والآفات لا یلحقھا غالباً عجز بشریۃ ولا ضعف الانسانیۃ الخ یعنی انبیاء کے ظواہر اور ان کے اجسام اوصاف بشری سے متصف ہیں ان پر وہ طاری ہوتا ہے جو بشر پر طاری ہوتا ہے یعنی اعراض وامراض وموت اور انسانی احوال اور ان کی ارواح وبواطن ان اوصاف سے متصف ہیں جو بشر کے اوصاف سے اعلیٰ ہیں اور صفات ملئکہ کے مشابہ ہیں تغیر وآفات سے محفوظ ہیں کہ انہیں عجز بشریت اور ضعف انسانیت نہیں لاحق ہوتا۔ نسیم الریاض شرح شفا میں ہے۔ فجعلوا من جھۃ الاجسام والظواھر مع البشر) أی موافقین لھم فی صورتھا (ومن جھۃ الارواح والبواطن مع الملائکۃ) أی متصفین بصفاتھم وھذا دلیل علیٰ أن ظاھرہ صلی اللہ علیہ وسلم بشری وباطنہ ملکی ولذا قالوا ان نومہ علیہ الصلاۃ والسلام لا ینقض وضوءہ کما صرحوا بہ ولا یقاس علیہ غیرہ من الأمۃ کما توھم وتوضوءہ صلی اللہ علیہ وسلم استحباباً أو تعلیماً لامتہ أو لعروض ما یقتضیہ

نیز اسی میں ہے لانہ صلی اللہ علیہ وسلم بشری الظاھر ملکوتی لا یتحلی باحوال البشر الا اذا أمرہ اللہ تعالیٰ بھا لتتأسی بہ أمتہ وتتشرف بما رضیہ لہ فعدہ صلی اللہ علیہ وسلم من البشر کعد الیاقوت من الاحجار۔ یعنی انبیاء کرام اپنے ظواہر واجسام کی جہت سے بشر کے ساتھ کئے گئے یعنی ظاہر صورت بشری میں بشر کے مشابہ ہوئے اور اپنی ارواح وبواطن کی جہت سے ملئکہ کیساتھ رکھے گئے یعنی ان کی صفات سے متصف ہوئے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکوتی ہے اسی لئے علماء نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں اور آپ پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ کسی کو وہم ہوا اور نیند سے حضور کا وضو فرمانا استحبابی امر ہے یا امت کو تعلیم کے لئے ہے یا کسی ایسے امر کا عارض ہونا ہے جو وضو کا مقتضی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں بشری ہیں باطن میں ملکوتی ہیں اور آپ بشری احوال سے اسی وقت متصف ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے تاکہ امت ان کی ریت پکڑے اور ان خصال حمیدہ سے مشرف ہو جو اللہ نے حضور کیلئے پسند فرمائے تو حضور کو بشر میں شمار کرنا ایسا ہے جیسا کہ یاقوت کو پتھر میں گننا۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ ان عبارتوں سے کیسا روشن کہ تشبیہ محض ظاہر کے اعتبار سے ہو سکتی ہے اور باطن کے اعتبار سے نہیں ہو سکتی۔ معترض بہادر یہ سنتے چلیں کہ امام احمد رضا کا وہ ترجمہ جسے انہوں نے اردو کے ترجموں کی بنا پر غلط بتایا تھا وہ علماء کے نزدیک نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ ایسا مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں تو وہ جو ہم نے کہا تھا کہ ہر غیر مشہور غلط نہیں ہوتا محض تنزل تھا اور اردو کے ترجموں کی ہی حد تک تھا نیز ان ارشادات کے پیش نظر ترجمۂ رضویہ کو دیگر تراجم پر فوقیت ظاہر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے تو اس کے مقابل دیگر تراجم کو لانا جہل ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ معترض میں ہمت ہے تو اب ان علماء کو وہ الزام دے جو سرکار امام احمد رضا کو دئے۔ کوئی بعید نہیں کہ انہیں بھی کہنے کی جرأت کر بیٹھا ہو۔ مگر پہلے اپنوں کی تو خبر لو۔ سنو یہ شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کیا فرما رہے ہیں وللآخرۃ خیرلک من الأولیٰ کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں "یعنی البتہ ہر حالت آخر بہتر باشد ترا از معاملت اول تا آنکہ بشریت ترا اصلاً وجود نہ ماند وغلبۂ نور حق بر تو علے اسبیل الدوام حاصل شود" اھ یعنی ہر آئندہ حالت تیرے لئے معاملۂ گذشتہ سے بہتر ہوگی یہانتک کہ تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ رہے اور ہمیشہ کے لئے تیرے اوپر نور حق کا غلبہ ہو۔ معترض صاحب یہ تو بہت اونچی ہو گئی۔ آپ نے تو امام احمد رضا کو محض اتنی سی بات پر کہ انھوں نے "ظاہر صورت بشری" فرمادیا یہ الزام دے دیا کہ معاذ اللہ سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء امام احمد رضا کے نزدیک خدا ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں "دوسرے ظاہر صورت بشری میں تو پیارے پیغمبر دوسرے انسانوں کی مانند انسان ہیں حقیقت میں کیا ہیں یہ نہیں بتلایا اگر انسان کے علاوہ فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق مانا جائے تو توہین ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان تمام مخلوقات سے درجہ میں بلند ہے اس لئے سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہر میں بشر ہیں حقیقت میں خدا ہیں الخ

ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے۔ کافر سب کو کافر ہی سمجھتا ہے۔ مگر شاہ صاحب تو معترض کے طور پر بشریت حضور ہی سے منکر ہو گئے۔ اب انہیں بھی یہی الزام دے ورنہ ان کے بچاؤ کی کیا تدبیر ہے بتائے۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر ۔ اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر۔ ابھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اور سنئے۔ یہ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی کی قصیدہ بردہ کی شرح عطر الوردۃ میں

رقمطراز ہیں

(منزہ عن شریک فی محاسنہ ۔ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

(ترجمہ) جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اس عیب سے پاک ہیں کہ ان کی خوبیوں میں بالذات اور کوئی ان کا شریک ہو بلکہ تمام خوبیوں کے آپ مستقل مالک ہیں اوروں میں جو خوبیاں ہیں آپ کی خوبیوں کا ظل ہے کیونکہ وہ آپ ہی سے مستفاد ہیں" الخ معترض صاحب یہ تو تمہیں اور کڑوی لگنی چاہئے کہ اسمیں تو سرے سے تشبیہ ہی کی نفی ہے مگر دیوبندی کی شرم رکھنے کو کچھ فتوی صادر نہ کروگے یہی ذوالفقار علی اس کتاب کے آخر میں اپنے قصیدۂ نعتیہ میں کہتے ہیں ع ما مثل احمد فی الوجود کریما حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل وجود میں کوئی کریم نہیں۔ ظاہر ہے کہ کرم ایک باطنی وصف ہے جسمیں حضور کے مثل کی نفی کی ہے۔ للہ انصاف جب حضور کے وصف باطنی میں کوئی آپ کا مثل نہیں تو اب مثلیت سوائے ظاہر کے کاہے میں رہ گئی کیوں معترض بہادر اب کیا یہی ٹھہرائی ہے کہ ہم کہیں تم نہ کہو ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آگے میلاد گوہر کے اشعار نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ "ان شعروں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا اوتار ظاہر کیا گیا ہے اگر امام احمد رضا اس کو تسلیم نہیں کرتے تو انہوں نے ترجمہ میں "ظاہر صورت" کے الفاظ کیوں بڑھائے" بحمدہ تعالے ہمنے ثابت کیا کہ "ظاہر صورت" کی قید ضروری جس پر صحت کلام موقوف اور اسی سے آیات واحادیث کے درمیان تطبیق حاصل اور اپنے مفید مطلب عبارات خصوصاً شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا فرمان واجب الاذعان اور آخر میں ذوالفقار علی دیوبندی کی عبارت پیش کی۔ کسی کے خلاف شرع شعر سے امام احمد رضا پر کیا الزام۔ نہ اس "ظاہر صورت" سے اس شعر کو تسلیم کرنا لازم اور اگر معترض کے نزدیک یہی ہے "ظاہر صورت" کی قید سے مذکورہ اشعار کا تسلیم کرنا لازم ہے تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اور اس دیوبندی سے بھی پوچھے کہ اے شاہ صاحب اگر تم ان کو تسلیم نہیں کرتے تو تم نے کیوں کہا کہ تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ ہے اور اے دیوبندی صاحب تم نے حضور کے مثل کی نفی کیوں کی۔ معترض بہادر بھر بے دیکھے تیر چلا گئے۔ تنبیہ۔ میلاد گوہر سے معترض نے یہ شعر بھی نقل کیا

ادب سے زباں تھام کر رہ گیا میں ۔ حبیب خدا کو خدا کہتے کہتے اس شعر میں کوئی حرج نہیں اسکے معترض کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا تو اسے ذکر کرنا طرفہ جہالت ہے۔ نیز اس شعر کو بھی معترض نے جائے اعتراض میں رکھا ہے جو یہ ہے

ندا تھی کہ سرکار تشریف لاؤ ۔ دو عالم کے مختار تشریف لاؤ۔ یہ شعر ہمارے نزدیک صحیح ہے اسمیں کوئی حرج نہیں۔ وہابیہ نہ مانیں تو ہماری بلا سے جہنم میں جائیں۔ پھر لکھتے ہیں" اگر کوئی صاحب کہدیں کہ "ظاہر صورت" اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ کوئی دھوکہ نہ کھا جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی پناہ بالکل دوسرے انسانوں کی مانند کمالات سے خالی ہیں یہ کہنا جہالت ہے کیونکہ جن کا قرآن مجید پر ایمان ہے وہ آپ کے فضائل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ایمان نہیں ان کیلئے یہ وضاحت بیکار ہے" اقول اولاً۔ ہرگز بیکار نہیں اسلئے کہ ایمان والوں میں زیرک ونادان سبھی ہیں اور نادان کے لئے یہ وضاحت ضروری اگرچہ زیرک کیلئے ضروری نہیں اور بے ایمان کے لئے یہ قید اس کے منہ میں لگام لگانے کے لئے ہے۔ ثانیاً معترض نے خود ہی صاف کہدیا کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جن کا فضائل حضور پر ایمان ہے۔ معترض بہادر اسمٰعیل دہلوی تو سب بندوں کو بڑے یا چھوٹے عجز ونادانی میں برابر کہہ چکے اور یہ کہہ کر فضائل نبی سے مکر چکے اور تم خود قبول کر چکے کہ جس کا قرآن مجید پر ایمان ہے الخ تو بولو تم اور تمہارا امام بے ایمان ہوئے کہ نہیں پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ جن کا قرآن مجید پر ایمان ہے الخ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم آگے کہتے ہیں کہ "سوال ہوتا ہے کہ اگر ترجمہ میں صرف بشر لے آتے تو حرج کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا کافروں کا طریقہ بتلا چکے ہیں الخ اقول جی کافروں کا طریقہ نہیں تو آپ کے نزدیک مومنوں کا طریقہ ہوگا۔ ذرا بتایئے کون سی آیت کون سی حدیث میں آیا ہے کہ مسلمانوں نے سرکار کو اپنا جیسا بشر کہا قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین پھر لکھا "رسول اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر اور کائنات وجنت ودوزخ رزق وخیر کا مالک وقاسم بتا چکے ہیں اور حضور کو اپنا مجازی رب اور اپنے کو ان کا بندہ کہہ چکے ہیں" الخ قول۔ "اور رسول اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر" اللہ اللہ بقلم خود توحید پرستوں کو حضور کے مظہر الہی ہونے پر بھی اعتراض ہے جن کی یہ شان ہے کہ من رآنی فقد رای الحق جس نے مجھے دیکھا اس نے اپنے اللہ کا جلوہ دیکھا۔ معترض بہادر اگر بندے کا مظہر صفات الہی ہونا ناجائز ہے تو تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ کے اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوجاؤ کا کیا مطلب ہوگا اور مشکوۃ کی اس مشہور حدیث کا کیا معنی بیان کیجئیگا جس میں وارد ہوا ولا یزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتی أحبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا۔ یعنی بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک میں اسے چاہتا ہوں تو جب میں اسے چاہتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اللہ کے کان آنکھ ہاتھ پیر نہیں تو پھر حدیث کا کیا مطلب ہے معترض صاحب بتائیں۔ معترض بہادر جب اللہ کے کان آنکھ ہاتھ پیر نہیں تو سوائے اس کے کیا کہئے گا کہ بندہ اللہ کے صفات سمع وبصر وقدرت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اچھا معترض بہادر ہماری نہ مانو تو اپنے امام کی سنو۔ وہ صراط مستقیم میں رقمطراز ہیں کہ "پس صفات اگرچہ فی حد ذاتہا مستغنی از مظاہر است لیکن بنا بر اقتضائے حکمت الہیہ باوجود استغنا در مظاہر مختلفہ کہ عبارت از مخلوقات است ظہور نمودہ الخ" ملتقطاً لو تم تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے صفات کا مظہر کہنے پر معترض ہو امام الطائفہ نے تو ساری مخلوق کو مظاہر صفات کہہ دیا۔ ہماری تائید ہوئی۔ وللہ الحمد۔ معترض بہادر اب امام الطائفہ کو کیا کہتے ہیں۔ کذلک العذاب ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون قولہ "اور کائنات وجنت ودوزخ رزق وخیر کا مالک وقاسم بتا چکے ہیں" الخ بیشک حضور صلے اللہ علیہ وسلم مالک وقاسم ہیں۔ اللہ کے دیئے انہیں مالک بنایا قال تعالے إنا

أعطيناك الكوثر۔ بے شک اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تمہیں خیر کثیر عطا فرمائی۔ مدارج النبوۃ میں فرمایا۔ مراد بداں خیر کثیر است در دنیا و آخرت الخ۔ مراد اس سے دنیا و آخرت کی کثیر نعمتیں ہیں

رہی یہ بات کہ امام احمد رضا اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ لکھ چکے ہیں تو یہ بے شک صحیح ہے۔ یقیناً ہر اہل ایمان کے لئے بندۂ سرکار مدینہ ہونا فخر ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خود کو ان کا بندہ کہنا معاذ اللہ انہیں خدا کہنا ہے یہ معترض اور اس کی جماعت کی عقل کے شایاں ہے قرآن میں ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرمایا گیا۔ وانکحو الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وامائكم یعنی تم میں جو عورتیں بے شوہر ہیں ان کو بیاہ دو اور تمہارے بندوں اور باندیوں میں جو لائق ہیں ان کا نکاح کر دو معترض بہادر اب یہی الزام خدا کو دو ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ مسلمان پر اس کے بندے اور اس کے گھوڑے پر زکوۃ نہیں یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم اور باقی سب صحاح میں ہے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجمع صحابہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم کو جمع فرما کر علانیہ برسر منبر فرمایا کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنت عبدہ و خادمہ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں حضور کا بندہ تھا اور حضور کا خدمت گار تھا۔ یہ حدیث وہابیہ کے امام الطایفہ اسمعیل دہلوی کے دادا اور زعم طریقت میں پردادا جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں بحوالہ ابوحنیفہ و کتاب الریاض النضرۃ لکھی اور اس سے سند لی اور مقبول رکھی۔ مثنوی شریف میں قصۂ خریداری بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے۔ سیدنا صدیق اکبر نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کی شعر گفت ما دو بندگان کوئے تو۔ کردمش آزاد ہم بر روئے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ قُلْ يٰعبادی الذين أسرفوا على أنفسهم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ يغفر الذنوب جميعًا۔ إنه هو الغفور الرحيم اے محبوب تم اپنی تمام امت سے یوں خطاب فرماؤ کہ اے میرے بندوں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔ حضرت مولوی معنوی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں شعر

بندۂ خود خواند احمد در رشاد۔ جملہ عالم را بخواں قل یٰعباد

طرفہ یہ کہ وہابیہ کے حکیم الأمت اشرفعلی تھانوی حاشیۂ شمائم امدادیہ میں قرآن کریم کا یہی مطلب ہونیکی تائید کر گئے کہ تمام جہان رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا بندہ ہے معترض بہادر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق اعظم اور مولینا روم علیہ الرحمۃ کو بھی کیا شرک کا الزام دینگے۔ نیز شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہیں گے۔ اور اپنے حکیم الأمت تھانوی صاحب کیلئے کیا کہیں گے۔ اور سنیں محمود حسن دیوبندی رشید احمد گنگوہی کیلئے کہہ رہے ہیں ع۔ عبید سود کا انکے لقب تھا یوسف ثانی) مرثیہ گنگوہی یعنی رشید احمد گنگوہی کے کالے غلام بھی یوسف ثانی ہیں۔ ان کیلئے بھی جواب سوچ رکھیں۔ آگے معترض صاحب بہادر منہ کھولتے ہیں۔ اور بعض معتقد تو کھلے طور پر بشریت سے انکار کر چکے ہیں۔ اسی گروہ کے ہمنوا راز الہ آبادی کہتے ہیں" شعر

تجھے کہہ سکوں بشر میں یہ کہاں مری حقیقت ۔ میں زمیں پہ مر رہا ہوں تری عرش تک رسائی

بہت برے ہیں وہ لوگ جو حضور کی بشریت سے منکر ہیں۔ خارج از اسلام ہیں۔ وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں۔ ہم اہلسنت نہ بشریت مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم کے منکر اور تمہاری طرح نہ انہیں ایسا بشر کہنے کے قائل جو عجز و نادانی میں دوسروں کے برابر ہو۔ ہمارے نزدیک دونوں مردود جو ان کی بشریت کا منکر ہو وہ بھی اور جو انہیں اپنا جیسا کہے وہ بھی۔ لیکن معترض بہادر آپ نے دعوی پر بطور سند جو شعر پیش کیا ہے اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر یہ انکار بشریت ہے تو شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ تیری بشریت کا اصلا وجود نہ رہے بدرجۂ اولی انکار ہوگا۔ حالانکہ یہ گویند علماء ملت دیوبندیہ۔ آگے پھر جناب نے ماہر القادری کے دو شعر نقل کیے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

محمد مصطفے کی شان رفعت اور ہی کچھ ہے ۔ بظاہر تو بشر ہیں اور حقیقت اور ہی کچھ ہے

پردۂ میم ہٹ گیا وصل حبیب ہو گیا ۔ نور سے نور جا ملا صل علی محمدٍ

پہلا شعر ہمارے نزدیک بالکل درست ہے اور اقوال علماء کا جو ابھی گذرے عین مفاد ہے۔ ہاں دوسرا شعر البتہ ابہام سے خالی نہیں ضرور خلاف احتیاط ہے جس سے بچنا ضروری واللہ سبحنہ وتعالٰے اعلم۔ پھر لکھتے ہیں" ان لوگوں نے ذاتی وعطائی کی منطق کے ذریعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صفات خداوندی کے درجہ تک پہنچا دیا ہے" الخ

معترض بہادر شروع سے آخر تک یہی الزام طرح طرح سے دہرائے جاتے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک خدا ہیں اور ہر مرتبہ ناکام ہوئے اور وہ الزام خود اپنوں کے سر لاد چکے ہیں۔ اب کہ نئی صورت میں یہ الزام دیا ہے اور اس مرتبہ بھی عقل کو ہاتھ سے دیا ہے۔ صاحب بہادر۔ اللہ کی کوئی صفت عطائی نہیں کہ کسی کی دین ہو اس کی ہر صفت ذاتی ہے تو عطائی کو بھی اللہ کی صفت کہنا یہ وہ شرک ہے جس سے تم اپنے زعم میں بھاگے تھے یہ دیکھو وہ تمہارے سر پر آرہا کیونکہ جب اللہ کی صفت بھی عطائی ٹھہری اور عطائی غیر کی دین ہوتا ہے تو لازم ہوا کہ اللہ سے اوپر بھی کوئی ہو جسنے اسے صفات بخشیں والعیاذ باللہ العلی العظیم اور یہ عین شرک اور قاطع توحید ہے۔ اپنے ہی دام میں صیاد آ گیا ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم ذاتی اور عطائی کی تقسیم تو بے شک صحیح ہے اور اس کا اعتبار اجلۂ علماء نے کیا ہے بلکہ خود معترض صاحب بہادر سے ہم قبولوا دیں گے کہ یہ تقسیم صحیح ہے انشاء الکریم۔

ناظرین کرام انتظار کریں۔

اخ کے ترجمہ پر اعتراض

اب معترض صاحب بہادر آیۂ کریمہ کذبت قوم نوح المرسلین إذ قال لھم أخوھم نوح ألا تتقون کا ترجمۂ رضویہ جو یہ ہے ("نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے ہم قوم نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں") لکھ کر یوں منہ کھولتے ہیں "أخ کا ترجمہ بھائی ہے جسے تمام ترجمہ کرنے والوں نے لکھا ہے" الخ أقول شاید معترض بیچارے کی نظر اردو کے ترجموں کی حد تک ہے جن میں أخ کا ترجمہ بھائی کر دیا گیا ہے۔ انہیں کیا خبر کہ أخ اور معانی کیلئے بھی آتا ہے۔ مثلاً صدیق دوست اور صاحب کے معنی میں بھی آتا ہے کما فی القاموس والصحاح۔ عالم کو أخو العلم کہتے ہیں قال الشاعر أخو العلم حی خالد بعد موتہ۔ یعنی علم والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے اپنی موت کے بعد۔ کیوں معترض صاحب أخ کا ترجمہ بھائی ہے تو یہ ترجمہ تو آپ کے نزدیک صحیح ہوگا کہ علم کا بھائی کہا جائے۔ کبھی کسی شے پر أخ یا أخت کا اطلاق اس شے کے شئے دیگر کیساتھ کسی امر میں مشارکت کیوجہ سے بھی کرتے ہیں۔ علمی کتابوں میں اس قسم کے اطلاقات بکثرت ہیں۔ کما لایخفی۔ اور اسی قبیل سے عرب کا محاورہ ہے کہ وہ عربی کو أخو العرب کہتے ہیں جس کا با محاورہ ترجمہ عربوں کا ہم قوم ہی ہے یہاں لازم نہیں کہ أخو العرب تمام عرب کا بھائی ہو معلوم ہوا کہ ہر جگہ أخ کا ترجمہ بھائی نہیں ہوتا مگر ہمارے پنساری کے پاس سوائے ہلدی کی ایک گرہ کے اور ہے ہی کیا۔ وہ ہلدی کی گرہ یہ ہے کہ أخ کا ترجمہ بھائی ہے الخ مگر انہیں کون سمجھائے کہ أخوھم یہاں بھائی کے معنی میں نہیں۔ اس لئے کہ یہ امر ہر شخص پر ظاہر ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم میں ہر شخص کے بھائی نہ تھے اور یہاں آیت کریمہ میں أخوھم فرمایا گیا جو بمعنی بھائی تمام قوم کی نسبت صحیح نہیں تو لاجرم أخوھم أخو العرب کا أخ اور اس کی نظیر ٹھہرا اور اس لفظ سے الواحد منھم ان میں کا ایک مراد ہوا۔ عام ازیں کہ قوم میں وہ فرد کسی کا نسبی بھائی ہو یا نہ ہو۔ مگر معترض بہادر خواہ مخواہ نوح علیہ السلام کو سب کا بھائی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر ان کے امام الطائفہ کے دھرم پر بڑے بھائی جو ٹھہرے۔ معترض صاحب میری نہ مانیں۔ اپنی مبلغ علم بیضاوی کی تو مانیں۔ اسی بیضاوی میں والی عاد اخاھم ھوداً کے تحت ہے۔ (ھوداً) عطف بیان لاخاھم والمراد بہ الواحد منھم کقولھم یا أخا العرب للواحد منھم إلخ یعنی أخاھم سے مراد ان میں کا ایک ہے جیسے عرب کہتے ہیں اے برادر عرب اپنے میں سے ایک کے لئے معترض بہادر نصوص کا اپنے حقیقی معنی پر چھوڑنا واجب ہے کما قد عرف فی محلہ تاہم علامہ بیضاوی یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ مراد اس سے ان میں کا ایک ہے آخر یہ کہنے کی کیا ضرورت در پیش ہوئی۔ یہی نا کہ یہاں أخ بمعنی بھائی سب کی نسبت صحیح نہیں معترض بہادر اب اپنا اعتراض قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ پر بھی جڑ دیجئے کہ أخ کا معنی تو بھائی ہے آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ المراد بہ الواحد منھم الخ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اب معترض صاحب آگے لکھتے ہیں "مگر بریلویوں کے مجدد پیغمبروں کو بھائی کہنا توہین قرار دے چکے ہیں" الخ بے شک پیغمبروں کو بھائی کہنا توہین ہے۔ یہ بات ہر ذوق ایمانی والا جانتا سمجھتا ہے۔ امام احمد رضا کوئی بات اپنے دل سے گڑھ کر نہیں فرماتے۔ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں ان سے پہلے ان کے بیشتر علماء وہی فرما چکے ہیں۔ اس مسئلہ میں بھی ان کے سلف موجود ہیں سنو یہ علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الأنوار میں فرما رہے ہیں ورح اعبدوا اللہ ربکم و اکرموا أخاکم اراد نفسہ صلی اللہ علیہ وسلم ھضما لنفسہ أی أکرموا من ھو بشر مثلکم لما اکرمہ اللہ تعالٰی بالوحی یعنی اللہ کو پوجو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو تواضعاً مراد لیا یعنی اس کی تعظیم کرو جو بشریت میں تم جیسا ہے اسلئے کہ اللہ نے اس کو وحی سے عظمت بخشی ہے۔ دیکھو کیسا صاف بیان ہے کہ حضور نے تواضعاً خود کو بھائی فرمایا اور ہر ایمان والا جانتا ہے کہ آقا اپنے لئے جو چاہے تواضع کے بطور فرمائے۔ غلام کو اس میں دخل کرنے کی کیا مجال۔ لاجرم مدارج النبوۃ میں فرمایا ترجمہ یہاں ادب کا ایک اصول ہے جسے بعض اصفیا و اہل تحقیق نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر جناب ربوبیت سے نبی کی شان میں کوئی خطاب یا عتاب یا سطوت و سلطنت و استغنا و تعلی کا اظہار ہو یا جانب نبوت سے عبودیت و انکسار و مسکینی و افتقار کا مظاہرہ ہو تو ہمیں نہ چاہئے کہ اس میں دخل کریں اور اشتراک ڈھونڈیں بلکہ حد ادب پر دم بخود ٹھہریں۔ آقا کو پہنچتا ہے کہ بندہ سے جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے اور استعلا و استیلا فرمائے

اور بندہ بھی آقا کے حضور فروتنی و بندگی کرتا ہے دوسرے کی کیا مجال کہ اس مقام میں دخل کرے اور حد ادب سے باہر جائے اور یہ مقام بہت سے ضعیف العقل اور جاہلوں کی لغزش اور ان کے ضرر کا سبب ہے اور اللہ ہی سے حفاظت و اعانت ہے۔ معترض بہادر یہ لیجئے ہم نے علامہ طاہر فتنی کی مجمع بحار الانوار سے دکھا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو صحابہ کا بھائی کہنا تواضع تھا اور مدارج النبوۃ سے ثابت کیا کہ انبیاء جو کچھ تواضعاً فرمائیں اسمیں ہمیں دخل جائز نہیں۔ بحمدہ تعالٰی حدیث سے آپکے استدلال کی راہ مسدود ہوئی۔ اب معترض صاحب بہادر کسی معتبر کتاب سے علامہ طاہر فتنی کیخلاف ایک عبارت ہی لاکر دکھائیں اور اگر نہ لاسکیں تو اپنا عجز مان کر اس مسئلہ کا اجماعی ہونا تسلیم کریں اور یہ بتاتے چلیں کہ خارق اجماع کا حکم کیا ہے؟۔ اب سابقہ عبارت کے متصل ہی لکھتے ہیں "اس لئے قرآن مجید میں أخ کا ترجمہ ہم قوم کیا ہے جو محض جاہلوں اور کم علموں کو دینا ہے ورنہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اگر پیغمبر کو بھائی کہنا توہین ہے تو ہم قوم یعنی اپنی قوم بتلانا بھی توہین ہونا چاہئے" الخ ہم نے ثابت کیا کہ نبی کو بھائی صرف امام احمد رضا ہی کے نزدیک نہیں بلکہ متقدمین کے نزدیک بھی توہین ہے۔ اب قاضی بیضاوی پر جنہوں نے أخوھم سے ہم قوم مراد لیا ہے اور ان علماء پر جنہوں نے بیضاوی کے قول کو مقرر کیا یہی اعتراض جڑئیے اور انہیں بھی دھوکہ بازی کا الزام دیجئے۔ نہیں بلکہ خدا سے بھی کہئے کہ اسنے نبی کو کافروں کا ہم قوم بتا کر نبی کی توہین کیوں کی ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ معترض بہادر کو ابھی یہی تمیز

نہیں کہ بعض بات خود توہین ہوتی ہے اور اس کا اطلاق جائز نہیں ہوتا اور پیغمبر کو بھائی کہنا ایسا ہی ہے کہ اس کا اطلاق ہی نبی پر جائز نہیں جیسا کہ مجمع بحار الانوار سے مستفاد ہوا اور بعض بات خود توہین نہیں ہوتی بلکہ اگر معرض توہین میں کہی جائے تو توہین ہوتی ہے اور یہاں اُخوھم جس سے قطعاً ہم قوم مراد ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کیا اور قاضی بیضاوی کی شہادت اس پر دی معرض توہین میں نہیں کہا گیا بلکہ اس سے کافروں پر ہی طعن مقصود کہ انہوں نے اپنے ہی قوم کے ایک جانے پہچانے ہوئے کی جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا تکذیب کی۔ معترض بہادر کی یہ ابلہ فریبی دیدنی ہے کہ انہوں نے ایسی بات کو جو توہین نہیں ہے اپنی بات بنانے کے لئے اسے بھی توہین بنا لیا۔

ذنب کے ترجمہ پر اعتراض

معترض بہادر اب سورۂ فتح کی آیت کریمہ إنا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر ويتم نعمته عليك الخ کا ترجمہ رضویہ جو یہ ہے (بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے" الخ ملخصاً بقدر الحاجۃ لکھ کر یوں منہ کھولتے ہیں" اس ترجمہ میں لام کو سببیہ مان کر تمہارے سبب سے کہنا درست ہو سکتا ہے مگر ما تقدم من ذنبك وما تأخر میں گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے اور مفہوم بھی نہیں ہو سکتا جی ہاں الفاظ اتنے ہی ہیں جتنے آپ کو سوجھیں اور مفہوم وہی ہے جو آپ کی سمجھ دانی میں سما جائے اور جو اس میں نہ آئے وہ مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔ معترض بہادر امام احمد رضا کی دشمنی سلف کی دشمنی ہے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سلف کا ارشاد ہوتا ہے علامہ ہبۃ ابن سلامۃ الناسخ والمنسوخ میں فرماتے ہیں۔ وقد اختلف المفسرون في قوله تعالیٰ ليغفر الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔ قال جماعة ما تقدم من ذنبك قبل الرسالة وما تاخر بعدها وقال الاخرون ما تقدم من ذنبك وما تأخر من ذنوب امتك لانه يتب به على آدم وهو الشافع لامته فيمتن بذلك عليه وقال آخرون ما تقدم من ذنب ابيك ابراهيم وما تاخر من ذنوب النبيين فيه يتب ايضا عليهم الخ یعنی مفسرین کرام کا آیۂ کریمہ ليغفر الله الخ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ رسالت سے پہلے اور اس کے بعد کے خلافِ اولیٰ امور مراد ہیں۔ اور دوسروں نے کہا کہ خدا آپکے اگلوں اور آپ کے پچھلوں کے گناہ بخشدے۔ اس لئے کہ آپ کے سبب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اور آپ اپنی امت کے شفیع ہیں تو اللہ اس فضیلت سے آپ پر احسان فرما رہا ہے اور دوسروں نے کہا کہ آپ کے باپ ابراہیم اور ان کے بعد کے نبیوں کے خلافِ اولیٰ امور بخشدے۔ اس لئے کہ حضور کے طفیل ان کی توبہ قبول ہوئی۔ شفاء و شرح شفاء ملا علی قاری میں ہے ترجمہ یعنی کہا گیا کہ مراد اس سے خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہے اس بنیاد پر کہ مضاف محذوف ہے اور کچھ نے کہا کہ مراد اس سے آدم علیہ السلام کی سابقہ لغزشیں اور آپ کی اُمت کے گناہ ہیں اس بنیاد پر کہ اضافت ادنی مناسبت کی وجہ سے ہی ولك بمعنی لأجلك ہے (یعنی تمہارے سبب سے الخ) اس قول کی حکایت فقیہ امام ابو اللیث سمرقندی جو اکابر حنفیہ میں سے ہیں اور امام عبد الرحمٰن سلمی صوفی صاحب طبقات الصوفیہ اور تصوف میں تفسیر کے مؤلف نے ابن عطا سے کی۔ امام مکی نے فرمایا کہ یہاں جو خطاب نبی علیہ السلام سے ہے وہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے ہے اضافت میں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یا مضاف کے محذوف ہونے کی وجہ سے۔ معترض صاحب بہادر یہ دیکھئے علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سمرقندی سلمی ابن عطاء اور مکی سے کیا نقل فرماتے ہیں۔ اور یہ علماء مذکورین کس طرح اسے وجوہ قرآن میں سے ایک وجہ بتا رہے ہیں۔ اور علامہ قاضی عیاض اور علی قاری دیگر وجوہ کی طرح کیوں کر اس وجہ کو بھی مقرر رکھ رہے ہیں۔ اور اپنے اس صنیع جمیل سے بتا رہے ہیں کہ قرآن اپنی جمیع وجوہ پہ حجت ہے۔ کما فی التفسیر الکبیر والزرقانی علی المواھب وغیرھما۔ معترض صاحب بہادر اب تو کھل گیا کہ جسے آپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ الفاظ کا ترجمہ بھی نہیں ہو سکتا وہ وجوہ قرآن میں سے ایک وجہ ہے جسے ایسے جلیل القدر علماء نے افادہ فرمایا ہے۔ معترض صاحب بہادر اب کہیے یہ اعتراض تو امام احمد رضا پر نہیں علماء پر نہیں بلکہ خود قرآن پر ہو گیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور آپ کی قرآن فہمی اور پیروی سلف کا بھرم کھل گیا۔ مگر یہ کہ ع بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ اب معترض بہادر اپنے دعوائے مذکورہ کی دلیل دے رہے ہیں کیوں کہ جب سب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف ہی ہو گئے' تو سب جنتی ہو گئے' کسی کی تخصیص بھی مترجم نے نہیں کی ہے۔ پھر جہنمی کوئی نہ ہوگا۔ اس لئے صحیح ترجمہ و مفہوم وہی ہے جو دوسرے مترجمین و مفسرین نے اختیار کیا ہے" اھ اقول بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے دکھا دیا کہ قول مفسرین کرام کی ایک جماعت کا ہے جسے امام علام ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلامۃ اور امام قاضی عیاض اور علامہ علی قاری نے منجملہ دیگر اقوال کے مقرر رکھا۔ معترض بہادر ان پر بھی اعتراض جڑ دو اور انہیں بھی پڑھاؤ کہ صحیح مفہوم وہی ہے جو دوسرے مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ معترض بہادر آپ سے یہ کون کہہ گیا کہ یہ حکم سب اگلوں اور پچھلوں کے لئے ہے خواہ مومن و موحد ہوں یا کافر و ملحد ہوں۔ اجی یہ حکم انہیں کے لئے ہے جو کفر و شرک سے دور ہوں بیشک ان کا مآل کار مغفرت ہے جیسا کہ تمام علماء اہلسنت نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور وہ مغفرت سرکار کے طفیل میں ہے آگے معترض بہادر اپنی پرانی عادت کے مطابق شاہ رفیع الدین علیہ الرحمۃ کا ترجمہ لکھ کر کہتے ہیں" دیکھئے شاہ صاحب نہ تو لام کو سببیہ مان رہے ہیں اور نہ اگلوں اور پچھلوں کے گناہ مراد لے رہے ہیں جی ہاں ابن عطاء سمرقندی سلمی مکی ابن سلامۃ قاضی عیاض ملا علی قاری ایک ایک کو شاہ صاحب کا ترجمہ دکھائیے اور کہئے۔ دیکھئے شاہ صاحب نہ تو لام کو سببیۃ مان رہے ہیں اور نہ الخ پھر شاہ عبد القادر علیہ الرحمۃ کا ترجمہ لکھ کر کہتے ہیں کہ" اس جیسا ترجمہ اور دوسرے حضرات نے بھی کیا ہے"۔ ہاں ان سب علماء کو ان حضرات کے ترجمے دکھائیے اور ان سے کہئے کہ آپ سب

پر ہمارے حضرات کی پیروی لازم ہے، یہ منہ اور پیروی سلف کا دعویٰ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ آگے کہتے ہیں "اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں پھر تمام پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ فرمایا کہ آپکے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے کس لئے ہے اس کا جواب دینے کے لئے وہ طریقہ غلط ہے جو طریقہ امام احمد رضا نے اختیار کیا ہے، ترجمہ میں تبدیلی کردی" الخ ملتقطا ان مفسرین کرام سے بھی فرمائیے کہ اس اعتراض کا جواب دینے کیلئے وہ طریقہ غلط ہے جو تم نے اختیار کیا۔ قرآن میں حذف مضاف مان کر الفاظ بڑھائے اور تحریف کا الزام انھیں بھی دیجئے جو امام احمد رضا کو دے چکے آگے معترض بہادر نے تفسیر بیضاوی سے آیت کریمہ کی دوسری توجیہہ نقل کی ہے جو ہماری مذکورہ توجیہہ کے منافی نہیں ہے۔

نبی کے ترجمہ پر اعتراض!

اب باذنہ تعالیٰ معترض بہادر کے دوسرے اعتراض کی خبر لیں جو انھوں نے لفظ نبی کے ترجمہ رضویہ پر کیا ہے۔ علم غیب کی بحث چھیڑی ہے۔ کہتے ہیں۔ نبی کا ترجمہ خانصاحب نے "ہر جگہ غیب کی خبر دینے والے ہی کیا ہے" ہو سکتا ہے کہ کسی لغت میں نبی کے معنی غیب کی خبر دینے والا لکھے ہوں"۔ معترض بہادر کسی لغت میں لکھا ہو کیا مطلب لغت کی کتابوں میں یہی لکھا ہے مگر آپ کو لغات دیکھنے کی فرصت کہاں ہے۔ ہم سے سنیئے۔ قاموس میں ہے النَّبِیُّ المخبر عن اللہ تعالیٰ وترک الھمز المختار صراح میں ہے نَبِیٌّ" پیغامبر الخ قاموس اور صراح کی عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اللہ کی طرف سے خبر دینے والے اسکے پیغامبر کو کہتے ہیں نیز المعجم الوسیط میں ہے النَّبِیُّ المخبر عن اللہ عزّ وجلّ رہی یہ بات کہ نبی اللہ کی طرف سے کیسی خبر دیتا ہے۔ معترض بہادر سوچو تو نبی جو کچھ فرماتا ہے وہ شرک ہو تو نبی کے آنے اور اس کے بتلانے کی حاجت ہے۔ بھلا بتاؤ تو صحیح نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ جنت دوزخ تمام امور دین اگر غیب نہیں تو غیب پھر کس چیز کا نام ہے۔ بے شک یہ غیب ہے اور بے شک نبی اللہ کیطرف سے غیب ہی لاتا ہے۔ لاجرم المنجد میں اسی لئے کہا (النُّبُوَّۃُ والنّبوۃ) الاخبار عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ۔ الاخبار عن اللہ وما یتعلق بہ تعالیٰ (النبیُّ والنّبی) المخبر عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ۔ المخبر عن اللہ وما یتعلّق عن اللہ تعالیٰ۔ اس کا ترجمہ اپنے ہی مستند عبدالحفیظ بلیاوی سے سنیئے وہ مصباح اللّغات میں رقم طراز ہیں۔ (النّبوۃ والنبوۃ) اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانا۔ پیشین گوئی کرنا۔ خدا کی طرف سے پیغامبری۔ معترض بہادر کاش اپنے بلیاوی صاحب کی مصباح اللغات ہی دیکھ لیتے۔ معترض صاحب اب اسکا ثبوت لئے چلئے کہ وہ معنی جو لغت میں بیان ہوئے شرعاً بھی معتبر ہیں۔ سنئے علّامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں ھو بمعنی فاعل من النبأ الخبر لانہ انبأ عن اللہ۔ یعنی بمعنی فاعل کے بناء بمعنی خبر سے ہے۔ اس لئے نبی اللہ سے غیب کی خبر دیتا ہے۔ اور سنیئے علّامہ ابن حجر عسقلانی مقدمۂ فتح الباری میں فرماتے ہیں والنبیُّ بالھمزۃ المخبر عن اللہ وقیل بمعنی مفعول ای اخبرہٗ اللہ تعالیٰ بأمرہ وقیل اشتق من النبّی لرفعۃ منازلھم وقیل النبیّ الطریق سُمّی بذلک لانہ الطریق الی اللہ تعالیٰ الخ ملتقطاً یعنی نبی بالھمزہ اللہ سے خبر دینے والا اور کہا گیا کے مفعول کے معنی میں ہو۔ یعنی اللہ نے اسے اپنے راز کی خبر دی اور کہا گیا کہ نبیٌ بمعنی نبۃٌ سے مشتق ہے انبیاء کے بلند منازل و مراتب کی وجہ سے اور کہا گیا کہ نبی راستہ ہے۔ نبی کا نبی نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ اللہ کا راستہ ہے۔ کیوں معترض بہادر تمہارے نزدیک تو نبی موٹی موٹی باتیں بتاتا ہوگا جو سب کو معلوم ہوں۔ اللہ نے اسے ایسی ہی باتیں بتائی ہوں گی جبھی تو وہ اور سب عجز و نادانی میں شریک ہوگئے اور انھیں معمولی باتوں کی بناء پر اللہ کے یہاں نبی کی منزل بلند ہوگئی اور معاذ اللہ وہ بایں نادانی اللہ کا راستہ ہوگیا۔ ما قدروا اللہ حق قدرہٖ۔ اور سنئے شفاء و شرح شفاء میں ہے۔ فالنبوۃ فی لغۃ من ھمزماً خوذۃ من النبأ وھو الخبر وقد لا تھمز علی ھذا التأویل والمعنی انّ اللہ اطّلعہ علی غیبہ ای لبعض مغیباتہ وغیبہ المختص بہ من عند ربہ الخ ملتقطاً۔ یعنی نبوۃ بناء بمعنی خبر ہے اس کی لغت میں جو اسے مہموز پڑھے۔ اور کبھی ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی اسی معنی میں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو غیب پر مطلع فرمایا بعض غیب پہ مطلع فرمایا ان غیوب پہ مطلع فرمایا جو نبی کا اسکے رب کیطرف سے خاصہ ہے۔ زرقانی میں ہے۔ النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب۔ نبوت غیب پر اطلاع ہے۔ آگے لکھتے ہیں" مگر شریعت کی اصطلاح میں نبی اللہ کے ایسے بندے کو کہتے ہیں جس پر وحی اُتری ہو" الخ اس کا جواب اب لئے چلئے کہ نبی بمعنی غیب کی خبر دینے والا غیب جاننے والا یہ معنی بھی شرعی ہے جیسا کہ عبارت علماء بلکہ خود قرآن سے روشن ہوا، ثانیاً آپکے کلام سے صاف ظاہر ہوا کہ آپ معنی مذکور کے شرعی ہونے کے منکر ہیں حالانکہ علماء فرمارہے ہیں بلکہ خود قرآن اس معنی کا اثبات فرمارہا ہے۔ معترض بہادر اپنے سینے پر دم کیجئے۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ثالثاً۔ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک الایۃ سے روشن ہے کہ وحی غیب کی ہوئی اور وحی خود غیب ہے جسے حاضران بارگاہ رسالت نے بھی اترتے نہ دیکھا۔ تو وہ تعریف جو نبی کی آپ نے بے سوچے سمجھے لکھ دی ہے۔ وہ نبی کے معنی مذکور کے کیا منافی ہوئی بلکہ نبی اور رسول کی دونوں تعریفوں سے صاف ظاہر کہ غیب جاننا دونوں کا مفہوم وماہیت ہے کہ نبی اور رسول وہ ہو ہی نہیں سکتا جو غیب نہ جانے یہ خود ظاہر ہے مگر آپ کو سمجھ کہاں (شعر) ولیس یصح فی الاعیان شیٌٔ اذا احتاج النھار الی دلیل۔ آگے لکھتے ہیں:" اب خانصاحب کو شرعی اصطلاح سے ضد تھی تو نبی کا ترجمہ نبی ہی کر دیتے"۔ الخ۔ مذکورہ بالا بیان سے خوب روشن ہوگیا کہ شریعت سے ضد کس کو ہے۔ اپنا الزام دوسرے کے سر دھرتے ہوئے ذرا بھی تو شرمائیے۔ ہاں یوں کہیئے کہ امام احمد رضا کو آپ کی گڑھی ہوئی شرعی اصطلاح جس سے نبی کی نبوت

ہی نہیں رہتی۔ ایسی اصطلاح سے مزد رضد ہے، پھر لکھتے ہیں "جب نبی کا ترجمہ غیب کی خبر دینے والا ہے پھر اصل لفظ کی کیا ضرورت باقی رہی" (اقول۔ نبی کے مقدمہ فتح الباری میں یہ معنی بیان ہوئے۔ اللہ کیطرف سے غیب کی خبر دینے والا اللہ نے جسے اپنے راز کی خبر دی بلند رتبے والا۔ اللہ کا راستہ اور ان معانی میں باہم منافاۃ نہیں تو یہ سب نبی سے مراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا امام احمد رضا نے آپ کے بقول آپ کی ترکی اصطلاح سے ضد کی بناء پر ایک معنی کی تصریح فرمادی اور باقی معانی مراد لئے۔ امام احمد رضا کے کلام کو سمجھنے کی قابلیت بھی نہیں اور چلتے ہیں اعتراض کرنے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آگے لکھا مگر یہاں بھی اپنا مصنوعی عقیدہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ذرہ ہر ایک کے پیش نظر رہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم ماکان ومایکون ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ہر نبی کو علم ماکان ومایکون عطا ہوا اور بحمد اللہ ہمارا جو عقیدہ ہے وہی قرآن وحدیث کا ارشاد ہے۔ وہی ائمہ اعلام فرمان واجب الانقیاد ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ وھدی ورحمۃ وبشری للمؤمنین۔ ترجمہ۔ اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے یہاں اور مسلمانوں کیلئے ہدایت ورحمت وبشارت وقال اللہ تعالیٰ ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل لکل شیئ۔ قرآن وہ بات نہیں جو بنالی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شیئ کا صاف صاف جدا جدا بیان وقال تعالیٰ مافرطنا فی الکتاب من شیئ اقول وباللہ التوفیق۔ جب قرآن مجید ہر شیئ کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجہ کا مفصل اور اہلسنت کے مذہب میں شیئ ہر موجود کو کہتے ہیں۔ تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتابت لوح محفوظ بھی ہے تو بالضرورۃ یہ بیانات محیط اس کے مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوئے اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھئے دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وکل صغیر وکبیر مستطر" چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ احصیناہ فی امام مبین ۔ ہر شیئ ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی وقال اللہ تعالیٰ ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیروں میں اور نہ کوئی تر نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرۃ خیر نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے۔ اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے۔ تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون اور جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض اور عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ وللہ الحجۃ السامیہ اور جبکہ یہ علم قرآن عظیم کے تبیانا لکل شیئ ہونے نے دیا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ وصف تمام قرآن مجید کا ہے نہ ہر آیت نہ ہر سورۃ کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیک یا منافقین کے بارے میں فرمایا جائے لا تعلمھم ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفوی کا نافی نہیں۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم کی احادیث صریحہ صحیحہ کثیرۃ شہیرۃ اس عموم واطلاق کی اور تاکید وتائید فرمارہے ہیں۔ صحیحین بخاری ومسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر جب سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرمادیا کوئی چیز چھوڑ نہ دی یاد رہا جسے یاد رہا بھول گیا جو بھول گیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔ ایک بار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ابتداء آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کا حال ہم سے بیان فرمایا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا۔ بھول گیا جو بھول گیا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد غروب آفتاب تک خطبہ فرمایا۔ بیچ میں ظہر وعصر کی نمازوں کے سوا کچھ کام نہ کیا۔ فاخبرنا بما کائن الی یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا۔ اس میں سب کچھ ہم سے بیان فرمادیا جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا۔ ہم میں زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔ جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرۃ ائمۃ حدیث میں باسانید عدیدۃ وطرق متنوعۃ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم سے ہے۔ اور حدیث ترمذی معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ فرأیتہ عزوجل وضع کفہ بین کتفی فوجدت بردا ناملہ بین ثدی فتجلی لی کل شیئ وعرفت۔ میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اس نے اپنا دست قدرت مری پشت پر رکھا کہ مرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اس وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ ھذا حدیث حسن صحیح سألت محمد ابن اسمٰعیل عن ھذا الحدیث فقال صحیح" یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے امام بخاری سے اس کا حال پوچھا فرمایا صحیح ہے۔ اسی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسی معراج منامی کے

بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فعلمت ما فی السمٰوٰت والأرض۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ مرے علم میں آگیا۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں۔ "پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمینہا بود عبارت است از حصول عامۂ علوم جزوی وکلی واحاطۂ آں" امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات اور طبرانی معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو یعلیٰ و ابن منیع و طبرانی ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ فی السماء إلا ذکر لنا منہ علماً۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔ طبرانی معجم کبیر اور نعیم بن حماد کتاب الفتن اور ابو نعیم حلیہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ قد رفع لی الدنیا فأنا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا الی القیامۃ کانی انظر الی کفی ھذہ جلیانا من اللہ جلاہ لنبیہ کما جلاہ للنبیین من قبلہ۔ بے شک اللہ عز وجل نے مرے سامنے دنیا اٹھائی تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنے اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس روشنی کے سبب جو اللہ نے اپنے نبی کے لئے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیاء کیلئے روشن کی تھی

اس حدیث سے روشن کہ جو کچھ زمین میں اور سمٰوٰت و ارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا ان سب کا علم اگلے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی عطا کیا گیا۔ اور حضرت عز وجل نے اس عالم ما کان وما یکون کو اپنے محبوبوں کے پیش نظر فرما دیا مثلاً شرق سے غرب تک، ارض سے فلک تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہزاروں برس پہلے ان سب کو ایسا دیکھ رہے ہیں گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ ایمانی نگاہ میں نہ یہ قدرت الٰہی کے اوپر دشوار نہ عزت و وجاہت انبیاء کے مقابل بسیار مگر وہابی بیچارے جن کے یہاں خدائی کی حقیقت اتنی ہو کہ وہ ایک بیڑ کے پتے گن دے وہ آپ ہی ان حدیثوں کو شرک اکبر کہنا چاہیں اور علماء اعلام اور ائمہ کرام ان سے سندیں لائیں انھیں مقبول و مسلم کہتے آئیں جیسے امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین علامہ سیوطی مصنف خصائص کبریٰ و امام شہاب الدین محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ و امام ابو الفضل شہاب الدین ابن حجر ہیثمی مکی شارح وعلامہ شہاب احمد محمد مصری خفاجی صاحب نسیم الریاض، شرح شفاء قاضی عیاض وعلامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی صاحب شرح مواہب وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ انھیں مشرک نہ کہیں تو اپنی جھوٹی توحید کیونکر نباہیں الخ میں یہ کلام امام احمد رضا کی کتاب کامل النصاب انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ سے اقتباس کر لایا کہ امام احمد رضا اعتراض معترض کا خود جواب دیں اور سنیوں کا منہ اجالا اور دشمنوں کا منہ کالا ہو۔ معترض صاحب بہادر بتائیں کہ کس کس کا عقیدہ مصنوعی بتائیں گے۔ ذرا قرآن و حدیث کے ارشادات آنکھوں کے سامنے رکھ کر کہئے خدا و رسول کو کیا کیا نہ سنائیں گے۔ اور سنئے جلیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیض الحرمین میں لکھتے ہیں۔ فاض علیّ من جنابہ المقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیفیۃ ترقی العبد من حیزہ الی حیز القدس یتجلی لہ کل شیئ کما أخبر عن ھذا المشہد فی قصۃ المعراج المنامی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مرے اوپر اس حالت کا علم فائض ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے مقام قدس تک کیوں کر ترقی کرتا ہے کہ اس کیلئے ہر شئی روشن ہو جاتی جیسا کہ حضور نے اس مقام کی معراج خواب کے قصے میں خبر دی۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا ارشاد گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت سے ہر دیندار کے درجہ پر مطلع ہیں کہ وہ مرے دین میں کس درجہ پر پہونچا اور وہ حجاب کیا ہے جس سے وہ ترقی سے محجوب رہا۔ معترض بہادر ان بزرگوں کے لئے کیا فتویٰ ہے۔ اور سنیں امام الطائفہ وہابیہ کی خبر لیں۔ وہ صراط مستقیم میں اپنے پیر کے لئے رقم طراز ہے۔ پارۂ از مضامین ہدایت آگیں از زبان غیب ترجمان حضرت ایشاں شنیدہ الخ ملتقطاً۔ للہ انصاف ! پیر کی زبان تو زبان غیب ترجمان ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبر دینے والا کہہ دیا جائے تو شرک شرک پکارو۔ نیز اسی نام نہاد صراط مستقیم میں اپنے پیر کی نسبت لکھا۔" تا اینکہ روزے حضرت جل وعلا دست راست ایشاں را بدست قدرت خاص خود گرفتہ چیزے را از امور قدسیہ کہ بس رفیع و بدیع بود پیش روئے حضرت ایشاں کردہ فرمود کہ ترا ایں چنیں دادہ ام چیزے دیگرہم خواہم داد"۔ یعنی ایکدن اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل کے پیر کا داہنہ ہاتھ اپنے دست قدرت میں لیا اور امور قدسیہ کی کوئی شیئ جو نہایت رفیع و بدیع تھی انکے روبرو کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں اتنا دیا اور بھی کچھ دوں گا۔ معاذ اللہ رب العٰلمین ! کیوں معترض بہادر صاحب اپنے پیر کیلئے اللہ سے حقیقی مکالمہ ثابت کرنا تو عین ایمان ہے۔ پیر کا عالم قدس کی اشیاء غیبیہ کا اپنی آنکھوں سے دیکھنا یہ تو تمہارے امام کے نزدیک شرک نہیں ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر جاننا بھی شرک ہے۔ عہ اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ۔ جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ۔

پیر کا یہ مرتبہ کیوں نہ بتائیں کہ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سے مکر کے اوپر انھیں ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر گردان کے انکی نبوت سے منکر ہو چکے ہیں۔ اور اسی نام نہاد صراط مستقیم میں پیر کی نبوت کی تمہید جما چکے اور اسپر ایمان لا چکے لکھتے ہیں۔ اول افضل آں معاملات اینست کہ حضرت ایشاں جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلام درمنام دیدند وآنجناب سہ خرما بدست مبارک خود حضرت ایشاں را خورانید بوضیکہ یک یک خرما بدست مبارک خود گرفتہ در دہن حضرت ایشاں می نہادند وبعد ازاں کہ بیدار شدند در نفس خود اثری ازاں رویائے حقہ ظاہر و باہر یافتند وہمیں واقعہ ابتداء سلوک طریق نبوت حاصل شد بعد ازاں روزی جناب ولایت مآب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وجناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا را بخواب دیدند پس جناب علی مرتضیٰ

حضرت ایشانرا بدست مبارک خود غسل دادند وخوب شست وشو کردند مثل شست وشو کردن آبا مر اطفال خود را جناب حضرت فاطمۃ الزہراء لباسے بس فاخرہ بدست مبارک خود ایشانرا پوشانید پس بسبب ہمیں واقعہ کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر گردیدانی تولہ وعنایت رحمانی وتربیت یزدانی بلا واسطہ احدی متکفل حال ایشاں شد۔

ناظرین کرام دیکھیں یہ وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہی علی مرتضیٰ ہیں جنکے تقویۃ الایمان میں کہا تھا۔ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں" لیکن جب اپنے پیر کی بات آئی تو وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تصرف والے ہوگئے کہ خواب میں تشریف لاکر کھجوریں بھی کھلائیں اور اسمٰعیل کے پیر کو راہ نبوت کا سالک بھی بنائیں اور علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء ایسی مختار ہوگئیں کہ پیر جی کو نہلا گئے اور لباس فاخرہ پہنا گئے تو انکے اوپر طریق نبوت کے کمالات نہایت جلوہ گر ہوگئے۔ اور براہ راست عنایت رحمانی ان کی کفیل حال ہوگئی۔ اور نبوت کس چیز کا نام ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ معترض بہادر ایسے امام کا دم بھر واور پھر دوسروں کا عقیدہ مصنوعی بتاؤ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

رہا آپ کا ہماری نسبت یہ کہنا کہ حضور عالم الغیب ہیں بالکل افتراء ہے۔ عالم غیب مثل رحمٰن وقیوم وقدوس وغیرہ اسماء خاصہ بذات باری میں سے ہے اس کا اطلاق غیر خدا کے لئے ہم اہلسنت کے نزدیک حرام وناجائز ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء واولیاء کے لئے علم غیب کا حکم ہی ثابت نہ ہو، بیشک وہ بعطاء الٰہی انبیاء کرام کے لئے اور ان کے فیض متابعت سے اولیاء کرام کے لئے ثابت ہے۔ بحمد اللہ ہم نے اس کا ثبوت حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے کلمات سے دیا بلکہ خود امام الطائفہ کے اپنے پیر کے حق اس قول بد تر از بول سے بھی دیا۔ معترض بہادر ابھی اگر کچھ چاہتے ہیں تو ٹھہریں۔ معترض کا یہ کہنا کہ "بس فرق یہ ہے کہ اللہ کا علم غیب ذاتی ہے اور حضور کا علم غیب عطائی ہے"۔ اقول وبحول اللہ احول۔ بس یہی فرق ہر گز نہیں بلکہ بہت سارے فرق ہیں میں باذن اللہ انہیں امام احمد رضا کی کتاب مستطاب إنباء المصطفیٰ سے نقل کروں۔ فرماتے ہیں

افسوس ان شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الٰہی ذاتی[1] ہے اور علم خلق عطائی[2] وہ واجب یہ ممکن[3] وہ قدیم[4] یہ حادث[5] وہ نامخلوق[6] یہ مخلوق[7] وہ نامقدور[8] یہ مقدور[9] وہ ضروریۃ البقاء[10] یہ جائز الفنا[11] وہ ممتنع التغیر[12] یہ ممکن التبدل[13] ان عظیم تفرقوں کے باوجود احتمال شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنوں کو۔ اھ معترض صاحب بہادر یہ پورے چودہ فرق ہوئے منجملہ ان کے ایک فرق یہ بھی ہے مگر آپ یہی گا رہے ہیں کہ بس یہی فرق ہے کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور حضور کا علم غیب عطائی ہے اولاً مونھ بھر کے جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی۔ ثانیاً یہی فرق قاطع شرک ہے اور ساری مذکورہ تفرقوں کا جامع ہے اس لئے علم الٰہی عطائے غیر سے نہیں اور غیر کا علم اس کی عطا جیسا کہ ظاہر ہے تو علم الٰہی نہ ہوگا مگر ذاتی اور ذاتی نہ ہوگا مگر واجب[14] نامخلوق الخ اور غیر کا علم نہ ہوگا مگر عطائی اور عطائی نہ ہوگا مگر حادث تو اس تفرقہ کو جناب نہ ماننا اور اس کے متعلق یہ کہنا کہ "اس سے شرک کے دروازے کھلتے ہیں" اس کے متعلق سوا اس کے کیا کہوں کہ اس تقسیم نے تو شرک کے دروازے نہیں کھولے بلکہ توڑ دیئے۔ ہاں معترض بہادر آپ حضرات نے علم عطائی ماننے پر آنکھیں میچکر شرک کا مستانہ گیت گاکر کفر وضلالت کے لئے سب رستے کھول دیئے۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔ معترض صاحب بہادر ذرا قرآن تو اٹھاکر دیکھئے اللہ عزوجل کی عطا کے جلوے نظر آئیں گے۔ وقال تعالیٰ وعلمک ما لم تکن تعلم تمہیں وہ سب سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے۔ وقال عزوجل الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان رحمٰن نے قرآن سکھایا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا انہیں گزشتہ وآئندہ کا بیان بتایا۔ وعلم آدم الاسماء کلہا۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام سکھا دئے۔ نیز فرماتا ہے عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من الرسول۔ غیب جاننے والا تو اپنے غیب پر سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے کسی کو قابو نہیں دیتا۔ ان آیتوں سے اللہ کے بندوں کے لئے علم عطائی ثابت اور علم الٰہی کا کسی کی عطا سے نہ ہونا نص قطعی ودلیل عقلی سے ظاہر۔ تو بحمد اللہ عطائی وذاتی کی تقسیم خود قرآن پاک سے مستفاد ہوئی۔ معترض صاحب آپ کے شرک کی نبضیں کدھر ہیں۔

لاجرم اسی لئے علامہ نووی وابن حجر ہیثمی مکی نے فرمایا: واللفظ للاخیر معناہ لا یعلم ذلک استقلالا وعلم احاطۃ بکل المعلومات الا اللہ اما المعجزات والکرامات فباعلام اللہ لہم علمت وکذلک ما علم باجراء العادۃ۔

یعنی آیت سے غیر خدا سے نفی علم غیب کے یہ معنی ہیں کہ غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا اور ایسا علم کے جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو جائے یہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں رہتے انبیاء کے معجزات واولیاء کے کرامات یہاں تو اللہ کے بتائے سے علم ہوا ہے یونہی وہ باتیں کے عادات کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے۔ معترض صاحب اب اپنے شرک کا الزام ان جلیل القدر علماء کو بھی دے دیجئے۔ آگے لکھتے ہیں "کوئی ان سر پھرو للے پوچھے کہ ذاتی علم غیب تو غیر خدا کو ہو ہی نہیں سکتا پھر قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ مضمون کیوں بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی علم غیب نہیں رکھتا"۔ جی ہاں مذکور الصدر علماء کرام کو بھی سر پھرا کہئے اور ان سے بھی پوچھئے کہ ذاتی علم غیب تو غیر خدا کو ہو ہی نہیں سکتا۔ الخ اور ذرا آپ عقلمند اپنی قرآن فہمی کا بھرم رکھتے ہوئے ہمیں یہ بتا دیجئے کہ علم عطائی پر آپ جیسے توحید پرست مشرک گانے ہیں تو مذکورہ بالا آیتوں پر آپ حضرات کا ایمان رہا۔

آگے لکھتے ہیں کہ "اصل حقیقت یہ کہ عالم الغیب اللہ کی صفت ہے۔ سبحان اللہ یہ لیاقت علمی ملاحظہ ہو کہ عالم الغیب اللہ کی صفت ہے۔ اجی صاحب بہادر عالم الغیب صفت محضہ نہیں ذات موصوف بعلم کا نام ہے۔ پھر لکھتے ہیں "کسی دوسرے کے لئے اس صفت کا استعمال درست نہیں" صفت کے استعمال کا کیا مطلب ہاں یوں کہئے کہ کسی دوسرے کے لئے اس کی صفت کا استعمال درست نہیں"

بے شک عالم الغیب

کا استعمال غیر اللہ کیلئے روا نہیں مگر علم غیب بعطاء الٰہی اللہ کے بندوں کے لئے ثابت اور اشرف علی نے تو حفظ الایمان میں حضور جیسا علم ہر صبی و مجنوں و تمام حیوانات و بہائم کے لئے مانا۔ اور رشید و خلیل نے براہین قاطعہ میں شیطن و ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا والعیاذ باللہ۔ معترض صاحب اپنے ان بزرگوں کو کیا کہئے گا۔ آگے لکھتے ہیں "اور غیبی خبروں کا دینا یہ ایک الگ مسئلہ ہے"۔ جی اس مسئلہ کا کیا نام ہے کیا، یہ علم عطائی نہیں۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ اب تو معترض صاحب بھی ان کہی بولتے نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر بطور معجزہ غیبی خبریں اللہ کے حکم و اجازت سے بتلاتے ہیں اور معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے الخ۔ ناظرین کرام اس فقرہ پر غور فرمائیں کہ اللہ کے پیغمبر بطور معجزہ غیبی خبریں اللہ کے حکم سے الخ آیا یہ علم عطائی کا اقرار نہیں ضرور ہے کہ بتلانا علم کو مستلزم ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر اللہ کی عطا سے غیب جانتے غیب بتاتے ہیں۔ اور یہ غیب جاننا بتانا ان کا معجزہ ہوتا ہے۔ حق وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ معترض نے علم عطائی کو خود قبول دیا وللہ الحمد۔ رہا معترض کا یہ کہنا کہ "معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا" میں کہتا ہوں کہ ایک معجزہ ہی پر کیا موقوف کوئی فعل کسی کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ سب کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے خلقکم وما تعملون۔ اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمہارے کاموں کو۔ پھر جناب نے خود ہی کہا کہ غیبی خبریں اللہ کے حکم و اجازت سے بتلاتے ہیں۔ آپ ہی بتائیں جب معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ غیبی خبریں بتلاتے ہیں اس فعل کی ان کی طرف نسبت کس معنی کی ہے۔ نیز اللہ عزوجل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرماتا ہے ویعلمھم الکتاب والحکمۃ رسول انھیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تعلیم کو نبی کا فعل بتایا آپ فرماتے ہیں کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا کہئے جناب نے قرآن عظیم کو جھٹلایا کہ نہیں اب بتلائیے اپنے حق میں کیا فتویٰ ہے جناب کا اور سنتے چلئے قاسم نانوتوی تحذیر الناس میں رقم طراز ہے "معجزہ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانۂ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے" مثل عنایات خاصہ گہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔ بتہ لیجئے آپ تو فرماتے ہیں کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ اور آپ کے قاسم العلوم والخیرات معجزہ کی نسبت یہ لکھ رہے ہیں کہ وہ بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے، تو آپ کے طور پر قاسم نانوتوی نے اللہ کے فعل کو نبی کے قبضہ میں بتایا۔ کہئے حالا چہ می گویند علماء ملت دیوبندیہ۔ "اس لئے معجزہ کی وجہ سے کسی پیغمبر میں خدائی صفت ماننا صحیح نہیں ہو سکتا" علم عطائی کو خدائی صفت پاگل ہی کہے گا۔ پھر فرماتے ہیں۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بطور معجزہ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محی الموتی یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا نہیں کہیں گے۔" جی نہ کہنے کی کیا دلیل! آپ نے ابھی خود کہا کہ "مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف احیاء (زندہ کرنے) کی طرف نسبت کی جب مبدا اشتقاق ثابت تو اس مشتق کے اطلاق سے کون سی چیز مانع ہو گئی۔ اب اگر عرف اس اسم کے خاص بذات باری ہونے کا دعویٰ کیجئے تو اولاً اسمیں نظر کر دکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں محی وارد ہوا ہے، کمافی دلائل الخیرات وشرحہ مطالع المسرات للقاضی عیاض اور اگر خصوصیت مان لی جائے تو حاصل یہی ہو گا کہ محی الموتی کا اطلاق خدا کے غیر کیلئے نہ کیا جائے نہ یہ کہ حکم احیاء بعطائے الٰہی کسی کے لئے ثابت نہ ہو آخر خود آپ بھی تو کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے حکم سے بطور معجزہ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ پھر یہ کیسی جہالت بے خرد کہ نفی اطلاق کو نفی حکم کی دلیل بنایا چاہتے ہیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر لکھتے ہیں کہ "مردوں کو زندہ کرنا اللہ کا کام" جی ہاں بیشک اور اس کے حکم سے انبیاء و اولیاء بھی مردے زندہ فرمایا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا واذ تبرئ الاکمہ والابرص وتحی الموتی باذنی تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے ہو اور میرے ارادے سے مردوں کو زندہ کر دیتے ہو مگر آپ نے یہی ٹھہرائی ہے کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا" قرآن عظیم کو جھٹلاتے کہاں تشریف لے جائیں کہ آخر تو تمہارے نزدیک جھوٹے معبود کا کلام ہے معاذ اللہ رب العالمین۔ لیکن محمود حسن دیوبندی کی تو سنئے۔ وہ گنگوہی جی کو رو رہے ہیں اور اپنے دل سے ایمان کو دھو رہے ہیں۔ مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پھر لکھتے ہیں کہ علم غیب بھی بطور معجزہ کسی وقت کسی پیغمبر کو جزوی طور پر دے دیا جاتا ہے"۔ جی اس وقت آپ اپنی پوتھی کھولے بیٹھے رہتے ہوں گے اور اسمیں وقت درج کرتے رہتے ہونگے جبھی تو یہ غیب کی خبر لا رہے ہیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر لکھتے ہیں "اس سے علم غیب کلی دائمی ہمہ وقتی کا مستقل دعویٰ کرنا عقل ونقل کے صریح خلاف ہے"۔ اولاً کلی سے مراد اگر علم محیط حقیقی تفصیلی غیر متناہی بالفعل ہے تو یہ ہم پر صریح افتراء ہے۔ ہم بعطائے الٰہی حضور علیہ السلام اور انبیاء و اولیاء کے لئے بعض علم غیب ہی ثابت کرتے ہیں مگر ایسا بعض نہیں کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تخصیص نہ ہو بلکہ معاذ اللہ حضور جیسا علم ہر صبی و مجنوں کو بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہو جیسا کہ اشرف علی نے کہا۔ نہ ایسا بعض حضور علیہ السلام کے لئے جانیں جو شیطان و ملک الموت کے علم سے کم ہو جیسا کہ رشید احمد گنگوہی نے مانا۔ ایسا جیسا تم نے لکھ مارا کہ کسی وقت کسی پیغمبر کو جزوی طور پر دے دیا جاتا ہے" یعنی ہر پیغمبر کو نہیں ملتا کسی کو دیا جاتا ہے کسی کو نہیں وہ بھی کسی وقت وہ بھی جزوی طور پر۔ ہاں ہاں معترض بہادر سنو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض علوم غیبیہ ہی مانتے ہیں مگر وہ بعض ایسا وسیع ہے کہ روز اول سے روز آخر تک، مشرق سے لیکر مغرب تک فرش سے لیکر عرش تک سب کو شامل ہے اور تمام مخلوق کے علوم اس وسیع سمندر سے گویا ایک قطرہ ہیں

ع فان من جودک الدنیا وضرتھا

ومن علومک علم اللوح والقلم۔

اب اس شعر کا ترجمہ آپ کے ذہن رسائی کیلئے ذوالفقار علی دیوبندی کی عطر الوردۃ سے پیش کروں۔ وہ لکھتے ہیں" مجھ سے محتاج کی شفاعت آپ کو اس لئے دشوار نہیں ہے کہ بے شک دنیا اور اس کا سوت جس کا دنیا کے ساتھ جمع ہونا محال ہے منجملہ آپ کی عطا کے ہے۔ نہ آپ ہوتے نہ دنیا و آخرت پیدا ہوتی۔ قال اللہ تعالیٰ لولاک لما اظھرت الربوبیۃ ولولاک لما خلقت الافلاک اور منجملہ آپ کے علوم و معلومات کے علم لوح و قلم ہے۔ جب آپ کی وسعت جاہ کا یہ حال ہے تو مجھ جیسے بے قدر کی شفاعت آپ کو کیا دشوار ہے" اھ

بایں ہمہ علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خلق کے علوم کو علم الٰہی سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے کہ علوم خلق متناہی اور علم الٰہی غیر متناہی اور متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بالجملہ ہم علم ذاتی محیط حقیقی تفصیلی غیر متناہی بالفعل کو اللہ کے ساتھ خاص جانتے ہیں اور علم عطائی و اجمالی انبیاء و اولیاء کے لئے ثابت مانتے ہیں۔ اس کی تصریح إنباء المصطفیٰ وخالص الاعتقاد والدولۃ المکیۃ وغیرھا رسائل امام احمد رضا و دیگر کتب اہل سنت میں ہے، انہی بعض علم پر وہابیہ کو کل علوم غیبیہ کا دھوکہ ہوتا ہے اور شور مچاتے ہیں کہ اللہ سے مساوات کردی۔ بس ان کے نزدیک کل علم الٰہی علم ما کان وما یکون ہی ہے کیوں نہ ہو کہ وہاں تو پیڑ کے پتے گن دینے کا نام خدائی ہے۔ ماقدروا اللہ حق قدرہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ثانیاً۔ دائمی ہمہ وقتی سے کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد قدیم ہے تو حاشا للہ، ہم انبیاء کے علم کو قدیم نہیں کہتے اور اس الزام سے برأت کو یہی کافی ہے کہ ہم انبیاء کیلئے علم عطائی مانتے ہیں اور جو عطائی ہوگا حادث ہوگا۔ ہاں یہ علوم انکے قبضہ میں رہتے ہیں۔ ان سے سلب نہیں کئے جاتے۔ اس پر خود قاسم نانوتوی کی گواہی گزر چکی وللہ الحمد۔ آگے لکھتے ہیں" اس لئے ایسا دعویٰ کرنے والوں کے دعووں میں تضاد پایا جاتا ہے" ناظرین کرام آپ نے معترض کے کلام میں اب تک جتنے تضاد دیکھے ہوں گے وہ محتاج بیان نہیں۔ اب خود ہی غور فرمائیے پھر بھی معترض کو آنکھ میں دھول جھونکتے شرم نہیں آتی۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ مثال کے طور پر لکھتے ہیں" سورۃ والضحیٰ کے ترجمۂ رضویہ صفحہ ۸۰۹ مولوی نعیم الدین کے حاشیہ ۲ پر لکھا ہے" اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے یہ سورۃ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی جب اس کی تفسیر میں بیان کیا کہ علوم غیب آپ کو دے دیئے گئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ آپ مکہ معظمہ ہی میں عالم الغیب ہو چکے تھے مگر ارشد القادری رضوی کا بیان ہے" آپ کو ۲۳ سال کی مدت میں بتدریج علم غیب کلی حاصل ہوا۔ معترض صاحب بہادر آپ کیا سمجھے۔ ہم سے سنئے۔ عطر تفسیر تو وہ ہے جو امام احمد رضا نے بطور ترجمہ لکھا کہ" اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" یہ توجیہہ منجملہ ان دس توجیہوں کے ہے جنہیں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے مفسرین کرام سے نقل فرمایا ہے۔

یوں ہی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اسے منجملہ توجیہات دیگر سے نقل کیا ہے۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے اس پر بطور نتیجہ جو مرتب ہوا اسے بیان فرما دیا ہے۔ اسمیں کون سا ایسا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ معاً سارے علوم آپ کو عطا ہو گئے کہ آپ تضاد گانے لگے۔ اپنے اور اپنے اکابر کے اوپر سے تضاد اٹھا لیجئے پھر دوسروں کی فکر کیجئے۔ امام احمد رضا الدولۃ المکیۃ میں فرماتے ہیں۔ أحاطۃ احد من الخلق معلومات اللہ تعالیٰ علی جھۃ التفصیل التام محال" شرعاً وعقلاً بل لو جمع علوم جمیع العٰلمین اولاً وآخراً لما کانت لہ نسبۃ ما اصلاً الی علوم اللہ سبحانہ وتعالیٰ حتی کنسبۃ حصۃ من الف الف حصص قطرۃ إلی الف الف بحر۔ الخ کسی مخلوق کا معلومات الٰہیۃ کو بتفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلے سب کے جملہ علوم جمع کر دیئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصہ کو دس لاکھ سمندروں سے۔

معترض بہادر اب" دلچسپ لطیفہ کے عنوان سے پھر لطیفے چھوڑ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں" بریلوی حلقہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان وما یکون اور عالم الغیب کلی عطائی ماننے کو تعریف سمجھتے ہیں اور دوسروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ خدا کی صفت عالم الغیب رسول اکرم کیلئے استعمال نہ کر کے توہین رسالت کر رہے ہیں" الخ بے شک ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان وما یکون جانتے ہیں اور اس پر قرآن و حدیث کے روشن دلائل اور علماء کرام کے اقوال بینات رکھتے ہیں۔ ان میں چند بطور نمونہ گزرے اور انہیں کے ساتھ ساتھ مستندان معترض کے اور خود امام معترض کے اقوال گزرے۔ فتذکر۔ رہی یہ بات کہ عالم الغیب کلی عطائی الخ" اولاً معترض بہادر اپنی اردو ملاحظہ کیجئے۔ اجی جناب یہ جملہ غلط ہے۔ آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ حضور علیہ السلام کیلئے علم غیب کلی عطائی، الخ۔ اسی پر آپ حضرات کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اردو پڑھانیکا اور ان کا استاد بننے کا خواب سوجھا کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی۔ آپ تو عربی ہیں فرمایا جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آ گئی، سبحان اللہ اس سے مرتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔ ملاحظہ ہو براہین قاطعہ ص۲۶۔ ناظرین کرام اس خباثت بھرے خواب کو سنکر انصاف کریں کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلم الخلق نے دیوبندیوں سے اردو سیکھی اور ذرا خط کشیدہ جملہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی کو بھی بغور دیکھیں کتنی اچھی اردو ہے۔ اسی منہ سے یہ مسلمان بنتے ہیں لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ ثانیاً بالکل جھوٹ۔ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق نہیں کرتے۔ ہاں بعطائے الٰہی علم غیب جمیع ما کان وما یکون کا ثابت کرتے ہیں اور جمیع ما کان وما یکون کو علوم

الٰہیہ غیر متناہیہ بالفعل سے کوئی نسبت نہیں جیسا کہ گذرا مگر تمہارے امام کے نزدیک خدائی تو یہ ہے کہ ایک پیڑ کے پتے گن دے تو تم آپ ہی سارا علم الٰہی اتنا سمجھو اور دوسروں کو الزام دو کہ "عالم الغیب کل ماننے کو تعریف سمجھتے ہیں" ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ثالثاً معترض بہادر رہا تمہارا یہ کہنا کہ اور دوسروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ "رسول اکرم کے لئے خدائی صفت عالم الغیب الخ" جی ہم لوگوں نے کون سی کتاب میں یہ الزام لگایا ہے۔ آپ نے کس مصلحت سے کتاب کا ذکر نہ کیا خیر اب سہی۔ ہماری کسی کتاب سے اسکا ثبوت دیجئے اور اگر نہ دے سکیں اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ دے سکیں گے تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار نامہ لکھ کر داد انصاف دیجئے أَلَا لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الکَاذِبِین۔ معترض بہادر ہم بتائیں کہ خدا کی صفت غیر کیلئے کس نے ثابت کی۔ سنو براہین قاطعہ مصدقہ رشید احمد گنگوہی میں خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا۔ "الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط روئے زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ معترض بہادر یہ دیکھو قطب عالم جناب رشید احمد گنگوہی شیطان و ملک الموت کیلئے وسعت علمی جسے تم شرک کہتے ہو اور کلی سمجھے ہو نص سے ثابت مان رہے ہیں اور اسی منہ سے سرکار کے لئے اسی وسعت علم ماننے کو شرک بتا رہے ہیں، کیوں جناب دنیا جہان میں کہیں ایسا شرک دیکھا ہے جو ایک کے لئے شرک ہو اور دوسرے کے لئے ایمان ہو۔ ہاں ہاں وہ شرک گنگوہ و دیوبند کے بازاروں میں ملتا ہے۔ اب ذرا بتلائیے جتنی وسعت علم سرکار کے لئے سرکار کے لئے شرک بتائی بالضرورۃ وہ خدا کے لئے خاص ہوئی کہ نہیں۔ ضرور ہوئی۔ اور اسی منہ سے وہ شیطان اور ملک الموت کے لئے ثابت کی تو لَاجَرَم شیطان و ملک الموت کے لئے خود ہی خدا کی صفت مانی والعیاذ باللہ العلی العظیم۔ معترض بہادر۔ اپنا عیب دوسرے کو لگاتے شرم نہیں آتی ع بے حیا باش وہر چہ خواہی کن۔ آگے خود ہی کہتے ہیں مگر خود ہی ان کے مولوی نعیم الدین صاحب ہر مؤمن کے لئے علم غیب مانتے ہیں۔ ترجمۂ رضویہ کے حاشیہ ص۵ ص۳ پر لکھتے ہیں

"غیب وہ ہے جو حواس وعقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہو سکے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ یہ علم غیب ذاتی ہے اور یہی مراد ہے آیت عندہ مفاتح الغیب الخ میں اور ان تمام آیات میں جن میں علم غیب کی غیر خدا سے نفی کی گئی ہے اس قسم کا علم غیب یعنی ذاتی جس پر کوئی دلیل نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل ہو جیسے صانع عالم اور اس کے صفات اور نبوات اور اس کے متعلقات احکام وشرائع اور روز آخر اور اس کے احوال۔ بعث نشر، حساب جزا وغیرہ کا علم جس پر دلیلیں قائم ہوں اور جو تعلیم الٰہی سے حاصل ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے اس دوسری قسم کے غیوب سے جو ایمان سے علاقہ رکھتے ہیں ان کا علم ویقین ہر مؤمن کو حاصل ہے اگر نہ ہو آدمی مؤمن نہ ہو سکے۔ اللہ تعالےٰ اپنے مقرب بندوں اولیا انبیاء پر جو غیوب کے دروازے کھولتا ہو وہ اسی قسم کا غیب ہے"

اس عبارت میں جس قسم کے علم غیب کو انبیاء اولیاء کیلئے مانا گیا ہے اسے ہر مؤمن کیلئے عام کہا گیا ہے جو کہ ایک امر واقعہ ہے اس کا انکار کون کرتا ہے۔ اگر ایسا ہی علم غیب عالم الغیب کہہ کر ثابت کیا جاتا ہے پھر تو نزاع محض لفظی ورسمی رہ جاتا ہے الخ الھذیان۔ أَوّلاً۔ معترض بہادر۔ صدر الافاضل مولینا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ۔ ہر مؤمن کیلئے علم غیب مان رہے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے۔ اگر اس میں آپ کے نزدیک کچھ قباحت شرک ہے تو خدائے تعالیٰ پر اعتراض کیجئے۔ وہ فرماتا ہے یؤمنون بالغیب الخ۔ ہر ظاہر کہ ایمان بے علم کے ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ ایمان تصدیق رسول صلی اللہ علیہ وسلم مع التسلیم کا نام ہے اور تصدیق خبر کے اذعان ویقین کو کہتے ہیں اور خبر کا یقین بے علم خبر نہ ہوگا تو اللہ تعالےٰ نے یؤمنون بالغیب فرما کر مؤمنون کے لئے بطفیل مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم غیبی خبروں کا علم عطا فرما دیا اور بتا دیا کہ بے علم غیب عطائی ایمان متحقق ہی نہیں ہوگا مگر معترض بہادر عطائی تو تمہاری جڑ ہے تو بتاؤ تمہارا ایمان کہاں رہا۔ ثانیاً۔ آپ کا کہنا کہ اس عبارت میں جس قسم کے علم غیب کو انبیاء و اولیاء کے لئے مانا گیا ہے اسے ہر مؤمن کے لئے عام کہا گیا ہے جو کہ ایک امر واقعہ ہے اسکا کون انکار کرتا ہے الخ الحمد للہ حق وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے۔ اب تو آپ نے بھی علم عطائی کو تسلیم کر لیا اور انبیاء و اولیاء کیلئے اس کے عموم کو مان لیا اب ذرا یہ بتائیے کہ وہ جو آپ نے کہا تھا کہ اس ذاتی وعطائی کے طلسم نے کیا ہی دروازے کھولے ہیں" اس کے پیش نظر جناب کا کیا فتوی ہے۔ آپ بقول خود اپنے طلسم کو تسلیم کر کے مشرک ہوئے کہ نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ اسکا کون انکار کرتا ہے اس کا جواب آپ ہی کے مقولہ سے ظاہر کہ اس کا انکار وہ کرتا ہے جو ذاتی وعطائی کے فرق کو نہیں مانتا عطائی کو بھی شرک کہتا ہے اور وہ آپ حضرات ہیں اور آپ کا امام الطائفہ ہے جو جگہ جگہ اپنی تقویت الایمان میں عطائی پر بھی حکم شرک جڑتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پھر یہ کہ ابھی ابھی ہر مؤمن کیلئے علم غیب ماننے پر آپ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ پر اعتراض کر چکے ہیں اور اسی کو آگے چل کر امر واقعہ بتا چکے ہیں۔ چہ خوش۔ جس بات کا اقرار کیجئے اسی پر اعتراض جڑئے۔ کیا اب بھی نہ سوجھا کہ اسکا انکار کون کرتا ہے۔ وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیم۔ آگے معترض

صاحب لکھتے ہیں" اگر ایسا ہی علم غیب عالم الغیب کہہ کر ثابت کیا جاتا ہے پھر تو نزاع محض لفظی و رسمی رہ جاتا ہے اُقول۔ بالکل سفید جھوٹ اور صریح فریب ہے اُولاً تم تو ذاتی وعطائی کے فرق ہی کے منکر ہو اور اسے شرک کہتے ہو پھر تمہارا علم عطائی تسلیم کرنا کیا معنی۔ ثانیاً تمہیں علم ما کان و مایکون پر جو معلومات الٰہیہ غیر متناہیہ بالفعل کا قطعاً بعض ہے علم کلی کا دعویٰ ہوکہ ابھی ابھی کہہ چکے کہ عالم الغیب کلی الخ اور اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہو اور یہی سارا طائفہ مانتا ہے اور اسی پر خدا سے مساوات کا الزام دیتا ہے۔ ثالثاً علم ثابت بھی کرتے ہو تو ایسا جس میں حضور علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں" ایسا علم تو ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے" جیسا کہ حفظ الایمان میں اشرف علی نے کہا اور جو شیطان و ملک الموت کے علم سے کم ہو جیسا کہ براہین قاطعہ میں لکھ مارا ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم با ینہمہ کیونکر آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو اور کہتے ہو کہ پھر تو نزاع محض الخ إنّ اللہ لا یھدی کید الخائنین اللہ خائنوں کے مکر کو راہ نہیں دیتا بحمد اللہ تبی کے ترجمۂ رضویہ اور مسئلۂ علم غیب میں معترض کی تمام واہیات کا جواب شافی تمام ہوا وللہ الحمد وَصلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وَعلےٰ آلہ وصحبہ وبارک وکرم

آیت ووجدک ضالا فھدی کے ترجمہ پر اعتراض

معترض بہادر اب پھر لطیفہ چھوڑتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کہتے ہیں "مولوی احمد رضا خاں بریلوی سورۂ والضحیٰ کی آیت وَوَجدکَ ضالاً فھدیٰ کا ترجمہ کرتے ہیں "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" اور سورۂ شعراء رکوع ۲ کی آیت ۱۹ و ۲۰ کا ترجمہ کرتے ہیں "موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی" ضلالت کے دونوں معنی صحیح ہیں محبت کی وارفتگی اور راہ سے بیخبری ہمیں یہاں دکھانا یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضالاً کا ترجمہ محبت کی وارفتگی کرکے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ضالین کا ترجمہ راہ سے بے خبری کرکے دورخی کیوں اختیار کی ہے۔ ملاحظہ ہو مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ شعراء کی اسی آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں آیت مع تفسیر نقل ہوتی ہے۔ (فعلتھا اذا وانا من الضالین) من الجاھلین بنعمتک علیّ۔ یعنی میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے ترے احسان کی خبر نہ تھی۔ اور یہی ابن عباس والضحیٰ کی آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ (ووجدک یا محمد ضالاً) بین قوم ضلال (فھدیٰ) فھداک بالنبوۃ الخ کذا فی تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو گمراہوں میں پایا تو نبوت سے ہدایت دی۔ معترض بہادر دیکھو یہاں بین قوم ضلال فرمایا اور وہاں یوں نہ فرمایا۔ اور سنئے علامہ قاضی عیاض شفاء میں آیت کریمہ ووجدک ضالاً میں مفسرین کرام سے متعدد وجوہ نقل فرماتے ہیں ترجمہ! یعنی کہا گیا (ضالاً) کی تفسیر میں کہ آپکو نبوت سے بے خبر پایا تو نبوت کی طرف راہ دی یہ طبری کا قول ہے۔ اور کہا گیا کہ اللہ نے آپکو گمراہوں میں پایا تو ان کی گمراہی سے محفوظ رکھا اور امت کے ایمان اور ان کے رشد وہدایت کی راہ دکھائی یہ سدی سے اور بہت ساروں سے منقول ہوا۔ اور کہا گیا کہ آپ اپنی شریعت سے بے خبر تھے تو اللہ نے آپکو آپکی شریعت بتائی اور ضلال یہاں بمعنی حیرت ہے۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوت گزیں ہوا کرتے اس طریقے کی طلب میں جس پر وہ اپنے رب کی عبادت کریں۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اسلام کی طرف ہدایت دی۔ یہ قشیری کے قول کا مفہوم ہے۔ اور کہا گیا کہ آپ حق کو اجمالاً جانتے تھے تو اللہ نے آپ کو اس کی تفصیل بتائی۔ یہ قول علی بن عیسی کا ہے اور کہا گیا کہ اللہ نے آپ کے امر نبوت کو آشکار کیا قطعی دلیلوں سے۔ اور کہا گیا کہ آپ کو مکہ میں اقامت اور مدینہ کو ہجرت کے بارے میں متردد پایا تو آپ کو مدینہ کو ہجرت کا حکم فرمایا اور کہا گیا کہ اللہ نے آپ کو ہادی پایا تو آپکے ذریعہ گمرہوں کو ہدایت دی۔ اور حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ میں نے اے محبوب تمہیں اپنی محبت ازلی سے بے خبر پایا تو تمہارے اوپر اپنی معرفت کی منت رکھی تاکہ تم میری محبت کو جانو اور ابن عطاء نے فرمایا کہ میں (اللہ) نے تجھے اپنی معرفت کا محب وطلب گار پایا تو اپنی طرف راہ دی (یہ وہ توجیہ ہے جو امام احمد رضا نے ترجمہ میں اختیار فرمائی) اور ضال محب کو کہتے ہیں جیسا کہ اللہ کے قول إنک لفی ضلالک القدیم میں یعنی آپ یوسف کی پرانی محبت میں مبتلا ہیں اور اس بات میں برادران یوسف نے دین کی گمراہی مراد نہ لی اسلئے کہ اگر یہ بات اللہ کے نبی کے لئے کہتے کافر ہو جاتے اور ایسا ہی ہے ان کے (ابن عطاء کے) نزدیک اللہ کے قول إنا لنراھا فی ضلال مبین میں یعنی ہم زلیخا کو یوسف کی کھلی محبت میں گرفتار دیکھتے ہیں اور جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس قرآن کے بیان میں متحیر پایا جو آپ پر اترا تو آپ سے بیان فرمادیا اور کہا گیا کہ آپ کو اللہ نے کنز مخفی پایا کہ آپ کی نبوت کو کوئی نہ جانتا تھا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو ظاہر فرمایا تو نیک بختوں کو آپ کی معرفت بخشی اور اسیطرح اللہ تعالےٰ کا قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشکل ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ کام بغیر قصد کے کیا (یعنی قبطی کو گھونسہ مار کر قتل کرنے کا قصد نہ تھا) یہ قول ہے ابن عرفہ کا اور ازہری نے فرمایا کہ معنی یہ ہے کہ میں بے خبروں میں سے تھا معترض بہادر یہ دیکھئے ضالاً میں امام علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے دس توجیہات نقل فرمائیں منجملہ ان کے وہ توجیہ بھی ہے جو امام احمد رضا نے اختیار فرمائی اور سورۂ شعراء کی آیت کریمہ فعلتھا اذاً وانا من الضالین میں صرف دو توجیہیں نقل فرمائیں جس سے ظاہر کہ وہ رائے جو آپ نے دی ہے کہ یہی توجیہ سورۂ شعراء میں کیوں نہ کی اور دورخی کیوں اختیار کی وہ رائے کسی کی نہیں ورنہ امام قاضی عیاض جیسے کثیر الاطلاع ضرور اسے نقل فرماتے۔ مزید اطمینان کیلئے مدارک۔ جلالین۔ صاوی کی شہادت دیتا ہوں۔ مدارک میں فرمایا (فعلتھا اذاً)

أی إذ ذاك (وأنا من الضالین) أی الجاھلین بأنھا تبلغ القتل والضال عن الشیٔ ھو الذاھب عن معرفتہ أو الناسین من قولہ أن تضل احدیھما فتذکر احدیھما الأخری فدفع وصف الکفر عن نفسہ ووضع الضالین موضع الکافرین جلالین میں فرمایا (فعلتھا اذاً) أی حینئذٍ (وأنا من الضالین) عما اٰتانی اللہ بعدھا من العلم والرسالۃ۔ صاوی میں فرمایا أی فلیس علی فیما فعلتہ فی تلك الحالۃ لوم لانتفاء التکلیف حینئذٍ أو المعنی من المخطئین لا من المتعمدین۔ یہ دیکھو مدارک پھر جلالین وصاوی میں اس آیت میں انہیں دو وجوہ کا پتہ چلتا ہے جو شفاء میں ابن عرفہ اور ازہری سے نقل ہوئی البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک وجہ اور مستفاد ہوئی۔ اسی لئے مدارج النبوۃ تفسیر عزیزی میں منجملہ دیگر توجیہات کے وہی ابن عطاء والی توجیہ جسے امام احمد رضا نے اختیار فرمایا ہے جب ذکر فرمائی تو اسکی نظیر میں آیہ کریمہ إنك لفی ضلالك القدیم اور آیۂ کریمہ انا لنراھا فی ضلال مبین انہیں دو آیتوں کا ذکر فرمایا (تفسیر عزیزی میں آیہ اول الذکر پر اکتفا فرمایا ہے) جیساکہ شفاء میں انہیں دو آیتوں سے نظیر پیش کی بھلا سورۂ شعراء کی آیت میں وہ توجیہ منقول ہوتی تو کوئی تو اس کو نظیر میں پیش کرتا معترض بہادر اب یہی اعتراض حضرت ابن عباس حضرت جعفر صادق ابن عطاء وغیرہم ائمۂ کرام پر کر بیٹھا گو کہ جو توجیہات ضالاً میں ان ائمہ نے فرمائیں ان میں سے اکثر شعراء کی آیت میں انسے منقول نہیں۔ یہاں بس وہی دوتین وجوہ منقول ہیں بلکہ شفا و مدارج النبوۃ وتفسیر عزیزی کے مصنفین پر بھی اعتراض کرو کہ انہوں نے اس توجیہ کو برقرار رکھا جس سے تمہاری مزعومہ دورخی لازم آئی۔ آگے لکھتے ہیں۔ "تمام پیغمبروں کی محبت وعظمت فرض ہے اور اہانت کفر ہے۔ درجوں کا فرق الگ چیز ہے۔ مگر ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ ایک جملہ ایک پیغمبر کے حق میں توہین ہو۔ دوسرے کے حق میں تعریف ہو۔ محبت وایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ دونوں جگہ یکسانیت اختیار کرتے۔" الخ اقول۔ آپ امام احمد رضا پر موسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام رکھنا چاہتے ہیں۔ اجی جناب امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا وہی مفسرین کرام کا ارشاد ہے ان کے فرمان کی روشنی میں اپنی بات تولئے کبرت کلمۃ تخرج من أفواھھم إن یقولون إلا کذباً۔ بڑی ہے وہ بات جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ نرا جھوٹ بولتے ہیں۔ رشید وخلیل واشرف علی وقاسم نانوتوی کی عبارتیں تو توہین نہ ہوں اور امام احمد رضا کا قول جو مفسرین کرام کے ارشاد کا عین مفاد ہے وہ تمہارے نزدیک توہین قرار پائے۔ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ منہ بھر کے امام امام احمد رضا کو توہین کا الزام دیدیا مگر حسب سابق یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کس کس کے سر گیا۔ اور کچھ نہ سہی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بچاؤ کی تدبیر بھی نہ سوجھی۔

شعر:۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر۔ اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر۔ لیجئے ثبوت پیش ہے کہ شاہ صاحب نے بھی دورخی اختیار کی ہے۔ تفسیر عزیزی میں سورۂ والنازعات کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا تتمہ یوں بیان کرتے ہیں

"ودرینجا تتمۂ قصہ محذوف است یعنی پس حضرت موسیٰ بسوئے فرعون رفتند واو را فرمان الٰہی رسانیدند وفرعون درجواب ایشاں اول چنیں گفت کہ آیا تو ہماں شخصی نیستی کہ درحالت بچگی ما ترا پرورش کردہ بودیم وعمر بادر گذرانیدی یاد آں کار خود کردہ رفتی کہ میدانی وناسپاس نعمتہائے ما شدی ترا ایں مرتبہ از کجا حاصل شد کہ خود را ہادی ومرشد من قرار دادہ آمدی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام درجواب فرمودند آرے من ہماں کس وکاریکہ کردہ بودم درآں وقت نادان وجاہل بودم الخ معترض بہادر ذرا اس خط کشیدہ فقرہ کو آنکھیں کھول کر خوب غور سے دیکھو اور سنو سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں"۔ وبعض گفتہ اند کہ مراد از ضلال محبت ومرتبۂ عشق است چنانکہ پسران حضرت یعقوب علیہ السلام فرط عشق ایشاں را با حضرت یوسف علیہ السلام بایں لفظ تعبیر کردہ اند إنك لفی ضلالك القدیم ومراد از ہدایت آنست کہ طریق وصول محبوب را بتو نشان دادیم" اھ یہ دیکھیے شاہ صاحب ضالاً میں یہی وجہ نقل فرما رہے ہیں اور اسے مقرر کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ قرآن اپنی جمیع وجوہ پر محبت ہے کما فی الزرقانی علی المواہب وغیرہ۔ معترض بہادر شاید آپ کو اب تک امام الطائفہ کے بزرگوار خاندان کی تفسیر دیکھنے کا موقعہ نہ ملا تھا اب شاید دیکھیں تو یوں چلائیں کہ اُنھوں نے کب اس وجہ کو مقرر رکھا ہے وہ تو یوں فرما رہے ہیں۔" وارباب تفسیر کہ ایں معنی را کما ینبغی ندانستہ اند در تفسیر ایں گمراہی دور دور رفتہ اند" اولاً۔ یہ کہہ کر شاہ صاحب نے کم وبیش ۸ توجیہات علاوہ توجیہہ مذکور ذکر کی ہیں۔ کیا یہ سب غلط ونامقرر ہیں؟ ثانیاً شاہ صاحب نے یوں فرمایا ہے کہ ارباب تفسیر کہ ایں معنی را کما ینبغی ندانستہ اند الخ اور یہ توجیہہ مذکور معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان فرمودہ ہے کیا انکے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ ایں معنی را کما ینبغی ندانستہ اند"؟ یا یوں کہا جائیگا کہ شاہ صاحب نے جو معنی بیان فرمائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی اور رسوم جاہلیت سے بیزار اور رب ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ تھے اور ملت ابراہیمی کی تلاش میں بیتاب تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو ملت ابراہیمی کے اصول سے آگاہ کیا وہ حضرت ابن عطا رضی اللہ عنہ کو ضرور معلوم تھے مگر پسند اپنی اپنی۔ اُنھیں یہ توجیہہ پسند آئی ع وللناس فیما یعشقون مذاہب ثالثاً وہ کہتے ہیں در تفسیر ایں گمراہی دور دور رفتہ اند جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہماری مختار توجیہہ وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی باقی وجوہ دور کی ہیں وہ بھی مراد ہو سکتی ہیں کیوں معترض بہادر تمہارے طور پر شاہ صاحب نے دورخی اختیار کرنے کی اجازت دی کہ نہیں۔

(بقیہ ص ۱۵۶ پر)

امام احمد رضا اور

ترجمۂ قرآن کی خصوصیات

از :۔ مولانا حکیم خلیل الرحمٰن صاحب رضوی ایبٹ آباد۔ پاکستان

امام احمد رضا اپنے وقت کے جیّد عالم تھے ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بیک وقت بہت سی خصوصیات کو جمع فرمادیا تھا ، ایک طرف آپ بہترین فقیہ تھے ۔ تو ساتھ ہی آپ اعلیٰ درجہ کے ادیب اور شاعر بھی تھے ۔ آپ کی نظر علم تفسیر وتاویل اور احادیث نبوی پر بہت گہری تھی ۔ اور آپ کی علمیّت اور اصابت رائے کے اپنے ہی نہیں بلکہ بیگانے بھی قائل تھے ۔ آپ کی سب سے بڑی اور امتیازی خصوصیت "عشق رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے ساری زندگی آپ نے "مدح رسول" میں صرف کی اور اس کا زندہ ثبوت آپ کا وہ نعتیہ کلام ہے جو حدائق بخشش" کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہوا ہے ۔ آپ مدحِ رسول کو اپنی زندگی کا حاصلِ قرار دیتے ہیں اور اصحابِ ثروت کی مدح سرائی کو فضول فرماتے ہیں ؎

کروں مدح اہلِ دوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کی ساری زندگی جہاد بالقلم میں صرف ہوئی اور جس مسئلہ پر قلم اٹھایا ۔ اس کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا ۔ اور بغیر کسی کی پرواکئے جس بات کو حق سمجھا اسکو برملا کہا ۔ متحدہ ہندوستان میں دو ہی مکتب فکر علما رہتے ۔ دیوبندی یا اہلسنت ۔ آپ علمار اہلسنت کے قائد تھے ۔ چونکہ جانبین سے تنقید ہوتی تھی ۔ اس واسطے امام احمد رضا کا قلم بھی اس میدان میں خوب چلتا تھا ۔ آپ نے دیوبندیوں کے جواب میں کثیر تعداد میں رسائل لکھے اور خوب لکھے ۔

آپ کی تصانیف میں بعض کتابیں عربی میں ہیں اور ان میں "دولت مکیہ" بہترین کتاب ہے اور اکثر اُردو میں ہیں ۔ فقہ میں "فتاویٰ رضویہ" اپنا جواب آپ ہے اور اسکے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کی نظر فقہی جزئیات پر کتنی وسیع تھی ۔ اسی طرح جب کسی اختلافی مسئلہ پر بحث کی ہے ۔ تو خوب دل کھول کر دلائل دیئے ہیں ۔ "سبحن السبوح" ، "الامن والعلی" ، "خالص الاعتقاد" وغیرہ قابلِ دید کتابیں ہیں ۔ اور حضرت کی علمیت پر بہترین شاہدِ عدل ہیں ۔

ترجمۂ قرآن

حضرت کا سب سے بڑا کارنامہ "ترجمہ قرآن" ہے کاش ایسا ہوتا کہ آپ نے جس عمدگی کے ساتھ ترجمہ فرمایا اس پر حواشی بھی لکھتے لیکن قدرت کو یہی منظور تھا ۔ اب میں آپ کے ترجمہ قرآن سے چند خصوصیات کا ذکر کروں گا ۔ جن کو ترجمہ قرآن بین السطور میں ادا کرنا حضرت کا ہی حق ہے اور حق یہ ہے کہ آپ نے ترجمہ قرآن کا حق ادا کر دیا ہے ۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ امام احمد رضا کو سرورِ کائنات علیہ التحیہ والتسلیمات کی ذات پاک سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی ۔ آپ نے محبت نبوی کو ترجمہ قرآن میں بھی پورا پورا ملحوظ رکھا ہے ۔ اور جہاں کہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوا ہے ۔ ترجمہ میں ادب ومحبت کو سمو دیا ہے مثلاً اَلَمْ تَرَ سورۂ فیل کے پہلے الفاظ کا ترجمہ عام طور پر مترجمین حضرات نے کیا ہے ۔ "کیا تُو نے نہ دیکھا" لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے ۔ "اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا" اسی طرح قرآن مقدس میں لفظ "قل" کا ترجمہ عام طور پر "کہو" سے کیا گیا ہے مگر امام احمد رضا نے شان فصاحت وبلاغتِ قرآن کا پورا خیال رکھ کر ادب نبوی کا حق بھی ادا کر دیا ہے ۔ ترجمہ کرتے ہیں "تم فرماؤ" پارہ چوتھا سورہ آل عمران کے ان الفاظ ۔ "اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" کا ترجمہ کتنا صحیح اور دلکش ہے "جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے" یہ اور اسطرح کی بیشمار آیات کے ترجمہ کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مرحوم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کا پورا پورا خیال رکھا ہے ۔ اور ہر مسلمان پر آنحضرت کی توقیر کا خیال رکھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ فرض ہے ۔ بلکہ یہ فرض تمام فرائض سے زیادہ اہم ہے ۔

"حقیقت یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" جو کسی نے کہا ہے تو اس کا مفہوم صرف کسی ایک وصف میں ہی نہیں بلکہ جمیع اوصاف عالیہ میں آنحضرت کا مقام یہی ہے مثلاً علم میں "بعد از خدا" ، اگر کسی کا علم جامع اور کامل ہے ۔ تو وہ حضور کا علم ہے ۔ خدا کے بعد اگر کوئی سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے تو وہ آپ کی ذات ستودہ صفات ہے ۔ خدا کے کلام کے بعد اگر کسی کے کلام کا مرتبہ ہے تو وہ آپ

کا کلام ہے کتابِ الٰہی کے بعد اگر کوئی چیز حجت اور سند دین میں ہو تو وہ صرف آپ کی سنتِ مطہرہ ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو صرف شریک فی الالوہیت نہیں ٹھہرایا۔ باقی کمالاتِ عطائیہ جتنے تھے۔ وہ سب آپ کو دئے گئے۔

امام احمد رضا نے "عشقِ رسول" (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کسی مقام پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور آپ کی جمیع تصانیف خاص کر ترجمۂ قرآن کا مطالعہ ہی بنظرِ غائر کافی ہے۔ اور اس دعوے کے ثبوت کے لئے سب سے بڑا شاہد ہے۔ سورۂ النجم کی پہلی آیت "وَالنَّجمِ اِذا ھویٰ" کا ترجمہ کیا ہے۔ "اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اُترا" حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے حاشیہ میں ان احتمالات کو بیان کر دیا۔ جو النجم کے لفظ سے نکلتے تھے مثلاً بعض نے ثریا بعض نے نجوم اور بعض مفسرین نے قرآن مراد لیا ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے ان مفسرین کی تاویل کو اختیار فرمایا۔ جنہوں نے نجم سے مراد سرور انبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو لیا ہے۔ سورۂ الرحمٰن کی پہلی آیات کے معانی پر غور کیجئے۔ دیگر مترجمین نے عام ترجمہ کیا ہے لیکن امام احمد رضا کی بصیرت علمی کہاں پہنچی اور دریائے علم سے کیسے موتی نکالے کرائی۔ آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ "اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُراٰن خَلَقَ الانسان عَلَّمَہُ البَیان"۔ رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ مَا کَانَ وَمَا یکون کا بیان انہیں سکھایا ہے۔ کس خوش اسلوبی سے ترجمہ کیا ہے۔ چونکہ عام ترجموں سے یہ ترجمہ ذرا اپنے رنگ میں ادا کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کسی کو شک ہو۔ اس لئے میں چند اشارات کئے دیتا ہوں "خلق الانسان" میں الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور نوع انسانی میں فرد کامل چونکہ سرور انبیاء ہیں اسلئے انسان سے مراد آنحضرت کی ذات کو لینا عین اصول گرامر کے مطابق ہے۔ اسی البیان پر الف لام استغراقی ہے اور استغراق کا عموم "بیان" کی جمیع اقسام کو حاوی ہوگا۔ اور اسی اصولی وجہ کو سامنے رکھکر امام احمد رضا نے ترجمہ میں ما کان وما یکون کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے میں آئندہ کسی دوسرے مضمون میں انشاء اللہ مزید روشنی ڈالوں گا۔ لیکن ان مختصر گزارشات سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ امام احمد رضا بہترین مفسّر اور اعلیٰ درجہ کے محدث اور فقیہ تھے۔ اور ان کا سینہ "عشقِ رسول" سے منوّر تھا۔ اور اگر یہ عربی مقولہ سچ ہے۔ اور بظاہر کوئی وجہ بھی اس کے غلط ہونے کی نظر نہیں آتی کہ "یترشح من الاناء مَا فیہ" یعنی برتن سے وہی کچھ نکلتا ہے۔ جو اس میں ہو۔ تو پھر مجھے یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ امام احمد رضا کی جمیع تصانیف "محبت رسول" کی آئینہ دار رہیں۔ اور جو شخص بھی امام احمد رضا کی تصنیفات کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کرے گا۔ میرے اس دعوے کی انشاء اللہ تائید کرے گا۔

(حقائق کی روشنی میں ۔ کا بقیہ)

رابعاً سوچو تو سمجھ میں آجائے کہ اس توجیہ میں اور شاہ صاحب کی توجیہ میں علت و معلول کا ارتباط ہے اور محبت نہ ہوتی تو طریقۂ عبادت کی طلب کہاں ہوتی۔ اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ یہ توجیہ دور کی ہرگز نہیں۔ وللہ الحجۃ السامیۃ۔ خامساً وجوہ دیگر سے پہلے جو توجیہہ خود انھوں نے بیان فرمائی اور جس کا مختصر ترجمہ ابھی گزرا اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اس طریقہ کا طلبگار پایا جس پر آپ اسکی عبادت کریں یہاں تو یہ معنی تبلائے اور وہاں قصۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یوں فرمایا کہ دراں وقت نادان و جاہل بودم اب کہو کہ محبت و ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ دونوں جگہ یکسانیت اختیار کرتے ورنہ الخ۔ آگے معترض بہادر لکھتے ہیں کہ ترجمہ رضویہ اس قسم کی تلبیسات سے بھرا پڑا ہے الخ اور اس کا فیصلہ معترض نے پڑھنے والوں پر چھوڑا ہے ہم بھی اُنھیں پر چھوڑتے ہیں ناظرین کرام خود فیصلہ کر لیں کہ جس شخص کو اعتراض کی ہوس میں ائمہ کرام اساطین دین اور خود اپنے بزرگوں کا کلام نظر نہ آئے اور آنکھیں میچکر منہ کھول سب پر اعتراض کر بیٹھے اس کا کیا ٹھکانہ۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

کنز الایمان اور معارف القرآن

(مجدّد اعظم) (محدّث اعظم)

المیزان میں ہر ماہ ترجمہ محدث اعظم ہند "معارف القرآن" شائع ہوتا ہے، امام احمد رضا نمبر میں "معارف القرآن" کیساتھ ساتھ فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن "کنز الایمان" بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔ معارف القرآن کو دیکھ کر امام احمد رضا نے فرمایا تھا کہ "شہزادے! تم نے اردو میں قرآن لکھا ہے۔ فاضل بریلوی کا یہ جملہ محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ترجمہ قرآن کی اعلیٰ خصوصیات کی گواہی دے رہا ہے، کاش وہ وقت جلد آئے جب معارف القرآن بھی تفسیر سے مزین و مکمل نظر آئے۔ ذیل میں سورۂ آل عمران پارہ لن تنالوا کے ابتدائی پانچ رکوع کے دونوں تراجم پیش کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں

(ایڈیٹر)

لن تنالوا ۴ — آل عمران ۳	مجدّد اعظم	محدّث اعظم
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ	تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو	ہرگز نہ پاؤ گے نیکی کو یہانتک کہ خرچ کرو اس سے جسکو پسند کرتے ہو
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝	اور تم جو کچھ خرچ کرو گے۔ اللہ کو معلوم ہے۔	اور جو خرچ کرو تم کچھ تو بے شک اللہ اس کا جاننے والا ہے
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔	سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے۔	سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لئے۔
اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ	مگر وہ جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔	مگر وہ جس کو حرام کر لیا تھا خود یعقوب نے اپنے اوپر
مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ط	توریت اترنے سے پہلے۔	قبل اسکے کہ اوتاری جائے توریت۔
قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَا	تم فرماؤ۔ توریت لاکر پڑھو	کہدو کہ لاؤ توریت پھر اس کو پڑھو۔
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝	اگر سچے ہو۔	اگر سچے ہو۔
فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔	تو جس نے جھوٹ افترا کیا اللہ پر
مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	تو وہی ظالم ہیں	اس کے بعد تو وہی ظالم لوگ ہیں۔
قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ تف فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط	تم فرماؤ اللہ سچا ہے۔ تو ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے جدا تھے	کہدو کہ سچ فرمایا اللہ نے تو پیروی کرو دین ابراہیم کی حق پرست باطل شکن کی
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ	اور شرک والوں میں نہ تھے۔ بیشک سب میں پہلا	وہ مشرک نہ تھے۔ بیشک سب سے پہلا
وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝	جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ جو مکہ میں برکت والا اور	گھر جو بنایا گیا لوگوں کو عبادت کرنے کے لئے ضرور وہ ہے جو
فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ج	سارے جہان کا راہنما اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ	مکہ میں ہے برکتوں سے بھرا اور دنیا بھر کیلئے مرکز ہدایت۔ اسمیں روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیم
وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ط	اور جو اس میں آئے امان میں ہو۔	اور جو اس میں داخل ہوا امان میں ہو گیا۔
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ	اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس کا گھر کا حج کرنا ہے	اور اللہ کی پرستش کیلئے لوگوں پر اس بیت اللہ کا حج کرنا ہے
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط	جو اس تک چل سکے۔	جو سکت رکھے اس تک راہ پانے کی
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝	اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے	اور جس نے انکار کیا تو اللہ بے پرواہ ہے دنیا بھر سے

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ٥	تم فرماؤ اے کتابیو اللہ کی آیتیں کیوں نہیں مانتے اور تمہارے کام اللہ کے سامنے ہیں	کھدو کہ اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ اللہ شاہد جو تم کر رہے ہو۔
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ	تم فرماؤ اے کتابیو کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اسے جو ایمان لائے اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو۔	کھو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسکو جو ایمان لاچکا تم راہ خدا کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ٥	اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔	اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کرتوتوں سے
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ٥	اے ایمان والو اگر تم کچھ کتابیوں کے کہے پر چلے۔ تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر چھوڑیں گے۔	اے ایمان والو اگر کہنے پر چلے تم کسی کے جس کو کتاب دی گئی ہے پھر کردیں گے تمکو تمہارے ایمان کے بعد کافر۔
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥	اور تم کیونکر کفر کروگے تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔	تم کیسے کفر کروگے حالانکہ تم ہو کہ تلاوت کیجاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول ہے اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو تو بے شک اس کو سیدھی راہ کی ہدایت دی گئی ہے
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان	اے ایمان والو اللہ کو ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور مت مرو مگر اس حال میں کہ تم لوگ مسلمان ہو۔
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠	اور اللہ کی رسی مضبوط تھام اور سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا	اور مضبوط پکڑ لو اللہ کی رسی سب کے سب اور الگ الگ نہ ہو
وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا	اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کردیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہوگئے۔	اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو جبکہ تم باہم دشمن تھے تو الفت پیدا کی تمہارے دلوں میں تو ہوگئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی۔
وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ	اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچادیا	اور تھے تم کنارے پر ایک غار جہنم کے تو نکالا تمکو اس سے
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٥	اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ	اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں کہ اب تو ہدایت پا جاؤ۔
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ	اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں	اور تمہاری ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بلائیں بھلائی کی طرف
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥	اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں۔ اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔	اور حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے اور وہی کامیاب لوگ ہیں۔
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ	اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑگئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انھیں آچکی تھیں۔	اور مت ہو ان کی طرح جو الگ الگ ہوگئے۔ اور جھگڑا پڑے بعد اس کے کہ آچکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥	اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔	اور وہی ہیں جنکے لئے بڑا عذاب ہے۔
يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ	جس دن کچھ منہ اونچالے ہونگے اور کچھ منہ کالے۔	جس دن کہ گورے ہوں گے کچھ چہرے اور کالے ہوں گے کچھ منہ

آیت	ترجمہ	ترجمہ
فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ قف أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ	تو وہ جنکے منہ کالے ہوئے۔ کیا تم ایمان لاکر کافر ہوئے۔	تو جنکے منہ کالے ہیں کیا تم نے کفر کیا تھا ایمان لانے کے بعد
فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ٥	تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ۔	تو چکھو عذاب بدلہ اس کا جو کفر کرتے تھے۔
وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ	اور وہ جن کے منہ اونجالے ہوئے	اور وہ جنکے چہرے گورے ہو گئے۔
فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ط هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥	وہ اللہ کی رحمت میں ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔	وہ اللہ کی رحمت میں ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط	یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں۔	یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم جسکو پڑھتے ہیں تم پر بالکل ٹھیک
وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ٥	اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا۔	اور اللہ نہیں چاہتا ظلم اہل دنیا پر
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط	اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے	اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے
وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ٥ ع	اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے	اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرائے جاتے ہیں سارے کام
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں	تم ان ساری امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوئیں
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو	کہ بھلائی کا تو تم حکم دو اور برائی سے روکو
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ط	اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا۔	اور اللہ پر یقین رکھو اور اگر ایمان لے آتے اہل کتاب تو ضرور ان کے لئے بہتر تھا۔
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ٥	ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر۔	ان میں کچھ ایمان لانے والے ہوئے اور ان کے زیادہ لوگ سب نافرمان ہیں
لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ط	وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا	یہ لوگ تم لوگوں کا کوئی نقصان نہ کر سکیں گے مگر بس ستانا
وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ	اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر جائیں گے	اور اگر لڑیں تم سے تو پھیر لیں گے تم سے پیٹھ
ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ٥	پھر ان کی مدد نہ ہوگی	پھر کوئی مدد نہ دیئے جائیں گے۔
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا	ان پر جمادی گئی خواری جہاں ہوں امان نہ پائیں۔	سوار کردی گئی ان پر ذلّت غلامی جہاں بھی رہیں۔
إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ	مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی ڈور سے	مگر یہ کہ تھام لیں رسی اللہ کی اور لوگوں کی رسی
وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ	اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے	اور لوٹ گئے وہ اللہ کے غضب میں
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ط	اور ان پر جمادی گئی محتاجی	اور چھاپ دیگئی ان پر بے مسکنی
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ	یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے	یہ اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا
وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ	اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے	اور شہید کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق
ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ٥	یہ اس لئے کہ نافرمانبردار اور سرکش تھے	یہ سزا ہے اسکی جو نافرمانی کی اور سرکشی کرتے تھے
لَيْسُوا سَوَاءً ط مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ	سب ایک سے نہیں کتابیوں میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں	سب برابر نہیں ہیں کہ اہل کتاب ہی میں ایک وہ کمربستہ جماعت ہے
يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ٥ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کی گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں۔	جو تلاوت کریں اللہ کی آیتوں کا رات کی گھڑیوں میں اور وہ سجدہ کریں مانیں اللہ کو اور پچھلے دن کو

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں	اور حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے
وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ط	اور نیک کاموں پہ دوڑتے ہیں	اور تیزی کریں نیک کاموں میں
وَأُولٰئِكَ مِنَ الصّٰلِحِينَ ہ	اور یہ لوگ لائق ہیں۔	اور وہی لوگ نیکوکار ہیں
وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ط	اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے گا	یہ لوگ جو بھلائی کریں تو ہرگز اس سے محروم نہ کئے جائینگے
وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ہ	اور اللہ کو معلوم ہیں ڈر والے	اور اللہ پرہیزگاروں کو جاننے والا ہے
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ	اور وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور	بے شک جنھوں نے کفر کیا تو نہ بے پرواہ کرے گا انکو ان کا مال
وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط	اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچالیں گے۔	اور نہ انکی اولاد اللہ سے کچھ بھی۔
وَأُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ	اور وہ جہنمی ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا	اور وہی جہنم والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	کہاوت اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں	مثال اس کی جو خرچ کریں دنیاوی زندگی کے بارے میں
كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ	اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑی	جیسے ہوا جس میں پالا ہے وہ پہنچی ایک قوم کی کھیتی پر
ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ط	جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی	جنھوں نے خود اپنا بگاڑ رکھا تھا تو اس کی کھیتی کو تباہ کر دیا اس ہوا نے۔
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ہ	اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔	ان پر اللہ نے ظلم نہیں فرمایا لیکن وہ خود اپنے اوپر ظالم ہیں۔
يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا	اے ایمان والو غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔	اے ایمان والو نہ بناؤ
بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا	وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے	رازدار کسی غیر کو وہ نہ چھوڑ رکھیں گے کچھ بدخواہی میں
وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ	ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے	ان کی تو آرزو ہے جتنی دشواری تمہیں ہو
قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ	بیر انکی باتوں سے جھلک اٹھا۔	ان کے منہ سے انکا بغض ظاہر ہو چکا
وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ط	اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے	اور وہ جو انکے سینے میں چھپائے ہیں بہت بڑا ہے
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيٰتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ہ	ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنادیں اگر تمہیں عقل ہو۔	ہم نے ساری نشانیاں تمہارے لئے بیان کردیں اگر تم عقل سے کام لو
هٰأَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ	سنتے ہو یہ جو تم ہو تم تو انھیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے۔	سنو کہ ایک تو تم ہو تو تم ان کی دوستی رکھتے ہو اور وہ تمکو دوست نہیں رکھتے
وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهِ	اور حال یہ ہے کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو	اور تم کل کتاب کو مانتے ہو
وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا	اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔	اور وہ جب تم سے ملے تو کہدیا کہ ہم بھی مان چکے
وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ط	اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے	اور جب الگ ہوئے تو چبا ڈالا تم پر انگلیوں کو غصہ سے
قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ	تم فرمادو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں	کہدو کہ مرجاؤ اپنی جلن میں
إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہ	اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات	بیشک اللہ جانتا ہے سینوں والی باتوں کو
إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ	تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انھیں برا لگے	اگر تمکو فائدہ ہو تو برا لگے انکو۔
وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا	اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں	اور اگر تمکو کوئی نقصان پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوں

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
شَيْئًا
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ۱۲
وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ
تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج
فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ
اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝
بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ
وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ
اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا
بےشک انکے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں ۔
اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے برآمد ہوئے ۔
مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے
اور اللہ سنتا جانتا ہے
جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوکہ نامردی کرجائیں
اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے
اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے ۔
اور بےشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے ۔
تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکرگذار ہو ۔
جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں
کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتہ اتار کر
ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ کرو
اور کافر اسی دم تم پر آپڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا
اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لئے
اور اسی لئے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے ۔
اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے
اس لئے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے
یا انہیں ذلیل کردے کہ نامراد پھر جائیں ۔
یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں ۔
یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں ۔
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری سے کام لیتے رہو تو نہ بگاڑ سکے گا تمہارا ان کا مکر کچھ ۔
بےشک اللہ انکے کرتوتوں کو گھیرنے والا ہے
اور یاد کرو جب تم صبح کو نکلے اپنے گھر سے
کہ بٹھا دو مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں پر
اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔
جبکہ قصد کرلیا تھا تمہارے دو گروہوں نے کہ بزدلی کرجائیں
جبکہ اللہ ان دونوں کا مددگار ہے
اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسہ رکھیں
اور بےشک مدد دی تم کو اللہ نے بدر میں جبکہ تم بے سروسامان ہو
تو ڈرو اللہ کو کہ اب شکرگذار ہو جاؤ
جب تم کہہ رہے تھے مسلمانوں کو کہ کیا تمہیں کافی نہیں
کہ مدد فرمائے تمہاری تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہوں
ہاں ہاں اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو
اور سب دشمن آپڑیں تم پر اسی دم تو مدد کریگا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار نشانی والے فرشتوں سے
اور نہیں کیا اس کو اللہ نے مگر خوش کرنیکو تمہیں ۔
اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں ۔
اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کے پاس سے غلبہ والا حکمت والا
تاکہ کاٹ دے ایک کنارہ ان کا جنھوں نے کفر کیا ۔
یا ان کو ذلیل و خوار کردے تو وہ لوٹیں نامراد ہوکر
نہیں ہے تمہاری ذمہ داری اس بارے میں کچھ
کہ یا اللہ توبہ کرائے ان سے یا عذاب دے انکو
کیونکہ وہ سب ظالم ہیں ۔
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؏
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا
اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ٥
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥
وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً
اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ
وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ٥
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ٥
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لا
فسيروا في الارض فانظروا
كيف كان عاقبة المكذبين ٥
هذا بيان للناس وهدى
وموعظة للمتقين ٥ ولا تهنوا
ولا تحزنوا وانتم الاعلون
ان كنتم مومنين ٥ ان يمسسكم قرح
فقد مس القوم قرح مثله ط
وتلك الايام نداولها بين الناس

جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اے ایمان والو سود دونا دون نہ
کھاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے
اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے
اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم
رحم کئے جاؤ
اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف
اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان
و زمین آجائیں
پرہیزگاروں کے لئے تیار رکھی ہے۔
وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور
رنج میں
اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے
اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں
اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی
یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے
اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔
اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے
اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔
ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش
اور جنتیں ہیں۔ جن کے نیچے نہریں رواں
ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں کا کیا اچھا نیگ ہے
تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں
تو زمین میں چل کر دیکھو۔
کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا
یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا
اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے اور نہ سستی کرو
اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے
اگر ایمان رکھتے ہو اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی
تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں۔
اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں

بخشے جسے چاہے اور عذاب دے جس کو چاہے
اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔
اے ایمان والو مت کھاؤ سود
دونا دون اور اللہ کو ڈرو کہ اب مراد کو پا جاؤ
اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے
اور فرمانبرداری کرو اللہ اور رسول کی کہ اب تم رحم
کئے جاؤ
اور تیزی کرو بخشش کی طرف اپنے رب کی
اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی ہے سارے آسمان اور
زمین کی
تیار رکھی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے
جو خرچ کریں خوشحالی میں اور تنگدستی میں
اور پی جانے والے غصہ کو اور معافی دینے والے لوگوں کو
اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو
اور وہ جو کر گذرے کوئی بیحیائی
یا ظلم کر بیٹھے اپنے اوپر تو یاد کیا اللہ کو
پھر بخشش چاہی اپنے گناہوں کی
اور کون بخشے گناہ سوا اللہ کے۔
اور اصرار نہ کیا اس پر جو کر گذرے دیدہ و دانستہ
وہ ہیں کہ بدلہ ان کا بخشش ہے ان کے پروردگار کی
اور جنتیں ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔
اسمیں ہمیشہ رہنے والے اور کیا خوب اجر ملے گا
کارگذاروں کا
ہو چکے ہیں تم سے پہلے بھی کچھ طریقے
تو زمین کی سیر کرو پھر دیکھو۔
کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا
یہ صاف بات ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت
اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے اور نہ سست ہو
اور نہ رنج کرو تمہیں بلند اور غالب ہو۔
اگر ہو تم ایمان والے۔ اگر لگے تم کو زخم
تو بے شک لگ چکا ہے قوم دشمن کو بھی اسیطرح کا زخم
اور یہ ایام ہم باری باری پھیرتے انکو لوگوں میں

ولیعلم اللہ الذین اٰمنوا
و یتخذ منکم شہداء
واللہ لایحب الظلمین ٥
ولیمحص اللہ الذین اٰمنوا
و یمحق الکفرین ٥ ام حسبتم
ان تدخلوا الجنۃ۔
وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا
مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ٥
وَلَقَدْ کُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْہُ ص
فَقَدْ رَاَیْتُمُوْہُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ٥ ع

اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی
اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے
اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو
اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کا نکھار کر دے
اور کافروں کو مٹادے۔ کیا اس گمان میں ہو کہ
جنت میں چلے جاؤگے۔
اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا
اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔
اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔
اس کے ملنے سے پہلے
تو اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے

تاکہ معلوم کرادے اللہ انکو جو ایمان لائے
اور بنائے تم میں سے کچھ شہادت والے
اور اللہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو
اور تاکہ خالص کھرا کر دے اللہ انکو جو ایمان لائے
اور مٹا ڈالے کافروں کو۔ کیا تم نے خیال کر رکھا ہے
کہ جنت میں جاؤگے۔
اور ابھی معلوم کرائے گا اللہ انھیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا
اور ابھی معلوم کرائیگا صبر کرنے والوں کو
اور تم بڑی آرزو رکھتے تھے مرنے کی
قبل اسکے کہ موت سے ملو
تو اب تم نے اسکو دیکھ لیا اپنی نظر سے

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

امام احمد رضا

امام احمد رضا علیہ الرحمہ
کے اس شعر پر ہمارا کامل یقین ہے۔ اور اسی
یقین کو سینے میں دبائے ہم وابستگان سلسلۂ
اشرفیہ آگے بڑھ رہے ہیں۔

فقیہ اعظم ہندوستاں احمد رضا تم ہو
مقام فقہ میں عرش آستاں احمد رضا تم ہو

فقہیات

امام احمد رضا کی پیاری پیاری باتیں [1]

امام احمد رضا اور سراج الفقہاء [2]

امام احمد رضا اور صدر الافاضل [3]

امام احمد رضا کی فقاہت [4]

امام احمد رضا کا فقہی مقام [5]

امام احمد رضا اور تسہیلات شرعیہ [6]

امام احمد رضا فقیہ ہندوستان [7]

امام احمد رضا کی پیاری پیاری باتیں

از افادات عالیہ امام احمد رضا فاضل بریلوی

سوال۔ کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے۔

ارشاد۔ غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے

سوال۔ سفر کے لئے کون کون دن مخصوص ہیں۔

ارشاد۔ پنجشنبہ، شنبہ، دوشنبہ۔ حدیث شریف میں ہے بروز شنبہ قبل طلوع آفتاب جو کسی حاجت کی طلب میں نکلے اس کا ضامن میں ہوں۔ اسی سلسلہ تقریر میں فرمایا بحمد اللہ دوسکر بار کی حاضری حرمین طیبین یہاں سے جانے اور وہاں سے واپس آنے میں انھیں تین دنوں میں سے ایک دن میں روانگی ہوئی تھی۔ اور بفضلہ تعالیٰ فقیر کا یوم ولادت بھی شنبہ ہے۔

سوال:۔ حضور میرے بھتیجہ پیدا ہوا ہے۔ اس کا کوئی تاریخی نام تجویز فرمائیں۔

ارشاد۔ تاریخی نام سے کیا فائدہ نام وہ ہوں جن کے احادیث میں فضائل آتے ہیں۔ میرے اور میرے بھائیوں کے جتنے لڑکے پیدا ہوئے ہیں نے سب کا نام محمد رکھا یہ اور بات ہے کہ یہی نام تاریخی بھی ہو جائے۔ حامد رضا خاں کا نام محمد ہے اور ان کی ولادت ۱۲۹۲ھ میں ہوئی۔ اور اس نام مبارک کے عدد بھی بانوے ہیں۔ ایک دقت تاریخی نام میں یہ ہے کہ اسمائے حسنی سے ایک یا دو جن کے اعداد موافق عدد نام قادری ہوں عدد نام در چند کر کے پڑھے جاتے ہیں وہ قادری کو اسم اعظم کا فائدہ دیتے ہیں۔ تاریخی نام سے مقدار بہت زیادہ ہو جائے گی۔

مثلاً اگر کسی کی ولادت اس سنہ ۱۳۲۹ھ میں ہوئی تو اس کے مطابق عدد کے اسماء حسنی ۲۶۵۸ بار پڑھے جائیں گے اور محمد نام ہوتا تو ایک سو چوراسی بار دونوں میں کس قدر فرق ہوا۔ (پھر اس نام اقدس کے فضائل میں یہ چند حدیثیں ذکر فرمائیں)

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو میری محبت کی وجہ سے اپنے لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ باپ اور بیٹے دونوں کو بخشے گا۔ ایک روایت میں ہے قیامت کے دن ملائکہ کہیں گے کہ جن کا نام محمد یا احمد ہے جنت میں چلے جاؤ۔ ایک روایت میں ملائکہ اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں جس میں کسی کا نام محمد یا احمد ہے۔ ایک روایت میں ہے جس مشورے میں اس نام کا آدمی شریک ہو اس میں برکت رکھی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھروں میں دو یا تین محمد ہوں۔

سوال:۔ عورتوں کی نماز باریک کپڑوں سے ہوتی ہے یا نہیں۔

ارشاد:۔ آزاد عورتوں کو سر سے پاؤں تک تمام بدن کا چھپانا فرض ہے مگر چہرہ یعنی پیشانی سے تھوڑی اور ایک کنپٹی سے دوسری کنپٹی تک (جس میں سر کے بالوں یا کان کا کوئی حصہ داخل نہیں نہ تھوڑی کے نیچے کا) یہ تو بالاتفاق نماز میں چھپانا فرض ہے اور گٹوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں ان میں اختلاف روایت ہے ان کے سوا اگر کسی عضو کا چوتھائی حصہ نماز میں قصداً کھولے اگرچہ ایک آن کو یا بلا قصد بقدر ادائے رکن یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی دیر تک کھلا رہے تو نماز نہ ہوگی۔ اور باریک کپڑے جن سے بدن نظر آئے یا رنگت دکھائی دے یا سر کے بالوں کی سیاہی چمکے نماز نہ ہوگی۔

سوال۔ اس وقت، وہ حافظ صاحب حاضر ہیں جنھوں نے اس وہابی خیال کا شخص کو پیش کیا تھا۔ علم غیب میں کچھ دریافت کیا تھا۔ حضور وہ شخص جب یہاں سے گیا تو راستہ ہی میں کہنے لگا کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم کی باتیں میرے دل نے قبول کیں اور اب میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کا مرید ہوں گا۔

ارشاد۔ دیکھو نرمی میں جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے اگر اس شخص کر سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہیں ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے

بڑے ہیں ان سے بھی ابتداً بہت نرمی کی گئی ہے مگر چونکہ ان کے دلوں میں
نہایت راسخ ہوگئی تھی۔ اور مصداق ثم لا یعودون ہو چکے تھے اس
لئے حق نہ مانا اس وقت سختی کی گئی کہ رب عزوجل فرماتا ہے۔ **یا ایھا النبی
جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم**۔ اے نبی جہاد فرمائیے کافروں
اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے۔ ولیجدوا
فیکم غلظۃ لازم ہے کہ وہ تم میں درشتی پائیں۔ ایک شخص خدمت اقدس
حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ میرے لئے زنا
حلال فرما دیجئے۔ صحابہ کرام نے انھیں قتل کرنا چاہا کہ خدمت اقدس میں سخت
گستاخی کے الفاظ کہے۔ حضور نے منع فرمایا اور ان سے فرمایا قریب آؤ۔ وہ قریب
حاضر ہوئے اور قریب فرمایا۔ یہاں تک کہ ان کے زانو زانوئے اقدس سے مل
گئے۔ اس وقت ارشاد فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے
عرض کی نہ فرمایا تیری بیٹی سے عرض کی نہ فرمایا تیری بہن سے عرض کی نہ فرمایا تیری
پھوپھی سے عرض کی نہ فرمایا تیری خالہ سے عرض کی نہ۔ فرمایا جس سے تو زنا کرے
گا آخر وہ بھی کسی کی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ ہوگی یعنی جو بات اپنے
لئے نہیں پسند کرتا دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے۔

دست اقدس ان کے سینے پر مار کر دعا فرمائی کہ الٰہی زنا کی محبت اس
کے دل سے نکال دے۔ وہ صاحب کہتے ہیں جب میں حاضر ہوا تھا تو زنا
سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی چیز نہ تھی اور اب اس سے زیادہ کوئی
چیز مجھے مبغوض نہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمھاری
مثال ایسی ہے جیسے کسی کا اونٹ بھاگ گیا۔ لوگ اس کو پکڑنے کو اس
کے پیچھے دوڑتے ہیں جتنا دوڑتے ہیں وہ زیادہ بھاگتا ہے۔ اس کے مالک
نے کہا کہ تم لوگ ٹھہر جاؤ۔ اس کی راہ میں جاتا ہوں۔ سبز گھاس کا ایک مٹھا
لے کر چکارتا ہوا اونٹ کے قریب گیا اور اسے پکڑ لیا اور بٹھا کر اس
پر سوار ہو لیا۔

فرمایا اگر اس وقت تم اس کو قتل کر دیتے تو جہنم میں جاتا۔

سوال۔ حضور میرے کچھ روپے ایک صاحب پر ہیں وہ نہیں دیتے۔

ارشاد۔ اس زمانہ میں قرض دینا اور یہ خیال کرنا کہ وصول ہو جائے گا ایک مشکل خیال
ہے۔ میرے پندرہ سو روپے لوگوں پر قرض ہیں۔ جب قرض دیا یہ خیال کر لیا
کہ دیدیئے تو خیر ورنہ طلب نہ کروں گا۔ جن صاحبوں نے قرض لیا دینے کا نام
نہ لیا پھر خود ہی فرمایا جب یوں قرض دیتا ہوں تو کیوں نہیں ہبہ کر دیتا۔ اس کی وجہ
یہ ہے کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔ جب کسی کا دوسرے پر دین ہو
اور اس کی میعاد گذر جائے تو ہر روز اسی قدر روپیہ کی خیرات کا ثواب ملتا
ہے۔ جتنا دین ہے۔ اس ثواب عظیم کے لئے میں نے قرض دیئے ہبہ نہ کئے
کہ پندرہ سو روپے روز میں کہاں سے خیرات کرتا۔

سوال۔ حضور حافظ کتنوں کی شفاعت کرے گا سنا گیا ہے کہ اپنے اعزا سے دس
شخصوں کی۔

ارشاد۔ ہاں اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس سے
مشرق سے مغرب تک روشن ہو جائے۔ اور شہید پچاس شخصوں کی، حاجی ستر کی
اور علما بے گنتی لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ حتی کہ عالم کے ساتھ جن لوگوں
کو کچھ بھی تعلق ہوگا اس کی شفاعت کریں گے۔ کوئی کہے گا میں نے وضو کے لئے
پانی دیا تھا۔ کوئی کہے گا میں نے فلاں کام کیا تھا۔ لوگوں کا حساب ہوتا جائیگا
اور وہ جنت میں بھیجے جائیں گے۔

علما کا حساب کب کا ہو چکا ہوگا۔ اور وہ روکے جائیں گے عرض کریں گے الٰہی
لوگ جا رہے ہیں ہم کیوں روکے گئے ہیں۔ فرمایا جائے گا تم آج میرے نزدیک
فرشتوں کی مانند ہو۔ شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت سے لوگ بخشے جائینگے
ہر سنی عالم سے فرمایا جائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کر اگرچہ آسمان
کے ستاروں کے برابر ہوں۔

سوال۔ عقیقہ کا گوشت بچے کے ماں، باپ، نانا، نانی، دادی، دادا، ماموں، چچا وغیرہ
کھائیں یا نہیں

ارشاد۔ سب کھا سکتے ہیں کلوا وتصدقوا وادخروا العقود الدریۃ میں ہے
احکامھا احکام الاضحیۃ

سوال۔ کیا عدت کے اندر بھی نکاح ہو سکتا ہے

ارشاد۔ عدت میں نکاح تو نکاح نکاح کا پیام بھی دینا حرام ہے

سوال۔ حضور نوشہ کا وقت نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ
نکاح کو جانا شرعاً کیا رکھتا ہے۔

ارشاد۔ خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں سب
حرام و ناجائز ہیں

سوال۔ حضور ولیمہ کا کھانا شریعت کے کس حکم میں داخل ہے اور اس کا تارک کیسا ہے

ارشاد۔ ولیمہ بعد زفاف سنت اور اس میں صیغۂ امر بھی وارد ہے عبدالرحمن ابن
عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ ولیمہ کرو اگرچہ
ایک ہی دنبہ یا اگرچہ ایک دنبہ دونوں معنی محتمل ہیں اور اول اظہر

سوال۔ جس شہر کے لوگوں میں سے ایک بھی ولیمہ نہ کرتا ہو بلکہ نکاح سے پہلے اول
روز جیسا رواج ہے کھلا دیتا ہے تو ان سب کیلئے کیا حکم ہے

ارشاد۔ تارکان سنت ہیں مگر یہ سنن مستحبہ سے ہے۔ تارک گنہ گار نہ ہوگا۔ اگر اسے
حق نہ جانے۔

سوال۔ کیا حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں ایک ہزار برس قیام فرمایا

ارشاد۔ نہیں بلکہ تقریباً سولہ سو برس تک تشریف فرما ہے۔

سوال۔ اس شخص پر جو قصاص میں قتل کیا گیا نماز پڑھی جائے

ارشاد۔ ہاں! خودکشی کرنے والے اور اپنے ماں باپ کو قتل کرنے والے اور باغی ڈاکو کہ ڈاکہ میں مارا گیا ان کے جنازہ کی نماز نہیں۔

سوال۔ کھانا کھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے۔

ارشاد۔ داہنا پاؤں کھڑا ہو اور بایاں بچھا اور روٹی بائیں ہاتھ میں لیکر داہنے ہاتھ سے توڑنا چاہئے۔ ایک ہاتھ سے توڑ کر کھانا اور دوسرا ہاتھ نہ لگانا عادت متکبرین ہے۔

سوال۔ قیامت کب ہوگی اور ظہور امام مہدی کب

ارشاد۔ قیامت کب ہوگی اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کے بتائے سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت ہی کا ذکر کرکے ارشاد فرماتا ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ اللہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے امام قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی کہ اس غیب سے مراد قیامت ہے جس کا اوپر کی متصل آیت میں ذکر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بعض علماء کرام نے بملاحظہ احادیث حساب لگایا کہ یہ امت سن ہزار ہجری سے آگے نہ بڑھے گی۔ امام سیوطی نے اس کے انکار میں رسالہ لکھا الکشف عن تجاوز ھذہ الامۃ الالف اس سے ثابت کیا کہ یہ امت ایک ہزار سنہ ۱۰۰۰ھ سے آگے ضرور بڑھے گی امام جلال الدین کی وفات سنہ ۹۱۱ھ میں ہے۔ آپ نے حساب سے خیال فرمایا کہ سنہ ۱۳۰۰ھ میں خاتمہ ہوگا بحمد اللہ تعالیٰ اسے بھی ۲۶ برس گذر گئے اور ہنوز قیامت تو قیامت اشتراط کبریٰ میں سے کچھ نہ آیا امام مہدی کے بارے میں احادیث بکثرت اور متواتر ہیں مگر ان میں کسی وقت کا تعیین نہیں اور بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گذرتا ہے کہ شاید سنہ ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے اور سنہ ۱۹۰۰ھ میں حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں

سوال۔ میلاد شریف میں جھاڑ فانوس فروش وغیرہ سے زیب وزینت اسراف ہے یا نہیں

ارشاد۔ علماء فرماتے ہیں لاخیر فی الاسراف ولا اسراف فی الخیر جس شے سے تعظیم ذکر شریف مقصود ہو ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتی۔ امام غزالی نے احیاء العلوم شریف میں سید ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ایک بندۂ صالح نے مجلس ذکر شریف ترتیب دی اور اس میں ایک ہزار شمعیں روشن کیں ایک شخص ظاہر بیں پہونچے اور یہ کیفیت دیکھ کر واپس جانے لگے۔ بانیٔ مجلس نے ہاتھ پکڑا اور اندر لیجا کر فرمایا کہ جو شمع میں نے غیر خدا کیلئے روشن کیں۔ بجھا دیجئے۔ کوششیں کی جاتی تھیں اور کوئی شمع ٹھنڈی نہ ہوئی۔

سوال۔ تحیۃ الوضوء کی کیا فضیلت ہے۔

ارشاد۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا۔ اے بلال کیا سبب ہے کہ میں جنت میں تشریف لے گیا تو تم کو آگے آگے جاتے دیکھا۔ عرض کی یا رسول اللہ جب میں وضو کرتا ہوں دو رکعت نماز نفل پڑھ لیتا ہوں فرمایا یہی سبب ہے۔

سوال۔ حضور ایک بی بی تنہا حج کرنا چاہتی ہیں اور سفر خرچ قلیل اور خود علیل اس صورت میں کیا حکم ہے۔

ارشاد۔ عورت کو بغیر محرم حج کو جانا جائز نہیں

سوال۔ حضور طلب اور بیعت میں کیا فرق ہے

ارشاد۔ طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی پورے طور سے بکنا۔ بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

اولاً سنی صحیح العقیدہ ہو ثانیاً کم ازکم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔ ثالثاً اس کو سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔ کہیں منقطع نہ ہو۔ رابعاً فاسق معلن نہ ہو۔ (اسی سلسلہ بیان میں ارشاد ہوا کہ) لوگ بیعت بطور رسم ہوتے ہیں بیعت کے معنی نہیں جانتے بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں۔ ان مرید نے عرض کی یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری کے ہاتھ میں دے چکا ہوں اب دوسرے کو نہ دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہوگئے اور حضرت یحییٰ منیری ظاہر ہوئے۔ اور ان کو نکال لیا۔

سوال۔ آمدنی کی قلت اور اہل وعیال کی کثرت سخت کلفت ہے

ارشاد۔ یا مسبب الاسباب۔۔ ۵ بار اول وآخر ۱۱ بار درود شریف بعد نماز عشاء قبلہ رو باوضو، ننگے سر ایسی جگہ کہ جہاں سر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو یہاں تک کہ سر پر ٹوپی بھی نہ ہو پڑھا کرو

سوال۔ قبرستان میں جوتہ پہن کر جانے کا کیا حکم ہے

ارشاد۔ حدیث میں فرمایا تلوار کی دھار پر پاؤں رکھنا مجھے اس سے آسان ہے کہ مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔ دوسری حدیث میں فرمایا اگر میں انگارے پر پاؤں رکھوں یہاں تک کہ وہ جوتے کا تلا توڑ کر میرے تلوے تک پہونچ جائے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔ یہ وہ

فرماتے ہیں کہ واللہ اگر مسلمان کے سر اور سینے اور آنکھ پر قدم اقدس رکھدیں تو اسے دونوں جہان کا چین بخشدیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح القدیر اور طحطاوی اور ردالمحتار میں ہے المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام۔

قبرستان میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے کہ وہ ضرور قبروں پر ہوگا۔ بخلاف راہ قدیم کے کہ قبریں اسے چھوڑ کر بنائی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب قبرستان میں جوتا پہن کر نکلے فرمایا یا صاحب لسبتیتین الق سبتیتیک لا توذ صاحب القبر ولا یوذیک۔ اے بال صاف کئے ہوئے جوتے والے اپنے جوتے پھینک نہ تو صاحب قبر کو ستا نہ وہ تجھے ستائے ایک شخص کو لوگ دفن کرکے چلے گئے منکر نکیر نے سوال شروع کیا

ایک شخص جوتا پہنے اس طرف سے نکلا اس کے جوتے کی آواز سن کر مردہ اس طرف متوجہ ہوا اور قریب تھا کہ جو سوال منکر نکیر کر رہے تھے اس کے جواب سے قاصر رہتا۔ مرنے کے بعد زندگی سے کہیں زاید ادراک ہوجاتا ہے

غزوۂ بدر شریف میں مسلمانوں نے کفار کی نعشیں جمع کرکے ایک کنوئیں میں پاٹ دیں۔ حضور کی عادت کریمہ تھی جب کسی مقام کو فتح فرماتے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے۔ یہاں سے تشریف لیجاتے وقت اس کنوئیں پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انھیں نام بنام آواز دے کر فرمایا۔ ہمنے تو پالیا جو ہم سے ہمارے رب نے سچا وعدہ (یعنی نصرت کا) فرمایا تھا کیوں تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ (یعنی نار کا) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ احیاً والا رواح فیھا یا رسول اللہ کیا حضور بے جان جثوں سے کلام فرماتے ہیں فرمایا ما انتم باسمع منھم تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں تو کافر تک سنتے ہیں مومن تو مومن ہے اور پھر اولیاء کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے (پھر فرمایا) روح ایک پرندہ ہے اور جسم پنجرہ۔ پرند جس وقت تک پنجرہ میں ہے اس کی پرواز اسی قدر ہے جب پنجرہ سے نکل جائے اس وقت اس کی قوت پرواز دیکھئے (فرمایا) اپنے مردوں کو بزرگوں کے پاس دفن کرو کہ ان کی برکت کے سبب ان پر عذاب نہیں کیا جاتا ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سبب ان کا ہم نشین بھی بدبخت نہیں ہوتا۔ ولہذا احدیث میں فرمایا ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین اپنے مردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو۔ میں نے حضرت میاں صاحب قبلہ قدس سرہ کو فرماتے سنا

ایک جگہ کوئی قبر کھل گئی اور مردہ نظر آنے لگا۔ دیکھا کہ گلاب کی دو شاخیں اس کے بدن سے لپٹی ہیں اور گلاب کے دو پھول اس کے نتھنوں پر رکھے ہیں اس کے عزیزوں نے اس خیال سے کہ یہاں قبر پانی کے صدمے سے کھل گئی۔ دوسری جگہ قبر کھود کر اس میں رکھیں۔ اب جو دیکھیں تو دو اژدھے اس کے بدن سے لپٹے اپنے پھنوں سے اس کا منہ بھنبھوڑ رہے ہیں۔ حیران ہوئے کسی صاحب دل سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا وہاں بھی یہ اژدھا ہی تھے مگر ایک ولی اللہ کے مزار کا قرب تھا۔ اس کی برکت سے وہ عذاب رحمت ہوگیا تھا۔ وہ اژدھے درخت گل کی شکل ہوئے تھے اور ان کے پھن گلاب کے پھول۔ اس کی خیریت چاہو تو وہیں لے جاکر دفن کر دو۔ وہیں لیجا کر رکھا پھر وہی گلاب کے پھول۔

ایک بار حضرت سیدی اسماعیل حضرمی قدس سرہ العزیز کہ اجلۂ اولیاء کرام سے ہیں ایک قبرستان میں گزرے امام محب الدین طبری کہ اکابر محدثین سے ہیں ہمراہ رکاب تھے۔ حضرت سیدی اسماعیل نے ان سے فرمایا اتومن بکلام الموتیٰ کیا اس پر آپ ایمان لاتے ہو کہ مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں عرض کی ہاں فرمایا۔ اس قبر والا مجھ سے کہہ رہا ہے انا من حشو الجنۃ میں جنت کی بھرتی میں سے ہوں آگے چلے وہاں چالیس قبریں تھیں، آپ بہت دیر تک روتے رہے۔ یہاں تک کہ دھوپ چڑھ گئی۔ اس کے بعد آپ ہنسے اور فرمایا تو بھی انھیں میں سے ہے۔ لوگوں نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کی۔ حضرت یہ کیا راز ہے ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ فرمایا ان قبور پر عذاب ہو رہا تھا جسے دیکھ کر میں روتا رہا اور حضرت عزت میں میں نے انکی شفاعت کی۔ مولیٰ تعالیٰ نے میری شفاعت قبول فرمائی۔ اور ان سے عذاب اٹھالیا ایک قبر گوشے میں تھی جس کی طرف میرا خیال نہ گیا تھا اسمیں سے آواز آئی یا سیدی انا منھم انا فلانۃ المغنیۃ اے میرے آقا میں بھی انھیں میں سے ہوں میں فلاں ڈومنی ہوں مجھے اس کے کہنے پر ہنسی آگئی۔ اور میں نے کہا انت منھم تو بھی انھیں میں ہے اس پر سے عذاب اٹھالیا گیا تو یہ حضرات سراپا رحمت ہیں جس طرح گذر ہو رحمت ساتھ ہے۔

سوال۔ یہ صحیح ہے کہ شب معراج مبارک جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرش بریں پر پہونچے۔ نعلین پاک اتارنا چاہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادئ ایمن میں نعلین شریف اتارنے کا حکم ہوا تھا۔ فوراً غیب سے ندا آئی اے حبیب تمہارے مع نعلین شریف رونق افروز ہونے سے عرش کی زینت و عزت زیادہ ہوگی۔

ارشاد۔ یہ روایت محض باطل و موضوع ہے۔

سوال۔ شب معراج جب براق حاضر کیا گیا۔ حضور آبدیدہ ہوئے حضرت جبریل نے سبب پوچھا۔ فرمایا آج میں براق پر جا رہا ہوں کل قیامت کے دن میری امت برہنہ پا پل صراط کی راہ طے کرے گی یہ تقاضائے محبت و شفقت امت کے موافق نہیں ارشاد باری ہوا۔ یوہیں ایک ایک براق بر درِ حشر تمہارے ہر امتی کی قبر پر بھیجیں گے یہ روایت صحیح ہے یا نہیں۔

ارشاد۔ بالکل بے اصل ہے ایسی ہی اور بھی بہت سی روایات بالکل بے اصل اور بے ہودہ ہیں کیا کہا جائے۔

سوال۔ حضور اگر ادویات پی کر بال سیاہ ہوجائیں تو یہ بھی خضاب کے حکم میں ہے

ارشاد۔ اس میں کچھ حرج نہیں دوا کھانے سے سپید بال سیاہ نہ ہوجائینگے بلکہ وہ قوت پیدا ہوگی کہ آئندہ سیاہ نکلیں گے تو کوئی دھوکا نہ دیا گیا نہ خلق اللہ کی تبدیل کی گئی۔

سوال۔ حضور تانبے یا لوہے کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے۔

ارشاد۔ مرد و عورت دونوں کے لئے مکروہ ہے

سوال۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی جائز رکھی جائے جو اس سے بیش بہا ہے اور تانبے وغیرہ کی مکروہ۔

ارشاد۔ چاندی کی انگوٹھی تذکیر آخرت کے لئے جائز رکھی گئی ہے کہ سونا چاندی جنتیوں کا زیور ہے۔ تانبے وغیرہ کا وہاں کیا کام (پھر فرمایا) ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی۔ ارشاد فرمایا مالی اری فی یدك حلیۃ الاصنام کیا ہوا کہ میں تمہارے ہاتھ میں بتوں کا زیور دیکھتا ہوں۔ انہوں نے اتار کر پھینک دی۔ دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے ارشاد فرمایا مالی اری فی یدك حلیۃ اھل النار کیا ہوا کہ تمہارے ہاتھ میں دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۔ انھوں نے اتار کر پھینک دی اور عرض کیا یارسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں ارشاد فرمایا اتخذہ من الورق ولا تتمہ مثقالا چاندی کی بناؤ اور ایک مثقال پوری نہ کرو۔

سوال۔ انگوٹھی کو کس ہاتھ میں پہننا چاہئے

ارشاد۔ بائیں ہاتھ میں آیا ہے اور داہنے میں بھی لیکن بہتر یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی خنصر (وہ انگلی جو چھنگلیا کے پاس ہے) میں پہنے

سوال۔ کیا خطبۂ نکاح بھی کھڑے ہوکر قبلہ رو پڑھنا چاہئے

ارشاد۔ ہاں کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے اور قبلہ رو ہونا کچھ ضرور نہیں سامعین کی طرف منہ ہونا چاہئے۔ خطبۂ جمعہ بھی تو قبلہ کی جانب پشت کر کے پڑھا جانا مشروع ہے۔

سوال۔ نوشہ کے ابٹن ملنا جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ خوشبو ہے جائز ہے۔

سوال۔ نکاح کے بعد چھوارے لٹانے کا جو رواج ہے یہ کہیں سے ثابت ہے یا نہیں

ارشاد۔ حدیث شریف میں لوٹنے کا حکم ہے اور لٹانے میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہ حدیث دار قطنی و بیہقی و طحاوی سے مروی ہے

سوال۔ اگر جوان عورت سے مرد ضعیف نکاح کرنا چاہے تو خضاب سے بال سیاہ کر سکتا ہے یا نہیں

ارشاد۔ بوڑھا بیل سینگ کاٹنے سے بچھڑا نہیں ہوسکتا۔

سوال۔ حضور کی قسم کھا کر خلاف کرنے سے کفارہ لازم آئے گا یا نہیں

ارشاد۔ نہیں

سوال۔ قسم حضور کی کھانا جائز ہے

ارشاد۔ نہیں

سوال۔ کیا بے ادبی ہے

ارشاد۔ ہاں

سوال۔ جوان غیر محرم عورت کے سلام کا جواب دینا چاہئے یا نہیں

ارشاد۔ دل میں جواب دے

سوال۔ وضو کی حالت میں جھوٹ بولا یا غیبت کی یا فحش بکا تو وضو میں کوئی خرابی تو نہیں ہے

ارشاد۔ مستحب یہ ہے کہ پھر وضو کرے اگر نماز اسی وضو سے پڑھ لی خلاف مستحب کیا۔

سوال۔ حضور یہ مشہور ہے الولایۃ افضل من النبوۃ

ارشاد۔ یوں نہیں بلکہ یوں ہے ولایۃ النبی افضل من نبوتہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے کہ ولایت کی توجہ الی اللہ ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق

سوال۔ حضور قرب قیامت کی علامات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں

ارشاد۔ ان کے بارے میں صحیح حدیثیں بھی آئی ہیں اور حسن و ضعیف و موضوع بھی مگر دجال کا خروج امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، آفتاب کا مغرب سے طلوع یہ سب احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ جس روز آفتاب مغرب سے نکلے گا وہی وقت در توبہ بند ہونے کا ہوگا۔ انھیں ایام میں دابۃ الارض کعبہ معظمہ کے قرب میں زمین سے نکلے گا اور گھوڑے کی طرح پھریری لیکر غائب ہوجائے گا تیسری مرتبہ جب نکلے گا تو دہنے ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور بائیں ہاتھ میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی جو علم الٰہی میں مسلمان ہوگا۔ اس کی پیشانی پر عصا سے نورانی نشان کر دے گا اور جو کافر ہوگا انگشتری سے کالا داغ لگا دے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے ایک دسترخوان پر چند آدمی بیٹھے ہوئے کھانا کھاتے ہوں گے یہ کہے گا کہ وہ کافر ہے وہ کہے گا کہ یہ مسلمان پھر نہ کوئی مسلمان کافر ہوسکے گا اور نہ کافر مسلمان (پھر فرمایا) قیامت تین قسم ہے۔ قیامت صغریٰ یہ موت ہے۔ مَنْ مَاتَ فقد قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ دوسری قیامت وسطیٰ وہ یہ کہ ایک قرن کے تمام لوگ فنا ہوجائیں گے اور دوسرے قرن کے نئے لوگ پیدا ہوجائیں۔ تیسری قیامت کبریٰ وہ یہ کہ آسمان و زمین سب فنا ہوجائیں گے۔

سوال۔ سید کے لڑکے کو اس کا استاد تادیباً مار سکتا ہے یا نہیں

ارشاد۔ قاضی جو حدود الہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا۔ لیکن حکم ہے سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں نیت یہ رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد۔

سوال۔ شعبان میں نکاح کرنا کیسا ہے۔

ارشاد۔ کوئی حرج نہیں ہاں یہ آیا ہے لا نکاح بین العیدین دو عیدوں کے درمیان نکاح نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جمعہ کے دن اگر عید پڑے تو ظاہر ہے کہ جمعہ و عیدین کے درمیان فرصت کہاں ہو سکتی ہے۔

سوال۔ جانوروں کو کھلانے پلانے سے ثواب ملتا ہے یا نہیں۔

ارشاد۔ ہاں حدیث میں ارشاد ہوا۔ فی کل ذات کبد رطبۃ اجر ہر تر جگہ میں اجر ہے۔ ہر جاندار کو آرام پہونچانے میں ثواب ہے۔

سوال۔ حضور ایک روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص دو سو برس تک فسق و فجور میں مبتلا رہا اور بعد انتقال اس کی مغفرت فرما دی گئی اس وجہ سے کہ اس نے توریت شریف میں نام پاک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھ کر چوم لیا تھا۔

ارشاد۔ ہاں صحیح ہے ان کا نام مطیع تھا۔ پھر فرمایا اس کے کرم کی کوئی انتہا نہیں اس کی رحمت چاہے تو کروروں برس کے گناہ دھو دے۔ غلامی ہونا چاہئے۔ سرکار کی ایک نیکی سے معاف فرما دے بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے اور اگر عدل فرمائے تو کروروں برس کی نیکیاں ایک صغیرہ کے عوض رد فرما دے۔ حدیث میں ارشاد ہوا کہ کوئی بغیر اللہ کی رحمت کے اپنے اعمال سے جنت میں نہیں جا سکتا صحابہ نے عرض کیا ولا انت یا رسول اللہ۔ آپ بھی نہیں یا رسول اللہ ارشاد فرمایا ولا انا الا ان یتغمدنی رحمتہ اور میں بھی جب تک میرا رب رحمت نہ فرمائے گناہ نہ سہی۔ استحقاق کس بات کا ہے۔ دنیا ہی کا قاعدہ دیکھئے اگر اجیر ہے مزدوری کر دے گا۔ اجرت پائیگا اور اگر عبد ہے مملوک ہے کتنی ہی خدمت کرے کچھ نہ پائیگا۔ ہم سب تو اسی کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اسکی رحمت ہی رحمت ہے۔ آپ ہی بندوں کو توفیق دی۔ آپ ہی ان کو اسباب دئے آپ ہی آسان فرمایا اور فرماتا ہے بدلہ ہے ان کے نیک عملوں کا نیک العبد کیا۔ اچھا بندہ ہے۔ ایوب علیہ السلام کتنے عرصہ تک بلا میں مبتلا رہے اور صبر بھی کیسا جمیل فرمایا جب اس سے نجات ملی عرض کیا الہی میں نے کیسا صبر کیا ارشاد ہوا اور توفیق کس گھر سے لایا ایوب علیہ السلام نے اپنے سر پر خاک اڑائی عرض کیا بے شک اگر تو توفیق نہ عطا فرماتا تو میں صبر کہاں سے کرتا۔

سوال۔ فاسق اگر مصافحہ کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ اگر وہ کرنا چاہے تو جائز ہے ابتداء نہ چاہئے

سوال۔ زمزم شریف بھی تین سانسوں میں پینا چاہئے

ارشاد۔ ہاں ہر چیز کا یہی حکم ہے حدیث میں ارشاد ہوا مصوہ مصا ولا تعبوہ عبا فان منہ الکباد۔ چوس چوس کر پو غٹ غٹ کر کے بڑے بڑے گھونٹ نہ لگاؤ۔

سوال۔ حضور میں آجکل بہت پریشان ہوں گزر اوقات مشکل سے ہوتی ہے قرضدار بہت ہو گیا ہوں

ارشاد۔ اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک ہر نماز کے بعد ۱۱ بار اور صبح و شام سو سو بار روزانہ اول و آخر درود شریف اسی دعا کی نسبت مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر تجھ پر مثل پہاڑ کے بھی قرض ہو گا تو اسے ادا کر دے گا۔

سوال۔ حضور رجال الغیب ملائکہ سے ہیں

ارشاد۔ نہیں جنوں یا انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ آپ نے رجال پر خیال نہیں کیا ملائکہ پاک ہیں رجال اور نساء ہونے سے

سوال۔ رجال الغیب کیوں کہلاتے ہیں

ارشاد۔ غائب رہتے ہیں اس وجہ سے

سوال۔ عربی زبان مرنے کے وقت سے ہو جاتی ہے

ارشاد۔ اس کی بابت تو کچھ حدیث میں ارشاد نہیں ہوا۔ حضرت سیدی عبد العزیز دباغ رضی اللہ تعالی عنہ صاحب کتاب ابریز کے شیخ فرماتے ہیں منکر نکیر کا سوال سریانی میں ہو گا اور کچھ لفظ بھی بتائے

سوال۔ عبرانی اور سریانی ایک ہی ہیں

ارشاد۔ عبرانی اور ہے سریانی اور ہے۔ عبرانی میں انجیل نازل ہوئی اور سریانی میں توریت ہے۔

سوال۔ کھانا کھاتے وقت بولنا کیسا ہے

ارشاد۔ کھانا کھاتے وقت التزام کر لینا نہ بولنے کا یہ عادت ہے مجوس کی اور مکروہ ہے اور لغو باتیں کرنا یہ ہر وقت مکروہ اور ذکر خیر کرنا یہ جائز ہے

سوال۔ نوکر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہے یا نہیں

ارشاد۔ جتنی تاکید کر سکتا ہے اتنی نہ کرے تو مواخذہ ورنہ نہیں

سوال۔ اگر لڑکی نابالغ ہو تو اس کا ولی نکاح میں کون ہو سکتا ہے

ارشاد۔ باپ اور باپ کے بعد دادا اور دادا نہ ہو تو بھائی بھائی نہ ہو تو بھتیجی بھتیجا نہ ہو تو چچا پھر چچا کا بیٹا الخ

سوال۔ نابالغ لڑکے کا باپ طلاق دے تو ہوگی یا نہیں

ارشاد۔ نہیں ہو سکتی۔

سوال۔ حضور جب اس کا نکاح کا اختیار ہے تو طلاق کا بھی ہونا چاہئے۔

ارشاد۔ نکاح کرا دینے کا مالک ہے کہ وہ نفع ہے طلاق کا نہیں کہ وہ ضرر ہے۔

سوال۔ فتاوی عالمگیریہ کس کی تصنیف ہے۔

ارشاد۔ مولانا نظام الدین صاحب کی جو سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کو جمع کر کے تصنیف کرائی اور اس میں کئی لاکھ روپیہ صرف کیا کثیر کتب خانہ جمع کیا تمام کتابوں میں دیکھ دیکھ کر یہ فتاوی تصنیف ہوا۔

سوال۔ قیامت اور حشر کا فرق۔ قیامت وہ ہے جس میں سب موجودات فنا کئے جائیں گے۔ اور حشر میں پھر از سر نو پیدا کئے جائیں گے اگر برزخ کا زمانہ قیامت حشر تک کے زمانہ کا کوئی نام ہے یا نہیں اور قیامت کے کتنے عرصہ بعد حشر ہوگا۔

ارشاد۔ وہ ساعت ہے کبھی اسے بھی قیامت کہتے ہیں ورنہ قیامت و حشر ایک ہیں ساعت و حشر کے درمیان جو زمانہ ہے اسے ما بین النفختین کہتے ہیں حشر چالیس برس بعد ہوگا۔

سوال۔ درجات فقر ترتیب وار ارشاد ہوں کہ جب طالب سلوک کی راہ چلتا ہے تو اول کون سا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر کون سا۔

ارشاد۔ صلحاء۔ سالکین۔ فانین واصلین اب ان واصلوں کے مراتب ہیں نجباء۔ نقباء۔ ابدال بدلا۔ اوتاد۔ امامین۔ غوث۔ صدیق۔ نبی رسول۔ تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں۔ باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل ہے

سوال۔ تفریحاً جھولا جھولنا کیسا ہے

ارشاد۔ شارع عام پر نہ ہو مکان میں ہو کچھ حرج نہیں یہ تو بدن کی ریاضت ہے بعض امراض میں اطباء مفید بتلاتے ہیں

سوال۔ حضور عورتوں کو بھی جائز ہے

ارشاد۔ کوئی نامحرم نہ ہو اور گھر کے اندر ہوں اور گانا نہ گائیں تو ان کے واسطے بھی جائز۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مجھے اپنے نکاح کی کوئی خبر نہ تھی۔ میں اپنے مکان میں جھولا جھول رہی تھی کہ میری ماں مجھ کو اٹھا کر لے گئیں۔

سوال۔ حضور والا یہ صحیح ہے کہ کعبہ معظمہ جنت میں جائیگا

ارشاد۔ ہاں کعبہ معظمہ اور تمام مساجد

سوال۔ اور حضور روضۂ اقدس

ارشاد۔ روضۂ اقدس افضل ہے یا کعبہ

سوال۔ روضۂ اقدس

ارشاد۔ پھر جب مفضول ہو جائیگا تو افضل کے جانے میں کیا شبہ صرف روضۂ اقدس ہی نہیں بلکہ تربتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی۔

سوال۔ حضور قبرستان میں بآواز بلند قرآن عظیم پڑھنا کیسا ہے

ارشاد۔ ایسی آواز سے پڑھنا مستحسن ہے کہ اموات سنیں اور ان کا دل بہلے نہ اتنی کریہہ آواز سے کہ مردے کو بھی پریشان کرے۔

سوال۔ وقت دفن اذان کیوں کہی جاتی ہے

ارشاد۔ دفع شیطان کے لئے حدیث میں ہے۔ اذان جب ہوتی ہے۔ شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے۔ الفاظ حدیث میں یہ ہے کہ روحا تک بھاگتا ہے اور روحا مدینہ طیبہ سے ۳۶ میل ہے اور وہ وقت ہوتا ہے دخل شیطان کا جس وقت منکر نکیر سوال کرتے ہیں من ربک؟ تیرا رب کون ہے۔ یہ لعین دور سے اشارہ کرتا ہے اپنی طرف کہ مجھ کو کہہ دے جب اذان ہوتی ہے بھاگ جاتا ہے وسوسہ نہیں ہوتا۔ پھر سوال کرتے ہیں ما دینک؟ تیرا دین کیا ہے۔ اس کے بعد سوال کرتے ہیں ما تقول فی ھذا الرجل ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اب نہ معلوم سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چونکہ امتحان کا وقت ہے۔ اس لئے ھذا النبی نہ کہیں گے ھذا الرجل کہیں گے۔

سوال۔ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں

ارشاد۔ جمہور کا مذہب یہی ہے اور صحیح بھی یہی ہے کہ وہ نبی ہیں۔ زندہ ہیں خدمت بحر انہیں سے متعلق ہے اور الیاس علیہ السلام بر (خشکی) میں ہیں (پھر فرمایا) چار نبی زندہ ہیں کہ ان کو وعدۂ الٰہی ابھی آیا نہیں۔ یوں تو ہر نبی زندہ ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ ۔ بے شک اللہ نے حرام کیا زمین پر کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو خراب کرے تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کو محض تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لئے موت طاری ہوتی ہے۔ بعد اس کے پھر ان کو حیات حقیقی حسی دنیوی عطا ہوتی ہے۔ خیر ان چاروں میں سے دو آسمان پر ہیں اور دو زمین پر خضر و الیاس علیہما السلام زمین پر ہیں اور ادریس و عیسیٰ علیہما السلام آسمان پر۔

سوال۔ حضور ان پر بھی موت طاری ہوگی

ارشاد۔ ضرور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ (پھر فرمایا) جب یہ آیت نازل ہوئی کُلُّ مَنْ

عَلَيْهَا فَانٍ ۝ جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہوں گے فرشتے خوش ہوئے کہ ہم بچے کہ ہم زمین پر نہیں۔ جب دوسری آیت نازل ہوئی كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ ملئکہ نے کہا اب ہم بھی گئے۔

سوال۔ حضور بسم اللہ کرانے کی کوئی عمر شرعاً مقرر ہے

ارشاد۔ شرعاً کچھ مقرر نہیں۔ ہاں مشائخ کرام کے یہاں چار برس چار مہینے چار دن مقرر ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کی عمر جس دن چار برس چار مہینے چار دن کی ہوئی تقریب بسم اللہ مقرر ہوئی۔ لوگ بلائے گئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما ہوئے۔ بسم اللہ پڑھانا چاہی۔ مگر الہام ہوا کہ ٹھہر و حمید الدین ناگوری آتا ہے وہ پڑھائے گا۔ ادھر ناگور میں قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ جلد جا میرے ایک بندے کو بسم اللہ پڑھا۔ قاضی صاحب فوراً تشریف لائے اور آپ سے فرمایا صاحبزادے پڑھئے بسم اللہ الرحمن الرحیم آپ نے پڑھا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم اور شروع سے لیکر پندرہ پارے تک حفظ سنا دئے۔ حضرت قاضی صاحب اور حضرت خواجہ صاحب سے فرمایا میں نے اپنی ماں کے شکم میں اتنے ہی سنے تھے اور اسی قدر ان کو یاد تھے وہ مجھے بھی یاد ہو گئے

سوال۔ مسمریزم کیا ہے۔

ارشاد۔ اصل اسکی تصحیح تصور ہے۔ روح کی قوتوں کو ظاہر کرنا روح کی بہت قوتیں ہیں۔ پہلے ستابل شریف میں تین صاحب جا رہے تھے دور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدی پر بیٹھا ہے جواری حاضر ہیں ایک فاحشہ ناچ رہی ہے۔ شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیر اندازی میں مشاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلس فسق و فجور کو درہم برہم کرنا چاہئے کیا تدبیر کی جائے۔ ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کر دو کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے دوسرے نے کہا اس ناچنے والی عورت کو قتل کر دو تیسرے صاحب نے کہا اسے بھی قتل نہ کرو کہ وہ خود نہیں آئی۔ راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گل کر دو۔ یہ رائے پسند ہوئی۔ انھوں نے تاک کر شمع کی لو پر تیر مارا شمع گل ہو گئی اب نہ وہ راجہ رہا اور نہ وہ فاحشہ نہ مجمع نہایت تعجب ہوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری جب صبح ہوئی تو دیکھا ایک الو مرا پڑا ہے اور اس کی چونچ میں وہی تیر لگا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سب اسی الو کی روح کر رہی تھی۔ (پھر فرمایا) نمرود کے دروازے پر ایک درخت تھا جس کا سایہ بالکل نہ تھا جب ایک شخص اس کے نیچے آتا اس کے لائق سایہ ہو جاتا۔ دوسرا آتا تو دو کے لائق ہو جاتا غرض ایک لاکھ تک آدمی اس کے سایہ میں رہ سکتے اور جہاں ایک لاکھ سے ایک بھی زیادہ ہوا سب دھوپ میں

اسی کا ایک حوض تھا صبح کو لوگ آتے کوئی اس میں پیالہ بھر دودھ ڈالتا کوئی شربت کوئی شہد جس کو جو پسند آتا یہاں تک کہ وہ بھر جاتا۔ اور سب چیزیں خلط ہو جاتیں۔ اب جس کو حاجت ہوتی پیالہ ڈالتا جو شے جس نے ڈالی ہوتی وہی اس کے جام میں آجاتی۔

یہ کافر وہ بھی کیسے بڑے کافر کا استدراج تھا۔ اسی واسطے اولیاء کرام فرماتے ہیں کشف و کرامت نہ دیکھ استقامت دیکھ کہ شریعت کیساتھ کیسا ہے۔ حضرت خواجہ شیخ بہاء الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امام ہیں آپ سے کسی نے عرض کی کہ حضرت تمام اولیاء سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ حضور سے بھی کوئی کرامت دیکھیں فرمایا اس سے بڑی اور کیا کرامت ہیکہ اتنا بڑا بھاری بوجھ گناہوں کا سر پر ہے اور زمین میں دھنس نہیں جاتا۔

سوال۔ اگر عورت حج کو جانا چاہتی ہے اور شوہر اس کا اسکو منع کرے کسی عذر سے تو جا سکتی ہے بغیر اجازت شوہر کے یا نہیں

ارشاد۔ اگر محرم ساتھ ہے اور حج اس پر فرض ہے تو جائیگی ورنہ نہیں

سوال۔ شوہر کسی کام کو کرنے کا حکم کرے اور وقت نماز اتنا ہیکہ اگر اس کے حکم کی تعمیل کرے تو پھر نماز کا وقت باقی نہیں رہے گا تو اس صورت میں عورت نماز پڑھے یا حکم شوہر بجالائے۔

ارشاد۔ نماز پڑھے ایسا حکم ماننا حرام ہے

سوال۔ ایام حمل میں طلاق دینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو عدت اسکی کیا ہے ؟

ارشاد۔ حمل میں طلاق نہ دی جائے اگر دیگا ہو جائے گی۔ عدت وضع حمل ہے۔

سوال۔ صفر کے آخر چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہیکہ اس روز حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی بنا بر اس کے اس روز کھانا و شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں علی ھذا القیاس مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں کہیں اس دن نحس و نامبارک جان کر گھر کے پرانے برتن توڑ ڈالتے ہیں اور تعویذ و چھلہ چاندی کہ اس کے روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مریضوں کو استعمال کراتے ہیں۔ یہ جملہ امور بر بنائے صحت پانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لائے جاتے ہیں لہٰذا اصل اسکی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں اور فاعل عامل اسکا بر بنائے ثبوت یا عدم ثبوت گرفتار معصیت ہوگا یا قابل ملامت و تادیب۔

ارشاد۔ آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے آخر اربعاء من الشھر یوم نحس مستمر اور مروی ہوا ابتدائے ابتلائے سیدنا ایوب علے نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

اسی دن تھی اور اسے نجس سمجھ کر مٹی کے برتن توڑ دینا گناہ و اضاعت مال ہے غرض یہ سب باتیں بے اصل و بے معنی ہیں

سوال۔ سنت جمعہ اگر خطبہ شروع ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں تو بعد نماز جمعہ پڑھے یا نہیں

ارشاد۔ پڑھے اور ضرور پڑھے۔

سوال۔ عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کرے۔

سوال۔ عورت کو فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں ارشاد۔ جائز ہے۔

سوال۔ لڑکے کے عقیقہ کا گوشت لڑکے کے والدین اور دادا دادی اور نانا نانی کو کھانا چاہئے یا نہیں۔

ارشاد۔ سب کو درست ہے۔

سوال۔ عیدالاضحیٰ کے روز عقیقہ جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ جائز ہے

سوال۔ مچھلی اور ٹڈی ذبح کیوں نہیں کی جاتی

ارشاد۔ ذبح کرنے سے خون نکالنا مقصود ہوتا ہے اور مچھلی و ٹڈی میں خون نہیں

سوال۔ دفع وبا کیلئے اذان درست ہے یا نہیں

ارشاد۔ درست ہے فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا لکھا ہے۔

سوال۔ اذان دینی واسطے بارش کے درست ہے یا نہیں

ارشاد۔ درست ہے اذ لا خطر من الشرع اذان ذکر الٰہی ہے اور بارش رحمت الٰہی اور ذکر الٰہی باعث نزول رحمت الٰہی

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں (۱) ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجت سے زیادہ صرف کرایہ کی غرض سے خرید کئے آیا اس صورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں انکی قیمت کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے یا جو کرایہ آتا ہو اس کے اوپر (۲) جو مکانات کی زینت کیلئے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کر کے مکان سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اس صورت میں کیا حکم ہے

ارشاد۔ مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں کرایہ پر جو سال تمام پر پس انداز ہوں اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور سے ملکر قدر نصاب ہو (۲) برتن وغیرہ اسباب خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں۔ زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے سونا چاندی کیسے ہی ہوں پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے سکہ ہو یا پتر یا ورق دوسرے چرائی پر چھوڑے جانور تیسرے تجارت کا مال باقی کسی چیز پر زکوٰۃ نہیں

سوال۔ ایک عورت لڑکا جنی اور نفاس سے آٹھ دن میں فارغ ہو گئی۔ اب اس کے واسطے روزے نماز کا کیا حکم ہے اور چوڑی وغیرہ چاندی یا کانچ کی یا وہ چارپائی یا مکان پاک رہا یا ناپاک یا چالیس دن کی لگائی جائے گی۔

ارشاد۔ یہ جو عوام جاہلوں عورتوں میں مشہور ہے کہ جب تک چلہ نہ ہو جائے زچہ پاک نہیں ہوتی محض غلط ہے خون بند ہونے کے بعد ناحق ناپاک رہکر نماز روزے چھوڑ کر سخت کبیرہ گناہ میں گرفتار ہوتی ہیں۔ مردوں پر فرض ہے کہ انھیں اس سے باز رکھیں نفاس کی زیادہ حد کیلئے چالیس دن رکھے گئے ہیں نہ یہ کہ چالیس دن سے کم کا ہوتا ہی نہیں ہو اس کے کم کیلئے کوئی حد نہیں اگرچہ بچہ جننے کے بعد صرف ایک منٹ خون آیا اور بند ہو گیا عورت اسی وقت پاک ہو گئی۔ نہائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے اگر چالیس دن کے اندر اسے خون عود نہ کرے گا تو نماز روزے سب صحیح رہیں گے۔ چوڑیاں، چارپائی، مکان سب پاک ہے فقط وہی چیز ناپاک ہو گی جسے خون لگ جائے گا۔ بغیر اس کے ان چیزوں کا ناپاک سمجھ لینا ہندوؤں کا مسئلہ ہے

سوال۔ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں مکروہ ہے یا حرام

ارشاد۔ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلقاً حرام ہیں تو جن بعض کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے مگر فقیر نے کتب لغت و کتب طب و کتب علم الحیوان میں بالاتفاق اس کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے قاموس میں ہے الاربیان بالکسر سمک کالدود صحاح و تاج العروس میں ہے الاربیان بیض من السمک کالدود یکون بالبصرہ مراح میں ہے اربیان نوعی از ماہی۔ منتہی الارب میں ہے اربیان نوعے از ماہی است کہ آنرا بہندی جھینگہ می گویند۔ مخزن میں ہے روبیان و اربیان تیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان و ماہی لیک و بہ ہندی جھینگہ مچھلی نامند۔ تحفۃ المومنین میں ہے بفارسی ماہی روبیان نامند۔ تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے۔ روبیان اسم لضرب من السمک یکثر ببحر العراق والقام احمر کثیر الارجل نحو اسرطان لکنہ اکثر الما۔ حیوۃ الحیوان الکبریٰ میں ہے الروبیان ھو سمک صغیر جدا احمر تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون و تصریح معراج الدرایہ مطلقاً حلال ہونا چاہئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔ والطافی لیس نوعا براسہ بل وصف تغیری کل نوع او معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں۔ امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں۔ ردالمحتار میں ہے وفی معراج الدرایہ ولو وجدت سمکۃ فی حوصلۃ طائر توکل عند الشافعی ولا توکل لانہ کالرجیع ورجیع الطائر عندہ نجس وقلنا انما یغیر رجیعا اذا تغیر وفی السمک الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفہ فقال اصحابہ لا یحل کلہ کان رجیعہ نجس و عند سائر الائمۃ یحل مگر فقیر نے جواہر اخلاطی میں تصریح دیکھی کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔ حیث قال

السمک الصغار کلھا مکروھۃ کراھۃ التحریم ھوالاصح جھینگے کی صورت عام
مچھلیوں سے بالکل جدا اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے اور
لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے جیسی ماہی سقنقور حالانکہ وہ ناکے
کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی پر پیدا ہوتا ہے۔ اور ہمارے ائمہ سے حلت
روبیان میں کوئی نص معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے
ہی چھوٹے ہیں جن پر جوہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی۔ بہرحال ایسے شبہ
واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی اولیٰ ہے۔

سوال۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں فلانے طاق میں شہید
مرد رہتے ہیں اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جاکر ہر جمعرات کو فاتحہ
شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے
ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے کیا
شہید مرد ان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں
یا باطل پر

ارشاد۔ یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقت وبطالات ہیں ان کا ازالہ
لازم ما انزل اللہ بھا من سلطن ولا حول ولا قوۃ الا
باللہ العلی العظیم

سوال۔ موسم سرما میں زوال کس وقت ہوتا ہے اور موسم گرما میں کس وقت اگر موسم سرما
میں زوال بہ حساب قری بارہ بجے سے بیشتر ہوتا ہے تو بارہ بجے سے پہلے جو
شخص نماز ظہر پڑھے گا اسکی نماز ہوگی یا نہیں۔

ارشاد۔ دھوپ گھڑی سے تو ایسا ہی ہے کہ زوال ہمیشہ ٹھیک بارہ بجے ہوتا ہے نہ
کبھی بیشتر ہو نہ بعد مگر گھڑیوں کے اعتبار سے وقت بلدی سے صرف چار
دن ۱۶/اپریل ۱۵/جون یکم ستمبر ۲۵ دسمبر کے سوا کسی دن ٹھیک بارہ بجے
زوال نہیں ہوتا گھڑیوں کی چال روزانہ ایک سی ہے اور آفتاب کی چال
کبھی ایک سی نہیں اوج ۴ جولائی سے حضیض ۳/جنوری تک تیز ہوتی
ہیکہ ہر روز پہلے دن سے زیادہ قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ زیادت
بھی یکساں نہیں بلکہ آئندہ زیادہ پہلی زیادت سے زیادہ ہوتی ہے
یہاں تک کہ حضیض پر غایت سرعت پر پہونچتا ہے۔ پھر حضیض ۴/
جنوری سے اوج ۳/جولائی تک چال سست ہوتی ہیکہ ہر روز پہلے دن سے
کم قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ کمی بھی ایک سی نہیں بلکہ ہر آئندہ کمی پہلی کمی
سے کم ہوتی ہے یہاں تک کہ اوج پر پہونچ کر نہایت درنگ ہو جاتا ہے
پھر وہی دورہ آغاز پاتا ہے اور اس سبب سے کہ ہندوستان میں عام طور پر
ریلوے وقت رائج ہے یہ چار دن بھی برابری کے باقی نہ رہے بلکہ
بلاد شرقیہ میں بقدر تفاوت طولیں تمام تعدیلات ناقص ہوں گی
اور بلاد غربیہ میں تمامی تعدیلات اسی قدر بڑھ جائینگی۔ مثلاً بریلی کیلئے
اگر خاص شہر کا وقت دیا جائے تو بلاشبہ یہی چار دن برابری کے
ہوں گے۔ جن میں زوال جیبی گھڑی اور دھوپ گھڑی دونوں سے
ٹھیک ۱۲ بجے ہوگا۔ اور اگر ریلوے سے وقت دیا جائے تو بقدر تفاوت
طولیں ۲ سکنڈ ۲۱ منٹ ہے۔ تمامی تعدیلات زائد ہوجائینگی تو اب چار
دن برابری کے جن میں دونوں وقتوں سے زوال ٹھیک ۱۲ بجے تھا ۱۲ سکنڈ
۲۱ منٹ ۱۲ ت پر ہوگا وعلی القیاس تعمیم نفع کیلئے ایک جدول نصف النہار
حقیقی وشروع وقت ظہر بریلی بحذف سکنڈ کہ ایک زمانہ کیلئے کارآمد
ہو ریلوے وقت سے دیا جاتا ہے کہ اس وقت وہی رائج ہے ان وقتوں
سے اگر ۲۱ منٹ کم کردیں تو اصل وقت بریلی کا ہوگا

جدول نصف النہار حقیقی وشروع وقت ظہر بریلی

تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ
یکم جنوری	۱۲	۱۵	۷	۱۲	۲۳	۱۹	۱۲	۱۱	۲/جولائی	۱۲	۱۶	۱۰	۱۲	۹
۲	۱۲	۱۶	۱۱	۱۲	۲۲	۲۴	۱۲	۱۰	۸	۱۲	۱۷	۱۳	۱۲	۸
۴	۱۲	۱۷	۱۵	۱۲	۲۱	۲۹	۱۲	۹	۱۵	۱۲	۱۸	۱۶	۱۲	۷
۶	۱۲	۱۸	۱۹	۱۲	۲۰	۸/مئی	۱۲	۸	۹/اگست	۱۲	۱۷	۱۹	۱۲	۶
۹	۱۲	۱۹	۲۲	۱۲	۱۹	۲۴	۱۲	۹	۱۶	۱۲	۱۶	۲۱	۱۲	۵
۱۱	۱۲	۲۰										۲۴	۱۲	۴
۱۴	۱۲	۲۱	۲۵	۱۲	۱۸	۲/جون	۱۲	۱۰	۲۱	۱۲	۱۵			
۱۶	۱۲	۲۲	۲۹	۱۲	۱۷	۸	۱۲	۱۱	۲۵	۱۲	۱۴	۲۷/ستمبر	۱۲	۳
۱۹	۱۲	۲۳	یکم اپریل	۱۲	۱۶	۱۳	۱۲	۱۲	۲۸	۱۲	۱۳	۳۰	۱۲	۲
۲۳	۱۲	۲۴												
۲۷	۱۲	۲۵	۴	۱۲	۱۵	۱۵	۱۲	۱۲	یکم ستمبر	۱۲	۱۲	۳/اکتوبر	۱۲	۱
یکم فروری	۱۲	۲۶	۸	۱۲	۱۴	۱۸	۱۲	۱۳	۲	۱۲	۱۲	۰	۱۲	۰
۲۵	۱۲	۲۵	۱۱	۱۲	۱۳	۲۳	۱۲	۱۴	۴	۱۲	۱۱	۱۰	۱۱	۵۹
۳/مارچ	۱۲	۲۴	۱۵	۱۲	۱۲	۲۷	۱۲	۱۵	۷	۱۲	۱۰	۱۳	۱۱	۵۸
۱۸/اکتوبر	۱۱	۵۷	یکم دسمبر	۱۲	۱	۱۵/دسمبر	۱۲	۷	۲۶	۱۲	۱۲			
۲۴	۱۱	۵۶	۴	۱۲	۲	۱۷	۱۲	۸	۲۷	۱۲	۱۳			
۱۵/نومبر	۱۱	۵۶	۶	۱۲	۳	۱۹	۱۲	۹	۲۸	۱۲	۱۳			
۱۶/	۱۱	۵۸	۹	۱۲	۴	۲۱	۱۲	۱۰	۲۹	۱۲	۱۴			
۲۵/	۱۱	۵۹	۱۱	۱۲	۵	۲۳	۱۲	۱۱						
۲۸/	۱۲	۰	۱۳	۱۲	۹	۲۵	۱۲	۱۲	۳۰	۱۲	۱۵			

رامپور و دیگر بلاد کے لئے بھی یہ نقشہ بحسب زیادتی یا کمی وقت بریلی موافق نقشہ جات رمضان المبارک معدل کر لینے سے ایک زمانہ تک کے لئے ابتدائی وقت ظہر معلوم کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا آلہ ہوگا نماز ظہر میں گھڑیوں کے ۱۲ بجے کا کچھ اعتبار نہیں مگر نصف النہار کے بعد نماز ہوگی اور قبل پڑھنے سے نماز نہ ہوگی ۲۰ نومبر کو بریلی میں ریلوے ٹائم سے ٹھیک بارہ بجے نصف النہار ہے پھر بعد کو ہوا کرے گا یہاں تک یکم فروری کو ۱۲ ۱۱ت ۲۶ منٹ پر ہو کر گھٹنا شروع ہوگا حتی کہ ۸ رمئی کو ۱۲ ۱۱ت ۸ منٹ پر ہوگا پھر گھٹتے گھٹتے ۷ ر اکتوبر کو ٹھیک ۱۲ بجے ہو کر گھٹتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۲ بجے سے پہلے وقت ہو جائے گا یہاں تک کہ ۲۴ ر اکتوبر کو منتہائی نقصان ۱۱ت ۵۶ منٹ پر آکر بڑھنا شروع ہوگا اور ۲۰ نومبر کو پھر ٹھیک ۱۲ بجے زوال ہوگا تو ۷ ر اکتوبر سے ۲۰ ر نومبر تک جس شخص نے ٹھیک ۱۲ بجے یا کچھ پہلے مگر نصف النہار کے بعد نماز پڑھ لی نماز ہو گئی ہاں جس نے وقت سے پہلے پڑھی اس کی نہ ہوئی

سوال۔ آجکل عموماً بہت لوگ مساجد میں دنیوی باتیں کرتے بلکہ بعض بعض بے باک تو قہقہہ آپس میں دل لگی کرتے ہیں اور مسجد کا کوئی ادب نہیں سمجھتے کہ یہ خانۂ خدا ہے ان کے واسطے کیا حکم ہے اور مسجد میں باتیں کرنے کی مذمت اور خاموش رہنے کی بھلائی مع حدیث شریف بیان فرمائی جائے تاکہ ایسے لوگ عبرت حاصل کریں۔

ارشاد۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو ایسا کھاتی ہیں جیسا آگ لکڑی کو اور مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیری لاتا ہے اسکی حدیثیں بارہا بیان ہوئیں مگر کون سنتا ہے اللہ ہدایت دے

سوال۔ نیاز اور فاتحہ میں کیا فرق ہے اور نیاز فاتحہ کے دینے کا مستحب طریقہ اور یہ کہ جس کی نیاز یا فاتحہ دلائی جائے اس کو ثواب کس طریقہ سے پہونچلائے اور سوائے اسکے اور مسلمانوں کو کس طرح کہکر ثواب پہونچائے

ارشاد۔ مسلمان کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے وغیرہ کے ساتھ پہونچاتے عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں کہ اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اولیاء کرام کو جو ایصال ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ سورہ فاتحہ و آیت الکرسی اور تین بار یا سات بار یا گیارہ بار سورہ اخلاص اول و آخر ۳ ر ۳ ر بار یا زائد بار درود شریف پڑھیں اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کریں کہ الٰہی میرے اس پڑھنے اور کھانا کپڑا جو بھی ہوں تو ان کے نام بھی شامل کرے اور اس پڑھنے اور ان چیزوں کے دینے پر جو ثواب مجھے عطا ہو اسے میرے عمل کے لائق نہ دے اپنے کرم کے لائق عطا فرما اور اسے میری طرف سے فلاں ولی اللہ مثلاً حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہونچا اور ان کے آباء کرام اور مشائخ عظام و اولاد امجاد و مریدین و محبین اور میرے ماں باپ اور فلاں اور فلاں اور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روز قیامت تک جتنے مسلمان ہو گزرے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہونگے سب کو

سوال۔ بعض لوگ بعد دفن میت کے حافظ قرآن کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم و بیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں پس اس طرح کی اجرت دیکر قبروں پر پڑھوانا چاہئے یا نہیں

ارشاد۔ تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب پہونچے اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو اتنے دنوں کے لئے معین داموں پر کام کاج کیلئے نوکر رکھ لیں پھر اس سے کہیں ایک کام یہ کرو کہ اتنی دیر قبر پر پڑھ کر آیا کرو یہ جائز ہے

سوال۔ جس جانور کو ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی پہلی دفعہ میں اس کی گردن اس کے جسم سے علاحدہ ہو گئی اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں اور اسکی کھال اس کے سر سے کچھ لگی رہی تو کیا حکم ہے۔

ارشاد۔ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

سوال۔ جس شخص کے ذمہ نماز قضا دس یا بارہ یا چودہ سال کی ہو وہ شخص کس طریقہ سے نماز قضا پھیرے جو طریقہ آسان ہو ارقام فرمائیے مع نیت اور وتر کے کہ نماز وتر پڑھی جائے گی یا نہیں جواب عام فہم ہو۔

ارشاد۔ قضا ہر روز کی نماز کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں دو فرض فجر کی چار ظہر، چار عصر تین مغرب چار عشاء کے اور تین وتر اور قضا میں یوں نیت کرنی ضرور ہے نیت کی میں نے سب میں پہلی بار یا سب میں پچھلی فجر کی جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی یا پچھلی ظہر کی جو مجھ سے قضا ہوئی اور ابھی تک میں نے اسے ادا نہ کیا اسی طرح ہر نماز میں کیا کرے اور جس پر قضا نمازیں کثرت سے ہیں وہ آسانی کیلئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلیٰ کی جگہ صرف ایک ایک بار کہے مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہونچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح سجدہ میں ایک تخفیف کثرت قضا والے کیلئے یہ ہو سکتی ہے۔ دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ فقط سبحن اللہ تین بار کہکر رکوع کرے مگر وتروں کی تینوں رکعت میں الحمد اور سورۃ دونوں ضرور پڑھی جائیں تیسری تخفیف یہ کہ پچھلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف اللھم صل علی محمد وآلہ کہکر سلام پھیر دے۔ چوتھی تخفیف یہ کہ وتروں کی تیسری رکعت میں دعاء قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہکر فقط ایک یا تین بار رب اغفرلی کہے

سوال۔ مردہ کے نام کا کھانا جو امیر و غریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہئے اور کس کو نہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ مردہ کے نام کا کھانا مصلی امیر غریب سب کو کھلاتے ہیں جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ مردہ کا کھانا صرف فقراء کیلئے عام طور پر دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات

امام احمد رضا اور

سراج الفقہاء

(ماخوذ)

سراج الفقہاء مولانا سراج احمد صاحب قصبہ مکھن پور میں ۱۳۰۳ھ کو پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل ۱۳۱۷ھ میں فرمائی۔ اسی وقت سے تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے۔ سینکڑوں علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ خاص خاص شاگردوں کے اسماء یہ ہیں (۱) مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب (۲) پیر سید مغفور القادری (۳) خواجہ فیض فرید صاحب (۴) مولانا عبد السبحان صاحب (۵) مولانا حافظ سراج احمد صاحب (۶) مولانا فیض احمد اویسی صاحب (۷) مولانا حسن الدین صاحب ہاشمی (۸) مولانا محمد مختار احمد صاحب (۹) مولانا محمد مقصود احمد صاحب (۱۰) مولانا محمد عبد الواحد صاحب (۱۱) مولانا سید محمد منظفر صاحب (۱۲) مولانا محمد امین صاحب (۱۳) مولانا خورشید احمد صاحب (۱۴) مولانا محمد اکرم صاحب (۱۵) مولانا عبد الغفور صاحب (۱۶) مولانا محمد افضل صاحب (۱۷) مولا عطا محمد صاحب۔

تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ہی افتانویسی کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ ویسے تو آپ کو تمام علوم دینیہ پر عبور تام حاصل ہے لیکن میراث وصیت، میقات اور ریاضی وغیرہ میں ایسی بے مثال دسترس حاصل ہے کہ آپ کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ حضرت سراج الفقہاء مرجع علماء ہیں دور دراز کے لوگ حل مشکلات کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ دار العلوم دیوبند کے مفتی میراث کے مشکل ترین مسائل کے حل کے لئے آپ سے استعانت اور رابطہ قائم کرتے رہے۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا غلام رسول سعیدی غالباً ۱۹۵۸ء میں مولانا عبد المجید سے ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے۔ انھیں دنوں مولانا عبد اللہ درخواستی دیوبندی کی زیر ادارت نکلنے والے ایک رسالے مخزن العلوم میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں امام احمد رضا بریلوی پر تنقید کی گئی تھی اور اس میں ایک جملہ اس قسم کا تھا ـــــ "مولانا احمد رضا کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تصرفات ذاتیہ مان لینے سے شرک لازم نہیں آتا اور سند کے لئے الامن والعلی ص ۲۱۹ کی عبارت پیش کی گئی تھی۔ اس مضمون کو پڑھ کر مولانا سعیدی کو سخت تعجب ہوا۔ استاذ محترم کو یہ عبارت دکھائی انھوں نے فرمایا اصل کتاب نکال کر دیکھنی چاہیئے۔" اس سے آگے مولانا سعیدی کی زبانی سنیئے ـــــ "جب اصل کتاب کو دیکھا تو میں دیانت کی ایمانداری، راست گوئی اور عصمت قلم پر حیران رہ گیا اصل معاملہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تقویت الایمان کی ایک عبارت کا رد فرما رہے ہیں۔ رد کا خلاصہ یہ ہے کہ "اور" "اور" "پھر" کے فرق سے شرک مندفع نہیں ہوتا۔" ـــــ جب حق واضح ہوگیا تو سخت رنج وغصہ لاحق ہوا۔ اور میں نے سوچا کہ مخزن العلوم جاکر مولوی درخواستی صاحب سے گفتگو کروں کہ انھوں نے خائن، بددیانت اور عصمت فروش قلم کی تحریر سے کیوں اپنے رسالے کو رسوا کیا۔ چنانچہ میں چند ساتھیوں کے ساتھ مخزن العلوم پہنچا۔ وہاں درخواستی صاحب حدیث شریف کا سبق پڑھا رہے تھے فارغ ہوئے تو ہم ان سے ملے مضمون نویس کی خیانت بیان کی اور ثبوت میں الامن والعلی پیش کی کہنے لگے تم مضمون نویس کو خط لکھو۔ میں نے کہا وہ نہ جانے کہاں ہیں ہم اس سے کیسے رابطہ قائم کریں اور مراسلت میں نہ جانے کتنا وقت لگے۔ آپ یہاں موجود ہیں آپ اس مضمون کے بارے میں ہمیں کیوں مطمئن نہیں کر دیتے، پھر وہی جواب ملا۔ میں نے کہا آپ اپنی زیر ادارت شائع ہونے والے مضامین کے ذمہ دار نہیں ہوتے؟ جواب دیا۔ کیوں نہیں ذمہ دار ہوتے، ابھی وہ مر تو نہیں گیا۔ اسے لکھو اس نے جواب نہ دیا تو ہم دیں گے۔ پھر پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ بتلایا کہ سراج العلوم سے، پھر رعونت اور کمال تکبر سے کہا تمھارے مدرسے کے مہتمم کا تو یہ حال ہے کہ میں نے اس سے لاحق مسبوق اور مدرک کی تعریف پوچھی تو وہ نہ آئی۔ میں نے جواب دیا اس کا تو مجھے علم نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے ہاں جو میراث کے مسائل حل نہیں ہوتے وہ سراج الفقہا مولانا سراج احمد صاحب کے پاس بھیج کر حل کرائے جاتے ہیں۔ کہنے لگے کیا ہوا۔ آدمی کا جوتا ٹوٹ جاتا ہے تو وہ موچی کے پاس مرمت کرانے چلا جاتا ہے۔ میں نے کہا، یہ بتلایئے کہ عالم کے لئے میراث کے مسائل جاننا ضروری ہے یا جوتی مرمت کرنے کا فن جاننا (مطلب یہ تھا کہ اگر اول شق تسلیم ہے تو آپ کے مدرسین جاہل ہیں اور اگر شق ثانی تسلیم ہے تو آپ کو مع مدرسین کے اس فن میں ماہر ہونا چاہیئے) میرا یہ جواب سنتے ہی غصہ میں آپے سے باہر ہوگئے اور کہنے لگے میرے سامنے اجتہاد کرتے ہو چلو نکلو یہاں سے۔ (مکتوب مولانا سعید بنام مولانا عبد الحکیم)

بہرکیف حقیقت یہ ہے کہ آپ تبحرِ علمی کے اعتبار سے نادرِ روزگار شخصیت ہیں۔ آپ ابتداءً امام احمد رضا بریلوی کے عقائد و نظریات کے بالکل برعکس تھے بلکہ سخت متنفر تھے جس سبب کی بنا پر آپ امام موصوف کے مداح و ہم مسلک ہوگئے۔ ملاحظہ ہوں۔ (ایڈیٹر)

قدوۃ الفضلا، سراج الفقہا، بیان فرماتے ہیں کہ دورِ طالب علمی میں یہ بات ہمارے ذہن میں بٹھادی گئی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہ العزیز) کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے۔ ان کی تصنیفات کو علم و تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا وہ تو صرف چند مروّجہ رسومات و بدعات کے مجوّز ہیں ان کی علمیت کا مدار یہی امور ہیں اور ان کی تصنیفات صرف میلاد، قیام میلاد، فاتحہ، عرس، گیارہویں، نذر و نیاز اور ندا، غیر اللہ وغیرہ "امور بدعیہ" سے متعلق ہیں۔ چنانچہ عام طلبا کی طرح میں بھی ان کے نام تک سے متنفر تھا۔ میں نے بعض لوگوں سے ان کے تبحّرِ علمی کی باتیں سن رکھی تھیں جنھیں ہمارے حلقے میں مریدین و معتقدین کی عقیدت اور غلو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت شاملِ حال تھی کہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے سراج الفقہا ایسی شخصیت کے ذہن میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیئے۔

حسن اتفاق سے مجھے رسالۂ میراث کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے (ذوی الارحام کی صنف رابع کے حکم) میں الجھن پیدا ہوئی۔ میں نے اس کے حل کے لئے دیوبند، سہارن پور، دہلی، اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے کہیں سے بھی تسلی بخش جواب نہ آیا سب نے "سراجی" پر ہی اکتفا کیا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے وہ سوال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھی بھیج دیا ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آگیا۔ انھوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک و شبہات رفع ہوگئے۔

اب آپ حضرت سراج الفقہا کا استفتا اور فقیہ اجل اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کا وہ انقلاب آفریں نادر و غیر مطبوعہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں جس نے وقت کے ایک بہت بڑے محقق کو نہ صرف ذہنی اطمینان بخشا بلکہ ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت مجدد (مائۃ حاضرہ مولانا) احمد رضا خاں صاحب بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوت قرابت ثم الولدیت عند اتحاد الجہۃ سے ترجیح۔ مگر ردالمحتار عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت سے ترجیح منصوص (مذکور) اور قوت قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی۔ صنف رابع میں قاعدہ مفتی بہ تحریر فرما دیں تاکہ رسالہ میں لکھوں۔ بینوا توجروا۔

تفصیل سوال از مرتب

ذوی الفروض وہ رشتے دار ہیں جن کے حصے شریعت میں مقرر ہیں ان کی تعداد ۱۲ ہے۔ عصبات وہ رشتے دار ہیں جو ذوی الفروض سے باقی ماندہ مال لیں اور تنہا ہوں تو سب مال لے لیں۔ ذوی الارحام وہ قریبی ہیں جو نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں چوتھی قسم وہ افراد ہیں جو میت کے دادا، دادی نانا، نانی کی طرف منسوب ہوں مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں خالہ اور جو افراد کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوں۔ سوال مذکور اسی چوتھی قسم کی اولاد میں تقسیم میراث سے متعلق ہے۔

سراجی میں ہے (۱) جو شخص میّت کے زیادہ قریب ہو خواہ اس کا تعلق باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے زیادہ حقدار ہے۔

(۲) کئی شخص قرب میں مساوی ہوں اور حیز قرابت بھی متحد ہو یعنی سب باپ کی طرف سے متعلق ہوں یا سب ماں کی طرف سے تو قوی قرابت والا مستحق ہوگا مثلاً میت کی تین پھوپھیوں کی اولاد تھی۔ ایک پھوپھی اس کے والد کی سگی بہن تھی دوسری پدری تیسری مادری اگرچہ یہ تمام اولاد درجے میں برابر ہے اور جہت بھی ایک ہے لیکن پہلی پھوپھی کی اولاد کی قرابت قوی ہے اس لئے صرف وہی وارث ہوگی۔

(۳) کئی شخص قرب درجہ اور قوت میں برابر ہوں جہت بھی ایک ہو تو عصبہ کی اولاد مستحق ہوگی مثلاً سگے چچا کی بیٹی اور سگی پھوپھی کا بیٹا باقی ہو تو کل مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔

(۴) چچا اور پھوپھی میں سے کسی ایک کا تعلق قوی ہو تو اس کی اولاد ظاہر الروایۃ میں وارث ہوگی۔ مثلاً پھوپھی باپ کی سگی بہن ہے اور چچا باپ کی طرف سے بھائی ہے تو وراثت پھوپھی کی اولاد کو ملے گی۔ سوال مذکور کے الفاظ "بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوت قرابت ثم الولدیۃ عند اتحاد الجہۃ سے ترجیح" اسی تفصیل کی طرف مشیر ہیں۔

(۵) متعدد اشخاص قرب درجہ میں مساوی ہوں لیکن ان کی جہت قرابت مختلف ہو یعنی بعض باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں مثلاً چچا کی اولاد، اور بعض

ماں کی طرف سے مثلاً ماموں یا خالہ کی اولاد تو "سراجی" کے مطابق "فلا اعتبار لقوة القرابة ولا لولد العصبة فی ظاهر الروایة" ص ۴۷ مطبع سعیدی کراچی) یعنی اب نہ تو قوت قرابت کا اعتبار ہے اور نہ ولد عصبہ کا۔

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ قول مذکور نقل کرکے فرماتے ہیں۔

لکن ذکر بعدہ فی معراج الدرایة عن شمس الائمة ان ظاهر الروایة ان ولد العصبة اولی، اتحد الحیز او اختلف فبنت العم لابوین اولی من بنت الخال وانه وافقه التمرتاشی ثم قال وفی ضوء السراج الاخذ بروایة شمس الائمة اولی اھ (ردالمحتار جلد ۵ ص ۵۲۶ مطبع کبری مصر ۱۳۲۶ھ)

معراج الدرایۃ میں شمس الائمہ سے مروی ہے کہ ظاہر الروایہ میں ولد عصبہ ولی ہے جہت متحد ہو یا مختلف لہٰذا سگے چچا کی لڑکی ماموں کی لڑکی سے اولیٰ ہے۔ تمرتاشی نے اس کی موافقت کی۔ ضوء السراج میں ہے کہ شمس الائمہ کی روایت کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔"

اس کے علاوہ علامہ شامی نے اور بہت سی کتابوں کے حوالے ذکر کیے۔

سوال مذکور میں "مگر ردالمحتار میں عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت، عصبہ سے ترجیح منصوص" کے الفاظ سے تفصیل سابق کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ شامی نے "العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" میں فرمایا۔

فمن قال یرجح ولد العصبة علی ولد ذی الرحم یلزمه ان یرجح بقوة القرابة ایضا لانها اقوی فتامل وراجع (ج۲ ص ۳۴۱)

جس نے ولد عصبہ کو ولد ذی رحم پر ترجیح دی اسے لازم ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دے۔" سوال مذکور کے الفاظ "اور قوت قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی" کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

الجواب

یہاں دو مسئلے ہیں اوّل بحالت اختلاف حیز بھی ولد وارث کو ترجیح ہے یا نہیں۔ دوم اگر ہے تو قوت قرابت مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلہ اولیٰ کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ لنفع البریۃ پھر علامہ شامی نے عقود الدریۃ میں صاف فرما دیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایۃ فرمایا گیا اور ترجیح متون کی التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات تو معتمد یہی ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریۃ سائل فاضل ہداہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا۔ اس کی عبارات بتمامہا عقود میں منقول ہیں۔ ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اوّل یعنی عدم ترجیح کو کواکب مضیہ نے ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی و صاحب ہدایہ و متن کنز و ملتقی و اکثر شروح کنز و ہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اسکو اختیار کیا۔

اقوال اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس ادرنہ نے اپنی کتاب حل المشکلات، تصنیف ۹۶۳ھ میں مشی کی حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوة القرابة وولد العصبة غیر معتبرة بین فریق الاب وفریق الام" اھ بالتلخیص۔ (سگے چچا کی بیٹی کو ⅔ اور (والدہ کے مادرزاد بھائی) ماموں کی بیٹی کو ⅓ دیا جائے گا۔ کیونکہ والد اور والدہ کے فریقین میں قرابت کی قوت اور ولد عصبہ ہونا معتبر نہیں۔)

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجابت حسین بن عبد الواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ و زبدۃ الفرائض مولوی عبد الباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اس طرف ہی جانا چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے، اول کی عبارت یہ ہے وان کان واسطة قرابتهم مختلفة فثلثا المال لقرابة الاب وثلثه لقرابة الام ولا اعتبار لقوة القرابة وولدیة العصبة" (اگر قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی باپ کی قرابت کو اور ایک تہائی ماں کی قرابت کو دیا جائے گا قوت قرابت اور ولد عصبہ کا اعتبار نہیں۔)

عبارت دوم کی یہ ہے۔ "و اگر ہم بدرجۂ قرابت برابر باشند و در حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اَب بوند و بعض از جانب اُمّ دریں ہنگام در ظاہر الروایت مر قوتِ قرابت و ولد عصبہ را اعتبار نہ باشد۔ پس ولد عم اعیانی از ولد خال یا خالہ علّاتی، اخیافی اولیٰ نبود کہ قوتِ قرابت و ولد عم را اعتبار نیست و ہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولیٰ نباشد کہ ولد عصبہ را اعتبار نیست بر قیاس آنکہ عمہ اعیانی از خالہ علّاتی یا اخیافی اولیٰ نبود باوجود آنکہ عمہ اعیانی دو قرابتین است۔ و ولد وارث از جہتین اب و اُمّ زیرا کہ پدرِ او جدِّ صحیح است، ام او جدہ صحیحہ است۔"

اسے ظاہر الروایۃ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ مدقق علائی نے درمختار میں اس کو مختار رکھا یوں کہ قول متن "واذا استووا فی درجة قدم ولد الوارث" میں واتحد الجهة کی قید بڑھا دی اور آگے فرمایا فلو اختلف فلقرابة الاب الثلثان ولقرابة الام الثلث" علامہ سید محمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ ان اختلف حیز القرابة فلا عبرة للاقوی ولا لولد

العصبۃ۔" علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقی پر تقریر کی۔

یہ عبارات ہیں جو اس قول پر نظر حاضر ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔ فاقول ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ و کنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی و در جیلاس پر ہیں۔ فلہذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا۔ مگر اولاً وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے۔ ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہے ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ہذا ظاہر الروایۃ کما فی السراجیہ والفرائض العثمانیۃ لصاحب الہدایۃ۔

ثانیاً شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی و عنایہ امام اکمل و بنایہ امام عینی و غایۃ البیان اتقانی و نتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہے۔ ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔ غالباً یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلاً اضافہ کیا اور محقق بارقی نے اس کی تلخیص میں پھر خلاف فرما دیا تو ظاہراً غالب شروح ہدایہ کہنا خیریہ کا سبق قلم ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثالثاً کنز کی عبارت یہ ہے۔" وذورحم وھو قریب لیس بذی سھم وعصبۃ (الی ان قال) وترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام۔" (ذورحم وہ قریبی ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو ان کی ترتیب عصبات کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ سے ہو گی پھر اصل کے وارث ہونے سے اور جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت کی نسبت دو گنا حصہ ملے گا۔) حضرت شامی نے اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کا اطلاق اور اسی بنا پر اسے متون و شروح کی طرف نسبت کیا جانا بتایا ہے۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے۔" وھو ظاھر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ۔"

اقول یہ جملہ دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف و احوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے مقید ہے ورنہ اختلاف کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے۔ وعلی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف و اتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق کے معارض ہے۔

رابعاً مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے تمام بیان کر کے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں۔ واذا استوی وارثان فی درجۃ واحدۃ فاولٰھم من ادلی بوارث واقربھم اولی من ابعدھم۔" (جب دو قریبی ایک درجے میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے (میت کی طرف) منسوب ہونے والا اولیٰ ہو گا اور (ذوی الارحام) میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہو گی۔)

خامساً اسی طرح متن تنویر الابصار میں تمام اقسام ذکر کر کے فرمایا واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث واذا اختلفت الفروع والاصول اعتبر محمد فی ذالک الاصول وقسم علیھم اثلاثا الخ اس نے بھی صاف کر دیا کہ بعد استوا درجہ تقدم ولد وارث کا حکم عام ہے۔ اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ وانوثۃ یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری، کنز و تنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی و منظور افادہ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (جہت) سے خاص ھکذا ینبغی ان یفھم کلام الکرام۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ" واذا استووا فی درجۃ" کے بعد درمختار کا" واتحدت الجھۃ" زائد کرنا قول اول کی طرف انکا میل خلاف متن ہے۔

سادساً ہدایہ، وقایہ، نقایہ و اصلاح غرر ان متون میں مسئلہ کا ذکر ہی نہیں۔ قدوری، کنز، تنویر کا حال معلوم ہوا۔ سراجیہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں۔ اس کا مرتبہ فتویٰ غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ و اشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں بلکہ فتاویٰ ہیں کما بیناہ فی فتاوانا متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ نے حفظ مذہب کے لئے لکھے جیسے مختصرات طحاوی و کرخی و قدوری۔ سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ محض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔" ان المصنف لما خرج من فرغانۃ الی بخارا وجد فیھا الفرائض المنسوبۃ الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذا الکتاب شرحا لھا۔" مصنف جب فرغانہ سے بخارا گئے وہاں دو ورق میں" فرائض" قاضی علاء الدین سمرقندی پائے مصنف نے انھیں پسند کیا اور ان کی شرح کے طور پر سراجی لکھنا شروع کی (باب ذوی الارحام شریفیہ شرح سراجی ص ۱۰۹ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۹۰۵ء) تو نہ رہی مگر ایک ملتقی اس میں بے شک یہ قول مصرح ہے حیث قال" یرجحون بقوۃ

الدرجة ثم بقوة القرابة ثم بكون الاصل وارثاً عند اتحاد الجهة" تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی پر ہی ہیں۔

سابعاً۔ شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا۔ اور شروح کنز نے مسئلہ متن مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہولیا وللہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی فتاوی امام تمرتاشی و مجمع الفتاویٰ و فتاوی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ و مذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصر و تاتار خانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے علیہ الفتویٰ، جامع المضمرات میں ہے ہوالصحیح، معراج الدرایۃ میں ہے ہوالاولیٰ بالاخذ، علامہ محقق خیر الدین رملی نے اس پر فتویٰ دیا۔

اقول بلکہ مبسوط سرخسی جلد ثلاثین صہ میں ہے :۔

"اجمعنا انہ لوکان احدهما ولد عصبۃ او صاحب فرض کان اولیٰ من الاخر انتهی (ای یقدم علیٰ من لیس بعصبۃ ولاصاحب فرض)

اور پھر مبسوط امام سرخسی اس کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انھوں نے تمام کتب ظاہر الروایۃ کو جمع فرمایا ہے! اس میں انہوں نے صرف ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے۔

ان کان احدهما ولد عصبۃ او ولد صاحب فرض فعند اتحاد الجهۃ یقدم ولد العصبۃ وصاحب الفرض وعند اختلاف الجهۃ لایقع الترجیح بهذا بل تعتبر المساواۃ فی الاتصال بالمیت وبیانہ فیما اذا ترك ابنۃ عم لاب وام اولاب ابنۃ عمۃ فالمال کلہ لابنۃ العم لانها ولد عصبۃ ولو ترك ابنۃ عم وابنۃ خال اوخالۃ فلابنۃ العم الثلثان ولابنۃ الخال اوالخالۃ الثلث لان الجهۃ مختلفۃ ههنا ولایترجح احدهما بکون ولد عصبۃ وهذا فی روایۃ ابی عمران عن ابی یوسف فاما فی ظاهر المذهب ولد العصبۃ اولیٰ سواء اختلفت الجهۃ او اتحدت لان ولد العصبۃ اقرب اتصالا بوارث المیت فکان اقرب اتصالا بالمیت۔

فان قیل فعلیٰ هذا ینبغی ان العمۃ تکون احق بجمیع المال من الخالۃ لان العمۃ ولد العصبۃ وهو اب الاب والخالۃ لیست ولد عصبۃ ولا ولد صاحب فرض لانها ولد اب الام قلنا لاکذالك فان الخالۃ ولد ام الام وهی صاحبۃ فرض فمن هذه الجهۃ یتحقق المساواۃ بینهما فی الاتصال بوارث المیت الا ان اتصال الخالۃ بوارث هو ام فتستحق فریضۃ الام واتصال العمۃ بوارث هو اب فتستحق نصیب الاب فلهذا کان المال بینهما اثلاثا۔

(اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو تقدیم حاصل ہوگی۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوی معتبر ہوں گے مثلاً ایک شخص سگے چچا یا علاتی چچا (باپ کے پدری بھائی) کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا۔ تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے اور اگر ایک چچا کی بیٹی اور ایک ماموں یا خالہ کی بیٹی چھوڑ گیا تو چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی کو ایک تہائی ملے گا۔ کیوں کہ یہاں جہت مختلف ہے دونوں میں سے ایک کو ولد عصبہ ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ابو عمران کی روایت ہے لیکن ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد کیونکہ ولد عصبہ کا میت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔

سوال اس بنا پر چاہیئے کہ پھوپھی خالہ کی نسبت تمام مال کی زیادہ حق دار ہو کیونکہ پھوپھی دادا ایسے عصبہ کی اولاد ہے جب کہ خالہ نہ عصبہ کی اولاد ہے نہ صاحب فرض کی کیوں کہ وہ نانا کی اولاد ہے۔ جواب اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اور وہ ذات فرض ہے۔ اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہذا ماں کے حصے کی مستحق ہوگی اور پھوپھی کا تعلق اس وارث کے ذریعہ ہے جو باپ (دادا) لہذا باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اسی لئے ان میں مال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (دو حصے پھوپھی کے لئے ایک حصہ خالہ کے لئے) بعینہٖ یہی مضمون تمام تکملۂ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ اتصالا بالمیت تک اس میں امام جلیل نے دلیل قول اول کے جواب کا بھی افادہ فرمایا۔

اقول ولا یقدح مع تحقق المساواۃ ان العمۃ اذا کانت لاب وام کانت ولد الوارث من کلا الجهتین ویستحیل هذا فی الخالۃ لان هذا قوۃ القرابۃ ولانظر الیها عند اختلاف الحیز کما صرح وابہ قاطبۃً نعم رأیتنی کتبت علی هامش تکملۃ البحر ما نصہ۔

اقول لایتمشیٰ اذا کانت الخالۃ اخت الام لاب فانها لاحظ لها من ولادیۃ وارث اصلا۔ لایقال انها اقویٰ

من الخالة لام فاذا مات عن خالة لاب واخرىٰ لام احرزت الاولىٰ جميع المال ولا شئ للاخرىٰ والخالة لام لا يحجبها العمة لاستوائهما معها فى ولدية الوارث فاذا لم تحجب الاضعف وجب ان لا تحجب الاقوىٰ لانى اقول انما قوتها قوة قرابتها فان الانتماء بالاب اقوىٰ من الانتماء بالام وهذه قوة لا نظر اليها عند اختلاف الجهة فتبقى ولدية العمة للوارث قوةً بلا معارض فيلزم ان تحجب الخالة لاب وهو باطل فعلم ان ولدية الوارث ايضا لا تلاحظ فى الجهات المختلفة۔

اقول وبالله التوفيق توريث الخالة مع العمة اثلاثاً عند الفقهاء رحمهم الله تعالىٰ لاقامة العمة مقام العم والخالة مكان الام قال شمس الائمة اعلم بان العمة بمنزلة العم والخالة بمنزلة الام وقال اهل التنزيل العم بمنزلة الاب والخالة بمنزلة الام ووجه قولهم ان الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم اجتمعوا على ان للعمة الثلثين وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولا وجه لذلك الا بان يجعل العمة كالاب باعتبار ان قرابتها قرابة الاب والخالة كالام باعتبار ان قرابتها قرابة الام ووجه قول علمائنا ان الاصل ان الانثى متىٰ اقيمت مقام ذكر فانها تقوم مقام ذكر فى درجتها۔ والذكر الذى فى درجتها هو العم وهو الوارث فتجعل العمة بمنزلة العم۔ والخالة لو اقيمت مقام ذكر فى درجتها وهو الخال لم ترث مع العمة فلهذه الضرورة اقمناها مقام الام فالعمة ترث الثلثين والخالة الثلث بهذا الطريق بمنزلة مالو ترك اُما وعما اھ مختصراً فاذا كان الامر على هذا سقط تقدم العمة لولدية العصبة فانها قد اقيمت مقام العصبة فضلاً على الولدية ولم تحجب الخالة لاقامتها مقام الام والام لا تحجب بالعم وفى هذه الحالات كلهن سواء. قدا ثنا ان مثل الاقامة تمنع الحجب بما هو اقوىٰ اسبابه وهو اقرب درجة الا ترىٰ ان من خلف بنتاً وبنات ابن فلهن السدس تكملة للثلثين لاقامتهنّ مقام البنت لا يحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وكذلك اذا مات عن بنتين وبنت ابنٍ وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لانهما اقيمتا فى درجة الذكر كى تتعصب به فهذا هو السرّ فى وراثة الخالة لاب مع العمات والله تعالىٰ اعلم ثم اقول لا يذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر على الذوات ولا تتعدى الى الاولاد فاولاد الخالة لا يجعلون كاولاد الام الا ترىٰ ان ذكورهم لا يساوون اناثهم بل للذكر مثل حظ الانثيين وهذا كولدية العصبة لا تسرى من الولد الى ولد الولد كما فى رد المحتار وغيره عن سكب الانهر وغيره فابن بنت العم لا يقدم علىٰ بنت ابن العمة او الخال او الخالة فاحفظ۔

(اقول مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ سگی پھوپھی دو جہتوں سے وارث (دادا اور دادی) کی اولاد ہے یہ بات خالہ میں نہیں ہو سکتی (کیونکہ وہ صرف ایک وارث نانی کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قوت قرابت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمام ارباب فرائض نے تصریح کی۔ میں نے تکملۂ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ

اقول یہ جواب اس وقت نہیں بن سکتا جب خالہ ماں کے والد کی طرف سے بہن ہو کیونکہ وہ قطعاً وارث کی اولاد نہیں (لہٰذا پھوپھی کے مقابل یہ خالہ محروم ہونی چاہیئے)

سوال :۔ یہ خالہ اس خالہ سے اقویٰ ہے جو ماں کی ماں کی طرف سے بہن ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایسی دو خالائیں چھوڑ کر فوت ہو جائے تو تمام مال پہلی کو ملے گا اور دوسری محروم ہوگی۔ پھوپھی دوسری خالہ کو محروم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اسکے ساتھ ولد وارث ہونے میں شریک ہے۔ پھوپھی جب اضعف کو محروم نہیں کر سکتی تو ضروری ہے کہ اقویٰ (پہلی خالہ) کو بھی محروم نہ کرے۔ جواب :۔ پہلی خالہ کی قوت قوت قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے منسوب ہونا ماں کے توسط سے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا پھوپھی کے ولد وارث ہونے والی قوت معارض کے بغیر باقی رہے گی اور لازم آئے گا کہ پھوپھی خالہ کو محروم کر دے حالانکہ یہ غلط ہے معلوم ہوا کہ جہات مختلفہ میں ولدیت وارث بھی معتبر نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے تہائی حصہ ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماموں کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔ شمس الائمہ نے فرمایا کہ پھوپھی چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے اور اہل تنزیل نے کہا چچا بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ یہ بھی کہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت کے نزدیک اجتماع کے وقت پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کے لئے ایک تہائی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ پھوپھی کو باپ کی طرح قرار دیا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ سے ہے اور خالہ کو ماں کی طرح کہ اس کی قرابت ماں سے ہے ہمارے علما کے قول (کہ خالہ ماں کی طرح ہے) کی وجہ یہ ہے کہ قاعدے کی رو سے عورت

کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیا جائے تو اسے بنے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی پھوپھی کا ہم مرتبہ مرد چچا وارث ہے لہذا اسے چچا کے قائم مقام کیا جائے گا اور خالہ کو اس کے ہم مرتبہ مرد ماموں کے قائم مقام کیا جائے تو پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا۔ لہذا اس طریقے سے پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی مال ملے گا۔ جیسا کہ ماں اور چچا وارث ہوتے (مختصراً) جب معاملہ اس طرح ہے تو پھوپھی کو ولدیت عصبہ کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اسے ولدیت کی بجائے عصبہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کرسکے گی۔ کیونکہ خالہ کو ماں کی جگہ رکھا گیا ہے اور ماں چچا سے محروم نہیں ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اقامہ کی وجہ سے قرب درجہ ایسا قوی سبب بھی محروم نہیں کرسکتا۔ مثلاً ایک شخص ایک لڑکی اور چند پوتیاں چھوڑ گیا (نصف مال لڑکی کو) اور چھٹا حصہ پوتیوں کو ملے گا تاکہ دو ثلث پورے ہوجائیں۔ کیونکہ انہیں لڑکی کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ لڑکی کے درجے سے دوری انہیں محروم نہیں کرے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو لڑکیاں ایک پوتی ایک پوتے کی لڑکی اور ایک پوتے کا لڑکا چھوڑ گیا۔ پوتی اور پوتے کی لڑکی کو مرد کے درجے میں رکھا جائے گا تاکہ اس کے ذریعے عصبہ بن جائیں یہ وجہ ہے کہ خالہ (ماں کی سوتیلی بہن باپ کی طرف سے) پھوپھی کے ساتھ وارث بنتی ہے۔

ثم اقول۔ قائم مقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہوگا۔ اولاد کا یہ حکم نہیں ہے چنانچہ خالہ کی اولاد۔ ماں کی اولاد کی طرح نہیں ہوگی۔ دیکھئے خالہ کی اولاد میں مرد اور عورتیں برابر نہیں بلکہ مرد کو عورت کی نسبت دگنا حصہ ملے گا (جب کہ اولاد ام میں مذکر و مونث برابر ہوتے ہیں) اس کی مثال ولدیت عصبہ ہے کہ اولاد سے اولاد کی اولاد کی طرف منتقل ہوگی جیسے کہ ردالمحتار وغیرہ ملتقی الابحر وغیرہ سے ہے۔ بنا بریں چچا کی لڑکی کا لڑکا پھوپھی ماموں یا خالہ کے بیٹے کی بیٹی سے مقدم نہ ہوگا۔

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر روایت اور مذہب فرمایا اور تصریحات صریحہ صرف اس کے لئے ہیں خصوصاً اکثر تصحیحات علیہ الفتویٰ تو اسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب، ردمختار و تصحیح علامہ قاسم میں ہے۔ اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ثانیہ

جب کہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتیٰ بہ میں ولدیتِ وارث معتبر ہے۔ آیا قوت قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاقِ روایت بنایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوت قرابت ولدیتِ وارث سے اقوی ہے۔ جب یہ معتبر ہے تو اس کا اعتبار بدرجۂ اولیٰ ہے۔ عبارتِ عقود سائلِ فاضل کے پیش نظر ہے۔ فقیر نے اپنے نسخہ عقود پر یہاں پر حاشیہ لکھا تھا۔

قولہ یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا وانھا اقوی

اقول قد اجمعوا فی الروایات الظاھرۃ ان لا نظر بقوۃ القرابۃ عند اختلاف الحیز فلا تقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لام ولا الخالۃ العینیۃ علی العمۃ لام۔ وکون قوۃ القرابۃ اقویٰ من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لا یوجب اعتبارھا عند اختلاف الحیز وھی ساقطۃ الاعتبار فیہ فجریان الاضعف فی محل لکونہ محل جریانہ لا یستلزم جریان الاقوی فیہ مع انعدام المحلیۃ لہ۔ والحق ان لا معنی لقوۃ القرابۃ فی حیز الا کون قریب ذا جھتین کالعینی او ذا جھۃ اقویٰ کالعلاتی مع الاخیافی وظاھر ان اجتماع الجھتین فی حیز لا یلغی الحیز الآخر واذا کان نفس احد الحیزین اعنی الابوی اقوی من الآخر اعنی الامی ثم لم تورث قوتہ الغاء الحیز الآخر فکیف تورث قوۃ جھتہ الغاء الاخر وتعلیل قوۃ القرابۃ انما ھو فی الحیز الواحد لا لتقدیم ذی حیز علی ذی حیز آخر لقوۃ قرابۃ فی حیزہ والا یقدم الحیز الابوی مطلقا علی الامی مطلقا وایضا لو نظر الی قوۃ القرابۃ لعاد نقضا علی المقصود فان الاقویٰ غیر معتبر عند اختلاف الحیز باجماع الروایات الظاھرۃ فکیف تعتبرون فیہ الاضعف ویؤول الامر الی الغاء کلا الترجیحین وھو خلاف ما قررتم انہ صحیح مفتی بہ وانما الجواب ما قدمت ان الاقوی لم یعتبر لعدم المحل فلا یلغی الآخر مع حصول المحلیۃ وذالک لان ولدیۃ العصبۃ شیٔ من العصوبۃ تقضی علی غیرھا مطلقا وان کان من غیر حیزھا کالعم یحجب الخال فکذا ولدیۃ العصبۃ وبھذا تنحل الشبھتان معا اعنی وجوب اعتبار الاقوی کما ذھب الیہ العلامۃ الشامی ووجوب اسقاط الاضعف بسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضروری ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دی جائے جب کہ وہ (ولد عصبہ ہونے سے) زیادہ قوی ہے (عقود) اقول روایاتِ ظاہرہ متفق ہیں کہ اختلاف حیز کے وقت قوت قرابت معتبر نہیں۔ لہذا سگی پھوپھی کو اس خالہ پر ترجیح نہ ہوگی جو ماں کی ماں کی طرف سے بہن ہے۔ اسی طرح سگی خالہ کو اس پھوپھی پر ترجیح نہیں جو باپ کی ماں کی طرف سے بہن ہے۔ ایک جہت میں قوت قرابت کے ولدیت وارث سے

زیادہ قوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اختلاف جہت کے وقت بھی معتبر ہو کیوں کہ قوت قرابت اس صورت میں ناقابل اعتبار ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اضعف اگر برمحل معتبر ہو تو ضروری نہیں کہ اقوی بے محل بھی معتبر ہو۔

حق یہ ہے کہ ایک جہت میں قوت قرابت کا معنی یہ ہے کہ ایک قریب دو جہتیں رکھتا ہو (باپ کی طرف سے بھی متعلق ہو ماں کی طرف سے بھی) جیسے سگا رشتہ دار یا ایک قوی جہت رکھتا ہو۔ جیسے باپ کی طرف کا رشتے دار ماں کی طرف کے رشتے دار سے قوی ہے ظاہر ہے کہ ایک جانب دو جہتوں کا اجتماع دوسری جانب کو محروم نہیں کر سکتا۔ جب باپ جانب قوی ہونے کے باوجود دوسری جانب ماں کو محروم نہیں کرتا تو اس کی جانب سے حاصل ہونے والی قوت دوسری جانب کو کیسے محروم کر سکے گی۔ قوت قرابت ایک ایک جانب میں معتبر ہے۔ اس کی وجہ سے ایک جانب کو دوسری جانب پر تقدیم حاصل نہ ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ باپ کی جانب کو ماں کی جانب پر مطلقاً تقدیم حاصل ہو (وہو باطل) نیز قوت قرابت کا اعتبار مقصود کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ کیونکہ اختلافِ جہت کے وقت تمام روایات ظاہرہ کے مطابق اقویٰ معتبر نہیں۔ تو آپ حضرات اضعف (ولدیۃ عصبہ) کا کیوں اعتبار کرتے ہیں۔ نتیجتاً دونوں ترجیحیں (قوت قرابت، اور ولد عصبہ کے لحاظ سے) لغو ہو جائیں گی۔ اور یہ بات خود تمہاری تقریر کے خلاف ہے (کہ ولد عصبہ کو ترجیح ہے) کہ وہ صحیح اور مفتی بہ ہے۔ جواب وہی ہے جو میں نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ اقوی کا اس لئے اعتبار نہیں کہ اس کا محل نہیں لہذا دوسری ترجیح برمحل ہوتے ہوئے لغو نہ ہوگی یہ اس لئے کہ ولد عصبہ کو عصوبت سے حصہ ملتا ہے اور عصبہ کو غیر پر مطلقاً ترجیح ہوتی ہے مثلاً چچا (عصبہ ہے) ماموں (غیر عصبہ) کو محروم کر دے گا۔ اسی طرح ولد عصبہ اس تقریر سے دونوں شبہے مندفع ہو جاتے ہیں (۱) اقوی کا اعتبار ضروری ہے جیسے علامہ شامی نے کہا (۲) اقوی ساقط ہے تو اضعف کا ساقط ہونا ضروری ہے جس طرح ہم نے الزام کی تقریر میں بیان کیا۔

اس حاشیہ نے بحمدہ تعالیٰ کشف شبہ کر دیا۔ اس وقت مبسوط شمس الائمہ سرخسی فقیر کے پاس نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کر دیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحثِ علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔

مبسوط کا نص ملخص یہ ہے:۔

"فی ظاهر المذهب ولد العصبة اولیٰ سواء اختلفت الجهة او اتحدت (الیٰ ان قال) فان کان قوم من هٰؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال او الخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام او العمات لام فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا سواء کان من کل جانب ذو قرابتین او من احد الجانبین ذو قرابة واحدة۔ ثم ما اصاب کل فریق فیما بینهم یترجح جهة ذی قرابتین علیٰ ذی قرابة واحدة"

ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد۔ اگر ماں کی جانب سے ایک جماعت ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی لڑکیاں، اور ایک جماعت باپ کی طرف سے مثلاً پھوپھیوں یا سوتیلے چچا (باپ کے مادری بھائی) کی لڑکیاں تو مال فریقین میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا (ایک حصہ پہلے فریق کو اور دو حصے دوسرے فریق کو دیئے جائیں گے) خواہ ہر جانب دو دو قرابتیں ہوں یا ایک جانب صرف ایک قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کا حصہ ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ ذو قرابتین کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تو اولاد صنفِ رابع کا قانون صحیح و معتمد یہ ہے۔

یقدم الاقرب مطلقا ثم ان اختلف الحیز فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابة ثم ولد الوارث وبعد هذه الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

اقرب بہر حال مقدم ہے پھر اگر جہت مختلف ہو تو ولد وارث کو اور اگر متحد ہو تو اقویٰ پھر ولد وارث کو ترجیح ہوگی ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔

بمحمد ن المصطفیٰ النبیّ الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتبہ۔

(عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہٗ)

حضرت سراج الفقہاء

مولانا سراج احمد صاحب

فرماتے ہیں کہ:

اس جواب کو دیکھنے کے بعد مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے متعلق میرا اندازِ فکر یکسر بدل گیا۔ اور ان کے متعلق ذہن میں جمائے ہوئے تمام خیالات کے تار و پود بکھر گئے۔ ان کے رسائل اور دیگر تصانیف منگوا کر پڑھے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد و نظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں۔

اسی دور میں احمد پور کے ایک مشہور فقیہ مولوی نظام الدین سے میری گفتگو ہوئی یہ مولانا تفقہ میں اپنے ہم عصر علماء سے ممتاز تھے اور کسی کو اپنا ہمسر تصور نہیں کرتے تھے عقیدہ کے اعتبار سے غیر مقلد تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوے پر گفتگو ہوئی کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہاء پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ اعلیٰ حضرت کے رسالہ "الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی" کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے انھیں سنائے تو کہنے

لگے۔ یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے! افسوس کہ میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔" پھر فقہ کے چند مسائل کے جوابات رسالہ رضویہ سے سنائے تو کہنے لگے علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔" حضرت سراج الفقہا فرماتے ہیں میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ علامہ شامی کی بحث کو بیان فرماکر اپنی بحث کا اظہار کرکے فرمایا الحمد للہ میلر فہم ظاہر الروایہ آیا۔ بقولہ اس وقت میرے پاس مبسوط نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کر دیا کہ صرف اطلاق سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی۔ وللہ الحمد

ناظرین اب حضرت سراج الفقہاء کے دو مکتوب ملاحظہ فرمائیں جن سے انکے خیالات کی واضح نشاندھی ہوتی ہے۔ یہ دونوں مکتوب کرمی جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام ہیں۔

مکتوب ۱

مکرم و محترم مولانا صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامہ ملا شکریہ! اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی علمیت و فقاہت پر مجھ سے مضمون لکھوانا

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب تک سارے علوم عقلیہ و نقلیہ میں باکمال نہ ہو فقہ میں ناقص ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کو ہر علم میں کمال تھا مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہمعصر علما دیوبندی وغیرہ سے (اپنے) آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا۔ فتاوی رشیدیہ کے اس فتوی پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہا پر عمل کرنا نہ چاہیئے۔ میں نے رسالہ "الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی" مصنفہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو کہا یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے! افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔ پھر چند مسائل فقہ کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو کہنے لگا کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں۔ یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔

میں اس کے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ شامی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں میں نے جب رسالہ "زبدہ طرجیہ فی علم المیراث والمیقات والوصیۃ" تصنیف کیا تو صنف رابع ذوی الارحام میں رسائل میراث جو سراجی کے خوشہ چیں ہیں سب نے لکھا کہ اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت اور ولدیت عصبہ سے ترجیح نہیں ہے مگر شامی نے فتویٰ دیا کہ عم عمہ کی جہت سے ولد العصبہ خال خالہ کی جہت والے غیر عصبہ کے ولد کو محروم کرتا ہے۔ علامہ شامی نے العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں فرمایا جن کے نزدیک ولد عصبہ کو ترجیح ہے انہیں قوت قرابت کو بھی مرجح ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔

اس کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں میں نے استفسار بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ تنقیح حامدیہ پر میں نے اس کے برخلاف تحقیق لکھی مگر اس وقت مبسوط سرخسی میرے پاس نہ تھی۔ الحمد للہ نص صریح ظاہر الروایہ میری تحقیق کے مطابق اسی میں آئی ہے۔ یہ ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا فرمودہ۔ جس پر ہر محقق اندازہ لگا سکتا ہے کہ فقاہت میں کتنے رفیع القدر تھے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کی ظاہر الروایہ ان کی مؤید تھی۔

آپ نے جس فن میں قلم اٹھایا اس کے ائمہ کو مبہوت کر دیا۔ دیکھو رسالہ عاجز البحرین "رد نذیر حسین دہلوی امام اہل حدیث رسالہ فوز مبین رد حرکت زمین وغیرہ میں فتویٰ میراث میں مجھے سائل فاضل ہداہ اللہ کا خطاب دے کر دعا کی جو میری ہدایت کا باعث بنی کہ وہابیت جو وہابی استادوں کی شاگردی سے ملی تھی اسی وقت سے جاتی رہی۔ الحمد للہ کل الحمد

مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۹ء — حررہ سراج احمد مکھن بیلوی

مفتی سراج العلوم۔ خان پور

مکتوب ۲

میں نے تصنیف رسالہ کے وقت صنف رابع ذوی الارحام کا مسئلہ جو معرکۃ الآرا تھا ہر ادارہ دیوبند، سہارنپور، دہلی وغیرہ کی طرف ارسال کیا کسی سے جواب حل نہ آیا۔ آخر کار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کا پتہ ان کے رسائل سے معلوم ہوا تو انکی خدمت میں وہ مسئلہ پیش کیا۔ سبحان اللہ حضرت کی وسعت علم و فہم پر قربان جائیے کہ مسئلہ کا ایسا حل فرمایا کہ تمام اختلافات کتب اور شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور دیگر فوائد علمیہ کثیرہ پر مشتمل پایا جس سے علمائے متقدمین کی یاد تازہ ہوئی اور قلب کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ وہ مسئلہ ذیل ہے۔

مسئلہ اولیٰ ترجیح ولد العصبۃ عند اختلاف الجہۃ میں دو قول بیان فرما کر قول اول عدم ترجیح کا ظاہر اطلاق متون و شرح ہونا علامہ شامی سے نقل فرمایا کہ کنز کی عبارت والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جہۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام میں جملہ اخیرہ عام ہے کہ ولد عصبہ ہو یا نہ ہو عند اختلاف الجہۃ قرابت اب کو ضعف قرابت ام ہے بقولہ وہو ظاہر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جہۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ یعنی ترجیح ولد العصبہ کو ہوگی۔ اسی طرح درمختار نے فرمایا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے یوں بیان فرمایا۔ اقول یہ جملہ ان دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف و احوال کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے

مقید ہے ورنہ اختلاف جہتہ کے وقت قرب درجہ کو بھی ترجیح نہ ہوا اور وہ بالاجماع باطل وعلی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں۔ وہاں بھی اختلاف و اتحاد سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق کے معارض ہے۔

مسئلہ ثانیہ میں علامہ شامی کی بحث کو بیان فرماکر اپنی بحث کا اظہار کرکے فرمایا الحمد للہ میرا فہم مطابق ظاہر الروایتہ آیا۔ بقولہ اس وقت میرے پاس مبسوط نہ تھی اب اسکے مطالعہ نے واضح کردیا کہ صرف اطلاق سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے۔ بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی۔ وللہ الحمد۔

نیز ذوی الارحام میں جب تخلیص الطوائف بمع تصحیح مشکل کام تھا میں نے قاعدہ طائفہ بندی کرکے آسان کردیا۔ جہاں میر سید شریف نے شرح سراجی میں صرف ایک بطن کے اختلاف میں ایسی لغزش کھائی کہ عبارت شرح میں غلط تشریح کی۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا کمال فہم دیکھو کہ فتاویٰ رضویہ میں بطون کثیرہ کی مثال بمع تخلیص الطوائف تقسیم مع التصحیح کرتے ہوئے جواب نکالا۔ اس کو میں نے اپنے قاعدہ طائفہ بندی سے حل کیا جواب صحیح آیا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ کوئی مدعی اس مثال کو بغیر دیکھے میرے قاعدہ طائفہ بندی کے نہیں نکال سکتا۔

افسوس صد افسوس کہ مجھے اعلیٰ حضرت کے وصال سے دو سال پہلے ان کا پتہ معلوم ہوا۔ صرف ایک مسئلہ رابع ذوی الارحام مذکور کو حل کرا سکا اور باقی صنف ثانی ذوی الاحام ان سے حل نہ کرا سکا۔ ان کے بعد صنف ثالث کا فتویٰ خود کی تصدیق وتردید کے لئے حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب اور مولانا امجد علی صاحب سے مراسلات کراتا رہا۔ اب تک کوئی جواب حل نہ آیا۔ لہذا اپنے رسالۂ میراث میں اپنا فتویٰ لکھ کر فیلیج کردیا۔

خلاصہ یہ کہ اعلیٰ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا۔ جس پر ان کا فتاویٰ رضویہ شاہد عدل اور برہان قوی ہے آج ہمیں ایسا عالم دین نظر نہیں آتا جس سے ہم علمی الجھن دور کرائیں۔ اب ان کا فتاویٰ رضویہ ہے وہ بھی مکمل نہیں چھپا صرف چار جلدیں چھپی ہیں اور باقی کے لئے آنکھیں ترس رہی ہیں۔

اگر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی علم حدیث میں وسعت علمی دیکھنی ہو تو رسائل "تقبیل الابہامین" و "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین" نذیر حسین دہلوی امام اہل حدیث کے رد میں ملاحظہ کریں جس سے مولوی نذیر حسین طفل مکتب نظر آتا ہے۔ اسی طرح وسعت علمی علوم معقولات فلسفہ، ریاضی وغیرہ میں رسالہ "فوز مبین" حرکت زمین کے رد میں دیکھو کہ نظام بطلیموسی فیثاغورسی کی ایسی تطبیق دی کہ نیوٹن جو فلسفۂ حال کا امام مانا جاتا ہے شاگرد نظر آتا ہے۔

سراج احمد مفتی

مدرسہ دارالعلوم خانپور

مورخہ ۲۸ را پریل ۱۹۶۹ء

امام احمد رضا اور

صدر الافاضل

از مولانا مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی ـــــ لاہور

بسملا و محمدا و مصلیا و مسلما۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مفتی شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، دین برحق کے ایسے امام ہیں جن کے کمالات علم و عمل عرب و عجم میں اہل دین کے قلوب پر اپنا سکہ جما چکے ہیں موجودہ صدی کے نصف تک عرب و عجم، ایشیا افریقہ وغیرہ برّاعظموں کے دینی معاملات آستانہ رضویہ سے فیصل ہوتے رہے ہیں۔ آپ کا فتاویٰ حجم و تحقیق میں علمائے ماسبق کے مجموعاتِ فتاویٰ سے کہیں زیادہ ہے اور دیگر تصانیف و شروح کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔

میرے استاد و مرشد سیدی حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ بحث اور قوتِ کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ:

آپ (یعنی اعلیٰ حضرت) کا اندازِ بحث بالکل محققانہ ہے منطقی مغالطات اور سفسطوں سے آپ کا کلام بالکل پاک ہوتا ہے۔ تدقیق اس قدر کہ علماء کو مطالب تک پہنچنے کے لیے بسا اوقات عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ احتمالاتِ مخالف کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اوّل بند کردی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرے اور سفیہانہ سب وشتم تو کسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہوسکتے اور اس کام کا انجام دینا ہر زبان دراز، عدیم المروّت دالیا کو آسان بھی ہے مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بادپانے کے قابل ہے؟ مگر نہ دیکھا گیا کہ محققانہ طور پر کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جراءت ہوئی ہو۔" (افاضات صدر الافاضل)

میرے یگانہ روزگار مرشد، علمائے معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے لیکن وہ بھی اعلیٰ حضرت کی بلند ترین فضیلتِ علمیہ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

فتاویٰ پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے بہت سے علوم عطا فرمائے تھے جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کی وسعتِ معلومات، دقتِ نظر، علوِ مضامین، بلندیٔ تحقیق، جودتِ کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ یا وصف اپنی بے بضاعتی کے اُن کے کمالات تک میرے ناقص فہم کو جتنی رسائی ہوئی ہے اور اُن کو جیسے الفاظ میں تعبیر کرسکتا ہوں وہ حاضر ہے لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعت و منزلت کی پوری تعبیر نہیں ہوسکتی ایک خداداد نعمت تھی ایک وہبی فیض تھا جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے۔"

(افاضات صدر الافاضل)

فقاہت

سیدی واستاذی حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت کے بارے میں "ولی را ولی می شناسد" کے طور پر فرمایا:

"علمِ فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل تو اُن کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتاء کے لیے رجوع کیے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بدمذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کے بالغ ردّ بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔" (افادات صدر الافاضل)

علمِ حدیث و دیگر علوم

علم حدیث کے سلسلہ میں سیدی صدر الافاضل قدس سرہ نے فرمایا:

"علمِ حدیث میں بھی وہ (اعلیٰ حضرت) فرد تھے، اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے۔ علمِ رجال میں اُن کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوکِ زبان پر تھے اور معنی میں بحث، ناسخ و منسوخ کی تمیز، متعارضین کی توفیق۔ یہ تو ان کا خاص حصہ تھا ..... علم تفسیر واصول

(بقیہ صفحہ ۲۰۱ پر)

امام احمد رضا کی فقاہت

مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری، پاکستان

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ذیل میں دنیائے اسلام کے بطلِ جلیل، چودہویں صدی کے مجدد و فقیہہ اعظم یعنی اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے "فقہی مقام" پر کچھ عرض کرنا ہے کیونکہ آپ سچی توحید و رسالت کے حقیقی علمبردار اور اسلام کی صحیح ترین تصویر یعنی مقدس حنفیت کے سرگرم مبلغ و بیباک ترجمان تھے۔ مگر افسوس کہ شیعوں نے اپنے اس محسن کے علمی کارناموں کو نہ کماحقہٗ محفوظ کیا اور نہ دنیا والوں کو اس نابغۂ عصر کی علمی عظمت سے آشنا کرانے کی زحمت ہی گوارا کی، دوسری طرف مخالفین نے اس آسمانِ علم و عرفاں کی طرف دھول اڑانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مذکورہ حقائق کے باوجود اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا نام ان کے عظیم علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آپ نے مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی نظریات کی پیوندکاری کرنے والوں سے قلمی جہاد کیا نیز علمائے حق و علمائے سوء میں پہچان کرائی اور "ایتے مصلحین" کے تعاقب میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے جنھوں نے نئے نئے فرقے بنا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور جو بات بات پر سچے اور پکے مسلمانوں کو بھی مشرک اور بدعتی وغیرہ ٹھہراتے رہتے تھے آپ نے براہین قاطعہ سے ان کے سارے مزعومہ دلائل کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی صفات کو جب علماء نے اپنے غلط عقلی پیمانوں سے ماپنا شروع کر دیا اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ کی حدود ایسی متعین کرنے لگے جن کی ایک اُمتی کہلانے والا ہرگز جسارت نہیں کر سکتا تو اعلیٰحضرت نے عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفوی کا عَلَم بلند کیا اور کسرِ شان کرنے والوں کے دلائلِ فاسدہ و خیالاتِ کاسدہ کا عمر بھر ردِّ بلیغ کرتے رہے۔ فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی "جرم" ہے جس کی پاداش میں وہ آج تک بعض حلقوں میں سب و شتم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

آپ بزرگوں کے اس درجہ مودّب تھے کہ چند سال کی عمر میں بغداد شریف کی سمت معلوم ہونے پر ما پھر کبھی اس طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔ کسی بزرگ کا نام مناسب القاب اور دعائیہ کلمات کے بغیر کبھی نہ لکھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو "اللہ میاں" کہنا غلط بتایا اور سمجھایا کہ درود شریف کا (صلعم۔ ص۔ علیہ) وغیرہ اشارات سے اختصار کرنا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے خلاف فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَہُمْ کے قبیل سے ہونے کی بنا پر دلیلِ محرومی ہے۔

آپ کے نزدیک صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے رضؓ اور دیگر بزرگوں کے ناموں پر رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ رح لکھنا ناپسندیدہ تھا کیونکہ یہ بدعتِ قبیحہ اور بزرگوں کی شان گھٹانے والوں کی ایجاد ہے۔

اگر آپ فرقِ باطلہ کے علمبرداروں کو نہ ٹوکتے، مقدس اسلام کے مخصوص عقائد و نظریات کی من مانی تعبیریں کرنے والوں کا محاسبہ و محاکمہ نہ کرتے تو تمام فرقوں کے نامور علماء اس عبقریٔ اسلام کی علمی عظمت کو برملا تسلیم کرتے لیکن کسی بھی مجدد کو ایسی جھوٹی عزت کی کبھی خواہش نہیں ہوئی چونکہ آپ بھی عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کے سچے نگہبان تھے اسی لیے طعن و تشنیع اور تحسین و آفرین سے بے نیاز ہو کر ہر حالت میں اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

کسی زندہ قوم میں اس مرتبے کا کوئی عالم پیدا ہو جاتا تو وہ قوم اسکے علوم و فنون سے نہ صرف خود مستفید ہوتی بلکہ تمام دنیا کو اسکے افکار و نظریات پڑھنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتی۔ علمائے اہلسنت کی بے حسی کا اندازہ کون کر سکتا ہے جبکہ اس یگانۂ روزگار و نابغۂ عصر کے اکثر علمی شاہکار زیورِ طبع سے محروم اور زینتِ طاقِ نسیاں بنے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس فقیہہ اعظم کے فتاوی کی بعض جھلکیاں پیش کرتے ہیں جن سے انکے فقہی مقام اور درجۂ امامت کو سمجھنے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔

مسئلہ تقبیل الابہامین

۱۳۰۱ھ میں اعلیٰحضرت مجدد دین و ملت سے بایں الفاظ سوال ہوا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمہ "اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟"

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت کہ آپ کی عمر انتیس (۲۹) سال تھی، ایسا جواب تحریر فرمایا کہ چشمِ فلک نے ایسا جامع جواب اس مسئلے کا نہ دیکھا ہوگا۔ اوّلاً مقاصد الحسنہ، مسند الفردوس، موجبات الرحمۃ، تاریخ شمس الدین محمد بن صالح مدنی، شرح نقایہ، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور تکملۂ مجمع بحار الانوار وغیرہ کے حوالوں سے اس فعل کا استحباب ثابت کیا۔

اس مسئلہ تقبیل ابہامین میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے علم اصولِ حدیث کو جس طرح بیان

کر کے رکھ دیا اور تقبیل ابہامین کا بے جا انکار کرنے والوں کی ہر راہِ فرار بند کی ہے، اور انہوں نے اس موضوع پر جو دریا بہائے ہیں اس سے ان کی فضیلت علمی کا صحیح اندازہ اصل کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے کہ یہ اٹھتیس سالہ مفتی، گویا علم کا ایک بحرِ بیکراں، گلشنِ مصطفوی کا بلبلِ نغمہ خواں اور مخالفین کے حق میں برہانِ الٰہی کی تیغِ براں تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ مجدّدِ دوراں جو تھا۔ ع

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۲۔ سماعِ موتٰی

بعض علمائے دیوبند نے، اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے اور حنفیت کا دم بھرتے ہوئے، معتزلہ کے اتباع میں ادراکِ سماعِ موتٰی کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ اُسی زمانے میں اُن کے ایک مولوی صاحب کا فتویٰ سیدنا اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ امعان سے گزرا۔ بزرگانِ دین کو اینٹ پتھروں کی طرح ٹھہرائے جانے پر مجدّدِ دین وملّت نے جب کہ آپ کی عمر شریف تینتیس ۳۳ سال تھی ایسا مُسکت جواب تحریر فرمایا کہ بزرگانِ دین یعنی اولیائے عظام اور علمائے اسلام کی مقدس ارواح کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، اُن کے ناموس کا وہ دفاع کیا کہ مسلمانوں کے گلوں میں احسان کی ہیکلیں ڈال دیں۔ اس معرکۃ الآراء جوابی فتوے کا تاریخی نام حیات الموات فی بیان سماع الاموات ہے۔

اس تحریر پر اہلسنت کے بے مثل مفتی نے تصانیف علمائے اہلسنت کی روشنی میں پینتیس ۳۵ ایسے اعتراضات کئے جو مخالفین کے کسی عالم سے آج تک رفع نہ کیے جا سکے۔ پھر اکابر خاندانِ عزیزی کے اقوال سے ان کے خیالات کا رد کیا ساتھ ہی منکرین جو "انک لاتسمع الموتٰی" سے غلط استدلال کرنے بیٹھ جاتے تھے اُن کے بیانات پر مفصل و مدلّل تبصرہ کر کے اُن کے دعوے کو دلیل سے بیگانہ ثابت کیا۔

منکرینِ سماعِ موتٰی، مسئلہ یمین کو اپنی ڈھال بناتے تھے لیکن اس وارث علوم پیمبر نے "الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین" کے نام سے جواب دے کر اُسے رسالہ "حیات الموات" کا گویا تکملہ بنا دیا۔ اس میں منکرین کے تمام پیش کردہ دلائل کو دعوے سے لاتعلق ثابت کیا، کتبِ حدیث، فقہ، تفسیر اور اصول کے حوالجات کی روشنی میں پچاس سے زائد دلیلوں اور سَو سے زائد قاہر اعتراضوں سے وہ ردّ بلیغ فرمایا کہ لب کشائی کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ الحمد للہ کہ مجدّدِ دین وملّت کا یہ مبارک رسالہ اولیائے کرام کی کرامتوں، عظمتوں کا مظہر تقریباً چوراسی سال سے لاجواب ہے اور تا قیامت لاجواب رہے گا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

۳۔ جمع بین الصّلوٰتین

۱۳۱۳ھ میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سفر و حضر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غیر مقلد حضرات اس کے قائل اور عامل ہیں نیز میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں بلند بانگ دعووں کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کی اور حنفی مسلک کو احادیث کے خلاف قرار دیا تھا لہٰذا حضرت فاضل بریلوی نے جبکہ آپ صرف اکتالیس برس کے تھے، محدث کہلانے والے میاں صاحب کے دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھا اور ایسا عالمانہ، مجدّدانہ رد کیا کہ میاں صاحب اور ان کے تلامذہ میں سے آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان روشن و واضح دلائل کا جواب دے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں یہ مبارک فتویٰ ص۲۰۷ سے ص۳۰۵ تک "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین" کے نام سے بڑے سائز کے اٹھانوے ۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ نوٹ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں نوٹ بالکل نو ایجاد چیز تھی۔ مفتیانِ عظام سے اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جاتا تو تسلی بخش جواب بن نہ پڑتا تھا حتیٰ کہ مکۂ مکرمہ کے مفتی احناف مولانا جمال بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جزئیہ کا کماحقہٗ حکم شرع بیان کرنے سے اپنا عذر "اَلْعِلْمُ اَمَانَۃٌ فِیْ اَعْنَاقِ الْعُلَمَآءِ" کہہ کر پیش کیا۔

اعلیحضرت کا یہ پوری دنیائے اسلام پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے اس مسئلے کو اس کی صحیح صورت میں دنیا کے سامنے بدلائل قاہرہ و باہرہ مع حکم جزئیات واضح فرمایا۔ آپ جب دوسری دفعہ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ مطہرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ میں حاضری دے رہے تھے ان دنوں وہاں "الدولۃ المکیہ" کا آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہو چکا تھا، آپ کی علمیت کے پیشِ نظر موقع غنیمت جان کر ایک روز مولٰینا عبد اللہ مرداد اور مولٰینا محمد احمد جداوی نے نوٹ کے متعلق ایک استفتاء پیش کر دیا، جس میں بارہ سوالات تھے جو مع جوابات "کفل الفقیہ الفاہم" کے نام سے شائع ہوئے۔ علمائے مکہ انگشت بدنداں رہ گئے، پوری دنیائے اسلام کے علمائے کرام عش عش کر اُٹھے، خدا کا شکر ادا کیا کہ ایسے کامل کے فیض سے حصہ پایا۔ ۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو اعلیحضرت "کفل الفقیہ" کے مبیضہ کی تصحیح کے لیے کتب خانہ حرم میں پہنچے، دیکھا کہ ایک جید عالم بیٹھے مسودۂ کفل الفقیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں (یعنی مولانا عبد اللہ بن صدیق مفتی حنفیہ) جب وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں اعلیحضرت نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھڑک اُٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے "اَیْنَ جَمَالُ ابْنُ عَبْدُ اللّٰہِ مِنْ ھٰذَا النَّصِّ الصَّرِیْحِ"۔ حضرت جمال بن عبد اللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے؟

جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولٰنا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی علیہ الرحمہ مفتی حنفیہ تھے تو اُن سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ موجودہ مفتی حنفیہ مولٰنا عبد اللہ بن صدیق کا اشارہ اُنھیں کی جانب تھا۔"

(سوانح اعلیحضرت امام احمد رضا ص۲۲)

۵۔ تیمّم کی تعریف و ماہیّتِ شرعیہ

۱۱۔ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: "تیمم کی تعریف و ماہیت شرعیہ کیا ہے"۔ علومِ شرعیہ کے اس بحرِ بیکراں نے وہ جواب دیا جو فتاویٰ رضویہ شریف کی جلد اوّل کے صفحہ ۵۸۶ سے صفحہ ۸۵۰ تک جہازی سائز کے (دو سَو چونسٹھ ۲۶۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر دلائل کے انبار، حوالے قطار اندر قطار، غرضیکہ علم فقہ کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پہلے تیمم کی سات تعریفیں بیان فرمائیں۔

مسئلہ تیمم کے متعلق تمام کتب فقہ کی متعلقہ عبارات، ان پر سیر حاصل تبصرہ، ان کی مطابقت و موافقت دکھانا، اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہہ ایسے محققانہ انداز سے کرنا جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سب تائید ربانی کی کرشمہ سازیاں و گہرباریاں ہیں۔ ائمہ دین و علمائے امت کی متعلقہ جملہ تصریحات کے پیشِ نظر مفتی نے اپنے کمال اور زورِ استدلال سے میدانِ فقہ میں نیا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا جس کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ کم ترک الاوّل للآخر۔

جلیل القدر فضلاء کی تصانیف میں تیمم صحیح ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی دس بیس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو مگر دیگر مایۂ ناز کتب میں بھی یکجا ایسے عذر چالیس پچاس سے تجاوز نہ کر سکے لیکن امام اہلسنت فاضل بریلوی کی باری آئی اور آپ نے پانی سے عجز کی صورتیں گنائیں تو ترتیب وار پونے دو سَو ۱۷۵ بتائیں۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔

اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس ایک مسئلہ تیمم میں جس قدر دلایل پیش کیے، تمام کتب فقہ کی روشنی میں جو سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور اس سے جو آپ کی علمیت ثابت ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ہر منصف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائیگا کہ بے شک اعلیٰحضرت مرکزِ دائرۂ تحقیق اور اہل سنت کے امام ہیں۔ موافقین و مخالفین کی فقہی تصانیف موجود ہیں اُنہیں سامنے رکھ کر دیکھیے، نتیجہ صاف ظاہر ہے بغض و عناد کی بنا پر اعلیٰحضرت کے لیے کوئی خواہ کچھ بھی کہتا پھرے لیکن اس چودھویں صدی میں کسی عالم کا آپ سے سبقت لے جانا یا مساوی ہونا تو دُور کی بات ہے حقیقتاً کوئی بلحاظ علمیت آپ کی گردِ راہ کو بھی نہ پا سکا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ سُنّی مسلمان جو امام اہل سنّت، مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلکِ اسلاف کو اپنا کر حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے بے دینوں، گمراہوں کے پھندوں سے بچے ہُوئے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

۶۔ مسئلہ امکانِ کذب

متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ) نے معتزلہ، کرامیہ، مزداریہ اور ظاہریہ وغیرہ فرقِ ضالّہ کے اتباع میں، امکانِ کذب باری کا نظریہ اپنے رسالہ "یکروزی" میں لکھ کر ایک کفریہ بدعت کو رواج دیا — جو رُوحِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ کے بالکل خلاف ہے۔

علمائے اہل سنت اور خاندان عزیزی کے خوشہ چیں اہل علم حضرات نے تصنیف و تالیف اور مباحثوں مناظروں کے ذریعے، مصنف یکروزی اور ان کے ہم خیال علماء کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ یہ نظریہ نیم بسمل کی طرح تڑپتا ہوا نظر آنے لگا اور مکذبین باری تعالیٰ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے زبان و قلم کو روک لیا۔

سالہا سال بعد اگر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ) اپنی رسوائے زمانہ کتاب "براہین قاطعہ" میں اس مسئلہ کو دوبارہ زیر بحث نہ لاتے اور اس کی علمبرداری نہ کرتے تو یہ غیر اسلامی عقیدہ بھی اپنے ہندوستانی موجدوں کے ساتھ ہی زندہ درگور ہو گیا ہوتا اور ایک زبردست فتنہ کا دروازہ بند ہو جاتا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس میدان میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے۔ اپنے ایک مہری دستخطی فتوے میں صاف تصریح کر دی کہ وقوعِ کذب کے قائل کو تفسیق و تضلیل سے مامون رکھنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

چونکہ شریعتِ محمدیہ میں امکانِ کذب کی قطعاً گنجائش نہیں لہذا عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے دینِ مصطفوی پر یُوں غضب ڈھایا کہ خلفِ وعید کو امکانِ کذب کی نوع ٹھہرایا حالانکہ محققین نے خلفِ وعید کا بھی انکار کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اسے جائز ٹھہرایا ہے وہ اس کا صرف امکان نہیں بلکہ وقوع مانتے ہیں۔ یُوں گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان وقوعِ کذبِ باری کے قائل ٹھہرتے ہیں۔

جب یہ نئے مکذبینِ باری تعالیٰ، شانِ خداوندی میں جھُوٹ جیسے عیب کا دھبہ لگا رہے تھے تو چاروں طرف سے علمائے اہلسنت نے ان کا محاسبہ کیا، تحریر و تقریر کے ذریعہ منکرین تنزیہ و تقدیسِ باری تعالیٰ شانہ کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ۱۳۰۷ھ میں شہر میرٹھ سے جناب ابو محمد صادق علی مدّاح صاحب نے اس مسئلہ کی صحیح صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے امام اہل سنّت مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں استفتیٰ بھیجا۔

اُس وقت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی عمر صرف پینتیس ۳۵ سال تھی آپ نے جو معرکۃ الآرا جواب دیا وہ تراسی ۸۳ سال سے لاجواب اور "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" کے تاریخی نام سے مشہور و معروف ہے۔ جس نے اس خلاف اسلام عقیدہ کے اگلے پچھلے سارے علمبرداروں کے سب حیلے حوالے ملیا میٹ کر دیئے اور مکذبینِ تقدیسِ باری کے بلند بانگ دعاوی کا شیش محل، اس کے منصۂ شہود پر آتے ہی بُلبلے کی طرح مِٹ گیا۔

۷۔ فقیہہ کا مقام

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے نچوڑ کا نام فقہ ہے۔ فقہ پر اُسی کو عبور حاصل ہو سکتا ہے جو تمام اسلامی علوم سے بہرہ مند ہو۔ اگر ایک عالم دین اعلیٰ درجے کا مفسر یا محدّث ہے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ بلند پایہ فقیہہ بھی ہو لیکن اس کے برعکس جو بلند پایہ اور وسیع النظر فقیہہ ہے وہ لازمی طور پر بہترین مفسر، اعلیٰ درجے کا محدّث اور لاجواب متکلم بھی ہوگا۔

اماموں اور فقیہوں کے سردار، سراجِ امتِ مصطفوی، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم فقہی مقام سے کون منکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمیت کو جملہ ماہرینِ علوم و فنون یعنی علمائے اُمت و ساداتِ ملت نے سراہا اور آپ کے تاجِ فضیلت کی گواہی دی ہے مثلاً:

۱۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ۔" یعنی تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال بچے ہیں۔ (صَدَقْتَ یَاسَیِّدِیْ)

۲۔ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہٗ اول من دون علم الشریعۃ و رتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک ابن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق ابا حنیفۃ احدٌ" (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ) یعنی امام ابوحنیفہ کے اُن خصوصی مناقب میں سے جن میں وُہ منفرد ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدوّن کیا اور اِسے (ابواب پر) ترتیب دی۔ پھر امام مالک بن انس (رحمۃ اللہ علیہ نے) مؤطا کی ترتیب میں اِن ہی کی پیروی کی۔ اس میدان میں ابوحنیفہ سے سبقت لیجانے والا کوئی نہیں ہوا۔

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "سبحان اللہ ھو من العلم والورع وایثار الدار الاخرۃ بمحل لا یدرکہ احد (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی) سبحان اللہ! وہ (امام اعظم) تو علم، ورع اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

۴۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: "ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃ۔" (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی) میری آنکھ نے ابوحنیفہ کی مثل نہیں دیکھا۔

۵۔ جرح و تعدیل کے امام، یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت دی۔ "انہٗ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جآء عن اللہ وعن رسولہ۔" (تاریخ امام طحاوی) بیشک خدا کی قسم، امام ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا اُس کے (قرآن و حدیث کے) سب سے بڑے عالم ہیں۔

تمام فقہاء و مجتہدین کے بادشاہ، جناب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ اُن سرمایۂ روزگار ہستیوں کے ہزاروں میں سے چند بیانات پیش کئے ہیں جو آج آسمانِ علم کے شمس و قمر ہیں۔ ان میں مفسر، محدّث، فقیہہ، جرح و تعدیل کے امام اور عارفِ کامل وغیرہم سب شامل ہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ فقیہہ اعظم ہیں اسی جامعیت کے پیش نظر سب ان کے مدّاح ہیں۔

آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک اُمت محمدیہ کے اکثر مفسر، محدث، متکلم اور فقیہہ آپ کے ہی خوشہ چیں، اور مقلد ہیں، اور بہت تھوڑے حضرات دیگر ائمہ ثلاثہ کے۔ یہ مدلل وضاحت محض اس وجہ سے کی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ فقیہہ کا علمی مقام، محض ایک مفسر یا محدث سے بہت بلند ہوتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علمیت نیز علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف پر آپ کا عبور اور زبردست طرز استدلال کی ہلکی سی جھلک، ان کی صرف چھ تصانیف کی روشنی میں دکھائی ہے۔ اِن کے علاوہ اُن کی سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں فتوے اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فقہی مقام، حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا کوئی معاصر آپ کا اس میدان میں مدمقابل نہیں، نہ اِس ملک میں نہ بیرونِ ملک۔

جن چھ کتب کا اجمالی خاکہ، قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے اُن میں سے حیات الموات، منیر العین اور حاجز البحرین سے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبحرِ فی الحدیث کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے۔ حیات الموات کے ذریعے، منکرینِ سماعِ موتیٰ کی جہاں ہر ایک دلیل کا مسکت جواب دیا وہاں منیر العین کے ذریعے آپ نے احادیث کو ضعیف ہی ضعیف ہے کی رٹ لگا کر رد کرنے والوں کو بھی ہمیشہ کے لیے ساکت و صامت کر دیا۔

"حاجز البحرین" کو پڑھئے تو غیر مقلدوں کے شیخ الکل، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی بھی اعلیحضرت کے سامنے یوں نظر آ رہے ہیں جیسے کوئی چڑیا باز کے پنجوں میں گرفتار ہو۔ "سبحان السبوح" سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے سب سے بڑے متکلم تھے۔

"حسن التعمم"، میں جو مسئلہ تیمم کے متعلق، متقدمین و متاخرین فقہاء کے اکثر اقوال جمع کر کے فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اُس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ فقہ میں آپ کی پرواز، نادرِ روزگار معاصرین کے فہم و ادراک سے بھی بلند و بالا تھی۔

مکہ مکرمہ کے ایک فاضلِ جلیل، عالم نبیل، محافظِ کتب حرم سید اسمٰعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہما نے مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ دیکھ کر فرمایا تھا۔ "واللہ اقول، والحق اقول انہ لو راٰھا ابوحنیفۃ النعمان لاقرت عینہ لجعل مولفھا من جملۃ الاصحاب۔" یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اس فتوے کو امام ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس مولف (اعلیحضرت) کو اپنے اصحاب (امام ابویوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ) کے زمرے میں شامل فرماتے۔

ابھی تک ہم نے اس مقالے میں اعلیحضرت قدس سرہٗ کا تبحر، جو ان کی بعض تصانیف سے ظاہر و باہر ہے۔ دکھانے کی غرض سے اجمالی خاکہ پیش کیا ہے مگر بتوفیقہ تعالیٰ ہم اس سے آگے قدم بڑھانا چاہتے ہیں یعنی اب دکھانا یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین فقہاء کے درمیان،

اعلیٰحضرت کا مقام کیا ہے؟ چونکہ یہ مقام بہت اہم اور نازک ہے لہٰذا علمائے کرام سے درخواست ہے کہ جہاں احقر اپنی علمی بے مائیگی کے سبب ٹھوکر کھا جائے تو اصلاح فرما دیں۔ پہلے فقہ کی تعریف، اور فقہا کے درجے بیان کر دینا ضروری ہے۔

فقہ: "العلم بالاحکام الشرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ" (تنویر الابصار) یعنی احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل سے اخذ کیے گئے ہوں

اصولِ فقہ: "النظر فی ادلۃ الشریعۃ من حیث توخذ الاحکام والتکالیف۔" (مقدمہ ابن خلدون) یعنی دلائل شرعیہ میں اس طرح غور و خوض کرنا کہ ان کے ذریعے احکام و تکالیف معلوم ہو سکیں۔

فقیہ: "لیس الفقیہ الا المجتہد عندھم واطلاق علی المقلد الحافظ للمسائل مجاز۔" (رد المحتار جلد اول)، یعنی اصولیین کے نزدیک فقیہ بھی مجتہد ہوتا ہے اور مسائل کے یاد کرنے والے مقلد پر فقیہ کا اطلاق مجازی ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ فقہائے کرام کے حسب ذیل چھ طبقے ہیں:

۱۔ مجتہدین فی الشرع: جو احکام شرعیہ کی روشنی میں، اصول و قواعد مقرر فرماتے ہیں، جیسے ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب: جو اصول و قواعد میں مجتہد فی المذہب... کے تابع ہوتے ہیں لیکن استخراجِ مسائل کی اہلیت رکھنے کے سبب بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کر جاتے ہیں جیسے امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۳۔ مجتہدین فی المسائل: یہ اصول و فروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور کسی مسئلے میں امام کی مخالفت کے مجاز نہیں لیکن جس مسئلے کے متعلق امام کا فیصلہ نہ پایا جائے وہاں اپنے امام کے مقرر کردہ اصول و قواعد کے تحت اس کا استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ اصحابِ تخریج: انھیں اصول اور اس کے قواعد و ضوابط پر تو پورا عبور ہوتا ہے لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں ہوتی۔ اس لیے انھیں صرف مجمل قول کی تفصیل کا اختیار ہوتا ہے جیسے جصاص، ابوبکر رازی اور کرخی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ

۵۔ اصحابِ ترجیح: یہ حضرات بھی ہر قسم کے دلائل پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بلحاظ قوت، دلائل کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے صاحب قدوری وصاحب ہدایہ وغیرہ۔

۶۔ ممیزین: یہ حضرات بھی اجتہاد کی قدرت بالکل نہیں رکھتے۔ ہاں جملہ اقسام کے دلائل پر گہری نظر ہوتی ہے اور بلحاظ قوت و صحت کے، دلائل میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں جیسے صاحب کنز و صدر الشریعۃ وغیرہ

ان مذکورہ چھ طبقوں کے علاوہ باقی سب، مقلدین محض ہیں۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اعلیٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے، کس طبقے میں شامل ہیں یا مقلد محض؟ وباللہ التوفیق۔

۸۔ کتا، مثل خنزیر نجس عین ہے یا نہیں؟

بنارس سے مولوی عبد الحمید صاحب نے کتے کے نجس ہونے، نہ ہونے کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہوئے اعلیٰحضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے تصفیہ طلب کیا۔ فقیہ اعظم کا راہوار قلم ایسا حرکت میں آیا کہ میدانِ تحقیق میں سرپٹ دوڑتا ہی چلا گیا۔

نفس مسئلہ ابتداء میں یوں بیان فرمایا: فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور (کتا) سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح اصح و معتمد و مؤید بدلائل قرآن و حدیث و مختار ماخوذ للفتویٰ عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد دوم مطبوعہ میرٹھ ص ۴۹) اس کے بعد بقدر کفایت، احادیث سے دعویٰ کو ثابت کر کے میدانِ فقہ میں قدم رکھتے ہیں۔ فقہائے قدیم و جدید کی تصانیف سے پچاس متون و شروح، فتاویٰ و مختصر کی عبارتیں نقل فرمایا۔ چونکہ اس مسئلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، لہٰذا فریق ثانی کی طرف توجہ فرمائی اور کشفِ حقائق و شرحِ دقائق کی غرض سے متعدد کتب کی عبارتوں کو پیش فرما کر مختلف وجوہ سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کیا

۹۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضاؔ
مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

صحیح احادیث کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع، بے ادبی اور خلافِ سنت ہے لیکن بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، ایک دفعہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروی ہے۔ علمائے کرام نے اس کی تاویلیں کرتے ہوئے مختلف جواب دیے ہیں جو یکجا کرنے پر آٹھ بنتے ہیں۔ ان جوابات پر امام اہلسنت وجماعت اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح فرمائی۔ ہمیں امید ہے کہ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۳۳) کے مطالعہ کے بعد قارئین کے سامنے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علم حدیث میں وسعتِ نظر، صحیح اندازِ فکر اور تائید ربانی کی بھرپور جھلک آ جائیگی۔

۱۰۔ قوانین العلماء

ایک شخص تیمم کر کے نماز پڑھ رہا ہے، نماز سے پہلے یا بعد میں دوسرے کے پانی پر مطلع ہوا۔ اس مسئلے میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالے کی طرح ڈالی، جس کو "قوانین العلماء فی تیمم علم عند زید الماء" کے نام سے موسوم کیا۔ اس میں علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف سے متعلقہ عبارتیں نقل کر کے، اُن کی آپس میں مطابقت اور مخالفت وغیرہ

ظاہر کرکے ہر ایک پر مکمل بحث فرمائی اور صدہا امور کا اضافہ فرمایا، جن سے تمام مختصر اور مفصل فقہی کتابوں یعنی متون و شروح کا دامن خالی ہے۔

غرضیکہ فضلِ خدا و عطائے مصطفیٰ (جل جلالہٗ ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے امام اہل سنت نے میدانِ تحقیق میں وہ بے نظیر کمال دکھایا ہے کہ ایسے چھوٹے سے مسئلہ پر اتنا جامع اور مکمل و مدلل بیان، چشمِ فلک نے آج تک نہ دیکھا ہوگا۔

اس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کے نظریات کی جو نشاندہی فرمائی گئی، اس کا بیان ضروری نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تیمم کرکے نماز پڑھ رہا ہے دوسرے کے پاس پانی ہے، اس کے متعلق علمائے کرام نے کیا حکم دیا ہے؟ چنانچہ کافی[1]، خانیہ[2]، خزانۃ[3] المفتیین، نہایہ[4]، جلبی[5]، خزانہ[6] اور برجندی[7] میں ہے: "لا یجوز التیمم قبل الطلب" خواہ امید نہ تھی یا بعد نماز طلب کا جواب نفی میں ملا، کسی صورت کا استثنیٰ نہیں کیا۔

علاوہ بریں امام صفا[8]، قدوری[9]، ہدایہ[10]، تبیین[11]، منیہ[12]، غنیہ[13] اور سہروردی علی الکنز[14] میں ہے: "صلی بالتیمم قبل الطلب لا یجزیہ"۔ یہ اس سے بھی صریح تر بات ہوا اسی طرح، مبسوط[15]، شرح وقایہ اور جواہر اخلاطی وغیرہ میں ہے" ان لم یطلب وصلی لم یجز ولفظ الجواهر شرع فی الصلوٰۃ قبل الطلب لا یجوز" یعنی پانی مانگے بغیر پڑھلی تو نماز نہ ہوئی

مذکورہ احکام کہ نماز نہ ہوئی یا تیمم نہ ہوا، دونوں متحد ہیں کیونکہ تیمم نہ ہونے کی صورت میں بھی نماز نہ ہوئی، اسی طرح حلیہ[16] میں ہے: "لا یصح التیمم الا بعد المنع"۔

لیکن صحیح، معتمد اور ظاہر الروایۃ وہ حکم ہے جو امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ نہم کے تحت، زیادات[1]، جامعہ کرخی[2]، محیط سرخسی[3]، خلاصہ[4]، وجیز[5]، شرح وقایہ[6]، حلیہ[7]، عالمگیریہ[8]، بحر[9] اور غنیہ[10] کی عبارتوں سے ثابت کیا کہ بطلان نماز کا مذکورہ حکم صحیح نہیں کیونکہ صرف غلبۂ ظنِ عطا سے نہ تیمم باطل نہ نماز لیکن اگر بعد میں ظنِ عطا کی خطا ظاہر ہو جائے تو تیمم و نماز دونوں صحیح و تام ہیں۔ اس صریح تعارض کی نشاندہی کرکے، مؤخر الذکر حکم کو بدلائل ترجیح دینا اور اول الذکر کی محققانہ اصلاح فرمانا، صرف اعلیحضرت ہی کا حصہ ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

اس کے بعد اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے قوانین پیش فرمائے جو قابلِ اصلاح تھے۔ مثلاً:

۱- سب سے پہلے امام صدر الشریعۃ کا قانون پیش کیا اور اس پر تین وجہ سے کلام کیا۔

۲- پھر صاحب بحر الرائق کا قانون نقل کرکے اس پر گیارہ وجہ سے کلام کیا۔

۳- بعدہٗ علامہ جلبی کا قانون پیش کرکے اس پر نو وجہ سے کلام کیا۔

۴- آخر میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "قوانین رضوی" کے عنوان سے اپنا قانون پیش فرمایا کہ دنیائے اسلام کی مایۂ ناز علمی ہستیاں انگشت بدنداں رہ گئیں اور شکرِ خدا بجالائے کہ ایسے عظیم الشان امام کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ اعلیحضرت نے اپنے اس قانون کو ۴۲۶ اقسام پر منقسم کیا یعنی مابسوال عطا ۲۴ اور مابدونہ عطا ۲۴ تو مجموعہ عطا ۴۸ ہوا۔ بالسوال وعدہ ۷۲ اور مابدونہ وعدہ ۹۶ تو مجموعہ وعدہ ۱۶۸ ہوا۔ مابسوال سکوت ۹۹ ۔ مابسوال منع ۹۹ ۔ خاموشی مابدونہ ۶ ۔ جملہ اقسام کا مجموعہ ۴۲۶ ہوا۔ ان سب کو انیس ۱۹ قاعدوں کے تحت دس ۱۰ اقسام میں محصور کر دکھایا۔

(سبحان اللہ)

۱۱- الطلبۃ البدیعہ

اگر کوئی جنب ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرے تو ان سب صورتوں میں حکم یہ ہے کہ صرف تیمم کرے اور وضو اگرچہ مضر نہیں اور اس کے قابل پانی بھی موجود اور وقت میں بھی اس کی وسعت ہے لیکن اصلاً وضو نہ کرے کیونکہ وہی تیمم جو جنابت کے لیے کرے گا وہ حدث کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۸۰۴)

امام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ میں یوں فرمایا ہے: اذا کان للجنب ماء یکفی للوضوء لا للغسل یتیمم ولا یجب علیہ التوضی عندنا خلافا للشافعی اما اذا کان مع الجنابۃ حدث یوجب الوضوء یجب علیہ الوضوء والتیمم للجنابۃ بالاتفاق واذا کان للمحدث ماء یکفی لغسل بعض اعضائہ فالخلاف ثابت ایضاً۔ اھ

چونکہ یہ عبارت ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے لہٰذا علمائے مابعد اپنی اپنی تصانیف میں اس پر بحث کرتے آئے ہیں۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا خاتمہ کرنے کی غرض سے، ایک رسالہ "الطلبۃ البدیعہ فی قول صدر الشریعۃ" کے نام سے لکھا اور بدائع[1]، حلبی[2]، شامی[3]، ملک العلماء[4]، کافی[5]، زیلعی[6]، فتح[7]، حلیہ[8]، بحر[9]، شرنبلالی[10]، جلبی[11] اور طحطاوی[12] وغیرہ متعدد کتب کی روشنی میں ثابت کیا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکتا ہو اور وضو کر سکے تو وضو بھی نہ کرے، دونوں کے لیے تیمم کافی ہے، احناف کا یہی مسلک ہے۔

امام اہلسنت نے اس دعویٰ پر سات دلائل قائم کیے اور انہیں تبیین الحقائق[1]، حلیہ[2]، اختیار شرح مختار[3]، کنز الدقائق[4]، تنویر الابصار[5]، جواہر الفتاوی[6]، نوازل[7]، خزانۃ المفتیین[8]، خلاصہ[9]، کافی[10]، غنیہ[11]، فتح القدیر[12]، شرح نقایہ[13]، برجندی[14]، بحر الرائق[15]، المبسوط[16]، بدائع[17]، درمختار[18] اور رد المحتار وغیرہ بلکہ خود شرح وقایہ[19] کے متعدد حوالوں سے محققانہ انداز پر جو داد تحقیق دی اور حسن جودت طبع کا مظاہرہ کیا وہ صرف اعلیحضرت ہی کا حصہ ہے

اسکے بعد مسلک احناف کی تائید میں بعض نصوص پیش کیے۔ پھر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں حضرت صدر الشریعہ کے اس قول پر جو کلام کیا یا تاویلات و توجیہات فرمائی ہیں انکو نمبر وار نقل کرکے ہر ایک پر بحث اور تاویل

توجیہ پر تصریحاتِ علمائے کرام اور خود ان ہی کی تصانیف کی روشنی میں کلام کیا ہے۔

جناب مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی نے اسی قولِ صدر الشریعہ کی تردید کرتے ہوئے نرالی تحقیق پیش کی، جس کا پچیس[۲۵] وجہ سے امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ کے مذکورہ قول کی صحیح تاویلات پیش کر کے عبارت کو اس طرح مشرح کیا کہ سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہ ہو۔

فقہائے کرام کے درمیان حضرت صدر الشریعہ کا مذکورہ قول ایک مدّت سے موضوعِ بحث اور ناقابلِ قبول بنا ہوا تھا لیکن بارگاہِ رضوی سے اس کی وُہ محققانہ شرح ہُوئی کہ انگشت نمائی کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اس قول کے اجمال کی وہ تفصیل کی کہ اب یہ احناف کے مفتی بہ مسئلہ کے مطابق ہوگا۔

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ، خاص طور پر قابلِ غور ہیں" وھذا کما تری بحمد اللہ تعالیٰ احق باسم الشرح من اسم التاویل اذلیس فیہ صرف لفظ عن معناہ اصلا وانا جعلہ ھدیۃ لروح الامام صدر الشریعۃ جعلہ اللہ تعالیٰ لاصلاح احوالی ومغفرۃ ذنوبی ذریعۃ۔" اھ

اس قول کے زیرِ بحث آنے سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہُوئے:

۱۔ اعلیحضرت کی خداداد علمیت، محققانہ شان اور تائیدِ ربانی منظرِ عام پر آگئی۔

۲۔ مذکورہ بحث کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ مذکورہ مسئلہ کی بعض ایسی صورتیں مع احکام بھی مذکور ہو گئیں، جن کے بیان سے دیگر فقہی کتابوں کا دامن تہی ہے۔

۴۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جنابت و حدث کی حالت میں تیمم کرنے کی جملہ صورتوں کو سولہ مسائل کی صورت میں بطورِ خلاصہ بیان کر دیا، جنھیں "ضابطہ رضوی" کے نام سے موسوم کرنا بے جا نہ ہوگا۔

۱۲۔ مسئلہ لُمعہ

جنب نے بدن کا کچھ حصّہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی ختم ہو گیا۔ پھر حدث ہوا کہ موجبِ وضو ہے۔ اب جو پانی ملے اسے وضو اور رفعِ حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں۔ یہ مسئلہ لمعہ ہے۔ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وہ تفصیلی تحقیق مع حوالہ جات بیان فرمائی کہ فقہ کی کسی کتاب میں اس کا چوتھائی حصّہ بھی نہیں ملے گا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

فقہ کی ہر ایک کتاب میں لمعہ کی صورتیں مع احکام مندرج ہیں۔ سب سے زیادہ صورتیں شرح وقایہ کے اندر بیان ہوئی ہیں، جن کا شمار پندرہ[۱۵] ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے امام اہلسنّت کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے معجزے کی شکل میں ظاہر کیا، جس نے علیحدہ علیحدہ گن کر لمعہ کی اٹھانوے[۹۵] صورتیں بیان فرمائیں اور ہر ایک صورت کا مدلّل شرعی حکم واضح کیا۔ چونکہ بعض صُورتوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے لہٰذا اٹھانوے[۹۵] صورتوں کے احکام کی تعداد تیس[۳۰] بیان فرمائی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے جو اختلافات و اضطرابات ہیں، متعلقہ عبارتیں نقل کر کے اُنھیں رفع کیا گیا۔ پھر مصنف نے تمام فقہائے سے بہتر اور جامع، اپنا ضابطہ کلیہ بھی بیان کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں "جنب نجاستِ حکمیہ اور حقیقیہ کا اجتماع ہو جائے اور پانی صرف ایک کے لیے بقدرِ کفایت موجود ہو۔ نیز "جنب حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں کا اجتماع ہو جائے اور پانی اتنا ہے کہ صرف ایک حدث کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں سے متعلق، عباراتِ علماء نقل کر کے، اُن پر کلام کیا اور واضح فرمایا کہ اس مسئلہ میں ترجیح، محرّرِ مذہب، امام محمد رحمۃ اللہ کے قول کو ہے۔

آخر میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقتِ واقعیہ کا یُوں اظہار فرمایا ہے جو خاصہ غور طلب اور فکر انگیز ہے:-

"الحمد للہ کتاب مستطاب "حسن التمم لبیانِ حد التیمم" مسوّدہ فقیر سے اٹھارہ جزو سے زاید میں باحسن وجوہ تمام ہُوئی جس میں صدہا وہ ابحاثِ جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقتِ فقیر سے بدرجہا وراء ہیں مگر فیضِ قدیر، عاجز فقیر سے وُہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخواستہ کہہ اٹھیں۔ ع

ترک الاوّل للاخر

کتنے مسائل جلیلہ معرکۃ الآراء بحمدہٖ تعالیٰ کیسی خُوبی وخوش اسلوبی سے طے ہُوئے وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔ کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ رسائل ہیں.....بہر حال جو کچھ ہے، میری طاقت سے وراء اور محض فضل میرے ربّ کریم پھر میرے نبی رؤف و رحیم کا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۸۴۹)

۱۳۔ رقّت وسیلان

رقّت وسیلان کی فقہی تعریف اور احکام کے بارے میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ "الدقّۃ والتبیان لعلم الرّقّۃ والسّیلان" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس میں بھی تحقیق کے وُہ نرالے جوہر دکھائے گئے ہیں کہ اُمت مسلمہ کو زیر بار احسان کر کے دنیائے اسلام کے تمام اہل علم حضرات کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس مسئلے کا ایسا محققانہ تفصیلی اور جامع بیان دیگر کسی بھی فقہی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

بخوفِ طوالت ذیل میں ہم صرف اُن امور کے عنوان ہی پیش کرتے ہیں جن پر اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاداتِ علمائے کرام کے تحت معرکۃ الآراء بحث کی ہے۔ معنی طبیعت ——— پانی کی طبیعت، رقّت وسیلان ہے ——— معنیٔ رقّت وسیلان ——— مذکورہ امور پر بحث کرنے کے بعد وضاحت سے ثابت کیا کہ رقّت دو[۲] قسم کی ہوتی ہے: (۱) رقّت بالفعل (۲) رقّت بالقوّۃ ——— پھر ان کے متعلق احکام پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

شرع میں جس حد کی رقّت معتبر ہے اُس کے متعلق عباراتِ علماء تین[۳] قسم کی ہیں۔ آپ نے تین مقدمات پیش کر کے اُن عبارتوں کی محققانہ اصلاح فرمائی۔ مندرجہ ذیل عنوانات

کے تحت، مسئلہ کی صورت کو واضح کیا یعنی:-

رقیق بے جرم ہے اور کثیف ذی جرم — بے جرم سے مراد — تحقیق معنیٔ رقیق۔

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رقیق کی جو بے مثل تعریف بیان کی اس سے علمائے کرام کی کتنی ہی عبارتوں کا اختلاف مٹ گیا۔ غرضیکہ اس تعریف سے بیسیوں فائدے حاصل ہوئے جن کی تفصیل اصل رسالے میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

رقت کا کثافت میں تبدیل ہونا اغلبۂ غیر سے ہوتا ہے لیکن — غلبہ کس امر میں مراد ہے — غلبۂ اجزا سے مراد — مذکورہ معانی میں کس کو ترجیح ہے؟

تمام اہلِ ضابطہ اور عامۃ الشراح کے ارشادات کی روشنی میں محققانہ وفاضلانہ بحث فرمائی ہے۔

پھر واضح کیا کہ:— طبخ کی حقیقت کیا ہے؟ — طبخ میں منع کس وجہ سے ہے؟ — مختلف کتابوں کی روشنی میں بے مثال تحقیق فرمائی۔

۲) تغیرِ اوصاف کے متعلق متون کی مراد بیان کرنے میں شروح کا اختلاف ہے۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شروح کے بیانات نقل کرنے کے بعد اُن کی اصلاح فرمائی اور متون کی اصل مراد ظاہر کی۔

اظہارِ حقیقت

قارئین کرام! مندرجہ بالا مختصر تعارفی سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوا کہ اعلیٰحضرت، عظیم البرکت امام اہلِ سنت، مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ آسمان فقہ کے مہر درخشاں ہیں۔ ماہرین پر یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگرچہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ مجتہد نہیں بلکہ امام اعظم، سراجِ امت محمدیہ، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن اُن کے بعض فتوے تحقیق و تدقیق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جن سے اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے۔

بعض نئے مسائل یا ایسے مسئلے جن پر تصانیفِ علمائے کرام کے متون و شروح میں تفصیلی بحث نہیں کی گئی، جب وُہ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو اس شان سے دادِ تحقیق دی کہ تسبیح کے دانوں کی طرح دلائل کو ایک لڑی میں پروتے چلے گئے اور آپ کی تحقیقات کے مطالعہ کے دوران یہ واضح ہوتا ہے کہ جملہ مندرجات ہر وقت پیشِ نظر رہتے تھے اور حل طلب مسائل پر ان سب کی روشنی میں تبصرہ اور بحث فرمائی جاتی تھی۔ جن مسائل یا دلائل میں فقہاء کا اختلاف ہے وہاں مدلل طور پر ایک کی اصلاح اور دُوسرے کی ترجیح یا صحت کو ثابت کیا ہے۔

غرضیکہ جب اور جس مسئلہ میں امام اہلسنّت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم میدانِ تحقیق میں اُترا تو اس کی برق رفتاری اور سلامت روی کے پیشِ نظر آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجیب میں اجتہاد و استنباطِ مسائل کی پُوری پُوری قدرت تھی اور اس مقام رفیع پر متمکن ہونے کی ان میں بہت حد تک صلاحیت پائی جاتی تھی، اگرچہ من کل الوجوہ آپ مجتہد نہیں تھے اور نہ انھیں مجتہد ہونے کا دعویٰ تھا بلکہ وہ اجتہاد کے دروازے کو بالکل بند سمجھتے تھے۔

امام احمد رضا اور صدر الافاضل کا بقیہ

فقہ و اصولِ حدیث و عقائد و کلام و ادب و عروض میں آپ اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور اگر آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے دو صدی قبل کے علماء کی جستجو کرنا پڑے گی۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گئے اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص بھی نہ پایا گیا۔" (افاضات صدر الافاضل)

مجھ جیسے ہیچمیرز کے لئے اس سے زیادہ وقیع و موثر الفاظ میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف اور اظہارِ حقیقت کیسے ممکن ہے؟ علاوہ بریں حرمین طیبین اور دیگر بلاد اسلامیہ کی یگانۂ روزگار علمی ہستیوں نے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کو نابغۂ روزگار اور عدیم النظیر محقق تسلیم کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر اعلیٰحضرت کی جملہ تصانیف اور خصوصاً فتاویٰ رضویہ اس امر کی واضح شہادت دے رہا ہے کہ اس کا مصنف دقائق کا خزینہ، حقائق کا گنجینہ اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں منصب امامت پر فائز تھا۔

امام احمد رضا کا

فقہی مقام

از:- مولانا غلام رسول سعیدی مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فقہی مقام پیش کرنا حقیقۃً اس شخص کا کام ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فقہی کارناموں، آپ کے معاصرین اور متقدمین فقہاء کی کاوشوں پر گہری نظر رکھتا ہو۔ مجھ جیسے ہیچ مداں شخص کو جسے اپنی علمی بے بضاعتی کا مکمل اعتراف ہے۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے فقہی مقام پر لکھنے کا مکلّف کرنا یقیناً زیادتی ہے۔ تاہم محسنِ اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ سے جو مجھے عقیدت و محبّت ہے۔ اس کے اقتضاء نے مجھے یہ جراءت رندانہ عطا کی۔ کہ میں اپنی محبت و عقیدت کو صفحاتِ قرطاس پیش کر سکوں اس مرحلہ پر اگرچہ عقل و خرد رکتی رہی لیکن عشق زنجیروں میں کبھی جکڑا نہیں گیا اور ہوش کا جیب و دامن کبھی شوق کے ہاتھوں سلامت نہیں رہا۔

اعلیٰحضرت کے فقہی مقام پر کچھ تفویضِ قلم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اختصاراً اعلیٰحضرت کا ایک سوانحی خاکہ تحریر کیا جائے۔ پھر فقہ کی تعریف اور طبقات فقہاء بیان کیا جائے تاکہ قارئین کرام فقہ اور طبقات فقہاء کی روشنی میں اعلیٰحضرت کی فقہی بصیرت کا اندازہ کر سکیں۔

مختصر سوانح

اعلیٰحضرت، عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی ولادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز اتوار شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار ہے۔ جدّ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں نے آپ کا نام احمد رضا رکھا خود اعلیٰحضرت نے اپنی ولادت کا سن ہجری اس آیۂ کریمہ سے مستنبط کیا ہے۔

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ط یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا۔ اور اپنی پسندیدہ روح سے انکی مدد فرمائی۔

چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاول کی تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور ایک مجمع عظیم میں میلاد شریف پڑھا۔ اُردو فارسی کی کتب پڑھنے کے بعد میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی۔ پھر تمام دینیات کی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا نقی علیخاں رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مکمل کی۔ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ وغیرہا تمام علوم دینیہ کی تکمیل کر لی۔ اور چودہ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ میں دستارِ فضیلت کرا ۱۰ از بخشا۔ اور اسی دن مسئلہ رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جواب بالکل صحیح تھا۔ والد صاحب نے جودتِ ذہنی دیکھ کر اسی وقت سے افتاء کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ تمام عمر درس و تدریس، افتاء و تصنیف میں بسر ہوئی۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے والہانہ عشق تھا۔ ذکر و فکر کی ہر مجلس میں تصوّرِ رسالت سے ذہن شاداب رہتا تھا۔ آپ نے دینِ متین کے ہر گوشہ کو محبّتِ رسول میں سمو دیا۔ عشق و محبّت کی پاکیزہ لطافتوں کو جن لوگوں نے بدعت کا نام دیا۔ انہیں سُنّت و بدعت کا فرق سمجھایا عظمتِ رسول میں تنقیص کرنے والوں کا عاشقانہ غیرت سے احتساب کیا۔ علم و عمل کے ہر پہلو میں عظمتِ رسول کو اجاگر کیا۔ عرب و عجم کے علماء نے آپ کی تکریم کی۔ ریاضی اور جفر کے بڑے بڑے ماہرین نے آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور شرق و غرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری ہو گیا۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعۃ المبارک دو بجکر ۳۸ منٹ پر آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اُدھر مؤذن نے حَیَّ عَلَی الۡفَلَاح کی صدا بلند کی۔ ادھر آپ نے جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ جس وقت آپ کا وصال ہوا۔ اسی وقت بیتُ المقدس کے ایک شامی بزرگ نے خواب میں دیکھا۔ کہ نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے منتظر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور کسی کا انتظار ہے؟ فرمایا احمد رضا کا۔

فقہ کی تعریفات

اُصولیین فقہاء اور متصوفین تینوں طبقوں نے فقہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لئے یہ تینوں تعریفیں پیش کرتے ہیں۔

اُصولیین کی تعریف

فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں۔ جو دلائل تفصیلیہ سے مکتسب ہو۔ اور اس تعریف کے اعتبار سے فقہ مجتہدین کا خاصّہ ہے۔

فقہاء کی تعریف

فقہ مسائل فرعیہ کے حفظ کو کہتے ہیں۔ عام ازیں کہ ان

مسائل کا اکتساب دلائل تفصیلیہ سے کیا گیا ہو۔ یا اقوالِ مجتہدین سے۔ اس تعریف کے اعتبار سے مقلدین کے علم کو بھی فقہ کہہ سکیں گے۔

متصوفین کی تعریف

فقہ دنیا سے اعراض کرنا، آخرت کی طرف رغبت کرنا۔ دین پر بصیرت رکھنا عبادت پر مواظبت کرنا اور خلائق کو نصیحت کرنا ہے۔ اس تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف عالم باعمل اور متقی کامل پر صادق آئے گی۔ (محصلاً از شامی)

فقہ اصولیین کے آئینہ میں

اصولیین کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف صرف مجتہدین پر صادق آتی ہے۔ ہم اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اجتہاد مطلق کا دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اعلیحضرت، عظیم البرکت کی شخصیت میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ نے بیشمار ایسے قواعد مقرر فرمائے۔ کہ اگر وہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کئے جاتے۔ تو وہ یقیناً انکی تحسین فرماتے۔ آپ نے متعدد ضوابط ارقام فرمائے۔ جو کتب فقہ میں کہیں نہیں ملتے لیکن ان کا وجود ناگزیر ہے۔ کیونکہ فقہ کی بیشمار جزئیات اپنے انطباق کے لئے اِن قواعد ضوابط کی مرہون منت ہیں ہم انشاء اللہ اس مضمون میں ان قواعد ضوابط کی نشاندہی کرینگے۔ چونکہ اعلیحضرت الشاہ احمد رضا خاں صاحب نے ان تمام قواعد کا کتاب و سنت سے اکتساب کیا ہے۔ اس لئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اعلیحضرت فاضل بریلوی کی شخصیت اجتہادی شان کی حامل تھی۔ اور جس شخص نے اعلیحضرت فاضل بریلوی کی فقہی تحقیقات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے اس کے لئے یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ ہم آپ کے سامنے ایسی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جن سے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقیہانہ عظمت کا اندازہ ہو سکے گا اور آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ پر ثابت ہو جائیگا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگرچہ مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق تو نہیں ہیں لیکن آپ کی تحریروں میں اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے۔ اور آپ کی تقریروں سے استنباط کی مہک آتی ہے۔

رنگ اجتہاد

عام طور پر کتب اصول میں احکام شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرض[1]، واجب[2]، مستحب[3]، مباح[4]، حرام[5]، مکروہ تحریمی[6]، مکروہ تنزیہی، لیکن اعلیحضرت عظیم البرکت نے احکام کی گیارہ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ جن کی تفصیل ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ فرض

جس فعل کا لزوم ثبوتاً اور دلالۃً قطعی ہو اور اس کا انکار کفر ہو اور اسکا ترک موجب استحقاق عذاب ہو۔ خواہ ترک دائماً ہو یا نادراً۔

۲۔ واجب

جس فعل کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو۔ اس کا انکار کفر نہ ہو لیکن اس کا ترک موجبِ استحقاقِ عذاب ہو خواہ ترک دائماً ہو یا نادراً۔

۳۔ سُنّت مؤکّدہ

جس فعل کا تاکدُ مواظبت رسول سے ثابت ہو۔ اس کا عادۃً ترک کرنا موجبِ استحقاقِ عذاب ہو اور نادراً ترک کرنا موجب استحقاقِ عتاب خواہ یہ ترک عادۃً ہو یا نادراً۔

۴۔ سُنّت غیر مؤکّدہ

جس کام کا ترک کرنا موجبِ استحقاقِ عتاب ہو خواہ ترک کرنا عادۃً ہو نادراً۔

۵۔ مستحب

جس کام کے کرنے پر ثواب ہو۔ اور ترک کرنے پر نہ ثواب ہو نہ عتاب خواہ ترک عادۃً ہو یا نادراً

۶۔ مباح

جس کام کا کرنا نہ کرنا برابر ہو۔ نہ فعل پر عتاب نہ ترک پر خواہ ترک عادۃً ہو یا نادراً۔

۷۔ حرام

جس کام سے روکنے کا لزوم ثبوتاً و دلالۃً قطعی ہو۔ اس کا انکار کفر ہو۔ اور اس کا فعل موجبِ استحقاقِ عذاب ہو۔ خواہ فعل دائماً ہو یا نادراً۔

۸۔ مکروہ تحریمی

جس کام سے روکنے کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو۔ اس کا انکار کفر نہیں۔ لیکن اس کا فعل موجبِ استحقاقِ عذاب ہو۔ خواہ فعل دائماً ہو یا نادراً۔

۹۔ اساءت

جس کام کا عادۃً کرنا موجبِ استحقاقِ عذاب ہو اور نادراً کرنا موجبِ عتاب ہو۔

۱۰۔ مکروہ تنزیہی

جس کام کا کرنا مطلقاً موجبِ استحقاقِ عتاب ہو۔ خواہ عادۃً کیا جائے یا نادراً۔

۱۱۔ خلافِ اولیٰ

جس کام کا نہ کرنا موجبِ استحقاقِ ثواب ہو۔ اور کرنا نہ موجبِ استحقاقِ عذاب ہو نہ عتاب خواہ عادتاً کیا جائے یا نادراً۔

یہ وہ تقسیم ہے جس کے بارے میں خود اعلیحضرت فرماتے ہیں کہ اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی۔ اور ہزارہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی۔ کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے۔ کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی۔ ضرور ارشاد فرماتے۔ کہ یہ عطر مذہب و طرازِ مذہب ہے۔ انتہیٰ کلام الشریف

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ صفحہ ۱۷۳ ج اول تا صفحہ ۱۷۵)

اسی طرح تیمم کے بارے میں اعلیحضرت نے تین سو گیارہ امور بیان فرمائے۔ جن میں سے ایک سو اکیاسی سے تیمم جائز ہے۔ اور ان ایک سو اکیاسی[181] میں سے چوہتر[74] وہ ہیں، جنہیں فقہاء متقدمین نے بیان فرمایا۔ اور ایک سو سات[107] وہ ہیں جن کو اعلیحضرت نے اپنے اجتہاد سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بیان فرمایا۔ اسی طرح

ایک سو تیس ۱۳۰ اشیاء سے تیمم کے عدم جواز کو بیان فرمایا۔ جس میں سے اٹھاون اشیاء فقہاء متقدمین نے بیان فرمائی ہیں۔ اور بہتر اشیاء کا عدم جواز اعلیحضرت نے اپنے استنباط سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر بیان فرمایا۔

(محصل از فتاویٰ رضویہ جلد اول صفحہ ۶۹۲ تا صفحہ ۷۰۱)

ہم نے یہ دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور وہ بھی انتہائی اختصار اور اجمال کے ساتھ ورنہ فتاویٰ رضویہ کے جہازی سائز کے بارہ ضخیم مجلدات اس قسم کی تحقیقات سے بھرے پڑے ہیں۔ اور جن کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بیساختہ پکار اٹھتا ہے۔ کہ اعلیحضرت کے دماغ میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجتہدانہ ذہانت ہے۔ آنکھوں میں خصاف کی ضیاء ہے۔ عقل ابوبکر رازی کی ہے۔ اور حافظہ قاضی خان کا معلوم ہوتا ہے۔

فقہاء کے پیمانے سے

فقہاء کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف اس شخص پر صادق آتی ہے جسے کم از کم تین فرعی مسائل حفظ ہوں۔ خواہ اس کے پیش نظر ان مسائل کے دلائل بھی ہوں یا ان کی بناء صرف اقوال مجتہدین پر ہو۔ اس اعتبار سے اعلیحضرت کا فقہ میں بہت اونچا مقام ہے۔ تمام مسائل فرعیہ مع دلائل شرعیہ آپ کو ہمیشہ مستحضر رہتے تھے۔ چنانچہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیحضرت کی فتویٰ نویسی املا کی صورت میں ہوتی تھی۔ تمام سوالات ایک ہی بار پڑھ کر سنا دیئے جاتے اور پھر آپ ان کا نمبر وار جواب لکھواتے۔

(ملخص از دیباچہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ق)

مولوی محمد حسین میرٹھی کہتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ اعلیحضرت کی عیادت کو گیا آپ بستر علالت پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس وقت گرد اگرد چار لکھنے والے بیٹھے ہوئے تھے چاروں نے سوالات سنائے۔ پھر آپ نے چاروں کو بیک وقت جواب املاء کرانا شروع کیا۔ بایں طور کہ ایک جملہ پہلے کے لئے بولتے پھر دوسرے کے لئے پھر تیسرے کے لئے اور پھر چوتھے کے لئے۔ چاروں اپنا اپنا جواب لکھتے رہتے۔ جب تک باقی تینوں کو املاء کراتے۔ پہلا لکھ چکتا۔ پھر اس سے ابتداء فرماتے۔ علیٰ ھذا القیاس چاروں کو بیک وقت جوابات لکھوائے۔

(محصلہ دیباچہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۱)

آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ بیشمار علمی تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اس میں بیشمار ایسے فتاویٰ موجود ہیں۔ جن میں آپ نے مسئلہ کو نہ صرف دلائل سے مبرھن کیا بلکہ اقوال ائمہ سے بھی مزین کیا۔ مثلاً حرمت سجدہ تحیۃ کے ثبوت میں آپ نے متعدد آیات، چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ پیش فرمائی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنے کے جواز پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔ اور اس کو دو بابوں میں منقسم فرمایا۔ پہلے باب میں آیات اور ساٹھ حدیثیں نقل فرمائیں۔ اور دوسرے باب میں چوالیس ۴۴ آیتیں اور دو سو اٹھارہ ۲۱۸ حدیثیں ذکر فرمائیں۔ جواز استمداد پر تینتیس ۳۳ حدیثیں اور متعدد اقوال ذکر فرمائے۔ انوار الانتباہ میں ندائے یا رسول اللہ کے جواز پر احادیث کے علاوہ پینسٹھ ۶۵ اقوال علماء سے استشہاد فرمایا۔ غرضیکہ اعلیحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جملہ تصنیفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ فقہ میں ایک عظیم مقام رکھتے تھے۔ اور آپ نے مسائل کا استنباط اور استخراج دلائل شرعیہ اور اقوال ائمہ سے یکساں طور پر کیا ہے۔

فقہ صوفیاء کے آئینہ میں

متصوفین فقہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔ دنیا سے اعراض کرنا، آخرت کی طرف رغبت کرنا، دین پر بصیرت رکھنا، عبادت پر مداومت کرنا، اور خلق خدا کو وعظ و نصیحت کرنا۔ آیئے اب اس تعریف کے لحاظ سے اعلیحضرت میں عکس فقہ دیکھئے۔

اعراض دنیا اور رغبت آخرت

اعلیحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر علم و حکمت سے نوازا تھا، اتنا ہی استغناء کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت نام نہاد علماء اپنے علم و فضل کو جنس تجارت بنا کر حکام برطانیہ سے نذرانے وصول کر رہے تھے۔ اور اہل ثروت حضرات سے رابطہ قائم کر کے اپنی تصانیف کو کثیر تعداد میں چھپوا کر اپنے مبتدع عقائد کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے اس وقت اعلیحضرت کی حمیت دینی کا یہ عالم تھا کہ حکام برطانیہ تو بجائے خود رہے اپنے ہم مسلک اور معتقد نوابوں اور رئیسوں کی مسلسل درخواستوں اور شدید تقاضوں کے باوجود کبھی ان سے ملاقات کے لئے جانا منظور نہیں اور یہی فرمایا۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کے استغناء پر عظیم ترین شہادت یہ ہے کہ آپ کی بے شمار علمی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات مبارکہ میں طبع نہ ہو سکیں۔ حالانکہ بڑے بڑے رئیس آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ اگر آپ ارکان دولت کی طرف ذرا بھی توجہ اور التفات فرماتے تو کوئی وجہ ہی نہ تھی کہ آپ کی تمام تصانیف زیور طبع سے آراستہ نہ ہوتیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے منصب کے شایان شان کوئی وسیع دار العلوم بھی تعمیر نہیں کیا۔ حالانکہ دوسرے فرقہ والوں نے رئیسوں کے تعاون سے قلعہ نما مدارس بنالئے۔ کیونکہ اس کام کیلئے نوابوں اور رئیسوں سے ملاقات، ان سے مروت و محبت، ان کی خاطر و مدارات، عزت و تکریم ضروری ہی اور ان لوگوں میں فساق و فجار اور نیک و بد ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور اعلیحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج و فطرت میں اللہ تعالیٰ نے زہد اور استغناء رکھا تھا۔ آپ سے یہ متصور ہی نہ تھا۔ کہ کسی پاک باز دولت مند کی طرف بھی متوجہ ہوتے۔ چہ جائیکہ ہر کس و ناکس کی طرف۔ صرف مال و دولت ہی

نہیں۔ دنیا کی ہر چیز سے آپ کو نفرت تھی اور دنیا کی جس شئی سے بھی آپکو تعلق یا علاقہ رہا تو وہ دنیا کی وجہ سے نہ تھا بلکہ دین کے سبب سے تھا چنانچہ آپ خود ایک موقعہ پر بطور تحدیث نعمت کے فرماتے ہیں کہ الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ہو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ہو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اسی سبب سے کہ صلۂ رحم عمل نیک ہے اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے (الملفوظ حصہ چہارم ص۶)

معلوم ہوا کہ زہد و تقویٰ کو آپ نے اس درجۂ کمال پر پہنچایا۔ کہ وہ آپ کی طبیعت کا مقتضیٰ بن گیا۔ اور جب انسان اپنی طبعی اور جبلی خواہشات کو فنا کر کے انہیں رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ تو اُسے فنائی الذات کا مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے۔ پس جب رضاء الٰہی اعلیحضرت کی طبیعت کا اقتضاء بن گئی تو معلوم ہوا کہ آپ کو فنائی الذات کا مرتبہ حاصل تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک

دین پر بصیرت

دین عقائد اور اعمال کا نام ہے۔ اور اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان دونوں پر مجددانہ بصیرت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے زمانے میں جن عقائد و اعمال پر زائغین اور مبتدعین کے زیغ و بدعت کی دھند چھا گئی تھی۔ آپ نے علم ربانی اور نور یزدانی کی فیض آفرینیوں اور ضیاء پاشیوں سے اس دھند کو زائل کر کے حق کو صیقل کر دیا جس طرح حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ اکبری کے قلع قمع کیلئے چن لیا تھا۔ اسی طرح اعلیحضرت فاضل بریلوی کو اللہ تعالیٰ نے فتنۂ نجدیت کے ابطال کے لئے منتخب فرمالیا۔ نجدی بدعات سے جو مسائل دھندلا چکے تھے۔ اعلیحضرت نے ان کی آب و تاب کو زندہ فرمایا، استحالہ کذب باری تعالیٰ سبحانہٗ، ختم نبوت سید المرسلین، فضائل نبوت اور ناموس رسالت وغیرہ یہ وہ مسائل ہیں جنہیں مبتدعین اپنی اہواء باطلہ کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس طوفان بے تمیزی میں اعلیحضرت غیرت دینی کی چٹان بن کر ابھرے اور بدعت کی طوفانی لہروں کا منہ پھیر دیا۔

عقائد اسلام کے جو ارکان مرجھا چکے تھے۔ ان کے احیا کیلئے آپ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اُن میں سے چند یہ ہیں۔

سبحان السبوح، تمہید ایمان، حسام الحرمین، الکوکبۃ الشہابیہ، خالص الاعتقاد، ابناء المصطفیٰ، تجلی الیقین۔ اور اعمال صالحہ کے احیاء کے لئے فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں آپ کی مجددانہ بصیرت پر شاہد عادل ہیں۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجددانہ شان کا اندازہ ایک مثال سے کیا جاسکتا ہے کہ استحالۂ کذب پر تمام متقدمین علماء نے پانچ دلیلیں قائم فرمائیں اور اکیلے اعلیٰ حضرت نے اصل مسئلہ پر پچیس دلیلیں قائم فرمائیں چنانچہ سبحان السبوح ص۵۷ پر تحریر فرماتے ہیں فقیر غفر اللہ تعالیٰ بتوفیق مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ ان مختصر سطور میں بلحاظ ایجاز کذب باری عز اسمہٗ کے محال صریح اور توہم امکان کے باطل قبیح ہونے پر صرف تیس ۳۰ دلیلیں ذکر کرتا ہے۔ جن میں خمسہ اولیٰ کلمات طیبات، ائمہ کرام، علماء عظام علیہم رحمۃ الملک المنعام میں ارشاد و انعام ہوئیں۔ اور باقی پچیس باری جل عز وجل کے فیوض ازل سے عبد اذل کے قلب پر القا کی گئیں۔ والحمد للہ رب العالمین

یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ اعلیحضرت کی تمام تحقیقی مجلدات اس شان افادت سے مالامال ہیں جب آپ کسی مسئلہ پر رضوی جلال سے، مدلل تقریر کرتے یوں معلوم ہوتا کہ دلائل و براہین کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب ہے۔ جو ہر نقش باطل کو مٹاتا چلا جائے گا۔

وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط

عبادت پر مواظبت

اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ باوجود علمی، تبلیغی اور تصنیفی مصروفیات کے عبادت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ آپ نہ صرف فرائض و واجبات بلکہ مستحبات و نوافل وظائف و اوراد، ذکر اذکار، بیعت و ارشاد تمام شعبہ ہائے عبادت کو محیط تھے۔ بچپن سے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کو اس طرح اختیار فرمالیا تھا۔ کہ تبلیغ و اشاعت کی طرح عبادت و ریاضت بھی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ چنانچہ وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ کے تحت اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بحمد اللہ مجھے بچپن سے دشمنان خدا سے نفرت رہی ہے، نہ صرف مجھے بلکہ میرے بچوں کے بچوں کو بھی ان سے عداوت ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوگیا۔ اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ ط بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں، تو خدا کی قسم ایک ٹکڑے پر لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا۔ اور دوسرے حصہ پر محمد رسول اللہ تحریر ہوگا۔ اور بحمد اللہ ہمیشہ ہر بدمذہب پر فتح حاصل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ اور یہ سب حضرت جد امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی برکات ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ ایک مکان میں دو یتیم رہتے تھے۔ اس کی دیوار گرنے والی تھی۔ جس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ السلام نے اُس دیوار کو سیدھا کردیا۔ اس واقعہ کے بارے میں فرمایا وَکَانَ اَبُوْہُمَا صَالِحًا (ان کا باپ صالح تھا) جس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ وہ باپ اُن کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی برکات کا اس طرح ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے۔ دیکھئے کب تک اس سلسلہ میں برکات رہیں۔ اثناء گفتگو میں فرمایا آٹھ دس برس ہوئے۔ رجب کے ماہ میں حضرت والد ماجد سے خواب میں مشرف بہ ملاقات ہوا۔ فرمایا۔ اے احمد رضا اس بار رمضان میں تمہیں بیماری ہوگی۔ روزہ نہ چھوڑنا۔ بحمد اللہ جب سے روزے فرض ہوئے۔ کبھی نہ سفر میں نہ مرض میں کسی حالت میں روزہ نہیں چھوڑا، خیر رمضان میں بیمار ہوا اور بہت بیمار ہوا۔ لیکن بحمد اللہ روزے نہ چھوڑے۔"

(محصولہ الملفوظ حصہ سوم ص۸-۹)

وعظ و نصیحت

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وعظ وارشاد سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ کئی گم کردہ راہ آپ کے پند و نصائح سے صراطِ مستقیم اور جادۂ استقامت پر آگئے۔ عقائد و اعمال ہر باب میں آپ نے خلق کی ہدایت فرمائی۔ ہم آپ کے سامنے صرف ایک مجلس کی تبلیغ کا اثر پیش کر رہے ہیں۔ صرف اسی سے آپ کی ساری عمر کے مواعظ و نصائح کی تاثیرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۸ رجب ۱۳۳۷ھ بروز جمعہ بوقتِ عصر آپ لوگوں کو بد مذہبوں کی صحبت سے احتراز کرنے پر وعظ فرما رہے تھے۔ اور آپ کے ارشادات سن کر کتنے ہی آدمی اپنے افعالِ بد پر لعنت ملامت کر رہے تھے۔ اور کبھی کسی گوشہ سے توبہ و استغفار کی بھی آواز آجاتی تھی۔ اس وقت کسی صاحب نے اُٹھ کر اپنے جلیس سے کہا کہ آپ کو بد مذہبوں کی صحبت میں اکثر دیکھا گیا ہے۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت خوش قسمتی سے تشریف فرما ہیں، مناسب ہے توبہ کرلیجئے۔ یہ سنتے ہی وہ قدموں پر آگرے۔ اور صدق دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا بھائیو! یہ نزولِ رحمت کا وقت ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے گناہ خفیہ ہوں وہ خفیہ اور جن کے اعلانیہ ہوں وہ علانیہ، میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو استقامت باکرامت عطا فرمائے۔ جو لوگ ڈاڑھی منڈواتے ہوں یا کترواتے ہوں یا ڈاڑھی چڑھاتے ہوں یا اس پر خضاب سیاہ لگاتے ہوں۔ اور جو لوگ اسی قسم کے دوسرے اعلانیہ گناہ کرتے ہوں وہ اسی کی پوشیدہ توبہ کریں۔ نجانے اعلیحضرت کے اِن چند فقرات میں خدا نے کیا تاثیر رکھی تھی کہ تمام لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اور ایک کہرام سا مچ گیا۔ لوگ آنسوؤں کی بارش سے اپنے گناہ کی سیاہی کو دھو رہے تھے۔ اور بے تابانہ اعلیحضرت کے قدموں پر گر گر کر اپنے ظاہری باطنی گناہوں سے توبہ کر رہے تھے۔ اور اعلیحضرت خود بھی گریہ وزاری سے بے حال ان لوگوں کیلئے دعائے مغفرت فرما رہے تھے۔ بعد میں اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ اس دن اٹھائیس ۲۸ لوگوں نے اپنے ظاہری گناہوں سے توبہ کی۔ اور اکہتر ۷۱ آدمیوں نے اپنے باطنی گناہوں سے توبہ کی (محصلہ الملفوظ جلد دوم ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۶)

بحمد اللہ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اعلیحضرت میں اعراضِ دنیا، رغبتِ آخرت دینی بصیرت، عبادت پر مواظبت اور رشد و ہدائیت تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ اور انہیں اوصاف کے حامل شخص کو صوفیاء کی اصطلاح میں فقیہ کہتے ہیں۔ اور ان اوصاف کے کمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت کو اصطلاحِ تصوف کے اعتبار سے بھی فقہ میں بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ خلاصہ یہ کہ فقہ کی تین تعریفیں ہیں۔ اور اعلیحضرت تینوں اعتبار سے فقہ میں فائق مقام رکھتے ہیں۔ حفظِ مسائل کے علیٰ وجہ الکمال حامل ہیں۔ علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے بہترین جامع ہیں حاصل کلام یہ کہ اہلِ علم نے کسی معنی کے اعتبار سے فقہ کا اطلاق نہیں کیا۔ مگر اعلیحضرت میں وہ معنی متحقق ہے وَلِلّٰہِ الحمد علیٰ ذٰلِکَ

طبقات فقہاء

فقہ کی تعریف کے بعد اب ہم آپ کے سامنے طبقات فقہاء پیش کرتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے اعلیحضرت کے فقہی مقام پر مزید روشنی پڑے گی۔

۱۔ مجتہد فی الشرع

یہ وہ لوگ ہیں۔ جو قواعد و اصول مقرر فرماتے ہیں۔ اور احکام فرعیہ کو اصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں۔ اور اصول و فرع میں کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ جیسے ائمہ اربعہ ہیں۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب

یہ صرف اصول میں امام کے تابع ہوتے ہیں۔ اور ادلہ اربعہ سے فروع کے اخراج پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور مسائل فرعیہ میں بعض جگہ امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں جیسے اصحاب[1] ابی حنیفہ وغیرہم

۳۔ مجتہدین فی المسائل

یہ اصول و فرع میں امام کے تابع ہوتے ہیں۔ اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی۔ ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ اصحابِ تخریج

انہیں اجتہاد پر بالکل قدرت نہیں ہوتی لیکن اصول اور اسکے ماخذ پر مکمل عبور ہوتا ہے اس لئے یہ قول مجمل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رازی، جصاص، اور کرخی وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۵۔ اصحاب ترجیح

یہ بعض روائتوں کو دوسری بعض روائتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوالحسن قدوری، اور صاحبِ ہدایہ (رحمہما اللہ تعالیٰ)

۶۔ ممیزین

یہ وہ لوگ ہیں جو روایات ہیں سے صحیح، اصح، قوی، ضعیف اور ظواہر و نوادر وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور ان میں روایات کو باہم متمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے صاحبِ کنز اور صاحبِ وقایہ وغیرہما

۷۔ محض مقلدین

یعنی وہ لوگ جنہیں امورِ مذکورہ میں سے کسی پر قدرت نہیں ہوتی۔

(ماخوذ از عقد رسم المفتی للشامی صفحہ ۴ تا صفحہ ۵)

طبقات فقہاء کی روشنی میں امام احمد رضا

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] اصحابِ ابی حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے مراد امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ ہیں (رحمہم اللہ)

میں پہلے چھ طبقوں میں سے ہر طبقہ کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں

بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت میں مجتہدین فی المسائل کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں جو ایسے نئے مسائل پیدا ہوئے جن پر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی روائیت موجود نہ تھی۔ آپ نے اصول و فروع میں اتباعِ امام اعظمؒ کے ساتھ ان تمام مسائل کا استخراج کیا، فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں میں اس کی بکثرت امثلہ موجود ہیں۔

امام احمد رضا کی فقہی تحقیقات

فقہ کی تعریف اور طبقات فقہاء بیان کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت کی فقہی تحقیقات کی چند مثالیں پیش کی جائیں۔ جن سے اعلیحضرت فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی ایک جھلک سامنے آجائے۔ آپ کی فقہی تحقیقات مختلف انواع پر منقسم ہیں۔ بعض مسائل میں انہوں نے فقہاءِ متقدمین کی عبارتوں میں اضطراب کو رفع کرکے تطبیق بین الاقوال فرمائی ہے۔ بعض مواقع پر جو گوشے متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے ہیں۔ انہیں اجاگر کرکے حق کو آشکارا کیا ہے۔ معاصر فقہاء میں جن حضرات نے فقہی مسائل میں لغزشیں کھائیں ہیں اُن پر اَن گنت وجوہ سے متنبہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بیشمار (عنوان) ہیں۔ جن کی دقت اجازت نہیں دیتا۔ فی الحال ہم زیرِ نظر تین عنوانوں پر گفتگو کرتے ہیں۔

تطبیق بین الاقوال

وضو میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہاء متقدمین کی عبارتوں میں زبردست اختلاف اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی نے غنیہ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درّمختار میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کو حرام قرار دیا۔ مدقق علائی نے درمختار میں مکروہ تحریمی بتایا۔ بحر الرائق نے اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیا محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں خلاف اولیٰ ہونے پر جزم کیا غرضیکہ اسراف فی الوضو کے بارے میں فقہاء کے چار قول ہیں۔ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ۔ اور بظاہر یہ چاروں متضاد اقوال ہیں، اعلیحضرت نے کمال تحقیق سے ان چاروں اقوال کے علیحدہ علیحدہ محمل بیان کئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حرام: ــ وضو میں سُنّت سمجھ کر بلا ضرورت پانی خرچ کیا جائے۔

مکروہ تحریمی: ــ بلا اعتقادِ سُنّیت و بلا ضرورت وضو میں پانی اس طرح خرچ کرے کہ وہ پانی ضائع ہو۔

مکروہ تنزیہی: ــ نہ تو سُنّیت کا عقیدہ ہو نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ۔ لیکن عادتاً بلا ضرورت پانی خرچ کرتا ہو۔

خلافِ اولیٰ: ــ نہ اعتقادِ سُنّیت ہو نہ اضاعت ہو نہ بلا ضرورت خرچ کرنے کی عادت ہو بلکہ نادراً بلا ضرورت پانی خرچ کرے۔

اس تحقیق کے بعد مزید اضافہ کے طور پر فرمایا کہ اگر ان چاروں وجہ کے علاوہ کسی غرض صحیح سے وضوء میں تین تین دفعہ سے زیادہ پانی خرچ کیا، تو وہ بلا شبہ جائز اور صحیح ہے۔ اور اس کی چار صورتیں بیان فرمائیں۔

۱۔ بدن سے گندگی اور میل کا ازالہ اور تنظیف کی خاطر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے۔

۲۔ شدت گرمی سے بچنے اور بدن کو ٹھنڈک پہنچانے کی غرض سے تین بار میں زیادتی کی جائے۔

۳۔ دو یا تین بار میں شک پڑ جائے تو ازالہ ریب کی خاطر مقدار اقل پر بناء کرکے ایک بار اور دھوئے۔

۴۔ وضو نورٌ علیٰ نور کے قصد سے تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے۔

الغرض تطہیر کے قصد سے اگر تین مرتبہ دھونے پر زیادتی کرے تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ اور وہ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور ان صورتوں کے بغیر اگر غرض صحیح سے بمطابق مؤخر الذکر چار صورتوں کے زیادتی کی جائے۔ تو بلا کراہت جائز اور بلا ریب صحیح ہے۔

(محصلہ فتاویٰ رضویہ ج اول ص ۱۶۶ تا ص ۲۰۸)

علامہ سید طحطاوی اور امام احمد رضا

فقہاءِ کرام کا ضابطہ ہے کہ جو چیز بیماری کے سبب جسم سے خارج ہو۔ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ دُرّمختار میں ہے۔

وکذا کل ما یخرج من وجع ولو من اذن او ثدی او سرۃ

نواقضِ وضو میں سے ہر وہ شئ ہے۔ کسی بیماری کے سبب خارج ہو۔ اگرچہ کان، پستان یا ناف سے ہی خارج ہو۔

اس قاعدہ پر علامہ سید طحطاوی نے یہ مسئلہ متفرع کیا۔ کہ زکام سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ زکام میں بیماری کے سبب پانی ناک سے خارج ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ درمختار کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

ظاھرہ یعم الانف اذا زکم

اس عبارت کا ظاہر ناک کو بھی شامل ہے جب کہ زکام ہو جائے

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ زکام سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور سید احمد طحطاوی پر یہ بات مخفی رہ گئی۔ کہ فقہاء کا مذکورہ قاعدہ مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں ہے۔ کہ جب بیماری کے سبب سے جو چیز بدن سے خارج ہوئی اس میں خون یا پیپ کی آمیزش کا شائبہ ہو۔ چنانچہ منیہ، غنیہ، حلیہ، تحفہ کافی، بحر الرائق، تبیین الحقائق، خلاصہ وجیز، فتح القدیر، وغیرہا کتب فقہ میں اس تقیید پر تصریح موجود ہے۔ قاعدہ مذکورہ کی وضاحت کے علاوہ، اعلیحضرت نے

زکام سے وضو نہ ٹوٹنے پر دو مستقل دلیلیں ارقام فرمائیں۔ ہم ان کی تلخیص ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۱۔ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ بلغمی رطوبات خواہ دماغ سے نازل ہوں، یا پیٹ سے صاعد ہوں، طاہر ہیں۔ ان کا خروج ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اور زکام میں ناک کے راستے سے بلغمی رطوبات کا اخراج ہوتا ہے پس اُن کا خروج نقضِ وضو کا سبب نہیں ہے۔

۲۔ فقہائے کرام کا قاعدہ ہے۔ کہ نجاست کا خروج موجبِ حدث ہے۔ اور جو نجس بالخروج نہ ہو۔ وہ حدث نہیں ہے۔ اور زکام کی رطوبات چونکہ نجس بالخروج نہیں ہیں۔ اس لئے وہ موجبِ حدث نہیں ہیں۔

(خلاصہ فتاوٰی رضویہ ج اول ص ۳۴، ص ۴۰)

علامہ شامی اور امام احمد رضا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارک میں اذان دی ہے یا کہ نہیں، بعض علماء نے کہا کہ آپ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تھی۔ کیونکہ امام ترمذی کی روائت سے اسی طرح ثابت ہے اور بعض علماء نے اس استدلال کو رد کر دیا۔ کیونکہ طریقِ ترمذی سے امام احمد نے روائت کیا کہ حضور نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا تھا۔ پس روائتِ ترمذی میں حضور کی طرف اذان کا اسناد الی السبب کے قبیل سے ہے۔ لہٰذا آپ کا اذان دینا ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ علامہ شامی ردالمحتار ج ۱ ص ۲۶۲ پر فرماتے ہیں۔

وممایکثر السؤال عنه هل باشر النبی صلی الله علیه وسلم الاذان بنفسه وقد اخرج الترمذی انه علیه السلام اذن فی سفر وصلی باصحابه وجزم به النووی ولکن وجد فی مسند احمد من هذا الوجه فامر بلالاً فاذن فعلم ان فی روایة الترمذی اختصاراً وان معنی قوله اذن امر بلالاً

عام طور پر لوگ پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے یا نہیں۔ اور امام ترمذی نے روائت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تھی۔ اور اس پر امام نووی نے اعتماد کیا۔ لیکن امام احمد نے اسی طریق سے روائت کیا۔ کہ حضور نے حضرت بلال کو اذان دینے کا امر فرمایا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ روائت سابقہ کا بھی یہی محمل ہے۔

اس مقام پر علامہ شامی نے ملا علی قاری اور دوسرے علماء کی طرح اس پر جزم کیا کہ حضور نے اذان نہیں دی۔ اور ترمذی کی روائت میں اسناد مجازی ہے۔ لیکن اعلیحضرت کی تحقیق یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک مرتبہ اذان دی ہے۔ اور اسکو اسناد مجازی پر محمول نہیں کیا جا سکتا

..... کیونکہ تحفہ امام ابن حجر مکی میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی، اور اذان کے تشہد میں فرمایا کہ اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور یہ نص مفسر ہے کہ جو کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ اگر آپ نے اذان خود نہ فرمائی ہوتی تو اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کے بجائے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے الفاظ وارد ہوتے۔ اور علامہ شامی نے خود ج ۱ ص ۲۶۲ پر تحفہ کی اس روائت کو ذکر کر کے اسکی صحت کو بیان کیا ہے۔

(فتاوٰی رضویہ ج دوم ص ۳۴ مع توضیح)

مولانا عبدالحی لکھنوی اور امام احمد رضا

علمائے احناف کے نزدیک سود کے تحقق کے لئے اتحاد قدر و جنس شرط ہے۔ یعنی دو چیزیں جب پیمانہ یا وزن میں برابر ہوں، اور ان کی جنس ایک ہو، تو ان میں تفاضل حرام ہے اور جو چیزیں مکیل موزون کے قبیل سے نہ ہوں بلکہ عددی ہوں مثلاً انڈے یا پیسے تو ان میں تفاضل جائز ہے۔ کیونکہ ان میں سود کی علت یعنی قدر مذکور متحقق نہیں ہے۔ بناء بریں نوٹ بھی چونکہ فلوس (پیسوں) کی طرح عددی ہے۔ لہٰذا اس میں بھی تفاضل جائز قرار پایا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی اس اصول سے تو متفق ہیں۔ کہ عددی چیزوں میں سود نہیں ہوتا۔ چنانچہ فلوس (پیسوں) میں وہ بھی کہتے ہیں کہ تفاضل جائز ہے۔ لیکن نوٹ میں ان کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نوٹ میں تفاضل حرام ہے۔ اور سود خالص ہے۔ چنانچہ انہوں نے نوٹ میں سود کے تحقق پر ایک فتوٰی تحریر کیا۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب یہ فتوٰی آیا تو آپ نے اس فتوے کو ایک سو بیس ۱۲۰ وجوہ سے رد کر دیا۔ ہم آپ کے سامنے مولوی عبدالحی کا فتوٰی اور اس پر اعلیحضرت کے ایک سو بیس ۱۲۰ وجوہ ابطال میں سے چند وجوہ پیش کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے اعلیحضرت کا فقہی تدبر اور وسعتِ نظر قارئین کے سامنے آجائیگی

فتوٰی

(ھو المصوّب)

" نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں، مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ اسوجہ سے کہ اگر نوٹ سَو روپیہ کا کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سو روپیہ تاوان لیتا ہے۔ اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے۔ تو مقصود اس سے قیمت ملنا اُس کاغذ کی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے۔ اور نوٹ سو روپیہ کا اگر کوئی شخص قرض لے۔ تو بوقتِ ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے، یا سو روپے دیوے۔ دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقتِ ادا دیوے تو دائن

نہیں لیتا۔ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں ہے۔ اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خرید لے۔ یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے، اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دیوے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے۔ اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔ پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں۔ بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے۔ گو عینیت خلقیہ نہیں۔ بلکہ عینیت عرفیہ ہے۔ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہو جائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں۔ حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے ان میں صفت ثمنیت آگئی ہو۔ پس ہرگاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائیگا اور تفاضل اس میں حرام ہو گا"

(فتاوی عبدالحی جلد دوم فتوی ۲۶)

علامہ عبدالحیؒ کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ ثمن خلقی یعنی سونا چاندی میں بوجہ موزوں ہونے کے تفاضل حرام ہے۔ اور نوٹ بھی ثمن خلقی یا اس کے حکم میں ہیں۔ اس وجہ سے اس میں بھی تفاضل حرام ہے۔ نوٹ کے ثمن خلقی (سونا چاندی) ہونے پر انہوں نے یہ دلیل دی کہ سو کا نوٹ ہلاک کر دینے پر سو چاندی کے روپے دینے پڑتے ہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ نوٹ ثمن خلقی یعنی عین چاندی ہے۔ نیز انہوں نے کہا۔ کہ پیسے ثمن عرفی ہیں۔ ان میں تفاضل جائز ہے۔ اور پیسوں کے ثمن عرفی ہونے پر یہ دلیل دی کہ کوئی شخص کسی کو ایک چاندی کا روپیہ ادھار دیتا ہے۔ تو ادائیگی کے وقت اگر اسے ایک روپیہ کے بجائے، ایک روپیہ کے پیسے دیئے جائیں تو وہ اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنے روپوں کے بجائے ان پیسوں کو قبول نہ کرے۔

مولانا عبدالحی صاحب کی دلیل کا رکن اول یہ ہے کہ نوٹ ثمن خلقی (سونا چاندی) یا اس کے حکم میں ہے۔ بہر حال نوٹ کا بعینہ سونا چاندی ہونا تو بداہتہً باطل ہے۔ کیونکہ نوٹ اور سونا چاندی دونوں میں ذاتیات اور عوارض کے اعتبار سے تبائن ہے۔ رہا اس کے حکم میں ہونا تو اس پر اعلیٰحضرت نے کثیر وجوہ سے کلام کیا۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ نوٹ کے لئے سونے چاندی کے جمیع احکام ثابت ہیں یا فی الجملہ مثلاً تمول وغیرہ اگر جمیع احکام مراد ہوں، تو قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ سونے چاندی کے زیورات برتن اور لباس ہائے فاخرہ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اور نوٹ کا نہ کوئی لباس بنتا ہے، نہ زیور، نہ برتن اور اگر بعض احکام کے اعتبار سے یہ سونے چاندی کے حکم میں ہے، کہ جس طرح سونا چاندی مال دولت ہے۔ اسی طرح نوٹ بھی مال و دولت ہے۔ تو یہ حکم پیسوں میں بھی مشترک ہے۔ کیونکہ پیسے بھی مال و دولت ہیں۔ پھر نوٹ میں تفاضل کا حرام ہونا۔ اور پیسوں میں جائز ہونا یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ دلیل کا رکن ثانی یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کا سو روپیہ کا نوٹ پھاڑ دے تو اُسے سو روپے (چاندی کے) دینے پڑیں گے، معلوم ہوا کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی یعنی چاندی ہے"

(یہ اس وقت کی بات ہے جب چاندی کا روپیہ ڈھلتا تھا، اب تو اس دلیل کا بطلان اور واضح ہو گیا ہے"۔ (سعیدی)

پس معلوم ہوا کہ نوٹ چاندی کا عین ہے۔ کیونکہ وہ تاوان میں نوٹ کے عوض چاندی کے روپیہ لے رہا ہے۔ الجواب اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ نوٹ گھوڑے کا بھی عین ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کسی کا سو روپیہ کا گھوڑا ہلاک کر دے تو مالک تاوان میں اس سے سو کا نوٹ لے گا معلوم ہوا کہ نوٹ گھوڑے کا عین ہے کیونکہ وہ تاوان میں گھوڑے کے عوض نوٹ لے رہا ہے، ثانیاً یہ اصول ہی غلط ہے۔ کہ سو کا نوٹ ضائع کر دینے پر سو (چاندی کے روپے) دینے واجب ہوں گے۔ کیونکہ جائز ہے کہ وہ اسے تاوان کی صورت میں سو کا دوسرا نوٹ ہی دے دے۔ یا ایک ایک کے سو نوٹ دے یا اٹھنی، چونی اور پیسوں کی شکل میں اسے سو روپیہ پورے کر دے۔

دلیل کا رکن ثالث یہ ہے کہ پیسے ثمن عرفی ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کو ایک روپیہ ادھار دے تو اُسے حق ہے کہ وہ اس کے بدلے میں ایک روپے کے پیسے قبول نہ کرے۔

الجواب، مولوی عبدالحی صاحب کی خیالی دنیا میں ممکن ہے یہ رواج ہو۔ ورنہ واقع اور نفس الامر میں ایسا کوئی قانون رائج نہیں ہے۔ ایک روپیہ اور سو نئے پیسے کی مالیت میں فرق کرنا نہ صرف یہ کہ بداہتہً باطل ہے بلکہ انتہائی مضحکہ خیز۔ فتاوی مذکور میں مولانا عبدالحی صاحب کو ایک اور شبہ لاحق ہوا ہے کہ اگر نوٹ میں تفاضل جائز رکھا جائے۔ تو لوگ سود کے کاروبار کے لئے نوٹ میں تفاضل کے جواز کو حیلہ بنالیں گے۔ اور نوٹ کے حیلہ سے سود کھانا، شروع کر دیں گے۔

الجواب۔ یہ شبہ مشترک ہے۔ کیونکہ پیسوں میں تفاضل کے جواز کو آپ بھی مانتے ہیں۔ پس جنہیں سود کھانا ہو گا۔ وہ پیسوں کے حیلہ سے سود کھانا شروع کر دیں گے۔ (ماخوذ از کفل الفقیہ ص۱۳۲ تا ص۱۶۵)

جناب مولوی عبدالحی لکھنوی کے زیر نظر فتوی پر اعلیحضرت نے ایک سو بیس وجوہ سے گرفت کی ہے۔ ہم نے ان میں سے کل پانچ وجوہ پیش کی ہیں۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ ہم نے یہاں پر اس کی ایک جھلک دکھلائی ہے جس سے آپ کی فقہی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام معاصرین پر آپ کی زبردست ہیبت طاری تھی۔ کیونکہ اس رسالہ کی اسی وقت طباعت ہو گئی تھی۔ اور آج تک کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی اور امام احمد رضا

مولوی رشید احمد گنگوہی کی تحقیق یہ ہے۔ کہ نوٹ اس سونے چاندی کی رسید ہے۔ جو حکومت کے پاس محفوظ ہے اور یہ نوٹ سونا چاندی بھی ہے۔ نیز نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ یہ مبیع نہیں ہے۔ اپنی اس تحقیق کو گنگوہی صاحب نے ایک فتوی میں بیان کیا ہے۔ اعلیٰحضرت نے ان کی اصل تحقیق کا بتیس وجوہ سے رد کیا ہے۔ ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لئے مولوی رشید احمد گنگوہی

کا فتویٰ اور اس پر اعلیٰحضرت کے کلام کا کچھ حصہ پیش کرتے ہیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب لکھتے ہیں۔

نوٹ وثیقہ اوس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے۔ اس واسطے نوٹ میں نقصان آجاوے۔ تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں۔ اور اگر گم ہو جاوے بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ مبیع ہوتا۔ تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے نقصان یا فنا ہو جاوے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپکو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے۔ اور نوٹ نقدین۔ ان میں زکوٰۃ نہیں، اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے۔ اوس پر زکوٰۃ ہوگی، اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے۔ کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے، کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ فقط

بندہ رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ ج۲ ص۱۴۹)

اعلیٰحضرت نے جو اس فتوے پر کلام کیا ہے۔ اسکا ملخص یہ ہے۔ اولاً نوٹ کو رسید قرار دینا بداہۃً باطل ہے۔ کیونکہ رسید کسی معین شخص یا ادارہ کیطرف سے کسی معین شخص یا ادارے کیلئے ہوتی ہے مثلاً زید نے مال کی رسید دی ہے۔ تو اب اس رسید کی رو سے صرف مال دینے کا ذمہ دار ہے، ناکہ ہر کس و ناکس جس کو بھی رسید دی جائے وہ اس رسید پر مال ادا کر دے۔ بخلاف نوٹ کے کہ ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبہ و دیہات میں اس کے عوض اسکی مالیت کے مطابق رائج سکہ مل جائے گا۔ جس طرح مال کی ہر جگہ قیمت لگتی ہے۔ اسی طرح نوٹ کی ہر جگہ قیمت لگتی ہے، معلوم ہوا کہ نوٹ مال کی رسید نہیں۔ بلکہ خود مال متقوم ہے بیچا اور خریدا جاتا ہے۔

ثانیاً۔ یہ فتویٰ خود متناقض لغضب ہے۔ کیونکہ پہلے کہا۔ کہ یہ نقدین (سونا چاندی) کی رسید ہے۔ چند سطر بعد کہا کہ یہ خود نقدین ہے (ہم نے ان متضاد عبارتوں پر خط کھینچ دیا ہے۔ (سعیدی)

ثالثاً۔ نوٹ کو تمسک قرار دیا اور اس پر زکوٰۃ بھی لازم کر دی۔ حالانکہ زکوٰۃ مال پر ہوتی ہے۔ اور تمسک مال نہیں ہے۔

رابعاً۔ نوٹ کے مبیع نہ ہونے پر زکوٰۃ کی بنا کی ہے۔ گویا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ فلہٰذا وہ تمام تجار جن کے پاس لاکھوں روپے کا لیکا ڈ مال ہوتا ہے۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو گئے۔

خامساً۔ کاغذ کو مبیع ہونے کے منافی قرار دیا۔ کیا کاغذ، دنیا میں خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ یا مولوی صاحب کے گاؤں میں ابھی تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ کاغذ بھی بکتا ہے۔ (ماخوذ از کفل الفقیہ ص۱۲۳ تا ص۱۳۳)

مولوی اشرف علی تھانوی اور امام احمد رضا

اشرف علی تھانوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ جس طرح اذان میں نام مقدس پر انگوٹھے چومے جاتے ہیں۔ کیا اس طرح اقامت میں بھی نام اقدس پر انگوٹھے چومنا جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اقامت تو بجائے خود اذان میں بھی انگوٹھے چومنا جائز نہیں۔ اعلیٰحضرت نے اس جواب کو تیس سے زائد وجوہ سے رد کیا۔ ہم ذیل میں تھانوی صاحب کا فتویٰ اور اس پر اعلیٰحضرت کے تعاقب کی ایک جھلکی پیش کرتے ہیں۔

فتویٰ

اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے۔ وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامی بعد نقل اس عبارت کے لکھتے ہیں۔ وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئ انتہی (شامی جلد اول ص۲۶۷) مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں۔ پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ یہ عبارت شامی کی ہے۔ ونقل بعضھم ان القہستانی ھامش نسخۃ ان ھذا مختص بالاذان واما فی الاقامۃ فلم یوجد بعد الاستقصاء التام ج۱ ص۲۶۷ (فتاویٰ امدادیہ ج۴)

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) تقبیل ابہامین حدیث موقوف سے ثابت ہے۔ اور اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث وارد نہیں۔ اور جب تقبیل ابہامین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔ تو یہ عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔

۲۔ صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا، جیسا کہ تھانوی صاحب نے اپنے فتویٰ میں کہا کہ تقبیل فی الاذان کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔ فن حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ کتب رجال میں جا بجا مذکور ہے۔ یعتبر بہ ولا یحتج بہ اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں۔ اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔

۳۔ تھانوی صاحب نے اذان میں انگوٹھے چومنے کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ جس جگہ کی عبارت نقل کی ہے۔ اس سے متصل شامی نے بیان کیا کہ اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ اور استحباب کو قہستانی نے فتاویٰ صوفیہ اور کنز العباد سے بھی نقل کیا۔ ملاحظہ ہو۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشہادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منہا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع

جب اذان میں پہلی بار اشھد ان محمدا رسول اللہ سنے تو کہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر دونوں انگوٹھے آنکھوں پر

والبصر بعد وضع ظفر الابهامین علی العینین فانه علیه السلام قائدٌ له الی الجنة ۔ کذا فی کنز العباد اھ قہستانی ونحوہ فی الفتاوی الصوفیہ	رکھنے کے بعد کہے اللهم متعني بالسمع والبصر۔ پس اس شخص کی نبی علیہ السلام جنت میں قیادت فرمائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد قہستانی اور فتاوی صوفیہ میں ہے

اس عبارت کو تھانوی صاحب صاف گول کر گئے، تاکہ اذان میں انگوٹھے چومنے کو بدعت قرار دینے کا جواز پیدا ہو سکے۔ اور قہستانی کی وہ مجہول نقل ذکر کر دی۔ جس میں انہوں نے یہ ذکر کیا۔ کہ مجھے اقامت میں انگوٹھے چومنے کی روایت نہیں ملی۔

۴۔ تھانوی صاحب نے سلب کلی کر دیا۔ کہ اذان میں تقبیل کسی معتبر روائیت سے ثابت نہیں۔ حالانکہ ایک ہزار سے زیادہ کتب فقہ میں یہ روایت موجود ہے۔

۵۔ قہستانی کی نقل مجہول ہے۔ اور خود شامی نے ج ۲ ص ۱۲۵ پر تصریح کی ہے۔ نقل مجہول مقبول نہیں ہوتی لا یکفی فی النقل لجہالتہ

۶۔ علی التنزل اگر اس نقل کو قبول بھی کر لیا جائے تو یہ نفی روایت ہے۔ روایت نفی تو نہیں ہے۔ اور تھانوی صاحب کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ نفی ثابت کرنے کے لئے روایت نفی کی ضرورت ہے۔ نفی روایت کی نہیں۔

۷۔ کسی فعل کو مکروہ ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس فعل پر نہی خاص موجود ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

لا یلزم منه ان یکون مکروها الا بنهی خاص لان الکراهة حکم شرعی فلا بد له من دلیل	بغیر نہی خاص کے کوئی فعل مکروہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے۔ اس کیلئے دلیل خاص ضروری ہے۔

ردالمحتار ج ۱ ص ۶۸۴

پس اقامت میں تقبیل سے روکنے کے لئے نہی بالخصوص ضروری ہے۔ وبدونہ خرط القتاد محض ثبوت کی روائیت کا نہ ملنا۔ اسکی کراہت کیلئے کافی نہیں۔ صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں۔ لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراهة اذ لا بد لها من دلیل خاص ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے پس نفی روایت سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک کہ روایت نفی نہ ہو۔

(بحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۶)

۸۔ اقامت میں نام اقدس سنکر انگوٹھے چومنا نام اقدس کی تعظیم ہے۔ اور اسکا منشاء بھی موجود ہے۔ پس اقامت میں نام اقدس سنکر انگوٹھے چومنا ادب وتعظیم کے قبیل سے ہے۔

محقق علی الاطلاق ابن ہمام فرماتے ہیں۔

کل ما کان ادخل من الادب والاجلال کان حسنًا	ہر وہ کام جو ادب اور تعظیم میں داخل ہو۔ حسن ہے۔

امام ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں۔

تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیها مشارکۃ اللہ تعالی فی الالوهیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارهم اھ	تمام انواع تعظیم سے نبی علیہ السلام کی تعظیم کرنا۔ جن میں اللہ تعالی کی الوہیت میں مشارکت نہ ہو۔ اہل بصیرت کے نزدیک امر مستحسن ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اذان میں تقبیل مذکور ثابت ہے۔ اور اقامت میں جائز اور مستحسن ہے۔ جائز اس لئے ہے کہ اسکی نفی ثابت نہیں ہے۔ اور مستحسن اس وجہ سے ہے کہ یہ تعظیم رسول کا ایک فرد ہے اور تعظیم رسول کم از کم مستحسن ہے۔

(محصلہ فتاوی رضویہ ج دوم ص ۴۸۳ تا ص ۴۹۶)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور امام احمد رضا

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ مصدقہ گنگوہی میں سنت اور بدعت کا ایک فقہی ضابطہ بڑے فخر کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ اعلیحضرت نے اسی ضابطہ کا کئی وجہ سے احتساب کیا ہے۔ ہم انبیٹھوی صاحب کا ضابطہ بیان کرنیکے بعد اعلیحضرت کے احتساب کا کچھ ملخص پیش کریں گے۔

مولوی انبیٹھوی صاحب لکھتے ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو۔ خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا یا نہ ہو وہ سب سنت ہے۔ اور وہ بوجوہ شرعی ان قرون میں موجود ہے۔ اور جس کے جواز کی دلیل نہیں، تو خواہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہو وہ سب بدعت ضلالۃ ہے۔ اس قاعدہ کو خوب سمجھ لینا ضروری ہے۔ مؤلف اور اس کے اشیاع نے اس کی ہوا بھی نہ سونگھی۔ اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہابذہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں۔ کہ موافقین کو نفع اور مخالفین کو شاہد ہدایت حاصل ہو الخ

ملخصاً (براہین قاطعہ ص ۲۸ تا ص ۲۹)

امام احمد رضا کا تعاقب

مولوی انبیٹھوی صاحب نے اپنے اس کلام میں جواز شرعی کی دلیل کے وجود و عدم کا سنت و بدعت میں حصر عقلی کر دیا۔ پس استحباب اباحت اور کراہت تنزیہی ان تمام احکام کی نفی ہو گئی۔ کیونکہ جس امر کے وجود کی دلیل شرعی پائی گئی وہ سنت ہے۔ استحباب اور

اباحت کے ثبوت کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اور جس امر کے جواز کی دلیل شرعی نہ پائی گئی وہ بدعت وضلالت ہوگا۔ پس کراہت تنزیہی کا رفع ہوگیا۔

(محصلہ فتاوی رضویہ جلد دوم ص ۴۵۸ تا ص ۴۵۹)

اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی جس قدر انواع پر کام کیا ہے۔ اگر ان تمام کا احصاء کیا جائے تو اس کے لئے بھی ایک عظیم دفتر کی ضرورت ہے۔ یہ مختصر مقالہ اعلیحضرت، عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں کی تمام فقہی خصوصیات کو پیش کرنے سے یقیناً قاصر ہے۔ تاہم اعلیحضرت کی فقہی تحقیقات میں سے چند انواع کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ تاکہ اس کا مطالعہ قارئین کو اعلیحضرت کے فقہی تبحر سے ایک حد تک روشناس کر سکے۔

امام احمد رضا کا فقہی مقام

جن امور کو اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اعلیحضرت میں اصولیین فقہاء اور متصوفین تینوں کی تعریفات کے اعتبار سے فقہ کی معنویت پائی جاتی ہے۔ طبقاتِ فقہاء کے اعتبار سے اعلیحضرت کا موازنہ کریں، تو پتہ چلتا ہے کہ قواعد شرعیہ وضع کرنے کی وجہ سے آپ میں طبقہ اولی یعنی ائمہ اربعہ کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ غیر منصوص مسائل کو قواعد امام سے استخراج کرنے کی وجہ سے خصاف اور طحاوی کی طرح طبقہ ثالثہ میں قدم راسخ رکھتے ہیں۔ روایات میں ترجیح اور تفصیل کے سبب طبقہ رابعہ اور خامسہ کے فقہاء سے کسی طرح کم نہیں۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں۔ جس میں فقہاءِ سابقین کی تصریحات سے زیادہ مسائل متفرع کئے ہوں جو امور متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے۔ انہیں انتہائی لطافت کے ساتھ واضح کر کے دلائل و براہین سے مزین کیا۔ معاصرین فقہاء کی غلطیوں پر انہیں ان گنت وجوہ سے متنبہ فرمایا۔ فقہی مباحثہ میں جو طبعی و ریاضی کے مسائل آ گئے۔ تو ان پر ایسے اچھوتے انداز میں بحث کی ہے۔ کہ فارابی اور شیخ بھی دبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انصاف اور دیانت کی نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اعلیحضرت نے فقہ میں وہ مقام حاصل کیا۔ جس کی نظیر صدیوں پیچھے نہیں ملتی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

امام احمد رضا اور

سہولیات شرعیہ

از: الحاج محمد علی رضا قادری ایم اے سی ٹی
انسپکٹر آف اسکولس مظفرپور

محترم الحاج محمد علی رضا صاحب قادری، ضلع مظفر پور بہار کے انسپکٹر آف اسکولس ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں بغداد شریف، کربلائے معلی، نجف اشرف کی زیارتوں سے مشرف ہوکر براہ تبوک مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اس کے بعد فریضہ حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوکر واپس وطن لوٹے۔ مذہبی دلچسپی بے پناہ ہے بلکہ صورۃً و سیرتاً اور قلباً و قالباً سنی مسلمان ہیں ——————— ایڈیٹر

اسلام کے احکام و عقائد ہر دور میں یُسر و تسہیل کے حامل رہے ہیں۔ ہر آسمانی کتابوں میں عزیمت و رخصت کا تذکرہ ضرور رہا ہے۔ جب اسلام اپنے منازل و مراحل طے کرتا ہوا آخری منزل تکمیل میں داخل ہوا اور "الیوم اکملت لکم دینکم" الخ کے مژدہ جانفزا سے دنیا کو نوازا اور آخر الانبیاء صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات نے دنیا کے سامنے "تحفہ قرآن" پیش فرمایا۔ پھر اپنے کلام بلاغت نظام "انما رحمتہ مہداۃ" سے دنیا والوں کو رحمت و رافت کا نغمہ سنایا۔ یعنی میں دنیا میں رب رحیم کی طرف سے بندوں کیلئے "ہدیۂ رحمت" ہوں۔ اسی ارشاد رحمت کا فطری تقاضہ و منطقی نتیجہ ہے کہ اسلامی شریعت کی بنا یُسر و تسہیل پر رکھی گئی ہے۔ اس دعویٰ کا ثبوت قرآن عظیم میں بھی ہے اور احادیث کریمہ میں بھی۔

قرآن کریم میں شرعی سہولتیں۔ سورہ بقر دوسرا سپارہ سیقول کے اندر روزہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد ربانی ہے "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ اس آیت کریمہ کے سباق و سیاق شاہد ہیں کہ روزہ کے سلسلہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ روزہ صرف اسی امت پر فرض نہیں کیا گیا، روزہ کی فرضیت کوئی انوکھی و نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس امت مرحومہ کے پہلے جتنی امتیں گزری ہیں ان پر بھی روزہ فرض کیا گیا تھا۔ یہ اسلوب و بیان و طرز ادا شرعی آسانی و دینی تیسیر کا غماز ہے کیوں کہ بظاہر اس فرض کی ادائیگی مشقت خیز ہے۔ بھوک و پیاس کی سوزش یقیناً عُسر و سختی کا پہلو رکھتی ہے۔ اس احساس مشقت کو حکیمانہ انداز سے دفع کیا گیا ہے کہ تنہا تم ہی پر تو روزہ فرض نہیں ہوا بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھا۔ آخر وہ بھی اولاد آدم ہی تھیں، انھوں نے اس فرض کو کس طرح ادا کیں۔ اگر واقعی اس کی ادائیگی ناقابل برداشت مشقت ہوتی تو وہ امتیں کبھی اس فریضہ سے عہدہ برآ نہ ہوتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریضہ صیام کو مشقت آفریں سمجھنا فریب نفس ہے جو مسلمانوں کو اس سے عظیم تر جہنم کی مشقت میں دھکیل دینا چاہتا ہے۔ لوگوں کو یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ جس مالک نے سال بھر انواع و اقسام کے کھانے کھلائے ہیں اگر اس نے امتحاناً ادائے شکر کے لئے گنتی کے چند دن کھانا پینا چھوڑ دینے کا حکم صادر فرمایا ہے تو گیارہ مہینے کے عیش کے مقابل ایک مہینہ کا روزہ رکھ لینا وہ بھی صرف دن بھر کوئی مشقت کی چیز نہیں، بلکہ آخرت کے لحاظ سے آسانی ہی آسانی ہے۔

۲۔ اس ضمن میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ روزہ تو فرض کیا گیا ہے لیکن اس فرضیت کے ساتھ یہ آسانی بھی عطا کی گئی ہے کہ جب تم مریض ہو یا مسافر اور اس حالت میں روزہ رکھنا دشوار ہو تو روزہ نہ رکھو، پھر جب صحت یاب ہو جاؤ یا مقیم تو چھوڑے ہوئے روزے رکھ لو۔ اس بیان کے بعد ہی آیت تیسیر ہے۔ سطور بالا میں جس کی تلاوت کی گئی ہے۔ مقصود بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے، حاکم علی الاطلاق ہے، بادشاہ ذوالجلال و بے نیاز ہے وہ جو چاہے حکم دے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس مالکانہ و حاکمانہ شان کے باوجود اس انداز تلطف نے فرضیت صیام کو پیش کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ بندوں کے ذہن میں شریعت اسلامی کے تیسیری پہلو کو جاگزیں کرنا ہے۔

دوسری آیت کریمہ جس کو پیش کر رہا ہوں وہ سورۂ حج سترہویں پارہ میں ہے، "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی، (بلکہ ضرورت کے موقعوں پر تمہارے لئے سہولت کر دی جیسا کہ سفر میں نماز کا قصر اور روزے کے افطار کی اجازت اور پانی نہ پانے یا پانی کے ضرر کرنے کی حالت میں غسل اور وضو کی جگہ تیمم۔ تو تم دین کی پیروی کرو۔) (تفسیر خزائن العرفان کی تفسیری عبارتیں ہیں۔)

اس طرح سورۂ توبہ اور سورۂ نور میں عذر مندوں، بیماروں، کمزوروں

اندھوں، لنگڑوں سے دفع حرج و شرعی آسانیوں کا بیان ہے۔ ان آیات سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ شریعت مصطفویہ کو سہولت عباد کا اہتمام تام ہے یہ تو اس عنوان پر قرآن حکیم سے ربانی شان ربوبیت کی جھلک ہے۔ اب نبوت و رسالت کے ارشاد کی تجلیاں بھی مشاہدہ فرمائیں۔

شرعی سہولت و تیسیر اور ارشادات رسالت۔

مالک عرش و فرش حبیب کبریا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس عنوان پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو حدیث پاک کی مشہور و متداول کتاب "مشکوٰۃ شریف" کے باب" ما علی الولاۃ من التیسیر" میں ملاحظہ فرمائیں۔

فرمان رسالت کا خلاصہ۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب آپ کسی صحابہ کو کسی دینی امر کے لئے کہیں بھیجتے تو فرماتے " بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا " یعنی جہاں جارہے ہو وہاں لوگوں کو طاعات و عبادات پر ثوبات و اجور کی بشارت دینا۔ انھیں معاصی کے ارتکاب پر ڈرانے، خوف دلانے میں اتنا مبالغہ نہ کرنا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالٰی کی رحمت سے ہی آس توڑ بیٹھیں۔ اور قانطین محض بن جائیں۔ اور لوگوں پر دینی امور میں سہولت و آسانی سے پیش آنا۔ اور انھیں حدود شریعت سے زیادہ تنگی و صعوبت میں نہ ڈالنا۔

ایک دفعہ حضور سراپا نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہما کو یمن کی طرف مبعوث فرمایا۔ روانہ کرتے وقت یہ ہدایت فرمائی۔ یسروا ولا تعسرا۔ وبشرا۔ ولا تنفروا وتطاوعا ولا تخلفا"

لوگوں کے ساتھ آسانی و سہولت سے پیش آنا۔ تنگی و دشواری پیدا نہ کرنا۔ مژدہ رساں و بشیر بننا۔ منفر نہ ہونا۔ تم دونوں متفقانہ فیصلہ کرنا، آپس میں اختلاف پیدا نہ کرنا۔

قرآن حکیم و احادیث نبوی کی روشنی میں علمائے کرام و فقہائے عظام اور شریعت اسلامی کے شارحین نے قوانین شریعت کے ہر باب میں دینی سہولت و شرعی آسانی کے چہرۂ زیبا کی جھلک دکھائی ہے۔

سرزمین ہند کی عظیم شخصیت

چودھویں صدی میں خاک ہند نے ایک ایسی ذات کا تعارف پیش کیا ہے جو صرف ہند ہی میں نہیں بلکہ سارے اسلامی ممالک میں ایک منفرد، بے سہیم و عدیل ذات تھی جس کو عقیدت کیش و نیاز آگیں حضرات امام احمد رضا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جن کی سب سے بڑی ریاضت شریعت کا اظہار تھا۔ جن کا سلوک تھا تو سلوک شریعت۔ جن کی یاداشت تھی تو حفاظت شریعت و دین کی پاسبانی۔ جن کے اوراد و وظائف تھے تو احکام شریعت۔ اور شرعی عقائد و احکام کو ہر آمیزش اور ملاوٹ سے بچانا۔ شرعی تیسیر کو تیسیری صورت سے پیش کرنا۔ شرعی تعزیر کو اسی کے رنگ میں بیان کرنا۔ اپنی طرف سے بے جا نرمی و گرمی کو نہ آنے دینا۔ کسی مصلحت دنیوی کو مصالح دینی سے خلط ملط نہ ہونے دینا۔ ان اوصاف کو دیکھتے ہوئے دل گواہی دیتا ہے کہ واقعی قبائے منصب افتا امام احمد رضا ہی کے علمی قد زیبا کو ان کے دور میں زیب دیتی ہے۔

امام احمد رضا کے اکابر معاصرین

آپ کے زمانے میں اپنے اور غیر بڑے بڑے علما تھے۔ ان حضرات نے بھی فتاوے لکھے ہیں مگر کسی کے فتاوے فتاویٰ رضویہ کے کسی جز کے سامنے موازنتاً پیش نہیں کئے جا سکتے۔ اگر میری یہ رائے غلط اور عصبیت آمیز ہے تو بڑا احسان و کرم ہوگا۔ اگر دور حاضر کا کوئی مکتب فکر اپنے اکابر کے فتووں کو میزان موازنہ میں تول کر ثابت فرمادے کہ ان کے بڑوں کے فتوے کی ترازو کا پلہ جھکا ہوا ہے، جھکا ہوا نہ سہی برابر ہی ہو، اس کا ثبوت پیش فرمائے۔

ہم نے ان فتووں کو جہاں تک دیکھا ہے اس میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ درست ہے، جائز ہے، بدعت ہے، شرک ہے۔ اگر کسی نے کچھ کاوش بھی کی ہے۔ تو جزیہ مسئولہ کے ثبوت کے لئے کسی ایک دو فقہی کتابوں سے کچھ عربی عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ مگر ان میں علمی مباحث کہاں؟ فنی و فقہی گہرائی و گیرائی ناپید۔ عقلی و نقلی دلائل کی بحر ذخاری تو دور کی بات ہے ساحلی و سطحی نمود بھی نہیں۔ اگر ان ایمانی و علمی مناظر کی دل کشی و تجلیوں سے آپ چشم و دل کو روشن و پر نور کرنا چاہتے ہیں تو اس دل آویزی و دل کشی کے لئے صرف اعلحضرت ہی کا علمی دربار ہے۔

" دونہ خرط القتاد " آیئے، دربار رضا کی علمی تو یزروں کا مشاہدہ فرمایئے۔

" العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ "

امام احمد رضا کے فتاوے جو درحقیقت عطیات نبویت ہیں جس کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں۔ اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ" کتاب الطہارت باب التیمم" پیش نظر ہے۔ اسی سے شرعی سہولتوں کے چند اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

شریعت کی رحمت

فتاویٰ رضویہ باب التیمم صفحہ ۶۱۱ مطالعہ فرمائیں۔

مرقومہ ذیل عبارتیں وہیں سے نقل کی گئی ہیں۔

تنبیہ۔ رحمت العالمین بالمومنین رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی رحمت دیکھئے۔ ہمارے صرف میل بھر چلنے کی مشقت پر ایسا لحاظ فرمایا کہ اس کیلئے وضو بلکہ بحال جنابت غسل کی ضرورت نہ رکھی۔ تیمم جائز فرما دیا۔ اگرچہ آدمی خود اپنے شہر میں ہو۔ بلکہ سفر میں جس طرف جانا ہے اسی طرف میل بھر ہو، جب بھی یہاں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ یہ میل خود ہی طے کرے گا۔ ہاں جس طرف جانا ہے اُدھر ہی پانی ہے اور جانے میں وقت کراہت نہ آجائے گا تو مستحب ہے کہ وہاں پہنچکر پانی ہی سے طہارت کر کے نماز پڑھے۔ الخ

دوسرا اقتباس صفحہ ۶۱۳

تنبیہ۔ شریعت مصطفےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیکھئے۔ ہمارے ایک ایک پیسے پر لحاظ فرمایا گیا۔ نہانے کی حاجت ہے اور وہاں قابل غسل پانی کی قیمت ایک پیسہ ہو

اور جس کے پاس ہے وہ روپے مانگتا ہے۔ پیسہ زیادہ نہ دو اور تیمم کرکے نماز پڑھ لو۔ ایسی رحمت والی شریعت کے کسی حکم کو کڑا سمجھنا یا شامت نفس سے بجا نہ لانا کیسی ناشکری و بے حیائی ہے۔ مولیٰ عزوجل صدقہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کا اس فقیر عاجز اور سب اہل سنت کو کامل اتباع شریعت کی توفیق بخشے اور اپنی رحمت سے قبول فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علےٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہٖ اجمعین "!

تیسرا اقتباس صفحہ ۶۱۵

شریف زادی پردہ نشین کہ باہر نکلنے کی قطعاً عادی نہیں۔ اگر گھر میں پانی نہ ہے نہ باہر سے کوئی لا دینے والا ہو تو رؤف۔ رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت سے امید ہے کہ اسے اجازت تیمم ہو اور پانی پانے پر اعادہ کی بھی حاجت نہ ہو۔

عادت پردہ میں عورات کے اقسام اور دوبارہ تیمم ان کے احکام

تفصیل اس کی یہ کہ عورات چند قسم ہیں ایک وہ کہ دن دھاڑے مونھ کھولے بے تکلف بازاروں میں پھرتی ہیں۔ یہ مطلقاً مردوں کی مثل ہیں مگر چادر نہ پائیں۔

اول اگرچہ خود بد لحاظی سے پھرنے کی عادی ہوں کہ وہ حرام ہے اور شرع حرام کا حکم نہیں دیتی۔ دوسری وہ کہ برقعہ اوڑھ کر دن کو آتی جاتی ہیں یہ بھی معذور نہیں ہو سکتیں۔ مگر ایسی حالت میں کہ برقع یا چادر نہ پائیں۔ تیسری وہ کہ رات کو چادر اوڑھ کر دوسرے محلوں تک جاتی ہیں، جس طرح رام پور و بدایوں کے بہت گھروں کی رسم سنی گئی ان کیلئے دن میں شاید عذر ہو سکے۔ شب میں ہرگز نہیں۔ مگر یہ کہ کنویں پر مردوں کا مجمع ہو اور یہ مجمع میں چادر اوڑھ کر شب کو بھی نہ جا سکتی ہو۔

چوتھی وہ کہ شب کو چادر کے ساتھ بھی دور نہ جا سکے۔ صرف اس کی عادی ہو کہ گھر سے نکل کر سامنے کے دروازے میں دو قدم رکھ کر چلی جائے۔ اس کیلئے اگر کوان ایسا ہی قریب ہے اور اس پر مرد نہیں تو عذر نہیں' اور اگر کوان دور ہے یا وہاں مردوں کا اجتماع ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ معذور ہے۔

پانچویں وہ کہ گھر سے باہر قدم رکھنے کی مطلقاً عادی نہیں۔ جس طرح بحمد اللہ تعالیٰ بریلی میں شریف زادیوں کا دستور ہے۔ یہ ہر طرح معذور ہے اور کیوں کر اسے مجبور کیا جائے گا حالاں کہ اس نے کوان دیکھا تک نہیں نہ اس تک راہ جانتی ہے نہ کسی سے پوچھ سکے گی نہ اس کے قدم اٹھیں گے۔" ولا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" عادت چھڑانے میں حرج ہے خصوصاً وہ نیک عادت کہ کمال حیا پر مبنی ہو اور حیا جتنی زائد ہو اسی قدر بہتر۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" الحیا خیر کلہ" حیا سراسر بہتر ہے۔ رواہ البخاری ومسلم و ابو داؤد والنسائی عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابۃ جمیعا"

اوپر گذرا کہ شریعت مطہرہ نے ہمارے ایک پیسے کا لحاظ فرمایا۔ کہ پانی بیچنے والا پیسہ کی جگہ دو مانگتا ہو نہ دو اور تیمم کر لو۔ ان شریف زادیوں کو اگر کوئی دس روپے بلکہ باعتبار حیثیت ہزار روپے دے اور کہے کنوئیں سے پانی بھر لاؤ۔ ان سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ وللہ الحمد تو یہ اس پر کیوں کر مجبور کی جائیں۔

یہ ہے وہ جو براہ تفقہ ذہن فقیر میں آیا۔

ولا اقول انہ حکم اللہ عزوجل بل ارجو ان یکون حکمہ تعالیٰ فلینظر فیہ العلماء الذین لھم عین یبصرون بھا ولھم قلوب یفقھون بھا واللہ یھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل،

شریعت مطہرہ نے جو بھی سہولتیں، رخصتیں عنایت کی ہیں اس میں رحمت بالائے رحمت، کرم بالائے کرم یہ ہے کہ متقی و عاصی اطاعت گذار عصیان شعار سب کے لئے باب رحمت کشادہ ہے۔ سب کیلئے عام ہے۔ استفادہ سے کسی کو بھی روکا نہیں گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی فتاویٰ رضویہ باب التیمم" کے حواشی و تراجم کی کچھ عبارتیں نقل کی جا رہی ہیں' مطالعہ فرمائیں۔

فتاویٰ رضویہ صفحہ ۶۲۶ کا حاشیہ جو اصل کتاب کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ ہے شریعت مطہرہ نے جو رخصتیں عنایت فرمائی ہیں' مثلاً مسافر روزہ قضا کر سکتا ہے چار رکعتیں فرض کی دو پڑھے گا۔ پانی میل بھر دور ہو تو نمازی تیمم کرے۔ ان میں مطیع و عاصی سب شریک ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے کسی ناجائز کام کیلئے سفر کیا ہو وہ بھی قصر کرے گا، اور روزہ قضا کر سکے گا۔ اور جو معاذ اللہ زنا سے جنب ہوا اور پانی نہ پایا تیمم کریگا۔"

اسی طرح کا دوسرا اقتباس ملاحظہ فرمائیں جو صفحہ ۶۱۵ پر ہے جس میں ایک ظالم و غاصب کیلئے بھی وہی رعائت ہے جو ایک نیک شعار۔ اتقا پرور کیلئے ہے۔

پانی پینے کی سبیل سے وضو کی اجازت نہیں' اگر صرف وہی پانی ہو تیمم کرلے اور اگر کوئی شخص ظلم و غصب کا عادی ہو تو اسے بھی تیمم ہی کا حکم ہوگا۔ یہ نہ فرمایا جائے گا کہ تو تو غاصب ہے اسے غصب کر کے وضو کر۔

شرعی سہولت کی کچھ اور نظیریں

۱۔ مسافر ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین بھیگی ہوئی اور ناپاک ہے' کہیں نماز پڑھنے کی جگہ نہیں۔ اگر جلدی کر کے وہاں سے نکل سکتا اور پاک زمین نماز کیلئے پا سکتا ہو تو ایسا ہی کرے۔ اور اگر دیکھے کہ جب تک وقت جاتا رہے گا تو وہیں اشارے سے پڑھ لے اور اس نماز کا پھیرنا بھی ضرور نہیں۔

۲۔ جو ایسی جگہ ہو جہاں نہ پانی نہ پاک مٹی وہ نمازوں کے وقت نماز کی صورت ادا کرے۔ حقیقتاً نماز کی نیت نہ ہو۔ پھر قدرت پانے پر ان نمازوں کی قضا پڑھے۔

۳۔ اگر کیچڑ کے سوا تیمم کو کچھ نہ ملے تو اگر وقت میں وسعت ہے' کپڑا یا اپنا پاؤں مثلاً اس سے سان لے' جب خشک ہو جائے تو اس سے تیمم کرے۔

یہ جزیئے۔ باب التیمم فتاویٰ رضویہ کے حاشیائی ترجمے ہیں۔ صفحہ ۷۰۳، ۷۰۴، وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد رضا کی اتفاقی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ پونے دو سو صورتیں' پانی سے عجز کی گنا دیں جن کے بعد تیمم روا ہے، اس کے علاوہ ایکسو اکیاسی ایسی شمار کرا دیں جن سے تیمم کرنا جائز ہے اور ایکسو ۳۰ ایسی چیزیں بتا دیں جن سے تیمم ناجائز ہے

امام احمد رضا

فقیہ ہندوستان

از: مولینا عبد القدوس مصباحی نائب صدر مدرس
دار العلوم اسحاقیہ جودھپور، راجستھان۔

ابتدائیہ آفرینش سے سنّت الہیہ جاری ہے کہ جب بھی اس خاکدان گیتی پر کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا چھائی، الحاد و بے دینی کا دور دورہ ہوا تو اس نے اپنے ایسے مقرب اور برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا جنھوں نے کفر و شرک کی دھجیاں اڑا دیں اور الحاد و بے دینی کی جگہ کلمۂ توحید بلند فرما کر ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیئے!

ان مقدس اور برگزیدہ ہستیوں میں انبیاء و رسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی باعصمت ذات والاصفات ہیں جو حسب تقاضا و ضرورت مطلع رسالت و نبوت پر طلوع ہوتی اور تیرہ و تاریک فضا میں انوار بکھیرتی رہیں۔ لیکن جب باب نبوت و رسالت پر آہنی قفل ڈال دیا گیا اور کفر و شرک، الحاد و بے دینی نے سر اٹھایا تو حضرات صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین اور فقہائے کرام اس کی سرکوبی فرماتے رہے۔

فقہائے کرام میں ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم افق فقاہت پر طلوع ہوتے۔ ظلم و عدوان سہے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن بڑی بیباکی، بلا لحاظ لومۃ لائم کلمۂ حق بلند فرماتے رہے اور ان کی زبان حال پکار پکار کہتی رہی۔ ؎

دار ہو سولی ہو پہاڑوں کی نظیر
نعرہ اپنا ہر بلندی سے سنا سکتے ہیں ہم

انیسویں صدی اپنے نصف مراحل طے کر چکی تھی۔ سرزمین ہند ماتم کناں اور غمگسار تھی۔ اس کی فضائے بسیط میں آہ و فغاں کے نالے بلند تھے۔ ذرہ ذرہ رحمت باری کا منتظر، شمال و جنوب کا کونہ کونہ سسک رہا تھا۔ مشرق و مغرب کا گوشہ گوشہ سوگوار تھا۔ عقیدتمند بے چین و بے قرار تھے۔ حق پرستوں کی صدائے حق جبر و اکراہ کے ہنگاموں میں دبائی جا رہی تھی۔ ناموس رسالت پر مرمٹنے والے ماہی بے آب تھے ایک طرف اغثنی یا رسول اللہ، المدد یا غوث کے دل ہلا دینے والے نعرے حرمت نبوت پر بازی لگا دینے والوں کے دلوں میں ہیجان برپا کر رہے تھے تو دوسری طرف شرک و بدعت، الحاد و کفر کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی!

غرض ایسی ہولناک فضا میں حق پرستوں کی صدائے حق رنگ لائی۔ آہ و فغاں باب اجابت سے ٹکرائی۔ سرزمین بریلی رشک ثریا بنی، اقبال مندی کا ستارہ چمکا، شب دیجور کے تار تار بکھر گئے۔ پو پھٹی، خورشید ولایت اور ماہتاب مجددیت و فقاہت افق بریلی پر نمودار ہوا اور اعلیحضرت مجدد دین وملت فقید المثال فقیہ مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ۔ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ بوقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو مطلع شہود پر جلوہ گر ہوئے۔

اعلیحضرت کے آبا و اجداد فضل و کمال کے تاجدار اور علم و عمل کے شہنشاہ تھے آپ کی پانچویں پشت میں حضرت مولانا محمد اعظم خاں صاحب علیہ الرحمہ زہد و اتقاء میں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے۔ شاہزادہ کا تکیہ محلہ معماران بریلی میں قیام پذیر تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ کاظم علی خان صاحب علیہ الرحمہ ہر جمعرات کو آپ کے در پر حاضری دیتے اور گرانقدر رقوم قدموں پہ نثار کرتے۔

ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت مولانا شاہ محمد اعظم خاں علیہ الرحمہ کڑاکے کی سردی میں آگ کے پاس رونق افروز ہیں۔ سردی کی کوئی سرمائی پوشاک نہیں۔ حضرت مولانا حافظ کاظم علی خاں علیہ الرحمہ نے اپنا بیش بہا دوشالا اتار کر والد ماجد کے جسم اطہر پر ڈال دیا حضرت نے انتہائی استغنا اور بے پرواہی سے اتار کر آگ میں رکھدیا۔ حضرت حافظ صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کاش یہ دوشالا کسی اور کو عطا کر دیا جاتا۔ ادھر چشم ولایت نے وسوسہ کو دیکھ لیا۔ حضرت شاہ صاحب نے بھڑکتی آگ سے دوشالا نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کاظم! فقیر کے یہاں دھکر پکڑ کا معاملہ نہیں۔ لے اپنا دوشالا۔ دیکھا تو دوشالا صاف شفاف جوں کا توں نکلا۔ ایک تار بھی متاثر نہیں ہوا۔

یہ کرامت مظہر ہے اس معجزۂ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کا جبکہ مختار دو عالم علیہ السلام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دعوت میں کھانا تناول فرما کر دست اختیاری حضرت انس کے دسترخوان میں مس فرمایا تو اس کی اثر پذیرائی یہ ہوئی کہ حضرت انس کا وہی دسترخوان جو کثرت استعمال سے میلا ہو گیا تھا ایک مرتبہ کسی دعوت میں حضرت

انس نے دسترخوان کو دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ دہکتی آگ نے دسترخوان کا ایک ریشہ بھی نہیں جلایا بلکہ ایسا صاف وشفاف ہو کر نکلا کہ میل کا نام ونشان بھی باقی نہ تھا۔ یہ آبائی فیضان تھا اعلحضرت پر کہ افق تجدید پہ ماہتاب اور مطلع فقاہت پر آفتاب بنکر چمکے۔ اعلحضرت جب اپنے استاد سے ناظرہ کلام پاک تعلیم حاصل کر رہے تھے استاد زبر بتاتے اور آپ زیر پڑھ رہے تھے۔ آپ کے جد امجد علیہ الرحمہ نے یہ کیفیت دیکھ کر آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور قرآن پاک کے اوراق الٹ کر ملاحظہ فرمایا تو واقعی کتابت کی غلطی سے بجائے زیر زبر لکھا ہوا تھا اور صحیح وہی تھا جسے اعلحضرت پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ کے جد امجد نے ارشاد فرمایا بیٹا! مولوی صاحب جو پڑھا رہے تھے اسے تم نے کیوں نہیں پڑھا۔ عرض کی! ارادہ کرتا تھا کہ استاد کی تعلیم کے مطابق پڑھوں لیکن بجائے زبر زیر زبان زد ہو جاتا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایام طفولیت ہی سے غلط روی سے محافظت کی گئی۔ اور صحت وصراط مستقیم پر چلنا ودیعت کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ دوست و دشمن نے دیکھا کہ آپ رشد وہدایت کے بدر کامل بنکر چمکے اور ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر گامزن فرمایا۔

اعلحضرت رضی اللہ عنہ کی فقاہت پر اولین شہادت اور مستند ثبوت یہ ہے کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے فارغین عموماً اور عادۃً افتاء کے فرائض منصبی سے ناآشنا ہوتے ہیں لیکن آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر بعمر ۱۴ سال مسند افتاء پر رونق افروز ہوئے اور سب سے پہلا مسئلہ رضاعت پر تحریر فرمایا جو بالکل صحیح اور درست تھا۔ ذہن میں مسائل فقہیہ کا استحضار اس قدر تھا کہ سائل عرض خدمت کرتا اور آپ برجستہ محقق اور مدلل جواب باصواب عنایت فرما دیتے بلکہ بیک وقت کئی سوالات عرض خدمت کر دیئے جاتے اور آپ ہر ایک سوال کا جواب بالترتیب وافی وکافی مرحمت فرما دیتے۔

اعلحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی فقاہت کا انمول ذخیرہ اور بے مثال گنجینہ "فتاویٰ رضویہ" ہے جو بارہ جلدوں میں ہیں اور ہر جلد قریب ہزار صفحات اور ہزار مسائل فقہ پر مشتمل ہے۔ جس کا ہر ہر مسئلہ فقاہت اعلحضرت کا مظہر اتم ہے اور ایک بحر ذخار ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ فتاویٰ رضویہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد دوسری کتب فقہیہ متون وشروح کے مطالعہ کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ مثلاً فتاویٰ رضویہ جلد سوم مرد کی شرمگاہ کے اعضاء کو نو ثابت کرنا آپ کی فقہ دانی پر ایسی شہادت ہے جو آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ درخشاں اور تابندہ ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلے چالیس مستند ومعتبر کتب فقہیہ اور فتاویٰ کے حوالے سے شرمگاہ کے اعضاء کو مدلل ومحقق فرمایا پھر تدقیق نظر سے ایک عضو شرمگاہ پر دلائل ثبت فرما کر ثابت کیا کہ مرد کی شرمگاہ کے اعضاء ۹ ہیں چونکہ کتب فقہ میں نویں کا ذکر نہ آنا ذکر عدم کو مستلزم نہیں اور نہ ان میں استیعاب کا ذکر اور نہ تحدید تعداد پر کوئی دلیل موجود۔

نیز رسالہ "الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب" میں غائب کی نماز جنازہ کے عدم جواز کو چھیاسی معتبر ومستند کتب فقہیہ متون وشروح کی ۲۳۰ عبارتوں سے آراستہ فرمایا پھر احادیث مبارکہ سے مدلل فرما کر نجاشی بادشاہ پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کی ایسی نفیس تاویلات کیں کہ مسئلہ واضح ومنقح ہو جاتا ہے اور مجال دم زدن اور گنجائش شکوک وشبہات نہیں رہ جاتی ہے۔

حضرات فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ درحالت قیام دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی اور درحالت رکوع انگلیوں کا بسوئے قبلہ ہونا نیز رکوع میں الصاق کعبین (دونوں ٹخنوں کا ملانا) مسنون ہے۔ مگر صاحب مفتاح الصلوٰۃ نے فرمایا کہ اگر رکوع میں حقیقۃً الصاق کعبین ہو تو پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ سے انحراف اور قیام میں چار انگلیوں سے زیادہ کشادگی لازم آئے گی جس سے دو فعل مسنون فوت ہو جائے گا اور نیز دونوں ٹخنوں کو حقیقۃً ملانے میں حرکت کثیر لازم آئے گی۔ لہٰذا انھوں نے الصاق کعبین کو مجاز پر محمول فرمایا یعنی ہر ٹخنہ کو دوسرے کی جانب جھکا دینا۔ اور ایک دوسرے کے مقابل کر دینا۔

اس پر اعلحضرت اپنی فقہی بصیرت سے ایسی تحقیق انیق فرماتے ہیں کہ الصاق کعبین کو اس کے معنی حقیقی پر محمول کرنے کے باوجود درحالت قیام دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی اور رکوع میں انگلیوں کے قبلہ رو ہونے کی مسنونیت علیٰ حالہ باقی رہتی ہے اور حرکت کثیرہ نہیں لازم آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ پاؤں کو خلقی حالت پر رکھا جائے اور پنجوں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی ہو تو ایڑیوں کے درمیان کم اور ٹخنوں کے مابین بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے اور پھر یہ کہ ٹخنے ابھرے ہوئے ہیں تو پھر رکوع میں تھوڑی حرکت اور تھوڑے سے جھکاؤ سے ایک ٹخنہ دوسرے سے مل جائے گا اور انگلیوں کا انحراف قبلہ سے بالکل نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی بہت موٹا ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ نہ رکھ سکے اور اس نے بالشت بھر فاصلہ رکھا تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے لہٰذا اس کے لئے الصاق کعبین مسنون نہیں۔ اگر الصاق کعبین کرے گا تو حرکت کثیرہ کے ساتھ ساتھ انگلیوں کا قبلہ سے انحراف لازم آئے گا۔ اعلحضرت فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہی صورت خاص صاحب مفتاح الصلوٰۃ کے خیال مبارک میں ہو جس پر انھوں نے الصاق کعبین کو معنی مجازی پر محمول فرمایا ہو۔

کتنی فقہی باریک بینی سے اعلحضرت نے صاحب مفتاح الصلوٰۃ کے اقوال کی بھی تاویل فرما دی اور اصل مسائل کو منقح فرما دیا کہ مجال شکوک وشبہات نہیں رہ جاتا ہے۔

اسی طرح غسل میت کے باب میں مسئلہ ہے کہ بعد موت بسبب انعدام محل مسلک نکاح ختم ہو جاتا ہے اور شوہر اجنبی ہو جاتا ہے لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ اس پر تعارض واقع ہوا کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو غسل دیا جس سے شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اعلیحضرت تحقیق فرماتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی کا حضرت خاتون جنت کو غسل دینا معنی مجازی پر محمول ہے یعنی غسل تو حقیقتاً حضرت ام المن رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی نے دیا تھا اور حضرت مولیٰ علی نے چونکہ غسل دینے کا حکم دیا یا اسباب غسل مہیا فرمایا اس لئے مجازاً غسل کی نسبت حضرت مولیٰ علی کی طرف کردی گئی مثلاً کہا جاتا ہے۔ قتل الامیرُ فلانا وقاتل الملکُ القومَ الفلانی۔ یعنی حقیقتاً تو فلاں کو جلاد نے قتل کیا ہے لیکن چونکہ امیر قتل کا حکم دیتا ہے اس لئے قتل کی نسبت امیر کی طرف کردی گئی۔ اسی طرح کسی قوم سے قتال وجنگ بادشاہ وقت کے سپاہی اور اس کی فوج کرتی ہے لیکن چونکہ بادشاہ کے حکم سے کرتی ہے لہٰذا قتال کو بادشاہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای امر بالناذین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہی یعنی چونکہ اذان کا حکم حضور نے دیا لہٰذا اذان کا کہنا حضور کی جانب منسوب ہوگیا اور اگر غسل کی نسبت حقیقتاً مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہو تو بھی تعارض سرے سے رفع ہوجاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اس کی تحقیق یوں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ابدالآباد تک باقی ہے کبھی ختم نہ ہوگا لہٰذا حضرت مولیٰ علی نے واقعی حضرت خاتون جنت کو غسل دیا۔ اسی لئے منقول ہے کہ جب مولیٰ علی پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعتراض فرمایا تو حضرت مولیٰ علی نے جواباً ارشاد فرمایا اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فاطمۃ زوجتک فی الدنیا والآخرۃ۔ اے ابن مسعود کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ فاطمہ دنیا وآخرت میں تیری بیوی ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ حضرت خاتون جنت کے وصال کے بعد بھی مولیٰ علی ان کے لئے اجنبی نہ ہوئے اور رشتۂ زوجیت منقطع نہیں ہوا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے نزدیک بھی بیوی کو شوہر کا غسل دینا ناجائز تھا۔

اسی لئے حضرت مولیٰ علی نے یہ نہیں فرمایا کہ شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے بلکہ اپنی خصوصیت کی جانب اشارہ فرمادیا۔

یہ ہے اعلیٰ حضرت کی فقاہت اور فقہی بصیرت وتحقیق کی چند مثالیں جن کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کو خوفِ طوالت کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے اور انھیں دو مثالوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔

اعلیحضرت کی رفعتِ فقاہت کے سامنے غیروں نے بھی سر ٹیک دئے اور کہنے پر مجبور ہو گئے "مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا نہ موافق کو ضرورت افزائش اور نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش" اختلاف مسلک کے باوجود آپ کی فقاہت کا اعتراف برملا کیا چنانچہ معارف اعظم گڈھ رقمطراز ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے وقت کے زبردست عالم مصنف اور فقیہ تھے انھوں نے چھوٹے بڑے سیکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ ہزارہا فتووں کے جوابات بھی انھوں نے دئے ہیں۔ ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحوں کے ہیں۔ ان کی نظر بڑی وسیع ہے۔ دو جلدیں پہلے شائع ہوچکی ہیں۔ اب تیسری جلد سنی دارالاشاعت مبارکپور نے شائع کی ہے۔ اس جلد میں ۴۲۸ مسائل ہیں۔ ابھی ان کے فتاوے کی آٹھ جلدیں اور باقی ہیں۔ ان فتاوے میں بعض پیدا شدہ مسائل کے متعلق بھی فتوے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت نظری سے دیا ہے۔ بہرحال مولانا کے مخصوص خیالات (مسئلہ تکفیر) سے قطع نظر ان کے فتاوے اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ (معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۶۲ء) والحق ماشہدت بہ الاعداء۔ حق وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دیدیں۔

سہولیات شرعیہ کا بقیہ

اس کے علاوہ ان چیزوں کا بھی بیان ہے جس سے تیمم کے جائز وناجائز ہونے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ جن حضرات کو دینی ذوق ہے اور مذہبی علوم کی آگہی سے دلچسپی انھیں میرا مشورہ ہے کہ غیر جانبداری اور انصاف کی نگاہ سے فتویٰ رضویہ کا براہ راست مطالعہ فرمائیں تو ہم سے زیادہ مستفید وشرعی مسائل سے بہرور ہونگے۔ میں قطعاً عربی داں نہیں ہوں۔ صرف مختصر فارسی شناس وارد وآموز ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ بدو شعور سے علاقہ، بستی، محلہ، اہل خانہ کو قدیم مسلک اہل سنت وعقیدہ وعمل میں "سبیل مومنین" کا پابند پایا۔ وہی پابندی میں نے بھی اختیار کی۔ اور اسی پر بحمدہ تعالیٰ ابتک قائم ہوں۔ اور اسی پر قائم رہنے کی دعا کرتا ہوں۔ عرصہ دراز سے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے ترجمہ قرآن کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کی اردو تفسیر کے ساتھ برابر پڑھ رہا ہوں۔ اور یہ سعادت بھی اس لئے حاصل ہے کہ میں اسی کلام پاک میں تلاوت کرتا ہوں جو رضوی ترجمہ ونعیمی تفسیر سے مترجم ومفسر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قارئین کی خدمات میں قدر قلیل اپنے تاثر کو پیش کیا ہے ورنہ میری علم بضاعت ہی کیا تھی کہ اس منفرد اپنے زمانے کے یکتا دُرِ بے بہا وگوہر نایاب سزاوارِ امامیت پر اپنے قلم خام کو جنبش دیتا۔ جن کی جناب فلک رکاب کے سامنے عرب وعجم، حل وحرم کے بڑے بڑے علماء عہد کا قلم سرنگوں ہے، میری زندگی اسکول وکالج کی زندگی رہی ہے اور آج بھی ہے، جو کچھ ہو سکا ہے مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور غلطیوں کو معاف فرمائے آمین اور قارئین بھی صرف نظر سے کام لیں۔

صرف اربابِ نظر ہی کے وہ رہبر تو نہیں
مرجع اہلِ طریقت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

روحانیات

(۱)

امام احمد رضا اور تعلیمات تصوّف

(۲)

امام احمد رضا اور روحانی قدریں

(۳)

امام احمد رضا اور حزم و اتقاء

(۴)

امام احمد رضا خانوادۂ برکاتیہ کا روحانی فرزند

(۵)

امام احمد رضا چشم و چراغ خاندانِ برکاتیہ

امام احمد رضا اور تصوّف

تعلیماتِ تصوّف

جناب اعجاز مدنی، ایم اے ڈیپ، ایل بی لپ سائنس
لائبریرین برہانی کالج، بمبئی

حضرت امام احمد رضا کی جتنی بھی سوانح عمریاں اب تک لکھی گئی ہیں ان تمام میں حضرت کا عالمانہ وقار پورے آب و تاب کیساتھ پیش کیا گیا ہے ایسے لگتا ہے جیسے عہد جدید کا علامہ سیوطی شریعت مطہرہ کے تمام رموز و نکات کو نہ صرف اپنی فہم و بصیرت سے بیان کر رہا ہے بلکہ مجتہدانہ طور پر مشکل مسائل کو حل بھی کر رہا ہے "اور پھر بھی بات خلاف قرآن و سنت ثابت نہیں ہوتی" اعلیحضرت ۱۰ شوال بروز ہفتہ (سنہ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی نقی علی خان بھی بڑے عالم اور بزرگ شخص تھے۔ نوجوانی کی عمر میں (سنہ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء) گویا ۲۱ سال کی عمر میں دونوں باپ بیٹے بیک وقت "شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے اور تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت اور سند حدیث حاصل کی مولوی رحمان علی مؤلف تذکرہ علمائے ہند رقمطراز ہیں کہ "اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ساتھ سنہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے اکابر علماء یعنی سید احمد دحلان مفتی شافعیہ اور عبدالرحمان سراج مفتی حنفیہ سے حدیث فقہ اصول تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم علیہ السّلام میں ادا کی، نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا "انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین" (بیشک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور پاتا ہوں) اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے سند مذکور میں امام بخاری علیہ الرحمۃ تک گیارہ واسطے ہیں" "مکہ معظمہ میں جب کہ آپ مسجد خیف میں تنہا و یکتا رات کے وقت ٹھہر گئے تھے اور رات کا بڑا حصہ عبادت و ریاضت میں صرف کیا تھا اسی رات آپ کو مغفرت کی بشارت ہوئی۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے وسیلے سے ہم گنہگاروں کی بھی اللہ اپنے پیارے حبیب کے صدقہ میں مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ان دو واقعات کو جو حرمین شریفین میں پیش آئے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ثابت ہو اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے مادر زاد ولی تھے اس لئے تعلیم و تعلّم میں علم فقہ و فتوی نویسی میں، علم تصوّف اور سلوک و مجاہدہ میں مناظرہ و مکاشفہ میں، دلائل و گفتگو میں تقریر و تحریر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے امام احمد رضا ان گنے چنے صاحب علم و فضل میں تھے جن پر پروردگار عالم نے اپنے رسول محترم و مکرّم کے صدقے میں آپ پر اپنی عنایات و مہربانی عزّت و منفعت تمام کی تھی۔ جیتے جی آپ کی بڑی عزت ہوئی اور بعد پردہ فرمانے کے بھی آپ کا روضۂ پرانوار مرجع خلائق و بخشش حلائق بنا ہوا ہے مزار اقدس پر بھی وہ رعب علمی و جلال خسروی ہے کہ کلیجہ کانپنے لگتا ہے مگر افسوس ہے سوانح نگاروں پر جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی صوفیانہ زندگی، عشق رسول و سوز جگر، حزن و ملال اور کیفیت قلبی، سرور باطنی احتیاطِ ظاہری کا کہیں پر ذکر تک نہ کیا۔ جہاں علماء کا اجتماع، فتوی کی بھرمار، علمی موشگافیاں خواہ مخواہ کی لن ترانیاں عشوہ طرازیاں اور وہ بات ہی نہیں جس کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ مولانائے محترم کی زندگی کا سب سے زیادہ آبدار پہلو عاشق رسول ہونا ہے تاکہ ایک ظاہر دار نظر بین عالم ہونا اور اپنے ہمعصروں سے معاصرانہ چشمک کرکے داد حاصل کرنا تھا۔ میرے خیال میں مولانا کے جتنے بھی پرستار آج تک پیدا ہوئے سب کے سب مدارس کے فارغ علمائے دین تھے ان میں کوئی مجذوب نہیں، عشاق سرگرداں و پریشاں نہیں تھا۔ ایسا صاحبِ جلال و جمال آقا و مولا نظام الدین نہیں تھا جو اپنے پیر و مرشد کی اندرونی کیفیات، انہماک عبادت، خلوص تقویٰ و طہارت اور بیچینی و درد فرقت کی کیفیات کو پیش کر سکتا جیسا کہ ایک مرتبہ اہل مجلس سے مخاطب ہو کر آپ نے کہا تھا مفہوم یہ ہے کہ حضرت خواجہ فریدالدین کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وجہ ذوق و شوق درد عشق اور جذب الٰہی دخلا مستی میں مستور رہا ہے۔ فرماتے ہیں ایک بار حضرت شیخ کبیر حجرہ میں والہانہ گشت لگاتے تھے اور چہرے کا رنگ متغیّر تھا۔ بابا فرید بیتاب ہو کر کہنے لگے "میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہاں میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کے لئے جیتا ہوں آپ ہی کیلئے مرتا ہوں"

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم — خاک شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم از برائے تو زیم

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے۔ پھر یہی شعر پڑھتے اور حجرے کا چکر لگاتے دیر تک یہی کیفیت رہی۔ اسی طرح سیرت فخر العارفین شریف جسے حضرت قبلہ و کعبہ مولانا و مولوی حکیم سید سکندر شاہ صاحب قدس سرہٗ کا مزار اقدس اکا پور میں ہے نے اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ و کعبہ مولانا و مولوی عبد الحئی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا مزار اقدس چاٹگام شریف میں ہے۔ ان کی حیات مبارکہ اور ملفوظات عالیہ کی روشنی میں ایک ایسی سوانح عمری مرتب کی ہے جو خود اپنی مثال آپ ہے۔

چنانچہ ان دو واقعات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے سوانح نگاروں کو چاہئے کہ پیش کردہ حسب بالا طریقہ پر امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی حیات پاک قلمبند کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پوری کتاب علم و حکمت، عرفان و بصیرت اور تصوف کے بیش بہا خزانے سے مالا مال ہے۔ حضرت قبلہ عبد الحئی شاہ صاحب فرماتے ہیں تصوف کا راستہ تواضع، عاجزی اور فروتنی کا ہے۔ تعظیم طلب اور مجلس پسند لوگوں کا نہیں گستاخی معاف ہو میں نے کسی کی دلشکنی نہیں کی، کینچڑ نہیں اچھالا ہے غرض صرف یہ کیا ہے کہ اعلحضرت کی شایان شان صوفیانہ زندگی کی عکاسی ابھی تک نہیں کی گئی۔ جو کچھ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے وہ سب علمی اکھاڑے کی باتیں ہیں۔ ان کتابوں میں کہیں بھی سلوک کی پگڈنڈی نظر نہیں آتی جو انتشار پسند ذہنوں کو تقویت پہنچا سکے۔ چاہے وہ ملک العلماء ظفر الدین بہاری کی "حیات اعلحضرت" ہو یا مولانا بدر الدین احمد صاحب کی "سوانح اعلیٰ حضرت"

اولیاء اللہ کے مناقب و فضائل اس لئے تحریر کرنا ضروری ہیں کہ ہر دور میں ان کی حیات مبارکہ سالکوں کو تقویت پہنچاتی ہیں ان کے موثر ترین حالات بلکہ افضل ترین عبادات، اہل کمال کی مصاحبت اور مقربان درگاہ ذوالجلال کی ہم نشینی ہے کیونکہ ان کی استقامت احوال کا مشاہدہ سالک کو ہمت بخشتا ہے جس سے سخت عبادتیں اور دشوار ریاضتیں جو اس طریق سلوک میں لازم ہیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ان بزرگوں کے معائنہ جمال سے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے شک و شبہ کی ظلمت جو علت بعد و حجاب ہے زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن کاملوں کی دولت، صحبت اور عارفوں کے مشاہدہ جمال سے محروم ہونے کے بعد ان کے حالات کا مطالعہ اور ان کے آثار کی پیروی، ہمت فزائی اور ظلمت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جیسی کہ ان کی صحبت و ہم نشینی۔ نصیحت و عبرت کے علاوہ اس کے بہت سے فوائد و منافع ہیں۔ اوّل یہ کہ اولیاء اللہ کا وجود ایک ایسی رحمت ہے جس میں سب شامل ہیں۔ اور ایک ایسی نعمت ہے جس سے ہر شخص واصل ہے پس وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو) کے بموجب ان کے مناقب و فضائل کا ذکر جو درحقیقت اس نعمت عظمیٰ و عطیۂ کبریٰ کا شکریہ ہے، ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ان صفائیوں سے اعتقاد و محبت واجب و لازم ٹھہرتا ہے۔ رباعی۔

ہر کس کہ کمال اولیاء را نہ شناخت
ایں نعمتِ خاص نبی بہارا نہ شناخت
پس شکر نگفت و حبِّ ایشاں نگزید
می داں بہ یقیں کہ او خدا را نہ شناخت

بہت غور و فکر کے بعد ہم نے اسی لئے یہ پیشکش کی ہے عارفین و عاشقین عارف باللہ سے کہ وہ امام احمد رضا کی سیرت مقدسہ خالص اس انداز میں مرتب کریں جیسی کہ "تذکرۃ الاولیاء" ہے "سیرۃ فخر العارفین شریف" ہے۔ یا جیسا کہ صوفیاء کی پاک زندگیوں پر اکثر تذکرے تحریر میں لائے گئے ہیں۔ صوفیائی زندگی پر کسی کامل صوفی و ولی کو ہی لکھنا چاہئے یہ عالم کا کام نہیں۔ سلوک کا راستہ ہی دوسرا ہے عشق رسول و جذب الٰہی میں جن کیفیات سے خود صاحب سلسلہ کو گذرنا پڑتا ہے وہی بہتر جان سکتا ہے کہ مذکورہ کا مقام اتقا کتنا ارفع و افضل ہے صوفی کی نظر سے حجابات الٰہی اٹھے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہی خود بہتر اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور بہتر طور پر اپنے سے افضل صاحبِ مقام حضرات کی پاک زندگیاں پیش کر سکتا ہے تصوف کا علم قیاس پر مبنی نہیں بلکہ یقین کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لئے سلسلۂ قادریہ، رضویہ، برکاتیہ کے بزرگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کا تذکرہ صرف خالص علمی انداز میں مرتب نہ کریں بلکہ صوفیانہ زندگی کو بھی پیش کریں اور تمام محاسن و مناقب کا کما حقہٗ جائزہ لیں تب ہی بات قارئین کی سمجھ میں آئے گی کہ ایسے دور ابتلاء میں بھی کیسے کیسے قطب وقت چھپے بیٹھے تھے۔ دنیا انہیں مقتدر علمائے دین سے جانتی تھی لیکن باطن میں کیسے فنا فی اللہ باقی باللہ تھے۔

حضرت امام احمد رضا خالص قادریہ سلسلہ کے بزرگ ہیں آپ کی عالمانہ شخصیت تو اظہر من الشمس ہے لیکن آپ کی صوفیانہ زندگی، ادب و احترام رسول و اولیاء اللہ بھی جو جانتے ہیں ان پر خوب ظاہر ہے۔ آپ نے حضرت غوث الاعظم پیران پیر حسنی حسینی غوث الصمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی، مقبول ہر دو جہانی شیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تعلیمات پر بصدق دل عمل کیا ہے اور غایت درجہ احترام بھی کیا ہے۔ آپ تادم زیست بغداد کی سمت یا مدینہ کی طرف یا کعبہ کی جانب پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے۔ آپ نے مجلس قطب ربانی سے بہت کچھ روحانی فیض حاصل کیا جیسا کہ پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے۔ "...... اے عالم ہزار مہینوں کا راستہ طے کر کے آ تاکہ تو مجھ سے ایک قول سنے اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد، پارسائی اور احوال پر نظر نہ رکھے۔ تاکہ تو مجھ سے اپنا نصیب لے سکے۔ میری مجلس میں ملایک اولیاء اور غیب کے لوگ آتے ہیں تاکہ وہ مجھ سے بارگاہ کبریا میں تواضع کے آداب سیکھیں حق تعالیٰ نے کوئی ولی پیدا نہیں کیا جو بصورت زندگی جسمانی اور بصورت موت روحانی میری مجلس میں شریک نہ ہوا ہو" آپ کے آداب آپ کا نصیب آپ کا مقام ولایت اور جو کچھ بھی آپ کو مقام جلیلہ ملا ہے وہ صاحب سلسلہ کی دعاؤں اور برکتوں کا نتیجہ ہے۔ اعلیٰ حضرت پر حضرت غوث اعظم کی بڑی نظر تھی اس لئے نہیں کہ وہ بہت

بڑے عالم تھے بلکہ اس لئے کہ وہ بزرگوں کا حد درجہ ادب کرتے تھے اور نیاز جھکا دیا کرتے تھے تمام علمائے دین اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور گرہ میں باندھ لیں کہ جسے بھی ملا ہے اور جو کچھ بھی ملا ہے وہ سب ادب کا نتیجہ ہے تواضع و انکساری کا پھل ہے اپنے آپ کو اتنا ذلیل و حقیر سمجھئے کہ لوگ آپ کا مذاق اڑانے لگیں۔ ایسے گمنام رہئے کہ پڑوسی بھی نہ جاننے پائیں کہ آپ مقبول بارگاہ ہیں۔ ایک دوسرے سے حسد و رقابت چھوڑ دیجئے اور جیسا صاف اور سیدھا راستہ خود ہمارے امام نے طے کیا ہے بالکل ویسی ہی زندگی گذاریئے تب جا کر آپ کو بشارتیں نصیب ہوں گی اور تب آپ مجلس رسول میں شمولیت کی سعادت حاصل کر سکیں گے علم عمل کے لئے ضروری ہے پاک زندگی گذارنے کے لئے شاہراہ کا کام دیتا ہے لیکن اسے غرور نفس کیلئے استعمال کرنا اور ایک خلقت کو ذلیل و خوار کرتے پھرنا اہل اللہ کا مسلک نہیں ہے اسی لئے غالباً کہا گیا کہ دین میں اخلاص اتنا ہی ضروری ہے جیسا کہ بیعت میں عقیدت علمائے شہرت پسند کیلئے حضرت خواجہ خواجگان کا قول ہے "بہتے پانی کی آواز سنتے ہو کیسے شور برپا کرتی ہیں مگر جونہی دریا میں پہنچتی ہیں خاموش ہو جاتی ہیں خاموشی بھی بڑی نعمت ہے کاش نام و نمود کے متوالے ریاکار اشخاص اس قول جمیل سے سبق حاصل کریں سالک کو تو اپنے پیر سے نسبت رکھنا چاہئے لیکن دوسرے بزرگوں سے بھی اسی طرح احترام و عقیدت سے پیش آنا چاہئے جس طرح اپنے سلسلے کے بزرگوں سے عقیدت رکھتا ہے۔ اعلٰحضرت اپنے پیر و مرشد کی حد درجہ تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ کے روضۂ اقدس پر بہت پر اثر عالمانہ و صوفیانہ تقریر کیا کرتے تھے جب سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے رکھوالی کے لئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلٰحضرت نے اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ عالیہ کی دیکھ بھال کے لئے بذات خود دے آئے اور فرمایا کہ حضرت! ان کتوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے یہ سارا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی۔ جانتے ہیں آپ یہ دو کتے کون تھے آپ کے دونوں صاحبزادگان، جن میں سے ایک حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند تھے۔ اور دوسرے تو زمانہ ہوا عازم رحمت ہو گئے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس سلسلہ میں بھی ہوں پیر و مرشد کے انتخاب سے قبل طبیعت کرنے کے بعد پورے خلوص و دیانت داری کے ساتھ خدمت پیر بجالانا چاہئے شریعت مطہرہ کی پابندی کرنا چاہئے۔ صوم و صلوٰۃ، و تزکیہ نفس و مجاہدہ کی حتی المقدور سعی پیہم کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ آدمی کے جان میں جان ہے اور یہی بیعت ہے اب سوال یہ ہے کہ بیعت کسے کہتے ہیں؟ بیعت کہتے ہیں مرشد کے ہاتھ پر بک جانے کو۔ سالک بیعت کے بعد خریدا ہوا غلام ہوتا ہے اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی حضرت شیخ یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فردوسی سلسلہ کے بہت ہی جلیل القدر بزرگ گذرے ہیں۔ آپ کے مکتوبات تصوف کی تعلیمات کی شاندار عکاسی کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید حج کر واپس جہاز میں آ رہے تھے۔ جہاز راستہ ہی میں آندھی کی نذر ہو گیا اور طوفانی موجوں سے گرداب ہلاکت میں پھنس کر پاش پاش ہو گیا۔ مرید سمندر میں غرق ہونے لگے اچانک حضرت خضر علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیجئے ہم آپ کو سمندر کی غرق کر دینے والی لہروں سے بچاتے ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا میں یہ ہاتھ ہرگز نہ دونگا اس لئے کہ میں اپنے شیخ کے ہاتھوں میں دے چکا ہوں کہنے لگے حضرت ڈوب جاؤ گے تب!

مرید صادق نے کہا پرواہ نہیں ہے ہم اصحاب حسین رضی اللہ عنہ کی طرح ہمت و استقلال کا ثبوت دیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام غایب ہو گئے اور پھر حضرت شیخ یحیٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ حاضر ہوئے اور اپنے مرید کو پانی سے نکالا اور ساحل پر پہنچایا۔ یہ محض من گھڑت باتیں نہیں ہیں۔ آپ کا معاملہ اگر اپنے شیخ سے استوار ہو۔ عقیدہ مضبوط ہو تو یقیناً امداد غیبی ملتی ہے۔ مدد کرنے والا چاہے شیخ نہ رہے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پالنے والا اور مصیبت کے وقت انکی مدد کرنے والا ہے یقیناً آڑے وقتوں میں محض اپنے دوستوں کی لاج رکھنے کیلئے سفر و حضر میں، دکھ و درد میں، ابتلاء و آزمائش میں، زندگی کے ہر سانحہ ہر موڑ پر مدد فرماتا ہے مگر اولیاء اللہ کی پہچان کہاں ہے لوگوں کو۔ اللہ نے اپنے خاص بندوں کو بہت چھپا رکھا ہے۔ اولیائے متاخرین و سابقین اپنی ولایتوں کو بوقت ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے لیکن آج تمام ولیوں کو بے پردگی کا حکم نہیں ہے۔ وقت پڑتے پر بھی کرامتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہوتی بھی ہیں مگر پہچانی نہیں جاتیں۔ دیگر دلیلیں و علتیں ایسی نمایاں ہوتی ہیں کہ دست غیب ثابت نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی میں بیشتر کرامتیں ظاہر ہوئیں مگر کسی کے بات سمجھ میں آئی اور کوئی محض شمس العلماء کہہ کر رہ گیا اصل میں بقول امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ فرماتے ہیں جو چیزیں کہ اولیاء اللہ کی معرفت سے روکتی ہیں ان میں سے اشد حجاب شہود مماثلت و مشاکلت ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑا حجاب ہے۔ اس پردے سے اللہ تعالیٰ نے اکثر اولین و آخرین کو چھپا لیا ہے حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہے کہ اولیاء میں سے کسی کے اعتقاد پر سارے خلق کا اتفاق نہ ہو۔ اور اس میں ایک سر خفی ہے کہ اگر ساری خلق اس ولی کی مصدق ہوتی تو تکذیب مکذبین پر صبر کرنے کا اجر اسے کیونکر ملتا۔ جو شخص کسی شخص معین کی تکفیر کرتا ہے گویا وہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انجام اس کا آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کو آگ میں رہنا ہے،، شہود مماثلت و مشاکلت نے اکثر علمائے دین کو مجتہد زمانہ امام عالی وقار کے مزاج عارفانہ کو سمجھنے نہ دیا اور ان کے معاصرین نے ان کا جب بھی موقع ملا مذاق بھی خوب اڑایا۔ گالیاں بھی خوب دیں اور لعنت ملامت بھی جی بھر کر کی۔ ایک مرتبہ آپ کے مرید و حبیب نے آپ سے پوچھا کہ آپ غیر مقلدین کو برا بھلا کیوں لکھتے ہیں اور انہیں برانگیختہ کر دیتے ہیں کہ مبادا وہ آپ ہی کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا میاں میں چاہتا بھی یہی ہوں کہ دشنام طراز، کینہ جو، بد خصلت اور بد مذہب لوگ میرے آقا و مولائی موجودات سید السادات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ وعلیہ وسلم پر سے ذہن ہٹالیں اور احمد رضا کو جی بھر کر کوسیں۔ میرے لئے یہی بہت بڑی سعادت ہے کہ طائف کے طرفداروں کو میں نے اپنے پیچھے لگا لیا وہ جتنا چاہیں مجھے لہولہان کریں میں کچھ نہ بولونگا۔ گویا سیدنا حضرت علی کی طرح اپنے نفس کے لئے کسی سے بدلہ نہ لینے کی قسم کھالی تھی یہ واقعہ آپ کے اخلاق حمیدہ کی تابندہ مثال ہے کہ آپ نے اپنے نفس کے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ کسی کو اپنے مفاد کے لئے تباہ و برباد نہیں کیا۔ بڑے سے تھے مگر علم کے غرور میں سیدھے سادھے پر خلوص مسلمانوں سے کبھی نخوت و تکبر کا برتاؤ نہیں کیا جس سے بھی ملے خندہ

پیشانی سے ملے بزرگوں کی عزت کی۔ دوستوں اور احباب کے اصرار پر دعوتیں کیں، خوب خوب مجلسیں پند و نصیحت کی گرم رکھیں اور چھوٹوں پر شفقت کی۔ اپنے مریدوں کیساتھ بھی آپ کا سلوک نہایت والہانہ و عاشقانہ تھا۔ آپ ان میں ان کی ذات و صفات کیمطابق، علم و فضل کے موجب، عزت و امارت کے بطور کبھی بھی حد امتیاز نہ برتتے تھے۔ سلوک سب سے یکساں تھا مگر ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ مجھی کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ خوب سمجھتے تھے کہ گناہ کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ کسی مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنے سے پہنچتا ہے اہل معرفت کی عبادت نفس کی نگہداشت ہے۔ یہ ملفوظاتِ خواجہ عثمان ہارونی ہیں جن پر سختی سے ہر مومن کو کاربند و پابند ہو جانا چاہئے۔

امام احمد رضا ایک بہت بڑے عالم، فاضل، فقیہ، محدث، ہونے کے باوجود جو تصوف کو اتنی اہمیت دی اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ طریقت کو شریعت کے مخالف نہیں سمجھتے تھے بلکہ طریقت ہی کو شریعت کا جامع ترین اسوہ تصور خیال کرتے تھے ہمارے مذہب میں جتنے بھی مقتدر اولیائے کرام، صوفیاء و مشائخ گذرے ہیں کسی نے بھی قرآن و سنت نیز احکام شریعت کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کبھی اپنے ملفوظات میں ایسا خشک نظریات پیش کئے ہیں۔ موجودہ دور کے ترقی پسند، پڑھے لکھے، تربیت یافتہ، آزاد خیال حضرات صرف اس لئے تصوف پر تنقید فرماتے ہیں کہ انہوں نے آج کے نام نہاد روحانی اچکوں کو صوفی سمجھ لیا اور ان کے مسلک کو اولیاء اصحاب الصفہ کا دھرم سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ اصحاب الصفہ ہی تھے جن کے لئے حضور سرور کائنات فرمایا کرتے تھے کہ تم پر میرے ماں باپ قربان تمہاری خبر گیری کیلئے مجھے اللہ کا خاص پیغام آیا ہے اور مجھے سخت تاکید کی گئی ہے اب یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بذات خود تصوف کیا ہے۔ میں غیر ضروری تفصیل میں نہ جاؤں گا کہ صوفی کسے کہتے ہیں اور اس کے اصطلاحی و علمی معنی کیا ہیں؟ بتانا صرف یہ ہے کہ صالحین کے مذہب کو جتنا نفرت انگیز اور حقارت خیز آج دیکھا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ یہی وہ واحد نجات کا راستہ ہے جس پر زندگی بھر خود نبی کریم قائم و صائم رہے اور آج صرف انہی مخلصین لہ الدین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ساتھ ساتھ گامزن رہتی ہے اور سالکوں کو راستہ دکھاتی ہے میرے خیال میں فرقہ ناجیہ صرف صوفیا کا طبقہ ہے جو منتشر ہونے کے باوجود آگ سے بچایا جا سکتا ہے

تصوف پر عبدالوہاب شعرانی کے معرکتہ الآرا خیالات سنئے۔ طبقات میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف عبارت ہے ایک علم سے کہ جب اولیاء اللہ کے دل کتاب و سنت پر عمل کرنے سے روشن ہو جاتے ہیں تو وہ علم ان کے دلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ سو جو شخص کتاب و سنت پر عمل کرتا ہے اس کے لئے اس عمل کی برکت سے ایسے علوم و آداب و اسرار و حقائق ظاہر ہوتے ہیں جن کے بیان سے زبانیں عاجز ہیں۔ پس تصوف خلاصہ ہے۔ بندے کے عمل کا احکام شریعت کے ساتھ جب کہ اس کے عمل سے علتیں اور حظوظِ نفس معدوم ہو جائیں جیسے علم معانی و بیان خلاصہ ہے علم نحو کا، سو جو شخص علم تصوف کو مستقل علم ٹھہراتا ہے وہ سچ کہتا ہے اور جو کوئی اس کو عین احکام شریعت قرار دیتا ہے وہ بھی سچا ہے۔ بڑے بڑے مقتدر فقہا و صلحا کے پاس صوفیہ کا اعلیٰ مقام تھا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افکار سے ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے امام شعرانی کا قول نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ قوم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ طریق اللہ عزوجل کی تعلیم کیلئے وہی شخص لیاقت رکھتا ہے جس کو علم شریعت میں تبحر حاصل ہوا ہو، شریعت کے منطوق و مفہوم اور خاص و عام، ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ علم لغت میں تبحر رکھتا ہے یہاں تک کہ عربی زبان کی مجازات، استعارات وغیرہ سے واقف ہو پس ہر صوفی فقیہ ہے اور ہر فقیہ صوفی نہیں ہے امام احمد بن حنبل اپنے بیٹے کو رغبت دلاتے تھے کہ اس زمانے کے صوفیاء کے ساتھ صحبت رکھے اور فرماتے تھے کہ بےشک یہ لوگ اخلاص میں اس مقام کو پہنچے ہیں کہ ہم اس کو نہیں پہنچے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوفی فقیہ ہیں۔ اور ایسی زبردست نورانی شخصیت کے مالک ہوئے ہیں کہ دور دراز سے لوگ سفر کر کے ان سے ملاقات کو گئے اور فیض حاصل کیا۔ اگر وہ کتنے ہی بڑے فقیہ ہوتے مگر صوفی نہ ہوتے تو آج اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے نام کو اتنا بلند نہ کرتا جتنا کہ آج ہو چکا ہے کچھ دنوں تک بہت پرچار ہوتا بعد میں کوئی آپکا یا بریلی شریف کا نام تک نہ جانتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احوالِ اہل اللہ گو پردہ خفا میں ہیں مگر جن کے ظاہر ہیں خوب ظاہر ہیں۔ ہر کس و ناکس سر جھکانے پر مجبور ہے۔ یہ محض صوفیا کا والہانہ انداز محبت ہے اور خالص ولایت فی اللہ و رسولہ ہے جس نے چار سمت ان کی شہرت کا آوازہ بلند کیا ہے اعلیٰ حضرت کے ملفوظات اور تصوف پر بیشتر تصانیف اس امر کی شاہد ہیں کہ آپ کا دل تصنع سے پاک اور محض نام و نمود کا دلدادہ نہ تھا جن لوگوں نے آپ کی تصنیفات (۱) الاجلال بفیض الاولیاء بعد وصال (۲) انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار (۳) ازہار الانوار من ضیاء صلوٰۃ الاسرار (۴) طوالع النور فی حکم السراج علی القبور (۵) مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم (۶) تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۷) اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامہ (۸) سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ (۹) مدی الحیران فی نفی الفئی عن شمس الاکوان (۱۰) اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین (۱۱) الصمصام الحیدری (۱۲) شرح العقائد (۱۳) حاشیہ مفتاح السعادۃ (۱۴) حاشیہ صواعق المحرقہ (۱۵) حاشیہ احیاء العلوم (۱۶) حاشیہ تحفۃ الاسرار (۱۷) حاشیہ کشف الظنون (۱۸) الفوز بالآمال فی الاوقات والاعمال - وغیرہم۔ پڑھی ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کے سینے میں کس حد تک شیخ یحییٰ منیری کی تڑپ تھی بابا فرید کا سوز دل تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء کی سی شان محبوبیت تھی۔

امام احمد رضا نے مقال العرفاء میں شریعت و طریقت پر بحث کی ہے جو کچھ ہم نے کہا ہے اگر اس میں ذرہ برابر بھی کم و بیش آپ ان کی تحریر میں پائیں تو جو چاہیں سزا دیں اگر نہ مانیں کہ قبلہ و کعبہ مجدد اعظم صوفی فقیہ تھے اور مقرب بارگاہ تھے۔ فرماتے ہیں۔ شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے شریعت ہی پر طریقت کا دار و مدار ہے۔ شریعت ہی اصل کار اور محک و معیار ہے شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے جس حقیقت کو شریعت رد فرما دے وہ

حقیقت نہیں بیدینی اور زندقہ ہے۔

تصوف میں عشق رسول بنیادی حیثیت رکھتا ہے فرقۂ وہابیہ اور دیوبند تحریک کے بڑے بڑے زبان درازوں کا گستاخ و بے ادب فتنہ پردازوں کا امام احمد رضا نے اپنی تحریروں میں بہت دندان شکن جواب دیا ہے۔ مثلاً کرامت اللہ خان صاحب کے استفتاء کے جواب میں اعلیٰحضرت نے رسالۂ مبارکہ الامن والعلی تحریر کیا تھا۔ اور مقام رسول اور بخشش الٰہ کی بڑی پرخلوص وضاحت کی تھی۔ فرمایا اللہ اور رسول نے دولتمند کردیا۔ اللہ و رسول نگہبان ہیں۔ اللہ و رسول بے والیوں کے والی ہیں۔ اللہ و رسول مالوں کے مالک ہیں۔ اللہ و رسول زمین کے مالک ہیں۔ اللہ و رسول کی طرف توبہ۔ اللہ و رسول کی دہائی۔ اللہ و رسول دینے والے ہیں۔ اللہ و رسول سے دینے کی توقع۔ اللہ و رسول نے نعمت دی۔ اللہ و رسول نے عزت بخشی (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے حافظ و نگہبان ہیں۔ حضور کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں، حضور کے آگے سب گڑگڑا رہے ہیں۔ حضور ساری زمین کے مالک ہیں حضور سب آدمیوں کے مالک ہیں۔ حضور تمام امتوں کے مالک ہیں۔ دنیا کی ساری مخلوق حضور کے قبضہ میں ہے۔ مدد کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ نفع کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ جنت کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ دوزخ کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ آخرت میں عزت دینا حضور کے ہاتھ ہے۔ قیامت میں کل اختیار حضور کے ہاتھ ہے حضور مصیبتوں کو دور فرمانے والے۔ حضور سختیوں کو ٹالنے والے .... حضور کے خادم رزق آسان کرتے ہیں۔ حضور کے خادم بلائیں ہٹاتے ہیں۔ حضور کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں حضور کے خادم تمام کاروبار عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔ اولیاء کے سبب بلا دور ہوتی ہے اولیاء کے سبب روزی ملتی ہے۔ اولیاء کے سبب مدد ملتی ہے۔ اولیاء کے سبب بارش ہوتی ہے اولیاء کے سبب زمین قائم ہے۔

خاصان خدا کا کیا مقام ہے اگر سوال کا جواب صاحب شریعت سے مل جائے تو پھر کسی کو چوں چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے فخر موجودات سید السادات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "بیشک اللہ عزوجل دوست رکھتا ہے اپنے خلق سے اتقیاء، اصفیاء ابریاء کو جن کے بال پریشان، منہ غبار آلود، پیٹ دبلے ہیں۔ جب وہ امراء کے یہاں آنے کی اجازت چاہیں تو ان کیلئے انکی اجازت نہ دیجائے۔ اگر مالدار عورتوں سے نکاح کا پیغام کریں تو ان سے نکاح نہ کریں۔ غایب ہوں تو ان کی تلاش نہ کریں۔ آجائیں تو ان کے آنے سے خوش نہ ہوں بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کریں۔ مرجائیں تو ان کے جنازے میں حاضر نہ ہوں۔ زمین والوں میں مجہول (مگر) آسمان والوں میں معروف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو ضرور ان کی قسم کو سچی کردے۔ اللہ کے محبوب بندے زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز کو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں اے انسان کو اپنے آپ پر قیاس کر کے ذلیل نہ کیا کرو۔ سوچئے ذرا امتحان لینے والا خالص مٹی کا پتلا ہے وہ بقول جنید بغدادی کے ابھی تک جنید تک نہیں پہنچا تو اللہ تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے لہذا ثابت ہوا کہ علم و عرفان، البصیرت والبصارت کی پہلی منزل خود مقام صوفیہ ہے مرید اگر اپنے پیر کے تصور میں اگر انہماک واستقامت حاصل کرے تو پھر اسی نور سے اللہ اور رسول کو بھی دیکھ سکتا ہے شخصیت کا افتراق ہی مگر ارواح کا اتصال ضرور ہے اسی نسبت کو حاصل کرنے کیلئے اکابر صوفیاء اجلّ اولیاء نے سلاسل میں نسبت حاصل کرنے پر زور دیا ہے ایک مثل بہت مشہور ہے مگر بات بہت صحیح ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں ہوتا اس کا شیطان پیر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے افکار و احوال صوفیا و مشائخ کا مذہب ہونے کے باوجود اپنے اندر کافی گہرائی و انفرادیت رکھتے ہیں مثلاً دست غیب سے متعلق فرمایا اور جو اللہ سے ڈرے اس کیلئے اللہ نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو" حضرت کو اسی بات کا بڑا غم و افسوس رہا کہ مومن کا خشیت وہیبت الٰہی پر عمل نہیں رہتا وگرنہ کشائش رزق کا ہرگز قلق نہ ہوتا۔ اس قدر کشادگی سے دامن بھر جاتا کہ سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔ دوسری جگہ منصب ولایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اطباق آئمہ کا علماء کا جمہور کا سواد اعظم کا .... جس کو ولی مان رہا ہے وہ بیشک ولی ہے لیکن آگے چل کر فرمایا کہ خلاف شریعت ہر وقت کے بکتے رہنے والے کو حالت سکر کا عذر سمجھ کر معاف نہیں کیا جاسکتا اور نہ ولی سمجھا جاسکتا ہے۔ مرتبۂ غوثیت کی توضیحات علم لدنّی پر مبنی ہے اس لئے کہ اس قسم کی باتیں صرف سینہ بہ سینہ ہی منتقل ہوسکتی ہیں کہیں کسی کتاب میں اس طرح کی بحث پڑھنے کو نہیں ملتی۔ فرماتے ہیں بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔

غوث ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ غوث کو مراقبے سے حالات منکشف نہیں ہوتے بلکہ انہیں ہر حال یوہیں مثل آئینہ پیش نظر ہے وہ دنیا کو ہتھیلی میں رائی کے دانے کے مانند دیکھتے ہیں ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ غوث کا لقب عبد اللہ اور وزیر دست راست عبد الرب و وزیر دست چپ عبد الملک۔ اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دنیا۔ اس لئے کہ یہ سلطنت قلب ہے اور دل جانب چپ، غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم وزیر راست پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور ان کے دو وزیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہوئے اسی طرح یہ سلسلہ حضرت امام حسن عسکری تک آیا اور بعد میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ غوث ہوئے اب ان کے بعد جتنے غوث ہوئے سب ان کے نائب ہوئے۔ اب حضرت غوث صرف تنہا غوثیت کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے حضور غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی۔ حضور کے بعد جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی تک سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے۔ پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت کبریٰ عطا ہو گی۔ آپ نے علامہ سیوطی اور امام قسطلانی کے مباحث کے بعد فرمایا کہ بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گزرتا ہے کہ شاید سنہ ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے۔ واللہ اعلم بالصواب ایک اور جگہ فرمایا ثواب وعذاب جسم و روح دونوں کو ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جنہیں پسند کرتا ہے ان کی دعا جلد قبول نہیں کرتا گو وہ روتے اور گڑگڑاتے

ہیں لیکن پروردگار عالم جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے جبریل اس مومن بندے کا کاروا اور دوسری طرف اس کا منہ اٹھا کے دعا مانگنا اچھا لگتا ہے لیکن فاسق وفاجر کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے اس لئے کہ عرش و کرسی کی طرف اس کا منہ اٹھانا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسے دیکھنا پسند نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کی اگر دعائیں قبول نہ ہوتی ہوں تو دل برداشتہ نہ ہوا کریں۔ اور نہ ہی ناصبوری کے عالم میں ناشکری کے کلمات زبان پاک سے نکالیں اس لئے کہ مشیت الٰہی بقول حضور کے خود اسی بات کی متقاضی ہے لہٰذا صبر کریں اور تقدیر الٰہی پر راضی برضا رہا کریں۔ اعلیٰ حضرت کے ملفوظات تصوف کے سلسلے میں بیش بہا خزینہ ہیں۔ اس چھوٹے سے مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمام تر اہم باتیں ناظرین کی خدمت میں پیش کر سکوں اگر اللہ توفیق دے تو اعلیٰ حضرت قبلہ کے افکار و احوال کا بنظر غائر مطالعہ کرنا چاہئے اور تمام پند و نصائح کو گرہ میں باندھ لینا چاہئے کہ یہی فلاح دین و دنیا اور آخرت میں کام آنے والے سہارے ہیں

صوفی کے راستے میں تادم زیست سب سے زیادہ کانٹے شیطان بچھاتا ہے۔ اس کے بہکاوے ایسے پرفریب ہوتے ہیں کہ اچھے اچھے الہام و عرفان سمجھ کر جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتے اور سیدھی راہ سے دور جا پڑتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس ضمن میں غوث الاعظم کے مریدوں کی حکایت بیان کر کے فرمایا کہ بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے تاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جتنا علم وسیع ہوتا جاتا ہے سالک سمندر کی طرح پھیل کر گہرا اور وشال ہو جاتا ہے جب تک انسان میں تمیز حرام و حلال پوری طرح واضح نہ ہو جائے تو اس بات کا امکان رہتا ہے کہ بعض حرام ناجائز قسم کے افعال و اعمال بھی مسلمان لاعلمی کی وجہ سے مباح اور حلال سمجھ کر کرتا رہے گا اور گنہگار ہوتا رہے گا اس لئے راہ سلوک کے متوالوں کو چاہئے کہ تمام تر ضروری علم حاصل کریں یاد رہے کہ غیر ضروری دنیاوی علم کو حاصل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بسا اوقات تضیع اوقات ثابت ہوتا ہے حضرت نظام الدین اولیاء عطائے خلافت کے معاملہ میں بہت سخت تھے حضرت اخی سراج کو اتنا محبوب رکھنے کے باوجود آپ نے خلافت عطا نہ کی تا وقتیکہ آپ نے شریعت مطہرہ میں تبحر حاصل نہیں کر لیا۔ شیخ کے پردہ فرمانے کے بعد مرید کو کس طرح حاضری دینا چاہئے اس کے بارے میں بھی بہت عمدہ ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا مرید کو چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھنا چاہئے حیات میں مرید جیسا ادب کرتا تھا۔ سامنے سے حاضر ہو کر با ادب کھڑا ہونا چاہئے۔ اور جگہ کھڑا ہونے میں پیر کو مڑ کر دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے قبر میں جس سمت چہرہ کھلا ہوتا ہے اسی سمت مرید کو بھی کھڑا ہونا چاہئے ایک جگہ حضرت شیخ سعدی کے قول نصیحت کو اعلیٰ حضرت نے بڑی اہمیت دی اور فرمایا کہ کیا وجہ ہے مرید عالم فاضل اور صاحب شریعت و طریقت ہونے کے دامن مراد نہیں بھر پاتا غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ اکثر علمائے دین اپنے آپ کو پیر سے افضل سمجھتے ہیں۔ یا علم کا غرور اور کچھ ہونے کی سمجھ انہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ وگرنہ سعدی علیہ الرحمہ کا مشورہ سنیں۔ فرماتے ہیں مدد لینے والے کو چاہئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہو مگر اپنے کمالات کو دروازے ہی پر چھوڑ دے اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں خالی ہو کر آئے گا تو کچھ پالے گا۔ اور جو اپنے آپ کو بھرا سمجھے گا تو وانا وکہ پر شد دگر چوں پر دبھرے برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جا سکتی۔

بزرگان دین کے اعراس مقدسہ کے تعین کی بابت فرمایا کہ اولیائے کرام کی ارواح طیبہ کو ان کے وصال شریف کے دن قبور کریمہ کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے چنانچہ وہ وقت جو وصال کا ہے اخذ برکات کے لئے زیادہ مناسب ہوتا ہے آپ قادری ہونے کے باوجود چشتیہ سلسلے کے تمام بزرگان دین کی بے پناہ عزت و احترام کرتے تھے۔ ایک جگہ فرمایا حضرت خواجہ خواجگان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ آپ سچی اور قلبی ارادت کو فیض کی کنجی سمجھتے تھے۔ اور مرشد کی توجہ سے بیڑا پار جانتے تھے تصوف میں ان دونوں باتوں کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے مرید ہوا مگر پیر سے ارادت نہ ہوئی ہرگز فیض نہ ہوگا۔ زندگی بھر خدمت کی لیکن نفس ساتھ چلتا رہا ہرگز پیر کی نظر نہ ہوگی۔ بے لوث خدمت کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد پاک ہے جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیائے زمانہ سے میرے لئے بہتر ہے نفع نہ پائیگا۔ علی بن ہیتی کے مرید علی جوسقی سے مخاطب ہو کر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا اپنے تمام حوائج میں اپنے شیخ ہی کی طرف رجوع کرے۔ یعنی اگر شیخ کا شیخ بھی سامنے موجود ہے تب بھی اپنے شیخ کی نظر کرم کا محتاج رہے در بدر کا ہرجائی کہیں سے بھی کچھ نہیں پاتا۔ آداب مریدین میں حضرت مجدد اعظم نے بہت فیوض و برکات کے کلمات کہے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا۔ شیخ کے حضور خاموش رہنا افضل ہے ضروری مسائل پوچھنے میں حرج نہیں۔ آپ نے تاکیداً کہا کہ شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کرے کہ ذکر میں دوسری طرف مشغول ہوگا اور یہ حقیقتاً ممانعت ذکر نہیں بلکہ تکمیل ذکر ہے کہ وہ جو کریگا بالتوسل ہوگا۔ اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہوگا وہ بتوسط ہوگا۔ یہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔ اصل کار حسن عقیدت ہے یہ نہیں تو کچھ نفع نہیں۔ اور صرف حسن عقیدت ہے۔ تو خیر اتصال تو ہے پرنالے کے تل تم کو فیض پہنچے گا حسن عقیدت ہونا چاہئے "مجاذیب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ وہ خود سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی سلسلہ نہیں ان سے آگے پھر نہیں چلتا" یعنی مجذوب اپنے سلسلہ میں منتہی ہوتا ہے اپنا سا کوئی دوسرا مجذوب پیدا نہیں کر سکتا۔ وجہ غالباً یہ ہے کہ مجذوب مقام حیرت ہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور بقا حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے غیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کرامت کسی بھی ولی کی کسبی نہیں ہوتی۔ سب کی کرامتیں وہبی ہوتی ہیں۔ باقی جو کچھ ہوتا ہے بھان متی اور شعبدہ بازی ہے اللہ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے فرماتا ہے "وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرے تو ہم ضرور ہم انہیں راہ دکھائیں گے۔" سچی جد و جہد ہونا چاہئے سچ تو یہ ہے طلب صادق کبھی خالی نہیں جاتی۔ اولیاء اللہ کی سچے دل سے پیروی کرنا اور مشابہت کرنا کسی دن ولی اللہ کر دیتا ہے اس لئے کہ جو کسی کا تشبہ کرتا ہے اللہ اس کو بھی اسی گروہ میں شامل کر دیتا ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ چونکہ محض مشابہت میں سالک رہتا ہے اس لئے ولی اللہ نہ بن سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نام نہاد صوفی کالی کملی والے سے بہت دور غار ہلاکت میں جا پڑے ہیں۔ اللہ ایسے کذب اور تصنع سے محفوظ رکھے۔ نبوت اور ولایت کا فرق بھی سمجھ لیجئے۔ فرماتے ہیں۔ ولایت کی توجہ الی اللہ ہوتی ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق۔ نبوت اسی طرح سے غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔ تصوف میں قلب اور نفس کی اصطلاح کا ایک خاص معنی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں قلب حقیقتاً اس مضغہ گوشت کا نام نہیں بلکہ وہ ایک لطیفہ غیبیہ ہے جس کا مرکز مضغہ گوشت ہے جو سینے کے بائیں جانب ہے اور نفس کا مرکز زیر ناف ہے۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور تصوف پر ان کے فکر انگیز ملفوظات بہت گہرے مطالعہ و مشاہدہ کی دین ہے اس احتیاط و توازن کے ساتھ آپ نے کلمات حکمت فرمائے ہیں کہ ذرہ برابر تنقید کی گنجائش نہیں۔ اگر سالک صدق دل سے آپ کی راہ پر سفر اختیار کرے اور بزرگوں سے سچی نسبت پیدا کرے تو اس کی منزل اس دور ابتلاء و آزمائش میں بھی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اعلیٰحضرت کی تمام تر تصنیفات انتہائی ادق اور مشکل عربی و فارسی زبان میں تحریر ہوئی ہیں۔ نیز اردو بھی کافی مشکل ہے ضرورت ہے اس بات کی کہ ایک اہل سنت و جماعت کی ضمنی کمیٹی مقرر ہو اور وہ کمیٹی ان تمام کتابوں کو تشریحات و توضیحات اور فرہنگ کے ساتھ شائع کرے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی تحریروں میں اسلامی دنیا کے سینکڑوں مفکروں دانشوروں، فقہا و صلحا و محدثین نیز علم الکلام و فلسفہ کے علماء اور اولیاء کے اسمائے گرامی استعمال کئے ہیں۔ الگ سے ان بزرگوں کی مختصر سوانح عمریاں بھی توضیحات کے ساتھ ساتھ شائع کی جانی چاہئے۔

تصوف جیسے اسرار الٰہیہ و علوم غیبیہ پر اعلیٰحضرت کی نہ صرف نثری تخلیقات شاہد ہیں بلکہ شعری تخلیقات میں بھی بہت زیادہ جواہر پارے ہیں۔ ہم نے شاعری کا بھی بہ نظر غائر مطالعہ کیا لیکن چونکہ موضوع سے ہٹ کر تھا۔ اس لئے اس مضمون میں اشعار سے اقتباسات پیش نہیں کئے گئے بہرحال امام احمد رضا صرف مجدد و عالم ہی نہیں کامل ولی اللہ ہوئے ہیں۔ اور ہمارے درمیان آج بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح آپ اپنی جسمانی حیات میں فیوض و برکات کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے۔ صرف پردہ ہے جو نظر کا ہے ورنہ آج بھی وہ ہماری مدد کر سکتے ہیں بشرطیکہ بصد خلوص استغاثہ پیش کیا جائے۔ اور مزار پر انوار سے کسب فیض کیا جائے۔ اللہ مدد کرنے والا ہے کوششیں صحیح ہونی چاہئیں۔

Marfat.com

امام احمد رضا اور رُوحانی قدریں

از:- مولانا شبنم کمالی پوکھریروی
صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ امانیہ تُوام
دربھنگہ - بہار

ہر بندۂ مومن کا یہ عقیدۂ راسخ ہے کہ تمام روحوں کا خالق اللہ عزّوجلّ ہے۔ ازل سے ابد تک کی تمام روحوں میں سب سے افضل، سب سے اعلیٰ اور سب سے بزرگ رُوح یعنی روحِ اعظم مُحَمَّدٌ رَّسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وَسَلّم ہیں۔ جماعت ملایکہ میں حامل وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام رُوحُ القُدس، رُوح الامین کے لقب کے ساتھ مشرّف ہیں۔ اور وحی ربّانی یعنی قرآنِ حکیم رُوح افزا، حیات آفریں کلام ہے جیسا کہ ارشادِ حقانی ہے

كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (سورہ شوریٰ) } اور اسی طرح ہم نے تمہیں وحی بھیجی (اے سیّدِ عالم خاتم المرسلین صلی اللّٰہ علیہ وسلم) ایک رُوح افزا چیز (یعنی قرآن پاک جو دلوں میں زندگی پیدا کرتا ہے) اپنے حکم سے

اب مذکورہ بالا باتوں میں ترتیب دی جائے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ خالقِ ارواح اللّٰہ حیّ وقیوم نے ایک رُوح افزا چیز یعنی وحیٔ مقدس کو جو سراپا رُوح ہے حضرت جبرئیل رُوح الامین کے ذریعہ مہبطِ روح سرکار دوعالم نبیّ مکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی طرف ارسال فرمایا — اگر چشمِ عقیدت سُرمۂ سُنّیت سے مُنوّر ہے تو اس کی بصیرت میں سرکار دوعالم کا وجودِ گرامایہ پیکرِ روح اور سراپا نور نظر آئے گا کیونکہ حیّ وقیّوم ربّ تبارک وتعالیٰ نے حضور ہی کے واسطہ سے بے جان دلوں اور مُردہ قوموں کو زندگی عطا کرنے کے لیے یہ سِلسلہ روحانی قایم کیا ہے۔

آپ اِسے مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھیے کہ قرآن حکیم یقیناً آب حیات وپیامِ روح افزا ہے۔ لیکن اِس آبِ حیات اور روح افزا پیغام سے اگر مُردہ دلوں کو زندگی عطا ہوئی، کشتِ قلوب میں تروتازگی پیدا ہوئی۔ قلوبِ انسانی کی بے جان اور خشک زمینوں میں شادابی و شگفتگی کی رُوح پرور بہاریں آگئیں تو وہ یقیناً اسی آسمانِ رحمت کی مُوسلادھار بارش کا فیضان تھا جو قرآنِ کریم یعنی پیامِ رُوح افزا کے نزول کی منزلِ آخری ہے۔ وہ آسمان رحمت اور سمائے کرم کون ہیں۔ بے شک وشُبہ وہ آسمانِ رحمت نبیٔ مکرم رحمتِ عالم رُوحِ مُجسّم مُحمّدٌ رّسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذاتِ گرامی ارواحِ عالم کے لئے سببِ نازادر نبوّت ورسالت کے لیے باعثِ صد افتخار ہے۔ حضور پیکرِ نور ابتدائے خلقت ہی سے سراپا روح ہیں جن کی روحانیتِ کبریٰ کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی روحانیت نے مشاہدہ فرمایا اور اس کی تعبیر اشعار کے ذریعہ اِس طرح فرمائی ؎

اوروں کی رُوح ہو کتنی ہی لطیف اُن کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی رُوح ہے پاک ہے نورانی ہے

رب تعالیٰ حیّ وقیّوم ہے، قرآن حکیم نعمتِ روح افزا، جبریلِ امین رُوح قدس ہیں اور مہبطِ وحی سرکار دوعالم پیکرِ رُوح اب ذرا اِس سلسلۂ رُوحانی سے وابستگی کی زود اثر تاثیر ملاحظہ فرمائیں۔

جن لوگوں نے حیّ وقیوم رب سے صحیح عقیدہ کا رابطہ قائم کرلیا۔ پھر جبریل امین سے صحیح ایمانی تعلق استوار کیا پھر سرکار روحِ اعظم نور اکبر صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے ایمان وایقان کا رشتہ درست ومُستحکم کرلیا پھر قرآنِ کریم کو شرحِ صدر سے آبِ حیات تسلیم کرلیا ان کی زندگی اور روحانیت کی دل کش تصویر قرآنِ حکیم کے آئینۂ مُصفّٰی میں ملاحظہ فرمائیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔

اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس کے لئے ایک نور کردیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اُس جیسا ہو جائے گا جو اندھیریوں میں ہے اور اُن سے نہ نکل سکے۔ (ترجمہ)

مُردہ سے کافر اور زندہ سے مومن مُراد ہے کیونکہ کفر قلوب کے لیے

موت ہے اور ایمان حیات ہے۔ نور سے ایمان مراد ہے جس کی بدولت
آدمی کفر کی تاریکیوں سے نجات پاتا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ نور سے کتاب
اللہ یعنی قرآن مراد ہے جس سے لوگوں میں چلتا ہے اور بینائی حاصل کر کے
راہِ حق کا امتیاز کر لیتا ہے ـــــ کفر و جہل و تیرہ باطنی کی یہ ایک
مثال ہے جس میں مومن و کافر کا حال بیان فرمایا گیا کہ ہدایت پانے والا
مومن اُس مردہ کی طرح ہے جس نے زندگی پائی اور اس کو نور ملا جس
سے وہ مقصود کی راہ پاتا ہے اور کافر اس کی مثل ہے جو طرح طرح کی
اندھیریوں میں گرفتار ہوا اُن سے نکل نہ سکے ہمیشہ حیرت میں مبتلا رہے۔

یہ دونوں مثالیں ہر مومن و کافر کے لیے عام ہیں۔ اگرچہ نزول
خاص شخص کے سلسلہ میں ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شانِ
نزول مروی ہے۔ جس کے بیان کی سلسلۂ مضمون میں چنداں حاجت نہیں۔

روحانیت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیشِ نظر رکھیے
آگ سے قریب ہونے والا انسان گرمی اور تپش محسوس کرتا ہے اور جس کو
آگ چھوئے وہ جلن اور سوزش سے بے تاب ہو جاتا ہے۔ جو چیز آگ
میں جاتی ہے وہ جل جاتی ہے بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو آگ کا رنگ و روپ
اختیار کر لیتی ہیں۔ جیسے لوہا جب یہ آگ میں داخل ہوتا ہے تو کچھ دیر کے بعد
آگ ہی کی طرح سرخ ہو جاتا ہے آگ اس میں حلول نہیں کرتی بلکہ اپنے
اثر و کیفیت سے متکیّف بنا کر شکل و صورت بدل دیتی ہے۔ یہ ایک ناقص
مثال ہے جو محض افہام و تفہیم کے لیے پیش کی گئی ہے بے تشبیہ و بے تمثیل
اللہ عزّ و جلّ اور اس کے کلام روحی نظام اور اُس کے حبیب سراپا روح
و نور سے جو جتنا قریب ہوتا جاتا ہے وہ روحانی حقایق و لطایف کے
آثار و کوایف سے کیف اختیار کرنے والا اور اثر قبول کرنے والا ہوتا جاتا
ہے اسی تکیُّف کا حال یہ ہوتا ہے کہ عالمِ روحانی کی سیر کرنے والے حضرات
یہ نعرہ لگاتے نظر آتے ہیں "اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا، اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا"
روح کی اثر آفرینی اور اس کی سرایت کی شان قرآنِ حکیم میں سورۂ
طٰہٰ شریف کی اس آیت سے معلوم کیجیے "قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ
قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ
أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا اے سامری اب تیرا
کیا حال ہے تو نے ایسا کیوں کیا اس کی وجہ بتا تو سامری بولا میں نے وہ دیکھا
جو لوگوں نے نہ دیکھا یعنی میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور
ان کو پہچان لیا وہ اسپِ حیات پر سوار تھے میرے دل میں یہ بات
آئی کہ میں اُن کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی خاک لوں تو فرشتے کے نشان
سے ایک مٹھی بھری پھر اُس بچھڑا میں ڈال دیا جس کو میں نے بنایا تھا اور
میرے جی کو یہی بھلا لگا اور یہ فعل میں نے اپنی ہی ہوائے نفس سے کیا کوئی
دوسرا اس کا باعث و محرک نہ تھا (مفہوم)

غور فرمائیں روح الامین اسپِ حیات پر سوار ہیں گھوڑا کی سُم سے
زمین مس ہوئی اِس مَس نے زمین کے اُس حصّۂ خاکی کو زندگی بخش دی بلکہ
دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا بنا دیا جبھی تو اس خاک نے بچھڑا میں
زندگی کا اثر رونما کر دیا۔ آپ نے روح کی اثر آفرینی و حیات بخشی کی شان
ملاحظہ فرمائی۔ کیا آپ اسے ایک چراغ سے سیکڑوں چراغ کا روشن ہونا
نہ کہیں گے؟ اگر آپ ایسا کہنے پر مجبور ہوں اور کہے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہ ہو تو
آپ کے پردۂ ذہن پر اس تصوّر کا نقشِ حسین بھی ضرور اُبھر چکا ہوگا کہ واقعی
ایک چراغِ روح سے ہزاروں لاکھوں ہی نہیں بلکہ بے شمار روحانی چراغ
روشن ہوئے ہیں ہوتے آرہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

روح کی حیات بخشی کی دوسری مثال سورۂ حجرات شریف کی اس آیت
کریمہ سے ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا"

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو اُن میں صلح کراؤ

اب تفسیر خزائن العرفان سے اس کی شان نزول کے متعلق
واقفیت حاصل کیجیے۔

"نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تشریف لے جاتے
تھے۔ انصار کی مجلس پر گذر ہوا۔ وہاں تھوڑا سا توقف فرمایا۔ اس جگہ دراز گوش
نے پیشاب کیا تو ابن اُبَی (رئیس المنافقین) نے ناک بند کر لی حضرت عبداللہ
ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور کے دراز گوش کا پیشاب تیرے
مُشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے۔ حضور تو تشریف لے گئے ان دونوں میں بات
بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ گئیں اور ہاتھا پائی کی نوبت پہنچی
تو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لایے اور ان میں صلح کرا دی
اس معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی"۔

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں محبّانِ رسول اور شاتمانِ رسول
کے درمیان جو آج تقریری، تحریری اور فعلی جنگ جاری ہے یہی جنگ
صدرِ اوّل میں بھی تھی۔ یہاں بھی محبّانِ رسول یعنی سرکارِ دو عالم کی تعظیم و
محبّت کرنے والے حضرات تعظیم و تکریم رسول ہی کی خاطر نبرد آزما ہیں اور
دشمنانِ رسول اہانتِ رسول پر اڑے ہوئے مورچہ بند ہیں۔ ابنِ اُبَی اور
عبداللہ بن رواحہ کے درمیان تلخی و ترشی پھر دونوں کی قوموں کے درمیان
جنگ کی نوبت عقیدتِ رسول و نفرتِ رسول احترامِ رسول و اہانتِ رسول کی

خاطر تھی۔ یہی عینِ حقیقت ہے۔ یہی جنگ صدرِ اوّل سے آج تک برابر ہوتی آرہی ہے ــــ

مقامِ حیرت و تعجب یہ ہے کہ نہ تو خالقِ کائنات نے اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو اس عقیدت سے روکا اور نہ اُن کے اس ارشاد کو غلو ٹھہرایا کہ اے عبداللہ بن رواحہ یہ تم نے کیا کہہ دیا پیشاب تو ہر کسی کا ناپاک و بدبودار ہوتا ہے تم نے دراز گوش کے پیشاب کو مُشک سے بہتر خوشبو والا کیسے کہہ دیا۔ وحیِ الٰہی آئی بھی تو یہ کہ ایک منافق بدعقیدہ کی وجہ سے تم اہلِ ایمان ہو کر بھی حمایتِ قومی میں کیوں لڑ پڑے۔ حضور نے بھی واپس آکر صلح کرا دی اور حضرت عبداللہ ابنِ رواحہ سے اِس اظہارِ عقیدت پر کچھ بھی ناگواری کا اظہار نہ فرمایا۔

خیر یہ تو محض ایک ضمنی بات تھی اصل استدلال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ کا ارشاد مبنی بر حقیقت تھا۔ ان کا دن رات کا مشاہدہ تھا کہ حضور کا جسمِ مبارک معدنِ عطر و گلاب ہے جس راستہ اور جس گلی سے حضور گزر جاتے ہیں وہ راستہ اور گلی خوشبو سے بس جاتی ہے۔

اِسی حقیقت کو حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ یوں ظاہر فرماتے ہیں ؎

وہ تھا بدن یا کوئی گُلِ تر پھر اس کی خوشبو وہ رُوح پرور
جدھر سے گذرا بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہو کر

خود اعلیٰحضرت جن کی روحانی خدمات کا بیان موضوع تحریر ہے دیکھیے کتنے پیارے اور دلکش انداز میں اس حقیقت کو پیش فرماتے ہیں ؎

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں — جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں
عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشکِ تر گلاب — ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گذر کی ہے

غور فرمائیے جس ذات کے پسینے کی خوشبو سے زمین، ہوا، غبار، راہ اور کوچہ خوشبودار ہو جائے اس ذاتِ کریم نے اگر دراز گوش کے سراپا کو معطّر فرما دیا ہو اور اس کے پیشاب کی حقیقت بدل کر مُشک سے بہتر ہو گئی ہو تو اس میں تعجّب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اِسی سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس طرح حضور کی خوشبو دوسروں کو خوشبودار بنا دیتی تھی، جس طرح آپ کا نور دوسروں کو بھی پُر نور کر دیتا تھا اسی طرح آپ کی نورانیت بھی ہر اس شخص کو جو مدارجِ قرب میں جتنا آپ سے قریب ہوتا گیا اسی اندازِ قرب کے مطابق اسے رُوحانی طاقتوں سے نوازا جاتا رہا۔ چودہ سو سالہ اسلامی زندگی کے ہر دَور پر غایرانہ نظر ڈالیے تو تسلسل بلا انقطاع رُوح بخشی کا یہ رُوح پرور ایمانی منظر آنکھوں کے سامنے جگمگاتا نظر آئے گا۔

رُوح اور رُوحانیت کوئی مادّی چیز نہیں ہے بلکہ ایک جوہرِ لطیف امرِ ربّی، اور عالمِ امر کی خالص حقیقتِ مجرّدہ ہے کسی روح کو ناپنے اور وزن کرنے کے لیے دُنیاوی پیمانہ اور ترازو کا استعمال مُحال ہے اس کے ناپ و تول کے لیے صرف قرآنی پیمانہ اور ترازو ہی واحد ذریعہ ہے اور بس

یہ حقیقت بالکل عیاں اور واضح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صاحبِ ہیبت و جلال اور سلطانِ ذی وجاہت سے جتنا ہی دُور ہوگا اس کے دل میں دہشت و رُعب کی اتنی ہی کمی ہوگی۔ اہلِ اقتدار، خود مختار، مطلق العنان شخصیت سے علی حسب مراتب دوری بے خوفی ناترسی اور غفلت و بے پروائی کا سبب ہوگی۔

اہلِ مرتبت اور صاحبِ سلطنت امراء و حکام سے دور رہنے کی حالت میں لوگ اس کے متعلق کتنے بڑے گستاخ، دشنام طراز اور شیخی باز ہوتے ہیں وہ ظاہر و آشکارا ہے مگر یہی لوگ جب وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ نہیں بلکہ علاقائی سطح کے افسروں کے حضور جاتے ہیں تو زبان خشک، بدن ساکن و ساکت، یارائے سخن مفقود ہوتا ہے اس میں راز کیا ہے؟ وہی حاضرانہ اور غایبانہ حضوری و غیبوبت، نزدیکی اور دوری اور قُرب و بُعد کے عالم میں قلبی حالتوں کا مختلف ہونا ہے۔

رب تعالیٰ سے جن خوش نصیبوں کو بلا تشبیہ جتنا قربِ حضوری حاصل ہوجاتا ہے اتنا ہی ہیبت و جلالِ الٰہی کا تسلّط بڑھتا جاتا ہے۔ رُوحانیت نکھرتی جاتی ہے۔ خوفِ خدا و خشیتِ الٰہی کے آثار پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں، کیا گفتار و کردار، کیا نشست و برخواست سبھی صِبْغَۃَ اللّٰہِ رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ذات پاک تو بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کا مژدہ عام ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ کا اعلان موجود ہے۔۔ انسان خواہش و حرص، ہوا و ہوس کا پُتلا ہے۔ نفسِ اَمّارہ کی تاریکیوں کی وجہ سے حجاب در حجاب میں ہے اس حجاب کو چاک کر کے جیسے جیسے وہ حضوری کی دولت سے مالامال ہوتا جاتا ہے اس بشارت کا مصداق بنتا جاتا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہیں، سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے کے حضور (یعنی اس کی بارگاہ کے مقرب ہیں)

صحابۂ کرام حضوری و فکرِ الٰہی اور حُبِّ رسالت پناہی کے پیکر تھے اس لیے اُن کے خوف و خشیت کا بیان جابجا قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔ یہی وہ پیمانہ و میزان اور معیار ہے جس سے قیامت تک کے صاحبِ روحانیت کے روحانی مقام کو جانا پہچانا جا سکتا ہے۔ ساتویں پارہ کی ابتدائی آیت تلاوت کیجیے

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ

اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اُترا (یعنی قرآن شریف) تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں اس لیے کہ وہ حق کو پہچان گئے کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے۔

اور یہ ان کی رقتِ قلب کا بیان ہے کہ قرآن کریم کے دل میں اثر کرنے والے مضامین سُن کر رو پڑتے ہیں۔ چنانچہ نجاشی بادشاہ کی درخواست پر حضرت جعفر نے اس کے دربار میں سورۂ مریم اور سورہ طٰہٰ کی آیات پڑھ کر سُنائیں تو نجاشی بادشاہ اور اُس کے درباری جن میں اُس کی قوم کے علماء موجود تھے سب زار و قطار رونے لگے۔ اِسی طرح نجاشی کی قوم کے ستر آدمی جو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے حضور سے سورۂ یٰسین سُن کر بہت روئے اور کہا اے رب ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم نے اُن کے برحق ہونے کی شہادت دی تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل کر جو روزِ قیامت تمام اُمّتوں کے گواہ ہوں گے۔ (یہ انہیں انجیل سے معلوم ہو چکا تھا)"

اب آپ کا ذوقِ ایمانی ہی صحیح فیصلہ کرے گا کہ قلب کی یہ رقّت، آنکھوں کی یہ گُہر افشانیاں کس خشیتِ ربّانی اور کس سلطانِ عشق کی فرماں روائی کا پتہ دے رہی ہیں۔ یقیناً یہ کسی بلند و بالا رُوحانی مقام و منزل کی آئینہ دار ہیں جو قُربِ حقیقی کی لذت پالینے کے بعد ہی میسّر ہوتی ہیں۔

کشتِ نظر کی سیرابی کے لیے سورۂ مومنون کی ایک آیت تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیجیے۔

"وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ"

ترجمہ اور تشریح ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

"اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں زکوٰۃ و صدقات یا یہ معنیٰ ہیں کہ اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور اُن کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ اُن کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں تو حضور نے فرمایا کہ اے صدیق کی نور دیدہ ایسا نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا بیان ہے جو روزے رکھتے ہیں صدقہ دیتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔"

محلِّ غور ہے کہ یہ حضرات عبادت کے باوجود اس قدر لرزاں و ترساں ہیں آخر کیوں؟ یہ اس لیے کہ مقامِ قُرب و مرتبۂ حضوری کا تقاضا یہی ہے۔ یہ اُن کی پاکیزگیٔ رُوح کی علامت ہے اس کے برعکس ہم سیہ کاروں عصیاں شعاروں کا حال یہ ہے کہ دن رات بدی کرتے ہیں اور بے خوف رہتے ہیں یہ بُعد و دُوری و غیبوبت کا اثر ہے۔

سورۂ زمر شریف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ۔

یہاں بھی ترجمہ و تشریح ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ کریں۔

"اللہ تعالیٰ نے اُتاری سب سے اچھی کتاب قرآن شریف جو عبارت میں ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ کوئی کلام اس سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھ سکتا۔ مضمون نہایت دل پذیر ہے باوجودیکہ نہ نظم ہے نہ شعر، نرالے ہی اسلوب پر ہے اور معنیٰ میں ایسا بلند مرتبہ کہ تمام علوم کا جامع اور معرفتِ الٰہی جیسی عظیم الشان نعمت کا رہنما کہ اوّل سے آخر تک یہ کتاب حُسن و خوبی میں ایک سی ہے۔ دوہرے بیان والی کہ اس میں وعدہ کے ساتھ وعید اور امر کے ساتھ نہی اور اخبار کے ساتھ احکام ہیں۔ اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر اُن کی کھالیں اور دل یادِ خدا کی طرف رغبت میں نرم پڑتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے کہ ذکرِ الٰہی سے اُن کے بال کھڑے ہوتے، جسم لرزتے ہیں اور دل چین پاتے ہیں"

مقامِ غور و فکر ہے کہ دلوں اور کھالوں کا نرم پڑجانا بالوں کا کھڑا ہو جانا جسم کا لرزاں، قلب کا ترساں اور آنکھوں کا گریاں ہونا یہ تمام چیزیں روح کے اعلیٰ مقام کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ آج ہم میں شاذ و نادر ہی ایسے لوگ ہوں گے جن میں قرآن حکیم کو پڑھ کر یا سُن کر یہ کیفیت پیدا ہوتی ہو ایسا محض اس لیے ہے کہ ہماری رُوحیں دُنیاوی آلائشوں سے ملوّث ہیں اور اُسفلیت کے پست ترین مقام تک پہونچی ہوئی ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ

میں نے آپ کے سامنے روحانیت کا ایک معیارِ قرآنی پیش کر دیا اسی معیارِ قرآنی پر ہر اسلامی دور میں اولیائے کرام، اصفیائے عظام اور ابرارِ انام قافلہ در قافلہ لباسِ روحانیت میں ملبوس نظر آتے ہیں سرزمین ہند میں اُن ذواتِ قدسیہ کا کارواں مسلمانی حکومت میں اور اس کے بعد بھی

دعوتِ فکر و عمل دیتا نظر آتا ہے۔ ان حضرات کی روحانی خدمتیں روزِ روشن کی طرح آشکارا ہیں تفصیل کا موقعہ نہیں بلکہ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اسی پاکباز جماعت کے ایک فردِ کامل اپنے عہد میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تھے جو میری تمہیدِ عرفانی اور معیارِ قرآنی کے مطابق روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور اُن کی خدماتِ روحانی اظہر من الشمس ہیں ذیل میں چند ایسے اقتباسات آپ کی تصانیف سے درج کیے جاتے ہیں جن سے آپ کے مقامِ روحانیت کی بلندیاں آپ کی روحانی خدمتیں چشمِ بصیرت پر آشکار و ہویدا ہوتی ہیں۔

روحانیت کے نام پر اہلِ تصوّف نے جو غلطیاں کی ہیں اور اُن میں جو خامیاں آگئی ہیں اس کی اِصلاح اعلیٰحضرت نے جس انداز میں فرمائی ہے وہ وہی کرسکتا ہے جو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ "فتاویٰ افریقہ" میں اعلیٰحضرت سے ایک سوال کیا گیا کہ بیعت (مرید ہونا) فلاح کے لیے ضروری ہے یا نہیں کیا بیعت کے بغیر بھی فلاح مل سکتی ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں ایک تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اعلیٰحضرت نے ہر گوشہ کو واضح کیا ہے۔ فلاح کس کو کہتے ہیں اور اس کی کتنی صورتیں ہیں اس پر قلم اُٹھاتے ہوئے اِس طرح رقم طراز ہیں۔

(فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۲۸) "اوّل فلاحِ ظاہر۔ حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ نِرے ظاہر داروں کو مطلوب۔ جن کی نظر صرف اعمالِ جوارح پر مقصود۔ ظاہر احکامِ شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزّہ کرلیا اور متقی و مفلح بن گیے اگرچہ باطن ریا و عُجب و حسد و کینہ و تکبّر و تبلیغ و حُبِّ جاہ و محبتِ دُنیا و طلبِ شہرت و تعظیمِ امراء و تحقیرِ مساکین و اتباعِ شہوات و مداہنت و کفرانِ نعم، و حرص و بُخل، و طولِ امل، و سوئے ظن و عنادِ حق و اصرارِ باطل و مکر و غدر و خیانت و غفلت و قسوت و طمع و تملّق و اعتمادِ خلق و نسیانِ خالق و نسیانِ موت و جرءت علی اللہ و نفاق و اتباعِ شیطان، و بندگیٔ نفس و رغبتِ بطالت، و کراہتِ عمل و قلتِ خشیت و جزع و عدمِ خشوع و غضب للنفس و تساہل فی اللہ وغیرہا مہلکات آفات سے گندہ رہا ہو جیسے مزبلہ پر زربفت کا خیمہ اوپر زینت و اندر نجاست پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری صلاح پر قایم رہنے دیں گی۔ حاشا معاملہ پڑنے دیجیے کون سی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے۔ کون سی ناکردنی ہے کہ اٹھا رکھیں گے اور پھر بدستور صالح عوام کی کیا گنتی آج کل بہت علمائے ظاہر اگر متقی ہیں بھی تو اسی قسم کے۔ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ۔"

اعلیٰحضرت نے جن چالیس عیوب و نقایص کا ذکر فرمایا ہے اور جن سے بچنا فلاحِ ظاہر کے لیے لازمی قرار دیا ہے ان سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو حسبِ مراتب قُربِ الٰہی و حُبِّ سرکارِ دوعالم سے تعلّقِ خاص رکھتا ہو اور اِن عیوب کی نشان دہی وہی کرسکتا ہے جو مقامِ رُوحانیت سے بہترین واقفیت رکھتا ہو، جس کا قلب خوفِ الٰہی اور خشیتِ ربانی سے لرزاں و ترساں ہو۔

پیر بننے کے لیے علم کی شدید ضرورت ہے اس ضمن میں بحث کرتے ہوئے "فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۳۲" پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں

"(پیر بننے کی تیسری شرط) عالم ہو اَقُوْلُ علمِ فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقایدِ اہلِ سُنّت سے پورا واقف، کفر و اسلام و ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بد مذہب نہیں کل ہوجائے گا فَمَنْ لَّمْ یَعْرِفِ الشَّرَّ فَیُوْمًا یَقَعُ فِیْہِ صدہا کلمات و حرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے اور جاہل براہِ جہالت ان میں پڑجاتے ہیں اوّل تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ اُن سے قول یا فعلِ کفر صادر ہوا اور بے اِطّلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سَلِیْمُ الطَّبْع جاہل ڈر بھی جائے توبہ بھی کرلے مگر وہ جو سجّادۂ مشیخت پر ہادی و مُرشد بنے بیٹھے ہیں اُن کی عظمت کہ خود اُن کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ۔"

اعلیٰحضرت کی یہ واضح ہدایت اور بے لاگ روحانی تحریر جہاں آج کل کے جاہل اور بے عمل پیروں کے ضمیروں کو جھنجھوڑ رہی ہے وہیں عام مسلمانوں کی صحیح رہبری بھی کررہی ہے ساتھ ہی مقامِ اعلیٰحضرت کی نشان دہی بھی کررہی ہے مزید وضاحت کرتے ہوئے "فتاویٰ افریقہ" ہی میں صفحہ ۱۳۹ پر علم و یقین کی روشنی میں روحانی اور ایمانی فیصلہ اس طرح فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

"فلاحِ تقویٰ اقولُ اس کے لیے مرشدِ خاص کی ضرورت بہ ایں معنیٰ نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے جیسا کہ اوپر گذرا۔ فلاحِ ظاہر ہے اس کے احکام واضح ہیں۔ آدمی اپنے علم سے یا علماء سے پوچھ کر مُتّقی بن سکتا ہے۔ اعمالِ قلب میں اگرچہ بعض دقایق ہیں مگر محدود اور کُتبِ اَئمّہ مثل امام ابوطالب مکّی و امام حُجّۃ الاسلام غزالی وغیرہما میں مشروح تو بے بیعتِ خاص بھی اس کی راہ کُشادہ اور اس کا دروازہ مفتوح یہ جبکہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو ہم اوپر بیان کر آئے کہ غیر مُتّقی سُنّی بھی بے پیرا نہیں، مُتّقی کیونکر بے پیرا یا معاذ اللہ مُریدِ شیطان ہوسکتا ہے اگرچہ کسی خاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کہ یہ جس راہ میں ہے اُس میں مُرشدِ عام کے سوا مُرشدِ خاص کی ضرورت ہی نہیں تو جتنا پیر اُسے درکار ہے حاصل ہے۔

تو اولیاء کا قول دوم کہ جس کے لیے شیخ نہیں اُس کا شیخ شیطان ہے اس سے متعلق نہیں ہو سکتا اور قول اول کہ بے پیر فلاح نہیں پاتا تو بداہۃً اس پر صادق نہیں۔ فلاحِ تقویٰ بلا شبہ فلاح ہے اگرچہ فلاحِ احسان اس سے اعظم و اجل ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۔ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچے تو ہم تمہاری برائیاں مٹا دیں گے اور تمہیں عزت والے مکان میں داخل فرمائیں گے یہ بلاشبہ فوزِ عظیم ہے۔"

سماع بالمزامیر آلاتِ سُرود مثل طبلہ و سارنگی و بربط و ستار کے ساتھ قوالی کا سُننا یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام اور علمائے عظام اس مسئلہ میں یا تو خود ملوث نظر آتے ہیں یا قول و فعل میں تضاد کے شکار ہیں یا خاموشی ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ بہت کم ہی ایسے ہیں جنھوں نے قرآن و حدیث کے آئینہ میں حقانیت و صداقت کی مُقدس تصویر پیش کرنے کی کوشش یا جُرأت کی ہے۔ اعلیٰحضرت نے اس اہم مسئلہ پر جو روحانی اور حقانی فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ناموسِ شریعت کے مقابلہ میں کسی کی کوہ قامت شخصیت یا لبادۂ تصوف اُنہیں ذرہ برابر بھی راہِ حق سے مُنحرف نہ کر سکا۔ یہیں پر خدا ترسی، خشیتِ الٰہی اور تقربِ خدا و رسول کا دل نشیں منظر سامنے آتا ہے۔ اور یہیں اُن کی روحانیت کا مقامِ بلند اپنی فہم و فراست کے مطابق سمجھ میں آتا ہے۔

احکامِ شریعت حصہ اول صفحہ ۳۲ میں ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ کو ایک سوال کیا گیا ہے جو مسئلہ ۱۰ کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔ سوال و جواب دونوں ملاحظہ فرمائیں۔ (سوال)

بہ عالی خدمت امام اہلِ سُنت مجددِ دین و ملت معروض کہ آج میں جس وقت آپ سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا بعد نماز مغرب کے ایک میرے دوست نے کہا چلو ایک جگہ عُرس ہے میں چلا گیا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں۔ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول اور دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیرانِ پیر دستگیر کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں کیا اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے اور یہ حاضرینِ جلسہ گناہ گار ہوئے یا نہیں اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کس طرح کی۔ بیّنوا و توجروا۔

الجواب

ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عُرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے۔ اور قوالوں کا بھی گناہ اس عُرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عُرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو۔ نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پُورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جُدا۔ اور ایسا عُرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جُدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ وجہ یہ کہ حاضرین کو عُرس کرنے والے نے بُلایا۔ اُن کے لیے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سُنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سُناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اِس لیے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہُوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عُرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا نہ بُلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے لہٰذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا۔

صفحہ ۳۴ میں فرماتے ہیں۔ بعض جہال بدمست یا نیم مُلّا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادہ بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے متشابہ پیش کرتے ہیں انھیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہاں حکایتِ فعل پھر کجا مُحرِّم کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے کاش گناہ کرتے اور گُناہ جانتے، اقرار لاتے یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اور اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم وعنا بہم فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں "مزامیر حرام است" الخ

زیارتِ قبور، ایصالِ ثواب، فاتحہ اور عُرس کے جواز اور استحسان میں قطعی کلام نہیں لیکن خلافِ شرع امور کا ان میں داخل کر لینا کس قدر معصیت کا سبب ہے اس پر اہلِ نظر کی توجہ لازمی ہے۔ اعلیٰحضرت نے قبروں کا سجدہ بالکل ہی حرام فرمایا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۲۱۳ سے واضح ہے اس کے علاوہ الملفوظ جلد دوم صفحہ ۱۰۶ میں عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت

خصوصاً اجمیر شریف جانے کے ارادہ سے اجمیر پہونچنے پھر واپس ہونے تک جس انداز میں ممانعت فرمائی ہے وہ اعلیٰحضرت ہی کا حصّہ ہے۔ سوال ہے کہ "حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کو جانا جائز ہے یا نہیں"۔ جواب دیتے ہیں "غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحبِ قبر کی جانب سے جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملایکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں وہاں کی حاضری البتّہ سُنّتِ جلیلہ عظیمہ قریب بہ واجبات ہے"۔

آخر میں اعلیٰحضرت مزارات کی زیارت کے سلسلہ میں عورتوں کے لیے یہ فیصلہ فرماتے ہیں "لہٰذا اُن کے لیے طریقۂ اسلم احتراز ہی ہے اس ضمن میں اعلیٰحضرت کا ایک اور فتویٰ مُلاحظہ فرمایئں فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۱۶۵ مسئلہ نمبر ۱۳۵ پیش نظر ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے واسطے زیارتِ قبور درست ہے یا نہیں

(الجواب) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْھَا (میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا آگاہ ہو جاؤ اب تم لوگ قبروں کی زیارت کرو) علماء کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت بعد النہی میں عورات بھی داخل ہویں یا نہیں اَصَحّ یہ ہے کہ داخل ہیں کما فی بحر الرّائق مگر جوانیں ممنوع ہیں جیسے مساجد سے اور اگر تجدیدِ حُزن مقصود ہو تو مطلقاً حرام۔ اَقُوْلُ۔ قبور اقربا پر خصوصاً بحال قرب عہدِ ممات تجدیدِ حزن لازمِ نساء ہے اور مزاراتِ اولیائے کرام پر حاضری میں اِحدی الشناعتین (فتنہ میں مبتلا ہونا یا تجدیدِ حُزن) کا اندیشہ یا ترکِ ادب یا ادب میں افراط ناجائز تو سبیلِ اطلاق منع ہے لہٰذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتّہ حاضری وخاکبوسی آستانِ عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظمِ مندوبات بلکہ قریب واجبات ہے اس سے نہ روکیں گے اور تعدیلِ آدب سکھایئں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۸ سے مسئلہ ۵ ملاحظہ کیجیے جو مزارات اولیاء کے سلسلہ میں ایک قابلِ غور اور لائقِ عبرت فتویٰ ہے۔

(سوال) پیر مرشد کے مزار کا طواف کرنا اور مزار اور مزار کی چوکھٹ کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور مزار سے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کے ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطّواف مخصوص بہ خانۂ کعبہ ہے مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شریعت میں ممانعت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی قال اللّٰہُ تعالیٰ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (حکم نہیں ہے مگر اللہ ہی کا) ہاتھ باندھے اُلٹے پاؤں واپس آنا ایک طرزِ ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حَرَج نہیں۔ ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے واللہ تعالیٰ اعلم

اعلیٰحضرت کی تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ منہاجِ شریعت اور منوالِ سُنّت سے کہیں بھی یک سرِ مو فرق نہیں آنے دیا۔ اس بات کا مکمّل خیال رکھا ہے کہ جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کہا جائے۔ جو شے مُباح ہے اس کو بلاوجہ ناجائز کہنے والوں پر سخت سرزنش فرمائی ہے اسی طرح غیر شرعی امور کو داخلِ عمل کرنے والوں پر اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اگر کسی نے فاتحہ کی چیز کو سامنے رکھ کر ہی فاتحہ کرنے کو ضروریات دین میں سے سمجھا کہ اسکے بغیر فاتحہ دُرست نہیں تو اس کی تنبیہ اس طرح فرمائی کہ یہ شریعتِ مُطہّرہ پر افترا ہے ایسے شخص کے لیے توبہ لازم ہے۔ ساتھ ہی سامنے رکھنا ناجائز کہنے والوں پر بھی اپنی خفگی کا اظہار یوں کیا کہ یہ شریعت پر اپنی طرف سے زیادتی ہے ایسے شخص کے لیے بھی توبہ واجب ہے اس لیے کہ شے سامنے ہو یا سامنے مُوجود نہ ہو ہر حال میں فاتحہ درست اور جائز ہے۔ اسی طرح قبروں کے اوپر عود، لوبان یا چراغ جلانے کی سخت ممانعت فرمائی اس کے علاوہ بے ضرورت اور بے وجہ چراغ روشن کرنے کو اسراف بے جا کہا لیکن صاحب مزار کی روح مبارک کی تعظیم کے لیے یا زایرین کی سہولت کے لیے یا قرآن کریم کی تلاوت کے لیے اگر قبروں سے ہٹ کر روشنی کا نظم کیا جائے تو یہ امر جائز قرار دیا کیونکہ شریعت میں اس سے ہرگز ممانعت نہیں۔ بلکہ یہ امر پسندیدہ اور بہتر ہے۔ بلکہ باعثِ خیر و برکات ہے

علیٰ ھٰذا القیاس اس قسم کے سیکڑوں مسایل ہیں جن پر بے خوفی کے ساتھ عالمانہ محققانہ انداز میں بحث فرمائی اور مومنوں کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ اولیائے کرام اور سرورِ کاینات صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد رکھنے والے پھر بھی اپنے کو عالم یا مومن

کہنے والے بہت سے فریبی انسان ایسے ہیں جو اصلاحِ قوم کے بہانے امرِ جایز اور مستحسن بلکہ مستحب اور مسنون کو بھی فنا کرنے اور مٹانے کے درپے نظر آتے ہیں اور ان چیزوں کے لیے ناجایز وحرام کا فتویٰ آسانی کے ساتھ دے دیتے ہیں کچھ بھی خدا کا خوف دل میں نہیں لاتے۔ اسی طرح کچھ جاہل صوفی، بے علم پیر اور نادان حضرات اغراضِ فاسدہ کی تکمیل اور شکم پُری یا حصولِ زر کی خاطر خلافِ شرع اور ناجایز امور کو بھی عملی طور پر کارِ خیر یا جایز قرار دیتے ہیں، خوفِ الٰہی وحسابِ محشر سے دُور رہ کر اپنی لگن میں مگن نظر آتے ہیں یہ دونوں حضرات غلطی پر ہیں۔ اوّل الذکر حضرات توہینِ رسالت اور اہانتِ ولایت کی بنا پر ایمان سے دُور اور کفر سے قریب تر ہیں بلکہ کفر کا طوق اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں۔ آخر الذکر حضرات عصیاں شعار، معصیت کیش اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے بنتے نظر آتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کی درست ہدایت اور ایماندارانہ رہ نمائی کا فریضہ اعلیٰحضرت نے قول و فعل و تحریر کے ساتھ جس طرح انجام دیا ہے اُسے آپ کی روحانی خدمات ہی سے تعبیر کیا جائے گا جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جایز کو ناجایز اور ناجایز کو جایز مت کہو، مباح و مستحسن کو حرام مت کہو اور حرام کو نوالۂ تر بنانے کے لیے حلال قرار مت دو۔ کفر کا ایمان اور ایمان کا شرک نام مت رکھو تصانیفِ اعلیٰحضرت مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے تو محض اختصار سے کام لیا ہے۔

اعلیٰحضرت کے مقامِ روحانیت کی بلندی کو سمجھنے کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم رسالہ اَنْوَارُ الْبِشَارَۃ فِی مَسَائِلِ الْحَجِّ وَالزِّیَارَۃ صفحہ ۷۲۰ وصل ہفتم حاضری سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند طریقۂ آداب ملاحظہ فرمائیں جس کی جانب صحیح رہ نمائی وہی کر سکتا ہے جو اپنے عہد میں روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فایز ہو۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

(۴) جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ کہ پیادہ ہو لو روتے، سر جھکائے آنکھیں نیچی کیے اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ ؎

جائے سر است این کہ تو پا می نہی — پائے نہ بینی کہ کجا می نہی

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا — ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(۵) جب قبۂ انور پر نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔

(۶) جب شہرِ اقدس تک پہونچو جلال و جمالِ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصوّر میں غرق ہو جاؤ۔

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ یہ اُن کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بُلایا اپنے مواجہِ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہِ کرم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمدللہ

(۱۸) الحمدللہ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اُس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزّ و جلّ کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب و وقار کے ساتھ بہ آوازِ حزیں وصوتِ دردآگیں و دلِ شرمناک و جگر چاک چاک معتدل آواز سے نہ بلند و سخت (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہو جاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سُنّت کے خلاف ہے اگرچہ وہ تمہارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحاتِ ائمہ سے گذرا)۔

(۳۸) روضۂ انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جُھکنا کہ رکوع کے برابر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اُن کی اطاعت میں ہے۔

مندرجہ بالا ہدایتوں پر غایرانہ نظر ڈالیے اور اپنی فہم و فراست کو جمع کر کے فیصلہ کیجیے ایسی ہدایتیں کیا کوئی عامی شخص یا وہ عالم جو روحانیت سے خالی ہو کبھی سوچ بھی سکتا ہے نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہ ارشادات اُسی شخص کے ہو سکتے ہیں جو مقامِ قرب کی منزلوں کو جانے ہوئے سمجھے ہوئے بلکہ دیکھے ہوئے ہو۔ خود وہ شخص اللہ عزّ و جلّ اور رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قُربِ خاص رکھتا ہو اور مقامِ قُرب کے آداب سے پوری طرح واقف ہو، روحانیت کی منزل خصوصی کا عِلم رکھتا ہو اور مرتبۂ روحانی پر فایز ہو۔

معزز قارئین کرام! میں نے تمہیدی طور پر روحانی قدروں کو واضح کرنے کے بعد اعلیٰحضرت کی روحانی قدروں کا ایک مختصر تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہے اور نمونہ کے لیے چند مثالیں بھی بہت ہیں۔ اعلیٰحضرت کی تصانیفِ جلیلہ کے مطالعہ کے بعد ہر صاحبِ علم اس فیصلہ پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے عہد اور دور میں روحانیت کے بلند مقام پر فایز تھے اور آپ کی رُوحانی خدمات روزِ روشن کی طرح واضح و لایح ہیں۔ کاش ہم اُن کے نقشِ قدم اور تعلیمات پر عمل کر کے اپنی آخرت کو تاباں و فروزاں بنا سکیں۔

خالقِ کائنات سے دُعا ہے کہ ابد الآباد تک ان کی رُوحِ مقدّس پر رحمت و عنایت کی بارش نازل فرمائے اور ان کی ہدایتوں کی ضیائے ایمانی میں ہمیں عملِ خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْن۔

امام احمد رضا اور

حزم و اتقاء

مولانا محمد عبد المبین نعمانی (فاضل اشرفیہ)

مائۃ حاضرہ کے مجدد اعظم دنیائے اہل سنت کے بطل عظیم اعلیٰحضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ العزیز کو ایک مجاہد بکیر، مصلح امت، مجدد ملت اور اہل باطل کے لئے باعث قہر و نکبت کی حیثیت سے کون نہیں جانتا؟ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں اصلاح و تجدید دین اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا عنصر جتنا نمایاں ہے دیگر نہیں۔

ایک مصلح و مجدد کو ذاتی طور پر بھی جن محاسن و محامد اور فضائل و مناقب سے آراستہ ہونا چاہیئے۔ امام احمد رضا کی ذات ان میں بھی منفرد دیکھا نظر آتی ہے خصوصاً زہد و تقویٰ اور حزم و احتیاط کی شمع آپ کی بزم حیات میں اتنی فروزاں ہے کہ دیگر اوصاف سے قطع نظر کر لیا جائے جب بھی آپ کی ولایت و عظمت میں کسی شک و ارتیاب کی گنجائش باقی نہیں رہتی، آیئے چند واقعات و شہادات کی روشنی میں اس حیثیت سے بھی حضرت امام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مرد حق آگاہ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور حزم و احتیاط کے کس بلند مقام پہ فائز ہے۔

سب سے پہلے عہد طفولیت کا ایک عبرت انگیز واقعہ ملاحظہ ہو :۔

ابھی تقریباً ساڑھے تین برس کی عمر ہے، ایک نیچا کرتا پہنے باہر سے دولت خانہ کی طرف چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے کچھ بازاری عورتوں (طوائف) کا گزر ہوا۔ ان پر نظر پڑتے ہی ساڑھے تین برس کے امام نے اپنا لمبا کرتا اٹھایا اور دامن سے آنکھیں چھپالیں یہ غیورانہ انداز دیکھ کر ان عورتوں نے تضحیکانہ طور پر کہا۔ "واہ میاں صاجزادے! نظر کو ڈھک لی اور ستر کھول دیا"

اس پر اعلیٰحضرت نے برجستہ فرمایا۔ "پہلے نظر بہکتی ہے۔ تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے"۔ اب تو ان سب عورتوں پر سکتہ طاری ہو گیا اور پھر کچھ بولنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ساڑھے تین برس کی عمر میں فکر و شعور اور عفت و پرہیزگاری کی اس قدر بلندی کم تعجب خیز نہیں۔ آپ نے اس جواب کے اندر شریعت و طریقت کے ایسے پنہاں نکتے منکشف فرما دیئے۔ جن کا ادراک آج بوڑھے ہونے کے بعد بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ سے

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

امام احمد رضا جب وصال یار کی تیاریاں کر رہے تھے، اور قریب تھا کہ اس دار فانی سے رخصت ہو کر سرکار مدینہ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کریں جس کی تڑپ نے کبھی آپ کو ستایا تو یوں نغمہ سنج ہوئے۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

اور حضرت سرکار آسی علیہ الرحمہ نے اسی موقع کی تصویر اسطرح کھینچی ہے

آج پھولے نہ سمائیں گے، کفن میں آسی
ہے شبِ گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

اعلیٰ حضرت کے برادر زادہ اور تلمیذ و خلیفہ حضرت علامہ مولینا حسنین رضا صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ (مولائے قدیر ان کے سائے کو ہمارے سروں پر دراز تر فرمائے) وقت وصال موجود تھے، فرماتے ہیں کہ ایک بجکر چھپن منٹ پر اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ گھڑی سامنے رکھ دو، گویا کہ پہلے ہی سے وقت معلوم ہے اور اب شدت سے وقت معین کا انتظار ہے۔ اور کیوں نہ واقف ہوں کہ بارگاہ نبوت کے محبوب خاص تھے، ورنہ جانکنی کا وقت اور سامنے گھڑی ہونے کی خواہش چہ معنی دارد ؟

پھر فرمایا۔ تصاویر ہٹادو، لوگوں نے سوچا یہاں تصاویر کا کیا کام؟ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ خود ہی فوراً ارشاد فرمایا۔ "یہی لفافے، کارڈ، اور روپے پیسے وغیرہ (جس میں تصویریں ہوتی ہیں)

یہاں حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا احتیاط و تقویٰ قابل دید ہے کہ حدیث میں ہے "جس گھر میں تصویر اور کتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے" مگر سکوں کو بوجہ مجبوری اس حکم سے الگ رکھا گیا ہے جیسا کہ اکثر علماء عظام کا قول ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت نے اس مبارک و مسعود وقت میں اسے بھی گوارہ نہ کیا اور احتیاط و تقویٰ کی روح پیش فرما دی۔ اور کیسا تصویر کے شائبہ سے بھی اجتناب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ تبسم فرماتے تھے، قہقہہ اور کھل کھلا کر ہنسنے سے اجتناب فرماتے تھے اور فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا پر عمل پیرا تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نماز باجماعت کی شدت سے پابندی فرماتے اور ہمیشہ عمامہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ اس لئے کہ حدیث پاک میں عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اور مسائل نماز میں کمال احتیاط اور آداب کا پورا خیال فرماتے جیسا کہ جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور ایک کوری ہانڈی جس میں بدایونی پیڑے تھے، پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کیسے تکلیف کیا؟

نووارد:۔ حضور سلام کے لئے حاضر ہو گیا ہوں۔

امام صاحب:۔ (تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائی اور پھر دریافت کیا) کہئے کوئی کام؟

نووارد:۔ کچھ نہیں یونہی مزاج پرسی کے لئے حاضر بارگاہ ہو گیا ہوں۔

امام صاحب:۔ عنایت و نوازش (قدرے سکوت کے بعد پھر فرمایا) کیا کچھ فرمایئے گا؟۔

نووارد:۔ کچھ نہیں۔

اس کے بعد امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے وہ شیرینی کی ہانڈی مکان میں بھجوادی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد ان صاحب نے ایک تعویز کی درخواست کی۔ اس پر امام احمد رضا کا انداز بدل گیا اور فرمایا۔ میں نے تو پہلے ہی تین بار دریافت کیا مگر آپ نے کچھ نہ بتایا، اچھا تشریف رکھئے۔

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے بھانجے علی احمد خاں کے پاس سے جو کہ تعویذ بانٹتے تھے ایک تعویذ منگا کر ان صاحب کو دیا اور ساتھ ہی مٹھائی کی وہ ہانڈی بھی گھر میں سے منگا کر واپس فرما دیا، کہ اس کو بھی ساتھ لیتے جایئے۔ انھوں نے بہت اصرار کیا کہ حضور اس کو قبول کر لیں۔ مگر امام احمد رضا نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ہمارے یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے۔ آخر کار وہ صاحب اپنی شیرینی واپس لیتے گئے۔

کھانے کے معاملے میں بھی امام احمد رضا بڑے محتاط واقع ہوئے تھے اور آپ کا کھانا اس کے مصداق تھا کہ "خوردن برائے زیستن نہ زیستن برائے خوردن است" یعنی کھانا صرف جینے کے لئے ہے نہ کہ جینا ہی کھانے کے لئے ہے۔

چنانچہ امام احمد رضا کی غذا عام طور پر زیادہ سے زیادہ ایک چھوٹی پیالی بکری کا شوربا وہ بھی بغیر مرچ کا، اور ایک یا ڈیڑھ سوجی کا بسکٹ اور کبھی چکی کے پسے ہوئے آٹے کی چند چپاتی۔ بلکہ کبھی تو اس میں بھی ناغہ ہو جاتا۔ اور رمضان المبارک میں افطار کے بعد صرف پان پہ اکتفا فرماتے اور سحری کے وقت صرف ایک چھوٹے پیالے میں فیرنی اور چٹنی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد رضا کو آشوب چشم کی شکایت ہو گئی۔ اس دوران متعدد بار ایسا ہوا کہ امام احمد رضا نے کبھی قبل نماز کبھی بعد نماز مجھ کو پاس بلایا اور کہا کہ سید صاحب دیکھئے حلقۂ چشم سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کرکے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ دکھتی آنکھ سے جو پانی نکلتا ہے وہ ناقض وضو ہے۔ مگر اس میں اس قدر احتیاط کہ دوسرے کو آنکھ دکھا کر کیفیت دریافت کرنا۔ امام احمد رضا ہی کا مقام احتیاط ہے۔ اس لئے کہ شرعاً کوئی اتنے اہتمام کا مکلف نہیں۔

ایک مرتبہ آپ کو مٹی کے تیل کی ضرورت درپیش ہوئی، تو جہانگیر خاں رضوی تیل فروش سے فرمایا کہ مجھ کو ایک پیپا مٹی کے تیل کی حاجت ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد جہانگیر صاحب نے ایک پیپا مٹی کا تیل لاکر حاضر کر دیا۔ امام احمد رضا نے دریافت فرمایا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ تو عرض کیا حضور! ویسے تو اس کی قیمت اتنی ہے مگر آپ کم کرکے اتنی عنایت فرما دیں۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا نہیں جو قیمت عوام سے لیتے ہو وہی مجھ سے بھی لو۔ اس پر انھوں نے عرض کیا۔ حضور! آپ میرے بزرگ ہیں عالم ہیں آپ سے بھلا عام بھاؤ کیسے لوں۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا میں علم نہیں بیچتا اور پھر وہی عام قیمت عنایت فرمائی

ایک مرتبہ شام کے وقت حسب معمول پان میں تاخیر ہو گئی۔ دیر میں ایک بچہ پان لیکر حاضر خدمت ہوا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور تقریباً مغرب کے بعد دو گھنٹے ہو چکے تھے، اور یہ گزر چکا کہ امام احمد رضا افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے تھے' لانے والے بچے سے فرمایا۔

"اتنی دیر میں لایا اور اس کو ایک چپت بھی رسید کر دی"

واقعہ تو گزر گیا مگر امام احمد رضا نے بعد میں سوچا کہ میں نے غلطی کی اس بچے کو ایک چپت رسید کر دیا، لہٰذا رہا نہ گیا اور سحری کے وقت اسی بچہ کو بلوایا اور فرمایا کہ شام میں نے چپت مار دی تھی حالانکہ قصور تمہارا نہیں بھیجنے والے کا تھا۔ لہٰذا اب اس غلطی کا تدارک اسی طرح ہوگا کہ تم بھی میرے سر پہ چپت مار دو۔ اور سر سے ٹوپی اتار کر اصرار فرمایا۔ حاضرین یہ تماشا دیکھ کر مضطرب و پریشان ہو گئے۔ بچہ بھی عالم حیرت میں مبتلا ہو گیا اور عرض کیا حضور میں نے معاف کیا۔ اس پہ امام احمد رضا نے فرمایا۔ تم نابالغ تمہیں معاف کرنے کا کیا حق؟ تم چپت مار دو، مگر وہ نہ مار سکا۔ اس کے بعد اپنا بکس منگا کر اس سے مٹھی بھر پیسے نکالے اور فرمایا میں تم کو یہ اتنے پیسے دوں گا تم چپت مار دو، مگر وہ بچہ کہتا رہا حضور میں نے معاف کیا۔ آخر کار جب امام احمد رضا نے یہ دیکھا کہ یہ بدلہ نہیں لے پا رہا ہے تو خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر مبارک پر بہت سی چپتیں لگائیں اور پھر اس بچہ کو پیسے دیکر رخصت فرمایا۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اپنے تمام افعال و اعمال میں سنت تیامن (یعنی داہنے سے شروع کرنا) کا بہت خیال فرماتے۔ سوائے ان افعال میں جن میں شرعاً ممانعت وارد ہے جیسے استنجا کرنے یا ناک صاف کرنے وغیرہ افعال۔

قبلہ کا بھی بہت احترام فرماتے کبھی قبلہ کی طرف نہ تھوکتے اور نہ پاؤں پھیلاتے یہاں تک کہ کبھی قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے مسجد سے واپس نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قبلہ کی طرف

منزل کے مسجد سے نکلتے ، کبھی اگر وظائف و اوراد میں مشغول ہو کر شمالاً وجنوباً ٹہلتے تو لوٹتے وقت وسطی در سے قبلہ رُو ہو کر ہی نکلتے ایسا نہیں کہ کنارے کی کسی در سے تشریف لاتے ۔

ستر عورت کے بارے میں بھی بہت محتاط تھے ، یہاں تک کہ اگر کسی کا گھٹنا کھلا ہوتا تو اس کی طرف نظر تک نہیں فرماتے ۔ ایک مرتبہ چند فوجی نیکر پہنے حاضر ہوئے ۔ امام احمد رضا نے ان کی طرف نگاہ نہ فرمائی اور فوراً ایک کپڑا ان کے زانو پر ڈالنے کے لئے دیا پھر ان کی طرف نگاہ کی اور صرف حسب ضرورت بات کی ۔

سادات کرام کے بارے میں تو امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے واقعات بڑے ہی حیرت انگیز اور رقت آمیز ہیں ۔ آپ ان سے بے پناہ محبت فرماتے اور نہایت ہی احترام وادب کے ساتھ پیش آتے ۔ تفصیلی واقعات تو سوانح کی کتابوں میں مرقوم ہیں ۔ سر دست میں یہاں ان کے بارے میں امام احمد رضا کا ایک نہایت ہی باریک اور زبردست احتیاط پیش کر رہا ہوں ۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کسی سید کو حد لگائے تو یہ نہ خیال ہو کہ میں سزا دے رہا ہوں بلکہ تصور یہ ہو کہ محترم شاہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گیا ہے اسے دھو رہا ہوں ۔

جناب مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی کا بیان ہے کہ امام احمد رضا نماز میں اس قدر احتیاط اور جزئیات مسائل کا ایسا اہتمام فرماتے کہ عام تو عام اکثر علماء اس پر عمل کرنا تو درکنار اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں ۔ ایک سال امام احمد رضا کی مسجد میں بیس رمضان المبارک سے میں معتکف ہوا ۔ جب چھبیس رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو امام احمد رضا نے بھی اعتکاف فرمالیا ۔ قبل اعتکاف ایک دن کا واقعہ ہے کہ عصر کے وقت حضور امام احمد رضا تشریف لائے اور نماز پڑھا کر تشریف لے گئے ۔ میں مسجد کے اندر کونے میں چلا گیا تھوڑی دیر میں ایک صاحب آئے اور مجھ سے کہنے لگے آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے ؟ میں نے کہا کہ ابھی حضور کے پیچھے پڑھی ہے ، تو ان صاحب نے تعجب سے کہا کہ حضور تو اب پڑھ رہے ہیں ۔ میں نے بھی سنا تو نہایت تعجب کیا اور یقین نہ ہوا ۔ اس لئے کہ نماز عصر کے بعد کوئی نماز داخل نہیں اور امام احمد رضا نے ہم لوگوں کے سامنے نماز پڑھی اور پڑھائی ہے اور ابھی مغرب کا وقت نہیں ۔ پھر اگر کوئی غلطی ہوگئی ہوتی تو سب کو اعادہ کا حکم فرماتے ، غرض مجھ کو بڑی حیرت ہوئی ۔ انھوں نے پھر کہا دیکھ لیجئے پڑھ رہے ہیں تب میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو واقعی نماز پڑھ رہے تھے ، منتظر کھڑا رہا جب سلام پھیرا تو میں نے عرض کیا ۔ حضور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ابھی نماز پڑھائی ہے اور پھر پڑھ رہے ہیں ۔ نوافل کا بھی اس وقت سوال نہیں ۔ تو امام احمد رضا نے ارشاد فرمایا کہ قعدہ اخیرہ میں بعد تشہد حرکت نفس سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا ۔ چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے اس وجہ سے آپ لوگوں سے نہیں کہا ۔ اور گھر میں جاکر بند درست کرا کر اپنی نماز احتیاطاً پھر سے پڑھ لی ۔

یہ ایسا واقعہ ہے کہ اکثر لوگ اس کی سمجھ سے بھی قاصر ہیں ایک بزرگ نے مجھ سے اس واقعہ کو سنکر اس کی بہت قدر کی ۔ یہ بزرگ پیر عبدالحمید شاہ صاحب بغدادی ہیں بڑودہ میں تشریف لائے تھے اور جامع مسجد میں ایک روز نماز مغرب پڑھائی میں نے ان کے جیسا اثر و لطف کبھی قرآن کی تلاوت میں نہیں محسوس کیا ۔ بعد نماز میں نے معلوم کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ۔ پھر میں ان کی قیام گاہ پر گیا ۔ رعبا زقران کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایران گیا ۔ وہاں آتش پرستوں کا ایک آتشکدہ بہت پرانا تھا ۔ وہاں پر آتش پرستوں سے مناظرہ کے لئے لوگوں نے میرا انتخاب کیا تو میں نے کہا یہ لوگ جسے پوجتے ہیں اسی سے پوچھ لو یعنی آتشکدہ میں جاکر آگ سے پوچھ لو کہ وہ کس کی رعایت کرتی ہے ۔ لوگوں نے اسے محض دھمکا نا سمجھا اور میرا نام اور وہاں کے پجاری کا نام مقرر کرکے ایک معین تاریخ کو مناظرہ کا اعلان کر دیا ۔ وقت مقررہ پر تمام لوگ شہر کے جمع ہو گئے تو میں نے اس پجاری سے کہا کہ اب چلئے وہ گھبرایا اور رک گیا ۔ میں نے سوچا کہ اگر میں بھی رک گیا تو لوگ واقعی دھمکی تصور کریں گے اس لئے اکیلا ہی اس آتشکدہ میں چلا گیا اور پورے بیس منٹ تک آگ میں کھڑا رہا ۔ اس کے بعد نکل آیا ۔ یہ دیکھ کر بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے اور آتش پرستی سے توبہ کرلی ۔

اب میں نے اپنی ضعف ایمانی کی وجہ سے ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کیسے آگ میں چلے گئے ۔ فرمایا ، قرآن مجید لیکر اور یہ سمجھ کر کہ جب ہم کو قرآن نار جہنم سے بچائے گا تو اس معمولی آگ سے کیوں نہ بچائے گا ۔ یہ واقعہ اس لئے ذکر کر دیا تاکہ ناظرین ان بزرگ کی فضیلت اور قوت ایمانی کا اندازہ لگا سکیں ۔

ان بزرگ کو جب میں نے امام احمد رضا کی اس عصر کی نماز کا واقعہ سنایا پھر دوسرے دن ملاقات کی تو فرمایا کہ آج تمام رات گریہ وزاری میں گزری ساری رات میں یہی کہتا رہ گیا کہ خداوندا ! تیرے ایسے بندے بھی ابھی روئے زمین پر ہیں جو اس درجہ احتیاط سے نماز ادا کرتے ہیں ۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرنگیت اور متکبرانہ انداز کے اختیار کرنے سے بھی بہت پرہیز فرماتے تھے ۔ ایک مرتبہ کہیں تشریف لیجا رہے تھے ، ٹرین میں کچھ دیر تھی ۔ اسٹیشن پر ویٹنگ روم سے کرسی لائی گئی ۔ آپ نے فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے پھر اظہار تنفر کرتے ہوئے ضرورتاً اس پر بیٹھے مگر اس کے تکیہ سے پشت مبارک نہیں لگائی ۔

ایک مرتبہ آپ پیلی بھیت شریف میں ایک شاہ صاحب سے ملنے گئے ، وہ بیعت مریدی کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے ۔ اتفاق سے جب امام احمد رضا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شاہ صاحب عورتوں کو بے حجابانہ بیعت کر رہے ہیں ۔ یہ خلاف شرع حرکت دیکھ کر آپ کی غیرت دینی نے گوارہ نہ کیا کہ ان سے ملیں ۔ اور بغیر ملاقات کئے ہوئے واپس چلے آئے جب شاہ صاحب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور آئندہ سے احتیاط کرنے کا وعدہ کیا ۔ اس کے بعد امام احمد رضا ان سے ملے اور معانقہ کیا ۔ غالباً معانقہ اس خوشی میں کیا کہ شاہ صاحب نے ایک معصیت سے احتراز کرنے کا وعدہ کر لیا ہے اور یقیناً یہ ایک مومن کے لئے خوشی کی بات ہے ۔ (باقی ص ۲۳…)

چشم و چراغِ خاندانِ برکاتیہ

صاحبزادہ حضرت سیّد آلِ رسول حسنین قادری برکاتی ایم۔اے
خلف و جانشین حضور سیّد العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان۔

خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا مشرقی حصّہ، جامع مسجد برکاتی کے مقابل نیچی دیواروں کا ایک مکان، جس میں انار کا درخت لگا ہے۔ مکان کے مغرب میں صدر دروازے کے بائیں طرف ایک چھوٹا سا حجرہ جس میں پتھر کی چوکھٹ لگی ہوئی ہے۔ یہ قطب العارفین شمس الدین ابوالفضل حضرت سیّد شاہ آل احمد اچھے میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان سجادگی ہے۔ پتھر کی چوکھٹ والے حجرے میں ایک منقش چوبی تخت بچھا ہوا ہے۔ یہی وہ تخت ہے جہاں سے ایک عالم جھولی بھر بھر کر برکتیں لے جا رہا ہے۔

آج اس تخت پر قدوۃ العارفین خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونق افروز ہیں۔ سامنے بریلی شریف کے معزز و مقدس گھرانے کے ایک ممتاز رکن تشریف فرما ہیں۔ اسم گرامی محمد احمد رضا خاں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہے۔ سلسلۂ عالیہ میں شامل ہونے کی تمنّا لے کر آئے ہیں۔ حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ ایک ہی نظر میں نوجوان صاحبزادے کی عالی ظرفی، بلند اقبال اور روحانی استطاعت واستعداد پہچان لیتے ہیں۔ ہاتھوں میں ہاتھ لے لیتے ہیں۔ قطرہ سمندر سے جا ملتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ خود بحرِ بیکراں بن جاتا ہے۔ رسمِ بیعت اختتام پذیر ہوتی ہے۔ مرشد کی روحانی توجہ سے سرشار مرید حجرے سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ خدّام خانقاہ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ بے اختیار اسم جلالت "اللہ، اللہ" پکار اٹھتے ہیں۔ اس خانوادے کی روایت کے مطابق اسم جلالت صرف اُسی وقت بلند کیا جاتا ہے جب صاحبِ سجادہ اپنے حجرۂ سجادگی سے برآمد ہوتا ہے۔ آج خادموں کو یہ کیا سوجھی؟ حضرت خاتم الاکابر تو اب بھی اپنی جگہ تشریف فرما ہیں۔ حجرے سے باہر آنے والے تو محمد احمد رضا ہیں۔ پھر آج خاندانی روایت میں یہ فرق کیسا؟ لیکن خادموں کا کبھی کوئی قصور نہیں۔ اُن کی نظریں اس وقت احمد رضا کو نہیں، خاتم الاکابر شاہ آل رسول کو دیکھ رہی ہیں۔ سبحان اللہ! کیا طالب اور کیا مطلوب! تصرف ہو تو ایسا، ایک نظر میں اپنا جیسا بنا دیا۔ حجرۂ شریف میں داخل ہوتے تھے احمد رضا اور جب باہر تشریف لائے تو واقفِ رموز جلیہ و خفیہ، کاشف غوامض علمیہ، حلّال مشکلات ہر علم و فن، علامۂ زمن، مرجع العلماء، محی الملت والدین ....

شیخ الاسلام والمسلمین، امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکۃ، مجدد اعظم دین وملت بن چکے تھے۔

مرشد روشن ضمیر نے اپنے پیارے مرید کی پیشانی پر دستِ قدرت کی لکھی روشن تحریریں پڑھ لی ہیں۔ بریلی کے مقدس گھرانے کا یہ فرد آگے چل کر اس صدی کا مجدد بننے گا۔ حضور غوث اعظم پیرانِ پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نائب اور رسول مکرم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا وارث ہوگا۔ اس کا سینہ انوار ومعارف وعلوم و حقائق لدنیہ کا خزینہ بنایا جائے گا۔ جس کا ظرف اتنا عالی ہے اس کے لئے عطا میں کیوں کمی کی جائے دینے والے مجسم عطا لینے والے سراپا رضا، سونا تو پہلے ہی تھے، طریقت کی آنچ ملی تو کندن ہوگئے۔

سلام اس پر کہ جسے حرمین محترمین کے مفتیان کرام و ائمہ حرمین عظام و جمیع علماء اسلام نے عالم، علامۂ کامل، استاذ ماہر مجاہد، معزز، باریکیوں کا خزانہ محفوظ، برگزیدہ گنجینۂ علوم کے مشکلاتِ ظاہر و باطن کا کھولنے والا، دریائے فضائل، علمائے عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک، امام، پیشوا، روشن ستارہ، اعدائے اسلام کے لئے تیغ برّاں، استاذ معظم، دریائے ذخار، بسیار فضل، دلیر، بلند ہمت، ذہین، دانش مند، بحر ناپید اکنار، شرف وعزّت والا، صاحب ذکاء، ستھرا، کثیر الفہم، یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ، اس صدی کا مجدد، زبردست عالم عظیم الفہم جن کی فضیلتیں وافر، بڑائیاں ظاہر علم کا کوہِ بلند، زبان والا، حاوی جمیع علوم، وارث نبی، مایۂ افتخار علماء، مرکز دائرہ علوم حامی شریعت، فخر اکابر، آفتاب، معرفت، کریم النفس، عالم باعمل، عالی ہمم، نادر روزگار خلاصۂ لیل ونہار کے نام سے یاد کیا۔

سلام اس پر کہ جسے اللہ عزوجل نے محض اسلام کی حمایت اور دین کی تجدید کے لئے پیدا فرمایا۔ جس نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی۔ تشنگان بادیہ ضلالت کے لئے رشد وارشاد کے دریا بہا دیئے۔ جس نے عمر بھر دین کے رہزنوں اور ایمان کے ڈاکوؤں سے مقابلہ فرمایا۔

حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدارج عالیہ و مراتب جلیلہ
(باقی صفحہ ۲۳۷ پر)

خانوادہ برکاتیہ کا روحانی فرزند

صاحبزادہ سید محمد امین برکاتی نبیرہ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ
آل رسول برکاتی قدس سرہٗ، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، ضلع ایٹہ

ماہنامہ المیزان نے امام احمد رضا نمبر میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرایا ہے۔ اس مختصر مضمون میں راقم الحروف اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ سے متعلق ان واقعات کو بیان کرے گا جو میری ان خاندانی روایات پر مشتمل ہیں جن کا بیان مجھ سے والد ماجد حضور سیدی احسن العلماء مدظلہٗ عم مکرم حضور سید العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان اور دادا صاحب حضرت سید آل عبا قادری نوری مدظلہ نے فرمایا۔ ایک صدی سے زیادہ گزرا، ۱۲۹۴ھ میں ایک نوجوان صاحبزادے مع اپنے والد بزرگوار مارہرہ کی خانقاہ برکاتیہ میں تشریف لائے۔ سجادۂ غوثیہ برکاتیہ پر خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ تشریف فرما تھے۔ ایک مختصر مجلس میں، جس میں خاتم الاکابر کے خلیفہ، پوتے قدس سرہٗ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے پیر و مرشد یعنی جد کرم حضور پر نور خاتم اکابر ہند سید شاہ ابو الحسین احمد نوری الملقب میاں صاحب قدس سرہ اور میرے پردادا حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے حقیقی نواسے اور بڑے محبوب خلیفہ تھے، تشریف فرما تھے۔ ان دونوں حضرات بریلی کو بیعت فرما کر خلافت سے نوازا گیا۔ نوری دادا نے پوچھا کہ حضور آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے۔ ان دونوں حضرات کو آپ نے فوراً خلافت عطا فرما دی۔ حضرت سیدی شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب اور لوگ گندے دل اور نفس لیکر آتے ہیں اُن کی صفائی کی جاتی ہے پھر خلافت سے نوازا جاتا ہے مگر یہ دونوں حضرات پاکیزگیٔ نفس کے ساتھ آئے تھے صرف 'نسبت' کی ضرورت تھی، وہ ہم نے عطا کر دی۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ دونوں حضرات کون تھے یہ نوجوان صاحبزادے تھے چودھویں صدی کے ہونے والے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ محمد احمد رضا خان قادری برکاتی فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور دوسرے صاحب تھے اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان۔

اسی مجلس میں اعلحضرت کے مرشد سیدی آل رسول قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا۔ میاں صاحب! ایک فکر عرصہ سے پریشان کئے ہوئے تھی بحمد اللہ آج وہ دور ہو گئی۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول ہمارے لئے کیا لایا تو میں اپنے مولوی احمد رضا خان کو پیش کر دوں گا۔ پھر مزید ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب (نوری دادا کو اسی لقب سے یاد فرماتے تھے) اب ہم بوڑھے ہوتے ہمارا علم بوڑھا ہوا تم جو کچھ لکھا پڑھا کرو وہ مولوی صاحب کو دکھا لیا کرو"۔ سبحان اللہ مرشد برحق صاف صاف چودھویں صدی کے عہدہ مجددیت پر اعلیٰ حضرت کے فائز ہونے کی بشارت دے رہے ہیں۔

حضرت صاحب نے اُسی محفل میں اعلیٰ حضرت کو وہ تمام اعمال و اشغال وغیرہا عطا فرمادئے جو خانوادۂ برکاتیہ میں سینہ بہ سینہ چلے آرہے تھے۔ مرشد برحق کے فیض روحانی کا یہ عالم تھا کہ جب اعلحضرت حویلی سجادگی سے باہر تشریف لائے تو ایسا محسوس ہوا گویا جوانی کے دور کے حضور سیدی آل رسول تشریف لا رہے ہیں حویلی سے باہر جو فقراء اور درویش حاضر تھے انھوں نے حسب دستور قدیم اسم جلالت 'اللہ' کا نعرہ بلند کیا۔ چند لمحات کے بعد اعلیٰ حضرت اپنی اصلی شکل میں آگئے۔

بحمد اللہ ایک صدی بیت جانے کے بعد بھی، لکڑی کی وہ چوکی اور مسند جس پر صدی کے مجدد نے پیر و مرشد کے دست حق پرست پر جان و مال کا سودا کیا تھا۔ برکاتی حویلی سجادگی میں موجود ہے۔

اعلیٰ حضرت اپنے مرشدان عظام کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ کے اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا پیدل تشریف لاتے تھے اور مارہرہ سے جب حجام خط یا پیام لے کر بریلی جاتا تو 'حجام شریف' فرماتے اور اس کے لئے کھانے کا خوان اپنے سر اقدس پر رکھ کر لایا کرتے تھے۔

نوری دادا نے اعلحضرت کو 'چشم و چراغ خاندان برکاتیہ' فرمایا اور کہا کہ اس دور میں سنیت کی کسوٹی مولانا احمد رضا خاں صاحب ہیں۔ اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ

کے تعلقات شامل ہیں۔ نوری دادا، میرے مرشد برحق تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی رضی اللہ عنہ، عم محترم حضور سید العلماء نے اپنی پوری زندگی مسلک اعلیحضرت کی اشاعت کے لئے وقف فرمادی۔ خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ اعلیٰ حضرت کا شیدائی ہے۔ ہماری نجی مجالس ہوں یا عوامی جلسے ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت ہی ہم لوگوں کا نصب العین اور مطمح نظر ہوا کرتا ہے۔ اس ضمن میں اپنے عم محترم حضور سید العلماء قدس سرہ کا یہ شعر مجھے بار بار یاد آرہا ہے۔

حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے
یاالٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد

اعلیٰ حضرت کی مجددیت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انھوں نے بلاخوف وخطر اعدائے دین کا بھرپور رد کیا اور اس بات کی کبھی پروا نہیں کی کہ مخالفین کے پاس مادی وسائل بہت ہیں۔ اعلیٰ حضرت زبردست فقیہ، محدث، منطقی فلسفی، ماہر علوم ہیئت ونجوم تھے۔ اس کا ثبوت ان کی تصانیف سے ملتا ہے۔ جب مسائل میں اعلیٰ حضرت تحقیق فرمانے پر آتے ہیں تو ان کی شان فقاہت بہت واضح طور سے سامنے آتی ہے۔

اعلیٰ حضرت اردو نعت گو شعراء میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کا سلام "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" اردو کا بہترین سلام ہے۔ پورے سلام کی جان صرف یہی مصرع ہے اور اس مصرع میں بھی 'جان رحمت' کا تو جواب نہیں۔

اعلیٰ حضرت کو حضور غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ مولانا حسرت موہانی جو بذات خود زبردست شاعر تھے۔ اعلیٰحضرت کے اس شعر کے بہت مداح تھے۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اعلیٰ حضرت کو خاندان برکاتیہ سے جو عقیدت تھی اس کا عکس اب بھی حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی ذات مبارکہ سے جھلکتا ہے۔

سال گزشتہ عرس رضوی شریف کے موقع پر جب حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کمترین کو خلافت سے نوازا تو مجمع کثیر کے سامنے لاؤڈ اسپیکر پر ارشاد فرمایا کہ سرکار مارہرہ مطہرہ اور مرشد برحق سید ابوالحسین نوری رضی اللہ عنہ سے مجھے جو کچھ عطا ہوا وہ میں سب ان صاحبزادے صاحب کی نذر کرتا ہوں۔ سبحان اللہ اس کمترین پر اتنا کرم صرف حضور مفتی اعظم ہند کا خلوص بیکراں ہے۔

اس سلسلے میں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ اعلیٰ حضرت حقیقتاً چشم وچراغ خاندان برکاتیہ تھے۔ جو نسبت خاندان برکاتیہ کو ان سے اور ان کو خانوادہ برکاتیہ سے ہے وہ کسی دوسرے خانوادہ کو نہیں۔ قابل صد مبارکباد ہے ماہنامہ المیزان، جو امام احمد رضا نمبر شائع کرکے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کر رہا ہے جو عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی میری دعا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ بطفیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دینی خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین۔

(حزم واتقا کا بقیہ)

مولانا مولوی محمد حسین صاحب چشتی نظامی فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا جس قدر اطمینان اور سکون اور مسائل کی رعایت سے نماز پڑھتے تھے، اس کی مثال ملنی مشکل ہے ہمیشہ میری دو رکعت ہوتی تو ان کی ایک جب کہ میری چار رکعت دوسرے لوگوں کی چھ اور آٹھ کے برابر ہوتی ہے۔

اور نماز سے اس قدر شوق فرماتے تھے اور جماعت کا اتنا خیال کرتے کہ بسا اوقات مرض کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا نہایت دشوار ہوجاتا مگر جب نماز کا وقت آتا تو بغیر کسی سہارے خود ہی مسجد تشریف لیجاتے اور معلوم ہوتا کہ پورے طور پر صحتیاب ہیں۔

یہ چند شہادتیں "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے حضرت امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے مقام زہد وورع اور حزم واحتیاط پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

(خاندان برکاتیہ کا بقیہ)

کی تصدیق وتوثیق اللہ والوں نے فرمائی۔ جدی کریم حضور پرنور سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر رب تبارک وتعالیٰ مجھ سے فرمائے گا کہ میرے واسطے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔ حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو "چشم وچراغ خاندان برکاتیہ" کا لقب عطا فرمایا۔

میرے والد ماجد سید العلماء مولانا مولوی مفتی حافظ قاری الحاج سید آل مصطفیٰ سید میاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سچے عاشق تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے علماء متقدمین وفقہاء ومحدثین کا علم واجتہاد اور ان کی عظمت وفضیلت سر آنکھوں پر، ہمیں تو اپنے اعلیٰ حضرت ہی کافی ہیں۔

خاندان برکاتیہ آج بھی اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نسبت کو باعث صد افتخار سمجھتا ہے۔ ہماری محفلیں، ہمارے اعراس آج بھی "بریلی والے بڑے مولانا صاحب" کے نعتیہ کلام سے گونجتے ہیں۔ ہم آج بھی سینہ ٹھونک کر اعلان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت ہمارے ہیں اور ہم اعلیٰ حضرت کے۔ ہمارے وظائف وادعیہ آج بھی اسی دعا پر ختم ہوتی ہیں۔ جاری رہے تا روز جزا۔ سلسلہ اعلیٰ حضرت کا۔ فیضان اعلیٰحضرت کا۔

دین و ملّت کے مجدّد ہادی و قطبِ زماں
تا ابد تجھ پہ رہے گا رحمتِ حق کا نزول

تجدید و احیائے دین

(۱)
امام احمد رضا - مجدد اعظم

(۲)
امام احمد رضا، ایک مظلوم اسلامی مفکّر

(۳)
امام احمد رضا اور احیاء دین

(۴)
امام احمد رضا ایک تاریخ ساز شخصیت

(۵)
امام احمد رضا اور اصلاح عقائد

(۶)
امام احمد رضا اور تجدید و احیائے دین

(۷)
امام احمد رضا حدیث نبوی کی روشنی میں

(۸)
امام احمد رضا اور دینی خدمات

(۹)
امام احمد رضا اور شانِ تجدید

(۱۰)
امام احمد رضا مجدّد ملت

امام احمد رضا مجدّدِ اعظم

از مخدوم الملّت حضور محدّث اعظم ہند علیہ الرحمہ

خاندان اشرفیہ کے اکابر نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کے بعد محدث اعظم ہند کو امام احمد رضا کے حوالے کیا ۔ تاکہ علوم و فنون کے اس ہمالہ سے بھی فیض حاصل کر سکیں۔ لہٰذا محدث اعظم ہند نے فاضل بریلوی کے انتہائی قریب رہ کر بہت کچھ حاصل کیا ۔ جو بقول ان کے

"یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایۂ حیات ہو گئیں"

محدث اعظم ہند کو آل رسول ہونے کے ناطے رضوی خاندان سے بے حد قربت حاصل رہی ۔ خود فاضل بریلوی بے حد احترام و اکرام کرتے رہے محدث اعظم ہند نے امام احمد رضا کا جو مطالعہ کیا ہے اس کا اظہار متعدد تصنیفات میں ملتا ہے ۔ لیکن ناگپور میں ۱۹۳۷ء کے جشن ولادت امام احمد رضا کے موقع پر صدارتی خطبہ کے ذریعہ جو تحقیقی اور مشاہداتی مقالہ پیش فرمایا تھا وہ امام احمد رضا کی تحریک تجدید واحیاء دین پر سب سے زیادہ مکمل، مبسوط اور گرانقدر مضمون ہے ۔ (ایڈیٹر)

خُطبۂ صَدارت

عنوانات

یادگار منانے پر عقلی ونقلی دلیل ۔ یادگار منانے پر اعتراض اور جواب ، یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل ، امام بریلوی کی یادگار، امام بریلوی کا مقام ، وائس چانسلر علیگڈھ امام بریلوی کی خدمت میں ۔ معقولات میں امام بریلوی کا مقام، امام کے علوم وفنون سے میری حیرانی امام بریلوی کے مسلّم کمالات میرے مشاہدہ میں ، افتا کی خداداد عظیم صلاحیت ، حیرت انگیز قوت حافظہ ، میری شرارت ، حیرت انگیز علم حساب میری عرض وتمنا ، علم القرآن ، علم الحدیث ، علم الرجال ، امام بریلوی کے کمٹ ہکار ، امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر احسان ، امام بریلوی کاملین کی نگاہ میں ۔ بریلی کی طرف میری کشش ، انداز تربیت ، غوث اعظم کے ساتھ حیرت انگیز عقیدت ، امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا ۔ امام بریلوی کی شعرگوئی ، فن زیجات وفن تکسیر ۔ عجیب واقعہ ۔ وصال کی خبر اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم !

احمد اللہ الاحد رضاء لسیدنا احمد واصلی واسلم سیدنا احمد رضاء للہ الواحد الصمد وعلی جمیع من رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ احمد الرضاء من الازل الی الابد !

اما بعد !

میرے پیارے سنی بھائیو ! یہ شوال کا مہینہ ہے اور یہ اپنی عظیم خصوصیت کی وجہ سے مستحق ہے کہ ہم اس ماہ کا نام اہل سنت و جماعت ہند کا مہینہ رکھیں، کیونکہ اس مہینہ میں ہندستان میں اس قدم کا ظہور ہوا جس کی بلندی کو نہ صرف ہند بلکہ عرب و عجم کے تمام دینی وروحانی اراکین دین متین واساطین حق مبین کے جھکے ہوئے سروں نے قبول کیا اور اس قدم کے نشانات کو بھی معظم ومکرم رکھا۔

یادگار منانے پر عقلی ونقلی دلیل ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں، ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہو چکی ہے اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی زندگی

کا بیمہ سمجھتی ہیں دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے قومی محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا۔ اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا۔ اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش وحواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑھنے لگتے ہیں۔ تو ان کو دنیا نے نہ صرف یہ کہ قومیت سے خارج کر دیا۔ بلکہ انہیں ایک خاص قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔

یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے لہذا اسلام جس کا دوسرا نام ہی دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو جاگزیں رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف وصریح ہے۔ جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا وذکرھم بایام اللہ اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلاتے رہو۔ تو یوں تو سب دن اللہ کے ہیں۔ مگر کچھ ایسے دن بھی ہیں جن دنوں کو خاصان حق نے خصوصیات عطا فرمادیں۔ اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے جس کے اذن وعطا نے اس کو سنوار دیا۔ ایسے دن جس کی بدولت حاصل ہوں، اس کا گویوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے حشر تک کا ہر دن — وللآخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ والے آقا کی وسعت داماں میں پلتا ہی رہتا ہے۔ اور بڑھتا ہی رہتا ہے مگر ان سارے دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش ویوم وصال ویوم حشر ونشر ہے۔

یادگار منانے پر اعتراض اور جواب: چونکہ بات ایسی آپڑی ہے جس کا زیادہ واضح کر دینا ضروری ہو چکا ہے۔ لہذا اس سلسلے میں چند منٹ میں آپ کے اور لوں گا، واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سالوں میں شہر بہرائچ کے ایک فرقہ وارانہ اجتماع میں مدرسہ دیوبند کے مہتمم نے عید میلاد النبی منانے والوں پر جارحانہ حملہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی شخصیت کی اہمیت کی تاریخ اس کی پیدائش کی تاریخ میں نہیں کیونکہ پیدائش تو اچھوں اور بروں کی ہوتی ہی رہتی ہے یہ عید میلاد النبی ایک غیر عاقلانہ اور غیر شرعی چیز ہے۔ اگر یادگار منانی ہے تو اس تاریخ کی یادگار منائی جائے جب نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے اظہار نبوت فرمایا۔ اور کار نبوت شروع فرما دیا تھا، بات ایسے انداز میں کہی گئی اور لہجہ ایسا بھولا تھا کہ سطحی طور پر بعض دماغ واقعی بھول میں پڑ گئے تھے لیکن ابھی ان کے پیغام کو ۲۴ گھنٹے کی زندگی نہ ملی تھی کہ میں شہر بہرائچ گیا۔ وہاں تعلیم یافتہ ومتدین، صف اول کے لوگوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرکے جواب کا مطالبہ کیا۔ میں نے چند گھنٹے کے بعد وہاں ایک عظیم الشان اجتماع کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ عید میلاد النبی کو غیر عاقلانہ کہتے ہوئے، اگر سب قوموں کی تاریخ دماغ سے نکل گئی تھی تو اس چشم دید چیز سے آنکھیں کیوں بند ہو گئیں تھیں کہ آج جس بغل میں ان کے فرقے کی اکثریت پل رہی ہے۔ اور جہاں جینتی اور مرتیو منانے میں عبادت گزارانہ اسپرٹ کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے۔ کیا اس نے عقل کو اتنی روشنی نہیں بخشی۔ قوموں نے یوم میلاد ویوم ممات کے منانے ہی کو قومی حق مانا ہے۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل۔ قرآن کریم نے اپنے معجزانہ انداز روحانی میں مسئلہ کی اہمیت کو اس طرح اجاگر فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کو سمجھیں اور اس کو ہدایت کی روشنی جان کر اپنے کو سنواریں اگر ایسے لوگوں کا سایہ بھی راہ چلتے مہتمم مذکور پر پڑ گیا ہوتا تو یوم ولادت اور یوم عرس منانے پر جو غیر اسلامی کہہ کر حملہ کر دیا ہے اس کی جرأت نہ کر سکتے قرآن کریم میں مقبولان درگاہ رب حق کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ سلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیّا ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن، جب وہ میدان حشر میں اٹھیں گے۔ اور اسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے کہ سلام علی یوم ولدتُ ویوم اموتُ ویوم ابعثُ حیا مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں ہوں گا۔ کوئی بتلائے کہ اگر کوئی عقل ودین کا بوکس ہی سہی قرآن کو بادل نخواستہ اپنے دنیا ہی کے لئے سہی لیکن کلام الٰہی کہنے پر مجبور ہو اس کو کیا حق ہے کہ نص قطعی قرآنی کا رد صرف اپنے جذبۂ عناد کی بناء پر کرے جو اللہ والوں سے ایس دراشتہٗ چلی آرہی ہو بالکل ظاہر ہے کہ خاصان حق کی ہر گھڑی جب سے زمانہ کی تخلیق ہوئی اور جب تک سلسلہ زماں رہے گا۔ ایسی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ آیا درود شریف کا جملہ اسمیہ اس دوام واستمرار کو ظاہر فرما رہا ہے۔

ہمارے آقا رسول پاک کو مخاطب بنا کر صاف کہہ دیا گیا کہ وللآخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ۔ ہر پچھلی ساعت سے آپ کی بہتر ہے۔ بایں ہمہ اس دوامی واستمراری دور کے پورے عہد مبارک میں خود اللہ رب العزت وجل وعلا اور اس اولوالعزم رسول نے تین دن کے انتخاب فرمایا، یوم پیدائش یوم وصال فرمایا ویوم حشر ونشر۔ قرآن کریم میں ایسے ایام کو ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وذکرھم بایام اللہ، ایام کی یادگار مناؤ۔ یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ ہی کا دن ہے۔ غرض آیات قرآنیہ نے یقین تاریخ کو معاذ اللہ بدعت ضالہ کہنے والوں پر جابجا طمانچے مارے ہیں۔ اور دین فطرت نے ہماری فطرت سے ہم کو روکا نہیں۔ بلکہ اس کو اہمیت عطا فرما کر یادگار منانے پر مامور فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھ لینے کے بعد وہ دن یاد

دنیا نے مان لیا کہ
جو قوم اپنے قومی محسنوں
کو بھول گئی تو زندگی
نے ساری قوم کو بھلا دیا
اور موت کے منہ میں
ڈال دیا

آجاتا ہے جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا۔ پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا، جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جینتی مرتیو منانا کہتے ہیں۔ اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں۔ اور مناتے ہیں یہ خیال رہے کہ تعین وتخصیص ان اللہ والوں کے لئے جو انبیا علیہم السلام ہیں عبارۃ النص ہے۔ یعنی دونوں کے لئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔

بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملہ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے لئے تین وقتوں کے لئے تعین فرمائی گئی ہے۔ جو منائی جائے یوم میلاد جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں۔ دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان عرس بزرگان دین کرتے ہیں۔ لیکن تیسرا یوم حشر ہے جبکہ مقبولان بارگاہ الہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اور اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرماکر منائیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ منائیں گے۔ تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! یہ تین دن ہیں ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی شفاعت کا دن ہے۔ اس کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم ہوگے۔ یہی دیکھنے میں بھی آرہا ہے۔ جو ان دونوں یادگاروں کے منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں وہ آج کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں۔ یا اقرار ایسا کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے۔ وہ انبیاء و اولیا سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں۔ کہ قرآن میں جس کو کما یئس الکفار من اصحاب القبور فرمایا گیا ہے۔

امام بریلوی کی یادگار بہرحال ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اس مہینہ کی یادگار منانے کے لئے یکجا ہوئے ہیں۔ جس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب علم کا جبل، شامخ اور عمل صالح کا اسوۂ حسنہ معقولات میں بحر ذخار منقولات میں دریائے ناپید اکنار، اہلسنت کا امام واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب وعجم مجدد تصدیق، حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم وکرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر دولت فقہ و روایت میں امیر المومنین، اور سلطنت قرآن وحدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین اعلیٰ حضرت علی الاطلاق امام اہلسنت فی الآفاق مجدد مائۃ حاضرہ موید ملت طاہرہ اعلم العلماء عند العلماء و قطب الارشاد علی لسان الاولیاء و مولانا، ولی جمیع الکمالات، اولانا، فانی فی اللہ والباقی باللہ، عاشق کامل رسول اللہ مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کے قدم اول اول اس خاکدان دنیا میں جلوہ فرما ہوئے۔

امام بریلوی کا مقام : تیرہویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع میں ہی پورے عالم اسلامی میں اس کو حق وصداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سارے حل وحرم کو اس کا اعتراف ہے۔ کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا۔

وائس چانسلر علی گڑھ امام بریلوی کی خدمت میں۔

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری مرحوم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کو لے کر جب اس لئے حاضر ہوئے کہ ایشیاء بھر میں ڈاکٹر صاحب ریاضی اور فلسفہ میں فرسٹ کلاس ڈگری لئے ہوئے ایک مسئلہ کو حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگا کر بھی حل نہ کر پائے تھے۔ اور نیوٹن کا غوغا فلسفۂ کشش ان پر چھایا ہوا تھا تو اعلیٰحضرت نے عصر و مغرب کے درمیانی مختصر مدت میں مسئلہ کا حل بھی قلمبند کر دیا۔ اور فلسفۂ کشش کی دھجیاں اڑا کر بھی ختم فرما دیا۔ جو رسالہ کی شکل میں چھپ چکا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ان کو یورپ کا کوئی تھیوریوں والا درس دے رہا ہے۔ یا آج ایک کوئی حقیقت آشنا ان کو سبق پڑھا رہا ہے۔ انھوں نے اس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً یہ کہا تھا کہ اپنے ملک میں جب معقولات کا ایک ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جاکر جو کچھ سیکھا۔ اپنا وقت ضائع کیا۔

> اپنے ملک میں معقولات کا جب ایک ایکسپرٹ (امام احمد رضا) موجود ہے تو ہم نے یورپ جاکر جو کچھ سیکھا وقت ضائع کیا (ڈاکٹر ضیاء الدین)

معقولات میں امام بریلوی کا مقام

یہ روز کا معمول تھا کہ فلکیات وارضیات کے ماہرین اپنے علمی مشکلات کو لے کر آتے، اور دم بھر میں حل فرما کر ان کو شاد شاد رخصت فرما دیتے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ماہرین نجوم فن آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا دشواری تھی ہی نہیں۔ ایک بار جماری اس کے حل کے بارے میں سوال فرما کر جب کتابی جواب دیکھا تو اس پر تحقیق بیان فرمائی تو میں نے محسوس کیا کہ جماری کی حمایت بے پردہ ہو گئی اور عزری کا غرور ختم ہو گیا۔ مسئلہ بحث اتفاق شمس بازغہ کا سرمایہ تفلسف ہے۔ مگر اس بارے میں اعلیحضرت کے ارشادات جب مجھ کو ملے تو اقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود آج ہوتے تو اعلیحضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے! اعلیٰحضرت نے کسی ایسے نظریے کو کبھی صحیح وسلامت نہ رہنے دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔ اگر آپ وجود فلک کو جاننا چاہتے ہوں۔ اور زمین و آسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہیئے ہوں اور سیاروں کے بارے میں کلٌ فی فلکٍ یسبحون کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیحضرت کے رشحات قلم ہیں اور یہ راز آپ پر ہر جگہ کھلتا جائے گا کہ منطق و ریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پر کج رفتار ہو جاتے ہیں۔

امام کے علوم وفنون سے میری حیرانی - علوم وفنون کا کیا حال تھا اس کا اندازہ

اس سے کیجئے کہ آج کی علمی دنیا پچاس علوم و فنون کے نام سے بے خبر ہے اور اعلیٰ حضرت کے قلم مبارک سے پچاس علوم و فنون کے مبسوط رسائل تیار ہیں ایک دن ایسا ہوا کہ اعلیحضرت نے نماز عصر کے لئے وضو فرماتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ہیج عرض شجرہ کا حساب یونانیوں نے جس قد سے کیا تھا اب دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یونان بلکہ دنیا کے ہر پہاڑ سے بلند کوہ ہمالہ کی ایورسٹ چوٹی ہے کیا اس سے حساب لگا دوگے۔ میں نے دو دن کی مہلت مانگی اور رات دن صفحات کو سیاہ کرتا ہوا جب صحیح حساب تیار کر کے حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا آپ کا جواب یہ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں مگر حیران تھا کہ جس حساب میں میرا مغز سر سوکھ گیا وہ برجستہ ارشاد فرمانے والا صرف ایک عالم ہے۔ یا وہ ایسا ہے کہ لغت میں اس کے لئے کوئی لفظ ہی نہیں میرے صحیح جواب پر جو دعائیں فرمائیں آج وہ ہی میرے لئے سب کچھ ہے۔

امام بریلوی کے مسلم کمالات میرے مشاہدے ہیں

آج میں آپ کو جگ بیتی نہیں آپ بیتی سنا رہا ہوں کہ جب تکمیل درس نظامی تکمیل درس حدیث کے بعد میرے مربیوں نے کام نہا کے لئے اعلیحضرت کے حوالے کیا۔ زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایۂ حیات ہو گئیں۔ اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا۔ اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پا لیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ و پے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا یہ وہ کرامت تھی جو ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔

افتاء کی خداداد عظیم صلاحیت

عادت کریمہ تھی کہ استفتاء ایک ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے پھر عصر و مغرب کے درمیان مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے استفتا پھر فتویٰ سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے، اسی وقت مصنفین اپنی تصنیف دکھاتے زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو کہیں۔ اور جو سنانا ہو سنائیں اتنی آوازیں اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا، جوابات کی تصحیح و تصدیق و اصلاح مصنفین کی تائید و تصحیح اغلاط زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے۔ اور فلسفیوں کے اس خبط کی کہ لا یصدر عن الواحد الا الواحد کی دھجیاں اڑ رہی ہیں جس ہنگامۂ سوالات و جوابات میں بڑے بڑے اکابر علم و فن سر تھام کر چپ ہو جاتے ہیں کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں وہاں سب کی شنوائی ہوتی تھی۔ اور سب کی اصلاح فرما دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی اور اس کو درست فرما دیا کرتے تھے۔

حیرت انگیز قوت حافظہ

یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لئے جزئیات فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے، اسی وقت فرما دیتے کہ ردالمحتار جلد فلاں کے صفحہ فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے۔ در مختار کے فلاں صفحہ سطر میں یہ عبارت ہے۔ عالمگیری میں بقید جلد و صفحہ و سطر یہ الفاظ موجود ہیں، ارشاد فرما دیتے۔ اب جو کتابوں میں جا کر دیکھتے تو صفحہ و سطر و عبارت وہی پاتے جو زبانی اعلیٰحضرت نے فرمایا تھا۔ اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوت حافظہ سے ساری چودہ سو برس کی کتابیں حفظ تھیں یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے۔ مگر میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ قرآن کریم نے سالہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا۔ روزانہ دہرایا۔ ایک ایک دن میں سو سو بار دیکھا حافظ ہوا۔ محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا۔ اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا، حفظ کے بعد سالہا سال مشغلہ رہا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو، گو ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہو سکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیت کریمہ کو سن کر اتنا یاد رکھیں کہ ان کے پاس جو قرآن کریم ہے اس میں آیۂ کریمہ داہنی جانب ہے۔ یا بائیں جانب ہے۔ گو یہ بھی نادر چیز ہے مگر یہ تو عادتاً محال ہے اور بالکل محال ہے۔ کہ آیت قرآنیہ کے صفحہ و سطر کو بتایا جا سکے تو کوئی بتلائے کہ تمام کتب متداولہ و غیر متداولہ کے ہر جملہ کو بقید صفحہ و سطر بتانے والا اور پورے اسلامی کتب خانے کا صرف حافظ ہی ہے یا وہ اعلیٰ کرامت کا نمونہ ربانیہ ہے جس کے بلند مقام بیان کرنے کے لئے اب تک ارباب لغت و اصطلاح لفظ پانے سے عاجز رہے ہیں۔

> اور میں نے محسوس کیا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے
>
> (محدث اعظم ھند)

میری شرارت: مجھے اپنی یہ شرارت یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتلا دیتے اور مزید حوالے بتلاتے مع صفحہ و سطر عبارت نوٹ کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی لفظ و نقطہ کی بھول ہو جائے۔ مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرار صالح اپنا بیان دیتا ہوں۔ کہ میری شریرانہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

حیرت انگیز علم حساب: چونکہ میں نے حساب کی تعلیم اسکولی طور پر پائی تھی لہٰذا فرائض کے حساب کی مشق بڑھی ہوئی تھی اور ایسے استفتے میرے سپرد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے کہ مورث اعلیٰ کی پندرہویں پشت میں درجنوں ورثہ ہوں گے۔ مجھ کو اس کے جواب میں دو رات اور ایک دن سخت محنت کرنی پڑی۔ اور آنہ پائی سے درجنوں ورثاء کے حق کو قلم بند کر دیا، نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں وہ بہت طویل تھا۔ فلاں مرا اللہ فلاں کو وارث چھوڑا۔ پھر فلاں مرا اور اتنے وارث چھوڑے۔ ابھی صرف ناموں کی تعداد اتنی

زیادہ تھی کہ فلس کیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے۔ ادھر استفتا ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر کے ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا۔ درجنوں نام بنام لوگوں کا حصہ بتا دیا۔ اب میں حیران وششدر کہ استفتاء کو بیسیوں مرتبہ تو میں نے پڑھا، ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلمبند کیا لیکن مجھ سے صرف سب الاحیاء کا نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتاء اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا۔ یہ کیا تبحر کیا وسعت مطالعہ، توبہ توبہ یہ کتنی شاندار کرامت ہے کہ ایک بار استفتاء سنا، تو درجنوں ورثاء کا ایک ایک نام یاد رہا۔ اور ہر ایک کا صحیح حصہ اس طرح بتا دیا کہ جیسے کئی مہینے تک کوشش کر کے حصہ و نام کو رٹ لیا گیا ہو۔

میری عرض و تمنا میں اس سرکار میں کس قدر شوخ تھا یا شوخ بنا دیا گیا تھا اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی نشست کی چارپائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا کہ حضور کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا۔ جس کا علماء کرام میں نشان نہیں ملتا۔ مسکرا کر فرمایا میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں۔ یہ جواب مجھ ننگ خاندان کے لئے تازیانہ عبرت بھی تھا کہ لوٹنے والے لوٹ کر خزانہ والے ہو گئے اور میں پدرم سلطان بود کے نشہ میں پڑا رہا اور یہ جواب اس کا بھی نشان دیتا تھا کہ علم راسخ والے مقام تواضع میں کیا ہو کر اپنے کو کیا کہتے ہیں۔ یہ شوخی میں نے بار بار کی اور یہی جواب عطا ہوتا رہا۔ اور ہر مرتبہ میں ایسا ہو گیا کہ میرے وجود کے سارے کل پرزے معطل ہو گئے۔

علم قرآن: - علم قرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیحضرت کے اس ترجمے سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے۔ اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ پر لایا نہیں جا سکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے۔ مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے۔ اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا شاہ نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ نے حاشیہ پر لکھی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ دوران شرح میں کئی بار ایسا ہوا کہ اعلیحضرت کے استعمال کردہ لفظ اٹل ہی نکلا! اعلیحضرت خود شیخ سعدی کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے لیکن اگر حضرت سعدی اردو زبان کے اس ترجمے کو پاتے تو فرما ہی دیتے کہ ترجمہ قرآن شے دیگر است و علم قرآن شے دیگر است

علم الحدیث و علم الرجال علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے۔ اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت ازبر۔ علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیحضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب و تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقہ و استاد و شاگرد کا نام بتا دیا تو اس فن کے اعلیحضرت خود موجد تھے کہ طبقہ و اسماء بتا دیتے تھے۔ کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح اس کو کہتے ہیں علم راسخ۔ اور علم سے شغف کامل، اور علمی مطالعہ کی وسعت، اور خداداد علمی کرامت، فسبحان الذی فضل عبدہ علی جمیع اھل زمانہ وللہ الحمد احمد رضا

امام بریلوی کے شاہکار - اب ذرا اعلیحضرت کے شاہکار ملاحظہ ہوں یہی زمانہ تھا جبکہ وہابیت جنم لے رہی تھی اور جیسا کہ دستور ہے کہ تحریک باطل اپنے ابتدائی دور میں تہافت اور تخالف میں مبتلا رہتی ہے۔ ابھی کچھ کہا اور پھر اس سے مکر کر اس کے خلاف کچھ کہا۔ صراط مستقیم میں کسی چیز کو بزرگوں کا ارشاد بتایا تقویۃ الایمان میں اسی کو بدعت و ضلالت لکھ مارا۔ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے کچھ کہا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے کو آغا تقی سمجھ کر فتویٰ دے دیا کہ آغا تقی کے باغ میں کوا حلال ہے۔ کوا کھانے کو کار ثواب قرار دے کر بکرے کے کبورے بھی ہضم کرنے لگے۔ اور اس طرح تحلیل احرم اللہ کا سلسلہ چل پڑا۔ تو دوسری طرف سارے اعیان فرقہ نے میلاد شریف کی شرینی اور آستانجات اولیاء کے چڑھاوے، محرم کی سبیل، بارہویں شریف گیارہویں شریف کے تبرکات کے لئے نجس حرام اور کفری پلاؤ کی بکواس شروع کر دی، یعنی تحریم ما احل اللہ کا سلسلہ بھی قائم ہو گیا۔ مسئلہ توحید کی آڑ لے کر یہ اسپرٹ پیدا کی گئی کہ انبیا اور اولیاء کو عام بشریت سے بالا تر جاننا ہی شرک ہے۔ اگر موحد ہو تو انبیاء اور اولیاء سے الگ ہو جاؤ۔ ان کا تذکرہ بھی نہ کرو۔ اگر تقاضائے جی کی بولی میں پھنس جاؤ تو لحاظ رہے کہ تعریف ایسی کرو جو بشریت عامہ سے بلند نہ ہو۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے ایسی بولی بولو جس سے لوگ سمجھیں کہ بشریت بھی بڑی چیز ہے۔ اولیاء و انبیاء کو بشریت سے کم باور کراؤ۔ اس کے بعد قدرتی طور پر جب اعمال متعلقہ عقائد کو برا بھلا کہہ چکے تو عقائد پر براہ راست حملہ جارحانہ شروع کر دیا۔ اعلان کیا گیا کہ کلام الٰہی میں بھی جھوٹ کا دخل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سچا نہ سمجھ کر نہ کہو کہ وہ ہر عیب سے وجوبا پاک ہے اور جھوٹ اس کلام میں محال ہے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ کو پاک و بے عیب کی مجبوری آپڑے تو سمجھ کر کہو عادتاً اگر جھوٹ نہیں بولتا لیکن اگر بول دے بلکہ اپنے کو سارے عیوب میں ملوث کر دے۔ تو وہ قادر و مختار ہے۔ نہ یہ عقلاً باطل ہے نہ شرعاً۔ رسول پاک کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ تو مر کر مٹی میں مل گئے ان کا مرتبہ عند اللہ چوہڑے چمار یا زیادہ سے زیادہ گاؤں کے چودھری ایسا تھا۔ ایک بولا علم میں رسول پاک کے اندر کوئی شان تخصیص نہ تھی ان کو اگر غیب کا علم تھا تو کوئی بات نہ تھی ایسا علم غیب تو ہر زید و بکر

> مسکرا کر فرمایا کہ میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں
> (امام احمد رضا)

بلکہ ہر صبی دمجنوں بلکہ جمیع حیوانات دبہائم کو حاصل ہے ۔ وہ ایک یوں ہے کہ علم کی وسعت دکھیتی ہے تو ہمارے فرقہ کے عالم عزرائیل کے علم کو دیکھو کہ رسول کے علم سے کتنا بڑھا ہوا ہے ۔ اگر رسول کے لئے دور علم کو مانو گے تو مشرک ہو جاؤ گے ۔ ایک ان کے ادارے کے بانی نے عمل کی پیمائش کی تو امتی کو نبی سے بڑھا دیا ۔ غرض رسول پاک کے علم کو بھی گھٹا دیا اور عمل کو بھی ذرا اس جرأت کافرانہ کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو صاف صاف خاتم النبیین فرمایا تو فرقہ کے ایک ذمہ دار نے قرآن میں توڑ مروڑ شروع کر دی کہ پچھلے نبی ہونے میں کیا رکھا ہے ایسا کہنا عوام کا طریقہ ہے ۔ لفظ خاتم النبیین کی دلالت دلالت مطابقی صرف ختم ذاتی پر ہے ختم زمانی پر اگر دلالت ہے تو ضمنی ہے ۔ وہ عبارۃ النص نہیں ہے ۔ ضروری عقیدہ ختم ذاتی کا ہے ۔ اس بولنے والے نے بہت زور باندھا کہ مسئلہ کی تبلیغ کے لیے ان کے امام کا خواب تعبیر پائے مگر قرآن کو توڑ مروڑ کرنے والے اور عقیدہ ضروریہ سے منہ موڑنے والے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ غلام احمد قادیانی نے اعلان کر دیا کہ اگر اب بھی نبی ہو سکتا ہے تو جیز ہو سکتی ہے اس کے ہو جانے میں کون سی قباحت ہے ۔ نبی ہو سکنے کے ذمہ دار دیوبندی پارٹی ہے ۔ اگر وہ اپنے دعوے کو نباہ ہو سکے تو ہم اپنے نبی ہو جانے کو نباہ لیں گے ۔ اب آپ بتائیے کہ دین پاک کے ساتھ یہ استہزا کیا جائے یہ کافرانہ غداریاں کی جائیں ۔ اللہ اور رسول کی شان میں گستاخیاں، بدزبانیاں کی جائیں تو کوئی اگر فنانی الدنیا ہو کر غور ہی نہ کرے ۔ کوئی عاقبت کے خیال سے آزاد اس پر دھیان ہی نہ دے کوئی دین و دینداری سے غافل محض مولویوں کی مولویت قرار دے کر الگ ہو جائے غرض جس نے دین سے کوئی مضبوط رشتہ نہ رکھا وہ چپ رہے تو چپ رہے مگر وہ کیسے خاموش رہے جس کو پوری صدی کے دین پاک کا ذمہ دار ہونا ہے ۔ وہ اللہ کا فانی فی اللہ اور باقی باللہ بندہ جو عیب تو عیب ہے کسی ہنر و کمال میں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ امکان کا استعمال اس ذات قدیم کے صفات قدیم کے لئے جائز نہ قرار دے وہ عیب کے امکان کو کیسے برداشت کرے ۔ جو رسول پاک کا عاشق صادق ہو ۔ وہ رسول پاک کی شان میں بدلگامیوں کو کیسے سنتا رہے چنانچہ یہی ہوا بکمال احتیاط بکواس والوں کو خط لکھا کہ کیا یہ تحریر تمہاری ہے ۔ کیا تم اس بکواس سے راضی ہو کیا اس بکواس کی اشاعت تمہاری اجازت ہے ۔ گویا اس محتاط اعظم نے سمجھا یا کہ کسی بہانے یا جھوٹ سے اپنی ذمہ داری چھوڑ دے ۔ مگر رجسٹریوں پر رجسٹریاں کی گئیں ۔ اور اہل باطل کی آنکھوں پر ایسی عنادی پٹی بندھی رہ گئی کہ رعایت سے فائدہ نہ کیا اور سخن سازی اور رکیک تاویل خیز ناشی عن الدلیل کی بدولت جس جہنم میں کفر نے قدم رکھا تھا ۔ اس میں دھنستے چلے گئے اس وقت فاروقی درہ اور حیدری ذوالفقار کا بے نیام ہو جانا واجب ہو گیا تھا ۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جرائم پیشہ مجرموں کے ایک ایک جرم کو آشکار اس طرح کر دیا کہ کفر و ارتداد کے ملزموں کو عرب و عجم کے علماء و مشائخ کے سامنے سنگار کے کھڑا کر دیا ۔ اور ان عادی مجرموں کو حل و حرم میں اتنے اکابر مشائخ علماء نے مجرم کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا کہ چودہ صدیوں میں کسی فرقے کے کسی مجرم فرد پر اتنی بڑی تعداد کا اتفاق تاریخ میں موجود نہیں ہے یہ تھا وہ واقعہ جس کا مقابلہ اس ملعون پروپگنڈے سے کیا جانے لگا کہ آستانۂ رضویہ بریلی میں کفر کی مشین ہے ۔ وہاں مسلمانوں کو کافر بنایا جاتا ہے ۔ ان عقل کے دشمنوں کو یہ نہ سوجھی کہ کوئی بھی کسی دوسرے کو کافر بنانے کی سکت ہی نہیں رکھتا کفر بکنے والا خود اپنے کو کافر بناتا ہے ۔ البتہ اس کے کفر بکنے اور کافر بننے سے امت اسلامیہ کو باخبر کر دیا جاتا ہے ۔ تاکہ ان سے بچیں اور کفریات سے اپنے کو محفوظ رکھیں دنیا جانتی ہے کہ مجرموں کو سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ جرم کا انسداد ہو، چور کو چور مجسٹریٹ نہیں بناتا بلکہ اس کے چوری کے جرم نے اس کو چور بنایا مجسٹریٹ نے تو چور کو اس لئے سزا دی کہ دوسرا اس جرم کا ارتکاب نہ کرے یہ تھی خالص دینی و اسلامی سیاست کہ بے جھجک اور بے رعایت نہ کسی کی مولویت دیکھی جائے نہ کسی کے مسجدوں کی پرواکی جائے اور بے رعایت نہ کسی کی کہ چکا ہے تو مجرم ہے ۔ اس کو فوراً سخت سے سخت سزا دی جائے سعدی علیہ الرحمہ نے ملک بے سیاست کو زندہ رہنے کا حق نہ دیا ۔ وہ بھی سیاست ہے ۔ جس میں جرم کی تعزیر فوراً کی جائے اور ارتکاب جرم کے حوصلے کو دبا کر رکھ دیا جائے اگر کاش ہمارے ملک کے ہمارے کلمہ گو اس سیاست کو جان لیتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تو بھارت سے لے کر امریکہ تک وہ بکواس نہ ہو سکتی جس کی بدولت ناموس رسول کے نام پر جیل جانے کی نوبت آتی ۔ رسول پاک کے بارے میں اس زمانے کا گندہ لٹریچر ایک لازمی نتیجہ ہے اس ناپاک ہمدردی کا جو مجرموں کے ساتھ برتی گئی ۔ اور دیکھئے کہ اس غلط کاری کی بدولت آئندہ امت اسلامیہ کو کیا کیا بھگتنا ہے ۔ وہ تو کہئے کہ اعلیٰحضرت نے ماضی و حال کے ساتھ مستقبل کو ایسا بھانپ لیا تھا اور مجرموں کا ایسا تعاقب فرمایا تھا کہ ان کو چلنے کی راہ نہیں ملتی تھی ۔ اور روزانہ کی کفری بکواس کا سلسلہ توڑ دیا گیا تھا ۔ ورنہ اگر خفیف الکلامی اور شوخ بیانی کا سلسلہ جاری رہتا تو آج معاذ اللہ اسلام کے نام پر کفر نوازی بے پناہ ہو چکی ہوتی ۔

امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر احسان یہ تو اعلیٰحضرت کا دنیائے اسلام پر و سنیت پر احسان عظیم ہے کہ بکواس والوں کی لمبی لمبی زبانوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور کفر بکتے رہنے کی جرأت کو کرتوڑ کر دیا ۔ اور اس طرح مجرموں کو برہنہ کر کے مسلمانوں کو ان کے کفری انداز کے شکار ہونے سے بچا لیا یعنی اعلیٰحضرت نے کسی کو کافر نہیں بنایا بلکہ کافر بننے والوں کے جرائم کفریہ کو واضح فرما کر مسلمانوں کو کافر بننے سے بچا لیا ۔ اعلیٰحضرت کی اس شان احتیاط کو دیکھئے کوئی ممکن رعایت ایسی نہ

> نبی ہو سکنے کے ذمہ دار
> دیوبند پارٹی ہے اگر وہ
> اپنے دعوے کو نباہ سکے
> تو ہم اپنے نبی ہو جانے کو نباہ
> لیں گے (غلام احمد قادیانی)

تھی جو مجرم کو عطا نہ فرمائی گئی ہو۔ اگر کسی کی توبہ مشہور ہوگئی تو اس کے کفریات گنا کر حکم لگاتے وقت ایسی رعایت برتی کہ کچھ لوگ اس رعایت ہی کو برداشت نہ کرسکے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے جس مجرم کے قول کو قال المرید المرتد کہہ کر نقل فرمایا وہ صرف اعلیحضرت کا محتاط قلم ہے جس نے منصب قضا کی ذمہ داریوں کو نہ چھوڑا۔ اور غم سہا، دکھ اٹھایا مگر قانون کی ہر رعایت کو نظری غیظ پر غالب رکھا۔ یہ تو جب غلام احمد قادیانی نے اپنے کفری دعوی نبوت کو کسی طرح نہیں چھوڑا۔ نانوتوی نے ختم زمانہ کے عقیدہ حقہ کی ضرورت سے انکار کردیا۔ اور اسی پر جا رہا گنگوہی اور انبیٹھوی نے رسول پاک کے علم کے بارے میں حضور کے مقابلے پر شیطان کے علم کو بڑھایا۔ اور باز نہ آئے تھانوی علم رسول کی سطح کو ہر زید و عمرو صبی و مجنون و بہائم حیوانات کی سطح پر لایا اور ضد کو نہ چھوڑا۔ تو گنتی کے انھیں جیسے چند مجرموں کی توبہ سے مایوس ہو کر اس فرض شرعی کو ادا فرمایا کہ اُمت اسلامیہ کو ہوش ہوا اور وہ جس کشمکش میں پڑ گئے ہیں کہ مجرموں کا ساتھ دیں تو دامن رسول ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ اور رسول پاک کے دامن کو تھامے رہیں تو مولوی نما نمازیوں سے بے تعلق ہونا پڑتا ہے! اعلیحضرت نے اس کشمکش کا یہ علاج بتایا کہ دامن رسول ہی مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے اور اس کے لئے کسی مولوی ملا کی پرواہ نہ کی جائے۔ رسول پاک کا دامن دین وایمان ہے اس کو چھوڑ کر خواہ کچھ ہو جائے مگر مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اس صاف اور سادہ اور ناقابل انکار بلکہ روشن پیغام کو کفری مشین کہہ کر پروپگنڈا کرنا حقیقتاً اس حقیقت کو مان لینا ہے کہ مجرموں اور ان کے ساتھیوں کے پاس جرم سے برئت کا کوئی سامان ہی نہیں ہے۔ ان کا دل اس کی شکایت نہیں کرسکتا کہ وہ بے گناہ ہیں البتہ ان کو غم اس کا ہے کہ ہمارے جرائم کو عالم آشکارا کیوں کیا گیا۔ جس کا جواب خود ان کے علم میں بھی ہے کہ جب توبہ و انابت الی اللہ سے مجرموں کو محروم پایا تو وہ مواخذہ فرمایا کہ جو شرع مطہر سے فرض عین ہوگیا تھا۔ چنانچہ دیوبندیت کے نقیب و رئیس المناظرین حسن چاندپوری نے چھاپ کر اعلان کردیا کہ ہمارے بڑوں کے کلمات کے ظاہر معنیٰ جو اعلیحضرت نے پائے تو ہمارے کفر کے بکنے کو ظاہر نہ کرتے خود کافر ہو جاتے۔

اعلیحضرت نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ دیوبندی کی توحید بتوں اور اصنام کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف اینٹی انبیاء کردیا ہے، توحید ان کی بوتل کا صرف فریب کاری کا لیبل ہے جس بوتل میں شرک و کفر و بدعت ہی بھرا ہوا ہے۔

اعلیحضرت نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ دیوبندی کا ایمان بالرسول، بایں معنی نہیں ہے کہ رسول پاک سید المرسلین ہیں، خاتم النبیین ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں۔ اکرم الاولین و الآخرین ہیں۔ اعلم الخلق اجمعین ہیں۔ محبوب رب العالمین ہیں بلکہ صرف بایں معنی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی ہیں جو مر کر مٹی میں مل چکے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے بے اختیار اور عنداللہ تعالیٰ بے وجاہت ہے۔ اگر ان کو بشر سے کم قرار دو تو تمہاری توحید زیادہ چمکدار ہو جائے گی۔ ان حقائق کو واضح کر دینے کا یہ مقدس نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی جمہوریت اسلامیہ بڑی اکثریت کے ساتھ دامن رسول سے لپٹی ہوئی ہے۔ اور دشمنان اسلام کے فریب سے بچ کر مجرموں کے منہ پر تھوک رہی ہے۔

جزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر اہل السنۃ والجماعۃ خیر الجزاء

دنیا کو اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اعلیحضرت جن کے قلم کے نیزے کی مار نے کسی کی آنکھیں پھوڑ دیں کسی کو نمرود والی سزا دی، کسی کو مبہوت کرکے رکھ دیا یہاں تک کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔ یہاں بھی کراہتے رہے اور وہاں بھی چیختے ہیں۔ مگر اتنی جرأت آج تک کوئی نہ کرسکا کہ اعلیٰ حضرت کی کسی تصنیف کا برائے نام ہی سہی رد لکھ کر چھاپ دے۔ میدان رزم اس مرد مید ان کی خداداد ہیبت و جلالت کا یہ عالم ظاہر کرتا ہے کہ اعلیحضرت کا یا ارشاد ایک طرح سے اظہار حقیقت ہے وہ رضا کے نیزے کی مار ہے۔

امام بریلوی قدس سرہٗ کاملین کی نگاہ میں - میرے استاد فن حدیث کے امام کو بیعت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے تھی مگر حضرت کی زبان پر پیر و مرشد کا ذکر میرے سامنے کبھی نہ آیا اور اعلیٰ حضرت کے بکثرت تذکرے محویت کے ساتھ فرماتے رہتے۔ اس وقت تک بریلی حاضر نہ ہوا تھا اس انداز کو دیکھ کر میں نے ایک دن عرض کیا کہ آپ سے آپ کے پیر و مرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیحضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں فرمایا کہ جب میں نے پیر و مرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا مگر جب میں اعلیحضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی۔ اب میرا ایمان رسمی نہیں ہے۔ بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے۔ جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔ حضرت کا انداز بیان اور اس وقت چشم پرنم۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی دلی راز دلی سے شناسد اور عالم را عالم می داند میں نے عرض کیا کہ علم الحدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا کہ شہزادہ صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے۔ سنئے کہ اعلیحضرت اس فن میں امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں کہ میں سالہا سال تک صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔

بریلی کی طرف میری کشش حضرت محدث صاحب قبلہ کے اسی قسم کے ارشادات نے میرے دل کو بریلی کی طرف کھینچا اور بالآخر آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اعلیحضرت کیا ہیں اس کا اندازہ بڑے سے بڑا مبصر بھی نہیں کرسکتا۔

انداز تربیت ذرا انداز تربیت دیکھئے کہ کار افتاد کے لئے جب بریلی حاضر ہوا

تو میرے اندر لکھنؤ میں رہنے کی خو بو کافی موجود تھی، شہر کے جغرافیہ میں بازار اور، تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن کی فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کروں۔ جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا۔ نماز ہوگئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں۔ میں بریلی کے لئے بالکل نیا شخص تھا لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

یہاں تک کہ اعلیٰحضرت خود کھڑے ہو گئے اور رباب مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آکو مجھے مصافحہ سے نوازا۔ اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا تو میں تھرا کر گر پڑا۔ اعلیٰحضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے، مسجد کے ایک ایک شخص نے اس کو دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا میں نے بازار اور کتب خانہ کی سیر کو طے کر رکھا تھا۔ شام کو جب چلا تو شہامت گنج کی موڑ پر پہلے پان کھانے کی خواہش پیدا ہوئی ابھی پان والے سے کہا بھی نہ تھا کہ ہر طرف سے السلام علیکم آنے لگے اور مجھ کو جواب دینا پڑے۔ اب پان والے کی دکان کے سامنے کھڑا ہونا بھی میرا دشوار ہو گیا۔ سلام و مصافحہ کی برکت نے سارا پروگرام ختم کر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بریلی کا ذکر نہیں، کلکتہ، بمبئی مدراس میں بھی پیادہ نہیں بلکہ موٹر میں بیٹھ کر بھی صرف سیر بازار کے لئے نہیں نکلا، سارا لکھنوی انداز ہمیشہ کے لئے ختم فرما دیا۔

حضرت غوث الاعظم کیساتھ حیرت انگیز عقیدت

دوسرے دن کا واقعہ ہے دیر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپیہ کی شیرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ پڑھ کر دست کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا۔ کہ اچانک اعلیٰحضرت پلنگ سے اٹھ پڑے سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ کہ شائد کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰحضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰحضرت اس ذرے کو نوک زبان سے اٹھا رہے ہیں اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے اس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرے کے تبرک ہو جانے میں کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ رہ گئی۔ اور اب میں نے سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ میں کچھ نہیں یہ آپکے جد امجد کا صدقہ ہے۔ وہ مجھے خاموش کر دینے کے لئے ہی نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا ہی تھی بلکہ درحقیقت اعلیٰحضرت غوث پاک کے ہاتھ میں چوں قلم در دست کاتب تھے جس طرح کہ غوث پاک سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں چوں قلم در دست کاتب تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسول پاک اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے قرآن کریم نے فرمایا۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ

امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا

علماء دین کے اعلیٰ کارنامے چودہ صدی سے چلے آرہے ہیں۔ مگر لغزش قلم اور سبقت لسان سے بھی محفوظ رہنا یہ اپنے بس کی بات نہیں زور قلم میں تفرد پسندی میں آگئے بعض مجدد پسندی پر اتر آئے۔ تصانیف میں خود آرائیاں بھی ملتی ہیں۔ لفظوں کے استعمال میں بھی بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں۔ قول حق کے لہجہ میں بھی بڑے حق نہیں ہے۔ حوالہ جات میں اصل کے بغیر نقل پر ہی قناعت کر لی گئی ہے لیکن ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علماء عرب و عجم کو اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق، بلکہ بحر العلوم فرنگی محلی یا پھر اعلیٰحضرت کی زبان و قلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اور زبان و قلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اس عنوان پر غور کرنا ہو تو فتاویٰ رضویہ کا گہرا مطالعہ کر ڈالئے۔

امام بریلوی کی شعر گوئی۔ کتنی عجب بات ہے کہ ایسے امام الوقت مستند العصر کے پاس جس کو رات دن کے کم از کم بیس گھنٹے میں صرف عشرہ علم دین سے واسطہ ہو جس کے ایوان علم میں اپنے ساتھ قلم دوات اور دینی کتابوں کے سوا کچھ نہ ہو جو عرب و عجم کا رہنما ہو اس کو شعر کہنے کیا کہا جائے کسی سے شعر سننے کی فرصت کہاں سے ملتی ہے مگر شان جامعیت میں کمی کیسے ہو اور مملکت شاعری میں برکت کہاں سے آئے اگر اعلیٰحضرت کے قدم اس کو نہ نوازیں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس بر رشک جناں سے سرفراز تھے اس کی طلب تو ہر عاشق کے سرمایۂ حیات ہے چنانچہ اعلیٰحضرت کے حمد و نعت کا ایک مجموعہ کئی حصوں میں شائع ہو چکا ہے جس کا ایک ایک لفظ خود مست ہے۔ اور سننے والوں کو مستی عطا کرتا رہتا ہے ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی شاندار محفل میں اعلیٰحضرت کا قصیدۂ معراجیہ میں نے اپنے انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں تو سب نے کہا کہ اس کی زبان تو کوثر کی دھلی ہوئی زبان ہے۔

اس قسم کا ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تو سرآمد شعراء دہلی نے جواب دیا کہ ہم سے کچھ نہ پوچھئے آپ عمر بھر پڑھتے رہیئے اور ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

فن زیجات و فن تکسیر فن زیجات و فن تکسیر میں شان امامت کے نمونے آج اعلیٰحضرت کے تلامذہ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں اعلیٰحضرت کے ارشد تلامذہ حضرت ملک العلماء ظفر الملۃ والدین اس عہد میں دونوں فن کے ماہر مانے جاتے ہیں علم جفر میں اعلیٰحضرت ساری دنیا میں فرد یکتا تھے۔ بڑے

بقیہ ص ۲۵۹ پر

امام احمد رضا

ایک مظلوم اسلامی مفکر

عالی جناب سید حسن مثنیٰ انور۔ ایم اے علیگ

سید حسن مثنیٰ انور کی شخصیت جانی پہچانی ہے دنیائے ادب انہیں اس وقت سے جانتی ہے جب وہ جوان قلم ادیب بن کر آسمان صحافت پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرے اور علی گڑھ میگزین کی ادارت اپنے ہاتھوں میں لی کچھ دنوں المیزان کی ادارت سنبھالے ہوئے تھے۔ موصوف نے کئی تحقیقی مقالات قلم بند فرمائے ہیں جو قبول عام کی سند لے چکے ہیں موصوف نہ صرف ادیب ہیں بلکہ ایک اچھے خاصے مذہبی مقالہ نگار بھی ہیں۔ آپ کی پوری زندگی لکھنے پڑھنے کے لئے وقف ہے —————— ایڈیٹر

انقلاب ۱۸۵۷ء کے پس منظر و پیش منظر کے ساتھ ہندوستان پر ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈالئے تو آپ کو برعظیم ملک مختلف تحریکوں، گوناگوں گردشوں اور رنگا رنگ انقلابات و تغیرات کا گہوارہ دکھائی دے گا۔ مذہب، سیاست، معیشت ثقافت، معاشرت اور مدنیت غرض کہ کوئی شعبۂ حیات انسانی ایسا نہیں ملے گا جو زوال و ادبار اور ہلاکت و فلاکت کی طوفان خیزی سے محفوظ و مامون نظر آئے۔ اگر ایک طرف مغلیہ سلطنت کے اقتدار کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا تھا تو دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت کا طوفان سارے برعظیم پر چھا چکا تھا اور انگریزی سامراجوں نے وحشت و بربریت کے وہ دل سوز نمونے پیش کئے تھے جن پر انسانیت آج تک سوگوار ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی اسیری، بوڑھے باپ کے سامنے جوان بیٹوں کا قتل، بیگمات کے ساتھ بہیمانہ سلوک اور دوسرے مجاہدین آزادی کو دار و رسن کی سخت ترین آزمائش سے گذارنا نیز کالا پانی کی سزا سنا کر ملک بدر کرنا، دیسی ریاستوں کے مابین انتشار و افتراق پھیلانا اور انہیں اپنے موروثی وقار کی بحالی کے لئے فرنگی سیاسی غلامی قبول کرنے پر مجبور و پابند کرنا، ہندوستانی عوام کی زندگی میں خوف و ہراس اور بے چینی و سراسیمگی کی لہر دوڑا کر اپنا حاصل کردہ اقتدار و وقار مستحکم کرنا اور بالخصوص مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا —————— یہ سب وہ حقائق ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ تاریخ کا دل دھڑکتا ہے بلکہ آج بھی وہ سارے محبان وطن عزیز کے لئے سرمایۂ عبرت و بصیرت ہیں اور تحصیل نور و حرارت کا سرچشمہ بھی کہ اسی انقلاب کے تقریباً نوے (۹۰) سال بعد فرنگیوں کو اپنی آہنی مورچہ بندی اور غیر معمولی طاقت و شوکت کے باوجود مجاہدین آزادی اور سرفروشان ملت نے انہیں انگلستان واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

برٹش سامراجوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کو غدر۔ شورش اور بغاوت و بدامنی کے مکروہ ناموں سے موسوم کیا تھا جو مجاہدین آزادی کی قدر و قیمت کو گھٹانے اور ہندوستانیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے کے جواز کے لئے ایک فرنگی چال تھی لیکن یہ حقیقت انگریزوں کے دیسی نمک خوار نہ سمجھ سکے چنانچہ ایک باوفا تذکرہ نگار لکھتا ہے:

"رمضان ۱۲۷۳ھ یعنی مئی ۱۸۵۷ء کا وہ طوفان جس کے تصور سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور و معروف ہے کہ شاید دوسرا نہ ہو — سلطنت مغلیہ کا آخری دور اور لبریز ہو جانے والے پیمانۂ شاہی کا پچھلا منظر یعنی بدنصیب خانماں برباد بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کا ڈلا خیز سماں تھا جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اڑی اور غدر برپا کرنے کے چھپے کھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوئے تھے۔ تباہ ہونے والی رعایا کی نحوست تقدیر نے ان کو جو کچھ بھی سمجھایا اس کا انہوں نے نتیجہ دیکھا اور ان کی نسل دیکھ رہی ہے۔ جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں۔ حاکم کی نافرمان بنیں قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جواں مردی کے غرہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔ اس بھیانک منظر میں ہزارہا بندگان خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے جن کے بچے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں بدامنی پھیل گئی۔" (تذکرۃ الرشید مؤلفہ مولانا الحاج محمد عاشق علی ص ۷۳ ج اول)

صاحب تذکرۃ الرشید نے اسی ضمن میں ان گوشہ نشینوں کو بھی پیش کیا ہے جن کے

مرد مجاہد آزادی ہونے میں آج بھی بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان سے متعلق ایسے محیر العقول افسانے تخلیق کر لئے گئے ہیں جن کے مقابل علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا رضا علی خاں بریلوی (امام احمد رضا کے دادا) مولانا عنایت احمد کاکوروی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا ہدایت رسول، مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا عبد الجلیل علیگڑھی، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا غلام امام شہید، مولانا سید تراب علی شاہ سجادہ نشین کاکوروی، مولانا وہاج الدین مرادآبادی، مفتی عبد الوہاب گوپامئوی، سید احمد اللہ شاہ اور جنرل بخت خاں

وغیرہ جیسے مجاہدین جلیل کی تابناک سرگذشت حیات بھی ماند پڑنے لگتی ہے ورنہ ان کی اصل صورت تو یہ تھی:

حب بغاوت وفساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں، انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا — — — — — — — — —

چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہو چکا تھا اس لئے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ ودو میں پھرتے تھے ---- حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دیوبند میں روپوش تھے۔ ایک روز زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی نہ تھا، زینہ میں آکر فرمایا "پردہ کر لیں باہر جاتا ہوں" عورتیں سے رک نہ سکے باہر چلے گئے ---- — — — —

حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے۔ آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش وچھان بین سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوگیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت رہا کئے گئے اور آپ بخیر وعافیت وطن مالوف کو واپس آئے ...

ہرچند کہ یہ حضرات حقیقۃً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھیرا رکھا تھا اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالی کی حفاظت بر سر تھی اس لئے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے ہاں چند روز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اٹھانی تھی سو اٹھائی"

(ماخوذ از تذکرۃ الرشید ج اول صفحہ ۷۶ و ۷۹)

تذکرہ الرشید صفحہ ۸۰ پر مولوی رشید احمد گنگوہی کا یہ قول بھی زینت قرطاس بنا ہوا ہے کہ "میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"

ایک انگریز حاکم کی عدالت میں مولوی رشید احمد گنگوہی کا ملزم کی حیثیت سے حاضر ہونا بھی بتایا جاتا ہے اور حاکم وملزم کے درمیان سوال وجواب نیز فیصلہ کا ایک دلچسپ منظر بھی دکھایا گیا ہے جو نذر ناظرین ہے:

(۱) " انگریز حاکم : تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟
رشید احمد: ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی۔
(۲) حاکم : تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے؟
رشید احمد: (اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرکے) ہمارا ہتھیار تو یہ ہے۔
(۳) حاکم : ہم تم کو پوری سزا دیں گے!
رشید احمد: کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کرکے۔
(۴) حاکم : تمہارا پیشہ کیا ہے؟
رشید احمد: کچھ بھی نہیں مگر زمینداری۔
فیصلہ حاکم : رشید احمد رہا کئے گئے۔"

(تذکرۃ الرشید ج اول صفحہ ۸۵)

تسبیح کو اپنا ہتھیار بتانا ایک ایسا نفسیاتی تعارف تھا جو انگریز جیسی شاطر و عیار قوم کے لئے اپنی تمام سفاکیوں کے باوجود بھی قطب گنگوہی کے وجود کو محفوظ رکھنا ضروری ہوگیا۔ تیسرے سوال کے جواب میں انداز خود سپردگی کے ساتھ تحقیق کی شرط نے مزید یقین دلا دیا ہوگا کہ یہ انمول ذات کہیں حاکم کی عجلت پسندی کے باعث معدوم نہ ہو جائے لہذا حکم رہائی ناگزیر قرار پایا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ انگریزوں کے حلم و تدبر اور درگذر کی پالیسی نے ان کے حق میں خاطر خواہ فائدے مرتب کئے اور ایسی انمول ذات کی بدولت ملت اسلامیہ کا شیرازہ ایسا درہم برہم ہوا جسے برطانوی سامراج اپنے تمام تخریبی حربوں کے استعمال کے بعد بھی پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ

" اس قصۂ گرفتاری سے رہائی کے بعد حضرت امام ربانی باوجود ارشاد باطنی کے ظاہری علوم شرعیہ وفنون دینیہ کی تعلیم میں زیادہ تر مشغول ہوئے چند سال بعد جبکہ آپ تیسرے حج سے فارغ ہو کر ہندوستان پہونچے تو یہ شغلہ اس قدر بڑھا کہ صحاح ستہ کے دورہ کا ایک سال میں ختم کرانے کا آپ نے التزام کر لیا اور اس دینی خدمت کے لئے اپنے نفس کو وقف بنا کر گویا چار طرف اعلان دیدیا کہ جس کو دین حاصل کرنا اور حدیث کا پڑھنا ہو۔ آئے"

(ایضاً صفحہ ۸۶)

دینی تعلیم و تدریس کا نقشہ جس بنیادی اصول پر بنایا گیا تھا وہ ایک مکتوب سے صاف نمایاں ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے:

"جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ نہیں کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈاکٹری کتب طبیہ کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزدی کے مخالف ہو۔"

(مکتوب بنام مولوی اشرف علی تھانوی ۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ مندرجہ تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۲۱)

یہ وہی دینی نظریۂ معکوس ہے جسے پہلے پہل خیال میں ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لائے، عمل کی دنیا میں لاکر ابن عبدالوہاب (م ۱۲۰۶ھ) نے نام پیدا کیا اور خوشہ چینیوں میں مولوی اسماعیل دہلوی (م ۱۸۳۱ء) ٹھہرے جنہوں نے اپنے پیرو مرشد اور مفروضہ امیرالمومنین سید احمد رائے بریلوی (م ۱۸۳۱ء) کے زیر سایہ فتنۂ توہب کو پھیلایا اور انگریزی سامراجوں کی خوشنودی حاصل کی۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان پہلی کتاب ہے جس نے ہندوستان مسلمانوں کو کافر، مشرک اور بدعتی بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سید احمد شہید کی صحیح تصویر از پروفیسر وحید احمد مسعود، مطبوعہ لاہور)

انقلاب ۱۸۵۷ء کے کم و بیش ۲۵ سال قبل ۱۸۳۱ء میں معرکۂ بالاکوٹ پیش آیا جس میں مشرک سازوں اور کافر گروں کی جماعت کے ممتاز افراد مع سربراہان لقمۂ اجل بن گئے اور ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ دس سال کے بعد ۱۸۴۱ء میں مولوی مملوک علی نانوتوی کو انگریز حاکموں نے خوش ہو کر دہلی کالج کا صدر مدرس بنا دیا اور انہوں نے اسمٰعیلی جماعت کو دوبارہ زندہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان ہی کی بدولت مولوی ذوالفقار علی (والد مولوی محمود الحسن دیوبندی) اور مولوی فضل الرحمٰن (والد مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی) دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزوں کے ملازم ہو گئے۔ مملوک علی صاحب کے ارشد تلامذہ میں مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی احمد علی سہارنپوری اور سر سید احمد خاں وغیرہ کے نام سر فہرست تھے۔ لائق استاد کے انتقال کے بعد مولویوں کی یہ جماعت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات کو مرکز مان کر دائرہ بنانے لگی۔ اسی اثناء میں حریت پسندوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد عام کیا۔ ماحول سے تنگ اور دل برداشتہ ہو کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تارک وطن ہو گئے۔ اب قدرتی طور پر مولوی رشید احمد گنگوہی اپنی جماعت کے "امام ہمام، قدوۃ الانام، قطب العالم اور مخدوم الکل" وغیرہ بن گئے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے موقع پر جبکہ انگریز اپنی آتش انتقام کو مسلمانوں کے خون سے بجھا رہا تھا یہ جماعت خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتی رہی اور موقع پاکر مولانا عبیداللہ سندھی کے لفظوں میں "مولانا محمد قاسم نانوتوی دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند ضلع سہارنپور لے گئے اور سرسید احمد خاں انگریزی حصہ کو علی گڑھ لے گئے"۔ مکتب

دیوبند نے اپنے گورے آقاؤں کی کامل وفاداری کا گن گاتے ہوئے اپنے اُسی جدید نقشے پر دینی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جس کا ذکر اسی مضمون میں کیا جا چکا ہے۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ کتابیں بھی تصنیف کی گئیں اور مسلمانوں کے معتبر و مستند افکار و خیالات مذہبی اور شعائر اسلامی پر ایسی کاری ضربیں لگائی گئیں کہ اگر نصرت الٰہی ان کی پشت پناہی نہ کرتی تو دیوبند کے قطب ربانی کا تعلیمی نقشۂ جدید انہیں غبار راہ بنا دیتا!

تقویۃ الایمان، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس اور حفظ الایمان وغیرہ کتابیں جو مختلف اوقات میں لکھی گئیں لیکن سب ایک ہی تھیلی کی ہیں اور ان میں توہب کا وہی رنگ و آہنگ ہے جسے ہندوستان میں سب سے پہلے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایجاد کیا تھا اور بعد میں دیوبند اسکول کے بہی خواہوں، ان کے شاگردوں، حاشیہ نشینوں اور مریدوں نے راگ میں راگ ملانے کی سعئ بلیغ کی۔ ابتدا میں باہم دگر تجاذب و تخالف کے شکار رہے جیسا کہ ہر نئی ایجاد کا خاصہ ہوتا ہے تاہم اس نئے تجربے نے دو اہم رول ادا کئے: ایک طرف انگریزوں کے پاؤں مضبوطی سے جما دیئے اور مسلمانوں کی قوت اتحاد کو کمزور کر کے انگریزوں کو سیاسی اقتدار بڑھانے کے مواقع دیئے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کو مذہبی خانہ جنگی میں ایسا مبتلا کر دیا اور کفر و شرک و بدعت کے شور و غوغا سے مذہبی ماحول کو اس قدر مکدر کر دیا جس کا خمیازہ ہندوستان میں سنی مسلمانوں کے معدوم ہونے کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وقت کا ایک المیہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے نامور علماء و دانشور جو صحیح معنوں میں وارث علوم انبیاء تھے جن کے علمی جلال و کمال کے سامنے کسی کو مجال گفتگو نہ تھی اور جن میں سے ایک بزرگ نے دعوت مباحثہ دیکر خود مولوی اسمٰعیل دہلوی کو روپوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سب کے سب ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں کام آ گئے اور جو تھوڑے بہت باقی بچے وہ اس نئے مذہبی بحران و طغیان سے ملت اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

ان اسلام کش اثرات کی روک تھام کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسکو علوم عقلی و نقلی دونوں میں پوری بصیرت اور دستگاہ حاصل ہو اور وہ تمام علوم و فنون میں بالغ نظری کے مقام پر فائز ہو۔ تفقہ فی الدین میں جو ائمہ متقدمین کی یاد دلائے اور جس کا علم کلام اگر ایک جانب توحید کے حقائق کی نقاب کشائی کرے تو دوسری جانب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارفتگی اور اختیار و اقتدار کا پرچم لہرائے۔ اپنے علم و یقین اور فکر و نظر سے تمام فرق باطلہ کی قلعی کھولدے اور خصوصیت کے ساتھ اس نئی مذہبی تحریک کا رد بلیغ کر دے جس کی اشاعت کرنے والے خدائی کے دعویدار بلکہ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین سے مسلمانوں کے غیر معمولی مربوط رشتے کو توڑنے کے آرزومند تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ایک ایسی ہی گرانمایہ اور عبقری شخصیت کا ظہور ہوا جسے عالم اسلام، امام احمد رضا بریلوی کے نام سے یاد کرتا ہے۔

امام احمد رضا ۱۴ جون ۱۸۵۶ء مطابق ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ (یعنی ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت سے ایک سال قبل) شہر بریلی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے: "۱۲۸۶ھ میں جب کہ عمر شریف صرف ۱۳ سال ۱۰ ماہ کی تھی آپ جلیل الشان عالم، عظیم المرتبت فاضل ہو گئے اور اس وقت سے صفر ۱۳۴۰ھ یعنی ۵۴ برس تک مسلسل دینی و علمی خدمات انجام دیتے رہے"۔ (سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مؤلفہ مولانا بدرالدین احمد رضوی مطبوعہ ۱۹۶۳ء صفحہ ۸۹)

امام کے اساتذہ میں مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی (متوفی ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء) مولانا محمد نقی علی خاں (متوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) شیخ احمد بن زین دحلان مکی (متوفی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء) شیخ عبدالرحمٰن مکی (متوفی ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) شیخ حسین بن صالح (متوفی ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء) اور مولانا شاہ ابوالحسین احمد النوری (متوفی ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔

امام احمد رضا دو بار حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے، پہلی بار ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں اور دوسری بار ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۴ء میں۔ ان دونوں مبارک و مسعود مواقع پر امام نے شیوخ مکہ و مدینہ سے غیر معمولی اکتساب فیض کیا اور اپنی خداداد نفاہت و علمیت کے گہرے نقوش علمائے حجاز مقدسہ کے اذہان و قلوب میں مرتب کئے۔ چونسٹھ ۶۴ سالہ مدت عمر میں امام احمد رضا نے کم و بیش ۵۰ علوم و فنون پر مستقل کتابیں تصنیف کیں اور متعدد اہم کتابوں کے حواشی بھی لکھے جو خود ایک تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں چند تصنیفات کی مجموعی تعداد درج ذیل ہے۔

(۱) علم تفسیر میں ۷ کتابیں
(۲) علم حدیث میں ۴۵ کتابیں
(۳) عقائد و کلام میں ۲۲ کتابیں
(۴) فقہ و تجوید میں ۷۰ کتابیں
(۵) تاریخ و سیر میں ۱۱ کتابیں
(۶) ادب، نحو، لغت و عروض میں ۶ کتابیں
(۷) تصوف میں ۹ کتابیں
(۸) علم زیجات میں ۷ کتابیں
(۹) علم جفر و تکسیر میں ۱۱ کتابیں
(۱۰) جبر و مقابلہ میں ۴ کتابیں
(۱۱) علم مثلث، ارثما طیقی لوگارثمات ۶ کتابیں
(۱۲) توقیت، نجوم اور حساب میں ۱۶ کتابیں
(۱۳) ہیئت، ہندسہ، ریاضی میں ۲۸ کتابیں
(۱۴) فلسفہ و منطق میں ۶ کتابیں

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۳)

مندرجہ بالا فہرست تعداد کتب میں اکثر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور بعض مطبوعہ ہو کر نایاب ہیں۔ یہ فہرست اصل میں ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی کے دو شمارے اکتوبر ۱۹۶۲ء و دسمبر ۱۹۶۲ء سے ماخوذ ہے اور سوانح اعلیٰ حضرت میں بجنسہ موجود ہے علاوہ ازیں امام احمد رضا بریلوی کی تصنیفی سرگرمیوں اور علمی و ادبی ذخیروں کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:

(۱) تذکرہ علمائے ہند مؤلفہ مولانا رحمان علی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء
(۲) تذکرہ علمائے حال مؤلفہ مولانا محمد ادریس نگرامی مطبوعہ ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
(۳) معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ مؤلفہ یوسف الیاد سرکیس مطبوعہ مصر ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء
(۴) قاموس المشاہیر۔ نظامی بدایونی ج اوّل
(۵) حیات اعلیٰحضرت مؤلفہ ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری
(۶) المجمل المعدد لتالیفات المجدد مؤلفہ علامہ ظفرالدین بہاری
(۷) قاموس الکتب (اردو) مرتبہ انجمن ترقی اردو، ج اوّل مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری نے امام احمد رضا کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے جن میں اکثر و بیشتر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ امام کی مطبوعہ کتابیں ہی سیکڑوں کی تعداد میں ہیں جنہیں دیکھ کر علمائے عرب و عجم نے خراج عقیدت پیش کیا ہے اور گلہائے تحسین و آفریں نچھاور کئے ہیں۔ ان کتابوں ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا مختلف علوم و فنون میں کس قدر کامل دستگاہ اور جامعیت رکھتے تھے، ان کا تبحر علمی کتنا منفرد اور بلند و بالا تھا اور ان کی ہمہ گیر فکر و نظر تجدید و احیائے دین کا فریضہ انجام دینے میں کتنی مستحکم اور مستعد رہتی تھی!

امام نے سیاسی انتشار اور مذہبی خلفشار دونوں کو دیکھا تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے واقعات اپنے بزرگوں سے سنے تھے۔ مجاہدین آزادی کے کارنامے اور دیسی نمک خواروں کے کرتوتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بہت سارے اسباب میں ایک اہم سبب وہ نام نہاد علماء بھی تھے جنہوں نے اپنے گورے آقاؤں کا طوق غلامی گلے میں ڈال کر اگر ایک طرف حریت پسندوں کو اذیت پہونچائی تو دوسری جانب اسلام کے عقیدۂ توحید اور نظریہ رسالت کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں کتاب و سنت کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔ شہداء، صدیقین اور صالحین کے اعزاز و احترام کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا آثار صحابہ کی بے توقیری کی۔ تابعین اور تبع تابعین کی اسلامی جذبات کو مجروح کیا اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی وحدت فکر و عمل کا شیرازہ منتشر کر کے انگریزی سامراجوں کی سیاسی طاقت کو بڑھاوا دیا۔ ان دلخراش اور جارحانہ حملوں کی ابتدا اگرچہ معرکۂ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) سے قبل ہی ہندوستان میں ہو چکی تھی لیکن انقلاب ۱۸۵۷ء کی سیاسی ہنگامے کے فوراً ہی بعد مسلمانوں کو بالعموم جس دوسرے انتشار و اضطراب کا سامنا کرنا پڑا وہ وہی فتنہ تو تھا جو ہندوستان میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی

شروع ہو کر مولوی اشرف علی تھانوی تک پہونچتا ہے۔ اسلام کے "اس جدید ترمیم شدہ ایڈیشن" کے چند تراشے ملاحظہ فرمایئے:

۱؎ "اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست پس لا نسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر ملائکہ انبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی زائد از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است کذب مذکور آرے منافی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر ست۔"

(رسالہ یکروزی مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی مطبوعہ فاروقی ص۱۷)

۲؎ "امکان کذب بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے خلاف پر وہ قادر ہے مگر اختیار خود اس کو نہ کرے گا۔ یہ عقیدہ بندہ کا ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی مطبوعہ رحیمیہ دہلی ص۱)

۳؎ "الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ جز اول ص۱۹)

۴؎ کذب متنازعہ فیہ صفات ذاتیہ میں داخل نہیں بلکہ صفات فعلیہ میں داخل ہے۔"

(الجہد المقل مصنفہ مولوی محمود الحسن ج دوم ص۴)

۵؎ "افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں . . . .
واقعہ غیر واقعی کا عقد و اصدار قدرت باری جل سلطانہ میں داخل ہے . . . .
اب افعال قبیحہ کو قدرت قدیمہ حق تعالیٰ شانہ سے کیونکر خارج کر سکتے ہیں۔"

(ایضاً ص۴۱-۴۴-۸۳)

۶؎ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔"

(براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی ص۲)

۷؎ "اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب جی چاہے کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔"

(تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی ص۲۳)

۸؎ "تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات (الیٰ قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است۔"

(ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی ص۵۳)

۹؎ الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔
شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(براہین قاطعہ مصنفہ خلیل احمد و مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص۵۱)

۱۰؎ "پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

(حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی ص۹)

۱۱؎ "سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔"

(تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی ص۲)

۱۲؎ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جاوے۔"

(تحذیر الناس ص۳۴)

۱۳؎ "بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است۔"

(صراط مستقیم مؤلفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی، مطبوعہ مجتبائی ص۸۶)

۱۴؎ "یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان

کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے ـــــ

وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہوئے ـــــ جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو، سو اس میں بھی اختصار کرو۔"

(تقویت الایمان مصنف مولوی اسمٰعیل دہلوی ص ۶۰ ۱۶-۶۸ء ۱)

۵ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔"

(ایضاً ص ۴۱)

ان تراشوں کے ذریعہ پرستاران توہب کے عقیدۂ توحید اور نظریۂ رسالت کے بنیادی پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کا عقیدہ رکھنا، جھوٹ بولنے پر خدا کو قادر ماننا، جھوٹ کو قدرت الٰہی میں داخل کرنا، کذب کو صفات خداوندی میں شامل کرنا، افعال قبیحہ کو خدائے تعالیٰ کی ذات میں ممکن تسلیم کرنا، مسئلہ امکان کذب کو قدمائے اسلام سے منسوب کرتے ہوئے خلف وعید کے معنٰی میں سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت مطلع علی الغیب نہ ماننا خدا کو بھی بندوں کی طرح زمان و مکان کا محتاج جاننا وغیرہ ہی توہب کے عقیدۂ توحید کے بنیادی عناصر ہیں۔ اسی طرح فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو شیطان کے علم سے کم بتانا، محمد عربی کے وفور علم پر شرک کا فتوی صادر کرنا، حبیب خدا کے علم غیب کی تکذیب کرتے ہوئے اسے زید، عمرو، پاگل، دیوانے اور جمیع حیوانات و بہائم کے مساوی ماننا۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو عوام کا خیال بتانا اور کسی نئے نبی کی مفروضہ آمد کے باوجود خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ سمجھنا، نماز میں رسالت مآب کے خیال کو گائے گدھے کے خیال سے بھی کئی درجے بدتر قرار دینا، انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہنا اور بالخصوص سرکار دو عالم کو بڑا بھائی کہنے میں غیرت دینی کو بالائے طاق رکھ دینا، رسول کی مدح و ستائش کو عام انسانوں سے بھی گھٹ کر پیش کرنا اور انہیں بے بس و محتاج تسلیم کرنا ہی توہب کے نظریۂ رسالت کا ٹریڈ مارک ہیں۔

نام نہاد مولویوں کی انہی جدت طرازیوں نے مذہبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور مسلمانوں کے درمیان نفاق و شقاوت کی داغ بیل ڈال دی۔ اندیشہ تھا کہ آئے دن کی نئی نئی نکتہ آفرینیاں کہیں اسلامی تعلیمات کو مسخ نہ کر دیں اور مسلمانوں کو سیاسی ناکامی کے بعد کہیں مذہبی پسپائی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ یہ تھے سنگین حالات جو امام احمد رضا کے لئے چیلنج بن گئے اور اسلام کی دفاعی مورچہ بندی کی تمام ذمہ داری ان پر آ گئی۔ عشق رسول نے امام سے جہاد بالقلم کا مطالبہ کیا اور نصرت الٰہی ان کی پشت پناہ بنی۔ وہ خود اپنے علمی مذاق کی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

" مجھے تین کاموں سے دلچسپی ہے اور ان کی لگن مجھے عطا کی گئی ہے تفصیل یہ ہے: اوّل سید المرسلین صلواۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی حمایت کرنا کیونکہ ہر ذلیل وہابی آپ کی شان میں توہین آمیز کلام سے زبان درازی کر رہا ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرا رب اسے قبول فرمائے گا۔ اور رب کی رحمت کے بارے میں میرا یہی ظن ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ میں اپنے بندے سے اس کے حسن ظن کے مطابق معاملہ فرماتا ہوں۔" دوم ان کے علاوہ دیگر بدعتیوں کی بیخ کنی جو دین کے دعویدار ہیں حالانکہ وہ مفسد محض ہیں اور سوم حسب استطاعت اور واضح مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی۔" ـــــ (ترجمہ)

(فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص ۴۰)

(بحوالہ الاجازۃ الرضویہ لمبجل المکتہ البہیتہ (قلمی) ص ۳۷، ۳۸)

امام احمد رضا کے اس قلمی جہاد کے منشور (Manifesto) نے ان کی انفرادیت کو چمکنے کا موقع دیا اور بچاس علوم و فنون کو اپنی مضبوط گرفت میں لینے والی فکر و نظر سمٹ سمٹا کر تقدیس الٰہی کی صیانت، ناموس رسالت کی حفاظت، ابطال بدعت و ضلالت اور فروغ کتاب و سنّت میں لگ گئی۔ اس سلسلے میں امام نے کم و بیش دو سو کتابیں تصنیف کیں اور ہزارہا دلائل قاہرہ کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ ہم ذیل میں صرف چند کتابوں ہی کے نام پیش کرتے ہیں جن پر امام کی شہرت عام اور بقائے دوام کی عمارت کھڑی ہے:

(۱) سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح۔ مرتبہ ۱۳۰۷ھ مطبوعہ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء

(۲) سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ۔ مرتبہ ۱۳۱۲ھ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

(۳) الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ۔ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

(۴) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ۔ مطبوعہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۴ء

(۵) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین۔ مطبوعہ ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۵ء

(۶) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (قرآن حکیم کا مستند اردو ترجمہ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء)

(۷) فتاویٰ رضویہ (۱۲ جلدیں اور ہر جلد حجازی سائز کے ہزار صفحات پر مشتمل ۵ جلدیں مطبوعہ بھی)

امام احمد رضا نے ابتدائی تین کتابوں میں مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے متبعین کے پھیلائے ہوئے امکان کذب باری تعالیٰ کے مسئلے کی قلعی کھولی ہے۔ ان کی عبارتوں پر سخت گرفت کی ہے اور منطقی عدم توازن کو دکھلاتے ہوئے ان کے ناتراشیدہ خیالات و افکار کا زبردست محاکمہ کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے موقف کو بھی کتاب و سنّت کی روشنی میں پیش کر دیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں (صرف مرکزی خیال اور خلاصۂ کلام پر اکتفا کیا گیا ہے)

"قدرت الٰہی صفت کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے۔ نہ معاذ اللہ منقصت و نقص و عیب۔ اور اگر محالات پر قدرت مانیئے تو ابھی انقلاب ہوا جاتا ہے، وجہ سنیئے:

جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال، محال سب ایک سے ہیں بزعم تمہارے ...... خیال پر جس محال کو مقدور نہ کہئے اتنا ہی عجز و قصور سمجھئے تو واجب کہ سب محالات زیر قدرت ہوں اور منجملہ محالات سلب قدرت الٰہیہ بھی ہے تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو کھو دینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنا لینے پر بھی قادر ہو۔ اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی"۔

(سبحان السبوح صفحہ ۸)

"اگر کذب الٰہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں۔ کافروں اور ملحدوں کو اعتراض و مقال و عناد و جدال کی وہ مجالیں ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں۔ دلائل قرآن عظیم و وحیٔ حکیم یکدست ہاتھ سے جائیں حشر و نشر و حساب و کتاب و جنت و نار و ثواب و عذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں کہ آخران امور پر ایمان صرف اخبار الٰہی سے ہے۔ جب معاذ اللہ کذب الٰہی ممکن ہو تو عقل کو ہر خبر الٰہی میں احتمال رہے گا کہ شاید یوں ہی فرما دی ہو شاید ٹھیک نہ پڑے"۔

(ایضاً صفحہ ۱۱)

"ملّائے دہلی کا خدائے موہوم کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا؟ آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے۔ پاخانہ پھرتا ہے اور پیشاب کرتا ہے آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے آنکھیں بند کرے سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دیدے، آدمی قادر ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈبو دے، آگ سے جلالے۔ خاک پر لیٹے کانٹوں پر لیٹے، رافضی ہو جائے، وہابی بن جائے مگر ملائے ملام کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لئے کر سکتا ہو گا ورنہ عاجز ٹھہرے گا اور کمال قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا۔ اقول غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو دھو بیٹھنا ہے۔ نہ کر سکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں، کر سکا تو ناقص ہوا، ناقص خدا نہیں ...... تو شمس و امس کی طرح اظہر و ازہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول اجر حقیقتہً انکار خدا کی طرف منجر ....

مگر سبحان ربنا، ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علی المحال کی تہمت سراپا ضلال سے کمال منزہ"۔

(ایضاً صفحہ ۴۸)

"مانو تو ایک سہل تدبیر تمہیں بتادوں۔ میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو ان دو سو دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کر کے انصاف سے پرکھو۔ فرض کرو کہ دو سو میں استحالۂ کذب الٰہی پر صرف ایک دلیل اور تمہارے خیال اور تمہارے امام کے .... اقوال پر فقط ایک ایک اعتراض قاطع ہر قیل و قال باقی رہ گیا باقی سب سے تم نے جواب دے لیا تو جانِ برادر! احقاق حق کو ایک دلیل کافی، ابطال باطل کو ایک اعتراض وافی۔ نہ کہ دلائل باہرہ، اعتراضات قاہرہ صدہا سنو اور ایک نہ گنو۔ دل میں جانتے جاؤ کہ دلائل باصواب اور اعتراضات لاجواب، مگر ماننے کی قسم۔ توبہ کی آن، بلکہ الٹے تائید باطل کی فکر سامان۔ یہ تو حق پرستی نہ ہوئی بدمستی ہوئی، نشۂ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی۔ پھر قیامت تو نہ آئے گی؟ حساب تو نہ ہوگا؟ خدا کے حضور سوال و جواب تو نہ ہوگا؟ اے رب میرے! ہدایت فرما اور اللہ بجلی آنکھوں کو کچھ تو شرما"

(ایضاً صفحہ ۱۰۵)

امام کی چوتھی کتاب الدولۃ المکیہ ہے جو بلا شبہ ان کے قلم کا شاہکار ہے۔ مسئلہ علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام تحقیق اور علمی مباحث کو شرح و بسط کے ساتھ اسی ایک تصنیف میں جمع کر کے امام نے سیکڑوں کتابوں کے مطالعے سے مسلمانوں کو بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ معرکۃ الآرا تصنیف امام کی صرف ساڑھے آٹھ گھنٹوں کی کاوشوں اور توجہات کا ثمرہ ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۴ء میں جب امام احمد رضا دوسری بار حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو علامہ جلیل شیخ اسماعیل بن خلیل مدنی کے لفظوں میں "بعض ناسقوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہونچانے میں کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا۔ چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں تو مولانا نے (اللہ ان کی تائید کرے) اس سوال پر وہ جواب لکھا جس سے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ بے توفیق کو ذلیل و خوار کیا .... شریف مکہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھیں۔ چنانچہ رسالہ پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے۔ سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے۔ اس وقت شریف مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں" ....

(الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲)

امام احمد رضا خود بھی اپنی یہ سرگذشت سناتے ہیں:

"میرے پاس علم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض ہندیوں

کی طرف سے پیر کے دن عصر کے وقت ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو ایک سوال آیا اور میرے گمان میں ان بعض وہابیہ کا اٹھایا ہوا ہے جنہوں نے دل کھول کر اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دی اور ہندوستان میں اس کی کتابیں شائع کیں ....

..... اور انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت میں مشغول اور اپنے مولیٰ و محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہر کی جانب جانے کی جلدی کی ہے تو انہوں نے یہ سوال اٹھایا اس طمع پر کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا اور کتابیں پاس نہ ہونا، مجھے اظہار جواب سے روک دے گا تو اس میں ان کو عید و خوشی ہو جائے گی اور یہ نہ جانا کہ یہ دین متین امان میں ہے اور جو کوئی اس کی مدد کرے منصور و محفوظ ہے۔"

(الدولۃ المکیہ صفحہ ۱۶۱)

امام احمد رضا کی سرگذشت خود ان ہی کی زبان قلم سے سننے اور ایک فاضل جلیل عرب کی تصدیق و توثیق واقعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ الدولۃ المکیہ کی تہذیب و تدوین ایک قلیل ترین وقت میں ہوئی اور نہایت بے سروسامان کے عالم میں۔ یہ گرانقدر تصنیف اگر ایک طرف امام کے علمی تبحر، کتاب و سنت پر کامل استحضار، حافظہ کی قوت و وسعت، فکر و نظر کی جولانی، سرعت فہم اور قلم برداشتہ انداز تحریر کی آئینہ دار ہے تو دوسری طرف سرزمین حجاز مقدسہ نیز دیگر بلاد اسلامیہ میں امام کی غیر معمولی مقبولیت و محبوبیت کی غماز ہے جیسا کہ علامہ شیخ اسماعیل بن خلیل مدنی کا ارشاد ہے کہ

"علماء اور طلبہ علم نے چاروں طرف سے مولانا شیخ احمد مذکور کو گھیر لیا تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی سوال کرتا اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کے لئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے یہ ان کا حال تھا جب مکہ میں تھے۔"

(الفیوضات المکیہ صفحہ ۱۴)

اور تیسری طرف الدولۃ المکیہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض ان ہندوستانی مولویوں کو متعارف کرا دیا جو ناموس رسول کے مقابل ناموس اسلاف کے لئے قلم کی روشنائی خشک کر رہے تھے اور گروہی تعصب نے جنہیں توفیق توبہ سے محروم کر رکھا تھا۔ یہ سارے دلسوز اور روح فرسا مناظر امام احمد رضا کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ تاہم امام نے حکمت تبلیغ کے پیش نظر صلاح و فلاح کی فضا بنانے اور افہام و تفہیم کی راہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اب مسئلہ علم غیب پر امام کی شان تفاہت ملاحظہ کیجئے:

"جو غیر خدا سے علم غیب کی مطلقاً ایسی نفی کرے کہ کسی طرح ثابت سبحانہ مانے وہ ان آیتوں سے کفر کر رہا ہے جو ثابت فرماتی ہیں اور جو مطلقاً اس طرح ثابت کرے کہ کسی وجہ سے نفی ماننے ہی نہیں وہ ان آیتوں سے کفر کرتا ہے جو نفی فرماتی ہیں اور مسلمان سب پر ایمان لاتا ہے اور وہ مختلف راہوں میں نہیں پڑتا۔"

(الدولۃ المکیہ صفحہ ۱۰۵)

"پہلی تقسیم تو یہ ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے جبکہ نفس ذات عالم سے صادر ہو اس کے غیر کو اس میں کچھ دخل نہ ہو، یوں کہ غیر کی عطا سے ہو نہ یوں کہ غیر اس میں کسی طرح سبب پڑے — اور یا عطائی ہے جبکہ غیر کی عطا سے ہو۔ پہلی قسم مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے اور جو اس میں سے کوئی حصہ جہاں بھر میں کسی کے لئے ثابت کرے اگرچہ ایک ذرے سے کم سے کم تر، وہ یقیناً مشرک ہے۔ اور دوسری قسم مولیٰ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ کے لئے ممکن نہیں اور جو اس کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے وہ کافر ہے اور ایسی چیز لایا جو شرک اکبر سے بھی زیادہ خبیث و شنیع ہے اس لئے مشرک تو وہ ہے جو اللہ کے برابر دوسرے کو جانے اور اس نے غیر خدا کو خدا سے برتر سمجھا کہ اس نے اپنے علم و خیر کا فیض خدا کو پہنچا دیا۔"

(ایضاً صفحہ ۱۷۷-۱۸۱)

"وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبوں کے مطلق علم کی نفی کرتا ہے اگرچہ خدا کی عطا سے ہو تو ایسا شخص اس چیز کی نفی کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ثابت فرمائی ہے اور اس کا یہ قول اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے اور اس کے زیاں کار ہونے کے لئے کافی ہے۔" (صفحہ ۲۰۹)

"تمام و کمال جملہ مخلوقات کے مجموعۂ علوم کی ہمارے رب العالمین کے علوم سے برابری کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ بھی گذرے۔ کیا اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور خلق کا علم عطائی ہے اور اللہ کا علم اس کی ذات کے لئے واجب ہے اور خلق کا علم اس کے لئے ممکن۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم ازلی سرمدی، قدیم، حقیقی ہے اور مخلوق کا علم حادث اس لئے کہ تمام مخلوقات حادث ہے اور صفت موصوف سے پہلے نہیں ہو سکتی اور اللہ سبحانہ کا علم مخلوق نہیں اور خلق کا علم مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیر قدرت نہیں اور خلق کا علم اللہ کی قدرت میں اور اس کے زیردست ہے۔ علم الٰہی کا ہمیشہ رہنا واجب اور علم مخلوق کی فنا ممکن۔ علم الٰہی کسی طرح بدل نہیں سکتا اور علم خلق میں تغیر روا ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۲۱۳)

الدولۃ المکیہ کی تکمیل کے بعد مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تقریباً ۱۶ علماء نے اس پر تقریظیں لکھیں اور اس کے مضامین کو نہ صرف یہ کہ سراہا بلکہ اسلامی عقائد کا معیار قرار دیا۔ علمائے حجاز میں شیخ موسیٰ علی شامی شیخ حسن بن عبدالقادر اور علامہ سید اسمٰعیل بن خلیل نے خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا کو "مجدد دین و ملت" کہا۔ اس عظیم الشان فتح و نصرت کے سائے میں جب امام ہندوستان واپس ہوئے تو یہ امید لئے ہوئے تھے کہ علمائے عرب کی ایک کثیر جماعت کی تائید و تصدیق دیکھ کر شاید ہندوستان کے علماء مخالفین اپنے زہر آگیں خیالات پر نظر ثانی کریں اور انہیں اسلام سے نسبت نہ دیں مگر

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہندوستان پہونچ کر امام کو نقشہ کچھ الٹا نظر آیا۔ فتنۂ توہب کی قلابازیاں بڑھتی گئیں۔ افہام و تفہیم کے امکانات کمزور پڑتے گئے۔ مخالفین اپنے خیالات فاسدہ کی اشاعت میں نسبتاً زیادہ جری دکھائی دینے لگے، انہوں نے اپنا ایک متحدہ محاذ بنالیا جس نے نفسانیت کی لَو کو تیز تر کردیا۔ اب لے دے کے ان کا یہی مقصود حیات بنا کہ چاہے جو کچھ ہوجائے مگر ان کے مفروضہ و بنیادی اماموں، مخدوموں، قاسم العلوموں، شیخ الہندوں، حکیم الامتوں اور فقیہ النفسوں کی بات کٹنے نہ پائے! اسلامی توحید مجروح ہوجائے کوئی مضائقہ نہیں۔ نظریۂ رسالت کو صدمہ پہونچے کوئی حرج نہیں، ان ہی کی کتابوں کا سہارا لیکر کوئی نیا شخص دعویٰ نبوت کرے تو کوئی غم نہیں لیکن فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان وغیرہ جیسی ایمان سوز کتابوں کی مسلسل اشاعت جاری رہے۔ خدا اور رسول خدا کی شان میں گستاخی کرنے والے اس حد تک پہونچ گئے کہ بیک جنبش قلم سارے مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بدعتی و جہنمی بناڈالا کبھی سلام و قیام کی بحث اٹھاکر، کبھی نذر و فاتحہ و عرس نیز دوسرے مروجہ طریق ایصال ثواب کا مذاق اڑاکر، کبھی اوراد و وظایف کی قدر و قیمت کو گھٹاکر اور کبھی دوسرے فروعی مسائل کو چیستاں بناکر ________

یہ سب پیچیدگیاں اور گورکھ دھندے اس لئے معرض وجود میں لائے گئے کہ توحید و رسالت سے متعلق تجدد پسندوں کی بیمار ذہنیت کے کرشمے پردۂ خفا ہی میں رہیں اور عام مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کا روحانی و علمی بھرم کھلنے نہ پائے! ان تمام احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کے باوجود توہب پرستوں کو ذہنی آسودگی حاصل نہ ہوسکی اور ان کے ذہنوں پر امام احمد رضا کے قلم حقیقت رقم کا خوف مسلط رہا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ بیس بائیس سال سے ان کے ہر نشیب و فراز پر صلاح و فلاح کا پیام دینے والی ذات تنہا امام کی تھی اور خانہ ساز روغن تاویلات سے جلنے والے چراغ کی روشنی دکھا کر اس مرد حق آگاہ کو مسحور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ توہب پرستوں نے اپنا سارا زور امام احمد رضا کے خلاف افواہیں پھیلانے میں لگادیا اور اپنے سارے عیوب امام سے منسوب کردیئے۔ ایک جگہ امام احمد رضا خود ہی رقمطراز ہیں:

"ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور ان دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار! یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کے مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا۔ مولوی اسحٰق صاحب کو کہدیا، مولوی عبدالحیٔ صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو کہدیا حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا — یا — پھر جو پورے ہی حد حیا سے گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہدیا — غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے آیۂ کریمہ

ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا پر عمل فرمایا۔

خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھ کر ارسال ہوا۔"

(حسام الحرمین ص ۴۲)

اسی ضمن میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ جن حضرات نے امام احمد رضا کی درج ذیل تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔

(۱) انباء المصطفٰے بحال سر و اخفیٰ (۱۳۱۸ھ)
(۲) جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت (۱۳۲۰ھ)
(۳) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)
(۴) انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ (۱۳۲۹ھ)
(۵) خالص الاعتقاد (۱۳۲۸ھ)
(۶) الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیۃ (۱۳۳۷ھ)
(۷) جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور (۱۳۳۹ھ)

وہ اچھی طرح باخبر ہوگئے کہ توہب پرستوں کی جانب سے لگائے گئے سارے

الزامات بالکل جھوٹے اور بے بنیاد تھے ان افترا پردازوں کی غرض وغایت یہی تھی کہ امام احمد رضا حالات سے برگشتہ خاطر ہو کر دعوت و تبلیغ کی راہ سے علٰحدہ ہو جائیں اور گوشہ نشینی اختیار کر لیں لیکن خلّاقِ عالم نے جس ذات گرامی کو تجدید و احیائے دین کے لئے پیدا فرمایا تھا وہ ان ہزل سرائیوں سے کیا مرعوب ہوتی! چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ امام احمد رضا کم و بیش ۴۰ سال تک اپنی مختلف تحریروں کے ذریعہ توہب پرستوں کو دعوت اصلاح و فلاح دیتے رہے پھر خطوط ارسال کئے، متعدد بار رجسٹریاں بھیجیں اور تحقیق و جستجو کے تمام تقاضے ادا کئے مگر عزّتِ نفس کے نشے میں چور رہنے والوں نے بالکلیہ خاموشی اختیار کر لی۔ گویا وہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہے تھے۔

"جس کی نومیدی سے ہے سوز درونِ کائنات
اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لاتقنطو"

امام احمد رضا نے ان کا جو یہ رنگِ بے اعتنائی دیکھا تو بے حد آزردہ خاطر ہوئی مگر اتمام حجّت کے بعد وہ کر ہی کیا سکتے تھے اسلام کا تقاضہ ہوا کہ خدائے قدوس و سبوح کی ذات یا صفات میں عیب نکالنے والوں کو علٰحدہ کر دو اور ایمان نے مطالبہ کیا کہ تقدیس رسالت اور عظمت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والوں کو شریعت اسلامیہ کا حکم سنا دو! چنانچہ امام احمد رضا نے حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کی تصنیف المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) کو تعلیقات و حواشی کے ساتھ المعتمد المستند کے نام سے مرتب فرمایا۔ اعجاز احمدی (مرزا غلام احمد قادیانی) ازالۃ الاوہام (غلام احمد قادیانی) فتاویٰ رشیدیہ (مولوی رشید احمد گنگوھی) تحذیر الناس (مولوی قاسم نانوتوی) براہین قاطعہ (مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) اور حفظ الایمان (مولوی اشرفعلی تھانوی) وغیرہ کے مضامین کا تحلیل و تجزیہ کر کے شاملِ کتاب کیا اور انہیں پانچ طبقوں میں تقسیم کیا جو درج ذیل ہیں:

(۱) انجاس قادیانی (یعنی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور اپنی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والے)

(۲) ارجاس شیطانی (یعنی شیطان کی وسعت علم کو نص سے ثابت ماننے والے اور فخرِ دو عالم کے لئے وسعت علم کا انکار کرنے والے)

(۳) تکذیب رحمانی (یعنی خدائے قدوس و سبوح کو جھوٹ بولنے پر قادر ماننے والے)

(۴) نبوت ستانی (یعنی یہ عقیدہ رکھنے والے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کا مبعوث ہونا مستبعد نہیں۔)

(۵) جنون سگانی (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں سے مماثل قرار دینے والے)

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، حسام الحرمین ص ۱۰۔۲۰)

امام احمد رضا نے مذکورہ بالا ہر طبقہ پر کمال احتیاط کے ساتھ شرعی حکم لگایا اور اس کو تاریخ ساز فتویٰ کو ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ میں علمائے حرمین کی خدمت میں بھی پیش کیا جس پر ۳۴ علمائے مکہ و مدینہ نے تقریظیں لکھیں اور اپنی تائید و تصدیق کے ذریعہ امام کی دینی بصیرت اور فقہی ژرف نگاہی کو ممتاز و نمایاں فرمایا۔ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں حسام الحرمین منصہ شہود پر آئی اور اس شان و جلالت کے ساتھ کہ نصف صدی سے زائد گذر جانے کے بعد آج بھی وہ حق و باطل اور اسلام و کفر کا معیار بنی ہوئی ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد توہب پرستوں اور اسلاف کے پجاریوں کی بدحواسی نقطۂ عروج پر پہونچ گئی جس نے مخالفین کو دشنام طرازی کی پست ترین سطح پر لا کر کھڑا کر دیا کسی نے امام کو "بڑا ہی جھگڑالو۔ فسادی، نخوت علم کا مارا۔ دشمنی اور خصومت میں بہت ہی سخت، ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جانے والا اور پیچھا نہ چھوڑنے والا۔ دیار ہند میں تکفیر و تفریق کا علم بلند کرنے والا، اور تاویل کفر نہ سننے والا" کہا (نزھۃ الخواطر ص ۳۹ ج ۸، مؤلفہ عبد الحیٔ لکھنوی) اور ایک "شیخ الاسلام" نے تو جوشِ تعلقِ اسلاف میں امام احمد رضا کو "دجال، کذاب، مفتری، شیطان، دشمن رسول، ان کے اساتذہ کو ابلیس کا سردار اور ان کے بزرگوں کو بنی اسرائیل و یہودی کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا" (ملاحظہ کیجئے الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، مؤلفہ مولوی حسین احمد مدنی) ان گالیوں اور ہرزہ سرائیوں کا اثر امام پر کیا پڑا اسے آپ ان ہی سے سنیئے:

"حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے اپنے اس بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظم اکابر کی ان عظیم مدحوں پر اتراتا ہے بلکہ اپنے رب کے حسن نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لئے۔ کیا تو نے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔ نہ ان دشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالی سے جو وہ زبانی دیتے ہیں اور اخباروں میں چھاپتے ہیں پریشان ہوتا بلکہ شکر بجا لاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتّوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے...

..... اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگائیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اور اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرارہم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم بر علم۔ اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو اس کے آباء و اجداد کی آبرو بدگویوں کی زبانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدگویانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

فان ابی و والدتی وعرضی
لعرض محمد منکم وقاء »

(حسام الحرمین : خلاصہ فوائد فتویٰ (۱۳۲۴ھ) گلبن اوّل ص۵۱ د ۵۲)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد دو نقطہ ہائے نظر بے غبار ہو کر ابھرتے ہیں ایک کی پاسبانی مخالفین کرتے تھے اور دوسرے کی امام احمد رضا۔ ایک طرف ناموسِ اسلاف اور عزتِ نفس کے بچاؤ کے لئے ساری توانائیاں صرف ہو رہی تھیں اور دوسرے طرف اللہ تعالیٰ کو بے عیب ثابت کرنے اور عظمتِ رسول خدا کو بڑھانے کی خاطر فکر و نظر کا سارا سرمایہ وقف تھا۔ ایک جانب دشنام طرازیوں اور الزام تراشیوں کا بازار گرم تھا اور دوسری جانب صبر و شکر کے ساتھ دینی خلوص و للہیت کی جلوہ گری تھی۔ ایک سمت ایک ہی تھیلی کے چند کھوٹے سکوں کی جھنکار تھی اور دوسرے سمت علمائے عرب و عجم ہم آواز تھے ادھر ظالموں کا ظلم شباب پر تھا اور ادھر مظلوم کی مظلومیت بحد کمال تھی۔ غرضکہ ۱۸۵۷ء کے سیاسی جہاد کے بعد ہی کمپنی بہادر کے وفادار مولویوں نے مذہبی دنیا میں شورش برپا کر کے جو طبل جنگ بجایا تھا اس نے آگے چلکر ۱۸۶۹ء میں قلمی جہاد کی صورت اختیار کر لی جس کا طویل سلسلہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء تک رہا البتہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں حسام الحرمین نے اس قلمی جہاد کا فیصلہ کن انجام مسلمانانِ عام کے سامنے پیش کر دیا اور دنیا نے جان لیا کہ امام احمد رضا کے پیکر میں دراصل ایک مظلوم اسلامی مفکر تھا جس کے چوّن سالہ علمی، ادبی، اصلاحی اور تجدیدی کارناموں پر پردہ ڈالنے اور انہیں مسخ کرنے کی سعئ بلیغ بعض ناعاقبت اندیشوں نے کی مگر مشیتِ الٰہی کا اشارہ پا کر تاریخِ اسلام نے امام کا خیر مقدم کیا اور ان کی اسلامی خدمات کو اس غیر منقطع تاریخی تسلسل سے ملا دیا جو صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اور جہاں ہر صدی کے مجدّد کے مظلومیت سے بھرپور مصلحانہ احوال و کوائف وقت، مقام اور ضرورت کے فرق کے ساتھ بڑی حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

مجدد اعظم کا بقیہ

بڑے مدعیان فن منتظرہ تک پہنچ کر آگے معذور ہو جاتے ہیں اور ان کے حسابات میں جواب سے پہلے کوئی نہ کوئی کسر آجاتی ہے۔ بڑے بڑے رمال و جفار نے اعتراف کیا کہ ہم اعلیٰحضرت کے آگے طفلِ دبستان ہیں۔

عجیب واقعہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا کہ حضرت مولانا ہدایت رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ریاست رام پور میں علمی منصب پر فائز تھے، نواب صاحب کی بیگم بیمار پڑیں جن کی بیماری نواب صاحب کے لئے ناقابل برداشت تھی ان کی بیماری کا انجام جاننے کے لئے اعلیٰحضرت کی خدمت میں بھیجا۔ پہلے تو اعلیٰحضرت نے ٹال دیا۔ مگر مولانا کا سوکھا سا منہ دیکھ کر رحم آگیا۔ اور لکھ کر دیدیا کہ اگر رفض سے توبہ نہ کی تو اسی ماہ محرم میں رام پور کے اندر مر جائے گی۔ نواب صاحب نے طے کر لیا کہ ماہ محرم کو تو روکا نہیں جا سکتا مگر رام پور سے چلا جانا ممکن ہے۔ مع بیگم کے نینی تال چلے گئے کہ وہاں موت واقع ہوئی تو وہ نینی تال ہے رام پور نہیں ہے۔ مگر وہ جو کہ فرمایا گیا ہے جف القلم بما ہو کائن۔ آخر یہ ہو کر رہا کہ کان پور کی مسجد شہید گنج کے ہنگامے میں لفٹننٹ گورنر مسٹر مسٹن کی بے چینی حد سے بڑھی تو نواب صاحب کو تار دیدیا کہ رام پور آتا ہوں، جلد آکر ملو، نواب صاحب اکیلے جانے کو تیار ہوئے تو بیگم نے نہ مانا اور دونوں ماہ محرم میں جیسے ہی رام پور پہنچے کہ بیگم کا انتقال ہو گیا اعلیٰحضرت نے مولانا سے فرمایا تھا کہ اس پر ایمان نہ لانا مگر ہوگا ایسا ہی چنانچہ وہ ہو کر رہا۔ کارخانۂ قدرت کے جس عجوبہ کاری میں دنیا نے دیکھا کہ علامۂ شامی کی وہ مبارک ہستی تھی جس سے وہابیہ نجدیہ کو باغی قرار دے کر اس کے خلاف آواز بلند کی اور دہلی کے شاہ صاحب نے اپنے گھر کی وہابیت کو چھپا کر دفن کر دیا۔ یا اس کا رد فرما دیا اور اعلیٰ حضرت نے وہابیت نجدیت دیو بندیت کی وہ بے مثال گردن زدنی فرمائی کہ عرب و عجم نے امامت و مجددیت کا تاج زریں فرق مبارک پر رکھ دیا۔

وصال کی خبر اور اعلیٰحضرت اشرفی میاں میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا میرے حضور شیخ المشائخ اعلیٰحضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یکبارگی رونے لگے۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں، چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا۔ اس وقت حضرت والد ماجد قبلہ حکیم الاسلام علامہ سید نذر اشرف قدس سرہ کی زبان پر بیساختہ آیا کہ رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے۔ آج ہم اور آپ اسی یکتائے روزگار امام و مجدد قطب الارشاد کی بارگاہ عالی میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کو جمع ہیں اور ان کی روح مبارک کی معیت سے دارین کا آسرا لگائے ہوئے ہیں۔

فرحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ احمد رضا فقط

فقیر اشرفی و گدائے جیلانی
ابوالمحامد سید محمد عفرلہ کچھوچھوی نزیل ناگپور

امام احمد رضا اور

احیائے دین

عالیجناب منظور حسین بہادر ٹی بی اے (علیگ) بھیمڑی نخانہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں این قصۂ پارینہ را

امام احمد رضا کی جامع کمالات شخصیت پر قلم اٹھانے کے لئے بڑے علم اور جسارت کی ضرورت ہے۔ کچھ لکھ دینا اور بات ہے اور امام احمد رضا کے ساتھ انصاف کرنا اور بات ہے امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے دینی کردار کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے انسان کو بحر العلوم بننا پڑے گا۔ ان کی پہلو دار شخصیت کا احاطہ ایک مشکل کام ہے جو کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں ایک پوری جماعت کی ضرورت ہے جو مسلسل برسوں اجتماعی کام کرنے کے بعد ہی کسی ایسے نتیجے پر پہنچ سکتی ہے جس کو علمی کام کا نام دیا جا سکتا ہے۔

تاریخ نے امام احمد رضا کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اس ناانصافی کے پیچھے کچھ سازشی تاریخی ہستیاں ہیں جو اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی۔ عقیدت مندوں نے انہیں سب سے زبردست نقصان پہنچایا ہے اور اس تاریخ ساز ہستی کے ساتھ وہ ظلم کیا ہے کہ بیگانے بھی تڑپ جاتے ہیں۔

امام احمد رضا کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس سیاسی ماحول کو سمجھیں جس میں آپ کتم عدم سے عالم وجود میں تشریف فرما ہوئے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بتائی جاتی ہے یعنی ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے ایک سال پہلے کا زمانہ ۱۸۵۷ء میں علمائے اہل سنت نے ہندوستان کی سیاست میں ایک تاریخی رول ادا کیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے آج کا مورخ اس حقیقت کو خواہ کتنا ہی توڑ مروڑ کر پیش کرے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ہے ہندستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ تمام مسلمان بادشاہ جو دہلی سے اپنا حکم چلا رہے تھے وہ سب سنی مسلمان تھے اور انہوں نے اپنے ہم عقیدہ مسلمانوں کو ہی بڑے بڑے عہدے تفویض کئے تھے اور جاگیروں سے نوازا تھا۔ تمام علماء صحیح العقیدہ سنی مسلمان تھے۔ جب بھی ان بادشاہان وقت نے اسلام کے عقائد کے خلاف کوئی قدم اٹھایا علماء نے انہیں ٹوکا اور غیر شرعی کام سے اجتناب کرنے کی تلقین کی۔ شہنشاہ اکبر جیسا بارعب و جلال شہنشاہ بھی علماء کی سرزنش سے نہیں بچ سکا۔ دین الٰہی کی تحریک پر علماء نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا اور یہ فتنہ بالآخر دب کر رہا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ مذہب اسلام پر جب بھی برا وقت آیا اور دشمنان اسلام نے اس کی شکل و صورت کو مسخ کرنے کی کوشش کی علماء نے بڑھ کر ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنایا جس سے اسلام کی اصل روح کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا ایسی کوششیں اسلام کے لئے نئی نہیں ہیں رسول اکرم کی زندگی ہی میں منافقین اسلام نے اسلام کی صورت بگاڑنے کی کوشش کی تھی اور یہ منافقین اس کوشش میں آج تک لگے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی لگے رہیں گے۔

ہماری معاشی زندگی کا یہ ایک مسلم اصول ہے کہ جب بھی نئی تحریک جو ہمارے سماج کا اشد تقاضا ہوتی ہے عالم وجود میں آتی ہے تو ایسی ساری طاقتیں جن پر مادی ضرب پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے انفرادی اور اجتماعی طور پر اس نئی انقلابی تحریک کی مخالفت میں کمر کس کر مقابلے میں آ جاتی ہیں۔ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب رسول اکرم نے اسلام کی اشاعت کا اعلان کیا تو ایسی تمام طاقتیں ابھر کر سامنے آگئیں جنہیں اسلام سے مادی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ دراصل ہر ترقی پسند تحریک مفاد پرستوں پر جم کر وار کرتی ہے اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام دولت کی مرکزیت کے خلاف ہے۔ اور اس کی منشا کے خلاف یہ بات ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر رہ جائے بلکہ اسلام کی خواہش تھی کہ دولت گردش کرتی رہے اور عوام گردش دولت سے مستفیض ہوتے رہیں۔

ان الذی جمع مال وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ

یہ بات عرب کے سرمایہ داروں کے مفاد کے خلاف تھی اس لئے سب سے پہلے جنہوں نے اسلام کی مخالفت کی وہ سرمایہ دار تھے۔ غلاموں کی تجارت کرنے والے تھے۔ منافقین میں ہمیشہ سب سے بڑی تعداد مالداروں اور سرمایہ داروں کی نظر آتی ہے۔ غریبوں اور غلاموں نے تو بڑھ چڑھ کر اسلام کے فروغ میں حصہ لیا صعوبتیں اٹھائیں۔ جانیں دیں لیکن اسلام کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس کے برعکس سرمایہ داروں نے ہر موڑ پر اسلام سے منحرف ہونے کی کوشش کی کبھی زکوٰۃ نہ دینے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل صف آرا ہوگئے، تو کبھی ہجرت کرنے کے سوال پر معترض ہوئے اس لئے اسلام کو سب سے بڑا خطرہ انہیں منافقوں سے رہا ہے اب بھی ہے آئندہ بھی رہے گا۔ یہ لوگ بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں حج بھی کرتے ہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اس لئے دوست، دشمن میں تمیز کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی ریشہ دوانیاں ہر دور میں جاری و ساری ہیں کیونکہ سرمایہ دار طبقہ جو سیاست۔ معیشت تعلیم اور زندگی کے

دیگر شعبوں پر ہمیشہ حاوی رہتا ہے اس لئے کافی سے زیادہ موثر بھی ہوتا ہے اور وہ اپنے مفاد کی خاطر کبھی سیاسی بہروپ میں کبھی معیشت داں کے بھیس میں کبھی مذہبی رہنما کی شکل میں سیدھے سادھے مسلمانوں کو بہکانے کا کام سرانجام دیتا ہی رہتا ہے اس کا مطمح نظر زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ مذہب کی جڑوں کھلا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لئے چند ٹھوس ثبوت کی بھی ضرورت ہے لیجئے حاضر ہیں۔

ندوۃ العلماء ایک تعلیمی ادارہ ہے ذرا غور فرمائیے۔ مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کی آگ بھڑکانے کیلئے پرانے شکاریوں نے اپنے خیر خواہوں مولوی محمد علی کانپوری مولوی شبلی وغیرہ سے سنہ ۱۳۱۱ھ میں ایک نیا جال بنوایا جس کا نام ندوۃ العلماء ہے۔ اس میں سنی مسلمانوں کی اکثریت بھی پھنسی ہوئی ہے شیخ محمد اکرام شبلی نامہ میں لکھتے ہیں۔

"ندوہ کی تاریخ میں سنہ ۱۹۰۸ء کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اس سال صوبہ (یو پی) کے گورنر (انگریز لفٹیننٹ) نے دارالعلوم کی وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور (انگریزی) حکومت کی طرف سے ندوہ کو بعض مقاصد کیلئے پانچ سو روپے ماہوار امداد ملنی شروع ہوئی۔

اب ذرا مولوی شبلی کا بیان پڑھئے۔ "یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مقدس علماء عیسائی فرماں روا کے سامنے دلی شکرگذاری کے ساتھ ادب سے خم تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شیعہ اور سنی ایک مذہبی درس گاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مذہبی درس گاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب (انگریز گورنر) کے ہاتھ سے رکھا جا رہا تھا۔ غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی مسلمان، شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، رند، زاہد، صوفی، واعظ، خرقہ پوش اور کج کلاہ سب جمع تھے۔ (شبلی نامہ صفحہ ۱۴)

مولوی شبلی انگریزوں کی خیر خواہی میں یوں رطب اللسان ہیں۔ "میں مدت العمر کبھی انگریز گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں" میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مشرق و مغرب (ایشیا و یوروپ) کے درمیان یگانگت بڑھے اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں دور ہوں۔ چنانچہ اس پر میری تمام تصنیفات شاہد ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ سنہ ۱۹۰۸ء میں میں نے ماہوار رسالہ الندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہبًا فرض ہے (شبلی نامہ صفحہ ۲۲۵)

اکثر آپ نے سنا ہوگا کہ سنیوں نے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ سارے وہابی اور دیوبندی انگریزوں کے خلاف تھے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ وہابی اور دیوبندی تو انگریزوں کے دم چھلے بنے ہوئے تھے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کو کالا پانی کی سزا صرف اسی لئے ہوئی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک مہم چلا رکھی تھی۔ اس کے برعکس وہابی علماء اور دیوبندی علماء تو انگریزوں کی وفاداری اور اطاعت کو مذہبًا فرض کر رہے تھے۔

سید احمد کیوی اور اسمٰعیل دہلوی جن کی شہادت کے بارے میں خود حسین احمد مدنی کو شبہ ہے کیوں کہ وہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے بجائے اہل وطن فرقہ سکھ سے جنگ کرتے ہوئے بالاکوٹ میں مارے گئے۔ اگر حب الوطنی اسی کا نام ہے تو وطن دشمن کس کو کہتے ہیں۔ اسی لئے حضرت امام احمد رضا نے ندوۃ العلماء کی شدت سے مخالفت کی اور اس ادارے کو دین و وطن دونوں کے لئے مضرت رساں سمجھا۔ اور اپنے سنی مولویوں کو جن میں احمد حسن کانپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی بھی تھے شرکت سے منع فرمایا۔ اصحاب ندوہ کو بحث و تحقیق کی دعوت دی تاکہ اسلام کی حقانیت اور ندوہ کے نئے دین کا بطلان واضح ہو جائے۔ ایسے ادارے بظاہر دینی اور مذہبی ہوتے ہیں لیکن بباطن ان میں وہ روح منافقین سرگرم عمل ہوتی ہے جو دین و دنیا دونوں کو تباہ کر دیتی ہے اس لئے امام احمد رضا نے ندوہ کا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ کلکتہ پہنچ گئے اور وہاں ندویوں کو چیلنج کیا کہ ندوہ کی تحریک نے اسلام میں جو ترمیم و تنسیخ کی ہے اس پر ایک بار بحث و مباحثہ ہو جائے فرقہ پرستی کی لعنت سے مسلمانوں کو بچایا جائے۔ اس قسم کی نئی جماعت بنا کر مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالی جائے۔

امام احمد رضا کی زندگی میں یہ تحریک پھر بار آور نہ ہو سکی لیکن ابھی حال میں اس نے پھر پر پرزے نکالے ہیں۔ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی بھی ذرا سنتے چلئے ندوہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی "لیکن جو لوگ ندوے کے لئے سرگرم تھے ان کی بھی عجیب حالت تھی۔ چونکہ پانچ چھ مہینے تک ان سرگرمیوں کو بالکل قریب سے دیکھتا رہا ہوں اس لئے اندرونی حالت بالکل میرے سامنے تھی"۔ مولانا آزاد پھر لکھتے ہیں کہ "لوگوں کو شامل کرنے کیلئے ہر طرح کی عیاریاں کی جاتی تھیں" بیسوں باتیں روز میں دیکھتا تھا اور میرے دل میں اس جلسے کی طرف سے وحشت بڑھتی جاتی تھی (آزاد کی کہانی صفحہ ۲۱۸)

مولانا آزاد تو گھر کے بھیدی ہیں کیا امام احمد رضا نے ندوہ کے خلاف جو قدم اٹھایا اس کو کوئی غلط کہہ سکتا ہے۔ شعور کا تقاضا تو یہی ہے کہ امام احمد رضا کی برتری اور سوجھ بوجھ کو تسلیم کر لیا جائے۔ امام احمد رضا کی زندگی میں ایسے متعدد واقعات ملیں گے جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایک سچے عاشق رسول ہونے کے ناطے ان میں وطن کی محبت کا جذبہ شدت سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ان کی دوربین نگاہیں وطن کے دوست اور وطن کے دشمنوں کو پہچانتی تھیں۔ وہابی انگریزوں کے خیر خواہ تھے ندوی عیار و مکار تھے۔ دیوبندی انگریزوں کے پٹھو تھے اسی لئے ان تمام نے ایک ٹولی بنا کر اپنے اپنے پلیٹ فارم سے آپ کے سبھی کارناموں کو بلشر کریگ کرنا شروع کر دیا اور ڈاکٹر گوئیلز کی طرح یہ شور مچانا شروع کیا کہ امام احمد رضا مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ سبھی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مشن کافر گری بن کر رہ گیا ہے۔ اگر ہزار بار اس جھوٹ کو دہراؤ گے تو لوگ یہی سمجھنے لگیں گے کہ امام احمد رضا صرف کافر گر ہیں اور وہابی ہی کہ مسلمانوں کو مشرک بنانے والے محمد بن عبدالوہاب بھلا دیئے گئے۔ مسلمانوں کو مشرک بنانے والی کتاب تقویۃ الایمان کو اب کوئی نہیں جانتا۔ رشید گنگوہی کے مشرک بنانے والے فتوے کسی کو یاد نہیں رہے۔ لیکن اگر کسی کو کچھ لے دے کے

یاد رہ گیا ہے تو یہی یاد رہ گیا ہے کہ امام احمد رضا کافر گر تھے۔ حالانکہ آپ کسی کو کافر کہنے میں بہت محتاط رہا کرتے تھے۔ افہام و تفہیم بحث و مباحثہ کے بغیر کبھی کسی مسلمان کو آپ نے کافر نہیں کہا۔ بات دراصل یہ ہے کہ امام احمد رضا عشق رسول سے اس قدر سرشار تھے کہ رسول کے خلاف کوئی بات سننا انہیں گوارا نہیں تھی۔ اقبال کی زبان میں عشق رسول ہی کو وہ عین اسلام سمجھتے تھے

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق

اسی خیال کو غالب نے ان لفظوں میں کہا ہے۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

رسول اکرم سے عشق اور وفاداری ہی دین ہے اور اسلام کی بنیاد۔ ہمیں اسلام رسول ہی سے ملا ہے اللہ کی وحدانیت کو ہمارے دلوں میں رچانے بسانے والا کون ہے وہی محمد عربی ہیں جن کی عظمت کا سکہ ہمارے قلوب میں بیٹھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ

بہ مصطفٰے بہ رساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

ہمیں دشمنان اسلام میں ایک چیز مشترک ملتی ہیکہ وہ جب کبھی اسلام پر حملہ کرتے ہیں تو وہ اسکی بنیاد پر حملہ کرتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان کا نشانہ نہیں ہوتے ہیں بلکہ براہ راست رسول کی ذات مقدس کو موضع بحث بناتے ہیں۔ اور آپ کی برگزیدہ شخصیت کو گھٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

رسول ایک معمولی بشر ہیں۔ رسول کا علم کتے اور گدھے کے علم سے کمتر ہے۔ رسول کو علم غیب نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا ہے۔ دراصل انہیں اسلام سے نفرت نہیں بانئ اسلام سے نفرت ہے۔ ان حالات میں اسلام کے علمبرداروں پر ایک زبردست ذمہ داری عائد ہوگئی تھی۔ ہندستان اور عرب میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لئے انگریزوں سے ساز باز کر کے اور جن کا تعلق انہیں پرانے منافقین سے تھا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی رسول کو شک و شبہہ کی نیت سے دیکھنا شروع اور اپنے مشن کو پھیلانے کے لئے انگریزوں سے مالی معاونت بھی حاصل کر کے۔ عرب کے باہر ہندستان میں بھی اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ انگریزوں کو بھی ہندوستان میں سیاسی غلبہ حاصل کرنے کیلئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو ہندوستان کے قدیم سنی مسلمانوں کے دلوں سے رسول کی عظمت کو کم کر کے ان میں نفاق و انتشار پیدا کر سکے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے تنگ آکر اور متعدد سیاسی ہزیمتیں اٹھانے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں پر غلبہ نہ پانے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ خدا کو تو سبھی مانتے ہیں۔ اور خدا پر جان دینے والے کم ہی ملتے ہیں۔ رسول کی ایک ذات ایسی ہے جس پر مسلمان اپنے ماں باپ، آل اولاد، مال و دولت، سبھی قربان کر دیتا ہے اس لئے اس پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے دل سے عظمت رسول مٹا دی جائے

اور اس کے بنیادی عقیدے میں یہ بات شامل کر دی جائے کہ رسول کچھ نہیں ہے اس کے دل سے عشق رسول چھین لیا جائے عشق ہی تو ہے جو اس کو دنیا میں برتر اور عظیم بنائے ہوئے ہے۔ آتش نمرود میں کودنے پر بھی عشق ہی تو ہے جو اکساتا ہے چنانچہ یہی ہوا ایسا لٹریچر پھیلایا گیا جس میں رسول کی عظمت کو گھٹا کر بیان کیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ نئے نئے نبی پیدا ہونے لگے۔ دیوبندی مکتب فکر نے اعلان کر دیا کہ رسول کے بعد بھی نبی آسکتا ہے اس خیال نے ختم نبوت کے نظریہ کو زبردست ضرب لگائی اور غلام احمد قادیانی نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ہندوستان میں اسلام کی تاریخ اس منزل پر پہنچ گئی تھی کہ ان غیر اسلامی نظریات کی بھرپور تردید کی جائے اور صحیح اسلام پیش کیا جائے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ بڑے کام کیلئے بڑا دماغ چاہئے۔ اللہ نے دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے ان اللہ یبعث لِھٰذہ الامۃ علیٰ راس کُلِّ مِائۃ سنۃٍ من یجدد لھا امر دینھا اس حدیث شریف کی خدمت انجام دینے کیلئے بڑا دماغ جس کا عرب و عجم بھی لوہا مانتے تھے اللہ نے انتخاب فرمایا جس کو لوگ امام احمد رضا کے نام سے جانتے ہیں۔ نہایت سادہ لفظوں میں آپ کی تعریف یہ ہو سکتی ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا۔ عربی و فارسی اور اردو زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی اہل زبان کی طرح لکھتے۔ پڑھتے اور بولتے تھے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد و کلام کے علاوہ تاریخ، نحو، عروض، علم جبر و مقابلہ لوگارزم، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، توقیت، نجوم، منطق، فلسفہ پر صرف عبور ہی حاصل نہیں تھا بلکہ تصانیف اور حواشی بھی چھوڑے ہیں۔ ایسا تبحر علمی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے دوست تو دوست دشمن کو بھی آپ کے تبحر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا گیا ہے مولانا سراج احمد نے اپنے مکتوب (بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری) میں مولوی نظام الدین احمد پوری (دہلی) کا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مسئلے کے سلسلے میں جب انہوں نے امام احمد رضا کے رسالہ الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذہبی کے چند ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو انہوں نے بصد حیرت اور استعجاب فرمایا۔

"یہ سب منازل فہم مولانا کو حاصل تھے۔ افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا"

پھر جب چند مسائل فقہی کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو فرمایا

"علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں"

یہ اس عالم کے الفاظ ہیں جو معاصرین علماء، دیوبند میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہ سمجھتے تھے۔ لیکن امام احمد رضا کے تبحر علمی کا فراخ دلی کے ساتھ اعتراف فرمایا۔

شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی (مسجد حرام۔ مکہ معظمہ) فرماتے ہیں کہ

"بیشک مولف (امام احمد رضا) اس زمانے میں علماء محققین کا بادشاہ ہے اور اس کی ساری باتیں سچی ہیں۔ گویا وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو اس یگانہ امام کے دست مبارک پر حق تعالیٰ نے ظاہر

فرمایا ہے (یعنی) ہمارے سردار۔ ہمارے آقا۔ علما و محققین کے خاتم علمائے اہل سنت کے پیشوا سیدی احمد رضا خاں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی زندگی سے متمتع فرمائے۔ اور ان سب کے خلاف اس کی حمایت فرمائے جو اس کی بدخواہی کا ارادہ رکھتے ہوں!

شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی درویری مدنی فرماتے ہیں۔

"امام الائمہ ملت اسلامیہ کے مجدد، نور یقین اور نور قلب کو
"تقویت دینے والے یعنی شیخ احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں ان کو
قبول و رضوان عطا فرمائے"

شیخ علی بن حسین مالکی مدرس مسجد الحرام مکہ مکرمہ فرماتے ہیں۔

"جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور آسمان صفار"
"کے آفتاب عرفان کی روشنی سے میرے قلب کو منور فرمایا"
"وہ جس کے افعال حمیدہ اس فضل و کمال کو عالم آشکار کرتے
ایسا کیوں نہ ہو آج وہ دائرہ معارف کا مرکز ہے (اس کا وجود
مسعود) ملت اسلامیہ کے گھر میں آسمان علم و عرفان کے جھلملاتے
تاروں کا مطلع ہے وہ مسلمانوں کا یار و مددگار ہے۔ ہدایت یابوں کا نگہبان
و نگراں۔ گمراہوں اور ملحدوں کی زبانوں کو اپنے دلائل و براہین کی تلوار سے
کاٹ پھینکتا ہے ایمان کے مینارے کو بلند سے بلند تر کرتا ہے (کون؟)
ہمارے آقا احمد رضا خاں"!

مندرجہ بالا اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا خاں عرب و عجم میں ایک بہت بڑی دینی و علمی شخصیت تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ اور اہل علم نے انہیں مجدد مانا ہے۔ حدیث پاک کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہر سو سال میں یعنی ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کریگا جو اس کے لئے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صدی کے شروع میں صرف ایک ہی مجدد ہو ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

اس میں شک و شبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے کہ امام احمد رضا فی الواقعی ایسے پر آشوب زمانے جب کہ ہر طرف سے دین اسلام کو مسخ کرنے کی منظم سازش جاری تھی اور ایک کے بعد ایک حملہ آور کبھی قادیانیت کے روپ میں کبھی دیوبندی اور وہابی کی شکل میں یلغار کر رہا تھا۔ یہ مصنف یکتائے زمانہ۔ یگانہ روزگار قامع بدعت ناصر سنت بن کر اسلام کیلئے ایک ڈھال بن جاتا ہے۔ اور اس چو مکھی لڑائی میں اسلام کے کسی دشمن کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی ہے۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت سے اسلام کے اس درخت کو جو متعدد حملوں سے کمزور ہو چکا تھا ایک نئی توانائی ایک نئی بہار عطا کی نتیجہ یہ ہوا کہ رضویت سنیت کے مترادف و ہم معنی ہو گئی۔ رضویت کوئی سلسلہ نہیں ہے بلکہ ہر سنی رضوی ہے اور جب رضوی ہے تو وہ سنی بھی ہے یعنی وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ رسول کی عظمت کو کبھی اور کسی حالت میں گھٹنے نہیں دے گا۔ کیونکہ رسول ہی اسلام کی روح ہیں توحید جسم ہے اور بغیر روح کے توحید بے جان ہو کر رہ جاتی ہے خدا کو تو سبھی مانتے ہیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی کیا یہ خدا کے قائل نہیں ہیں۔ عزازیل بھی تو کٹر توحید پرست تھا۔ لیکن آدم کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر راندۂ درگاہ ایزدی ہوا۔

منافق کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے آخرت پر ایمان لاتا ہے لیکن وہ رسول اکرم سے بیر رکھتا ہے اسی لئے وہ مومن نہیں ہے رسول کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی ایمان سوز بن جاتی ہے۔ اور امام احمد رضا نے وہ ساری باتیں جو ایمان سوز ہیں۔ لیکن دنیا ساز ہیں۔ اپنی تصانیف میں تحریر فرمائی ہیں۔ حسام الحرمین الدولۃ المکیہ، المعتمد المستند وہ کتابیں جن کا مطالعہ ہر سنی مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ دین بھی بچے گا دنیا بھی سنورے گی۔

مجدد کا منصب اسلام میں ایک اہم منصب ہے مجدد پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس کو زندگی کے ہر شعبے میں محتاط رہنا پڑتا ہے اس کی گفتگو، اس کا اٹھنا اس کا بیٹھنا اس کا کھانا اس کا پینا غرض ہر عمل محتاط ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ زندگی میں کس قدر محتاط رہا کرتے تھے امر واقعہ تو یہ ہے کہ تکفیر کے سلسلے میں بھی بہت محتاط تھے۔ انہوں نے کبھی تکفیر مسلم میں تعجیل سے کام نہیں لیا یہ ان پر سراسر بہتان اور الزام ہے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ

"بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا، گنہگار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر"

امام احمد رضا نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی بعض عبارات پر سخت اعتراض اور گرفت کی تھی اور سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح نامی رسالہ تصنیف فرمایا تھا۔ لیکن تکفیر پر محتاط رہنے کو کہا، آپ ہی کی تحریر ہے۔

"علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، یہی صواب ہے"

اسی طرح ایک رسالہ موسوم الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ تصنیف فرمایا اس میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کے افکار رد فرماتے ہوئے لکھا۔ "ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (یعنی کافر کہنے) سے کف لسان (یعنی زبان روکنا) ماخوذ و مختار و مناسب اسی طرح سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ ایسی کتاب ہے جس کے دلائل سے کفر شرعی اعتبار سے لازم آتا ہے پھر بھی احتیاط ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

"لزوم و التزام میں فرق ہے اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے۔ سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے"

مدینہ منورہ کے ایک عالم حضرت شیخ عبدالقادر توفیق شلبی طرابلسی حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ

"ہمارے سردار علماء (مولانا احمد رضا خاں) نے اس وقت تکفیر کی راہ اختیار کی جب کہ نور ثبوت پایا اور ائمہ مجتہدین کی قطعی حجتوں پر اعتماد (باقی ص ۲۷۱ پر)

امام احمد رضا

ایک تاریخ ساز شخصیت

مولانا عبد الجبار خان صاحب رہبر اعظمی۔ خالص پور۔ اعظم گڈھ

حضرت رہبر اعظمی آسمان علم و ادب کے درخشندہ ستارے کا نام ہے جنہیں سنی دنیا کے لوگ مولانا عبد الجبار خان رہبر کے نام سے جانتے ہیں اور حکومت ہند کے ذمہ دار ان کے بڑے خان سے یاد کرتے ہیں۔ آجکل ان کی خدمات قوم و ملک کی حفاظت و نگرانی کیلئے وقف ہے۔ ہماری گذارش پر زیر نظر مقالہ تحریر فرمایا ہم شکریہ کیساتھ شامل نمبر کر رہے ہیں۔ -ایڈیٹر

تاریخ کا مطالعہ کرنیوالوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تاریخِ اسلام کا سیاہ ترین دن اسلامیوں کے لئے وہ تھا جب خلافت راشدہ ختم ہوئی اور اس کی جگہ ملوکیت و آمریت نے لی جسکے باعث ایمان و تقویٰ کا امارت و اقتدار کی ہوس سے خوفِ خدا اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زر و مال کی حرص اور حبّ دنیا سے تبادلہ ہوا۔ اور امت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک جماعت خلافت راشدہ ہی کو برحق ماننے والی تھی دوسری امارت و ملوکیت سے راضی ہوگئی اور تیسری نے (جو نہ مولا کی طرف تھی نہ معاویہ کیطرف) دونوں کو غاصب خائن اور غلط قرار دیدیا اوّل کو اہل حق دوسری کو اہل سیاست اور تیسری کو اہل ضلالت و منافقت بھی کہا جاسکتا ہے، ان کے اعتقادات میں فرق یہ تھا کہ اوّل الذکر جماعت مولا علی کو برحق اور ان کے طریقہ انتخابِ خلافت کو صحیح سمجھتی تھی اسلئے کہ خلفائے سابقین (حضرات ابوبکر و عمر و عثمان) کے بعد ان کو اُن کے اسی طریقے سے ملی تھی جو اسلام کا راستہ تھا۔ دوسری جماعت حضرت امیر معاویہ کی امارت (بنام خلافت) سے خونِ عثمان جیسے اہم معاملے اور بعض غیر اہم مسائل میں شرعی حیلے اور تسلی بخش تاویلات (جن کو حضرت معاویہ کا ساتھ دینے کے لئے کافی اور حق سمجھتی تھی) کی بنا پر راضی ہوگئی تھی۔ تیسری جماعت (جو دراصل دشمنانِ اسلام کا وہ گروہ تھا جو مسلمانوں کی متحد طاقت کے سبب غلبۂ اسلام اور فتح مکہ کے بعد سے اب تک سر نہ ابھار سکا تھا مسلمانوں کی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر اب سامنے آگیا تھا) کا عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کا حاکم مطلق خدا ہے اسلئے (بقول ان کے) کسی اور کو حکومت کا اہل سمجھنا شرک ہے چونکہ مولا اور معاویہ دونوں خلافت کے دعویدار ہیں اسلئے دونوں ہی حق کے خلاف ہیں اور ان کو برحق ماننے والے مشرک و کافر ہیں۔ ان مختلف عقائد کی بنیاد پر ان تینوں جماعتوں کے مختلف کردار و اعمال مختلف سمتوں کو مختلف رنگوں میں مرتب ہوتے چلے گئے، پہلی جماعت نے (سیدنا امام حسن کے خلافت سے دستبردار ہونے سے جب خلافت کا خاتمہ ہوگیا تو) عوام اور سماج میں آکر اشاعت دین و تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا اسلئے کہ خلافت کا مقصد اور اسلام کا مدعا یہی تھا۔ اور اس طرح وہ بیعت جو خلفاء کے ہاتھوں پر بیعتِ رضوان کے طریقے پر ہو رہی تھی اب ائمہ و مشائخ یعنی وقت کے عمدہ زکی النفس اور باکمال حضرات کے ہاتھوں پر ہونے لگی یہ اور بات تھی کہ اس بیعت سے حکومت وقت ہمیشہ خائف رہی اور اپنے وجود کے لئے خطرہ محسوس کرتی رہی جس سے مستقبل میں بارہا ٹکراؤ کی صورتیں نمودار بھی ہوئیں۔ دوسری جماعت جو بظاہر بنام بیعت وجود میں آئی تھی انجام کار اس ظاہری بیعت کو بھی خیرباد کہہ گئی اسلئے کہ بیعت اور آمریت دو متضاد چیزیں ہیں ایک ملوکیت ہے تو دوسری جمہوریت کی دعوت آخر یہ صرف بادشاہوں اور سلاطین کی جماعت رہ گئی اسلئے بعد میں مسلم حکومت کہلائی نہ کہ اسلامی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ حکومت یعنی سربراہِ سلطنت اکثر و بیشتر مسلم ہوا کرتا تھا اسلئے وہ پوری کوشش کرتا تھا کہ حکومت جو بھی کچھ کرے اسکو کم از کم شریعتِ اسلامیہ کی حمایت حاصل ہو خواہ کمزور ترین تاویل اور ضعیف ترین حیلے ہی سے کیوں نہ ہو۔ تیسری جماعت ان دونوں کے خلاف ہمیشہ نت نئے عقائد اور متضاد کردار سے تاریخ کے صفحات پر آتی رہی جن کا مقصد صرف اسلام اور اسلامیوں کو نقصان پہونچانا ہوتا تھا چونکہ یہ ابن الوقت نہ ادھر کے تھے نہ ادھر کے محض مصلحت زادہ اور گمراہ تھے اسلئے ان کا کردار متعین کرنا مشکل ہے۔ یہ جماعت اپنے آپ میں اس قدر مختلف نظریات کی حامل تھی کہ اس میں کا ہر چالاک فرد بجائے خود عقیدہ گر اور علٰحدہ کردار اور الگ ایک جماعت کا بانی تھا مثلاً

بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ حکومت خواہ خلافت ہو یا امارت بہر حال غلط اور غیر اللہ کو اس کا اہل سمجھنا شرک ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ مولا علی کی خلافت تو حق ہے مگر امیر معاویہ کافر ہیں بعض کا ایمان تھا کہ امیر معاویہ ہی نہیں سابق خلفاء ثلاثہ بھی کافر تھے تو بعض کہتے کہ علی ناحق پر ہیں اور ان کی خلافت غلط ہے اور چونکہ خلافت سے راضی ہوئے اسلئے مشرک ہیں تو بعض کا قول تھا کہ انبیاء کی طرح صاحبِ عصمت ہیں اور بعض کا گمان تھا کہ علی میں خدا حلول کر گیا ہے وغیرہ وغیرہ اسی لئے ان کا کردار بھی سخت تضاد کا شکار رہے ہاں چونکہ ان کا مقصد اسلام کی مضرت رسانی تھا اسلئے مولا اور معاویہ کی مخالفت میں ایک تھے۔ اسی لئے جب کبھی اول الذکر کی مخالفت پر یہ جماعت آتی تو ان کے ہر عمل کو شرک و بدعت کے فتوؤں سے نوازتی اور جب عوام میں اپنی بے آبروئی کو سنبھالنے کے لئے اس کی حمایت کا سہارا لیتی تو اس قدر غلو کرتی کہ اول الذکر جماعت کے ائمہ و مشائخ کو نہ صرف صفاتِ نبوت سے متصف کرتی بلکہ الوہیت کے مرتبے تک پہونچا دینے سے بھی گریز نہ کرتی۔ ثانی الذکر کے ساتھ ان کا کردار یہ تھا کہ جب کوئی مسلم حکومت ان کی سرکوبی کی طرف توجہ دیتی تو اس کو غاصب کافر مشرک بتاتے لیکن کوئی فرمانروا ان کو نوازتا تو اس کو بانی مذہب کی حیثیت سے کسی نئے مذہب کے ترویج کی ترغیب دیتے یا کم سے کم اس کو اسلامی پیشنگوئیوں کا سہارا لیکر امام مہدی یا مہدئ موعود کا مرتبہ دیتے یا پھر کم از کم ایسی حیلہ گری اور تاویل سازی کرتے جن کا اسلام اور شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا نتیجے میں فرمانروا اسلام سے دور ہوتا چلا جاتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بعد کے تمام تر گمراہ فرقے اسی تیسرے ابن الوقت گروہ اور فتنہ خیز و فساد انگیز جماعت کی پیداوار تھے اور ہیں۔ اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر یہ اسلام دشمن جماعت نہ ہوتی تو پہلی اور دوسری جماعتوں میں ابتداءً صلح کے آثار بہت نمایاں تھے۔ مگر یہ صلح چونکہ ان کی موت تھی اسلئے ان کم بختوں نے مولا اور معاویہ کی شام صلح پر (ہر دو جانب) ایسا شب خون مارا کہ صبحِ جنگ میں بدل کر رکھ دیا۔ جو تاریخ اسلام کے قاری سے پوشیدہ نہیں۔ اس تقسیم کے آئینے میں آپ تاریخ اسلام کے ہر دور میں ان تینوں جماعتوں کی بڑی صاف شکل دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح جیسے جیسے اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا ان تینوں جماعتوں کے حلقے بھی وسیع ہوتے گئے اسلامی دائرے کے پھیلاؤ اور حکومت کی سرحدوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ چونکہ تیسری جماعت کے افراد بھی پھیلنے لگے ایسی صورت میں پہلی جماعت کا کام نہایت مشکل اور انتہائی نازک ہوگیا۔ اسلئے کہ تیسری جماعت کے فریب کار کبھی تو حکومت کو گمراہ کر دیتے جو پہلی جماعت کے عمائدین (جو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے نمائندے تھے سمجھے اور کہلائے گئے) کے خلاف اس طرح مظالم کی راہ پر چل پڑتی جس سے ابتدار اسلام میں کفار کے مظالم کی داستان زندہ ہوجاتی۔ اس سے ان کو دو فائدے حاصل ہوتے ایک تو یہ کہ اندرونی طور پر عوامی رہنماؤں کے خلاف سخت اقدام سے قوم میں شدید انتشار برپا ہوجاتا دوسرا یہ کہ مسلم حکومت بیرونی دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں کمزور ہوجاتی اور سرحدوں کے باہر جہاد سے رک جاتی۔ اور کبھی یہ عوام میں ایسے جدید عقائد پیش کرتے اور ایسی بدعتیں ایجاد کرتے جو اسلام کے منافی ہوتیں۔ اس طرح پہلی جماعت کے افراد کو عوام کے ایک ایک گھر سے لیکر ایوان حکومت تک ہر محاذ پر ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں کا قلعہ قمع کرنا پڑتا اور یہی اسلام کا وہ کام تھا جو دنیا میں سب سے اہم اور مشکل تھا اور جس کو قدرت نے اس پہلی جماعت ہی کے لئے مقدر فرما دیا تھا۔ اسی لئے ہر دور میں خدا کی مدد اور اسکے حبیب پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے اس تیسری بدبخت جماعت کی خرد برد اور چیرہ دستیوں کی خزاں آور ہواسے گلشنِ اسلام کی ہمیشہ حفاظت کی اور اس کو سدا بہار بنا کر رکھا بلاشبہ اس راہ میں پہلی جماعت کے افراد لرزہ خیز مظالم اور دل ہلا دینے والے جور وستم سے گزرے گھر بار لٹا یا عزت و وقار کو داؤ پر لگایا بھوک سے تڑپے، پیاس سے بلکے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کا ہر طریقۂ ظلم ان پر حفاظتِ حق و اسلام کے جرم میں آزمایا گیا جس سے آج بھی تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں مگر یہ شمع اسلام کے پروانے نہ صرف یہ کہ اس کی روشنی کی حفاظت کرتے رہے بلکہ اس سے اقصائے عالم کو روشن کرتے رہے یعلام الغیوب ہی جانے کتنی بار انہوں نے اپنے خون سے اس گلستان کی آبیاری کی جس کی نظیر کا تاریخ عالم میں کہیں وجود نہیں۔ اس کا ابتدائی منظر دنیا کی تاریخ نے اس وقت دیکھا جب مسلم قوم میں پھوٹ کے چند سال بعد یہ تیسری جماعت کھل کھیلنے پر آگئی تھی اور یزید کے گرد اگرد جمع ہونی شروع ہوگئی تب اپنی پوری شیطانی اور طاغوتی طاقت سے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی جس کے نتیجے میں کربلا کا وہ قیامت خیز معرکہ پیش آیا جس کی مثال ظلم اور صبر دونوں کی تاریخ میں مفقود ہے لیکن جس طرح جنگ بدر بیرونی دشمنوں کے لئے ہمیشہ کی شکست اور اسلام کی مکمل فتح کی آئینہ دار تھی اسی طرح یہ معرکۂ کرب وبلا اسلام کے اندرونی دشمنوں کی مکمل شکست اور آثار اسلام کے محافظوں کی مکمل فتح کی بنیاد تھا جس کو امام الشہداء حسین اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے پاک خون سے رکھا تھا (یہی وجہ ہے کہ پہلی جماعت کے تمام روحانی سلسلوں کے جداعلیٰ امام مظلوم ہی ہیں۔ اور سوا ایک کے سب کا مرجع اور منبع آپ ہی کی ذات ہے) پھر اس کے بعد تاریخ اسلام میں چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کا وہ اندرونی اور لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں خواہ وہ بنو امیہ کا دور ہو یا عباسیہ کا عثمانیہ دورِ حکومت ہو یا دنیا کے مختلف علاقوں کی کوئی مسلم سلطنت ہو اس کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ مگر مجھے چونکہ اس وقت پہلی جماعت کے کردار کی چند جھلکیاں پیش کرنی ہیں اسلئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جس دور میں اور جس صورت میں بھی تیسری شیطانی جماعت نے سر ابھارا پہلی جماعت یعنی اہل حق نے نہ صرف اس کا مقابلہ کیا بلکہ ان کی نقاب کشائی کر کے ان کے اصلی اور بدنما چہرے کو قوم مسلم کے سامنے کر دیا اور اس طرح ان کو ہمیشہ اہل اسلام کی نگاہوں

میں رسوا کیا اور ذلیل رکھا۔ یہ جب بھی مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے مثلاً خارجی رافضی تفضیلی معتزلہ قدریہ جبریہ فلاسفہ وغیرہم (سیدنا غوث اعظم قدس سرہ نے اپنے دور تک تہتر فرقوں کے نام شمار فرمائے ہیں) اسلامی عقائد و افکار پر حملہ آور ہوتے رہے۔ اہل حق (جو بعد میں صحیح احادیث کے مطابق اہلسنت والجماعت کہلائے) بہ ہر پہلو کر دٹ کر دٹ ان کا رد فرماتے رہے اور قوم مسلم کو ان کے ناپاک جرائم کے نقصانات سے آگاہ فرماتے رہے مثال کے طور پر جب اسلامی فقہ کے نام پر بے جا تاویلات اور غلط حیلہ گری شروع ہوئی تو ائمہ مجتہدین جیسے امام مالک امام ابو حنیفہ امام اسحاق امام محمد امام شافعی امام احمد ابن حنبل وغیرہم نے قوم کی صحیح رہنمائی فرمائی اور جب موضوع احادیث کا سیلاب لا کر ملت کو بہالیجانے کی کوشش کی گئی تو محدثین کرام مثلاً امام مالک امام محمد امام بخاری امام مسلم ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہم نے اسلامی کشتی کی ناخدائی کی۔ جب فلاسفہ نے اسلامی عقائد میں تحریف کرنی چاہی تو حکمائے اسلام و متکلمین ملت جیسے امام غزالی امام ماتریدی امام اشعری وغیرہم میدان میں آئے علیٰ ہذا القیاس ہر عہد میں ہر باطل فرقے کے ہر غلط قدم کی نشاندہی فرما کر قوم کو ان سے ہوشیار اور خبردار کرتے رہے۔ مضمون کو طوالت سے بچانے کے لئے آیئے اب اپنے وطن یعنی ہندوستان پر نظر ڈالیں تاریخ بتاتی ہے کہ پہلی جماعت یعنی علماء اہلسنت بحیثیت مبلغ اسلام سب سے پہلے یہاں پہونچے اور اسلام کی اشاعت کا کام بہت تیز اور نہایت عمدگی سے انجام دیا ان کے بعد دوسری جماعت یعنی بادشاہ یہاں حملہ آور ہوئے جب بہت دنوں بعد دہلی کی مسلم سلطنت کا قیام عمل میں آیا تب مسلم نما شیطان یعنی تیسری جماعت کے افراد یہاں آنے شروع ہوئے۔

یہاں تبلیغ اسلام کا مکمل کام روحانی سلسلے کے چشتی خاندان کے بزرگوں کے ہاتھوں شروع ہوا اور بقول ایک معاصر خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی وفات سے قبل آپ اور آپ کے خلفاء و مریدین کے ہاتھوں پر تقریباً نوّے لاکھ انسان اسلام کے کلمۂ حق کا اقرار کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان نوّے لاکھ مسلمانوں کو جو ہمارے اجداد تھے اسلام کی تعلیم براہ راست ان بزرگان چشت سے ملی تھی اسلئے ان کی عقیدت اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ سلاطین دہلی کے مذہبی اعتقادات کا مطالعہ کریں گے تو بیشتر انہیں مبلغین اسلام اور علماء سے متاثر نظر آئیں گے۔ ہاں بعد میں وہ بعض سلاطین جن پر کسی صورت تیسری جماعت کے فریب کاروں کا اثر پڑ گیا ان میں مشائخ اہلسنت (صوفیہ کرام) کے راستے سے انحراف کا رجحان ضرور پایا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کی تاریخ میں ایسی مثالیں بہت واضح ہیں۔ مثال کے طور پر اس تاریخ کے درمیانی عرصہ کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے غوری اور ایبک سے ہوتی ہوئی حکومت جب شمس الدین التمش کے ہاتھوں میں آئی تو ان دنوں قطب عالم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں تشریف فرما تھے کسی وجہ سے اپنے مرشد برحق خواجہ غریب نواز کے حکم سے دہلی چھوڑ کر اجمیر جانے لگے تو

"پس شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید۔ ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شورے افتاد ہمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین دنبال برآمدند ہر جائیکہ شیخ قطب الدین قدم میگذاشت خلائق خاکِ آں زمین بہ تبرک میداشت"

(سیر الاولیاء صفحہ ۵۴-۵۵)

پس شیخ قطب الدین اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر کیطرف روانہ ہوئے جس سے پورے شہر دہلی میں ایک شور بپا ہو گیا تمام اہل شہر مع سلطان شمس الدین ان کے پیچھے روانہ ہوئے جہاں شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے لوگ اس زمین کی خاک تبرک کے طور پر اٹھا کر رکھ لیتے تھے۔

اور جب خواجہ غریب نواز نے سلطان اور عوام کا حال دیکھ کر قطب صاحب کو دہلی رہ جانے کی اجازت دیدی تو التمش نے فرط مسرت اور جوش عقیدت سے خواجہ صاحب کے قدم چوم لئے اور قطب صاحب کو واپس دہلی لایا (سیر الاولیاء ص۵۵) مشائخ سے عقیدت کے ہزارہا واقعات میں سے یہ ایک ہے۔ اس سلطان کے تقویٰ خوف خدا محبت نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات) سے آج بھی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت اور ایصال ثواب وغیرہ جیسے مسائل میں یہ صوفیائے کرام اور مسلمانوں کے راستے پر مسلسل گامزن تھا (دیکھئے سیر العارفین ص۱۵۴، ۱۵۵ ذخیر المجالس ص۴۵) التمش خاندان کے بعد بلبن خاندان تخت دہلی پر آیا جس کا پہلا سلطان غیاث الدین بلبن تھا۔ مشائخ سے اس کی عقیدت کے دو ایک نمونے دیکھئے۔ اسکے دور حکومت میں ایک بزرگ شیخ علی چشتی دہلی میں قیام فرما تھے جب کسی وجہ سے انہوں نے دہلی سے جانے کا ارادہ کیا تو سلطان کا یہ عالم تھا کہ

"در پائے خواجہ علی افتاد و سوگند خورد کہ اگر خواجہ عزیمت چشت کند من ترک مملکت گیرم و در رکاب خواجہ در چشت بیائم (سیر الاولیاء ص۲۱۲-۲۱۳)

بادشاہ خواجہ علی کے قدموں میں گر پڑا اور قسم کھائی کہ اگر خواجہ چشت کا ارادہ کریں گے تو میں حکومت چھوڑ دوں گا۔ اور خواجہ صاحب کی ہمرکابی میں چشت چلا چلوں گا۔

خواجہ علی صاحب نے بہت سمجھایا کہ حکومت کا کیا ہوگا؟ تو عرض کیا کہ مخدوم جو بھی ہو لیکن "من از رکاب خواجہ دور شدنی نیم" مورخ برنی کے الفاظ میں "و علماء آخرت و مشائخ ہر جا و را بغایت حرمت میداشتے (تاریخ فیروز شاہی ص۴۶) یعنی بلبن علماء آخرت اور ہر سلسلے کے مشائخ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ اور عوام کا خیال یہ تھا کہ "از میامن و برکات ایشاں در عہد و عصر سلطان بلبن فیض و رحمت آسمانی بریں دیار متواتر نازل می شد (تاریخ فیروز شاہی ص۱۱۱) ان (صوفیاء و مشائخ) کی برکت سے سلطان بلبن کے عہد میں اس ملک پر آسمان سے مسلسل فیض و رحمت کی بارش ہوتی تھی۔

اس کے اعتقادات کا اندازہ اس ایک حوالے سے لگایئے۔

"بعد از نماز ہر جمعہ بزیارتِ روضاتِ بزرگاں برفتے اگر بزرگے از ساداتِ و مشائخ و علماء بزرگ در شہر نقل کردے در جنازۂ رو بگذاردے و در سیوم او بزیارت برفتے و برادران و پسران او را جامہ دادے و بنواختے (فیروز شاہی صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷ و طبقات اکبری ج ۱ صفحہ ۸۲)

ہر نماز جمعہ کے بعد بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کے لئے جاتا تھا اگر سادات میں سے کوئی بزرگ یا کوئی شیخ یا عالم رحلت کر جاتا تو اس کے جنازے میں شرکت کرتا تھا اس کی نماز جنازہ ادا کرتا تھا اور سوم میں جاتا تھا اور متوفی کے بھائیوں لڑکوں کو کپڑے دیتا تھا اور نوازشیں کرتا تھا۔

حالانکہ اس کے دور میں تیسری جماعت کے افراد بھی ہندوستان میں اپنے ناپاک قدم رکھ چکے تھے۔ اسی لئے وہ قاضیوں کی تین قسمیں بیان کیا کرتا تھا چنانچہ کہتا تھا کہ

من سہ قاضی دارم یکے قاضی آنست کہ از من نترسد و از خدا می ترسد دوم قاضی از خدا نترسد و از من ترسد سوم کہ نہ از من ترسد نہ از خدا ترسد (فیروز شاہی صفحہ ۲۴)

میرے پاس تین قسم کے قاضی ہیں پہلا وہ ہے جو مجھ سے نہیں ڈرتا اور خدا سے ڈرتا ہے دوسرا خدا سے نہیں ڈرتا اور مجھ سے ڈرتا ہے تیسرا نہ مجھ سے ڈرتا ہے نہ خدا سے ڈرتا ہے۔

پھر اپنا فیصلہ سناتا ہے کہ دانشمندانِ حیلہ گو و بد آموز پیشِ خود آمدن نباید گذاشت (فیروز شاہی صفحہ ۱۵)

بد آموز اور حیلہ گو علماء کو اپنے پاس تک پھٹکنے بھی نہ دینا چاہیے۔

اپنی اولاد کو نصائح میں بھی اس نے ان باتوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جس کا اثر یہ تھا کہ اس خاندان کے بعض سلاطین جیسے ناصر الدین محمود کا ذاتِ نبوت سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک بغیر وضو کے کبھی نہیں لیتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ

"شرم آمد کہ بے وضو نام محمد بر زبان رانم (تاریخ فرشتہ ج ۱ صفحہ ۷۱)

مجھکو شرم آتی ہے کہ نام پاک محمد بغیر وضو کے اپنی زبان پر لاؤں

اس خاندان کے بعد حکومت خلجی خاندان میں پہونچی اور اس عرصے میں تیسری جماعت کے متبدعین بھی آہستہ آہستہ اصلاح کا نام لے کر فساد اور فتنے برپا کرنے لگے جس کی تاریخ ہند شاہد ہے۔ اب ان کے اثرات اور اس سے بارہا کے پیدا شدہ نتائج میں سے ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے کہ ان کی کرتوتوں سے علاؤ الدین جیسا نیکدل بادشاہ نیا مذہب جاری کرنے کے لئے تیار ہو گیا اس وقت علماء اہلسنت نے ایک طرف تو اسکو بے خوف ہو کر تنبیہ فرمائی اور دوسری طرف خواجہ نظام الدین اولیا اور دیگر مشائخ نے یہ دعا فرمائی کہ

"از وسواس شیطانی برآمدہ بر جادۂ مستقیم شریعتِ مصطفوی ثابت و راسخ گردد (تاریخ فرشتہ ج ۱ صفحہ ۱۰۵)

شیطانی وسوسے سے نجات پاکر شریعتِ مصطفوی کے جادۂ مستقیم پر قائم و ثابت رہے۔

مگر نتیجہ یہ نکلا کہ ابتداً سلطان سے مشائخ اہلسنت کے تعلقات کشیدہ ہو ہی گئے (یہ تیسری جماعت کی پہلی معمولی کامیابی تھی) یہی وجہ تھی کہ جب سیدی مولا وغیرہ کا قتل ہوا اور اسکے بعد قحط کی شکل میں قہر الٰہی نازل ہوا تو سلطان نے آستانہ عالیہ پر بارہا حاضری دینے کی اجازت چاہی مگر حضرت محبوب الٰہی اتنے کبیدہ خاطر تھے کہ ہمیشہ انکار فرماتے رہے اب ذرا اس وقت کے مسلمانوں کی ان حضرات سے عقیدت پر ایک نگاہ ڈالئے کہ سلطان نے ایکبار بغیر اطلاع و اجازت حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی سوچی اور صرف امیر خسرو سے (جو اس کے مصحف دار اور حضرت کے مرید تھے) اپنا ارادہ ظاہر کیا امیر خسرو نے فوراً حضرت سے جا عرض کیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عازم اجودھن (پاکپٹن شریف) ہو گئے۔ بادشاہ کو علم ہوا تو حضرت امیر خسرو سے خفا ہو کر کہا کہ تم نے میرا راز افشا کر دیا اور سلطان المشائخ کی پابوسی کی سعادت سے مجھکو محروم کر دیا حضرت امیر خسرو نے جواب دیا کہ

"از رنجش بادشاہ ہمیں خوفِ جاں باشد فاما از رنجشِ سلطان المشائخ خوف سلب ایمان باشد (سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۵)

بادشاہ کے ناراض ہو جانے سے صرف جان جانے ہی کا خطرہ ہے لیکن اگر سلطان المشائخ ناراض ہو گئے تو ایمان ہی سلب ہو جانے کا ڈر ہے۔

الغرض علماء حق و مشائخ اہلسنت ان فتنہ سازوں کی مفسدانہ حرکتوں اور بدعقیدتوں سے بادشاہ اور عوام کو آگاہ کرتے رہے اُدھر یہ بدطینت جماعت اپنی شیطانی چالوں میں شب و روز مصروف رہی یہاں تک کہ حکومت تغلق خاندان میں پہونچی تو ان کا اثر کچھ زیادہ ہی اپنا رنگ دکھانے لگا۔ تغلق خاندان کا مشہور فرمانروا محمد تغلق جو ابتداً نہایت معقول اور متدین تھا اور اس کی پرہیزگاری اور تقویٰ کا عام شہرہ ہو چلا تھا۔ جب اس کے ذہن پر اس تیسری جماعت کے غلط اعتقادات کا رنگ بنام اصلاح و تجدید چڑھا تو اسکے ارد گرد اسی جماعت کے افراد منڈلانے لگے اور بقول حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی "یہ وہ مفتیانِ ناخدا ترس و حیلہ اندوز تھے جو ہر نیک و بد میں اس کی تائید کو اپنا شعار بنا چکے تھے (تاریخ حقی) مورخ برنی ان "مفتیان" کو مرتد صفتاں دکا فرخو کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور نہایت صفائی سے اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ میں خود ان گناہوں کا مرتکب ہوا کہتا ہے کہ

"قواۃ بے دیانت و بے دین "نے برسوں سلطان کی ہاں میں ہاں ملائی اور طمع و حرص دنیا سے مجبور ہو کر" برخلاف احکام دین مدد می کردیم و روایتہائے مجہول می خواندیم (فیروز شاہی صفحہ ۴۶۶)

ہم احکام دین کے خلاف اس کی مدد کرتے تھے اور مجہول روایات بیان کرتے تھے)

ایک بڑی خاص اور قابل غور بات یہ ہے کہ انہیں حالات میں سلطان کے دربار میں ابن تیمیہ کے شاگرد رشید العز بزاد دہلی آئے جو ہمیشہ سلطان کے ساتھ ساتھ رہتے یہ سلطان کے ذہن و دل پر اس طرح سے اثر انداز ہوئے کہ سلطان ان کا ہنایت درجہ معتقد ہوگیا جس کا اندازہ ابن بطوطہ کے اس بیان سے لگ سکتا ہے کہ "ایکبار سلطان نے فرطِ مسرت سے ان کے قدم چوم لئے تھے۔" (عجائب الاسفار ص۱۱۳) (یہ ابن تیمیہ وہی ہیں جن کے اعتقادات سے زمانہ واقف ہے) قارئین کو اب سلطان کے معتقدات میں انقلاب پیدا ہونے کی وجہ بآسانی سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اس کے چاروں طرف ان حضرات کی حلقہ بندیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ (وہی تغلق جو نام نبوت کو اعظم اسمائے بنی آدم اور سب سے بڑا فخر تصور کرتا تھا (تاریخ حقی) اور اذان کی آواز آتے ہی تا ختم تعظیماً کھڑا رہتا تھا (فیروز شاہی ص۴۶۱) توحید باری تعالیٰ محبت و احترام نبوت اور عمائدینِ ملت و آثار اسلام سے عقیدت (جو اسلامی نظریات کی بنیاد ہیں) سے اُسی طرح دستبردار ہوگیا جس طرح ان گمراہوں کی تحریک کے اثر سے بہت سے خلفائے بنو امیہ و عباسیہ ہوگئے تھے اور اب سلطان محمد تغلق کا حال یہ تھا کہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ابوبکر و عمر عثمان و علی چہ کردہ اند کہ مانتوانیم کرد (جوامع الکلم ص۱۲۵-۱۲۶) یعنی ابوبکر و عمر عثمان و علی نے کیا کیا ہے جو ہم نہیں کر سکتے۔ بات یہیں تک نہیں رہی بلکہ اس تحریک کے اثرات جس طرح ہمیشہ مرتب ہوتے ہیں کہ ہر اگلا قدم بے ایمانی کی راہ پر مزید ہوتا ہے خود کہتا ہے کہ

"مغالطات بسیار گشت تا بجدے کہ در وجودِ صانع شکوک مزاحم و معارض شد (سوانح محمد بن تغلق)

مغالطے (شکوک و شبہات) بہت زیادہ ہوگئے یہاں تک کہ صانع (خالقِ کائنات) کے وجود کے متعلق شکوک و شبہات مزاحم معارض ہونے لگے۔

اور تب اسلامی عقائد کے اس ستون ہی کو ڈھا دینے کی بات آئی جس پر اسلامی نظریات و اعمال کی عمارت کھڑی ہے (اور حقیقت یہ ہے کہ اس گمراہ تحریک کا مقصد ہی ہمیشہ یہی رہا ہے ، یعنی عقیدۂ ذات ، نبوت و شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم ۔ مگر ؎

در دلِ مسلم مقام مصطفٰے است
آبروئے ما زنام مصطفٰے ست (اقبال)

ہر بد دین اور گمراہ بھی اس منزل پر آکر ایکبار اپنے دل و دماغ میں (مسلمانوں کی عقیدت اور اس عقیدت پر اپنا سب کچھ تج دینے کی سعادت سے) خوف ولرزہ اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ ایکبار رات کے سناٹے میں قاضی شمس الدین علیہ الرحمۃ کو بادشاہ نے بلوایا۔ قاضی صاحب نے دیکھا کہ بادشاہ گھپ اندھیرے میں تنہا بیٹھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھکو ڈر لگا کہ میرے کسی عزیز کو مارنے والا تو نہیں؟ کہ اچانک مجھ سے یوں مخاطب ہوا کہ

"اگر امروز کسے پیدا شود و گوید کہ محمد پیغامبر نبود است منم شما او را بکدام حجت ملزم کنید۔

آج اگر کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر نہ تھے بلکہ میں پیغمبر ہوں تو تم اس کو کس دلیل سے ملزم ٹھہراؤ گے۔

قاضی صاحب نے اس کے اشارے کو سمجھتے ہی فوراً جواب دیا کہ

"برائے آں حرامزادہ دیوانہ واحمق بدبخت و بے دولت را حجت چہ باشد۔ اقبال خوند عالم اسلام در شہر چناں قوت گرفتہ است کہ غلامان۔ طباخانِ شہر غلام زخم پاچہ بکشند (جوامع الکلم)

ایسے حرام زادے پاگل بے عقل بدنصیب اور کمینے بے عزت کے لئے دلیل کی کیا حاجت ہے آپ کا اقبال رہے کہ شہر میں اسلام نے ایسی قوت پکڑ لی ہے کہ بھٹیاروں کے غلام اس بدبخت کو پائچہ مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

اس طرح بجائے اپنی اصلاح کے (احقاقِ حق وابطال باطل کے سبب) سلطان علمائے حق و مشائخ اہلسنت سے بدظن ہونا شروع ہوگیا اور پھر تیسری جماعت کا اثر اتنا رنگ لایا کہ سرِ مجلس ختم نبوت کے متعلق گستاخیاں شروع کر دیں مثلاً ایکدن اس نے خواجہ شہاب الدین حق گو سے مطالبہ کیا کہ اس کو محمد عادل کہیں انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں ظالم کو عادل نہیں کہہ سکتا پھر انہیں حضرت سے کہا کہ نبوت کے خاتمہ کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ اس غدارِ نبوت نے فوراً اپنے پاؤں سے جوتی نکال کر سلطان کے منہ پر دے ماری جس کی سزا میں انہیں قلعے کے اوپر سے خندق میں ڈال دیا گیا (گلزار ابرار و اخبار الاخیار ص۱۲۹)

اسی طرح جب وہ اہل حق علماء اہلسنت کو اپنا اور اپنے مشیرانِ بے عرفان کا ہمنوا نہ بنا سکا تو علماء اہلسنت اور آثار اسلام کے ساتھ وہ ستم آرائیاں کیں جن کے پڑھنے سے دل اور لکھنے سے قلم لرزتا ہے مثال کے طور پر چند نمونے ملاحظہ ہوں خواجہ سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں کہ

"در دہلی زیارت گاہ بسیار بود بعد خرابی دہلی کہ سلطان محمد ابن تغلق کرد آں زیارتہا بکلی مضمحل شد (جوامع الکلم ص۱۴۳)

دہلی میں بہت سی زیارت گاہیں تھیں دہلی کی اس بربادی کے بعد جو سلطان محمد ابن تغلق کے ہاتھوں عمل میں آئی وہ تمام زیارتیں تباہ ہو کر رہ گئیں۔

(غور کیجئے کہ علامہ شامی نے اپنے زمانے میں محمد ابن عبد الوہاب نجدی کی تحریک اور اس کے اثرات کا جو ذکر کیا ہے کیا اسی تصویر کا دوسرا رخ نہیں ہے؟)

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (جو اس دور کے مشہور صوفی اور اہلسنت کے عالم تھے) پر مظالم کے ایسے پہاڑ توڑے گئے جو بیان سے باہر ہیں ایک بار حضرت

گیسو دراز نے بیان کرنا چاہا تھا مگر ان کے دل کو اتنی تکلیف ہوئی کہ بیان کرنے کی ہمت نہ ہو سکی (جوامع الکلم صفحہ ۱۰۶) تاریخ محمدی میں ہے کہ

"محمد بن تغلق بادشاہ جبار و شہریار و قہار بود بآں بزرگوار بگفتار و کردار انواع آزار ظاہر کرد اینداں پیر دیں دار ہیچ گاہے از صمیم سینہ آہے درد آلودہ نیاورد و دعائے کہ موجب انہدام بنائے دولت او بود بکردے مدت مدید بداں جفاءِ شدید مبتلا ماند"

محمد بن تغلق بڑا جابر و قاہر بادشاہ تھا اس نے ان بزرگوار کو زبان و عمل سے بہت زیادہ تکلیفیں پہونچائیں لیکن وہ پیر دین دار کبھی اپنے سینے سے درد بھری آہ تک نہ کھینچتے نہ کبھی ایسی دعا کرتے جو اسکی سلطنت کے انہدام کا سبب بن جائے طویل مدت تک اس تکلیف میں مبتلا رہے۔

اور دیکھئے "زیر استخوانہائے گلو سوراخ کنا نیند آں استخوانہا را بر ریسمانہا محکم بستن فرمود و گفت کہ آں ریسمانہا را بر بلندی بندید و ریشاں را آویزاں دارید (سبع سنابل صفحہ ۶۲)

ان کے گلے کی ہڈیوں میں سوراخ کر دیئے گئے اور ان ہڈیوں کو رسیوں سے مضبوط باندھنے کا حکم دیدیا تھا اور کہا کہ ان رسیوں کو بلندی پر باندھا جائے اور ان کو لٹکا کر رکھا جائے۔

"الغرض ہمے مشائخ را خدمتے مقرر کردہ بشیخ نصیر الدین اودھی المشہور بچراغ دہلی تکلیف بجامہ پوشانیدن نمود شیخ قبول نکردہ کار بخشونت کشید چنانچہ شیخ را قفا دادہ محبوس ساخت (تاریخ فرشتہ ج ۲ صفحہ ۳۹۹)

الغرض بہت سے مشائخ سے خدمتیں لینے لگا شیخ نصیر الدین اودھی کو جو چراغ دہلوی مشہور تھے کپڑے پہننے کی تکلیف دی شیخ نے قبول نہیں کیا تو شیخ کی گردن پر گھونسا مارا اور قید کر دیا۔

شیخ برہان الدین غریب علیہ الرحمہ نے دیوگیر (دولت آباد) میں حضرت چراغ دہلوی پر بادشاہ کے ان مظالم کی داستان سنی تو بہت روئے اور فرمایا کہ

"چہ کنم خوند مولانا محمود حلیم و کریم است و اگر او بخواہد ایں زمین او جملہ لشکر و خلق و اسپان و پیلان او خرد برد و آورد و غے بر نیارد (جوامع الکلم صفحہ ۲۳۲)

کیا کروں کہ خوند مولانا محمود بردبار کریم النفس ہیں ورنہ اگر وہ چاہیں تو زمین سلطانی کو اس کے پورے لشکر کے آدمیوں کو گھوڑوں کو اور ہاتھیوں کو اس طرح نگل جائے کہ ڈکار تک نہ لے۔

حضرت شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد جام جو اس وقت کے مشہور بزرگ تھے کی داڑھی نوچنے کے لئے شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا جب انہوں نے انکار کیا تو ان کی بھی داڑھی نچوالی۔ اور آخر میں شیخ شہاب الدین کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں ڈلوا دیں چودہ دن تک بھوک اور پیاس سے تڑپایا پھر کھانا بھیجا تو شیخ نے فرمایا کہ میرا رزق زمین سے اٹھ گیا ہے سلطان نے ان کے منہ میں زبردستی گوبر ڈلوا دیا پھر قتل کروا دیا (عجائب الاسفار صفحہ ۱۳۷، ۱۳۹) شیخ شمس الدین ابن تاج العارفین علیہ الرحمہ جب سلطان کے بلانے پر نہ آئے تو ان کو قید کر دیا پھر ان کو ان کے بیٹوں سمیت قتل کرا دیا (عجائب الاسفار صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷) شیخ قطب الدین منور شیخ فخر الدین زرادی سید قطب الدین حسین کرمانی شیخ ہود شیخ رکن الدین وغیرہم علیہم الرحمہ پر کیسے کیسے کیا کیا بیتی تاریخ کے اوراق آج بھی کسی قدر اپنے سینے میں لئے ہوئے ہیں۔ بعض واقعات شاہد ہیں کہ عام غلط کار دوں کی طرح اس سلطان کو بھی موت سے پہلے ضمیر نے ملامت کیا اور اپنی غلطی پر نادم ہوا مگر وقت نکل اور پانی سر سے گزر چکا تھا اور "یارانِ حیلہ داں" اپنا کام کر چکے تھے اور اپنے منحوس مقصد میں شیخ نجدی ایک حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔ بعد میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے اس طرح اس کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی کہ اہل حق کے ورثاء مقتولین یا وہ لوگ جن کے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان کاٹ دیئے گئے تھے۔ کسی سے معافی مانگ کر کسی کو مال دے کر معافی نامے لکھوائے اور ایک صندوق میں رکھ کر اپنی قبر کے سرہانے اس عقیدے سے رکھوا دیئے کہ شاید حق تعالیٰ اپنے کرم عام سے معاف فرما دے (فتوحات فیروز شاہی صفحہ ۱۶) اور بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "نامردانہ زیست"، کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہوگی کہ جب تخت پر بیٹھا تو پدر کش کہلایا جب تک جیا ظالم اور بے دین کے طعنے سنے مرا تو قبر پر معافی نامے رکھ کر تشہیر کی گئی تاریخ ہند میں اس کی جگہ متعین کرتے وقت نظر اس ناکامی پر نہیں بلکہ اس جذبہ پر ہونی چاہئے جو اس ناکامی کا سبب تھا (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات صفحہ ۳۸۴)

اس طرح کی مثالیں آپ کو لودی اور مغل خاندانوں میں بھی عام ملیں گی۔ ہمارے ملک میں مہدویت اور دین الٰہی جیسی تحریکیں اور بعض سلاطین کے زمانے میں علماء اہلسنت و مشائخ طریقت کے بے شمار ناحق قتل سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں آخر کار اس رسوائے زمانہ "طبقے" نے جس طرح بنو امیہ کو تباہ کیا عباسی سلطنت کو غارت کیا۔ عثمانی حکومت کو اپنی غداریوں سے برباد کیا، دہلی کی مسلم حکومت کو بھی لے ڈوبا اور تب۔ تاریخ کے اس پس منظر میں دیکھئے اور غور کیجئے۔ کہ

"امام احمد رضا"

۱۸۵۷ء میں جب مسلم حکومت مٹ گئی اور عوام انتشار کا شکار ہوئے تو میدان کھلا پا کر یہ عفریتی لشکر ہر چہار جانب سے اسلامی عقائد و اعمال کا بنیاد کھوکھلی کرنے کے لئے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا غضب بالائے غضب یہ کہ اب یہ "گندم نما جو فروش" ان راستوں سے نمودار ہونے شروع ہوئے جن پر اعتماد کرنا اور چلنا اسلامیانِ ہند اپنی دنیاوی فلاح اور اخروی

نجات تصور کرتے تھے۔ کبھی جہاد اور تقویت ایمان اور کبھی صراط مستقیم کے نام سے تو کبھی تجدید و احیائے دین کے نام سے۔ غرض سلطنت برطانیہ کی سرپرستی میں (جس کا اس ملک پر تسلط کے لئے لڑاؤ اور حکومت کرو کا اصول تھا) ابلیس کی جھولی سے نکال کر دہ نئے عقائد و خیالات لائے گئے کہ الامان والحفیظ۔ تبھی قدرت مسکرائی کہ نادانو! یہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دین ہے جس کی حفاظت میرے ذمے ہے اور جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہاں تم اپنی عاقبت جتنی چاہو خراب کر سکتے ہو مگر یہ گلستان کبھی خزاں رسیدہ نہ ہوگا۔ یہ شمع ہمیشہ روشن رہے گی اس کی لو کبھی جھپک نہیں سکتی، تم اپنی آگ میں جل مرد گے مگر اس عرش آشیاں "بیت النور" پر کبھی آنچ نہ آسکے گی۔ اسلئے کہ ہمیشہ حسین اعظم ائمہ اہلبیت احمد ابن حنبل غزالی عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی، نظام الدین اولیا جیسے جیالے اور غازی اور ان کے متبعین و نائبین اسکے امانتدار رہیں گے۔

اور پھر اسی زمانے یعنی ۱۸۵۶ء میں ملک کے مشہور شہر اور شہر کے مشہور علم و فضل والے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام والدین نے احمد رضا رکھا اس نے ہوش سنبھالا تو ملت اور قوم کے گرد و پیش پر ایک جائزہ نگاہ ڈالی اور "یارانِ بے ایمان" کو رنگ برنگے ملبوسات میں دیکھ کر اسکے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی گویا کہہ رہا ہو ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش :. من انداز قدت رامی شناسم

۱۸۶۹ء میں دیار حبیب کی زیارت کی اور حاضری دیکر اس بارگاہ بیکس پناہ (علیہ التحیۃ والثنا) سے طریقۂ اسلاف کے مطابق اپنے فرض اور ذمہ داری کو نبھانے کے لئے استمداد و استعانت کیا جہاں سے اسلاف کے قلوب دار واح ہمیشہ منور ہوتے، نور حق کی تابانیوں کا ایسا سایہ نصیب ہوا کہ باطن تو باطن تھا ظاہر سے بھی پھوٹا پڑتا تھا بقول صاحب "تذکرہ علماء ہند (فارسی)" آپ مقام ابراہیم میں تھے کہ شیخ مفتی شافعیہ نے بغور دیکھا اپنے ساتھ لے گئے اور پھر آپ کی پیشانی پکڑ کر فرمایا: واللّٰہ انی لاجد نور اللّٰہ من ھذا الجبین ۔ کہ خدا کی قسم میں اس پیشانی سے خدا کا نور پا رہا ہوں (ترجمہ) اور واپس آکر اس مقصد کی تکمیل کے لئے جسکے لئے قدرت نے آپ کو پیدا فرمایا تھا اور اس فرض کی ادائیگی کے لئے جس پر رضائے مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کی مہر لگی ہوئی تھی جب اپنی زبان اور اپنے قلم کو جنبش دی تو ایوانِ باطل کے ہر ہر گوشے میں (خواہ وہ ضلالت کا ہو یا بدعت کا کفر کا ہو یا ارتداد کا) کھلبلی مچ گئی تہلکہ اور زلزلہ بپا ہو گیا۔ اسکے قلم کی نوک نے مذہب اسلام کے ہر نقاب پوش ڈاکو کے چہرے سے نقاب الٹ دی اور اس کا خوفناک اور مکروہ اصلی چہرہ اسلامیوں کے سامنے کر دیا بقول ایک معاصر "میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے پہلے یہ خیال مدتہا مدت تک باز رکھتا ہوگا کہ اعلیحضرت کی سیف زبان و قلم کا کیا جواب ہوگا؟"

(اعلیحضرت کے مختصر حالات ص۳) المیزان کا سوالیہ نشان ہے کہ "امت مسلمہ کو کیا دیا؟"

اور میں سوچتا ہوں کیا نہیں دیا؟ بلاشبہ جس دور میں آپ کا وجود ہوا اس کے تقاضے کے مطابق ملتِ اسلامیہ کے لئے جو کچھ سب سے ضروری تھا وہ سب کچھ دیا۔ دیکھئے جب شاطرانِ مذہب نے قرآن کے تراجم میں کتر بیونت کر کے اسلامیوں کے عقائد پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے قوم کو قرآن عظیم کا صحیح ترجمہ دیا جب فریب کاروں نے اس کی تفسیر میں اپنی رائے شامل کر کے قوم کو گمراہ کرنا چاہا تو مسلمانوں کو ہوشیار رکھنے کے لئے تمہید ایمان بآیات القرآن دیا۔ غور کیجئے کہ جب اہل ضلالت نے ملت کو سنت کا نام لیکر احادیث کے غلط معانی و مطالب بتانے شروع کئے تو اس نے اہل ایمان کو سینکڑوں کتابیں دیں۔ جب اہل بدعت نے تقلید کے لباس میں غیر مقلدیت اور فقہ کے روپ میں حیلہ سازیوں اور گمراہیوں سے امت کے اعتقادات و اعمال کو زخمی کرنا چاہا تو اس نے قوم کو وہ لازوال فتادے دیے جو اپنے دلائل و براہین سے ہمیشہ تابندہ رہیں گے۔ اگر نہیں؟ تو مجھے بتائیے کہ دشمنانِ اسلام نے جب اس ذات قدوس اور بے عیب خدا پر کذب کے معنی درست کر کے اسلامی عقیدۂ توحید پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو کس کا قلم ان کے لئے شمشیرِ خارا شگاف بنا؟ جب شاتمانِ نبوت نے مسلمانوں کے عقائد نبوت کو مجروح کرنا چاہا تو کس کا قلم ان بدنصیبوں پر ذوالفقار حیدری بن کر ٹوٹا۔ مجھے جواب دیجئے کہ دین و مذہب کے ڈاکوؤں نے جب مومنوں کے سینوں سے اس امانتِ خداوندی یعنی عظمتِ مصطفٰے (علیہ التحیۃ والثنا) کو چھین لینے کا خواب دیکھا تو ان کے خوابوں کے قلعے کو تعبیر سے پہلے کس کی زبان قلم اور عمل نے مسمار کر کے رکھ دیا۔ اور جب مکاروں نے پیری اور شیخی کے لبادے اوڑھ ملت کے دل کی نالوں میں بزرگانِ دین و عمائدین اسلام کی عقیدت کے جلتے چراغ کو بجھانے کے لئے ناپاک تمناؤں کے محلات تیار کئے تو کس کی ضربِ پیہم نے ان کو زمین بوس کر کے تہس نہس کر دیا۔ جب مولویت نما عیاروں نے آثارِ اسلام اور مقامات مقدسہ کی عزت و حرمت کو قوم و غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ سے نکال پھینکنے کی جرأت کی تو کس کی زبانِ پاک و قلمِ بیباک نے ان کی چالاکیوں کے پردوں کو چاک کیا؟ سنئے کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے مسیح موعود کے نام کا فتنہ ہو یا مہدیٔ معہود کے نام کا شانِ نبوت کی توہین کا ہو یا فضائل رسالت کی تنقیص کا نیچریت کا ہو یا دہریت کا تقلیدی ہو یا غیر مقلدیت کا تفضیلیت کا ہو یا رافضیت کا خارجیت کا ہو یا بدعتیت کا۔ ان تمام تر فتنوں کے سینوں میں اس کا حق نویس قلم اسلام و سنیت کی شمشیر و سنان بنکر اتر گیا اور ان کے مقابلے میں اس کی زبان حق ترجمان اسلام و اسلامیوں کیلئے سپر بن گئی۔ ؎

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

یہی وجہ تھی کہ ملت نے اسکو شیخ الاسلام والمسلمین کہا، قوم نے حجۃ اللہ فی الارضین

کے لقب سے یاد کیا اور امت نے اعلیٰحضرت، عظیم البرکت، رفیع الدرجت جیسے خطابات سے نوازا اور جب دوبارہ دیار حبیب کی ۱۹۰۵ء میں زیارت کی اور آستانۂ نبوت پر حاضری دی تو قوم کے مرکز نے (علمائے حرمین شریفین نے) اس کو اس صدی کا مجدد (مجدد المائتہ الحاضرہ) قرار دیا۔ وہ آج ہم میں نہیں مگر اسنے جو کچھ دیا ہمارے دلوں نگاہوں اور ہاتھوں میں موجود ہے۔ ہاں اس کی تخلیق کے مقصد سے بے خبر نادانوں نے دوسروں کیطرح اس کے قلم کو بھی خریدنے کی کوشش بے جا کی تو اس نے کہا ؎

کروں مدحِ اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اور جب کبھی ان حالات نے اس کے دل کو بوجھل کیا تو اس طرح کے تمام دنیاوی سہاروں کو ٹھکرا کر امت کے والی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا ؎

ایک طرف حاسدیں اک طرف اعدائے دیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروروں درود

اور سرعام اعلان فرمایا ؎

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جبتک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائینگے

اور اب غور کیجئے کہ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ اس ذات نے اسلامی عقیدۂ توحید ایمانی عقیدۂ رسالت اسلاف کی وراثت (تصور ولایت تصوف وطریقت) کو گمراہوں (تیسری جماعت) سے بچا کر اس طرح ہم تک پہونچا دیا کہ آج بنیادی عقائد تو بڑی بات ہیں ہماری زندگی کے وہ اعمال جو بنیادی نہیں مگر صدیوں سے شعارِ سنیت ضرور ہیں جیسے مجالس میلاد پاک استمداد از انبیاء و اولیاء زیارت قبور نذر و نیاز و فاتحہ خوانی تصور شیخ سلام و قیام تقبیل الابہام (انگوٹھے چومنا) احترام مشائخ و سادات وغیرہ مسائل پر قوم کے لئے ان کے گرداگرد عقلی و نقلی دلائل و براہین کی اتنی پختہ اینٹوں سے ایسی مضبوط فصیل کھینچ دی ہے کہ تا قیام قیامت مخالفوں کی تیر اندازی اثر انداز نہ ہو سکے گی اور مومنین کو ہمیشہ روحانی و مذہبی فیض و سکون بخشتی رہے گی۔ اور اب گزشتہ اور موجودہ تاریخی جھلکیوں میں جھانک کر دیکھئے اور بتائیے کہ المیزان کے سوالیہ نشان کیا دیا؟ کا تاریخی حقیقت کے طور پر اس کے سوا اور کیا جواب ہو گا کہ قوم کو کیا نہیں دیا؟ اور اس دوسرے سوال کا (جو المیزان کے سوال سے پیدا ہوا) بھرپور جوابی مظاہرہ آپ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں اس وقت دیکھئے جب مسلمان اس ذات سے ملی ہوئی اسلاف کی امانت کا اعتقادی اور عملی طور پر اظہار کرتا ہے اور مخالفین (تیسری جماعت کے افراد) اسکو جھنجھلا کر "بریلوی" کہتے ہیں۔ کیوں؟ غور کیجئے اور اپنے دل سے جواب لیجئے کہ المیزان کے سوالیہ نشان کا مکمل جواب اسی میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ اسلام کی نورانی شمع آج ہمارے سامنے نہیں ہے بلکہ مسلسل چونسٹھ سال تک قوم و ملت پر نور کی ضیا پاشی کرتے ہوئے ۱۳۴۰ھ میں اصل نور سے جا ملی، مگر اس کی روشنی باقی ہے اور باقی رہے گی اور تاریخ اسلام جب بھی ایسے دور سے دوچار ہو گی تو یہ تاریخی حقیقت آواز دے گی ؏

کیوں رضاؔ آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

بقیہ احیائے دین

فرمایا محض اٹکلنے اور خبر کی بنیاد پر اس دن کا خوف کرتے ہوئے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی"

دراصل آپ میں وہ ساری خوبیاں بیک وقت مجتمع ہو گئی تھی جو ایک مجدد کیلئے ضروری ہے آپ نے تیرہویں صدی کا آخری زمانہ اور چودہویں صدی کا شروع زمانہ بھی پایا۔ عشق رسول تو گویا آپ کی رگ رگ میں موجود تھا۔ قرآن فہمی میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ فتاویٰ نویسی میں اسلامی ایڈوکیٹ کی طرح بہترین مفتی تھے۔ بے پناہ ذکاوت جس کے مالک قوت فیصلہ کے آمر اور مجسم عمل تھے۔

وہ اسی لئے ہم انہیں بے خطر و خطر چودہویں صدی کا امام مجدد کہتے اور مانتے ہیں جنہوں نے تجدید و احیائے دین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا"

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

بزم عشق کے اس دانائے راز جس کو لوگ پہچاننے کیلئے امام احمد رضا کہتے ہیں سرزمین قندھار کو بجا طور پر فخر ہے کہ آپ جیسی علمی ہستی قندھار کی بریچی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ ہندستان کی خاک کو بھی اس پر ناز ہے کہ منصب مجددیت پر فائز ہستی نے اس سرزمین پر قدم رنجہ فرما کر ہندستان کی آبرو رکھ لی۔

امام احمد رضا اور

اصلاح عقائد

حضرت مولانا صوفی سلیم اللہ قادری بنارسی ؒ
رکن آل انڈیا جمعیۃ الصوفیہ۔

دنیائے انسانیت کا ہر ذی شعور اس حقیقت سے واقف ہے کہ اسلام کی ترقی و ترویج کے لئے صوفیائے کرام نے جس خلوص ولگن سے کام کیا ہے اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام مختصر عرصہ میں ربع مسکون پر چادر نور بن کر چھا گیا۔ اور ہر ترقی پذیر فرد و جماعت نے اس سے اکتساب فیض کیا۔

اسلام کے مخالفین و معاندین نے اسلامی سیلاب کو روکنے کے لئے سازش کی۔ اور تصوف کے مقابلہ میں توہب کی بنیاد ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین توہب نے معمولات تصوف پر شرک و بدعت کے فتادے صادر کئے، مختلف پارٹیاں بنائیں اور مختلف سمتوں سے درگاہوں، خانقاہوں پر حملے شروع کر دیئے۔ مقصد یہ تھا کہ اسلامی مجاہدین کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا جائے تاکہ مسلمان مختلف اکائیوں میں تقسیم ہو کر رہ جائے، اور اسلام کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب رک جائے۔ لیکن

نکالیں سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی بیہ دریا کی طغیانی نہیں جاتی

ہندوستان کی سرزمین پہ اصلاح عقائد کی نقاب ڈال کر وہابیت نے جب قدم رکھا تو استاذ الاساتذہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، تاج الفحول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی اور دوسرے اساطین امت نے وہابیت کے مکروہ چہرہ کو بے نقاب کیا۔ امام الوہابیہ کے تقدس کا گریبان پکڑا اور دہلی کی جامع مسجد میں ان کے علم و دانش کے پرچم کی دھجیاں بکھیر دیں۔ یہ شکست ایسی رسوا کن تھی کہ مذہبی دنیا میں کہیں پناہ نہ مل سکی۔ برٹش ڈپلومیسی کا سہارا لیا اور اسی سہارے ملت اسلامیہ پر وہابیت کے تیر برساتے رہے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کا دور بڑا ہی صبر آزما دور گزرا ہے۔ علمائے اہلسنت کے اکابر دریائے شور بھیج دیئے گئے۔ کتنے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیئے گئے اور اکثر کو جیلوں میں محبوس کر دیا گیا۔ ایسے صبر شکن دور میں حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خدمت کی ذمہ داری قبول کی۔ حالات کا اندازہ لگایا۔ وقت کے تقاضوں کو پہچانا اور اس حقیقت کے ساتھ۔ کہ .....

چند تنکوں کی سلیقہ سے اگر ترتیب ہو
بجلیوں کو بھی طواف آشیاں کرنا پڑے

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اورنگ قیادت پر قدم رکھا۔ علمائے ملت اسلامیہ کے منتشر شیرازہ کو مجتمع کیا اور بڑے ہی عزم و احتیاط کے ساتھ اپنے علم و عمل کو تحریک کی شکل دیکر الحق یعلو ولا یُعلیٰ کا پرچم لہرا دیا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تو مجھے کہنے دیجئے کہ مولانا احمد رضا صرف مولانا احمد رضا نہیں بلکہ امام احمد رضا ہیں اور اس منصب کے مستحق ...... ؟ آج شجر وہابیت پہ جو برگ و بار نظر آرہے ہیں، اس کے بھی کچھ وجوہ ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر تحریک کے پیچھے محرک کا مزاج کارفرما ہوتا ہے۔ اگر تحریک کی دعوت کے سلسلہ میں محرک کا مزاج پیش نظر نہ ہو تو تحریک کا رخ بدل جاتا ہے۔ یہ وقت کی ستم ظریفی ہے کہ امام احمد رضا کی تحریک کے موجودہ داعیان میں اکثر امام احمد رضا کے مزاج سے ناواقف محض ہیں اور تحریک کی دعوت دے رہے ہیں اور اپنے مزاج کے مطابق دعوت دے رہے ہیں جس کا لازمی نتیجہ اختلاف و انتشار۔ اور یہی اختلاف و انتشار شجر وہابیت کو بارآور کر رہا ہے۔ کیا داعیان تحریک کے اس عمل سے امام احمد رضا کی روح خوش ہوگی؟ کیا کوئی ہے جو سنجیدگی سے اس پر غور کرے ؟

خدا بھلا کرے ادارہ المیزان کے ذمہ دار حضرات کا جنھوں نے وقت و حالات کی نزاکتوں کو محسوس کیا اور امام احمد رضا نمبر نکال کر امام احمد رضا کی عظیم شخصیت کو اجاگر ہی نہیں کیا بلکہ اپنے اس کردار سے دنیا کو ایک پیغام بھی دیا۔ کہ

یہاں کوتاہیٔ ذوق عمل ہے وجہ محرومی
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

اللہ عزاسمہ اپنے مقبول بندوں کے طفیل ادارۂ المیزان اور سنی لیگ کو معاندین کے حسد اور معاصرین کی نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔ ٭

امام احمد رضا اور

تجدید و احیاء دین

از:- صاحبزادہ سید محمد حسینی اشرفی رائچوری مدرس دارالعلوم امجدیہ ناگپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

یہ حقیقت ہے کہ جب کبھی باطل نے اپنی پوری قوت کے ساتھ سر ابھارا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو پیدا فرما کر اس کی قوت کو کمزور فرما دیا۔ حق وباطل میں کبھی صلح نہیں ہوئی اور نہ اس کا خاتمہ ہوا، غرض کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر ہمارے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر دور میں ایسا ہی ہوتا رہا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے تشریف لے جاتے ہی، مسلیمۃ الکذاب، منکرین زکوٰۃ اور منافقین کی ریشہ دوانیاں مختلف شکل میں نمودار ہوتی رہیں اور برابر حق کو سربلندی عطا ہوتی رہی، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی نصف عہد خلافت تک بظاہر ملت اسلامیہ میں امن وسکون رہا اور سنہ ۳۰ھ تک مسلمانوں نے دنیا کا بڑا حصہ اور اہم رقبہ فتح کر کے اس پر پرچم اسلام کو لہرا دیا اور دنیا کا باقی بچا ہوا حصہ اس منور حصہ کے مقابلے میں کوئی قدر وقیمت اور اہمیت نہیں رکھتا تھا، اور اگر مسلمانوں کی طاقت چاہتی تو باقی تمام دنیوی طاقتوں کے مجموعہ کو با آسانی کچل سکتی تھی لیکن عبداللہ ابن سبا اور یہودیوں اور نصرانیوں اور منافقوں کی ملی جلی سازش نے نئے روپ میں آکر اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی سعی ناکام میں مشغول رہی، بالخصوص عبداللہ ابن سبا اور دیگر منافقین نے اسلامی جامہ پہن کر مختلف قسم کے فتنے امت مسلمہ میں برپا کیئے مسلمانوں کو مبتلائے مصائب اور خانہ جنگی میں مصروف کر دیا، غرضیکہ عبداللہ بن سبا نے مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق، قاہرہ، تمام مرکزی شہروں میں تھوڑے تھوڑے دنوں قیام کر کے جو برائی وعداوت وعصبیت بنی امیہ وبنی ہاشم میں اسلام کی وجہ سے مردہ ہو چکی تھی پھر زندہ کر کے، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہایت چالاکی وہوشیاری سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق دار خلافت ہونے کی ناپاک سازش کی آخر کار اس سازش کا نتیجہ یہ نکلا، بصرہ، کوفہ، اور قاہرہ کے فسادی عناصر نے مل کر مدینہ کی طرف کوچ کیا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ ظہور میں آیا اس فتنہ نے سنہ ۳۰ھ سے سنہ ۴۰ھ تک مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف رکھ کر اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے کام کو نقصان پہنچایا اور حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے اس تفرق کے بد نتائج کو محسوس فرما کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح فرما کر اسلام پر احسان عظیم فرما کر عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کے پیدا کردہ فتنہ کا بڑی ہمت وبہادری سے خاتمہ فرمایا، اور امت مسلمہ پھر ایک مرکز سے وابستہ ہو گئی، بیس سال امن وامان اور بحری وبری فتوحات اسلامیہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات، یزید کی تخت نشینی، اور کربلا کے حسرت ناک حادثہ نے ایک طرف مشرکوں وکافروں اور دوسری طرف منافقوں کو پھر جرأت دلا کر مصروف کار بنا دیا، اس مرتبہ جو طوفان آیا اس میں بظاہر جگر گوشۂ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی شہید ہوئے اس کے باوجود حق کو ہی سربلندی عطا ہوئی اور مشرکوں وکافروں ومنافقوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی ان فتنوں نے تقریباً بارہ تیرہ سال تک بڑے بڑے نقصانات پہنچائے جو بہت سخت ثابت ہوئے پہلے طوفان میں جو سنہ ۳۰ھ سے سنہ ۴۰ھ تک قائم رہا تھا صحابۂ کرام کی بڑی تعداد زندہ تھی اس طوفان میں سنہ ۶۱ھ سے سنہ ۷۳ھ تک برپا رہا اس میں بہت سے صحابۂ کرام فوت ہو چکے تھے صرف چند نفوس قدسیہ باقی تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے عہد میں دشمنانِ اسلام کی سازشیں، جنگ جمل وجنگ صفین میں منافقین کی ریشہ دوانیاں حادثۂ کربلا تک مسلسل فتنے برپا ہوتے رہے، انھیں فتنوں میں منافقوں کی اسلام ومسلمانوں کے خلاف اسلامی لبادہ میں کئی بڑی جماعتیں پیدا ہوئیں اور ان باطل قوتوں نے دنیائے اسلام پر اپنا اچھا خاصہ اثر جما لیا پھر امت مسلمہ میں طرح طرح کی بدعات وبدعقیدگیاں پھیلتی رہیں، یہ طاقتیں برابر اسلام کے خلاف اپنا کام کرتی رہیں، آخر کار انھیں فتنوں کی زد میں سنہ ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، آپ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کی حکومت شروع ہوئی بظاہر منافقوں کی ریشہ دوانیاں اور مسلمانوں کی خانہ جنگی موقوف ہوئی لیکن پہلے کے جو اثرات قائم ہو چکے تھے اسکا مٹنا مشکل تھا عبدالملک ابن مروان کے بعد ولید ابن عبدالملک اسکے بعد سلیمان بن عبدالملک آخر کار وہ دور مسعود بھی آیا کہ جس کو دیکھ کر عہد فاروقی کی یاد تازہ ہوتی تھی، یعنی حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جو فتنے وبدعات وبدعقیدگیا

امت میں پھیل تھیں اس کو مٹانے اور سنتوں کو تازہ فرمانے میں سعی مشکور فرمائی، اور امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان فرمایا، مسلمانوں نے ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقی کی اور اندلس و مراقش سے لیکر سندھ، بلخ اور چین اور دور دور تک اسلامی روشنی پھیلتی گئی اور اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوگیا، اگرچہ اموی دورِ حکومت کا پچاس سالہ زمانہ بالخصوص خلافت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیر و برکت و اسلامی فتوحات و اتحاد و خدمات کے اعتبار سے خلافت راشدہ کے ابتدائی پچیس۲۵ سالہ زمانہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی تاہم بالخصوص حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلام و مسلمانوں کے لئے خلافت راشدہ کے علاوہ پچھلے و آئندہ تمام زمانوں سے بہتر اور اسلام کی عظمت کے لئے عمدہ ان کے تربیت یافتہ حضرات یعنی تابعین رضی اللہ عنہم ان کی جگہ اسلام کی حفاظت اور دشمنانِ اسلام کے فتنوں کو ختم کرنے میں مصروف رہے دورِ تابعی میں حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دور مسعود ہے کہ آپ اور آپ کے شاگردوں نے اسلام کی اشاعت اور دشمن اسلام کے فتنوں کو ختم کرنے میں مصروف رہے، یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ شرف کوفہ کی سرزمین کو نصیب ہوا اسی کوفہ کی سرزمین میں کربلا کا حادثہ عظیمہ بھی پیش آیا یعنی جب یزید کی مردہ روح زندہ تھی تو اس سے کوفیوں کی فوج پیدا ہوئی اور جب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمالیا اور آپ کو حیات ابدی بخشی گئی تو اسی کوفہ سے حضرت ابراہیم نخعی، امام حماد، امام اعظم، امام شعبی، سفیان ثوری رضی اللہ عنہم جیسے اکابر ائمہ نکلے جو بھی آئے وہ سب اسلام کی حفاظت اور دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لیے آئے، لیکن اسلام کے اس عروج و فتحمندی کے زمانہ میں بھی دشمنان اسلام اکثر اسلامی لبادہ پہن کر اسلام و مسلمانوں کو زک پہنچانے میں مصروف رہے، اس کے باوجود حق کو عروج و فتحمندی نصیب ہوئی، اسلام کے خلاف ان کی سازشیں اندر ہی اندر سلگتی رہیں اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے بعد چند ہی سال کے اندر اس کے شعلوں نے بلند ہوکر اسلام اور اسلامی سطوت و شوکت کو برباد کرنے، اسلام کی مرکزی حکومت کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور دین اسلام کے عقائد و اعمال میں انواع و اقسام کے رخنے ڈال کر اسلام کے شیرازہ کو منتشر کرنے اور دین اسلام کے عقائد و اعمال کو برباد کرنے کی سعی ناکام میں لگے رہے، اسلام کے خلاف ان دشمنان اسلام کی سازشوں نے عباسیوں کی حکومت و خلافت قائم ہونے تک ان گمراہ فرقوں کو اسلامی فرقے سمجھا اور خوارج جو شیعوں کے برعکس حضرت سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کو (معاذ اللہ) مشرک سمجھنے والے اور حضرات اہل بیت اطہار کو ناحق سمجھنے والے اور دیگر عقائد باطل رکھنے والے جیسے لوگوں کی مستقل زوردار جماعت تیار ہوئی جو سب کے سب مسلمان سمجھے جانے لگے، ان کی سازشوں کا ثمر کہ حضر موت، بحرین، عراق و ایران بن گیا، حجاز و شام میں ان کا کوئی خاص اثر نہیں تھا، غرضیکہ اسی دنیا میں کفر و اسلام اور نور و ظلمت کی کش مکش قیامت تک جاری رہے گی، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا کر صراط مستقیم پر گامزن رہے، آخر کار ہندوستان میں بھی اسلام کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کا قبضہ اور چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کا قبضہ ہوا اسی زمانہ میں باطل پرستوں کی ایک سازش نے اسلام کے خلاف ملتان میں قرامطہ اور مباحیہ کے نام سے دو ٹولی کو جنم دیا سلطان محمود غزنوی نے قرامطہ اور مباحیہ کے فتنوں کو ختم کیا پھر اسلام کی منور کرنیں پنجاب آسام و بنگال اور راس کماری تک سارے ہندوستان میں پھیل گئیں اور دکن، ملابار، کنارا، کیرل، وغیرہ میں اسلام شروع ہی سے پہنچ چکا تھا، اسلام مستقل طور پر ان علاقوں میں سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کے ذریعہ دور دور تک پہنچا اور افغانستان، سیستان، طبرستان، اصفہان، وغیرہ میں اسلام دشمن عناصر اپنی ٹولیاں بنا کر اسلام کے خلاف مصروف کار رہیں، کچھ عرصہ تک ان کا اثر جما رہا پھر حق کا ہی غلبہ ہوا، دو سو سال تک اسلام ہندوستان کے کچھ ہی علاقوں میں محدود رہا اور اسی دو سال کے عرصہ میں خاندان غزنوی جو پنجاب پر قابض اور محمود غزنوی کی وفات کے بعد ہی سے مسلسل خانہ جنگی میں مبتلا تھا تو اسی خانہ جنگی دور سے فائدہ اٹھا کر اہل باطل پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئے اس نازک حادثہ کو دیکھ کر علماء ملت اسلامیہ اور اولیاء کرام نے ان باطل فرقوں سے نبرد آزمائی شروع کی، اولیاء کرام کی کرامات اور علماء اسلام کی خدمات سے اسلام کو بہت زیادہ تقویت حاصل ہوئی اسی زمانہ میں اور دیگر علماء کرام کے علاوہ علامہ قدوری احمد بن احمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ ہیں کہ جنھوں نے پہلے بدعات و بد عقیدگی کو ہندوستان سے مٹایا اور فقہ کی اشاعت کی اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی کشف و کرامات سے کفر و شرک کا خاتمہ کیا اور اسلام کی اشاعت میں مصروف رہے، خاص طور پر حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رضی اللہ عنہ ایک داعی اسلام کی حیثیت سے پنجاب میں وارد ہوئے اور غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا، سلطان محمود غزنوی اور ان کے خاندان والے سنی صحیح العقیدہ مسلمان تھے لیکن افغانستان کے علاقہ میں قرامطہ اور باطنیہ نے خاطر خواہ اپنا اثر جمالیا، محمود غزنوی کے جانشین جو اپنی خانہ جنگیوں میں مصروف رہے، اور افغانستان والوں کے عقائد و اعمال پر وہ زیادہ کچھ اثر جما نہ سکے، یہ خدمت علماء کرام نے ادا کی علماء کرام نے ان سے مقابلہ کر کے ان قوت کو کمزور کردیا اور افغانستان میں اسلام کی خدمت کا اہتمام کما حقہ کہاں ممکن تھا، افغانستان کا غوری خاندان جس نے غزنویوں کو برباد کیا ان کے زمانہ میں بہت سے ملحدانہ عقائد پھیل گئے، مگر چونکہ اس عرصہ میں ماوراء النہر سے لیکر عراق و شام تک سلجوقی چھا گئے تھے، سلجوقیوں کا اثر افغانستان کے قبائل پر بتدریج پڑ رہا، سنجر سلجوقی غوری سرداروں کو گرفتار و باجگزار بنا کر افغانستان پر اپنا بہت قوی اثر ڈالا پھر سلطان شہاب الدین غوری نے ان باطل پرستوں اور ملحدوں کے ناپاک اثرات کو ختم کر کے خالص سنیت کی اشاعت کی، اور اسی زمانے میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لا کر آپ نے مذہب حقہ کی اشاعت کی سنہ ۶۰۲ھ میں ہندوستان

میں مسلمانوں کا بادشاہ قطب الدین ایبک لاہور میں تخت نشیں ہوا، اس عرصہ میں ہندوستان میں حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الاولیاء ولی الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپنے اپنی کشف و کرامات سے ہزاروں غیر مسلموں کو اسلامی دولت سے نوازا سنہ ۶۰۰ھ و سنہ ۷۰۰ھ تک جو اولیاء کرام اپنی کشف و کرامات و خدمات جلیلہ و تصنیفات سے خدمت اسلام میں مصروف رہے ان کے چند مشہور اسمائے گرامی یہ ہیں حضرت شیخ مجد الدین بغدادی، شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت محی الدین ابن عربی و حضرت شمس الدین تبریزی حضرت شیخ سعد الدین حمویہ مولانا جلال الدین رومی وغیرہ صدہا اولیاء کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کی خدمت انجام دی اسی طرح ہندوستان میں پورے سو سال گزرنے نہ پائے تھے اس ملک میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شاہ علاء الحق پنڈوی، شیخ فرید الدین گنج شکر، شیخ بو علی شاہ قلندر پانی پتی شاہ خواجہ نظام الدین اولیاء، مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی، شاہ حسام الدین تیغ برہنہ گلبرگوی شاہ برہان الدین وغیرہم رضی اللہ عنہم ہزارہا اولیاء کرام نے غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام فرمایا کفر و شرک و الحاد و بے دینی کی مسموم فضا کو پاک و صاف فرمایا، غرضیکہ آٹھویں صدی ہجری میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے ملحدوں، دگمراہوں نے اسلام کے خلاف جو حالات پیدا کیئے تھے اس میں سدھار پیدا کیا اور ملحدوں و بے دینوں کو کیفر کردار کو پہنچایا، اسی سلطان کے زمانہ میں فقہی کتابوں اور علماء کی تصانیف کی اشاعت ہوئی اسکے بعد سلطان محمد تغلق تخت نشیں ہو کر جگہ جگہ شہروں میں دار القضاۃ قائم کیا اس دور میں بھی قاضیوں اور اماموں مفتیوں، اور علماء کے ذریعہ دین و سنیت کی اشاعت ہوئی، آخر کار حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے بگاڑ پیدا کرنے کے سبب وہ ختم ہو گیا، اسلامی سلطنتوں میں یہی ہوتا رہا، باطل پر حق کی فتح بالآخرہ وہ بھی آیا جسے الحادی دور کہتے ہیں اکبر اعظم کا دور لا مذہبی کی لعنت میں مبتلا ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانے لگا آخر کار لامذہبیت اور مسلمانوں کی عام جہالت امراء و دربار کی جاہ طلبی و شاہ پرستی نے ایک نیا مذہب سنہ ۹۰۵ھ میں جاری کیا جس کا نام دین الٰہی رکھا گیا، گوا، دمن، دیو، وغیرہ سے نصرانیوں کی معرفت توریت و انجیل وغیرہ نصرانیوں اور یہودیوں کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائی گئیں اور ہندوستان کی مذہبی سنسکرت کتابوں کی اشاعت کی گئی، اس طرح دین میں اکبر پہلا صلح کلی بادشاہ ہے کہ جس نے دین میں الحاد پیدا کیا غور فرمایئے اسلام کے خلاف یہ کتنا زبردست حملہ تھا کہ خود شہنشاہ اور اس کے حواری اسلام کو مٹانے میں مصروف ہیں ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب ہند میں اسلام مٹ چکا، لیکن جب باطل کی طاقت انتہائی کمال کو پہنچی رحمت خداوندی جوش میں آئی ایسی نازک و خطرناک حالت میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہم اللہ علیہم نے کتاب و سنت کا وہ کام انجام دیا کہ باطل کی کمر بہت کمزور ہو گئی بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعیٔ جمیلہ سے ہندوستان کے اکثر حصوں میں دین حق کی مشعلیں روشن ہو کر الحاد و بے دینی و بد عقیدگی کفر و شرک کے تاریک پردوں کو چاک کر دیا۔ شہنشاہ شاہ جہاں ایک کٹر مذہبی و الحاد دشمن انسان تھے اور وہ خود عالم و فقیہ تھے، لیکن پھر بھی آپ کا بڑا لڑکا دارا شکوہ جو اکبر کی طرح کٹر صلح کلی تھا اس کی محبت میں ضرورت سے زیادہ گرفتار ہو گئے جس کی وجہ سے باوجود شاہ جہاں کے اس معیار پر ہونے کے صلح کلی ہو گئے۔ اور چشم پوشی اختیار کی جس کی وجہ سے اسلام و سنیت کو سخت نقصان اور ملحدوں و بے دینوں کو تقویت پہنچنی شروع ہوئی آخر کار حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ خود ایک فقیہ اور گیارہویں صدی کے مجدد تھے اور اورنگ آباد (دکن) میں عہدۂ صوبہ داری پر مامور تھے، اپنی شہزادگی اور صوبہ داری کے زمانہ میں اپنے والد شہنشاہ شاہ جہاں کو یہ تحریر فرماتے ہیں، مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ حضرت کی بیماری کے زمانے میں شہزادۂ کلاں نے پورا استقلال پیدا کیا، آئین کفار کی ترویج و اشاعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کی جڑ اکھیڑنے میں کمر چست باندھی مملکت میں الحاد پھیلا، اور ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، شہزادہ کلاں جو مسلمانی رنگ نہ رکھتا ممالک محروسہ میں کفر و الحاد کو بلند کیا اس کا دفع کرنا مجھ پر شرعاً و عقلاً واجب ہوا، اس لیئے ان حدود کی جانب کوچ کیا (یعنی آگرے کی طرف دارا شکوہ سے مقابلہ کے لئے نکل پڑے) ملاحدہ نکوہیدہ (یعنی دارا شکوہ صلح کلی اور اس کی فوج سے جنگ ہوئی) میری نیت بخیر (یعنی خالص اسلام و سنیت کی اشاعت و حفاظت و کفر و ارتداد و بے دینی و الحاد کو ختم کرنا) تھی جمعیت قلیل (یعنی بارہ ہزار فوج) سے اس معرکہ میں مظفر و منصور ہوا اور چشم زخم سے محفوظ رہا شاہ جہاں نے دوبارہ تلاش کی شہزادہ میدان میں آئے الحاد کی چہرہ افروزی ہو اس صورت میں باگ ڈھیلا کرنا عباد و بلاد کی خرابی کا سبب ہوتا (یعنی مسلمان صلح کلی و مرتد بن جاتے) اجر و ثواب کی امید نے مجھے اس بار گراں کے اٹھانے پر راضی کیا (یعنی شاہی بوجھ میں نے برداشت کیا) اس سبب سے اس بار گراں کو شاہ جہاں) کے دوش سے اتار دیا اگر مجھ سے کوئی بہتر ان میں مشغول ہوتا تو حاشا یہ اطاعت گزار یہ قبول نہ کرتا (شمس العقائد) یعنی ہندوستانی مسلمانوں کے اندر جو دارا شکوہ کا الحاد و بے دینی و صلح کلی مذہب پھیل چکا تھا اس کو فنا کرنے اور مٹانے کے لیئے اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور اس فتنے کو ختم کرنے اور کفر و شرک کے زور کو ختم کرنے میں مشغول ہوئے اور دارا شکوہ کو گرفتار کیا جا کر ارتداد کے جرم میں قتل کیا گیا اور عبرت کے لیئے اس کا سر دہلی کے خونی دروازے پر لٹکا دیا، سلطان اورنگ زیب غازی عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں چن چن کر ملحدوں صلح کلیوں، بے دینوں، دگمراہوں کو ختم کیا گیا فقہ اسلامی کی ترویج و اشاعت کی گئی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ملحد دارا شکوہ کو اس کے انجام تک پہنچایا اور شاہ جہاں کو گرفتار کر کے آگرہ میں قید و بند کر کے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا اور فتاویٰ عالمگیری کے نام سے فقہ حنفی کی ایک ضخیم کتاب بہت سے علماء کی مدد سے تصنیف و تالیف

گرائی اور داراشکوہ کے صلح کل الحاد و بدعات کے خاتمہ کے بعد یہ فرمان جاری کیا کہ اہل سنت وجماعت کے دین کے خلاف کسی سے کوئی چیز سرزد ہو تو وہ سیاست شاہی میں ماخوذ کیا جائے گا، اس حکم کی پابندی محمد شاہ کے دور تک سختی کے ساتھ ہوتی رہی محمد شاہ کے دور کے بعد حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا تصلب ڈھیلا پڑ گیا، پھر وہی اسلام دشمن عناصر نے اسلامی لباس کے ساتھ تفرقہ ڈالنا شروع کیا پھر بدعات و بدعقیدگیاں والحاد پھیلنا شروع ہوا اور محمد شاہ کے دور تک ہی سلطنت کی شوکت قائم رہی اس وقت تک اسلام و سنیت کے نام پر کوئی مذہب پیدا نہیں ہوا تھا، اس طرح پورے ہندوستان میں اہلسنت وجماعت ہی تھے اور محمد شاہ کے دور تک کسی کو فتاویٰ عالمگیری کے خلاف کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی محمد شاہ کے بعد غیر ملکی سیاست مختلف شکل میں ہندوستان میں دخیل ہو گئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں خود مختاری کے لیئے کوشاں ہو گئیں اور انگریز اندرونی طور پر پورے ملک میں اپنا اثر جما چکے تھے پھر ملک ہند میں طوائف الملوکی شروع ہو گئی آخر کار اسی طوفان کی زد میں ۱۲۱۳ھ میں شاہ عالم ثانی کو آٹھ لاکھ کے سالانہ وظیفہ پر معزول کیا گیا جب ملک ہند میں انگریزوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے نہایت چالاکی سے ہندوستانی عوام کا بغور مطالعہ کیا کہ باوجود اس طوائف الملوکی کے مسلمان اسلام و سنت اور اعتقاد کے مضبوط رشتے میں بندھے ہیں اور ان کے اندر صحیح عقیدہ اور اسلام و سنیت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے باوجود اس اختلاف کے ان کے اندر ایسی روحانی قوت ہے کہ ہم ان پر فتح حاصل نہیں کر سکتے اور نہ انھیں تلوار و بندوق سے ختم کر سکتے ہیں، عہد عالمگیری ہی سے عوام اور حکومت علماء کے فتوؤں پر عمل کرتی تھی انگریزوں نے دیکھا کہ ملک ہند کی عوام پر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا سکہ بیٹھا ہوا ہے شاہ عالم ثانی کے بیٹے اکبر ثانی کے زمانے میں انگریزوں نے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے گھرانہ میں کسی کو اپنے دام فریب میں لانے کے لئے تلاش کی انگریزوں کو بالآخر حضرت شاہ صاحب کا بھتیجا اور مولانا عبد الغنی صاحب کا لڑکا اسماعیل دہلوی مل گیا، انگریز نے اس کے ساتھ یہ چال چلی کہ انھیں پنجاب اور سرحد پر قبضہ کرنے کا لالچ دیکر انگریز نے اسلام کے نام پر بدعات و گمراہیاں پھیلانے کے لیئے آدمی اور روپیہ پھیلا دیا اور ان علماء اہلسنت کو جو اپنی طاقت سے انگریزی سامراج کو مٹانا چاہتے تھے چنانچہ مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرما چکے تھے جس کی سزا میں کالے پانی کی سزا جھیل رہے تھے اور بہت سے حق پرست علما کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا علماء اہلسنت کا شیرازہ منتشر تھا آپسی اتحاد ختم ہو چکا تھا ملت اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے ایسے ماحول میں برطانیہ کی گورنمنٹ مولوی اسماعیل دہلوی پر مہربان تھی چنانچہ سرحد کے سنی عوام جو انگریز کے خلاف جہاد کا جذبہ رکھتے تھے اس کو ختم کرنے کے لیئے پنجاب پر حملہ کے نام سے ایک فوج تیار کی گئی جس کا کمانڈر مولوی اسماعیل دہلوی کو بنایا گیا مولوی اسماعیل خالص ابن عبد الوہاب نجدی کا متبع تھا، یہی نجدی جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، ھُنَاکَ الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان وہاں (یعنی نجد میں) زلزلہ اور فتنے ہیں اور وہیں سے اس کا ساتھی (یعنی عبد الوہاب نجدی) مع اپنی جماعت کے ظاہر ہوا جس کا یہ عقیدہ تھا کہ یہی لوگ مسلمان ہیں باقی سب کافر و مشرک و گمراہ و بد مذہب و بدعتی ہیں، اس نے اگلے گمراہ فرقوں سے کچھ عقائد اور اپنے باطل عقائد پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام کتاب التوحید رکھا اسی کتاب التوحید کا ترجمہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان کے نام کر کے انگریز حکومت کی مدد سے شائع کر دیا، اب اس خاندان سے الحاد و بے دینی پھیلنی شروع ہوئی جس پر مغلیہ حکومت اور ہندوستانی عوام کو اعتماد تھا، اس کتاب میں ان تمام چیزوں کو ناجائز و حرام و شرک و بدعت بتایا گیا جس پر دور صحابہ سے لیکر اس دور تک تمام اولیاء اقطاب و اغواث و علماء و ائمہ مجتہدین اصفیاء کاملین فقہاء محققین سلف سے لیکر خلف تک جتنے لوگ ہیں اتفاق تھا اس لئے اختلاف کی آگ پورے ہندوستان میں پھیل گئی چنانچہ کتاب ارواح ثلثہ ص ۸۱، ۸۰ شائع شدہ اشاعت العلوم متصل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یوپی جس پر مولوی اشرف علی تھانوی کا حاشیہ ہے اس میں تحریر ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان اول عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خورجوی کے کتب خانہ میں تھا اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبد الحی صاحب شاہ اسحٰق صاحب مولانا یعقوب صاحب مولوی فرید الدین صاحب مراد آبادی، مومن خاں صاحب علوی، استاد امام بخش صاحب صہبائی اور مولانا مملوک علی صاحب بھی تھے اور ان کے سامنے تقویت الایمان پیش کی گئی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا الفاظ تیز بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا اور ان سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد (یعنی سرحدی سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کا قتال) ہے اس کام سے معذور ہو گیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں، اس لیئے میں نے یہ لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لوگ لڑ بھڑ کر ٹھیک ہو جائیں گے یہ میرا خیال ہے، اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جائے اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے مگر فلاں فلاں ترمیم ہونی چاہیئے اس پر مولوی عبد الحی صاحب شاہ اسحٰق صاحب عبد اللہ خاں علوی، مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں، اس پر آپس میں گفتگو

ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اسی طرح شائع ہونی چاہئے چنانچہ اسی طرح شائع ہوگئی، ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ فساد کی بنیاد کس نے ڈالی؟ تقویت الایمان کے ذریعہ پورے ملک میں وہابیت کے فتنے میں شدت پیدا کی گئی تو مولانا مخصوص اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام معید الایمان رکھا اور فرمایا یہ کتاب یعنی تقویت الایمان تمام انبیاء کی توحید کے خلاف ہے، جب تقویت الایمان عام ہوئی تو اسماعیل دہلوی کے عم بزرگوار حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر بیماریوں سے مجبور نہ ہوتا تو تحفہ اثنا عشریہ کا سا رد لکھتا ناظرین کرام آپ نے امت مسلمہ میں باطل پرستوں اور گمراہوں کی فتنہ سازیاں ملاحظہ فرمایا دین اسلام کی حقیقت روز اول ہی سے دنیا میں موجود رہی ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی انسان کی پیدائش اسی لئے تھی کہ وہ اس دولت گراں مایہ کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھے مگر اسی عالم انسانیت میں ایسے بھی موسم آتے رہے جس کا مختصر ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا انھوں نے اس ہرے بھرے شاداب چمن کو تاراج کیا اور پھر پروردگار عالم نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پربہار بعثت کریمہ سے اسے ہرا بھرا کر دیا اس چمنستان اسلام کی اپنے پورے کمال کے ساتھ آراستگی رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ پر ختم کر دی گئی مگر باطل پرستوں کا موسم خزاں دنیا سے کب ختم ہونے والا تھا اگرچہ نبوت و رسالت کا ظہور ختم کر دیا گیا مگر باطل پرستوں کی دین اسلام پر غارتگری کب ختم ہونے والی تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک سے اب تک برابر ایسے موسم آتے رہے کہ باطل پرستوں اور گمراہوں و بے دینوں، ملحدوں کے ہاتھ دین کی جڑیں اور اس کے تنے اور شاخوں پر پڑتے رہے جن کی انگلیوں کے نشان آج دین اسلام کے شجر سرسبز و شاداب پر دکھائی دیتے ہیں۔ کیا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ غیب داں کیا ان حوادثات سے بے خبر رہ سکتی تھیں آپ نے قیامت تک ہونے والے فتنوں سے امت کو آگاہ کر دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ انّ اللہ عزوجل یبعث

بھٰذہ الامۃ علی راس کلّ مائۃ سنۃٍ من یجدد لھا امر دینھا

(ابوداؤد، از مشکوٰۃ) اللہ عزوجل اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایک ایسی ذات کو مبعوث فرماتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گی فتنہ اٹھانے والے اپنی پوری قوت کے ساتھ فتنے برپا کیئے دین اسلام کو تباہ کرنے کی ناپاک کوشش کرتے رہے ہیں مگر پروردگار عالم کی رحمت کاملہ اپنے حبیب کی امت کو یوں ہی ان کے حال پر نہیں چھوڑیگی بلکہ ہر صدی میں ایسی ذات پیدا ہوتی رہے گی جو دین کی اصل حالت میں نکھار پیدا کرکے اور الحاد و بے دینی، گمراہی و بدمذہبی و بدعقیدگی، و بدعات کو مٹا کر دنیا کے سامنے پیش کریگی یہی وہ امر ہے جسے احیاء دین کہا جاتا ہے جیسا کہ یہ تجدید احیاء دین کے کام کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے لیکر امام مالک و حضرت ابوحنیفہ امام شافعی حضرت مجدد الف ثانی حضرت اورنگ زیب عالمگیر اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہم اللہ وغیرہ نے ہر صدی میں یہ کام کیا، اب ذرا پچھلی صدیوں میں دین اسلام کے اندر جو فتنے برپا ہوئے تھے اس پر ایک نظر ڈال لیا جائے (عقائد باطلہ) (۱) حَکَم (یعنی ثالث بنانا شرک ہے (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک نبوت ہیں (۳) قرآن کریم پورا پورا محفوظ نہیں ہے (۴) روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں جانا (یعنی تناسخ ممکن ہے) (۵) قرآن عظیم مخلوق ہے (۶) عرش قدیم ہے (۷) بندہ اپنے افعال نیک و بد کا خالق ہے (۸) حساب و کتاب، میزان وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے (۹) زکوٰۃ دینا فرض نہیں (۱۰) اہل جنت کے لیئے سونا مرنا دونوں ہوں گے (۱۱) بندہ مجبور محض ہے (۱۲) ایمان کے بعد کوئی چیز فرض نہیں (۱۳) شیطان کا کوئی وجود نہیں ہے (۱۴) عذاب قبر، منکر نکیر کا سوال، حوض کوثر، ملک الموت کی کوئی حقیقت نہیں (۱۵) صفات الٰہی مخلوق ہیں (۱۶) صفات الٰہی حادث ہیں (۱۷) حق تعالیٰ مکان میں ہے (۱۸) پلصراط کوئی چیز نہیں (۱۹) جنت و دوزخ قیامت کے دن ہی پیدا کیئے جائیں گے (۲۰) جنت و دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے (۲۱) جو صرف لا الہ الا اللہ کہہ لے اور جو چاہے کرتا رہے اس پر عذاب نہ ہوگا (۲۲) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام محض نظام خلق کو برقرار رکھنے کے لئے عذاب و سزا کا ذکر فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ عذاب کرنے سے بے نیاز ہے کہ کسی کو عذاب ہوگا (۲۳) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے مقبول اور گناہ کرنے سے گناہ نہیں ہوتا (۲۴) ایمان عمل ہے وغیرہ وغیرہ آپ ان مذکورہ بالا دین کے اندر جو فتنے پیدا ہوئے تھے اس پر نظر ڈالیئے تو خود ہی فیصلہ فرمائیں گے کہ دین اسلام کے شاداب شجر کو جڑ سمیت اکھاڑنے کی کوشش کی گئی ہے ان سب فتنوں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ اسلام باقی رہے گا، مگر ایسے ماحول میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، کہ جنھوں نے مال و دولت، عزت و آبرو جان و مال کو قربان کرکے اور ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرکے اپنی زبان و قلم سے اس کی حفاظت فرمائی، بلکہ اس کی حفاظت کو سرمایۂ ایمان جانتے تھے چنانچہ ہر دور میں ان فتنوں کو مٹانے کے لیئے محافظان دین نبی پیدا ہوتے رہے کہ جنھوں نے ایمان و کفر، حق و باطل، صراط مستقیم و کج روی و گمراہی، حلال و حرام، جائز و ناجائز کے درمیان خط امتیاز کھینچی آخر کار حق حق ہی رہا اور باطل باطل ہو کر منہ کالا کیا، موجودہ صدی کے شروع میں جو فتنے پیدا ہوئے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں عقائد باطلہ (۱) اللہ تعالیٰ جہت، زمان و مکان سے پاک نہیں (۲) اللہ تعالیٰ کذب (جھوٹ) اور دوسرے نقائص پر قادر ہے (۳) نبی کی حیثیت گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی ہے (۴) وہ ذرۂ ناچیز سے کمتر ہیں (۵) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کو گھٹانا اور بھائی بتانا (۶) خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن بتانا (۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آجانے کو بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر بتانا (۸) اللہ تعالیٰ کے علم کو مشیت پر موقوف رکھنا (۹) اپنے شیخ و مرید کو خدائے قدوس کا جلیس بتانا (۱۰) اپنے پیر کے لئے وحی حقیقی ماننا (۱۱) اپنے پیر کا حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا بتانا (۱۲) شرک اور غیر شرک کفر و ایمان، حرام و حلال، مختلف الاحکام مسائل کا بزور زبان ایک ہی حکم بتانا (۱۳) شیطان کے علم کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے بڑھانا (۱۵) رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی وحی والہام کو غلط بتانا (۱۶) نبی کو شریر، مکار، بدعقل، فحش گو بتانا (۱۷) اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کیلئے انبیاء کرام کو جھوٹا بتانا (۱۸) انبیاء کرام کی بارگاہ میں ناپاک گالیاں وگستاخیاں کرنا (۱۹) صرف لاالہ الا اللہ پر مدار نجات رکھنا (۲۰) جنت و دوزخ حشر و نشر کو بے حقیقت قرار دینا (۲۱) اپنی رائے سے غلط تفسیر کرنا (۲۲) تقلید ائمہ اربعہ کا انکار کرنا (۲۳) ائمہ دین سے آزاد رہ کر اپنی روش بتانے کے لئے ائمہ دین کی قدروں کو گھٹانا (۲۴) ائمہ فقہ سے مسلمانوں کو آزاد کر کے اپنے فقہ کو ان پر مسلط کرنا (۲۵) خالص دین اسلام کی تعلیم میں نئی تعلیم کالج اور اسکولوں کی شکل میں عام کرنا جس سے نیچریت، دہریت، صلح کلیت دین سے بے زاری کا جذبہ پھیلے وغیرہ وغیرہ، پھر اس پر کمال یہ کہ اپنے عقائد باطلہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث کا ہی سہارا لیا گیا اور اپنے تقدس کا جال بھی بچھایا گیا، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے بعد کا دور سب سے بڑا انقلابی اور آزمائشی دور تھا جب کہ سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہوگیا تھا اور ہندوستان کی سیاست بہت پیچیدہ اور الجھی ہوئی تھی مسلمان انگریزوں کے ظلم وستم سے مجبور ہو چکے تھے اور دین کے نام پر مذکورہ بالا فتنے اٹھ چکے تھے دین اسلام کے وقار کو خطرہ پیدا ہو چکا تھا، اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان پھیلائی گئی تھی، عین ایسی نازک حالت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا ہوا کہ ہر صدی میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا اور بدعات کو مٹاتا گمراہی کو دور کرتا اور قوم کو بھولی بسری باتوں کی یاد دلاتا ہے جس کی پہلی کڑی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اور درمیان میں مشہور شخصیتیں جو اس کام کی انجام دہی کے لئے پیدا ہوئے حضرت امام مالک امام شافعی، رازی، غزالی، ابوبکر باقلانی، مجدد الف ثانی شاہ اورنگ زیب عالمگیر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رضی اللہ عنہم اور اس کی آخری اس صدی میں امام احمد رضا ہیں، آپ ایسے وقت پیدا ہوئے یہ فتنے جو ہم نے ذکر کیا ہے اٹھ چکے تھے انگریز حکومت کے ذریعہ ان فتنوں کو ہندوستان کے ہر گاؤں ہر شہر ہر گھر میں پھیلایا گیا تھا آخر کار ایک مرد مومن کامل وارث علم رسالت تاجدار اہلسنت امام احمد رضا خدا اور رسول کا سہارا لیکر ان باطل پرستوں اور انگریز حکومت سے مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ جنھوں نے اپنی زبان اور نوک قلم کو حرکت دے کر اس طوفان کا مقابلہ کیا انگریز اور ہیچے غلام یعنی مولوی اسماعیل دہلوی ان کے متبع علماء دیوبند چلا اٹھے جو مجدد کی ذمہ داری ہوتی ہے یعنی جو لوگ کتاب وسنت پر عمل ترک کر چکے ہوں اور سنتیں مٹتی جا رہی ہوں تو سنتوں کو زندہ کرنا اور کتاب وسنت پر عمل کرنے کے لئے حکم دینا اور کوشش کرنا اور باطل پرستوں سے جہاد کرنا وغیرہ امام احمد رضا نے اس کو اپنے پورے کمال ذہنیت کے ساتھ کر دکھایا، مجدد کی تعریف یہ ہے کہ جو علم وفضل وکمال کے معراج شہرت پر نمایاں طریقے سے علماء وقت کا مرکز علم بنے یہاں تک کہ علماء حرمین طیبین کا اور تفقہ فی الدین کے کمال پر جہاں علماء بصیرت بھی نہ پہنچ سکیں اور جو احادیث صحاح ستہ کے ساتھ ساتھ اور دیگر معتمد ومستند کتب احادیث کو مع سلسلۂ رواۃ کے زبانی یاد کرے اور صرف ونحو اور معانی وبیان منطق وفلسفہ کلام وتفسیر وغیرہ علوم کا امام ہو اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ وطہارت میں کامل ہو، ایک مجدد کو صحت مند عقائد، تقویٰ آمیز عمل کے ساتھ بصیرت اسلامیہ وتفقہ فی الدین عطا کیا جاتا ہے جو تجدید احیاء دین کی جان ہے اور یہ وہ نور ہے جس کی روشنی میں وہ اسلامی دائرہ میں رہ کر محیر العقول کارنامے انجام دیتا ہے جس سے دوسرے صاحب کمال اذہان خالی ہوتے ہیں اور علوم قرآنیہ پر وہ پوری پوری نظر رکھتا ہو جس میں ایک طرف وہ منشا دین سے اچھی طرح واقف ہو تو دوسری طرف تفسیر بالرائے سے محفوظ رہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صحابہ کرام، ائمہ دین کے اقوال پر تفقہ کے ساتھ کامل نگاہ رکھے اصول احادیث اور علم الرجال سمیت احادیث پر پوری پوری دستگاہ رکھتا ہو اور احادیث کا مفہوم ناسخ ومنسوخ کو اچھی طرح جانتا ہو ان علوم میں کمال کے لئے عربی صرف ونحو وعلم لغت ومعانی ومحاورات عرب میں مہارت تام حاصل ہو یہ سب باتیں امام احمد رضا میں بدرجۂ اتم موجود تھیں آپ کی ذات گرامی ایسی نہیں ہے کہ آپ کے علوم کا احاطہ ہم جیسے لوگ کر سکیں پھر بھی کچھ علوم کی فہرست جس میں آپ ماہر اور امام تھے ملاحظہ فرمائیں! قرآن کریم تفسیر، قرآۃ، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، فقہ، اصول فقہ، معقول، منطق، کلام، ادب، معانی، بیان، بدائع، بلاغت، صرف، نحو، عروض، قوافی، تصوف، سلوک، تواریخ فن تاریخ، سیر، مناقب، علم ہندسہ، حساب، جبر ومقابلہ ریاضی، ہیئات، طبیعات، نجوم، علم جفر، تکسیر، توقیت وغیرہ، بعض وہ علوم ہیں جن پر یورپ کو امتیاز اور فخر تھا اور یورپ ہی ان علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور جو صرف انگریزی ہی میں تھے، ان پر عبور ایک کرامت تھی، امام احمد رضا نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کی تبحر علمی اور جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے آپ کی تصنیفات کم وبیش بارہ سو ہیں اور بعض بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں فقہ واحکام شرع وعلوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے بلند پایہ مجدد ہونے کی شہادت، آپ کا مجموعہ فتاویٰ ہے جس کا تاریخی نام العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ہے جو بڑی تقطیع کی بارہ [۱۲] جلدوں میں ہے اور ہر جلد میں ایک ہزار سے زائد صفحات ہیں اس فتاوی مبارکہ میں مسائل فقہ اور جزئیات وحوالیجات مدلل اور مکمل ہیں مگر بے شمار نازک ترضمنی مسائل اور ان تحقیق میں علوم وفنون کا ایسا نادر ذخیرہ ہے جو فقہاء متقدمین ومتاخرین کے مبسوط مصنفات میں بڑی سرگردانی اور کاوش کے بعد مل سکیں، آپ نے متعدد کتابیں عربی زبان میں تحریر فرمائیں ہیں جو تحقیقات کے خزائن ہیں جن کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو ہر علم وفن میں کمال عطا فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن کریم کا نہایت سلیس جامع ترجمہ بھی فرمایا ہے جو اپنی شان میں تمام ترجموں سے ممتاز ہے اور بامحاورہ ہونے کے باوجود صحت کے اعتبار سے بے مثل اور اہل علم میں بہت مقبول ہے، آپ کی تبحر علمی اور شان تجدیدیت کا اعتراف علماء عرب، مصر، شام عراق، اردن بیروت افغان وہندوستان وغیرہ کے ان جلیل القدر حنفی، مالکی، شافعی علماء کرام ومفتیان عظام کو ہے جن کی بارگاہ میں صاحبان کمال صاحب علم کی پیشانیاں جھکی رہتی تھیں ملاحظہ ہو حسام الحرمین، الدولۃ المکیہ وغیرہ۔

تیرہویں صدی ختم ہوئی یکم محرم الحرام کا آفتاب نمودار ہوا تو مجدد دین و ملت امام بریلوی نے فرمایا اب صدی بدلی، گویا اب تک جو اہل باطل و گمراہوں بدمذہبوں کا رد و ابطال ایک مفتی شرع اور عالم دین کی حیثیت سے تھا لیکن اب چودہویں صدی میں جو کام ہوگا وہ ایک مجدد ہونے کی حیثیت سے ہوگا اور تمام علوم قدیمہ و جدیدہ میں فرق کیا جائے گا، ہر ملحد و بے دین، و صلح کلی و بدمذہب و بدعقیدہ کو جہاد فرما کر تلوار قلم سے اس کے کیفر کردار تک پہونچایا جائیگا اور ناموس رسالت کی حفاظت کی جائے گی ہر دل مسلم کے اندر عشق خدا و رسول محبت اولیاء کی دولت بھر دی جائے گی، اگرچہ میرے مقابلے میں انگریز حکومت اور اس کے وفادار غلام دین اسلام کے ٹھیکیدار بن کر علماء دیوبند کی شکل میں آئیں گے ان آمرانہ و جابرانہ طاقتوں کے خوف سے بے نیاز ہوکر بلا خوف لومۃ لائم حق کا پرستار ہوکر بڑی بے باکی جرأت و ہمت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ تجدید احیاء دین کا کام کیا جائے گا، چنانچہ آپ نے تجدید احیاء دین کا کام شروع کیا جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء اٹھے اکبر کے دین الٰہی کے فتنے کو دبا کر رکھ دیا اور لوگوں کو دین مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی طرف متوجہ کیا اور دنیا آج تک اکبر کے اس فتنے کو تحقیر اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کارنامے کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھتی ہے، انصاف پسند غور فرمائیں کہ اکبر کے دین الٰہی کے فتنے کی بیخ کنی کو دین کو مسخ کرنا کہیں گے یا تجدید احیاء دین؟ یقیناً ہر منصف مزاج دل پکارے گا کہ اسی کو تجدید احیاء دین کہتے ہیں، چنانچہ مجدد دین و ملت امام احمد رضا نے اس صدی میں جو علماء سوء برطانیہ گورنمنٹ کے ذریعہ فساد برپا کرنے کے لئے پھیلائے تھے مثلاً مولوی اسمٰعیل دہلوی اور علماء دیوبند نے جو باطل عقائد پھیلائے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ان کے خلاف جہاد فرمایا اور ان فتنوں کو دبا کر صحیح اسلامی روپ پیش کیا، کیا اس کو فساد کہا جائے گا؟ یا تجدید احیاء دین؟ امام احمد رضا نے اہل بدعت وضلالت، قادیانیت و نجدیت، سامراجیت و دہریت کا رد فرمایا اور جو کافر تھے انھیں کافر بتایا جس کی تمام عرب و عجم کے علماء نے تصدیق کی جب علماء دیوبند کی ان دین سوز عبارتوں پر سارا عرب و عجم پکار اٹھا بڑے بڑے مفتیان عظام اور علماء کرام لرز اٹھے تو پھر یہ کیسے ممکن کہ مجدد وقت خاموش رہتا، امام احمد رضا کو اسلام کے انتہائی درد نے بے چین کر دیا باطل کی نقاب کشائی فرمائی اسی کو تجدید و احیاء دین کہتے ہیں اور اسی وجہ سے آج عالم اسلام امام احمد رضا کو مجدد دین و ملت کہتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ
وصحبہ واہل بیتہ اجمعین
برحمتک یا ارحم الراحمین.

امام احمد رضا

حدیث نبوی کی روشنی میں

مولانا عزیز احمد اشرفی بستوی

مولانا عزیز احمد اشرفی ملت اسلامیہ کے اس جواں سال عالم کا نام ہے جسے ۱۳ اکتوبر ۷۵ء کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا تیس سالہ یہ نوجوان عالم ایک ذی استعداد مدرس، کامیاب خطیب و مقرر، باصلاحیت مفتی تھا نظم ونسق اور حرکت وعمل میں مولانا عزیز نے جو اہم رول ادا کیا ہم انھیں بھلا نہیں پا رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوان شاہ بھیونڈی کو ایک مخلص اور ہونہار عالم ملا لیکن جلدی داغ مفارقت بھی دے گیا۔ مولانا عزیز ضلع بستی کی تحصیل بانسی کے موضع چرکھوا کے رہنے والے تھے اور شمالی یوپی کی شاندار درسگاہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں کے قابل تلامذہ میں سے تھے۔

گزشتہ سال آل انڈیا سنی لیگ کے پرچم تلے مجدد اعظم کانفرنس (منعقدہ ۹ مارچ ۱۹۷۵ء) میں مولانا عزیز نے امام احمد رضا پر ٹھوس تقریر کی جسے حاضرین نے بے حد سراہا۔ آل انڈیا سنی لیگ کی تحریک و پروگرام سے متاثر ہو کر مولانا موصوف نے "امام احمد رضا نمبر" کے لئے ذیل کا مضمون قلمبند کیا تھا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ یہ مضمون نمبر میں ضرور شریک اشاعت ہو۔ ہم مولانا عزیز احمد اشرفی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ جدا ہونے سے پہلے اپنے امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت کا ایک انمٹ گلدستہ پیش کر کے خود کو احساس شناسوں کی صف میں شامل کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے ——— (ایڈیٹر)

لایزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرہم من خالفہم
والحق یعلو ولا یعلیٰ

ترجمہ:۔ ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت غالب رہے گی اس کی مخالفت کرنے والا اسکا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اور حق بلند بالا رہتا ہے اور وہ مغلوب نہیں ہوتا

یہ ارشاد نبوی محدثین کے معیار اصول پر درجہ صحت کو پہونچ چکا ہے اور حاملین شریعت فقہائے کرام نے متعدد مسائل میں اس حدیث پاک سے احتجاج کیا ہے اور دینی مسائل میں بطور دلیل بیان کیا ہے اور اگر تم تواریخ و سیر کے اسلامی اوراق کا بنظر غایت مطالعہ کروگے تو تمھیں دور ماضیہ کا ہر قرن اور ہر زمانہ کا ایک ایک واقعہ اور ہر ایک واقعہ کی نرالی ادا تم کو اسی شان میں نظر آئے گی جس کا حدیث شریف میں تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

اے مسلمانو۔ تم نے تواریخ و سیر کے ان اوراق کا مطالعہ کیا ہے اور ان گروہ کا حال پڑھا ہے جس کے ارتداد نے اسلام کو مضمحل کرنا چاہا تھا مگر سیف صدیقی نے سب کو فی النار کر دیا۔ تم نے دشمنان اسلام میں اس فرعونی حکومت کا حال پڑھا ہوگا جس کی تاجداری اور سلطنتی قیصر و کسریٰ کے لئے تھی لیکن فاروقی سطوت و جلالت عدالت نے ستیاناس کر دیا۔ تم نے عثمانی سیلاب فتح کا مطالعہ کیا ہوگا جس نے خشکی کے پہاڑوں اور سمندر کے موجوں کو اپنا ایک چھوٹا سا دوہ اور مختصر سا قطرہ بنا لیا تھا۔ تم اس ذوالفقار حیدری سے خوب واقف ہو جس نے خوارج کی بڑھتی ہوئی خارجیت کے تلغ کو قمع کر دیا اور ان کے وجود سے دنیا کو پاک و صاف کر دیا۔ تم امام عالی مقام کو مغلوب نہ کہو گے جن کے قطرات خون نے یزید کی جبر وتی اور طاغوتی حکومت کے تخت کو ایک سال کے اندر پلٹ دیا تم زید شہید کو مقہور و مظلوم نہ کہو گے جن کی چند آہوں نے عباسیوں کے عروج و ارتقاء کو جلد از جلد مٹی میں ملا دیا۔

غرض اسلام کے مقابلے میں کبھی یزیدی بادل آئے اور کبھی حجاجی غبار کبھی ہامونی طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرأت کی اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا تو کبھی رفض کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن سب کے سب اس مضبوط و مستحکم پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو گئیں اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا ہی دباؤ گے

بہر حال باغ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لہلہاتے ہوئے چمنستان کی ہر طرح سے مخالفت کی گئی اور ہر زمانہ میں اس گلشن کی بھرپور مخالفت و عداوت کی گئی اور ہر نئے

دن کوئی نہ کوئی فتنہ مقدس اسلام کے مقابل اپنا سر ابھارتا تھا مگر خداوند قدوس نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقدس اسلام کی محافظت اور نگرانی کے لئے ہر قرن ہر زمانہ اور ہر صدی میں اپنے پاک بندوں کو بھیجتا رہا جو مصطفےٰ پیارے کے اس لہلہاتے ہوئے گلشن کی آب یاری کرتے رہے اور مخالفین اسلام کی بڑھتی ہوئی طغیانیت اور سرکشی کی دھجیاں بکھیرتے رہے۔ اور پرچم اسلام و عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند کرنا اپنا شعار زندگی بنا رکھا۔ یہی لوگ ہیں کہ غلبہ حق کا علام اور نصرت حق کی کینز ہے اور کیوں نہ ہو۔ ع

جہاں پہونچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا

دور کیوں جا رہے ہو اسی ہندوستان کو دیکھو جس نے عرصہ سے ہر دن میں نیا فتنہ کھڑا کرنے پر حلف اٹھا لیا ہے۔ نیچری خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے جنت اور دوزخ کو ڈھکی کے الفاظ قرار دیتا ہے تو اسی ہند پاک میں کوئی انبیاء علیہم السلام کی تنقیص و توہین کو اپنا مذہب قرار دیتا ہے۔ کسی نے سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پیدا ہونے کا دعویٰ کیا تو کوئی دوسرا اپنے کو خود نبی ہونے کا دعویٰ کر لیا۔

غرض وہ کون سا دن ہے جس دن آفتاب کا طلوع ایک نئی گمراہی اور بیدینی پر نہ ہو۔ مگر اس حقیقت کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی مانا ہوا اور مسلم ہو چکا ہے کہ دین اسلام کو مٹانے یا دبانے کیلئے جب بھی کسی طاقت نے سر ابھارا تو فوراً خداوند قدوس نے اس کو ختم کرنے کے لئے اپنے خاص بندوں میں کسی نہ کسی کو اپنی غیبی نصرتوں سے ضرور نوازا جس نے مخالفین اسلام کی شدید سرکوبی کی۔ ہماری زبانوں پر آج بھی ہر فرعونے را موسیٰ کا پر معنی جملہ بیسا ختہ جاری ہو جاتا ہے۔

مگر یہ بات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مقدس دین حق کو دنیا میں تشریف لائے دنیا میں تقریباً پونے چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزرا۔ اس مدت میں اس پاک دین نے ہزاروں بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لہلہاتے ہوئے چمن پر بہت تیز آندھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں۔ نہ جانے کتنے مصائب اور فتنوں سے اس دین پاک کو مقابلہ کرنا پڑا۔ بار ہا اس آفتاب پر تاریک بادل اور غبار آئے مگر یہ آفتاب حق اسی طرح آج بھی چمکتا و دمکتا ہے جس طرح بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روشن و منور کیا تھا اور کیوں نہ ہو جب کہ خود خلاق کائنات اس دین کا محافظ و ناصر ہے۔

مگر لے زنادار ان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء مقدس اسلام کے مخالفین میں اور ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں زبردست و خطرناک مصیبت۔ وہابیوں، نجدیوں کا فتنہ ہے جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دیدی تھی اور طرح طرح سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا ملاحظہ ہو مشکوۃ جلد دوم۔

حدیث نبوی کے مطابق ہمیں وہ دن دیکھنا پڑا۔ جب کہ نجدیوں نے اپنے مخصوص انداز میں وہابیت کی ابتداء کی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ وہابیت و نجدیت پوری قوم میں سیلاب کی طرح سے اُمنڈتی چلی آ رہی تھی جس کا مقصد اصلی صرف مسلمانوں کے دلوں سے الفت رسول و محبت مصطفےٰ کو نکالنا تھا۔ بالفاظ دیگر ایمان والوں کے ایمان کو چھیننا تھا۔ اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے آثار و نقوش کو مٹانا تھا غرض رسول دشمن وہابی عناصر اپنے اس کردار میں کامیاب ہوتے جا رہے تھے۔ یعنی محبان رسول کے دلوں سے الفت رسول نکال رہے تھے۔ مسلمانوں کے متاع ایمانی لوٹنے میں بھرپور حملہ کر رہے تھے۔ یعنی پرچم مصطفےٰ و عظمت رسول کو سرنگوں کرنے کے لئے انتھک کوشش کر رہے تھے۔ خاص کر ہند و پاک کی فضا تو وہابیت و نجدیت کے تیز و تند آندھیوں سے غبار آلود ہو چکی تھی۔ ہر طرف الحاد و بے دینی کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ بد عقیدگی کی کالی کالی گھٹاؤں نے ایمان و ہدایت کی روشنی کو ڈھانپ رکھا تھا ستم بالائے ستم یہ تھا کہ یا رسول اللہ کہنے والوں کی زبانیں تراشی جاتی تھیں اور ان پر فوراً کفر و شرک کا فتویٰ لگانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جاتا۔ رحمت پروردگار کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا یہ کردار دیکھا نہ گیا خلاق کائنات نے اپنی قدیم عادت کے مطابق اپنے فضل خاص سے سرزمین بریلی کو نوازا اور اس بڑھتی ہوئی طغیانیت جو بشکل وہابیت نجدیت رونما ہوئی تھی، اس کو تار تار کر کے احقاق حق و ابطال باطل کے لئے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کو منتخب فرما لیا۔ وہ فاضل بریلوی جس نے ایمان و یقین کے مٹتے ہوئے نقوش کو اپنے تجدیدی کارناموں سے اجاگر کر دیا۔ جس نے حدیث نبوی کے مطابق کہ "میری امت کی ایک جماعت غالب رہے گی، الخ۔ امام احمد رضا نے اس جماعت کی قیادت کی باگ ڈور تھامی اور بارگاہ مصطفوی کے دریدہ دہنوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا جو سراپا نور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا وارث بن کر اپنے تحقیقی کارناموں سے بد مذہبیت کی کالی گھٹاؤں کو چاک کر دیا جس نے صدیق اکبر کا نائب بنکر گستاخان رسالت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس نے امام اعظم کا آئینہ بن کر اسلامی مسائل اور شرعی احکام کے چہروں سے گرد و غبار صاف کر کے ان کو اصلی شکل میں پیش کر دیا جس نے شہنشاہ بغداد کا مظہر بن کر الحاد کی گھٹا ٹوپ تاریکی کو چیر دیا۔ جس نے آفتاب رشد و ہدایت بن کر وہابیت کی تیز و تند آندھیوں کا مقابلہ کیا جو محمدی کچھار کا شیر بن کر نام نہاد مذہبی بھیڑیوں کا قلع قمع کر دیا جس نے امت مرحومہ کا دین تازہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مردہ سنتوں کو زندہ کر دیا۔ وہ فاضل بریلوی جن کو پوری دنیا امام اہلسنت کہتی ہے۔ مجدد مائۃ حاضرہ کہتی ہے۔ دور حاضرہ کا یہ عظیم المرتبت مجدد جہاں اپنی شان مجددیت میں درخشاں و تاباں وہیں علم و کمال کا ایک بحر ذخار بھی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دین کے اس عظیم الشان مجدد کو وہ بلند مرتبہ عطا فرمایا اور علم و فضل کے اس مقام پر سرفراز فرمایا جس کے سامنے بڑے بڑے فلاسفروں اور منطقیوں نے بصد احترام زانوئے ادب طے کیا جس نے اپنی خداداد علوم کی تابناک شعاعوں سے بڑے بڑے حکماء و عقلاء کو چکا چوند کر دیا۔ مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا نہ یہ کہ صرف مسلمانوں کے عظیم رہنما و رہبر تھے بلکہ تحریری میدان کے ایک عظیم شہ سوار بھی تھے جب سیف قلم لیکر میدان میں اترے تو جہاں حق و باطل میں خط امتیاز کھینچا وہیں بڑے بڑے شعراء و ادباء و حکماء و مفتیوں کو اپنا اپنا سر ٹیک دینا پڑا اور کیوں نہ ہو۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

(بقیہ صفحہ ۲۸۳ پر)

امام احمد رضا کی دینی خدمات

محترمہ خدیجہ نشاط اشرفی

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت سنیوں کی دنیا میں ماہ نیم ماہ و مہر نیم روز کی طرح درخشاں ہے۔ دنیائے اسلام و سنیت پر ان کا یہ احسان ہے کہ انھوں نے وہابی اور دیوبندیوں کے خلاف کھلی تحریک چلائی اور ان کی کفری عبارتوں کی وضاحت فرماکر ایمان والوں کو ان کی پیروی سے محفوظ رکھا۔ ورنہ بہت سے سیدھے سادے سنی مسلمان جن کو ان کی کتابوں کے مطالعہ کا کبھی اتفاق بھی نہیں ہوا ان کے ظاہری تقویٰ کے جال میں پھنس کر اپنا سرمایۂ ایمان کھو بیٹھتے۔

وہابی اور دیوبندی چونکہ اپنے آپکو سنی کہتے ہیں اور حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، قرآن و حدیث پر عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ نماز روزہ حج و زکوۃ سنیوں کی طرح ادا کرتے ہیں اس لئے ان کی پہچان سیدھے سادھے سنی مسلمانوں کے لئے محال تھی۔ ایسے عالم میں حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیوبندی مذہب کے خیالات فاسدہ و عقائد باطلہ کو بے نقاب کرکے ان کی اصلی شکل سے زمانے کو روشناس کرایا۔ ان کے دجل و مکر سے سنیوں کو آگاہ فرماکر ان کے فریب کا پردہ چاک کردیا نیز ان کی بے جا اطاعت سے سنیوں کو محفوظ رکھکر ان کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے جو عین ایمان ہے بلکہ ایمان کی جان بھی ہے، سنیوں کے دلوں کو معمور کردیا۔ انہوں نے دامن رسول کو ہی مسلمانوں کی پناہ گاہ بتاکر ہمیشہ کیلئے ان کو اس دامن سے وابستہ کردیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن دین و ایمان ہے' اس کو چھوڑ کر خواہ کچھ بھی ہو لیکن مسلمان نہیں ہو سکتے' یہ ایک ایسا نظریہ انھوں نے عطا فرمایا جس پر کل بھی سنیوں کا عمل تھا آج بھی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ بھی رہے گا۔

دیوبندی علماء جو بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کے عادی ہو چکے تھے جب ان کو اپنی تحریک کمزور نظر آنے لگی اور اپنے مشن کی ناکامی کا احساس ہوا تو انھوں نے غم و غصہ کے اظہار میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفر ساز مشین کہہ کر مخاطب کرنا شروع کیا لیکن بقول حضور محدث اعظم ہند علیہ رحمۃ و رضوان "وہ کوئی بھی کسی دوسرے کو کافر بنانے کی سکت ہی نہیں رکھتا' کفر بکنے والا خود اپنے آپکو کافر بناتا ہے' البتہ اس کے کفر بکنے اور کافر بننے سے امت اسلامیہ کو باخبر کردیا جاتا ہے تاکہ ان سے بچیں اور کفریات سے اپنے آپکو محفوظ رکھیں۔ دنیا جانتی ہے کہ مجرموں کو سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ جرم کا انسداد ہو' چور کو چور مجسٹریٹ نہیں بناتا' بلکہ اس کی چوری کے جرم نے اس کو چور بنایا' مجسٹریٹ نے تو چور کو اس لئے سزا دی کہ دوسرا اس جرم کا ارتکاب نہ کرے۔"

علمائے سابق نے ردّ وہابیت کے سلسلہ میں زیادہ تر تقریر سے کام لیا جس سے صرف اس دور کے لوگ فیضیاب ہو سکے' لیکن حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر کے ساتھ ساتھ تحریری ردّ کے بھی انبار لگادیئے جس سے کہ مستقبل میں آنے والی نسلیں بھی مستفید ہو سکیں۔ آپنے ایک طرف احقاق حق و ابطال باطل کی خاطر اپنے دور کے تمام فتنوں کی سرکوبی فرمائی تو دوسری طرف حق کو بلند رکھنے اور باطل کو کچلنے کیلئے سنیوں کو دلائل اور براہین کے مخزن سے مالامال کردیا۔ تاکہ جب کوئی بدین فرقہ سر ابھارے تو اسے وہیں کچل کر رکھدیا جائے' یہ اعلیٰحضرت کی تحریروں کا فیض ہے کہ آج بھی سنی عالم اپنے اسٹیج سے وہابیوں کی بے دینی کی دھجیاں اڑاتا ہے ان کے کفر وارتداد کو بے نقاب کرتا ہے۔ اور میدان مناظرہ میں ہمارے مناظر باطل پرستوں کو ایسی شکست دیتے ہیں کہ سوائے فرار کے اور کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

تاریخ میں ایسی مثال شاید ہی ملے کہ کسی مذہب کی پیروی کرنیوالا بانیٔ مذہب کی توہین کا مرتکب ہوا ہو' لیکن یہ وہابی اور دیوبندی اسلام کے نام پر ہی بانیٔ اسلام سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں' تبلیغ دین کا ڈھونگ رچاکر دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرتے ہیں۔ سرکار ہی کے بتائے ہوئے ارکان نماز' روزہ' حج و زکوۃ کو تو پابندی سے ادا کرتے ہیں لیکن ان کے علم غیب کے منکر ہیں — اسلام کی بلندی کو تسلیم کرتے ہیں اور بانیٔ اسلام شاہ کونین کی عظمت و رفعت سے انکار کرتے ہیں' ان کی تعظیم کو شرک و بدعت کہتے ہیں۔ کسی بھی مذہب کو تسلیم کرنے سے پہلے بانیٔ مذہب پر اعتقاد بیحد ضروری ہے اور اعتقاد اسی پر کیا جاتا ہے جس کی عظمت سے دل متاثر ہو' جس کی رفعت کو عقل تسلیم کرتی ہو' جس کی بلندی کے آگے دنیا کی ہر چیز ہیچ نظر آئے تب ہی اس کے فرمان پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ اس کی صحیح معنوں میں پیروی کی جا سکتی ہے اور اس کے بتاتے ہوئے راستہ پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر بانیٔ مذہب کی عظمت و رفعت کا دل منکر ہو تو ظاہر ہے وہ عقیدت پیدا ہی نہیں ہو سکتی جو ایمان کی جان ہے۔ اور عقیدت اگر کھوکھلی ہے تو ایسے مذہب سے کیا فیض

تمہیں بہکائیں، تمہیں فتنہ میں ڈالیں۔ تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو۔ اور دور بھاگو۔ دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی اور نیچری یہ سب نرے بھیڑیے ہیں۔ تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم، رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں۔ حضور سے صحابۂ کرام روشن ہوئے ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوتے اور ان سے ہم روشن ہوتے، اب ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ یہ نور ہم سے لے لو ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو۔ اور نور یہ ہے کہ "اللہ و رسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت"۔ جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہوجاؤ، جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی بہت سی نصیحتوں کو سنی مسلمانوں نے اپنا دین وایمان بنالیا ہے۔ اور ان حالات کو دیکھتے ہوئے دیوبندیوں اور وہابیوں کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ مسلمان جب تک "مجدد اعظم" کے دامن سے وابستہ رہیں گے ان کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اپنے دین وایمان سے برگشتہ نہیں کرسکتی، حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم وکمال کا تذکرہ صرف ہندستان ہی میں نہیں، عرب مصر و شام میں بھی رہا۔ حرمین شریفین کے علماء نے ان کے علم وفضل کا کمال تسلیم کیا اور ان کی بیعت سے مستفیض ہوئے، ان سے خلافت واجازت حاصل کی۔ اگر بارگاہِ رسالت کے چند گستاخ ان کو "مجدد التضلیل" کہہ کر ان کے علم وکمال کو نہ تسلیم کریں تو اس سے ان کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ ایک عارف وکامل ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت کے عظیم المرتبت امام و پیشوا تھے۔ جن کی زندگی کا ہر لمحہ کتاب وسنت کے اتباع میں گزرا تھا۔ اور جن کی قیادت کو آج بھی سنی مسلمان باعث فخر سمجھتے ہیں۔

حاصل کیا جاسکتا ہے اس کی اہمیت ہی کیا ہوتی ہے۔ خود سرور دو عالم کا فرمان ہے "کہ اس (ذات پاک) کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ (بخاری شریف) اسی حدیث کے پیش نظر حضرت فاضل بریلوی نے اپنی آخری مجلس میں لوگوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ "اے لوگوں، تم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ

(حدیث نبوی کی روشنی میں کا بقیہ)

امام اہلسنت مجدد اعظم امام احمد رضا نے تقریباً تمام فنون کے متعدد کتابیں تصنیف کی اور ایسی مضبوط ومستحکم تصنیفات آپ کی ہیں کہ دوسرے مصنف اور مؤلف کو اس کے سامنے دم مارنے کی ہمت نہیں پڑتی ہے مگر آہ اے مسلمانوں اس عظیم رہبر کی نہ جانے کتنی تصنیفات سے ابھی تک ہم محروم ہیں۔ حالانکہ ہمارے اس عبقری رہنما نے ہمارے لئے بیشمار تحائف رکھ چھوڑے ہیں مگر ہم ہیں کہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے صد ہزار مبارک باد آل انڈیا سنی لیگ اور صد ہزار مبارک باد ماہنامہ المیزان کو جس نے سنی لیگ کی مجلس رضا کے زیر اہتمام "امام احمد رضا نمبر" کی اشاعت کا اعلان فرمایا۔ وقت آگیا ہے کہ ہم بیدار ہوجائیں اور سونے والوں کو جگائیں، اور جاگنے والوں کو متحرک کریں نئی نسل کی ابھرتی ہوئی توانائی کا نام ہے سنی لیگ اور دھڑکتے دلوں کے ترجمان کا نام ہے المیزان۔ مولیٰ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو امام احمد رضا کے تجدیدی وتحقیقی کارناموں، سنی لیگ کے پروگراموں اور المیزان کے پیغاموں کو قبول کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ فقط

خادم بارگاہ اشرفیت
عزیز احمد اشرفی بستوی
25-10-75
دارالعلوم دیوان شاہ۔ بھیونڈی۔ تھانہ

امام احمد رضا اور شانِ تجدید

حضرت مولانا سید شمس الضحیٰ پرنسپل چشمۂ رحمت
اورینٹل کالج غازیپور

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

فضائے لبسیط میں الحاد و دہریت، کفر و شرک، بدعت و ضلالت، دین سے بے رغبتی و بے اعتنائی اور بارگاہ ربانی و شان رسالت میں موشگافیوں کے مہلک جراثیم پوری طرح سرایت کر چکے تھے۔ رہزنوں اور عیاروں نے ارشاد و ہدایت کا لبادہ اوڑھ کر افتراق و انتشار اور ضلالت و گمراہی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ امت مسلمہ کے مراکز ایمان و اسلام پر نقب زنی کا طاغوتی مشن فرشتہ صورت و بد باطن مذہبی پیشواؤں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

ولادت باسعادت

(۱) ولادت باسعادت:۔ ایسے مہیب و تاریک ماحول میں ضرورت تھی ایک ایسے آفتاب کی جس کی نورانی کرنوں سے باطل پرستوں کی نگاہیں خیرہ اور مسلمانوں کے قلوب جگمگا اٹھیں۔ اور ایک ایسے مصلح و مربی کی جو اپنے ارشاد و ہدایت سے بہکتی ہوئی اور گمراہی کی طرف بڑھتی ہوئی دنیا کا رخ پھیر کر صراط مستقیم کی طرف کرے۔

۱۰ ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ بوقت ظہر مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء موافق ۱۱ر جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو جسولی بریلی شریف میں اسلامی تاریخ کا وہ بطل جلیل پیدا ہوا جس پر روز اول ہی سے اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح القدس کی مہر لگادی گئی تھی۔ اور جس کو دنیا احمد رضا اور عقیدت و محبت کی زبان میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا جس کی بھینی و عطر بیز خوشبوؤں سے کائنات ارضی مہک اٹھی اور فرش گیتی پر حق و صداقت کا علم پھر اپنی سابقہ شان و شوکت کے ساتھ لہرانے لگا ہر زبان پکار اٹھی ؎

جگمگا اٹھی تیری دنیا کس کے نور سے
میرے گردوں پر مرا ماہ تمام آ ہی گیا

شانِ تجدید

(۲) شان تجدید: جب دنیا ضلالت و گمراہی اور شر و فساد کی آماجگاہ بن جاتی ہے تو ختمی مرتبت مصطفیٰ جان رحمت کے ارشاد گرامی ان اللہ عز وجل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (رواہ ابوداؤد۔ ومشکوٰۃ شریف ص ۳۶ کتاب العلم) کے مطابق ہر صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد ضرور پیدا ہوتا ہے۔ جو تجدید و احیاء دین کا بیڑا اٹھاتا ہے۔

چودھویں صدی ہجری کے لئے نگاہ قدرت نے زمانے کے عظیم ترین اور مشہور عرب و عجم علامۂ روزگار اسرار شریعت کے نکتہ رس اور اسلام کے صحیح مبلغ مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی کا انتخاب کیا جو منصب تجدید کے صحیح مستحق اور والذی ینبغی ان یکون المبعوث علی رأس المائۃ رجلاً مشہوراً معروفاً مشاراً الیہ وقد کان قبل کل مائۃ ایضاً من یقوم بامر الدین والمراد بالدین من نفعت علمہ عالم الامۃ وھو مشہور مشار الیہ ملخصاً (مرقاۃ الصعود سنن ابی داؤد) کے معیار پر پورا اترتے تھے کیا کمی تھی اس عظیم انسانی شخصیت میں۔ خلوص و للٰہیت، علم و فضل، ذکاوت و ذہانت بلند اخلاق اعلیٰ ظرفی غرضیکہ تمام اعلیٰ صفات ان کے اندر جمع تھیں۔ اور اسلامی افکار و نظریات کا ناشر و مبلغ عشق رسالت میں کامل، شریعت و طریقت کا سنگم۔ اسلاف کرام کا اعلیٰ نمونہ فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات پر محافظ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی سچی تصویر بحر علم و فن کا غواص زبان و قلم کا شہنشاہ صاحب تصانیف کثیرہ المختصر یہ کہ وہ اپنے زمانہ کی نادر الوجود اور عدیم المثال شخصیت تھی اور جو صفات ایک مجدد میں پائی جانی چاہئیں وہ آپ کی بابرکت اور عظیم شخصیت میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل

آپ نے تیرہ سال دس مہینہ کی مختصر سی عمر میں ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی سند فراغت حاصل کیا۔ پیر و مرشد آپ کے اساتذہ کی تعداد چھ تک پہونچی ہے۔ ۱۔ نام معلوم نہیں۔ ۲۔ مولانا مرزا قادر بیگ صاحب، ۳۔ مولانا ابوالحسن احمد نوری صاحب، ۴۔ والد ماجد مولانا نقی علی خان صاحب ۵۔ مولانا سید آل رسول صاحب ۶۔ مولانا عبد العلی صاحب سند فراغت حاصل کرنے کے ساتھ ہی آپ پر افتاء کی عظیم ذمہ داری بھی ڈالدی

گئی جسے آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی کام کو انجام دیتے رہے۔

تبحر علمی

تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال جرح وتعدیل، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، عقائد وکلام، ادب، معانی، بیان، بدیع، بلاغت نحو، صرف، عروض، قوافی، تصوف، سلوک، تاریخ وسیر، مناقب، لغات، ہندسہ حساب، جبر ومقابلہ، ریاضی، طبعیات، ہیئت، نجوم، اوفاق، تکسیر، توقیت، زیج وغیرہا پچاسوں علوم وفنون میں ہزار کتابیں لکھیں۔ علوم وفنون کا ایک سمندر تھا جو ان کے سینے میں ہمیشہ موجزن رہتا تھا۔ صلاحیت کا لوہا بڑے بڑے اہل علم اور مشہور زمانہ علماء وفضلاء نے مانا ہے، اپنوں کی تو بات ہی کیا غیروں کی مجلس میں بھی آپ کے علم وفضل کا طوطی بول رہا ہے۔ جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی کا یہ تاثر پڑھئے

غیروں کی نظر میں

مولانا غلام علی صاحب نائب مولانا مودودی مدظلہ العالی نے مولانا احمد رضا خان صاحب کی کتابیں لے کر مطالعہ فرمائیں تو فرمایا کہ حقیقت ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے بارے میں ہم لوگ سخت غلط فہمی میں رہے ہیں ان کی بعض تصانیف اور فتوٰی کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے۔ اور عشق خدا ورسول تو ان کے سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ (ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۵ر نومبر ۱۹۶۲ء)

اور ماہنامہ معارف کا یہ تبصرہ چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

مولانا شاہ احمد رضا صاحب اپنے وقت کے زبردست عالم، مصنف اور فقیہ تھے۔ انھوں نے چھوٹے بڑے سیکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے ان علمی کارناموں کے ساتھ ہزار ہا فتوؤں کے جوابات بھی انھوں نے دیئے ہیں ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحے کے ہیں فقہ اور حدیث پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ (ماہنامہ معارف اعظم گڈھ ۱۹۶۲ء)

یہ تاثرات چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں کہ یہ شخصیت اپنے دور کی منفرد اور بامثال تھی بالخصوص تفقہ میں تو آپ کی نکتہ رسی وباریک بینی اور کمال کا ہر موافق ومخالف معترف ہے فتاوی رضویہ جو بارہ جلدوں میں ہے اس کے چند حصے شائع ہو کر منظر عام پر آ گئے ہیں جس کی ایک ایک جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۷۹ء سے ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء تک کے مستفرہ سوالات کے نہایت علمی اور تحقیقی جوابات دیئے گئے ہیں انھیں دیکھ کر ہر شخص بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

معارف کا سمندر موجزن ہے جس کے سینے میں
وہ مقبول در خیر البشر احمد رضا تم ہو

خارجی وداخلی محاذ

وہ سیدی فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جس نے خارجی محاذ پر تثلیث کے فرزندوں کی عیارانہ چالوں کو واشگاف کیا۔ الحاد ودہریت کے ناخداؤں مغرب کی مادہ پرست تہذیب اور نیوٹن وڈارون کے فلسفائے باطلہ کے تار وپود بکھیر کر رکھ دیا اور طاغوتی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے چٹان بنکر کھڑے ہو گئے اور بہت حد تک مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچالیا۔

اور داخلی محاذ پر زیدی ذہنیت وتفضیلیت کے پھیلتے اور بڑھتے ہوئے جراثیم کو ختم کر کے قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کی قادیان سے پیمبری کے بلند بانگ دعوی کی قلعی کھولکر رکھدی اور نجدیت ووہابیت کے قلعوں پر وہ کاری ضربیں لگائیں جس سے ان کی دیواریں متزلزل ہو کر رہ گئیں۔

آپ کے سینے میں جو سب سے بڑا خزانہ تھا وہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی انمول دولت تھی۔ آپ کے انگ انگ سے عشق ومحبت کا چشمہ پھوٹا پڑتا تھا اور اس عشق جنوں خیز نے سینے میں وہ بلا کی آگ بھڑکائی تھی کہ گستاخان بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نشست وبرخاست تو کجا ان سے ادنی سی مسامحت بھی گوارہ نہیں فرماتے تھے بیشۂ اسلام کا یہ وہ جری اور بہادر شیر تھا جس کے فولادی پنجوں سے معاندین اسلام اور گستاخان رسول کی لاشیں تڑپتی ہوئی نظر آتی ہیں اور جس کے نوک زبان وقلم سے ہمیشہ دریدہ دہنوں اور گستاخوں کا لہو ٹپکتا تھا۔

کیا نوک قلم سے چاک ہر پیراہن باطل
حریفوں کے لئے برق وشرر احمد رضا تم ہو

وصال مبارک

آپنے زندگی کا سارا حصہ اسلام کی حمایت مسلک اہلسنت کی ترویج واشاعت اور علوم وفنون کی خدمت میں گذارا آخر وہ وقت موعود آہی پہونچا جس سے کسی انسان کو مفر اور مجال دم زدن نہیں۔ بروز جمعہ پچیس ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو موذن نے حی علی الفلاح کی آواز دی اور یہ دیوانۂ رسول اپنی فلاح سعادت پر نازاں وخنداں اپنے خالق وحبیب سے جاملا ویطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ واکواب ۱۳۴۰ھ

امام احمد رضا

مجدّدِ ملّت

مولوی محمد خواجہ اویس بنکاپوری

منتظم دارالعلوم دیوان شاہ ۔ بھیونڈی ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہو چکی اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی قومی زندگی کا بیمہ سمجھتی ہیں۔ دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے قومی محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا۔ اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش و حواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑھنے لگتے ہیں تو ان کو دنیا نے صرف یہ کہ اس قومیت سے خارج قرار دیا بلکہ انھیں ایک قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔ یادگار منانا چونکہ فطری جذبہ ہے لہٰذا اسلام جس کا دوسرا نام دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف و صریح ہے۔ یہ جو قرآن کریم میں ارشاد ہوا وذکرھم بایام اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلایا کرو۔ یوں تو سب دن اللہ کے ہیں مگر ایسے دن بھی تو ہیں جن دنوں کو خاصان خدا نے خصوصیات عطا فرما دیں اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ ایسے دن جن کی بدولت حاصل ہوں اس کا گو یوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے لیکر حشر تک کا ہر دن وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ والے آقا کے وسعت دامان میں پلتا ہی رہتا ہے۔ اور بڑھتا ہی رہتا ہے مگر ان سارے دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش و یوم وصال و یوم حشر ونشر ہے۔ ظاہر ہے ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھنے کے بعد وہ دن یاد آجاتا ہے جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا۔ پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جینتی اور مرتیو منانا کہتے ہیں۔ اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں، اور مناتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ تعین و تخصیص ان اللہ والوں کے لئے جو انبیاء علیہم السلام ہیں عبارۃ النص ہے۔ تو ان اللہ والوں کے لئے جو اولیاء عظام و علماء کرام ہیں اقتضاء النص ہے یعنی دونوں کے لئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔ بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملہ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے تین وقتوں کی تعیین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے۔ یوم میلاد جیسا کہ ہم میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان اعراس بزرگانِ دین کرتے ہیں۔ لیکن تیسرا دن یوم حشر ہے جبکہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں۔ اور انشاء اللہ منائیں گے تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! یہ تین دن ہیں ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی شفاعت کا دن ہے اس کے مستحق ہو جاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم ہو جاؤ گے۔ بہرحال ہم قرآن عظیم کا سہارا لیکر اس عظیم دن کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں جس مبارک دن اللہ کا ایک مقبول بندہ سچا نائب رسول جس کو ہم اور آپ مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے نام نامی سے یاد کرتے ہیں۔ کیا سہانی ساعت ہوگی۔ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بوقت ظہر محلہ جسولی شہر بریلی میں اس اللہ کے محبوب بندے کی ولادت باسعادت ہوئی۔ تاریخی نام المختار رکھا گیا جد امجد حضرت مولانا مولوی رضا علی خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ بارہویں صدی ہجری سے جن ضلالتوں اور گمراہیوں کا آغاز ہوا ان میں فتنۂ نجدیت سب سے بڑی گمراہی تھی اور اسی ایک فتنۂ ضلالت کی بدولت نہ جانے اور کتنی گمراہیاں عالم وجود میں آئیں جو اسی فتنہ کا ضمیمہ ہے۔

سیدِ کائنات سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کے مطابق سرزمین نجد سے ذرّیت شیطان نے سر اٹھایا اور بالاعلان توہین رسالت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ پھر بعد میں واقعات و حالات نے بھی اس ذریت کی مدد کی اور حجاز کی سرزمین مقدس ان کے ناپاک قدموں سے آلودہ ہوگئی۔ اس ذریت ابلیس نے جس طرح وہاں کے رہنے والے مقدس باشندوں پر مظالم کئے آثار مقدسہ کی جس جس طرح بے حرمتی کی گئی وہ روز روشن کی طرح اب بھی عیاں ہے۔ پھر یہ فتنہ چند جاہ پرست اور خود غرض

افراد کی بدولت ہندوستان پہونچا اور اس جاہ پرست طبقے نے بھی شیخ نجدی کی تقلید میں توہین رسالت کو اپنا شیوہ بنالیا۔ علماء کے روپ میں نہ معلوم کتنے بہروپئے آتے رہے اور شرک وبدعت کے فتووں سے مسلمانوں کو مشرک بناتے رہے۔ یہانتک کہ ضلع سہارنپور (یوپی) کے ایک مقام کو اپنا مرکز بناکر اس کو توہین رسالت کا اڈہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے کہ انھوں نے سب سے پہلے معلم نجدیت کی سرکوبی فرمائی مگر آگ پورے طور پر نہ بجھ سکی۔ کچھ شعلے بھڑکتے رہے یہانتک کہ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی شخصیت کاملہ منصب شہود پر آئی اور شاتمان رسالت کے گلوں پر خنجر پھیر دیا کہ وہ زبانیں جو توہین رسالت کے عادی بن گئی تھیں قطع ہوگئیں۔ اس مرد مجاہد کے نجیرا حملوں سے صحرائے وہابیت میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ حقیقت امر ہے کہ جب فضائے حقانیت پر باطل کی تیرہ وتاریک گھٹائیں چھانے لگتی ہیں تو دفعتاً آفتاب حقانیت اپنی پوری تابانی ودرخشانی کے ساتھ چمکتا ہے اور باطل کی تاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس وہابیت کی تبلیغ کے دیوبند کو مرکز بنایا گیا تھا۔ اور جہاں سے مسلمانوں کو مشرک وبدعتی بنانے کے لئے فتوے ڈھالے جارہے تھے اس مرکز باطل پر قہرالٰہی کی کڑکتی بجلیاں گریں اور بزعم خویش توحید کے مدعی دشمن وقار رسالت جائے فرار ڈھونڈنے لگے۔ ازل ہی کے روز سے سرزمین بریلی کو یہ شرف حاصل ہونے والا تھا کہ وہ نعت صاحب لولاک ولما کا مرکز بنے۔ اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد مأۃ حاضرہ کے وہ مقدس کارنامے کہ ہر باطل مذہب کی گردن کشی کی اور خصوصیت کے ساتھ وہابیت کی سرشکنی اس کا روشن مشاہدہ ہے اور مشاہدہ کسی دلیل اور ثبوت کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہاں ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہابیت کا جو طوفان صحرائے نجد سے اُٹھ کر فضائے ہند پر چھا گیا تھا۔ اس طوفان کو دفع کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت نے کیا کیا کوششیں فرمائی ہیں۔ مختصراً اتنا ہی کافی ہے کہ دنیائے توہب میں مجدد اعظم کا نام ہی ایسی شمشیر بے پناہ ہے کہ اشرار کی صفوں میں اب بھی سراسیمگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کا دنیائے سنیت پر احسان عظیم ہے کہ اس انتشار وابتری کے دور میں مجدد اعظم کی شخصیت ایک منارۂ نور ہے جس کی لازوال روشنی میں مسلمان بے خوف وخطر راہ حیات طے کر رہا ہے اور اسے کسی بد باطن اور دین وایمان کا خطرہ نہیں رہا۔ آج بھی اعلیٰ حضرت کے وصال کو پچپن ۵۵ سال گزر چکے ہیں۔ ان کے تصانیف مشعل ہدایت ہیں اور راہرو اسی روشنی سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ بہرحال اعلیٰ حضرت کی جامع شخصیت نے جہاں اعدائے دین ورسالت کی سرکوبی فرمائی وہاں اپنی تصانیف کے ذریعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ایک شمشیر بے پناہ بھی دی کہ وہ ہر عدوئے دین کی گردن کشی کرے۔ خداوند کریم نے آپ کو لاتنے کثیر علوم سے نوازا کہ پچاس فنون میں آپنے کتب تصنیف فرمائیں اور بہت سے مردہ فنون مثلاً تکسیر، ہیئت اور نجوم کو دوبارہ زندگی بخشی اور آپ ایک بہت بڑے بلند پایہ نعت گو شاعر بھی تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ حمد لکھنا آسان ہے اور نعت لکھنا بہت مشکل ہے کیونکہ نعت میں یہ احتمال رہتا ہے کہ تعریف اتنی نہ ہوجائے کہ خدا سے مل جائے اور کہیں اتنی کم نہ ہوجائے کہ مرتبۂ رسالت سے گر جائے۔ آپ کو فقہ میں اجتہاد وامامت کا مقام حاصل تھا۔ اس پر فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں شاہد عدل ہیں اور آپ سلسلۂ عالیہ رضویہ کے ایک بلند پایہ بزرگ تھے اور علمی اعتبار سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نائب سمجھے جاتے تھے۔ آپ کا ظاہر وباطن ایک تھا آپ کو رسول کریم سے بے پناہ عشق تھا کہ جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور سرور کائنات کی بارگاہ میں حاضری دی، وہ ہاں کہدیتا تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے تھے۔ یہ تھا عشق رسول آپ کی جانب سے، بیوگان کی اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی کے لئے ماہانہ رقوم مقرر تھیں۔ آپ ۲۴ گھنٹے میں صرف دو گھنٹے آرام فرماتے اور بقیہ اوقات تمام تبلیغ دینیہ کے لئے وقف کر رکھے تھے پانچوں نمازوں میں مسجد میں حاضر ہوکر نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ آپ کے خلفاء ومریدین ومتوسلین ہندوپاک کے علاوہ عرب وعجم میں بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ آپکے چند مشہور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۱) شہزادہ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولینا مولوی حامد رضا خانصاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۲) شہزادہ اصغر سرکار مفتی اعظم ہند حضرت مولینا مصطفےٰ رضا خانصاحب دامت برکاتہم القدسیہ (۳) صدر الشریعہ خاتم الفقہا حضرت مولانا مولوی امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (۴) شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب (محدث اعظم لاہور) (۵) شیر بیشۂ اہلسنت امام المناظرین حضرت مولینا حشمت علی خانصاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ بہرحال مضمون تفصیل چاہتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات ایک ایسی جامع شخصیت تھی کہ قدرت صدہا سالوں کے بعد ایسے افراد کو پیدا فرماتی ہے کہ جن کی درخشانِ حیات کے تاباں درخشاں لمحات افضائے عالم کو منور کر دیتی ہے۔

آل انڈیا سنی لیگ اور المیزان کو ہم زبردست

خراج تحسین پیش کرتے ہیں

جنھوں نے "امام احمد رضا نمبر" شائع کر کے ہم

سب کو "حساس قوم" ثابت کر دکھایا

مخزن فلسفہ ہیں معدن منطق بھی ہیں
گلشن رشد و ہدایت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

علوم جدیدہ

۱۔ امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں

۲۔ امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی

امام احمد رضا

جدید سائنس کی روشنی میں

ایم حسن امام ملک پوری
ایم۔ ایس سی۔ بی۔ ایل۔ بی۔ ایڈ۔ مظفر پور

محترم حسن امام صاحب ملک پور (بہار) کے رہنے والے۔ ایم۔ ایس۔ سی؛ بی۔ ایل۔ بی۔ ایڈ ہیں انتہائی سلیم الطبع اور ذہین و طباع ہیں۔ عابدہ ہائی اسکول مظفر پور میں سائنس کے ٹیچر ہیں۔
موصوف نے فتاوی رضویہ جلد اول ملاحظہ فرمایا تو پھڑک اٹھے اور زیر نظر گرانقدر مقالہ، سائنس کی روشنی میں، ترتیب دیکر امام احمد رضا نمبر کے لئے مرحمت فرمایا۔ (ایڈیٹر)

آج کل کی ترقی یافتہ دنیا نے اسلام کے سپوت کے کارناموں کو اس طرح بھلا دیا ہے جیسے اس قوم نے بنی نوع انسان کے لئے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ اوروں کو تو جانے دیجئے خود بہترے موجودہ مسلمان ہی اس حد تک احساس کمتری کے شکار ہیں کہ وہ دنیاوی علوم و فنون کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں۔ اُن کا ظن غالب ہے کہ یہ علوم ہمارے لئے نہیں اگر یہ ہمارے لئے ہوتے تو ہمارے آباؤ اجداد بھی اس میدان میں تاریخی کارنامے انجام دیئے ہوتے اور فخر سے کہتے کہ آج کی سائنسی ترقی بھی ہمارے سلف کے کارناموں کی مرہون منت ہے۔" ہم بس اس حد تک جانتے ہیں کہ ہمارے علماء صرف علم دین میں دقیق النظر ہیں، قرآن کریم اور حدیث نبوی کی انھیں باکمال واقفیت ہے۔ وہ ان کی روشنی میں بہت کچھ سوچ سکتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ غور و فکر کو عروج دے کر کبھی تو ہم اپنے اسلاف کو کافر اور بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں اور کبھی اپنے حکام کو۔ حالانکہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو صاف پتہ چلے گا کہ ہم اپنے جن اسلاف کو بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں ان کے مطالعہ میں کتنی عمیقگی ہے اور ہمارا مطالعہ کتنا سطحی ہے۔ خیر اس بحث کو یہیں چھوڑ دیئے (اللہ ہمارے ان بھائیوں کو راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے جو آج بھٹک رہے ہیں۔ آمین)

ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ احساس کمتری کی بنا پر ہم نے اپنے اسلاف کا جو معیار مقرر کیا ہے اس سے وہ کہیں بالا تھے۔ مثال کے لئے تو ان گنت شخصیتیں ہیں۔ فی الحال میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں عرض کرنا چاہوں گا کیونکہ امام احمد رضا کی مذہبی، علمی، ادبی، ریاضی، ارضیاتی، فلکیاتی اور مادی یا سائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس مذہبی معلومات کا فقدان ہے۔ مادیات اور ارضیات کا قدرے مطالعہ ہے اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں امام احمد رضا کے صرف ایک حصہ تصنیف "کتاب الطہارۃ" (اصل تصنیف جو فتاوی رضویہ کے نام سے مشہور ہے۔ جن کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ "کتاب الطہارۃ" اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے) سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین کے ہی بحر بیکراں نہیں، علم ارضیات، مادیات، فلکیات اور علم ریاضی و ہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں۔ اس سلسلہ میں ثبوت فراہم کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ پھر بھی قارئین کی دلچسپی کے لئے میں مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۲۱ اور اس سے کچھ آگے کے اوراق کا اقتباس پیش کر رہا ہوں۔

مسئلہ ۴۴:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنویں کا دور کتنے ہاتھ ہونا چاہئے کہ وہ دہ دردہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوسکے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الجواب:

اس میں چار قول ہیں ہر قول بجائے خود وجہ رکھتا ہے۔ اور تحقیق جدا ہے۔

قول اول اڑتالیس ہاتھ خلاصہ و عالمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوی کبری میں اسی کو احوط بتایا۔ سید طحطاوی نے اسکا اتباع کیا۔ ہندیہ میں ہے۔ کان الحوض مدورا یعتبر ثمانیۃ واربعون ذراعا کذا فی الخلاصۃ وھو الاحوط کذا فی محیط السرخسی

طحطاوی میں ہے الاحوط اعتبار ثمانیۃ واربعین۔

دوم: چھیالیس ہاتھ بعض کتب میں اسی کو مختار ومفتیٰ بہ بتایا بحر الرائق میں نقل فرمایا۔ المختار المفتیٰ بہ ستۃ واربعون کیلا یعسر رعایۃ الکسراھ اقول ثم یرید ان ثمہ کسرا اسقط اورفع تسیرا ثم رائیت فی الفتح ما عین الرافع حیث قال ان کان الحوض مدورا فقدر باربعۃ واربعین وثمانیۃ واربعین والمختار ستۃ واربعون وفی الحساب یکتفیٰ با قل منہا بکسر للنسبۃ لکن یفتیٰ بستۃ واربعین کیلا یتعسر رعایۃ الکسر قال والکل تحکمات غیر لازمۃ انما الصحیح ماقدمناہ من عدم التحکم بتقدیر معین اھ ای عملا باصل المذھب وقد علمت ان الفتویٰ علی اعتبار العشر۔

سوم: چوالیس ہاتھ اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں۔ جامع الرموز میں ہے۔ اما فی المدور فیشترط ان یکون دورہ ثمانیا واربعین ذراعا وقیل اربعا واربعین فالاول احوط کما فی الکبریٰ۔

چہارم: چھتیس ہاتھ ملتقط میں اسی کی تصحیح کی۔ امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فن حساب مبرہن ہے۔ جامع الرموز میں ہے۔ وقیل ستۃ وثلثین وھو الصحیح المبرھن عند الحساب کما فی الظھیریۃ وفی الاولین تحقق الحوض المربع داخل المدور وفی الثالث ما یساویہ۔ اسی پر مولوی خسرو نے متن غرر میں مع افادہ تصحیح اور مدقق علائی نے درمختار اور علامہ فقیہ ومحاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا۔ رد المحتار میں ہے قولہ وفی المدور بستۃ وثلثین ای بان یکون دورہ ستۃ وثلثین ذراعا وقطرہ احد عشر ذراعا وخمس ذراع ومساحتہ ان تضرب نصف القطر وھو خمسۃ ونصف وعشر فی نصف الدورۃ وھو ثمانیۃ عشر یکون مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع اھ سراج وماذکرہ ھو احد اقوال خمسۃ وفی الدرر عن الظھیریۃ ھو الصحیح

اقول تحقیق یہ ہے کہ اس کا دور تقریباً ساڑھے پنتیس ہاتھ چاہئے یعنی ۳۵٫۴۴۹ تو قطر تقریباً ۵ گز ساڑھے دس گرہ ہوگا بلکہ دس گرہ ایک انگل یعنی ۲۸۴ء ۱۱ ہاتھ بیان اس کا یہ کہ اصول ہندسہ مقالہ ۱۲ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر ومحیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجئے کہ حاصل سب کا واحد ہے اور ہم نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر اجزائے محیطیہ سے خلاصہ لہ الطلومہ ہے نصف قطر مرجبہ برمدیح الد یعنی محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہو قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانئے ۳۶ ثالثے ۴۵ رابعے ہے: وفی حساب الفاضل غیاث الدین جمشید الطاشی علی ما نقل العلامۃ البرجندے فی شرح تحریر المحسطی نوبعہ ای ستاد خمسین مکان لہ لابقارق محسوبے الابخوا رابعۃ وحاء الحساب احزمربع رفعا ای سبعا واربعین وبالجملۃ لا فرق الا فی بعض روابع وعلی ھذا الاخیر عولنا تو قطر اگر ایک ہے محیط ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ہے۔

فان ۳۶۰ ÷ ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ = ۱۱۴٫۵۹۱۵۵۹۱۵۷

تحویلہ الی الیستنی منہ صہ لہ الطلومر یہاں سے دو مساواتیں حاصل ہوئیں۔ قطر ومحیط ومساحت کو علی التوالی ق ط مر فرض کیجئے پس ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق = ط (۱) اس لئے کہ ۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ :: ق : ط (۲) ق ط / ۴ = مر ان کے بعد قطر ومساحت سے جو چیز گز، ہاتھ، فٹ، گرہ وغیرہا جس معیار سے مقدر کی جائے اسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہو جائے گی جس کی جدول ہم نے یہ رکھی ہے۔

مطلوب / معلوم	قطر	محیط	مساحت
قطر	•	۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۳۵ ق۲
محیط	ط / ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵	•	ط۲ / ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶
مساحت	مر / ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۳۵	۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶ مر	•

پھر آسانی کے لئے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حسابیہ سے وہ تصرفات کر دئے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے۔

یہاں R اور D علی الترتیب دائرہ کے نصف قطر RADIUS اور قطر DIAMETER کو ظاہر کرتے ہیں اور π ایک مستقل مقدار ہے جس کی قیمت $\frac{22}{7}$ یعنی 3.142857 ہے جو ۳ر۱۴۲۸۵۷ سے زیادہ اور ۳ر۱۴۲۸۵۸ سے کم۔ اب اس قیمت کو اگر قطر سے ضرب کیا جائے تو حاصل شدہ محیط کی قدر اور امام احمد رضا کے فارمولا محیط = ۳ر۱۴۱۵۹۲۶۵ ق سے حاصل شدہ قدر محیط میں برائے نام فرق ہوگا
اب سوال اٹھتا ہے کہ صحیح قدر کون سی ہوگی۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مروجہ فارمولے سے حاصل شدہ قدر بھی EXACT نہیں کہی جاسکتی کیوں کہ π کی EXACT قیمت سے قطر کو ضرب نہیں دیا جاسکا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ π کا ہمیں LIMITING VAHNE معلوم ہے EXAET VAHNE نہیں۔

EXAET NESS کی تلاش امام احمد رضا کو یقینی طور پر تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے مساحت دائرہ کے لئے جو چار فارمولے

(۱) مساحت دائرہ = محیط × $\frac{\text{قطر}}{۴}$
(۲) 〃 〃 = قطر × $\frac{\text{محیط}}{۴}$
(۳) 〃 〃 = نصف قطر × $\frac{\text{محیط}}{۲}$
(۴) 〃 〃 = $\frac{\text{قطر × محیط}}{۴}$، مرتب کیا ہے وہ ترکی زبان میں ایک اقلیدس کی کتاب کا عربی ترجمہ (جسے محمد عصمہ مصری نے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے) سے ماخوذ ہیں۔

امام احمد رضا اس بات سے کما حقہ واقف تھے کہ محیط اور قطر میں ایک خاص رشتۂ تناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہے قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانئے ۳۶ ثالثے ۴۵ رابعے ہے یعنی قطر اگر ایک ہے تو محیط $\frac{۳۶۰}{۱۱۴ر۵۹۱۵۵۹۱۵۷}$ یعنی ۳ر۱۴۱۵۹۲۶۵
بہر حال جدول ۱ میں اسی رشتۂ تناسب کو کام میں لاکر امام احمد رضا نے قطر محیط اور مساحت کے درمیانی رشتہ کو فارمولا کی شکل دیا ہے جو آج بھی عمدہ کاوش کا پتہ دے رہا ہے۔

مگر امام احمد رضا کی تلاش حق نے یہاں بھی دم نہ لینے دیا۔ اب آپ نے علم ریاضی کی اعلیٰ نصاب کی طرف توجہ فرمائی اور پھر آپ نے لوگارثم (جو عربی میں لوغارثم اور انگریزی میں LOGARITHM کہلاتا ہے) کی مدد سے دوسرا جدول تیار کیا جو دائرہ کے قطر، محیط و مساحت کے درمیانی رشتہ کو جاننے کے لئے اپنی مثال آپ اور آئندہ نسل کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

ہندوستان میں مروجہ موجودہ نصاب کے تحت LOGARITHM کی پڑھائی کا آغاز عام طور پر یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ کے درس سے شروع ہوتا ہے لہذا اس جدول کا انگریزی ترجمہ بے کار نہ ہوگا۔

معلوم \ مطلوب	لوقطر	لومحیط	لومساحت
لوقطر	-	لوق + ۰ر۴۹۷۱۴۹۹	۲ لوق + ۱̄ر۸۹۵۰۸۹۹
لومحیط	لوط + ۱̄ر۵۰۲۸۵۰۱	-	۲ لوط + ۲̄ر۹۰۰۷۹۰۱
لومساحت	$\frac{\text{لوم + ۰ر۱۰۴۹۱۰۱}}{۲}$	$\frac{\text{لوم + ۱ر۹۹۲۰۹۹}}{۲}$	ـ

یہاں مساحت معلوم ہے ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۲ر۰۰
∴ $\frac{۲ر۱۰۴۹۱۰۱}{۲}$ = ۱ر۰۵۲۴۵۵۰ کہ لوگارثم ۱۱ر۲۸۴ کا ہے یہ قدر قطر ہوئی نیز $\frac{۳ر۰۹۹۲۰۹۹}{۲}$ = ۱ر۵۴۹۶۰۴۹ کہ لوگارثم ۳۵ر۴۴۹ کا ہے یہ مقدار دور ہوئی
ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ

۱۱ر۲۸۴ × ۳۵ر۴۴۹ = ۴۰۰ر۰۰۶۵۱۶ ÷ ۴ = ۱۰۰ر۰۰۱۶

کہ سو ہاتھ سے صرف $\frac{۱۶}{۱۰۰۰۰}$ یعنی $\frac{۱}{۶۲۵}$ زائد ہے کہ ایک انگل عرض کا $\frac{۲۴}{۶۲۵}$ یعنی انگل کے پچیسویں حصے سے بھی کم ہے بخلاف سراج و شرنبلالیہ کہ ان کے خیال سے ۱۹ انگل اور واقع تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھتا ہے۔"

اب راقم الحروف کو کچھ کہنے دیجئے! اگر ہمارے اسلاف صرف لکیر کے فقیر ہوتے تحقیق و تجدید کو کفران نعمت سمجھتے تو مفتی ہونے کی حیثیت سے امام احمد رضا مذکورہ بالا سوال کے جواب میں چاروں اقوال کو کتب فقہ کے حوالہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے تھے کہ کنواں مذکور کا دور چھتیس ہاتھ ہی صحیح و درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مگر اللہ تبارک تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کا تقاضہ اسی جواب پر اکتفا کرکے آئندہ نسل کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑنا نہ تھا بلکہ تحقیق، تجدید و اجتہاد سے مسائل کو حل کرنا مقصود تھا۔

غور کا مقام ہے کہ چھتیس ہاتھ اور ۳۵ر۴۴۹ ہاتھ میں آدھے ہاتھ سے بھی زیادہ کا فرق ہے۔ کنواں مذکور کے صحیح دور کی دریافت یعنی ۳۵ر۴۴۹ ہاتھ کی دریافت کے لئے امام احمد رضا نے علم الحساب کی کس باریکی کا مصرف لیا ہے اس کا اندازہ ایک ماہر علم ریاضی دہندسہ ہی لگا سکتا ہے۔

کوئیں کا کراس سیکشن CROSS SECSION عام طور پر دائرہ نما ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں موجودہ رائج فارمولے اس طور پر ہیں۔

دائرہ کا محیط یا دور CIRCUM ERENCE OF A CIRDE = $2\pi R$ یا πD

دائرہ کی مساحت یا رقبہ AREA OF A CIRDE = πR^2 یا $\frac{\pi D^2}{4}$

KNOWN QUANTITY	UNKNOWN QUANTITY		
	LOG D	LOG C	LOG A
LOG D	-	LOG D + 0.4971499	2 LOG D + T.8950899
LOG C	LOG C + T.5028501	-	2 LOG C + 2.9007901
LOG A	(LOG A + 0.1049101) / 2	(LOG A + 1.0992099) / 2	

HERE D = WIAWELIR OF THE CIRCLE

C = CIRCUM FER ENCO OF THE CIRCLE

A = AREA OF THE CIRCLE

امام احمد رضا کے غور و فکر کو ملاحظہ فرمایئے کہ امام احمد رضا سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ علم ریاضی و ہندسہ کی ضروری چیز لازمی وکافی شرائط

(NECESSARY AND SUFICIEUT CONDITIONS)

کا پورا ہونا ہے۔ چنانچہ آپ حاصل شدہ قطر اور محیط کی مقدار کو ضرب دے کر ترکی اقلیدسی کتاب کے فارمولا (۴) پر جانچتے ہیں کہ حاصل شدہ مساحت ۱۰۰ آتی ہے یا نہیں۔

مساحت = قطر × محیط / ۴

= ۳۵٫۴۴۹ × ۱۱٫۲۸۴ / ۴

= ۴۰۰٫۰۰۶۵۱۶ / ۴ = ۱۰۰٫۰۰۱۶

یہ تعداد ۱۰۰ کے بہت ہی قریب تصور کی جاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ دریافت جو قطر اور محیط کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

اب بعض قارئین نے سوچا ہوگا کہ کیا ضروری ہے کہ کنواں دائرہ نما ہی ہو۔ یہ مثلث نما، مربع نما، مستطیل نما وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔

تو اس سلسلہ میں یہ کہہ دوں کہ امام احمد رضا نے بھلے ہی ان شکلوں کے کنوؤں کو نظر نواز نہ کیا ہو مگر اسی مسئلہ کے جواب میں آگے مختلف شکلوں کی مساحت ان کی دور ان کے ضلعے وغیرہ کی بابت بالتشریح اور مستحکم و مدلل وضاحت کی ہے۔

اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام احمد رضا کا مقام علم ریاضی و ہندسہ میں کتنا بلند ہے۔ اسی طرح مذکورہ کتاب کے باب تیمم میں آپ نے جنس ارضی اور

اس LOGARITHMIE TABLE سے AEEURAEY کہاں تک آتی ہے اس کا اندازہ بھی آپ دائرہ کے اسی معیاری مساحت سے کیجئے جو پانی کی اوپری سطح کے لئے اس واسطے ضروری ہے کہ اس کا پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو یعنی ۱۰۰ ہاتھ (آپ سوچتے ہوں کہ رقبہ کی اکائی میں مربع کا استعمال ضروری ہے تو اس کے لئے امام احمد رضا نے جدول کے آغاز کے پہلے ہی صفائی پیش کر دی ہے بہرحال جدول میں مطلوب و معلوم اپنی اپنی اکائیوں اور وسعتوں DIMENSIONS (UNi TS AND میں تصور کی جائیں۔ یہاں فارمولے کی جانچ صرف قدر (MAGNI TNDE) پر کرنی ہے۔

LOG C = (LOG A + 1.0992099) / 2

= (LOG 100 + 1.0992099) / 2

= (2.0 + 1.0992099) / 2

= 3.0992099 / 2

OR LOG C = 1.5496049

BUT 1.5496049 = LOG 35.449

LOG C = LOG 35.449

HENCE C = 35.449

یعنی دائرہ کا محیط یا دور ۳۵٫۴۴۹ آتا ہے اور اسی طرح قطر کی مقدار حاصل کرنے پر ۱۱٫۲۸۴ آتی ہے۔

آگ کا تذکرہ اور ایک سو اسی ۱۸۰ چیزوں کے نام جن پر تیمم کیا جا سکتا ہے اور پھر ایک سو تیس چیزوں کے نام جن پر تیمم جائز نہیں اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ مدلل تذکرہ کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں کہ آیا حضرت علوم دینی و دنیوی کے مخزن ہیں یا کہ منبع و سرچشمہ۔ اسی کو لیجئے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے تیمم جائز ہے جو جنس ارض ہو اور وہ چیز جنس سے مغلوب نہ ہوا اور ہمارے تمام آئمہ کے نزدیک غیر جنس ارضی سے تیمم جائز نہیں ہے چاہے غیر سے زمین معلوم ہو یا نہ ہو۔ اس لئے اعلیٰ حضرت نے جنس ارضی کی تحدید و تقدیر کا تفصیلی بیان شروع کیا ہے اور اس کو چار مقام پر تقسیم فرمایا ہے۔ مقام اول تحدید جنس ارض کے لئے مخصوص فرمایا ہے اس کے تحت پانچ الفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) احتراق (۲) ترمد (۳) لین (۴) ذوبان (۵) انطباع

پھر ان الفاظ خمسہ کے معنی اور ان کی باہمی نسبتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ اہل علم کی نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے کہ علم کیمیا میں بھی امام احمد رضا کو کیسا کمال اور ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس کی دلیل کو فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارۃ سے نقل کرنا تطویل کا باعث ہے اس لئے عبارتوں کے نقول کو ترک کرتا ہوں اور صاحب علم و فکر حضرات سے گذارش کروں گا کہ وہ مذکورہ کتاب کو صفحہ ۶۶۸ سے آخر تک مطالعہ فرمائیں بلکہ اچھا تو یہ ہوتا کہ اس بحث کو پورے طور پر مطالعہ کیا جاتا جس کا نام "حسن التعمم لبیان حد التیمم" ہے۔

اس ضمن میں علم کیمیا سے تعلق رکھنے والے حضرات سے میرا یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ SRNELTING ، ROASTING ، COMBUSTION نیز METALHIRGY وغیرہ کے سلسلہ میں احتراق اور اس سے متعلقہ مذکورہ بالا الفاظ کی تفصیل بے حد معاون ہے۔ صرف معاون ہی نہیں بلکہ اس سے نئی راہ بھی کھلے گی جو COMBUSTION کے متعلق مزید معلومات فراہم کرے گی۔ میرے خیال سے آگ اور آگ کا مادے پر اثر سے متعلق جتنی باتیں آپ یہاں اس باب میں یکجا پائیں گے اسے آپ اگر نایاب نہ کہیں تو نہ کہیں کمیاب ضرور کہیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے اور اس قسم کے نسخہ کیمیا کو اگر BASIS بنا کر ریسرچ کیا جائے تو موجودہ علم کیمیا فقط انھی کی یاد بن کر رہ جائے گی۔ ایک انوکھی چیز جو اس باب میں دیکھنے کو ملی ہے وہ یہ کہ کان کی ہر جگہ گندھک اور پارے کے نکاح کی اولاد ہے۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔ یہ چیز علم کیمیا کے محقق کے لئے دعوت فکر ہے یوں تو عناصر یا مادوں کے مابین جو کیمیاوی عمل ہوتا ہے اسمیں LAW OF MASS ACTION اور LAW OF AFFINITY کو کافی دخل ہے۔

اول الذکر کے تحت ایک عنصر دوسرے عنصر کے لئے چاؤ لگن اور کشش رکھتا ہے جس کے تحت دونوں قریب آتے ہیں پھر دونوں کے جوہروں (ATOMS) کے بیچ ELECTRON کا لین دین ہوتا ہے جب جا کر ایک مرکب (نئی شے) کی تشکیل ہوتی ہے عام طور پر ELECTRON دینے والا DONAR ATOM اور لینے والا ACCEPTOR کہلاتا ہے۔ نر مادہ میں بھی عرف عام میں نر کو DONAR اور مادہ کو ACCEPTOR کہا جا سکتا ہے۔ لہذا نر و مادہ اور نکاح یا اتصال کی بابت تو موجودہ نظریے اور اعلیٰ حضرت کے بیان میں کافی ہم آہنگی نظر آتی ہے مگر ایک شے غور و فکر کے لئے باقی رہ جاتی ہے کہ کان سے نکلنے والی اشیاء تو بے شمار ہیں جیسے لوہا، سونا، چاندی، تانبا، ابرک، جستہ، کوئلہ وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ سبھی چیزیں گندھک اور پارے کی اصل سے تعلق رکھتی ہیں۔؟

ممکن ہے آج کے ماہر علم کیمیا اسے واہیات سمجھیں مگر وہ یہ نہ بھولیں کہ آج کے FATHER OF MODERN SCIENCE یعنی EINSTIEN کی THEORY کو بھی ان کے ہم عصر واہیات تصور کرتے تھے۔

سطحی مطالعہ والے کیمیاگر فوراً ہی کہہ سکتے ہیں کہ پھر آج گندھک اور پارے باہمی ازدواجی اختلاط یا باہمی اتصال سے نت نئے معدنی عناصر یا مرکب کو ظہور پذیر کیوں نہیں کرتے تو اس کے لئے میرا اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ نر و مادہ کے باہمی اختلاط سے جو اسی جیسی جنس ظہور پذیر ہوتی ہے اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ نہ تو ہر جوڑے ہی ہم جنس کی پیداوار کے لائق ہوتے ہیں اور نہ ایک ہی جوڑا اپنی تمام عمر تک اس صلاحیت کو برقرار رکھتا ہے۔ اب کیمیاوی عمل کے سبب بنی نئی شے کے موجودہ نظریے کی طرف آیئے۔ کیا دو مادے یا عناصر ہر حال میں ایک ہی مرکب کی تشکیل کرتے ہیں؟ نہیں۔ بالکل نہیں قطعی نہیں۔ ہر کیمیاوی عمل کے لئے کچھ نہ کچھ لازمی شرائط NECESSARY CONDITION ہوا کرتے ہیں؟ کوئی کیمیاوی عمل تیزابی واسطہ ACIDIC MEDIUM میں ہوتا ہے تو کوئی کھاری واسطہ BASIC MEDIUM میں۔ کوئی آبی واسطہ تلاش کرتا ہے تو کوئی خشک واسطہ۔ کہیں CATALYST کی ضرورت پڑتی ہے تو کہیں PROMOTOR کی۔ کہیں ENZYMES کی ضرورت پڑتی ہے تو کہیں اونچے دباؤ یا اونچے درجہ حرارت کی۔ کہیں نمی اور ہوا درکار ہوتی ہے تو کہیں خشکی اور خلاء اگر ان شرائط کی تکمیل نہ ہو تو مادہ کیمیاوی عمل میں حصہ لے ہی نہیں سکتے۔ تو کیا بعید ہے کہ گندھک اور پارے ہی نے تمام معدنیات کو اس اس وقت ظہور پذیر کیا ہو جب جب اس کے لئے معقول ماحول SUITABLE ENVIRONMENT دستیاب رہا ہو۔ مثلاً دباؤ۔ درجہ حرارت اور جگہ جہاں عمل ہو۔

اب اگر کوئی علم کیمیا کا ماہر اظہار نفی کرتا ہے تو وہ ہی کیا میں دنیا کے عظیم ماہر کیمیا سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت زمین صرف سیال کا گولا تھی اور اس میں ENERGY کے ماسوا کچھ نہ تھا تو سب سے پہلا مادہ MATTER وجود میں آیا وہ کون سا تھا؟ آج تو آئنسٹین نے ایک مرحلہ بھی طے کر دیا ہے

کہ ENERGY یعنی توانائی اور MATTER یعنی مادے آپس میں متبدل ہیں اور اس کے لئے اس نے جو مساوات ہمارے سامنے پیش کیا ہے $E = MC^2$، جہاں E توانائی، M مقدار مادہ اور C روشنی کی رفتار کو واضح کرتا ہے اس سے تو ہم پر یہ عیاں ہوگیا ہے کہ آگ کے گولے زمین کی موجودہ شکل کیونکر حاصل ہوئی۔ مگر مجھے یہ کوئی بتا دے کہ پہلا مادہ جو ظہور پذیر ہوا وہ کونسا تھا؟ کیا وہ اب بھی موجود ہے اور کیا اس کی سابق خاصیت بدستور ہے؟ ہمارے قارئین یقین کریں کہ آج کی دنیا کا عظیم ترین سائنسداں بھی اس سوال کے جواب میں بغلیں جھانکتا نظر آئے گا۔

پھر کیمیا سے دلچسپی رکھنے والے ہمارے قارئین کے ذہن میں دوسری بات یہ پیدا ہوسکتی ہے کہ دو عناصر کے باہمی عمل سے عنصر کی تشکیل نہیں ہوسکتی۔ مرکب ہی بن سکتا ہے تو اس کے لئے یہی کافی ہوگا کہ آج جب یورینیم URANIUM اور اسی جیسے زیادہ ATOMIC NUMBER والے عناصر کے BOMBARDMENT سے جب عنصر سے عنصر ظہور پذیر ہوسکتا ہے تو دو عناصر اپنے ایک نئے عنصر کی ظہور پذیری بعید از قیاس نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی عنصر سے عنصر نکلا ہو اور دوسرے نے "وجہ عمل" کا کام کیا ہو۔

مزید برآں جب سارے عناصر کا جز و آخر ایک ہی ہے یعنی ہر عنصر میں صرف ELECTRON، PROTON اور NUTRON ہی ہیں اور انھیں جز و عنصر کی تعداد کا فرق عناصر کے طبعی اور کیمیاوی خاصیتوں کے فرق کا سبب بنتا ہے اور عناصر سے ELECTRON کی تعداد، توانائی کے ذریعہ گھٹائی یا بڑھائی جاسکتی ہے تو پھر عنصر سے دوسرے عنصر کی تشکیل پھر دوسرے سے تیسرے کی ..... بعید از فہم و فراست نہیں۔

اب میں اپنے قارئین کی توجہ امام احمد رضا کی فلکیاتی صلاحیت کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد چہارم صفحہ ۶۱۹ کی بابت عرض کرتا ہوں کہ ایک صاحب دین نے جب دریافت کیا کہ رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصہ کے باقی رہنے پر کھانا پینا چاہیئے کہ نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ ترک کر دینا چاہیئے تو اس کے جواب میں امام احمد رضا نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ نہ صرف آپ کی مذہبی معلومات کے گنج گرانمایہ کی عکاسی کرتا ہے بلکہ "تلاش حق" کے لئے آپ کی جو کاوشیں آپ کے جو عزائم تھے اس کے لئے بھی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

جواب میں اعلیٰ حضرت اپنے تجرباتی شاہدوں اور فلکیاتی مطالعوں کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ مذکورہ عام طریقہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہوجاتی ہے اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں یہاں تک کہ صرف دسواں حصہ رہتا ہے کہ اس وقت صبح ہوجاتی ہے۔

یہ تو فتویٰ کا اقتباس ہے۔ اب قارئین غور فرمائیں۔ سائل چونکہ شہر کہنہ بریلی کے رہنے والے تھے لہذا امام احمد رضا نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لئے رؤس اور بروج کا ایک ایسا نقشہ ہی مرتب کر دیا جو تابدان مضافات کے لئے رات اور صبح کی نسبت کی نشاندہی کرتا رہے گا اور اس کا جھنجھٹ ہی نہ رہے گا کہ انتہائے وقت سحری کیا ہوگی۔ یہاں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ افق حقیقی پر انطباق مرکز شمس جانب مغرب سے اسی پر انطباق مرکز جانب مشرق تک شب نجومی ہے اور افق حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارہ آخرین شمس جانب غروب سے اسی افق سے ارتفاع کنارہ اولین شمس جانب مشرق تک شب عرفی ہے۔ اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور سے تجاوز کنارہ آخرین شمس سے طلوع فجر صادق تک شب شرعی ہے۔

نقشہ مذکور درج ذیل ہے۔

تاریخ شمسی	راس برج	مقدار شب نجومی		مقدار شب عرفی		مقدار صبح		مقدار شب شرعی		شب عرفی کے منٹ	صبح کے منٹ	شب عرفی و صبح کی نسبت	تخمینی نسبت
		گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ				
۲۰ر مارچ	حمل	۱۲	۰	۱۱	۵۴	۱	۲۰	۱۰	۳۴	۷۱۴	۸۰	۴۰/۳۵۷	نواں حصہ
۲۲ر اپریل	ثور	۱۱	۱۰	۱۱	۵۴	۱	۲۴	۹	۴۰	۶۶۴	۸۴	۲۱/۱۶۶	آٹھواں حصہ
۲۲ر مئی	جوزا	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ر جون	سرطان	۱۰	۱۲	۱۰	۶	۱	۳۶	۸	۳۰	۶۰۶	۹۶	۱۶/۱۰۱	چھٹا حصہ قدرے کم
۲۲ر جولائی	اسد	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ر اگست	سنبلہ	۱۱	۱۰	۱۱	۵۲	۱	۲۳	۹	۳۹	۶۶۲	۸۳	۸۳/۶۶۲	آٹھواں حصہ
۲۳ ستمبر	میزان	۱۲	۰	۱۱	۵۲	۱	۱۹	۱۰	۳۳	۷۱۲	۷۹	۷۹/۷۱۲	نواں حصہ
۲۲ر اکتوبر	عقرب	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصے سے قدرے کم
۲۲ر نومبر	قوس	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	-	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۲ر دسمبر	جدی	۱۳	۴۸	۱۳	۴۰	۱	۲۵	۱۲	۱۵	۸۰۲	۸۵	۱۷/۱۶۴	دسواں حصہ
۲۲ر جنوری	دلو	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۳۲	۱۲	-	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۱ر فروری	حوت	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصہ قدرے کم

علم نجوم یا علم توقیت سے تعلق رکھنے والے قارئین ہی اب بتائیں کہ شہر مذکور کے لئے اتنا واضح چارٹ مرتب کرنے والے شخص کو ہم ماہر علم نجوم یا علم توقیت کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

دوسرے مسئلہ سحری و صبح صادق و صبح کاذب کے متعلق صبح کاذب اور صبح صادق کا جو واضح نقشہ آپ نے پیش کیا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے صرف کتابی باتوں پر اعتماد کیا نہ خالی دلائل ہندسیہ پر نہ تنہا تجربہ و ذاتی مشاہدہ پر بلکہ سب کو جمع کیا اور پھر خداداد ذہنی جدتوں سے کام لیا۔ ایک چونکا دینے والی جدت ملاحظہ کریں۔

اوّلاً صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر یعنی پھیلی ہوئی فرمایا ہے۔

ثانیاً بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے بعقبہ ظلمتہ فالافق یکذبہ یعنی کاذب کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے۔

ثالثاً بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے۔ جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے رہتا ہے تو اس وقت صبح صادق ہوتی ہے اور صبح کاذب ۱۸ درجے کے انحطاط پر۔

رابعاً سپیدی زمین کے کنارے یعنی افق سے نہیں اٹھتی بلکہ کچھ اونچائی سے اٹھتی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ افق میں بخارات کا اژدہام اور خطوط نظر کا صدہا میل بخار وغیرہ کثافت کو طے کر کے افق تک جانا دھوپ کو نیلا کر کے دکھاتا ہے اور سرخی معلوم ہوتی ہے۔

خامساً بعض کتب میں واقع ہے کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہے اب اسکی تفصیل اعلیٰ حضرت یہ بیان کرتے ہیں کہ صبح رات کا کون سا حصہ ہوگا یہ عرض بلد پر منحصر ہے۔

لیکن عام جگہوں کے لئے مندرجہ ذیل مشاہدہ ہے۔ جو نقشہ کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) افق سے کئی نیزے بلندی پر جانب شرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح میں کرہ بخار پر رات کی تاریکی میں ایک خفیف سپیدی کا دھبہ پیدا ہوتا ہے جو صبح کاذب کی بنیاد ہے۔

(۱)

پھر شکل یوں ہوتی ہے

(۲)

پھر یوں ہوتی ہے

(۳)

پھر یوں

(۴)

اس کے بعد ہی دونوں پہلو سپید ہو جاتے ہیں اور شمالاً و جنوباً اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے۔ بعض نے اس وقت کو صبح قرار دیا ہے اور یہی احوط ہے اور بعض نے اسے بھی کاذب میں رکھا ہے اور یہی اوسع ہے۔

(۵)

پھر آناً فاناً جنوباً اور شمالاً پہلوؤں کی سپیدی پھیلنا شروع کرتی ہے اور خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔

یقینی اجماعی صبح صادق ہے یہاں سپیدی والا عمود ہنوز باقی ہے

(۶)

مگر یہ سچی سپیدی جیسے جیسے جنوب و شمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر بڑھتی جاتی ہے اور وہ عمود سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نقشہ ۷، ۸ اور ۹ سے ظاہر ہے

(۹) (۸) (۷)

اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی ہے اور صحن و بام کو روشن کر دیتی ہے۔ یہ وقت اسفار کا ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس سے پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلاف مستحب

اسی طرح رویت ہلال کے سلسلے میں آپ نے LOGRITHMIE CALCULATION سے زمین کے ایک درجہ کی قدر ۴۷ . ۵ ، ۹۴ میل نکالا اور پھر طویل تشریح کے بعد مسئلہ رویت ہلال کو بالکل صاف اور واضح کر دیا۔

امام احمد رضا کے یہاں ایک نادر چیز جو ملتی ہے وہ ہے وضاحت مسئلہ خواہ کسی موضوع کا ہو۔ روحانی ہو۔ مادیاتی ہو، نفسیاتی ہو، علمی ہو یا مذہبی ہر جگہ مکمل وضاحت نظر آتی ہے اور تحریر میں وضاحت جب آتی ہے کہ تحریر کرنے والے کو موضوع بحث پر عبور حاصل ہو۔ چونکہ یہاں انواع اقسام کے موضوعات ہیں اور ان پر مدلل اور مکمل بحث ہے اس سے مجھے تو کم از کم یہی اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی صلاحیت کسبی نہیں بلکہ الہامی و وہبی

(باقی صلا ۳ پر)

امام احمد رضا

بحیثیت منطقی و فلسفی

شبیر حسن بستوی صدر مدرس جامعہ عزیز العلوم نانپارہ ضلع بہرائچ

محترم شبیر حسن ضلع بستی یوپی کے متوطن ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں صدر مدرسی کے لئے تشریف لے گئے تقریباً دس سال سے وہیں درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ پیش نظر مضمون ان کی صلاحیت کا آئینہ دار ہے ہم شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

یوں تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں دنیائے سنیت کا گوشہ گوشہ ان کے علم و عرفان سے روشن و منور ہے مجھے منطقی و فلسفی حیثیت سے فاضل موصوف علیہ الرحمہ کا اجمالی تعارف کرانا ہے۔ ویسے میری بساط ہی کیا کہ حضور مجدد مائۃ حاضرہ کا تعارف کراؤں اس لیے کہ تعارف و تعریف فرع ہے معرفت کی! تو جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ فاضل موصوف کا منطق و فلسفہ میں کیا مقام ہے تو کما حقہٗ تعارف کیسے کوئی کرا سکتا ہے پھر میری ہی بات نہیں بڑے بڑوں نے مجدد مائۃ حاضرہ کے جلالت علمی کا لوہا تسلیم کیا ہے اور یہ بے ساختہ کہہ پڑے ہیں کہ سچ فرمایا فاضل بریلوی نے ؎

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں۔

انہیں جس حیثیت سے بھی دیکھا جائے وہ اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ تصوف کی حیثیت سے ان کی ذات گرامی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو گروہ صوفیا کے امام نظر آتے ہیں۔ مفسر کی حیثیت سے دیکھا جائے تو تفسیر میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ حدیث دانی کی حیثیت سے نظر ڈالئے محدث اعظم نظر آرہے ہیں۔ فقہی حیثیت سے دیکھئے تو اپنے زمانہ کے امام اعظم نظر آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ اگر اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ اطہر میں ہوتے تو ان کے صاحبان کرام میں ہوتے۔ نحوی و صرفی حیثیت سے حضرت موصوف گرامی کو دیکھا جائے تو امام النحو و الصرف نظر آرہے ہیں کہ سیبویہ بھی فاضل موصوف کے عہد مبارک میں ہوتا تو موصوف گرامی کی شاگردی کا شرف حاصل کرتا۔ شعر و شاعری کی حیثیت سے دیکھئے تو نعت گوئی میں حسان الوقت نظر آرہے ہیں۔ اور بڑے بڑے صوفیاء و مناطقہ و فلاسفہ آپ کے اشعار نعت کے مطالب سمجھنے سے قاصر ہیں نیز خوبی یہ کہ سارے علوم آپ کی شاعری میں مضمر ہیں۔ علم ریاضی کی حیثیت سے فاضل موصوف کی ذات گرامی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اقلیدس بھی محو حیرت بن جائے۔ اور ریاضی کے بہت سے اصول موضوعہ کو باطل فرما دیا۔ اور بہت سے علوم ایسے ہیں جنہیں فاضل موصوف نے سر سے جنم دیا۔ اور ان علوم میں مرتبۂ ایجاد پر فائز تھے۔ کیوں نہ ہوا ایسا! جبکہ علامہ زمن قطب وقت حضرت والد گرامی مولانا نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا تھا تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو۔ ان علوم کو خود کر لو گے۔ مولیٰ تعالیٰ عزوجل اپنے مقبول و محبوب بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ منطقی و فلسفی حیثیت سے فاضل موصوف کو دیکھا جائے تو امام المنطق و الفلسفہ نظر آرہے ہیں کہ ارسطاطالیس و بو علی ابن سینا وغیرہما مناطقہ آپ کے حلقۂ درس میں آکر منطق و فلسفہ کا درس سیکھیں۔ غرضیکہ حضرت موصوف گرامی کو جس حیثیت و جہت سے بھی دیکھا جائے وہ اس حیثیت سے امام ہی نظر آرہے ہیں۔ اسی لئے تو تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں "ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں"

سچ فرمایا فرمانے والوں نے کلام الامام امام الکلام۔ منطق و فلسفہ میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ منطق و فلسفہ ہی سے مناطقہ و فلاسفہ کے اکثر اصول مخترعہ و اصطلاح مزخرفہ کو باطل فرما دیا۔ مناطقہ نے علم کی تعریف

کی ہے۔ الصورۃ الحاصلۃ من الشیٔ عند العقل۔ اس تعریف کو فاضل موصوف نے رد فرمادیا۔ اور فرمایا کہ ان سفہاء نے اصل و فرع میں فرق نہ کیا۔ اگر علم نہ ہو تو حصول صورت کیونکر ہو مطلب یہ ہوا کہ علم سے حصول معلوم ہوتا ہے نہ کہ حصولِ صورت سے علم۔ اور جب مقسم باطل ہے تو اس جہت سے علم کا انقسام بھی تصور و تصدیق کی طرف باطل ہوگیا نیز مناطقہ جہلاء فن منطق میں معرف و حجت سے بحث کرتے ہیں چونکہ ان کے وہاں معرف و حجت منطق کا موضوع ہے اور معرف کی چار قسمیں بتاتے ہیں حد تام[1] حد ناقص[2] رسم تام[3] رسم ناقص[4] قطع نظر ان اعتراضات سے کہ حد تام وغیرہ کی تعریفیں دوری ہیں۔ ذاتیات و عرضیات کی تمیز بہت مشکل ہے تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور آج تک مناطقہ حد تام کی مثال حیوان ناطق کے سوا کوئی دوسری مثال نہ پیش کرسکے بلکہ گڑھ نہ سکے اور انسان کی یوں تعریف کی ہو حیوانٌ ناطق۔ انسان کی تعریف ملائکہ پر بھی صادق آتی ہے یہ کیا ضروری ہے کہ حیوان جنس قریب اور ناطق فصل قریب ہو ہوسکتا ہے کہ اس سے قریب تر کوئی دوسری جنس ہو وغیرہا وغیرہ اعتراضی کو نظر انداز فرماتے ہوئے فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ ان سفہاء نے جو انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کی وہ بھی غلط کیا انسان پر حیوان ناطق کسی طرح صادق نہیں آتا۔ اس لئے کہ حیوان کی تعریف جسم نامی حساس متحرک بالارادہ سے کی اور ناطق کے معنی گڑھے مدرکِ کلیات و جزئیات و مستنبطِ نتائج جو اصلاً زبان عرب کے مساعد نہیں۔ ان مناطقہ سفہاء نے تو آواز دن پر حدود کا مدار رکھا گھوڑا حیوان صاہل گدھا حیوان ناہق انسان حیوان ناطق کلام کرنے والا پھر مزید دوسرے معنی گڑھے مدرک کلیات و جزئیات۔ خیر یوں ہی سہی اب سوال یہ ہے کہ انسان نام بدن کا ہے یا نفس ناطقہ کا۔ اگر انسان بدن کو کہا جائے تو بدن میں قوت ادراک نہیں۔ اس لئے کہ ادراک و استنباط نتائج کارِ نفس ہے نہ کارِ بدن۔ اور اگر انسان نفسِ ناطقہ کو کہا جائے تو نفس حیوان نہیں اس لئے کہ نفس ناطقہ جسم نہیں اور نامی بھی نہیں بلکہ ان کے یہاں متحرک بھی نہیں ہے اور اگر دونوں کے مجموعہ کو انسان کہا جائے تو بقول مناطقہ نتیجہ ادون کے تابع ہوتا ہے حیوان ولا حیوان کا مجموعہ لا حیوان ہوگا اور ناطق ولا ناطق کا مجموعہ لا ناطق ہوگا غرضیکہ انسان کی تعریف انسان پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ اس تعریف کو غلط ثابت کرنے کے بعد حضرت موصوف گرامی فرماتے ہیں کہ انسان نام روح متعلق بالبدن کا ہے اور روح کی معرفت بغیر معرفت رب حاصل ہو نہیں سکتی۔ اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا یعنی معرفت نفس اسی وقت حاصل ہوگی جب پہلے معرفت رب ہو لے بعض جہلاء زنادقہ اسے اس پر دلیل کرتے ہیں کہ نفس ہی رب ہے اور یہ کفر خالص ہے قل الروح من امر ربی نہ کہ معاذ اللہ ربی اور جو اپنی حقیقت سے جاہل ہو اور وہ دوسرے کی حقیقت کیا بتا سکتا ہے جو اپنے آپ کو نہ جان سکے دوسرے کو کیا جان سکتا ہے ؎

تنت زندہ بجاں جان نہانی
تو از جاں زندہ و جاں را ندانی

اور علم کی تعریف موصوف گرامی نے اس طرح کی ہے کہ علم وہ نور ہے کہ جو شے اس کے دائرہ میں آگئی منکشف ہوگئی۔ اور جس سے متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی۔ جب فلاسفہ و مناطقہ اپنے علم کو نہ پہچان سکے علم الٰہی کو کیا جانیں گے حق سبحانہ و تعالیٰ ذہن و صورت وارتسام و نور عرضی سب سے پاک و منزہ ہے اس کا علم حضور معلوم کا محتاج نہیں اس کا علم حضوری و حصولی دونوں سے پاک و منزہ ہے۔ اس کا علم اس کی صفات قدیمہ قائمہ بالذات و لازمۂ نفس ذات ہے۔ اور کم و کیف سے منزہ ہے۔ وہاں چوں و چرا و چگوں کا دخل نہیں تو مناطقہ کا علم حق سبحانہ و تعالیٰ میں کلام کرنا کیسا جہل تام ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد ہوا تفکروا فی الاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ فتھلکوا۔ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو ورنہ گمراہ و ہلاک ہوجاؤ گے۔ علم باری میں فکر کرنا اس کی ذات میں فکر کرنا ہے۔ اس لئے کہ اس کی صفات کو ذات سے کسی موطن میں بھی جدائی ممکن نہیں۔ فاضل موصوف مناطقہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حیوانات بھی ناطق ہیں بلکہ ہر شئے ناطق ہے۔ شجر و حجر دیوار و در سب ناطق ہیں نص ہے۔

انطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ

موصوف گرامی کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا منطق کی مشہور کتاب ملا جلال میرزاہد کا حاشیہ عربی میں تحریر فرمایا حاشیۂ شمس بازغہ عربی میں تحریر فرمایا اصول طبعی کا حاشیہ اردو میں لکھا اور بہت سی کتابوں کے حواشی و شروح موصوف گرامی نے لکھے ہیں۔ کل آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے بھی زائد ہیں جیسا کہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا ہے۔ تقریباً پچاس علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آپ کے حواشی و شروح اوروں کے حواشی و شروح کی طرح نہیں کہ متون و شروح سے ماخوذ ہیں بلکہ خود آپ کے افادات و افاضات ہیں اور جودت و طبع کے جوہر بے بہا ہیں۔

اور جبلا ر فلاسفہ اپنے آپ کو فلسفی کہلانے والے حالانکہ فلسفہ جس کا نام ہے ان سفہا ر کو فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں اسی لئے میں نے عرض کیا ہے کہ اگر یہ موصوف گرامی کے دور مبارک میں ہوتے تو موصوف گرامی سے منطق و فلسفہ سیکھتے فلاسفہ نے اپنے مزعومات باطلہ پر ایسے کمزور دلائل پیش کئے ہیں جو ہر ذی فہم پر روشن ہے کہ فلسفہ جدیدہ کو اصلاً عقل سے ربط و تعلق نہیں موصوف گرامی نے فلسفۂ جدیدہ کے رد میں "فوز مبین در رد حرکت زمین" نامی کتاب مستطاب تحریر فرمائی جس میں ایک سو پانچ[105] دلائل سے حرکت زمین باطل کی اور سارے مزعومات فلسفۂ جدیدہ کو غلط ثابت فرما دیا اور وہ روشن رد فرمائے کہ جن کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف پر آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا کہ یقیناً فلسفہ کو عقل سے مس نہیں اور فلسفۂ قدیمہ کے وہ دلائل جو حرکت زمین کے رد میں تھے۔ ان دلائل کا بھی ابطال فرمایا اور فرما دیا کہ فلسفۂ جدیدہ کی طرح فلسفۂ قدیمہ بھی بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ فلسفۂ قدیمہ کے رد میں الکلمۃ الملہمہ نامی کتاب مستطاب تصنیف فرمائی جس میں فلسفۂ قدیمہ کے بھی ایک ایک مزعومات باطلہ کا ابطال فرمایا فلسفۂ قدیمہ کا پہلا مسئلہ جزء لایتجزی کا ابطال ہے اور جزء لایتجزی پر فلاسفہ کے اکثر مزعومات مبنی ہیں۔ جزء لایتجزی کے ابطال سے فلاسفہ کی منشا یہ ہے کہ جسم کی ہیولیٰ وصورت سے ترکیب ثابت کریں اور پھر اسی سے عالم کی قدامت ثابت کریں۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک ذات وصفات باری تعالیٰ کے سوا کوئی شئے قدیم نہیں۔ قدامت ذات باری تعالیٰ کو زیبا ہے کائنات عالم کا ایک ایک فرد حادث مخرج من العدم ہے جزء لایتجزی فاضل موصوف کے نزدیک باطل نہیں موصوف گرامی الکلمۃ الملہمہ کے اکتیسویں[31] مقام کے موقف اول میں فرماتے ہیں "ہمارے نزدیک جزء لایتجزی باطل نہیں"۔ موصوف گرامی نے فلاسفہ کے دلائل ابطال کا ابطال فرمایا اور جزء لایتجزی کا امکان بلکہ اثبات فرمایا۔ متکلمین نے جزء لایتجزی کے امکان پر جو دلائل قائم کئے ہیں اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تام نہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کو شرح مقاصد کے اندر قوی بتایا جزء لایتجزی کا اثبات قرآن مقدس سے فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ومزقناهم كل ممزق تمزیق پارہ پارہ کرنا۔ ہم نے ان کی کوئی تمزیق باقی نہ رکھی سب بالفعل کردیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں تمزیق موجود مراد نہیں ہو سکتی کہ تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ لاجرم تمزیق ممکن مراد یعنی جہاں تک تجزیہ کا امکان تھا سب بالفعل کر دیا تو ضروری تجزیہ ان اجزاء پر منتہی ہوا جن کے آگے تجزیہ ممکن نہیں ورنہ کل ممزق نہ ہوتا کہ ابھی تمزیقیں باقی تھیں اور وہ اجزاء جن کا تجزیہ ناممکن ہو وہ نہیں مگر اجزاء لایتجزیٰ، تو اس تقدیر پر حاصل یہ ہوا کہ اجسام کے تمام اتصالات حسیہ کے ہر حصے اور ہر ہر حصے کے حصے باطل فرما کر ان کے اجزاء لایتجزیٰ دور دور بکھیر دئے کہ اب کسی جزء کو دوسرے جزء سے اتصال حسی بھی نہ رہا۔ موصوف گرامی قرآن کریم سے استدلال کے بعد فلاسفہ کے ایک ایک دلائل کا ابطال فرماتے ہیں اور یہ ثابت فرما دیا کہ جزء لایتجزی باطل نہیں اور فلاسفہ کی ساری دلیلیں اتصال جزئین کو باطل کرتی ہیں۔ نفس جزء کا بطلان کسی دلیل سے بھی نہیں ہوتا۔ فلاسفہ ترجیح بلا مرجح مطلقاً باطل مانتے ہیں۔ موصوف گرامی فرماتے ہیں کہ ترجیح بلا مرجح کا بطلان مطلقاً باطل نہیں۔ مصدر اگر صراحت مصدر یہ پر ہو یا مبنی الفاعل ہو تو ہرگز محال نہیں بداہۃً واقع ہے ہاں مبنی للمفعول ہو تو محال! کہ وہی ترجح بلا مرجح ہے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ عقل انسانی میں آدمی اپنے ارادے کو دیکھ رہا ہے کہ دو متساویوں میں بے کسی مرجح کے آپ تخصیص کر لیتا ہے دو جام یکساں ایک صورت ایک نظافت کے دونوں میں ایک سا پانی بھرا ہو اس سے ایک قریب رکھے ہوں پیاسا جب اس میں سے جسے چاہے اٹھائے گا۔ ایک مطلوب تک دو راستے بالکل برابر یکساں ہوں جسے چاہے چلے گا۔ ایک سے دو کپڑے ہوں جسے چاہے گا پہنے گا۔ فلاسفہ کا اصول ہے الواحد لایصدر عنہ الا الواحد یعنی جو واحد محض ہو اس سے ایک ہی شئے کا صدور ہو سکتا ہے۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ ایسا ہی واحد ہے لہذا اس نے صرف عقل اول کو بنایا "نعوذ باللہ من مداہ العقائد" فلاسفہ دس عقلیں اور نو افلاک کے قائل ہیں۔ حضرت موصوف گرامی اس قضیۂ نامرضیہ پر بہت سے سوالات قاہرہ قائم فرمائے ہیں کسی ایک کا جواب فلاسفہ سے نہیں بن سکے گا۔ اور آخر میں فرمایا یہ قاعدہ الواحد لایصدر عنہ الا الواحد خود ہی باطل مردود ہے اور محل متناقیین ہے۔ اس لئے متوثر من حیث ہو متوثر کا واحد محض ہونا محال! اور تم نے اس کو ایسا ہی فرض کیا کہ وصف عنوانی کے حکم ضمنی میں نقیضین کو جمع کر لیا۔ یعنی وہ واحد محض کہ ہرگز واحد محض نہیں اس لئے ایک ہی شئے صادر ہو گی ایسا جامع نقیضین خود ہی محال ہے نہ کہ اس سے کسی شے کے صدور وعدم صدور کی بحث۔ نہ کہ اس سے صدور واحد کی تجویز! تو استثنا کا حکم صریح بھی باطل۔ یہ ہے ماہرین فلاسفہ کا تفلسف کہ ان کے بو علی سینا سے لے کر ملا محمود جونپوری تک اسی قسم کے ابطالات کی پیروی کرتے آئے اور اب تک اس کے سوا انہیں کچھ نہ مل سکا۔

حضرت موصوف گرامی کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا۔ منطق کی مشہور کتاب ملا جلال میر زاہد کا حاشیہ عربی میں تحریر فرمایا۔ حاشیہ شمس بازغہ عربی میں تحریر فرمایا۔ اصول طبیعی کا حاشیہ اردو میں لکھا۔ اور بہت سی کتابوں کے حواشی و شرح موصوف گرامی نے تحریر فرمائے ہیں۔

کل آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے بھی زائد ہیں۔ جیسا کہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا تقریباً ۵۰ علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آپ کے حواشی و شرح اوروں کے حواشی و شرح کی طرح نہیں کہ متون و شروح سے ماخوذ ہیں۔ بلکہ خود آپ کے افادات و اضافات اور جودت طبع کے جوہر بے بہا ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں۔

بقیہ :- جدید سائنس کی روشنی میں

تھی کیونکہ کسب کے ذریعہ اتنے علوم پر عبور حاصل کر لینا عام ذہن کا کام تو ہو نہیں سکتا بلکہ انتہائی ذہن رسا کے بھی بس سے باہر ہی ہے۔ اس لئے اس تبحر و گو وہبی، حدسی اور فراست ایمانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہر کیف اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جس طرح بھی نوزا ہو، ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ پوری انسانی عالمی برادری کے لئے آپ کی شخصیت اور علمی استعداد قابل فخر رہے گی۔

آپ کی تصانیف جہاں غیروں کی حق طلبی کے لئے دعوت غور و فکر ہیں وہاں ہم میں سے ان کے منہ کے لئے زوردار طمانچے بھی ہیں جنہوں نے اسلام جیسے واضح، ٹھوس اور سلجھے ہوئے مذہب میں غیروں کے دام اطماع کے زیر اثر پیچیدگیاں پھیلانا اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام حنفی المذہب کے کٹر مخالف بھی جب آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو انگشت بہ دنداں رہ جاتے ہیں کہ اب دین محمدی (علیٰ صاحبھا التحیۃ والثناء) پر کس رخ سے حملہ کیا جائے۔ حالانکہ ان پر روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہے کہ دین محمدی (علیٰ صاحبھا التحیۃ والثناء) سارے مذاہب عالم کے لئے اپنی مستحکمی اور پائیداری کی بنا پر چیلنج کا دعویٰ رکھتا ہے۔ یہ دین کسی بھی لچک کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا ٭٭

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

امام احمد رضا کی روح پُرفتوح کو

انتہائی عقیدتوں کا نذرانہ

مدرسۂ غوثیہ

رابوڑی، تھانہ (مہاراشٹر)

عقیدت کیش

خورشید اللہ خان

سنّی سرکل، نئی بستی
پہلی رابوڑی، ضلع تھانہ، مہاراشٹر

تیری شان عالمانہ نے یہ ثابت کردیا
تجھ کو زیبا ہے امامت سیدی احمد رضا

تالیفات

(۱)

امام احمد رضا کی تصنیفات

(۲)

امام احمد رضا پر کتابیں

امام احمد رضا کی

تصنیفات

ماخوذ

میدانِ تصنیف و تالیف میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کا دوسرے مصنّفین و مولفین سے موازنہ کرنے پر یہ بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ نہ صرف ان کے دور میں بلکہ ان سے پہلے کے ادوار میں بھی تحقیق و تدقیق، تبحر علمی اور کثرت تصانیف کے لحاظ سے امام موصوف بلاشبہ نادرِ روزگار بزرگ تھے اور جامعیت علوم میں تو کوئی بھی عالم آپ کا مدمقابل نہ ٹھہرے گا۔

آپ کے محبوب شاگرد اور خلیفہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے آپکی ۱۳۲۷ھ تک کی تصانیف کی فہرست کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیکر شائع کرایا ہے جس کا نام المجمل المعدد لتالیفات المجدد ہے۔ اس کتاب میں آپنے تین سو پچاس کتابوں کو شمار کرایا ہے۔ جس میں سن تصنیف، زبان، مسودہ، مبیضہ یا مطبوعہ کی کیفیت اور مضامین کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک اندازہ کے مطابق فاضل بریلوی نے ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ حضرت ملک العلماء نے باوجودیکہ اپنی تصنیف میں ساڑھے تین سو کتابوں کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن امام احمد رضا کی تصنیفات کے ایک عظیم ذخیرہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انھوں نے اپنے تئیں جملہ تصانیف کا تذکرہ کر ڈالا تھا مگر بعد میں انھیں ۹۶ رسائل و کتب ملے۔ اور انھوں نے تصریح فرمادی کہ یہ فہرست ۱۳۲۷ھ تک کی بھی مکمل نہیں ہے بلکہ اس وقت جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے درج کر دیئے گئے وہ خود فرماتے ہیں۔

وہ میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقرار میں میرے پیشِ نظر ہیں۔ فضلِ خدا سے امید واثق کہ اگر تفحص تام اور تمام قدیم و جدید بستوں پر نظر کی جائے تو کم و بیش پچاس رسالے اور نکلیں کہ پہلی بار اوائل صفر میں یہ فقیر اپنے زعم میں تمام تصانیف کی فہرست تمام کر چکا تھا پھر دوبارہ قدیم بستے اور فتویٰ کی جلدیں دیکھنے سے چھیانوے رسالے اور نکلے جن میں بعض مطبوعات تھے کہ بادصف طبع مجھے یاد نہ آئے اور باقی سب مبیضہ پاتے۔" (المجمل المعدد لتالیفات المجدد ص۴)

علاوہ ازیں امام احمد رضا ۱۳۲۷ھ کے بعد لگ بھگ ۱۳ سال تک باحیات رہے اور آپ کی زندگی کے آخری دور کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتاہے کہ یہ دور آپ کی تصنیف و تالیف کا مصروف ترین دور تھا۔ ہمہ وقت تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ رہتے۔ مصروفیت کا عالم یہ تھا کہ ایک ایک دن میں کئی کئی سو سوالات پیش ہوتے جن کے جوابات پورے اہتمام سے بھجوائے جاتے اور ایک ایک دو دو دن میں پورا رسالہ قلم بند کر دیا جاتا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتاہے کہ جس کی ابتداء اتنی شاندار تھی اس کی انتہا کا کیا عالم ہوگا۔

آئندہ صفحات میں ہم امام احمد رضا کی تصنیفات کی فہرست دے رہے ہیں جسے ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے ترتیب دیا تھا۔ ان میں بہت سی وہ کتابیں جن کے سامنے غیر مطبوعہ لکھاہے وہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں مگر انھیں ہم نے بجنسہ رہنے دیا ہے اس ترتیب میں تغیر و تبدل ہوا ہے۔ نیز اس مضمون کو ترتیب دینے میں سوانح اعلیٰ حضرت مولفہ مولانا بدرالدین احمد قادری صاحب کا بھی سہارا لیا گیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب مفتی مرکزی دارالافتاء سوداگران بریلی شریف نے بھی تعاون فرمایا ہے۔ اس طرح ہم نے کل ۵۴۸ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جس کی تفصیل باعتبار فن درج ہے۔ ابھی بھی فاضل بریلوی کی تصنیفات کی فہرست نامکمل ہے۔ انشاءاللہ بہت جلد تصنیفات و تالیفات کی فہرست کی طرف آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلس رضا توجہ دیگی اور اس کام کے لئے کسی باصلاحیت شخص کا انتخاب کریگی۔ جو کچھ ہو سکا حاضر ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔ (ایڈیٹر)

تفسیر

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱	۱۳۰۰	الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی	عربی	مبیضہ	آیۂ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی تفسیر اور صدیق اکبر کی تفضیل
۲	۱۳۰۶	نائل الراح فی فرق الریح والریاح	فارسی	"	اطلاق ریح و ریاح کا فرق
۳	۱۳۰۹	الزلال الحکم فی معانی نمیعاد استجب لکم	"	"	اجابت دعا کے کیا کیا معنی ہیں اثر ظاہر نہ ہونا دیکھ کر بیدل ہونا حماقت ہے۔
۴	۱۳۱۵	الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام	اردو	"	ڈاکٹروں کا ادعا اور پادریوں کا رد
۵	"	النفحۃ الفائحۃ من مسک سورۃ الفاتحۃ	"	مسودہ	سورہ فاتحہ سے فضائل حضور و رد وہابیہ
۶		حاشیہ تفسیر بیضاوی شریف	عربی		
۷		حاشیہ عنایت القاضی	"		
۸		حاشیہ معالم التنزیل	"		
۹		حاشیۃ الاتقان فی علوم القرآن	"		
۱۰		حاشیہ الدر المنثور	"		
۱۱		حاشیہ تفسیر خازن	"		

حدیث و اصول حدیث

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱۲	۱۲۹۶	النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب	عربی	مسودہ	فضائل علم میں رسالہ والد ماجد کے احادیث کی تخریج
۱۳	۱۲۹۶ تا ۱۲۹۹	الروض البہیج فی آداب التخریج	"	"	حدیث کی تخریج میں عالم کو کس کس بات کا لحاظ درکار ہے
۱۴	۱۳۰۵	البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص	"	"	حدیث خصائص اقدس کے طرق و الفاظ کی جمع حادی
۱۵	۱۳۰۵	اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین	عربی اردو	مبیضہ	شفاعت اقدس میں چہل حدیث
۱۶	"	تلالؤ الافلاک بجلال حدیث لولاک	" "	مسودہ	حدیث لولاک کا ثبوت
۱۷	۱۳۰۶	ذیل المدعی لاحسن الوعا	اردو	مطبع اہلسنت	دعا کے آداب و اوقات و مکانات و اسباب اجابت کے بیان میں رسالۂ حضرت والد ماجد کا ذیل
۱۸	۱۳۰۹	انباء الحذاق بمسالک النفاق	اردو	مسودہ	نفاق اعتقادی و عملی کا فرق اور اس کے بارے میں احادیث کثیرہ کا جمع کرنا
۱۹	۱۳۱۰	اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد	"	مبیضہ	کن کن عمل کے سبب حقوق العباد سے نجات مل سکتی ہے
۲۰	۱۳۱۱	الہدایۃ المبارکۃ فی خلق الملائکۃ	"	"	ملائکہ کی پیدائش و موت کا بیان
۲۱	۱۳۱۳	الہاد الکاف فی حکم الضعاف	"	مطبع بمبئی	حدیث ضعیف پر عمل کے احکام
۲۲	"	مدارج طبقات الحدیث	عربی	مبیضہ	کتب حدیث کا تفرقۂ مراتب
۲۳	"	الاحادیث الراویۃ لمدح الامیر معاویۃ	عربی اردو	مسودہ	مناقب امیر معاویہ کی حدیثیں
۲۴	۱۳۲۳	الاجازۃ الرضویۃ لمجل مکۃ البہیۃ	عربی	مطبوع	علمائے مکہ کو حدیث کا اجازت نامہ کہ مصنف نے دیا
۲۵		فصل القضاء فی رسم الافتاء	عربی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۲۶		حاشیۃ الکشف عن تجاوز ہا الامۃ عن الالف	عربی		
۲۷		حاشیہ صحیح بخاری شریف	"		
۲۸		حاشیہ صحیح مسلم شریف	"		
۲۹		حاشیہ ترمذی شریف	"		
۳۰		حاشیہ نسائی شریف	"		
۳۱		حاشیہ ابن ماجہ شریف	"		
۳۲		حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر	"		
۳۳		حاشیہ تقریب	"		
۳۴		حاشیہ مسند امام اعظم	"		
۳۵		حاشیہ کتاب الحج	"		
۳۶		حاشیہ کتاب الآثار	"		
۳۷		حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل	"		
۳۸		حاشیہ طحاوی شریف	"		
۳۹		حاشیہ سنن دارمی شریف	"		
۴۰		حاشیہ خصائص کبریٰ	"		
۴۱		حاشیہ کنز العمال	"		
۴۲		حاشیہ ترغیب و ترہیب	"		
۴۳		حاشیہ کتاب الاسماء والصفات	"		
۴۴		حاشیہ القول البدیع	"		
۴۵		حاشیہ نیل الاوطار	"		
۴۶		حاشیہ المقاصد الحسنہ	"		
۴۷		حاشیہ اللآلی المصنوعہ	"		
۴۸		حاشیہ موضوعات کبیر	"		
۴۹		حاشیہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ	"		
۵۰		حاشیہ تذکرۃ الحفاظ	"		
۵۱		حاشیہ عمدۃ القاری	"		
۵۲		حاشیہ فتح الباری	"		
۵۳		حاشیہ ارشاد الساری	"		
۵۴		حاشیہ نصب الرایۃ	"		
۵۵		حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل	"		
۵۶		حاشیہ فیض القدیر شرح جامع صغیر	"		
۵۷		حاشیہ مرقاۃ المفاتیح	"		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۵۸		حاشیہ اشعۃ اللمعات	عربی		
۵۹		حاشیہ مجمع بحار الانوار	"		
۶۰		حاشیہ فتح المغیث	"		
۶۱		حاشیہ میزان الاعتدال	"		
۶۲		حاشیہ العلل المتناہیہ	"		
۶۳		حاشیہ تہذیب التہذیب	"		
۶۴		حاشیہ خلاصہ تہذیب الکمال	"		

عقائد و کلام

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۶۵	۱۲۸۵	ضوء النہایۃ فی اعلام الحمد والہدایۃ	عربی	مبیضہ	حمد وہدایت کی تعریف
۶۶	۱۲۹۰	السعی المشکور فی ابداء الحق المہجور	"	مسودہ	مسئلہ صفات باری تعالیٰ وتحقیق مذاہب اہل سنت
۶۷	۱۲۹۴	معبر الطالب فی شیون ابی طالب	اردو	مبیضہ	شرح المطالب میں شامل کردیا گیا
۶۸	۱۲۹۷	مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین	"	مسودہ	تفضیل شیخین میں کمال مبسوط کتاب
۶۹	۱۲۹۸	اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰے والآل والاصحاب	"	مبیضہ	اللہ و رسول، اصحاب و آل کے باب میں اہلسنت کے اعتقاد
۷۰	۱۳۰۰	البشریٰ العاجلہ من تحف آجلہ	عربی	مسودہ	تفضیلیہ ومفسقان امیر معاویہ کا رد
۷۱	۱۳۰۴	مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید	اردو	مبیضہ	کتاب المنطق الجدید کا خلاف عقائد ہونا
۷۲	۱۳۰۵	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	"	مطبوعہ	سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب انبیاء سے افضل ہونے کا بیان
۷۳	"	حیات الموات فی بیان سماع الاموات	"	"	اموات کے دیکھنے اور سننے کا بیان
۷۴	۱۳۱۲	الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ	"	"	ستر وجہ سے امام وہابیہ پر فقہاء کے نزدیک لزوم کفر
۷۵	۱۳۱۲	عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام	"	مسودہ	مسئلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
۷۶	"	ذب الاہواء الواہیہ فی باب الامیر معاویہ	"	ناتمام	امیر معاویہ پر سے مطاعن کا دفع
۷۷	"	فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ	"	مطبوعہ	رد عقائد ندوہ
۷۸	۱۳۱۷	فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین	"	"	رد ندوہ میں حرمین شریفین کے فتوے
۷۹	۱۳۱۸	قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار	"	مبیضہ	وہابیہ کے اس خیال کا رد کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے
۸۰	۱۳۱۹	المقال الباہر ان منکر الفقہ کافر	"	"	فقہ کا منکر کافر ہے
۸۱	۱۳۲۰	المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد	عربی	مطبوعہ	عقائد اہل سنت کا بیان اور طوائف حادثہ باطلہ کا رد
۸۲	۱۳۲۰	السوء والعقاب علی المسیح الکذاب	اردو	"	قادیانی کی تکفیر
۸۳	"	رد الرفضہ	"	"	روافض زمانہ سنی کے وارث نہیں اور نہ ان سے نکاح
۸۴	۱۳۲۲	دفعۃ الباس علی جاحد الفاتحۃ والفلق والناس	"	مبیضہ ومطبوعہ	جو سورہ فاتحہ یا معوذتین کی قرآنیت کا منکر ہے کافر ہے
۸۵	۱۳۲۳	قہر الدیان علی مرتد بقادیان	"	مطبوعہ	رد خباثات قادیانی
۸۶	۱۳۲۴	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	عربی	"	علماء وہابیہ کے بارے میں حرمین شریفین کے فتوے
۸۷	۱۳۲۵	مبین احکام وتصدیقات اعلام	اردو	"	ترجمہ حسام الحرمین

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۸۹	۱۳۲۵	البفوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ	عربی	مسودہ	الدولۃ المکیہ کا حاشیہ
۹۰	۱۳۲۶	تمہید ایمان بآیات قرآن	اردو	مطبوعہ	شان رسالت میں ادنیٰ گستاخی کفر ہے
۹۱	"	دامان باغ سبحن السبوح	"	"	امکان کذب میں خیالات وہابیہ کا رد
۹۲	"	البین ختم النبیین	"	مسودہ	خاتم النبیین میں لام کی تحقیق
۹۳	۱۳۲۷	مقال عرفا باعزاز شرع و علماء	"	زیر طبع	جو طریقت و شریعت میں تفریق کرے بددین ہے اور اہل طریقت علم و علماء کے محتاج ہیں۔
۹۴	۱۳۱۲	لمعۃ الشمعہ لہدی شیعۃ الشنعہ	"	مسودہ	تفضیلیہ وتفسیقیہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب
۹۵	۱۳۰۵	الجرح الوالج فی بطن الخوارج	"	مبیضہ	تفضیلیہ ومفسقہ کا بیان
۹۶	۱۳۰۴	الصمصام الحیدری علی حمق العیار المفتری	"	مبیضہ	تفضیلیہ ومفسقہ کا بیان
۹۷	۱۳۲۴	مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ	"	مطبوعہ	مثل مصطفیٰ محال ہے
۹۸	۱۳۱۵	الصارم الربانی علی اسراف القادیان	"	مطبوعہ	عقائد قادیان کا رد
۹۹	۱۳۲۳	ظفر الدین الجید ملقب بہ بطش غیب	"	"	مسئلہ غیب میں سوالات
۱۰۰		العقائد والکلام	اردو		
۱۰۱		الفرق الوجیز بین النبی العزیز والوہابی الرجیز	"		
۱۰۲		دوام العیش فی الائمۃ من قریش	"		
۱۰۳		حاشیہ شرح فقہ اکبر	عربی		
۱۰۴		حاشیہ خیالی علی شرح العقائد	"		
۱۰۵		حاشیہ شرح عقائد عضدیہ	"		
۱۰۶		حاشیہ شرح مواقف	"		
			"		
۱۰۷		حاشیہ شرح مقاصد	"		
۱۰۸		حاشیہ مسامرہ ومسایرہ	"		
۱۰۹		حاشیہ التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ	"		
۱۱۰		حاشیہ الیواقیت والجواہر	"		
۱۱۱		حاشیہ مفتاح السعادۃ	"		
۱۱۲		حاشیہ تحفۃ الاخوان	"		
۱۱۳		حاشیہ الصواعق المحرقۃ	"		
۱۱۴	۱۲۹۲	تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال	اردو	مطبوعہ	چھ خاتم النبیین والوں کا رد
۱۱۵	"	جواہلئے ترکی بہ ترکی	"	"	"
۱۱۶	۱۳۰۰	الرائحۃ العنبریہ عن المجمرۃ الحیدریۃ	"	"	مسئلہ تفضیل وتفضیل من جمیع الوجوہ کا بیان
۱۱۷	۱۳۰۷	اخباریہ کی خبرگیری	"	"	مسئلہ امکان کذب باری کا بیان
۱۱۸	۱۳۲۶	جابک لیث بر اہل حدیث	"	"	جناب خدا ورسول میں عقائد وہابیہ کا رد

فقہ و اصول فقہ، لغت فقہ، فرائض، تجوید

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۱۱۹	۱۲۹۵	نقاء النیرہ فی شرح الجوہرہ ملقب بہ النیرہ	اردو	مطبوعہ	مسائل حج وزیارت کا بیان یہ رسالہ بار اول کے حج میں مکہ میں ایک دن میں تالیف کیا۔
۱۲۰	۱۲۹۸	احکام الاحکام فی التناول من یدمن مالہ حرام	"	مبیضہ	مال حرام والے کے ساتھ معاملات اور ان کے نفقات
۱۲۱	"	انفس البقر فی قربان البقر	"	"	ہندوستان میں گائے کی قربانی بیان
۱۲۲	"	الامر باحترام المقابر	"	مطبوعہ	اہلاک الوہابین میں شامل کر دیا گیا
۱۲۳	۱۲۹۹	اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ	"	مبیضہ	مسئلہ قیام ومجلس میلاد مبارک
۱۲۴	"	حسن البراعہ فی تنفیذ حکم الجماعۃ	عربی	مسودہ	جماعت اولی اور مسجد واجب ہے
۱۲۵	"	النعیم المقیم فی فرحۃ مولد النبی الکریم	اردو	مطبوعہ	اشاعۃ الکلام میں شامل کر دیا گیا
۱۲۶	۱۳۰۰	بذل الصفاء لعبد المصطفیٰ	"	مبیضہ	عبد النبی، نبی بخش ناموں کا جواز
۱۲۷	۱۳۰۱	منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین	"	مطبوعہ	اذان میں نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا
۱۲۸	"	المقالۃ المسفرہ عن احکام البدعۃ المکفرہ	عربی	مسودہ	جو بدعت کفری رکھتا ہو تمام احکام میں مثل مرتد ہے
۱۲۹	"	الجلی المدد ان ساب المصطفیٰ مرتد	عربی اردو	مبیضہ	حضور کی شان میں ادنیٰ گستاخی ارتداد ہے
۱۳۰	۱۳۰۲	اجود القری لمن یطلب الصحۃ فی اجارۃ القری	اردو	"	دیہات کا رائج ٹھیکہ حرام ہے اور جواز کی یہ صورت ہے
۱۳۱	"	نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا	"	مسودہ	دفع وبا کو اذان
۱۳۲	۱۳۰۳	الاعلی من السکر لطلبۃ سکر روسر	"	مطبوعہ	شکر در سر وغیرہ صدہا جزئیات کا قانون
۱۳۳	"	جمال الاجمال لتوقیت حکم الصلوۃ فی النعال	عربی	مسودہ	نیا جوتا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے
۱۳۴	"	مزرع المرام فی التداوی بالحرام	"	ناتمام	حرام چیز بطور دوا استعمال نہیں ہو سکتی۔
۱۳۵	۱۳۰۴	معدل الزال فی اثبات الہلال	اردو	مبیضہ	انجمن اسلامیہ بریلی کو اثبات ہلال میں غلط فہمی
۱۳۶	"	طوالع النور فی حکم السرج علی القبور	"	ناتمام	قبروں پر چراغ جلانا کیسا ہے۔
۱۳۷	"	البارقۃ اللمعا علی سامد نطق بالکفر طوعا	عربی	مسودہ	جو قصداً کلمہ کفر کہے کافر ہے۔
۱۳۸	"	جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ	"	"	مکروہ تنزیہی جائز ہے گناہ کہنا خطاء
۱۳۹	"	انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ	اردو	"	یا رسول اللہ یا علی کہنے کا جواز
۱۴۰	۱۳۰۵	انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار	"	مطبوعہ	نماز غوثیہ کا ثبوت
۱۴۱	"	البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل	"	مبیضہ	زوجہ بعد وطی مہر معجل لینے کے لئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے
۱۴۲	"	النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید	"	"	غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ناجائز ہے
۱۴۳	"	صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	عربی	"	حرمین میں مجاور بنکر رہنا کیسا ہے
۱۴۴	"	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	اردو	مطبوعہ	چاند کی خبر میں تار اور خط کا اعتبار نہیں
۱۵۵	"	باب غلام مصطفیٰ	"	مبیضہ	شامل رسالہ بذل الصفا کیا گیا
۱۴۶	"	التحبیر بباب التدبیر	"	"	تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر سنت اور منکر گمراہ
۱۴۷	"	احسن المقاصد فی بیان ما تنزہ عنہ المساجد	"	ناتمام	کیا کیا کام مسجد میں ناروا ہیں

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۱۴۸	۱۳۰۵	ازہر کافل لحکم العقدۃ فی المکتوبۃ والنوافل	عربی	ناتمام	فرض ونفل میں قعدہ فرض ہے یا واجب.
۱۴۹	۱۳۰۶	صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین	اردو	مطبوعہ	مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے
۱۵۰	"	اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام	عربی	مبیضہ	ہندوستان دار الحرب نہیں
۱۵۱	"	تبیان الوضوء	اردو	"	وضو وغسل کی احتیاطیں
۱۵۲	"	الحلاوہ والطلاوہ فی کلم توجب سجود التلاوۃ	عربی	مسودہ	سجدہ تلاوت کتنا پڑھنے سے واجب ہوتا ہے
۱۵۳	۱۳۰۷	حکم رجوع من ولی فی نفقۃ العرس والجہاز والحلی	اردو	مبیضہ	دلہن کو جہیز یا شادی میں خرچ وغیرہ کا حکم
۱۵۴	"	الملح الملیحہ فیما نہی عن اجزاء الذبیحہ	عربی	مسودہ	ذبیحہ سے بائیس چیزیں کھانے کی ممانعت
۱۵۵	"	الزہر الباسم فی حرمۃ الزکوۃ علی بنی ہاشم	اردو	مطبوعہ	سادات کو زکوٰۃ کھانا حرام ہے
۱۵۶	"	تجلی المشکوۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوۃ	"	"	مسائل زکوٰۃ کے بیان
۱۵۷	"	التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد	"	مبیضہ	مسجد کا صحن بھی مسجد ہے.
۱۵۸	"	حک العیب فی حرمۃ تسوید الشیب	"	"	سیاہ خضاب حرام ہے
۱۵۹	"	حقۃ المرجان لمہم حکم الدخان	"	مطبوعہ	حقہ اور تمباکو کے احکام
۱۶۰	"	عباب الانوار لا نکاح بمجرد الاقرار	"	مبیضہ	صرف اقرار مرد وزن سے ہی نکاح نہیں
۱۶۱	"	الحجۃ الفائحۃ لطیب التعین والفاتحہ	"	"	دن معین کرنے اور فاتحہ کا بیان
۱۶۲	"	سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوۃ العید	"	"	نماز عید کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت
۱۶۳	"	الصافیۃ الموحیہ لحکم جلود الاضحیہ	عربی	"	پوست قربانی مسجد ومدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے.
۱۶۴	"	الطرہ فی ستر العورہ	"	مسودہ	مرد وزن کے ستر عورت کا بیان
۱۶۵	۱۳۰۸	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	"	مبیضہ	کفن پر کلمہ وغیرہ لکھنے بیان
۱۶۶	"	البر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال	"	"	بوسہ ہائے تعظیمی کا بیان
۱۶۷	"	فتح الملیک فی حکم التملیک	عربی	"	تملیک نامہ وہبہ نامہ میں کوئی فرق نہیں
۱۶۸	۱۳۰۹	الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز	اردو	"	چاندی سونے کے استعمال کا بیان
۱۶۹	۱۳۱۰	رفیع المدارک فی حکم السوائب وما طرح المالک	"	"	گنگا میں گہنہ وغیرہ ڈالنے کا بیان
۱۷۰	"	جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت	"	"	اہل میت کی طرف سے اغنیاء کی دعوت
۱۷۱	"	بسر الزاد لمن ام الضاد	عربی	مسودہ	تحقیقات حرف ضاد در راہ مارہرہ گم شد
۱۷۲	۱۳۱۱	الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء	اردو	مطبوعہ	فضائل اقدس وشرک وہابیہ میں بے مثل کتاب
۱۷۳	"	برکات الامداد لاہل الاستمداد	"	"	اولیاء سے استعانت کا ثبوت
۱۷۴	"	بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوۃ الجنائز	"	"	نماز جنازہ کے بعد میت کیلئے دعا کا جواز
۱۷۵	"	رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق	"	مبیضہ	الفاظ طلاق کا بیان
۱۷۶	"	المنی والدرر لمن عمد منی آردر	"	مسودہ	منی آرڈر کرنا روا ہے
۱۷۷	۱۳۱۲	وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید	"	مطبوعہ	عید کے بعد معانقہ اور نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے
۱۷۸	"	وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح	"	"	ختم تراویح میں بسم اللہ ایک بار پڑھنا ہے
۱۷۹	"	القلادۃ المرصعہ فی نحر الاجوبۃ الاربعہ	"	مبیضہ	اشرف علی تھانوی کے چار فتووں پر تحریر

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱۸۰	۱۳۱۲	سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء	اردو	مطبوعہ	مزار کے مرغ اور چہل تن کی گائے وغیرہ کا حکم
۱۸۱	"	ستر جمیل فی مسائل السراویل	"	مبیضہ	ڈھیلے جاموں کا بیان
۱۸۲	"	اطائب التہانی فی النکاح الثانی	"	"	نکاح ثانی میں تشدد باطل ہے
۱۸۳	"	راد القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء	"	"	قحط و وباء میں مسلمانوں کی دعوت نافع ہے
۱۸۴	"	سلب الثلب عن القائلین بطہارۃ الکلب	عربی اردو		کتے کے نجس وغیر نجس ہونے کا بیان
۱۸۵	"	رعایۃ المنہ فی ان التہجد نفل او سنۃ	"	"	تہجد نفل یا سنت ہے۔
۱۸۶	"	حق الاحقاق فی حادثۃ من نوازل الطلاق	"		مسئلہ طلاق کی نفیس تحقیق
۱۸۷	۱۳۱۳	حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین	اردو	مطبوعہ	سفر میں دو نمازیں ملا کر پڑھنا جائز نہیں
۱۸۸	"	لوامع البہاء فی المصر للجمعۃ والاربع عقبہا	فارسی	مبیضہ	جمعہ کے لئے شرط شہر
۱۸۹	"	الکاس الدہاق باضافۃ الطلاق	عربی	"	طلاق میں زوجہ کی طرف اضافت ونسبت
۱۹۰	"	القطوف الدانیہ عن احسن الجماعۃ الثانیہ	عربی اردو	"	جماعت ثانیہ کا جواز اور اس کی تفصیل
۱۹۱	"	الراد لاشد البہی فی بحر الجماعۃ علی الگنگہی	اردو	مسودہ	جماعت ثانیہ کے بارے میں
۱۹۲	۱۳۱۴	نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان	عربی	مبیضہ	دودھ کی بھتیجی حرام ہے
۱۹۳	"	ہادی الاضحیہ بالشاۃ الہندیہ	اردو	"	چھ مہینے کی بھیڑ قربانی میں روا ہے
۱۹۴	۱۳۱۵	لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحی	"	مطبوعہ	داڑھی رکھنے کا وجوب
۱۹۵	"	النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز	"	"	ایک جنازہ پر دوبارہ نماز جائز نہیں
۱۹۶	"	شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ	"	"	نقشہ مزار مبارک ونعل مبارک کا ادب
۱۹۷	"	مروج النجاء لخروج النساء	"	مبیضہ	عورت کو کہاں جانا جائز ہے
۱۹۸	"	تجویز الرد عن تزویج الابعد	"	"	ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح
۱۹۹	"	ہبۃ النساء فی تحقیق المصاہرہ بالزنا	"	"	ساس کو شہوت سے چھونے کے احکام
۲۰۰	"	الاعلام بحال البخور فی الصیام	"	مطبوعہ	دھوئیں سے روزہ کے احکام
۲۰۱	"	التحریر الجید فی بیع حق المسجد	"	مبیضہ	مسجد کی اشیاء کے احکام
۲۰۲	۱۳۱۶	الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین	"	مطبوعہ	سماع موتی کا بیان
۲۰۳	"	ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار	"	"	بدمذہب سے شادی کا بیان
۲۰۴	"	تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوۃ والصیام	"	مبیضہ	بعد موت نماز روزہ کے فدیہ کے مفصل مسائل
۲۰۵	"	انجح الجد فی حفظ المسجد	"		مسجد قدیم پرسے دعوٰی کا رد
۲۰۶	۱۳۱۷	الشرعۃ البہیۃ فی تحدید الوصیۃ	"	"	وصیت کی تعریف اور ان کی دونوں قسموں کا بیان
۲۰۷	"	ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الہند وبنگالہ	"	"	ہند و بنگال کے رائج نکاحوں کی اصلاح
۲۰۸	"	الجام الصاد عن سنن الضاد	"	مطبوعہ	مسائل حرف ضاد اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ
۲۰۹	۱۳۱۸	اجلی ابداع فی حد الرضاع	عربی	ناتمام	مدت رضاع میں قول امام کی تحقیق
۲۱۰	"	لب الشعور باحکام الشعور	"	مبیضہ	موئے سر و ریش وغیرہ کے متعلق احکام
۲۱۱	"	خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال	"	"	کمانے اور سوال کرنے کے احکام

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۲۱۲	۳۱۸	الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی	عربی	مسودہ	دربارۂ اشربہ قول امام کی تحقیق
۲۱۳	"	افصح البیان فی حکم مزرع ہندوستان	عربی اردو	مطبوعہ	ہندوستان کی زمین پر شرعی وظیفہ
۲۱۴	۱۳۲۰	الحلیۃ الاسماء لحکم بعض الاسماء	اردو	"	بعض ناموں کا جواز و عدم جواز
۲۱۵	"	طرق اثبات الہلال	"	مبیضہ	ثبوت ہلال کے سات طریقوں کا شرعی بیان
۲۱۶	"	تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب	فارسی	"	معانی محراب اور اس میں قیام امام کی تحقیق
۲۱۷	"	نور الجوہرہ فی السمرۃ السوکرہ	عربی	"	مجارکا بیمہ
۲۱۸	"	الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل	عربی، اردو	مسودہ	احتلام اور تری دیکھنے کی صورتیں
۲۱۹	"	مرقاۃ الجمان فی الہبوط عن المنبر لمدح السلطان	اردو	مبیضہ	خطبہ میں مدح سلطان کیوقت ایک سیڑھی اترنے کا بیان
۲۲۰	"	اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر	"	"	سماع و مزامیر و وجد کا بیان
۲۲۱	"	رامی زاغیان معروف بہ دفع زیغ زاغ	اردو	مطبوعہ	کوے کی حرمت کا بیان
۲۲۲	"	اوفی اللمعہ فی اذان الجمعہ	"	"	جمعہ کی اذان ثانی بیرون مسجد
۲۲۳	۱۳۲۱	الفح الحکومۃ فی فصل الخصومہ	"	مبیضہ	ایک مقدمہ کا فیصلہ
۲۲۴	"	اعالی الافادہ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادۃ	"	مطبوعہ	تعزیہ داری، شہادت نامہ وغیرہ کا بیان
۲۲۵	"	افقہ المجادہ عن حلف الطالب علی طلب المواثبہ	"	مبیضہ	شفیع کا طلب مواثبہ
۲۲۶	۱۳۲۲	اکد التحقیق بباب التعلیق	فارسی اردو	"	تعلیق طلاق کا بیان
۲۲۷	"	اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین	اردو	مطبوعہ	قبر مسلم پر چلنا اور مکان بنانا
۲۲۸	۱۳۲۳	ہدایۃ الجنان باحکام رمضان	"	مبیضہ	مسائل متعلقہ رمضان
۲۲۹	"	ہادی الناس فی اشیاء من رسوم الاعراس	"	"	شادی کی رسومات سے متعلق
۲۳۰	"	ما یحلی الاصر عن تحدید المصر	"	"	معنی شہر اور نماز جمعہ و عید کا بیان
۲۳۱	"	رد القضاۃ الی حکم الولاۃ	"	"	ریاستوں کے فتوے جو بطور مرافعہ آئے
۲۳۲	۱۳۲۴	الجود الحلو فی ارکان الوضو	عربی اردو	مطبوعہ	وضو کے عملی و اعتقادی فرائض
۲۳۳	"	تنویر القندیل فی احکام المندیل	"	"	بعد وضو و غسل بدن پونچھنا
۲۳۴	"	الطراز المعلم فیما ہو حدث من احوال الدم	"	"	کیسے خون نکلنے سے وضو نہیں جاتا
۲۳۵	"	لمع الاحکام ان لا وضوء من الزکام	"	"	زکام سے وضو نہیں جاتا
۲۳۶	"	ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال	اردو	مبیضہ	سمت قبلہ کہاں تک ہے
۲۳۷	"	الحق المجتلی فی احکام المبتلی	"	"	جذامی سے بھاگنے نہ بھاگنے کی تحقیق
۲۳۸	"	کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم	عربی	مطبوعہ	نوٹ سے متعلق مسائل کا بیان
۲۳۹	۱۳۲۵	نبہ القوم ان الوضوء من ای نوم	عربی اردو	"	کیسے سونے سے وضو نہیں جاتا
۲۴۰	"	تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون	اردو	"	طاعون سے بھاگنا حرام ہے
۲۴۱	"	السہم الشہابی علی خداع الوہابی	"	مبیضہ	ایک غیر مقلد کی کتاب کا رد
۲۴۲	۱۳۲۶	دفع شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب	اردو	مطبوعہ	سرور کائنات کو شہنشاہ وغیرہ کہنا
۲۴۳	"	مفاد الحبر فی الصلوۃ بمقبرۃ او جنب قبر	"	مبیضہ	قبر یا مقبرہ کے پاس نماز پڑھنے کی تحقیق

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۲۴۴	۱۳۲۶	بدر الانوار فی آداب الآثار	اردو	مبیضہ	تبرکات شریف کے متعلق احکام
۲۴۵	۱۳۲۷	الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب	"	مطبوعہ	غائب کے جنازہ پر نماز جائز نہیں
۲۴۶	"	شمائم العنبر فی محل النداء باذاء المنبر	عربی	مبیضہ	اذان جمعہ بیرون مسجد محاذی منبر چاہیئے
۲۴۷	۱۲۹۵	الطرۃ الرضیہ علی النیرۃ الوضیہ	"	مطبوعہ	النیرۃ الوضیہ پر حاشیہ
۲۴۸	۱۲۹۷ تا ۱۲۹۹	فصل القضاء فی رسم الافتاء	"	نا تمام	رسم مفتی کا جامع بیان
۲۴۹	"	الجوہر الثمین فیما تنعقد بہ الیمین	"	"	کن کن اشیاء کی قسم شرعی قسم ہے
۲۵۰	"	الطراز المذہب فی التزویج بغیر الکفو ومخالف المذہب	اردو	"	غیر کفو وخلاف مذہب سے نکاح کے احکام
۲۵۱	۱۲۹۹	عنفری حسان فی اجابۃ الاذان	عربی	مسودہ	اذان کا جواب زبان سے دینا واجب ہے
۲۵۲	۱۳۰۰	شوارق النساء فی حد المصر والفناء	"	"	مصر وفنائے مصر کی تعریف
۲۵۳		لمعۃ الشمعہ فی اشتراط المصر للجمعہ	"	"	جمعہ کے لئے شرط شہر ہونے کا ثبوت
۲۵۴	۱۳۰۴	البدور الاجلہ فی امور الاہلہ	اردو	"	تحقیق ہلال کے شرعی مسائل
۲۵۵	"	نور الادلہ للبدور الاجلہ	"	"	رسالہ سابقہ کی شرح ہے
۲۵۶		رفع العلہ عن نور الادلہ	"	"	اس شرح پر حاشیہ
۲۵۷	۱۳۰۵	اللؤلؤ المعقود لبیان حکم امراۃ المفقود	عربی اردو	مبیضہ	مفقود کی عورت کا نکاح
۲۵۸	۱۳۰۷	ایذان الاجر فی اذان القبر	اردو	مطبوعہ	قبر پر اذان دینے کا جواز
۲۵۹	۱۳۱۰	رعایۃ المذہبین فی الدعاء بین الخطبتین	"	"	دونوں خطبوں کے درمیان دعا کا بیان
۲۶۰	۱۳۱۱	رشاقۃ الکلام فی حواشی اذاقۃ الاثام	"	"	دربارۂ مجلس میلاد وقیام رسالہ والد پر حاشیہ
۲۶۱	۱۳۲۶	البیان شافیا لفونوغرافیا	"	"	فونوگراف سننے کے احکام
۲۶۲	"	جد الممتار من رد المحتار	عربی	مسودہ	رد المحتار پر حاشیہ
۲۶۳	"	العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویۃ	عربی فارسی اردو	مطبوعہ ومسودہ	بارہ جلدوں میں فتاوی کا مجموعہ
۲۶۴	۱۳۰۳	النتاج المکمل فی انارۃ مدلول کان یفعل	عربی	نا تمام	کان یفعل دوام میں نص نہیں
۲۶۵	۱۳۱۲	السیوف الخفیفہ علی عائب ابی حنیفہ	اردو	مبیضہ	فتاوی عالمگیری کے قول جو شخص قیاس امام اعظم کو حق کہے کافر ہے کی تشریح
۲۶۶	۱۳۱۳	اعز النکات بجواب سوال ارکان ملقب بہ الفضل	"	مطبوعہ	حدیث پر چلنے کے لئے کیا کیا درکار ہے
۲۶۷	۱۳۱۹	اطائب الصیب علی ارض الطیب	عربی اردو	"	فرضیت تقلید
۲۶۸	۱۳۰۰	احسن الجلوہ فی تحقیق المیل والذراع والفراسخ والغلوہ	عربی	مبیضہ	میل، ذراع، فرسخ وغلوہ کی تحقیق مقادیر
۲۶۹	۱۳۱۵	المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع	اردو	"	جو عصبہ مثلاً بیس پشت پر جاکر ملے اسکی وراثت میں شبہات کا جواب
۲۷۰	۱۳۱۷	طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان	عربی اردو	"	ذوی الارحام میں تعدد جہات فرع سے تعدد اصل کی تحقیق مفرد
۲۷۱	۱۳۲۱	تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم	فارسی اردو	"	بعض مسائل فرائض کی تحقیق اور اوہام بعض ابنائے زمان کی اصلاح
۲۷۲	۱۳۰۶	برائت نامہ انجمن اسلامیہ بانس بریلی	اردو	مطبوعہ	متعلق کاروائی انجمن رویت ہلال
۲۷۳	۱۳۱۵	نعم الزاد لروم الضاد	فارسی	مبیضہ	حرف ضاد کی تحقیق
۲۷۴	۱۳۰۳	الاسد الصول علی اجتہاد الطرار الجہول	"	"	مسئلہ رضاعت میں ایک وہابی کا رد
۲۷۵	۱۳۱۶	ہدم النصرانی والتقسیم الایمانی	"	مطبوعہ	بعض پادریوں کا فرائض پر اعتراض اور اس کا جواب

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۲۷۶	۱۳۱۶	اجتناب العمال عن فتاوی الجہال	اردو	مطبوعہ	قنوت نازلہ کا بیان اور ایک وہابی کا رد
۲۷۷	۱۳۱۸	سیف ولایتی بر واہم ولایتی	"	"	مسئلہ روشنی میں ایک واہم کا رد
۲۷۸	۱۳۲۰	البرق المخیب علی بقاع طبیب	"	مبیضہ	رسالۂ ملاطفہ کا پہلا رد
۲۷۹	۱۳۲۱	العطر المطیب لنیت شفتۃ الطیب	عربی اردو	مسودہ	" " " دوسرا رد
۲۸۰	"	الآمۃ القاصفہ لکفریات الملاطفہ	"	"	" " " تیسرا رد
۲۸۱	۱۳۲۲	الجائفہ علی تہافت الملاطفہ	"	"	" " " چوتھا رد
۲۸۲	۱۳۲۳	سیاط المودب علی رقبۃ المتعرب	"	"	" " " پانچواں رد
۲۸۳	۱۳۲۶	الرد الناہز علی ذام النہی الحاجز	اردو	"	بعض جہال کی زبان درازی کا جواب
۲۸۴		نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار	"		
۲۸۵		قوانین العلماء	"		
۲۸۶		سد الفرار	"		
۲۸۷		تبویب الاشباہ والنظائر	عربی		
۲۸۸		اجلی نجوم رجم برایڈیٹر النجم	اردو		
۲۸۹		السیف الصمدانی	"		
۲۹۰		الطلبۃ البدیعۃ	"		
۲۹۱		حاشیہ فواتح الرحموت	عربی		
۲۹۲		حاشیہ حموی شرح الاشباہ والنظائر	"		
۲۹۳		حاشیہ الاسعاف فی احکام الاوقاف	"		
۲۹۴		حاشیہ اتحاف الابصار	"		
۲۹۵		حاشیہ کشف الغمہ	"		
۲۹۶		حاشیہ شفاء السقام	"		
۲۹۷		حاشیہ کتاب الخراج	"		
۲۹۸		حاشیہ معین الحکام	"		
۲۹۹		حاشیہ میزان الشریعۃ الکبریٰ	"		
۳۰۰		حاشیہ ہدایہ اخیرین	"		
۳۰۱		حاشیہ ہدایہ فتح القدیر عنایہ حلبی	"		
۳۰۲		حاشیہ بدائع الصنائع	"		
۳۰۳		حاشیہ جوہرہ نیرہ	"		
۳۰۴		حاشیہ جواہر اخلاطی	"		
۳۰۵		حاشیہ مراقی الفلاح	"		
۳۰۶		حاشیہ مجمع الانہر	"		
۳۰۷		حاشیہ جامع الفصولین	"		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۳۰۸		حاشیہ جامع الرموز	عربی		
۳۰۹		حاشیہ بحر الرائق	"		
۳۱۰		حاشیہ تبیین الحقائق	"		
۳۱۱		حاشیہ غنیۃ المستملی	"		
۳۱۲		حاشیہ فوائد کتب عدیدہ	"		
۳۱۳		حاشیہ کتاب الانوار	"		
۳۱۴		حاشیہ رسائل شامی	"		
۳۱۵		حاشیہ فتح المعین	"		
۳۱۶		حاشیہ شفاء الاسقام	"		
۳۱۷		حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار	"		
۳۱۸		حاشیہ فتاویٰ عالمگیری	"		
۳۱۹		حاشیہ فتاویٰ خانیہ	"		
۳۲۰		حاشیہ فتاویٰ سراجیہ	"		
۳۲۱		حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ	"		
۳۲۲		حاشیہ فتاویٰ خیریہ	"		
۳۲۳		حاشیہ عقود الدار	"		
۳۲۴		حاشیہ حدیثیہ	"		
۳۲۵		حاشیہ فتاویٰ بزازیہ	"		
۳۲۶		حاشیہ فتاویٰ زربینیہ	"		
۳۲۷		حاشیہ فتاویٰ غیاثیہ	"		
۳۲۸		حاشیہ رسائل قاسم	"		
۳۲۹		حاشیہ اصلاح شرح الفیاح	"		
۳۳۰		حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ	فارسی		
۳۳۱		حاشیہ رسائل الارکان	عربی		
۳۳۲		حاشیہ الاعلام بقواطع الاسلام	"		

تنقیدات

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۳۳۳	۱۲۸۸	حل خطاء الخط	عربی	مبیضہ	رد خط اسماعیل دہلوی
۳۳۴	۱۳۰۰	النذیر الہائل لکل جلف جاہل	اردو	مسودہ	مجلس میلاد میں فتویٰ نذیر حسین دہلوی کا اقرار و رد کی توضیح
۳۳۵	۱۳۰۳	الاہلال بفیض الاولیاء بعد الوصال	"	مطبوعہ	حیات الموات میں شامل کر دیا گیا۔
۳۳۶	۱۳۰۶	الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ	"	مبیضہ	روافض کی اذان میں کلمۂ بلا فصل کی حرمت اور ان پر لعنت کا ثبوت
۳۳۷	۱۳۰۹	النیر الشہابی علی تدلیس الوہابی	"	"	دربارۂ تقلید غیر مقلدوں کے بعض شبہات کا جواب
۳۳۸	۱۳۱۱	فتح النسرین بجواب الاسئلۃ العشرین	"	مسودہ	وہابیت کے متعلق ۲۰ سوالوں کا جواب
۳۳۹	۱۳۱۳	مراسلات سنت و ندوہ	"	مطبوعہ	ناظم ندوہ سے دربارۂ ندوہ خط و کتابت

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۴۰	۱۳۱۳	سوالات حقائق نما برد وس ندوۃ العلماء	اردو	مطبوعہ	ندوہ پر ستر سوال کا مجموعہ
۳۴۱	۱۳۱۷	ترجمۃ الفتویٰ وجہ ہدم البلوی	"	"	ندوہ سے متعلق فتویٰ حرمین کا ترجمہ
۳۴۲	"	خلص فوائد فتویٰ	"	"	خلاصہ مضامین فتویٰ مذکورہ
۳۴۳	۱۳۱۸	رادع التعسف عن الامام ابی یوسف	"	مبیضہ	حیلہ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابو یوسف پر اعتراض غیر مقلدین کا رد
۳۴۴	۱۳۲۰	الجراز المہیا نعلمۃ کنہیا	"	"	مجلس میلاد مبارک پر فتویٰ گنگوہی کا رد
۳۴۵	"	اظہار الحق الجلی	"	"	مقدمہ غیر مقلدہ آرہ میں ۱۹۶ سوالات کے جوابات
۳۴۶	۱۳۲۰	معارک الجروح علی التوہب المقبوح	"	"	۹۶ جرحیں جو اہلسنت کی طرف سے مقدمہ مذکور میں داخل کی گئیں۔
۳۴۷					
۳۴۸	"	بیبل مژدہ آراد کیفر کفران نصاری	"	"	بیبل سے اسلام کی حقانیت اور بطلان نصرانیت
۳۴۹	۱۳۲۱	اصلاح النظیر	"	"	مساجد اہلسنت میں غیر مقلدوں کے آنے پر نظیر محمود کا جواب
۳۵۰	"	اکمل البحث علی اہل الحدث	"	"	وہابیہ کو مساجد سے نکالنے کی بحث جو داخل کچہری ہوئی۔
۳۵۱	۱۳۲۴	خلاصۂ فوائد فتاویٰ	"	مطبوعہ	حسام الحرمین کے مضامین کا خلاصہ
۳۵۲	۱۳۲۶	البارقۃ الشارقۃ علی المارقۃ المشارقۃ	عربی فارسی اردو	مبیضہ	مجموعہ فتاویٰ کثیرہ مصنف در رد وہابیہ
۳۵۳	۱۳۲۲	اتیان الارواح لدیارہم بعد الارواح	اردو	"	روحوں کا بعد موت اپنے گھر آنا اور گنگوہی کا رد
۳۵۴	۱۲۹۶تا۱۲۹۷	مرجی الاجابات لدعاء الاموات	"	ناتمام	اموات کی دعا کے قبول و نا قبول کا بیان
۳۵۵	۱۲۹۹	سیف المصطفیٰ علی ادیان الافتراء	"	مبیضہ	وہابیہ کے پیشوا کی نقل عبارت میں خیانتوں کی نشاندہی
۳۵۶	۱۳۰۰	فتح خیبر	"	مطبوعہ	مناظران تفضیلیہ کے فرار کا واقعہ
۳۵۷	۱۳۰۳	نشاط السکین علی حلق البقر السمین	"	مبیضہ	مسئلہ فاتحہ و تقبیل ابہامین وغیرہ کا بیان ورد وہابیت
۳۵۸	۱۳۰۵	صمصام حدید بر کول بے قید عدو تقلید	"	"	رد غیر مقلداں
۳۵۹	۱۳۰۷	نہایت النصرہ برد الاجوبۃ العشرہ	"	"	ایک وہابی کے دس مسائل کا رد
۳۶۰	۱۳۱۲	انتصار الہدیٰ من شعوب الہوی	"	مطبوعہ	ختم تراویح میں ۱۱۴ بار بسم اللہ پکار کر پڑھنے والوں کا رد
۳۶۱	۱۳۱۳	اشتہارات خمسہ	"	"	رد ندوہ
۳۶۲	"	عزوہ لہدم سماک دار الندوہ	"	"	خرافات ندوہ کا رد
۳۶۳	"	ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ	"	"	ندوہ کی تیسری روداد کا رد
۳۶۴	۱۳۱۵	بارش بہاری بر صدف بہاری	"	"	ایک ندوی تحریر کا رد
۳۶۵	"	سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ	"	"	رد ندوہ
۳۶۶	۱۳۱۶	صمصام سنیت لگوتے بجذیت	"	"	ایک وہابی نے کفریات دہلوی کے کچھ جواب دیئے تھے ان کا رد
۳۶۷	۱۳۲۱	صمصام القیوم علی ناح الندوہ عبد القیوم	"	"	رد تحریر رکن ندوہ
۳۶۸	۱۳۲۶	پردہ در امرتسری	"	"	مولوی ثناء اللہ امرتسری کا رد
۳۶۹	۱۳۰۰	الاسئلۃ الفاضلۃ علی الطوائف الباطلۃ	"	"	وہ سوالات جو متعدد لوگوں سے کئے گئے اور وہ عاجز رہے
۳۷۰	۱۳۱۹	سوالات علماء وجوابات ندوۃ العلماء	"	"	خیالات ندوہ کا بے مثل رد
۳۷۱	۱۳۱۶	کیفر کفر آریہ	"	مبیضہ	رد آریہ

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۷۲	۱۲۹۶	نور عینی فی الانتصار الامام عینی	عربی	مسودہ	امام عینی پر اعتراض کا جواب

تصوف، اذکار، اوفاق، تعبیر، اخلاق

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۷۳	۱۳۰۸	کشف حقائق و اسرار دقائق	اردو	مطبوعہ	سوالات تصوف کا جواب
۳۷۴	۱۳۱۱	بوارق تلوح من حقیقۃ الروح	عربی	مسودہ	روح کیا شے ہے
۳۷۵	۱۳۱۲	اللطف بجواب مسائل التصوف	اردو	"	سوالات تصوف کا جواب
۳۷۶	۱۳۱۹	نقاء السلافہ فی البیعۃ والخلافہ	"	مبیضہ	بیعت و خلافت کے احکام
۳۷۷	۱۳۰۵	ازہار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار	عربی	"	طریقہ و برکات نماز غوثیہ شریف
۳۷۸	"	زہر الصلاۃ من شجرۃ اکارم الہداۃ	"	"	درود میں شجرۂ طیبہ کے اوراد
۳۷۹	۱۳۱۲	العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار	اردو	"	دعائے افطار، افطار سے پہلے یا بعد
۳۸۰	۱۳۱۸	المنۃ الممتازہ فی دعوات الجنازہ	عربی اردو	مبیضہ	جنازہ کی دعاؤں کا حدیث سے استخراج
۳۸۱	۱۳۰۴	ما قل وکفی من ادعیۃ المصطفیٰ	اردو	"	صبح و شام و اوقات خاصہ کی کارآمد دعائیں
۳۸۲	۱۳۲۶	الفوز بالآمال فی الاوفاق والدعا	عربی فارسی	مبیضہ	اعمال و نقوش و تعویذات خاندانی و ایجادی کا دریا
۳۸۳	۱۳۰۷	شرح الحقوق لطرح العقوق	اردو	"	ابوین و زوجین و استاد وغیرہم کے حقوق کا بیان
۳۸۴	۱۳۰۹	مشعلۃ الارشاد الی حقوق العباد	"	"	اولاد کے پیدا ہونے سے لیکر بالغ ہونے تک کے حقوق
۳۸۵	"	اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ	"	"	جو زکوٰۃ نہ دے اس کے صدقات قبول نہیں۔
۳۸۶		الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطہ	"		
۳۸۷		حاشیہ احیاء العلوم	عربی		
۳۸۸		حاشیہ حدیقۂ ندیہ	"		
۳۸۹		حاشیہ مدخل اول، دوم، سوم	"		
۳۹۰		حاشیہ کتاب الابریز	"		
۳۹۱		حاشیہ کتاب الزواجر	"		

تاریخ، سیر، مناقب، فضائل

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۹۲	۱۳۲۲	جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان	اردو	مبیضہ	قرآن عظیم کیسے جمع ہوا اور حضرت عثمان غنی کو خاص جامع القرآن کیوں کہتے ہیں۔
۳۹۳	۱۳۱۲	اعلام الصحابۃ الموافقین للامیر معاویۃ وام المومنین	"	ناتمام	کون اصحاب امیر معاویہ اور ام المومنین کے ساتھ تھے
۳۹۴	۱۳۱۶	جان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج	عربی اردو	مبیضہ	معراج سے پہلے نماز کس طرح تھی۔
۳۹۵	۱۳۱۷	نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال	اردو	مطبوعہ	تاریخ ولادت اقدس و وصال شریف کی جلیل تحقیق
۳۹۶	۱۳۲۰	منبہ المنیہ لوصول الحبیب الی العرش والرویۃ	"	مبیضہ	سیر عرش اور دیدار الٰہی کا بیان
۳۹۷	۱۳۲۲	جالب الجنان فی رسم احرف من القرآن	"	"	قرآن عظیم کے بعض کلمات کے رسم خط کی تحقیق
۳۹۸	"	سلام کبیر	"	ناتمام	بہ ضمن ولادت تا وفات شریف وغیرہ کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۳۹۹	۱۲۹۷	الکلام للبہی فی تشبیہ الصدیق بالنبی	اردو	مبیضہ	صدیق اکبر کی نبی کریم سے مشابہتیں
۴۰۰	"	وجہ المشفوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق	"	"	صدیق وفاروق کے اسماء درحدیث آمدہ کا بیان
۴۰۱	۱۲۹۶	نفی الفئ عمن بنورہ انار کل شئی	"	"	حضور کو سایہ نہ تھا
۴۰۲	۱۲۹۷	سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوری	"	مسودہ	فضائل اقدس میں
۴۰۳	۱۲۹۸	اجلال جبریل بجعلہ خادماً للمحبوب الجلیل	"	"	جبریل امین خادم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
۴۰۴	۱۲۹۹	ہدی الحیران فی نفی الفئ عن شمس الاکوان	فارسی۔ اردو	مبیضہ	سایہ اقدس کا ثبوت اور ایک مخالف کا رد
۴۰۵	۱۳۰۳	مجیر معظم شرح قصیدۂ اکسیر اعظم	فارسی	"	فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ
۴۰۶	۱۳۰۶	العروس الاسماء الحسنیٰ فیما لنبینا من الاسماء الحسنیٰ	عربی اردو	ناتمام	حضور کے ہزار سے زائد اسماء کا ذکر
۴۰۷	۱۳۱۲	تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاہلیہ	اردو	مبیضہ	مولیٰ علی پر کبھی بالتبع بھی لفظ کفر نہ آیا
۴۰۸	"	الجام البری عن وسواس المفتری	عربی فارسی	"	شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی جناب میں عقیدہ
۴۰۹	"	جمیل ثناء الائمہ علی علم سراج الامہ	"	مسودہ	ائمہ نے علم امام اعظم کی کیا کیا مدح فرمائی
۴۱۰	۱۳۱۵	شمول الاسلام لآباء الرسول الکرام	"	مبیضہ	والدین حضور موحد تھے
۴۱۱	۱۳۱۸	انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی	"	مطبوعہ	مسئلہ علم غیب کا مجمل وکافی بیان
۴۱۲	۱۳۲۳	الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ	عربی	"	رسالہ علم غیب جو مکہ میں تصنیف ہوا۔
۴۱۳	۱۳۲۵	حدائق بخشش	عربی فارسی	"	منتخب دیوان نعت
۴۱۴	۱۲۹۶	قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام	"	مسودہ	سایہ نبوی نہ ہونے کا بیان
۴۱۵	۱۳۱۰	فتاویٰ کرامات غوثیہ	"	مطبوعہ	ذکر بعض کرامات شریفہ
۴۱۶	۱۳۲۶	دیوان القصائد	عربی	مبیضہ	قصائد ونعت ومنقبت کا مجموعہ
۴۱۷	۱۳۰۲	اکسیر اعظم	فارسی	"	قصیدۂ غوث پاک
۴۱۸	۱۳۰۴	سلسلۃ الذہب نافیۃ الارب	"	مطبوعہ	شجرۂ عالیہ قادریہ منظومہ
۴۱۹	۱۳۰۵	ذریعہ قادریہ	اردو	"	نظم ونعت ومنقبت غوث پاک
۴۲۰	۱۳۰۸	فضائل فاروق	"	ناتمام	سیدنا فاروق کے مناقب در نظم
۴۲۱	۱۳۰۹	نظم معطر	فارسی	مطبوعہ	رباعیات درشان غوث پاک
۴۲۲	۱۳۱۵	مشرقستان قدس	اردو	"	قصیدۂ مدحیہ حضرت نوری میاں
۴۲۳	"	چراغ انس	"	"	قصیدۂ مدحیہ درشان تاج الفحول بدایونی
۴۲۴	۱۳۲۱	وظیفہ قادریہ	فارسی	"	قصیدۂ غوثیہ کا نظم ترجمہ مع مدعا
۴۲۵	۱۳۲۴	حضور جان نور	اردو	"	حاضری اقدس کے موقع پر نعت کہی
۴۲۶	"	نعت واستعارات	"	ناتمام	نعت شریف کا رسالہ پر مغز استعاروں وغیرہ پر مشتمل
۴۲۷	"	سراپا نور	"		قصیدۂ نور ۶۰ مطلع پر مشتمل
۴۲۸	"	مناقب صدیقہ	"		ام المومنین کی منقبت
۴۲۹	۱۳۰۰	حمائد فضل رسول	عربی	مطبوعہ	مولانا فضل رسول بدایونی کی مدح
۴۳۰	"	مدائح فضل رسول	"	مبیضہ	"

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۳۱	۱۳۰۰	نذر گدا در تہنیت شادی اسری	اردو	مطبوعہ	معراج اقدس کا بیان
۴۳۲	۱۳۱۳	سرگزشت و ماجرائے ندوہ	"	"	ندوہ پر بریلی میں کیا گزری
۴۳۳	۱۳۲۳	ابرار المجنون علی انتہاکہ علم المکنون	عربی	مبیضہ	مسئلہ علم غیب میں ابراز المکنون کا رد
۴۳۴	۱۳۲۴	ماجیۃ العیب بایمان الغیب	اردو	"	علم غیب میں فتویٰ مولوی عین القضاۃ کا رد
۴۳۵	۱۳۲۵	میل الھداہ لبرعین القذاہ	عربی	"	علم غیب میں التحقیق المجتبیٰ کا رد
۴۳۶	۱۳۲۶	اراحۃ جوائح الغیب عن ازاحۃ العیب	"	"	علم غیب میں ازاحۃ العیب کا رد
۴۳۷	"	الجلاء الکامل کعین قضاۃ الباطل	"	"	علم غیب میں البیان الصائب کا رد
۴۳۸		حاشیہ حاشیہ ہمزیہ	"		
۴۳۹		حاشیہ شرح شفا	"		
۴۴۰		حاشیہ شرح زرقانی شرح مواہب	"		
۴۴۱		حاشیہ بہجۃ الاسرار	"		
۴۴۲		حاشیہ الفوائد البہیہ	"		
۴۴۳		حاشیہ کشف الظنون	"		
۴۴۴		حاشیہ عصر الشارد	"		
۴۴۵		حاشیہ خلاصۃ الوفاء	"		
۴۴۶		حاشیہ مقدمہ ابن خلدون			

ادب، نحو، لغت، عروض

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
		صنائع بدیعہ	عربی فارسی ہندی	مبیضہ و مسودہ	دیوان صنائع و بدائع و تواریخ
۴۴۷	۱۳۱۲	فتح المعطی بتحقیق معنی الخاطی والمخطی	اردو	مبیضہ	خاطی و مخطی میں کیا فرق ہے
۴۴۸		اتعاف العلی لبکر فکر السنبلی	"		
۴۴۹		تبلیغ الکلام الی مدحۃ الکمال فی تحقیق رسالۃ المصدر	عربی		
۴۵۰		المصدر والافعال			
۴۵۱		ایزمزمۃ القمریہ	اردو		
۴۵۲		حاشیہ صراح	عربی		
۴۵۳		حاشیہ تاج العروس	"		
۴۵۴		حاشیہ میزان الافکار	فارسی		
۴۵۵	۱۳۱۵	شرح مقالہ مذاقیہ	اردو	مطبوعہ	ایک مدعی ادب کے جہالات عربی ادب کا جواب
۴۵۶	۱۳۱۶	مشرقستان اقدس	"	"	قصیدہ مشرقستان پر اعتراض کا جواب
۴۵۷	"	عذاب ادنی براد اوادنی	"	"	اوادنی باسقاط الف دوم پر اعتراض کا رد
۴۵۸	۱۳۱۸	آمال الابرار و آلام الاشرار	عربی اردو	"	قصیدہ عزا دربارۂ مجلس اہلسنت مقابل ندوہ

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع

زیجات

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۵۹	۱۳۲۴	مفر المطالع للتقویم والطالع	اردو	مبیضہ	المنک سے ستاروں کی تقویم اور وقت کا طالع نکالنے کا طریقہ
۴۶۰		حاشیہ برجندی	عربی		
۴۶۱		حاشیہ زلالات البرجندی	"		
۴۶۲		حاشیہ زیج بہادرخانی	فارسی		
۴۶۳		حاشیہ فوائد بہادرخانی	"		
۴۶۴		حاشیہ زیج الخانی	عربی		
۴۶۵		حاشیہ جامع بہادرخانی	فارسی		
۴۶۶					

جفر و تکسیر

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۶۷	۱۲۹۶	اطائب الاکسیر فی علم التکسیر	عربی	ناتمام	علم تکسیر اور مصنف کے ایجادات کثیر
۴۶۸	۱۳۲۱	التوقیت الرضویہ علی الکواکب الدریہ	"	مبیضہ	کواکب دریہ پر مصنف کے حواشی
۴۶۹		الجداول الرضویہ للمسائل الجفریہ	"	"	علم جفر کے متعلق مصنف کی ایجادی جدولیں
۴۷۰		الاجوبۃ الرضویہ للمسائل الجفریہ	"	"	سوالات جفر سے مصنف کا جواب
۴۷۱		رسالہ در علم تکسیر	فارسی		
۴۷۲		۱۱۵۲ مربعات	اردو		
۴۷۳		حاشیہ الدر المکنون	عربی		
۴۷۴		الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ	عربی		
۴۷۵		مجتلی العروس	اردو		
۴۷۶		الجفر الجامع	"		
۴۷۷		اسہل الکتب فی جمیع المنازل	عربی		
۴۷۷		رسالۃ فی علم الجفر	"		

جبر و مقابلہ

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۷۸	۱۳۲۵	حل المعادلات لقوی المکعبات	فارسی	ناتمام	جبر و مقابلہ کے مساوات درجہ سوم پر نظر
۴۷۹		حل ساداتہا تے درجہ سوم	"		
۴۸۰		رسالہ جبر و مقابلہ	"		
۴۸۱		حاشیۃ القواعد الجلیلہ	عربی		

مثلث، ارثما طیقی، لوگارثم

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۸۲	۱۳۱۹	الموہبات فی المربعات	عربی	مسودہ	ہم ایک مربع بنانا چاہتے ہیں کہ جسقدر مربع منظور ہوں ان کا مجموعہ ہو اور ایسے مربعات کے سلاسل کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۴۸۳	۱۳۲۳	البدور فی اوج المجذور	فارسی	مبیضہ	مربع ومکعب وغیرہ قوتوں کے متعلق فائدے
۴۸۴	۱۳۲۵	کتاب الانمار طبقی	"	"	اعمال اربعہ حسابیہ اوران کے نتائج وباہمی نسب کی اعلی کنہ وحقیقت جو اسی رسالہ میں ملے گی۔
۴۸۵		رسالہ در علم مثلث	فارسی		
۴۸۶		تلخیص علم مثلث کروی	"		
۴۸۷		وجوز وایا مثلث کروی	"		
۴۸۸		حاشیہ رسالہ علم مثلث	"		
۴۸۹		رسالہ در علم لوگارثم	اردو		

توقیت ، نجوم ، حساب

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۴۹۰	۱۳۱۹	الانجب الانیق فی طرق التعلیق	فارسی	مبیضہ	نماز روزہ کے اوقات کلیہ سے ہر مہینہ کے اوقات جزیہ نکالنے کے طریقے
۴۹۱	"	کلام الفہیم فی سلاسل الجمع والتقسیم	عربی	"	سلسلہ جمع وتفریق وضرب وتقسیم کا بیان اور علوم تازہ کا اضافہ
۴۹۲	"	زیج الاوقات للصوم والصلوات	اردو	ناتمام	ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کے شہروں کے نماز وروزہ کے اوقات کا استخراج
۴۹۳	۱۳۲۰	تاج توقیت	فارسی	مبیضہ	اوقات خمسہ نماز وسحری وافطار نکالنے کے طریقے وقواعد
۴۹۴	۱۳۲۴	کشف العلۃ عن سمت القبلۃ	اردو	"	ہر شہر کے لئے ٹھیک سمت قبلہ نکالنے کا طریقہ
۴۹۵	۱۳۲۵	ازکی البہا فی قوۃ الکواکب وضعفہا	فارسی	"	زائچہ ولادت میں ستارہ کن کن وجوہ سے خیال اہل تنجیم قوی یا ضعیف ہوتا ہے
۴۹۶	۱۳۲۶	درء القبح عن درک وقت الصبح	اردو	"	سحری کے وقت کی جلیل تحقیق اور اسے رات کا ساتواں حصہ جاننا محض خطاء ہے۔
۴۹۷	۱۳۲۰	سرالاوقات	"	مطبوعہ	تعدیل الایام کا بے مثل بیان
۴۹۸		رویت ہلال رمضان	"		
۴۹۹		مستویات السہام	"		
۵۰۰		البرہان القویم علی العرض والتقویم	"		
۵۰۱		استنباۃ الاوقات	فارسی		
۵۰۲		تسہیل التعدیل	اردو		
۵۰۳		میول الکواکب وتعدیل الایام	"		
۵۰۴		استخراج تقویمات کواکب	فارسی		
۵۰۵		طلوع وغروب نیرین	اردو		
۵۰۶		حاشیہ زبدۃ المنتخب	عربی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۵۰۷		ترجمہ قواعد نائیٹکل المنک	اردو		
۵۰۸		جدول اوقات	"		
۵۰۹		حاشیہ جامع الافکار	عربی		
۵۱۰		حاشیہ حدائق النجوم	"		
۵۱۱		حاشیہ خزانۃ العلم	"		

ہیئت، ہندسہ، ریاضی

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۵۱۲	۱۳۰۶	الاشکال الاقلیدس لنکس اشکال اقلیدس	عربی	مسودہ	اقلیدس کے بعض اشکال پر امتحانی اعتراض
۵۱۳	۱۳۱۹	عزم البازی فی جو الریاضی	عربی فارسی اردو	مبیضہ	مختلف علوم ریاضی میں تحریرات نفیسہ
۵۱۴	"	اقمار الانشراح لحقیقۃ الاصباح	عربی	مسودہ	صبح کیسے ہوتی ہے اور اس کے بارے میں امام رازی کے اعتراض کا جواب
۵۱۵	"	الصراح الموجز فی تعدیل المرکز	فارسی	مبیضہ	ہیئت قدیمہ و جدیدہ پر مرکز شمس کی تعدیل معلوم کرنے کا طریقہ کہ تقویم حاصل ہو۔
۵۱۶	"	اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا	عربی فارسی	"	مثلث مسطح مثلث کردی کے اضلاع و زوایا میں معلوم سے مجہول کا جاننا اور شکل مغنی ظلی و نافع کا بیان۔
۵۱۷	۱۳۲۰	الجمل الدائرہ فی خطوط الدائرہ	فارسی	"	جیب وظل و سہم و وتر و قاطع کے بیان اور طرق استخراج
۵۱۸	۱۳۲۳	ستین ولوگارثم	اردو	"	ستینی حساب اور لوگارثم بنانے اور جدول سے نکالنے کا طریقہ۔
۵۱۹	۱۳۲۵	جادۃ الطلوع والممر للسیارۃ والنجوم والقمر	عربی	"	قمر و متحیرات و ثوابت کے طلوع و غروب نصف النہار کا وقت نکالنے کا بیان
۵۲۰	۱۳۱۹	جداول الریاضی	عربی فارسی	"	جداول میل و ظلال وغیرہم کا استخراج از مصنف
۵۲۰		مقالہ مفردہ	اردو		
۵۲۱		معدن علومی در سنین ہجری عیسوی و رومی	"		
۵۲۲		طلوع و غروب کواکب و قمر	"		
۵۲۳		قانون رویت اہلہ	"		
۵۲۴		کسور اعشاریہ	فارسی		
۵۲۵		المعنی المجلی للمغنی والظلی	"		
۵۲۵		زاویہ اختلاف المنظر	"		
۵۲۶		مبحث المعادلہ ذات الدرجۃ الثانیہ	عربی		
۵۲۷		رویۃ الہلال	اردو		
۵۲۸		الکسر العشری	عربی		
۵۲۹		استخراج وصول قمر برراس	فارسی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۵۳۰		رسالۃ العاد قمر	عربی		
۵۳۱		حاشیہ تصریح	"		
۵۳۲		حاشیہ شرح چغمینی	"		
۵۳۳		حاشیہ علم الہیئت	"		
۵۳۴		حاشیہ کتاب الصور	"		
۵۳۶		جدول برائے جنتری شصت سالہ	فارسی		
۵۳۷		حاشیہ اصول الہندسہ	عربی		
۵۳۸		حاشیہ تحریر اقلیدس	"		
۵۳۹		حاشیہ رفع الخلاف	"		
۵۴۰		حاشیہ شرح باکورہ	"		
۵۴۱		حاشیہ طیب النفس	"		
۵۴۲		حاشیہ شرح تذکرہ	"		

فلسفہ، منطق

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۵۴۳		نزول مبین دربارہ حرکت زمین	اردو		
۵۴۴		الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ	"		
۵۴۵		معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین	"		
۵۴۶		حاشیہ ملا جلال میر زاہد	عربی		
۵۴۷		حاشیہ شمس بازغہ	"		
۵۴۸		حاشیہ اصول طبعی	اردو		

موضوعات	تعداد کتب
تفسیر	۱۱
عقائد وکلام	۵۴
حدیث واصول حدیث	۵۳
فقہ، اصول فقہ، لغت فقہ فرائض، تجوید	۲۱۴
تنقیدات	۴۰
تصوف اذکار اوفاق، تعبیر، اخلاق	۱۹
تاریخ، سیر، مناقب، فضائل	۵۵
ادب، نحو، لغت، عروض	

موضوعات	تعداد کتب
جفر وتکسیر	۱۱
جبر ومقابلہ	۴
مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم	۸
توقیت، نجوم، حساب	۲۲
ہیئت، ہندسہ، ریاضی	۳۱
منطق وفلسفہ	۶
	۵۴۸

امام احمد رضا پر کتابیں

ڈاکٹر محمد اسد اللہ مکھیڑوی (علیگ)

عوام اور خواص کیلئے اعلیٰ حضرت کے کارناموں شخصیت اور کردار سے آگاہی کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے وقت کے اس اہم تقاضہ کی تکمیل کیلئے حضرت مولانا محمد جیلانی محامد صاحب مدظلہ العالی نے ماہنامہ المیزان بمبئی کا امام احمد رضا نمبر شائع کر کے کر عمل قدم اٹھایا ہے۔ ان کی خاص رہنمائی میں ان کتب کی ایک فہرست عاجز نے مرتب کی ہے۔ اگر وہ نظر کرم نہ فرماتے باون کتابوں کی فہرست مرتب کرنا شاید ممکن نہ ہوتا جو کہ مستقلاً اعلیٰ حضرت پر لکھی گئی ہیں یا جن میں بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں برادر محترم و مکرم محمد صادق قصوری (لاہور) مدظلہ العالی اور برادر محترم قبلہ محمود احمد قادری صاحبان اور برادر عزیز محب الحق القادری رضوی کی امداد کا بیحد مشکور و ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب حضرت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں مزید علمی معاونت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط۔ (محمد اسد اللہ مکھیڑوی)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۱	حیات اعلیٰ حضرت جلد اول	ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب	مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی	—	۳۲۰
۲	حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم	ر	غیر مطبوعہ	—	
۳	حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم	ر	غیر مطبوعہ	—	
۴	حیات اعلیٰ حضرت جلد چہارم	ر	غیر مطبوعہ	—	
۵	الملفوظ حصہ اول	حضرت مصطفےٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم ہند	کتب خانہ سمنانی مدرسہ اسلامی اندر کوٹ میرٹھ	—	۱۰۴
۶	الملفوظ حصہ دوم	ر	ر		۱۱۲
۷	الملفوظ حصہ سوم	ر	ر	رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ	۸۰
۸	الملفوظ حصہ چہارم	ر	ر	شعبان ۱۳۸۲ھ	۸۰
۹	مقالات یوم رضا حصہ اول	قاضی عبد النبی کوکب	دائرۃ المصنفین لاہور	جون ۱۹۶۸ء	۱۴۴
۱۰	مقالات یوم رضا حصہ دوم	ر	ر	۲ر مئی ۱۹۷۰ء	۸۴
۱۱	مجدد الاسلام	محمد صابر القادری نسیم بستوی	نوری بکڈپو کانپور	۱۹۵۹ء	۲۴۰
۱۲	سوانح اعلیٰ حضرت	بدر الدین احمد قادری	مکتبہ غوثیہ ضلع بستی	۱۹۶۳ء	
۱۳	کرامات اعلیٰ حضرت	اقبال احمد نوری			
۱۴	فاضل بریلوی اور ترک موالات	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب	مرکزی مجلس رضا لاہور	۱۹۷۰ء	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۱۵	اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	اختر شاہجہانپوری	مرکزی مجلس رضا لاہور	سنہ ۱۹۷۱ء	
۱۶	سوانح سراج الفقہا	مولانا عبدالحکیم شرف قادری	"	۱۱ شوال المکرم سنہ ۱۳۹۳ھ	۴۰
۱۷	پیغامات یوم رضا	محمد مقبول احمد قادری	"	۲۱ رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۲ھ	۴۸
۱۸	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب	"	سنہ ۱۹۷۳ء	۲۶۴
۱۹	المجمل المعدد لتالیفات المجدد	ملک العلماء ظفر الدین بہاری صاحب	"	سنہ ۱۹۷۴ء	۳۲
۲۰	فاضل بریلوی کا فقہی مقام	علامہ غلام رسول سعیدی	"	مئی سنہ ۱۹۷۵ء	۴۰
۲۱	محاسن کنزالایمان	ملک شیر محمد اعوان	"	ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۴ھ	۵۶
۲۲	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری	"	"	صفر المظفر سنہ ۱۳۹۲ھ	۴۸
۲۳	اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	سید نور محمد قادری	"	صفر المظفر سنہ ۱۳۹۵ھ	۴۸
۲۴	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	الحاج وصیت یاب خان	تحقیق مرکز ۳۳ شاہ عالم گیٹ لاہور	سنہ ۱۹۷۵ء	۱۶
۲۵	یاد اعلیٰ حضرت	محمد عبدالحکیم شرف قادری	مکتبۂ قادریہ لاہور	۱۰ صفر سنہ ۱۳۹۵ھ	۶۴
۲۶	اعلیٰ حضرت نمبر	مجلس ادارت سید سعادت علی، جمیل احمد نعیمی، احمد میاں برکاتی	ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی	مارچ سنہ ۱۹۷۰ء	
۲۷	اعلیٰ حضرت نمبر	مجیب الاسلام نسیم اعظمی	ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی	جون سنہ ۱۹۶۲ء	
۲۸	رضا نمبر	مدیر سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی	پندرہ روزہ الحسن پشاور	یکم مارچ سنہ ۱۹۷۵ء	۳۲
۲۹	اعلیٰ حضرت نمبر	ایس ایم ناز	ہفت روزہ تعمیر وطن لاہور		۱۶
۳۰	اعلیٰ حضرت نمبر	ایڈیٹر مسعود حسن شہاب	ہفت روزہ الہام بہاولپور	۱۴ جون سنہ ۱۹۷۵ء	۲۴
۳۱	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نمبر	ایڈیٹر ناسخ سیفی	روزنامہ سعادت لائلپور	۹ مارچ سنہ ۱۹۷۵ء	۱۲
۳۲	اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت	سید نور محمد قادری	مکتبۂ رضویہ کرشنا اسٹریٹ گجرات	ستمبر سنہ ۱۹۷۵ء	۳۲
۳۳	مجدد اعظم نمبر	مدیر غلام محمد خاں اشہر	ماہنامہ تجلیات ناگپور	جون سنہ ۱۹۶۶ء	۱۷۶
۳۴	امام احمد رضا نمبر	مدیر مشتاق احمد نظامی	ماہنامہ پاسبان الہ آباد	اپریل سنہ ۱۹۶۲ء	۸۰
۳۵	حیات فاضل بریلوی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	(زیر طبع)		تقریباً ۱۰۰۰
۳۶	خلفا اعلیٰ حضرت	محمد صادق قصوری	مرکزی مجلس رضا لاہور		عنقریب منظر عام پر آنیوالی ہے
۳۷	علماء ان پولٹکس (انگریزی)	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی	مطبوعہ کراچی	سنہ ۱۹۷۳ء	ذکر صفحہ ۲۷۰ سے ۲۸۴
۳۸	انسائیکلو پیڈیا آف اسلام	پنجاب یونیورسٹی شعبۂ دائرۃ المعارف اسلامیہ			
۳۹	اعلیٰ حضرت بریلوی	پروفیسر عبدالشکور شاد کابل یونیورسٹی کابل	(زیر طبع)		
۴۰	آزادی کی انوکھی کہانی	گل محمد فیضی بی اے	مکتبۂ الکرم ڈھل شریف سرگودھا	اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء	ذکر ص ۱۳۶ تا ۱۶۱
۴۱	تذکرۂ رضا	محمد احمد مصباحی	حق اکیڈمی مبارکپور		۸۰
۴۲	رانچی میں یوم رضا	محمد احمد مصباحی	حق اکیڈمی مبارکپور		۳۲
۴۳	تذکرۂ علمائے اہلسنت	محمود احمد قادری	خانقاہ قادریہ بھوانی پور مظفر پور	رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۱ھ	۴۲ تا ۴۶

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۴۴	تذکرۂ نوری	پروفیسر محمد ایوب قادری	سنی دارالاشاعت لائلپور	سنہ ۱۹۶۸ء	۵تا۷
					۱۵تا۱۷
					۴۰تا۴۱
					۲۰۵تا۲۰۶
					۱۵۹تا۱۶۰
۴۵	اعلیٰ حضرت کی علمی و ادبی خدمات (ڈاکٹریٹ مقالہ)	حکیم محمد ادریس خاں	(غیر مطبوعہ)	سنہ ۱۹۷۵ء	۱۵۰۰
۴۶	تذکرۂ علمائے ہند	مولانا رحمان علی	مطبع نول کشور لکھنؤ	سنہ ۱۹۱۴ء	۱۵تا۱۸
۴۷	اردو انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر عبدالوحید	فیروز سنز لمیٹید لاہور	سنہ ۱۹۶۲ء	۸۶
۴۸	نزہتہ الخواطر جلد ہشتم	سید عبدالحیٔ لکھنوی	مطبوعہ حیدرآباد	سنہ ۱۹۷۰ء	۳۸تا۴۱
۴۹	ہندستان کے عربی گو شعراء	ڈاکٹر حامد علی خاں	غیر مطبوعہ		۲۲۶تا۲۲۷
۵۰	قاموس الکتب	مولوی عبدالحق بابائے اردو	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	جون سنہ ۱۹۶۱ء	۴۴۳تا۴۴۶
					۳۸۲
					۱۸۶
					۲۱۸
					۸۸۳
					۹۱۰
					۹۲۳تا۹۲۴
					۱۰۰۰
					۱۰۶۳
					۱۰۲۴
					٥
۵۱	حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی	محمد مرید احمد چشتی ضلع جہلم۔	(زیر طبع)		
۵۲	حافظ ملت اعلیٰ حضرت	مدیر اعلیٰ ظہیر الدین قادری	ماہنامہ استقامت کانپور	دسمبر سنہ ۱۹۷۵ء	۲۹تا۳۰
۵۳	اعلیٰ حضرت نمبر	مدیر محمد افضل کوٹلوی ایم اے	ماہنامہ فیض رضا لائلپور	سنہ ۱۹۷۰ء	
۵۴	اعلیٰ حضرت نمبر	رر	ماہنامہ عرفات لاہور	اپریل سنہ ۱۹۷۰ء	

٥ بابائے اردو نے اعلیٰ حضرت کی کتب کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے اور اس پر نوٹ قلم بند کئے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت کی شخصیت و علمیت کو ہر باب میں مدنظر رکھا ہے۔ (اسد)

ہے مئے عشق رسول اللہ سے مخمور تو
ہو نہ پھر کیونکر خدائے دو جہاں تیرا خلیل

سوانحیات

۱
امام احمد رضا شخصیتی جائزہ

۲
امام احمد رضا علوم و فنون کا ہمالیہ

۳
امام احمد رضا اور ان کی خصوصیات

۴
امام احمد رضا نائبِ رسول اعظم

۵
امام احمد رضا ایشیاء کا عظیم محقق

۶
امام احمد رضا دین کا امام

۷
امام احمد رضا سوانحی خاکہ

۸
امام احمد رضا اور محبّت سادات

امام احمد رضا کا

شخصیتی جائزہ

پروفیسر مختار الدین احمد ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

حضرت مولانا احمد رضا خان، جنھیں اپنے وقت کے مشہور عالم حضرت مولانا عبد المقتدر بدایونی نے "مجدّدِ مائۃِ حاضرہ" کا لقب دیا تھا اور جنھیں خواص اب بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مورثِ اعلیٰ قندھار (کابل) کے ایک باعظمت قبیلے کے ایک پٹھان سعید اللہ خان تھے جو مغلوں کی حکومت میں لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔ لاہور کا شیش محل انھی کی جاگیر تھا۔ جب وہ لاہور سے دہلی منتقل ہوئے تو وہ شش ہزاری عہدے پر متمکن تھے۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں کو حکومتِ مغلیہ نے ایک جنگی مہم سر کرنے کے لئے روہیل کھنڈ بھیجا۔ فتح یابی کے بعد ان کا یہیں انتقال ہوا۔ ان کے تین بیٹوں میں اعظم خاں بریلی آئے اور کچھ دن حکومت کے بعض اہم عہدوں پر فائز رہے پھر انھوں نے ترکِ دنیا کر کے بریلی میں سکونت اختیار کر لی۔ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیلدار انھی اعظم خاں کے بیٹے تھے جن کے پاس دو سو سواروں کی بٹالین تھی۔ اور جنھیں آٹھ گاؤں جاگیر میں ملے تھے۔ ان کے بیٹے رضا علی خاں (متوفی ۱۲۸۲ھ) تھے اپنے وقت کے قطب اور ولیِ کامل اور روہیل کھنڈ کے بزرگ ترین علماء میں تھے۔ اس خاندان میں انھی کے زمانے میں حکمرانی کا دور ختم ہو کر فقر و درویشی کا رنگ غالب آیا۔ ان کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ) علوم ظاہری و باطنی دونوں سے متصف جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کی تصنیف سرور القلوب فی ذکر مولد المحبوب اس زمانہ کی مقبول کتابوں میں ہے۔ علامہ محمد حسن علمی جن کے لکھے ہوئے خطبات ہندوستان ہر جگہ رائج ہیں اور جمعہ و عیدین میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں انھی کا خطبہ پڑھا جاتا ہے حضرت ہی کے شاگرد تھے۔ وہ بے مثل مناظر اور بہت کامیاب مصنف بھی تھے۔ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی انھی مولانا نقی علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت بریلی میں دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ ولادت کا سن ہجری اس آیت کریمہ سے مستخرج ہوتا ہے اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وأیدھم بروح منہ۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی معلوم نہیں لیکن اس قدر یقین ہے کہ بہت کم عمری میں ہوئی ہوگی اس لئے کہ چار سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا اس سے آپ کی ذہانت و فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بسم اللہ خوانی کا عجیب واقعہ پیش آیا۔ استاد نے بسم اللہ کے بعد الف با تا جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا، آپ پڑھتے رہے، جب (لام الف) کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے۔ استاد نے دوبارہ کہا میاں: لام الف۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں حرف تو پڑھ چکے ہیں ل بھی اور الف بھی، اب یہ دوبارہ کیوں؟ جد امجد مولانا رضا علی خاں موجود تھے بولے: بیٹا، استاد کا کہا مانو جو کہتے ہیں پڑھو۔ حضرت نے تعمیل کی اور جد امجد کی طرف دیکھا۔ وہ فراست سے سمجھ گئے کہ اس بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ میں ایک مرکب لفظ کیسے آگیا، فرمایا بیٹا تمہارا شبہ درست ہے مگر شروع میں تم نے جو الف پڑھا ہے وہ دراصل ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن ہے اس لئے ایک حرف یعنی لام اوّل میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ آپ نے فرمایا تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا لام کی کیا خصوصیت ہے۔ با، دال، سین بھی اوّل میں لا سکتے تھے۔ جد امجد نے نہایت محبت و جوش میں گلے لگا لیا۔ دل سے دعائیں دیں اور پھر اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔

حیات اعلیٰ حضرت مؤلفہ ملک العلماء فاضل مولانا ظفر الدین قادری رضوی میں ان کے بچپن کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ ایک دو ٹکڑے آپ بھی سن لیجئے۔

ایک مولوی صاحب حضرت کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز وہ کسی آیہ کریمہ میں بار بار ایک لفظ انھیں بتاتے تھے مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا، وہ زبر بتاتے تھے آپ زیر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت کے جدّ امجد نے

انھیں اپنے پاس بلایا اور کلام پاک کا وہ نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی اور جس کی مطبع میں تصحیح نہیں ہو سکی تھی۔ جد امجد نے نسخے میں تصحیح کر دی اور حضرت سے پوچھا جس طرح مولوی صاحب بتلاتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ فرمایا میں ارادہ کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ تھا۔

ایک روز مولوی صاحب موصوف حسب معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آکر سلام کیا، مولوی صاحب نے کہا جیتے رہو۔ اس پر حضرت نے فرمایا یہ سلام کا جواب تو نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیئے تھا۔ مولوی صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

حضرت مولوی صاحب سے سبق پڑھتے تو ایک دو بار دیکھ کر کتاب بند کر دیتے۔ استاد جب سبق سنتے تو لفظ بلفظ یاد۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر مولوی صاحب سخت متعجب ہوئے ایک دن کہنے لگے: امن میاں (یہ آپ کا بچپن کا نام ہے) تم آدمی ہو یا فرشتہ، مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔

اس قسم کے متعدد واقعات مولوی صاحب کو بارہا پیش آئے تو ایک روز تنہائی میں حضرت سے کہنے لگے: صاحبزادے سچ سچ بتا دو میں کسی سے کہوں گا نہیں، تم انسان ہو یا جن؟ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں انسان ہی ہوں بس اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہے۔

ابتدائی زندگی کے حالات کم ملتے ہیں۔ تذکرہ علمائے ہند مولفہ رحمٰن علی میں لکھا ہے کہ چار سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم کیا اور چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مرزا غلام قادر بیگ اور دوسرے اساتذہ سے پڑھ کر چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول و منقول کی تکمیل اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان سے کی۔ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحہ فراغ ہوا۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد نے ذہین و طباع دیکھ کر اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام ان کے سپرد فرمایا۔ ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی کے مرید ہوئے اور خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین طیبین سے شرف و افتخار حاصل فرمایا اور اکابر علمائے دیار مثل حضرت سید احمد دحلان مفتی شافعیہ و حضرت عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے حدیث و فقہ و اصول و تفسیر و دیگر علوم کی سند حاصل فرمائی۔ مصنف تذکرہ علمائے ہند ہی راوی ہیں کہ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی کہ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح نے بلا تعارف سابق آپ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے دولت خانے لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرماتے رہے انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین (بیشک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں) اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اس سند کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ مکتب کے استاد جن کا نام معلوم نہیں اور مرزا غلام قادر بیگ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ والد ماجد سے علوم دینیہ کی تکمیل کی غالباً ۱۲۸۸ھ کا قصہ ہے کہ آپ کو اپنے بعض اعزہ کے یہاں رام پور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم نواب کلب علی خاں صاحب کے یہاں کسی اونچے عہدے پر مامور تھے، ان سے حضرت کا ذکر آیا، نواب صاحب چونکہ علمی ذوق رکھتے تھے اور علماء، شعراء، حکماء اور اہل فن کی خاصی جماعت ان کے دربار سے منسلک تھی اور وہ علمی و ادبی گفتگو کرتے رہتے تھے انھیں ایک ایسے لائق طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی تھی، جب حضرت نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انھوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور وہ بہت لطف و محبت سے باتیں کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں انھوں نے فرمایا: آپ ماشاء اللہ فقہ و دینیات میں بہت کمال رکھتے ہیں۔ ہمارے یہاں مولانا عبدالحق خیر آبادی مشہور منطقی موجود ہیں بہتر ہو آپ ان سے کچھ منطق کی انتہائی کتابیں قدماء کی تصانیف سے پڑھ لیں۔ اتفاق سے اس وقت مولانا عبدالحق خیر آبادی تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے تعارف کرایا اور فرمایا باوجود کم سنی کے ان کی سب کتابیں ختم ہیں اور فارغ التحصیل ہیں۔ مولانا خیر آبادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ دنیا میں ڈھائی عالم ہیں۔ ایک مولانا بحر العلوم دوسرے والد مرحوم اور نصف بندۂ ناچیز۔ وہ ایک کم عمر لڑکے کو کیا عالم ملتے پوچھا منطق میں انتہائی کتاب آپ نے کیا پڑھی ہے؟ جواب دیا۔ قاضی مبارک۔ یہ سن کر دریافت کیا کہ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیا جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ خیر آبادی نے گفتگو کا رُخ بدل دیا اور پوچھا۔ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟ فرمایا تدریس، تصنیف اور افتاء۔ پوچھا، کس فن میں تصنیف کرتے ہیں۔ اعلیحضرت نے فرمایا، جن مسئلہ دینیہ میں ضرورت دیکھی اور ردّ وہابیہ میں۔ علامہ نے فرمایا آپ بھی ردّ وہابیہ کرتے ہیں۔ ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اس خبط میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ اشارہ تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ کے استاد بھائی دوست اور ساتھی تھے۔ اعلیحضرت آزردہ خاطر ہوتے اور بولے: جناب والا سب سے پہلے ردّ وہابیہ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی حضور کے والد ماجد نے کیا اور تحقیق الفتویٰ لسلب الطغویٰ نام کی کتاب ردّ وہابیہ میں تصنیف کی۔ بہر حال حضرت کے استاد ہونے کا فخر رام پور ہی کے ایک دوسرے عالم ہیئات کے مشہور فاضل مولانا عبدالعلی رامپوری کو حاصل ہوا جن سے حضرت نے شرح چغمینی کے کچھ اسباق لئے آپ نے حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی سے علم تکسیر و جفر حاصل کئے، ان کے

علاوہ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا، مگر فضل خدا اور ان کی محنت خداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم وفنون کے جامع بنے کہ پچاس فنون میں آپکے تصنیفات زمانہ اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ تلامذہ و معتقدین کا تو کہنا کیا۔ معاصرین بھی جو ان کی شدت اور صلابت فی الدین کی وجہ سے آپ سے ناخوش تھے۔ یہ کہنے پر مجبور تھے کہ مولانا احمد رضا خان قلم کے بادشاہ ہیں۔ جس مسئلہ پر انھوں نے قلم اٹھالیا موافق کو ضرورت اضافہ نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش۔

تلامذہ کی تعداد خاصی ہے۔ مشاہیر میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفٰے رضا خاں متع اللہ المسلمین بطول بقاء، سلطان المناظرین مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی۔ ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری۔ سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، رئیس الاطباء مولانا سید حکیم عزیز غوث بریلوی قابل ذکر ہیں۔

اعلیحضرت ۱۳ سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔ حرمین شریفین افریقہ، ہندوستان وغیرہ کے جن اکابر علماء اسلام کو ان سے اجازت وخلافت ہوئی ان میں کچھ مشہور ومعروف حضرات کے اسمائے گرامی الاجازات المتینۃ اور الاستمداد میں درج ہیں۔

ان میں مولانا سید محمد عبد الحئی محدث بلاد مغرب، شیخ صالح کمال سابق مفتی حنفیہ، سید اسمٰعیل مکی حافظ کتب خانہ حرم شریف، مولانا مصطفٰے بن خلیل مکی سید ابو حسین محمد مرزوقی مکی، شیخ اسعد دہان مکی،، شیخ محمد عابد بن حسین مکی مفتی مالکیہ وغیرہم اور ہندوستانی علماء میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی، مفتی اعظم مولانا مصطفٰے رضا خان متع اللہ المسلمین بطول بقائہ، ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری صدر الشریعۃ مولانا امجد علی، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ محدث لاہوری، مبلغ اعظم مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی حامی سنت مولانا عبد السلام جبل پوری، سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی فاضل جلیل مولانا برہان الحق جبل پوری، عالم حقانی مولانا سید فتح علی شاہ کھروٹہ سیدان حامی شریعت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری، ماحی بدعت مولانا ابو محمد امام الدین کوٹلی لوہاران (پنجاب) قابل ذکر ہیں۔

ان کا ایمان کس قدر پختہ تھا اور سرور کائنات کے ارشادات پر کس درجہ یقین تھا اس کی ایک مثال انھی کی زبان قلم سے سنیئے:

بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا، ایک دن میرے مسوڑھوں میں ورم ہوا، اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں طبیب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا: یہ وہی ہے یہ وہی ہے یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کر سکتا تھا اس لئے انھیں جواب نہ دے سکا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں، نہ مجھے طاعون ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا اس لئے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر وہ دعا پڑھ لی ہے جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا، وہ دعا یہ ہے الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا الحمد للہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالٰی ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ مجھے ارشاد حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے طاعون کبھی نہ ہوگا۔ آخر شب میں کرب بڑھا تو دل نے درگاہ الٰہی میں عرض کی اللّٰھم صدّق الحبیب وکذّب الطبیب، کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا مسواک اور سیاہ مرچیں۔ میں نے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا۔ جب دونوں چیزیں آئیں اس وقت میں نے مسواک کے سہارے پر تھوڑا تھوڑا منہ کھولا۔ اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا۔ پسی ہوئی مرچیں اس راستے داڑھوں تک پہنچائیں تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ ایک کلی خالص خون کی آئی مگر کوئی تکلیف واذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمد للہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں۔ منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالٰی کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بفضلہ تعالٰی دفع ہوگیا، دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی طرح ایک بار کثرت مطالعہ کے سبب آنکھوں میں تکلیف شروع ہوئی، اس وقت کا ایک بہت سربر آوردہ ڈاکٹر اندرسن نامی تھا اس نے معائنہ کے بعد کہا کہ کثرت کتب بینی سے آنکھوں میں یبوست آگئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھئے، ان سے پندرہ دن بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔ اعلیحضرت لکھتے ہیں:

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے فرمایا۔ مقدمۂ آب نزول ہے، بیس برس بعد (خدا ناکردہ) آنکھوں میں پانی اتر جائے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزول آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہوگیا۔ ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر آیا، کہا چار برس میں (خدا نخواستہ) پانی اترے گا۔ مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمد للہ بیس در کنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں۔ نہ میں نے کتب بینی میں کمی کی نہ کمی کروں گا۔ میں نے یہ اس لئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم وباقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے۔

البتہ ایک بار اس دعا کے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوب چشم ہو جایا کرتا تھا اور بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر ہوگی کہ رام پور جاتے ہوتے ایک شخص کو آشوب چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی جب سے اب تک آشوب چشم پھر نہیں ہوا۔ افسوس اس لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو، زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، کھجلی کہ اس سے امراض جلدیہ جذام وغیرہ کا انسداد ہوجاتا ہے اور آشوب چشم کہ نابینائی کو دفع کرتا ہے۔

اعلیحضرت صوم وصلوٰۃ اور طہارت وغیرہ میں بہت احتیاط فرماتے تھے وضو میں بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کا پورا اہتمام کرتے تھے، کوشش بلیغ فرماتے کہ ہر جگہ سے سیلان آب ہوجائے اور بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لئے پانی کے دو لوٹے ان کے لئے رکھے جاتے تھے۔ بریلی میں جب ٹیوب ویل کا رواج ہوا تو اپنے یہاں فوراً لگوایا، لگوا کر بہت خوش ہوئے فرمایا اب کنواں میں چڑیوں کی بیٹ یا کسی نجاست کے گرنے کا احتمال نہیں رہا۔ جو کام الٹے ہاتھ کے کرنے کے ہیں ان کے علاوہ وہ ہر کام کی ابتدا سیدھے ہاتھ سے کرتے۔ عمامہ کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا، عمامے کے پیچ سیدھی جانب ہوتے۔ دروازہ مسجد کے زینے پر قدم رکھتے تو سیدھا، صحن مسجد میں ایک صف بچھی رہتی تھی اس پر قدم پہنچتا تو سیدھا، ہر صف پر تقدیم سیدھے قدم سے فرماتے یہاں تک کہ محراب میں مصلیٰ پر قدم سیدھا ہی پہنچتا۔ اگر کسی کو کوئی چیز دینی ہوتی تو سیدھے ہاتھ میں دیتے۔ اور بسم اللہ کے اعداد عام طور سے جب لوگ لکھتے ہیں تو ابتدا الٹی طرف سے کرتے ہیں یعنی پہلے ۷۸۶ لکھتے ہیں پھر ۸ پھر ۶۔ اعلیحضرت سیدھی طرف سے ابتدا کرتے تھے پہلے ۶ پھر ۸ پھر آخر میں ۷ تحریر فرماتے۔

تمام عمر جماعت سے مسجد میں آکر نماز پڑھی اور باوجودیکہ گرم مزاج کے تھے مگر کیسی ہی گرمی کیوں نہ ہو ہمیشہ عمامہ اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھتے خصوصاً فرض نمازیں تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے میں ادا نہیں کیں ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر آپ مکان تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ مسجد آکر نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک صاحب جو خود حضرت کے پیچھے نماز پڑھ چکے تھے بہت متحیر ہوئے کہ بعد عصر نوافل نہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے نماز نہیں ہوئی تھی تو حضرت کا احتیاط ایسا نہیں تھا کہ مجھے بھول جاتے اور مطلع نہ فرماتے۔ جب حضرت نے سلام پھیرا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ نماز کیسی؟ فرمایا قعدۂ اخیر میں بعد تشہد سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا، چونکہ نماز تشہد پر ختم ہوجاتی ہے اس لئے میں نے آپ سے کچھ نہیں کہا اور گھر جا کر انگرکھے کا بند درست کرا کے اپنی نماز دوبارہ پڑھ لی۔

ایک مرتبہ آنکھوں میں کچھ تکلیف ہوگئی تھی، مسند دیا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ کسی کو نماز کے بعد بلا کر پوچھتے کہ دیکھو تو آنکھ کے حلقے سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔

یہاں آپ کی بعض عادات وخصلات کا ذکر ضروری ہے: ہفتہ میں دو بار جمعہ اور سہ شنبہ کو لباس تبدیل فرماتے، ہاں اگر پنجشنبہ یا شنبہ کو یوم عیدین یا یوم النبی آکر پڑے تو دونوں دن لباس تبدیل فرماتے۔ ان دونوں تقریبوں کے علاوہ سوا یوم معین کے کسی اور وجہ سے لباس تبدیل نہ کرتے۔ ایک مرتبہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کے عرس سے پیلی بھیت سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی اعلیحضرت نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفے کی صندوقچی اپنے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی۔ کسی نے جلدی سے ویٹنگ روم سے اس زمانے کی لمبی آرام کرسی لاکر بچھا دی۔ دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے جتنی دیر تک وظیفہ پڑھتے رہے آرام کرسی کے تکیے سے پشت مبارک نہ لگائی۔

حضرت اپنا وقت کبھی بیکار نہیں فرماتے تھے، ہمہ وقت تالیف وتصنیف و فتاویٰ نویسی کا شغل جاری رہتا، اسی وجہ سے اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے کہ باتوں میں کام نہیں ہوگا یا بہت ہی کم ہوگا۔ صرف پنجگانہ نماز کے لئے باہر تشریف لاتے تاکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں یا کسی مہمان سے ملنے کے لئے۔ جمعہ کو بعد نماز پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور چاروں طرف کرسیاں رکھدی جاتیں۔ یہی وقت عام لوگوں کی ملاقات کا تھا۔ جب لوگ مسئلہ مسائل دریافت کرتے یا آپ خطوط کے جوابات دیتے یا استفتا کے جوابات لکھواتے۔ اس وقت علوم وفیوض و برکات کے دریا جاری ہوتے اور حضار آستانہ مستفیض ہوا کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے اور وہیں تصنیف وتالیف وکتب بینی اور اوراد واشغال میں مصروف رہتے۔

آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوال رسول کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور اس درمیان میں کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانوں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے۔ میلاد شریف کی مجلسوں میں شروع سے آخر تک ادباً دو زانو بیٹھا کرتے اور اسی طرح دو زانو بیٹھ کر وعظ فرماتے۔ چار چار پانچ پانچ گھنٹے منبر پہ تقریر کرنا ہوتا جب بھی زانو نہ بدلتے۔ کبھی ٹھٹھا نہ لگاتے۔ جماہی آتے ہی انگلی دانتوں میں دبا لیتے۔ قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ پھیلاتے۔ بغیر صوف پڑی دوات سے لکھنا پسند نہ کرتے۔ یونہی لوہے کی نب سے اجتناب کرتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال فرماتے۔ آخر عمر میں پان کھانا چھوڑ دیا تھا ورنہ پہلے کثرت سے پان استعمال کرتے تھے مگر بغیر تمباکو کے۔ بوقت وعظ پان مطلق نہ کھاتے، ہاں ایک چھوٹی سی صراحی شیشے کی پاس رکھی ہوتی اس سے خشکی رفع کرنے کے لئے غرارہ کر لیا کرتے۔

اعلیحضرت ضعیف الجثہ اور نہایت قلیل الغذا تھے۔ ان کی عام غذا چکی کے پسے ہوئے آٹے کی روٹی اور بکری کا قورمہ تھا۔ آخر عمر میں ان کی غذا اور بھی کم رہ گئی تھی۔ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا۔ کھانے پینے کے معاملے میں اس قدر سادہ مزاج تھے کہ ایک بار بیگم صاحبہ نے انکی

علمی مصروفیت دیکھ کر جہاں وہ کاغذات اور کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے۔ دستر خوان بچھا کر قورمہ کا پیالہ رکھ دیا اور چپاتیاں دستر خوان کے ایک گوشے میں لپیٹ دیں کہ ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ کچھ دیر بعد وہ دیکھنے تشریف لائیں کہ حضرت کھانا تناول فرما چکے یا نہیں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں کہ سالن آپ نے نوش فرما لیا ہے لیکن چپاتیاں دستر خوان میں اسی طرح لپٹی رکھی ہوئی ہیں، پوچھنے پر آپ نے فرمایا، چپاتیاں تو میں نے دیکھی نہیں، سمجھا ابھی نہیں پکی ہیں۔ میں نے اطمینان سے بوٹیاں کھالیں اور شوربا پی لیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ حیات اعلحضرت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے زمانے میں افطار کے بعد پان نوش فرماتے۔ سحری میں صرف ایک پیالے میں فیرنی اور ایک پیالے میں چٹنی آیا کرتی تھی وہی نوش فرمایا کرتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ حضرت فیرنی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا، نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنت ہے۔

آپ نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔ آپ کے آباد اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو گرد وپیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا۔ انھیں کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لئے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی چونکہ داد و دہش کے عادی تھے اس لئے کبھی ایسا ہوا ہے کہ قلمدان میں ۲/۱ آنہ سے زائد موجود نہیں رہے لیکن انھوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔

ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں: الحمد للہ میں نے مال من حیث ہو مال سے کبھی محبت نہ رکھی، صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ہو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلۂ رحم عمل نیک ہے۔ اس کا سبب اولاد ہے اور میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب قادری کو ایک ذاتی خط میں تحریر فرماتے ہیں "خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات و احادیث دربارۂ ذم دنیا و منع التفات بقول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں، فلاں کو دست غیب ہے، فلاں کو حیدر آباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے۔ ان کے پاس علم نفع یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے کس پر نعمت حق بیشتر ہے بشرط ایمان وعدہ علو و غلبہ باعتبار دین ہے نہ بہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق ہے۔ دنیا سجن مومن ہے سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں۔ دنیا فاحشہ ہے اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے"

تحریک خلافت کے زمانے میں گاندھی جی پورے ملک کا طوفانی دورہ کر رہے تھے مسلمان عوام کے ساتھ علماء کو بھی اپنا ہم خیال بنا رہے تھے اور تحریک خلافت کی طرف انھیں متوجہ کر رہے تھے۔ حضرت مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی تحریک سے متاثر ہو چکے تھے اور فرنگی محل میں گاندھی جی، علی برادران اور دوسرے سیاسی اکابر آتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کو خیال ہوا کہ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب سے مل کر انھیں بھی اس طرف متوجہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک بڑے حلقے پر ان کا اثر ہے۔ اس طرح بہت سے مسلمان تحریکِ خلافت کا ساتھ دے سکیں گے ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا فرمایا: گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے اور دنیاوی معاملہ میں میں کیا حصہ لوں گا جبکہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی کوئی غرض نہیں رکھا۔

آپ کی صلابت مذہبی و حق گوئی کا ایک واقعہ سنئے: حضرت ایک بار مولانا فضل رسول بدایونی قدس سرہ العزیز کے عرس میں مارہرہ تشریف لے گئے۔ کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آتو نوی کو میلاد شریف پڑھنے بٹھا دیا۔ انھوں نے اثنائے تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں فرشتے روح ڈالیں گے۔ چونکہ اس میں حیات انبیاء علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا، سن کر حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ انھوں نے مولانا عبد القادر سے فرمایا آپ اجازت دیں تو میں اُن کو منبر پر سے اتار دوں۔ مولانا عبد القادر نے مقرر کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبد الغفور صاحب سے فرمایا کہ مولانا ایسے لوگوں کو مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے کو نہ بٹھایا کیجئے جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لئے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

آپ کی ذات الحبّ للہ والبغض للہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے، کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی بلکہ حلم سے کام لیا لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔

اعلحضرت کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنّت کے انوار سے منور ہے۔ آپ نے بعض مردہ سنتوں کو زندہ کیا انھی میں نماز جمعہ کی اذان ثانی ہے جس کو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق خطیب کے سامنے دروازہ مسجد پر دلوانے کا رواج قائم کیا۔

آج ہندوستان، پاکستان، افریقہ، افغانستان، کاشغر اور دوسرے ممالک میں جہاں جہاں جمعہ کی اذان ثانی دروازہ مسجد پر دی جا رہی ہے وہ آپ ہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اعلحضرت اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام

اور حضور اقدس تبلیغ وہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں۔ اسی طرح اس پر یقین رکھتے تھے کہ علماء کے ذمے دو فرض ہیں۔ ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا دوسرے مسلمانوں کو ان کی دینی مسائل سے واقف کرنا۔ اس لئے جہاں کسی کو خلاف شرع کرتے ہوئے دیکھتے فرضِ تبلیغ بجالاتے اور اس کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتے۔

مصنف حیاتِ اعلیٰحضرت لکھتے ہیں: آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھے، نہ کسی کی تعریف سے مطلب نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا۔ حدیث شریف من احب للہ وا بغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان کے مصداق تھے۔ آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لئے، مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لئے، کسی کو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لئے اور کسی کو منع کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔ اگر وہ بدمذہبوں اور بے دینوں پر اشد تھے تو دینداروں اور علماء اہلسنت کے لئے "رحماء بینھم"، کی زندہ تصویر بھی تھے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت عزت کرتے تھے اپنے قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار میں علمائے اہلسنت کی تعریف فرمایا ہے۔

اذا حلوا تمصرت البوادی

اذا راحوا قصار المعر بید

یہ علمائے کرام ایسے ہیں جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے ویرانہ پر رونق شہر ہو جاتا ہے اور وہ جب روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویرانہ بن جاتا ہے۔ مصنف حیات اعلیٰحضرت لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یہ محض مبالغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا نہیں بالکل واقعہ ہے۔ حضرت مولانا عبد القادر کی یہی شان تھی جب تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جاتی تھی۔ عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی تھی اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودیکہ سب لوگ موجود ہوتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔

مسئلہ عینیت وغیریت صفات باری تعالیٰ میں دونوں کا اختلاف تھا مولانا عبدالقادر فرماتے تھے کہ صوفیہ کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے اور حضرت اس فرق کے ماننے میں تامل فرماتے تھے۔ اس موضوع پر تفصیلی اور طویل گفتگو ہوئی۔ حضرت نے آخر میں فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کئے لیتا ہوں کہ صوفیہ کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے اس لئے کہ میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات مانتے ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں ابتک نہیں آیا ہے لیکن چونکہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں اس لئے اپنے مرشدان عظام کے ارشاد پر سر تسلیم خم کئے دیتا ہوں

حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف فرماتے تھے کہ جب میں بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے جب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت شاہزادہ صاحب! یہ انگوٹھی اور چھلے مجھے دیدیجئے۔ میں نے اتار کر دیدیئے اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا: ابا بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا جس میں انگوٹھی اور چھلے تھے۔ اور دعا نامہ میں مذکور تھا: "شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیاء آپ کی ہیں"۔ یہ تھا اعلیٰ حضرت کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اکابر ومشائخ کی تعظیم وتوقیر۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم سے ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت واضافت ہے اس کی تعظیم وتوقیر کرنی اور ان میں سادات کرام جزو رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر وتعظیم ہیں اس پر پورا عمل کرنیوالا بقول حضرت ملک العلماء، اعلیٰ حضرت کسی سید صاحب کو اس کی ذاتی حیثیت ولیاقت سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو ہیں۔ پھر اس اعتقاد ونظریہ کے بعد جو کچھ انکی تعظیم وتوقیر کی جائے کم ہے۔

سادات سے محبت اور ان کے احترام کی بہت سی مثالیں حیات اعلیٰ حضرت میں درج ہیں۔ حضرت اپنے ملفوظات میں اس سوال کے جواب میں کہ کیا سادات کے بچے کو استاد تادیباً سزا دے سکتا ہے فرماتے ہیں: قاضی جو حد د اللہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت بلکہ عشق مشہور زمانہ ہے۔ یہ سطور پڑھیئے۔

خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ ہو جاؤ، یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ والحمدللہ

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ کبھی بعض اصحاب ص یا صلعم اور انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ اختصاراً ع، م کا لکھنا انھیں سخت ناپسند تھا بلکہ وہ اسے کفر سمجھتے تھے ایک خط میں ملک العلماء کو لکھتے ہیں: تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ در میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ علیہ السلام کا اختصار ع م لکھنا کفر ہے کہ تخفیف شان نبوت ہے۔ اب کبھی بانکی پور رجانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ (باقی صفحہ ۳۴۸ پر)

امام احمد رضا

علوم و فنون کا ہمالہ

عالیجناب مقبول جہانگیر (لندن)

پرانے شہر بریلی کے ایک محلے میں صبح ہی سے ہر طرف چہل پہل تھی دلوں کی سرزمین پر عشقِ رسالت کا کیف اور سرور کالی گھٹاؤں کی طرح برس رہا تھا۔ بام و در کی آرائش گلی کوچوں کا نکھار، رہگزاروں کی صفائی اور دُور دُور تک رنگین جھنڈیوں کی بہار ہر گزرنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ بالآخر چلتے چلتے ایک راہگیر نے دریافت کیا۔

"آج یہاں کیا ہونے والا ہے؟"

کسی نے جواب دیا: دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد اہلِ سنّت کے امام عشقِ رسالت کے گنجِ گراں مایہ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آج یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ انہی کے خیر مقدم میں یہ سارا اہتمام ہو رہا ہے۔"

"کہاں سے تشریف لائیں گے؟"

۔ اسی شہر کے محلہ سوداگران سے ۔ جواب سُن کر راہگیر حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ دیر تک کھڑا سوچتا رہا کہ آنے والا اسی شہر سے آ رہا ہے وہ آنا چاہے تو ہر صبح و شام آسکتا ہے، مسافت بھی کچھ اتنی طویل نہیں کہ وہاں سے آنے والے کو خاص اہمیت دی جائے اور اس کے خیر مقدم کا شاندار اہتمام کیا جائے۔ آخر لوگوں کے سامنے اپنے دل کی خلش کا اظہار کئے بغیر اس سے نہ رہا گیا۔ ایک بوڑھے آدمی نے ناصحانہ انداز میں جواب دیا:

"بھائی پہلے تم یہ سمجھ لو کہ آنے والا کس حیثیت کا ہے۔ اس کی ہستی کس شان کی ہے۔ اعزاز و اکرام کی بنیاد مسافت کے قرب و بعد پر نہیں شخصیت کی جلالت اور فضل و کمال کی برتری پر ہے۔ آنے والے مہمان کی زندگی یہ ہے کہ وہ اپنے دولت کدے سے نکل کر یا تو فرائضِ بندگی کے لئے خانۂ خدا میں جاتا ہے یا پھر جذبۂ عشق کی تپش بڑھ جاتی ہے تو دیارِ حبیب کا سفر کرتا ہے، اس کے علاوہ اس کے شام و سحر اور شب و روز کا ایک ایک لمحہ دینی مہمات میں اس درجہ مصروف ہے کہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی اسے مہلت نہیں ملتی۔ اس کے حریمِ دل پر ہر وقت عشق بے نیاز کا پہرہ ہے۔ ہزار اندازِ دلرُبائی پر بھی آج تک خیالِ غیر کو اجازت نہیں مل سکی۔ اس کی نوکِ قلم سے نکلی ہوئی روشنائی کا ایک ایک قطرہ فکر و اعتقاد کی جنتوں میں کوثر و تسنیم بن کر بہہ رہا ہے۔ اس کے خونِ جگر کی سُرخی سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اٹھے ہیں۔ اس کے عرفان و آگہی کی داستانیں چمن چمن پہنچ گئی ہیں اور لوح و قرطاس سے گزر کر اب اُس کے علم و دانش کا چراغ کشورِ دل کے شبستانوں میں جل رہا ہے۔ عشق و ایماں کی روح اس کے وجود میں رگ رگ میں اس طرح رچ بس گئی کہ اپنے محبوب کی شوکتِ جمال کے لئے ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ اس کے جگر کی آگ کبھی نہیں بجھتی، اس کے دل کا دھواں کبھی بند نہیں ہوتا نقش و نگارِ جاناں کے لئے اس کے قلم کی روشنائی نہیں سوکھتی۔ پلکوں کا قطرہ ڈھلکنے نہیں پاتا کہ اس کی جگہ آنسوؤں کا نیا طوفان اُمڈنے لگتا ہے۔

وہ اپنے محبوب کے وفاداروں پر اس درجہ مہربان کہ قدموں کے نیچے دل کا فرش بچھا کر بھی اہتمامِ شوق کی تشنگی محسوس کرتا ہے جہاں وہ اہلِ ایمان کے لئے لالہ کے جگر کی ٹھنڈک ہے، وہیں اہلِ کفر و بغاوت کے حق میں غیظ و غضب کا ایک دہکتا ہوا انگارہ اپنے محبوب کے گستاخوں پر جب وہ قلم کی تلوار اٹھاتا ہے، تو انگلیوں کی ایک ایک جنبش پر تڑپتی ہوئی لاشوں کا انبار لگ جاتا ہے۔ باطل کے جگر میں اس کے نشتر کا ڈالا ہوا شگاف زندگی کی آخری ہچکیوں تک مندمل نہیں ہوتا۔ سن کر اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر سکتا ہے، لیکن محبوب کی حرمت سے کھیلنے والوں کے لئے اس کے ہاں صُلح و درگزر کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوستی کا پیمان تو بڑی چیز ہے، وہ تو ان دشنام طرازوں سے ہنس کر بات کرنا بھی ناموسِ عشق کی توہین سمجھتا ہے۔ بارگاہِ رب العزت اور شانِ رسالت میں اس کا ذوقِ احترام و ادب، اس درجہ لطیف ہے کہ متکلم کے قصد و نیت سے قطع نظر وہ الفاظ کی نوک پلک پر بھی شرعی تعزیرات کا پہرہ بٹھا دیتا ہے۔ اس کے فکر و نظر کی اصابت، علم و فن کی انفرادیت، شریعت و تقویٰ کا التزام، مجد و شرف کی برتری، تجدید و ارشاد کا منصب امامت اور دین و سنّت کے فروغ کے لئے اس کے دل کا اخلاص عرب و عجم نے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا سخن ور بھی ہے، لیکن آج تک کبھی اس کی زبان اہلِ دنیا کی منقبت سے آلودہ نہ ہوئی۔ وہ بھری کائنات میں صرف اپنے محبوب مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی سے شاد کام رہتا ہے اپنے کریم کے در کی گدائی پر دونوں جہان کا اعزاز نثار کر چکا ہے دنیا کے اربابِ ریاست صرف اس آرزو میں بارہا اس کی چوکھٹ تک آئے کہ اپنے حضور میں صرف باریاب ہونے کی اجازت دے دے، لیکن زمانہ شاہد ہے کہ ہر بار انہیں شکستہ خاطر لوٹنا پڑا۔"

بوڑھے نے جذباتی انداز میں اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا!

اب تم ہی بتاؤ کہ اپنے وقت کی اس عظیم و برتر شخصیت، جس کی دینی و علمی شوکتوں کا پرچم عرب و عجم میں لہرا رہا ہے اور جسے عشقِ مصطفٰی کی وارفتگی نے دونوں جہان سے چھین لیا ہے، آج اگر وہ یہاں قدم رنجہ فرمانے کے لئے مائل کرم ہے، تو کیا یہ ہماری قسمتوں کی معراج نہیں؟ اگر ہم اس کے خیر مقدم کے لئے اپنے دلوں کا فرش بچھا رہے ہیں، تو اپنے جذبۂ شوق کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ خوشگوار اور جنوں انگیز موسم اور کیا ہو سکتا ہے؟

امامِ اہلِ سُنّت کی سواری کے لئے پالکی مکان کے دروازے کے سامنے لگا دی گئی ہے۔ سینکڑوں مشتاقانِ دید انتظار میں کھڑے ہیں۔ حضرت نے وضو کیا، پھر کپڑے زیب تن فرمائے، عمامہ باندھا اور عالمانہ وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ چہرۂ انور سے فضل و تقوٰی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ شب بیدار آنکھوں میں تقدس و پاکیزگی کی سُرخی ہے۔ طلعتِ جمال کی دل کشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بیخودی کا عالم طاری ہے، گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمعِ فروزاں مسکرا رہی ہے یا عندلیبانِ شوق کی انجمن میں ایک گلِ رعنا کھِلا ہوا ہے۔

بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا ہے۔ پابوسی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کہاروں نے پالکی اٹھائی ہے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں نیاز مندوں کی بھیڑ چل رہی ہے۔ پالکی لے کر تھوڑی دُور ہی چلے ہیں کہ یکایک امامِ اہلِ سُنّت کی آواز سنائی دیتی ہے:

"پالکی روک دو"

حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی۔ ہمراہ چلنے والا مجمع بھی وہیں رک گیا۔ حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے، کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا: آپ لوگوں میں کوئی آلِ رسول تو نہیں؟ اپنے جدِّ اعلٰی کا واسطہ سچ بتائیے! میرے ایمان کا ذوقِ لطیف "تنِ جاناں" کی خوشبو محسوس کر رہا ہے؟

اس سوال پر اچانک کہاروں میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ پیشانی پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں اُبھر آئیں۔ بے نوائی، آشفتہ حالی اور گردشِ ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اس کے انگ انگ سے آشکار تھے۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی زبان سے کہا کہ

"مزدور سے کام لیا جاتا ہے، ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آہ! آپ نے میرے جدِّ اعلٰی کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔ سمجھ لیجئے کہ میں اسی چمن کا ایک مُرجھایا ہوا پھول ہوں جس کی خوشبو سے آپ کی مشامِ جاں معطّر ہے۔ رگوں کا خون نہیں بدل سکتا، اس لئے آلِ رسول ہونے سے انکار نہیں، لیکن اپنی خانماں برباد زندگی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چند مہینے سے آپ کے اس شہر میں آیا ہوا ہوں۔ کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے ذریعہ معاش بناؤں۔ پالکی اٹھانے والے ان کہاروں سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ ہر روز سویرے ان کے گروہ میں آن کر بیٹھ جاتا اور شام کو اپنے حصے کی مزدوری لے کر بال بچوں میں لوٹ جاتا ہوں۔"

ابھی اس مزدور کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالمِ اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔

"معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کر دو۔ لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے۔ ہائے! غضب ہو گیا۔ جن کے کفشِ پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ ان کے کاندھے پر میں نے سواری کی۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا کہ احمد رضا! کیا میرے فرزند کا دوشِ ناز نین اسلئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے، تو میں کیا جواب دونگا۔ اس وقت بھرے میدانِ حشر میں میرے ناموسِ عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہو گی! آہ! اس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشقِ دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے، اسی انداز میں وقت کا یہ عظیم المرتبت امام اس سیّد زادے مزدور کی منت سماجت کر رہا ہے اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقّت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امامِ اہلِ سنت نے ایک آخری التجائے شوق پیش کی:

"چونکہ راہِ عشق میں خونِ جگر سے زیادہ وجاہت و ناموس کی قربانی عزیز ہے، اسلئے لاشعور کی ایک تقصیر کا کفّارہ جبھی ہو گا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔"

اس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل ہل گئے ہیں۔ وفورِ اثر سے فضا میں چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سیّد زادے کو عشقِ جنوں خیز کی ضد پوری کرنی پڑی۔

یہ منظر کس قدر دل گداز ہے! اہلِ سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم و فضل جبّہ و دستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودیٔ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہے ہیں۔ شوکتِ عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھر دل بھی پگھل گئے ہیں، کدورتوں کا غبار چھٹ رہا ہے، غفلتوں کی آنکھ کھل گئی ہے اور دشمنوں کو بھی ماننا پڑا ہے کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احمد رضا خاں بریلوی کے دل کی عقیدت و اخلاص کا جب یہ عالم ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ وارفتگی و محبت کا کیا ٹھکانا ہو گا۔

ہے ان کے عطرِ بوئے گریباں سے مستِ گل، گل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

اعلٰی حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے کردار و اخلاق کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس نوع کے بے شمار واقعات آپ کی سیرت میں ملتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی نے یوں تو برصغیر پاک و ہند میں بڑے بڑے آدمی پیدا کئے، ان میں ہر کتبِ فکر اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ مگر جیسی جامعیت اور جیسی انفرادیت مولانا احمد رضا خاں کے حصے میں آئی "وہ اپنی جگہ بے مثال و بے نظیر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ماہ و سال کی گردشوں نے مولانا کی عظیم شخصیت پر غفلت کے دبیز پردے ڈال دیے ہیں، لیکن جب ہم پر

بٹا کر ان کے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتے ہیں، تو ان جیسے آدمی اخلافِ جدید میں تو کیا، اسلاف قدیم میں بھی دور دور تک نظر نہیں آتے۔ مولانا اتنی جامع حیثیات شخصیت تھے اور اتنے علوم و فنون میں کامل تھے کہ ان کے ذکر ہی سے عقل حیرت میں آتی ہے اور وجدان وجد کرنے لگتا ہے۔ یہ کہنا کہ وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے، شاید ان کے مرتبے سے فروتر بات ہوگی، مگر اس کے سوا اور کہا بھی کیا جائے کہ وہ عقل و عشق دونوں میں اس مقام رفیع پر رونق افروز ہیں جہاں نمودار ہوتے ہوئے خیال کے بھی پر جلنے لگتے ہیں۔

مفسر، محدث، فقیہہ، اصولی، متکلم، مفتی، حافظ، قاری، شاعر، مصنف، ادیب، علوم عقلی و نقلی کا فاضل متبحر، اپنے عہد کا بہت بڑا شیخ طریقت اور مجدد شریعت اور ان سب خصوصیتوں سے بالاتر ایک نرالا، انوکھا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں؟

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں کی ولادت روہیل کھنڈ کے مشہور شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی بسالِ ولادت ۱۲۷۲ہجری، ماہ شوال، تاریخ دس، بوقت ظہر، روز چہارشنبہ — انگریزی تقویم کے مطابق ۱۸۵۶ء ماہ جون تاریخ ۱۴۔ بقول ایک صاحب دل ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے ایک سال قبل پیدا ہونے والا یہ بچہ اپنے فکری و نظری انقلاب کے بے باک نقیب ہونے پر دلالت کر رہا تھا۔

آپ کے جدِ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں ان دنوں حیات تھے۔ پوتے کے پیدا ہونے کی خبر ان کے کانوں تک پہنچی، تو خوش ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے بھانجے علی محمد خاں صاحب کی روایت ہے کہ میری والدہ مرحومہ اعلیٰ حضرت کی بڑی بہن تھیں۔ ان کا ارشاد کہ جب احمد رضا پیدا ہوئے، تو والد مرحوم ان کو حضرت دادا جان قدس سرہ العزیز کی خدمت میں لے گئے۔ دادا نے گود میں لیا اور معاً لسانِ غیب سے فرمایا: "میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔"

اعلیٰ حضرت کی یہی بڑی بہن فرمایا کرتی تھیں کہ بچپن ہی سے تمام خاندان میں یہ بچہ اپنے مزاج، اطوار اور ذہانت کے اعتبار سے الگ نظر آتا۔ ایک روز کسی نے دروازے پر صدا دی۔ احمد رضا کی عمر ان دنوں نو دس برس تھی، باہر گئے، دیکھا ایک بزرگ فقیر کھڑے ہیں۔ انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا: "ادھر آؤ بیٹا" یہ کہہ کر سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا: "تم بہت بڑے عالم ہوگے۔"

مولوی عرفان علی صاحب قادری، جو اعلیٰ حضرت کے مرید تھے، بیان کرتے ہیں، کبھی کبھی اعلیٰ حضرت اپنے بچپن کے حالات بیان کرتے تھے۔ ایک روز ارشاد فرمایا میری عمر تین ساڑھے تین برس کی ہوگی اور میں اپنے محلے کی مسجد کے سامنے کھڑا تھا کہ ایک صاحب اہلِ عرب کے لباس میں جلوہ فرما ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے بھی فصیح عربی میں ان کی باتوں کا جواب دیا۔ اس کے بعد اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔ اسی ذکر میں اعلیٰ حضرت نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ میری عمر دس گیارہ برس کی ہوگی اور میں ایک دن حکیم وزیر علی صاحب کے ہاں جا رہا تھا۔ کوئی دس بجے کا وقت تھا۔ سامنے سے یکایک ایک بزرگ سفید ریش، نہایت شکیل و وجیہہ تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے لگے:

"سنتا ہے بچے، آج کل عبدالعزیز ہے.... اس کے بعد عبدالحمید.... اس کے بعد عبدالرشید۔" یہ کہہ کر فوراً نظر سے غائب ہو گئے۔

آپ کی عمر پانچ چھ برس کی ہوگی کہ مکان پر ایک مولانا بچوں کو قرآن شریف پڑھانے کے لئے تشریف لانے لگے۔ احمد رضا بھی ان سے کلام اللہ پڑھنے لگے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ مولانا کسی آیہ کریمہ میں بار بار ایک لفظ کا تلفظ ننھے احمد رضا کو بتاتے، مگر آپ کی زبان سے وہ تلفظ ادا نہ ہو رہا تھا۔ مولانا زبر بتاتے اور آپ زیر پڑھتے۔ یہ کیفیت آپ کے جدِ امجد مولانا رضا علی خاں بھی دیکھ رہے تھے، انہوں نے کلامِ پاک منگوا کر دیکھا، تو اس میں اس لفظ کے اعراب کاتب نے غلط ڈال دئے تھے، یعنی زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا۔ گویا غیر شعوری طور پر بچے کی زبان سے جو لفظ نکل رہا تھا، وہی صحیح تھا۔ دادا نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا: "بیٹا! مولانا صاحب جس طرح بتا رہے تھے، تم اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟" ننھے احمد رضا نے جواب دیا: حضرت! میں ارادہ تو کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا۔ زبر کے بجائے ہر بار زیر ہی سے زبان کام کرتی۔"

اس طرح کے بہت سے حیرت انگیز واقعات درس تدریس کے دوران میں پیش آئے۔ ایک روز قرآن مجید پڑھانے والے مولانا نے تنہائی میں اپنے شاگرد احمد رضا سے کہا: صاحبزادے! سچ سچ بتا دو، کسی سے کہوں گا نہیں۔ تم انسان ہو یا جن؟ آپ یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: "خدا کا شکر ہے میں انسان ہی ہوں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال ہے۔"

ایک روز یہی مولانا حسب معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آ کر سلام کیا۔ مولانا نے جواب دیا "جیتے رہو" احمد رضا نے عرض کیا: "حضرت، یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا" "وعلیکم السلام" کہنا چاہئے تھا۔" یہ سن کر مولانا بہت خوش ہوئے اور شاگرد کو دعائیں دیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اعلیٰ حضرت ابھی کم سن ہیں۔ روزہ رکھوایا گیا ہے۔ گرمی کا زمانہ ہے۔ سہ پہر کے وقت کاشانۂ اقدس میں روزہ کشائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، ایک الگ کمرے میں افطار کے دوسرے سامان کے ساتھ فرنی کے پیالے بھی چنے ہوئے ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد یکایک آپ کو اسی کمرے میں لے جاتے ہیں اور کواڑ بند کر کے ایک پیالہ اٹھاتے ہیں اور بیٹے کی طرف بڑھا کر کہتے ہیں: "لو اسے کھا لو۔" بیٹا حیران ہو کر عرض کرتا ہے:

"ابا حضور میرا تو روزہ ہے، کیسے کھاؤں؟"

ارشاد ہوتا ہے: "میاں کھا بھی لو، بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں نے کواڑ بند کر دئے ہیں، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں۔ جلدی سے کھا لو۔"

یہ سن کر بیٹا ادب سے کہتا ہے: "ابا حضور، جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے، وہ تو دیکھ رہا ہے۔" یہ سنتے ہی آپ کے والدِ ماجد کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا تار بندھ جاتا ہے فرطِ محبت سے پیارے بیٹے کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔

والد نے آپ کا نام محمد اور جدِ امجد نے احمد رضا رکھا۔ تاریخی نام "المختار" ہے جس سے ۱۲۷۲ ہجری برآمد ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بہت برس بعد قرآن کی اس آیت سے اپنی پیدائش کا سن برآمد فرمایا؛

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے)

آپ کبھی کبھی بڑی دل سوزی سے فرماتے۔ بحمداللہ تعالیٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوگا؛

اعلیٰ حضرت کے والدِ ماجد اور جدِ امجد دونوں اپنے اپنے عہد کے متبحر عالم، ولیٔ کامل عارف باللہ، صاحب کشف و کرامات اور شیخِ طریقت و شریعت تھے۔ آپ کے والد مولانا نقی علی خاں صاحب بے شمار کتابوں کے مصنف۔ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی اعلیٰ حضرت خاندانی شرف و وقار اور وجاہتِ دینی و دنیوی کا امتیاز رکھتے تھے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت محمد سعید خاں رحمۃ اللہ علیہ قندھار کے مؤقر قبیلے بڑہیچ کے پٹھان تھے۔ شاہانِ مغلیہ کے عہد میں نادر شاہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے اور ممتاز و معزز عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔ پھر لاہور سے دہلی چلے گئے۔ سعید اللہ خاں شش ہزاری منصب پر فائز تھے اور شجاعت جنگ کا خطاب رکھتے۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں صاحب شاہِ دہلی کی جانب سے ایک خاص مہم پر بریلی روہیل کھنڈ بھیجے گئے۔ فتح یابی پر انہیں بریلی کا صوبے دار بنانے کا فرمان دہلی سے آیا، لیکن ایسے وقت جب وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے اعظم خاں، معظم خاں اور مکرم خاں۔ یہ تینوں مناصبِ جلیلہ پر ممتاز۔

اعظم خاں صاحب نے بریلی میں مستقل رہائش اختیار کی اور دنیا سے منہ موڑ کر ایک گوشے میں جا بیٹھے۔ محلہ معماران بریلی میں شہزادے کا تکیہ آج بھی انہی کی نسبت سے معروف ہے۔ وہیں اعظم خاں صاحب کا مزار ہے۔ ان کے بیٹے حافظ محمد کاظم علی خاں ہر جمعرات کو اپنے والد کے سلام کے لئے حاضر ہوتے اور ہمیشہ گرانقدر رقم حاضر کرتے۔ مگر آپ وہ رقم ضرورت مندوں میں بانٹ دیتے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتے۔ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم میں حافظ صاحب اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حسب معمول حاضر ہوئے، دیکھا کہ شاہ محمد اعظم اس کڑاکے کے جاڑے میں ایک دھونی کے قریب تشریف فرما ہیں اور جسم پر کوئی سرمائی پوشاک نہیں۔ سعادت مند بیٹے نے فوراً اپنا بیش بہا دوشالہ اتار کر والد پر ڈال دیا۔ حضرت نے نہایت استغنا سے وہ دوشالہ آگ میں ڈال دیا۔ حافظ صاحب کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کاش! اس قیمتی دوشالے کو آگ میں ڈالنے کے بجائے کسی محتاج کو عطا فرما دیا جاتا۔ یہ وسوسہ دل میں آنا تھا کہ شاہ اعظم نے آگ کے بھڑکتے الاؤ میں سے دوشالہ نکال کر پھینک دیا اور فرمایا: فقیر کے ہاں یہ دھکڑ پیکڑ کا معاملہ نہیں لے اپنا دوشالہ: دیکھا، تو اس میں آگ نے کچھ اثر نہ کیا تھا ویسا ہی صاف شفاف تھا۔

حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ دو سو سواروں کا دستہ ہر وقت خدمت میں رہتا۔ آٹھ گاؤں جاگیر کے عطا ہوئے تھے۔ انہی حافظ صاحب کے صاحبزادے حضرت قدوۃ الواصلین، زبدۃ الکاملین، قطب الوقت مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ کے حالات مولانا رحمٰن علی نے اپنی معروف تالیف "تذکرۂ علمائے ہند" میں تفصیل سے رقم کئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا رضا علی فقر و تصوف میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ تقریر بہت پُرتاثیر، زہد و قناعت، علم و تواضع اور تجرید و تفرید کی تصویر تھے۔ ان کی بہت سی کرامتیں اور خرقِ عادات واقعات عام و خواص میں مشہور رہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا کی پیدائش کے ساتویں روز جس دن عقیقہ ہوا۔ آپ کے انہی جدِ امجد مولانا رضا علی نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزندِ ارجمند فاضل و عارف ہوگا۔ چنانچہ سب تاریخیں اور سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور چھ سال ہی کے تھے کہ ماہ ربیع الاول میں منبر پر بیٹھ کر بہت بڑے مجمع میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ آپ نے صَرف و نحو کی کتابیں حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھیں پھر تمام علوم اور فنون اپنے والدِ ماجد امام المتکلمین مولانا علی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے۔ تیرہ برس کی عمر میں صرف، نحو، ادب، حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، اصول، معانی و بیان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، منطق، فلسفہ، ہیئت وغیرہ جمیع علوم دینیہ عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ ہجری کو سندِ فراغت حاصل کی اور دستارِ فضیلت زیبِ سر فرمائی۔ اسی روز سب سے پہلا جو فتویٰ پیش ہوا۔ وہ یہ تھا کہ اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا، تو کیا حکم ہے؟ آپ نے بڑے محققانہ انداز میں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے پیٹ میں پہنچے گا۔ حرمتِ رضاعت لائے گا۔

اعلیٰ حضرت کی بے مثل ذہانت اور بے نظیر حافظے کے کمالات اتنے ہیں کہ انہیں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ مولانا احسان حسین ابتدائی تعلیم میں اعلیٰحضرت کے ہم سبق تھے ان کی روایت ہے کہ شروع ہی سے ذہانت کا یہ حال تھا کہ استاد سے کبھی چوتھائی سے زیادہ کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ چوتھائی کتاب استاد سے پڑھنے کے بعد بقیہ تمام کتاب از خود پڑھ کر اور یاد کر کے سنا دیا کرتے۔ بعض لوگ نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے، چنانچہ خیال ہوا کہ قرآنِ مجید حفظ کر لیا جائے، لہٰذا صرف ایک ماہ میں پورا قرآن آسانی سے حفظ فرما لیا۔ سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ روزانہ ایک پارہ حفظ کر لیتے۔ مشکل سے مشکل فتاویٰ کا جواب شاگردوں اور احباب کو اس طرح قلم بند کرا دیتے کہ حیرت ہوتی بے شمار کتابوں کے حوالے اس سلسلے میں دیتے اور سب زبانی فرماتے الماری میں سے فلاں جلد نکال لو۔ اتنے ورق الٹ لو۔ فلاں صفحے پر اتنی سطر کے

بعد یہ مضمون ہوگا، اسے نقل کر دو۔ غرض کہ ان کا حافظ اور دماغی باتیں عام لوگوں کی سمجھ کر باہر تھیں۔

اعلٰحضرت کے ایک شاگرد جو فتاویٰ کی تحریر کے کام پر لگائے گئے تھے، ایک عجیب وغریب واقعہ حضرت کی ذہانت اور حافظے کا یوں بیان فرماتے ہیں۔ میں نے حساب کی تعلیم اسکول میں پائی تھی، لہٰذا مجھے حساب دانی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اعلٰحضرت حساب والے استفتا حل کرنے کے لئے زیادہ تر میرے ہی سپرد فرماتے۔ ایک مرتبہ ورثے کی تقسیم کے سلسلے میں پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے کہ مورثِ اعلیٰ کی پندرھویں پشت میں درجنوں وارث ہوں گے۔ مجھے اس کے جواب میں دو راتیں اور ایک دن مسلسل محنت کرنا پڑی، ایک ایک پیسے اور درجنوں وارثوں کا حق قلمبند کر دیا۔ عصر کے بعد حسبِ معمول اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیٹھا تاکہ حساب کی مکمل تفصیل آپ سے عرض کر دوں اور آپ اصلاح کی ضرورت محسوس فرمائیں تو اصلاح کر دیں۔ میں نے وہ استفتا پڑھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اعلٰحضرت سنتے سنتے اپنی انگلیوں کو بھی حرکت دے رہے ہیں۔ یہ استفتا چونکہ پندرہ پشتوں کے درجنوں وارثوں کے حساب کتاب پر مبنی تھا، اس لئے یہ فل سکیپ کے دو صفحوں پر پھیلا ہوا تھا۔ میں نے استفتا یعنی صرف سوال ہی پڑھ کر ختم کیا اور ابھی جواب میں تحریر کئے ہوئے وارثوں کے حصے ظاہر نہ کئے تھے کہ اعلٰحضرت نے بلا توقف فرمانا شروع کیا۔ آپ نے فلاں کو اتنا، فلاں کو اتنا، بالغرض درجنوں وارثوں کے نام اور ان کے حصے بتا دیئے۔ اب میں حیران و ششدر تھا کہ مجھے اپنی حساب دانی پر اتنا ناز تھا۔ استفتا کو میں نے اپنے طور پر بیس دفعہ پڑھا، ہر ایک نام بار بار پڑھ کر ان کے حصے نکالے۔ اس کے باوجود مجھ سے کوئی ان سب وارثوں کے نام پوچھے، تو حصے کجا میں نام بھی شاید پورے نہ بتا سکوں جب تک لکھے ہوئے کو سامنے نہ رکھوں... اللہ اللہ! یہ کیا تبحر، کیسی وسعتِ ادراک اور کتنی عظیم خداداد صلاحیت تھی جو حق تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے علومِ درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تحصیل فرمائی۔ حیرت کی بات یہ کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی راہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم و فنون کی تعداد تقریباً ۴۵ ہے۔ کئی فن اس میں ایسے ہیں کہ دورِ جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو در کنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے۔ اعلٰحضرت کے علوم و فنون کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

علمِ قرآن، علمِ حدیث، اصولِ حدیث، فقہ (جملہ مذاہب)، اصولِ فقہ، جدل، تفسیر، عقائد و کلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، فلسفہ، تکسیر، ہیئت، ریاضی، ہندسہ، قراۃ، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تاریخ، لغت، ادب، ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، حساب سینی، لوگارثمات، توقیت، مناظر و مرایا، اکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیئتِ جدیدہ، مربعات، جفر، زائرجہ۔ ان تمام علوم و فنون کے علاوہ علم الفرائض، عروض و قوافی، نجوم، اوفاق، فنِ تاریخ (اعداد)، نظم و نثر فارسی، نظم و نثر ہندی، خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق میں بھی کمال حاصل کیا۔ ان علوم کو دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا تھے اور یہ واقعہ ہے کہ عالمِ اسلام میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلٰحضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مدِ مقابل ہو۔

آپ نے عربی زبان میں قرآن کریم کی نہایت عظیم الشان تفسیر لکھی۔ اس کے علاوہ بیضاوی، معالم، اتقان، دُرِ منثور اور تفسیر خازن پر عربی میں بے نظیر حواشی تحریر فرمائے۔

حدیث و اصولِ حدیث میں آپ نے ۲۰ کتابیں تالیف فرمائیں جن میں صحاح ستہ کی شروح شامل ہیں۔ پھر ان کی معروف شروح یعنی عمدۃ القاری، ارشاد الساری اور فتح الباری پر بھی حواشی لکھے۔ عقائد و کلام پر آپ کی تصانیف کی تعداد بائیس ہے۔ فقہ و تجوید پر آپ کی ستر تصانیف ہیں۔ تصوف، اذکار، اوقات و تعبیر کے علوم پر نو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تاریخ، سیرت و مناقب میں گیارہ کتابیں لکھیں۔ ادب، نحو، لغت، عروض کے موضوع پر آپ نے چھ کتابیں قلمبند کیں۔ علم زیجات میں سات، علم جفر و تکسیر میں گیارہ، علم جبر و مقابلہ میں چار، علم مثلث، ارثماطیقی، ہندسہ اور ریاضی میں اٹھائیس کتابیں تحریر فرمائیں۔ فلسفہ اور منطق میں چھ کتابیں لکھیں۔ ان میں ایک کتاب حرکتِ زمین کی تردید میں ہے اور دوسری کتاب سورج کے گھومنے اور گردش کے ثبوت میں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاءالدین مرحوم نے یورپ میں تعلیم پائی تھی اور برصغیر کے بلند پایہ ریاضی دانوں میں آپ کا شمار تھا اور فی الحقیقت اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ اتفاق سے ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے کسی مسئلے میں اشتباہ ہوا، ہر چند کوشش کی مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ چونکہ صاحبِ حیثیت آدمی تھے اور علم کے شائق، اس لئے قصد کیا کہ جرمنی جا کر یہ مسئلہ حل کریں۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب اس زمانے میں یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں ناظم تھے، ڈاکٹر صاحب نے ایک روز گفتگو کے دوران میں ان سے اس مسئلے اور اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے مشورہ دیا آپ بریلی جایئے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان سے دریافت کیجئے وہ اسے ضرور حل کر دیں گے۔ ڈاکٹر ضیاالدین نے حیرت سے کہا مولانا، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ کہاں کہاں سے تعلیم پاکر آیا ہوں، ریاضی کے ادق سے ادق مسائل حل کرنا جانتا ہوں۔ جب میں یہ مسئلہ حل نہ کر سکا، تو مولانا احمد رضا جنہوں نے کبھی یورپ کا تصور تک نہیں کیا ہے اور نہ ایسے مسئلے ریاضی کے انہوں نے جدید یونیورسٹیوں میں سیکھے ہیں۔ ان بے چاروں نے تو اپنے ملک کے کسی کالج میں بھی تعلیم نہیں پائی، وہ کیونکر یہ مشکل مسئلہ حل کر سکیں گے؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے سفرِ یورپ کا سامان شروع کر دیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے ایک دن پھر کہا آپ بریلی تو ہو آیئے اور ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات تو کر لیجئے، پھر آپ کو اختیار ہے یورپ جایئے یا امریکہ۔ یہ سن کر ڈاکٹر ضیاءالدین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ تلخ لہجے میں کہا، مولانا آپ مجھے کیا رائے دیتے ہیں۔ آخر عقل بھی کوئی چیز ہے۔ فضول میرا وقت برباد ہوگا۔ یہ مسئلہ مولانا احمد رضا خاں کے بس کا نہیں۔ مولانا سلیمان اشرف نے زور دے کر کہا کہ آخر

اس میں حرج ہی کیا ہے۔ بریلی کچھ زیادہ دور تو ہے نہیں، چند گھنٹے کا سفر ہے۔ قصہ مختصر ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف کی معیت میں بریلی پہنچے۔ اعلیٰ حضرت کے دولت کدے پر گئے۔ اندر اطلاع بھیجی حضرت کی طبیعت ناساز تھی۔ مگر مولانا سلیمان اشرف کا نام سن کر فوراً بلوالیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی مزاج پرسی فرمائی اور پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ریاضی کا ایک مسئلہ آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں جناب، وہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ فوراً بیان کردیا جائے۔ ذرا اطمینان کی صورت ہو تو کہوں۔ حضرت نے فرمایا: بیان کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا اس کا جواب یہ ہے۔ جواب سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کو حیرت سے سکتہ ہوگیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے آنکھ سے پردہ سا اٹھ گیا۔ بے اختیار بول اٹھے میں سنا کرتا تھا علم لدنی بھی کوئی شے ہے آج آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلے کے حل کے لئے جرمنی جانا چاہتا تھا کہ مولانا سلیمان اشرف نے رہبری فرمائی۔ اب آپ سے اس کا حل سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ اس مسئلے کو کتاب میں دیکھ رہے تھے دیر تک اسی فن اور اس کے متعلقات میں گفتگو ہوتی رہی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ منگوایا۔ جس میں اکثر مثلثوں اور دائروں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت استعجاب سے وہ رسالہ دیکھا اور فرمایا: میں نے یہ علم حاصل کرنے میں بہت صعوبت اٹھائی۔ ملک ملک کا سفر کیا۔ بے انتہا روپیہ صرف کیا۔ یورپین استادوں کی جوتیاں سیدھی کیں تب کچھ معلومات ہوئیں، مگر جو کچھ علم آپ جانتے ہیں، اس کے مقابلے میں میں اپنے آپ کو طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا، یہ تو فرمائیے اس فن میں آپ کا استاد کون ہے؟ اعلیحضرت نے ارشاد فرمایا: میرا کوئی استاد نہیں۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اسلئے سیکھے تھے کہ ترکے کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی ہی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ مصطفیٰ پیارے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دئے جائیں گے، چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اپنے مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے۔

ڈاکٹر ضیاالدین پر اعلیٰ حضرت کی علمی جلالت اور اعلیٰ اخلاق کا ایسا اثر ہوا کہ بریلی سے علی گڑھ آتے ہی انہوں نے داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوٰۃ کے بھی پابند ہوگئے۔

علم ہیئت، توقیت، نجوم اور جفر میں بھی اعلیٰ حضرت کو ایسی دستگاہ تھی کہ بیان سے باہر۔ مولانا غلام حسین صاحب، حضرت کے معاصرین میں ایک صاحب کمال بزرگ تھے۔ ہیئت اور نجوم کے ماہر۔ اکثر اعلیٰ حضرت کے ہاں تشریف لاتے اور بڑی دلچسپ گفتگو انہی فنون پر ہوتی اور اپنے اپنے تجربات کی جانچ دونوں حضرات فرمایا کرتے۔ ایک دن مولانا غلام حسین تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت نے پوچھا فرمائیے بارش کا کیا انداز ہے، کب تک ہوگی؟ مولانا نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنایا اور فرمایا اس مہینے میں پانی نہیں، آئندہ ماہ میں ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھادیا حضرت نے دیکھ کر فرمایا اللہ کو سب قدرت ہے وہ چاہے تو آج ہی بارش ہو۔ مولانا نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ ستاروں کی چال نہیں دیکھتے حضرت نے فرمایا سب دیکھ رہا ہوں اور ساتھ ساتھ ان ستاروں کے بنانے والے اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں سامنے کلاک لگا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے پوچھا وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں فرمایا بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ جواب ملا پون گھنٹہ۔ حضرت نے فرمایا اس سے قبل نہیں؟ کہا نہیں۔ ٹھیک پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے یہ سن کر اعلحضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھمادی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔ مولانا، آپ نے کہا تھا ٹھیک پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے، یہ اب کیسے بارہ بج گئے؟ مولانا نے کہا آپ نے کلاک کی سوئی گھمادی ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹے بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اسی طرح رب العزۃ جل جلالہٗ قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچادے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ ایک دن کیا، ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا زبانِ مبارک سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گنگھور گھٹا چھاگئی اور پانی برسنے لگا۔ غرض اعلیٰ حضرت کا اعتقاد اس قسم کے علوم پر ایسی ہی نوعیت کا تھا۔ ستاروں کے اثرات کے قائل۔ مگر اصل فاعل حضرت عزۃ جل شانہٗ کو جانتے تھے۔

علم تکسیر اور علم جفر میں تو ایسا کمال حاصل تھا کہ بیرونی ممالک سے علماء یہ علوم سیکھنے آپ کے پاس آتے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ علم خود اپنے ذوق اور شوق سے سیکھا اور ہر سوال کا جواب بالکل صحیح صحیح برآمد کرلیتے۔ ایک روز نواب وزیر احمد خاں صاحب سے فرمایا یہ ایک عجیب وغریب علم ہے۔

اس میں سوال کا جواب، منظوم عربی زبان، بحر طویل اور حرف لام کی ردیف میں آتا ہے اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا، منقطع نہیں آتا جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی، نہیں آتا۔ میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی، اسمیں کچھ پڑھا جاتا ہے جسمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر اجازت عطا ہوئی، حکم مل گیا، ورنہ نہیں۔ میں نے تین روز پڑھا۔ تیسرے روز خواب دیکھا۔ ایک وسیع میدان اور اس میں بڑا پختہ کنواں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور چند صحابہ کرامؓ بھی حاضر ہیں جن میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو میں نے پہچان لیا۔ اس کنویں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ پانی بھر رہے ہیں۔ اسی میں سے ایک بڑا تختہ نکلا کہ عرض ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہوگا۔ اس پر سبز کپڑا پڑا ہوا تھا جس کے وسط میں سفید روشن بہت جلی قلم سے ا ہ ذ کے حروف اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے جس سے میں نے یہ مطلب نکالا کہ اس علم کا حاصل کرنا ہذیان فرمایا جاتا ہے۔ ان حروف سے یہ قاعدہ جفر اذن (اجازت) نکل سکتا ہے۔ ہ کو بطور صدر موخر آخر میں رکھا۔ اس کے عدد پانچ ہیں۔ اب وہ اپنی پہلی جگہ سے ترقی کرکے دوسرے مرتبے میں آگئی اور پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ دہائی سے یعنی پچاس جس کا حرف نون ہے اور نون اذن سمجھا جاتا۔ مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا

اور لفظ کو ظاہر پر رکھ کر یہ فن چھوڑ دیا کہ ابد کے معنی ہیں فضول بک۔"

تاریخ گوئی کا فن بھی اعلیٰحضرت کے پاس اکتسابی نہیں، وہبی تھا۔ آپ نے کبھی ادنیٰ سی توجہ بھی اس فن کے حصول کی جانب نہ فرمائی، پھر بھی اس میں وہ ملکہ کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرما دیا کرتے تھے۔ جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضور کی تصانیف کثیرہ میں بہت کم ایسی ہوں گی جن کا نام تاریخی نہ ہو۔ بعض عربی اور اردو کے قصائد اور تاریخ یا سے وصال جو بہت طویل ہیں، اُن کے ہر ہر مصرعے سے تاریخ بر آمد ہوئی ہے۔ خوش نویسی اور خطاطی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نسخ، نستعلیق، خط مستقیم اور خطِ شکستہ جیسے تمام اقسام و انواع کے رسم الخط میں آپ بے نظیر مہارت سے لکھتے تھے۔

تذکرۂ علمائے ہند میں ہے۔

"اگرچہ پیش ازیں کتابے دریں فن نیافتہ شود، پس مصنف را موجد تصنیف ہذا می تواں گفت (اگر اس فن میں اور کوئی کتاب نہ ہو، تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا جا سکتا ہے)

علمِ توقیت میں کمال کا یہ عالم کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے، وقت بالکل صحیح ہوتا اور کبھی ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔ ایک دفعہ آپ بدایوں شریف تشریف لے گئے، مسجد خرما میں حضرت محب الرسول مولانا عبدالقادر بدایونی نے آپ کو نماز فجر پڑھانے کا ارشاد کیا۔ اعلیٰحضرت نے قرأت اتنی طویل کی کہ مولانا عبدالقادر کو شک ہوا شاید سورج نکل آیا۔ نماز کے بعد لوگ باہر نکل کر مشرق کی طرف دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ابھی سورج نکلنے میں تین منٹ ۴۰ سیکنڈ باقی ہیں۔

علم تکسیر (تعویذ) میں بھی غیر معمولی مشق و ادراک کے مالک تھے۔ تعویذ پُر کرنے کے بے شمار طریقوں سے واقف "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کے مؤلف مولانا ظفر الدین بہاری اعلیٰحضرت کے خلیفہ اور شاگرد بھی تھے ان کے پاس ایک شاہ صاحب تشریف لائے اور بڑے فخر سے کہنے لگے میں نقش مربع سولہ طریقوں سے پُر کر لیتا ہوں۔ آپ کتنے طریقے جانتے ہیں۔ مولانا ظفر الدین نے انکسار سے کہا مجھے تو نقش مربع پُر کرنے کے گیارہ سو باون طریقے آتے ہیں۔ شاہ صاحب کو یہ ناقابلِ یقین بات سن کر اس قدر تعجب ہوا کہ اعتبار نہ آیا۔ پوچھا یہ فن آپ نے کس سے حاصل کیا۔ مولانا نے جواب دیا اعلیٰ حضرت سے اور اعلیٰ حضرت ۲۳ سو طریقوں سے نقش مربع پُر کرنا جانتے ہیں آخر کار شاہ صاحب نے وہ کتاب دیکھی جسمیں مولانا ظفر الدین نے نقش مربع گیارہ سو باون طریقوں سے پُر کیا تھا تو یقین کئے بغیر چارہ نہ رہا۔

اعلیٰ حضرت کا علمی سرمایہ یُوں تو بے پناہ ہے، لیکن آپ کا فقہی شاہکار فتاویٰ رضویہ ہے جس کی بارہ جلدیں ہیں۔ ان میں سے پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ہر جلد حجازی سائز کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل۔ تاریخ الفتاویٰ میں یہ مجموعہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مجموعے کے چند اوراق اعلیٰ حضرت نے مکہ معظمہ کے فاضل سید اسمٰعیل خلیل حافظ کتب الحرام کو ارسال فرمائے تھے۔ موصوف نے اپنے مکتوب میں ان اوراقِ فتاویٰ پر تبصرہ فرمایا اس کا آخری جملہ دیکھئے۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان فتووں کو اگر ابو حنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرماتے۔"

شاعرِ مشرق علامہ اقبال اعلیٰ حضرت کے معاصرین میں سے تھے۔ آپ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ایک موقع پر علامہ اقبال نے فرمایا یہ روایت ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم کی ہے:

"ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضا خاں جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی اور اُن کی ذہانت، فطانت جودتِ طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں، اُس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ با ایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی، تو مولانا احمد رضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہؒ ہوتے۔"

اقبال نے اعلیٰ حضرت کے ہاں جس "شدت" کا ذکر فرمایا ہے، اس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی سوزش تھی، جسے حدت کہیئے یا شدّت۔ اور یہ شدّت بھی صرف اعدائے خدا و رسول کے لئے تھی۔ ورنہ اعلیٰ حضرت تو ہر مومن اور ہر اہلِ محبت کے لئے سراپا لطف و کرم تھے یا بقول اقبال ؏

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

فاضل بریلوی نے سلوک و طریقت کی منزلیں حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر طے فرمائیں اور آپ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ پیر و مرشد نے آپ کو تمام سلاسل میں اجازت و خلافت کا شرف عطا فرمایا۔ بیعت کا واقعہ ۱۲۹۴ھ کا ہے یعنی ان دنوں کا جب اعلیٰ حضرت کی عمر اکیس بائیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد نقی علیخاں بھی اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف فرما تھے اور وہی اپنے پاکباز اور ہونہار فرزند کو شاہ آلِ رسول کی خدمت میں لے گئے۔ شاہ صاحب کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔ گویا فاضل بریلوی کو اپنے پیر و مرشد سے تقریباً تین برس تک شرفِ ہدایت حاصل رہا۔ اعلیٰحضرت کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" میں ایک منقبت حضرت شاہ آلِ رسول کی شان میں موجود ہے۔ اس کا مطلع ہے ؎

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول

شاہ صاحب بھی اعلیٰ حضرت سے بہت محبت فرماتے اور انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا۔

بروزِ حشر اگر باری تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آلِ رسول! دنیا سے میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو عرض کروں گا کہ اے پروردگار میں تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں۔"

اعلیٰ حضرت کو جن سلاسلِ طریقت میں اجازت و خلافت حاصل تھی، ان کی تعداد تیرہ ہے جن میں مشہور و معروف سلسلے قادریہ چشتیہ، نظامیہ، محبوبیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ صدیقیہ، نقشبندیہ علویہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت شاہ آلِ رسول کی بیعت سے ایک سال بعد یعنی ۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کی معیت میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ "الملفوظ" کی جلد دوم میں اس سفرِ حج سے واپسی کے حالات خود حضرت کی زبانی سن کر مرتب نے درج فرمائے ہیں اور نہایت اثر انگیز ہیں۔ مولانا رحمٰن علی نے بھی اپنی تالیف تذکرہ علمائے ہند میں آپ کے حج کے واقعات و حالات تفصیل سے درج کئے ہیں۔ اسی سفر میں حرمین شریفین کے اکابر علماء اور شیوخ سے آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ مثلاً مفتی شافعیہ سید احمد دحلان مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج وغیرہم۔ ان دونوں حضرات سے آپ نے حدیث، تفسیر فقہ اور اصولِ فقہ میں سندیں حاصل کیں۔ ایک روز اعلیٰ حضرت حرم مبارک میں حاضر تھے اور مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح بغیر کسی سابقہ تعارف کے آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں۔ فرطِ محبت سے دیر تک آپ کی نورانی پیشانی دیکھتے رہتے ہیں اور جوشِ عقیدت میں اُن کے منہ سے نکلتا ہے۔

انی لاجد نور من ھذا الجبین

(بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں)

شیخ حسین بن صالح نے اعلیٰ حضرت کو صحاحِ ستّہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستخطِ خاص سے عنایت فرمائی اور آپ کا نام ضیاء الدین احمد رکھا۔ شیخ نے اپنی ایک کتاب "الجوہرۃ المضیئۃ" کی شرح لکھنے کی فرمائش کی۔ نوجوان فاضل بریلوی نے صرف دو روز میں اس مشکل کتاب کی شرح عربی زبان میں تحریر فرما کر ان کے حوالے کی اور بعد میں تعلیقات و حواشی کا اضافہ کر کے اس کتاب کا تاریخی نام بھی تجویز کیا۔ واپسی میں تین روز تک مسلسل سمندر میں طوفان رہا اور ایسا شدید کہ بقول اعلیٰ حضرت: لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا آپ اطمینان رکھیں خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیثِ رسول ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی اور حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا۔ الحمدللہ وہ مخالف ہوا جو تین دن سے چل رہی تھی، دو گھڑی میں بالکل موقوف ہو گئی۔ وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی، بریلی پہنچ کر اور مکان میں پہلا قدم رکھتے ہی والدہ نے مجھ سے فرمایا۔ حج فرض اللہ تعالیٰ نے ادا فرما دیا۔ اب میری زندگی بھر دوبارہ حج کا ارادہ نہ کرنا۔ اُن کا یہ فرمانا مجھے یاد رہا اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حج نفل جائز نہیں، یوں خود دوبارہ حج ادا کرنے سے مجبور تھا۔"

۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی اور بڑے صاحبزادے جب حج کے سفر پر روانہ ہوئے، تو آپ کی طبیعت سخت بے چین ہوئی، دل چاہتا تھا پر لگ جائیں اور اُڑ کر حرم شریف میں پہنچیں، مگر والدہ کی اجازت ضروری۔ فرماتے ہیں۔ اجازت کا مسئلہ نہایت اہم اور اس کا یقین کہ والدہ اجازت نہ دیں گی۔ کس طرح ان سے عرض کروں۔ آخر کار زنانہ مکان میں گیا۔ دیکھا حضرت والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور، مجھے حج کی اجازت دے دیجئے۔ پہلا لفظ جو فرمایا یہ تھا: خدا حافظ! میں الٹے پیروں باہر آیا اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ حج سے جب واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ابھی اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا کہ والدہ نے فرمایا: میں اجازت نہیں دیتی۔ اُسے بلا لو۔ مگر میں جا چکا تھا کون بلاتا! چلتے وقت جس لگن میں میں نے وضو کیا تھا اس کا پانی والدہ نے میری واپسی تک پھینکنے نہ دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

والدین کے ادب، احترام اور اطاعت کی ایسی بہت سی مثالیں اعلیٰ حضرت کی حیات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جب آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا، تو اعلیٰ حضرت اپنے حصے کی جائداد کے خود مالک و مختار تھے، مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ مالکہ کی حیثیت سے جس طرح چاہتیں صرف فرماتیں۔ حضرت کو کتابوں وغیرہ کی خریداری کے لئے کسی بڑی رقم کی ضرورت پڑتی، تو والدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور جب وہ اجازت دیتیں تب کتابیں خریدتے۔

اعلیٰ حضرت کے اس دوسرے حج کے واقعات نہایت عظیم الشان اور سبق آموز ہیں اس موقع پر آپ نے ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے ؎

شکر خدا کہ آج گھڑی اُس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

علمائے حجاز نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی، حد درجہ مدارات سے پیش آئے۔ بہت سوں نے درخواست کی انہیں سندِ اجازت مرحمت فرمائی جائے، چنانچہ اعلیٰ حضرت نے ہر درخواست منظور فرمائی۔ حضرت کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے اس سفر کے حالات تفصیل سے رقم فرمائے ہیں۔ بعض علمائے مکہ نے علمِ غیب کے بارے میں چند سوال لکھ کر اعلیٰ حضرت کے پاس بھیجے اور صرف دو دن میں لکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ آپ کی طبیعت ناساز تھی اور نہ حوالے کے لئے کوئی کتاب موجود، مگر آپ نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان تمام سوالوں کے جواب فصیح و بلیغ عربی میں، صرف آٹھ گھنٹے کے اندر اندر قلم بند کروا دئے اور اس طرح چار سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو گئی۔ آپ نے اس کتاب کا جو نام تجویز فرمایا وہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس سے نہ صرف موضوع کی صراحت ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کتاب کہاں تصنیف کی گئی اور کس سن میں لکھی گئی۔ کتاب کا نام ہے:

الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ
۱۳۲۳ھ

مدینہ منورہ میں بھی بے حد اکرام و اعزاز سے نوازے گئے۔ اس کا آنکھوں دیکھا حال شیخ محمد عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیئے:

"میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ برصغیر کے ہزاروں صاحب علم آتے ہیں ان میں علما، صلحا، اتقیا سب ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی انہیں مڑکر بھی نہیں دیکھتا، مگر فاضل بریلوی کی شان عجیب ہے۔ یہاں کے علماء اور بزرگ سبھی ان کی طرف جوق درجوق چلے آرہے ہیں اور ان کی تعظیم میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔"

مدینہ طیبہ میں بھی آپ سے اکثر علمائے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی جس زمانے میں کپورتھلہ کی مسجد کے خطیب تھے، انہوں نے اپنے والد حضرت شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر اعلیٰ حضرت کے اسی دوسرے سفر حج سے متعلق ایک ایمان افروز واقعہ نہایت موثر انداز میں بیان کیا تھا۔ آپ بھی اس کی سماعت میں شریک ہوجائیے۔

"جب مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ دوسری مرتبہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے شوق دیدار میں روضۂ شریف کے مواجہہ میں درود پڑھتے رہے اور یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے، لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا۔ آپ نے کچھ کبیدہ خاطر ہوکر ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

نعت کے مقطع میں عجیب انداز سے اپنی محرومی اور نارسائی کا اشارہ کیا ؎

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ نعت مواجہہ شریف میں عرض کرکے انتظار میں مؤدب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

مدینے میں حضرت کا قیام طویل رہا۔ اکتیس بار مسجد نبوی میں حاضری نصیب ہوئی۔ صبح سے عشا تک علما، شیوخ اور طلبا کا ہجوم رہتا۔ کوئی حدیث پڑھنے آتا، کوئی اجازت لینے اور کوئی بیعت کرنے۔ حضرت کسی کو مایوس نہ کرتے۔ مولانا حکیم سید عبدالحئی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر اپنی گرانقدر تالیف میں اعلیٰ حضرت کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ نے کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا اور علمائے حجاز سے بعض مسائل فقہیہ اور کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا۔ بعض رسائل بھی قیام کے دوران میں لکھے اور علما حرمین نے بعض سوالات کئے، تو ان کے جوابات بھی تحریر کئے۔ فقہ، حدیث اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔

اعلیٰ حضرت کو عربی زبان پر ایسا عبور تھا کہ خود اہل عرب رشک کرتے، آپ کے ایک خلیفہ مولانا شیخ ضیاالدین مدنی، جو بفضل خدا حیات ہیں اور مدینہ منورہ میں قیام ہے، ان کی روایت ہے کہ: ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلیٰ حضرت کا ایک قصیدۂ عربیہ پڑھا جو سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں تھا۔ سب نے بیک زبان کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بتایا اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا بریلوی ہیں جو عربی نہیں عجمی ہیں۔ علمائے مصر یہ سُنکر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہوکر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔"

اعلیٰ حضرت جامع کمالات بزرگ تھے جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرمادیا۔ ان کی اصل دولت حُبِّ رسول تھی۔ اس پاک جذبے سے ان کی روح سرشار رہی۔ اعلیٰ حضرت کی شاعرانہ حیثیت بھی اتنی ہی وقیع اور عظیم ہے جتنی ان کی دوسری حیثیتیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ دنیا میں جو اچھے اچھے نعت گو شعرا گزرے ہیں۔ ان سب کا ذکر کسی نہ کسی حیثیت سے ادب کی کتابوں میں موجود ہے مگر اعلیٰ حضرت کی بہترین شعری تخلیقات کی طرف توجہ نہ دی گئی، شاید اس لئے کہ ان کی شاعری دوسرے علوم و فنون کے نیچے دب گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا نعتیہ کلام بڑے سے بڑے شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان کے ہاں جذبۂ دل کی بے ساختگی، خیال کی رعنائی، الفاظ کی شان و شوکت اور عشقِ رسول کی جھلکیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔ ان کی نعتوں میں کیف و اثر کی ایک دنیا آباد ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد کا مشاہدہ یہ ہے، آپ عالم ارباب سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے۔ بلکہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور درد عشق آپ کو بیتاب کرتا تو از خود نعتیہ اشعار زبان پر جاری ہوتے اور پھر یہی اشعار آپ کے شورشِ عشق کی تسکین کا سامان بن جاتے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے، تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں، ورنہ شعر و سخن میرا مذاق نہیں۔

اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا نہایت خوش گو اور نفیس شاعر تھے فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ ایک روز انہوں نے اعلیٰ حضرت کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع داغ کو سنایا ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مطلع سنکر داغ جھومنے لگے، بار بار پڑھواتے اور وجد کرتے۔ بہت تعریف کی اور فرمایا: "مولوی ہوکر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔"

یہ بہترین داد ہے جو استاد داغ کسی شاعر کو دے سکتے تھے۔ حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ لکھنؤ کے شعراء کی ایک محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ معراجیہ اپنے خاص انداز میں پڑھا، تو سب جھومنے لگے اور ایک آواز کہا کہ اس قصیدے کی زبان تو کوثر میں دھلی ہوئی ہے۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ سرآمد شعراء دہلی نے کہا: سبحان اللہ مولانا احمد رضا کی شاعری کے کیا کہنے! آپ پھر پڑھتے رہیے، ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے لئے کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل قرآن کی طرف پھیر دئے، لیکن مولانا احمد رضا خاں کا اعجازِ شاعری یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل صاحبِ قرآن کی طرف پھیر دئے۔ نعتیہ شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس سے شاعر کے کمالِ عشق کا سکہ دل پر بیٹھ جائے۔ شاعر شاگرد ہوتے ہیں، مگر عاشق شاگرد نہیں ہوا کرتے۔ مولانا احمد رضا خاں فنِ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے، وہ عاشقِ صادق تھے فیضانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ کچھ دیا کہ بس سوچا کیجئے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بے شمار شعراء نے اپنی اپنی حسنِ نیت اور توفیقِ الٰہی کے باعث سلام لکھ کر ہدیۂ عقیدت پیش کیا، مگر اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے ایک سلام کو ایسا قبولِ عام نصیب ہوا کہ صدی گزر چکی، برصغیر پاک و ہند کی فضائیں آج بھی اس سلام کی والہانہ آواز سے گونج رہی ہیں۔ ایک ایک شعر جذب و کیف اور عشق پرستی کا مرقع ہے۔

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم، تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

حضرت اطہر ہاپوڑی اردو کے مشہور شاعر تھے اور ان کا شمار نہایت جید اساتذہ غزل میں تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں نعت سنائی اور مطلع پڑھا

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلےٰ کے سامنے

مطلع سنکر اعلیٰ حضرت ناخوش ہوئے اور فرمایا اس کا دوسرا مصرع مقامِ نبوت کے لائق نہیں۔ اطہر صاحب محجوب ہو کر چہرہ دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا اسے یوں کر دیجئے۔

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلی کے سامنے

حضرت محسن کاکوروی کا قصیدۂ معراجیہ بہت مشہور ہے جس کا آغاز یوں ہے

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

حضرت محسن یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت کو سنانے کے لئے بریلی تشریف لائے۔ ظہر کے بعد دو شعر سنے، پھر ارشاد فرمایا عصر کے بعد باقی قصیدہ سنا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے عصر سے پہلے اپنا طویل قصیدہ معراجیہ سنایا۔ محسن نے جب آپ کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔

آپ چونکہ عربی، فارسی بھاشا اور اردو سب زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے اس لئے ان زبانوں میں بے تکلف شعر کہتے۔ ایک مرتبہ احباب کی فرمائش پر ایسی نعت کہی جس میں یہ چاروں زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ بعض قصائد نہایت عجیب اور مشکل صنعتوں میں بھی کہے۔ غرض اعلیٰ حضرت کا یہ رُخ بھی نہایت حسین اور یادگار ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے اخلاق و عادات نہایت عمدہ اور اچھے تھے۔ پوری زندگی حُبِّ نبوی اور اتباعِ شریعت میں گزری۔ اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیتے نہ کچھ شکایت کرتے، مگر خدا و رسول کا معاملہ ہوتا، تو ہرگز رُو رعایت نہ کرتے۔ پانچوں وقت نماز نہایت اہتمام سے ادا کرتے، طبیعت شدید ناساز ہوتی، تب بھی مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت سے نماز ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے رکھتے ایک بار رمضان میں بیمار پڑے اور حالت نازک ہوگئی۔ طبیبوں نے ہر چند اصرار کیا کہ روزہ توڑ دیجئے، مگر نہ مانے اور روزے کی برکت ہی سے صحت حاصل ہوگئی۔ رات کو سوتے وقت نام اقدس محمد کی شکل میں لیٹتے۔ سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ کسی چیز کے لینے اور دینے کے لئے دایاں ہاتھ بڑھاتے، کبھی قہقہہ نہ لگاتے، تبسم فرماتے۔ قبلے کی طرف منہ کر کے کبھی نہ تھوکتے۔ قبلے کی طرف پاؤں کبھی دراز نہ کرتے، آہستہ آہستہ چلتے۔ اکثر نگاہیں نیچی رکھتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند کرتے۔ اگر آپ کوئی حدیث بیان کر رہے ہوں یا قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہے ہوں یا درمیان میں کوئی قطع کلام کرتے، تو سخت ناراض ہوتے۔ نہایت سخی اور سیر چشم تھے جو دروازے پر آتا خالی نہ جاتا۔ غریبوں، طالب علموں، ناداروں، یتیموں اور بیواؤں کے وظائف مقرر تھے۔ بیرونی ضرورت مندوں کو منی آرڈر کے ذریعے رقمیں بھیجتے۔ روپیہ جمع کر کے نہ رکھتے فوراً تقسیم فرما دیتے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا: میں نے کبھی ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہیں دیا۔ کیونکہ میرے پاس کبھی اتنی رقم جمع ہوئی ہی نہیں کہ سال گزر جانے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

اعلیٰ حضرت کو بیت اللہ اور حرمین شریفین سے جو عشق تھا، اس کا تذکرہ سوز و گداز سے پُر ہے۔ دوسرے حج کے موقع پر جبکہ آپ مکہ معظمہ میں تھے، شدید بخار میں مبتلا ہوئے۔ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا اور کہا آبِ زمزم میں ملا کر پی لو۔ اعلیٰ حضرت یہ سنکر خوش ہوئے۔ فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے دوا وہ بتائی جو مجھے بالطبع محبوب اور مرغوب تھی یعنی زمزم شریف۔ میری عادت ہے کہ باسی پانی نہیں پیتا اور اگر پیوں، تو فوراً زکام ہو جاتا ہے، مگر زمزم کی برکت دیکھئے کہ صحت

میں مرض میں، دن میں، رات میں تازہ، باسی کثرت سے پیا۔ بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلتی، کلی کرتا اور زمزم پیتا۔ وضو سے پہلے پیتا۔ وضو کے بعد پیتا۔ پونے تین مہینے کے معظمہ کے قیام میں میں نے حساب کیا، تو تقریباً چار من آب زمزم میرے پینے میں آیا ہوگا۔

"اواخر محرّم میں صحت ہوئی اللہ کے فضل سے۔ وہاں ایک سلطانی حمام ہے۔ میں اس میں نہایا۔ باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ابر ہے حرم شریف پہنچتے پہنچتے پانی برسنا شروع ہوا۔ مجھے حدیث یاد آگئی کہ جو مینہ برستے میں طواف کرے، وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً حجرِ اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار پھر ہوگیا۔ مولانا سید اسمٰعیل مکی نے فرمایا ایک ضعیف حدیث کے لئے تم نے اپنے بدن کی بد احتیاطی کی۔ میں نے کہا حدیث ضعیف ہے، مگر امید بحمد اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ یہ طواف بہت مزے کا تھا۔

علماء اور طلباء کا حد درجہ احترام کرتے اور ان کے آنے پر بے حد مسرور نظر آتے۔ مہمانوں کے ہاتھ خود دُھلاتے اور عمدہ سے عمدہ کھانے انہیں کھلاتے۔ مزاج میں عُجب غرور اور کبر بالکل نہ تھا۔ سادات کرام کے سامنے فرطِ تواضع اور انکسار سے بچھ بچھ جاتے۔ آپ کے ہاں ہر تقریب میں ساداتِ کرام کو دوہرا حصّہ دیا جاتا، ایک دفعہ نو دس برس کی عمر کے ایک صاحبزادے امور خانہ داری کے لئے ملازم رکھے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ سیّد ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے گھر والوں کو تاکید فرمادی خبردار، صاحبزادے سے کوئی کام نہ لیا جائے، اسلئے کہ وہ مخدوم زادے ہیں جس چیز کی انہیں ضرورت ہو، حاضر کی جائے اور جس تنخواہ کا وعدہ ہوا ہے وہ بطور نذر پیش ہوتی رہے۔ ایک دفعہ اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا: قاضیٔ وقت اگر سیّد کو حد لگائے تو یہ خیال نہ کرے کہ میں سزا دے رہا ہوں، بلکہ یہ تصور کرے کہ شاہزادے کے پاؤں میں کیچڑ بھر گئی ہے، وہ دھو رہا ہوں... مدینہ منورہ میں سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یا سیّدی فرماتے، میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت، سیّد تو آپ ہیں، فرمایا واللہ! تم سیّد ہو۔ میں نے عرض کی میں سیّدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مولی القوم منھم قوم کا غلام آزاد شدہ انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ساداتِ کرام کی سچّی غلامی عطا فرمائے۔

مزاج میں نہایت اعلیٰ درجے کی لطافت اور مزاح تھا، کسی ہندو آریہ نے اپنے مذہب کے بارے میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "آریہ دھرم پرچار" رکھا اور کتاب کا ایک نسخہ، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے وہ کتاب ملاحظہ فرمائی جگہ جگہ حاشیے پر اس کا رد لکھا اور جہاں کتاب کا نام لکھا، وہاں سیاہ روشنائی لے کر جلی قلم سے لفظ "پرچار" کے بعد "حرف" لکھ دیا اب اس کتاب کا نام یوں ہوگیا۔ آریہ دھرم پرچار حرف۔"

اعلیٰ حضرت نے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء یوم جمعۃ المبارک دوپہر دو بج کر ۳۸ منٹ پر بریلی میں وصال فرمایا۔ چند ماہ قبل اعلیٰ حضرت نے قرآن مجید کی اس آیت سے اپنا سنہ وفات برآمد فرمایا تھا۔ ویطاف علیھم بآنیة من فضة و اکواب۔ اس آیت کے حروف سے ابجد کے مطابق ۱۳۴۰ عدد برآمد ہوتے ہیں مولانا حسنین رضا خاں نے اعلیٰ حضرت کے الوداعی سفر کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ان کا بیان ہے:

اعلیٰ حضرت نے وصیت نامہ تحریر کرایا، پھر اس پر خود عمل کرایا۔ اس روز تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ہوتے رہے۔ دو بجنے میں چار منٹ باقی تھے کہ وقت پوچھا عرض کیا گیا اس وقت ایک بجکر ۵۶ منٹ ہو رہے ہیں۔ فرمایا گھڑی رکھ دو، یکایک ارشاد ہوا تصویر ہٹا دو۔ حاضرین کے دل میں خیال گزرا کہ یہاں تصاویر کا کیا کام۔ یہ خطرہ گزرنا تھا کہ خود ارشاد فرمایا یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ۔ پھر ذرا وقفے سے اپنے بھائی مولانا محمد رضا خاں صاحب سے خطاب فرمایا وضو کر آؤ، قرآن عظیم لاؤ۔ ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ اپنے چھوٹے بیٹے مولانا مصطفٰے رضا خاں سے پھر ارشاد فرمایا اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورۂ یٰسین شریف اور رعد شریف تلاوت کرو۔

اب آپ کی عمر کے چند منٹ باقی رہ گئے ہیں جب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں۔ ایسے حضور قلب اور تیقظ سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقتِ زبان سے زیر و زبر میں فرق ہوا، خود تلاوت فرما کر بتادی۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے، تمام و کمال، بلکہ معمول سے زائد پڑھیں۔ پھر کلمہ طیبہ پورا پڑھا۔ جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا۔ اُدھر ہونٹوں کی حرکت اور ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرۂ مبارک پر ایک نور کی کرن چمکی جسمیں جنبش تھی۔ اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور جسم اطہر حضور سے پرواز کرگئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

خود اسی زمانے میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا: "جنہیں ایک جھلک دکھا دیتے ہیں، وہ شوقِ دیدار میں ایسے جاتے ہیں کہ جانا معلوم بھی نہیں ہوتا۔"

مولانا عبدالعزیز محدّث مرادآبادی استاذ دارالعلوم اشرفیہ، اعظم گڑھ، درگاہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین دیوان سید آل رسول کے عم محترم کی زبانی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جسے یہاں درج کرنا مناسب ہوگا۔ موصوف کا ارشاد ہے۔

ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ، دہلی تشریف لائے اُن کی آمد کی خبر پاکر اُن سے ملاقات کی۔ بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا استغنا اور مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے، اُن بزرگ کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے، نذرانہ پیش کرتے، مگر وہ قبول نہ فرماتے اور کہتے بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں۔ مجھے ضرورت نہیں، اُن کے اِس استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا۔ عرض کیا حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا مقصد تو بڑا اہم تھا۔ لیکن حاصل نہ ہوا

جس کا افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا فداک ابی وامی! کس کا انتظار ہے؟

ارشاد فرمایا احمد رضا کا۔

میں نے عرض کیا احمد رضا کون؟

فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی۔ معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ ہندوستان آیا۔ بریلی پہنچا، پتہ چلا اُن کا انتقال ہو گیا اور وہی ۲۵ صفر ان کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف اُن کی ملاقات کے لئے کیا۔ مگر افسوس ملاقات نہ ہو سکی۔

شہر بریلی، محلہ سوداگران میں دار العلوم منظر اسلام کے شمالی جانب ایک پرشکوہ عمارت میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

بقیہ: شخصیتی جائزہ

حضرت کا حسن ادب بارگاہ رسالت میں اس قدر تھا کہ ایک بار حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں نے آپ سے سیزدہ درود شریف نقل کرایا، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ حسین اور زاہد بھی تھا حضرت نے نقل میں یہ دو لفظ تحریر نہ فرمائے اور فرمایا کہ حسین صیغہ تصغیر ہے اور زاہد اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ان الفاظ کا لکھنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن پھر میاں کے حکم کا احترام کرتے ہوئے نہایت لطافت کے ساتھ حسین کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ یہی صیغۂ تصغیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کر رہا ہے۔ اب درود شریف کی عبارت یوں ہوگی: اللّٰھم صل وسلم وبارک علیٰ سیدنا و مولانا محمدن المصطفیٰ رفیع الشان ہ المرتضیٰ علی الشان ہ الذی رجیل من امتہ خیر من رجال السابقین ہ وحسین من زمرتہ حسن من کذا و حسنًا من السابقین ہ

سرور کائنات سے محبت کا ایک اور ثبوت دیکھئے۔ مولانا عرفان علی بیسلپوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہندتو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا اپنی خواہش تو یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔

لیکن قدرت کو ابھی ان سے کچھ اور کام لینے تھے وہ چار سال اور زندہ رہے اور اس دوران میں برابر علمی کام کرتے رہے اور دین کی خدمت بجا لاتے رہے، آخر جمعہ مبارکہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو یہ نامور مصنف اپنے زمانہ کا جلیل القدر عالم دین کا خادم، اور اپنے رسول کا شیدائی سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد سنتا ہوا اور کلمۂ طیبہ ورد کرتا ہوا اور سفر کی دعائیں پڑھتا ہوا اس جہاں سے رخصت ہوا۔ رحمہ اللہ ورحمۃ واسعۃ۔ حضرت کی حیات اور ان کے کارناموں پر کتابیں لکھی جائیں گی۔ لیکن ان کی زندگی کی ایک جھلک ان کے اپنے ان دو شعروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

امام احمد رضا اور

ان کی خصوصیات

از: حضرت علامہ خواجہ ابرار حسین صاحب فاروقی
لکچرار اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی. علی گڑھ۔

۱۔ تمہید!

العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (حدیث شریف)

(ترجمہ) میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں.

اس حدیث شریف کے تفسیر و تشریح میں بعض حضرات کو تسامح ہوا ہے. فی الحقیقت مشبہ موجود، مشبہ بہ موجود اور حرف تشبیہ بھی موجود. لیکن وجہ شبہ تفسیر طلب ہے. اس حدیث شریف کا مطلب صرف یہی نہیں ہے. کہ علماء امت محمدیہ کا مرتبہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ہے. بلکہ اس میں سب سے بڑا راز یہ ہے کہ جس طرح سے انبیاء بنی اسرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر اپنی امت کے ہدایت و اصلاح میں مصائب برداشت کرنے پڑے اور اس ابتلاء و آزمائش میں کامیاب رہے. اسی طرح سے علماء امت محمدیہ کو بھی مسلمانوں کے اصلاح اور ہدایت میں انھیں کے مانند مصائب اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا. اس سلسلہ میں اس جگہ ذیل کی دو ہی مثالوں پر اکتفا کروں گا.

خلیفہ عباسی مہدی کے زمانہ میں زندیقیوں نے سر اٹھایا اور قرآن پاک کا جواب لکھنے پر تل گئے، علماء اور حکمائے اسلام نے مقابلہ میں قرآن کا چیلنج قبول کیا. اور مصائب جھیلے مگر مقابلے سے نہ ہٹے. قرآن کو کامیابی ہوئی اور اسطرح سے یہ فتنہ ختم ہوا. اس کے بعد دوسو بارہ ہجری ۲۱۲ھ میں بعہد خلیفہ مامون بن خلیفہ ہارون رشید نیا فتنہ خلق قرآن کا اٹھا. اس فتنہ سے ائمہ مجتہدین بھی نہ بچ سکے چنانچہ جس وقت ۲۱۸ھ میں مامون نے خلق قرآن کو مان کر نہ صرف علماء کو اس عقیدہ کے ماننے پر مجبور کیا بلکہ انکار کرنے والے علماء ذی اقتدار کو دار و رسن سے نوازا حتی کہ مجتہد اعظم امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام اہلسنت والجماعت کو بھی اس لئے نہ چھوڑا اور ممدوح علیہ الرحمتہ نے برائے احقاق پر مصیبت برداشت کی. آخرکار مکہ مکرمہ کے ایک مجتہد اعظم امام عبدالعزیز مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب اس فتنے کے زہریلے اثر کو پھیلتے دیکھا جو جذبۂ اسلام نے دار و رسن کے پرواہ کئے بغیر مکہ مکرمہ سے دار الخلافہ کے لئے انھوں نے شد رحال کیا اور بغداد پہونچ کر دشمن دین معتزلی بنام بشر بن غیاث مریسی کی فتنہ پردازی کا قلع قمع کیا یعنی دربار خلافت میں — امیر المومنین کو بھی حکم بنا کر اس معتزلی کا مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور اسطرح سے اس فتنہ کو ختم کیا (ملاحظہ ہو کتاب حیدہ مصنفہ امام موصوف)

یہ تفسیر متذکرہ بالا حدیث شریف، جو انبیاء بنی اسرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مصائب کی طرف واضح اشارہ فرماتی ہے اس کی تائید اس سے زیادہ حدیث شریف فرماتی ہے.

لایزال من امتی قائمین علی الحق حتی یاتی امر اللہ وھم الغالبون

(حدیث شریف)

(ترجمہ) میری امت کے اشخاص ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہیں گے یہاں تک کہ حکم خدا سے وہ اپنے (مخالفین) پر غالب ہو جائیں گے.

بہر حال علمائے کرام کی وہ ممتاز اور محبوب تر جماعت تھی، جس نے ہمیشہ امت اسلامیہ کی پیہم رہبری کر کے اسکو صراط مستقیم پر لگایا اور ارکان خمسہ کا ہمیشہ درس دیکر اس کو گمراہی سے بچایا (فاللہ خیرٌ حافظاً) ماسوا اس کے بمضمون حدیث شریف

الاختلاف امتی رحمۃ۔ (ترجمہ) میری امت میں اختلاف رحمت ہے.

امت کے اختلاف کو نہ صرف جائز فرمایا بلکہ رحمت فرمادیا۔ اس کی صحت کا مظہر چاروں ائمہ مجتہدین کا مسلک ہے جو مسلمانوں کی عبادت کی بنیاد ہے، قرآن ایک، حدیث ایک، چنانچہ اسی قرآن و حدیث سے ائمہ نے اپنی تفقہ سے مسائل استنباط کر کے مسلمانوں کی رہبری کی اور مسلمانوں نے اپنے اپنے ماحول کے مطابق مسالک قبول کئے. اسی طرح حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مسلک دنیائے اسلام میں پھیلے اور آجتک اختلاف امت کا مظاہرہ کر رہے ہیں.

۲۔ مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدائش اور تعلیم و تربیت

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلی میں بتاریخ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ (۱۴ جون ۱۸۵۶ء) میں پیدا ہوئے.

حضرت کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں نے اپنے پوتے کو گود میں لیکر فرمایا "یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا"۔ یہ قول حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا جیسا کہ آئندہ کی تفصیلات سے واضح ہوگا.

حضرت اقدس کا اصلی اسم مبارک عبد المصطفٰے احمد رضا خاں اور تاریخی نام "المختار" ۱۲۷۲ھ تھا حضرت اقدس کے والد بزرگوار کا اسم مبارک حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا

یہ اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں سے تھے تعلیم و تربیت ان کی من اولہ الی آخرہ ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمائی تھی۔

حضرت شاہ مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے بقول راویان ثقہ بعمر چار سال قرآن پاک ناظرہ ختم فرمایا۔ ذہن و ذکاوت کی یہ لاجواب مثال ہے۔ اسی حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو سبق ایک بار پڑھ لیا وہ ازبر ہو جاتا تھا۔ مکتب کے تعلیم کے بعد جب درسیات شروع ہوئیں تو جملہ معقول و منقول کا درس اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لیا۔ بقول سوانح نگار ثقہ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ تقریباً بعمر ۱۴ سال سند فراغت حاصل فرمائی۔ طبع رسا اور ذہن صفا کی یہ ایک انمول مثال ہے کہ اتنی کم سنی میں پورے درس کی تکمیل فرما کر عالم ہو گئے۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ سند فراغت حاصل ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک استفتاء بابت رضاعت حضرت اقدس کے سامنے آگیا اس کا جواب لکھ کر حضرت اقدس نے بغرض تصحیح اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ! "شاباش جواب بالکل صحیح ہے"۔

ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روز سے فتویٰ نویسی کا کام اپنے نوجوان بلکہ کمسن مگر ممتاز بیٹے کے سپرد کیا جس کے متعلق یہ کہنا نہ مبالغہ ہے نہ غلط!

برنامیہ نش زہوشمندی　　می تافت ستارۂ بلندی

موصوف الصدر قدس سرہ العزیز کے ذہن و ذکاء، حافظہ و طبع رسا کا علم ہر اس شخص کو ہے جس نے تعلیم پائی یا جس سے ذرا بھی واسطہ ہوا اسکو بدرجہ اتم ہو گیا تھا۔

بہرحال معقولات و منقولات ختم کرنے کے بعد اب دارالافتاء کا کام جو والد بزرگوار قدس سرہ العزیز نے سونپا تھا بحسن و خوش اسلوبی انجام فرماتے تھے۔ اس کام نے حضرت کو جو والد بزرگوار کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ تفقہ میں کامل کر دیا۔ اب فقہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں تھا جس کا حل حضرت اعلیٰ واقدس کے پاس نہ ہو۔

۳۔ علم فلسفہ و ہیئت

معقولات میں جس کو درجہ اولیٰ حاصل ہے وہ فی الحقیقت علم ہیئت ہے۔ جس میں ریاضی کو بڑا دخل ہے۔ حضرت اقدس کے والد بزرگوار نے اسمیں بھی موصوف الصدر کو کامل فرما دیا تھا۔ بہرحال حضرت موصوف الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے علم فلسفہ پڑھا ضرور مگر اس سے ہمیشہ نفرت سی رہی۔ چنانچہ اپنی ایک تصنیف "الکلمۃ الملہمہ" میں جو رد فلسفہ قدیم پر ہے فلسفہ کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

"ابتداء ہی سے فلسفہ کو سخت مکروہ جانا اور صرف دو چار کتابیں درس میں پڑھ کر اور دو ایک بار پڑھا کر جو چھوڑا تو (۴۵) سال سے زائد ہو گئے اس کا نام نہ لیا"۔ (الکلمۃ الملہمہ ص)

بہرحال فلسفہ کے شعبہ علم ہیئت میں جو کمال پیدا کیا اور جو مہارت حاصل فرمائی اس کے ثبوت کے لئے حضرت اقدس کے ایک شاگرد رشید حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی لامثال تصانیف ذیل ہیں

(۱) ین الاوقات برائے عرض شہر بہار
(۲) 〃 〃 〃 〃 بریلی
(۳) 〃 〃 〃 〃 نینی تال
(۴) الجواہر الیواقیت فی علم التوقیت

علم ہیئت پر مفید تر تصانیف ہیں جو ہر اعتبار سے لامثال ہیں۔ اور وہ استاد کی تبحر علمی پر شاہد عادل ہیں۔ فی الحقیقت علم ہیئت کا سیکھنا دینی حیثیت سے ضروری ہے تاکہ ہر مقام کے اوقات نماز اور صیام صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔ کیونکہ اوقات کی غلطی سے عبادات میں خلل پڑتا ہے اور اس سے دین میں خلل واقع ہوتا ہے۔

بہرحال یہ مشتے نمونہ صرف ایک مثال حضرت اقدس کے علم ہیئت کے تبحر علمی کی دی گئی ہے اگرچہ وہ بالواسطہ ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصانیف ہیئت کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ ثقہ راویوں کا قول ہے کہ ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد چھوٹی بڑی چودہ سو کے قریب ہے جو مضامین کے اعتبار سے نہ صرف متنوع ہیں بلکہ انمیں بیشتر وہ ہیں جن کو جواہر پارے کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ ان میں فتاوے بھی ہیں اور مناظرے بھی۔ انداز و مصالح بھی اور علم ہیئت کے شہ پارے بھی۔ مولوی رحمان علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف بنام "تذکرۂ علماء ہند" میں تصانیف کی تعداد پچاس لکھی ہے یہ تذکرہ علمائے ہند کے تصنیف کے زمانہ تک کی ہیں۔ اس کے علاوہ اور اس کے بعد مختلف تصانیف منظر عام پر آئیں جن کا شمار مشکل ہے۔ اور (۷۰۰) تصانیف کا بحوالہ بعض سوانح نگاراں ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس بیان میں کچھ تسامح ہوا ہو لیکن یہ امر یقینی ہے مشغولیت تصنیف کثیر تعداد کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہے (واللہ اعلم)

۴۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ

ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کی تعداد سوانح نگاروں نے صرف پانچ اس تفصیل سے لکھی ہے۔

۱۔ مکتبی تعلیم کے چند اساتذہ۔
۲۔ ابتدائی عربی تعلیم کے استاذ مرزا عبدالقادر بیگ مرحوم۔
۳۔ مولانا عبدالعلی رام پوری استاد تعلیم علم ہیئت۔
۴۔ سید شاہ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ استاذ تعلیم علم جفر و علم تکسیر
۵۔ حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (والد بزرگوار حضرت اقدس قدس سرہ العزیز جنھوں نے پوری درسیات ختم کرائیں۔)

فی الحقیقت فہرست اساتذہ۔ مندرجہ بالا برائے نام ہی ہے حضرت نے حقیقی تعلیم تو اپنے والد بزرگوار سے ہی پائی جنھوں نے پوری درسیات (مع حدیث صحاح ستہ) ختم کرائیں بعد بعمر تقریباً ۱۴ سال (۱۲۸۶ھ) میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد فتویٰ نویسی کی استعداد بدرجہ اتم ایسی پیدا کرلی تھی کہ فتویٰ نویسی میں کمال ہو گیا تھا یہاں تک ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر علماء بھی مقابلہ نہیں کر سکے تھے۔ فی الحقیقت۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　گر نہ بخشد خدائے بخشندہ ۔

اتنی کم عمری میں اتنا تبحر اور درسیات پر اتنا عبور اگر سعادت و کرامت نہیں تو اور کیا ہے بہرحال فتویٰ نویسی کا کمال اور اس میں لاثانی مہارت ۔ فتاویٰ کی مجلدات شہادت دے رہے ہیں سند فراغت تو طاری ہو چکی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ مشہور درس نظامی کی تکمیل ہوگئی تھی جس میں فقہ اور احادیث و منطق وغیرہ جملہ فنون داخل ہیں ــــ لیکن اسی پر اکتفا نہیں فرمایا ۔ بلکہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ ضلع ایٹہ جاکر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت فرماکر اجازت و خلافت کے ساتھ (جس کا تفصیلی ذکر آئندہ اوراق میں ملے گا) سند حدیث سے بھی مشرف ہوئے ۔ اس کے بعد ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز کے ہمراہ برائے حج و زیارت حرمین شریفین (زادھما اللّٰہ شرفاً و تعظیماً) میں حاضر ہو کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اکابر علماء سے سند صحاح ستہ بھی حاصل فرمائی یعنی جن محدثین معروفین سے سند احادیث حاصل فرمائیں انھیں خاص طور پر قابل ذکر حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ مکہ معظمہ کے حضرت سید احمد زین دحلان مفتی شافعیہ ۔

۲۔ حضرت شیخ عبدالرحمان سراج مفتی حنفیہ ۔

۳۔ حضرت شیخ حسین بن صالح جمال اللیل امام شافعیہ ۔

الغرض اسناد حدیث صحاح ستہ کئی علماء محدثین حجاز مقدس سے حاصل فرمائیں ۔ اسی کا یہ طفیل تھا کہ تاحیات باسعادت سلسلہ درس و تدریس اور تصنیف جاری رہا ۔

۵۔ بیعت و تصوفی مسلک

یہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز کے ہمراہ مارہرہ حاضر ہوکر حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہٗ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ سلاسل میں ان کو سند خلافت عطا کرتے ہوئے سند حدیث بھی عطا فرمائی ۔

ہندوستان میں بالعموم چشت اہل بہشت کا طریقہ رائج ہے ۔ ماسوا اس کے نقشبندیہ، سہروردیہ، اور طیفوریہ طریقے بھی رائج ہیں ۔ البتہ شاذلیہ طریقہ مصر سے آگے نہ بڑھا ۔

بہرحال جو طریقہ ہو سوائے ذکر جہر و خفی یا پھر سماع و غیر سماع کے ریاضی و مجاہدہ ہیں ۔ سب طریقے یکساں ہی ہیں جن کو وہی شخص صحیح طور پر جان سکتا ہے جو اس وادی کا مسافر ہو ۔

البتہ ایک مسلکی اختلاف ــ جو سکر و صحو کی ترجمانی کرتا ہے ۔ اور بھی ہے اور وہ مسلک "وحدۃ الوجود" اور وحدۃ الشہود" ہے ۔ جن کو توحید وجودی اور توحید شہودی بھی کہتے ہیں ۔ لیکن سواد اعظم کا مسلک وحدۃ الوجود ہی رہا ۔ وحدۃ الشہودیت کم صوفیا نے اختیار فرمایا ۔

جہاں تک حضرت مولانا　　جناب حافظ شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز کے صوفیانہ مسلک کا تعلق ہے ۔ وہ وحدۃ الوجود ہی ہے ۔ اگرچہ کسی صاحب تذکرہ نے اس کی وضاحت کی طرف توجہ نہیں فرمائی جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ مسئلہ اسقدر پیچیدہ ہے جس کی توضیح تلم نہیں کرسکتا ہے ۔ یہ تو صرف صاحب عمل ہی کا حصہ ہے اصحاب علم اس سے قطعاً محروم ہیں ۔ اسی لئے اس پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی ۔ اور نہ ڈالنی چاہیئے تھی ۔

بہرحال یہ یقینی ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود گو پیچیدہ ہے لیکن یہ مسلم ہے کہ اس نوع توحید کی طرف قرآن پاک نے بھی اسطرح اشارہ فرمایا ہے ۔

"فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ" (سورہ بقرہ)

ترجمہ ۔ جدھر توجہ کرو دیدار خدا ملے گا ۔

یہ اعلان خداوند عالم "وادی، غیر ذی زرع" میں ہوا ــ جس کی آواز بازگشت ایران و خراسان میں بھی پہونچی جو گل و گلزار اور سبزہ زار تھے ۔ اس گونج نے وہاں کے اہل دل کو بیدار کیا ۔ جو یہ اعلان بول اٹھے ۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت　　کردگار

حضرت سعدی قدس سرہٗ العزیز کے اس اعلان نے جو وہاں کے سواد اعظم کی ترجمانی کرتا ہے ۔ بارگاہ صمدیت سے سند مقبولیت بھی حاصل کی ۔ چنانچہ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب "نفحات الانس" میں فرماتے ہیں ۔

"یکے از مشائخ از شیخ (سعدی) انکارے داشت در واقعہ دید کہ درہائے آسمان کشادہ اند و ملائکہ با طبقات نور نازل گشتند (ازاں ملائکہ شیخ) بہ کمال حیرت پرسید ۔ ایں چیست گفتند :۔

برائے سعدی ست کہ بیتے گفتہ است کہ بہ سلامت مقبول اوا از جانب حق تعالیٰ و تقدس ارزانی شدہ"

(ترجمہ) حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی (بزرگی سے) ایک (مقامی) شیخ منکر تھے چنانچہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے نور کے طبق لئے ہوئے آسمان سے اتر رہے ہیں ۔ شیخ نے انتہا حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے ۔ انھوں نے جواب دیا کہ :۔

سعدی کے مشہور و مقبول شعر کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ انعام عطا فرمایا ہے ۔

اس سچے خواب سے شیخ کے خیالات ایسے بدلے کہ وہ فوراً حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر عذر خواہ ہوئے ۔ بہرحال یہ تو تھا ایک تاریخی واقعہ جو توضیحاً بیان کیا گیا ۔

فی الحقیقت وحدۃ الوجود کے ثبوت میں وہ شعر ہے جو حقیقت کا مظہر ہے ۔ اسی شعر کے مفہوم کو سامنے رکھ کر ایک اردو شاعر بھی خاموش نہ رہ سکا اور اس نے گویا آیت شریف کا صحیح ترجمہ اپنے اس مصرعہ میں پیش کیا ۔

"جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے"

بہرحال وحدت الوجود ہی مسلک حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا تھا ۔ ان کی پوری حیات باسعادت اسی کی مظہر ہے ۔

۶۔ عادات و خصائل

ایک بار ایک خادم نے ایک خط لاکر پیش کیا جس میں کسی گستاخ نے حضرت کی شان

میں نازیبا الفاظ استعمال کرکے اپنی سفاہت کا ثبوت دیا تھا آپ نے ان کے ... فرمایا اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں چند لفافے ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے۔ اور ان صاحب کے آگے ڈالکر فرمایا کہ ان کو پڑھ لو۔ وہ سمجھے کہ شاید انہیں بھی کچھ ایسے ہی الفاظ ہوں گے اس لئے کچھ تامل کیا۔ حضرت اقدس نے ان سے فرمایا۔

"تم ان کو پڑھ لو پھر فیصلہ کرو کہ کون معقول اور کون نامعقول ہے"۔

انھوں نے اس کو پڑھا تو ان سب خطوط میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل حمیدہ کا تذکرہ تھا جب وہ پڑھ چکے تو اس وقت فرمایا "شیطان خصلت چند ہوتے ہیں اور انسان خصلت بہت ہوتے ہیں"۔

"لہٰذا تم کو اس کا کچھ برا نہیں ماننا چاہیئے"۔

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی موقف کے متلق یہ فیصلہ کن بات فرمائی ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا : اگر مردی احسن الی من اسا

حضرت اقدس واعلیٰ رحمۃ اللہ علیہم وبیش کا یہی مسلک رہا ہے۔ اور ہمیشہ بدی سے پرہیز فرمایا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قرآن پاک کے اس فیصلہ کن اصول پر عمل رہا۔

ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ

(ترجمہ) برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں۔ سورہ رعد رکوع ۸ (سورہ قصص رکوع ۹)

حضرت اقدس میں نہ صرف غریب پروری حد درجہ تھی بلکہ غریب نوازی میں بھی حضرت یکتائے روزگار تھے۔ غریبوں کی دعوت قبول فرماکر ان کے خس پوش اور خستہ حال گھروں پر قدم رنجہ فرماکر اس چیز کو۔ جس کی عادت نہیں ہوتی تھی خوشی خوشی نوش فرماتے تھے اور دعائے برکت وخوش حالی سے آپ کو نوازتے تھے۔ غریب لوگ از قسم خستہ حال مزدور وغیرہ محض حصول دعا، کی خاطر دعوتیں کیا کرتے تھے اور حضرت قبول فرماکر ان کی خوشی پوری کرتے تھے۔

حضرت اقدس شدت ورحمت میں بے عدیل فضائل کے حامل تھے مسائل دین میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ غیر شرع حرکت یا بات ایک آن پسند نہیں تھی۔ جس پر فوراً ہی غصہ آجاتا تھا جس پر پٹھان ہونے کی چھاپ لگ جاتی تھی لیکن جب کبھی اپنی غلطی محسوس فرمالیتے تھے تو معذرت خواہی میں پٹھانی شدت کرم کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ رحم وکرم کی مثال اس پر دیدنی گئی معذرت خواہی کی شدت کی مثال بھی پیش ہے۔

آغاز تحریک آزادی کے زمانہ میں ممتاز علمائے فرنگی محل کا ایک وفد بریلی حضرت اقدس کی خدمت میں ایک دینی معاملہ میں تبادلہ خیال کے لئے آیا۔ علماء کے اس وفد کے ساتھ ایک نوجوان پیرزادے بھی تھے جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ علماء سے گفتگو کے بعد حضرت نے فرمایا:۔

"یہ داڑھی منڈے صاحبزادے جو آپ کے ہمراہ ہیں، کیا یہ بھی وفد کے ممبر ہیں۔ جن کی صورت قطعاً غیر شرعی ہے"

یہ تعریض نوجوان پیرزادے کے لئے سخت ناگواری کا باعث ہوئی۔ قائد وفد نے جو ایک عالم تھے، چلتے وقت حضرت سے فرمایا۔

"صاحب زادہ سید زادہ اور پیرزادہ ہے"۔

ان کو آپ کی تنقیص اور تعریض سخت ناگوار ہوئی ہے۔

حضرت اقدس جو عاشق رسول وآل رسول تھے۔ یہ سنتے ہی کہ وہ صاجزادہ آل رسول ہیں بیتاب ہوگئے۔ اور فرمایا کہ سید زادہ اور پھر پیرزادہ پر میری تعریض نامناسب تھی۔ اس کے بعد سخت معذرت خواہ ہوئے اور نوجوان پیرزادہ سے عذر خواہی کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ مگر نوجوان سید زادہ اور پیرزادہ بھی آپے سے باہر تھے۔ معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ آخر کار سربراہ وفد نے نوجوان پیرزادہ سے فرمایا کہ۔

ایک بزرگ عالم متجر۔ جو آپ سے عمر میں بہت زیادہ بڑے ہیں اور مرتبہ میں بہت بلند ہیں معذرت خواہ ہیں آپ معاف کر دیجئے۔

چنانچہ جب نوجوان نے اپنی زبان سے کہدیا کہ معاف کردیا اسوقت حضرت اقدس کو اطمینان ہوا۔ یہ ملی جلی شدت اس پٹھانی جذبہ کا مظہر ہے جو پٹھانوں میں بالعموم پائی جاتی ہے۔

حضرت اقدس کی علالت تاریخ و سال وفات

موت العالم موت العالم

(ترجمہ) عالم کی موت جہاں کی موت ہے۔

یہ وہ مسئلہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ حضرت ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات باسعادت من اولہ وآخرہ خدمت دین یا خدمت انسانی میں گزری۔

جملہ تصانیف حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی ان خدمات متواتر ومتواصلہ کی شہادت دیتی ہیں۔ ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے اسلامی دنیا میں وہ خلا پیدا ہوگیا تھا جس کا احساس عالم اسلام کو عرصہ دراز تک رہا۔ حضرت اقدس کی وفات۔ وطن مالوف بریلی (یوپی) معمولی علالت کے بعد۔

بتاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۱ء

بعمر (۶۸) سال ہوئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

خاتمہ

بعض احباب بالخصوص عزیز محترم پروفیسر مختار الدین احمد صاحب آرزو صدر شعبہ عربی و ڈین فیکلٹی آف آرٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ محترم حضرت سیمین اشرف ایم اے لکچرر شعبہ انگلش مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور برخوردار محب الحق طالب علم اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پیہم اصرار پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مختصر سوانح اس امید پر ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں کہ ایسی جو بھول ہوئی ہوں۔ ان کو معاف فرماتے ہوئے میرے لئے دعاء خیر ومغفرت سے ممنون فرمائیں۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

سورہ آل عمران۔ رکوع (۱)

امام احمد رضا

نائبِ رسولِ اعظم

حضرت علامہ سید شاہ محمد قائم رضوی چشتی نظامی، قتیل
{فاضل و عالم توریت و انجیل ——— ایم ۔ اے
سجادہ نشین آستانہ چشتیہ نظامیہ، دانا پور، بہار}

ابتدائے انسانیت ہی نبوت سے ہوئی ۔ (۱) لوکل پروفٹس (۲) یونیورسل پروفٹ ، لوکل پروفٹ یعنی مقامی نبی جس کا رقبۂ نبوت محدود، امت محدود، کتاب و صحیفہ وقتی، شریعت و نبوت محدود ہر رقبہ میں متعدد انبیاء بیک وقت، یونیورسل پروفٹ یعنی ساری کائنات کا بلا شرکت غیرے واحد و تنہا نبی اس کا دین کامل و دائمی، شریعت اکمل جس میں تغیر و تبدل کی گنجائش ہی نہیں، کتاب تاقیامت محفوظ، حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب کے سب لوکل پروفٹس جیسا کہ خود انجیل مقدس شاہد ہے ۔

آفرینش انسانی ہی سے حق و باطل کی ایک شدید جنگ کا آغاز ہوا جو قیامت کے روز ہی ختم ہوگی، ملائک و جنہ پہلے ہی سے مخلوق و موجود تھے ۔ ابتدائے انسانی کی ندا خلافت کے ساتھ جب ہوئی تو ان سب کے ہوش اڑ گئے، سمجھے کہ ہم سب اب نمبر ۲ میں آگئے ۔ سخت احتجاج کیا مگر نامقبول، خاموش ہو گئے مگر بڑی سخت، یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کا کالبد شریف مع اس نور مشبہ کے تیار بھی ہو گیا، ایک تو کریلا کڑوا دوسرے چڑھا نیم، حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو، جتنے تھے ایک ایک کر کے سجدے میں گر گئے مگر گرو جی اکڑ گئے، کھلا انکار ہی انکار کیا اور اسی پر غرور کے ساتھ جما رہا، انکار کا سبب پوچھا گیا تو کہتا ہے کہ "کیا اب ہم اتنے بگلے اور تیری آنکھ سے گر گئے کہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ بشر کو سجدہ کرو جو مٹی سے بنا ہے"۔ اسی جواب پر وہ راندہ گیا اور ابدی طوق لعنت اس کے گلے میں پڑ گیا ۔ جذبۂ انتقام سے مجبور ہو کر اس نے دوامی زندگی مانگی، چنانچہ وقت معلوم تک مہلت بھی مل گئی، تو کہتا ہے "کہ اے میرے رب تیرے عظمت و جلال کی قسم آدم کی ایک ایک ذریت کو گمراہ و بے دین کر دوں گا" چنانچہ الٹی میٹم بھی ہو گیا اور جنگ بھی شروع ہو گئی جیسا کہ خود حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علے نبینا و علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات و واقعات سے ظاہر ہے ۔ جب لوکل پرونشس کے دور ختم ہو چکے تو ابلیس بڑا غل مچانے لگا کہ ابتدائے آدم کی تمام اولاد کو کافر و مشرک بنا دیا، چاند، سورج، جانور، پتھر، پانی، آگ، درخت وغیرہ تک کو پجوا دیا حتیٰ کہ بیت المقدس میں تین اور بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھوا کے سب کو سجدہ کرا دیا، کہ دفعتاً یک بیک نقشہ الٹ گیا یعنی آمد آمد نبی آخر الزماں، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مسرت اثر پہنچی، کہ اب حضور انور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں ۔ یہ سننا تھا کہ ادھر ایک طرف ابلیس اپنے ذریات کے ساتھ جبل ابو قبیس پر رونا اور ماتم کرنا شروع کیا اور ادھر دوسری طرف آسمان و زمین بلکہ پوری کائنات غلغلۂ شادمانی و صدائے مبارکبادی پر "یا نبی سلام علیک" پڑھ پڑھ کر جھومنے لگی ۔ یہیں سے دو اسکول قائم ہو گئے، نور اور مٹی والے، یہ لفظ میلاد بھی عجب حد فاصل ہے، صلی اللہ علیہ وسلم ۔

یونیورسل پروفٹ :۔

المختصر ظہور دین اسلام ہو گیا اور ابلیس اپنی تیار کردہ فوجوں کا معائنہ کرتا رہا اس لئے کہ اس لعین کے پجاریوں اور چیلوں کے سوا اور کوئی دوسرا تھا ہی کون، مگر تھا ہوش سے گزرا ہوا، ہر وقت اسی خیال میں تھا کہ ادھر سے کچھ اعلان ہو تو پہلے گھڑی سے مقابلہ شروع کیا جائے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آگیا اور حکم بھی ہو گیا کہ اے میرے محبوب اب اپنی رسالت کا اعلان کر دو چنانچہ جیسے ہی اعلان ہوا "انی رسول اللہ الیکم جمیعا"، گھر ہی کی فوج کے افسر ابولہب نے آگے بڑھ کر نہایت سخت الفاظ میں انکار کیا، یہ اسی جنگ عظیم کا پہلا حملہ تھا اور جنگ شروع بھی ہو گئی، ادھر ابلیس اپنی فوج بڑھاتا رہا، ادھر قدرت نے اسلامی فوج تیار کرنی شروع کی، آج یہ مسلمان ہوئے کل وہ، مگر اس خبیث کی سعی بھی جاری رہی اور حملے بھی شروع ہو گئے، ابلیس نے اپنے معاونین کو پکارنا شروع کیا، یہودیوں کو لانا چاہا تو توریت نے بڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد یاد دلایا۔ " میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا۔"

توریت باب استثنا : ۱۸ ۔ ۱۸

عیسائیوں کو پکارا تو انجیل نے بھی سبقت کی اور بشارت عیسیٰ، یحییٰ و داؤد علیہ السلام یاد دلائی ۔۔ بشارت عیسیٰ :۔ "چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ کہے اس کی سننا۔"

انجیل : اعمال :۔ ۳ — ۲۲

بشارت عیسیٰ :۔ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ جہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں ہے۔"

انجیل - یوحنا : ۱۴ — ۳۰

بشارت یحییٰ :۔ "یحییٰ منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے قوی تر ہے، میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اسکی جوتیوں کا تسمہ کھولوں"

مرقس :۔ ۱ — ۷

بشارت داؤد :۔ "دیکھو دیکھو وہ آرہا ہے زمین کا انصاف کرنے کو، وہ ساری دنیا کا انصاف صداقت و راستی کے ساتھ کرے گا۔"

زبور : ۱۳ — ۹۶

حتیٰ کہ ہندو مصنفوں کی بھی مذہبی کتاب نے یوں خبر دی "کلجگ میں سارے جہاں کا نبی آنے والا ہے، اس کے باپ کا نام وشنو بھگت (عبداللہ) اور ماں کا نام سومتی (آمنہ) ہوگا، بیساکھ کی بارہ تاریخ سموار کے دن دو گھنٹہ دن چڑھے (مکہ کی صبح صادق) ساحل دیپ (عرب) میں پیدا ہوگا۔ پربرام (اللہ) گھو (غار حرا) میں اس کی تعلیم کرے گا، جس سے ناراض ہوکر اس کے ملک کے لوگ اسکو ملک سے نکال دیں گے، وہ اپنے ملک سے اتر (مدینہ) میں طاقت پیدا کر کے پھر اپنے ملک کو فتح کرلیگا (فتح مکہ) اس جگت گرد کے پاس ایک بجلی کا گھوڑا ہوگا جس پر چڑھکر وہ زمین اور ساتوں آسمانوں کی سیر کریگا (معراج)۔"

دسکلکی (ادتار مطبوعہ لاہور) (کلکی اوتار یا محمد صاحب مصنفہ پریاگ یونیورسٹی الٰہ آباد)

المختصر اس خبیث نے اپنے تمام چیلوں کے ساتھ جو اس کو مل گئے ہمیشہ تھوڑے تھوڑے مسلمانوں پر بڑی بڑی فوج لیکر اترا مثلاً جنگ بدر، احد، خندق وغیرہ مگر اللہ کے فضل سے ہمیشہ اسلام کامیاب ہوا اور دشمنوں کا منہ کالے کا کالا ہی رہا۔

اس لعین نے اپنے چیلوں سے قرآن عظیم پر بھی مختلف عنوان سے حملہ کرایا مگر ناکام رہا۔ آخر کار قرآن کے سب سے چھوٹے سورہ کا مثل مانگا گیا تو سارے ارباب عرب منہ دیکھتے رہ گئے کسی سے بھی جواب یا اس کا مثل نہ ہوسکا۔ قرآن عظیم کی تعریف اور صداقت تو حضرت داؤد علیہ السلام بھی یہ الفاظ ذیل فرما گئے ہیں۔

"خداوند کا کلام پاک ہے اس چاندی کے مانند جو بھٹی میں مٹی پر تپائی گئی ہے اور سات بار صاف کی گئی ہو، تو ہی اے خداوند ان کی حفاظت کرے گا، تو ہی ان کو اس پشت سے ہمیشہ تک بچا رکھے گا۔"

زبور : ۱۲ — ۶ و ۷

الغرض ابلیس ادھر اپنے چیلوں کو شمشیر و قلم لیکر بڑھتا چلا اور غلامان مصطفیٰ اس طرف سے نبرد آزما ہوتے رہے، خوب خوب مقابلہ ہوا۔ خوب خوب تیغیں چلیں تو گھبرا کر قلم کی بات آگئی ادھر بھی اللہ نے ایسے ایسے اہل قلم پیدا کردیے کہ ابلیس اپنے تمام شاگردوں کو لیکر میدان میں اترا۔ اللہ اللہ کیسے ائمہ دین و علماء کرام مقابلہ پر آئے اور کیا کیا نہ عالمانہ کمال دکھایا، اس محاذ پر بھی ائمہ دین نے کیا کیا زور قلم دکھایا اور کس کس طرح دشمنوں کو زیر کیا۔

ہر مقام پر ابلیس لعین کو رسوائی ہوئی، آخر اپنی شکست فاش کو محسوس کر کے محاذ جنگ کی طرف متوجہ ہوا اور یہ بولا کہ محاذ جنگ ہی کو بدلا جائے، یہ وہ بڑے گر کی بات سمجھا اور بہت دور کی بات بولا۔ وہ یہ کہ دین تو عقیدے کا نام ہے، عمل کا تو ہے جیسا، جیسے بے عقیدہ صحیح عمل اکارت، اگر عقیدہ غلط ہے تو نماز روزہ حج زکوٰۃ سب نامقبول پس اپنے ہمنواؤں کے ساتھ مشورہ کیا کہ محاذ جنگ ہی کو بدل دیا جائے اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ کہاں تک کس کو کس کو فرداً فرداً بہکایا جائے کسی کسی سے نماز ترک کرائیں، کسی سے روزہ چھڑوائیں، کسی کو سود کھلائیں کسی کو شراب پلائیں۔ ان گناہوں سے کوئی کافر تو ہوگا نہیں ان گناہوں کی تو وقتی سزا مقرر ہے وہ بھی محدود، یا ممکن ہے کہ معاف بھی ہوجائے۔ بس ان کے عقیدے بگاڑو، (ان کے عقائد خراب کردو کہ یہ اسلام ہی سے خارج ہوجائیں، اس کو یہ معلوم تھا کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا یا نبی کو اپنے جیسا سمجھنے سے سارے اعمال حبط ہوجاتے ہیں۔ اور کسی کا عمل بغیر کافر و خارج از اسلام ہوئے حبط نہیں ہوتا، بس فیصلہ کیا کہ ان ایمان والوں سے نبی کے حق میں گستاخی کراؤ جیسے کہ انبیاء و شاتم رسل خارج از اسلام ہوتے ہیں، ابدی جہنمی، دائمی دوزخی، چاہے وہ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، کلمہ پڑھیں، درود پڑھیں، نبیوں کی توہین قطعی کفر ہے۔ بس اس نے چند ہاتھی خریدے اور ان ہاتھیوں کو ہاتھی پکڑنے کی تعلیم دی جو تعلیم پانے کے بعد کٹنے ہاتھی کہلاتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ ہاتھی پھنسائے جاتے ہیں، شیطان انسان کو چھو کے خبط کرتا ہے، جس کو اس خبیث نے خبط کیا مس کیا وہ بالکل خبط ہوجاتا ہے، بس اس نے اپنے خریدے ہوئے ہاتھی کو جو تعلیم پاکر "کٹنا ہاتھی" کہلائے ہر طرف چھوڑے بس پھنسائے، "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز" انہیں کے ہم جنس و ہم شکل سیدھے سادے لوگ جو خود بھی صحیح العقیدہ تھے، انہیں اس قسم کے عقائد کی تعلیم دینا شروع کی

(۱) نبوت ختم نہیں ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے اور آخری نبی ہرگز نہیں ہیں، آپ کے وقت میں یعنی آپ کی موجودگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی نبی آسکتا ہے، یہ غلط ہے کہ سلسلہ نبوت ہی آپ پر ختم (ویتخبطہ الشیطان من المس)

(۲) نبی کو امت پر عمل میں فضیلت ہی کیا، عمل میں امت آپکے برابر اور آپ سے بڑھ ہی جاتی ہے۔

(۳) نبی کو علم غیب سے کیا واسطہ، حضور کو تو دیوار پیچھے کی بھی خبر نہیں ہے۔

(۴) حضور کا علم غیب کیا، ایسا غیب والا جیسا حضور کو کہتے ہیں دنیا تو بچوں، پاگلوں اور بہائم یعنی گائے بیل وغیرہ کو بھی ہے

(۵) اگر نبی کا خیال (صرف ہمت) نماز میں آجائے تو اس سے چندیں مرتبہ بدتر ہے کہ اپنے گائے گدھے کا خیال آئے ۔

(۶) نبی تو بڑے بھائی کے برابر ہیں، نبی کی عزت بڑے بھائی سے زیادہ نہیں کرنی چاہیئے ۔

(۷) جس کا نام علی یا محمد ہے اس کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے

(۸) حضور شافع محشر نہیں ہیں ۔

(۹) حضور کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے ۔

(۱۰) آپ کی عزت اللہ کے سامنے چمار، چوہڑے چمار کی سی ہے

اسی قسم کے عقیدے جو حضور انور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پھیلائے جارہے ہیں اگر لکھتا چلا جاؤں تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے، دنیا کا بھی یہی قاعدہ و دستور ہے کہ اسلحہ خانے میں بیک وقت تمام قسموں کے اسلحے ہر وقت موجود و تیار رکھتے ہیں، ضرورت کے لحاظ سے اس کا استعمال ہوتا ہے، تلوار، بندوق، رائفل، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم وغیرہ تمام قسموں کے اسلحے موجود رہتے ہیں مگر موقع اور ضرورت سے کام میں لائے جاتے ہیں، چنانچہ جس دور میں جیسے علماء و ائمہ کی ضرورت پڑی ویسے ہی حضرات بھیجے گئے، اب ابلیس نے محاذ جنگ ہی بدل دیا ہے ۔ اس کمبخت نے تبدیلی عقائد کا حربہ چلایا ہے جس سے جماعت کی جماعت، فرقہ کا فرقہ کافر سمجھا جاتا تھا تو قدرت نے بھی ویسا ہی امام بھیجا جو جماعت کی جماعت کو گروہ کے گروہ کو فرقہ کے فرقہ کو واپس لے آئے، یہ وہی منتخب و مخصوص امام ہے جو ضرورت کے لحاظ سے تشریف لایا ہے جس سے ابلیس جماعتیں، فرقہ در فرقہ، گروہ در گروہ تباہ و بالا ہیں، اسی مجدد اسی امام کا نام نامی و اسم گرامی "احمد رضا خاں" ہے جس نے الحمد اللہ جماعت حق کی ایسی شیرانہ بندی کی اور اس طرح دشمنان دین و ایمان کو زیر کیا کہ یہ اب سارے کے سارے ڈگ دم دبا گے پھرتے ہیں والحمد اللہ علے ذالک

حضور انور تاجدار مدینہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ملاحظہ ہو — ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علے راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا " (سنن ابی داؤد و مشکوٰۃ)

ترجمہ :- " بیشک اللہ جل مجدہ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے ۔" اس حدیث پاک کو پڑھنے کے بعد تو دشمنوں کو چاہیئے تھا کہ مجدد مائۃ حاضرہ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ کے قدم چومتے کہ وہ لوگوں کو بد عقیدگی سے بچا کر رہ مستقیم پر لائے اور اللہ کے کروڑوں بندوں کی ہدایت فرما کر ان کو دوزخ سے چھٹکارا دلوایا اور جنت الفردوس میں پہنچایا، مگر ابلیس نے حکم ماننے پر جب حضرت آدم کو نہ مانا تو اس سے یا اس کے ذریات سے کیا توقع ہو سکتی ہے —

گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ ۔ بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد

یہ دشمن جو اس قدر گھبرائے ہوئے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت امام احمد رضا صاحب کے تبحر علمی نے دنیا میں ایک شور برپا کر رکھا ہے، دشمنوں کے دل کی بات ظاہر کر دی اور اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندوں نے توبہ کی اور ان لوگوں کے دام فریب سے نکل گئے اور نکلتے جا رہے ہیں۔ علمائے عرب نے آپ کے تبحر علمی کا اقرار فرمایا۔ آپ کی شان میں اونچے اونچے الفاظ استعمال کیے، دشمنان دین کی بے دینی توہین رسالت کا حال معلوم ہوا تو حضرات علمائے عرب نے ان دشمنوں کا فرداً فرداً نام بنام علیحدہ علیحدہ فتویٰ شائع کیا جن میں کہ معظمہ کے چھبیس علماء اور مدینہ طیبہ کے تیرہ علمائے کرام ہیں جسے دیکھنا ہو دیکھ لے اور ہندوستان و پاکستان کے تو کئی سو علماء کے فتوے ہیں، کتاب چھپی ہوئی ہے۔ تمام ملتے ہے، حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا یہ وہ گراں بہا کارنامہ ہے جس نے بد دینوں کی بنیاد ہلا دی اور حقیقت کھلجانے پر لاکھوں نے از سر نو توبہ کی اور صحیح راستے پر لگ گئے۔

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا دوسرا ایسا ہی کارنامہ "فتاوے رضویہ" ہے جو تقریباً پندرہ ہزار صفحوں میں کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہزاروں گمراہوں نے ان فتووں کو پڑھکر توبہ کی اور صراط مستقیم پا گئے حضرت کو جتنے علموں پر اللہ نے عبوری بنایا اتنے علموں کا جاننے والا ہندوستان میں تو نظر نہیں آتا۔ ایک ہزار سے کم بزرگ کتب و رسائل آپ کی تصنیف سے ہیں جن سے قوم نے بڑی اصلاح پائی اور مسائل صاف ہو گئے۔ قرآن عظیم کا ترجمہ اکثر زبانوں میں ہوا ہے اور ہوتا ہی رہتا ہے۔ ایک ترجمہ نائب رسول اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کا بھی ہے۔ ترجمہ کرنا خود ایک مستقل فن اور بڑا ہی نازک فن ہے ایک ایک لفظ کا صحیح معنی و مفہوم، محل استعمال، سیاق و سباق، شان نزول مطلب در روئے سخن، ہمہ گیری کا پوری احتیاط کے ساتھ سمجھنا اور سمجھانا منزل ادق و دشوار ہے، اور تراجم سے اس ترجمے کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت نے جس عالمانہ و محققانہ انداز میں پوری جزرسی و انسانی نفسیات کی کامل آگاہی کے ساتھ فن ترجمہ کی صبر آزما منزل کو طے کیا ہے وہ کچھ آپ ہی کا حصہ تھا، اب تو بیرونی یونیورسٹیاں بھی اسی طرف متوجہ ہو رہی ہیں، اس ترجمہ میں جو احتیاط کی گئی قابل قدر ہے ۔

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کو فن شعر و سخن میں اللہ تعالیٰ نے ید طولیٰ بخشا تھا، ایسا حساس و رقیق القلب انسان بھی کم ہوتا ہے آپ کی شاعری صرف حمد و ثنا کے لئے مخصوص رہی، آپ کے اشعار قرآن و حدیث کی تفسیریں ہیں ۔ نعتیہ شاعری میں جن نازک مرحلوں سے گذرنا ہوتا ہے، اللہ اکبر آپ قدم پھونک پھونک کر ان راہوں سے نہایت کامیاب گذرے، آپ کے دو دیوان حدائق بخشش و حدائق العطیات مذکورہ تمام اوصاف و کمالات کے شاہد عادل ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ۔ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا ایک مشہور و معروف دار العلوم بھی ہے جو دشمنوں کی آنکھوں میں کانٹا ہے ۔ یہ دار العلوم حقیقتاً ایک نہار علم ہے جو

ہندستان پاکستان وبیرون ہند سے اپنی شعاع فیض وبرکات کی لہروں میں آسمان علوم پر آفتاب نیمروز کی طرح چمک رہا ہے، ہزاروں علماء "کانبیائے بنی اسرائیل" بنکر نکلے اور نکلتے رہتے ہیں جس کے طوفان علمی سے دشمنوں کے سیکڑوں چراغ گل ہوگئے۔ بڑا احسان ہے کہ اس نے راستے صاف کردیئے ایسے مدرسے کی امداد والدٰ حق کی امداد ہے، اللہ تعالیٰ اجر عظیم عنایت فرمائے گا۔

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس اللہ سرہ انوار طریقت سے بھی بھر پور معمور ہیں اور آج تک آپ کا فیض جاری ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ مجمع البحرین ہیں یعنی شریعت وطریقت کے سنگم ہیں، آپ کو بیعت میرے جد امجد سید السادات قطب العالم حضرت سید محمد کالپی قدس اللہ سرہ العزیز سے بواسطۂ حضرات مارہرہ شریف حاصل تھی۔ آپ کے مریدین ومتوسلین کی تعداد اللہ ہی جانے، آپکے تصانیف نظم ونثر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ "مقام فنا فی الرسول" میں ہیں، میری کیا بساط آپ کے مناقب ومحامد لکھ سکوں، ___ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولٰنا محمد وعلی آلہ وصحبہ واہلبیتہ وامتہ وعلی سائر الانبیاء والمرسلین اجمعین برحمتک ارحم الراحمین، وآخر دعونا الحمد للہ رب العلمین ○

امام احمد رضا

ایشیا کا عظیم محقق

مولانا عبدالکریم نعیمی (بنگلہ دیش)

محترم مولانا عبدالکریم صاحب نعیمی بنگلہ دیش کے مشہور و معروف مذہبی رہنما ہیں۔ سنی کاز کے فروغ اور خدمت سنیت میں آپ کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ دینی تعلیم کی مشہور درسگاہ مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ پوسٹ ملفت گنج ضلع فرید پور کے مہتمم ہیں۔ آپ کا زیرِ نظر تحقیقی مقالہ شکریہ کے ساتھ حاضر ہے ——— ایڈیٹر

یہ مسلم بات ہے کہ قوموں کا ارتقا اور استحکام سلف کے کارناموں سے آگاہی حاصل کر کے ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ملت کے نونہال، مذہب اسلام کے جلیل القدر فرزندوں کی سیرت پاک سے آشنا ہو کر ہی نیا ولولہ، عزم و ہمت اور کامرانی کا راستہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اکابر ملت کی سیرت کے نقوش و آثار جس قدر دل کی گہرائیوں میں اترتے جائیں گے اسی قدر کامیابی کی منزلیں آسان سے آسان تر ہوتی چلی جائیں گی۔ اور عظیم شخصیتوں کے نمایاں کارناموں کا تصور جس قدر دھندلا جائے گا اتنا ہی مقصد کا حصول مشکل سے مشکل تر ہوتا جائے گا۔

تقریباً ہر دور میں ایسے افراد انسانی بکثرت پائے گئے جنھوں نے حق و صداقت کے خلاف آواز اٹھائی۔ باطل کی پشت پناہی کی لیکن ان کا طرز عمل مختلف رہا ہے کسی نے کھل کر باطل کی اشاعت کی اور حق کی مخالفت کی تو کسی نے اہل اقتدار کا دامن تھام کر اپنی ناپاک سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ ایسے اشخاص بھی کچھ کم نہیں ہوتے جنھوں نے اہل حق کا لبادہ اوڑھ کر اپنی اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جد و جہد کی۔ غرض یہ سلسلہ بہت دیر سے شروع ہے۔ لیکن مردان حق کی کوششوں نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے عزائم کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کی پرخلوص مساعی جمیلہ نے فریب کاروں کے گھناؤنے منصوبوں کا پردہ چاک کر کے بروقت سیدھے سادے مسلمانوں کا تعلق سرکار ابد قرار مدنی تاجدار احمد مختار نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ یہ حضرات کرام داد و تحسین یا طعن و تشنیع سے قطعاً ماورا ہو کر عوام و خواص کو ملت بیضا و دین متین اسلام کی نورانی تعلیمات کی یاددہانی کراتے رہے۔

اہل اسلام کے انہی عظیم محسنوں اور راہنماؤں میں تحقیق و تدقیق کے بادشاہ شریعت و طریقت کے آگاہ امام اہلسنت موجودہ صدی کے مجدد شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ فی الارضین اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس نے اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی خدمات انجام دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ان کے علاوہ دیگر مسلمان بادشاہ بھی حتی الامکان اپنے فرائض سے غافل نہ رہے۔ ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی بھی اسلامی تعلیمات کے تعارف کے لئے معاون ثابت ہوئے۔ سلطان محمود غوری سے لیکر مغل خاندان کے آخری چشم و چراغ تک مسلمان بادشاہوں نے ملت اسلامیہ کی بقا و استحکام کے لئے حد امکان کوششیں کیں۔ ان فرمانرواؤں میں محمد تغلق اور حضرت شاہ اورنگ زیب کے نام نامی سر فہرست نظر آتے ہیں۔

بادشاہوں کی اس جد و جہد اور کاوشوں کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ ائمہ دین، اولیائے کرام، صالحین اور علمائے ربانی بھی تبلیغ اسلام و تعلیم دین متین کے فرائض سے غافل نہیں رہے۔ اگر ہم ان کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کرتے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی دینی و ملی خدمات بادشاہوں کے مقابلہ میں زیادہ بھی ہیں اور گراں بہا بھی۔ ان علمائے کرام کی فہرست میں صوفیائے کرام کے علاوہ حضرت محدث عبدالحق دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز حضرت مجدد الف ثانی سرہندی۔ حضرت عبدالقادر بدایونی وغیرہم کے علاوہ ایسے علمائے ربانیین بھی ہیں جنھیں ہم علمائے متاخرین کے نام سے منسوب کر سکتے ہیں۔

ان علمائے متاخرین میں حضرت امام احمد رضا مجدد بریلوی کا نام نامی و اسم گرامی سر فہرست ہے۔ انھوں نے اس عالم رنگ و بو میں اس وقت آنکھ کھولی جب مغلیہ خاندان کا اقتدار آخری سانسیں لے رہا تھا۔ ان کا بچپن اس وقت کا آئینہ دار ہے جب برصغیر ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو چکا تھا۔ انھیں شعور زندگی اس وقت نصیب ہوا جب ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے تھے۔ مذہبی قدریں زوال پذیر تھیں۔ بدمذہبی و لادینی کا دور دورہ تھا۔ فرق باطلہ ہندوستان بھر اپنے آہنی پنجہ پیوست کرنے کی خاطر ہر ممکن و غیر ممکن کوششوں میں مبتلا تھے۔ توہین کا سیلاب اور شتم رسالت کا طوفان برپا تھا۔ اسلامی زندگی کا ہر پہلو مجروح ہو چکا تھا۔ مذہب مہذب اہلسنت کے رہنما یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ

اب مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا؟

اس سلسلے میں ملت اسلامیہ کے صحیح و سچے رہنماؤں نے اپنے مخصوص اندازوں میں قوم کو جھنجھوڑنے، انھیں ماضی کی جھلک دکھلانے و بیدار کرنے کی حتی المقدور کوششیں کیں مگر حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ اور کفر و ضلالت اور بد مذہبی و لادینی کی تاریک گھٹاؤں نے ہر طرف "ڈیرے" ڈالنے شروع کر دیئے۔ ایسے نازک و پرآشوب وقت میں امام احمد رضا بریلوی نے اسلام و ناموس رسالت کے تحفظ و بقا کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی اور مسلمانوں کی بے دریغ اور بے لوث خدمات انجام دینے کا بیڑا اٹھایا۔

علمائے کرام کا بیان ہے کہ بارہویں و تیرہویں دو صدیوں میں دنیائے اسلام میں اعلیحضرت جیسے جامع و مانع متصف بہمہ صفات کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی ذات گرامی بے شمار اوصاف و محاسن اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جلالت علمی و کمال عملی میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ وسعت علم اور رائے کی پختگی میں پورے دور میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ خدمت دین متین میں جس خلوص، سعی مسلسل اور بے باکی کا آپ نے مظاہرہ فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ایک دفعہ افسوس کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام میرے ذمے [illegible] ہے اگر دس آدمی میری امداد کو ہوتے تو جو کچھ سینے میں ہے کسی قدر باہر آجاتا۔ اور ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام لے لیا ہے یہ اس کا انتہائی فضل و کرم ہے۔

ایشیا کا عظیم محقق

حقیقت بھی یہ ہے کہ جس نے آپ کی خدمت فیضد رجت میں حاضری دی اس نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ آپ علم و فضل کے بحر ناپید اکنار ہیں۔ آپ کی ایک ہزار کے لگ بھگ تصنیفات آج بھی اس بات کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ صرف فتاوے رضویہ ہی کو لیجئے اس میں آپ نے ہزاروں مسائل پر بے لاگ تحقیق و تدقیق فرمائی ہے آپ کی تصنیفات کے مطالعہ کرنے والوں کو پہلا احساس یہ ہوتا ہے کہ آپ قلم کے بادشاہ ہیں اور کتاب و سنت اور علمائے ملت کے ارشادات پر بہت ہی گہری نظر رکھتے ہیں۔ جس نے فتاوے رضویہ کی جلد اول کا مطالعہ کیا وہ اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بیشک آپ اس صدی کے مجدد تھے پچاس علم و فنون میں آپ کے تحریری شہ پارے موجود ہیں۔

شعبان ۱۲۸۶ھ سے لیکر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ تک پورے چون برس مسند افتا پر متمکن رہے اور اس عرصہ میں اتنا لکھا کہ حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ محمد حسنین رضا خان صاحب نے جب حساب لگایا تو فی دن چھپن ۵۶ صفحات کتابت و تحریر کے نکلے۔ قوت تحریر کا یہ عالم تھا کہ کوئی سوال آیا تو اس کے جواب میں دلائل کا انبار لگ جاتا پھر بھی آپ کے قلم حقیقت رقم کو سیری نہ ہوتی تھی۔ آپ کی ایک ایک کتاب معلومات کا خزینہ اور تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اور بے شمار حقائق و معارف سے مملو ہے۔ ہر تصنیف کا نام ایسا پیارا اور دلکش ہے جسے پڑھ کر اہل علم عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ہر کتاب کا نام حسین و جمیل اور فقروں کی صورت میں علم و ادب میں ڈوبا ہوا، فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا اور معانی و بیان کی میزان پر وزن کیا ہوا ہے۔ اور جس کتاب میں جس موضوع پر کلام ہے اس کے نام میں مختصر طور پر اس کا بیان ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر تصنیف کا نام تاریخی ہے۔ اس طرح ہر کتاب کے شروع میں اس میں بیان شدہ مسئلے کے مطابق علیحدہ علیحدہ عربی خطبہ ہے جو آپ کے علمی تبحر پر شاہد عدل ہیں۔

آپ کے تبحر علمی کو صرف علمائے ہند ہی نہیں بلکہ ایشیا، عرب و عجم خصوصاً مدینہ اور مکہ کے مفتیان مذاہب اربعہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

جہاں آپ کی معلومات مذہبی علوم کے علاوہ سائنسی فنون کے متعلق تھیں وہاں آپ کی نظر ملکی سیاست اس دور کے مسائل پر بھی ویسے ہی تھے اور "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" وغیرہ آپ کی اس موضوع پر بے نظیر تصانیف ہیں۔

تحریک آزادی

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے انگریز نواز علماء کے خلاف قلم اٹھایا۔ آپ پہلے نے انگریزی حکومت اور انگریزوں کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے سے شدید نفرت کا اظہار کیا مگر افسوس کہ اکثر مورخین کی ستم ظریفی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ جو لوگ انگریزوں کے اشاروں پر شب و روز مصروف کار رہا کرتے تھے اور انہی کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے فرزندان اسلام کو کافر و مشرک قرار دیکر افتراق و انتشار پھیلاتے تھے بلکہ مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگ کر مسرت محسوس کرتے تھے آج انھیں "شہید" "مجاہد" اور "تحریک آزادی کے قائد" جیسے القاب سے مشہور کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ حضرات جنھوں نے ببانگ دہل کفار سے نفرت دلائی اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا سبق سکھایا انھیں تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر تاریخ کے اوراق میں جگہ دینے سے بھی انکار کیا گیا بلکہ یہ کوشش کی گئی کہ صفحۂ قرطاس میں ان عظیم جاں نثاروں کا ذکر بھی آنے پائے خود ہم میں سے بہت کم افراد ایسے ہوں گے جو مجاہد ملت امیر اندمن علامہ فضل حق خیرآبادی، شاہ احمد اللہ مدراسی، مفتی عنایت احمد کاکوری، علامہ کافی، اعلیحضرت بریلوی، صدر الافاضل، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مجاہدانہ کارناموں سے واقف ہوں گے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کی مجاہدانہ یلغاروں سے انگریزی حکومت بوکھلا اٹھی اور سامراجیت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہوا۔

حالیہ دور میں پریس کی طاقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جن جماعتوں کے پاس نشر و اشاعت کے ذرائع ہیں وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہیں اور جن کے پاس پریس نہیں وہ بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارا کوئی ادیب، کوئی شاعر، کوئی صحافی اس خصوصی موضوع پر قلم اٹھانا گوارا نہیں کرتا اور اگر کبھی ایسی جرأت کرتا بھی ہے تو اس کی نگارشات پریس پر قابض حضرات کی مصلحت اندیشی کی نذر ہو جاتی ہے۔

شعر و شاعری

باوجود اس کے کہ آپ جملہ علوم دینیہ کے علاوہ جفر، نجوم، ریاضی اور تکسیر وغیرہ علوم و فنون میں نادر روزگار تھے۔ آپ شعر گوئی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شاعری آپ کا مشغلہ نہ تھا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی تیاری وغیرہ کرتے بلکہ جب بھی مدینہ طیبہ یا خاک بغداد کے دریا موجزن ہوتے تو بے ساختہ محبت و الفت کے جذبات شعروں کے سانچے میں ڈھل کر زبان پر آجاتے۔ آپ کی بیشتر نعتوں میں بے ساختگی سوز و گداز

کیف و جذب، فصاحت و بلاغت جوشِ بیان اور پاسِ شریعت غرض آپ کے کلام میں ہر طرح کا حسن صوری و معنوی بدرجہ اتم موجود ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام کو جامِ کوثر کہا جائے تو یقیناً بجا ہوگا۔ آپ کا نعتیہ کلام اہلِ ایمان و محبت کے سازِ روح کا دلنواز نغمہ معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذوقِ سلیم رکھنے والے حضرات آپ کے کلام کو سنکر جھوم جھوم جاتے ہیں۔ آپ خود تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتے ہیں۔

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم

برصغیر ہند و پاک میں اہلِ محبت کی شاید ہی کوئی محفل ایسی ہوگی جہاں آپ کے کلام اور مشہورِ زمانہ سلام "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کی گونج سنائی نہ دے۔ آخر کیوں نہ ہو آپ کی نعتوں کے ایک ایک شعر سے شہنشاہِ مدینہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اکثر شعراء جوشِ شاعری میں کچھ کا کچھ کہہ جایا کرتے ہیں۔ مبالغہ آرائی کی سطح پر آکر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں مگر امام بریلوی نے شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی اور نعت گوئی کی ایک حدِ فاصل قائم کردی۔ آپ کی نعتوں میں کہیں بھی شانِ رسالت کی گستاخی و بے ادبی کا پہلو نہیں نکلتا اور نہ ہی دامنِ شریعت آپ کے ہاتھ سے چھوٹتا نہ ہی کہیں حد سے تجاوز پایا جاتا ہے۔ اپنی نعت گوئی کے متعلق فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ — بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

بے شک ایک عالمِ دین کی یہی شان ہونی چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا تو آپ کی غذائے روح تھی۔ ذرا انداز کلام دیکھئے۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ — ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں — ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

آپ کے فنِ نعت گوئی اور شاعرانہ کمال کا اعتراف بڑے بڑے علماء اساتذہ فن نے کیا ہے۔ کسی محفل میں آپ کی یہ نعت

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سنکر ابو الاثر حفیظ جالندھری نے اظہارِ خیال کیا تھا...... "یہ تو کوئی استاذ الاساتذہ معلوم ہوتے ہیں۔ شاعری اسی کلام کا نام ہے"۔

امام بریلوی سے اختلاف کرنے والے ممکن ہے بہت سے حضرات ملیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ آپ کے کمالِ نعت گوئی سے کسی کو اختلاف ہو۔ آپ کی نعت گوئی میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ ویسے ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔

آپ نے بڑی خوبی سے احادیث اور آیاتِ قرآنیہ کا اقتباس اپنے منظومات میں شامل کیا۔ چونکہ آپ عربی و فارسی وغیرہ زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اس لئے بلا تکلف ہر زبان میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی ایک نعت شریف کا پہلا شعر یہ ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

یہ نعت چار زبانوں کے حسین امتزاج کا مرقع ہے۔ اس سے آپ کی جدت طرازی اور ایجاد کی قوت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

کاش کوئی مردِ خدا امام بریلوی کے نعتیہ کلام کی طرف توجہ کرتا اور اس کی خوبیوں کو اجاگر کرتا بلکہ اس کی مبسوط شرح لکھ کر علمی دنیا میں اسے پوری طرح متعارف کراتا۔ آپ کی شاعری کا محور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعظیم اولیائے کرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان و قلم کبھی کسی دنیا کے تاجدار کی قصیدہ خوانی سے ملوث نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

کروں مدح اہلِ دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

عشقِ رسول و امام بریلوی

مسلمانوں کا حقیقی سرمایہ درحقیقت عشقِ رسول ہی ہے۔ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، اغواث، اقطاب ابدال اور اولیائے عظام کی زندگیوں کے مطالعہ کے بعد نظر اسی نکتہ پر رکتی ہے کہ ان سب حضرات کی زندگی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محور پر گھومتی رہی صحابۂ کرام کے جاں نثاری، تابعین اور تبع تابعین و سلفِ صالحین کا جذبۂ تبلیغ، اماموں اور فقہاء کے دینی اجتہادات، اغواث، اقطاب ابدال اور اولیاء کرام کی ریاضتیں اور محاسبۂ نفس کا مرکز حقیقی عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہا ہے۔

رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ ان کی ذاتِ والا صفات کو ان کا امتی اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور مال و متاع سے زیادہ عزیز رکھنا ہوگا۔ بزرگانِ سلف کی مبارک زندگیوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصدِ حیات صرف اور صرف عشقِ رسول ہی تھا۔ یہی وہ مرکز ہے جس سے مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار برس تک اس دنیا میں اپنا اقتدار رکھا۔ اور آج بھی ان کی برتری کا راز اسی مرکز سے وابستگی میں مضمر ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضرت امام بریلوی کی زندگی کا اصل مقصد عشقِ رسول ہی ہے اور حبِ مصطفےٰ ہی انکی حیات کا مظہر ہے۔ تادمِ حیات آپ کی ظاہری و باطنی زندگی میں عشقِ نبوی کی روشنی برابر جگمگا رہی تھی۔ جہاں تک آپ کی ظاہری زندگی کا تعلق ہے آپ نے علومِ دینیات، علمِ تفسیر اور علمِ حدیث کی تکمیل صرف چودہ سال کی عمر میں کرلی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار نے جو آپ

کے والد بزرگوار نے جو آپ کے استاد محترم بھی تھے آپ کو صرف چودہ سال کی عمر میں فتویٰ نویسی کی سند اور اجازت دیدی تھی۔ اس کم سنی میں مذکورہ علوم کی تکمیل نے اللہ جل مجدہ اور اس کے پیارے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ان کے دل میں جاگزیں کر دیا تھا۔

علاوہ بریں عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ورثہ میں بھی ملا تھا۔ آپ کے اجداد واسلاف میں اولیاکرام کے نام ہی آتے ہیں جس کا اثر آپ کی ظاہری زندگی پر جگہ جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے وقت سے موت کی آغوش میں سو جانے تک زندگی کے کسی شعبے میں بھی اپنے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام سے گریز نہیں فرمایا۔ انتہا یہ ہے کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا تک کتاب وسنت کے مطابق انجام پاتا تھا۔ جب آپ سونے کے لئے لیٹتے تو لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شکل بنا لیتے۔ عشق رسول کی اسی انتہا کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جذبہ لامتناہی نہیں تھا۔

حضور نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے ہر گوشے کا مطالعہ کرنے کے بعد جب حضرت امام بریلوی کے اخلاق وکردار اور زندگی پاک کے ہر شعبہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت امام بریلوی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیرو اور ان کے عشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اب رہی آپ کی باطنی زندگی۔ سو حقیقت یہ ہے کہ ظاہری زندگی باطنی زندگی کے نور کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ انسان اسی وقت مدراج کمال طے کر سکتا ہے جب اس کے ظاہر وباطن میں اتحاد اور یکسانیت پائی جائے۔ اس یکسانیت ویگانگت میں ظاہری زندگی تو معاون ہوتی ہی ہے مگر ظاہری زندگی کے جو اجزا عبادات سے متعلق ہیں وہ زیادہ معاونت کرتے ہیں۔ یہ اجزا دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پہلے حصے کو حقوق العباد کہتے ہیں اور دوسرے حصے کو حقوق اللہ کہتے ہیں۔

حقوق العباد کی فہرست میں اطاعت والدین کے علاوہ بزرگوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، عزیز واقارب اور احباب کی دلداری، اولاد کی نگرانی، علما کا احترام، حاجیوں کی تکریم اور سادات کی تعظیم سب کچھ آتا ہے۔ جس میں حضرت امام بریلوی ہر طرح پورے اترے، حقوق اللہ میں بھی آپ کے زہد ریاضت، محاسبۂ نفس، تصوف وغیرہ نمایاں اوصاف آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اسطرح باطنی اعتبار سے آپ کا پایہ بہت بلند اور اونچا قرار پاتا ہے۔ جنکی دلیل وہ کرامات جو وقتاً فوقتاً ظہور میں آتی رہتی تھی۔ مریدین اور معتقدین کی کثیر تعداد ایک طرح یہ آپ کی باطنی ترقی اور عروج کا آئینہ دار ہے۔ یہ سب کچھ دوسرے معنوں میں عشق رسول کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

عشق رسول کا صلہ ـــــ دوسری دفعہ آپ ۱۳۲۳ھ میں حج وزیارت کے لئے گئے حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے، پہونچنے کے قبل ہی آپ کے فضل وعلم وفضل کا شہرہ وہاں پہونچ چکا تھا۔ امام بریلوی مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے بیتاب تھے لیکن شدید علالت سفر میں مانع تھی۔ ادھر مدینہ منورہ کے علمائے کرام ایک نظر آپ کی زیارت حاصل کرنے کو بے قرار تھے۔ شیخ الدلائل حضرت مولانا شاہ عبد الحق مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے مخلص شاگرد حضرت مولانا کریم اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ہم سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں۔ اطراف واکناف سے علما آتے ہیں اور جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بات نہیں پوچھتا۔ لیکن امام بریلوی کے پہونچنے سے پہلے ہی علما تو علما اہل بازار تک آپ کی زیارت وملاقات کے مشتاق تھے۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ کی حاضری ہوئی اور آمد کی خبر ہر طرف پھیلی تو صبح سے عشا تک آپ کے پاس علمائے مدینہ کا ہجوم رہتا تھا۔ ملاقات وزیارت کرنے والوں کی بھیڑ بارہ بجے رات سے پہلے چھٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ (تذکرۂ نوری ص۳)

جب آپ سنہری گنبد میں آرام فرمانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں دل بیتاب اور روح بے قرار لیکر حاضر ہوئے۔ اس وقت دل میں یہ تمنا ابھری کہ کاش مجھے اس جمال جہاں آرا کی زیارت بیداری کی حالت میں ہو جائے (خواب میں تو کئی دفعہ زیارت سے نوازے جا چکے ہیں) مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر دیر تک درود شریف پڑھتے رہے لیکن پہلی شب مراد بر نہ آئی۔ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل تحریر فرمائی جس کا مطلع یہ تھا۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

آخری شعر میں انتہائی انکساری اور بے کسی کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ شریف میں پڑھ کر ادب وشوق کی تصویر بنکر کھڑے ہو گئے کہ قسمت بیدار ہوئی دل کی آرزو مراد کو پہونچی اور حضور رؤف ورحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی زیارت سے بیداری میں مشرف ہوئے۔ سبحان اللہ۔ عشق رسول کا کیا صلہ ملا۔

اسی جیسا واقعہ چھٹی صدی کے ولی کامل سیدنا حضرت احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں بھی رونما ہوا تھا۔ ۵۵۵ھ میں آپ برائے حج بیت اللہ تشریف لے گئے اور بعد حج پیادہ پاپیدل چلتے ہوئے مدینہ طیبہ پہونچے۔ بعد نماز عصر حرم شریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے اس وقت نوے ہزار سے زیادہ زوار حرم مبارک کے اطراف جمع تھے۔ حضرت ممدوح نے قریب ہو کر تحفۂ سلام پیش کیا اور فرمایا۔ السلام علیکم جدی۔ جواب آیا۔ وعلیکم سلام یا ولدی۔ حاضرین نے آواز مبارک سماعت کی۔ آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی آپ نے نہایت عقیدت وانکساری کے ساتھ دست اقدس طلب فرمایا۔ اسی وقت قبر مبارک شق ہوئی۔ دست معجز نما، مہر پر ضیا، جلوہ آرائی انجمن عالم ہوا۔ فوراً حضرت نے دست مبارک کا بوسہ دیکر فوائد ظاہری وباطنی حاصل کئے۔

قوت حافظہ ایک مرتبہ امام بریلوی نے فرمایا کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ میں حافظ

نہیں ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا رکوع مجھ کو سنا دیں اور پھر دوبارہ مجھ سے سن لیں۔ چنانچہ آپ نے ایک ماہ کی قلیل مدت میں قرآن کریم حفظ فرما لیا۔

بقول مؤلف "تذکرہ نوری" مولانا غلام شبر قادری نوری بدایونی "پھر بڑی خوبی یہ تھی کہ روزانہ ایک پارہ زبانی حفظ کرنے کے باوجود فتاوی برابر لکھنے مسائل شرعیہ و احکام دینیہ کی تعلیم فرمانے اور وقت معین پر مسند نشیں ہدایت ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مقدسہ سنانے وغیرہ مشاغل دینیہ میں کسی طرح کا کوئی فرق نہ آنے پایا۔ آپ صرف تھوڑا سا وقت نماز مغرب کے بعد قرآن پاک حفظ کیا کرتے تھے"

بقول حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ

اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوت حافظہ سے ساڑھے چودہ سو برس (۱۴۵۰) کی کتابیں حفظ تھیں۔ یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

تاریخ گوئی

فن تاریخ گوئی کوئی آسان فن نہیں۔ یہ ایک فن ہے جسے سیکھنے کے لئے وقت درکار ہے۔ تاریخی مادہ نکالنے کے لئے وسیع مطالعہ اور مہارت تامہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کی مہارت اور اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔ حضرت امام بریلوی کلیے انتہا مصروف زندگی گزارتے تھے لیکن تاریخ گوئی میں آپ کو اتنا کمال اور دخل تھا کہ موقع و محل کے مطابق بغیر دوات و قلم کے برجستہ تاریخی مادہ ارشاد فرما دیتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کا ارشاد کیا ہوا تاریخی مادہ غلط ثابت ہو۔ آپ کی تصنیفات کتب و رسائل کے نام تاریخی ہیں۔ اور یہ تاریخیں کتابوں کے مباحث و موضوعات پر بھی چسپاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات آپ ایک ہی موقع پر دو چار بلکہ دس دس تاریخیں نکال دیتے تھے۔ آپ نے کئی شعراء کے دیوانوں کی تاریخیں بھی نکالیں۔ لوگ اکثر فرمائش کرتے کہ ان کے نومولود بچوں کے تاریخی نام ارسال فرمائیں۔ آپ نے کبھی کسی کو مایوس نہیں فرمایا۔ بعض اوقات ایسے وظائف بھی پڑھنے کو بتا دیتے کہ وظیفے کے اعداد اور وظیفہ خوانی کے نام کے اعداد برابر ہوتے۔ جیسے جناب ایوب علی رضوی سے ان کے عرض پر ارشاد ہوا کہ "یا لطیف" کا ورد رکھیں۔ لطیف اور ایوب علی کے اعداد ایک سو انتیس (۱۲۹) ہیں۔

جناب مولانا محمود اسماعیل قادری نقشبندی کی وفات پر آپ نے عربی زبان میں دس تاریخی مادے نثر کے رنگ میں نکالے اور دو تاریخی قطعات سپرد قلم کئے۔ پہلے قطعے میں تیرہ (۱۳) شعر ہیں اور دوسرے میں انتالیس (۳۹) اور ہر مصرعہ سے موصوف کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ والد گرامی کی زندگی کے حالات پر جو رسالہ جواہر البیان فی اسرار الارکان تصنیف فرمایا ہے۔ اس میں بھی کئی ایسے تاریخی مادے شامل کئے ہیں۔ جن سے تاریخ وفات یا تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ آپ نے اکثر عمارات سے تاریخی مادے نکالے۔ اکثر بزرگوں کی وفات کے تاریخی مادے استخراج کئے۔

ملک العلماء حضرت فاضل بہاری نے بذریعہ خط اپنے نومولود بچے کے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی۔ فاضل بریلوی نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا۔ نام تو مختار الدین ہونا چاہئے۔ دیکھئے تو سید صاحب (سید ایوب علی) شاید تاریخ گوئی ہو گئی۔ سید صاحب نے حساب لگایا تو پورے ہوئے اور یہی سن ولادت تھا۔

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ امام بریلوی نے اپنے مکتوبات شریف میں اپنا سن ولادت حسب ذیل آیت کریمہ سے استخراج فرمایا۔

اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ

اس آیت شریفہ کے عدد بھی ۱۲۷۲ ہوتے ہیں۔ جو موصوف کا سال ولادت ہے۔ آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا ہے۔ اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے مدد فرمائی ہے۔

اسطرح آپ نے اپنی وفات کی تاریخ اس آیت کریمہ سے اخذ فرمائی۔

ويطاف عليهم بآنية من فضة و اكواب

ترجمہ:۔ خدام چاندی کے کٹورے اور گلاس لئے ان کو گھیرے ہیں۔

اس آیت شریف کا عدد بھی ۱۳۴۰ ہوتے ہیں جو آپ کا سن وفات ہے۔

آپ نے اپنی تاریخ وفات وفات سے چار ماہ قبل بھوالی میں خود ارشاد فرمائی تھی۔ اس حقیقت سے جسطرح ایک طرف فن تاریخ گوئی میں آپ کی قوت استخراجیہ کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف آپکی باطنی نگاہ و کمال بصیرت کا سراغ بھی ملتا ہے۔

اسی طرح ریاضی دانی، علم ہیئت و توقیت، علم تکسیر، علم جعفر وغیرہ بیشتر علوم و فنون میں بھی امام بریلوی کی قابلیت و مہارت کا آفتاب پوری طرح چمکتا دمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

تواضع انکسار، اطاعت والدین، بزرگوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت جذبات بخشش و سخاوت، احتیاط فی الدین، حق گوئی، حلم و عفو وغیرہ شعبوں میں بھی آپ کی زندگی مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ قطعہ امام بریلوی کی مکمل سوانح عمری ہے اور خود انہی کے قلم سے ہے

قطعہ

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابی و دوات و قلمے

حضرت امام بریلوی کی بعض خصوصی عادتیں

۱۔ لفظ "محمد" سنکر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے تھے۔
۲۔ سوتے وقت جسم مبارک کو لفظ "محمد" کی شکل میں کر لیتے تھے۔
۳۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکتے اور قبلہ کی طرف پاؤں نہ کرتے تھے۔
۴۔ جماہی لیتے وقت دانتوں میں انگلی دبا کر آواز پیدا نہ ہونے دیتے۔
۵۔ کبھی قہقہہ بلند نہ کرتے تھے۔

کر لاکھوں جانوں کی قیمت سے اعلیٰ ہے تو کیا مقتضائے عقل ہے کہ کھوئی چیز ملے بھی نہیں اور ایسی عظیم ملتی ہوئی دولت خود ہاتھ سے کھوئی جائے۔ صابروں کو اجر حساب سے نہ دیا جائے گا۔ بلکہ بے حساب یہاں تک کہ جنھوں نے صبر نہ کیا تھا روز قیامت تمنا کریں گے۔ کاش ان کے گوشت قینچیوں سے کترے جاتے اور یہ ثواب پاتے۔ دوسرے کے جانے کی فکر اس وقت چاہئے کہ خود جانا نہ ہو اور جب اپنے سر پر جانا رکھا ہے تو فکر اس کی چاہیئے کہ جانا اچھی طرح ہو کر وہاں مسلمان عزیزوں سے نعمت کے گھر میں ایسا ملنا ہو کہ پھر کبھی جدائی نہیں۔ لاحول شریف کی کثرت کیجئے اور ساٹھ بار پڑھ کر پانی پر دم کرکے پی لیا کیجئے۔ آپ بفضلہ تعالیٰ عاقل ہیں۔ اور دل کو ہدایت صبر کیجئے۔ سب کو دعا وسلام۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

"حیات اعلیٰحضرت"۔ صفحہ نمبر ۳۱

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم

راحت جانم برادر دینی مولوی عرفان علی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نفی العار کی کاپیاں ہو رہی ہیں بسلامت اللہ لاھل السنۃ غالباً آج چھپ گیا ہوگا۔ ماہ مبارک میں مطبع والے بھی بہت سست کام کرتے ہیں۔ قاضی عطا علی صاحب کا مضمون اب شاید بعد رمضان دیکھا جائے۔ میرا ارادہ ضرور ہے کہ

یہ سر ہو، اور وہ سنگ در، وہ سنگ در ہو اور یہ سر

رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں، تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

وقت مرگ قریب ہے۔ اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن ہو۔ اور وہ قادر ہے۔ بہر حال اپنا خیال ہے۔ مگر جائداد کی جدائی، یہ لوگ کسی طرح نہ کرنے دیں گے۔ خریدار کو مجھ تک پہونچنے ہی نہ دیں گے کوئی منقول شی نہیں کہ بازار بھیجکر نیلام کردی جائے۔ اور خالی ہاتھ بھیک پر گزر کرنے کے لئے جانا نہ شرعاً جائز نہ دل کو گوارا۔ دعا کیجئے کہ ہر بات کا انجام بخیر ہو۔ والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱ ماہ رمضان ۱۳۳۳ھ

"حیات اعلیٰحضرت" صفحہ ۳۱۶

حضرت امام بریلوی رضی اللہ عنہ

اپنے کلام کے آئینے میں

اے خدا بہر جناب مصطفےٰ — چار یار پاک وآل باصفا

بہر جیب چاک عشق نامراد — بہر خون پاک مردان جہاد

پرکن از مقصد تہی داماں ما — از تو پذرفتن زما کردن دعا

(حدائق بخشش)

ترجمہ :- اے مہربان خدا جناب مصطفےٰ کے لئے، ان کے پاک صحابہ کے لئے آل باصفا کے لئے! اس دامن کا صدقہ، جو عشق نامراد سے چاک چاک ہوا۔ اور اس پاک خون کا واسطہ جو مردوں نے میدان جہاد میں بہایا۔
ہماری جھولیاں مقصد سے خالی نہ رکھ۔ ہمارا کام ہے دعا مانگنا تیرا کام ہے قبول کرنا۔

رشک قمر ہوں، رنگ رخ آفتاب ہوں — ذرہ ترا جو اے شہ گردوں جناب ہوں

بے اصل و بے ثبات ہوں، بحر کرم مدد — پروردۂ کنار سراب و حباب ہوں

گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشم پر آب ہوں — دل ہوں تو برق کا دل پر اضطراب ہوں

حسرت میں خاک بوسی طیبہ کی اے رضاؔ — ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا — غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا

جس سے تجھے نقصان نہیں کر دے معاف — جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ — عقبےٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ

بیٹھوں جو در پاک پیمبر کے حضور — ایمان پر اس وقت اٹھانا مولیٰ

کس درجہ ہے روشن تن محبوب الٰہ — جامے سے عیاں رنگ بدن ہے واللہ

کپڑے نہیں میلے ہیں اس گل کے رضاؔ — فریاد کو آئی ہے سیاہی گناہ

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں — کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے — پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی — مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت — میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے — حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

بد سہی، چور سہی، مجرم ناکارہ سہی — اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے — یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا — فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو — قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی — چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے — جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمھاری جانب — کشتی تمہیں پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا — دریا بہا دیے ہیں در بے بہا دیے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم — جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں سے چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پر شتران ناشاد گلہ رنج و عنا کرتے ہیں

لب پر آجاتا ہے جب نام جناب منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جان بیتاب اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

۶۔ نماز عمامہ باندھ کر پڑھتے۔

۷۔ اپنا کنگھا اور شیشہ الگ رکھتے۔

۸۔ مسواک ضرور کرتے۔

۹۔ سر مبارک میں پھلیل ڈلواتے

۱۰۔ تعویذ خدمت خلق کے طور پر مفت دیتے تھے۔

۱۱۔ دوکاندار آپ کو مفت سودا دینے کی خواہش کرتے یا کم لینا چاہتے مگر آپ ہمیشہ بازار کی قیمت ادا کرتے تھے۔

۱۲۔ لوگوں کا دل رکھنا بہت ضروری سمجھتے تھے۔

۱۳۔ مسجد سے گھر جاتے ہوئے عمامہ بغل میں دبا لیتے تھے۔

۱۴۔ چلتے وقت بہت آہستہ قدم اٹھاتے اور نگاہیں عام طور پر نیچی رکھتے۔

۱۵۔ زیادہ وقت تالیف وتصنیف یا فتاوی نویسی میں گزارتے۔

۱۶۔ مہمانوں اور عام لوگوں سے ایک وقت عصر کے بعد مستقل ملاقات فرمایا کرتے تھے۔

۱۷۔ نماز بہت آہستہ اور سکون سے پڑھتے۔

۱۸۔ ہر شخص کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔

۱۹۔ حیثیت کے مطابق ہر شخص کی تعظیم بھی کرتے۔

۲۰۔ سادات کرام کی بڑی عزت اور خاطر ومدارات کرتے۔

۲۱۔ کسی کو خلاف شرع کام یا باتیں کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے۔

امام بریلوی کی سبق آموز وصیتیں

۱۔ نزع کے عالم میں کارڈ، لفافے، روپیہ پیسہ، تصویر، جنب، حائضہ اور کتا مکان میں نہ آنے پائیں

۲۔ سورہ یٰسین اور سورہ رعد سینہ پر دم آنے تک پڑھی جائیں درود شریف بھی متواتر پڑھی جائے رونے والے بچوں کو دور رکھا جائے۔

۳۔ قبض روح کے فوراً بعد آنکھیں بند کر دی جائیں۔ اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے جائیں بسم اللہ علی ملۃ رسول اللہ کہکر نزع میں ٹھنڈا پانی پلایا جائے۔ رونا بھی ممنوع قرار دیا۔

۴۔ غسل مطابق سنت ہو۔ مولانا حامد رضا خان فتاوی میں تحریر کی ہوئی دعائیں یاد کر سکیں تو مولانا امجد علی نماز جنازہ پڑھائیں۔

۵۔ جنازے میں بے وجہ تاخیر نہ کریں۔ جنازے کے آگے آگے ذریعہ قادریہ اور دائمی کی نعت تم پہ کروڑوں درود پڑھی جائے۔

۶۔ کوئی مدحیہ شعر ہرگز نہ پڑھا جائے۔

۷۔ قبر میں آہستہ اتاریں۔ بچھے نرم مٹی کا بستارہ لگائیں۔ داہنی کروٹ پر ذریعہ قادریہ پڑھ کر لٹائیں۔

۸۔ اناج قبر پر نہ لے جائیں۔ قبر تیار ہونے تک یہ دعا پڑھیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اللھم ثبت عبدک ھذا بالقول الثابت بجاہ نبیک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۹۔ بعد تیاری قبر سرہانے کی طرف الم تا مفلحون پڑھی جائے۔ پائنتی کی طرف آمن الرسول تا آخر پڑھی جائے۔

حامد رضا خان سات مرتبہ اذان دیں تلقین کرنے والے قبر کے مواجہ میں تین بار تلقین کریں۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک قبر پر مواجہ میں درود شریف باآواز بلند پڑھا جائے اور ممکن ہوسکے تین شبانہ روز تک باآواز بلند قرآن پاک اور درود شریف پڑھوائے جائیں تاکہ اس نئے مکان میں دل لگ جائے۔

۱۰۔ کفن خلاف سنت نہ ہو۔

۱۱۔ میری فاتحہ کا کھانا صرف غربا کو کھلایا جائے۔

۱۲۔ فاتحہ میں طویل وقفہ نہ کیا جائے۔ غذا مرغن ہو تو کوئی حرج نہیں۔

۱۳۔ حامد رضا خان ننھے میاں سے صاف رہیں ورنہ میری روح ناراض ہوگی۔

۱۴۔ سب بھائی اتفاق سے رہیں۔ اتباع شریعت نہ چھوڑیں اور میرا دین پر جیسا ہوں اس پر چلیں

ان مذکورہ قیمتی وصایا میں ہمارے لئے کافی سبق موجود ہیں۔ یہ ہمارے لئے مشعل راہ آخرت ہیں

مکتوبات شریف

امام بریلوی کے مکتوبات شریف بھی بے شمار حقائق ومعارف اور مسائل دینیہ سے بھرپور ہیں۔ آپ کی ظاہری ومعنوی خوبیوں کا رنگ بھی ان کے سطر سطر پر چڑھا ہوا ہے۔ شان تجدید کا جوہر بھی ان مکتوبات میں جھلکتا ہے۔ افراد اہلسنت کے لئے ان میں بھی کافی ہدایات اور سبق موجود ہیں۔ آپ کی تعلیمی سرگرمیوں کی جھلک اور دینی وملی خدمات کی کرن بھی ہر ہر عبارت پر دمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کلام الامام امام الکلام کا حکیمانہ انداز بھی ہر مکتوب میں پایا جاتا ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی بھی بعض بعض مکتوب میں پائی جاتی ہے۔

یہاں صرف ہم آپ کے دو ایمان افروز مکتوب گرامی "حیات اعلیحضرت" جلد اول مؤلفہ ملک العلما مولانا ظفرالدین صاحب رضوی سے نقل کرتے ہیں۔ جو بیش قیمت نصائح و عشق رسول کے حامل ہیں۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر دینی ویقینی مولوی عرفان علی سلمہ

بعد ہدیہ سنت مولیٰ عزوجل مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور مدارج عالیہ بخشے اور آپ سب صاحبان کو صبر واجر عطا کرے اور مدارج عالیہ بخشے .... اسکا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے جس میں کمی بیشی نا متصور ہے۔ اور محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ بے صبری سے جانے والی چیز واپس نہ آئے گی ہرگز نہیں مگر مولیٰ تبارک وتعالیٰ کا ثواب جائے گا۔ وہ ثواب

غور سے سن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا | میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم | مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ | دم میں جب تک دم ہے ذکر انکا سناتے جائینگے

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے | ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں | چھیڑنا شیطاں کا عادت کیجئے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب | اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ | پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے | توئی خود سازو سامانم اغثنی یارسول اللہ

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن | مریضِ درد عصیانم اغثنی یارسول اللہ

(حدائق بخشش)

کیا فقط کلمہ گوئی مسلمان کیلئے کافی ہے ؟

آدمی فقط زبان سے کلمہ پڑھنے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا جب کہ اس کا قول یا فعل اس کے دعوے کا مکذب ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے، کلمہ پڑھے بلکہ نماز روزہ حج زکوۃ ادا کرے۔ با ایں ہمہ خدا اور رسول کی باتیں جھٹلائیں یا خدا اور رسول و قرآن کی جناب میں گستاخیاں کرے یا زنار باندھے۔ بت کے لئے سجدے میں گرے تو وہ مسلمان قرار پاسکتا یا عادت کے طور پر وہ کلمہ پڑھنا اس کے کام آسکتا ہے ہرگز نہیں۔ (الکوکبۃ الشہابیہ ص۱)

مسئلہ علم غیب

(۱)۔ "علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے۔ اس کے غیر کے لئے محال ہے۔ جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر، غیر خدا کے لئے مانے، وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔"

(۲)۔ "اگر تمام اہل عالم، اگلے پچھلوں، سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی، جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو، دس لاکھ سمندروں سے"

(۳)۔ " ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں، نہ کہ جمیع۔"

(۴) اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ، تمام انبیاء تمام جہان سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے، حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے۔

(خالص الاعتقاد ص۲۲-۲۵-۳۵)

سب کو کافر کہدیا ؟

عوام مسلمین کو بھڑکانے، اور دن دہاڑے آنکھوں پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہلسنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہدیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہدیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہدیا۔ مولوی عبدالحئی صاحب کو کہدیا۔ پھر جنکی حیا اور بڑھی ہوئی ہے۔ وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو کہدیا۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن (گنج مراد آبادی قدس سرہ العزیز) کو کہدیا۔ یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے اوپر گزر گئے۔ وہ یہاں تک بڑھتے ہیں۔ عیاذاً باللہ عیاذ باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کو کہدیا۔ یہاں تک کہ انہیں سے بعض کے بزرگوار لانے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑ دی۔ کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انھوں نے آیت کریمہ - ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا پر عمل فرمایا خط لکھ کر دریافت کیا جس سے یہاں سے رسالۂ انجاس البری عن وسواس المفتری" لکھا، ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تازیانہ بھیجا۔ غرض ہم پر ایسے ہی افتراء و بہتان کرتے ہیں ....

(حسام الحرمین ص۴۲)

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

"...... دل میں کیا۔ برملا فحش گالیاں دیتے ہیں۔ بعض تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں۔ پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اگر میری ذات پر حملہ کریں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کو سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں۔ اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ ۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر سے کبھی اس جواب کا وہم بھی نہیں اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہونے ہی کے لئے ہے۔ بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے......" الملفوظ ج ۲ ص۵۳

حرفِ آخر

بالآخر بندہ راقم الحروف اعلحضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت امام احمد رضا بریلوی قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حضرت مولانا معین الدین نزہت، والد محترم حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے ہمنوا ہو کر خراج عقیدت پیش کر رہا ہے۔

رضائے احمد اسی میں سمجھوں

کہ مجھ سے احمد رضا ہوں راضی

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

امام احمد رضا

دین کا امام

مولانا ابوالاثر محمود احمد صاحب رضوی

زینت عنوان دین کا وہ امام ہے جس کے کمالات علم و عمل عرب و عجم میں دیندار دنیا کے قلوب پر اپنا سکہ جما چکے ہیں۔ اور قریب و بعید ممالک و بلدان میں ان کو شہرت تامہ حاصل ہے ان کے فیضِ علم کی برکت نے بریلی کو تمام جہاں کا دارالافتاء بنادیا۔ عرب و عجم ایشیاء۔ افریقہ وغیرہ براعظموں کے معاملات نصف صدی سے زائد عرصہ تک آستانہ عالیہ رضویہ سے فیصل ہوتے رہے۔ آپ کا فتاویٰ حجم و تحقیق میں علماء ماسبق کے مجموعات فتاوے سے کہیں بڑھ گیا۔ آپ کی تصانیف صدہا کے اعداد سے شمار کی جائیں گی۔

انداز بحث و قوت کلام

آپ کا اندازِ بحث محققانہ اور منطقی مغالطات و مغسطوں سے بالکل پاک ہے مدقیق استعدر کہ علماء کو مطالب تک پہنچنے کے لئے بسا اوقات مطالعہ میں عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے احتمالاتِ مخالف کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اوّل بند کردی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھالیا ہے ممکن نہیں ہوا کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرے اور سفیہانہ سب و شتم تو کسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہوسکتے اور اس کام کا انجام دینا ہر زبان دراز عدیم المروت والحیاء کو آسان بھی ہے۔ مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بار پانے کے قابل ہے مگر نہ دیکھا گیا۔ کہ محققانہ طور پر کبھی کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جرأت ہوئی ہو۔ فتاوے پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالے نے انہیں ایسے بہت سے علوم عنایت فرمائے تھے۔ جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کے وسعتِ معلومات دقتِ نظر۔ علو مضامین بلندیٔ تحقیق و جودت کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ باوصف اپنی بے بضاعتی کے ان کے کمالات تک میرے ناقص فہم کی جتنی رسائی ہے اور ان کو جیسے الفاظ سے میں تعبیر کرسکتا ہوں وہ حاضر ہے۔ لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعتِ منزلت کی پوری تصویر نہیں ہوسکتی۔ ایک خداداد نعمت تھی ایک وہبی فیض تھا جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے۔

علمِ فقاہت

علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا ہے۔ تفصیل تو اس کی فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھے۔ جس کیطرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفسار کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام مذہبوں کے جواب بھی لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کے بالغ ردّ بھی کرتا تھا۔ اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ امام احمد رضا کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ فتاویٰ رضویہ میرے اس دعوے کا ثبوت ہے۔

علمِ حدیث

علم حدیث میں بھی وہ فرد تھے اپنا ہمتانہ رکھتے تھے علم رجال میں ان کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوکِ زبان پر تھے اور معنی میں بحث۔ ناسخ و منسوخ کی تمیز۔ متعارضین کی توفیق پر توان کا خاص حصہ تھا۔ جمع بین الصلاتین کی بحث میں آپ کی ایک نفیس و جلیل تصنیف "حاجز البحرین عن جمع بین الصلاتین" قابلِ دید ہے جسمیں مولوی نذیر حسین دہلوی پیشوائے غیر مقلدین کا ردّ فرمایا ہے اگر محدثانہ شان دیکھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ علم تفسیر و اصولِ فقہ و اصول حدیث و عقائد و کلام ادب و عروض میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور اگر آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے دو صدی قبل کے علماء کی جستجو کرنا پڑے گی۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ دفن ہوگئے۔ اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص بھی نہ پایا گیا۔

جودتِ ذہن

اور خوبیٔ ذکاء و فہم کرامت کی شان رکھتی ہے ایک ماہ میں اس طرح قرآن پاک کا حفظ کرلیا کہ تمام

مشاغل بدستور جاری رہیں اور کسی میں فرق نہ آئے۔ اور دیکھنے والوں کو تمیز نہ ہو کہ کوئی خاص کام کیا جارہا ہے کسقدر حیرت انگیز ہے اور اس کو کرامت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ العزیز نے بیان کیا کہ مجھ سے امام احمد رضا نے فتاویٰ "صلاۃ مسعودی" طلب فرمایا میرے پاس قلمی نسخہ تھا۔ وہ میں نے پیش کیا امام احمد رضا نے تمام کتاب پر سرسری نظر ڈال اور صرف یاد سے اس تمام کتاب کی مکمل فہرست اس کے اوّل میں تحریر فرمادی۔ یہ بات سنی بھی نہیں گئی کہ کوئی شخص کتاب پر ایک نظر ڈال کر اس کا حافظ ہوجاتا ہے کہ اس کی صفحہ وار فہرست بناسکے۔ حضرت مولانا مرحوم سے مسئلہ اذان میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تمام کتاب میں اذان کا ذکر اتنی جگہ ہے اور ہر جگہ بانگ نماز ہی کے تلفظ سے اس کو یاد کیا ہے مجھے وہ عدد محفوظ نہیں رہا اتنا یاد ہے کہ کوئی بڑا عدد تھا۔ تعجب تو یہ ہے کہ کیسی کتاب بینی ہے کہ جس سے یہ بتایا جاسکے کہ اس کتاب میں فلاں بحث میں اسقدر الفاظ ہیں اسی طرح حضرت علامہ مولانا ظفر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدّث سورتی قدس سرّہٗ کے مہمان ہوئے اثنائے گفتگو میں عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کا ذکر نکلا حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا کہ میرے کتب خانہ میں ہے۔ اتفاق وقت باوجودیکہ امام احمد رضا کے کتبخانہ میں بکثرت کافی ذخیرہ تھا اور ہر سال معقول رقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت تک عقود الدریہ منگوانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ امام احمد رضا نے فرمایا میں نے نہیں دیکھی ہے۔ جاتے وقت میرے ساتھ کردیجئے گا۔ حضرت محدث سورتی نے بخوشی قبول کیا اور کتاب لاکر حاضر کردی۔ مگر ساتھ ساتھ فرمایا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا۔ امام احمد رضا کا قصد اسی دن واپسی کا تھا۔ مگر آپ کے ایک جان نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی اس وجہ سے رک جانا پڑا۔ شب کو امام احمد رضا نے عقود الدریہ کو (جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تھی) ملاحظہ فرمالیا دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھکر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف روانگی کا قصد فرمایا۔ جب اسباب درست کیا جانے لگا۔ تو عقود الدریہ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ محدث صاحب کو دے آؤ مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا۔ واپس کیوں فرمارہے ہیں۔ لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی اور حضرت محدث صاحب کی خدمت میں میں نے امام احمد رضا سے ملنے اور اسٹیشن تک ساتھ جانے کیلئے تشریف لا رہے تھے کہ میں نے امام احمد رضا کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا۔ اور پھر کتاب کو لئے ہوئے حضرت محدث صاحب کیساتھ واپس ہوا۔ حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ میرے اسے رکھنے کا جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیجدیجئے گا ملال ہوا کہ اس کتاب کو واپس کیا۔ فرمایا قصد بریلی ساتھ لیجانے کا تھا اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لیا جاتا۔ لیکن کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی اب لیجانے کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت محدّث سورتی صاحب نے فرمایا بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہوگا۔ امام احمد رضا نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی۔ فتاوے میں لکھ دوں گا اور مضمون تو ان شاء اللہ عمر بھر کے لئے محفوظ ہوگیا سبحان اللہ سبحان اللہ

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ بہت نحیف ولاغر تھے۔ بدن مبارک کے استخوانہائے لطیف نمایاں معلوم ہوا کرتے تھے۔ اس کا باعث آپ کے ریاضت ومجاہدات تھے۔ قلم کو آپ کی مدتِ حیات میں استراحت نہ ملی۔ شب وروز کے تمام اوقات خدمتِ دین وملت ہی میں صرف ہوئے۔ بہت کم وہ دن ہونگے جن میں چھ گھنٹے استراحت فرمائی ہو ورنہ چار پانچ گھنٹے خواب کے لئے معمول تھا۔ اور کبھی کبھی یہ بھی حذف ہوجایا کرتی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ جسم لاغر وناتواں اور کمزور وضعیف ہوتا گیا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ قوائے عقلیہ ودماغیہ اسی نسبت سے ترقی کرتے رہے۔ اکثر بدن میں درد ہوجاتے تھے۔ کبھی سر میں۔ کبھی شانوں میں کبھی گردن میں کبھی معدے اور اسکے حوالی میں۔ مگر ان میں سے کوئی چیز کام کرنے والے ہاتھ اور زبان کو نہیں روک سکتی تھی۔ باوجود گوناگوں علالتوں کے تکلف کے ساتھ اپنے وقتوں پر مسجد میں حاضر ہونا اور اپنی تمام کلفتوں کو فراموش کرکے قیام کے ساتھ سنن وآداب کی رعایت سے نہایت خشوع وخضوع کیساتھ نماز ادا کرنا غلبۂ روحانیت پر دلالت کرتا ہے۔

ایک سال سے یہ عوارض اور امراض بہت ترقی کرگئے تھے اور مزاج میں یبوست اور حرارت نے غلبہ پالیا تھا۔ جو کثرتِ ریاضت کا نتیجہ لازمہ ہے۔ تھوڑے تھوڑے زمانہ میں دردوں کے شدید دورے پڑنے لگے۔ مگر الحمد اللہ کہ مرض کی ان تمام شدتوں نے کسی ورد اور معمول کو بھی تو اس کی جگہ سے نہ ہٹایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام احمد رضا کا سوانحی خاکہ

از :- حافظ موسیٰ اسماعیل لنکاسٹر (یوکے)

انسانوں میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو جانوروں کی طرح پیٹ بھرلینا اپنے ہی مفاد کی خاطر دنیا کا ہر کام انجام دینا ایک چمگادڑ کی طرح دنیا کی نگاہوں سے اپنے آپ کو چھپا کر زندگی گذارنا اور ایک روز بڑی ہی خاموشی کیساتھ اس دنیا سے چلا جانا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کی دنیا میں اکثریت ضرور ہے مگر دنیا کو نہ ایسے لوگوں کے آنے کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ جانے کی کیونکہ ایسے لوگوں کی زندگی پہاڑوں اور جنگلوں کے خودرو درختوں کی طرح ہوتی ہے جو اپنے آپ اُگتے ہیں پروان چڑھتے ہیں اور ختم ہوجاتے ہیں ان سے کوئی خاص فائدہ کسی کو نہیں ہوتا۔

دوسری قسم کے لوگوں کی زندگی کا معیار کچھ بلند ہوتا ہے اور ان کی عملی زندگی ایک مخصوص حد میں ہوتی ہے ان کی زندگی ایک ایسے چراغ کی طرح روشن ہوتی ہے جس سے آس پاس کے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب ایسے لوگوں کی اس دنیا سے رخصتی ہوتی ہے تو ان کی ذات سے مستفید ہونے والے جی بھر کر آنسو بہاتے ہیں اور کچھ وقت تک ان کی یاد اپنے دلوں میں قائم رکھتے ہیں ایسے لوگوں کی موت سے دنیا کے کسی گوشہ میں کچھ اداسی ضرور پیدا ہوجاتی ہے مگر دنیا پر اس اداسی کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

اب رہ گئے تیسری قسم کے لوگ تو ایسے لوگ بہت کمیاب ہوتے ہیں اور ان کی اس کمیابی سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی زندگی بڑی نایاب اور نہایت ہی کارآمد ہوتی ہے ایسے لوگ دنیا میں چاند اور سورج کی طرح نمایاں ہوتے ہیں اور اپنی مبارک شعاعوں اور کرنوں کو ہر خاص و عام پر نچھاور کرتے رہتے ہیں ان کی زندگی کا ہر کارنامہ لامحدود ہوتا ہے ایسے ہی لوگ جب دنیا سے کوچ کرتے ہیں تو دنیا کے ذرہ ذرہ پر غمناک اداسی چھا جاتی ہے اور زمانہ کبھی نہیں بھولتا بس ایسے ہی لوگ یادگار زمانہ بن جاتے ہیں۔

انہیں یادگار زمانہ انسانوں میں چودھویں صدی ہجری کا عظیم مجدد حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی بے مثال تجدیدی صلاحیتوں سے شجر اسلام کو ایک عجیب نکھار بخشا۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت شہر بریلی شریف کے محلہ جسولی میں آپ کے آبائی مکان میں ہوئی۔ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء میں آپ نے اس دار فانی میں جلوہ فرمایا۔ تاریخی نام المختار ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام حضرت مولانا نقی علی خان تھا۔ حضور کے آباء و اجداد قندھار کے موقر قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے شاہان مغلیہ کے دور میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے لاہور کا شیش محل انہیں کی جاگیر تھا پھر وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے بریلی تشریف لائے اور یہ معزز خاندان وہیں مستقل طور پر مقیم ہوگیا۔

آپ کے جد امجد نے آپ کے عقیقہ کے دن ایک خوشگوار خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزند فاضل و عارف ہوگا چار سال کی عمر میں قرآن ناظرہ ختم کیا اور چھ سال کی عمر میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف میں منبر پر بہت بڑے مجمع میں میلاد شریف پڑھا تمام علوم درسیہ معقول و منقول سب اپنے والد ماجد سے حاصل کرکے بتاریخ ۱۴ ماہ شعبان ۱۲۸۶ھ میں فاتحہ فراغ کیا اور اسی دن ایک رضاعت کا مسئلہ لکھکر والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش کیا جواب بالکل صحیح تھا والد ماجد صاحب نے ذہن نقاد و طبع وقار دیکھکر اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد فرمایا۔ ۱۲۹۴ھ میں عالیجناب حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے اور خلافت بھی پائی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسین نوری نے حضرت سید آل رسول سے عرض کی کہ حضور آپ نے بغیر شقت و مجاہدہ کے کیسے امام احمد رضا کو خلافت دے دی۔

مرشد برحق نے فرمایا کہ اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لیکر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ و ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے اور احمد رضا صاف ستھرا پاکیزہ دل لیکر ہمارے پاس آئے ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی پھر مزید آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی بہت بڑی فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ لے آل رسول! تو میرے

لئے کیا لایا ہے تو میں بارگاہ الٰہی میں کون سی چیز پیش کروں گا لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہو گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھیگا تو میں عرض کروں گا الٰہی تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں۔

مظہر غوث اعظم

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ امام احمد رضا خان کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایت کاملہ کا منصب عظیم عطا فرمایا تھا اور سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی غلامی نے امام احمد رضا خان کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا چنانچہ ایک طرف سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نائب ہیں تو دوسری طرف حضور سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظہر بھی ہیں، آپ نے جس شان سے احیاء دین وتجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہے خود آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے۔ میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت کی غلامی مراد ہے۔

تصانیف

اجلۂ علماء کا بیان ہے کہ گذشتہ دو صدی کے اندر امام احمد رضا خان جیسا کوئی متبحر جامع عالم نظر نہیں آیا چنانچہ تفسیر حدیث۔ عقائد۔ کلام۔ فقہ۔ سلوک۔ تصوف۔ اذکار۔ اوفاق۔ تاریخ سیر مناقب جفر۔ تکسیر۔ ادب۔ نحو۔ لغت۔ عروض۔ زیجات۔ علم مثلث۔ جبر ومقابلہ۔ لوگارثم۔ ارثماطیقی۔ ہیئت۔ ہندسہ۔ ریاضی۔ توقیت۔ نجوم۔ منطق۔ فلسفہ۔ حساب وغیرہ علوم وفنون میں آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ بے مثل تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

اخلاق کریمہ

آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا جو کچھ آپ کے دل میں ہوتا وہی زبان مبارک سے ادا فرماتے اور جو کچھ زبان سے فرماتے اسی پر آپ کا عمل ہوتا کوئی شخص کتنا ہی پیارا ہو کتنا ہی معزز ہو کبھی اس کی رعایت سے کوئی بات شرع کے خلاف نہ زبان سے نکالتے نہ تحریر کرتے رعایت مصلحت کا وہاں گذر ہی نہ تھا، جب کسی عالم سے ملاقات ہو جاتی دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور اس کی ایسی عزت وقدر کرتے جس کے لائق وہ اپنے کو نہ سمجھتا، جب کوئی صاحب حج بیت اللہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان سے پہلے یہی پوچھتے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں بھی حاضری دی؟ اگر وہ ہاں کہتا تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے اور اگر کہتا کہ نہیں تو پھر اس کی جانب بالکل توجہ نہ فرماتے۔ کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کے لئے نہ تھی بلکہ بیرونجات میں بذریعہ منی آرڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے۔

سیاسی رہبری

آپ نے عملی طور پر تو کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا کیونکہ آپ کے شب و روز کے علمی اور مذہبی تبلیغی مشاغل ہی اس قدر تھے کہ کسی اور شغل کی اس میں گنجائش ہی نہ تھی تاہم اس دور میں جب بھی کبھی مسلمانوں کو سیاسی طور پر گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی تو آپ نے اپنے مخصوص انداز میں تحریری طور پر مسلمانوں کو خبردار کیا۔

تحریک خلافت کے خلاف آپ نے قلمی جہاد کیا اور اسکے مضمرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا، اسی طرح انگریزی حکومت کی پروردہ جماعتوں اور ملاؤں کا پردہ آپ نے اچھی طرح فاش کیا۔ جب انگریزوں کے خیرخواہ ملاؤں نے شش مثل کا فتنہ برپا کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم حضرت ابراہیم حضرت نوح وغیرہ انبیاء کرام کے مثل زمین کے باقی طبقوں میں اور بھی محمد، آدم، ابراہیم وغیرہ نبی ہیں تو آپ نے انکے رد میں تنبیہ الجہال اور جو ابہائے ترکی بہ ترکی ۱۲۹۲ھ میں تصنیف فرما کر شائع کیا جس سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے راہی ملک عدم ہو گیا۔

جب انگریزوں کی شہ پاکر مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے اپنے امام مہدی اور مسیح ہونے کا پھر نبی اور رسول ہونے کا اعلان کیا اور حضرات انبیاء کی مقدس شانوں میں گالیاں دینی شروع کیں تو امام احمد رضا خان نے قہر الدیان علی المرتد بقادیان نامی ایک ماہنامہ اسکے رد میں شائع کیا اور چھ کتابیں اس کے جھوٹے دعوی کے رد میں تصنیف کیں۔

وصال شریف

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو جمعہ مبارک کے دن عین اذان جمعہ میں ادھر حی علی الفلاح کی پکار سنی ادھر روح پر فتوح نے داعی الی اللہ کو لبیک کہا ٹھیک اسی دن بیت المقدس میں ایک شامی بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے وہ شامی بزرگ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں حضور! کس کا انتظار ہے؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احمد رضا خان کا۔ انہوں نے عرض کی احمد رضا خان کون ہے؟ حضور نے فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ جب شوق دیدار میں وہ بزرگ بریلی تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ عین اسی دن ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام احمد رضا اور

محبّت سادات

از:- مولانا عبید اللہ خاں صاحب اعظمی سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ

ارباب فکر و نظر کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی فنا فی الرسول اور عشق نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی اس سرحد کو عبور فرما چکے تھے جہاں محبت کے احساسات و تصورات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ہوں یا بیگانے امام موصوف کے متعلق کوئی لکھتا ہے کہ احمد رضا کی سطر سطر سے عشق رسول پھوٹا پڑتا ہے اور کسی نے لکھا کہ محبت رسول ان کا قیمتی اور قابل قدر سرمایہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ رسول کریم سے اتنی والہانہ محبت رکھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے جو قابل تاویل ہوں مگر میں کہتا ہوں کہ امام احمد رضا کا عشق و محبت رسول کے وہ در مکنون ہیں، جس کی ضیا پاشیوں سے دنیا کے بیشتر گوشوں میں سرور کائنات سے محبت و شیفتگی کا لوگوں نے سلیقہ پایا۔

یوں تو آپ کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کے ہر ہر شعر میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و عقیدت کا سمندر موجزن ہے

اور جذبات و احساسات کا ایک جہاں آباد ہے مگر عمل و کردار کی روشنی میں دیکھا جائے تو امام موصوف کا مقام اس سے بھی بلند سمجھ میں آتا ہے۔

یہ محبت رسول کا ہی اثر ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے نسبی تعلق رکھنے والے اشخاص یعنی سادات کرام کا بے پناہ احترام اور محبت فرماتے اور اس بات میں آپ سن و سال، قد و قامت، عالم و جاہل امیر و غریب اور نیک و بد کا امتیاز رکھکر حسن سلوک نہ فرماتے بلکہ رشتہ خون کا لحاظ کرتے ہوئے سبھی کے ساتھ نیاز مندی کا رویہ رکھتے۔

حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی آپ کے علم و فضل اور تقوی و طہارت سے متاثر ہو کر حسب رواج عرب سلسلۂ کلام میں تخاطب کے وقت "یا سیدی" فرمایا کرتے تھے بظاہر یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس تخاطب سے شرمندگی محسوس کی جائے مگر امام احمد رضا کے جذبۂ عشق نے اس بات کو گوارا نہ کیا اور اس سید زادے کے قدم ناز پر علم و فضل کا تاج نچھاور کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرت مولانا سید محمد سعید صاحب مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یا سیدی فرماتے شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت سید تو آپ ہیں۔ فرمایا واللہ سید تم ہو میں نے عرض کی میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مولی القوم منھم" کا آزاد شدہ غلام انہیں میں سے ہے اللہ تعالی سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقے میں آفتاب دنیا و عذاب قبر و عذاب حشر میں کامل آزادی عطا فرمائے آمین (الملفوظ مکمل ۱۳۰)

ایک شاگرد کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک استاذ مناسب تادیبی کارروائی کے لئے ہاتھ اور زبان دونوں استعمال کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے بشرطیکہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ خداوند کریم اپنے رحم و کرم سے اسے نوازے گا۔ مخدوم الملۃ حضرت سید محمد کچھوچھوی معروف بہ محدث اعظم ہند حصول تعلیم کے لئے بارگاہ رضویہ میں تشریف لے گئے ہیں ایک موقعہ پر برائے تربیت امام موصوف نے جو طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ انتہائی دلچسپ اور ناموس عشق کی حرمت سے مملو ہے محدث اعظم ہند کی زبان میں ملاحظہ ہو۔

کار افتاء کے لئے جب میں بریلی حاضر ہوا۔ تو میرے اندر لکھنؤ میں آٹھ سال رہنے کی خوبو کافی موجود تھی۔ شہر کے جغرافیہ میں بازار اور تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن کی فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کر دوں۔ جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا نماز ہو گئی تو مجھے دریافت فرمایا کہاں ہیں میں بریلی کے لئے بالکل نیا شخص تھا لوگ ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے یہاں تک کہ اعلی حضرت خود کھڑے ہو گئے اور باب مسجد پر مجھکو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آکر مجھ کو مصافحہ سے نوازا۔ اس سے زیادہ کا ارادہ کیا تو میں تھرا کر گر پڑا۔ اعلی حضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے۔

(مجدد اسلام ص۱۶۱)

چنانچہ آپ نے بعد نماز جمعہ تفریح کا قصد فرمایا اور ایک پان کی دوکان پر پان لینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ امام احمد رضا کا انداز آپ کے ساتھ لوگ دیکھ چکے تھے اس لئے مصافحہ و دست بوسی کا سلسلہ جو شروع ہوا تو آپ کو واپس ہوتے ہی بنا۔

امام احمد رضا کا جذبۂ عشق رسول سادات کرام کی ادنیٰ سی پشیمانی پر بے پناہ مجروح ہو جاتا اور امام موصوف ایسے کسی حادثہ پر بے چین ہو کر سید زادے کی جبین سعادت کے عرق ندامت کو خلوص و وفا کی نسیم خوشگوار کے جھونکے سے سکھا نہ دیتے مطمئن نہ ہوتے اسی قسم کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

جس زمانہ میں اعلیٰ حضرت کے دولت کدے کے مغربی سمت جس میں کتب خانہ نیا تعمیر ہو رہا تھا عورتیں اعلیٰ حضرت کے قدیمی آبائی مکان میں جس میں مولانا حسن رضا خاں صاحب برادر اوسط اعلیٰ حضرت مع متعلقین تشریف رکھتے تھے قیام فرماتی تھیں اور اعلیٰ حضرت کا مکان مردانہ کر دیا گیا تھا کہ ہر وقت راج مزدوروں کا اجتماع رہتا اسی طرح کئی مہینے تک وہ مکان مردانہ رہا۔ جن صاحب کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں باریابی کی ضرورت پڑتی بے کھٹکے پہونچ جایا کرتے۔ جب وہ کتب خانہ مکمل ہو گیا مستورات حسب دستور سابق اس مکان میں چلی آئیں۔ اتفاق وقت کہ ایک سید صاحب جو کچھ دن پہلے تشریف لائے تھے اور اس مکان کو مردانہ پایا تھا پھر تشریف لائے اور اس خیال سے کہ مکان مردانہ ہے بے تکلف اندر چلے گئے جب نصف آنگن کے اندر چلے گئے تو مستورات کی نظر پڑی جو زنانہ مکان میں خانہ داری کے کاموں میں مشغول تھیں۔ انہوں نے جب سید صاحب کو دیکھا تو گھبرا کر ادھر ادھر پردہ میں ہو گئیں۔ ان کے جانے کی آہٹ سے جناب سید صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ مکان زنانہ ہو گیا ہے مجھ سے سخت غلطی ہو گئی جو میں چلا آیا اور ندامت کے مارے سر جھکائے واپس ہونے لگے کہ اعلیٰ حضرت دکھن طرف کے سائبان سے فوراً تشریف لائے اور سید صاحب کو لیکر اس جگہ پہونچے جہاں حضرت تشریف رکھا کرتے تھے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے اور سید صاحب کو بٹھا کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے جس میں سید صاحب کی پریشانی اور ندامت دور ہو۔ پہلے تو سید صاحب خفت کے مارے خاموش رہے پھر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کی کہ مجھے زنانہ مکان ہونے کا کوئی علم نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ حضرت یہ سب تو آپ کی باندیاں ہیں۔ آپ آقا اور آقازادے ہیں معذرت کی کیا حاجت ہے میں خوب سمجھتا ہوں حضرت المیان سے تشریف رکھیں۔ غرض بہت دیر تک سید صاحب کو وہیں بٹھا کر ان سے بات چیت کی، پان منگوایا ان کو کھلایا جب دیکھا کہ سید صاحب کے چہرہ پر آثار ندامت نہیں ہیں اور سید صاحب نے اجازت چاہی تو ساتھ ساتھ تشریف لائے اور باہر کے پھاٹک تک پہونچا کر ان کو رخصت فرمایا۔ (حیات اعلیٰحضرت ص ۲۰۷)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عشق و محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک سید زادے کی گذارش پر لاکھوں کے مجمع میں شکست و ذلت کو زیب گلو کرنے کا واقعہ سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید رضی اللہ عنہ کا تو تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے۔ لیکن نادانستگی اور غیر شعوری طور پر ایک مزدور سیدزادے کے کاندھے پر سواری کر لینے کے بعد ندامت و شرمساری کا انداز اور اس نادانستہ جرم پر نظر عشق کے ازالہ کا منظر امام احمد رضا کے علاوہ سے چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ علامہ ارشد القادری صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو۔

کہاروں نے پالکی اٹھائی۔ پالکی لیکر تھوڑی ہی دور چلے ہیں کہ یکایک امام اہلسنت کی آواز سنائی دیتی ہے پالکی روک دو حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا آپ لوگوں میں کوئی آل رسول تو نہیں؟ اپنے جد اعلیٰ کا واسطہ سچ بتائیے میرے ایمان کا ذوق لطیف تن جاناں کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔

اس سوال پر اچانک کہاروں میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا پیشانی پر غیرو پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی زبان سے کہا۔ مزدور سے کام لیا جاتا ہے ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آپ نے میرے جد اعلیٰ کا واسطہ دیکر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔

ابھی اس مزدور کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔

معزز شہزادے۔ میری گستاخی معاف کر دو لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے۔ ہائے غضب ہو گیا۔ قیامت کے دن اگر سرکار نے کہیں پوچھ لیا کہ احمد رضا کیا فرزند کا دوش نازنین اسی لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے تو میں کیا جواب دوں گا اس وقت بھرے میدان حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہوگی۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے۔ اسی انداز میں وقت کا عظیم المرتبت امام اس سیدزادے مزدور کی منت و سماجت کر رہا ہے اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقت انگیز تماشہ دیکھ رہے ہیں کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کر لینے کے بعد امام اہل سنت نے ایک آخری التجا پیش کی۔

چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے زیادہ وجاہت و ناموس کی قربانی عزیز ہے اسلئے لاشعوری کی ایک تقصیر کا کفارہ جبھی ہوگا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادے کو عشق جنوں خیز کی ضد پوری کرنی ہی پڑی۔

یہ منظر کس قدر دلگداز ہے۔ اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم و فضل جبہ و دستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی کی جیب کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پہ نثار کر رہا ہے۔ (اعلیٰ حضرت ص ۳۰۲)

عشق رسول کی بنیاد پر سادات نوازی اور دیوانگی کی حد تک ان کا احترام اور عزت و توقیر کا مظاہرہ جو امام احمد رضا بریلوی کے یہاں ملتا ہے صدیوں تک نظر ڈال جاتے تو بعید

مگر ایسی شخصیت نہیں دکھائی دیتی جو عشق و محبت میں سرشار ہو کر جذبات فراواں کو عملی شکل دیکر بھی زبان حال سے یہ عرض کرے کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

ایک سید صاحب بہت غریب مفلوک الحال تھے عسرت سے بسر ہوتی تھی اسلئے سوال کیا کرتے تھے مگر سوال کی شان عجیب تھی جہاں جاتے فرماتے "دلوادو ایک سید کو" ایک دن اتفاق وقت کی پھاٹک میں کوئی نہ تھا۔ سید صاحب تشریف لائے اور سیدھے زنانہ دروازہ پر پہونچ کر صدا لگائی دلوادو سید کو۔ اعلیٰ حضرت کے

پاس اسی دن ذاتی اخراجات علمی یعنی کتاب کا غذ وغیرہ داد و دہش کے لئے دو سو روپے آئے تھے۔ جسمیں نوٹ بھی تھے اور اٹھنی چونی پیسے بھی تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو صرف فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت نے آفس بکس کے اس حصے کو جسمیں یہ سب روپئے تھے سید صاحب کی آواز سنتے ہی ان کے سامنے لاکر حاضر کر دیا اور ان کے روبرو دلئے ہوئے کھڑے رہے جناب سید صاحب دیر تک ان سب کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ایک چونی لے لی۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا حضور یہ سب حاضر ہیں سید صاحب نے فرمایا مجھے اتنا ہی کافی ہے۔ الغرض جناب سید صاحب ایک چونی لیکر سیڑھی پر سے اتر آئے اور اعلیٰ حضرت بھی ساتھ ساتھ تشریف لائے۔ پھاٹک پر ان کو رخصت کر کے خادم سے فرمایا۔ دیکھو سید صاحب کو آئندہ سے آواز دینے صدا لگانے کی ضرورت نہ پڑے۔ جس وقت سید صاحب پر نظر پڑے ایک چونی حاضر کر کے سید صاحب کو رخصت کر دیا کرو۔ سبحٰن اللہ و بحمدہ تعظیم سادات ہو تو ایسی ہو۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۰۴)

اسی واقعہ کو مخدوم الملتہ حضور محدث اعظم ہند نے بھی اپنے انداز میں بسلسلۂ جشن یوم ولادت امام احمد رضا بریلوی منعقدہ ناگپور کے خطبۂ صدارت میں بیان فرمایا ہے، جسے مدنی تجلیات ناگپور نے مجدد اعظم نمبر میں شائع کیا ہے۔

راہرو رہ عشق کے مختلف انداز ہیں جو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادوں کی تعظیم و توقیر اور عشق و محبت کے جذبات کے ذریعہ نذر عقیدت پیش کر کے ناموس عشق کا سر بلند کر رہا ہے۔

حضور کے یہاں مجلس میلاد مبارک میں سادات کرام کو بہ نسبت اور لوگوں کے دوگنا حصہ بروقت تقسیم شیرینی ملا کرتا تھا۔ اور اسی کا اتباع اہل خاندان بھی کرتے ہیں۔ ایک سال بہ موقع بارہویں شریف۔ ماہ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود جان صاحب علیہ الرحمہ کو خلاف معمول یکہرا حصہ یعنی دو طشتریاں شیرینی کی بلا قصد پہونچ گئیں۔ موصوف خاموشی کے ساتھ حصہ لیکر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا حضور کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا فرمایا سید صاحب تشریف رکھئے اور تقسیم کرنے والے کی فوری طلبی ہوئی اور سخت اظہار ناخوشی فرماتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا۔ ابھی ایک سینی (خوان) میں جس قدر حصے آسکیں بھر کر لاؤ چنانچہ فوراً تعمیل ہوئی۔ سید صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا۔ ہاں قلب کو ضرور تکلیف ہوئی جسے برداشت نہ کر سکا۔ فرمایا سید صاحب یہ شیرینی تو آپ کو قبول کرنا ہی ہوگی۔ ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی اور قاسم شیرینی سے کہا کہ ایک آدمی کو سید صاحب کے ساتھ کر دو جو اس خوان کو مکان تک پہونچا آئے انہوں نے فوراً تعمیل کی۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۰۳)

یہ تو سادات کرام کو عام لوگوں سے ممتاز کرنے والا ایک واقعہ تھا۔

اب دوسرا واقعہ ملاحظہ فرمایئے عشق کی نظر میں چھوٹے بڑے کا سوال نہیں اٹھتا بلکہ جذبات کی لہریں ہر ایک کو شاداب کرتی ہیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک کم عمر صاحبزادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لئے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید زادے ہیں لہٰذا گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ صاحبزادے صاحب سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادے ہیں کھانا وغیرہ اور جس شے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے جس تنخواہ کا وعدہ ہے وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔ چنانچہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی کچھ عرصہ کے بعد وہ صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے۔

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۰۱)

سطور بالا میں درج کئے گئے دو چار واقعات دیکھنے میں بہت عام اور سادے معلوم ہوتے ہیں لیکن تھوڑا سا غور و فکر کیا جائے تو ہر واقعہ کے مختلف گوشے ہیں اور دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ اب ہم امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل ارشاد پر اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ آپ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضور کسی سید زادے کو استاد مار سکتا ہے یا نہیں؟ استفسار کا بصیرت افروز جواب ملاحظہ فرمایا جائے۔

قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اسکے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا۔ لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت کرے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اسکو تو یہ حکم تا بہ معلم چہ رسد (الملفوظ مکمل صفحہ ۲۱)

امام موصوف کے تمام واقعات ہمیں درس عبرت دیتے ہیں کہ سادات کرام کے ساتھ محبت و عزت، عزت و توقیر، تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آنا چاہئے ایسا کرنے سے نہ صرف یہ کہ امام احمد رضا کے نقش قدم پر ہم گامزن ہوں گے بلکہ امام احمد رضا کے ارشادات اور ان کے اعمال کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایسا کر کے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ خداوند کریم ہمیں سادات کی عزت و توقیر کرنے اور محبت و عقیدت رکھنے کی توفیق رفیق بخشے آمین۔ ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا ؛ تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

شاعر مفکر کون تھا قائد مدبر کون تھا
آزادیٔ اقوام کا یا سیدی احمد رضا

سیاسیات

۱ امام احمد رضا کی دینی وسیاسی بصیرت

۲ امام احمد رضا اور جنگ آزادی

۳ امام احمد رضا اور قومی و شرعی ایمرجنسی

۴ امام احمد رضا کا آفاقی پیغام

امام احمد رضا کی
دینی و سیاسی بصیرت

علامہ سید الزماں حمدوی
پرنسپل عابدہ ہائی اسکول مظفر پور

دینِ حق کی ابتدا و ارتقا پر غایر نگاہ ڈالئے پھر اس کے عروج و نزول اور بلندی و پستی پر جو وقتاً فوقتاً مختلف اوقات میں لاحق ہوتی رہیں توجہ خصوصی کیجئے تو یہ بات بہ خوبی واضح ہو جائے گی کہ خلاقِ کائنات کی حکمت بے پایاں اور مشیت ایزدی نے دینِ متین کو ہمیشہ امتحان و ابتلا کی منزلوں میں رکھا ہے۔ آخر اس میں رازِ قدرت اور فلسفہ الٰہی کیا ہے اسے جاننے کے لئے قرآن حکیم کی آیات کا مطالعہ ہمارے اور آپ کے لئے بے حد مفید ہوگا۔

بہ الفاظ دیگر سیدھے سادے جملوں میں یہ بات آپ اپنے ذہن کے گوشوں میں محفوظ فرمالیں کہ خیر و شر کی جنگ اور حق و باطل کا معرکہ روزِ اول ہی سے مختلف انداز اور مختلف صورت میں جاری رہا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں اگر ان کی ابتدا معلوم ہے تو انتہا سے بھی واقفیت ضرور حاصل ہے۔ لیکن حق و باطل، نیکی و بدی اور کفر و ایمان کی جنگ کا آغاز تو معلوم ہے لیکن اس کی انتہا معلوم نہ ہو سکی۔

حق و باطل کی جنگ!

حق و باطل کی جنگ کا آغاز حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام اور شیطان ابلیس کے درمیان

تخلیق آدم کے بعد ہی سے ہے لیکن بنی نوعِ انسان یعنی ذریاتِ حضرت آدم کے مابین یعنی خود انسان ہی میں کسی قسم کے دینی و اعتقادی اختلاف کا وجود کب سے ہے شیطان لعین نے ذریاتِ آدم کے درمیان اس اختلاف کا بیج کب سے بویا۔ اس ضمن میں تاریخی و علمی حقائق اس طرح شاہد ہیں کہ حضرت سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ السلام کے آغازِ خلافت و رسالت سے حضرت سیدنا نوح علی نبینا وعلیہ السلام کے عہدِ اولین تک تمام انسان اور اولادِ آدم ایک دینِ اسلام پر متحد و متفق تھے۔ ان میں کسی بھی قسم کا دینی و اعتقادی اختلاف رونما نہیں ہوا تھا لیکن حضرت نوح علیہ السلام کا دور ہی وہ دور ہے جہاں سے اختلاف عقاید کا آغاز ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان اختلافات کی تیرہ و تار دادی میں حقانیت و صداقت کا روشن سورج بنا کر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ خیر و شر اور نور و ظلمت کی تمیز نوعِ انسانی کے لئے دشوار نہ ہو سکے اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن حکیم کی ان مقدس آیتوں کا مطالعہ کیجئے۔

عہد نوح علیہ السلام و اختلافِ عقاید

ارشادِ ربانی ہے: کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (لوگ ایک دین پر تھے) سورۂ بقرہ پارۂ سیقول کی اس آیتِ کریمہ کی تشریح تفسیر خزائن العرفان میں اس طرح ہے "لوگ ایک دین پر تھے حضرت آدم (علیہ السلام) کے زمانہ سے عہد نوح تک سب لوگ ایک دین اور ایک شریعت پر تھے۔ پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا یہ بعثت میں پہلے رسول ہیں (بحوالہ خازن)

تفسیر خازن کی عبارت کا ترجمہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اختلافِ انسانی کا آغاز عہدِ نوح علیہ السلام سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف دین اور عقیدہ ہی کا اختلاف تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں سورۂ نوح کی تلاوت اس کی مزید تشریح و توضیح کے لئے دلیلِ کافی اور برہانِ وافی ہے۔ اس ضمن میں مزید وضاحت کے لئے قرآنِ حکیم کی دوسری آیت کو باعثِ شرف نگاہ بنائیے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِہٖ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

پھر اللہ نے انبیا بھیجے خوشخبری دیتے ایمانداروں اور فرماں برداروں کو ثواب کی اور ڈر سناتے کافروں نافرمانوں کو عذاب کا اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری (جیسا کہ حضرت آدم و شیث و ادریس پر صحائف اور حضرت موسیٰ پر توریت، حضرت عیسیٰ پر انجیل اور خاتم الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے اور کتاب میں اختلاف انہیں نے ڈالا جن کو دی گئی تھی۔ یہ اختلاف تبدیل و تحریف اور ایمان و کفر کے ساتھ تھا جیسا کہ یہود و نصاریٰ سے واقع ہوا بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے یعنی یہ اختلاف نادانی سے

سے نہ تھا بلکہ آپس کی سرکشی سے تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے ـــــ

مذکورہ بالا آیات کی تشریح و توضیح میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے ترجمہ کنز الایمان اور حضرت صدر الافاضل کی تفسیر خزائن العرفان دونوں کو یکجائی صورت میں پیش کرنے کی جرأت افہام و تفہیم کی سہولت اور تسلسل و روانی کے برقرار رکھنے کی خاطر کی گئی ہے۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا ماخذ جلالین۔ بیضاوی، خازن اور مدارک جیسی اہم بالشان تفسیریں ہیں۔

چنانچہ قارئین کے طمانیت قلب کی خاطر جلالین و بیضاوی کی عبارتیں بھی نقل کی جا رہی ہیں۔ جلالین شریف کی عبارت اس طرح ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (علی الایمان)[25] لوگ ایک دین پر تھے یعنی ایمان پر تھے۔

فاختلفوا فآمن بعضٌ ۔۔۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا پس بعض ایمان لائے

وَكَفَرَ بعضٌ ـــ ۔۔۔ اور بعض نے کفر کیا۔

جلالین شریف میں عَلَى الْإِيمَان پر ایک حاشیہ درج ہے اُسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بَعْدَ الطُّوفَانِ اَوْ فِيمَا بَيْنَ آدَمَ وَاِدْرِيسَ مُوَحِّدِينَ مُتَمَسِّكِينَ بِدِينِهِ اِلَّا جَمْعٌ قَلِيلٌ مِنْ قَابِيلَ وَتَابِعِيهِ اِلٰى زَمَنِ اِدْرِيسَ۔

ـــ لوگوں کے درمیان اختلافِ عقائد طوفانِ نوح کے بعد ہوا یا حضرت آدم اور ادریس علیہما السلام کے عہد کے درمیان پہلے وہ سب خدا کو ایک ماننے والے تھے اور اس کے دین کو مضبوطی سے حضرت ادریس کے زمانے تک پکڑنے والے تھے مگر قابیل اور اس کے تابعین کی ایک مختصر جماعت اس سے الگ تھی ـــ

تفسیر بیضاوی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ـ مُتَّفِقِينَ عَلَى الْحَقِّ فِيمَا بَيْنَ آدَمَ وَاِدْرِيسَ وَنُوحٍ ـ اَوْ بَعْدَ الطُّوفَانِ ـ اَوْ مُتَّفِقِينَ عَلَى الْجَهَالَةِ وَالْكُفْرِ فِي فَتْرَةِ اِدْرِيسَ وَنُوحٍ ـ

ـــ لوگ ایک جماعت تھے۔ آدم و ادریس و نوح کے عہدِ رسالت کے درمیان حق پر متفق تھے۔ یا طوفانِ نوح کے بعد۔ یا حضرت ادریس اور نوح کی بعثت سے قبل جہالت و کفر پر متفق تھے جبکہ وحی کا سلسلہ بند تھا ـــ

مُتَّفِقِينَ عَلَى الْجَهَالَةِ پر حاشیہ تفسیر بیضاوی کا ایک نوٹ خصوصی طور سے مطالعہ کے لائق ہے۔

قَوْلُهٗ اَوْ مُتَّفِقِينَ الخ وَضُعِّفَ بِاَنَّهٗ لَمْ يُعْلَمِ الْاِتِّفَاقُ عَلَى الْكُفْرِ حَتّٰى لَا يَكُونَ مُؤْمِنٌ اَصْلًا فِي عَصْرٍ مِنَ الْاَعْصَارِ فَتَاَمَّلْ وَيُمْكِنُ اَنْ يُقَالَ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً مُسْتَعِدِّينَ لِقَبُولِ الْحَقِّ مَوْلُودِينَ عَلَى الْفِطْرَةِ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَاخْتَلَفُوا

ـــ بیضاوی کا یہ قول کہ جہالت و کفر پر متفق تھے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ کفر پر (بنی نوع انسانی کا) متفق ہونا معلوم نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو زمانوں میں سے کسی بھی زمانہ میں کسی مومن کا وجود قطعی نہ ہوگا (یہ بات بعید از قیاس ہے) غور و فکر لازمی ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ کہا جائے کہ لوگ ایک جماعت تھے اور حق کے قبول کرنے کی استعداد رکھنے والے تھے فطرت پر پیدا کئے جاتے تھے۔ پس ان کے لئے شیطان نے اُن کے عملوں کو آراستہ و پیراستہ کر دیا پس اُن کو راہِ حق سے روک دیا پھر وہ لوگ مختلف ہو گئے ـــ

مذکورہ بالا آیتیں اور اُن کی تشریحات سورۂ بقرہ سے پیش کی گئیں جن سے بہت حد تک یہ بات واضح اور روشن ہو چکی کہ اختلافِ عقائد کا نزاع، حق و باطل کی معرکہ خیزی اور خیر و شر کی کشمکش حضرت نوح علیہ السلام کے دور ہی سے چلی آ رہی ہے۔ حکمتِ ربانی اور مشیتِ الٰہی یہی تھی۔ اس ضمن میں مزید تشریح و توضیح کے لئے سورۂ یونس کی اس آیتِ کریمہ پر غور فرمائیں۔ جن سے حکمتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی کا تقاضا سامنے آتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے جس کے ترجمہ و تفسیر میں ترجمۂ رضویہ اور تفسیر نعیمی کو ایک ساتھ ملا کر محض مطلب کے سمجھنے میں آسانی کے لئے نقل کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ـــ

اور اگر تمہارا رب چاہتا۔ زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے یعنی ایمان لانا سعادتِ ازلی پر موقوف ہے۔ ایمان وہی لائیں گے جن کے لئے توفیقِ الٰہی مساعد ہو اس میں سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلّی ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ سب ایمان لے آئیں اور راہِ راست اختیار کریں پھر جو ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں ان کا آپ کو غم ہوتا ہے۔ اس کا آپ کو غم نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ازل سے جو شقی ہے وہ ایمان نہ لائے گا تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کرو گے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کو قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور اس کی مشیت سے۔ اور ایمان میں زبردستی نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایمان ہوتا ہے۔ تصدیق اور اقرار سے اور جبر و اکراہ سے تصدیقِ قلبی حاصل نہیں ہوتی ـــ

صاحبِ جلالین کی ایک مختصر عبارت ملاحظہ کیجیے۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ بِمَا لَمْ يَشَاءِ اللّٰهُ مِنْهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ـ لا

ـــ کیا آپ لوگوں پر زبردستی فرمائیں گے اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اُن سے نہ چاہا تاکہ وہ مومن ہو جائیں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

قرآنِ حکیم کی ایک تیسری آیت بھی پیشِ نظر رکھیں جس کے ترجمہ و تفسیر میں کنز الایمان کا ترجمہ اور خزائن العرفان کی تشریح یکجا کر دی گئی ہے۔ خالقِ کائنات اللہ عزوجل

کا ارشادِ ناطق ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی اُمّت کر دیتا تو سب ایک ہی دین پہ ہوتے (لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اس لئے آپ) اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے کوئی کسی دین پر کوئی کسی دین پر مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور وہ دینِ حق پر متفق رہیں گے. اور اس میں اختلاف نہ کریں گے. اور لوگ اسی لئے بنائے ہیں یعنی اختلاف والے اختلاف کے لئے اور رحمت والے اتفاق کے لئے اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا جنوں اور آدمیوں کو ملا کر کیوں کہ اس کو علم ہے کہ باطل کے اختیار کرنے والے بہت ہوں گے —

سورۂ ہود کی مذکورہ بالا آیت کے سلسلہ میں صاحب جلالین کی مخصوص تحریر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ اس سے تفسیرِ خزائن العرفان کی مزید تائید ہو سکے.

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (أَهْلَ دِينٍ وَاحِدٍ) وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ (فِي الدِّينِ) إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ (أَرَادَ لَهُمُ الْخَيْرَ فَلَا يَخْتَلِفُونَ فِيهِ) وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (أَيْ أَهْلَ الِاخْتِلَافِ لَهُ وَأَهْلَ الرَّحْمَةِ لَهَا) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ (وَهِيَ) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ (الْجِنِّ) وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ———

قارئینِ کرام! مجھے مذکورہ بالا تحریر سے صرف یہی بتانا مقصود ہے کہ اختلافِ عقائد اور معرکۂ حق و باطل کوئی نئی چیز نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ محض اُسے وقتی اور جزوی شے سمجھ کر اس سے چشم پوشی یا پہلو تہی کر لی جائے۔ بلکہ آیاتِ کریمہ نے عقلِ انسانی پر یہ بات اچھی طرح واضح اور آشکارا کر دی کہ نوح علیہ السلام کے عہدِ مسعود ہی سے حق و باطل کی آویزش اور اختلافِ عقائد کا معرکہ عالمِ انسانی میں نظر آ رہا ہے۔ پھر حکمتِ الٰہیہ اور منشاءِ ربانی نے اس کی مدافعت ....

اور اصلاح کے لئے جس طریقہ کار کو پسند فرمایا وہ بھی آیاتِ بالا سے واضح ہے. خلاقِ کائنات یقیناً اس بات پر قادر ہے. کہ اختلاف کا وجود ہی نہ ہونے دیتا اور دنیا کے تمام انسان ایک دینِ حق پر گامزن ہوتے. لیکن اس نے ایسا نہیں فرمایا. یقیناً اس میں بھی خلاقِ دوعالم کی عظیم مصلحت اور عظیم حکمت ہے. خیر و شر، حق و باطل، جنت و جہنم. ثواب و عقاب اور کفر و ایمان کے منازل و مدارج بھی تو حکمتِ الٰہیہ پر مبنی ہیں.

پھر مرسلینِ عظام اور ہادیانِ کرام کی بعثتِ طیبہ اور ان کے عمل جدّ و جہد کی منزلیں پھر ان پر بے پایاں ثواب کا ترتب بھی تو مشیتِ ربانی کا ایک عظیم شاہکار ہیں جن کا وجود ایسی صورت میں ممکن ہے. جب اختلافِ عقائد اور حق و باطل کی معرکہ خیزی تمام وجود میں نظر آئے.

سلسلۂ حربِ عقاید اور فتنۂ ارتداد.....

قرآنِ حکیم کے واضح الفاظ سے اس غیبی یقینی خبر کی اطلاع بھی ملتی ہے کہ حق و باطل کے معرکہ کی یہ اعتقادی جنگ جب سے ستیزہ کار رہی اُس وقت سے اب تک جاری ہے. یہاں تک کہ عقاید حقّہ و باطلہ کی جنگ اس آخری اُمت یعنی اُمتِ مُسلمہ میں بھی جاری رہے گی. دینِ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد بھی کچھ لوگ ارتداد (دین سے مُرتد ہونے) کی راہ اختیار کریں گے.

قرآن پاک کے وُجوہ اعجاز میں سے ایک اہم وجہ" اخبار بالغیب "غیب کی خبریں دینا ہے. قرآن کریم کی اِس غیبی خبر کے مُطابق "مرتدّین" کی جماعت ظاہر ہوتی رہی ہے. اس کے ثبوت کے لئے نہ آپ کو دُور جانے کی ضرورت ہے. اور نہ آج کی خبر پوچھنے کی حاجت ہے. صدرِ اوّل کی اوّلین منزل خلیفۂ اوّل کی خلافت کے آغاز ہی میں ارتداد کا فتنہ رونما ہوا اور منکرینِ زکوٰۃ کی ایک جماعت نکل آئی. خلیفۂ اسلام سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سریر آرائے خلافت ہوتے ہی اس فتنۂ عظیم کے مدِ مقابل آئے اور اُنہیں بوجہِ حسن اور بہ رنگ تشدد اس فتنہ سے نمٹنا پڑا اور آج تک یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا. اور یہ حدیث حدیث منقطع نہیں بلکہ مُسلسل ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز... چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اب سورۂ مائدہ شریف کی اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت سے شرف حاصل کیجئے.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ الخ

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا۔ کفّار کے ساتھ دوستی و موالات بے دینی و ارتداد کی مستدعی ہے. اس کی ممانعت کے بعد مرتدین کا ذکر فرمایا اور مرتد ہونے سے قبل لوگوں کو مرتد ہونے کی خبر دی. چنانچہ یہ خبر صادق ہوئی اور بہت سے لوگ مرتد ہوئے تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا. مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت — اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والوں کا اندیشہ نہیں کریں گے —

یہ صفت جن کی ہے وہ کون ہیں؟. اس میں کئی قول ہیں. حضرت علی مرتضیٰ و حسن و قتادہ نے کہا کہ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب ہیں. جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہونے اور زکوٰۃ کے منکر ہونے والوں پر جہاد کیا. عیاض بن غنم اشعری سے مروی ہے. کہ جب یہ آیت نازل ہوئی. سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی نسبت فرمایا کہ یہ اُن کی قوم ہے. ایک قول یہ ہے کہ یہ

لوگ اہل یمن ہیں جن کی تعریف بخاری و مسلم کی حدیثوں میں آئی ہے۔ سُدی کا قول ہے کہ یہ لوگ انصار ہیں جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی (خدمت کی) اور ان اقوال میں کچھ منافات نہیں کیونکہ ان سب حضرات کا ان صفات کے ساتھ متصف ہونا صحیح ہے۔ اس جگہ بھی رضوی ترجمہ اور تفسیر نعیمی کو یکجا پیش کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تائید کے لئے جلالین شریف کی اس عبارت کا مطالعہ فرمائیے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ (بِالْفَكِّ وَالْاِدْغَامِ) يَرْجِعْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ اِلَى الْكُفْرِ اِخْبَارٌ بِمَا عَلِمَ تَعَالٰى وُقُوْعَهٗ وَقَدْ اِرْتَدَّ جَمَاعَةٌ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بَدَلَهُمْ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ قَوْمُ هٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِیْ صَحِيْحِهٖ اَذِلَّةٍ عَاطِفِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ اَشِدَّاءَ عَلَى الْكُفَّارِ يُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ فِيْهِ كَمَا يَخَافُ الْمُنَافِقُوْنَ لَوْمَ الْكُفَّارِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْاَوْصَافِ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ كَثِيْرُ الْفَضْلِ عَلِيْمٌ بِمَنْ هُوَ اَهْلُهٗ

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا (یرتد کی قرأت فک کے ساتھ بھی ہے یعنی دونوں دالوں کے ساتھ اور ایک قرأت ادغام کے ساتھ بھی ہے یعنی ایک مُشدد دال کے ساتھ) یعنی جو کوئی اپنے دین سے کفر کی طرف لوٹے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کی خبر دی گئی ہے جس کا واقعہ ہونا علمِ الٰہی میں طے ہو چکا ہے چنانچہ حضور جانِ نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ایک جماعت مرتد ہو گئی۔ تو عنقریب مرتد ہونے والوں کے عوض میں ایسی قوم کو منصۂ شہود پر ظاہر فرمائے گا جن کو اللہ تعالیٰ محبوب بنائے گا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت فرمائیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے یہ ظاہر ہونے والے حضرات مومنین کے حق میں نہایت ہی رحیم و مہربان ہوں گے اور کافروں پر نہایت ہی سخت و شدت کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی راہ کے مجاہد ہوں گے اور اس دینی مجاہدہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ خاطر میں نہیں لائیں گے جس طرح منافقین کافروں کی ملامتوں سے ڈرتے ہیں یہ مذکورہ اوصاف مولیٰ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ کثیر و واسع الفضل ہے اور وہ اس فضل کے اہل کو خوب جانتا ہے ــــــ

مذکورہ بالا آیتوں کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ خود ایمان کا دعویٰ کرنے والوں اور بظاہر اسلامی لبادہ اوڑھنے والوں میں بھی مرتدین کی ایک جماعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ فرمائی کے فوراً بعد صحابۂ کرام کے عہدِ اوّلین ہی میں ظاہر ہوئی جس کے مقابلہ اور سدِّ فتنہ کے لئے خود صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صف آرا ہوئے۔ معرکہ جہاد میں فی سبیل اللہ مجاہدین بن کر نظر آئے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا قطعی اندیشہ نہیں کیا یہی وہ حضرات ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنے مخصوص فضل سے نوازا اور خالقِ کائنات کی بے انتہا عنایتوں نے انہیں سارے عالم سے ممتاز بنا دیا۔

نفاق، کفر سے زیادہ خطرناک ہے!

قانونِ الٰہی کی اس عظیم دفعہ سے کسی کو بھی انکار کی قطعی گنجائش نہیں کہ نفاق کی صفت کفر کی صفت سے زیادہ خطرناک ہے اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ خصوصاً دین میں اختلاف اور عقاید میں فساد کا فتنہ تو اس قدر مُہلک اور مُضر ہے جس کی شناخت اہلِ علم اور اہلِ بصیرت حضرات کے علاوہ دوسروں کے بس کی بات نہیں اختلافِ دین اور فسادِ عقاید کے فتنہ سے نبرد آزما ہونے کے لئے اور اس فتنۂ عظیم کا مجاہدانہ مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ اپنے نیک بندوں میں سے کسی مخصوص بندہ کو منتخب فرماتا ہے پھر مولیٰ تعالیٰ اُسے اپنی تائید خصوصی سے نوازتا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ اعزازِ دین اور فروغ شریعت کا وہ عظیم کارنامہ انجام پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست ؞ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ میں صرف اسی امر پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ محض ارتداد کی خبر دے کر سکوت فرما لیا گیا ہو۔ حاشا و کلّا ایسا ہرگز نہیں بلکہ ایک ایسی جماعت کے ظہور پذیر ہونے کی بھی اطلاع دی گئی جو ہر لحاظ سے برگزیدہ اور پسندیدہ جماعت ہوگی پھر اس کارگاہِ کائنات میں ان کا فعل و عمل کیا ہوگا۔ ان صفتوں کو بھی واضح کر دیا گیا کہ وہ حضرات عرصاتِ جد و جہد میں اپنی پامردی استقامتِ دینی اور عزیمانہ شان کے ساتھ ہمیشہ مشغولِ کار رہیں گے۔ وہ کسی کے بُرا بھلا کہنے اور ملامت کرنے سے بے نیاز ہو کر اپنی لگن میں مست رہیں گے۔ ان کے کاموں کا سلسلہ جاری رہے گا اور انہیں جنگی آثار اور چڑھاؤ کا مطلقاً کوئی ڈر اور اندیشہ نہیں ہوگا۔ یہ نفوسِ قدسیہ ہر آن اور ہر حال میں مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ کو اپنا شعارِ زندگی اور وظیفۂ حیات بناتے ہوئے اپنے قدموں کو تیز سے تیز تر کرتے رہیں گے اور ان کے تارِ نفس کا سلسلہ رضائے مولیٰ کی حبلُ المتین کے ساتھ ہر حال میں وابستہ نظر آئے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور میثاقِ خصوصی کا تذکرہ فرمایا جس کے مطالعہ کا شرف آپ کے لئے سلسلۂ تحریر میں مفید ثابت ہوگا۔ سورۂ آلِ عمران شریف کے اختتام کے قریب اس میثاق کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ

۔ اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا اُن سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اُسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اُسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے تو کتنی بُری خریداری ہے ۔

ترجمہ کے بعد اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

" اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا اُن سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا ۔ اللہ تعالیٰ نے علمائے توریت و انجیل پر واجب کیا تھا کہ ان دونوں کتابوں میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرنے والے جو دلایل ہیں وہ لوگوں کو خوب اچھی طرح مشرح کر کے سمجھا دیں اور ہرگز نہ چھپائیں تو انہوں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے اور رشوتیں لیکر حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپایا جو توریت و انجیل میں مذکور تھے تو کتنی بُری خریداری ہے ۔ علم دین کا چھپانا ممنوع ہے ۔ حدیث شریف میں آیا کہ جس شخص سے کچھ دریافت کیا گیا جس کو وہ جانتا ہے اس نے اس کو چھپایا روز قیامت اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی ۔

(مسئلہ) علماء پر واجب ہے کہ اپنے علم سے فائدہ پہونچائیں اور حق ظاہر کریں اور کسی غرض فاسد کے لئے اس میں سے کچھ نہ چھپائیں "۔

عہد و میثاق کی صورتیں

حضرات گرامی ! اگر آپ قرآن کریم کی تلاوت کا ذوق رکھتے ہوں گے اور اس سعادت کا لطف ہر صبح و شام اٹھاتے ہوں گے تو اس میں جابجا کچھ عہود ، مواثیق کے تذکرہ کی آتیں بھی پڑھی ہوں گی ۔ ان میں حسب ذیل باتوں پر عہد و میثاق کا تذکرہ ملا ہوگا ۔

(۱) توحید الٰہی و ربوبیت باری کا عہد :- اس ضمن میں جو آیت کریمہ ہے اس کا یہ جزو " اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی " (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ۔ سبھوں نے کہا ہاں کیوں نہیں) عوام و خواص کی زبان زد ہے ۔

(۲) رسالت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثنا کا عہد میثاق :- یہ میثاق انبیائے کرام سے ابلغ نظام اور افصح کلام کے ساتھ ہی خصوصی طور پر لیا گیا ۔ یقیناً انبیائے عظام کی تخصیص تعمیم اُمم کی خاطر تھی کیونکہ جس کے امام کو رسالت عامہ کا پابند کیا گیا ہو اُن کے مقتدی اس قید سے کس طرح آزاد ہو سکتے ہیں اُمتوں کے انبیا جس عہد میں داخل ہیں اُن کی اُمتیں اس میں کیسے داخل نہیں ہوں گی ، یہی مفہوم عقلی ہے جس کا انکار سراسر بد عقلی اور ناسمجھی کے سوا کچھ نہیں ۔ گویا ان دونوں میثاقوں کا مفاد ہی کلمۂ اسلام کی اصل اور بنیاد ہے ۔ اس کو یوں سمجھئے کہ میثاقِ اوّل میں لا الٰہ الا اللہ کا بیان ہے اور دوسرے میں محمد رسول اللہ کا تذکرہ ہے ۔ (۳) ۔ انبیائے کرام سے تبلیغ رسالت اور تشریع شریعت کے عہد و میثاق کا بیان ۔ ظاہر ہے یہی اُن مقدس حضرات کی بعثت کا مقصد تھا اس لئے اس امر کی واضح نشاندہی قرآن حکیم کی آیات مقدسہ کرتی ہیں ۔ (۴) اُن علمائے ملت سے اخذ میثاق جو آسمانی کتابوں کے پابند ہیں :

ان حضرات سے اس قسم کا میثاق لیا گیا کہ وہ سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی رسالت عظمیٰ کے دلایل اور محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے فضایل و کمالات کی نشر و اشاعت تادم آخر کرتے رہیں اور ہرگز ہرگز ان باتوں کو کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہ چھپائیں اور اس کتمانِ و حق پوشی کے جواز کے لئے کسی مصلحتِ قومی و اعزاز سیاسی و خدمات ملی کو آڑ نہ بنائیں اور جو بھی احکام شرعیہ ہیں ان کو بہر حال جملہ مواقع و حالات میں آشکار کرتے رہیں ۔ یہی ان کی جانب سے قوم و ملک کی خدمت ہوگی اور یہی ان کی صحیح سیاسی ، اقتصادی اور ملی خدمات ہوں گی ۔ نازک سے نازک موقعہ پر بھی اس کو فراموش نہ کریں ۔ جان جائے تو جائے مگر عظمتِ سرکار دو عالم پر حرف نہ آنے دیں بلکہ اس قسم کے شک و شائبہ کو بھی اس میں دخل نہ ہونے دیں ۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ؎ ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

نوعِ انسانی کی تقسیم

ان مذکورہ بالا چاروں عہدوں اور میثاقوں پر خصوصی توجہ کیجئے پھر جملہ مذاہب و ادیان کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے خصوصاً مذہب اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ پر نظر عمیق فرمایئے تو انسانی جماعت دو گروہوں میں منقسم نظر آئے گی اور رہ نمایانِ مذاہب و ادیان دو فرقوں میں بٹے ہوئے دکھائی دیں گے ۔

یہ حقیقت ہے کہ انہی عہود و مواثیق کی بنیاد نے نوعِ انسانی کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں ایک جماعت "علمائے حق" کی ہے اور دوسری جماعت علمائے سُو کی ہے علمائے حق ہمیشہ اپنے اعمال و اقوال و احوال سے حق کی اشاعت کرتے رہے ۔ اور کتمانِ حق کی معصیت سے کوسوں دور رہے ۔ علمائے سو کا ہمیشہ اس کے برعکس عمل رہا ۔

علمائے سُو کی دیدہ دلیری

عالموں کی یہ بدترین جماعت جنہیں علمائے سُو کہا جاتا ہے اسلام اور ہادیٔ اسلام کی عظمت کے خلاف رہی ۔ پھر یہی اُلٹا غلط پروپیگنڈہ بھی کرتے رہے کہ علمائے خلاف اہل حق ہی فسادی ، تفرقہ انداز ، فتنہ انگیز اور شیرازۂ اُمت کو پراگندہ و منتشر کرنے والے ہیں ۔ یہ علمائے سو اپنے دفتر جرم اور سرقۂ دین کو چھپانے کے لئے قوم و ملک کی خدمات کا سیاہ نقاب اپنے سیاہ چہروں پر ڈالتے رہے ہیں ۔ حالانکہ یہ مجرمانِ حق پوش اور دُزدانِ گندم نما جو فروش اگر نئے نئے من گھڑت عقاید و اعمال اور اپنی من مانی اختراعات و بدعات سے شریعت کی صورت مسخ نہ فرماتے تو کبھی بھی افتراق ملت کی بھیانک صورت پیدا نہ ہوتی اور اُمت مسلمہ کبھی تشتت و افتراق کا شکار نہ ہوتی بلکہ ہمیشہ اتفاق و اتحاد کے مستحکم رشتہ میں منسلک اور منضبط رہتی ۔

ذرا ان اوندھی عقل والوں کی " اوندھی بات " تو ملاحظہ کیجئے کہ لوگوں کو چھوٹ دیدی جائے کہ وہ ہر دن نئے عقیدے گڑھیں اور اس کی بنیاد پر جماعت سازی کریں اس کے ماننے اور نہ ماننے پر اُخروی نجات و عدم نجات کا مدار رکھیں اور اس

سے اُمت مختلف خانوں میں بٹتی چلی جائے۔ یہ فعل عُمدہ اور مستحسن بلکہ بہت عمدہ اور بہت اچھا۔ اس سے اتحادِ اُمت میں فرق نہیں آتا۔ لیکن جہاں علمائے حق نے اس باطل عقیدہ اور فاسد رائے کی مزاحمت و مدافعت کی اور اُمت کو وحدتِ عقائد کی دعوت دی تو دین و ایمان سے عاری اور غیرت و حیا سے خالی حضرات کو تفرقۂ اُمت کا جھوٹا غم ہونے لگا ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ ؏

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

ان باطل پرست حضرات کی کھلی بد دیانتی اور حماقت انگیز طریقہ فکر پر تو نگاہ ڈالئے کہ جدید عقیدہ سازی سے حربِ عقاید کا بازار گرم کر کے اُمتِ مسلمہ کو ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے متحدہ محاذ بناتے ہیں اور دعوتِ اتحاد دیتے ہیں حالانکہ اتحادِ اُمت کے غم میں گھلنے والوں کو سب سے پہلے ایک عقیدہ صحیحہ مطابق شرع کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جب عقیدہ ایک ہوگا۔ عقاید مختلف نہ ہوں گے۔ پھر خود ہی اتفاق و اتحاد اور محبت و وداد کے رشتہ میں سبھی منسلک ہو جائیں گے۔ اور (واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا) کا دل آویز منظر دنیا کے سامنے ہوگا لیکن ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کیں است ؛؛ مقتضائے طبیعتش ایں است

بچھو کا ڈنک مارنا کینہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی طبیعت کا مقتضا ہی یہی ہے۔ یہی حال علمائے سوء کا ہے کہ بد عقیدگی، اہانت رسول تحقیر رسالت اور مسلمانوں کی دل آزاری اب کینہ کی منزل سے ہٹ کر ان کی فطرت و طبیعت بن چکی ہے۔

یہ بات آپ کے یقیناً مشاہدہ میں ہوگی۔ آپ حالات ملکی پر نظر کرنے کے بعد کبھی کبھی غور بھی فرماتے ہوں گے کہ ملک میں اتنی سیاسی جماعتیں کس طرح ظہور پذیر ہوئیں۔ ایک کانگریس کے بطن سے اتنی پارٹیاں کیسے پیدا ہو گئیں تو اس کا جواب صرف یہی ہے کہ اصول و نظریات جیسے جیسے بدلتے گئے جماعتیں بنتی گئیں۔ اسی طرح ادیان و مذاہب کے اختلاف کو بھی سمجھنا چاہیئے۔

علمائے حق کی مدح و ثنا

علمائے حق، ہادیانِ دین، غازیانِ اُمت جو اہل باطل سے برسرِ پیکار رہیں اور رہا کئے ان کی تعریف و توصیف یوں تو قرآن کریم کی بہت سی جگہوں میں ہے۔ مگر میں صرف سورۂ مجادلہ شریف کی چند آیتیں نقل کر رہا ہوں یہ آیتیں ارشادِ ربانی کا وہ آئینۂ مجلّٰی و معیار مصفّٰی ہیں جس میں مدعیوں کی صورتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور دیکھ کر اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز و شناخت پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس معیار پر جانچ اور پرکھ کر کھرے کھوٹے میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد مقدس ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

آیاتِ بالا کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمۂ رضویہ و تفسیر نعیمی پیشِ نظر ہے۔

"تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں اُن سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی یعنی مومنین سے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور اُن کی یہ شان ہی نہیں اور ایمان اس کو گوارا ہی نہیں کرتا کہ خدا و رسول کے دشمن سے دوستی کرے اس آیت سے معلوم ہوا کہ بد دینوں اور بد مذہبوں اور خدا و رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں سے مودّت اور اختلاط جائز نہیں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ والے ہوں چنانچہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے جنگ اُحد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روزِ بدر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مبارزت کے لئے طلب کیا لیکن رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس جنگ کی اجازت نہ دی اور مُصعَب بن عمیر نے اپنے بھائی عبد اللہ بن عمیر کو قتل کیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روزِ بدر قتل کیا اور حضرت علی بن ابی طالب و حمزہ و ابو عبیدہ نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ و شیبہ کو اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل کیا جو اُن کے رشتہ دار تھے خدا و رسول پر ایمان لانے والوں کو قرابت و رشتہ داری کا کیا پاس؟ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے اُن کی مدد کی۔ اس روح سے یا اللہ کی مدد مراد ہے یا ایمان یا قرآن یا جبرئیل یا رحمتِ الٰہی یا نور اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی بہ سبب اللہ کے ایمان و اخلاص و طاعت کے اور وہ اللہ سے راضی اس کے رحمت و کرم سے۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ کی جماعت کامیاب ہے۔"

جس طرح اس جگہ حزب اللہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس سے متصل اوپر کی آیتوں میں حزب الشیطان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

ان پر شیطان غالب آ گیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بے شک شیطان کا گروہ ہار میں ہے کہ جنت کی دائمی نعمت سے محروم اور

جہنم کے ابدی عذاب میں گرفتار۔ بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ لکھ چکا لوح محفوظ میں کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول حجت کے ساتھ یا تلوار کے ساتھ۔ بے شک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

قارئین کرام! قرآن حکیم کے اسلوب بیان و طرز ادا پر توجہ فرمایئے تو جگہ بجگہ آپ کو یہ بات نظر آئے گی کہ فرین و مومنین کا تذکرہ پہلو بہ پہلو ہے۔ جہاں مومنین کا ذکر ہے وہیں کافروں کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی طرح حزب الشیطان اور حزب اللہ کی متضاد اور مابہ الامتیاز صفتوں کا ذکر بھی نظر آئے گا۔

ان آیات کی روشنی میں اگر اسلامی تاریخ کا بہ نظر غایر مطالعہ کیا جائے تو آپ کو رزم گاہ عقاید میں دونوں گروہ اپنے اوصاف کے ساتھ برسر پیکار نظر آئیں گے۔ اس تاریخ کا کما حقہ، تذکرہ صدی بہ صدی کے ساتھ تحریر کرنا اس مختصر سے مقالہ کے لئے ممکن نہیں اسلئے محض تمہید اور مقصد اصلی کے ربط کی خاطر ایک اجمالی خاکہ اپنے ذہن میں مرکوز فرمایئے۔

(۱) بنی امیہ کے امرار و حکام کی بدعتوں نے جب اپنے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کئے اور اسلام کی مستقیم شاہراہ غبار آلود ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو ان بدعتوں کی تغییر و ازالہ کے لئے سربرآرائے خلافت کیا۔ جنہوں نے لوگوں کو صحیح کتاب و سنت و منہاج نبوت پر قائم کرنے کی کوشش کی اس لئے اس مقدس خلیفہ کو اسلام کا پہلا مجدد مانا جاتا ہے۔

(۲) خلق قرآن کے فتنہ کے وقت حضرت امام احمد بن حنبل کی جاں فشانیاں و قربانیاں پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کی رسوائیوں کا برداشت کرنا اظہر من الشمس ہے۔ احیائے سنت و عقیدۂ اہل سنت کی مزاحمت و دفاع میں ان کے ایمان افروز اقدام کو کبھی داستان کہن سمجھ کر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) جب یونانی فلسفہ کے تراجم عربی زبان میں ہوئے اور ان ترجموں نے مسلمانوں میں بے جا عقلیت کا جنون پیدا کر دیا پھر اسی جنون کی رو میں فرقۂ معتزلہ پیدا ہوا تو اسکے ازالہ کے لئے حجت الاسلام امام غزالی کی بیش بہا تصنیفیں حمایت حق ہی کی خاطر عالم وجود میں آئیں جس سے دنیا پوری طرح واقف ہے۔

(۴) جب تیمائی (ابن تیمیہ کی) اعتقادی بدعتوں کا شگوفہ چھوڑا گیا تو اس کے ازالہ کے لئے اس وقت کے علمائے حق نے سیف لسان و قلم دونوں کو حرکتیں دیں چنانچہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اس سلسلہ میں بہت بلند ہے اور ان کی تصنیف "شفاء السقام" معرکۃ الآراء ہے۔

(۵) سرزمین ہند میں جب الف ثانی (دوسرے ہزار) کے آغاز میں اکبری فتنہ دین الٰہی کا آغاز ہوا تو اس سلسلہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی نے جو لسانی اور جنانی جنگیں کی ہیں ان کی یاد تازہ ہے۔ اور یہ آں کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

چودھویں صدی کا عہد

مندرجہ بالا تاریخی حقائق کی روشنی میں اب چودھویں صدی کے عہد کا یعنی تیرہویں صدی کے دور آخر اور چودھویں صدی کے دور اولیں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیجئے۔ اس عہد میں ہندوستان کی سیاست کا مقام کیا تھا۔ مسلمانوں کی دینی حالت کیا تھی ان کی اقتصادی حالت رو بہ زوال تھی یا رو بہ ترقی۔ اس دور میں اسلامی عقائد کس نہج پر تھے نت نئے بدعی عقاید اور کفری خیالات اشاعت پذیر ہو رہے تھے یا نہیں۔ ان امور پر غور و فکر کیا جائے۔

مثل مشہور ہے "الاشیاء تعرف باضدادھا" چیزیں اپنی ضد دار سے پہچانی جاتی ہیں۔ اس قاعدہ کے مطابق اس عہد کے پس منظر کو جاننا اور اس کے گرد و پیش کا مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے

ہندوستان سے مغل حکومت کا اختتام اور اسکے بدلے انگریزی تسلط کا آغاز کچھ عرصہ قبل ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ انقلاب حکومت اپنی آغوش میں بہت سے فتنوں کو دبائے ہوئے رونما ہوتا ہے۔ ذرا ان فتنوں کا مختصر خاکہ ملاحظہ کیجئے۔ سب سے پہلا فتنہ نیچریت کا بنام اسلام رونما ہوا۔ یہ فتنہ کلی طور پر دبا بھی نہیں تھا کہ نیچریت کے بطن سے ندویت پیدا ہوئی۔ یہ فتنہ ایسا دل نشین و دل فریب تھا کہ اچھے اچھے اپنے وقت کے سُنّی علماء بھی اس کے فریب میں آگئے اسی کے ساتھ وہابیت و نجدیت کے عقیدہ کو زیب گلو اور تاج سر بناتے ہوئے دیوبندیت کے فتنہ نے سر اٹھایا۔ دیوبندیت کے نجی و اقتصادی نظریات کے بل بوتے پر قادیانیت نے نئی نبوت کی ترویج و اشاعت شروع کر دی۔ گویا یہ زمانہ بدعقیدگی کے احزاب کا زمانہ بنا ہوا تھا العیاذ باللہ جس طرح دار ایمان شہر مدینہ پر احزاب کفار نے جنگ مسلط کر دی تھی اسی طرح ہندوستان میں شریعت مدنیہ پر اس احزاب کفر نے حملہ بول دیا تھا، مگر بعونہ تعالیٰ احزابی جنگ میں سرکار فاتح رہے، اسی طرح شریعت نبویہ علیٰ صاحبہا التحیہ اعلیٰحضرت کے بدولت مظفر و منصور تھی۔ یہ زمانہ اکابر علماء سے خالی نہ تھا۔ اور اس عہد میں دینی و سیاسی و ملی فتنے جو مختلف انداز سے سر اٹھائے ہوئے تھے ان کی سرکوبی جزوی طور سے بعض علمائے کرام نے بھی کی لیکن ہر محاذ فتنہ پر غازیانہ قوت قلبی کے ساتھ نبرد آزما ہونے والی ذات تنہا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی ہی کی تھی۔ خالق کائنات نے بے شک و شبہ اعلیٰحضرت ہی کے حصہ میں یہ نعمت عظمیٰ مقسوم فرمائی تھی۔ یوں تو سرزمین عرب میں زین الحرم شیخ الاسلام علامہ سید دحلان اور علامہ شامی وغیرہم نے اہل نجد کی سرکوبیاں فرمائی تھیں لیکن سرزمین ہند میں تمام فتنوں کا مقابلہ اور تمام بے دین جماعتوں کی سرکوبی اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی۔

امام احمد رضا

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۱۰ / شوال ۱۲۷۲ھ کی مقدس تاریخ میں ہوئی سرزمین ہند میں بریلی شریف کا مقدس خطہ آپ کے منصۂ شہود میں آنے کی منزل قرار پایا۔ آپ نے ۱۲۸۶ھ میں علوم مروجہ درسیہ سے فراغت حاصل کی اور مسند افتاء پر بیٹھائے گئے اسی دن سے ان کی زندگی کا اگر ایماندارانہ جائزہ لیا جائے تو ان کا مجدد کامل

ہونا مہرِ نیم روز کی طرح ظاہر و آشکارا ہے۔ آپ کی تقریری و تحریری جامعیت، علوم حقّہ کی فراوانی، آپ کی مدافعانہ و مصلحانہ تصنیفات، ہر فتنہ اور ہر محاذ سے مقابلہ کے لئے آپ کی عزیمانہ شان، کتابوں کے لاکھوں صفحات پر آپ کے علمی شاہکار، تقریباً تمام اہم اور مفید عنوانات پر آپ کے علمی رسایل اور جملہ فنون پر آپ کی تصنیفیں و تشریحیں ہر اہل علم پر اس بات کو واضح و آشکار کرتی ہیں کہ خلاقِ کائنات نے جامع علوم و فنون بنا کر خاص خدمت دینی ہی کے لئے آپ کو منتخب فرمایا تھا اور ان تمام خوبیوں کا جامع ہی مجدّد وقت کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہے۔

مجھے پیشِ نظر مقالہ میں صرف اسی عنوان پر بحث مقصود ہے کہ اعلحضرت کے عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی جو تعلیمی تہذیبی، ملّی اور سیاسی حالت تھی اور مسلمانانِ ہند جس بحرانی کیفیت سے دوچار تھے۔ ایسے عالم میں اعلحضرت کا موقف کیا رہا اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی مجدّدانہ انداز میں کسطرح فرمائی۔ کیونکہ یہ امر اعلحضرت کی تصنیفات سے بخوبی واضح ہے کہ نیچریت، ندویت، قادیانیت، وہابیت اور دیوبندیت کے فتنوں کا ازالہ انتہائی محققانہ انداز میں فرمایا گیا ہے۔ اس لئے مجھے اِن عنوانات سے مفصل بحث مقصود نہیں۔ جو عنوان مقصودِ بحث ہے۔ اس پر بھی اعلحضرت کا رسالہ "المحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ" موجود ہے جس کی اشاعت ہو چکی ہے اور اعلحضرت نے اس ضمن میں بھی جس عزیمانہ شان سے صحیح فیصلہ اور درست رہنمائی فرمائی ہے — وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اعلحضرت کی قومی وسیاسی خدمات

اعلحضرت رضی اللّٰہ عنہ نے اپنے زمانہ کی جو مکھی بیدینی کا عزیمانہ مقابلہ کیا چاہے یہ بے دینی سیاست کے روپ میں اُبھری ہو چاہے مذہب کے نام پر ہو یا اصلاح قوم وملّت کے نام پر۔ نیچریت کے سلسلۂ رد میں جو کچھ آپ نے لکھا وہ بھی محفوظ ہے اگرچہ نگاہوں سے اب اوجھل ہے۔ "صمصام حسن" کے یہ چند اشعار سماعت فرمائیے جس کو خود اعلحضرت نے اپنے رسالۂ مبارکہ "المحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ" میں نقل فرمایا ہے۔ یہ رسالہ اپنے مضامین ومباحث میں بے نظیر ہے۔ اور تصانیف کی دنیا میں شاہکار رہے۔

نیچریوں کا رد

نیچریاں راست خدا در کمند .:. نیچر وقانون درا پائے بند
سر نتواند کہ زنیچر کشد .:. خط بہ خدائیش سینچر کشد
کیست سینچر سی والیس آں ست .:. گول بکول آمدہ نیچر پرست
چوں شدہ استارۂ ہند آں دغل .:. نحس وبلند آمدہ ہچو زحل
عرش وفلک جن وملک حشر تن .:. مار د جہاں جملہ غلط کرد ظن
کیست نبی پُر دلِ پُر جوش گو .:. وحی چہ باشد سخنِ جوش او
برزدہ برہم ہمہ از اصل وفرع .:. دین نو آورد ونو آورد شرع
ریشں حرام ست و دُم فرقِ زمن .:. حج حوالئے انگلینڈ بود قطع ارض
گفت بیا قوم شنو قوم من .:. ہیں سوئے اعزاز بدو قوم من
ذلت تا دین مسلمانی ست .:. دائے بر آنکس کہ نہ نصرانی ست

رسالۂ مذکورہ میں اشعار مزبورہ کے پہلے مصنف علیہ الرحمہ والرضوان نے اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حضرات انگریزوں کی خوشی کے لئے کیسے ایماسے تحریک خلافت کی مخالفت میں دینی فتوی دیکر مسلمانوں کو بہکا رہے ہیں۔

• انصاف کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کے خوش کرنے کو معاذ اللّٰہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا یا ان اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللّٰہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا مسلمان کو خدا لگتی کہنا چاہیئے۔ کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کئے یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اونچی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علمائے اہل سُنّت نے نہ کیا وہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔ کیا بکثرت رسائل ومسایل اس کے رد میں نہ لکھے گئے۔ حتی کہ اسکے بچے ندوے کے رد میں پچاس سے زاید رسایل شائع کئے جن میں جابجا اس نیم نصرانیت کا رد بلیغ بھی ہے۔ یہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔

اب ندوہ کے بارے میں رد کے اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ندویاں کیں جلوہ دراپسیج وکچری کنند : چوں بہ سنت ای رسند آں کار دیگری کنند
بخت درخت تخت دیں بیں جلوہ باصد زیب آں : پادری وسکاٹ ماسٹر برادری کنند
ساز وناز خالماں بیں نظم بزم دیں بدیں : میز واسٹیج ٹکٹ ہال وکلب گھری کنند
مفت مفتی یافت ایں عزت کہ ادرا ہمنشیں : با اماماں جج وہم جنٹ وکلکٹری کنند
زیں سگا نشہا چہ ناشہا کہ خود ایں سرکشاں : داور داور را برش گورنری کنند

اس کے بعد وہ دِل افروز ایمان انگیز روح پرور عبارت ملاحظہ کیجئے جس سے اعلحضرت کی سیاسی بصیرت اور سیاسی موقف وبنیاد ونیز مسلمانوں کے مسایل تعلیم کے متعلق ان کی رائے واصلاح ہویدا وآشکارا ہوتی ہے۔ اور آج اس کی صحت واستقامت ہر اسلامی درد رکھنے والوں کے نزدیک مسلم ہے۔

انگریزوں کی تقلید وفیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت ونیچریت سے نجات بہت دل خوش کن کلمات ہیں خدا ایسا ہی کرے مگر صرف ترک امداد والحاق سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس آگ کو بجھانے سے ملیں گے جو سید احمد خاں نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں۔ انگریزی اور وہ بے سود وتضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا کہ انہیں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو اور وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا؟ حبیا کہ

طور پر مشہود و معہود ہیں جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم و تکمیل عقاید حقہ و علوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں۔ دہریت و نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے کیا لیڈر اس میں ساعی ہیں ہرگز نہیں صرف امداد و الحاق ترک کراتے ہیں جو ظاہری تعلق ہیں اور تعلیمات کے گہرے تعلقات نہ چھڑاتے ہیں نہ چھوڑیں گے۔ کیا انہیں میں نہیں وہ لوگ جن سے پوچھا جاتا کہ صاحبزادوں کو قرآن نہ پڑھایا تو جواب دیتے کیا ان سے رسوم کے چنے پڑھوانا ہے۔ کیا اب یہ جواب نہ دیں گے کہ پرانے علم سیکھ کر کیا کھائیں کیا انہیں شبلی کے شعر بھول گئے۔ ؎

سیارے ہیں اب نئی چمک کے ∴ وہ ٹھاٹ بدل گئے فلک کے
اب صورت ملک و دیں نئی ہے ∴ افلاک نئے زمیں نئی ہے
سب بھول گئے ہیں یا سبق کو ∴ گردوں نے الٹ دیا ورق کو
القصہ یہ بات کی تھی تسلیم ∴ یعنی کہ علوم نو کی تعلیم
تدبیر شفا جو ہے تو یہ ہے ∴ اس دکھ کی دوا جو ہے تو یہ ہے
تقویم کہن سے ہاتھ اٹھائیں ∴ تہذیب کے دائرے میں آئیں
سیکھیں وہ مطالب نو آئیں ∴ یورپ میں جو ہو رہے ہیں تلقین
وہ گنج گراں دانش و فن ∴ وہ فلسفہ جدید بیکن
کیپلر کی وہ نکتہ آفرینی ∴ نیوٹن کے مسائل یقینی

اور بہ فرض غلط ایسا ہو بھی تو اکثر لیڈر کہ انہیں تعلیمات فارغہ کے بل پر لیڈر بنے کس مصرف کے رہیں گے جب وہ مردود و خود مطرود کیا اس وقت یہ شعر حالی ان ترجمان نہ ہوگا۔

جو کوئی قسلی ہو تو کچھ کام آئے ∴ مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے

نصاریٰ کی یہ غلامی کہ پیر نیچر نے تھامی لیڈر جس کے اب زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی اس کے نتائج تشبہ وضع و تحقیر شرع و شیوع دہریت و فروغ نیچریت مطابقی نہ تھے بلکہ التزامی اب اگر بعد خرابی بصرہ آنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہوں مبارک ہو اور خدا سچ کرے اور راست لائے۔

اقتباسات بالا کو غور سے مطالعہ فرمایئے صاف مسلمانوں کو اقتصادی، تعلیمی و سیاسی موقف کی صحیح ترجمانی ہے۔ انگریزوں سے مال نہ لینا اور اپنا مال انہیں دینا کیا یہ بات اقتصادی طور پر مسلمانوں کو مفلوج کرنے کی نہیں تھی۔ ایسی تعلیم جس سے مسلمان مسلمان ہی نہ رہے اور اپنے دین کی طرف سے بالکل اندھا بہرا بن جائے کیا یہ تعلیم دین کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے صحیح ہو سکتی ہے۔ اس لئے ایسی تعلیم کے مفاسد کو بیان کر کے اعلیٰحضرت نے اس کی جگہ صحیح تعلیم کی تلقین فرمائی جس سے مسلمان مسلمان رہتے ہوئے سیاسی میدان کو جولان گاہ بنائیں کوئی مضائقہ نہیں۔ جائز تمول سے کوئی حرج نہیں مسلمان رہتے ہوئے سریر آرائے سلطنت ہو جائے قدرے علیٰ ذرہ مگر دین سے یک لخت ہاتھ دھو کر بادشاہ وقت ہو جائے۔ قارون جیسا سرمایہ

اکٹھا کرلے۔ الحادی تعلیم کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرلے دنیا کے اعتبار سے یہ چیزیں لاکھ دیدہ زیب یا دل فریب ہوں مگر عند اللہ پر کاہ سے بھی کمتر و بے وزن ہے۔ اعلیٰحضرت نے اسی صحیح بنیاد کو ہر محاذ پر پیش کیا۔ میں نے تو مختصر سا اقتباس پیش کیا ہے۔ آیات ممتحنہ والا رسالہ اہل اسلام از اول تا آخر غیر جانب دارانہ مطالعہ کریں تو صاف نظر آئے گا کہ اعلیٰحضرت کی چاہت مسلمانوں کی دنیاوی و دینی امور میں بالکل وہی رہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام پاک اور اس کے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاہت رہی ہے۔ سر مو بھی شریعت کا خلاف کہیں بھی نظر نہ آئے گا ——— ایک اقتباس صفحہ ۱۶ سے اور نقل کر رہا ہوں اسے بھی زینت نگاہ بنائیں۔ ”اور تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالفت شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے عاملہ ہے جس کی تحریم پر شرع مطہرہ سے اصلا کوئی دلیل نہیں۔ دین پر قائم رہو مگر دین میں زیادت نہ کرو کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سلاطین کفار کے ہدایا قبول نہ فرمائے۔ جو وجوہ شناعت آپ نے ان مدارس میں لکھیں کہ امور مخالف اسلام حتیٰ کہ توہین حضور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام کی تعلیم داخل نصاب ہے بے شک جو اس قسم کے اسکول یا کالج ہوں ان میں نہ فقط اخذ امداد بلکہ تعلیم و تعلم سب حرام قطعی بلکہ مستلزم کفر ہے۔

.... کیا لیڈر صاحبان فہرست دکھائیں گے کہ ان برسوں کی مدت اور لاکھوں روپیوں کی اضاعت میں اتنا فائدہ مرتب ہوا۔ انہوں نے نوکریاں چھوڑیں۔ انہوں نے تجارتیں، انہوں نے زمینداریاں۔ طرفہ یہ کہ ان کے خون گرم حامی ہمدم و محرم۔ اخبارات اس ترک تعلق پر بڑے بڑے زور لگا رہے ہیں خود اپنے اخبارات و مطابع کیوں بند نہیں کرتے، ان صیغوں کو تو انگریزوں سے جو گہرے تعلقات ہیں دوسرے صیغوں کو کم ہوں گے کیا اوروں کے لئے شور و فغاں اور اپنے لئے نوش جاں .....

حیرتے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس ∴ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا ...... جو ابھارنے میں آگئے ان مصیبت زدوں پر جو گذری گذری یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے۔ ترک گاؤ کشی کی اور ترک تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں نہ ان کا کوئی انگریزی ریاست میں ملازم ہے پھر انہیں کیوں نہیں چھوڑتے ....

غور کیجئے اعلیٰحضرت کی دینی و سیاسی بصیرت کا یہ عالم تھا۔ آخر جب اس حقیقت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو خود ان رہنماؤں نے محسوس کیا اور اس سے نکلنے لگے اور بچاؤ کی دوسری راہیں اختیار کرنے کے لئے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ خیر کچھ تو بچاؤ کیا اور بچے بھی لیکن کلی طور سے مسلمان ہر محاذ میں شکست خوردہ رہے

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم ∴ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اختتام مقالہ پر تتمہ و ضمیمہ کے طور پر چند اہم ضمنی باتیں گوش گذار ہیں آپ حضرات

کی توجہ درکار ہے۔

(۱) سورۂ مایدہ شریف کی آیتوں کے مضامین میں جن محبوبان خدا و محبانِ الٰہ کے ظہور کی پیشن گوئی فرمائی گئی ہے۔ اس کا مکمل مصداق اعلیٰحضرت کی کریمانہ و مرتاض ذات موصوف باعلیٰ صفات بھی ہے آپ کی حیات طیبہ کے قولی، عملی، تصنیفی کارنامے اس حقیقت کے شاہدانِ عادل ہیں خصوصًا (لا یخافون لومۃ لائم) کے پیکر تھے۔ اظہارِ حق کے وقت ان کے دل میں خوف خدا و ہیبتِ رسالت کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ شریعتِ غرا کے مقابلہ میں اُن کا نہ کوئی اپنا تھا نہ کوئی پرایا، نہ یگانہ تھا نہ بیگانہ، نہ رشتہ تھا نہ کنبہ، نہ ہم خیال نہ مخالف، نہ پیر بھائی تھا نہ استاد بھائی "اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ" کی شرابِ معرفت زیب درجام دل تھی۔ افتا کے وقت حضورِ رب و شہود محبوبِ رب کے سوا ان کی نگاہوں کے سامنے کسی اور کی تصویر نہیں ہوتی تھی۔ محض رضائے خدا کی خاطر خدمتِ دین کا مشغلہ تھا اور کسی غرض ذاتی یا دنیاوی مفاد کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا۔ اس ہنر و خوبی کے اعتراف کے بجائے دشمنِ دین و ایمان اس کو اعلیٰحضرت کے لئے معائب و مطاعن کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ یہ سب کو العیاذ باللہ کافر کہتے ہیں۔ نہ پیر بھائیوں کو چھوڑا، نہ ہم خیال علماء کو بخشا۔ نہ متصوفوں کو نظرانداز کیا پھر ہم کس گنتی میں ہیں —

حالانکہ یہی ان کا ایمان کمال گواہی دے رہا ہے کہ آنجناب کو کسی سے ذاتی پرخاش نہ تھی نہ دنیاوی کدورت و غل و غش تھی۔ بلکہ بلا کم و کاست درد رعایت بیان شریعت ان کا کام تھا جس کی زد میں جو بھی آئے سو آئے مگر شریعت پر ضرب نہ آنے پائے اگر ایسا نہ ہوتا تو البتہ دیوبندی حضرات کہتے کہ دیکھئے میرا اور فلاں کا جرم ایک ہے لیکن ہماری تکفیر کی۔ فلاں صاحب ان کے ہم عقیدہ و ہم خیال تھے اس لئے ان کی تکفیر نہیں کی یہ دورنگی محض اغراض دنیاوی کی بنا پر ہے —

(۲) سورہ مجادلہ شریف نے فرمایا۔ اہل ایمان کا یہ حال نہ پاؤ گے کہ جو مخالفین خدا ہیں اُن سے یارانہ، دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ اگرچہ ان کے باپ، بیٹے بھائی کنبے ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔ یہی ہے جن کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا گیا ہے۔ اور "روح" سے ان کی تائید کی گئی ہے یہی اللہ تعالیٰ کے گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی بامراد و کامیاب ہے "مفہوم"

اس آیت کے مفہوم کی قبا بھی اعلیٰحضرت کے ایمانی قدِ زیبا پر زیب دے رہی ہے۔ آپ کی زندگی سے حزبُ اللّٰہی شان و حزبُ اللّٰہی کامیابی نمایاں ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی لمحہ بھر کے لئے بھی کسی دشمن خدا سے مودت، رافت، مداہنت کی بو تک آنے نہیں دی سیاسی معرکہ ہو تمدنی مسئلہ ہو، فقہی فتوی ہو، کلامی گفتگو ہو، قومی و ملی ہی خواہیوں کا تقاضا ہو ہر محاذ پر دشمنان دین سے صف آرا پائیں گے۔ مگر "حزب الشیطین" سے کہیں دوستانہ مراسم کا نام و نشان بھی نظر نہ آئے گا صرف بالانصاف اہل ایمان کو اتنی سی زحمت گوارا کرنی ہوگی کہ آیا سورہ مجادلہ شریف کی مذکورہ آیت کے مضمون کا انطباق اعلیٰحضرت کی حیات طیبہ پر ہوتا ہے یا نہیں۔ محنت کش طالب حق کا اپنی طلب کے اختتام پر صرف ایک جواب ہوگا۔ ضرور ضرور انطباق ہے اور کامل انطباق ہے جس میں ذرا بھی خلا نہیں۔

سیاست اور اسلام

(۳) مشکوٰۃ شریف۔ باب الامارۃ ص۳۲۰ میں یہ حدیث ہے۔ حضرت ابوہرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ۔ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ فُوْا بِبَیْعَۃِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْھُمْ حَقَّھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ سَائِلُھُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاھُمْ متفق علیہ۔

حدیث شریفہ کا مفہوم یہ ہے انبیائے کرام ہی کے ہاتھ میں بنی اسرائیلیوں کی سیاست تھی جب جب ایک نبی پردہ فرما جاتے تو دوسرے نبی صلی اللہ علی نبینا وعلیہ ان کے جانشیں ہوتے (اسی طرح تمہاری سیاست میرے ہاتھ ہے) میرے بعد چونکہ بہ تحقیق کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہے اس لئے میری ردپوشی کے بعد میرا جانشین کوئی نبی نہیں ہوگا۔

بلکہ خلفاء ہوں گے اور بکثرت مدعیانِ خلافت ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ایسے وقت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے حضور نے جواب دیا پہلے خلیفہ کی بیعت پر قائم رہنا پھر اسکے بعد جو اوّل ہے۔ اس کے زیر بیعت رہنا تبھی سلسلہ ہی برقرار رہے۔ ان خلیفوں کا حق تم ادا کرنا خلفاء سے اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا کہ انہوں نے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

اس حدیث کی نقل کا مقصد صرف اتنا ہے کہ نئی تعلیم و جدید روشنی والے مسلمان جو بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں دین الگ ہے۔ اور سیاست الگ اور علما سیاست کیا جانیں یہ تو ہمارا پیدائشی حق ہے۔ وہ اپنے اس باطل عقیدہ و خیال سے توبہ کریں اور اپنا خیال درست فرمائیں۔

انبیائے کرام دین حق کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں اور دین کے جملہ شعبوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ سیاست اہم شعبۂ حیات ہے۔ اور اسکے نتائج و فواید نہایت ہی دور رس ہوتے ہیں اسلئے نتیجہ بخش فائدہ رساں صحیح سیاست وہی ہے جو انبیاء کرام کی ہے۔ دین حقہ کی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انبیائی سیاست کو وہ اعلیٰ و مکمل مقام بخشا ہے۔ جو سیرت داں حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے علمائے حق ہی وارث رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کی بنا پر وارث سیاست اسلامی بھی ہیں

اور نفاذِ سیاست کا اصل حق بھی انہیں کا ہے۔ سرکارِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کے ناشرین علماء ہر دور میں گذرے ہیں۔ چودھویں صدی میں سرکارِ طیبہ کے وارث علم وسیاست اعلیٰ حضرت بھی تھے اس حقیقت پر آپ کی صدہا تصنیفیں گواہ ہیں۔ خاصکر رسالہ المحجۃ المؤتمنہ خاص اسی موضوع پر بے نظیر کاوشِ نگارش ہے۔

(۴) بہت سے معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ اعلیٰحضرت نے تکفیری مشغلہ اتنا بڑھایا اور اس میں بہت زیادہ وقت صرف کیا اس سے قوم وملت کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کا جواب وہ حدیث کریمہ ہے جو حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَاللّٰہِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رجلاً وَّاحِدًا خَیرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ حمر النعم رواہ البخاری ومسلم عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

خدا کی قسم بے شک یہ بات کہ اللہ تیرے سبب سے ایک شخص کو ہدایت فرما دے تیرے لئے سُرخ اونٹوں کے مالک ہونے سے بہتر ہے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی ۱۲

یعنی کوئی دنیا کی دولت بٹورنے میں لگا ہے اسکو اس کی پرواہ اور کچھ مطلب نہیں کہ گمراہی دے دینی گیا ہے اور اسلامی صراطِ مستقیم گیا ہے۔ اور اسکے برعکس اہلِ ایمان اپنی پوری توانائی اس جدوجہد میں نچوڑ دے کہ کس طرح لوگ راہِ راست پر آجائیں۔ اس کی وجہ سے ایک بھی ہدایت یاب ہو گیا تو یہ آخرت کے اعتبار سے زیادہ فائدہ میں رہا اور پہلا چند روزہ متاعِ دنیا کی لذتوں کے بعد برابر گھاٹے وخسارت میں رہے گا۔ اعلیٰحضرت کی بروقت حق گوئی حق بینی حق نویسی نے نہ معلوم کتنے لوگوں کو گمراہی سے بچالیا اور کتنے کج رو صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگئے اور اگر ایک دو ہی ہدایت یاب ہوئے ہوں تو اعلیٰحضرت کے حق میں بشارت کبریٰ ملی ہے اگر بالفرض کوئی بھی راہِ حق قبول نہ کرتا تو اس میں بھی اعلیٰحضرت کا کیا نقصان۔ کیا حدیث شریف میں نہیں آیا کہ بعض نبی کریم پر اُن کی اُمت کا ایک فرد بھی ایمان نہیں لایا۔

سیاست اور اعلیٰ حضرت

(۵) اصل حقیقت اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی ہے۔ کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ایک حقانی، ربانی عالمِ باعمل کا فریضہ ہے کہ وہ علومِ شرعیہ وحقہ کا اظہار کرے۔ خصوصًا اس وقت جبکہ بدعات کا شیوع ہو اور لوگ شریعت کی تبدیل کے درپے ہوں چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ:۔

اذا ظھرت الفتن او قال البدع فالیظھر العالم علمہ ومن لم یفعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللّٰہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللّٰہ منہ صرفًا ولا عدلا۔

جب فتنے یا فرمایا بدمذہبیاں ظاہر ہوں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت۔ اللہ اس کا نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

اس حدیث کے مضمون کے مطابق ہمیشہ علمائے اہلِ سُنّت نے ہر بدعی عقاید و اعمال سیاست ومعاملات کے ظہور کے وقت کتاب وسُنّت کی تیغ برہنہ بن کر ازالۂ منکر کے لئے ہمہ تن مصروف ہوتے آئے ہیں یہی فریضہ اپنے زمانہ کے بدعی عقیدوں عملوں سیاستوں کے ظہور کے وقت اعلیٰحضرت نے بھی انجام دیا۔

اسلام میں ازالۂ منکرات ہی کے لئے جہاد کی تعلیم دی گئی ہے۔ زمانے کے لحاظ سے اس جہاد کی تین قسمیں ہیں ۱ سنانی: یہ قسم امام یا بادشاہ کی زیرِ قیادت ہی ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔ ہر شخص اس فرض کے ساتھ مامور نہیں۔

(۲) لسانی:۔ یعنی زبان وقلم سے ازالۂ منکر کا حق ادا کیا جائے۔ یہ کام بحمد اللہ تعالیٰ خادمین شریعت ہمیشہ سے کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جلّا جلالہ ورسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد شاملِ حال رہی تو دمِ آخر تک کریں گے۔ اسی جہادِ لسانی کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے اعلیٰحضرت نے وہابیہ، نیاچرہ، دیابنہ، قادیانیہ، غیر مقلدین ندویہ، آریہ، نصاریٰ وغیرہم کا رد فرمایا اور اسی ازالۂ منکر پر سختی سے قائم رہے اسی دینی فریضہ کا تقاضا تھا کہ اعلیٰحضرت نے ایک متحدہ سیاسی گمراہی سے بھی برسرِ پیکار رہے اور اس حق بیانی کے صلے میں بہت ایذائیں سہیں جن کو ان کی عزیمت نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

(۳) جنانی:۔ یعنی کفر وبدعت، فسق کو دل سے بُرا جاننا یہ قلبی جہاد ہر کافر، بدعتی اور فاسق سے ہر سچے مسلمان کو حاصل ہے۔ وہ ایسوں کو دل سے ضرور بُرا جانتے ہیں مگر جو نام نہاد مسلمان اسلام کو سلام کر چکا اور اپنے آپ کو کفار کا غلام بنا لیا اس کی راہ الگ ہے اُس کا دین غیر دینِ خدا ہے۔

ہمارے اِن معروضات کے دلایل اعلیٰحضرت کی تگ بھگ ہزار کے قریب تصنیفیں ہیں۔ اب تک جو زیورِ طبع سے مزین ہو چکی ہیں وہ بھی کم نہیں ہیں۔ میرا دعویٰ ہے ان کتابوں کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف، غیر متعصب، ایماندار اسی نتیجے پہ پہنچے گا کہ اعلیٰحضرت ہر آن سے بے نیاز اپنے ربِ کریم کے حضور، حضورِ قلب سے حاضر اور اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں محو۔ اہلِ دنیا کی ستائش وطعن اور نوش ونیش سے بالکل بے خبر رہے۔ اپنی ایک رباعی میں اپنی زندگی کا پاکیزہ صحیح نقشہ نگاہِ عالم کے سامنے رکھدیا۔

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن ؛؛ نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم وکنجِ خمولی کہ نگنجد در وے ؛؛ جز من وچند کتابے و دوات وقلمے

اسی رباعی پر اپنا ژولیدہ بیان وشکستہ تحریر ختم کرتا ہوں مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور میری مغفرت اور خلق کی ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین ثم آمین۔

امام احمد رضا اور جنگِ آزادی

غازئ ملت مولانا سید محمد ہاشمی میاں صاحب
صدر آل انڈیا سنی لیگ

بھارت کی دھرتی پر انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والے اکثر و بیشتر سنی علمائے کرام ہی تھے اسی لئے برٹش سامراج وادیوں نے علمائے اہلسنت کو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی تکلیفیں پہونچائیں جسمانی تکلیف جیلوں میں بھر کر اور پھانسی کے تختے پر لٹکا کر ——— اور روحانی تکلیف اپنے زر خرید مولویوں کے ذریعہ شرک و بدعت کے فتوے لگوا کر ——— اس وقت علمائے اہلسنت کی قیادت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں تھی اور اور قدرت نے انھیں دو ایسی بڑی صفتیں عطا فرمائی تھیں جسکے بغیر تکمیل انسانیت ممکن نہیں علم اور عقل ——— غیر معمولی علم اور بے پناہ معقولیت کے حسین امتزاج کا نام ہے علامہ فضل حق ——— چنانچہ علامہ نے ایک ہی وقت میں دونوں کی خبر لی۔ فرنگی سامراجیت کی بھی اور شرک فروش شریعت کی بھی

غدر ۱۸۵۷ء میں جب دیگر مکاتب فکر کے علماء گوشۂ عافیت ڈھونڈ رہے تھے۔ بلکہ بعض انگریزوں کی خوشامد کر رہے تھے ٹھیک اسی وقت علمائے اہلسنت بھارت کے ماتھے پر لگے ہوئے غلامی کے داغ کو دھو رہے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ علامہ فضل حق نے ہی انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو منظم کر کے برطانوی سامراج کے قلعوں کی بنیادیں متزلزل کی تھیں اور آپ کے بعد جس قدر جماعتیں تنظیمیں اور انجمنیں انگریزوں سے برسرپیکار ہوئیں وہ سب علامہ کے نقوش قدم کی رہنمائی میں حضرت علامہ اور آپ کے تمام ساتھی سنی بریلوی علماء نے جب انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا، تو بعض شکم پروروں اور انگریز دوست مولویوں کے اشارے پر ان مجاہدین کو جیل کی کال کوٹھری میں بند کر دیا جاتا مگر جیل کی تاریک دنیا بھی ان خاصان حق کے عزائم میں کچھ رکاوٹ پیدا نہ کر سکی انگریزی اقتدار کی بیخ کنی میں حضرت علامہ نے جو مصائب برداشت کئے اگر پہاڑ پر ڈال دیئے جاتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ حضرت علامہ نے خود اپنے چشم دید واقعات و حالات اور اپنے مصائب و آلام کا تذکرہ اپنی گراں قدر تصنیف "رسالہ غدریہ" میں کیا ہے۔ جسے مولانا ابو الکلام آزاد نے "الثورۃ الهندیہ" کے نام سے طبع کرایا۔ حضرت علامہ نے یہ کتاب بھارت کے پرامن جیل میں نہیں لکھی بلکہ جزیرہ انڈمان میں کالا پانی کی سزا کے دوران تحریر فرمائی۔ جبکہ ان کے پاس نہ قلم تھا نہ کاغذ کوئلے سے کپڑوں اور لکڑیوں پر تحریر کی گئی یہ کتاب بھارت کے سورماؤں اور ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر جان دینے والوں کے لئے مشعل راہ ہے کتاب مذکور کے ترجمہ سے پہلے جناب رئیس احمد صاحب نے جو تعارفی نوٹ تحریر فرمایا ہے ناظرین اسے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا فضل حق خیرآبادی یگانۂ روزگار عالم تھے عربی زبان کے مانے ہوئے ادیب اور شاعر تھے علوم عقلی کے امام و مجتہد تھے اور ان سب خصائص سے بالا ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاست داں مدبر اور مفکر بھی تھے۔ مسند درس پر بیٹھ کر وہ علوم و فنون کی تعلیم دیتے تھے اور ایوان حکومت پر پہونچ کر وہ دور رس فیصلے کرتے تھے۔ وہ بہادر اور شجاع بھی تھے غدر کے بعد نہ جانے کتنے سورما اور رزم آرا ایسے تھے جو گوشۂ عافیت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ لیکن مولانا فضل حق ان لوگوں میں تھے جو اپنے کئے پر نادم اور پشیمان نہیں تھے۔ انھوں نے سوچ سمجھ کر میدان میں قدم رکھا تھا اور اپنے اقدام و عمل کے نتائج بھگتنے کے لئے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔ سراسیمگی اور دہشت اور خوف یہ وہ چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔

مولانا کی شخصیت، سیرت، کردار اور علم و فضل پر ضرورت تھی کہ ایک مکمل کتاب لکھی جاتی لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے فراموش کر دیئے گئے اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کریں گے کہ یہ کون بزرگ تھے؟

مولانا کے حالات وسائل کی کمی کے باوجود جو کچھ بھی مستند طور پر دریافت ہو سکے وہ وہ مختصر طور پر درج کئے جاتے ہیں۔

آزادی میں علماء کا حصہ

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں علماء نے نمایاں حصہ لیا۔ بقول ایک اہل قلم اور محقق کے:۔

مولانا فضل امام خیرآبادی صدر الصدور دہلی مفتی صدر الدین خان آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی منصف صدر امین کول دہلی، مولانا فضل رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر دفتر سہسوان مفتی عنایت اللہ گوپاموی قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد و مولانا مفتی لطف اللہ

دفتر سہسوان مفتی انعام اللہ گویا موٹی قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد و مولانا مفتی لطف اللہ علیگڑھی سررشتہ دار امین بریلی علامہ فضل حق خیرآبادی سررشتہ دار ریزیڈنسی دہلی و صدر الصدور لکھنؤ و مہتمم حضور تحصیل اودھ مولوی غلام قادر گویاموئی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوانی وتحصیلدار کوڈگاؤں مولوی قاضی فیض اللہ کشمیری سررشتہ دار صدر الصدور دہلی وغیرہ یہ سب اپنے وقت کے بے نظیر وعدیم المثل اکابر علماء تھے حکومت کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں تھی مسلمانوں کو سلطنت کی بربادی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ موقع کا انتظار تھا ۱۸۵۷ء کا وقت آیا تو سب میں پیش پیش یہی حضرات تھے والیان ریاست وارکین دولت میں ناقوس حریت پھونکنے والے یہی تھے۔ عوام کو ابھارنا اور فتوئ جہاد جاری کرنا انہیں کا کام تھا اور انقلاب ۱۸۵۷ء میں سب سے زیادہ مصائب اٹھانے اور آتش حریت میں جلنے والے یہی شمع شبستان آزادی کے پروانے تھے۔

سرسید احمد کا خراج عقیدت

سرسید احمد مولانا فضل حق کے بارے میں لکھتے ہیں:-

جناب مولانا مولوی فضل حق یہ خلف الرشید ہیں جناب مولانا فضل امام کے زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کرکے فخر خاندان لکھا ہے۔ اور فکر دقیق نے جب ہر کار کو دریافت کیا فخر جہاں پایا جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق وحکمت کی تو گویا انہیں کی محکمہ عالی نے بناڈالی ہے علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کرسکیں بار بار دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانہ روزگار سمجھتے جب انکی زبان سے ایک حرف سنا دعوی کمال کو فراموش کرکے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے۔ (تذکرہ اہل دہلی۔ سرسید)

مجاہد اعظم مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کہا جانے والا وہ شخصیت تھی کہ مرادآباد کی سرزمین جن کے مقدس خون کو آجتک داد وفا دے رہی ہے۔ آپ مرادآباد کے معزز ترین سادات کرام کے خاندان میں پیدا ہوئے علوم عقلیہ ونقلیہ کے جلیل فاضل ہوکر شاعری میں یگانہ مقام حاصل کیا علم حدیث فقہ اصول، منطق فلسفہ میں یگانہ ہر روزگار تھے۔ آپ کا نعتیہ کلام غزل کے پیرائے میں ہے۔ آپ نے تصائد سے گریز کیا کہ ان میں مبالغہ کی آمیزش ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تحریک آزادی ہند شروع ہوئی تو گویا مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاشمی خون پہلے سے ہی جذبہ شہادت سے سرشار تھا۔ مولانا نے حوالی مرادآباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا جدھر آپ کا رخ ہوا برطانوی سامراج کے پرخچے اڑتے گئے سلطان بہادر شاہ ظفر نے آپ کو بلایا اور جہاد کے مشورے لئے مولانا نے جنرل بخت خان شیخ افضل صدیقی شیخ بشارت علی خان، مولانا سبحان علی نواب مجدالدین مولانا شاہ احمداللہ مدراسی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکستیں دیں رامپور اور مرادآباد کے اکثر معرکے سر کئے۔ بالآخر انگریزوں کے پٹھو کلاں فخرالدین اور بعض خائنوں کی سازش سے ۳۰ راپریل ۱۸۵۸ء مطابق ۶ ر رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ مولانا گرفتار کرلئے گئے اور مرادآباد جیل سے متصل بر سر عام انگریزوں نے آپ کو تختہ دار پر لٹکایا پھانسی کے وقت مولانا مندرجہ ذیل اشعار بڑے ترنم وذوق سے پڑھ رہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا۔

ہم صفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑجائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

اطلس وکمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

سب فنا ہوجائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پہ سخن رہ جائیگا

دیگر ہمارے مجاہدین اکابرین کرام وعلماء وشہدائے تحریک آزادی ہند

(۱) مولانا عبدالجلیل شہید علیگڑھی

علیگڑھ میں پیدا ہوئے یگانہ روزگار عالم تھے بے شمار افاضل نے آپ سے پڑھا متقی عارف باللہ راہنما تھے تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے انگریزوں کو علیگڑھ سے نکال دیا تو زمام قیادت آپ کے حوالے کی گئی دوبارہ انگریزوں نے چڑھائی کی تو دشمن سے مقابلہ میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے مولانا عبدالجلیل بھی ان شہداء میں حیات ابدی پاگئے۔ اور ان بہتر شہداء کے ساتھ جامع مسجد علی گڑھ میں دفن ہوئے (۲) مولانا امام بخش صہبائی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۳) مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۴) مولانا ڈاکٹر وزیر خان بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۵) مولانا مظفر حسین کاندھلوی (۶) مولانا رضی الدین بدایونی۔

ان مفصل حالات کے لئے تواریخ انقلاب آزادی ۱۸۵۷ء پڑھئے۔

دوسرے سرفروشان ملک وملت سنی بریلوی قائدین تحریک آزادی ہند

مفتی صدرالدین صاحب دہلوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، منشی رسول بخش کاکوروی سید احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خان، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، جنرل عظیم اللہ خان مفتی صدرالدین خان دہلوی۔ مولانا اعتقاد علی، مولوی امام بخش صہبائی، سید باقر علی صاحب ناظم محکمہ دیوانی، مولوی نورالحسن صاحب، سید مراتب علی صاحب، مولوی خواجہ تراب علی صاحب سید حسن علی صاحب مولوی رحمت علی صاحب مفتی ریاض الدین صاحب، مولوی غلام جیلانی صاحب، مولوی غلام مرتضیٰ صاحب مفتی رسول بخش صاحب، مفتی انعام اللہ صاحب۔ شیخ محمد شفیع صاحب، مومن علی صاحب باسط علی صاحب، محمد عظیم الدین صاحب محمد قاسم صاحب داناپوری، معین الدین صاحب مولانا کریم اللہ صاحب، صدر الصدور قاضی محمد کاظم علی صاحب، تاج الدین صاحب

طفیل احمد خیرآبادی، مولانا غلام امام شہید، مفتی عبدالوہاب صاحب گوپا مئوی، ڈاکٹر وزیر خان صاحب، مولوی فیض احمد صاحب بدایونی، حضرت سید تراب علی شاہ صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف کاکوروی، مولانا وہاج الدین مراد آبادی، نواب مجد والدین حافظ محمد عبداللہ وغیرہ یہ اکثر حضرات جنہوں نے شمع حریت روشن کی سنی بریلوی صوفی اعتقاد درویش مسلک ہی تھے۔ مولانا فضل حق شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کارزار جہاد میں مرکزی اور قائدانہ حیثیت حاصل ہے وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مذکورۃ الصدر قائدین تحریک آزادی میں سے چند ایک کے متعلق مختصراً کچھ حالات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہو۔

مجاہد اعظم مولانا سید احمد اللہ شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

ع بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے تمام مجاہدین علماء و مشائخ اکابرین علماء سنی بریلوی تھے۔ اور جب کہ سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل مدفون بالاکوٹ نے اپنی پیٹ پوجا کو مقدم رکھ کر انگریزی اقتدار قائم کرنے کے لئے ایک تحریک معاونت برطانیہ چلائی تو برطانوی اقتدار کے پرخچے اڑانے والے سنی بریلوی علماء کے اولوالعزم اکابر علمائے دین و قائدین آزادی وا مہا ہی تھے جن میں سر فہرست شہید ملت شمع حریت مولانا شاہ احمد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مدراسی کا اسم گرامی آتا ہے جنہوں نے تن من دھن سب کچھ ملک و ملت پر نثار کر کے بالآخر شہادت نوش فرما کر داخل جنت ہوئے ۱۲۰۲ھ میں بمقام چنیاپٹن تعلقہ پونامالی ساحل دریائے شور متعلقات مدراس میں پیدا ہوئے آپ کے والد نواب سید محمد علی سلطان ٹیپو شہید کے عظیم مقرب و مصاحب اور چنیاپٹن کے نامدار نواب تھے۔ مولانا احمد اللہ شاہ نے قابل افاضل و اساتذۂ عصر سے تمام علوم و فنون عربیہ اسلامیہ کی تکمیل کی اور متبحر عالم و یگانۂ روزگار اور متقی پرہیزگار رہبر ہوئے حیدرآباد و یورپ کی سیاحت کی پھر حج سے مشرف ہوئے پھر جے پور میں حضرت قربان علی شاہ کے دست اقدس پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں سلوک طے کیا پھر ٹونک پہونچ کر جہاد کے جذبات پیدا کئے گوالیار میں پہونچ کر مشہور عارف پیر محراب شاہ قلندر سے خرقۂ خلافت حاصل کیا انگریزوں نے غدر کیا علم جہاد بلند کر کے حریت کے پروانے اور تحریک کے قائد اعظم کی حیثیت سے بخت خان کے دست راست بن دہلی پہونچے انگریزوں کو چنے چبوا دیئے پھر آگرہ میں انگریزی استبداد سے ٹکرائے پھر کانپور میں برطانوی پرخچے اڑائے پھر لکھنؤ میں محاذ فتح کئے۔ پھر فیض آباد اور شاہ جہاں پور میں فرنگی سامراج کا ستیاناس کیا اور بالآخر باکمال عالم بے مثال مجاہد یگانۂ روزگار پیر فاتح اعظم بطل جلیل میدان کارزار میں ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ کو جام شہادت نوش فرما گئے۔

تحریک آزادی کی تمام تاریخیں اس بطل جلیل کے مفصل کارناموں سے مزین ہیں اور ان نامراد مورخین پر سخت افسوس ہے جنہوں نے مولانا شاہ احمد اللہ کو ننگ دین ننگ وطن سید احمد بریلوی و مولوی اسماعیل کے عزائم کا تکمیل کنندہ لکھ کر یا ان سے تعلق دار بنانے کے لئے خواہ مخواہ ان غداروں کو مولانا شاہ احمد اللہ کے حالات میں گھسیٹ کر ان کے مقدس عقیدہ و کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا احمد اللہ خالص سنی حنفی صوفی عالم اور ممتاز مجاہد تھے سید احمد و اسماعیل جیسے بدعقیدہ نام نہاد مجاہدوں سے شہید موصوف کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مولانا کے مجاہدانہ کارنامے آزادی وطن کے لئے جوش و خروش مختلف محاذوں پر انگریزوں سے مقابلے اور بالآخر اللہ کی راہ میں شہادت تحریک آزادی کی مفصل تواریخ میں دیکھئے اور سنی بریلوی علماء کی دینی و ملی خدمات کو بالتفصیل پڑھئے۔

استاد الہند حضرت مولانا مفتی صدر الدین خان آزردہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا ؛ اسکو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

تحریک آزادی ہند ۱۸۵۷ء میں جو خدمات حضرت مولانا مفتی صدر الدین علیہ الرحمۃ نے کی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں بلکہ اس تحریک کا مدار الہام انکی ذات گرامی کو ہی کہنا زیبا ہے۔ قلم کو کیا طاقت کہ ان کے علم و فضل کے بحر بے کنار سے ایک موتی باہر لاسکے۔ اور دفتر کے دفتر ان کے مکارم و محاسن کے لئے ناکافی ہے۔ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اکثر علوم مولانا امام الہند فضل امام خیرآبادی رحمۃ اللہ والد ماجد مولانا فضل حق خیرآبادی شہید تحریک حریت سے حاصل کئے۔ حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے پڑھی۔ اور یگانہ روزگار عالم بنے چاردانگ عالم میں ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا۔ دہلی میں صدر الصدور رہے انگریزوں کا اقتدار بڑھتا دیکھا تو تحریک آزادی کا جھنڈا اٹھایا۔ فتوائے جہاد نشر کیا مجاہدین و اکابرین تحریک آزادی کی قیادت کی تمام جائیدادیں تحریک پر خرچ کر دیں۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں ان کے تلامذہ موجود ہیں۔ شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے معقول فلسفہ ریاضی کے عدیم المثل استاذ تھے۔ فقہ کے ممتاز ماہر و مفتی تھے خالص سنی حنفی صوفی عالم و یگانہ روزگار امام العلوم تھے۔

وہابیت کی بیخ کنی میں ان کی مساعی مشکورہ اور آزادی ہند میں ان کی جد و جہد محتاج تعارف نہیں۔ آج تک دیلیوں دیوبندیوں نہ ایسا عالم پیدا ہوا نہ ہوگا پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہا

آسماں تیری لحد پر نور افشانی کرے

من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

عالم باعمل مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی

اسیرانِ ڈومن (علماء اہلسنت زندہ باد)

دل گرمے نگاہ پاک بینے، سینہ بیتابے

مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی نہایت متقی و متبحر فاضل تھے. علماء ربانیین میں شمار کئے جاتے تھے. مفتی صاحب بمقام دیوہ ۹ شوال ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو پیدا ہوئے کاکوری کے ممتاز خاندان کے چشم و چراغ تھے جد امجد کا نام منشی لطف اللہ تھا ان کے صاحبزادے منشی غلام محمد اور ان کے فرزند منشی محمد بخش مفتی عنایت کے والد بزرگوار تھے عنایت احمد صاحب سن شعور کو پہونچے تو سن شعور کو پہونچے تو تحصیل علوم کی غرض سے رامپور بھیجے گئے وہاں مولانا حیدر علی صاحب اور سید محمد صاحب کے زیر تعلیم رہے اور علوم مروجہ کی تکمیل کی' بعد ازاں دہلی گئے اور شاہ محمد اسحٰق محدث سے حدیث شریف کے فارغ التحصیل ہوئے پھر علی گڑھ جاکر علم معقول و منقول میں سند حاصل کی مولانا بزرگ علی صاحب سے بھی تحصیل علم کی اور انھیں کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے

کچھ عرصہ بعد آپ بریلی چلے گئے. اس دوران ہند میں انگریزی اقتدار بڑھا تو اکابر علماء و رہنما اصحاب کی سرکردگی میں تحریک انقلاب کی سلسلہ جنبانی جاری تھی مفتی صاحب بھی شب و روز بریلی کے انقلابی گروہ کی مشاورتی مجالس میں شرکت کرنے لگے. اور نواب خان بہادر خان کی قیادت میں جہاد حریت کی تنظیم کے لئے سرگرم عمل ہوئے روہیلکھنڈ اور بریلی مجاہدین آزادی کا عظیم مرکز تھا اور اس علاقہ میں انٹی برٹش تحریک کے قائد جلیل امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے جد امجد مولانا رضا علی خان صاحب تھے ان کے مکان و مسجد مجاہدین کے مرکز تھے مفتی صاحب بھی حلقہ جہاد میں شریک ہو گئے اور مجاہدین کے لشکر میں داخل ہو کر محاربات میں عملی حصہ لینے لگے. جگہ جگہ خان بہادر خان کے دست راست بنے کمال جرأت و ہمت سے لڑتے رہے جنرل بخت خان بریلی پہونچے اور دار السلطنت دہلی کے مرکزی محاذ پر شرکت کے لئے (رامپور، مراد آباد ہوتے ہوئے) روانہ ہوئے تو ان کی معیت میں مفتی عنایت احمد بھی لشکر آزاد کے ساتھ رامپور گئے اور جنرل بخت خان مولوی سرفراز علی صاحب کے ساتھ نواب یوسف علی خان والیٔ رامپور سے محاربہ آزادی میں شرکت کے لئے گفت و شنید کرتے رہے ان کے ہمراہ مفتی عنایت احمد بھی اس مشاورت میں برابر شریک رہے اور جب نواب رامپور نے جنگ آزادی میں مجاہدین کی اعانت سے انکار کیا تو جنرل بخت خان نے فوج کشی کردی اس جنگ میں بھی مفتی صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا.

رئیس الاحرار مولانا محمد علی کے چچا زاد بھائی حافظ احمد حسن صاحب شوق نے اپنے تذکرہ کاملان رامپور میں اس معرکہ کا حال اسطرح بیان کیا ہے.

۹ر جون ۱۸۵۷ء کو بخت خان کئی ہزار فوج کے ساتھ رامپور آیا مولوی سرفراز علی اسکی طرف سے سفیر تھے. تمام شہر کو مورچہ بند کیا شہر کے مفسد خود جاکر بخت خان کو بھڑکاتے تھے ان کا منشا تھا کہ روپیہ دیا جائے اور ولی عہد بہادر ریاست (نواب کلب علی خان) مع فوج دہلی کو ساتھ چلیں یہ مرحلہ سب سے زیادہ سخت تھا. علی بخش خان نے اس مرحلہ کو بلطائف جلیل طے کیا اور ۱۳ر جون کو بخت خان رامپور سے چلا گیا. نواب نے از راہ چاپلوسی جان بچانے کی خاطر بخت خان کو خوب رسد بھجوائی اور مبالغہ کی حد تک مولوی سرفراز علی کی عزت افزائی کی. اور اس طرح اپنے آپ کو بچایا.

جنرل بخت خان نے رامپور کے نواب سے صلح کرلی اور مراد آباد کو کوچ کر گئے اس وقت مفتی عنایت احمد صاحب مولوی سرفراز علی صاحب کے مشورے سے پھر دہلی واپس چلے گئے. وہاں ابھی تک ہنگامہ کارزار گرم تھا. مفتی صاحب میدان شجاعت میں تیغ آزمائی بھی کرتے رہے اور خان بہادر خان کی مجلس مشاورت میں خاص طور پر شریک رہے.

خان بہادر کے لشکر مجاہدین میں ایک دستہ غازیوں کی فوج کا بھی یہ سب کے سب مفتی صاحب کے تربیت یافتہ اور انکی تحریک پر سر سے کفن باندھ کر جان لینے اور جان دینے کے لئے آمادہ تھے. اس فوج کا ہر مجاہد شوق شہادت کے نشہ میں چور تھا

گورا پلٹن کے ایک انگریز سارجنٹ میجر نے جنگ آزادی کے چشم دید واقعات پر مبنی ایک کتاب "۱۸۵۷ء کے معرکوں کی یادداشت" لکھی تھی. اس میں بریلی کے معرکہ کا حال لکھتے ہوئے غازیوں کے اس دستہ کے بارے میں آنکھوں دیکھی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے. "ان لوگوں کی ڈاڑھیاں سفید تھیں انگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے جس کے نگینہ پر "اللہ" کندہ تھا. ہر غازی کی کمر میں سبز رنگ کا پٹکا بندھا ہوا تھا وہ روئی کی صدری پہنے ہوئے اور سر پر سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے جن پر سرخی کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں تلوار بھی اور پشت پر ڈھال بھی. دین کا نعرہ لگاکر ہمارے سامنے آئے اور حملہ آور ہونے سے پہلے ان کا سردار جو ایک ۲۰ سال کا بے ریش نوجوان تھا جسکی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا. صف میں آگے بڑھ کر یوں مخاطب ہوا. کیا تم کافروں میں کوئی حوصلہ مند ہے جو میرا مقابلہ کرسکے. اگر ہے تو سامنے آئے. اسکی آواز پر ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا کوئی نوجوان آگے نہیں بڑھا. ایک منٹ بعد پھر یہی چیلنج دیا اور کہا میں پانچ آدمیوں سے تنہا مقابلہ کرسکتا ہوں. لیکن پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی آخر جھنجھلا کر اس نے تلوار میان سے باہر نکالی اور ہماری صفوں پر حملہ آور ہوا اس نے اس شدت سے حملہ کیا کہ چشم زدن میں اٹھارہ سپاہیوں کو زخمی کرکے ڈال دیا. اسکی بے نظیر شجاعت سے کمانڈنگ آفیسر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو زندہ گرفتار کرلیا جائے. لیکن اس نے کہا تم زندہ شیر کو گرفتار نہیں کرسکتے" چنانچہ زخمی ہو جانے کے باوجود جب کہ اس کے جسم کے ہر حصہ سے خون کے فوارے ابل رہے تھے اس نے دوبارہ اس شدت سے حملہ کیا جب کمانڈنگ آفیسر نے یہ دیکھا کہ اس کو قتل نہ کیا تو شاید ساری کمپنی کا صفا

کر دے گا. آخر مجبوراً اس نے حکم دیا کہ سنگینوں سے خاتمہ کر دو یہ سنکر سپاہیوں نے اسے نرغہ میں لے کر اپنی سنگین بیک وقت اس کے سینے میں پیوست کر دیں. لیکن جب تک اسکی روح جسم میں باقی رہی برابر تلوار کے جوہر دکھاتا رہا اس کا ہاتھ اس وقت رکا جب اسکی روح پرواز کر گئی." یہ بصیرت افروز منظر ایک انگریز نے قلمبند کیا ہے جو عینی شاہد اور ان غازیان دین کا جانی دشمن تھا لیکن ان فدایان اسلام کے جوش ایمانی نے اسے اس قدر متاثر کیا کہ حقیقت حال بیان کرنے پر مجبور ہو گیا. جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی فوج کے "شیر دل افسروں اور ساری سپاہ کی شجاعت و دلیری کا کیا عالم تھا ایک مجاہد غازی کے ہمت و حوصلہ کے سامنے انکے سیکڑوں کے جگر آب ہو جاتے تھے اور اس ایک تیغ بکف نوجوان کو قابو کرنے کے لئے ہزاروں سنگینیوں کی ضرورت ہوتی تھی. اور واقعہ سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مجاہدین کے جذبۂ فدائیت کی کیا کیفیت تھی حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے غلبہ کا موجب صرف "روباہی حربے - اور سازش و غداری تھی ورنہ ہر محاذ پر پہلی فتح لشکر مجاہدین کو حاصل ہوئی جو ان کی مردانگی وجرأت اور عزیمت کے باعث تھی بریلی کے غازیوں کی اس جمعیت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن رہنماؤں کے تربیت یافتہ مجاہدین کی جان بازی اور سرفروشی کا یہ حال تھا تو وہ مردان حق کسی عزم و حوصلہ کے مالک تھے اور میدان کارزار میں ان کے کارنامے کیا کچھ ہوں گے مفتی عنایت احمد صاحب نے دوسرے رہنمایان حریت کی معیت میں محاربۂ بریلی میں اول اول فتح حاصل کی لیکن انجام کار شکست نصیب ہو کر وطن دشمن غداروں کی ناپاک حرکات پر لعنت بھیجتے شہیدان حریت کی ارواح پاک پر رحمت کے پھول نچھاور ہونے کی دعائے خیر کرتے میدان سے رخصت ہو گئے۔

مفتی صاحب انگریزی تسلّط کے بعد گرفتار کر لئے گئے اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی کالے پانی بھیج دیے گئے اس علاقہ کی سختیاں وطن اور اعزا سے جدائی کا صدمہ اور صعوبتیں سہتے ہوئے بھی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے.

مفتی صاحب کو جزیرۂ انڈمان میں کوئی کتاب دیکھنے کو نہ ملتی تھی اور نہ وہاں کسی علم کی کوئی کتاب دستیاب ہو سکتی تھی اسکے باوجود ذاتی علمیت و واقفیت کی بنا پر مختلف علوم و فنون میں مختصر اور طویل تصانیف تیار کیں، جب رہائی کے بعد وطن واپس تشریف لا کر اور تصانیف کے مسودات کی تصحیح کی غرض سے کتابیں دیکھیں تو سب مسائل لفظ بلفظ صحیح تھے اسیری کے زمانہ میں ہی تقویم البلدان، کا ترجمہ دو سال میں کیا. اور اس کامیابی و خوبی سے کیا کہ ایک انگریز افسر (جسکی فرمائش پر یہ ترجمہ کیا تھا) نے ان کی بے حد تعریف کی، اور ان کے علمی تفاضل کے اعتراف میں ان کی رہائی کی پرزور سفارش کی جو منظور ہوئی اور حضرت مفتی صاحب ۱۲۸۱ھ میں بخیریت اپنے وطن عزیز کاکوری آ گئے

ان کے ایک غیور شاگرد مولوی لطف اللہ صاحب نے رہائی کی تاریخ کہی اور ان کی خدمت میں کاکوری حاضر ہو کر خود پیش کی۔

چوں بفضل خالق ارض وسما ؎ اوستادم شد بقید غم رہا
بہر تاریخ خلاص آں جناب ؎ بر نوشتم انّ استاذی نجیا
۱۲۷۷ھ

مفتی صاحب کچھ عرصہ بعد کاکوری سے کانپور چلے گئے اور وہاں مدرسہ فیض عام قائم کر کے مستقل قیام فرمایا. بقول نواب حبیب الرحمان خان شیروانی اسی مدرسہ کا فیض بالآخر سارے ہندوستان کو پہونچا دو سال بعد مفتی صاحب نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اور مدرسہ کا انتظام مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری کے سپرد انھیں مدرس اوّل مقرر کر کے کیا. اور مولوی لطف اللہ مدرس ثانی مقرر ہوئے اس زمانہ میں بادبانی جہاز چلتے تھے. جدہ کے قریب پہنچکر انکا جہاز پہاڑ سے ٹکرا گیا اور حضرت مفتی صاحب نماز ادا کرتے ہوئے احرام باندھے جہاز کے ساتھ غرق ہو کر واصل بحق ہوئے.

یہ حادثہ ۱۷ شوال ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۸۶۳ء کو رونما ہوا. اس وقت مفتی صاحب کی عمر ۵۲ سال کی تھی آپکی کل تصانیف کی تعداد بیس ہے جسمیں تاریخ حبیب اللہ (سیرت نبوی) لوامع العلوم و اسرار العلوم، الکلام المبین، علم الصیغہ، نجستہ بہار، احادیث الحبیب المتبر کہ اور ترجمہ تقویم البلدان زیادہ مشہور اور خاص ہیں حضرت مفتی صاحب حقیقت میں ایک بحر العلوم تھے انہیں ریاضی میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ انکی ذات ستودہ صفات ان علمائے کاملین میں سے تھی جو ایک طرف دین اور دوسری طرف وطن کے تحفظ کے لئے عمر بھر سینہ سپر رہے. وہ پیشۂ علم کے مردِ یگانہ تھے ؎

دل گرمے ، نگاہ پاک بینے ، جان بیتابے.

سنی بریلوی علماء کے مجاھد اعظم

مبلغ دین و مجاہد ملت حضرت مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی

وہ عالم باعمل جسکی رہنمائی نے دین و ملت کو روح عمل بخشی

غداریوں نے پھونک دیا آشیاں میرا

انقلاب ۱۸۵۷ء کی رہنمائی اور جہاد حریت میں برسر میدان شرکت کرنے والوں میں بے شمار علماء و فضلاء کے اسمائے گرامی شامل تھے جنھیں تاریخ نے بھی محو کر ڈالا ان اکابرین میں مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کا نام نامی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے لیکن حیرت ہے کہ ان کے تفصیلی حالات کسی قدیم تاریخ میں یکجا طور پر محفوظ نہیں مختلف دستاویزات اور بزرگوں کی روایات سے

جو حالات مرتب ہوتے ہیں انہیں سے اکثر ایسے ہیں جو قدیم تذکروں میں نہیں پائے جاتے مفتی انتظام اللہ شہابی کے تذکرہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء تک میں انکا ذکر صرف دو سطروں میں نہایت سرسری طور پر کیا گیا ہے مفتی صاحب فرماتے ہیں مولوی فیض احمد عثمانی . . . صدر بورڈ میں پیش کار تھے۔ دلی گئے وہاں مجسٹریٹ کئے گئے پھر جنرل بخت خان کے ساتھ رہے "

حالانکہ حضرت مولانا کے عظیم کارناموں میں تبلیغ اسلام اور رد عیسائیت کے شاندار معرکے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا فیض احمد کے والد بزرگوار بدایوں کے مشہور و ممتاز خاندان کے فرد حکیم غلام احمد صاحب تھے۔ جو مولوی اول میں رہتے تھے۔ فیض احمد صاحب کی ولادت ۱۸۰۸ء مطابق ۱۲۲۳ھ میں بدایوں ہی میں ہوئی ان کی عمر صرف تین سال کی تھی کہ والد صاحب نے وفات پائی ان کی والدہ ماجدہ نے یتیم کمسن بیٹے کی پرورش و تعلیم و تربیت کی وہ خود بدایوں کے عالم خاندان شیوخ کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں ان کے ایک ہموطن جناب محمد ایوب قادری بی اے نے مولانا کے ذکر خیر میں بیان کیا ہے کہ مولانا کو قدرت نے شروع ہی سے وہ دل و دماغ بخش تھا کہ جس پر آپ کے ہمدرس طلباء کو رشک آتا تھا جو چیز ایک بار پڑھ لی یاد ہو گئی۔ اور ایک دفعہ نظر سے گذر گئی دل پر نقش ہو گئی۔ تحقیق و تدقیق آپ کا حصہ تھا۔

اہل خاندان خیال کرتے تھے کہ مستقبل قریب میں یہ بچہ فخر خاندان ہو گا والدہ نے اس ہونہار بچہ کو اپنے بھائی مولانا فضل رسول کے سپرد کر دیا آپ نے نہایت محبت اور ناز و نعم سے پرورش فرمائی مولانا فیض احمد نے تمام علوم منقول و معقول صرف چودہ سال کی عمر میں حاصل کر لئے اور پندرہویں سالگرہ سے قبل آپ کو اجازت درس مل گئی دوسرے فنون و مروجہ خطاطی و شعر و شاعری وغیرہ میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا ایک قلیل عرصہ میں مولانا کا شہرہ ہو گیا اور تشنگان علم نے اس منبع علم و فضل کی طرف رخ کیا

مولانا نے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی طرف توجہ کی اس وقت حضرت اچھے میاں صاحب مارہروی کے خلیفہ اعظم آپ کے نانا حضرت مولانا شاہ عبد المجید صاحب کی بارگاہ رشد و ہدایت مرجع خلائق ہو چکی تھی مولانا نے سلسلۂ قادریہ میں اپنے نانا صاحب قبلہ سے بیعت کر کے علوم طریقت کی تحصیل سے بھی فراغت کی مولانا فیض احمد کی درسگاہ طلباء کے لئے حصول تعلیم ہی کا مرکز نہ تھی بلکہ ہر طالب علم کی آپ جملہ ضروریات کے کفیل و معاون ہوا کرتے یہی سبب تھا کہ مولانا کے شاگردوں کا شمار دشوار تھا۔ آپ طلباء کی امداد کے لئے دوسروں سے ادھار لیتے مگر کسی کو حاجت مند نہ دیکھ سکتے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

مولانا تحریک آزادی میں :- آپ متواضع اور مخلص انسان تھے مصنف اکمل التواریخ آپ کی مزاجی کیفیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ باوجود ثروت و وقار کے دل فقیرانہ مزاج شاہانہ تھا۔ فقراء سے محبت اور غرباء سے الفت طلبہ کے شائق اور علم کے شیدائی تھے۔ شاگردوں کی تمام ضروریات کے خود کفیل ہوتے تھے۔ سلسلۂ درس و تدریس آگرہ کے قیام کے دوران بھی برابر جاری رہا

جب ہندوستان میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرنے کے سلسلے میں تبلیغ عیسائیت کا فتنہ اٹھایا جگہ جگہ اسکول و کالج کھول کر مسیحی تعلیم عام کی جانے لگی اس وقت آگرہ میں علمائے عصر نے ایک مشاورتی مجلس میں اس فتنہ کو روکنے کے لئے عملی تدابیر سوچیں چنانچہ مولانا فیض احمد ان علماء کرام کے ساتھ شریک ہو تبلیغ دین کی خدمات انجام دینے لگے باوجود سرکاری ملازمت کے انھوں نے جابجا عیسائیوں کے بالمقابل تبلیغ اسلام میں مشغول رہے ۱۸۵۴ء جب پادری سی سی ڈی فنڈر جب ہندوستان وارد ہوئے اور انھوں نے فتنۂ ارتداد کا ہنگامہ برپا کیا تو مولانا سید احمد اللہ شاہ ڈاکٹر وزیر خان صاحب وغیرہ حضرات نے اس کے رد کے لئے انتظامات شروع کئے۔ "

چنانچہ پادری فنڈر اور علمائے اسلام کے مابین ۱۸۵۶ء بمقام آگرہ جو مناظرہ ہوا اس میں ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے معاون خصوصی کی حیثیت سے مولانا فیض اللہ صاحب بھی موجود تھے۔ اور انھیں تین حضرات نے فنڈر اور ان کے رفقاء کے ساتھ وہ معرکۃ الآراء مناظرہ کیا اور انھیں ایسی شکست فاش دی کہ وہ فوراً ملک بدر ہونے پر مجبور ہوا اس مناظرہ کی پوری کیفیت "البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف" کے نام سے وزیر الدین نے مرتب کر کے باہتمام حافظ محمد عبید اللہ فخر المطابع شاہجہاں پور سے ۱۲۷۰ھ میں طبع و شائع کرائی تھی اسکی طباعت و اشاعت کے جملہ مصارف حضرت بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخر مرحوم نے ادا کئے تھے اور تمام ملک میں مفت تقسیم کرایا تھا۔

آگرہ کی جامع مسجد اس زمانہ میں نہایت خستہ و بوسیدہ حالت میں تھی مسجد کی اس شکستگی کے سبب نمازی بھی برائے نام نظر آتے تھے۔ مولانا فیض احمد نے اس کی مرمت و تعمیر کا بیڑہ اٹھایا اور جگہ جگہ دورے کر کے رقوم جمع کیں۔ چنانچہ آپ کی کدو کاوش اور جد و جہد سے مسجد کی شاندار عمارت تعمیر ہوئی اور مرکز دین و علوم بن گئی۔

مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کے آگرہ کے قیام کے دوران مولانا فیض احمد صاحب بھی اس حلقۂ مجاہدین کے سرگرم رکن بن گئے جو آگرہ میں جہاد حریت کی تنظیم و اقدام کی غرض سے قائم ہوا۔ اور ہر اجتماع میں جوش و خلوص سے شریک ہوتے رہے۔ اور ضروری مشورے دیتے رہے۔ آگرہ اور گرد و نواح میں مولانا نے دورے کر کے جہاد حریت کی تبلیغ کی اسی سلسلے میں سرکاری ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ اور میدان

اور میدان عمل میں تیغ بکف اتر آئے دہلی کے معرکوں میں جنرل محمد بخت خان کی قیادت میں نبرد آزما رہے مجاہدین نے جب دہلی میں انگریزوں کو شکست دیکر سلطنت مغلیہ کے احیا کا اعلان کیا اس وقت مولانا فیض احمد مرزا مغل کے پیشکار کے فرائض بھی انجام دیتے اور لشکری انتظامات کے سلسلہ میں جملہ امور کی نگرانی کرتے شکست دہلی کے بعد آپ جنرل بخت خان اور مولانا سید احمد اللہ شاہ صاحب کی معیت میں لکھنؤ گئے اور ہر محاذ پر ان کے شریک کار رہے۔ سکندر باغ کے محاذ پر خصوصیت سے مولانا فیض احمد نے اپنی عملی تدابیر سے لشکر مجاہدین کی اعانت کی اور معرکہ آرا نظر آئے لکھنؤ کے بعد آپ مولانا سید احمد اللہ شاہ کے ساتھ شاہ جہاں پور بھی گئے۔ اس علاقہ کے محاربات میں جن رہنما مجاہدین کے نام آتے ہیں ان میں مولانا فیض احمد بھی پیش پیش تھے بعد ازاں جب قصبہ محمدی میں مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کی حکومت قائم ہوئی ان کی کونسل کے رکن رکین بنے جب محمدی پر انگریزوں نے حملہ کیا تو مولانا لشکر مجاہدین کے دستہ باز و بنے ہوئے تھے۔

مولانا سید احمد اللہ شاہ کے قیام شاہ جہاں پور کے دوران مولانا فیض احمد کی تجویز پر مجاہدین کے چند دستے بدایوں بھیجے گئے جنکی رہنمائی ڈاکٹر وزیر خان شہزادہ فیروز بخت اور مولانا فیض احمد کے سپرد تھی بدایوں کے معرکے میں داد شجاعت دینے کے بعد نگرانہ کے محاذ پر بھی مصروف کارزار رہے اور سرفروشانہ کارنامے انجام دیتے نظر آئے۔ یہاں سے ہی محمدی کی حکومت قائم ہونے پر کابینہ میں شامل کئے جانے کی غرض سے دوسرے اکابرین کے ساتھ طلب کئے گئے تھے سازش و غداری کے سبب حضرت احمد اللہ شاہ کی شہادت کے بعد دوسرے رہنما اور بقیہ جمعیت مجاہدین کے منتشر ہونے پر مولانا بھی روپوش ہو گئے بعض حضرات کا خیال تھا کہ خلافت ترکیہ کے دارالسلطنت قسطنطنیہ میں قیام پذیر ہیں اس کے لئے آپ کے ماموں کبر سنی کے باوجود تلاش میں سرگرداں قسطنطنیہ پہونچے لیکن آپ کا کوئی پتہ نہ چلا کچھ لوگوں کو قیاس ہے کہ جنرل بخت خان کے ساتھ نیپال چلے گئے اور وہاں روپوش ہوکر گوریلا جنگ میں مصروف رہے بہر حال آپ کا پتہ معلوم نہ ہو سکا اور سن و مقام وفات کا بھی کسی کو علم نہیں ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہید حریت منشی رسول بخش کاکوروی

تحریک انقلاب کے ایک سر برآوردہ رکن جو وطن فروشی کا نشانہ بنے

تحریک انقلاب ۱۸۵۷ء مسلمانان ہند کی صد سالہ عظیم جدوجہد اور سرفروشیوں کا ایک عظیم سلسلہ تھا جو ۱۷۵۷ء میں غازی نواب سراج الدولہ کی شکست و شہادت کے بعد برطانوی سازشوں کے پرفریب جال توڑ پھینکنے اور سرزمین وطن کو آزاد کرانے کے لئے مصروف جہاد رہے اس انقلابی تنظیم میں نوابین اور سب سے زیادہ علماء و صوفیائے کرام کی جماعتیں پیش پیش تھیں ۱۸۵۷ء کے محرکات کی تفصیل تو کتب تواریخ ہی میں ملاحظہ کیجا سکتی ہے

ویسے سرگزشت مجاہدین کے سلسلہ میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ گزشتہ تنظیم میں ۱۸۵۷ء کے محاربۂ عظیم سے پانچ چھ سال پہلے روح عمل دوڑتی نظر آنے لگی تھی جن علماء و فضلاء نے اس تحریک میں جان ڈالی انمیں مولانا سید احمد اللہ شاہ مولانا سرفراز علی شاہجہاں پوری مولانا لیاقت علی الہ آبادی علمائے بدایوں کے علاوہ دہلی آگرہ کاکوری وغیرہ کے علماء کا بڑا حصہ تھا ان حضرات میں منشی رسول بخش کاکوروی کا نام بھی سرفہرست ہے۔ جنھوں نے ابتداء سے عوام میں بیداری پیدا کرنے اور علم جہاد بلند کرنے میں برسوں دامے درمے سخنے قدمے جدوجہد جاری رکھی۔ منشی رسول بخش صاحب، مولانا سرفراز علی صاحب اور مولانا احمد اللہ شاہ صاحب و جنرل عظیم اللہ خان کی معیت میں مدتوں تنظیم انقلاب کیلئے ملک کے گرد و نواح میں دورے کرتے رہے اور شہر شہر قصبہ قصبہ میں گھومتے پھرتے عوام کو معرکۂ آزادی میں شریک ہونے کی دعوت حق دیتے رہے منشی صاحب نے بھی دیگر رہنما مجاہدین کی طرح دیسی افواج میں جہاد حریت کی تبلیغ کر کے سپاہیوں میں جوش عمل پیدا کیا۔ اور سپاہیوں وغیرہ کی تقسیم و تنظیم وغیرہ کے پروگرام میں نہایت سرگرمی سے شریک تھے۔

منشی صاحب کے جد امجد مولانا ابو بکر حاجی علوی تھے جنکے صاحبزادے ملک بہاؤ الدین سلطان شرقیہ کی جانب سے کاکوری فتح کرنے تشریف لائے تھے فتحیابی کے بعد ہی سکونت اختیار کی منشی صاحب کے والد فیض بخش بہادر نواب شجاع الدولہ کی افواج میں صوبیدار تھے وہ صاحب علم و ہنر شجیع و دلیر بزرگ تھے ان کی تصنیف "چشمۂ فیض" مشہور ہے منشی رسول بخش کی ولادت کاکوری میں ہوئی اور وہیں ابتدائی تعلیم ہوئی تحصیل علم کے بعد سلطان واجد علی شاہ کے فوج میں عہدیدار مقرر ہوئے اسی وقت سے ان کے دل میں جذبات حریت موجزن تھے سلطان کے فوجی معتمد بنکر لشکر سلطانی کی اعلیٰ تربیت میں مصروف رہے اور اسی دوران مسلمان سپاہ کو غیر ملکی تسلط کے خلاف آمادۂ پیکار کرتے رہے کیونکہ سلطان نے فوجی تربیت کا اہتمام بھی آزادی وطن کی جدوجہد کے لئے کیا تھا یہی سبب تھا کہ چند غدار امراء سلطنت نے ساز باز کر کے ان منصوبوں کی اطلاع انگریز حکام کو دیدی اور انعام و اکرام کی لالچ میں جاسوسی کرتے رہے جس کے نتیجے میں انگریزوں نے سلطانی لشکر کو یہ کہہ کر برطرف کرا دیا تھا کہ آپ کو اس لاؤ لشکر کے لازم رکھنے اور مصارف کا بار اٹھانے کی کیا ضرورت ہے ہماری فوجیں آپکی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ جب کوئی ضرورت ہو آپ انھیں طلب کر سکتے ہیں چنانچہ اسی معاہدہ کے

ہوجب ہندوستان گھڑی کے ہنگامہ کے دوران امیر المجاہدین اور انکی جمعیت کو گورہ پلٹن نے توپ دم کیا تھا سلطانی فوج کی برطرفی کے بعد ہی رسول بخش صاحب لکھنؤ سے کاکوری چلے گئے اور مستقل طور پر وہاں مقیم ہوکر جہاد حریت کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ مختلف مقامات پر تبلیغی دورے کرنے کے بعد آخر میں انھوں نے کاکوری کے عوام کو منظم کیا اور خفیہ طور پر فوجی تربیت دینے میں مصروف ہوگئے۔ چنانچہ کاکوری میں مجاہدین کی وہ جمعیت تیار ہوگئی جو منشی صاحب کی قیادت میں آزادی وطن کے لئے لڑنے مرنے کو ہر وقت آمادہ تھی اور اس کا ہر جانباز مجاہد دشمن کے مقابلہ میں جان دینے اور جان لینے کو عین ایمان سمجھتا تھا جنگ آزادی کے چند ماہ پیشتر اطراف وجوار کے علماء جو جہاد حریت کی رہنمائی میں مصروف تھے آگرے میں جمع ہوگئے، کیونکہ دہلی کے بعد اس زمانہ میں آگرہ کو اسلئے اہمیت حاصل ہوگئی کہ وہ برطانوی صوبہ کا صدر مقام بنا دیا گیا تھا حضرت مولانا احمد اللہ شاہ نے جب آگرہ پہونچکر تحریک انقلاب کے اقدام کے لئے مشاورتی مجالس منعقد کیں اور یہ شہر ارباب علم وفضل کا مرکز بن گیا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی حالات انقلاب میں لکھتے ہیں۔

مفتی انعام اللہ خان بہادر محکمۂ شریعت کے مفتی رہ چکے تھے اب بہت بڑے وکیل تھے حضرت آزردہ (مفتی صدر الدین) صاحب کے خط کے ذریعہ شاہ صاحب (مولانا احمد اللہ شاہ) ان کے یہاں آگرہ مقیم ہوئے ان کا گھر علماء کا مرکز بنا ہوا تھا مفتی صاحب کے صاحبزادے مولوی اکرام اللہ صاحب "تصویر الشعراء" مرید ہوئے۔

علماء وفضلاء کا یہ گلدستہ جسکی شیرازہ بندی ابتک علمی ادبی ذوق نے کر رکھی تھی مولانا شاہ احمد اللہ شاہ صاحب کے پہونچنے پر اس میں سیاسی رنگ پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اور مجلس کی شکل میں اس اجتماع کی تشکیل کی گئی اسکے ارکان کی مختصر فہرست ملاحظہ ہو۔

مولوی شیخ اعتقاد علی بیگ صاحب، مولانا امام بخش صہبائی، سید باقر علی صاحب ناظم محکمۂ دیوانی، مولوی نور الحسن صاحب، سید مراتب علی صاحب، مولوی خواجہ تراب علی صاحب، سید حسن علی صاحب، رحمت علی صاحب، مفتی ریاض الدین صاحب، مولوی غلام جیلانی صاحب، غلام مرتضےٰ صاحب منشی رسول بخش صاحب، شیخ محمد شفیع صاحب، مومن علی صاحب، باسط علی صاحب محمد عظیم الدین حسن صاحب، محمد قاسم صاحب دانا پوری، معین الدین صاحب، مولوی کریم اللہ خان صاحب، صدر الصدور قاضی محمد کاظم علی صاحب، تاج الدین صاحب طفیل احمد صاحب خیر آبادی، مولانا غلام امام شہید مفتی عبدالوہاب صاحب گوپامنڈی ڈاکٹر وزیر خان صاحب، مولوی فیض احمد صاحب بدایونی، مفتی انعام اللہ صاحب ——— یہ حضرات صدارت نظامت وغیرہ کے مختلف عہدوں پر فائز تھے۔ یا وکلاء تھے جنھوں نے اس مجلس کی رکنیت منظور کی اور دامے درمے قدمے شاہ صاحب کی تائید واعانت شروع کی۔

بالآخر اس اجتماع میں انقلابی اقدام کا پروگرام مضبوط ہوگیا اور جو حضرات بیرونی مقامات سے اپنے علاقوں کی نمائندگی کرنے آئے تھے عملی اقدامات کی رہنمائی کے لئے ان مقامات پر واپس چلے گئے اور اپنے اپنے محاذ پر جنگ آزادی کے اعلان کا انتظار کرنے لگے۔ جس کی ابتداء اچانک وقت موعودہ سے پہلے ہوگئی چنانچہ مجاہد ملت رسول بخش صاحب مقررہ پروگرام کے مطابق کاکوری کے لئے روانہ ہوئے اور کانپور میں جنرل عظیم اللہ خان سے ملکر جہاد آزادی کے سلسلے میں طے شدہ لائحہ عمل کے سلسلے میں صلاح ومشورے کرتے راستہ میں چند دیگر رؤساء اور جاگیرداروں کو انگریزوں کے مظالم اور جبر واستبداد کیخلاف نفرت دلاکر بغاوت پر آمادہ کرلیا۔ اور وہ مجاہدین کی ہر ممکن اعانت کے لئے تیار ہوگئے رہنمایان جہاد نے طے کیا تھا کہ ادھر کے تمام اطراف وجوانب کے علاقوں میں منظم معرکہ آرائی کے بعد پرچم آزادی بلند کرکے دار السلطنت لکھنؤ میں جمع ہوجانا چاہیئے۔ جہاں سلطنت اسلامیہ کے احیاء واستحکام اور انگریزوں کی حکومت کا قلع قمع کرنے کا اہتمام مکمل کیا جائے گا۔

منشی صاحب کاکوری پہونچکر اپنے علاقہ کی تنظیم وتربیت میں منہمک ہوگئے۔ انکی جمعیت مجاہدین میں لکھنؤ کی اودھ شاہی فوج کے برخاست شدہ سپاہیوں کی ایک جماعت بھی تھی اس کے سب جواں مردان کے اشارے پر سرفروشی کے لئے حاضر تھے منشی صاحب نے انقلابی تنظیم کے استحکام کی خاطر کئی پولیس افسروں کو بھی اپنے ساتھ ملالیا تھا اور ان سے گہرے تعلقات پیدا کرکے اپنا رازدار بنالیا تھا تاکہ آڑے وقت میں وہ مجاہدین کی اعانت کرسکیں۔

۱۰/ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی کے قبل از وقت اعلان بغاوت کی خبر سنتے ہی انھوں نے فوراً طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق لشکر مجاہدین کو آراستہ کیا کہ حکام وقت کے خلاف نبرد آزمائی شروع کردیں اور فتحیاب ہوکر مرکز جہاد لکھنؤ کی جانب کوچ کریں لیکن ایک راز دار پولیس افسر غداری پر آمادہ ہوگیا اور اس نے گورا پلٹن کے انگریز افسر سے مجاہدانہ عزائم کی مخبری کردی۔ اور بمصداق گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، انگریز افسر نے اسی وقت اپنی فوج کو حرکت دی اور لشکر جرار نے کر عین اس موقع مجاہد رہنماؤں کا محاصرہ کرلیا جب کہ رسول بخش صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ ایک مسجد میں بیٹھے تھے اور مشاورتی مجلس میں مصروف تھے۔ اور مجاہدین کو اقدام کے لئے آخری ہدایات دینے کے بعد حملہ کی تیاری پر بحث کررہے تھے۔ منشی صاحب کے ساتھ اس وقت ان کے دست راست منشی عبدالصمد اور دوسرے رفقاء کار موجود تھے جن کی مجموعی تعداد اٹھارہ تھی انگریزی فوج نے ان نہتے رہنماؤں کو گرفتار کرلیا اور بلا تفتیش ومقدمہ ان سب حضرات کو شاہ پیر محمد کے ٹیلے پر پھانسی دیدی

منشی رسول بخش صاحب ان شہدائے حریت میں سب سے آگے تھے ان کے دو صاحبزادے منشی عبد الحیٔ اور منشی عبد العزیز اس وقت اپنے مکان میں تھے جب ان کو اس سانحہ کی خبر ملی با چشم نم صبر و شکر کرتے خاندان کے عورتوں بچوں کو لے کر نکلے کہ کسی طرف نکل جائیں اور ا۱۳۰ کی عزت بچائیں۔

حضرت شاہ تراب علی شاہ سجادہ نشین تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری نے اپنے صاحبزادگان کو بھیجکر اپنے پاس بلالیا۔ اور بحفاظت تمام روپوش کردیا مجاہدین کی جماعت میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور انھوں نے کسی کو سردار لشکر مقرر کرکے انگریزی فوج اور پولیس اسٹیشن پر حملہ کردیا۔ خوں ریز معرکہ آرائی ہوتی رہی کشتوں کے پشتے لگ گئے مگر مجاہدین نے ہار نہ مانی انگریز افسر تنگ آگئے۔ آخر کسی نے حکام کو مشورہ دیا کہ منشی رسول بخش صاحب کے صاحبزادگان اور اہل خاندان کی تلاش بند کرکے انکی معافی کا اعلان کردیں تو یہ لڑائی بند ہوجائے گی۔ چنانچہ مجبورًا یہی کیا گیا عارضی طور پر امن بحال ہوگیا اور منشی صاحب کا خاندان اپنے گھر آباد ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ لوگ اطمینان سے گھر خالی کر گئے اور کسی محفوظ جگہ چلے گئے اب مجاہدین نے از سر نو جدال و قتال کا بازار گرم کردیا اور مدتوں مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ بالآخر بیرونی کمک حاصل کرکے انگریزوں نے انھیں شکست دیدی۔ افسوس کہ غداروں نے ابتدا ہی سے اس محاذ کو ناکام بنادیا لطف یہ ہے کہ کسی تاریخی کتاب میں منشی رسول بخش کا حال درج نہیں کیا گیا۔ اور مورخین نے اس شہید وطن کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذکر تک نہیں کیا۔ صرف ایک دو جگہ ان کا نام ضرور لیا ہے۔ حالانکہ تحصیل کاکوری کی سرکاری دستاویزات اور خفیہ رپورٹس میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے جنکی بنا پر یہ حالات، مرتبہ نقل کئے گئے۔

شہید حرّیت مولانا وہاج الدّین کے اولوالعزم کارنامے

۱۸۵۷ء کے زمانہ میں ضلع مراد آباد کے مجسٹریٹ سی بی سانڈرس جے۔ جے۔ کیمبل جوائنٹ مجسٹریٹ اور جے کرافٹ ولسن سشن جج تھے۔ کرافٹ ولسن کو مراد آباد میں ۷ اسال گذر چکے تھے اور وہ یہاں کے تمام عمائدین سے بخوبی واقف تھا شہری مزاج سے بھی اسے پوری واقفیت حاصل تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب حکام ضلع کو مراد آباد اور اس کے اطراف و جوانب میں جنگ حریت کے شعلے بلند ہوتے نظر آئے تو ضلع کی نظامت انھیں کے سپرد کی گئی۔

جو اصحاب شہر میں جہاد حریت کی رہنمائی کر رہے تھے انہیں مولانا وہاج الدین پیش پیش تھے۔ ان کے ساتھ دوسرے سر برآوردہ علماء اور مجاہدین میں سے خصوصًا قاضی عصمت اللہ فاروقی، نواب عباس علی خان، اسد خان، نواب مجد الدین خان عرف نواب مجو خان، نواب شبیر علی خان اور مولانا کفایت علی کافی تھے۔

ان رہنماؤں کی قیادت اور مولانا وہاج الدین کے عملی اقدام نے مراد آباد میں انگریزوں کو شکست دے کر قومی حکومت قائم کردی نواب مجو خان حاکم ضلع مقرر کئے گئے لشکر مجاہدین کا سپہ سالار نواب شبیر علی خان کو بنایا گیا مولانا کفایت علی صدر شریعت مقرر ہوئے۔

مولانا وہاج الدین نے اپنے لئے کوئی عہدہ منتخب نہیں کیا بلکہ تمام ضلع میں تبلیغ جہاد اور تنظیم انقلاب کے فرائض اپنے ذمہ لئے اسد علی خان توپ خانہ کے افسر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ مولانا وہاج الدین ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ عوام سے خطاب کرتے اور انھیں غیر ملکی تسلّط کے خلاف ہر ممکن جدوجہد اور عزم و استقلال سے سینہ سپر رہنے کی تلقین کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ضلع بھر کے مسلمان ان کے پرچم تلے مجتمع ہو گئے تھے حتیٰ کہ رامپور کے پٹھانوں نے جب دیکھا کہ نواب یوسف علی خان (والی ریاست) کسی طرح انگریزوں کی طرفداری سے باز نہیں آتے تو چپکے چپکے جتھوں کی صورت میں مراد آباد آنے لگے۔ اور لشکر مجاہدین میں شریک ہو گئے۔

ڈسٹرکٹ گزٹ مراد آباد میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برطانوی حکومت سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور واضح طور پر ظاہر کیا۔ روہیلکھنڈ کے دوسرے اضلاع کی طرح مراد آباد کے ضلع میں بھی غیرت دینی اور انگریزوں کے ہر بات سے نفرت کے جذبات نے مسلمانوں کو عام بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ مولوی وہاج الدین صاحب نے قیام حکومت کے بعد جو دورے کئے اور دوسرے مجاہد رہنماؤں سے رابطہ اتحاد کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں بریلی بھی پہونچے اور نواب خان بہادر خان سے مشورے کئے اس دورے میں مولانا کافی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام انگریز حکام راہ فرار اختیار کرکے نینی تال میں پناہ گزیں ہو چکے تھے۔ اور ان کی حمایت و رسد رسانی نواب رامپور نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اور ساتھ یہ تجویز کی کہ سارا روہیلکھنڈ بریلی اور مراد آباد (بدایوں وغیرہ) اپنی فوج بھیجکر فتح کرلیں لیکن انگریز مرتے مرتے بھی یہ گوارہ نہ کرسکتے تھے کہ انکی بجائے کوئی اور ملک کے کسی حصہ پر قبضہ کرلے۔ چنانچہ نواب نے مجبورًا دوسری تجویز یہ پیش کردی کہ صرف مراد آباد پر حملہ کرنے اور اسے فتح کرنے کی اجازت دی جائے اور فورًا اپنے چچا عبد العلی خان کو مراد آباد روانہ کرکے جہاد حریت کے رہنماؤں سے گفت و شنید شروع کردی نواب مجو خان اور منو صاحب نے انھیں صاف جواب دے دیا کہ آپ شوق سے تشریف لائیں انگریزوں کے خلاف پہلے جہاد کا اعلان کریں اور مجاہدین کی سرکردگی اختیار کرلیں ورنہ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ انگریزوں کے طرفدار بنکر ہمیں دبائیں اور فتحیاب ہوکر ضلع کو دشمنوں کے حوالہ کردیں تو ہم ہر طرح معرکہ آرائی کیلئے تیار ہیں۔ ہمیں گوئے وہمیں میدان" نواب رامپور نے مجاہدین کے تیور دیکھکر اور

مراد آباد کے جوش و خروش کا حال معلوم کر کے نواب مجو خاں کو پیام دیا کہ ہم تمکو اپنا ناظم تسلیم کرتے ہیں۔ تمہاری حکومت رامپور کے ماتحت رہے گی جب بریلی میں نواب خان بہادر خان کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فوراً جنرل بخت خاں کو ان کے لشکر مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا کہ وہاں کا جائزہ لیں اور نواب رامپور کو مراد آباد کے مجاہدین کے ساتھ سازباز نہ کرنے دیں، شہزادہ فیروز شاہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ جنرل بخت خاں رامپور ہوتے ہوئے (جس کی تفصیلی کیفیت گزشتہ مضامین میں بیان ہو چکی ہے) مراد آباد وارد ہوئے اور مجاہد رہنماؤں سے ملاقات کر کے صورتحال معلوم کی۔

مجاہدین کی سرگرمیوں کا یہ عالم دیکھ کر نواب رامپور نے اپنے نمائندوں کو مع فوج کے واپس بلالیا۔ جنرل بخت خاں کو اطمینان ہو گیا کہ وہاں کی حالت بہت تشویشناک نہیں ہے اور نواب مجو خاں اور مولانا وہاج الدین نے ان کو پوری طرح یقین دلایا کہ ہم کسی قیمت پر بھی انگریزی حکومت کے ہوا خواہوں سے تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ شہزادہ فیروز شاہ کی موجودگی کے سبب بھی مجاہدین کو بڑی تقویت پہنچی ہوئی تھی اسی لئے جنرل بخت خاں مراد آباد سے ۷ ارجون کو دہلی روانہ ہو گئے لیکن نواب رامپور کی مداخلت ہوئی وہ انگریزوں کی شہ پر برابر مراد آباد والوں کی سلسلہ جنبانی کرتے رہے اس کی پوری تفصیل تحریک انقلاب کے حالات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے آخر نواب رامپور کی فوجوں کے ساتھ ملکر مراد آباد کی فتح کی تیاریاں کرتے رہے لیکن عرصہ دراز تک مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور انگریزوں کی حکمت عملی غداریوں کے جال بچھانے میں کامیاب ہو گئی، شہزادہ فیروز شاہ پہلے اپنی فوج کو لیکر اطراف و جوانب میں معرکہ آرائی کے لئے چلے گئے تھے۔ تقریباً ایک سال بعد دوبارہ مراد آباد آ گئے کیوں کہ لکھنؤ، دہلی اور بریلی وغیرہ سے مقامات پر انگریز قابض ہو گئے تھے۔ ۲۴ ر اپریل ۱۸۵۷ء کو رامپور کی فوج کے ساتھ کاظم علی خان اور گورا پلٹن اور گورکھوں وغیرہ کے لشکر کثیر کے ساتھ جنرل جانس نے مراد آباد پر حملہ کیا، مولوی وہاج الدین اور دوسرے رہنماؤں کی معیت میں اور شہزادہ فیروز شاہ کی قیادت میں مجاہدین نے ان فوجوں کا جی توڑ کر مقابلہ کیا۔

روایت ہے کہ خواتین مراد آباد مردانہ لباس زیب تن کر کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر مجاہدین کے گروہ میں شریک ہو گئیں اور مردانہ عزائم و دلیری کے ساتھ اپنے مردوں کے دوش بدوش لڑتی رہیں، اندرونی سازشوں اور مخبروں کی ذلت کے سبب مجاہدین کے پاس سامان حرب کی کمی ہونے لگی اس کے باوجود انہوں نے ہتھیار نہ ڈالے اور میدان کارزار میں ڈٹے ہوئے دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے مگر تابہ کے؟ انگریز زبردست اعانت اور قوت کے سبب غالب آئے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہزادہ فیروز شاہ سنبھل والی سڑک سے روانہ ہو کر کندرکی ہوتے ہوئے آنولہ اور وہاں سے بریلی پہنچے انگریزوں نے بقیۃ السیف جانبازان حریت کی گرفتاریاں شروع کیں اور شہر میں لوٹ مار مچانے لگے، جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لگائے گئے جس کو جاسوس اور کمینے مخبروں نے مجاہد بتایا اسے پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا، کوئی پرسش اور جائزہ جوئی نہ تھی ان شہدائے حریت کی یاد میں (جو پھانسی پا کر سرزمین وطن پر قربان ہوئے اور وہیں دفن کر دیئے گئے) محلہ گل شہید آباد ہو گیا جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے

مولانا وہاج الدین صاحب روپوش ہو گئے اور در پردہ دوبارہ موقع کی تلاش میں رہے کہ ایکبار پھر قسمت آزمائی کر سکیں وہ اپنے مکان ہی میں سکونت گزیں تھے مگر کسی حاکم کی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ تلاشی کا حکم دے۔ چنانچہ مخبروں کو ان کے پیچھے لگا دیا گیا، مولوی صاحب کے ملنے جلنے والے مخلصین اب بھی خفیہ طور پر ان سے ملاقات کے لئے جاتے رہتے اور وہ حسب عادت ہر چھوٹے بڑے سے ملتے۔ گو کسی حد تک محتاط رہتے ایک نمک حرام غدار جو مولوی صاحب ہی کے ٹکڑوں کا پلا ہوا تھا ایک روز موقع پا کر اپنے ساتھ ایک خفیہ سرکاری جماعت کو مسلح لیکر ان کے دروازہ پر جا پہنچا، تمام لوگ ادھر ادھر چھپے رہے اور اس نے دروازہ پر آواز دی، مولوی صاحب نے اس کی آواز پہچان کر ذکر سے دروازہ کھولنے کو کہدیا کہ آناً فاناً ایک مسلح گروہ چاروں طرف سے ہلہ کر کے فوجی رسالہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ مولوی صاحب کے ایک وفادار ملازم نے مداخلت کی جو فوراً شہید کر دیا گیا، مولوی صاحب نے اللہ اللہ کہہ کر پاس رکھی ہوئی بندوق اٹھائی لیکن اس سے پہلے کہ گولی چلائیں ہر طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی اور حضرت مولانا کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ آپ کی اور ملازم کی نعشیں فوجی رسالہ نے اٹھالیں اور اپنے ساتھ لے گیا اور آقا و ملازم دونوں کو برابر دفن کر دیا۔ بعد میں دونوں کی قبریں پختہ تعمیر کی گئیں جو محلہ گنج سرائے میں کچہری روڈ پر نقل بندوں کی مسجد سے متصل ایک احاطہ میں موجود ہیں اور ان پر نیم کے درخت کا سایہ ہے، مولانا علیہ الرحمۃ اور ان کے اہل خاندان کی تمام جائیداد اور املاک ضبط کر لی گئیں۔ ع

"بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق"

شمس العلماء حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی انگریزوں کی مخالفت اور برطانوی استبداد سے مسلمانوں کی آزادی میں مولانا فضل حق مرحوم کی تحریک آزادی کے ممتاز رہنما تھے، مولانا مرحوم کا جو عزم جہاد انگریزوں کے خلاف تھا وہ آپ کی گرانقدر کتاب "ہنگامۂ اجمیر" سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب بھی انگریزوں نے ضبط کر لی تھی، چند نسخے جو بچ رہے وہ آج بھی کہیں کہیں علمائے اہل سنت کے پاس پائے جاتے ہیں۔

محمد علی شوکت علی

یہ دونوں صاحبان گو علماء و مشائخ کے طبقے میں شامل نہیں مگر آزادی ہند و انگریزوں

کی مخالفت میں جو انہوں نے مساعی کی ہیں وہ محتاج تعارف نہیں یہ دونوں صاحبان اعتقاداً سنی تھے اسی وجہ سے دیوبندیوں نے انہیں بھی بدعتی اور مشرک قرار دیا ان کے علاوہ طبقہ علماء میں مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی مولانا فاخر اشرفی الہ آبادی مولانا ہدایت رسول وغیرہم سنی بریلوی علماء کی مقتدر ہستیاں صرف اسوجہ سے جیل کی کال کوٹھریوں میں محبوس رہیں کہ یہ لوگ انگریزوں سے جہاد کرنے میں سرگرم عمل تھے ایسے تمام حضرات کے کارناموں کے لئے ایک وسیع کتاب کی ضرورت ہے جس کے لئے اس مضمون میں گنجائش نہیں۔

بھارت کی آزادی میں علمائے اہل سنت کی غیر معمولی قربانیوں کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ وطن کے غداروں سے ملک وملت کو بچایا جاسکے۔

سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل

۱۸۲۳ء میں سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی انگریزوں کے اشارے پر سکھوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ شاہ صاحب وعظ کہنے میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ اسی لئے انھیں انگریزوں کی حمایت اور سکھوں کی مخالفت میں یک گونہ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ وہ کلکتہ میں سکھوں کے خلاف وعظ فرمارہے تھے کہ اثنائے وعظ کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے وہ بھی تو ظالم اور کافر ہیں تو اس کے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا ..."انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کوئی اذیت نہیں اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں، ہمارے مذہب کی رو سے ہم پر یہ فرض ہے کہ انگریزوں سے جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں" ع۱

مرزا حیرت دہلوی فرماتے ہیں ..."کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا کہ ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ بلکہ اگر کوئی ان پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ نہ آنے دیں" ع۲

مورخین صحت روایت کے اقرار کے ساتھ لکھتے ہیں ..."یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے" ع۳

ع۱ تواریخ عجیبہ صے۷۳ و تاریخ مذاہب الاسلام مطبع لاہور صـ۹۶ ع۲ حیات طیبہ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی صـ۲۹۶ ع۳ تواریخ عجیبہ صـ۷۳

سید صاحب خود فرماتے ہیں ..."ہم سرکار انگریزی پر کس سبب جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب، طرفین کا خون بلا سبب گرادیں" ع۱

تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے کہ ..."آپ کی (یعنی سید صاحب کی) سوانح عمری اور مکاتیب میں بیسیوں سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے اور اعلانیہ طور پر سید صاحب نے بہ دلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت کرنے سے منع کیا ہے" ع۲

کلکتہ میں دوران قیام شاہ اسماعیل نے جو انگریزوں کی حمایت کی ہے مورخین کے نزدیک ناقابل انکار ہے۔ یہ بات کسی ایک راوی کی روایت سے ثابت نہیں بلکہ سید صاحب کی سوانح عمری اور مکاتیب میں بیسیوں سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں بالاعلان انگریز بہادر کی حمایت میں قرآن وحدیث کا سہارا لیا گیا ہے۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کو نہ صرف ممنوع اور نادرست بتایا گیا بلکہ انگریزوں کے جبر وتشدد کی تردید کرتے ہوئے ان کی حکومت کو غیر متعصب اور بے ضرر قرار دیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کوئی انگریزوں پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان مجاہدین آزادی سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ بھی نہ آنے دیں۔ یہ حمایت محض لفظی حمایت نہ تھی بلکہ سید صاحب اور ان کے گروہ کے سربرآوردہ حضرات نے عملاً ثابت کیا ہے کہ وہ انگریزوں کے وفادار ہیں۔ میں آپ کا ذہن تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی طرف لیجانا چاہتا ہوں حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ والرضوان نے جب انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو سنی مسلمانوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ ہاتھوں میں بندوق لیکر میدان میں نکل پڑے لیکن افسوس صد افسوس ہندوستان کے سنی مجاہدین آزادی کا مقابلہ انگریزوں سے پہلے جس گروہ سے ہوا اسے آپ تذکرۃ الرشید (مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی) میں ملاحظہ فرمائیں۔

"ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم نانوتوی اور طبیب روحانی حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں (یعنی مجاہدین آزادی) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما طبقہ (یعنی علمائے دیوبند) اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہو گیا" ع۳

اسی انگریز دوستی کا نتیجہ تھا کہ شاہ محمد اسحٰق دہلوی جو سید صاحب اور انگریزی حکومت کے درمیان رابطہ تھے وہ انگریزوں کے تعاون سے روپیہ حاصل کر کے سید صاحب کو پہنچایا کرتے تھے ..."اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ مولوی محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی ملک پنجاب

ع۱ تواریخ عجیبہ صـ۹۱ ع۲ ایضاً صـ۳۳۶
ع۳ تذکرۃ الرشید ج ا صـ۷۴، ۷۵

میں وصول نہ ہوتے پر اس سات ہزار روپے کی واپسی کا دعوی عدالت دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری بحق مدعی بحال رہا۔" ؎۱

سید صاحب نے انگریزوں کی مدد تین طریقے سے کی۔ پہلی مدد اس طرح کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کو شرعاً ناجائز قرار دیا۔ دوسری مدد اس طرح کہ خود انھوں نے ایسا ماحول بنادیا کہ اکابر دیوبند مجاہدین آزادی سے ٹکراتے لگے اور تیسری مدد اس طرح کہ مسلم امراء اور روساء کو انگریزوں کا ہمنوا بنایا۔ چنانچہ حیات طیبہ کا مصنف بلا خوف تردید لکھتا ہے۔

"لارڈ ہسٹنگز سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگذاریوں سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہسٹنگز اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں آتارا تھا۔" ؎۲

امیر خاں کا پورا نام نواب امیر علیخاں ہے۔ یہ والئی ٹونک تھے۔ انگریزوں نے جب نواب امیر علیخاں صاحب کو شکست دے کر خانماں برباد کردیا۔ دولت و سطوت چھین لی تو مجبوراً امیر علیخاں نے گوالیار میں پناہ لی۔ ایسے انگریز دشمن کو بھی شیشہ میں اتارنا سید صاحب کا واقعی ایک عظیم کارنامہ تھا جسے انگریز فراموش نہیں کرسکتا تھا۔ انہی کارگذاریوں کی بنا پر سید صاحب کے لشکر کے لئے راشن پانی کا انتظام انگریزوں نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی فرماتے ہیں ــــ "اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر رکھے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انھوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہونچیں۔ یہ اطلاع پا کر میں غروب آفتاب تک کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ تیار کرانے کے بعد لایا ہوں۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کرلیا جائے اور کھانا لیکر قافلہ میں تقسیم کردیا گیا اور انگریز تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔" ؎۳

غور فرمایئے! بہادر شاہ ظفر، سلطان ٹیپو اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے تصور سے انگریزوں کی رات کی نیند حرام ہو جائے۔ تمام مجاہدین آزادی کو موت کے گھاٹ اتار دینا انگریزی اقتدار کا نصب العین ہو، جواب دیا جائے کہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والا انگریز سید صاحب کے لشکر کے لئے راشن پانی کا انتظام کیوں کر رہا ہے؟ انگریزوں کی عیاری سے جو لوگ واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں کتنی گہری سازش ہوتی ہے انگریزوں نے سید صاحب کو پادری صاحب کہہ کر دو کام لئے۔ اول یہ کہ مسلمانوں کا انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے نہیں دیا۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کی توجہ انگریزی مظالم سے ہٹا کر سکھوں کی طرف مبذول کرادیا۔ انگریز خوب جانتا تھا کہ اس نے اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھینا ہے لہٰذا واپسی کی جدوجہد مسلمان کی طرح دوسری قوم نہ کرسکے گی۔ اس لئے مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے چاہے اس کے لئے سید صاحب اور ان کے لشکر کی پرورش ہی کرنی پڑے۔ انگریزوں نے تمام مسلم سپاہیوں کو چھوٹ دے رکھی تھی کہ وہ سید صاحب کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں کیونکہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے ان سے بہتر کوئی دوسرا مذہبی رہنما نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"حلقہ الہ آباد میں جو مسلمان سپاہی مختلف خدمات پر متعین تھے اور تین سو کی تعداد میں تھے انھوں نے انگریز قلعہ دار کی اجازت سے حضرت سید صاحب کو قلعہ میں تشریف لانے کی زحمت دی۔ تخت نشین پر جو سلاطین سابق کی تخت گاہ تھی آپکو بٹھایا۔" ؎۱

سوچئے! مجاہدین آزادی پھانسی کے تختوں پر لٹکائے جارہے ہیں، علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کو کالا پانی کی سزا دی جارہی ہے۔ اور سید صاحب کو انگریز قلعہ دار کی اجازت سے تخت نشین پر بٹھایا جارہا ہے کیا تاریخ اسلام میں کسی اور مذہبی رہنما کی ایسی مثال مل سکتی ہے۔ جس نے پوری قوم سے غداری کی ہے۔ اگر کوئی عقیدتمند میرے اس ریمارک میں تلخی محسوس کرتا ہو تو مجھے معذور سمجھئے اس لئے کہ جب کلیجہ پھٹنے لگتا ہے تو قلم ادبی شہ پاروں کے، بجائے جگر کے ٹکڑوں کو پیش کرتا ہے۔

میں بار بار عرض کرچکا ہوں کہ سید صاحب کا سکھوں کے خلاف مسلمانوں کو صف آراء کرنا، انگریزوں کا سیاسی اسٹنٹ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے بچوں کا قتل دہلی میں مسلمانوں کے قتل عام کا روح فرسا منظر اور عورتوں، بچوں کا خون، مسلمانوں کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ انگریزوں کو خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان متحد ہو کر اٹھ کھڑے نہ ہوں، کیوں کہ علمائے اہل سنت نے جہاد کا فتوی دیدیا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے اپنی پرانی پالیسی (۱) خرید (۲) لڑاؤ (۳) حکومت کرو پر عمل شروع کیا، اس کے لئے ان کی نظر سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل پر پڑی۔ سودا ہوگیا۔ پھر کیا تھا، سکھوں کے مظالم بیان کئے جانے لگے تاکہ مسلمانوں کی توجہ اصل دشمن سے ہٹ کر ہم وطنوں کی طرف مبذول ہو جائے۔ چنانچہ سید صاحب نے انگریزوں کی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہندستانی مسلمانوں کے ذریعہ" سکھوں سے جہاد کے نام پر" مسلمانوں کی سلطنتوں کو مزید کچلنے کا پورا موقع دیا گیا۔ چنانچہ سید صاحب کا عقیدتمند مورخ مولوی محمد جعفر تھانیسری رقمطراز ہے۔

"بملاحظہ مکتوبات احمدی یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ سید صاحب نے واسطے تباہی سلطنت پنجاب کے، جس قدر سیف و سنان کا کام لیا تھا اس سے زیادہ قلم اور زبان سے آپ نے کام لیا تھا۔ بخارا اور کاشغر اور افغانستان اور

؎۱ تواریخ عجیبہ ص ۸۹ ؎۲ حیات طیبہ ص ۲۹۲ ؎۳ سیرت سید احمد ج ۱ ص ۱۹۰ و سوانح احمدی ایضاً

؎۱ سیرت سید احمد ج ۱ ص ۱۹۶

بلوچستان اور سندھ و پنجاب و کشمیر و کاغان وغیرہ کے کل مسلمان امراء اور رؤساء اور خاندان شاہ شجاع بادشاہ کابل آپ کے ساتھ شریک ہو چکے تھے" ع۱

اگر سید صاحب انگریزوں کے وفادار نہ ہوتے تو وہ مذکورہ طاقتوں کو متحد کر کے انگریزوں کے خلاف استعمال کرتے اور کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے لیکن ان کی تحریک کو چونکہ انگریزوں نے جنم دیا تھا اور سید صاحب کو ہر طرح کی مالی امداد حاصل تھی اسی لئے انھوں نے مغل بادشاہوں کے معاونین جو افغانی مسلمان تھے کی توجہ انگریزوں کی طرف سے ہٹا کر سکھوں کی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئے اور انگریزوں کی منفعت بھی اسی میں تھی کہ مسلمان سکھوں سے ٹکرائیں تاکہ ہندستان میں دونوں طاقتیں آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں اور انگریزی اقتدار سلامت رہے۔

سید صاحب نے انگریز دوستی کا حق صرف اسی صورت میں نہیں ادا کیا کہ مسلم امراء اور رؤسا کی توجہ سکھوں کی طرف پھیر کے انگریزوں کو ہر طرح سے محفوظ رکھا، بلکہ انگریزی اقتدار کی بہی خواہی کے لئے مجاہدین آزادی سے خود جنگ کی جو مغلیہ سلطنت کے حامی اور انگریزوں کے دشمن تھے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا بیان سوانح نگار ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"حضرت (گنگوہی) نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبیٹھہ نے مجھے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے۔ بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً سید صاحب سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی ع۲ مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مسمیٰ یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا" ع۳

یار محمد خاں حاکم یاغستان نہ کسی انگریز افسر کا نام ہے نہ کسی سکھ مہاراجہ کا۔ یہ ایک کلمہ گو اور اہل قبلہ کا نام ہے جس سے سید صاحب نے پہلی جنگ کی۔ اس سے زیادہ سید صاحب انگریزوں کی مدد اور کیا کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آراء کرنا اور ہندستانی مسلمانوں کی توجہ انگریزی اقتدار اور ظلم و ستم کی داستاں سے ہٹا کر سکھوں کی طرف مبذول کرانا اور کبھی کبھی انگریزی اقتدار کی حمایت میں اسے عادل اور محافظ باور کرانا سید صاحب کی ایسی وفاداری ہے جسے انگریز کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ چنانچہ شمال مغربی سرحد میں سید صاحب نے جب اپنی ایک آزاد حکومت قائم کی تو ایک اعلامیہ شائع کیا جس کے مندرجہ ذیل فقرے غور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان فقروں نے سید صاحب کی انگریز دوستی کو بے نقاب کر دیا۔

دامن کو لئے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل
کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

ع۱ تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۸۱ ع۲ مولانا گنگوہی اور حافظ جانی کی سب سے بڑی مشترکہ کرامت یہ ہے کہ مولوی عبدالحئی دہلوی کو مولوی عبدالحئی لکھنوی بنا دیا۔ ناظرین لکھنوی کے بجائے دہلوی پڑھیں (نوٹ) ع۳ سیرت سید احمد ج ۱ صفحہ ۱۹۶

سید صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

" نہ با کسے از امراء مسلمین تنازعت داریم و نہ با یکے از رؤسائے مومنین مخالفت۔ باکفار مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام۔ صرف با درازمویان مقاتلہ نا باکلمہ گویان و اسلام جویان و نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم۔ و نہ ہیچ را تنازعت کراز رعایا اوہستیم بحمایتش از مظالم بیایا" ع۱

ترجمہ:۔ نہ کسی مسلمان حاکم سے ہمارا جھگڑا ہے نہ کسی مسلمان رئیس سے ہماری مخالفت نہ کافروں سے مقابلہ ہے اور نہ مدعیان اسلام سے۔ ہماری جنگ صرف لانبے بال والوں (یعنی سکھوں) سے ہے۔ ہماری مخاصمت نہ کلمہ گو اور طالبان اسلام سے ہے اور نہ ہی سرکار انگریزی سے۔ کیونکہ ہم ان کی رعایا ہیں اور ان کی پناہ و حفاظت میں مظالم سے محفوظ ہیں۔

" باکفار مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام" ـــــ اور" نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم" ان دو واضح جملوں نے بتا دیا کہ سید صاحب کی تمام لڑائیوں کی نوعیت کیا تھی؟ غور فرمایئے جو جنگ کفر و اسلام کے اختلاف کی بنیاد پر نہ لڑی گئی ہو اسے اسلامی جنگ قرار دینا اور اس کے سپاہیوں کو مجاہدین باور کرانا۔ کیا اسلام کے تصور جہاد کو مجروح کرنا نہیں ہے؟ سید صاحب نے اپنی ساری جدوجہد کو بے نقاب کر کے بتایا کہ اس کا تعلق کفار و مشرکین سے نجات حاصل کرنا نہیں ہے اور نہ ہی سرکار انگریزی سے انھیں کوئی مخاصمت ہے وہ تو مسلمانوں کی مجموعی طاقت کو صرف لانبے بال والوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ انگریزی حکومت سے عدم مخاصمت کی وجہ سید صاحب یہ بتاتے ہیں کہ وہ اور ان کی قوم انگریزوں کی پناہ و حفاظت میں مظالم سے محفوظ ہے۔

بے شک سید صاحب اور ان کی مختصر سی امت مظالم سے محفوظ تھی۔ ظلم کے پہاڑ تو تحریک آزادی کے علمبرداروں پر ٹوٹے تھے۔ مظالم کی موسلا دھار بارش علامہ فضل حق خیرآبادی اور دیگر علمائے اہل سنت پر ہو رہی تھی جنھیں انگریز دشمنی میں بدبختی اور قبر بجا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے۔ ظلم و ستم اور جبر و تشدد تو ان لوگوں پر روا رکھا گیا تھا جو انگریزوں کو ذلیل و رسوا کر کے ہندستان کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ ایسے ظلم و جور کے دور میں سید صاحب اور ان کا مختصر سا گروہ یقیناً مامون و محفوظ رہا ہوگا کیوں کہ جسے انگریزوں کی سرپرستی حاصل ہو اس سے زیادہ انگریزوں کے اقتدار میں کون مامون و محفوظ رہ سکتا ہے۔ کاش سید صاحب کی سکھ دشمنی، انگریز دوستی کا نتیجہ نہ ہوتی ـــ منشی محمد جعفر تھانیسری سوانح احمدی میں تحریر فرماتے ہیں۔

" یہ بھی صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں سے جہاد کرنے کو جاتے ہیں۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہے وہ دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندستان لے لو یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے ......

ع۱ سوانح احمدی صفحہ ۲۳

سکھوں سے جہاد کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے سے مزاحم ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔ اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و زیادتی نہیں کرتی ۔ نہ انکو ادائے عبادت سے روکتی ہے ۔" ع۱

انگریز دوستی کی اس سے زیادہ بدترین مثال اور کیا مل سکتی ہے کہ سید صاحب کو سکھوں کے ظلم و جور یاد رہے ۔ لیکن بے شمار مسلمانوں کا انگریزوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترجانا یاد نہ رہا ۔ کیوں کہ سید صاحب ظالم انگریزوں کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے تھے ۔ سید صاحب نے سکھوں کے تعلق سے جتنی باتیں بیان کی ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تقریباً بیس سال قبل انگریزوں کے بھی مظالم کی ایسی ہی تفصیل بیان فرمائی ہے اور اسی بنا پر انگریزی مقبوضات کو حضرت شاہ صاحب نے دارالحرب قرار دیا تھا ۔ اس کے بعد بھی علمائے اہل سنت خصوصاً مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیرآبادی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ۔ لیکن ان فتووں کا اثر ان لوگوں پر کیسے پڑتا جو انگریزوں کی چوکھٹ پر ان کی روشنی میں سجود نیاز لٹا رہے تھے ۔

سید صاحب نے انگریزی اقتدار کو مضبوط بنانے کے لئے نہ صرف مسلمانوں کا رخ سکھوں کی طرف پھیرا بلکہ ہندوں کو بھی مشتعل کر کے اپنے لشکر میں شامل کیا اور انھیں بھی سکھوں سے لڑادیا ۔ چنانچہ راجہ رام ہندو پر سید صاحب کا جادو اثر کر چکا تھا اور سید صاحب نے اسے اپنا معتمد بنالیا یہاں تک کہ پورا توپ خانہ اسی کی کمانڈری میں دے دیا تھا ۔ شیخ الحدیث مولانا محمد میاں ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم (ہندستانی مسلمان اور تحریک آزادی) میں راجہ رام ہندو کی سید صاحب کے لشکر میں شمولیت اور اس کے کارنامہ کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔" راجہ رام ہندو ، سید صاحب کے توپ خانہ کا کمانڈر ہے اور سکھوں کی فوج پر گولہ باری کر رہا ہے ۔" ع۲

اب اس لشکر کے بارے میں قارئین کا کیا خیال ہے جو ہندوں اور مسلمانوں پر مشتمل ہو ۔ کیا اس میں مرنے والے اسلامی شہید ہیں ؟ کیا راجہ رام ہندو سید صاحب پر جان قربان کر کے شہید بن سکتا تھا ؟ تو پھر اس لشکر کے دیگر مقتولین کو اسلامی شہید کیوں کہا جائے ؟ جب کہ پورا لشکر انگریزوں کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا ذہن پر بوجھ نہ ہو تو تاریخ کے چند تراشے ملاحظہ ہوں

(۱) "بھلا مسلمانوں دینی سید صاحب کی پارٹی ، کو گورنمنٹ انگلش سے کیوں سرو کار ہونے لگا ۔" ع۳

(۲) "ہماری عادل سرکار کے قبضہ میں آگئی ۔" ع۴

ع۱ سوانح احمدی صـ ۹۱ ع۲ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ صـ ۲۷۸
ع۳ حیات طیبہ صـ ۳۰۱ ع۴ ایضاً صـ ۱۸۱

سید صاحب کی وفاداری کو بیان کرتے ہوئے ان کے عقیدتمندوں نے عیسائی مورخ کی تکذیب بھی کی ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے ۔

(۳) "ڈاکٹر ہنٹر صاحب اور دوسرے متعصب مؤلفوں نے سید صاحب جیسے خیر خواہ اور خیر اندیش سرکار انگریزی کے حالات کو بدل سدل کر مخالفت کے پیرایہ میں لکھا ہے ۔" ع۱

گویا سید صاحب انگریزوں کے مکمل وفادار تھے ۔ ان کے متعلق جہاں کہیں انگریز دشمنی بیان کی گئی ہے وہ ڈاکٹر ہنٹر جیسے سخت عیسائی اور دیگر مورخین کا محض تعصب ہے ۔ کیوں کہ سید صاحب فی الواقع سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور خیر اندیش تھے ۔ ع۲

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب سید صاحب کا وہ فتویٰ پڑھئے جو انگریزوں کی غلامی میں ڈوبا ہوا ہے ۔

(۴) "پنجاب میں اس وقت ایک ایسی عادل اور بے ریا گورنمنٹ کی عملداری تھی کہ جس سے کسی طرح مخالفت جائز نہیں ۔" ع۲

جب پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ نہ تھا اس وقت سید صاحب نے سرحد پار اپنی ایک آزاد ریاست بنائی پھر پنجاب جو اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں تھا کے حصول کے لئے جدوجہد شروع کی تاکہ انگریزی اقتدار کی راہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ ختم ہو ۔ سید صاحب نے اپنے معتقدین کو یقین دلایا تھا کہ فتح پنجاب سے پہلے میں مروں گا نہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سید صاحب کا الہام تھا ۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری فرماتے ہیں ۔

"وعدۂ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ ان کو سراسر صادق اور ہونہار سمجھ کر بار بار فرماتے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے ۔۔۔ کہ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ ہوگی ۔" ع۳

یہ الہام کس طرح پورا ہوا وہ بھی ملاحظہ ہو ۔

"سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لامذہب قوم کے ہاتھوں میں آگئی جس کو ہم مسلمان اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کرتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل یہی ہوگی جو ظہور میں آئی ۔" ع۴

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سید صاحب نے سکھوں سے جنگ اسلام اور اہل اسلام کے لئے ہرگز نہیں کی تھی بلکہ انگریزی مملکت کی توسیع کے لئے یہ سب پاپڑ بیلے تھے جیسا کہ ان کے الہام کی صحیح تاویل سے معلوم ہوتا ہے ۔ سید صاحب کا ایک عقیدتمند مورخ فیصلہ کرتا ہے کہ ۔۔۔۔

ع۱ تواریخ عجیبہ صـ ۲۳۶ ع۲ ایضاً صـ ۲۲ ع۳ تواریخ عجیبہ صـ ۱۸۱
ع۴ ایضاً صـ ۱۸۱

" وہ اس آزاد عملداری (یعنی انگریزی عملداری) کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے " ع۱

کہتے دیکھئے کہ ؎

جعفر از بنگال صادق از دکن

ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن

بڑی ناانصافی ہوگی اگر سید صاحب کو میر جعفر اور میر صادق کے برابر سمجھا گیا۔ اس لئے کہ جعفر و صادق نے انگریزوں کا ساتھ اس لالچ میں دیا تھا کہ انگریز بہادر انھیں اقتدار سونپ دیا گے لیکن سید صاحب کا معاملہ دوسرا ہے وہ سرے سے ہی حکومت کے خواہاں نہ تھے بلکہ انگریزوں کی عملداری کو ہی اپنی عملداری سمجھتے تھے۔ اس لئے سید صاحب انگریز دوستی میں جعفر و صادق سے بلند تر ہیں۔ انگریزوں کی غلامی میں میر جعفر اور میر صادق سید صاحب کے گرد پا کے برابر نہیں۔

بات اگر سید صاحب اور شاہ اسماعیل دہلوی کی انگریز دوستی پر ختم کردی گئی تو داستان غم بڑی نامکمل رہیگا۔ لہٰذا ان کے نقش پا کو رہنما بنانے والوں پر بھی آیئے ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں تاکہ حق تلفی کا الزام تاریخ ہم پر نہ لگا سکے۔

مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی

پچھلے اوراق میں آپ کا نام نامی اسم گرامی آچکا ہے۔ آپ بھی سید صاحب کے زبردست پیرو بلکہ دست راست تھے۔ سید صاحب اور انگریزوں کے درمیان رابطہ کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ ان کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے انگریزوں کی مدد سے روپیہ حاصل کر کے سید صاحب تک پہنچایا ہے۔

" اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ مولوی محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی ملک پنجاب میں مرسول نہ ہونے پر اس سات ہزار روپیے کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوانی دائر ہو کر ڈگری بحق مدعی بحال رہا " ع۲

اس وقت کا سات ہزار روپیہ آجکل کے حساب سے ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ ہے۔ اتنی بڑی رقم اگر انگریزوں کے خلاف استعمال ہوتی تو کیا انگریزی عدالت سے واپس کرائی جا سکتی تھی؟ یہ روپیہ بالاعلان اس لئے سید صاحب تک پہنچایا گیا کیوں کہ اسے انگریزوں کی بنائی ہوئی اسکیم پر خرچ ہونا تھا۔ اسی لئے شاہ محمد اسحاق دہلوی کے لئے ان کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر انگریز حکومت نے مشاہرہ بطور وظیفہ جاری رکھا تاکہ انگریز دوستی کو صدمہ نہ پہنچے ___ جائدادیں تو علمائے اہل سنت کی ضبط کی گئیں جو انگریزوں سے کراتے تھے۔ شاہ صاحب کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ کھلا اعتراف موجود ہے۔

ع۱ تواریخ عجیبہ ص۱۸۳ ع۲ تواریخ عجیبہ ص۸۹

" مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کا واقعہ ہے۔ اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب گورنمنٹ انگریزی کا تسلط ہوا تو شاہ صاحب کا جو وظیفہ مقرر تھا وہ جاری رکھا گیا " ع۱

مولانا اشرف علی تھانوی

آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ " توہین رسالت " ع۲ کے بھیانک جرم کے مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ محققین ان پر انگریز دوستی کا بھی الزام عائد کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر آل انڈیا جمعیۃ علمائے اسلام فرماتے ہیں ___

" مولانا اشرف علی تھانوی ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی طرف سے دیئے جاتے ہیں " ع۲

خود مولانا تھانوی اپنے بارے میں فرماتے ہیں " تحریکات کے زمانے میں میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا کہ چھ سو روپیہ ماہانہ گورنمنٹ سے پاتا ہے۔ ایک شخص نے ایک ایسے مدعی سے کہا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی خوف سے متاثر نہیں لیکن طمع سے متاثر ہے " ع۳

مذکورہ بالا چھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ کی تاویل مولانا شبیر احمد عثمانی تائیں وظیفہ کے الفاظ میں یوں کرتے ہیں۔

" اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔ اب اس طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا " ع۴

یہ بات مولانا عثمانی نے صرف اس لئے کہی کہ ان پر بھی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند نے انگریزوں کی نمک خواری کا الزام لگایا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن فرماتے ہیں ___ " کلکتہ میں جمعیۃ علمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قائم ہوئی ہے ..... (چند سطر بعد) .... گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لئے دیگی چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لئے منظور کرلی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالہ بھی کردی گئی اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں " ع۵

ع۱ ملاحظہ ہو حفظ الایمان ص۹ ع۲ مکالمۃ الصدرین ص۱۱ ع۳ افاضات الیومیہ ج۲ ص۶۹ ع۴ مکالمۃ الصدرین ص۱۱
ع۵ مکالمۃ الصدرین ص۸

مولانا عثمانی نے اپنی جمعیۃ پر لگائے گئے مذکورہ بھیانک الزام کی تردید سے کتراتے ہوئے فرماتے ہیں: "جو آپ نے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق بیان فرمایا ہے جو روایت آپ نے بیان کی ہیں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب۔ ممکن ہے آپ صحیح کہتے ہوں" [1]

مولانا عثمانی نے جب یہ محسوس کیا کہ مولانا حفظ الرحمٰن گھر کے بھیدی ہیں اور پول کھول رہے ہیں تو مجبوراً انھوں نے مولانا تھانوی کا پول کھولنا شروع کر دیا۔ کر دیکھئے مولانا تھانوی کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو حکومت چھ سو روپئے ماہانہ دیتی تھی۔ اگر میری جمعیۃ علمائے اسلام کو بھی دے تو کیا حرج ہے۔ عثمانی صاحب کا بھولا پن ملاحظہ ہو کہ روپیہ ملنے کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ روپیہ پانے والے کو خبر ہی نہیں کہ وہ انگریزی حکومت کا آلۂ کار بن گیا ہے۔ اور معاوضہ میں چھ سو روپئے ماہانہ پا رہا ہے۔ کیا یہ لوگ مورخین کو بھی مریدین کی صف میں رکھتے ہیں کہ ہم جو تاویل و توجیہہ کر دیں، مورخین بلا چوں و چرا سرِ تسلیم خم کر دیں گے۔

تبلیغی جماعت

اس جماعت پر بھی انگریزی حکومت کی بڑی مہربانیاں تھیں۔ آج کل بھارت میں اسے جن سنگھ اور آر ایس ایس کی سرپرستی حاصل ہے۔ انگریزی عہد میں یہ جماعت بھی وظیفہ خوری میں کسی سے پیچھے نہ رہی۔ ملت دیابنہ [2] کا ایک ذمہ دار شخص اقرار کرتا ہے۔

"مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پھر بند ہو گیا۔" [3]

بند ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ تبلیغی جماعت تائب ہو کر انگریز دشمن بن گئی تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ جس مسلمان افسر نے تبلیغی جماعت کو خرید کر انگریزی اقتدار کی سلامتی کے لئے آلۂ کار بنایا تھا اس کا تبادلہ ہو گیا اور اس کی جگہ ایک متعصب ہندو افسر آیا جو غالباً اپنی فرقہ پرست ذہنیت کے سبب انگریزوں کے مسلم وفاداروں کی جگہ ہندو وفاداروں کا فائدہ چاہتا تھا۔ اسی ہندو افسر کی سفارش پر تبلیغی جماعت کی امداد بند ہوئی ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن خود فرماتے ہیں۔

"بہرحال اس مسلمان افسر کا تبادلہ ہو گیا اور ایک ہندو اس کی جگہ آ گیا جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف ہونا بالکل بیکار ہے اس پر آئندہ کے لئے امداد بالکل بند ہو گئی" [4]

بات ذرا طویل اور صرف اسی لئے کہ قارئین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے

ع۱ مکالمۃ الصدرین ص ۹ ع۲ یعنی دیوبندی قوم ع۳ مکالمۃ الصدرین ص ۸
ع۴ مکالمۃ الصدرین ص ۸

کہ صرف مولانا تھانوی کو ہی سرکاری نعمت سے نہیں نوازا گیا بلکہ اس صف میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا آزاد سبحانی اور مولانا الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت بھی ہے۔

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

بات چل رہی تھی مولانا تھانوی کی، ناظرین اپنے ذہن کا رشتہ دوبارہ تھانوی صاحب سے جوڑ لیں۔ تحریک خلافت کو کون نہیں جانتا۔ انگریزوں نے اسے باغی جماعت قرار دیا تھا۔ وہ صرف اس لئے کہ تحریک خلافت متحدہ ہندستان سے انگریزوں کو مار بھگانا چاہتی تھی۔ اس کی سرگرمیاں ملک کے طول و عرض میں اتنی سرعت کے ساتھ پھیل گئیں کہ انگریزی حکومت کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ اسی لئے انگریزوں کو ضرورت محسوس ہوئی۔ ایسے علماء کی جو تحریک خلافت کو بے قاعدہ، بے اصول اور بے ایمان قرار دیں۔ آخر کار چھ سو روپیہ ماہانہ نے اپنا اثر دکھایا اور مولانا تھانوی نے کہنا شروع کیا کہ۔

"تحریکِ خلافت کے زمانے میں لوگ چاہتے تھے کہ جس طرح ہم بے قاعدہ اور بے اصول چل رہے ہیں نہ شریعت کے حدود کا تحفظ نہ احکام کی پرواہ۔ اسی طرح یہ بھی شرکت کرے۔ میں نے کہا اگر تمہاری موافقت کی جائے تو ایمان جائے۔" [1]

جب انگریزی حکومت کی جانب سے مسلمانانِ کشمیر پر مظالم کے پہاڑ گرائے جا رہے تھے مسلمانوں کی ماؤں اور بہنوں کی عصمت دری سر بازار ہو رہی تھی۔ عورتوں کا سہاگ لوٹا جا رہا تھا تو اس وقت مجاہدینِ آزادی جتھے بنا کے کشمیر روانہ ہو رہے تھے تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی امداد کریں۔ مسلم اور اسلام کے ناموس کی حفاظت کریں۔ مگر عین اسی وقت مجاہدین کے اس اقدام کو مولانا تھانوی نے شراب اور جوا سے تشبیہہ دیکر حرام قرار دیا۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

"کشمیر پر جو جتھے جا رہے ہیں اس کے متعلق ایک صاحب مجھ سے دریافت فرمانے لگے کہ ان جتھوں کا جائز یا ناجائز ہونا تو الگ بات ہے مگر نافع بہت ہے۔ میں نے کہا جی ہاں خمر بھی نافع ہے میسر بھی نافع ہے۔" [2]

انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جس وقت مجاہدینِ آزادی نے جیلوں کو بھر دیا اور بھوک ہڑتال کر کے انگریزوں پر رات کی نیند حرام کر دی اس وقت دیگر انگریز دوستوں کے ساتھ خود مولانا تھانوی بھی مجاہدین کے ان اقدامات کو خودکشی سے تعبیر کر رہے تھے۔

"جتھوں کا جیل میں جانا یا پٹنا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے۔" [3]

مجاہدینِ آزادی کا جیلوں میں جانا وہاں انگریزی سامراج کے مظالم برداشت کرنا۔ اس لئے خودکشی قرار دیا جا رہا تھا کیوں کہ مولانا تھانوی کے نزدیک انگریزی حکومت عادل اور محافظ جان و مال تھی اور (۲) کے مقبوضات ان کے نزدیک دار الاسلام تھے۔

ع۱ افاضات الیومیہ ج ۴ ص ۶۵ ع۲ افاضات الیومیہ ج ۱ ص ۱۰
ع۳ ایضاً ص ۷۵

تھانوی صاحب فرماتے ہیں :-

" حکومت انگریزی میں رعایا پر کسی قسم کی دار وگیر و بے اطمینانی سرکار کی جانب سے نہیں ہوئی بلکہ بدستور ہر شخص اپنے جان و مال پر مطمئن رہا۔ (الی قولہ) بعض کے لئے امان اول باقی ہے بعض کے لئے امان ثانی یعنی مثل دونوں اجزاء کی یا دونوں اتصالوں کے ہوگا اور ترجیح دار الاسلام کو دی جائے گی "[1]

مولانا تھانوی کے مذکورہ بالا فتویٰ کا اثر مسلمانوں نے ذرہ برابر بھی قبول نہ کیا اور نہ ہی وہ انگریزوں کے جبر و تشدد سے ہراساں ہوئے بلکہ انگریزوں کے مظالم جیسے جیسے بڑھتے گئے آزادی وطن کے متوالوں کا جوش و خروش بھی بڑھتا گیا۔ اور ہندوستانیوں کا مشترکہ محاذ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا ایک وقت ایسا بھی آیا جب کھلے اور واضح الفاظ میں " سوراج " کا نعرہ بلند کیا گیا جس وقت علمائے اہلسنت ملک کو آزاد کرانے کی جد و جہد کر رہے تھے یعنی " سوراج " کے خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے کی جد و جہد میں مصروف تھے ٹھیک اسی وقت بعض زرخرید مولویوں نے سوراج کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اسے شیخ چلی کا خواب بتایا۔ آزادی وطن کو صرف احتمال عقلی قرار دیا وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں سوراج کو مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا جانے لگا چنانچہ مولانا تھانوی اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں :-

" طلب سلطنت محال کی طلب نہیں بلکہ احتمال کی طلب ہے گو اس احتمال کو پورا ہونا ایسا ہی ہے جیسے شیخ چلی کے احتمال کا پورا ہونا جیسے آج کل سوراج کی بہت شورش ہے۔ ہندوستانی بادشاہت کے طالب ہیں شاید تم کو ہی مل جائے احتمال تو ضرور ہے مگر بس احتمال ہی سے خوش ہو لو ورنہ یہ احتمال ایسا ہے جیسے ایک صاحب نے سیاہ کتے کو جھک کر سلام کیا تھا کسی نے وجہ پوچھی تو کہا شاید جن ہو اور جنوں میں بھی بادشاہ ہو اور میرے سلام کی وجہ سے خوش ہو کر کچھ دیدے۔ بس ایسی ہی حالت آپ کی طلب کی ہے۔ "[2]

یا اللہ زمین پھٹ کیوں نہیں جاتی اور آسمان گر کیوں نہیں پڑتا۔ آزادی وطن کی جد و جہد کو شورش کہا جا رہا ہے اسے شیخ چلی کا خواب بتایا جا رہا ہے۔

ع قیامت کیوں نہیں آتی الٰہی ماجرا کیا ہے۔

صرف چھ سو روپیہ ماہانہ میں اتنا اثر تھا کہ سوراج کی جد و جہد کو شیخ چلی کا احتمال بتا کے اور کالے کتے سے تشبیہ دیکر مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ تھانوی صاحب تو منوں مٹی کے نیچے دب گئے ہیں اب ان کے پیرو جواب دیں کہ وطن عزیز آزاد ہوا کہ نہیں؟ چھ سو روپے ماہانہ دینے والے آقاؤں کو ہندوستان سے مار بھگایا گیا کہ نہیں؟ اور سوراج جس کا تھانوی صاحب نے مذاق اڑایا ہے اب وہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نہیں؟۔

[1] ایضاً صفحہ ۷۵۔ [2] ماہنامہ الابقاء جلد ۱۴ عدد ۲ بابت ماہ اپریل ۱۹۵۳ء کراچی صفحہ ۲۷

—— مولانا تھانوی کی تعلیمات میں ایک بنیادی تعلیم یہ بھی تھی کہ انگریز حاکموں کو ناراض نہ کیا جائے۔ یہ تعلیم اس لئے دی جاتی تھی کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے اور چھ سو روپے ماہانہ کے علاوہ بھی کچھ ملے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

" میں مسلمانوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم حکام وقت کو ناراض نہ کرو۔ یہ طریقہ بہت مضر ہے "[1]

انگریزی حکام کی اطاعت و فرماں برداری کا درس اگر وہ اپنی رائے کی حد تک دیتے تو صرف جعفر و صادق کی فہرست میں ان کا بھی شمار ہوتا۔ اور لوگ زیادہ اہمیت نہ دیتے لیکن مومن کا کلیجہ اس وقت پھٹنے لگتا ہے جب مولانا تھانوی اپنی انگریز دوستی کو قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق قرار دینے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ انگریزی حکام کی حمایت کرتے ہوئے قرآن پاک سے یوں استدلال کرتے ہیں۔

" اور شریعت کا امر ہے " لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کہ اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو تو ایسا کام نہ کرنا چاہیے جس میں حاکم کی ناراضی ہو کیونکہ اسکا انجام قریب بہ ہلاکت ہے اور مدت دراز تک مسلمانوں کو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے "[2]

مذکورہ آیہ کریمہ کو دلیل بنا کے انگریز حاکموں سے مخالفت مول لینے کو تھانوی صاحب خلاف شرع بتا رہے ہیں۔ ظالم انگریزوں کی ناراضی کو ہلاکت بتا کے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ انگریز بہادر کو اپنے کسی عمل سے ناراض نہ کریں ورنہ مدت دراز تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ آخر کوئی جواب دے کہ انگریز حاکموں سے جہاد کرنا اور ان ظالموں سے نجات حاصل کرنے کے لئے انھیں پریشان و حیران کرنا اگر ہلاکت ہے تو شہادت اور ایثار و قربانی کسے کہتے ہیں کیا شہادت و قربانی کی عظمتیں انگریزوں کی چوکیداری میں پوشیدہ ہے؟ یا اس مرد مجاہد کو درجہ شہادت نصیب ہوتا ہے جو ظالم کے سامنے بلا خوف و خطر کلمہ حق بلند کرتا ہوا قتل کیا جاتا ہے —— مولانا تھانوی کا جہاد سے فرار، وہ بھی صرف چھ سو روپیہ ماہانہ یا اس سے کچھ زائد رقم کی خاطر ملت اسلامیہ سے کھل کر غداری ہے۔

کیا اب بھی انکی انگریز دوستی کو سمجھنے کے لئے کسی اور گواہی کی ضرورت رہ گئی ہے۔ اتمام حجت کے لئے ایک اور ایسی گواہی پیش کر رہا ہوں جس کے ہر لفظ سے انگریز کی محبت و عقیدت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ مولانا تھانوی خود فرماتے ہیں۔

" ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ اگر تمہاری حکومت ہو جائے تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے میں نے کہا محکوم بنا کے رکھیں گے۔ کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم بنا کے ہی رکھیں گے۔ مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ انھوں نے ہمیں آرام پہونچایا "[3]

[1] ماہنامہ الابقاء جلد ۱۵ عدد ۹ بابت ماہ مئی ۱۹۴۳ء دہلی صفحہ ۴۲۔
[2] ماہنامہ الابقاء جلد ۱۵ نمبر ۱۰ بابت جون ۱۹۴۳ء دہلی ص ۱۲۔
[3] افاضات الیومیہ ج ۴ ص ۲۹۶۔

بے شک انگریزوں سے آپ حضرات کو بہت آرام ملا ہے۔ وطن فروشوں کے لیے انگریز کا خزانہ کھلا ہوا تھا تاریخ کا یہ فیصلہ ناقابل تردید حقیقت بن چکا ہے کہ مولانا الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت انگریزوں کے روپے سے بنی مولانا شبیر احمد عثمانی کی جمعیۃ علمائے اسلام کو انگریز نے ایک بیش قرار رقم دی۔ مولانا آزاد سبحانی نے براہ راست انگریزوں سے روپیہ لیا مولانا اسحاق دہلوی کا باقاعدہ وظیفہ مقرر تھا سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی پوری فوج کا راشن پانی انگریزوں کے ذمہ تھا۔ علاوہ ازیں سید صاحب نے ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی انگریزوں کی مدد سے حاصل کی۔ خود مولانا تھانوی کو چھ سو روپیہ ماہانہ ملا کرتا تھا۔ یہ وہ رقمیں ہیں جو ظاہر ہوگئیں ابھی بہت سی خفیہ رقمیں ہیں جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں نقاب کشائی انشاء اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ہوگی۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

مولانا رشید احمد گنگوہی

آپ کا شمار اکابر علمائے دیوبند میں ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ملتِ دیابنہ کی قیادت آپ کے ہاتھ میں تھی تو غلط نہ ہوگا۔ آپ کو اپنے بارے میں جو خوش فہمی تھی وہ انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر" [1]

خط کشیدہ وہ جملہ "میں کچھ نہیں ہوں" مولانا گنگوہی نے تواضعاً فرمائی ہے ورنہ یہ جملہ دو بھاری بھرکم دعوؤں کے بیچ میں مہمل بن کے رہ جائے گا۔

پہلا دعویٰ :۔ حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔

دوم دعویٰ :۔ اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر

ان دونوں دعوؤں پر تبصرہ کرنے کے بجائے صرف یہ کہکر آگے بڑھ جانا ہے کہ اسی طرح کا خبط مرزا غلام احمد قادیانی کو ہوا تو موصوف کی پوری ذریت غیر مسلم قرار دے دی گئی۔ دیکھئے گنگوہی صاحب کے ساتھ کب انصاف کیا جاتا ہے۔ کیونکہ راقم الحروف تو یہی سمجھتا ہے کہ کوئی مجدد ہو یا محدث فقیہہ ہو یا مجتہد وہ خود اپنے اتباع کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اتباع شریعت کی دعوت دیتا ہے اور یہ شان انبیا اور مرسلین کی ہے کہ وہ اپنے اتباع پر ہی ہدایت و نجات کو موقوف قرار دیں۔ اب دیوبندی حضرات خود یہ فیصلہ کریں کہ گنگوہی صاحب کی اس دبی آواز نے انکو قادیانی صاحب سے کتنا قریب کیا ہے؟

؂ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

تعارف میں بات ذرا طویل ہوگئی۔ اس کتاب کا منشاء ان حضرات کی مذہبی [2] نوعیت کو واضح کرنا نہیں ہے اس کے لیے آپ "زلزلہ" (مصنفہ علامہ ارشد القادری) کا مطالعہ کریں جو بے حد مفید ہے ——— یہاں تو راقم الحروف صرف ان حضرات کی انگریز دوستی کو واضح کرنا چاہتا ہے تاکہ بے شمار تہوں میں دبی ہوئی حقیقت سے ملت اسلامیہ کو آگاہ کیا جائے اور مکر و فریب کی پوری بساط کو الٹ دیا جائے۔

اس موقع پر ہم زلزلہ کا ایک طویل اقتباس پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ علمائے دیوبند کی انگریز دوستی کو رات کی تاریکی میں بھی دیکھا جا سکے اور اسی کے ساتھ لاجواب کتاب زلزلہ کا بھی مختصر سا تعارف ہو جائے لیجیے اقتباس ملاحظہ فرمایئے

دارالعلوم دیوبند میں الحاد و نصرانیت کا ایک مکاشفہ

لگے ہاتھوں انہی دیوان جی [1] کا ایک کشف اور ملاحظہ فرمائیے مولوی مناظر احسن گیلانی اپنے اسی حاشیہ میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں "ان ہی دیوان جی کے مکاشفہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہی نقل کیا جاتا ہے لکھتے ہیں کہ مثالی عالم میں ان پر منکشف ہوا کہ دارالعلوم کے چاروں طرف ایک سرخ ڈورا تنا ہوا ہے اپنے اس کشفی مشاہدہ کی تعبیر خود یہ کیا کرتے تھے کہ نصرانیت اور تجدد و آزادی کے آثار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں نمایاں ہوں گے" [2]

مجھے اس مقام پر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ جو لوگ اپنا عیب چھپانے کے لئے دوسروں پر انگریزوں کی کاسہ لیسی اور سازباز کا الزام عائد کرتے ہیں وہ گریبان میں منہ ڈالکر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمالیں ——— کتاب کے مصنفین کو اس کشف پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ہرگز اسے شائع نہ کرتے ———،

اور بات کشف تک ہی نہیں ہے تاریخی دستاویزات بھی اس امر واقعہ کی تائید میں ہیں کہ انگریزوں کے ساتھ نیازمندانہ تعلقات اور رازدارانہ سازباز دارالعلوم دیوبند اور منتظمین و عمائدین کا ایسا نمایاں کارنامہ ہے جسے انھوں نے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور یہ بات بھی از راہ الزام نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دیوبندی لٹریچر

---

[1] تذکرۃ الرشید ج ۲ صفحہ ۱۷ [2] یعنی دیوبندی مذہب کے پیرو۔

[1] دیوان جی کا اصل نام یٰسین تھا اور بقول قاری محمد طیب مہتمم مدرسہ دیوبند دیوان جی کا خصوصی تعلق مولوی قاسم نانوتوی سے تھا اور دیوبند میں نانوتوی صاحب کی خانگی اور ذاتی امور کا تعلق بھی انہیں سے تھا اور بقول مولوی حبیب الرحمان سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند دیوان جی کی کشفی حالت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر سے آنے جانے والے نظر آتے تھے در و دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہیں رہتا تھا۔

حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۴۳ مرتبہ مولوی مناظر احسن گیلانی

[2] سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۴۳

سے جو تاریخی شہادتیں مجھے موصول ہوئی ہیں انکی روشنی میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ نمونے کے طور پر چند تاریخی حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :-

انگریزوں کے خلاف افسانۂ جہاد کی حقیقت

ایک دیوبندی فاضل نے "مولانا محمد احسن نانوتوی" کے نام سے موصوف کی سوانح حیات لکھی ہے جسے مکتبۂ عثمانیہ کراچی (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ اپنی کتاب میں مصنف نے اخبار "انجمن" پنجاب لاہور مجریہ ۱۹ر فروری ۱۸۷۵ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹنٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمّٰی پامر نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا۔ معائنہ کی جو عبارت موصوف نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اسکی چند سطریں خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔

"جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرفہ سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار، ممدو معاون سرکار ہے۔

(مولانا احسن نانوتوی صفحہ ۲۱۷)

ع۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود انگریز کی یہ شہادت ہے کہ "یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممدو معاون سرکار ہے"

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس بیان کے سامنے اب اس افسانے کی کیا حقیقت ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ مدرسہ دیوبند سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا بہت بڑا اڈہ تھا۔

مدرسہ دیوبند کے قدیم کارکنوں کا انگریزوں کے ساتھ کس درجہ خیر خواہانہ اور نیاز مندانہ تعلق تھا۔ اس کا اندازہ لگانے کیلئے خود قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا یہ تہلکہ خیز بیان پڑھئے۔ فرماتے ہیں

"(مدرسہ دیوبند کے کارکنوں کی اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔"

(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۲۴۷)

آگے چلکے انھیں "بزرگوں" کے متعلق لکھا ہے کہ مدرسہ دیوبند میں ایک موقع پر گورنمنٹ کی جب انکوائری آئی تو "اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھکر مدرسہ کی طرف سے صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی" (حاشیہ سوانح قاسمی)

گھر کا رازدار ہونے کی حیثیت سے قاری طیب صاحب کا بیان جتنا باوزن ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

"اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جس مدرسہ کے چلانے والے انگریزوں کا وفاپیشہ نمک خوار ہوں اسے باغیانہ سرگرمیوں کا اڈہ کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے یا نہیں؟ اب انگریزوں کے خلاف دیوبندی اکابر کے افسانۂ جہاد اور بغاوت کی پرانی بساط الٹ دینے والا ایک سنسنی خیز کہانی اور سنئے۔

سوانح قاسمی میں مولوی قاسم نانوتوی کے ایک حاضر باش مولوی منصور علی خان کی زبانی یہ قصہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مولانا نانوتوی کے ہمراہ نانوتہ جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں مولانا کا حجام افتاں و خیزاں آتا ہوا ملا اور اس نے خبر دی کہ نانوتہ کے تھانیدار نے ایک عورت کے بھگانے کے الزام میں میرا چالان کر دیا ہے۔ خدارا مجھے بچائیے۔ مولوی منصور خان کا بیان ہے کہ نانوتہ پہونچتے ہی مولانا نے اپنے مخصوص کارندہ منشی محمد سلیمان کو طلب کیا اور پر جلال آواز میں فرمایا

"اس غریب کو تھانیدار نے بے قصور پکڑا ہے تم اس سے کہدو کہ یہ (حجام) ہمارا آدمی ہے اسکو چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچو گے۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالو گے تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پڑے گی۔" (سوانح قاسمی ج ۱ صفحہ ۳۲۱، ۳۲۲)

لکھا ہے کہ منشی محمد سلیمان نے مولانا نانوتوی کا حکم ہو بہو تھانیدار تک پہونچا دیا۔ تھانیدار نے جواب دیا کہ اب کیا ہو سکتا ہے روزنامچہ میں اس کا نام بھی لکھ دیا گیا۔

مولانا نانوتوی نے اس جواب پر حکم دیا کہ تھانیدار سے جا کر کہدو کہ اس کا نام روزنامچہ سے کاٹ دو۔ منصور علی خان کا بیان ہے کہ مولانا کا یہ حکم پا کر سراسیمگی کی حالت میں تھانیدار خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"حضرت نام نکالنا بڑا جرم ہے۔ اگر نام اس کا نکالا تو نوکری جاتی رہیگی فرمایا۔ اسکا نام (روزنامچہ سے) کاٹ دو تمہاری نوکری نہیں جائے گی۔

(سوانح قاسمی ج ۱ صفحہ ۳۲۳)

واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ مولانا کے حکم کے مطابق تھانیدار نے حجام کو چھوڑ دیا۔ اور تھانیدار تھانیدار ہی رہا۔

مجھے اس واقعہ پر بجز اس کے اور کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے کہ مولوی قاسم نانوتوی اگر انگریزی حکومت کے باغیوں میں سے تھے تو پولیس کا محکمہ اس قدر ان کے تابع فرمان کیوں تھا۔؟ اور تھانیدار کو یہ دھمکی کہ "اسے چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچو گے" وہی دے سکتا ہے جسکا ساز باز اوپر کے مرکزی حکام سے ہو۔

انگریزی قوم کی بارگاہ میں نیاز مندانہ ذہن کا ایک رخ اور ملاحظہ فرمایئے اس سلسلہ میں سوانح قاسمی کے مصنف کی ایک عجیب وغریب روایت سنئے۔ فرماتے ہیں۔

"انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے ہیں ان میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں"

(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۱۰۳)

انگریزوں کے صف میں حضرت خضر کی موجودگی اتفاقاً نہیں پیش آئی تھی بلکہ وہ "نصرت حق" کی علامت بن کر انگریزی فوج کے ساتھ ایک بار اور دیکھے گئے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں کہ:۔

"غدر کے بعد جب گنج مراد آباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا (شاہ فضل الرحمان صاحب) جاکر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جسکے کنارے مسجد تھی کسی وجہ سے انگریزی فوج گذر رہی تھی مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ ڈور کھونٹے وغیرہ گھوڑے کا لئے ہوئے تھا۔ اس سے باتیں کر کے پھر مسجد واپس آ گئے۔"

اب یاد نہیں رہا کہ پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے کہ سائیس جس سے میں گفتگو کی یہ خضر تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے تو جواب میں کہا کہ حکم یہی ہوا ہے۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۱۰۳)

بات ختم ہو گئی لیکن یہ سوال سر پہ چڑھ کے آواز دے رہا ہے کہ جب حضرت خضر کی صورت میں نصرت حق انگریزی فوج کے ساتھ تھی ان باغیوں کے لئے کیا حکم ہے جو حضرت خضر کے مقابلہ میں لڑنے آئے تھے؟ کیا اب بھی انھیں غازی اور مجاہد کہا جا سکتا ہے؟

اپنے موضوع سے ہٹ کر ہم بہت دور نکل آئے لیکن آپکی نگاہ پر بار نہ آئے تو اس بحث کے خاتمے پر اکابر دیوبند کی ایک دلچسپ دستاویز اور ملاحظہ فرمایئے۔

دیوبندی حلقے کے ممتاز مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنی کتاب تذکرۃ الرشید میں انگریزی حکومت کے ساتھ مولوی رشید احمد گنگوہی کے نیاز مندانہ جذبات کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں

"آپ سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے (تذکرۃ الرشید ج ۱ صفحہ ۸۰)

کچھ سمجھا آپ نے؟ کس الزام کو یہ جھوٹا کہہ رہے ہیں یہی کہ انگریزوں کے خلاف انھوں نے علم جہاد بلند کیا تھا میں کہتا ہوں کہ گنگوہی صاحب کی یہ پرخلوص صفائی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن کم از کم ان کے معتقدین کو تو ضرور ماننا چاہیئے ــ لیکن غضب خدا کا کہ اتنی شد و مد کے ساتھ صفائی کے باوجود بھی ان کے ماننے والے یہ الزام ان پر آج تک دہرا رہے ہیں کہ انھوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں اسکی مثال مشکل ہی سے ملے گی کہ کسی فرقے کے افراد نے اپنے پیشوا کی اسطرح تکذیب کی ہو۔

اور "سرکار مالک ہے سرکار کو اختیار ہے" یہ جملے اسکی زبان سے نکل سکتے ہیں جو "تن" سے لے کر "من" تک پوری طرح کسی جذبۂ غلامی میں بھیگ چکا ہو۔

آہ! دلوں کی بدبختی اور روحوں کی شقاوت کا حال بھی کتنا عبرت انگیز ہوتا ہے۔ سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ خدا کے باغیوں کے لئے تو جذبۂ عقیدت کا یہ اعتراف ہے کہ وہ مالک بھی ہیں مختار بھی! لیکن احمد مجتبیٰ اور محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے۔

"جسکا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک مختار نہیں"

(تقویۃ الایمان)

بے شک یہ بتانے کا حق مملوک ہی کو ہے کہ اس کا مالک کون ہے۔ کون نہیں۔ جو مالک تھا اس کے لئے اعتراف کی زبان کھلتی تھی، کھل گئی۔ اور جو مالک نہیں تھا، اس کا انکار ضروری تھا ہو گیا۔ اب یہ بحث بالکل عبث ہے کہ کس کا مقدر کس مالک کے ساتھ وابستہ ہوا۔"

یہاں پہونچکر ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے ہیں مادی منفعت کی کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ دلوں کی اقلیم کس کی بادشاہت کا جھنڈا اگڑا ہوا ہے ــ سلطان الانبیاء کا، یا تاج برطانیہ کا؟

(زلزلہ مصنف علامہ ارشد القادری صفحہ ۹۳ تا صفحہ ۱۰۱)

اس سے قبل کہ مولانا گنگوہی کی انگریز دوستی پر سیر حاصل گفتگو کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائد حریت مولانا فضل حق خیر آبادی کے بارے میں تاریخ کا ایک فیصلہ پڑھ لیا جائے۔ تاکہ تقابلی مطالعہ میں آسانی رہے۔

"۱۸۵۷ء میں فتوئی جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا فضل حق خیر آبادی ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ اور مقدمہ چلایا گیا۔ جج بار بار روکتا تھا کہ مولانا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مگر مولانا کے شان استقلال پر قربان جایئے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ مولانا کے اقرار و توثیق کے بعد اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی چنانچہ عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا۔ مولانا نے بکمال مسرت و خندہ پیشانی اس سزا کو قبول فرمایا۔" ع۱

ع۱ خون کے آنسو حصہ اول مصنف مولانا مشتاق احمد نظامی صفحہ ۳۰

یہ تھے علامہ فضل حق خیرآبادی جن پر شجاعت و بے باکی ناز کرتی ہے۔

اب سنئے مولانا رشید احمد گنگوہی کا حال ——— آپ صرف شبہہ میں حاضر عدالت ہوئے اور پھر بے داغ بری ہوئے آپ کی بھی مختصر روداد مختصر الفاظ میں سن لیجئے جسے انھیں کے عقیدتمندوں نے بیان کیا ہے۔

"جس وقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے تو ظاہر ہو کر بے تکلف بات کرتے اور جو دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے ۔ ۔ ۔ ۔ اور حقیقت حال کے موافق ——— کبھی آپ سے سوال ہوا کہ رشید احمد تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا۔ اور فساد کیا؟ آپ جواب دیتے۔ " ہمارا کام فساد نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی"۔ کبھی دریافت ہوتا کہ تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے؟ آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے فرماتے " ہمارا ہتھیار تو یہ ہے "۔ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تم کو پوری سزا دیں گے۔ آپ فرماتے۔ کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کر کے۔" عا

انگریزی عدالت نے چار سوالات کئے اور مولانا گنگوہی نے اس کے جوابات دیئے آپ کی توجہ تھوڑی دیر کے لئے مولانا کے جوابات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(۱) "حاکم جو دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے تھے ——— اور حقیقت حال کے موافق"۔ یعنی مولانا نے انگریزی عدالت میں بڑی بے تکلفی سے باتیں کی۔ یہ طرز عمل یارانہ تعلقات پر خاصی روشنی ڈالتا ہے اور غالبًا یہی وجہ تھی کہ مولانا کو اپنی گلوخلاصی کے لئے جھوٹ سے کام لینا ہی نہیں پڑا۔ کیونکہ حقیقت حال جب انگریزی حکومت کے موافق ہو تو خلاف حقیقت بیان کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

(۲) " ہمارا کام فساد نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی"۔ یہ جواب صاف ظاہر کر رہا ہے کہ مولانا نے مجاہدین آزادی کے لشکر میں اپنی شمولیت کے الزام سے براءت انگریزی عدالت میں سب کے سامنے کیا ہے اور مجاہدین کو مفسدوں کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ انگریز بہادر کی خوشنودی مولانا کے لئے کسقدر ضروری تھی۔

(۳) " ہمارا ہتھیار تو یہ ہے" تسبیح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا۔ گویا موصوف انگریزی اقتدار کیلئے یا اپنی محفوظیت کے لئے ہمیشہ دعاگو رہے یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف نہ سیف و سناں سے کام لیا نہ قلم و زبان سے۔

(۴) جب سزا کی دھمکی دی گئی تو فرمایا "کیا مضائقہ ہے۔ مگر تحقیق کر کے"۔ یعنی مولانا گنگوہی کو یقین تھا کہ جب تحقیق کی جائے گی تو میری انگریز دوستی میں ڈوبی ہوئی زندگی کب حاکم کو سزا دینے کی طرف مائل ہونے دیگی۔ اسی لئے تو تحقیق کی شرط لگائی جا رہی ہے۔ اس طرح کی شرط وہ شخص نہیں پیش کر سکتا۔ جسکی زندگی کا ہر لمحہ انگریز دشمنی میں گذر رہا ہو۔ کیونکہ تحقیق و تفتیش تو اسے پھانسی کے تختے تک پہونچا دے گی۔ لہٰذا تحقیق پر اطمینان کا اظہار صرف وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو انگریز دشمنی میں قطعًا ملوث نہ ہو، بلکہ اس کا ربط ضبط بھی باغیوں سے نہ ہو ورنہ سزا کے لئے اتنا ہی ثبوت کافی تھا۔ مولانا موصوف کا یہی وفادارانہ رویہ انگریزوں کے لئے باعث تسکین تھا چنانچہ انگریزی عدالت نے مولانا کو بے داغ بری کر دیا۔

مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے کردار کا فرق دیکھئے حاضر عدالت دونوں ہوئے مگر اول الذکر کو کالا پانی کی سزا ہوئی اور ثانی الذکر کو رہائی کا پروانہ ملا جسے سزا ہوئی وہ عدالت میں شیر کی طرح گرج رہا تھا اور جسے رہائی ملی وہ اپنی انگریز دوستی پر اس قدر مطمئن تھا کہ تحقیق و تفتیش کا قید لگا رہا ہے۔

"یہی وجہ تھی کہ مولانا گنگوہی کا ایک خاص عقیدتمند جو ان کا مزاج آشنا بھی تھا رقمطراز ہے " آپ کوہ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے جو چاہے کرے" عا

مولانا گنگوہی کے بارے میں ان کا عقیدت مند یہ نہیں لکھتا کہ آپ انگریزی حکومت کے خلاف کوہ استقلال بنے خدا کے حکم پر راضی تھے بلکہ کوہ استقلال بنے رہنے میں جو جذبہ کارفرما تھا وہ انگریزی سرکار کی مکمل وفاداری تھی اسی وفاداری کو آزادی ہند کی تاریخ میں غداری کہتے ہیں۔ انگریزوں پر اطمینان کے باوجود مولانا موصوف خدا کے انصاف سے گھبرائے ہوئے بھی تھے جسطرح ایک مجبور جرائم پیشہ بھی ایسے موقع پر مرضی مولا کے آگے گردن جھکا دیتا ہے۔ واقعہ نگار کو تسلیم ہے کہ مولانا گنگوہی سمجھے ہوئے تھے کہ میں حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ جھوٹا الزام اسحبات کو کہا جا رہا ہے کہ مولانا گنگوہی نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ ذرا انگریزوں کی بارگاہ میں مولانا کا جذبۂ سپردگی ملاحظہ ہو فرماتے۔ " سرکار مالک ہے جو چاہے کرے"۔ کاش مولانا نے گنبد خضرا کے مکیں کو سرکار کہہ کے اپنا مالک کہا ہوتا۔ تو زندگی کے سارے پاپ کٹ گئے ہوتے۔ انگریز حاکموں کو سرکار اور مالک کہنے والی زبان نہ جانے کیوں "بارگاہ مصطفٰے" میں گستاخ ہو جاتی ہے۔

جب انگریزوں کے خلاف عام بغاوت پھیل گئی تو انکی راتوں کی نیند حرام ہو گئی مگر افسوس انگریزی تشدد کے ساتھ بعض علمائے دیوبند کی چمچہ گیری نے انقلاب کو ناکام بنا دیا اس افسوسناک واقعہ کا ذکر بڑی بشاشت سے ان الفاظ میں کیا جاتا ہے"

"جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ

عا تذکرۃ الرشید قدیم ایڈیشن صفحہ ۸۴-۸۵

تذکرۃ الرشید ج ۱، صفحہ [illegible]

غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کردی ۱؎ (دو صفحہ کے بعد فرمایا جارہا ہے) "بغض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ اور اپنی رحمدل گورمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا" ۲؎

استغفر اللہ ! کمپنی کا دور مولانا گنگوہی کے نزدیک امن و عافیت کا زمانہ تھا اور حکومت برطانیہ بڑی رحمدل گورمنٹ تھی یعنی وہ لوگ پاگل تھے جنھوں نے انگریزوں کے دور کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور بغاوت کر بیٹھے ان کے سروں پر موت کھیل رہی تھی۔

اللہ اللہ ! انگریزی دور کو امن و عافیت کا زمانہ کہا جارہا ہے یہ الفاظ اسی کے منہ سے نکل سکتے ہیں جو تن من دھن سے انگریزوں پر قربان ہو چکا ہو۔ —— ظالم انگریزوں کے ظلم کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ انگریزی مظالم سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ ان مظالم کو لکھتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ سینۂ قلم شق اور جگر قرطاس پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ مگر گنگوہی صاحب ایسے ظالم اور سفاک کی حکومت کو رحمدل گورمنٹ کہتے ہوئے آخرت کی بازپرس سے ڈرے نہ شرم دنیا کا کچھ پاس و لحاظ رکھا۔

ریمارک میں تلخی ضرور آگئی ہے کیا کروں جب کسی مظلوم کا دل جلتا ہے تو وہ اپنی ٹیس کو چھپا نہیں سکتا۔ کون برداشت کرسکتا ہے کہ ظالم و جابر حکمرانوں کی مطلق العنانی کو رحمدلی سے تعبیر کیا جائے چنگیز و ہلاکو کی یاد تازہ کرنے والے انگریزی دور کو امن و عافیت کا زمانہ کہا جائے۔

جب ہندوستان سے انگریزوں کا بوریہ بستر بندھنے لگا تو ان کے اپنی وفاشعار غلاموں نے دیوبند میں پناہ لی اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال کے باقاعدہ اسکی اشاعت میں مصروف ہو گئے تاکہ سامراجیت کے بطن سے پیدا ہونے والے اس نئے مذہب میں سنی مسلمانوں کو بھی داخل کیا جائے اور اسطرح وطن کے وفاداروں اور غداروں کے فرق کو مٹا دیا جائے۔ یہ جدوجہد ہنوز جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ آزادی کا ہیرو انگریزوں کے زرخرید مولویوں کو بنایا جارہا ہے

بے شک ہندوستان انگریزوں سے خالی ہوگیا مگر اس کا پھیلا ہوا زہر آج بھی "دارالعلوم دیوبند" اور اس کے اثرات کی صورت میں موجود ہے۔ جو وحدت ہند کے لئے ناسور بن چکا ہے۔ یہاں سے کبھی جارح فرقہ پرستی کو ہوا دیجاتی ہے۔ کبھی آر۔ ایس ایس اور ہندو مہاسبھا کی زبان میں پیغامات نشر کئے جاتے ہیں۔ یقین نہ ہو جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کو قریب سے دیکھئے۔ خدا ہمارے ملک کو ان انگریز دوستوں اور سامراجیت کے پروردہ مولویوں کے شر سے محفوظ رکھے اور حکومت ہند کو توفیق دے کہ ماضی کے آئینے میں دوست اور دشمن کے چہرے کو دیکھ سکے۔ تاکہ ملک کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائے۔ جو سات سمندر پار والوں کے قدموں میں اسے ڈالدیں۔

ع ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

۱؎ تذکرۃ الرشید ج ا صد ا ۔۔ ۲؎ تذکرۃ الرشید ج ا صد ۷۳ ر۔

امام احمد رضا اور

قومی و شرعی ایمرجنسی

عالیجناب سید ایوب اشرف ایم اے ایل ایل بی
چوک۔ لکھنؤ

ملک وقوم کی تاریخ میں نہ جانے کتنی مثالیں موجود ہیں کہ جب بھی لاقانونیت کا دور دورہ ہوا اور ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوا اور ملکی نظام کو درہم برہم کرنے کی جب بھی فضا بنائی گئی تو حکمراں طبقے نے آگے بڑھ کر اس کا حل تلاش کیا اور حالات پر قابو پانے کے ذرائع استعمال کئے۔ اقوام عالم کی تاریخ میں اس طرح کے سیکڑوں واقعات ملتے ہیں۔

کسی بھی ملک کو دو طرح کے خطرات درپیش ہوتے ہیں۔ (۱) بیرونی مداخلت۔ (۲) اندرونی ریشہ دوانی ملک کو تباہ کرنے میں دونوں ہی یکساں رول ادا کرتے ہیں بیرونی مداخلت کے وقت دیکھا گیا ہے کہ عوام وحکومت دونوں نے ملکر اپنے ملک کے بچاؤ کے لئے قربانیاں پیش کیں۔ اور اپنی آزادی کو بحال رکھا۔ لیکن سب سے بھیانک منظر اس وقت آتا ہے جب اندرون ملک، ملک ہی کے وفاداروں کی شکل میں بیرونی طاقتوں کے آلۂ کار بنکر ملک کی تباہی میں منظم ہو جاتے ہیں۔ یہی وقت ملک کی سالمیت اور حکومت کی استقامت کے لئے سنگین چیلنج بن جاتا ہے۔ بیرونی عناصر کو دشمن کہنے میں جو آسانی ہوتی ہے اپنے اندر چھپے ہوئے گھناؤنے عناصر کو دشمن باور کرانے میں دقت پیش آتی ہے کیوں کہ وہ لوگ دیش بھگت اور علمبرداران جمہوریت بنکر عوام کے سامنے آتے ہیں اور پس پردہ وہی سب کچھ کرتے ہیں جو ان کے بیرونی آقاؤں کی مرضی ہوا کرتی ہے۔

ابھی چند ماہ گزرے ہیں بالکل انہیں حالات سے ہمارا ہندوستان بھی گزر رہا ہے۔ ملک کی استقامیہ اور حکومت کی مشنری کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ عالم یہ تھا کہ ہر چہار سو لاقانونیت، انارکی کا بیج بو دیا گیا تھا۔ اور یہ سب غیروں نے نہیں بھارت کے اپنوں نے کیا۔ ان لوگوں نے جنھوں نے جمہوریت کو ہی راہ عمل بنانے کا اعلان کیا۔ ان لوگوں نے جنھوں نے دستور ہند کے احترام کی قسم کھائی تھی، ان لوگوں نے جو قوم وملک سے عقیدت و محبت کا گیت گاتے تھے۔ ملک کے ذمہ داروں نے پہلے ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کی افہام وتفہیم کے سارے طریقے استعمال کئے اور جب ہر راستے سے مایوسی ہوئی تو ملکی فریضے کے پیش نظر انھیں "ایمرجنسی" کے نفاذ پر مجبور ہونا پڑا۔

ایمرجنسی ڈکٹیٹرشپ کا نام نہیں، امن وشانتی کی فضا قائم کرنے کا نام ہے۔ ایمرجنسی آزاد ملک کی آزادی کے تحفظ کا نام ہے۔ ایمرجنسی ملک کے وفاداروں کے لئے نہیں ملک کے ناعاقبت اندیشوں کے لئے ہوا کرتی ہے۔ ایمرجنسی ملک کے اچھے شہری کو اچھے طریقے پر جینے کی ضمانت دیتی ہے۔ اور اچھے شہریوں کے آرام کو حرام کرنے والوں کو لگام دیتی ہے۔ جون ۱۹۷۵ء کی ایمرجنسی دنیا کی پہلی ایمرجنسی نہ تھی۔ اس سے قبل مصر، شام، عراق، افغانستان ممالک میں بھی ایمرجنسی لاگو کی گئی۔

خود ہندوستان کے لئے یہ ایمرجنسی نئی نہیں ہے۔ بیرونی حملوں کے وقت حکومت نے ایمرجنسی کا نفاذ کیا۔ ہاں اندرونی انتشار وخلفشار کے لحاظ سے موجودہ ایمرجنسی کو بھارت کے لئے نئی ایمرجنسی کہا جاسکتا ہے۔ انصاف سے دیکھا جائے تو اس ایمرجنسی کے ذمہ دار حکومت نہیں وہ افراد ہیں جو ملک میں جمہوری نظام کو ختم کر کے نئی پالیسی لیکر عوام میں بے چینی پھیلا کر حکومت کا تخت الٹنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ پورا ملک انتشار پسند نہیں بن گیا تھا بلکہ چند سر پھرے تھے جو جارحیت اور فاشزم کے ذریعہ ملک کے سکون کو لوٹنا چاہتے تھے۔ بالآخر ہنگامی حالات کا اعلان ہوا اور عوام کی عدالت سے فتوی مانگا گیا۔ عوام نے بھرپور انداز میں حکومت کے اس اقدام کی تائید کی حکومت نے لاقانونیت پھیلانے والوں کے خلاف کارروائی کی پھر یہ نہیں دیکھا کہ کون کتنا بڑا ہے اور کون کتنا چھوٹا ہے۔ ماضی میں یہ دیش بھگت رہا ہے یا قوم پرست رہا۔ ان تمام موجودہ روش اور موجودہ نظریہ ملک کو، قوم کو حکومت کو نقصان پہنچا رہا تھا لہذا ضروری ہو گیا تھا کہ ان کے خلاف اقدامات کئے جائیں اور ایمرجنسی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ملک کی سالمیت اور آزادی کی عظمت کو بچایا جائے۔

جس طرح قوم وملک کو بچانے کے لئے قوم کے چند ناسوروں کے خلاف اقدام ناگزیر ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح مذہب وملت کو بچانے کے لئے بھی یہی سب اقدامات ضروری ہو جاتے ہیں۔ اب آیئے ذرا آج سے سو سال قبل کے مذہبی حالات کی اسٹڈی کریں۔ یہی ہمارا ہندوستان ہے جس کے ماتھے پر ابھی تقسیم کا ٹیکہ نہیں لگا ہے اور جس کی باگ ڈور غیر ملکی طاقت کے ہاتھوں میں ہے، آزادی کا بگل بج چکا ہے۔ ہندو مسلم سبھی حصول آزادی کے نشے میں چور ہیں۔ جان ومال نچھاور کر کے غلامی کے طوق کو اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف یہ عظیم جدوجہد دوسری جانب چند سر پھروں کو خر دماغی سوجھتی ہے۔ شریعت اسلامیہ کو مسخ کرنے، مسلمانوں کے دلوں سے محبت رسول ختم کرنے، اور شرک

دبدعت کے نعرے لگا کر مذہبی پلیٹ فارم پر بے چینی پھیلانے کی کوششیں شروع کر دی گئیں تاریخ داں جانتے ہیں کہ اس مذہبی سازش کے پیچھے بیرونی طاقتوں کا ہاتھ تھا۔ آخر یہ کون لوگ تھے، غیر مسلم نہیں تھے۔ اپنے تھے، مسلمان تھے جو ملت اسلامیہ کے لئے سنگین چیلنج بن کر سامنے آئے۔ غیر مسلم ہوتے تو انھیں دشمن باور کرانے میں مشکل نہ ہوتی یہ تو اسلامی فرزند ہی تھے، نام نہاد فرزند انھیں اسلام دشمن ثابت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ یہ لوگ مذہب پرست اور علمبرداران اسلام بنکر سامنے آئے تھے۔ قرآن و احادیث کے بقلم خود محافظ بنکر ابھرے تھے۔ ناموس صحابہ اور محبت اہلبیت کا گیت گنگناتے ہوئے نکلے تھے، لیکن اندرونی طور پر ای منصوبے کی تکمیل میں لگے رہتے تھے جس کی تشکیل صیہونی و سامراجی اور نجدی قوتوں نے کی تھی اور وہ منصوبہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں سے عظمت رسول کو مٹا کر رکھ دیا جائے کیوں کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے ناموس رسالت پر حرف آتے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے اگر کوئی غیر مسلم سامنے آتا تو مسلمان اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ سامنے لائے گئے تو وہی لوگ لائے گئے جو دستور اسلام کے تحفظ کی قسم کھاتے تھے۔

الغرض پورے ملک میں شریعت سے بغاوت کی فضا پیدا کی جانے لگی، نیچریت، دہریت، لادینیت اور دریدہ دہنیت کا ماحول پیدا کیا جانے لگا۔ اسلامی شعار کا کھلے بندوں استہزا کیا جانے لگا۔ شرعی اصول و ضوابط کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جانے لگا۔ ذمہ داران اسلام اور اولیاء امت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع ہونے لگیں۔ فقہ حنفی و شافعی سے انحراف کے نعرے بلند کئے جانے لگے۔ پورے ملک میں اور ملک کے اسلامیان ہند میں انارکی اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

ایسے نازک دور میں ملت کے ذمہ داروں نے اپنے فریضے کا احساس کیا۔ پہلے تو خاموش تماشائی بنکر حالات کا جائزہ لیتے رہے کہ شاید چند دنوں کے بعد یہ اسلامی بہروپئے چپ سادھ لیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مذہبی بدامنی کو فروغ ملتا رہا۔ افہام و تفہیم کی بھی راہ اختیار کی گئی تاکہ ملک و ملت کو مذہبی انتشار سے محفوظ رکھا جا سکے۔ لیکن ملی رہنماؤں کو اس راہ میں بھی مایوسی ہوئی۔ جب ہر چہار طرف سے مایوس و مجبور ہو گئے تو ان نام نہاد اسلامی علمبرداروں کے خلاف آخری اور قطعی فیصلہ لینے کی جانب قدم اٹھانا پڑا۔

اسلام کے خلاف نہ جانے کتنی بار محاذ آرائیاں ہوئیں، غیروں نے بھی کی اور اپنوں نے بھی۔ رسول کریم کے وصال کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ نہ دینے سے انکار کیا تھا وہ عیسائی یا یہودی نہیں تھے اسلامی برادری ہی کے لوگ تھے۔ حضرت عمر سے لیکر امام حسین تک جتنی محاذ آرائیاں ہوئیں سبھی اپنے تھے۔ تاریخ اسلام کے جانکار حلقوں کا کہنا ہے کہ اسلام کو خارجی عناصر نے اسقدر خسران نہیں پہنچایا جس قدر داخلی عناصر نے پہنچایا۔

تاریخ کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب کبھی اسلامی لبادہ اوڑھ کر ایسے افراد میدان میں آئے انھیں ان کے صحیح مقام تک پہونچایا گیا۔ اور ہر بار ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا گیا۔ کیوں کہ اس وقت ملت طاقت و قوت کے روپ میں رہی اور رہنمایان ملت کے ہاتھوں میں سربراہی و سرداری تھی۔ لہٰذا جم کر ایسے لوگوں کے خلاف ایکشن لیا جاتا رہا ہے۔ ایکشن کی وہی صورت ہو گئی تھی جسے ہمارے ملک کے رہنماؤں نے ایمرجنسی کا نام دیا ہے۔

لیکن یہاں صورت حال ذرا مختلف ہے۔ یہاں اسلامی سربراہوں کے پاس نہ تو حکومت اور نہ ہی طاقت، اور طاقت تھی بھی تو مسلمانوں کی بھرپور تائید والی طاقت تھی۔

خود ساختہ مسلم رہنماؤں کے خلاف ایکشن لینے میں موجودہ صدی میں اگر کسی کو سربراہی و قیادت دی گئی ہے تو وہ ہیں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی۔

مولانا احمد رضا نے اسلامی روایات کی روشنی میں ان تمام غلط عناصر کے خلاف شرعی فتویٰ صادر فرمایا جسے اگر ہم "اسلامی ایمرجنسی" کا نام دیں تو بے جا نہ ہوگا۔

اسلامی ایمرجنسی نے اکھنڈ بھارت کے بے چین مسلمانوں کو سکون دیا۔ شریعت محمدیہ کے تحفظ کی ضمانت دی، ملک کے شہریوں کو ملک و مذہب کا وفادار شہری بننے کا شعور دیا۔ ایک طرف بیرونی طاقتوں کی دخل اندازی کی شدید مخالفت تو دوسری طرف ملک کے اندر چھپے ہوئے انگریزی و نجدی طاقتوں کے آلہ کار کے چہروں سے سیاہ نقاب اٹھا دیا۔ اسلامی ایمرجنسی نے واضح اعلان کیا کہ جو اپنے مذہب اور بانی مذہب کا وفادار نہیں وہ ملک اور ملک کی سلامتی کا بھی وفادار نہیں ہو سکتا۔

جس طرح ہماری وزیر اعظم نے ملک میں پھیلائی جانے والی علاقائی عصبیت، لسانی تنگ نظری، اقتصادی بدحالی، معاشی ابتری اور قومی بے چینی کے خاتمے کے لئے ایمرجنسی ہی کو ضروری و لازمی سمجھا۔ اس طرح مولانا احمد رضا فاضل بریلوی نے ملت میں پھیلائی جانے والی دہریت، نیچریت، نجدیت [illegible] قادیانیت کے خاتمے کے لئے اسلامی ایمرجنسی کے نفاذ پر مجبور ہونا پڑا۔

چونکہ فاضل بریلوی کے ہاتھوں میں اقتدار نہیں تھا حکومت نہیں تھی اس لئے ان نام نہاد مولویوں کے خلاف سرکاری سطح پر کچھ نہ کر سکے لیکن ہندوستانی مسلمانوں کی عدالت سے تائید حاصل کی اور آگے بڑھ کر انھوں نے اپنے شرعی فتوے کو مزید مستحکم اور دور رس نتائج والا بنانے کے لئے سن ۱۹۰۰ء میں اس مقدس دیار کا سفر کیا جو عالم اسلام کا مرکز عقیدت تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر علماء حرمین شریفین سے اپنے شرعی فیصلے پر مہر توثیق حاصل کی۔

جس طرح مسز اندرا گاندھی نے ہندوستانی عوام کی بھرپور اکثریت کی تائید کے باوجود ملک کے سب سے طاقتور ادارہ پارلیمنٹ سے بھی ایمرجنسی کے نفاذ کی حمایت حاصل کر کے ثابت کر رکھا کہ ملک کا تحفظ اور قوم کی سالمیت سے بڑھ کر چند نام نہاد سیاسی گرگوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قومی و ملکی عظمت کے سامنے ہم بڑے سے بڑے لیڈروں کو ٹھکرا سکتے ہیں۔

اس طرح فاضل بریلوی نے اسلامیان ہند کی اکثریت کی تائید کے ساتھ ساتھ دنیائے اسلام کے اکابرین کی عدالت سے (مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ) اپنے شرعی اقدام کی تائید و حمایت حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ ناموس مصطفےٰ کا تحفظ اور قوم و ملت کی سالمیت سے بڑھ کر چند زر خرید مولوی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ملی اور نبوی عظمت و حرمت کے سامنے ہم بڑے سے بڑے مذہبی رہنماؤں کو ٹھکرا سکتے ہیں۔

انصاف کی عینک لگا کر دیکھا جائے تو اس شرعی ایمرجنسی کے ذمہ دار اکابرین اہل سنت نہیں ہیں بلکہ وہی لوگ ہیں جو ملک و ملت کا ایک ساتھ سودا کرنا چاہ رہے تھے

ایک جانب انگریز حکومت کی پشت پناہی دوسری طرف ملت اسلامیہ میں انتشار و خلفشار پھیلا کر موجودہ بیرونی حکومت کے ہاتھوں کو مضبوط کرنا تھا تاکہ گوری سامراجیت کے پاؤں کچھ اور دنوں ٹکے رہ سکیں۔ لہٰذا مولانا احمد رضا کو شریعت کے ایک ذمہ دار اور سربراہ ہونے کے ناطے یہ حق حاصل ہوگیا تھا کہ وہ ایسے ملت و ملک دشمن عناصر کے خلاف آخری فیصلہ کریں اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ بارگاہ مصطفےٰ میں کی گئی گستاخیوں کے خلاف شرعی فیصلہ صادر کیا۔ اس طرح نہ صرف پوری مسلم قوم کو انتشار سے بچالیا بلکہ غداران رسول کی ریشہ دوانیوں سے ملت اسلامیہ کو محفوظ کرلیا۔

ناظرین کرام پہ واضح ہو چکا ہوگا کہ دور حاضر کی قومی ایمرجنسی اور سو سال پہلے والی شرعی ایمرجنسی میں کسقدر مطابقت ہے۔

جس طرح آج کی ایمرجنسی ملک کے غداروں کے لئے تازیانۂ عبرت و باعث زحمت ہے اور ملکی وفاداروں کے لئے سکون و ترقی کی اسپرٹ پیدا کر رہی ہے۔

اسی طرح مولانا احمد رضا بریلوی کی شرعی ایمرجنسی غداران مصطفےٰ کے لئے تازیانۂ آخرت ہے اور مصطفےٰ علیہ السلام کے وفاداروں کے لئے دین و دنیا کی سرخروئی عطا فرمائی ہے۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

امام احمد رضا کا
آفاقی پیغام

عالی جناب حیدر خاں پٹھان بی کام۔ ایل ایل بی ایڈوکیٹ ممبئی ہائی کو

امام احمد رضا کی زندگی اور مشن کو صحیح طور پر پرکھنے کے لئے اس وقت کے معاشرے کا پورا نقشہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے عین اسی طرح تفہیم قران پاک کے چند نکات کو ذہن نشین کرنے کے لئے دورِ جاہلی کے ادب و تاریخ پر بھی نظر ضروری ہے

اعلیٰ حضرت سے پہلے اور وقت کا ہندوستان اسلامی معاشرے کی مایوس کن تصویر پیش کرتا ہے مسلمان حکمرانوں کا دور مجموعی طور سے اسلامی حکومت کا دور نہیں کہا جا سکتا یہ مسلمانوں کی حکومت کا دور تھا ان حکمرانوں نے وہ تمام اقدام کئے جو ایک دنیادار حاکم اپنی جاہ و حشمت و وقار و تسلط کے لئے کرتا ہے خوشونت سنگھ نے شاید اسی دور کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا ہے" اس ملک میں مسلمانوں کا خون بہت بہا ہے مگر مسلمانوں کے ہاتھوں بہت زیادہ"

اگر حالات ایسے نہ ہوتے ملا شیخ نیازی کو شیخ الاسلام مخدوم الملک کے سامنے بقاء دین کے لئے مجاہدہ نہ کرنا پڑتا یہ وہی شیخ الاسلام ہیں جو رمضان سے پہلے اپنی تمام ملکیت اپنی بیوی کو ہبہ کر دیتے ہیں تاکہ زکوٰۃ کے فریضے سے بچے رہیں۔

اسی پایۂ تخت دہلی میں ایک فتنہ اٹھا تھا جسے "نمود وا نموا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ جوگیائی طریقوں سے نمودار ہوا تھا... اور ایک نیا قران ترتیب دیا گیا جس کا نام "آتو زہ مقدمہ" رکھا گیا اور اس کے موجد نے الہام کا دعویٰ کیا اور اپنے مقام کو نبوت اور وصیت کے درمیان بتلایا جسکا نام اس نے "بیگوکت" رکھا... اس کے کہنے کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہٗ پہلے "بیگوکت" تھے۔ اپنے مریدوں کو وہ فرلودا کہہ کر پکارتا تھا

اسی قسم کے کئی فتنے مسلم سماج میں پیدا ہوئے جن کا ذکر اور تفصیل ایک کتاب کا مواد بن سکتی ہے فکرِ روزگار نے اگر مہلت دی تو یہ کام میں انگریزی زبان میں انجام دونگا

اس قسم کے فتنوں اور تماشوں کا اثر عام مسلمان پر کیا ہوا اس کا بھی نقشہ دیکھ لیجئے مسلمان عمل اور یقین کھو بیٹھا... صرف ابہام تقدیر پرستی کا شکار ہوگیا مسلم خواتین جو درس و تدریس کی پہلی آماجگاہ تھیں کس بھونڈے پن کا شکار ہوئیں ڈاکٹر اشپرنگر کے ذاتی ذخیرے میں قانون النساء نام کا ایک مخطوطہ ہے اس میں مسلمان عورتوں کے عادات و توہمات اور روحوں اور دیوی دیوتاؤں پر انکے اعتقادات کا بیان ہے

اس میں خدائی رات۔ پیر دیدار کے کونڈے۔ بی بی کی صحنک۔ بی بی کی لوٹیاں مشکل کشا کے دونے رجب تہیلے کے مرغ۔ شاہ سلطان کے روٹ۔ بی جاگتی جوت کی نوبت۔ بی سبحان کی کڑھائی۔ کہ مشکل سہج سے آسان ہو۔

بی ٹیک کی پڑیاں کہ مراد ٹیک پڑے۔ ترت پھرت کی پڑیاں۔ بی کشتی (مشکل) کا کونڈا جس سے مشکل آسان ہو... اس قسم کی بہت سی رسومات و توہمات کا شکار ہمارا معاشرہ تھا... جس کا نفسِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا جس کی تعلیم علم۔ عمل اور یقین سے انسانی مقدر کو رضائے الٰہی کے ذریعہ سنوارنے کا پیغام دیتی ہے

مفتی ملا عبدالقادر بدایونی جیسا عالم و زاہد اکبر کے خرافات دیکھتے ہوئے بھی اس کا درباری رہا اور نکتہ چینی کو ایک کتاب میں قلم بند کرتا رہا۔ مگر اجتہاد یا نعرۂ حق بلند نہ کر سکا۔

جب علماء و فضلاء مجہول رویہ اختیار کریں وہاں عام مسلمان کو کون دعوتِ حق دے اور کون انہیں احیاء دین کا راستہ دکھائے صوفیائے کرام کا ایک طبقہ مایوس ہوکر وجودی باطنیت میں تبدیل ہوگیا شیخ فیض اللہ نے ناتھ فرقے کی تعریف میں زورِ قلم صرف کیا

عبدالشکور علادل اور سید سلطان نے شیو عقائد کی پرزور تائید کی مرزا حسین نے کالی دیوی کے مدح میں اشعار کہے ستیہ پیر جیسے دیوتا پیدا ہوئے جن کی تعریف میں بنگالی ادب بھرا پڑا ہے

منوہر ناتھ کے مندر میں ہندو مسلمان دونوں سر جھکاتے تھے... ستیہ دھرم کی تحریک میں مسلمان بھی شامل تھے

اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں قران پاک کی صورتوں کے ہندوستانی نام رکھے گئے تھے جن میں بعض تحقیر آمیز تھے...

انیسویں صدی کے اخیر میں مسلم کلچر (اسلامی کلچر نہیں کیونکہ وہ اس ملک میں پھیلا ہی نہیں)

انحطاط اور تنزل کی منزلوں سے گذر کر دمِ واپسیں کا شکار ہوگیا مسلمان سیاسی و معاشی برتری بھی کھو چکا تھا بے عملی۔ افراتفری مایوسی اور گھٹن نے مسلمانوں کو دبوچ لیا... کوئی صورت انھیں نظر نہ آتی تھی ذہن ماؤف.. سوچ بچار کے سوتے خشک۔ عملی زندگی کے لئے وہ تیار نہ تھا:

یہ وہ پس منظر ہے جس میں امام احمد رضا کی زندگی اور مشن کا آغاز ہوتا ہے۔

مسلمان سلطنت کھو چکا تھا مگر اس دور کی روایات زندہ تھیں... انگریز آقا تھا.. فرنگی غلامی کا طوق گلے میں آپڑا...

اس وقت بھی تحریکیں اٹھیں جن میں سر سید احمد کی نیچری۔ تحریک وہابیت۔ اور قادیانی۔ سید احمد بریلوی کی اللٰہی تحریک

ان حالات میں اسلامی عقائد کا سرچشمہ کتنا گدلا ہوگیا اسکی بھی تصویر دیکھ لیجئے۔

سر سید احمد خاں انگریزوں کے بس میں تھے... اس وقت کا مسلم معاشرہ شرفاء اور صنعت کاروں میں بٹا ہوا تھا... سر سید نے ایک نیا طبقہ پیدا کرنے کی مہم چلائی جو اِن دونوں طبقوں کے بین بین تھی... وہ انگریزوں کی ملازمت بھی کرے اور جہاں تک ہوسکے اسلامی عقائد کو مسیحی عقائد کے متوازی چلائے... یہ طبقہ نیچری کہلایا... انکا عقیدہ تھا کہ

(۱) اجماع امت حجت شرعی نہیں ہے

(۲) قیاس حجت شرعی نہیں ہے

(۳) تقلیدِ ائمہ واجب نہیں

(۴) لفظ شیطان یا ابلیس سے کوئی ہستی مراد نہیں بلکہ انسان کے نفسِ امارہ کی طرف اشارہ ہے

(۵) اگر عیسائیوں نے چڑیوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو تب بھی مسلمانوں کو کھانا جائز ہے

(۶) واقعہ معراج بیداری میں نہیں بلکہ خواب میں ہوا... شقِ صدر بھی خواب ہی میں ہوا

(۷) فرشتوں کا وجود الگ نہیں

(۸) قصۂ آدم واقعہ نہیں مثال ہے

(۹) کلامِ پاک میں۔ کسی معجزے کے صادر ہونے کا ذکر نہیں

(۱۰) مرنے کے بعد اٹھنا۔ حساب کتاب۔ میزان۔ پل صراط۔ جنت و دوزخ وغیرہ سب مجاز پر محمول ہیں

(۱۱) خدا کا دیدار نہ دنیا میں ممکن نہ عقبیٰ میں ممکن ہے

(۱۲) قرانِ پاک میں جنگِ بدر و حنین کے بیان میں فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے اس سے فرشتوں کا آنا ثابت نہیں ہوتا جبکہ فرشتوں کا کوئی وجود نہیں

(۱۳) چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا جو قرآن میں بیان ہوئی لازمی نہیں

سر سید کی تحریک کا اثر ادب اور سماج کے دیگر شعبوں پر بھی پڑا... اس کا مذہبی نتیجہ کیا ہوا اس کا فیصلہ اہل ایمان پر چھوڑتا ہوں مگر یہ بات تاریخ نوٹ کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ سر سید کی نیچری تحریک اور اس کی اولاد کی سیاسی و سماجی سرگرمیوں کا نتیجہ تھا کہ اس ملک میں قومی یک جہتی کو فروغ نہ ہوا اور ملک کے بٹوارے کی منحوس نوبت اسی غول کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے آئی

اس چلتی گاڑی کے دوسرے سوار سر ڈاکٹر محمد اقبال ہیں... جنہوں نے اسلامی تصور کو توڑ مروڑ کر فوق البشر جیسا نازی تصور مردِ مومن کے روپ میں ڈھال دیا انہیں غریب صنعت کار اور مزدور مسلمان نظر نہیں آیا بلکہ پہاڑوں کی چٹانوں پر بسیرا کرنے والا شاہین دکھائی دیا... اسلام جو اجماع کی روحانی اور مادّی ترقی کا درس دیتا ہے اس کے برعکس شاہی اور سلطانی کا بلند بانگ نعرہ اپنے تخیل کے مردِ مومن کو دے رہے تھے...

فقیری اور مومن کی شان میں انہوں نے نظمیں شیش محل بھوپال میں لکھی ہیں.. قول وعمل کا تضاد اسے کہتے ہیں

قادیانی فتنہ بھی امام احمد رضا کے دور کی پیداوار ہے اس ضمن میں تفصیل سے کہنے کا امکان نہیں مگر مختصراً یہ کہنا ضروری ہے کہ مسلمان جو اس ماحول میں کبھی اپنے آپ کی کھوج کرتا تھا تو کبھی اپنے مذہب و عقائد کی تلاش اس وقت قادیانی تحریک نے جنتر منتر کی بھول بھلیوں والے راستے کا کام کیا.. کہ بچارہ کھویا ہوا مسلمان بھٹک بھی جائے

کچھ سید احمد بریلوی کی تحریک کے بارے میں بھی ذکر ضروری ہے انکے مرید ہونے کی پہلی شرط جہاد تھا یا ہجرت تھی... اس ملک میں ہجرت کی تحریک بھی چلی... بہت سے مسلمان اس ملک کو خیرباد کہہ کر افغانستان چلے گئے... مگر افغانستان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو اپنے ملک میں سما سکے خود انھیں اپنے ملک کی سلامتی کا خطرہ پیدا ہوگیا... اس تحریک سے ایک نفسیاتی پہلو برآمد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب کے پیمانے پر از سر نو تشکیل کے مسئلے پر اکابرین مایوس تھے اور راہِ فرار کو بھی عین اسلامی عمل قرار دیا اور مسلمانوں کی وطن پرستی پر بھی حرف آیا

وہابی تحریک امام احمد رضا کے دور سے پہلے کی تحریک ہے... اس تحریک نے اسلام کو بنجر وادی میں تبدیل کرنا چاہا اور سر سبز و شاداب عمل و یقین کی زندگی انکی

گرفت میں نہ آسکی ۔ یہ تحریک خود اپنے توہمات کا شکار ہوگئی

رسالہ "لباس تقویٰ" ادارۂ شرقیہ لندن (نوشتہ ۴۹-۱۹۴۸ء) کا یہ پہلو خالی از دلچسپی نہ ہوگا

یہ رسالہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ سید صاحب ۱۸۳۱ء کی بالاکوٹ کی لڑائی میں شہید نہیں ہوئے بلکہ ہنوز زندہ ہیں اور کسی دن مہدی کی حیثیت سے ظہور فرمائیں گے

مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے خراسان صوبہ مغربی شمالی اور ٹونک کے سینکڑوں ایسے اشخاص کی شہادتوں کو جانچا ہے جنہوں نے خود جنگِ مذکور میں حصّہ لیا تھا یہ ایسے ہی اوہام ہیں جن کو سید صاحب نے زندگی بھر رد کیا تھا. لیکن اس عقیدۂ غیبت کو نہ صرف ان کے بعض خلفاء نے تسلیم کیا بلکہ اسے دعوتِ [illegible] ذریعہ بھی بنایا

وہابیت کی عقلیت پسندی کی یہ شکست فاش تھی

وہابی تحریک کی دوسری کمزوری مذہبی بھی ہے اور ملک دشمنی پر بھی قائم ہے جس طرح امام احمد رضا نے جدید علوم اور جدید ذہن سے انکار نہیں کیا بلکہ اسے انسانی فلاح و بہبود کے لئے آلۂ کار بنانے پر زور دیتے رہے وہابی تحریک اس کے خلاف تھی

جب اردو کے ذریعہ ایک غیر مذہبی علوم کا مدرسہ جاری کیا گیا تو اینٹیں اور گلے سڑے آم پھینک کر اس کی پذیرائی کی گئی یہ بات ڈاکٹر ہنٹر کے حوالے سے کہہ رہا ہوں

آج بھی جو وہابیوں کی تبلیغی تحریک چل رہی ہے وہ سائنٹفک ارتقاء سے بے توجہی اور نئی ابھرنے والی قوتوں کی کارفرمائی سے بے اعتنائی برتتی ہے جس کی وجہ سے اس تحریک کے جنگل میں آیا ہوا مسلمان نہ دین کے کام کا رہتا ہے نہ ملک کے

ملفوظات ۔ مولوی محمد الیاس مرتبہ محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ صفحہ ۱۷

"فرمایا ۔ سرکاری یونیورسٹیوں کے جو امتحانات مولوی فاضل وغیرہ دئے جاتے ہیں ہم لوگوں کو ان کی قباحت اور ان کے ضرر دینی کا پورا اندازہ اور احساس نہیں ۔ یہ امتحانات عموماً اسی لئے تو دئے جاتے ہیں کہ انگریزی اسکولوں میں نوکری مل سکے گویا حکومت کافرہ نے اپنے مصالح کے لئے جو نظامِ تعلیم رائج کیا ہے اور اس کے جو مقاصد ہیں ان امتحانات مولوی فاضل وغیرہ کے دینے سے گویا یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کافرانہ نظام کے معاون بلکہ اجرتی آلۂ کار بننے کا استحقاق پیدا کیا جاسکے غور فرمائیے علم دین پر اس سے بڑا ظلم اور اس کا اس سے زیادہ غلط استعمال اور کیا ہوگا کہ اعدائے دین کے تعلیمی نظام کی خدمت کا کام اس سے لیا جائے ۔ گویا یوں سمجھئے کہ ان امتحانات کے ذریعہ علم و دین کی نسبت اللہ رسول کی بجائے کافروں اور حکومت کافرہ کی طرف کی جاتی ہے اس لئے یہ بڑی خطرناک چیز ہے"

یہ سطور پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہابی تحریک نہ مسلمانوں کی خیرخواہ ہے نہ ہمارے ملک کی ... ملک دشمنی کی اس سے زیادہ بدترین مثال اور کہاں مل سکتی ہے

ایسی ہی تحریکوں نے ایسے ہی نام نہاد عالموں نے عام مسلمان کو دوسرے مذاہب کے بھائیوں سے دور رکھنے کی کوشش کی اور الگ تھلگ زندگی گذارنے پر اکسایا جس سے وہ غریب و محروم ہی نہیں رہا بلکہ ناآسودہ بھی اور بے بنیاد غلط فہمیوں کا شکار خود اپنی نظر میں بھی اور غیروں کی نظر میں بھی رہا

اس پس منظر میں امام احمد رضا کے کام اور مشن کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے ... انہیں مسلمانوں کی گرتی دیواروں کا بھی افسوس تھا اور حکم اللہ کو حبِ محمدی کے ذریعے عام کرنے کی سعئ زریں بھی ... عشق محمدی کے ذریعے انہوں نے نہ صرف احکامِ الٰہی کے استحکام کی جدوجہد کی بلکہ غیر مذاہب کے لوگوں کے سامنے انہوں نے عشقِ رسول کو پیش کیا اور اس کی عالمگیر آفاقیت پر زور دیا

عشق رسول اسلامی تہذیب کا زریں پہلو ہے اور امام احمد رضا نے اپنے قلم کے ذریعے عشق رسول کے وہ محاسن ۔ جیسے توبہ ۔ زہد ۔ ورع ۔ صبر ۔ رضا توکل ۔ محبت ۔ مشاہدہ و یقین ۔ قناعت ۔ صدق و اخلاق ۔ شکر ۔ ذکر و فکر و مراقبہ اعتبار ۔ وجد ۔ فنا و بقا ۔ معرفتِ نفس ۔ و مجاہداتِ و ریاضات کیفیت و اخلاص وغیرہ وغیرہ عوام الناس کے سامنے رکھے تاکہ بھولا بھٹکا ہوا راہی صحرائے غربت و افلاس میں جہالت اور بے عملی کا بوجھ لئے نہ بھٹکے بلکہ احکامِ دین کی روشنی میں حب رسول سے سرشار ملک و قوم کی خدمت کر سکے

وہابیت ۔ نیچریت ۔ قادیانیت یا اقبال کا مردِ مومن نہیں بلکہ کلام اللہ اور نسبت رسول ہی دینی اور دنیوی زندگی کی کامیابی کی دلیل ہیں

امام احمد رضا کی زندگی اور کارناموں کی اہمیت مندرجہ بالا پس منظر میں دیکھی جائے تو اس کی اہمیت اور افادیت کا احساس ہوگا ۔ مسلمان کو غوطہ زنی سے بچایا ۔ انہیں نمو نمو اکا فرلود ہونے سے بچایا ۔ وہابی عقل پرستی اور نیچریت کے معجونِ مرکب سے عوام کو دور رکھا

جدید علوم میں خود بھی بے پناہ دستگاہ حاصل کی اوروں کو بھی حوصلہ افزائی کی ۔ امام احمد رضا کی تحریر سے یہ سبق اخذ ہوتا ہے کہ اگر مسلمان اپنے آپ کو دستورِ الٰہی کا پابند کرے اور با عمل زندگی گذارے تو اس کے لئے کوئی پرابلم ہی نہیں ... یعنی کدورت سے پاک حق سے متصل ہو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حبًا لِلّٰه

ہے کھلا سب کے لئے میخانۂ احمد رضا

آج بھی گردش میں ہے پیمانۂ احمد رضا

تو نے اسرار حقیقت کر دئے سب پر عیاں
ہے مسلم تو جہاں میں اہل سنت کا امام

تنقیدات

۱

امام احمد رضا کی بارگاہ میں مولانا ندوی کا دوہرا کردار

۲

امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

۳

امام احمد رضا کی طرف منسوب تین اشعار

۴

امام احمد رضا ایک مظلوم مصلح

امام احمد رضا کی بارگاہ میں مولانا ندوی کا دوہرا کردار

از: حکیم خلیل احمد جائسی لیکچرر اجمل خاں طبیہ کالج
علی گڑھ. مسلم یونیورسٹی. علی گڑھ

علمائے ہند کے حالات پر مرتب کتاب "نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر" مولانا عبدالحئ الحسنی کی تصنیف ہے، اس کی ۸ ویں جلد میں بہ عنوان "المفتی احمد رضا البریلوی" اعلحضرت کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں اصولاً تو یہ کتاب مولانا موصوف ہی کی تصنیف ہے، لیکن اس کی از سر نو ترتیب وتکمیل میں ان کے نامور فرزند مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بہت بڑا ہاتھ ہے، خاص طور پر اعلحضرت کے تذکرہ میں ان کے والد کا حصہ بہت کم اور محض چند ابتدائی سطروں میں محدود ہے۔ اسکے بعد بریکٹ میں متعدد صفحات پر مشتمل سارا مضمون مولانا علی میاں ہی کے نتائج فکر کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب نے اپنے موضوع میں جو مقام بھی بنایا ہے وہ تمامتر مولانا ندوی ہی کی فکر ونظر کا رہین منت ہے۔ اردو اور عربی ادب میں ان کی مسلمہ مہارت۔ دینی وتعلیمی موضوعات پر ان کے خاص فکری رجحان کی ترجمان ان کی تصنیفات وتالیفات نیز اپنے مخصوص مسلک کی دعوت وتبلیغ مولانا کا خصوصی امتیاز ہے ایشیاء، افریقہ بلکہ یورپ کے بعض علاقوں تک اپنے مخصوص دائرہ فکر وعمل کو موصوف نے جس حکمت اور مصلحت سے وسعت دی ہے. نیز علمی، تعلیمی اور دعوتی جد وجہد کے جو نقوش ثبت فرمائے ہیں۔ ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا جد وجہد کے پھیلاؤ سے فکر وعمل میں بھی وسعت آتی ہے۔ مولانا بھی بقدر ظرف قانون فطرت کی اس نوازش سے محروم نہیں ہیں۔

لیکن یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ علاوہ دیگر موضوعات کے سیرت نگاری پر بعض موقر کتابیں لکھ کر موصوف نے جو مقام حاصل کیا ہے۔ اعلحضرت کی سیرت نگاری کے سلسلہ میں وہ اس عظیم منصب سے سبکدوش ہونے میں قاصر رہے، جن ہستیوں نے پہلے ہی سے دل اور دماغ کو مسحور کر لیا ہو ان کے حضور محبت اور عقیدت کے نذرانے اندھے جذبات کی البم سازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ سیرت نگاری کی آزمائش کا اصل موقع تو وہ ہوتا ہے۔ جب سیرت نگار اپنے مخالف کی سیرت پر قلم اٹھاتا ہے اور ایسا کرتے وقت صاحب سیرت کے شخصی حالات، علمی مقام اور ذاتی عقائد ورجحانات کی ترجمانی میں کہاں تک انصاف دیانت، حق جوئی وحق گوئی کے منصب کو نبھاتا اور اپنے ذاتی عقائد وخیالات کی گرفت سے بچ نکلنے میں کس حد تک کامیاب ہوتا ہے۔ سیرت نگار کے مقام اور مرتبہ کا تعین اس کی انہیں کوششوں کے بقدر ہوا کرتا ہے۔

اعلحضرت کی سیرت نگاری میں مولانا ندوی نے ایسی کوششیں کہاں تک کی ہیں اور اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ مضمون پر سرسری نظر ڈالتے ہی۔ حیرت وافسوس کے ساتھ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وسیع النظری اور فراخ حوصلگی تو دور کی بات ہے مولانا ندوی انصاف اور دیانتداری کے مسلمہ اصولوں کو بھی بروئے کار لانے میں انتہائی ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مضمون میں جگہ جگہ ایسے الفاظ اور جملے بار بار آئے ہیں جن میں صاحب سیرت کی ذہانت علمی جامعیت، تصنیفی، شغف ومہارت اور سرعت تحریر وغیرہ کا اعتراف کیا گیا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی سارے مضمون کے بین السطور میں اس التزام کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ جب جب اور جہاں جہاں توصیفی الفاظ سپرد قلم ہوئے ہیں وہیں اور اس کے فوراً بعد ہی تنقیص وتحقیر بلکہ بے بنیاد الزامات و اتہامات کے گرم گرم اور شعلہ بار الفاظ نے سیرت نگار کے دل کے پھپھولوں کا روپ دھار لیا ہے۔ تحقیر وتذلیل کے پہلو بہ پہلو بعض توصیفی الفاظ جوڑ کر "توازن" کو قائم رکھنے اور "الطاف وعنایات" کی نمائش کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ جذبات عناد سے مغلوب ہو کر مولانا سے متعدد واقعات اور ان کے سن وسال کے معاملہ میں نہایت فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن کا مسلکی اختلاف سے کوئی علاقہ نہیں۔ ممکن ہے کہ تسامح ہو یا شدت تعصب کا بے اختیار رد عمل۔

اس کے علاوہ جہاں جہاں مسلکی اختلاف اور اس سلسلہ کے واقعات اور عقائد وخیالات کی ترجمانی کا موقع آیا ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بایں ہمہ علم وآگہی وآں فضل وکمال مولانا ندوی ان مقامات پر ایک متعصب، تنگ ظرف۔ تنگ نظر اور بے لگام مولوی سے زیادہ بہتر کردار پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ غلط

بیانی، الزام دہی اور تہمت تراشی کے علاوہ کہیں کہیں معاندانہ جذبات کی یورش سے مغلوب اور اپنے منصب و موقف کو بالکل ہی نسیا منسیا کر کے قوی الجدل (سخت لڑاکو) شدید المعارضہ (بحد جھگڑالو) شدید الاعجاب بنفسہ وعلمہ (اپنی ذات اور علم پر بے انتہا مغرور) شدید العناد (بحد بغض والا) والتمسک بما لدیہ (اپنی بات پر ہٹ دھرم) جیسی بازاری گالیوں پر اتر آئے ہیں۔

اس مضمون کے ذریعہ عام مسلمانوں میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مذہب سنیت و حنفیت کے بارے میں جو گمراہی پھیلانے کی دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ وہ برصغیر تک ہی محدود ہوتی۔ اگر مضمون کسی علاقائی زبان مثلاً اردو میں لکھا گیا ہوتا۔ لیکن عربی جیسی تیزی سے ترقی کرنے والی اور بین الاقوامی حیثیت اختیار کرنے والی زبان کو اس گمراہ کن مضمون کے لئے چنا منصوبہ بند فساد و گمراہی کو اقصائے عالم کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دینے کی سازش کی واضح نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے مطلوبہ نتائج سامنے آنے بھی لگے ہیں۔ حال ہی میں "مکتبہ اشیق" استنبول، (ترکی) سے علی گڑھ میں تحفتاً وصول ہونے والی کتابوں میں اسی مکتبہ کے تعاون و اشتراک سے تازہ ترین شائع شدہ اعلیٰحضرت کی چند اہم کتابیں بھی شامل ہیں۔ جن میں ان کی ایک مشہور کتاب "اجلی الاعلام" بھی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں مؤلف (اعلیٰ حضرت) کے مختصر حالات درج کرتے ہوئے ایک سے زیادہ مقامات پر "نزہۃ الخواطر" کے اسی مضمون سے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اعلیٰحضرت کے خلاف مولانا ندوی کی سازشوں کا حال برصغیر ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ایشیا اور افریقہ کو پار کرتا ہوا یورپ کے دور دراز علاقے تک پہونچ چکا ہے۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ سیرت نگاری کے پردہ میں سیرت کشی کی اس ناپاک سازش کو بے نقاب کیا جائے۔ کاش کہ اعلیٰحضرت پر ماہرانہ نظر رکھنے والے کسی عالم دین نے اس ذمہ داری کو اٹھایا ہوتا تو اس موضوع کا کما حقہ، حق ادا ہو جاتا، احقر کا منشا بھی دراصل اہل علم کی توجہات کو اس جانب مرکوز کرنا ہے

مولانا ندوی کے زیر بحث مضمون کا سطحی مطالعہ ہی اس گمان کو تقویت دینے کے لئے کافی ہے کہ واقعات ہوں یا ذاتی حالات و عقائد کسی بھی معاملہ میں مولانا ندوی نے غالباً بذات خود اعلیٰحضرت کے مطالعہ کی زحمت نہیں اٹھائی بلکہ ان کے معاندین کے خود ساختہ و بے بنیاد مواد پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ ان مخالفین کے قلب و دماغ اور زبان و قلم کی ترجمانی کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے مستند و مفصل حالات خود ان کے قریب تر تلامذہ و خلفاء مرتب اور شائع کرا چکے ہیں۔ آپ کی علمی شخصیت اور عقائد کی تحقیق کے لئے خود آپ کی ایک ہزار تک پہونچی ہوئی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات موجود ہیں۔ ایک سیرت نگار کو جو کچھ اور جتنا کچھ چاہئے اس سے کہیں زیادہ وافر مواد یہاں فراہم ہے۔ اصلی حالات تک پہونچنے کے لئے اتنے ثبات وسائل کے ہوتے ہوئے غلط واقعات، بے بنیاد الزامات اور تہمت تراشیوں کا یہ طوفان بدتمیزی آخر کیا معنی رکھتی ہے؟۔ اس صورتحال کے دو ہی اسباب ہو سکتے ہیں۔ یا محض دشمنوں کے "کید و افترا" پر تقدیس کا ٹھپا لگا دینا ہی مقصد تھا۔ لہذا ذاتی مطالعہ اور تحقیق کا سوال ہی نہیں اٹھتا......... سیرت نگاری میں اس سے بڑا جرم کیا اور بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ یا پھر اعلیٰحضرت کے خلاف پس پردہ بین الاقوامی سازش ہی اصل مقصود و مطلوب ہے مضمون کا لفظ لفظ اسی جذبۂ بے اختیار کا غماز ہے!

بیسیوں سال سے مسلمانوں میں اعلیٰحضرت کے مقابل کذب بیانی اور افترا پردازی کا طوفان برپا ہے کہ وہ فسادی، جھگڑالو، لڑاکو، مغرور اور جانے کیا کیا تھے۔ آنکھ والے آئیں اور دیکھیں کہ فساد کی آگ کدھر بھڑک رہی ہے اور اصل فسادی، جھگڑالو، فتنہ پرور مفتری اور مغرور کون ہے؟

کاش کہ دعوت و تبلیغ کے یہ رسیا اپنی بے روح محنت کو شرمندۂ معنی بنا سکتے اور خشیت الٰہی و محبت رسالت پناہی کی حقیقی دولت بارگاہ اعلیٰحضرت سے کسب کر سکتے تو یقیناً اس دعوت گاہ ایمان و سنیت اور میخانۂ عشق رسالت سے جام سے زیادہ لے کر واپس ہوتے۔ مگر کاتب تقدیر کے اس فیصلہ کو کون بدل سکتا تھا کہ کردار سازی، کے پردہ میں "کردار کشی" کی یہ معاندانہ کوشش لوٹ کر خود ان کے لئے "رسوائی" کا سامان اور شکستگی "کردار" کا عنوان بننے والی تھی۔

کیا خوب کہا ہے کسی نے:

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

اس اجمال کی تفصیل کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مولانا کا اصل مضمون مع ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ اس کے بعد واقعات اور حقائق میں اس کا تجزیہ کیا جائے۔

اصل مضمون

المفتی احمد رضا البریلوی

الشیخ العالم المفتی احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی الافغانی الحنفی البریلوی المشہور بعبد المصطفیٰ ولد یوم الاثنین عاشر شوال سنۃ اثنین وسبعین ومائتین بعد الالف ببلدۃ بریلی، واشتغل بالعلم علی والدہ ولازمہ مدۃ طویلۃ حتی برع فی العلم وفاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لاسیما الفقہ والاصول و فرغ من تحصیلہ سنۃ ست وثمانین۔

مترجم: مفتی احمد رضا بریلوی شیخ عالم مفتی احمد رضا ولد نقی علی ولد رضا علی افغانی حنفی بریلوی معروف بہ عبد المصطفیٰ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ کو اتوار کے دن بریلی میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز اپنے والد سے کیا۔ عرصہ دراز تک انہیں کے زیر تعلیم و تربیت رہ کر ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے، اور مہارت حاصل کی، حتیٰ کہ بیشتر علوم و فنون خصوصاً فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے۔

وله اربع عشرة من عمره، وسافر للحج مع والده سنة ست وثمانين ومائتين والف، ثم حج سنة خمس وتسعين واسند الحديث عن السيد احمد زيني دحلان الشافعي المكي والشيخ عبد الرحمٰن سراج مفتي الاحناف بمكة والشيخ حسين بن صالح جمل الليل، ثم رجع الى الهند وصنف ودرس مدة وسافر الى الحرمين الشريفين عدة مرات وذاكر علماء الحجاز في بعض المسائل الفقهية والكلامية، والف بعض الرسائل اثناء اقامته بالحرمين، واجاب عن بعض المسائل التي عرضت على علماء الحرمين، واعجبوا الغزارة علم وسعة اطلاعه على المتون الفقهية والمسائل الاختلافية وسرعة تحريره وذكائه

(جبکہ ابھی ان کی عمر صرف ۱۴ سال تھی اسی سال ۱۲۸۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کا سفر کیا۔ دوسرا سفر حج ۱۲۹۵ھ میں اختیار کیا اور سید احمد زینی دحلان شافعی مکی، مکہ میں احناف کے مفتی شیخ عبد الرحمان سراج اور شیخ حسین بن صالح جمل اللیل سے حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر ہندوستان واپس ہوئے۔

اور عرصہ تک تصنیف و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا، انہوں نے حرمین شریفین کا سفر متعدد بار کیا۔ دوران قیام وہاں بعض فقہی و کلامی مسائل پر علما حجاز سے مذاکرہ کیا اور وہیں چند رسائل بھی مرتب کئے۔ نیز علما حرمین کی خدمت میں پیش کردہ بعض سوالوں کا جواب دیا۔ جسے پڑھکر وہ حضرات ان کی علمی گیرائی۔ اختلافی مسائل و فقہی متون پر دسترس، سرعت تحریر، اور ذکاوت طبع سے حیرت میں پڑ گئے۔

ورجع الى الهند واكب على التاليف وتحرير المسائل والرد على مخالفيه والافتاء وكان قد اخذ الطريقة عن السيد آل رسول الحسيني المارهروي ونال الاجازة منه

ہندوستان لوٹ کر وہ مسند افتاء پر متمکن ہوئے اور اپنے مخالفین کے رد و ابطال نیز مختلف موضوع و مسائل پر مضمون نگاری و تالیف کتب میں منہمک ہو گئے۔ آپ نے سید آل رسول حسینی مارہروی (رحمہا اللہ تعالیٰ) سے بیعت و خلافت حاصل کی۔

كان متشددا في المسائل الفقهية والكلامية، متوسعا ومسارعا في التكفير، قد حمل لواء التكفير والتفريق في الديار الهند في العصر الاخير وتولى كبره واصبح زعيم هذه الطائفة تنتصر له وتتعصب اليه وتحتج باقواله، وكان لا يتسامح ولا يسمح بتاويل كفر من لا يوافقه على عقيدته وتحقيقه، او من يرى فيه انحرافا عن مسلكه ومسلك آبائه، شديد المعارضة لائم التعصب لكل حركة اصلاحية.

وہ فقہی و کلامی مسائل میں متشدد، تکفیر کے دائرہ کو بات بات پر پھیلانے والے، اور اس معاملہ میں جلد باز واقع ہوئے تھے، آخر عمر میں ہندوستان کے طول و عرض میں تکفیر و تفریق کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ اور اس مشغلہ میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے ہم عقیدہ گروہ کے قائد بن گئے تھے جو ان کی حمایت کرتا، اپنے کو ان سے نسبت دیتا اور ان کے اقوال سے استدلال کرتا تھا۔ وہ اس شخص کے کفر کی تاویل میں کوئی رعایت اور درگذر نہیں کرتے تھے، جو ان کی رائے اور عقیدہ کا مخالف اور ان کے ذاتی و آبائی مسلک سے منحرف ہو۔ وہ اصلاحی تحریکوں کا ہمیشہ پیچھا کرنے والے اور سخت جھگڑالو تھے۔

انعقدت حفلة "مدرسة فيض عام" سنة احدى عشرة وثلاث مأة والف في كانپور، وحضرها اكثر العلماء النابهين، وهي الحفلة التي تأسست فيها ندوة العلماء، ومن اكبر اغراضها توحيد كلمة المسلمين واصلاح ذات البين بين علماء الطوائف واصلاح التعليم الديني وحضرها المفتي احمد رضا المترجم، وخرج منها وتقرر محاربة هذه الجمعية، فاصدر صحيفة اسماها التحفة الحنفية لمعارضة ندوة العلماء

۱۳۱۱ھ میں، مدرسہ فیض عام کانپور میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اکثر اکابر علماء شریک ہوئے یہیں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی جس کے اہم اغراض و مقاصد اتحاد مسلمین، علماء کے مختلف طبقوں میں تعلقات باہمی کی سدھار اور دینی تعلیم کی اصلاح تھے۔ اس اجلاس میں مفتی احمد رضا شریک ہوئے پھر اس سے علاحدہ ہو گئے اور اب وہ اس جمعیت کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے چنانچہ التحفۃ الحنفیہ لمعارضۃ ندوۃ العلماء نامی مراسلہ شائع کیا۔

والف نحو مأة رسالة وكتاب في الرد عليها، واخذ فتاوى العلماء في انحاء الهند، وتوقيعاتهم في تكفير علماء الندوة و جمعها في كتاب سماها "الجام السنة لاهل الفتنة"، واخذ على ذالك توثيق علماء الحرمين، ونشره في مجموعة سماها "فتاوى الحرمين برجف ندوة المين" في سنة سبع عشرة وثلاث مأة والف.

(پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ) اس کے رد میں سو کے قریب کتابیں و رسائل مرتب کئے نیز علماء ندوہ کی تکفیر پر ہندوستان کے اطراف واکناف کے علماء سے فتوے اور دستخط حاصل کئے جنہیں "الجام السنۃ لاھل الفتنۃ" نامی کتاب کی صورت میں مرتب کیا۔ پھر اس پر علماء حرمین کی تصدیق مزید فراہم کی اور اس کے مجموعہ کو فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین کے نام سے ۱۳۱۷ھ میں شائع کیا۔

ثم انصرف الى تكفير علماء ديوبند، كالامام محمد قاسم النانوتوى والعلامة رشيد احمد الگنگوهى والشيخ خليل احمد السهارنفورى ومولانا اشرف على التهانوى ومن والاهم، ونسب اليهم عقائد هم منها براء. ولعن على كفرهم واخذ على ذالك توثيقات علماء الحرمين الذين لايعرفون الحقيقة ونشرها في مجموعة سماها "حسام الحرمين على منحر اهل الكفر والمين" قال فيها "من شك في كفرهم وعذابهم فقد كفر" واشتغل بهذا الرد والنقض والمحاربة والمعارضة لاتاخذه في ذالك هوادة ولايعتريه وهن، حتى اصبح التكفير شغل الناس الشاغل، وكانت مضاربات ومحاكمات وفتن ومشاغبات.

پھر علماء دیوبند مثلاً امام محمد قاسم نانوتوی، علامہ رشید احمد گنگوہی، شیخ خلیل احمد سہارنپوری، مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ہمنواؤں کی تکفیر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی جانب ایسے عقائد منسوب کئے جن سے وہ لوگ بری ہیں ان کے کفر پر دلائل قائم کئے اور اس پر حقیقت سے بے خبر علماء حرمین کی تصدیقات حاصل کرکے اس کے مجموعہ کو حسام الحرمین علی منحر اہل الکفر والمین" کے نام سے شائع کیا جس میں ان کا یہ قول بھی موجود ہے کہ "جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ اس رد وقدح میں وہ ایسے مشغول ہوئے کہ کسی قسم کی سستی اور کمزوری کو پاس تک پھٹکنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ تکفیر لوگوں کا عام مشغلہ بن گیا اور باہمی جنگ وجدل، مناظرے اور فتنہ وفساد پھوٹ پڑا۔

وكان يعتقد بان رسول الله عليه وآله وسلم كان يعلم الغيب علما كليا، فكان يعلم منذ بدء الخليقة الى قيام الساعة بل الى الدخول في الجنة والنار جميع الكليات والجزئيات لاتشذ عنه عن علمه مثقال ذرة، ولاتخرج عن احاطته ذرة، وكان يعبر بقوله "علم ماكان وما يكون" وقد صنف في هذا الموضوع عدة رسائل منها رسالة "انباء المصطفى" ورسالة اخرى باسم "خالص الاعتقاد" وله رسالة في هذا المعنى بالعربية سماها "الدولة المكية" وعلق عليها حاشية زادت عليها اضعافاً مضاعفة وسماها "الفيوض المكية".

ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب کا کلی علم رکھتے تھے اور ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک بلکہ جنت و دوزخ میں ان کے مستحقین کے پہونچ جانے تک ساری کلیات وجزئیات سے باخبر تھے۔ حتیٰ کہ نہ کوئی چیز ان کے علم سے باہر تھی نہ کوئی ذرہ ان کے احاطۂ علم سے خارج تھا۔ اپنے اس دعویٰ کی تعبیر وہ "علم ماکان وما یکون" سے کرتے تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے متعدد رسائل تصنیف کئے مثلاً رسالہ "انباء المصطفیٰ"، اور خالص الاعتقاد" وغیرہ ایک رسالہ عربی میں ہے جو "الدولۃ المکیۃ کے نام سے موسوم ہے۔ اس پر حاشیہ چڑھایا جو اصل سے کئی گنا بڑھ گیا۔ اس کا نام "الفیوض المکیۃ" رکھا۔

وكان ينتصر للرسوم والبدع الشائعة وقد الف فيها رسائل مستقلة والف رسائل في الاستمداد والاستعانة باولياء الله و اهل القبور، وكان مع ذالك يرى حرمة سجدة التحية و الف فيها رسالة سماها "الزبدة الزكية تحريم سجود التحية" وهي رسالة جامعة تدل على غزارة علمه وقوة استدلاله.

وقت کے مروج رسوم وبدعات کی حمایت کرتے تھے جس پر انہوں نے مستق[ل] رسائل مرتب کئے۔ اولیاء اللہ اور اہل قبور سے مدد طلب کرنے کی جواز پر بھی ر[سائل] تحریر کئے۔ اس کے باوجود سجدہ تعظیمی کو حرام خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اس پ[ر] ایک رسالہ "الزبدۃ الزکیہ تحریم سجود التحیہ" قلمبند کیا جو علاوہ جامع ہونے کے ا[ن] کی وسعت علم اور قوت استدلال پر دال ہے۔

وكذالك كان ينتصر للاعياد التي تقوم على القبور يسميها اهل الهند "الاعراس" ومع ذالك يحرم الغناء بالمزامير وعمل الضرائح منسوبة الحسين عليه وعلى آبائه السلام التي يصنعها اهل الهند بالقرطاس ويسمونها "تعزية"

اسی طرح وہ قبروں پر ہونے والے ان اجتماعات کی حمایت کرتے تھے جنہیں اہل [ہند] "عرس" کہتے ہیں۔ لیکن مزامیر کے ساتھ گانا (قوالی) حرام سمجھتے تھے۔ نیز علیہ وعلی آبائہ السلام کی طرف منسوب قبروں کا بنانا حرام سمجھتے تھے جنہیں ہندوستا[ن]

لوگ کاغذ سے تیار کرتے اور "تعزیہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

کان عالماً متبحراً، کثیر المطالعۃ، واسع الاطلاع لہ قلم سیال وفکر حافل فی التالیف، تبلغ مولفاتہ ورسائلہ علی روایۃ بعض مترجمیہ خمس مأۃ مولف اکبرھا "الفتاویٰ الرضویۃ" فی مجلدات کثیرۃ ضخمۃ کان قوی الجدل، شدید المعارضۃ شدید الاعجاب بنفسہ وعلمہ، قلیل الاعتراف بمعاصریہ ومخالفیہ شدید العناد والتمسک برائہ

وہ ایک متبحر عالم تھے جن کی معلومات وسیع اور مطالعہ بہت زیادہ تھا۔ وہ ایک رواں دواں قلم اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ اپنے تذکرہ نویسوں کے قول کے مطابق وہ ۵ سو تک پہونچنے والے رسائل و تالیفات کے مولف تھے جن میں سب سے بڑی اور بہت سی ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب "فتاویٰ رضویہ" ہے۔ وہ بڑا جنگجو، سخت لڑاکا اور اپنے علم و ذات پر بیحد مغرور تھا اپنے ہمعصروں اور مخالفوں کا کم ہی اعتراف کرتا تھا۔ انتہائی بغض رکھنے والا اور ہٹ دھرم تھا۔

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہ ویشھد بذالک مجموع فتاواہ وکتابہ "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" الذی الفہ فی مکۃ سنۃ ثلاث وعشرین وثلاث مأۃ والف وکان راسخاً طویل الباع فی العلوم الریاضیۃ والھیئۃ والنجوم والتوقیت۔

فقہ حنفی اور اس کی جزئیات سے آگاہی رکھنے والا ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا جس پر ان کا مجموعہ فتاوی اور کتاب "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام الدراہم" شاہد ہے۔ جو مکہ میں ۱۳۲۳ھ میں تحریر کی گئی تھی، وہ علوم ریاضی ہیئت، نجوم اور توقیت پر حاوی تھے۔

ولہا بالرمل والجفر، مشارکاً فی اکثر العلوم، قلیل البضاعۃ فی الحدیث والتفسیر یغلو کثیر من الناس فی شانہ فلیعتقدون انہ کان مجدد المأۃ الرابعۃ عشرۃ مات لخمس بقین من صفر سنۃ اربعین وثلاث مأۃ والف۔

رمل اور جفر میں بھی دخل رکھتے تھے اور دوسرے بہت سے علوم میں ان کا حصہ تھا۔ لیکن حدیث وتفسیر میں کم مایہ تھا بہت سے لوگ ان کی شان میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور ان کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ میں وہ مرگئے۔

مذکورہ بالا مضمون کے اصل اور ترجمے نے الفاظ ومعانی کی جو آئینہ بندی کی ہے اس میں مولانا ندوی کا منعکس خدوخال ان کے متعارف خدوخال سے کتنی مطابقت پیدا کرسکا ہے ہم ذیل میں اسی کی ایک جھلک پیش کرنا چاہتے ہیں۔

شروع مضمون میں چند سطروں کے اندر جیسا کہ قارئین مطالعہ کرچکے ہیں، اعلیحضرت کا مختصر نسب نامہ، سن ولادت اور اپنے والد محترم ہی کے زیر سایہ تعلیمی شغل کا ذکر ہے جس کے بعد ان کی تعلیمی فراغت اور علمی صلاحیت کا اظہار حسب ذیل لفظوں میں کیا گیا ہے۔

حتی برع فی العلم وفاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لاسیما الفقہ والاصول۔۔۔۔

(ترجمہ) یہاں تک کہ فراغت ومہارت حاصل کی اور بہت سے علوم وفنون خصوصاً فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے۔

یہ جملے مضمون کے ابتدائی حصہ سے ماخوذ ہیں جو بریکیٹ سے پہلے ہے اسلئے ہم انہیں اصل مولف مولانا عبدالحئی الحسنی کے خیالات کا ترجمان سمجھتے ہیں موصوف نے واشگاف الفاظ میں اعلیحضرت کے زمانہ کے ہزاروں علماء پر ان کی علمی فوقیت کو تسلیم کیا ہے۔ جن میں کوئی استاذ الاساتذہ تھا تو کوئی علامہ دوراں، کوئی امام معقولات تھا تو کوئی شیخ تفسیر وحدیث، کوئی فقیہ النفس کے بھاری بھرکم خطاب سے نوازا جاتا تھا۔ تو کوئی شیخ الہند، شیخ الاسلام اور حکیم الامت کے لقب سے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سنہرے دور علم وفضل کو ایسے ایسے اساتذہ اور ائمہ علوم وفنون نے عزت بخشی تھی۔ جن کے فضل وکمال کا سکہ ممالک اسلامیہ کے گوشے گوشے حتیٰ کہ اعاظم علماء عرب کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم ذیل میں ان ہزاروں فضلاء وقت میں سے چند اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں تاکہ اس مبارک زمانہ کی ایک جھلک ہمارے قارئین کے سامنے آجائے۔

اعلیحضرت کے ہمعصر علماء

(۱) مولانا نور احمد بدایونی (م ۱۳۰۲ھ)
(۲) مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ)
(۳) ابوالحسنات مولانا عبدالحئی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ)
(۴) مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی (م ۱۳۰۷ھ)
(۵) مولانا ارشاد حسین رامپوری (م ۱۳۱۱ھ)
(۶) مولانا عبدالحق خیرآبادی (م ۱۳۱۸ھ)
(۷) تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ)
(۸) مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ)
(۹) استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری (م ۱۳۲۶ھ)
(۱۰) مولانا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ)
(۱۱) استاذ العلماء مفتی لطف اللہ علیگڑھ (م ۱۳۳۴ھ)

(۱۲) مولانا علی احمد محدث سہارنپوری محشی بخاری (م ۱۲۹۷ھ)

(۱۳) مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ)

(۱۴) مولانا محمد مظہر نانوتوی صدر المدرسین مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (م ۱۳۰۲ھ)

(۱۵) نواب صدیق حسن قنوجی (م ۱۳۰۷ھ)

(۱۶) مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ)

(۱۷) مولانا احمد حسن امروہوی (م ۱۳۳۰ھ)

(۱۸) مولانا نذیر حسن دہلوی (م ۱۳۳۰ھ)

(۱۹) مولانا عبد الرحیم رحیم آباد مظفر پوری (م ۱۳۳۰ھ)

(۲۰) مولانا عبد اللہ غازی (م ۱۳۳۷ھ)

(۲۱) مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (م ۱۳۴۶ھ)

(۲۲) مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۰ھ)

(۲۳) مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ)

(۲۴) مولوی محمد یعقوب نانوتوی صدر المدرسین مدرسہ دیوبند

(۲۵) مولوی رفیع الدین مہتمم مدرسہ دیوبند

(۲۶) مولوی محمود الحسن استاد مولوی حسین احمد ٹانڈوی

(۲۷) مولوی حسین احمد ٹانڈوی

یوں تو ان علماء میں سے ہر ایک آسمان علم و فضل کے ماہ و انجم تھے لیکن ان میں بھی علماء اہلسنت میں استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری، تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی اور ابو الحسنات مولانا عبد الحئی فرنگی محلی وہ جامع کمالات اور نازش علم و فضل تھے جن کی عظمت و جلالت کا اعتراف اعاظم علماء عرب بھی کرتے تھے۔ دوسری طرف علماء دیوبند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید گنگوہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسے اقران و اتباع بزبان دیوبند شیخ الہند، شیخ الاسلام امام وقت اور حکیم الامت تھے۔

مولانا عبد الحئی الحسنی کے قول کے مطابق ان تمام اجلۂ علماء پر اعلیحضرت کو فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ گویا مولانا عبد الحئی کو خود اعتراف ہے کہ ان علماء میں اگر کوئی استاذ العلماء امام دوراں اور صدر نشین علم و فضل ہے تو اعلیحضرت اس محفل علماء میں استاذ الاساتذہ، شیخ الشیوخ، امام الائمہ اور صدر الصدور کے مسند عظیم پر متمکن ہیں۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

مضمون کے مذکورہ بالا ابتدائی سطروں کے بعد متعدد صفحات پر مشتمل سارا مضمون مولانا علی ندوی کا اضافہ و تکملہ ہے جو بریکیٹ میں ہے آپ نے اعلیحضرت کی فطری ذکاوت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے "وله اربع عشرة من عمره" (ترجمہ) ان کی عمر ۱۴ سال ہی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے لیکن خود اعلیحضرت کی تحریر اور آپ کے مستند سوانح نگاروں کے مطابق آپ کی فراغت کی عمر ۱۳ سال، ۱۰ ماہ اور ۵ دن[1] تھی۔ اگلے جملہ میں آپ نے اعلیحضرت کے پہلے سفر حج کا ذکر مندرجہ ذیل لفظوں میں کیا ہے[2]

وسافر للحج مع والده سنة ست وثمانين ومائتين والف (ترجمہ) ۱۲۸۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ سفر حج اختیار کیا۔ اعلیحضرت کا یہ پہلا سفر حج تھا جو در اصل ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں وقوع پذیر ہوا۔ نہ کہ ۱۲۸۶ھ میں جیسا کہ مولانا ندوی نے تحریر کیا ہے۔

آگے آپ اعلیحضرت کے دوسرے سفر حج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **ثم حج خمس وتسعين واسند الى آخره** (ترجمہ) دوسرا حج ۱۲۹۵ھ میں کیا اور (اعاظم علماء حرمین شریفین سے) اسناد حاصل کیں۔ یہاں بھی مولانا سے دو غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔

۱۔ آپ نے دوسرے حج کا سال ۱۲۹۵ھ بتایا ہے حالاں کہ صحیح اور مستند سال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء ہے۔

۲۔ علماء حجاز سے اسناد و اجازات پہلے سفر حج کے موقع پر حاصل کی گئی تھیں لیکن نہایت بے پرواہی سے ان واقعات کو دوسرے سفر حج میں شامل کر دیا گیا ہے[3]۔

اس کے بعد مولانا ندوی فرماتے ہیں **وسافر الى الحرمين الشريفين عدة مرات** (ترجمہ) انھوں نے حرمین شریفین کا متعدد بار سفر کیا۔ اعلیحضرت کے متعدد سوانحات اور تذکروں سے میں نے رجوع کیا لیکن کہیں بھی مذکورہ بالا دو کے علاوہ اور کسی سفر حج کا تذکرہ نہیں ملتا جس کی مزید تصدیق خود مولانا ندوی کے جملہ مابعد سے ہوئی ہے جو حسب ذیل ہے[4]

وذاكر علماء الحجاز في بعض المسائل الفقهية والكلامية (ترجمہ) اور (اسی دوران) علماء حجاز سے بعض فقہی اور کلامی مسائل پر گفتگو کی۔ علماء حجاز سے گفتگو اور دوسرے اہم واقعات دوسرے سفر حج سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ مولانا ندوی نے "عدة مرات" کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

مذکورہ بالا چند ہی سطروں میں مولانا علی میاں جیسے وسیع سیرت نگار سے اتنی بہت سی غلطیاں نہایت افسوسناک اور غلط ذرائع معلومات پر تکیہ کرتے ہوئے اپنے فرائض سے روگردانی کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت کے دونوں سفر حج کی اہم تفصیلات پیش کر دی جائیں۔

---

[1] پروفیسر محمد مسعود احمد "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" ص ۶۸ وغیرہ

[2] فاضل بریلوی ص ۴۳، ص ۴۳ [5] مولانا نسیم بستوی "مجدد اسلام"، ص ۳۸

[3] فاضل بریلوی: ص ۴۳ [6] مجدد اسلام ص ۴۶، ص ۴۳

پہلا سفر حج یہ سفر اعلیحضرت کے عنوان شباب میں پیش آیا اتنی کم عمری میں علوم وفنون پر ایسی دسترس! اکابرین علماء حجاز حیرت واستعجاب میں پڑ گئے چنانچہ انھوں نے نہایت محبت اور عقیدت میں ڈوب کر اعلیحضرت کو حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دوسرے علوم کی اسناد اور اجازات سے سرفراز فرمایا ایسے بیشتر واقعات میں سے ہم صرف ایک واقعہ مثالاً درج کر رہے ہیں۔ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمل اللیل ایک دن بعد نماز مغرب حرم شریف سے واپس آرہے تھے بغیر کسی تعارف کے اعلیحضرت کو دیکھتے ہی ان کا ہاتھ تھام لیتے ہیں اور دیر تک ان کی پیشانی کو پکڑے ہوئے انی لاجد نور اللہ من ھذا لجبین کے نورانی الفاظ سے نوازتے رہے بعد میں آپ نے صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت مرحمت فرمائی[1]۔ اسی سفر میں انھوں نے انھیں امام وقت کی ایماء پر رسالہ "جوہرۂ مضیہ" کی بسیط شرح محض دو دن میں لکھ کر "النیرۃ الوضیہ فی شرح الجوہر المضیہ" کے نام سے پیش فرمایا اور شیخ موصوف سے بھرپور داد تحسین حاصل کی ساتھ ہی اس پر نہایت مفید، مدلل اور مفصل تعلیقات اور حواشی بڑھا کر ایک مستقل رسالہ "الطرۃ الوضیہ علی النیرۃ الوضیہ" مرتب فرمایا جسے پڑھ کر فضلاء وقت حیرت میں پڑ گئے[2]

دوسرا حج اعلیحضرت کا یہ سفر بے حد اہم اور تاریخی تھا اس کے اہم مختصرات حسب ذیل ہیں۔

پہلے حج کے موقع پر اعلیحضرت کی علمی جلالت وجامعیت سے اکابرین علماء حرمین شریفین بے حد متاثر ہو چکے تھے۔ ہندوستان لوٹنے کے بعد ندوۃ العلماء کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ آپ نے اس کے تاسیس اجلاس میں شرکت فرمائی لیکن وہاں اسلام کی کھلی ہوئی اہانت اور سراسر نقصان کو دیکھ کر دیگر علمائے اہلسنت کے ساتھ اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور دلائل شرعیہ قاہرہ پر مشتمل فتاویٰ "الجام السنۃ لاھل الفتنۃ" شائع فرمایا۔ علماء حرمین شریفین نے اسے پڑھ کر آپ کی علمی گہرائی اور قوت استدلال کا برملا اعتراف کرتے ہوئے موثر تصدیقات اور عظیم خطابات سے نوازا۔ یہ تصدیقات اس کثرت سے حاصل ہوئیں کہ انھیں الگ "فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین" کے نام سے شائع کرنا پڑا۔ اس سفر کا بے حد اہم اور بعض علماء دیوبند کے "سیاسی کردار" کا عکاس علماء حرمین سے آپ کا وہ تاریخی مذاکرہ ہے جو بقول اکابر علماء حرمین علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بعض ہندی مفسدوں کے اٹھائے ہوئے سوالات پر مبنی تھا جس کے نتیجہ میں ۸ ½ گھنٹے میں "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ" جیسی مشہور عالم کتاب وجود میں آئی۔ اس کے دلائل وبراہین اور حوالوں نے انھیں مبہوت کر دیا چنانچہ ان کی عقیدت اور گرویدگی اتنی بڑھ گئی کہ نہ صرف عقیدت بھری تقاریظ اور محتشم بالشان خطابات سے نوازا بلکہ حصول اسناد واجازات کے لئے اس قدر ذوق وشوق کا اظہار کیا کہ دو ماہ کے طویل قیام کے دوران بھی یہ سلسلہ ادھورا ہی رہا اور بہت سے ایسے وعدے ہندوستان لوٹ کر پورے کئے گئے سند واجازت کے لئے والہانہ ذوق وشوق اور بے تابانہ محبت وعقیدت سے لبریز یادد ہانیاں آج بھی "اجازات" وغیرہ کتابوں کی شکل میں محفوظ ہیں[3]

مذکورہ بالا مذاکرہ پر اعلیحضرت کے ارشادات کے اہم خلاصے حسب ذیل ہیں۔

مکہ معظمہ میں معلوم ہوا کہ مولوی خلیل احمد اور دیگر حضرات آئے ہوئے ہیں ان لوگوں نے شریف مکہ تک رسائی پیدا کر کے مسئلہ علم غیب چھیڑا ہے اور چند سوالات مفتی حنفیہ شیخ صالح کمال کی خدمت میں پیش کئے ہیں.... میں مولوی عبد الاحد کے ساتھ شیخ کے پاس پہنچا اور مسئلہ علم غیب پر دو گھنٹے تقریر کی.... شیخ خاموش سنتے رہے.... الماری سے نکال کر ایک پرچہ دیا.... جس میں "اعلام الاذکیاء" پر استفسار تھا.... اس کا جواب لکھنے کیلئے فرمایا پرچہ لیکر میں چلا آیا.... ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو کتب خانہ حرم میں پھر ملاقات ہوئی.... اس بار شیخ نے علم غیب پر ۵ سوالات کا استفتاء عنایت فرمایا اور فرمایا کہ وہابیہ نے شریف مکہ کی معرفت آپ سے جواب طلب کیا ہے.

... میں نے جواب لکھنا شروع کیا۔ اسی دوران عالم جلیل مولانا شیخ احمد ابوالخیر میرداد کی طلبی پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے چند اوراق سماعت فرما کر بحث علم خمس بڑھانے کی ہدایت کی۔ واپسی میں ادباً زانوئے مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا تو حضرت نے بآں بزرگی فرمایا۔ انا اقبل ارجلکم، انا اقبل نعالکم (میں تمہارے قدموں کو بوسہ دوں۔ میں تمہاری جوتیوں کو بوسہ دوں)[4]

مذکورہ سوال ان بعض وہابیہ کا اٹھایا ہوا تھا جنھوں نے دل کھول کر اللہ ورسول کو گالی دی اور ہندوستان میں اس کی کتابیں شائع کیں...... انھوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں.... زیارت میں مشغول۔ مولیٰ ومحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضری کی جلدی.... انھوں نے سوال اس طمع پر اٹھایا کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا، کتابیں پاس نہ ہونا مجھے اظہار جواب سے روک دے گا[6]

مشہ(۱) فاضل بریلوی: ص۳۲ (۲) مجدد اسلام: ص۳۲

مشہ(۱) فاضل بریلوی: ص۹۴ ص۹۵ بحوالہ تذکرہ علماء ہند مولفہ رحمان علی ص۹۸ ص۹۹ (۲) اعلیحضرت (بریلی)۔

ع۴ تفصیل کے لئے "الدولۃ الملکیہ" "حسام الحرمین"، النبوضات الاجازات اور فاضل بریلوی وغیرہ کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

ع۵ فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱، ۱۷، ۲، ۱۷، بحوالہ الملفوظ مولفہ مصطفیٰ رضا خان حصہ دوم ص: ۲، ۱۶، ع۶ فاضل بریلوی (خلاصہ) ص ۳، بحوالہ الدولۃ المکیۃ ص ۱۶۸، ۱۶۹، ۱، ۱۷۱

شیخ کمال نے دو دن کے اندر جواب پورا کر لینے کی ہدایت کی۔ شان الٰہی کہ دوسرے دن سے بخار نے پھر عود کیا۔ اسی حالت تپ میں تصنیف شروع کی۔ اسی دن شیخ ابوالخیر کی خدمت میں حاضری کا مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا۔ لوٹ کر اسی شب جواب میں بحث خمسہ بڑھایا۔

دوسرے دن صبح ہی مولانا سید عبدالحئی ابن مولانا سید عبدالکبیر محدث ملک مغرب تشریف لائے، علوم حدیث کی اجازتیں لکھوائیں، ظہر تک رہے، ساتھ نماز پڑھی اور عازم طیبہ ہوئے دن کا بڑا حصہ خالی گیا.... بخار بھی ہے۔ بحمداللہ تعالیٰ باقی وقت میں بعد نماز عشاء تک (کل ۸ ½ گھنٹہ میں) کتاب کی تکمیل ہو گئی[1]

اس کا تاریخی نام "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" رکھا.... شیخ کی خدمت میں پیش کیا انھوں نے شریف کو دربار میں پیش کر دیا۔ پڑھنے کا حکم ہوا۔ شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ دربار میں دو وہابی موجود تھے "احمد فقیہ اور عبدالرحمٰن".... دونوں بیچ میں لقمے دیتے مگر شریف مکہ کی تہدید پر خاموش ہو جاتے.... نصف شب تک نصف رسالہ پڑھا گیا۔ شریف بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ کہا۔ اللہ یعطی وھٰؤلاءِ یمنعون (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ لوگ انکار کرتے ہیں)....

وہابیہ کو یقین ہو گیا کہ یہاں ان کی کچھ پیش نہ چلے گی۔ چنانچہ انھوں نے گورنر مکہ سے رجوع کیا.... کہ ہندوستان سے ایک عالم آیا ہے اس نے عقیدے بگاڑ دیئے ہیں۔ شیخ محمد سعید بابصیل، شیخ صالح کمال، مولانا ابوالخیر میرداد اس کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔ گورنر نے یہ نام سنے تو کہا "اذا کان ھٰؤلاء معہ فھو یفسد ام یصلح (جب یہ حضرات اس کے ہمنوا ہیں تو وہ مفسد ہے یا مصلح؟) مخالفین خاموش ہو گئے[2]

مذکورہ بالا بیان کی تصدیق و تائید مولانا شیخ اسماعیل بن خلیل کے حسب ذیل بیان سے ہوتی ہے: شیخنا العلامۃ المجدد شیخ الاساتذہ علی الاطلاق المولوی شیخ احمد رضا خاں صاحب ۱۳۲۳ھ میں حج کے لئے تشریف لائے، بعض فاسقوں کی مدد سے چند بد نصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہونچانے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں ہے تو مولانا نے اللہ ان کی تائید کرے.... وہ جواب لکھا جس سے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ بے نور کو ذلیل و خوار کیا[3]

حضرت امام احمد رضا خاں جواب سے فارغ ہوئے تو شریف مکہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھیں، پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے۔ سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے.... شریف مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں۔

یہاں تک کہ بعض ثقہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ شریف مکہ کے ایک ملازم نے درخواست کی کہ حق شیخ میں (اعلیٰ حضرت کے ساتھ) ایک گونہ اہانت جاری کرنے کی اجازت دیں۔ شریف مکہ نے انکار کر دیا اور فرمایا:-

"ایسے امر کا اجراء کیوں کر ہو سکتا ہے، حالاں کہ تمام علماء اس کی مدد پر قائم ہیں اور وہی کہہ رہے ہیں جو وہ کہتا ہے اور ہم سب کا رجوع علماء ہی کی طرف ہے اور انھیں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں[4]

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ علماء حجاز سے اعلیٰحضرت کے مذاکرہ کا موضوع علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا۔ اللہ پاک نے اپنے محبوب کے اس فدائی اور عاشق صادق پر مقبولیت اور اعزاز و اکرام کی وہ بارش کی کہ بقول شیخ اسمٰعیل بن خلیل:-

علماء اور طلباء علم نے چاروں طرف سے انھیں (اعلیٰحضرت کو) گھیر لیا، تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی سوال کرتا، اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کیلئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے، اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے یہ ان کا حال تھا جب مکہ میں تھے[5]

حیرت ہے کہ وہابیت اور سنیت کے بنیادی اختلافی مسئلہ پر دیوبندیوں اور وہابیوں کی طرف سے مذکورہ بالا چھیڑ چھاڑ، اعلیٰحضرت کو نقصان پہونچانے کی بھرپور کوششیں اور بفضلہ تعالیٰ ان کے مقابل اعلیٰحضرت کی شاندار کامیابی اور علماء حجاز کی دیوانہ وار عقیدت کیشیاں مولانا ندوی کی نظروں سے کیوں اوجھل ہو گئیں!

خاص طور پر یہ بات نوٹ کرنے والی ہے کہ پہلے حج میں اعلیٰحضرت کا علماء حرمین سے اسناد و اجازات حاصل کرنا تو یاد رہا، لیکن دوسرے حج میں نہ صرف علماء حجاز بلکہ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے اکابر علماء کی طرف سے حل مسائل، اسناد و اجازات حتی کہ دست بوسی اور قدم بوسی کے لئے اعلیٰحضرت کو دیوانہ وار گھیر لینے کے حیرت ناک واقعات نظر انداز کر دیئے گئے۔

سیرت نگاری میں انصاف و دیانت کے امتحان کا اصل مقام وہی ہوتا ہے جب اپنے مخالف کی سیرت بیان کرتے ہوئے وہ نازک مرحلہ آ جائے جہاں صاحب سیرت کی زندگی کا نقطۂ عروج اور سیرت نگار کے ذاتی عقائد میں ٹکراؤ کی نوبت پیش آ گئی ہو!

---

[1] مجدد اسلام (خلاصہ) ص ۴۸، ۴۹، ۵۰ [2] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص ۱۷۲ بحوالہ "الملفوظ" دوم ص ۱۶۲ [3] فاضل بریلوی: ص ۱۰۲، ۱۰۵ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۶ [4] فاضل بریلوی: ص ۱۰۵، ۱۰۶ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۱۳ [5] فاضل بریلوی: ص ۱۰۹ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۱۳

افسوس کہ آزمائش کے اس سخت مرحلہ پر مولانا علی میاں بے قابو ہو گئے ہیں اور انھوں نے جذبات کے ہاتھوں انصاف کی عصمت کو مجروح کرتے ہوئے آسمان علم و فضل کے چمکتے ہوئے سورج پر خاک ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے جیسے ان کی تقدس مآب شخصیت اور ان کے منصب سیرت نگاری سے جوڑنا بڑا ہی مشکل ہو گیا ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے :-

والف بعض الرسائل اثناء اقامته بالحرمين (ترجمہ) حرمین کے قیام کے دوران بعض رسائل مرتب کئے واجاب عن بعض المسائل التى عرضت على علماء الحرمين واعجبوا العزارة علمه وسعة اطلاعه على اور علماء حرمین پر پیش کئے چند المتون الفقهيه والمسائل الخلافيه وسرعة سوالوں کا جواب دیا جس پر تحريره وذكائه وہ حضرات ان کی علمی گہرائی، اختلافی مسائل و فقہی متون پر دسترس سرعت تحریر اور ذکاوت سے حیرت میں پڑ گئے۔

یہاں بھی مولانا ندوی متضاد جذبات کے شکار ہیں۔ وہ سنیت اور وہابیت کی تاریخی معرکہ آرائی، اعلیحضرت کے دندان شکن جوابات اور یادگار کامیابی پر الف بعض الرسائل اور اجاب عن بعض المسائل کے معمے میں پیش کر کے قاری کو حقیقت حال سے بے خبر رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف حقیقت حال کو چھپانے سے قاصر رہ کر اعلیحضرت کے حیرت انگیز کارناموں پر علماء حرمین کے قابل قدر تاثرات کو بتا کر اپنے منصب کا دفاع بھی کر رہے ہیں۔!!

دوسرے حج کے دوران اعلیحضرت نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے :-

۱۔ الدولة المكية بالمادة الغيبية :- کراچی کی مطبوعہ، علاوہ تقریظات تین سو صفحات کی یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے بڑے حصے میں سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر بحث کی گئی ہے جو آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایسے دلائل قاہرہ و براہین قاطعہ پر مبنی ہے کہ مخالفین مبہوت اور خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔

دوسرے حصے میں ان سوالوں کے جوابات دئیے گئے جو مولانا شاہ سلامت اللہ کی کتاب "اعلام الاذکیاء" کی ایک عبارت اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے "خطبہ مدارج النبوۃ" سے تعلق رکھتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس حج کے دوران مولانا خلیل انبیٹھوی جو غالباً طے شدہ منصوبے کے ساتھ اعلیحضرت کے تعاقب میں ہندوستان سے مکہ معظمہ پہونچے تھے اور مولوی حسین احمد ٹانڈوی جو پہلے سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے حرمین کی فضا کو اعلیحضرت کے خلاف تیار کرنے میں شب و روز مصروف تھے اور جو بعد میں اعلیحضرت کے مسکت جوابات سے قاصر ہو کر جھوٹے الزامات اور بے بنیاد اتہامات پر اتر آئے مثلاً ان کے کھلے بہتانوں میں سے ایک یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے معاذ اللہ برابر قرار دیتے ہیں رجال بڑی ہوشیاری سے بچھایا گیا تھا چنانچہ شریف مکہ نے ان کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ان کی ایماء پر اعلیحضرت کی خدمت میں علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ۵ سوالات بھیجے اور جلد سے جلد جواب طلب کیا۔ یہ اعلیحضرت کی زندہ کرامت اور ان کے آقا و مولیٰ کی عنایت بے غایت ہی تو تھی کہ بیش از بیش مصروفیات، بخار کی حالت، اکابر علماء سے طویل ملاقاتیں کعبۂ جسم سے کعبۂ جان کی طرف سفر کی تیاریاں، حوالے کی کتابوں کی عدم موجودگی پھر بھی محض ۸½ گھنٹہ میں کتاب کو مکمل کر کے پیش کر دیا جس پر نہ صرف شریف مکہ بلکہ مقامی و بیرونی تمام علماء کبار حیرت و استعجاب میں ڈوب گئے اور نہایت پرشکوہ الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرنے لگے۔

بے بنیاد الزام کا مذکورہ دعویٰ مبالغہ یا بدگمانی پر مبنی نہیں۔ شیخ سید اسماعیل بن خلیل مکی اس جھوٹے بہتان کی بخیہ دری کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"بلکہ ایک اور نے اپنی تحریر میں یہ جھوٹ باندھا اور بہتان لگایا کہ حضرت احمد رضا نے اپنے رسالے میں جو اس سوال کے جواب میں لکھا' یہ حکم لگایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیر متناہی بالفعل سے متعلق ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مثل علم الٰہی کے ہے۔ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں حاشا للہ۔ ہمارے شیخ مذکور نے ان میں سے کوئی بات کہی ہو کیسے یقین کیا جا سکتا ہے جب کہ رسالہ خود ہمارے ہاتھ میں ہے۔[1]

اعلیحضرت نے اس عظیم بہتان کو ایسا واشگاف فرمایا اور علم الٰہی و علم رسول میں فرق و امتیاز کی اتنی شقیں بیان فرمائیں نیز علم رسول کی بے پایاں وسعت پر ایسے ٹھوس دلائل و براہین پیش فرمائے کہ مخالفین کا سارا مکر و فریب بے نقاب ہو کر خود انھیں کے لئے سامان رسوائی بنا اور دوسری جانب حرمین شریفین میں موجود مقامی و بیرونی مشاہیر علماء و فضلاء نعمت الٰہی اور آیۃ من آیات اللہ کہہ کر پروانہ وار اعلیحضرت پر ٹوٹ پڑے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اعلیحضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ جو شریک سفر تھے لکھتے ہیں :-

"...... دوسری بار زیارت ...... اور حج کے لئے متوجہ ہوئے۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں خوب خوب عزت و توقیر کی گئی۔ وہاں علماء و فضلاء اور مشاہیر بڑے اعزاز و اکرام سے ملے، دست بوسی کی، حدیث مسلسل بالاولیۃ سنی...... صحاح و سنن و مسانید و معاجیم اور چاروں مصافحوں کی اجازت لی، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے۔ اور یہ تمام باتیں چھوٹی اور بڑی سب ان عمائد، علماء اور اکابر کے اصرار سے ہوئیں۔ در اصل

---

[1] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۰۹، بحوالہ "الدولۃ المکیۃ" ص: ۸

رسالہ "الدولۃ الملکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ"..... نے حرمین شریفین میں آپ کا غلغلہ برپا کر دیا..... چنانچہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ [۱]

۲۔ کفل الفقیہ الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم :۔

اعلیحضرت کے فضل وکمال سے متاثر ہوکر استفسارات کا جو غیر متناہی سلسلہ شروع ہوگیا تھا انھیں میں نوٹ کی شرعی حیثیت پر بھی کچھ سوالات تھے۔

خود اعلیٰ حضرت اس رسالہ کے آخر میں فرماتے ہیں :۔

"مکہ معظمہ کے دو علماء کرام مولانا عبد اللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاد مولانا حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عزجلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھ دیا۔" [۲]

یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر اتنی جامع، مدلل، اور عجوبہ روزگار تھی کہ اجل علمائے کرام وفقہائے عظام نے خود پڑھا، دوسروں کو سنایا اور ان کی نقلیں لیں۔

اصل کتاب میں اعلیٰ حضرت نے مولانا عبد الحئی لکھنوی کے بعض متعلقہ مباحث کی تردید فرمائی تھی۔

بعد میں اس میں اضافات فرمائے اور جب یہ معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی اس نوٹ کے خلاف کچھ لکھا ہے تو کچھ اور مباحث کا اضافہ فرمایا۔

چنانچہ خود فاضل مولف اس کی وضاحت فرماتے ہیں :۔

"..... اس وقت تک رقم سے کم، زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا۔ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ..... مولوی رشید احمد گنگوہی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم وبیش درکنار، برابر کو بھی اس کی خرید وفروخت ناجائز کر چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کا ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں ردمند کو رہوا ہے اس کو بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو مباحث تازہ خیال میں آئے اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام" کاسر السفیہ الواهم فی ابدال قرطاس الدراهم"..... رکھوں [۳]

۳۔ الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البهیۃ :۔

یہ کتاب ان کثیر التعداد اجازات پر مشتمل ہے جو اعاظم علماء حرمین ودیگر ممالک اسلامیہ نے اعلیحضرت سے حاصل کی ہیں۔

۴۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین :۔

حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ کی کتاب المعتقد المنتقد پر اعلیحضرت نے تعلیقات کا اضافہ فرمایا اور اس کا نام المعتمد المستند رکھا جو ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں مکمل ہوئی۔ اس کا خلاصہ حرمین بھیج کر تصدیقات حاصل کیں۔ ان تقاریظ وتصدیقات کو مفید اضافات کے ساتھ "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب میں اعلیحضرت نے قادیانی اور دیوبندی اقوال و اعمال پر تنقید فرمائی ہے۔

دوسرے سفر حج سے اس کتاب کا تعلق یہ ہے کہ اس سفر میں اعلیحضرت نے اپنے فتاوی کا خلاصہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو علماء حرمین کے سامنے پیش فرمایا۔ انھوں نے اس پر بھی محبت وعقیدت میں ڈوب کر تقریظیں تحریر فرمائیں۔

القاب وآداب، عہدہ اور وطن کی قید کے ساتھ ۳۴ علماء عظام کے اسماء گرامی صاحب "فاضل بریلوی" نے بھی نوٹ فرمائے ہیں۔ [۴]

حق وباطل کی اس تاریخی معرکہ آرائی اور اعلیحضرت کی عظیم الشان کامیابی کو نہ کورہ بالا ریکارڈ کی موجودگی میں نظر انداز کرنا تو باعث بدنامی تھا، ناچار مولانا نے مموگوئی کی راہ اختیار کی اور واجاب عن بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین کی تھپکیاں دیتے ہوئے اپنی پرسیاست فراخ ذہنی پر علماء حرمین کے تاثرات واعجبوا العزارق علمه وسعة اطلاعه علی المتون الفقهیة والمسائل الخلافیة وسرعة تحریره وذکائه کی مہر ثبت فرمادی تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔

اس کے بعد ایک دو سطر میں مولانا ندوی نے اعلیحضرت کی حج سے واپسی شغل تصنیف وتالیف، فتویٰ نویسی اور بیعت واجازت پر مختصر روشنی ڈالی ہے یہاں بھی مولانا ندوی لڑکھڑائے ہیں۔ اعلیحضرت نے افتاء کا کام ۱۲۸۶ھ سے شروع کر دیا تھا لیکن مولانا نے اس کو دوسرے سفر حج (۱۳۲۳ھ) بلکہ اور دوسرے اسفار حرمین کے بعد اس کا پہلی بار ذکر فرما کر یہ تاثر دیا ہے کہ آغاز افتاء ۱۳۲۳ھ یا اس کے بھی بعد سے ہوا۔ جو سن وتاریخ کی فاش غلطی کے علاوہ اعلیحضرت کی فطری ذکاوت اور شان عبقریت کو گھٹانے کے افسوس ناک جذبہ کا بھی غماز ہے۔ اور جو مولانا کی زبان زد خاص وعام لچک (اور "احتساب پسند" حضرات کی زبان میں سیاست ومصلحت اور دینی مداہنت) سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کہتے ہیں کہ بغض وعناد اخلاقی قدروں کو گرادیتا ہے۔ ممکن ہے یہاں بھی

---

[۱] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص : ۱۰۷ بحوالہ مقدمہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم۔ ص : ۴۔۶

[۲] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص : ۱۵۸، ۱۵۹ بحوالہ کفل الفقیہ : ص ۱۶۶۔ [۳] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص : ۱۶۱، ۱۶۲ بحوالہ کفل الفقیہ ص ۱۲۲۔۱۲۳

[۴] فاضل بریلوی : صفحات : ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۳، ۱۴۴۔

اسی کی کارفرمائی ہو!

اعلیٰحضرت کے حیرت انگیز فضل وکمال، روانیٔ قلم اور ذکاوت طبع پر علماء حرمین کی شدت جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ اچانک ہمارے مولانا کو اپنی مدہوشی کا احساس ہوا لہٰذا بہکے ہوئے قدموں کو سنبھالتے ہوئے دل بے اختیار کو سمجھانے لگے کہ ذاتی تاثر نہ سہی، علماء حرمین کی ترجمانی ہی سہی اخلاص کی نور بار فضا میں نہ سہی سیاست کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے رنگ میں سہی عقیدت کیشی اور محبت پاشی کی خوشبو تو بہر حال پھیلے گی اور یہ کسی شکل میں گوارا نہیں۔ لہٰذا اس عطر بیز فضا کو مکدر کرنے کے لئے انھوں نے کھلی بہتان طرازی اور بے بنیاد تہمت تراشی شروع کردی اور اس پر اپنی شخصیت کی بھاری بھرکم مہر لگادی کہ کم سے کم فدویوں اور وفاداروں کو تو بہکنے سے بچالیا جائے اس کوشش میں آپ کے بھڑکتے ہوئے آتش عناد کے شعلے اتنے بلند ہوئے کہ :-

زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجیے دہن بگڑا

کی آواز نصیحت بھی ان کے فراٹوں کو دبا نہ سکی، چنانچہ وہ آتش فشاں کے بند دہانے کو کھولتے ہوئے فرماتے ہیں :-

کان متشددا فی المسائل الفقهية (ترجمہ) وہ فقہی وکلامی مسائل
والکلامية متوسعا، مسارعا فی التكفير میں متشدد، دائرہ تکفیر کو
والتفریق فی الدیار الهندية فقد حمل لواء التكفیر فی العصر (زیادہ سے زیادہ) پھیلانے
الاخیر وتولی کبره واصبح زعیم هذه والے اور اس معاملہ میں تہہ
الطائفة تنتصر له وتنتسب الیه وتحتج ہی جلد باز تھے۔ آخر عمر میں
باقواله وکان لایتسامح ولا یسمح دیار ہند میں تکفیر و تفریق کا جھنڈا
بتاویل فی کفر من لایوافقه انحرافا عن اٹھالیا تھا، اس کوشش
مسلکه ومسلک آبائه، شدید المعارضه میں ان کا بہت بڑا حصہ
دائم التعقب لکل حرکة اصلاحیة۔ تھا حتی کہ وہ اپنے ہم مشرب
لوگوں کے قائد بن گئے تھے جو ان کی حمایت کرتے اپنے کو ان سے نسبت دیتے اور ان کے اقوال سے استدلال کرتے تھے۔ وہ (اعلیٰحضرت) اس شخص کے کفر کی تاویل کو ہرگز قبول نہ کرتے اور نہ اسے کوئی رورعایت دینے کو تیار ہوتے جو ان کی رائے اور عقیدہ کا مخالف اور ان کے ذاتی وآبائی مسلک سے منحرف ہوتا وہ سخت جھگڑالو تھے اور اصلاحی تحریکوں کے ہمہ وقت پیچھے پڑے رہتے تھے

مولانا نے اس موقع پر جھوٹے الزامات کی جو پے در پے گولہ باری کی ہے،

انھیں ترتیب دیا جائے تو حسب ذیل ہیں :-

۱۔ فقہی وکلامی مسائل میں متشدد تھے۔

۲۔ معمولی معمولی باتوں پر تکفیر کا فتویٰ دے کر اس کے دائرہ کو پھیلاتے رہتے تھے

۳۔ تکفیر میں جلد باز بھی بےحد تھے۔

۴۔ آخر عمر میں ہندوستان کے چپہ چپہ پر تکفیر کا جھنڈا اٹھالیا تھا۔

۵۔ ہمنواؤں کی ایک ٹولی بنالی تھی جو ان کی حمایت پر کمربستہ تھی اور ان کے اقوال کو سند کا درجہ دیتا تھا۔

۶۔ کسی شخص کے اپنے ذاتی اور آبائی مسلک سے انحراف کو برداشت نہیں کرتے تھے اور اس کے کفر میں کسی تاویل کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔

۷۔ سخت جھگڑالو تھے۔

۸۔ اصلاحی تحریکوں کے ہمہ وقت پیچھے پڑے رہتے تھے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

آئیے اس جنوں کے اس مرکز تحریک کو تلاش کیا جائے جس نے لباس شائستگی کے ایک ایک تار کو ایسا اُدھیڑ کر رکھ دیا ہے کہ حیرت وحسرت بھی انگشت بدنداں اور عرق عرق ہو کر رہ گئی ہے۔

کان متشددا .... الی آخرہ :-

بغض وعناد کا خاصہ ہے کہ محاسن یہاں معائب کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مولانا نے زیر بحث مضمون میں اعلیٰ حضرت کی طرف نسبت دیتے ہوئے لفظ شدت تشدد اور ان کے مختلف مشتقات جگہ جگہ بکثرت استعمال کئے ہیں لیکن انھیں ایک جگہ بھی شدت میں حسن وخیر کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی چنانچہ یہاں بھی انھوں نے اس کو نقائص ومعائب کی طویل فہرست میں پہلی جگہ دی ہے اور تسکین نہیں ہوئی تو چند جملوں بعد اسی پیراگراف میں پھر ایک جگہ شدت احساس سے بے اختیار ہو کر اظہار حال فرمایا ہے۔

سب کو علم ہے کہ شدت بذات خود کچھ نہیں، نہ بھلائی ہے نہ برائی۔ یہ تو ایک کیفیت اور صفت ہے جو موصوف کے ساتھ عارض ہو کر اسی کا روپ دھار لیتی ہے۔

چنانچہ مثلاً شرک وکفر، فسق وفجور اور اخلاق ذمیمہ سے منسلک ہو کر اگر وہ برائی اور نقص وعیب کی شکل میں سامنے آتی ہے تو دین وایمان، توحید وسنت اور اخلاق حسنہ کے کسی فرد کے ساتھ سراپائے حسن وخیر اور لائق داد وتحسین بن جاتی ہے۔

ابھی چند سطر پہلے مولانا نے علماء حرمین شریفین کے محبانہ وعقیدتمندانہ تاثرات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ فقہی متون اور اختلاف مسائل میں اعلیٰحضرت کی وسعت نگاہی اور جامعیت واکملیت پر حیرت بدنداں ہو گئے تھے۔ یہ اختلافی مسائل کیا تھے؟ اس کی کچھ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ یعنی علماء دیوبند کا اپنی تحریروں کے ذریعہ شان الوہیت ورسالت میں گستاخی کرنا اور ان شرعی احکام اور فیصلوں کو علماء حرمین کی خدمت میں پیش کر کے ان کی شرعی رائیں اور فیصلے حاصل کرنا۔ یہ بھی آپ جان چکے ہیں کہ انھیں حالات میں مخالفین کی منصوبہ بند سازشوں کے نتیجہ میں علماء حرمین سے متذکرہ بالا مذاکرہ پیش آیا اور وہ تاریخ ساز کتابیں وجود میں آئیں جنھوں نے ان اکابرین کی آنکھیں کھول دیں اور وہ خدمت اعلیٰحضرت میں سند اور اجازت وارادت

کے فرط جوش میں دست بوسی اور قدمبوسی تک کے جذبات نچھاور کرتے لگے۔

ظاہر ہے کہ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو شریعت حقہ کے مجرمین کے خانہ میں پاکر طبیعت پر قابو رکھنا مولانا کے لئے کیسے ممکن ہوتا؟ دین متین کے ان عدالت ہائے عالیہ میں شرعی جرائم کی مذکورہ بالا پہلی رپورٹ مولانا کی نگاہ میں کتنا بڑا ظلم ہوگا۔ رپورٹ دینے والے کو ظاہر ہے کہ مولانا کے غیض و غضب کا نشانہ بننا ہی تھا۔

اعلیحضرت کی طبیعت میں یقیناً شدت تھی لیکن بصورت فضل خداوندی و بشکل نعمت الٰہی قابل رشک اور باعث غیظ نہ کہ مولانا کی نگاہوں میں چبھنے والا کانٹا جس کی خودکردہ اذیت انھیں بار بار چھیڑتی ہے۔

قارئین خود بسکون دل غور کرسکتے ہیں کہ علماء دیوبند سے اعلیحضرت کے اختلاف کی بنیاد دنیا اور اس کی آرائشیں نہ تھیں۔ خود اعلیحضرت فرماتے ہیں کہ میرے اور علماء دیوبند کے درمیان اختلاف کا سبب نہ جائیداد ہے، نہ عہدہ نہ کوئی اور دنیوی مفاد بلکہ اس کی اصل اور بنیاد وہ عبارات ہیں جو اللہ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معاذ اللہ توہین پر منتج ہوتی ہیں۔ واقعات شاہد ہیں اور مسلمانوں میں فتنہ اٹھانے والی اور تفرقہ ڈالنے والی وہ کتابیں اور عبارات آج بھی موجود ہیں جسے دین اور بانیٔ دین کی حرمت اور اپنے ایمان کی حفاظت کی تڑپ نصیب ہو وہ ان کتابوں کو اور ان پر اعلیحضرت کی تنقیحات کو پڑھ سکتا ہے۔ یہ تنقیحات کسی عامی کے ناقابل التفات خیالات و جذبات نہ تھے۔ فاضل بریلوی کا فضل و کمال اور اپنے ہمعصروں پر ان کی برتری مولانا عبدالحیٔ الحسنی کو بھی فاق اقرانہ کے الفاظ میں مسلّم ہے۔

اعلیحضرت کی شدت میں معاذ اللہ سوء کا پہلو تو اس وقت قابل غور ہوتا جب انھوں نے اپنی تنقیحات اور فیصلوں کو فہام و تفہیم کا موقع دیئے بغیر پہلے ہی مرحلہ میں نافذ اور ناطق کہدیا ہوتا اور کسی کی کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ انھوں نے ایک دو سال نہیں پندرہ، بیس سال تک ان متنازع فیہا عبارات پر مختلف ذرائع سے توجہ دلائی، خطوط بھیجے، رجسٹریاں روانہ کر کے وصولیابی کی رسیدیں وصول کیں اور مذاکرہ، مناظرہ و تبادلۂ خیال پر آمادہ کرنے کے لئے ہر ممکن طریقے اختیار کئے۔ لیکن دوسری جانب سے طویل خاموشی یا پھر ذاتی و خاندانی عیب جوئی، طنز و تعریض اور معروف طبقوں میں رائج الفاظ کے وہ ٹکسالی سکے پیش ہوتے رہے۔ جو علمی سنجیدگی اور دینی تقدس کے لئے باعث شرم و عار ہیں۔ کبھی بھی اپنے دور کے اس تاز ش علوم و فنون اور فقہ و کلام میں خود مخالفین کی مسلّم شخصیت کے مدلل فقہی و کلامی مباحث کا کوئی سنجیدہ، مدلل اور مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ مذکورہ بالا طویل ترین عرصے میں سینکڑوں مفاہمتی کوششوں کے باوجود ۲، ۵، ۷، اور ۸ بلکہ بعض صورتوں میں اس سے زیادہ وجوہ کفر پر توجہ دلاتے ہوئے بھی اعلیحضرت نے خود ان عبارات کے لکھنے والوں کی تکفیر سے گریز فرمایا۔ حتیٰ کہ اسی کمال احتیاط نے انھیں مسئلہ تکفیر میں متکلمین کا مسلک اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ خود بھی احتراز فرمایا اور دوسروں کو بھی روکا۔ کیا مولانا کی زبان میں اسی کا نام تشدد ہے

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں

مفاہمت کے سارے امکانات کو آزما لینے کے بعد ایک عالم دین، فقیہہ وقت، اور مفتی زماں سے اس کے منصب کا کیا مطالبہ ہوسکتا ہے؟ دین اور بانیٔ دین کے ناموس کا دفاع کرنا یا مخالفت، معاندت اور سازشی کارروائیوں سے خائف ہوکر مصلحت، سیاست اور مداہنت سے کام لینا۔

تاریخ اسلام کا ایک ایک ورق جرأت دینی اور شدت ایمانی کے واقعات سے لبریز ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسے جاں نثار نبوت کو جس کی فراست ایمانی اور اصابت رائے کی تصدیق اکثر وحی الٰہی کے ذریعہ ہوتی رہی اور جس کی ذات والاصفات خود بزبان نبوت نبوی آثار و انعکاسات کا تمثال اور نشان امتیاز بنی رہی۔ اس کی سینکڑوں دینی و ایمانی اداؤں میں جو ادا اس کے خالق کی منظور نظر بن کر اس کی شخصیت اور کردار کا عنوان قرار پائی وہ شدت ہی نہیں شدت علی الشدۃ یعنی بصیغۂ مبالغہ اشد بلکہ مبالغہ علی المبالغہ یعنی بصیغۂ جمع اشداء علی الکفار کا معزز و مفتخر خطاب ہے!

پھر اگر اس جامع آثار نبوت کے حالات کا جستہ جستہ مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس فدائے رسول کے ایمان کی روح اور ان کی ایمانی شدت کی جان ناموس رسالت تھی اور ہر گستاخ رسول کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کردینے کا جذبہ! تاریخ اسلام کے بچہ بچہ طالب علم کو بھی معلوم ہے کہ ناموس رسول کے تحفظ کی یہی تڑپ تھی جو.... کبھی صلح حدیبیہ میں کھلے ہوئے دشمنان رسول کفار و مشرکین کے انکار نبوت کے گستاخانہ مطالبہ پر بجلی بن کر کوندی.... اور کبھی اسلام کے پردے میں چھپے ہوئے دشمن رسول منافق پر جس نے عدل نبوت کی بے حرمتی کرتے ہوئے عدل فاروقی کا سہارا لینا چاہا تھا۔ اور اب ذرا اعلیحضرت کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے تو فاروقی انعکاسات و اکتسابات سے بننے والی اسی جیسی تصویر اور کمال مماثلت اور مشابہت دیکھ کر آپ حیرت میں پڑ جائیں گے۔ یہاں بھی آپ کو اعلیحضرت کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اسی ایک عنوان تحفظ ناموس رسالت کی شرح و تفصیل کرتا ہوا نظر آئے گا۔ تعصب کے ملوثات کو کھرچ کر انصاف و دیانت کی روشنی میں اعلیحضرت کی زندگی کے ایک ایک ورق کو الٹ کر ایمان والے دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی شدت کی روح تھی ایمان اور ایمان کی جان عشق رسول۔ کسی نے اعلیحضرت کی حدت و شدت مزاج پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا "ایک تو مزاج گرم دوسرے علم کی گرمی" اس پر آپ نے فرمایا "حدیث میں ہے ان الحدۃ تعتری خیار امتی لعزۃ القرآن فی اجوافھم (میری امت کے علماء (در اصطلاح علم حدیث

(بقیہ صفحہ ۴۳۶ پر)

امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

از :- محمد احمد مصباحی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

علمائے دیوبند تقریباً پچاس ساٹھ سال سے پریس وقلم کی طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی پوری جدوجہد کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ مسلمانوں کی تکفیر وتفسیق میں نہایت عجلت پسند، بے باک، ہٹ دھرم، ضدی اور سخت گیر واقع ہوئے تھے خصوصاً علمائے دیوبند کی تکفیر میں نہایت عجلت پسندی، بے باکی اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر وقت نظر اور وسعت فکر کے ساتھ غور نہ کیا۔

الزام تکفیر

چنانچہ مولوی ابوالحسن علی ندوی کے والد مولوی عبدالحئی لکھنوی ندوی اپنی تصنیف نزہۃ الخواطر میں امام احمد رضا بریلوی کا تذکرہ کر رہے ہیں مگر تاریخی شواہد اور ان کی طرز نگارش کی روشنی میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولوی صاحب موصوف مسلکی عصبیت کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ فاضل بریلوی کی عجلت پسندی کے متعلق رقمطراز ہیں۔

مسارعا فی التکفیر قد حمل لواء التکفیر والتفریق فی الدیار الہندیہ فی العصر الاخیر

ترجمہ: تکفیر مسلم میں بہت ہی عجلت پسند ہے۔ زمانۂ اخیر میں اسی نے دیار ہند میں تکفیر وتفریق کا علم بلند کیا (نزہۃ الخواطر جلد ششم ص۳۹)

کفری عبارتوں کی تاویل کے متعلق فاضل بریلوی کا نقطۂ نظر یوں بیان کر رہے ہیں۔

وکان لا یتسامح ولا یسمع تاویل فی کفر من لا یوافقہ علی عقیدتہ وتحقیقہ او من یبدی فیہ انحرافاً عن مسلکہ ومسلک آبائہ

ترجمہ :- اور وہ ایسی تاویل کفر نہ سننے دیتا اور نہ سنتا جو اس کے عقیدے اور تحقیق کے خلاف ہوتی یا جس میں اس کے آباء یا اس کے مسلک سے انحراف ہوتا۔

نزہۃ الخواطر جلد ششم ص۳۹

آئندہ صفحات میں حقائق کے ذریعہ ہم واضح کریں گے کہ مولوی صاحب موصوف اپنے دعوی میں سچے نہیں ہیں۔ پہلے آیئے اسی معاملہ میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے دوسری مشہور شخصیت مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کی عبارت ملاحظہ ہو جو انصاف پسند مصنف کم اور متعصب معاند زیادہ نظر آتے ہیں۔ تحریر کا تیور دیکھئے۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں اپنے اور اپنے معتقدوں کے سواد نیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھکر اکفر سمجھتے تھے۔ (ذکر آزاد ص۱۲)

ملیح آبادی صاحب کی بے بنیاد الزام تراشی سے بڑھکر جناب رئیس احمد صاحب ندوی کے بہتان عظیم پر ہمیں بے حد افسوس ہے کہ موصوف نے ایک فرضی بات کو تحریر کر کے جہاں غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے وہیں تاریخی حالات وشواہد اور دیانت کا نہایت بے دردی کے ساتھ گلا گھونٹا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف ۷۲ وجوہ پر مشتمل کفر کا فتوی دیا جس میں ایک وجہ یہ تھی کہ ان کا نام عبدالباری تھا اور لوگ انہیں باری میاں کہتے ہیں اگر ان کا نام عبداللہ ہوتا تو لوگ انہیں اللہ میاں کہتے لہذا کافر (آزادی ہند ص۱۸۹)

مندرجہ بالا اور اسی قبیل کی بیسیوں عبارتیں دیوبندی مصنفین کی ہماری نظروں سے گزریں جن کے متعلق فی الحال ہم یہی کہہ کے گزر جانا چاہتے ہیں کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آئندہ مضمون سے خود بخود واضح ہو جائے گا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان لوگوں نے الزام تراشی اور استہزائی انداز اختیار کر کے عام مسلمانوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ بعض علماء دیوبند پر اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتکاب کی وجہ سے امام احمد رضا بریلوی نے جو کفر کا فتوی دیا ہے یا علماء حرمین سے ان کی تنقیصی عبارتوں پر جو استفتار کر کے شرعی حکم شائع کیا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے اور نہ ہی قابل اعتبار

تنقیصی عبارتیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے جن علماء دیوبند کو شان رسالت کا مجرم گردانا ہے ان کی عبارتیں پیش کر دی جائیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی تحریر اور اس تحریر کی تائید مولوی رشید احمد گنگوہی نے کی ہے اسلئے فاضل بریلوی نے ان دونوں حضرات کو بارگاہ رسالت کا گستاخ گردانا ہے ملاحظہ ہو۔

شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(براہین قاطعہ ص۵۱)

اس عبارت کا واضح مطلب یہی ہے کہ شیطان اور ملک الموت کا وسعت علم قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علم قرآن وحدیث سے ثابت نہیں اس لئے حضور کے وسعت علم کو تسلیم کرنا شرک ہے۔

۲ - مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کو جس عبارت کی وجہ سے فاضل بریلوی نے بارگاہ نبوی کا گستاخ تسلیم کیاہے وہ عبارت ملاحظہ ہو۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اول معنیٰ خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیا سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ (تحذیر الناس ص۳)

دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہے گا۔ (تحذیر الناس ص۱۴)

تیسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا (تحذیر الناس ص۲۸)

ان تینوں عبارتوں کا مطلب یہی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام نبیوں کے بعد اور آخر میں ہوئی مگر علم والوں پر یہ بات واضح ہے کہ پہلے یا آخر میں آنے کی وجہ سے حضور کی خاتمیت کی بالذات کوئی فضیلت نہیں بلکہ فرض کیا جائے کہ آپ کے زمانہ میں بھی کوئی دوسرا نبی ہو تاجب بھی آپ خاتم النبیین ہی رہتے اور آپ کے بعد آج بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے یا نبوت کا دعویٰ کرے جب بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

۳ - مولوی اشرف علی صاحب کی جس عبارت پر امام احمد رضا بریلوی کو اعتراض ہے درج ذیل ہے۔

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے (حفظ الایمان ص۸)

اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کو اگر علم غیب مانو تو کل محال ہے اور بعض مانو تو اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ حضور ایسا علم غیب تو زید وعمرو ہی نہیں بلکہ ہر بچے اور پاگل اور تمام حیوانات کو بھی حاصل ہے۔

ہم علمائے دیوبند کی ان عبارتوں کے حسن وقبح پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اس کے حسن وقبح سے متعلق سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ کوئی بھی خالی الذہن مسلمان ان عبارتوں کو پڑھے گا تو حیرت واستعجاب میں ضرور پڑ جائے گا۔ ہم کہتے ہیں ان عبارتوں کو لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس کے لکھنے سے کون سا دینی کام سرانجام پاگیا؟؟ اور نہ لکھنے سے کونسی مصیبت مذہب اسلام پر آن پڑتی؟؟؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں ان عبارتوں کے نہ لکھنے میں دینی منفعت تھی آج جو اس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر افتراق وانتشار کی خلیج پائی جاتی ہے کبھی بھی نہ پائی جاتی اور نہ بدامنی کے امکانات ہوتے۔

علمائے دیوبند پر ان کے گھر کا فتویٰ

مذکورہ بالا عبارتوں کے سلسلہ میں خود علماء دیوبند کے کیا تاثرات تھے ملاحظہ ہوں۔ تحذیر الناس کے سلسلہ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں۔

جس وقت مولانا نے تحذیر الناس لکھی ہے۔ کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہ کی بجز مولانا عبدالحئی صاحب کے

(الافاضات الیومیہ جلد چہارم ص۵۸۰ زیر ملفوظ ص۹۲۶)

یہ وہی کتاب ہے جس کی تین عبارتیں ہم نے پیش کی ہیں اور امام احمد رضا بریلوی جسے توہین آمیز قرار دیتے ہیں۔ بقول تھانوی صاحب بھی یہ بدنام زمانہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کی بحث کی گئی ہے اور معنیٰ خاتم النبیین میں اختراع کیا گیا ہے۔ اس اختراع کے بالمقابل مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا قول ملاحظہ ہو۔

ان اللغۃ العربیۃ حاکمۃ بان معنی خاتم النبیین فی الآیۃ ھو آخر النبیین لا غیر. بے شک عربی زبان کا اٹل فیصلہ ہے کہ آیت کریمہ کے اندر خاتم النبیین کا معنی صرف آخر الانبیا ہے۔ دوسرا کوئی معنی نہیں۔ (ہدیۃ المہدیین ص۲۱)

خاتم النبیین کے معنی کے وضاحت کے بعد مفتی صاحب فیصلہ فرماتے ہیں کہ جو اس معنی کے خلاف کوئی معنی لے اور اس پر اصرار کرے فتویٰ کفر اور قتل کا حقدار ہوگا۔

اجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔ امت محمدیہ کا خاتم الانبیار کے اس معنی پر اجماع واتفاق ہے۔ لہٰذا خاتم الانبیار کا دوسرا معنی گڑھنے والا کافر قرار پائے گا۔ اور اگر اپنے گڑھے ہوئے معنی پر اصرار کرے تو قتل کیا جائیگا۔

(ہدیۃ المہدیین ص۳۵)

ان مذکورہ عبارتوں کا امام احمد رضا بریلوی نے جو نتیجہ اخذ کیاہے۔ اسی قسم کا

اگر کوئی عقیدہ رکھتا ہے تو ناظم تعلیمات دیوبند مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی بھی اسے کافر و مرتد کہتے ہیں بظاہر مسلمانوں جیسی وضع قطع اور خدمت و تبلیغ اسلام کا اسکے کفر کو ختم کرنے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

جو نماز اور روزہ بھی ادا کرتا ہے اور تبلیغ اسلام میں ہندوستان ہی نہیں تمام یورپ کی خاک چھانتا ہو بلکہ فرض کرو کہ اس کی سعی اور کوشش سے تمام یورپ کو اللہ تعالیٰ حقیقی ایمان و اسلام بھی عنایت فرما دے مگر اس دعوی اسلام و ایمان اور سعی بلیغ اور کوشش وسیع کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیتا ہو۔ یا اور ضروریات دین کا انکار کرے وہ قطعاً یقیناً تمام مسلمانوں کے نزدیک مرتد ہے کافر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جس کو کسی دیوانہ کتے نے کاٹ لیا ہو اور اس کا زہر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہو اور ہڑک اٹھ چکی ہو۔ وہ تمام دنیا کو چاہے سیراب کر دے تمام ہندوستان کے دریا اور نہریں اس کے قدموں کے نیچے سے بہتی ہوں مگر اس بدنصیب کو ایک قطرہ پانی کا نصیب نہیں ہو سکتا وہ دنیا کو سیراب کرے مگر خود تشنہ کام ہی دنیا سے رخصت ہوگا۔

ان اللہ لیئوید ھذا الدین بالرجل الفاجر دین کے کام کرنے سے مغرور نہ ہونا چاہئے کہ وہ خود بھی مسلمان ہے یا نہیں (اشد العذاب ص۵)

ان حوالہ جات کی روشنی میں ہر انصاف پسند یہی فیصلہ کرے گا کہ امام احمد رضا نے اپنے منصب کے لحاظ سے علماء دیوبند کے متعلق جو رویہ اختیار کیا بالکل صحیح۔ اور ان کا یہ فعل اسلام کے بالکل موافق تھا۔ اب رہ گیا متعصب مصنفین کی الزام تراشی و بہتان طرازی کا مسئلہ تو اسے بھی تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے؟

حزم و احتیاط

علمائے دیوبند نے مسئلہ تکفیر میں فاضل بریلوی پر جس بہتان تراشی اور سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس کا تذکرہ خود امام موصوف نے بے حد دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دھاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہلسنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا اسی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوی چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمہ کو کہہ دیا۔

یہاں تک کہ ان کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ فرمائے۔ انہوں نے آیت کریمہ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا پر عمل فرمایا خط لکھکر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھکر ارسال ہوا۔ (حسام الحرمین ص۳۴)

امام احمد رضا بریلوی کا مندرجہ بالا فرمان بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ علمائے دیوبند کے دعادی کے برخلاف امام بریلوی کی تحریریں ثبوت فراہم کرتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ آپ تکفیر و تفسیق مسلمین میں بے پناہ حزم و احتیاط رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب نے تکفیر مسلم کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو یہ جواب مرحمت فرمایا۔

بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہ گار ہوا۔ اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا
(الملفوظ مکمل ص۳۰۶)

امام احمد رضا بریلوی مسئلہ تکفیر میں بے حد محتاط تھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی جن کی مشہور و معروف کتاب تقویۃ الایمان کی سطر سطر سے توہین رسالت کی بو آتی ہے بلکہ بعض جگہ پر کھلے الفاظ میں توہین رسالت کا ارتکاب بھی کیا ہے۔ اسی لئے بعض علماء مثلاً مولانا فضل حق خیرآبادی و مولانا فضل رسول بدایونی وغیرہما نے ان کی تکفیر بھی کی ہے۔ فاضل بریلوی نے بھی دہلوی صاحب کی تردید میں متعدد بلیغ رسالے لکھے مگر احتیاطاً آخر میں شرعی فیصلہ تحریر فرمایا۔

علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے (سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح)

انہیں کے متعلق دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مناسب (الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ) ایک تیسری کتاب میں بھی اعلیٰ حضرت نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی عبارتوں پر پوری پوری تنقید کر کے کفریات کی وضاحت فرمادی ہے اور تنقیدات کو پڑھنے کے بعد ایک عام مسلمان بھی دہلوی صاحب کو مسلمان سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا لیکن امام موصوف کے حزم و احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ان کے متعلق شرعی فیصلہ یوں فرماتے ہیں۔

لزوم و التزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے۔ جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ (سل السیوف الھندیۃ علی کفر بابا النجدیۃ)

ایک طرف امام احمد رضا بریلوی مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تکفیر میں اتنی حزم و احتیاط برتتے ہیں تو دوسری طرف مولوی رشید احمد گنگوہی مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ پر حکم کفر بھی صادر فرمایا ہے۔ اتنے محتاط شخص کا ان علماء دیوبند پر حکم تکفیر لگانا بظاہر حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن حالات و واقعات کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا صاحب موصوف کی اس معاملہ میں دینی مجبوری تھی۔

امام صاحب موصوف کا کہنا تھا کہ مذکورہ عبارتوں کے ذریعہ ان لوگوں نے گستاخی کی ہے اور شان رسالت میں اہانت کے مرتکب ہوئے ہیں اور اہانت و محبت حضور ضروریات دین سے ہے اس لئے مذکورہ علماء نے اہانت کر کے ضرورت دین کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ ان عبارتوں سے رجوع کا امام صاحب موصوف نے مطالبہ کیا اور بار بار اس دینی ضرورت کی طرف توجہ دلائی پھر بھی ان لوگوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اور لگ بھگ بیس سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ فاضل بریلوی جد و جہد کرتے رہے کہ اس دینی اور شرعی مسئلہ کا حل ڈھونڈ کر تلاش کر لیا جائے اور مفاہمت کی راہ نکال لی جائے۔

لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ علمائے دیوبند خلوص و ہمدردی کے جواب میں خلوص کے بجائے مناظرانہ داؤ پیچ کے لئے تحریر کی راہ اختیار کی اور بالمشافہ گفتگو سے گریز کرتے رہے حالانکہ علمائے دیوبند اگر امام موصوف سے اس دینی ضرورت میں تعاون کرتے تو آپس میں تصفیہ ہو جاتا اور مسلمانوں میں انتشار و افتراق کی خلیج ہرگز ہرگز نہ پیدا ہوتی۔ الغرض علمائے دیوبند کے باغیانہ رویہ اور ان مذموم عبارتوں کی بیس سال کے عرصہ میں بار بار اشاعت سے یہ سمجھ لیا کہ علماء دیوبند راہ راست پر آنے والے نہیں اسلئے اتمام حجت کے طور آخری جد و جہد کی اور ایک خط بذریعہ رجسٹری لکھا جس کی تحریر ملاحظہ ہو۔

یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا۔ آئندہ کسی کے غوغے پر التفات نہ ہو گا۔ منوا دینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم (مجدد اسلام ص۱۸۶)

جب اس آخری دعوت پر بھی بالکل خاموشی برتی گئی تو امام موصوف نے عامۃ المسلمین کو گمراہیوں سے بچانے اور اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سنہ ۱۳۲۰ھ میں مذکورہ عبارتوں پر ہر زاویہ سے بحث کر لینے کے بعد ان لوگوں پر حکم تکفیر عاید کیا اور علمائے حرمین سے بھی ان عبارتوں پر استفسار کر کے شائع کیا جو آپ کے حکم کے حامی تھا۔ امام موصوف حکم تکفیر لگانے کے بعد بھی جو توضیحی عبارت تحریر فرماتے ہیں آپ کے خلوص نیت محبت رسول اور حق بجانب ہونے کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہے۔

الحمد للہ وجسے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دیکر یہی لکھ چکا تھا۔ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہو گئی؟ ان سے جائداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہو گئی؟؟ حاش للہ مسلمانوں کا علاقہ، محبت و عداوت صرف محبت خدا و رسول ہے (حسام الحرمین ص۱۶)

فاضل بریلوی کے حکم تکفیر عائد کرنے کی اس دینی مجبوری کا اعتراف خود مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو بھی ہے۔ حضرت اختر شاہجہاں پوری اپنی تصنیف "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک قول نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے، وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی غرض سے تو نہیں کہتا (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام)

مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے بھی امام احمد رضا بریلوی کو مسئلہ تکفیر میں مذہبی طور پر مجبور بتایا ہے ملاحظہ ہو۔

اگر خانصاحب کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا تو خانصاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا صاحب کے عقائد کفریہ معلوم کر لئے اور وہ قطعاً ثابت ہو گئے تو اب علماء اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر مرتد کہنا فرض ہو گیا اگر وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں چاہے وہ لاہوری ہوں یا قادیانی وغیرہ وغیرہ تو وہ خود کافر ہو جائیں گے کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے (اشد العذاب ص۱۳)

امام احمد رضا بریلوی کی اسی صداقت شعاری حق گوئی اور حزم و احتیاط کو دیکھتے ہوئے مدینہ منورہ کے ایک مقتدر عالم دین حضرت شیخ عبدالقادر توفیق شلبی طرابلسی حنفی مدرس حرم طیبہ تحریر فرماتے ہیں۔ عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

ہمارے سردار علماء نے اس وقت تکفیر کی راہ چلی جب کہ نور ثبوت پایا اور ائمہ مجتہدین کی قطعی حجتوں پر اعتماد فرمایا نہ محض اندازے اور خبر کی بنیاد پر اس دن کا خوف کرتے ہوئے جسمیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (حسام الحرمین)

ان حقائق کے باوجود دیوبندی مصنفین کا امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ پر تکفیر مسلم کرنے کا الزام و بہتان لگانا سراسر زیادتی ہو گی مگر یہ سلسلہ آج تک جاری ہے غالباً اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ صرف مسلکی تعصب و عناد کی بنیاد پر اس قسم کی باتیں تحریر کی جاتی ہیں جو رواداری اور انصاف پسندی کے بالکل خلاف ہے بلکہ سیدھے سادھے ناواقف مسلمانوں کے ساتھ فریب کاری اور دھوکہ دہی کی سازش گردانی جا سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ ان مصنفین نے فاضل بریلوی سے متعلق کچھ مطالعہ ہی نہیں کیا ہے۔ صرف سنی سنائی باتوں اور افواہوں پر اعتماد کر کے جو کچھ سمجھ میں آیا تحریر کر ڈالا۔ ایک مصنف کو ایسا کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا اور تصنیفی دیانت کے بھی منافی ہے کیونکہ کسی کے متعلق بغیر تحقیق و مطالعہ کے کوئی بے بنیاد بات تحریر کر دینا انتہائی گھناؤنا جرم ہے۔

اس لئے ہم تمام روادار اور انصاف پسند دیوبندی مصنفین کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ فاضل بریلوی کے متعلق لکھنے سے پہلے حالات کا پورے طور پر جائزہ لے لیں اور تحقیق و مطالعہ سے اپنے ذہن کو تیار کر لیں ہمیں امید ہے کہ اس کے بعد ہر مسئلہ میں فاضل بریلوی کی عبقریت ہی ثابت ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر سید محمد جیلانی نے اردو پریس واقع عقب ۷۹ اے جے راج بھائی لین بمبئی ۵ سے چھپوا کر دفتر المیزان ۵۷ ای ساکلی اسٹریٹ، جونی مسجد کمپاؤنڈ بمبئی ۳ سے شائع کیا۔

امام احمد رضا کی طرف منسوب تین اشعار

مولانا شکیب ارسلان مصباحی
حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڑھ

ادھر چند سال سے علماء دیوبند کی طرف سے سرکار اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی شان میں طرح طرح کی غلط باتیں مشہور کی جا رہی ہیں ویسے تو علمائے دیوبند کا وطیرہ ہی رہا ہے، غلط پروپیگنڈہ اور الزام تراشی کا جس کا سلسلہ مدتوں سے جاری ہے مگر جب سے ناصر ملت مبلغ اسلام حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کی نقاب کشا کتاب "زلزلہ" منظر عام پر آئی ہے۔ اس وقت سے ان کی پرانی سرگرمیاں تیز تر ہو گئی ہیں یا اس لئے کہ "زلزلہ" نامی کتاب کا جواب تو اب تک علمائے دیوبند نے صحیح طور پر دیا اور نہ قیامت تک دے سکتے ہیں۔ ہاں اگر کچھ مناسب جواب نہیں مشورہ کسی نے دیا ہے تو وہ ہیں آنجہانی مولانا عامر عثمانی ایڈیٹر تجلی۔ کہ علماء دیوبند کے پاس ان متضاد اقوال کا کوئی جواب نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ کتابیں جن میں متضاد باتیں ہیں، پنچ چورا ہے پر رکھ کر نذر آتش کر دی جائیں۔ اطمینان کے لئے دیکھئے تجلی کا ڈاک نمبر ۷۷ء۔ جن غلط باتوں کو بڑے اونچے پیمانے پر اچھالا جا رہا ہے، ان میں وہ تین اشعار بھی ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں غلط اعلیٰحضرت کی طرف منسوب ہیں۔ اگرچہ تحریر و تقریر کے ذریعے تقریباً تیس سال سے اس سے براءت اور مکمل صفائی پیش کی جا رہی ہے متعدد اخبارات و رسائل میں اس کے متعلق مضامین شائع کئے جا چکے ہیں، مگر علماء دیوبند کی یہ بڑی ہی گھناؤنی سازشی اور مجرمانہ حرکت ہے کہ بار بار ان اشعار کو پیش کر کے حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی نہایت ہی ناروا کوشش کر رہے ہیں اور دیانت و صداقت کا کھلا خون بھی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابھی "زلزلہ" کے لاجواب معروضات سے گھبرا کر کچھ لوگوں نے خامہ فرسائی کی تو اصل جواب کے بجائے چند نازیبا اور غلط قسم کے اعتراضات کو سپرد قلم کر ڈالا تاکہ عوام کو خواہ مخواہ علماء اہل سنت اور "زلزلہ" نامی کتاب سے متنفر کیا جائے۔ چنانچہ ایک کتاب سامنے آئی "بریلوی فتنے کا نیا روپ" اور اس کے علاوہ بھی چند کتابیں پھیلائی گئیں جن میں خصوصیت کے ساتھ چند اشعار حدائق بخشش حصہ سوم کے حوالے سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور مذکورہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی نے بھی عوام کو خوب خوب اعلیٰحضرت کے خلاف ورغلایا ہے۔ لہٰذا ناواقف لوگوں کا حیرت زدہ ہونا اور تھوڑی دیر کے لئے اعلیٰحضرت سے متنفر ہونا لازمی تھا۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اپنی سابقہ براءت و بیزاری کا پھر اعادہ کر دیں تاکہ عوام و خواص کو پھر معلوم ہو جائے کہ ان اشعار کا انتساب اعلیٰحضرت کی طرف غلط اور حدائق بخشش حصہ سوم کے ناشر کی سخت بھول اور غفلت پر مبنی ہے اور اعلیٰحضرت کا دامن حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ہر قسم کی گستاخی اور شائبۂ گستاخی سے پاک ہے۔

اس سلسلے میں مفتی اشرفیہ حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ کی خدمت میں مختلف اطراف سے سوالات آئے۔ ذیل میں موصوف کا جواب ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی قوم ایمان و دیانت سے بالکل خالی ہے۔ اس کو نہ خدا کا خوف ہے نہ آخرت کا ڈر اور ایسے لوگوں کے نزدیک جھوٹ اور افترا کی کوئی چیز نہیں، اپنا مقصد حاصل اور بس مقصد بھی کتنا اچھا علمائے بریلی کی تحقیر و تذلیل اب تفصیل سنئے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کے نعت کا دیوان جس کے دو حصے حدائق بخشش کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی حیات ہی میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور ساری دنیا انھیں کو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دیوان جانتی اور مانتی رہی۔ اور آج بھی جانتی اور مانتی ہے۔ ۲۵، ۳۰ سال بعد مولانا محبوب علی خاں صاحب پیش امام بڑی مسجد مدنپورہ بمبئی نے ایک اور مجموعہ اشعار شائع کیا جس کے بارے میں ان کا بیان ہے کہ مجموعہ میں نے ادھر ادھر سے ڈھونڈھ کر جس طرح سے اور شاعروں کے غیر مطبوعہ کلام لوگ فراہم کر کے شائع کرتے ہیں شائع کر رہا ہوں اور اس کو انھوں نے حدائق بخشش حصہ سوم کا نام دیا۔

یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ بڑے لوگوں کے نام سے ایسا کلام شائع کرنے والے یہ ضروری نہیں ہے کہ اصل شاعر کا بھی کلام شائع کریں چنانچہ یہ بہت مشہور بات ہے کہ عمر خیام کے نام سے بہت سی رباعیاں لوگوں نے شائع کیں تو تحقیق سے ثابت ہوئیں کہ ان کی نہیں ہیں اور انوری کے نام سے تو قطران تبریزی کا پورا دیوان شائع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کلام اعلیٰحضرت ہی کا ہو۔ اس لئے ان پر کیا ذمہ داری، جو کچھ ذمہ داری تھی مولانا محبوب علی خاں صاحب مرحوم خطیب بڑی مسجد مدنپورہ بمبئی کی تھی جس زمانہ میں یہ مجموعہ شائع کیا گیا اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد خود ہماری ہی جماعت کے پرچے ماہنامہ پاسبان میں اس کے متعلق مضمون شائع ہوا کہ یہ اشعار جو حضرت

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی شان میں معلوم ہو رہے ہیں، نہایت رکیک ہیں۔ اور اس چیز کو بہانہ بناکر پورے ہندوستان کے دیوبندیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مضمون لکھے اور پورے بمبئی میں جلسے کئے۔ ایجی ٹیشن چلایا کہ امام موصوف کو مسجد سے علاحدہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں اس مسجد میں فساد ہوا اور ایک قتل بھی ہوا۔ اور بہت دنوں تک مقدمہ چلتا رہا۔

مولانا محبوب علی خاں صاحب نے اسی وقت اپنی ذمہ داری محسوس کی اور ایک بیان شائع کیا کہ وہ اشعار ترتیب کی الٹ پلٹ سے چھپ گئے تھے۔ وہ اشعار ام المومنین کے بارے میں ہیں ہی نہیں۔ اصل ترتیب اس طرح سے ہے جس سے وہ اشعار لتشبیب کے ہیں اور عرب کی کافرہ عورتوں کے بارے میں ہیں۔ لیکن چونکہ اس میں میری کوتاہی کو دخل ہے جس کی وجہ سے اشعار ادھر کے ادھر چھپ گئے۔ اس لئے میں اپنی اس کوتاہی سے توبہ کرتا ہوں اور انھوں نے ایک ورق چھاپ کر اصل اور صحیح ترتیب کے ساتھ اُن لوگوں کے پاس روانہ کئے جن کے پاس کتابیں پہونچی تھیں اور اعلان کیا کہ جن کے پاس تصحیح شدہ اوراق نہ پہونچ سکیں وہ اپنے اپنے نسخوں میں اسی کے مطابق ترمیم کرلیں۔

ہمارے ان معروضات کی روشنی میں یہ دو امر واضح اور روشن ہیں۔

- اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ اشعار اعلحضرت کے ہیں۔
- اگر بالفرض ہوں بھی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کے شائع کرنے والے نے اس کی صفائی کردی اور ترتیب کی جس غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا تھا اس کو درست کیا چھاپا یا شائع اعلان کیا اور اسی پر بس نہ کی اپنی اس غفلت سے صاف صاف توبہ کرلی۔

مولانا محبوب علی کا یہ کارنامہ ایسا تھا کہ اس کو سراہا جائے کہ اعلان حق اور کوتاہی وغفلت کے اعتراف بلکہ توبہ سے ان کو ان کی عظمت اور وجاہت کوئی چیز مانع نہ ہوئی۔ اور انھوں نے صاف توبہ کی۔ کیونکہ آج تقریباً نصف صدی سے پورے ہندوستان میں آگ لگی ہوئی ہے بلکہ علمائے دیوبند نے اللہ اور اس کے رسول کو جو منہ بھر کر گالیاں دی ہیں اس سے توبہ کریں اور اس کی اشاعت بند کریں مگر لوگ مر گئے نہ توبہ نصیب ہوئی نہ پوری قوم نے ان گالیوں کی اشاعت بند کی اس کے برخلاف اس مرد حق آگاہ نے اپنی ذرا سی غلطی کا توبہ نامہ شائع کیا۔ اور اس غلطی کو درست کرکے اعلان کردیا۔ مگر علمائے دیوبند کی یہ غیرت ہے کہ آج پھر اس کو ایک جرم بناکر وہ بھی مولانا محبوب کا نہیں اعلیٰ حضرت کا چھاپ رہے ہیں کہ معاملہ دس پندرہ برس پرانا ہے اور عوام کو بھولنے کی عادت اور سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ان کی امت پروپگنڈے کی امام ہے۔ اس لئے دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔

فقط والسلام

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

۱۵ صفر ۹۵ھ

(دوھرا کردار کا بقیہ)

: قراء = علماء) کو گرمی پیش آئے گی۔ قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے۔ [۱])

الحدۃ تعتری خیار امتی (حدت میری امت کے بہتر لوگوں کو مجلی بنادیتی ہے۔ [۲])

افسوس کہ جس صفت حدت وشدت کو بانئ اسلام علماء امت اور خیار امت کی نشانی فرمائیں، مولانا کی نگاہ تعصب میں وہ مذموم ومعتوب قرار پائے۔

وحشت میں ہر ایک نقشہ الٹا نظر آتا ہے۔

آئیے اور ذرا تصویر کے دوسرے رخ پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے غصہ کی شدت میں اسلام اور اسلامی شیخوخت کے ساتھ انسانیت اور انسانی شرافت کو بھی سجا کر پیش کرنے والے صاحب "شہاب ثاقب" کے "گالی نامے" کے کچھ نمونے آئندہ کسی مناسب مقام پر آپ دیکھیں گے۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کرتے ہیں جو اس گروہ کے "نفسی انتشار" اور شدت طبیعت کا رخ متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔

[۳] خواجہ حسن نظامی صاحب جب مدرسۂ دیوبند میں زیر تعلیم تھے تو مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے مخدوم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور رسالے "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی کاپیاں نذر آتش کرنے کے لئے خواجہ صاحب کو مرحمت فرمائیں۔ خواجہ صاحب نے پڑھ کر جو دیکھا تو آنکھیں کھل گئیں۔ استاد کے حکم کے احترام میں آدھی کاپیاں تو جلادیں اور آدھی محفوظ کرلیں۔ جس پر مولوی اشرف علی تھانوی نے دو آم بطور انعام دیئے۔ اس وقت مولوی اشرف علی تھانوی متقدمین کے مسلک پر قائم تھے اور رسالہ کے مندرجات سے پوری طرح متفق اور کاربند تھے [۳]

اپنے مخدوم اور شیخ پر مولانا رشید احمد گنگوہی کے غیظ وغضب کی یہ شدت محض اس لئے تھی کہ حضرت حاجی صاحب نے اس رسالہ کے ذریعہ عقائد واعمال اہل سنت فاتحہ، میلاد اور قیام وغیرہ کی نہ صرف تائید وتصدیق فرمائی ہے بلکہ اپنا معمول بھی بتایا ہے۔

خود اپنے شیخ کے خلاف جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر غلامی کی سند لی جاچکی ہو گستاخی اور جنون خیزی کا یہ عالم!!! ناظرین اسے شدت کی کس قسم میں شامل کریں گے؟

---

[۱] [۲] فاضل بریلوی، ص ۴۳

[۳] فاضل بریلوی: ص ۵۰ بحوالہ منادی (ماہنامہ) نئی دہلی، جلد ۳۹ شمارہ ۱۲ ص: ۲۲

امام احمد رضا

ایک مظلوم مصلح

مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی مدرس الجامعۃ الفاروقیہ بنارس

(علامہ فاضل، استاذ ماہر۔ دقائق کا خزانہ۔ روشن ستارہ وحید عصر یگانۂ عصر، صدی کا مجدد۔ صاحب عدل۔ مرکزۂ دائرہ علوم کریم النفس اکابر علماء کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ صاحب تصانیف مشہورہ و رسائل کثیرہ قلم کا بادشاہ۔ زبان کا دھنی۔ عاشق رسول، عرفان و معرفت والا ولی کامل عارف باللہ۔ قطب وقت۔ منبع علم۔ جو اپنی آنکھوں کی روشنی سے مشکلات اور دشواریوں کو حل کرتا ہے جو معنی کے اعتبار سے بھی احمد رضا ہے۔ اس کے کلام کا موتی اس کے معنی کے جواہر سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ باریکیوں کا خزانہ ہے۔ جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا علموں کی مشکلات ظاہر و باطن کا نہایت کھولنے والا۔ گردن وہابیت پر تیغ براں ہمارا سردار دریائے فضائل۔ امام پیشوا کثیر الفضل، کثیر الاحسان۔ بحر ناپیدا کنار۔ کثیر الفہم۔ میں نے ملاقات کے بعد ان میں وہ کمالات دیکھے جن کا بیان طاقت سے باہر علم کا کوہ بلند جس کا ستون نور اونچا جن سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں۔ اس دور فتن میں دین کو زندہ رکھنے والا جس کے وجود پر زمانہ کو ناز ہے۔ صاحب تحقیق و تنقیح و تدقیق عالم علمائے اہلسنت وجماعت۔ (از حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین)

یہ وہ القاب و خطابات ہیں جو علمائے حرمین طیبین نے سیدنا امام احمد رضا کی بارگاہ عالی مرتبت میں پیش فرمایا تھا۔ ایک گدائے عشق کی بارگاہ میں نیاز مندی کا یہ ثبوت یقیناً کسی غیر جذباتی حقیقت کا اعتراف ہے۔ عناد کی عینک نکال کر دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہ یک جنبش نظر امام احمد رضا اپنی جگہ مسند ارشاد کا ایک کوہ گراں ہے اور اس پر بکھری ہوئی مختلف رنگ و بو کی کونپلیں اپنے عشاق کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ وہ اپنی جگہ مجسم پھول ہے۔ اور اس کے فدائی اپنی اپنی مشام جاں کو اس بو و نکہت سے معطر کر رہے ہیں۔ عالم سرخوشی میں کسی ہونہار نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ ؎

جہاں پہونچانی دنیا بسالی
یہ دیوانہ تو دیوانہ نہیں ہے

اللہ اکبر جس کو علمائے عرب و عجم کا ایک جم غفیر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کر رہا ہے اور جسے علی الاطلاق مجدد وقت قطب الارشاد کا خطاب دیا گیا ہو اس کے حق میں وہ کون سی ناقدری دیکھی گئی جسکی بنا پر آج احمد رضا کے ساتھ "مظلوم" لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی ماہنامہ المیزان کا اعلان پڑھنے کے بعد مظلوم احمد رضا کا لفظ دیکھ کر دفعتاً ذہن و فکر پر ایک چوٹ محسوس ہوئی۔ اور وقت کے ایک عظیم رہنما کی بین الاقوامی زندگی اس کی خدمات اور اسکے احیائے دین کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آگیا اور پھر ساتھ ہی ساتھ ہمارا وہ تعاون جو ایک عظیم محسن کی بارگاہ میں ہونا چاہیئے اس کے ساتھ اپنی تہی دامنی، تساہلی اور محرومی و بیگانگی کی خونچکاں تصویر مشاہدے کی طرح ناچنے لگی۔ واحسرتاہ! کہ جس ذات گرامی نے اپنی انتھک کوششوں سے قوم کی ڈوبتی نیا کو باد مخالف کے تھپیڑوں سے بچا بچا کر محفوظ رکھا تھا آج اس کا صحیح حق ادا صحیح خبر گیری سے ہم محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ یہ بھی ایک کمی نہیں بلکہ احسان فراموشی کے دائرے میں داخل ہو گئی ہے — مظلوم احمد رضا مظلوم اس لئے مظلوم کہ ہر دور میں مظلوم اور آج بھی نجدیت رونما ہو کر داد ظلم دے رہی ہے۔ اصلاح اقوام میں ہمارے جن اسلاف نے اپنے خون جگر سے حق کی آبیاری کی تھی اور یکے بعد دیگرے مجددین ملت نے جن کٹھنائیوں سے گزر کر ادبار آلود فضاؤں کو کسی قدر روشن کر دیا تھا۔ تیرہویں صدی کے اواخر میں جل کر وہ روشنی پھر ماند پڑنے لگی اور یکایک نجد سے لیکر سہارنپور اور خانقاہ گنگوہ سے لیکر

صحن دیوبند تک مکاری و عیاری کا ایک جال بن دیا گیا۔ اب باطل کی
کمین گاہوں سے جو آواز حق کی آمیزش سے نکلتی تھی اس کی ہلاکت خیز
تباہی و بربادی کا سامان اہل حق کی نگاہوں کے سامنے تھا مگر وہ کون مرد مجاہد
تھا جو بڑھ کر اس کتمان حق کی نشاندہی کرتا چنانچہ اس صدی میں سیدنا امام
احمد رضا کی ذات ہی وہ شعلۂ جوالہ وہ بطل اعظم اور وہ حق آگاہ ذات
ظاہر ہوئی جسے اس صدی کے طوفان غرقاب کا ناخدا کہنا ہوگا۔ غبار آ
پہلے بھی اٹھ چکے تھے۔ آندھیاں پہلے بھی اٹھ چکی تھیں۔ طوفان پہلے بھی برپا
ہو چکے تھے یہ طوفان وہ طوفان نہیں تھا جسے آسانی سے دبایا جاسکے۔ یہ
تھپیڑے وہ تھپیڑے نہیں تھے جسے نرمی سے سلایا جاسکے۔ ؎

تشدد کو تشدد سے دبا لیں یہ تو ممکن ہے
مگر شعلے کو شعلے سے بجھایا جا نہیں سکتا

مگر واللہ ایک مجاہد زندگی ضرور ایسی تھی جس نے باطل کے مکروہ چہرے
سے حقیقت کا نقاب الٹ کر رکھ دیا۔ اور آج دشمن کے ہزار پروپیگنڈوں
کے باوجود وہ اپنی جگہ ایک فاتح کی حیثیت سے کھڑا مسکرا رہا ہے
وہ دعوت فکر و عمل دے رہا ہے کہ حق کی سلامتی کیلئے اغیار کے طعنوں کو سننا ہوگا
مگر نتیجہ اور انجام کی خسروی اس کے حق میں مقدر ہے جو اس پر پیچ موڑ پر اڑا رہا
چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ امام احمد رضا کی آواز جب ہند و بیرون ہند پہونچی تو
غیروں نے کس طور پر جل بھن کر اپنے ارمان ٹھنڈے کئے اس کی محض چند سطور
ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ مجدد التکفیر، دھوکہ باز، مکار۔ مجدد التضلیل، دجال
بریلوی۔ دروغ گو، بہتان تراش، مجدد المفترین، شیطنت کا جال پھیلانے والا
اہل ہوا و بدع، ابلیس لعین کا شاگرد وغیرہ وغیرہ۔ ایک سو بیس صفحے کی کتاب
الشہاب الثاقب جس میں ۱۴۰ گالیاں حسین احمد ٹانڈوی نے دی ہیں۔
جسے دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ شیخ الاسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔
مگر شاید ٹانڈوی صاحب کو نہیں معلوم کہ جس کی بارگاہ میں وہ دریدہ دہنی کا مظاہرہ
کر رہے ہیں اس کی ذات والا کو ان کی جماعت والوں نے بھی اور علمائے عرب و عجم
مصر، عراق، افغان، دمشق، انڈونیشیا، بیروت اور بغداد کے علمائے اکابرین نے
کس قدر سراہا ہے۔ اور اس کے نقش قدم کو بھی مکرم و معظم جانا ہے۔ وہ جس کا
پرچم اقبال عرش کے کنگروں کو چھو رہا ہے۔ وہ انہیں لوگوں میں اجنبی بنا ہوا ہے
جس کے لئے اس نے اپنا سب کچھ تج دیا۔ آخر ش ہم اسے مظلوم نہ کہیں تو کیا
کہیں کہ جس کا مبلغ علم ایک طرف علمائے عرب و عجم سے خراج تحسین
حاصل کر رہا تھا تو دوسری جانب اپنے کٹر دشمنوں سے بھی اپنے قلم کا لوہا
منوا رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کے اصل کارنامے ہماری نگاہوں
کے سامنے نہ آسکے۔ ہم جب حقائق کا سراغ لگاتے ہیں تو کہیں وہ
اقلیم صحافت کا بادشاہ کہیں علم و عرفان کا دھنی اور کہیں مسند ارشاد کا مالک
نظر آتا ہے۔ علمائے محققین کا اندازہ ہے کہ جو علمی گہرائی اعلیٰ حضرت کے
قلم میں پائی جاتی ہے وہ بہت کم لوگوں کی تحریر میں نظر آتی ہے بلکہ اس صدی میں
تو ناپید ہے۔ مگر میں یہاں پر قلمی جواہر پاروں کو نہیں رکھنا چاہتا جو اپنی جگہ
ایک مستقل آئینۂ حیرت ہیں۔ سردست اس ماحول کو اجاگر کرنا چاہتا ہوں جو
سیدنا اعلیٰ حضرت کے دور میں پہلے سے تھا یا یک بیک حاسدوں کی جانب
سے ہو گیا تھا۔ آپ کے پہلے مختلف عقائد و خیالات کے لوگ پیدا ہوئے
اور اپنے عقائد باطلہ کی بنا پر اپنی موت آپ مر گئے۔ ان عقائد کے سدباب
کے لئے مجدد اول حضرت علامہ عمر ابن عبدالعزیز، امام شافعی، امام
فخر الدین رازی، امام غزالی۔ ابوبکر باقلانی اور حضرت مجدد الف ثانی
جیسی بلند پایہ شخصیتیں تھیں جنہوں نے اپنی حکمت عملی سے ان عقائد باطلہ کی
بیخ کنی فرمائی۔ ان کی مختصر فہرست "تجلیات" ناگپور کے حوالہ سے ہدیۂ
ناظرین ہے۔

پچھلی تاریخ کے عقائد باطلہ

(۱) حکم (ثالث) بنانا شرک ہے۔ (۲) حضرت علی شریک نبوت ہیں۔
(۳) قرآن عظیم پورا محفوظ نہیں ہے۔ (۴) تناسخ
(۵) قرآن عظیم مخلوق ہے۔ (۶) عرش قدیم ہے۔
(۷) بندہ اپنے افعال نیک و بد کا خالق ہے (۸) حساب کتاب، میزان کی کوئی حقیقت نہیں
(۹) زکوٰۃ دینا فرض نہیں ہے۔ (۱۰) بندہ مجبور محض ہے۔
(۱۱) شیطان کا کوئی وجود نہیں۔ (۱۲) عذاب قبر، منکر نکیر کا سوال،
حوض کوثر، ملک الموت کی کوئی حقیقت نہیں۔ (۱۳) صفات الٰہی مخلوق ہیں۔
(۱۴) صفات الٰہی حادث ہے۔ (۱۵) حق تعالیٰ مکان میں ہے۔
(۱۶) حق تعالیٰ جسمانیت رکھتا ہے۔ (۱۷) پلصراط کوئی چیز نہیں ہے
(۱۸) جنت و دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے۔
(۱۹) جو صرف لا الٰہ الا اللہ کہلے وہ جو چاہے کرتا رہے اس پر کوئی عذاب ہوگا
(۲۰) ایمان عمل ہے۔ (۲۱) ہر مذہب و دین کی باتیں اسلام کا
منشا ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا نظریات و معتقدات میں سے کون سا ایسا نظریہ ہے جس کے
ذریعہ دین کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو مگر وہ جو کہا گیا ہے ؎
جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے کے مصداق ہر دور میں ان گمراہ کن خیالات
کے استیصال کیلئے لوگ پیدا ہوتے رہے اور یہی حدیث قدسی
کا مفہوم ہے۔ ان اللہ یبعث الخ بیشک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے

اخیر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو قوم کو دین کی اصل حقیقت سے روشناس فرماتا ہے۔ موجودہ صدی میں جن روح فرسا خیالات کا اظہار کیا گیا اس سے نہ تو خدائے واحد کی ذات بچ نہ سکی نہ انبیاء و مرسلین کی عظمت محفوظ رہ سکی اور نہ تو صحابۂ کرام سے لیکر ائمہ مجتہدین و تبع تابعین کی حرمت برقرار رہ سکی۔ اور کیوں نہ ہو انگریز گورنمنٹ کی پاسداری بھی تو ضروری تھی ورنہ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ کون بنتا۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید کے مصنف انگریزوں کی غلامی پر کس قدر نازاں ہیں اسی کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ "جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرمانبردار ہوں ان جھوٹے سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ حصہ اول ص۸۰ اور کہاں بوالہوسی کا یہ عالم کہ جس کا نام محمد یا علی وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان)

موجودہ صدی کے فتنے کس رنگ و روپ میں رونما ہوئے اس کی بھی مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیں اور مظلوم احمد رضا کی اولوالعزمی کی داد دیجئے جس نے ہر ایک کور باطن کا منہ کالا کر کے رکھ دیا۔

موجودہ عقائد باطلہ

۱۔ اللہ تعالیٰ جہت زماں و مکاں سے پاک نہیں۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کذب اور دوسرے نقائص پر قادر ہے۔
۳۔ بلکہ اللہ جھوٹ بول بھی چکا۔
۴۔ نبی کی حیثیت گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی ہے۔ (تقویۃ الایمان)
۵۔ انبیاء علیہم السلام کی عظمت کو گھٹانا اور بھائی بتانا۔ ؍؍
۶۔ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہے (براہین قاطعہ)
۷۔ رسول اللہ کا خیال نماز میں لانا اپنے گائے اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ (رسالہ یک روزی)
۸۔ اللہ تعالیٰ کے علم کو مشیت پر موقوف رکھنا۔
۹۔ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان)
۱۰۔ اپنے شیخ و پیر کو خدائے قدوس کا جلیس بتانا (شیخ الاسلام نمبر)
۱۱۔ شرک و غیر شرک کفر و ایمان حرام و حلال مختلف الاحکام مسائل کا بزور زبان ایک ہی حکم بتانا۔
۱۲۔ رسول اکرم کے زمانۂ اقدس اور بعد میں بھی کسی نبی کے آنے سے خاتمیت محمدی میں فرق نہ آنا۔ (براہین قاطعہ)
۱۳۔ شیطان کے علم کو نبی اکرم کے علم سے بڑھانا۔ (براہین قاطعہ)
۱۴۔ رسول اللہ کے علم کو رذیل چیزوں سے تشبیہ دینا (حفظ الایمان)
۱۵۔ اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا۔
۱۶۔ عمل میں امتی کا نبی سے بڑھ جانا۔
۱۷۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کو مسمریزم یا معجزۂ شق القمر کا انکار کرنا یا فرضی واقعہ بتانا۔
۱۸۔ حضرت عیسیٰ پر شیطانی الہام بتانا۔
۱۹۔ اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انبیاء کرام کو جھوٹا بتانا۔
۲۰۔ صرف لاالٰہ الا اللہ پر مدار نجات رکھنا۔
۲۱۔ اپنی رائے سے غلط تفسیر کرنا۔
۲۲۔ ائمہ فقہ سے مسلمانوں کو آزاد کر کے اپنے فقہ کو ان پر مسلط کرنا۔
۲۳۔ میلاد پاک کو کنہیا کا جنم کہنا۔ (براہین قاطعہ مصنفہ خلیل احمد انبیٹھوی)
۲۴۔ حضرت عیسیٰ کو جاہل چرواہے سے تشبیہ دینا نیز ان سے بہتر اپنے کو بتانا۔
۲۵۔ یزید کو امیر المومنین اور امام حسین کو لالچی و ناحق بتانا وغیرہ وغیرہ
(نعوذ باللہ من ذالک)

ذرا غور فرمایئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظلم و طغیان کا ایک سیلاب بلا ہے۔ اور حق کا متلاشی اپنے دامن کو بچانے کیلئے کشاں کشاں بچ کر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر امام احمد رضا کی ذات جو عالم کے لئے اس صدی میں ایک مجدد کی حیثیت سے رہبر بن کر آئی تھی۔ اور جس کو پورے عالم کا ذمہ دار بننا تھا وہ کب تک اس طوفان عظیم کو دیکھتا رہتا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ہر ایک پھوٹے ہوئے تباہ کن چشموں کو بند کرنے کی کوشش کی۔ حوادثات کی گرہ تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ مگر وہ اپنی جگہ مطمئن ہر ایک کا دندان شکن جواب دیتا رہا۔ آج جس کی بنا پر اس صدی میں اس کی بالغ نظری اور اس کے حسن تدبر کا ہر ایک کو احساس ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ؎

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
اشک سامانی بھی ہو بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

حقائق و معلومات کی روشنی میں اگر فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تصنیفات کو ہٹا دیا جائے یا آپ کے مسلک سے تھوڑی دیر کے لئے صرف نظر کر لیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے ایمان و اسلام کی سلامتی کا کوئی راستہ ہی نہیں ملتا۔ وہ کون سا ایسا شعبہ ہے جس پر آپکے اقوال کی چھاپ نہیں پڑتی۔ لیکن ہم بجائے اس کے کہ ان کے ان تبرکات کو جو اپنے بعد بطور امانت آپ نے چھوڑا اسے منظر عام پر لاتے اسکی یاد سے ہی غافل ہوتے جا رہے ہیں۔ میری اس تحریر کا مقصد یہ نہیں ہے۔

کہ میں آپ کو آپ کی بے حسی کی داد دوں نہیں بلکہ اس نیلگوں شامیانے کے اندر آپ کے جلتے ہوئے احساس کو کریدنا مقصود ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مسلک وملت کے لحاظ سے ہم سواد اعظم اہلسنت وجماعت کے افراد ہیں جس کی حقانیت پر آفتاب نصف النہار کی طرح ہمیں یقین ہے لیکن اسکے باوجود بھی ملک میں لاکھوں کی تعداد میں بکھرے ہوئے اپنے معتقدات و نظریات کی سلامتی کا کوئی راستہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ آج اغیار بھی ہم پر طعنہ زن ہیں کہ جس احمد رضا کے شیدائی اپنے کو سگ بارگاہ رضوی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں ان کے مرکز کی بے رونقی پر شام غریباں کو بھی حسرت ہے۔ اور ہے بھی یہی جس محسن اعظم کے خوشہ چینوں میں شمار ہونا ہم باعث سعادت جانتے ہیں اس کی فراموشی کے لئے ہمارا ایک ایک عمل گواہ ہے۔

ہم کو کرنا کیا تھا

امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے مسلکی اشاعت کے صرف دو طریقے رہ گئے تھے۔ ایک تو وعظ و تقریر کے ذریعے آپ کے فرامین کو عام کیا جاتا۔ دوسرا آپ کی تصنیفات جلد سے جلد منظر عام پر لانے کی کوشش کی جاتی مگر ان دونوں طریقۂ کار سے ہم گویا نابلند نظر آرہے ہیں اور اس کے سب سے بڑے مجرم وہ حضرات کہلائیں گے جن کے پاس یا جنکے ذمہ آپ کی تصنیفات کے مسودے اور مبیضے تھے۔ رہ گیا تقریر کی بدولت تو آج کے مقررین حضرات کا جو انداز تخاطب ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

ہاں معدودے حضرات یقیناً اس دور میں اب بھی موجود ہیں جو اب بھی تقریر و تحریر میں اس رہبر کامل مجدد مأۃ حاضرہ کے جذبات کی توضیح فرماتے ہیں موجودہ حضرات سے بیشتر یگانہ عصر شیر بیشۂ اہلسنت رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی خاص کر قابل ذکر ہے۔ بہرحال اس وقت جو بھی تبلیغ کا ذریعہ ہمارے پاس ہے وہ لے دے کر تقریر ہے جس کے ذریعہ کچھ نہ کچھ خدمات ہو رہی ہیں۔ تحریری اشاعت کی جو کمی ہمارے پاس ہے اس کی کمی وقت کی ایک دردناک خلش ہے۔ ہماری انہیں کمزوریوں کو دیکھ کر باطل پھر خندہ زن ہیں کہ جنکی تعریف کے قلابے زمین سے آسمان تک ملائے جاتے ہیں ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ابھی تازہ ترین خبر ہے کہ دیوبندی مسلک کے ایک نئے کھلاڑی عبدالملک بھوجپوری ہیں جو شہر بلیا میں اپنے کو بزعم خویش صدر مدرس ثابت کرتے ہیں انہوں نے سنہ ۱۹۷۰ء میں اجمیر معلیٰ کا ایک سفر کیا تھا موصوف فرماتے ہیں میرے سفر کا منشا صرف یہ تھا کہ ہند کے طول وعرض میں ان مزارات کی زیارت کروں جنکی جانب لوگ بہ ہزار عقیدت و محبت جھکتے ہیں۔ سفر کے دوران انہوں نے بریلی شریف مجدد اعظم امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ قدس پر بھی حاضری دی۔ اس سفر اجمیر میں ان کی کیا غرض شامل تھی اس کو وہ خود ہی تحریر کرتے ہیں۔

آستانۂ بریلی

میری دیرینہ خواہش تھی کہ میں فاضل بریلوی احمد رضا خاں صاحب کے مزار کو بچشم خود دیکھتا جن کی عظمتیں ان کے معتقدین عرش علیٰ سے بلند و بالا بتلاتے ہیں اور خطابات کو کچھ اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی نعوذباللہ ان کی عظمت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے حالانکہ ان کا مقام تصنیف و تالیف میں تقریر و تحریر میں خطابت و ولایت میں ہندستان کی ہر جماعت کی صاحب نظر پر واضح ہے۔ (مزاروں کی جھلکیاں صفحہ ۴۱)

- بہرحال میں دیرینہ خواہش کی تکمیل کیلئے احمد رضا کے مزار پر پہونچا جو محلہ سوداگران میں واقع ہے۔ راستے میں کچھ لوگوں کو طنز آمیز فقرہ استعمال کرتے ہوئے سنا۔ کہتے تھے یہ قبر پرست۔ بت پرست لوگ ہیں۔ قبر کی پرستش اور اعلیٰ حضرت کی حضوری میں تشریف لے جارہے ہیں۔ میری گردن شرم و ندامت میں جھک گئی۔ میں ورطۂ حیرت میں پڑ گیا سوچنے لگا یہ تو وہ مقام ہے جہاں سے چودہ صدی کا نیا مجدد دین مصطفوی سے علیحدہ ایک نیا دین لے کر اٹھا اور اور اس مقام کو مرکزی حیثیت دے کر اس دین کی اشاعت میں اپنے شب و روز صرف کرتا رہا آخر یہ کیا طرفہ تماشا ہے کہ یہاں کے باشندے اس دین کے پیغام سے متاثر نظر نہیں آتے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

- ایک غیر معروف شخص سے جو بریلی کا رہنے والا تھا وہ بھی ساتھ ہو گیا اور اس نے نہایت صفائی کے ساتھ بتلایا کہ یہاں کے باشندے نوے فیصد اس نئے دین اور مجدد سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اور ان کا پیغام خود بریلی میں صدا بصحرا ثابت ہوا۔

- جناب احمد رضا خاں صاحب کا مزار ان کے رہائشی مکان اور خانقاہ کے اندر ہے۔ یہ جگہ بہ نسبت دوسری درگاہوں کے بہت مختصر اور چھوٹی ہے دھندلی دھندلی روشنی پڑتی ہے۔ نہ مکمل روشنی ہے نہ تاریکی۔ مجھے انتہائی بیکسی اور ویرانگی کا احساس ہوا۔ دوسرے مزاروں پر ناجائز ہی سہی مگر رونق دیکھی۔ لوگوں کی گہما گہمی نظر آئی۔ مگر یہاں اس کے برعکس معاملہ نظر آیا۔ ممکن ہے کہ ایام عرس میں وہ صورت پیدا ہو جاتی ہو لیکن اس وقت تو وہ ایک بے بسی کا مزار ہی تھا۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ منظر ایک معمہ بن کر رہ گیا۔ آخر اتنی بے رونقی اور بے بسی کیوں ہے۔ اب غور کرتا ہوں تو مختلف

تخیلات پیدا ہوتے ہیں۔ (ص۴۲)

آگے لکھتے ہیں۔

• ایک حصہ میں کتب خانہ رضویہ جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ اندر تین چار لکڑیوں کی الماریاں تھیں۔ وہ جگہ اتنی چھوٹی تھی کہ اسکے علاوہ اور زیادہ الماریاں رکھی نہیں جاسکتی تھیں۔ لیکن ان الماریوں میں بھی کتابیں نہیں تھیں۔ صرف ایک الماری میں کتابیں نظر آئیں اور دوسری تمام خالی پڑی تھیں۔

• مجھے تعجب ہوا کہ یہی کتب خانہ ہے جس کی شہرت ہندوستان بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔

• میں نے تو خانصاحب کی چند مشہور کتابیں طلب کیں تو مجھے یہی جواب ملا کہ اس وقت زیر طبع ہیں۔ یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ جو کتابیں طلب کیں وہ سب کی سب زیر طبع تھیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے مجھ سے کوئی حیلہ نہیں کیا بلکہ ان کے پاس واقعی کتابیں نہیں تھیں۔

• اس سے متصل ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آیا جس پر جلی حرفوں میں لکھا تھا دارالافتاء یہ وہ جگہ ہے جہاں سے ہندوستان اور بیرون ہند میں فتویٰ جاری کئے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے فتووں کیلئے جن چیزوں کی ضرورت محسوس کی نہیں دیکھی نہ میں نے کتابوں کا ذخیرہ ہی دیکھا جس پر افتاء کی بنیاد ہوتی ہے سوائے چند چھوٹی کتابوں کے۔ نہ اس میں کوئی موجود تھا۔ جس سے اس کی حقیقت دریافت کی جاسکے۔ اور نہ میں نے اس کی صورت حال دیکھکر اس کی اہمیت ہی محسوس کی کہ اس پر توجہ دوں۔

• گلی میں ایک کپڑے کا بورڈ لگا ہوا دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا "برقی لیتھو مشین" خریدنے میں ہماری مدد فرمایئے ایسا محسوس ہوا کہ ابتک دینی ثقافت کی اشاعت کیلئے اپنے وسائل مہیا نہ ہو سکے تھے جو منظر عام پر نظر آتا ہے وہ دوسروں کی رہین منت ہے۔ (ص۴۵)

مذکورہ بالا اقتباسات میں بھوجپوری صاحب نے جس کذب و دروغ گوئی کا اظہار کیا ہے یہ انہیں کو زیبا ہے۔ ایک غیر مانوس چیز کو قوم کے سامنے پیش کرتے تو شاید لوگ مان بھی جاتے مگر جس نے بریلی کے کوچوں کو شب و روز دیکھا ہو وہ کب کسی چڑی مار کے پھندے میں آسکتا ہے۔ کتابوں کے بارے میں جس حقیقت کا انکشاف مصنف صاحب نے کیا ہے واقعی بظاہر ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے مگر اعلیٰ حضرت کی تصانیف کا مشاہدہ کرنا ہے تو آستانۂ مبارکہ کے اوپر اندر والی عمارت کا معائنہ کرے۔ نیز مرشد برحق حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے دولت کدہ پر جائے اور اندر دیکھے کیسے کیسے نادر و نایاب ذخیرے دیکھنے میں آتے ہیں واللہ العظیم۔ میری نگاہوں نے ایسی ایسی کتابوں کو دیکھا ہے کہ اگر وہ اشاعت پذیر ہو کر منظر عام پر آجائیں تو زمانہ آج بھی امام احمد رضا کو غزالیٔ دوراں اور جنید وقت کہنے پر مجبور ہوگا۔

بھوجپوری صاحب نے لکھا ہے کہ بریلی کی نوے فیصد آبادی اسمِ دین اور مجدد دونوں سے نفرت کرتے ہیں مگر عقل و ہوش کے دائرے میں جائزہ لیتے ہوئے اور آج بھی کسی کو تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھنا ہو تو بریلی ہی نہیں اطراف و جوانب میں بھی اہلسنت و جماعت اور آپ کے مسلک و ملت کی دھوم مچتی ہے۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

بریلی شریف لاکھوں کی آبادی میں کوئی ایسا دن نہیں ہے جہاں پر صلوٰۃ و سلام کی صدائیں اور مسلک کی ترجمانی نہ ہوتی ہو۔

وہ کوئی اور ہوں گے سیر ساحل دیکھنے والے

ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام اسکو کہتے ہیں کہ جب تک اپنے عقیدے کی حجاب نہ پڑ جائے تب تک اپنے معتقدات کو چھپا کر نیاز و فاتحہ کرتے جاؤ جیسا کہ کانپور میں تھانوی صاحب نے کیا تھا۔

ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام و ایمان اسی کو کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کی بجائے اشرف علی رسول اللہ کہا جائے۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام و ایمان اس کا نام ہے کہ قوم کو دھوکہ دینے کیلئے نماز و روزہ کی آڑ لے کر عقائد کفریہ کو ترجیح دی جائے تو اس قسم کی منافقت و منافرت سے بریلی شریف واقعی پاک و صاف ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مزارات پر حاضری واقعی قبر پرستی و بت پرستی ہے تو فتویٰ لگایئے مولوی قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند پر جو ڈرٹ کی (تحصیل سہارنپور) سے پیدل ننگے پاؤں حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر جاتے تھے۔

(سوانح قاسمی جلد دوم ص۳ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی)

اگر مزارات کی حاضری ناجائز و ناروا ہے تو سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں مولوی قاسم ناظم جمعیۃ العلماء اور مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری کو داد دیجئے جو ہر سال بہرائچ میں جاتے ہی نہیں تھے بلکہ چادر پوشی و دیگر رسومات کی ادائیگی بھی ان کے دست نازک سے ہوتی تھی۔

(تجلی دیوبند ص۶۱)

بہر حال! بات کہاں سے کہاں آگئی۔ میں کہہ رہا تھا کہ آج اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمارا کیا عالم ہے؟

میں نے اپنے نظریات کو آپ کے سامنے رکھ دیا ہے کہ حقیقت میں اگرچہ ہم حق پر ہیں مگر ظاہراً بھی ہر قوم و جماعت کے کچھ اسلحے ہوتے ہیں جس کے ذریعہ وہ دشمنوں کی ہزار ہا ہزار فوجوں کو چٹکیوں میں مسل سکتی ہے۔

مسلکی اعتبار سے یقیناً ہم راست رو ہیں لیکن عمارتی اور تنظیمی لحاظ سے کیا ہمارا یہی نصب العین ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب حوادثات زمانہ کی چنگاریاں اثر انداز ہوتی ہیں فوراً کانفرنسیں کر لیتے ہیں۔ زوردار نعروں کے ذریعہ ریزولیوشن پاس کرتے ہیں مگر عمل کیلئے اسی منزل ویران کی طرف دیکھتے ہیں جہاں سے پرہزار جوش و تمنا اٹھے تھے۔ آج احمد رضا مظلوم اس لئے مظلوم کہ اس نے اپنے زور قلم سے جن فتنوں کو مسمار کر دیا تھا آج ان کی شرانگیزیاں پھر ابھر رہی ہیں تو کیا ہمارا جذبۂ ملی یہی ہے کہ ہم ساحل پر بیٹھ کر اپنے عظیم محسن کے ڈوبتے سفینے کو نذر بھنور کر دیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ان کے منتشر یاروں کو یکجا کریں اور دنیا کے سامنے پھر اس کی صدائے غیبی کو اکبار پیش کر دیں۔ جس نے اس چودھویں صدی کے ہوش ربا دور میں اپنے عیش و آرام کو بھینٹ چڑھا کر امت کے لئے ایک مشعل راہ ایک شمع فروزاں، ایک شمع ہدایت روشن کر دیا تھا خدا ہمارے دلوں کو اس عظیم محسن کی بارگاہ سے وابستہ رکھے۔

تیری بھیگی ہوئی پلکوں کے نثار
کیا مراد درد جگر یاد آیا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

شعر و ادب

(۱)
امام احمد رضا کی عربی شاعری

(۲)
امام احمد رضا کی اردو اور فارسی شاعری

(۳)
امام احمد رضا کی مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر

(۴)
امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری

(۵)
امام احمد رضا اور نعت رسول

(۶)
امام احمد رضا بحیثیت شاعر

(۷)
دیوان رضا عرفان و وجدان کا قاموس

(۸)
امام احمد رضا اور اصناف سخن

(۹)
امام احمد رضا واصف شاہ ھدی

(۱۰)
امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر

(۱۱)
امام احمد رضا کی شاعری تحقیق کے آئینے میں

(۱۲)
امام احمد رضا ایک مکمل شاعر

(۱۳)
امام احمد رضا اور اردو ادب

(۱۴)
امام احمد رضا کی نعت گوئی

(۱۵)
امام احمد رضا امام شعر و سخن

(۱۶)
امام احمد رضا کا ذوق سخن

امام احمد رضا کی

عربی شاعری

ڈاکٹر حامد علی خاں، لیکچرار شعبۂ عربی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

محترم ڈاکٹر حامد علی خان صاحب ایم اے پی ایچ ڈی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ عربی کے لکچرر ہیں تحقیق وتلاش کیلئے آپ نے اپنے کو وقف کر دیا ہے۔ امام احمد رضا نمبر کیلئے آپ نے جس انداز میں حوصلہ افزائی فرمائی اور خورد نوازی کا ثبوت دیا۔ ہم بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ تحقیقی مقالہ پیش خدمت ہے۔ (ایڈیٹر)

عباسی عہد خلافت کے مشہور و معروف شاعر ابوتمام نے خلیفہ معتصم باللہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا تھا۔

هُوَ الْبَحْرُ مِنْ اَیِّ النَّوَاحِیْ اَتَیْتَهٗ
فَلُجَّتُهُ الْمَعْرُوْفُ وَالْجُوْدُ سَاحِلُهٗ

(اے مخاطب! ممدوح کے پاس جس جانب سے بھی تو پہنچے، اسے سمندر کی مانند پائے گا۔ کیوں کہ اس کی گہرائی احسان و بھلائی ہے اور بخشش اس کا ساحل ہے۔)

شاعر نے ممدوح کی سرف و فیاضی کی تعریف کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے۔ اگر اس شعر میں یہ تصرف کر دیا جائے کہ "وَالْجُوْدُ سَاحِلُهٗ" کی جگہ "وَالْعِلْمُ سَاحِلُهٗ" (یعنی علم اسکا ساحل ہے) پڑھا جائے تو امام احمد رضا اِس شعر کا صحیح مصداق قرار پائیں گے۔ آپ ہی جیسی متعدد صفات سے متصف انسان کے لئے بجا طور پر شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا جا سکتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ اپنی متنوع حیثیات میں منفرد تھے اور آپ کی شخصیت کو صفاتِ حسنہ کی جامع شخصیت کہا جا سکتا ہے لہٰذا آپ کے بارے میں خامہ فرسائی کرنے کا ارادہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر آپ کے حالاتِ زندگی، مشاغلِ حیات اور علمی کارناموں وغیرہ پر کوئی اکیڈیمی لگن کے ساتھ کام کرے تو تحقیق کا کچھ حق ادا ہو سکے گا! "مرکزی مجلس رضا، لاہور" سے توقع ہے کہ اس کے زیرِ اہتمام کام کا آغاز ہو چکا ہے اور خدا نے چاہا تو مستقبل میں منظم طریقے سے کام ہو جائے گا۔ آپ کے عقیدتمند، حلقۂ طریقت کے ارادتمند آپ کے مسلک کے علمبردار، آپ کے متوسلین و خوشہ چین اور آپ سے وابستگان برابر لکھتے رہے ہیں اور یقین ہے کہ رہتی دنیا تک لکھتے رہیں گے اور لکھنے والوں کے لئے نئے نئے موضوعات پر مواد فراہم رہے گا۔ درحقیقت ممدوح بیک وقت بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔ آپ نے ایک طرف ظاہری علوم کی ترویج و اشاعت کر کے جہالت کو دور کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف شمعِ عرفان کو فروزاں کر کے مسندِ ارشاد کو زینت بخشی اور اندرونی ضلالت و کدورت کے زنگ کو زائل کر کے قلوب کو روحانیت کے نور سے منور کیا۔ آپ رُشد و ہدایت میں بے مثال اور علم و فضل میں بے بدل تھے۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے انشا پرداز، خطیب، واعظ، حق گو، متکلم، مناظر، مفسر، محدث، فقیہ، مصنف اور مؤلف تھے۔ راقم کو اعتراف ہے کہ آپ جیسے محقق و مدقق کے کسی گوشۂ حیات کے بارے میں تکمیل کی حد تک لکھنا ممکن نہیں البتہ راقم نے "ہندوستان میں عربی شاعری" پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے اور وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں علامہ کی شعر گوئی کے سلسلے میں ابھی تک کسی نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ اس مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے کہ راقم اپنی بے بضاعتی و کم مایگی کے باوجود علامہ کی صرف اس ایک حیثیت کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرے گا اور معذرت کے ساتھ بطور تبرک علامہ کے سوانح حیات نہایت اختصار سے تحریر کرنے پر اکتفا کرے گا۔

امام احمد رضا بروز شنبہ بتاریخ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ (مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء) بوقت ظہر بریلی میں متولد ہوئے۔ آپ نسلاً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کا نام "محمد" رکھا گیا۔ تاریخی نام "المختار" (۱۲۷۲ھ) ہے لیکن بلند پایہ عالم اور صاحب دل جدامجد مولانا رضا علی خاں متوفیٰ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء نے "احمد رضا" تجویز کیا۔ خود آپ نے اپنے نام کے ساتھ "عبد المصطفیٰ" کا اضافہ فرمایا اور بعد میں "فاضل بریلوی" کے لقب سے شہرت پائی۔

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر کے مولانا مرزا غلام قادر علی بیگ سے عربی

کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں اپنے والدِ ماجد مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء سے معقولات و منقولات کی تعلیم پائی اور تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی عمر میں اکتسابِ علوم سے فراغت پاکر افتا کا اہم فریضہ کم سِنی سے ہی انجام دینا شروع کیا۔ چند دن رامپور میں قیام کر کے مولانا عبدالعلی خاں صاحب ریاضی داں سے "شرح چغمینی" کے متعدد سبق پڑھے۔ فطری ذہانت و ذکاوت کے تحت خود آپ کی طبعِ سلیم نے بعض علوم و فنون میں رہنمائی کی لیکن بعض غیر دینی اور ناپسندیدہ علوم مثلاً فلسفہ وغیرہ کو خود ترک کر دیا اور بعض علوم مثلاً ہیئت، ہندسہ، نجوم اور فنونِ ریاضی وغیرہ سے توجہ محض تفریحِ طبع کے لئے تھی، علاوہ ازیں ان سے وقت کی تعین و تعدیل میں مدد ملتی ہے اور صوم و صلوٰۃ و وقت کی افادیت و اہمیت ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ آپ نے سنتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے ۱۲۹۱ھ میں شیخ فضل حسین صاحب کی دختر نیک اختر ارشاد بیگم سے احکامِ شریعت کے مطابق شادی کی غلط رسوم و رواج سے یکسر اجتناب کر کے بطورِ نمونہ اہلِ اسلام کے لئے شادی کی سادہ تقریب کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی پانچ صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہوئے دونوں صاحبزادے مولوی حامد رضا خاں متوفی ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء اور مولوی مصطفیٰ رضا خاں جلیل القدر عالم ہوئے۔ ۱۲۹۴ھ ماہ جمادی الاولیٰ میں مخدوم شاہ آلِ رسول مارہروی سے شرفِ بیعت حاصل کر کے تمام سلاسلِ تصوف کی خلافت و اجازت اور حدیث کی سند حاصل کی۔

آپ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں پہلی بار والدین کی ہمراہی میں عازمِ حج ہوئے۔ حجاز مقدس پہنچے تو شیخ الاسلام علامہ سید احمد زینی دحلان مفتی شوافع اور شیخ عبدالرحمان مفتیِ احناف مکہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر علوم کی سند حاصل کی۔ مسجدِ حرم کے امام حضرت حسین جمال اللیل شافعی آپ کی نورانی صورت دیکھ کر بےحد متاثر ہوئے اور اپنے لطف و کرم کا اظہار فرماکر آپ کو اپنے دولتکدے پر لے گئے۔ موصوف نے ضیافت کے پُرخلوص فرائض ادا کرنے کے بعد "صحاح ستہ" اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت و سند سے نوازا اور آپ کا نام "ضیاءُ الدین احمد" رکھا۔ آپ نے دوسری بار ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت ملکِ عرب کے علما اور مشائخِ کبار عموماً اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے فضلا خصوصاً تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے۔ انہوں نے ظاہری علوم کے ساتھ روحانی فیض کا بھی استفادہ کیا۔ علامہ صالح کمال، شیخ الخطبا احمد ابوالخیر مکی، مفتی احناف مکہ علامہ عبداللہ بن عباس بن صدیق اور محدثِ جلیل علامہ عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر نے تبحرِ علمی کا اقرار کیا۔ آپ کے حسنِ انشا، طرزِ استدلال اور جامعیت کی بہت زیادہ تعریف و تحسین کی اور "امام" و "مجدد" جیسے عظیم الشان القاب سے یاد کیا۔ سرعتِ تحریر، تصنیف و تالیف اور وسعتِ علمی کی بنا پر مکہ معظمہ کی مسجدِ حرام کے امام شیخ محمد صالح نے آپ کو "راس المؤلفین فی زمانہ" اور "امام المصنفین بحکم اقرانہ" (یعنی اپنے دور کے مولفین کے سردار اور اپنے ہمعصر علما و فضلا کے فیصلے کے مطابق مصنفین کے امام) کے خطاب جلیل سے سرفراز فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے فاضلِ بریلوی پر انعامات کی بارش فرمائی اور بیشمار نعمتوں سے نوازا۔ خدا نے آپ کو قوی حافظہ اور ذہنِ رسا عطا فرمایا۔ نیز اپنے فضل و کرم سے اپنی عطا کردہ صلاحیتوں کو صحیح محل پر لگانے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اسے تائیدِ غیبی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے فاضلِ اجل اور جملہ علوم و فنون میں ماہر و کامل ہوئے۔ مروجہ علوم میں سے ہر علم میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ پھر آپ نے درس و تدریس کی طرف توجہ کی تو تشنگانِ علم کا ایک وسیع حلقہ آپ سے برابر سیراب ہوتا رہا۔ آپ نے صرف اسی پر ہی بس نہیں کیا بلکہ ملک میں دیگر عربی مدارس کے قیام کا کامیاب ارادہ فرمایا اور اپنے تربیت یافتہ تلامذہ سے کام لیا۔ آپ کے نامور اور ارشد تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ باری تعالیٰ نے ظاہر کے ساتھ آپ کے باطن کو بھی آراستہ فرمایا لہٰذا زہد و ورع، حزم و احتیاط اور اخلاص و تقویٰ سے مشرف فرمایا۔ آپ کے حلقہ بگوش نیاز مندوں کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہوئی۔ آپ کے خلفا بے شمار تھے اور نہ صرف ہند و پاک میں بلکہ حرمین شریفین تک میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ دوسری بار حج کو تشریف لے گئے تھے تو قیامِ حرمین کے دوران چند اکابر علما کو اسناد و اجازت عطا فرمائیں اور خاصی تعداد کو واپسی کے بعد اپنے وطنِ مالوف بریلی سے حسبِ وعدہ اسناد و اجازت ارسال فرمائیں۔ مزید براں خالقِ اکبر نے آپ کو دوسری صفاتِ حمیدہ سے مزین کیا۔ اسلئے اس میں دو رائیں نہیں ہیں کہ آپ خوش خصال، خوش مزاج، ذکی و ذہین، خلیق و متین، بخی و کریم، صاحبِ فہم و ادراک، صاحبِ بصارت و بصیرت، صاحبِ کرامات، حاضر جواب، صائب الرائے اور اوصافِ رذیلہ سے متنفر تھے۔ آپ کی زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالی جائے، وہ قابلِ ستائش اور اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا واحد سبب یہ ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست :: تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ جلّ جلالہٗ کا آپ پر خاص انعام و اکرام تھا۔ اگر آپ کے دامن سے منسلک حضرات کے لئے بطورِ مثال امام شافعی کا شعر درج کر دیا جائے تو مناسب مقام ہوگا۔ امام شافعی نے یہ شعر امامِ اعظم حضرت ابوحنیفہ کی مدح کرتے ہوئے لکھا تھا:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ
هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

(امامِ اعظم حضرت نعمان بن ثابت ابوحنیفہ کے ذکر کا اعادہ کر۔ آپ کا ذکر تو بلا شبہ اصلی مشک ہے لہٰذا تو جسقدر زیادہ ذکر کرے گا، اسی قدر زیادہ مشک کی خوشبو پھیلے گی۔) گوناگوں فضائل میں انفرادیت ہی آپ کو "اعلیٰحضرت" و "امام" کے معزز لقب سے پکارے جانے کی ضامن تھی۔

امام احمد رضا میں امتِ مسلمہ کی اصلاح کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۳۱۱ھ سے "ندوۃ العلما لکھنؤ" کے سرکردہ اور با اختیار اربابِ حل و عقد سے

اختلاف ہونے پر ڈٹ کر مقابلہ کیا، قادیانیت کے بڑھتے ہوئے ملحدانہ اثرات کو روکنے کی مؤثر تدابیر پر عمل پیرا ہوئے، فتنۂ تفضیلیت کے انسداد میں سعیِ بلیغ فرمائی تصوف کی غلط ترجمانی پر کاری ضرب لگائی، ترکِ تقلید کی عام وبا کا قلع قمع کیا، اختلافی مسائل میں دیوبندی علما کو ترکی بہ ترکی دندان شکن جوابات دیے اور تحریکِ خلافت کی غیر اسلامی روش پر بیباکی کے ساتھ بے لاگ تنقید کی۔ آپ مسلمانوں کے ہمدرد و غمگسار، مخلص و بہی خواہ اور مصلحِ امت تھے۔ اصلاحِ امت کا بلند نصب العین ہر وقت آپ کے پیشِ نظر رہا خواہ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں دوسری مرتبہ حاضری کا موقع ملا تو دیارِ عرب میں امکان بھر اصلاح کی آخری کوشش کی یہاں تک کہ بد عقیدگی کی شورش کو دفع کیا۔

امام احمد رضا نہایت بلند رتبہ صاحبِ قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قوتِ حافظہ میں مسائل مستحضر تھے اور کسی موضوع پر مواد فراہم کرنے اور ترتیب دینے کی ضرورت درکار نہیں تھی جس موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا، متعلقہ مباحث کو ذہن میں مرتب کیا اور سرعت سے اپنی فراست کو کام میں لاکر مستحضر و مرتب کو تحریر کا جامہ پہنا دیا۔ آپ کی زود نویسی، برجستہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بہ حسنِ اسلوب انجام دے کر فضلائے وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔ یہ آپ کا علمی و روحانی تفوق ہی تھا کہ گیارہ برس کی عمر سے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا اور اپنی تمام مصروفیات اور معمولات کے ساتھ ساتھ پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں اپنی ایک ہزار علمی یادگاروں کا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ کر ٹھیک نمازِ جمعہ کے وقت دو بج کر اڑتیس منٹ پر بتاریخ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ (مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) اپنی حیاتِ مستعار جان آفریں کے حوالے کی اور عالمِ فنا سے عالمِ بقا کو رحلت فرمائی۔

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

عربی زبان کی مثل ہے: "والفضل ما شَہِدَتْ بِہِ الأَعْدَاءُ" یعنی حقیقی فضیلت وہ ہے کہ جس کی دشمن گواہی دیں۔ مولانا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ہندوستانی علما کا تذکرہ لکھا تو اختلافِ مسلک کے باوجود علامہ کے سوانحِ حیات تحریر کرنے میں دیانتداری کے ساتھ حسبِ ذیل امور کو بھی بیان کیا:

"حجاز کے علماء سے فقہ اور علمِ کلام کے بعض مسائل میں آپ کا مذاکرہ ہوا اور آپ نے حرمین میں اقامت کے دوران چند رسائل لکھے۔ چند مسائل علمائے حرمین کو بغرضِ استفتا پیش کیے گئے تھے، آپ نے ان کے جوابات تحریر کیے اور عجلتِ تحریر، ذکاوت اور قوتِ استدلال پر وہاں کے بڑے بڑے علماء بالکل حیران رہ گئے۔

آپ متبحر عالم، کثیر المطالعہ اور وسیع معلومات و اطلاعات کے حامل تھے۔ آپ کا قلم رواں دواں تھا۔ آپ کی فکرِ رسا جزئیات کا احاطہ کرنے والی تھی۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ اور بعض سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق تصانیف و رسائل کی تعداد پانچ سو

ہے۔ آپ کی سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان دبارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل تصنیف "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" ہے۔ آپ مباحثہ و مناظرہ میں بلند مرتبہ تھے۔ حنفی فقہ اور اس کی جزئیات کے علم میں اپنے عہد میں نادرِ روزگار اور اپنی نظیر آپ تھے۔ اس دعوےٰ پر آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ اور "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" شاہد ہیں۔ موخر الذکر کتاب کو آپ نے مکہ مکرمہ کے دورانِ قیام ۱۳۲۴ھ میں تالیف کیا۔ آپ کو علومِ ریاضی، علمِ ہیئت، علمِ نجوم اور علمِ توقیت میں کامل دستگاہ اور مہارت تھی۔ علمِ رمل اور علمِ جفر میں بھی آپ کو کافی دسترس حاصل تھی اور زیادہ تر علوم و فنون میں آپ کو خاصا دخل تھا۔"[1]

امام احمد رضا نے نہ صرف عربی، فارسی اور اردو تین زبانوں میں شاعری کی بلکہ بعض نظمیں التزام کے ساتھ ہندی بھاشا کی آمیزش سے لکھیں۔ آپ کا تخلص رضا تھا۔ آپ کا نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" کے نام سے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اور تین چار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ حصہ سوم کے فاضل مرتب نے صراحت کی ہے کہ آپ کا عربی دیوان گم گیا۔[2] یہی وجہ ہے کہ آپ کے خلفِ رشید جناب مولانا مصطفےٰ رضا صاحب سے مراسلت کرنے پر مجھے آپ کا عربی کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ اور بعد ازاں بریلی جاکر شرفِ ملاقات حاصل کرنے پر بھی کلام نہ دیکھا جا سکا۔ البتہ مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم نے اپنی تالیف "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" (مطبع حنفیہ، پٹنہ ۱۳۲۷ھ) میں صراحت کی ہے کہ آپ کے دیوان میں پندرہ سولہ عربی و فارسی کے قصائد ہیں؛ یقین ہے کہ آپ کے وصال تک عربی و فارسی کلام کا معتد بہ اضافہ ہوا ہو گا کیونکہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ علامہ رضا عشقِ رسول میں مستغرق و سرشار تھے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ نے فخرِ موجودات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور خداوندِ عالم کی حمد و ثنا میں وارداتِ قلبی کو نظم کا جامہ نہ پہنایا ہو۔ اسی طرح خود اپنی زندگی اور متوسلین و مخلصین کی زندگیوں کے اہم واقعات، حوادث اور تقاریب وغیرہ پر آپ نے ضرور اشعار کہے ہوں گے۔ مجھے اب تک اپنی تلاش میں مجموعی طور پر تین سو نوے عربی اشعار حسبِ ذیل کتب میں دستیاب ہو سکے ہیں۔

۱۔ "آمال الابرار و آلام الاشرار"[3] نامی ایک سو ستر اشعار کا دالیہ قصیدہ (مطبعہ حنفیہ عظیم آباد) اس قصیدے کے مقاصد دنیا کی مذمت، آخرت کی طرف رغبت، بدعتِ ندوہ کی قباحت، عظیم آباد میں منعقد ہونے والے جلسۂ اہلِ سنت کی تعریف اور واقعۂ فساد کا بیان ہیں۔

۲۔ حدائقِ بخشش حصہ سوم مرتبہ مولانا محمد محبوب علی خاں قادری برکاتی رضوی

(۱) نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر (مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) ۸: ۳۸، ۴۲، ۴۱

(۲) حدائقِ بخشش ۳: ۸ (۳) "حاشیہ صفحہ آئندہ پر"

مجددی (اسٹیم پریس، ریاست نابھ ۱۳۲۲ھ) کے مختلف صفحات میں سبحن السبوح، انوار ساطعہ، رحب الساحر فی میاہ لایستوی وجہاہ و جوفیانی المساحہ، رسالہ النور و النورق لاسفار الماء المطلق" وغیرہ چند تصانیف سے مختلف موضوعات پر ستر عربی اشعار۔

۳۔ مواقع النجوم و مطالع اہلۃ الاسرار والعلوم۔ شیخ محی الدین ابن العربی (مطبع گلزار حسینی، بمبئی): ۱۵۳۔۱۶۰ پر تیرہ اشعار کا قطعۂ تاریخ وفات اور چالیس اشعار کا مرثیہ بر وفات محمد اسماعیل قادری نقشبندی شاذلی۔

۴:۔ الاِجازہ فی ذکر الجہر مع الجنازہ۔ مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاروی (مطبع مجتبائی، بمبئی ۱۳۱۵ھ): ۳۵ و ۳۶ پر نو اور چوبیس اشعار کے دو مرثیے بر وفات مولانا عبید اللہ مدرسِ اعلیٰ جامع مسجد بمبئی۔

۵: العسل المصفّٰی فی عقائد ارباب سنّۃ المصطفٰے۔ سید شاہ ابو الحسن (احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قادری (مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ، میرٹھ ۱۲۹۸ھ): ۲۱۔۲۴ پر تقریظ کے سولہ شعر۔

۶: سراج العوارف فی الوصایا والمعارف۔ میاں صاحب قادری (وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۳۱۳ھ): ۱۲۳ و ۱۲۴ پر تقریظ کے گیارہ شعر۔

۷: تذکرہ علمائے اہلِ سنت۔ مولانا محمود احمد قادری (رزّاقی پریس، کانپور ۱۳۹۱ھ) ۱۸۷ پر گیارہ اشعار بر وفات مولانا محمد عمر حیدر آبادی۔

۸: ماہنامہ "الرضا" (بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ) ۱۲ پر دس اشعار بر وفات پیر محمد عبد الغنی۔

۹: تذکرہ مشاہیرِ کاکوروی۔ مولانا حافظ محمد علی حیدر کاکوروی (مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ): ۱۲۳ و ۱۲۴ پر چار اشعار کا قطعۂ تاریخ بر وفات مولانا حکیم محمد حبیب علی علوی کاکوروی۔

۱۰۔ اعلحضرت کی شاعری پر ایک نظر۔ سید نور محمد قادری (جسارت پرنٹرز، لاہور ۱۳۹۵ھ): ۴۶ پر تین شعر بر وفات حکیم محمود خاں دہلوی۔

۱۱۔ مشائخِ بنارس۔ عبد السلام نعمانی (مطبع ندوۃ المعارف، بنارس) ۹۱ پر دو شعر۔

کاش امام احمد رضا کا تمام عربی کلام پیشِ نظر ہوتا مگر افسوس کہ محفوظ نہ رہا تاہم مذکورہ بالا تحریر کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ دستیاب شدہ کلام اللہ تعالیٰ کی حمد، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت، گمراہ فرقوں مثلاً وہابیہ، نیچریہ اور روافض وغیرہ کی مذمت، حق کی اشاعت، واصل بحق ہونے والے علما کی حیثیت، ان کے سالہائے وفات، کتابوں کی تقریظوں اور اُن کے سنہ طباعت سے متعلق ہے۔ اسقدر کلام کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی شعر گوئی کے بارے میں بڑی حد تک وثوق کے ساتھ رائے سپردِ قلم کی جاسکتی ہے اور کلام کے مختلف نمونے درج کیے جا سکتے ہیں۔

علامہ رضا کی شاعری وہبی تھی۔ شاعری میں آپ کو کسی کا تلمذ نہیں تھا۔ خلّاقِ عالم نے آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ سخن فہمی

(صفحۂ سابق کا حاشیہ) ـــــ (۴) یہ طویل عربی قصیدہ قاضی عبد الوحید حنفی فردوسی متوفی ۱۳۲۶ھ کے نام سے شائع ہوا مگر یہ حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

۱۔ میں نے ریسرچ کے دوران موصوف کے صاحبزادے قاضی عبد الودود صاحب سے مراسلت کی اور مزید عربی کلام و سوانح حیات کو طلب کیا۔ قاضی صاحب نے براہِ علم نوازی والدِ بزرگوار کے مختصر حالاتِ زندگی تحریر کرکے ارسال فرمائے اور عربی کلام کے دستیاب ہونے پر استعجاب پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی بجا طور پر لکھا کہ ان کو اپنے والد کے عربی گو شاعر ہونے کا علم نہیں تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اُن کے والد عربی زبان کے عالم نہیں تھے۔ عربی زبان کی بہت معمولی واقفیت تھی۔ اگر قاضی عبد الوحید صاحب کو عربی کا عالم مان لیا جائے تو بھی یہ بات خلافِ عقل اور بعید از قیاس ہے کہ ایسا قادر الکلام شخص جس کی مُہرِ سکوت ٹوٹے تو وہ اِسقدر طویل عربی قصیدہ لکھے اور اس کے بعد عربی زبان میں شعر گوئی سے توبہ کر لے۔ قصیدۂ ہذا لکھنے سے نہ پہلے کوئی شعر کہا اور نہ بعد میں یا کہا تو ایسا مخفی رکھا کہ کانوں کان پتا نہ چلا اور گھر والے بھی بے خبر رہے یا کہا مگر اِس مطبوعہ قصیدے کے علاوہ ضائع کر دیا۔ معمولی سمجھ رکھنے والا بھی اِس طرح کے احتمالات کو قبول نہیں کر سکتا۔

۲۔ حدائقِ بخشش حصہ سوم ص ۸ پر صراحت ہے کہ مذکورہ بالا قصیدہ فاضل بریلوی کا تحریر کردہ قصیدہ ہے۔

۳:۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب صدر شعبۂ عربی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی نے بھی نشان دہی کی ہے کہ یہ قصیدہ اعلحضرت کا لکھا ہوا ہے۔ موصوف کی یہ صراحت شک و شبہ سے بالا تر ہے کیونکہ آپ کے والدِ ماجد مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم اور فاضلِ بریلوی کے درمیان مخلصانہ و عقیدتمندانہ تعلقات تھے۔ باخبر حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مولانا موصوف فاضلِ بریلوی کے اطاعت شعار تلمیذِ رشید و قابلِ فخر عالم، وفادار نیازمند، سعادتمند مرید خلیفہ مجاز، پرخلوص مدّاح، لائقِ اعتماد، پسندیدہ مقرب، اسرار و رموز کے واقف کار، علمی کاموں میں ایک حد تک مشیر اور معین و مددگار، دستِ راست اور قوتِ بازو تھے لہٰذا پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی حیثیت اس سلسلے میں اِس مثل کے مطابق ہے "صاحبُ البیتِ اَدریٰ بمافیہ" یعنی گھر کا مالک گھر کے اندرونی حالات سے زیادہ باخبر ہوتا ہے (میں پروفیسر موصوف کی اس رہنمائی اور علمی تعاون و ہمدردی کا بہ صمیم قلب ممنون ہوں) ـــ ۴۔ کلام کا انداز اور موضوع اِس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ فاضلِ بریلوی کا کلام ہے۔

سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے، اسی لئے آپ کے کلام میں آمد ہی آمد ہے اور آورد کا نام نہیں۔ رہی عربی زبان تو اہل زبان عرب فضلاء نے عربی تحریر میں حسنِ نثر کا اعتراف کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شعر گوئی کی طرف آپ کی توجہ مبذول ہونے کی فرصت تھی اور بس۔ آپ کے لئے عربی نثر و نظم دونوں کی یکساں حیثیت تھی مگر آپ نے مہتم بالشان کاموں کی انجام دہی کی وجہ سے شاعری کی طرف بہت کم التفات کیا اور شعر گوئی میں زیادہ وقت نہیں گذارا ورنہ آپ کے کلام کا مجموعہ نہایت عظیم ہوتا۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ عالمِ دین کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اس لئے آپ کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ بہرکیف یہ مسلمہ امر ہے کہ آپ اردو زبان کے طبقۂ اوّل کے نعت گو شعراء میں تھے کیونکہ نعت گوئی کے لئے عشق و محبت شرطِ اوّل ہے اور آپ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی نعت گوئی آدابِ عشق و محبت کی آئینہ دار ہے۔ حضور انور نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی محبت نہ صرف ہر چیز سے بلند و برتر تھی بلکہ والہانہ عقیدت اور حقیقی جاں نثاری تھی۔ آپ نے جذبۂ حبِ رسول وراثت میں پایا تھا، پھر اپنے دل میں محبت و عقیدت کی باضابطہ پرورش کی تھی اور قلب و روح کو احترام و عقیدت کا خوگر بنا لیا تھا۔ عاشقانِ پاک طینت کی طرح آپ "شمعِ بزمِ ہدایت" کے پروانے تھے۔ آپ کا کلام عشق و مستی اور درد و سوز کی نعمت سے مالا مال ہے۔ آپ کے کلام میں عاشقانِ صادق کی طرح حسنِ بیان اور خلوص و عشق کا صحیح امتزاج ہے۔

علامہ رضا نے مخصوص حالات و کیفیات سے متاثر ہو کر اپنے جذبات کی نظم میں ترجمانی کی البتہ جتنا بھی لکھا خوب لکھا اور اغیار تک سے دادِ تحسین پائی۔ جزالت و انسجام، سلاست و سادگی اور بے ساختگی و روانی آپ کے عربی کلام کی خصوصیات ہیں۔ عربی تراکیب کی بندش اور مناسب و برمحل الفاظ کے استعمال پر آپ کو مکمل قدرت حاصل تھی۔ تشبیہات و استعارات وغیرہ، لفظی و معنوی صنائع اور ضرب الامثال کا بے تکلف اور مناسب انداز میں استعمال ہے۔ آپ کا کلام تصنع اور شعری عیوب سے پاک ہے۔ آپ نظم میں مشکل پسندی کے قائل نہیں تھے اور زیادہ تر برجستہ ہی موزوں و مقفّٰی لکھتے۔ آپ پر عربیت کا غلبہ اسقدر زیادہ تھا کہ آپ کا اردو کلام نہ صرف ہزاروں عربی الفاظ و تراکیب پر حاوی ہے بلکہ اردو کلام کے ضمن میں عربی اشعار، مصرعوں اور جملوں کا بے ارادہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ "حدائق بخشش" کے مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی اردو شاعری اردوئے معلّٰی کا اعلیٰ شاہکار ہے، اسی لئے میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے اردو کلام سے بھی درحقیقت وہی صحیح معنیٰ میں لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جسے عربی و فارسی پر عبور ہو یا کم از کم اردو زبان کا اچھا فاضل و ادیب ہو۔ آپ کے عربی کلام کے مختلف نمونے ذیل میں درج ہیں اور ساتھ ہی اردو داں حضرات کے لطف اندوز اور مطالب سے باخبر ہونے کی خاطر عربی اشعار کا ترجمہ بڑی حد تک بامحاورہ اردو میں کیا گیا ہے۔ ترجمہ پڑھنے سے قارئین پر کم از کم یہ امر بھی عیاں ہو جائے گا کہ آپ نے عربی کلام میں درحقیقت کوزے میں دریا کو سمویا ہے۔

امام احمد رضا کے ایک خلیفۂ اجل مولانا شیخ ضیاء الدین مدنی نے مولانا حافظ احسان الحق صاحب اگوجرانوالہ سے بیان فرمایا: ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلیٰحضرت کا درجِ ذیل عربی قصیدہ پڑھا تو انہوں نے بیک زبان کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالمِ دین کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے بتایا کہ اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہیں جو عربی نہیں بلکہ عجمی ہیں۔ علمائے مصر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربیہ میں اتنے ماہر ہیں۔ اس قصیدے کے ابتدائی اشعار یہ ہیں[1]

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ   بِجَلَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ

(خدائے یکتا کی حمد و ثنا ہے۔ وہ اپنے جلال میں یکہ و یگانہ ہے)

وَصَلٰوتُہٗ دَوْمًا عَلٰی   خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

(تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ انسان سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی رحمت ہمیشہ نازل ہوتی رہے۔)

وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ھُمْ   مَاْوَایَ عِنْدَ الشَّدَائِدِ

(اللہ کی رحمت آپ کی اولاد اور ساتھیوں پر برابر نازل ہوتی رہے۔ مصائب و تکالیف کے وقت آل و اصحاب میرے ملجا و ماویٰ ہیں۔)

فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ   بِکِتَابِہٖ وَبِاَحْمَدَ

(اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی کتاب (قرآن مجید) اور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرا وسیلہ ہیں)

وَبِمَنْ اَتٰی بِکَلَامِہٖ   وَبِمَنْ ھَدٰی وَبِمَنْ ھُدِیْ

(بارگاہِ الٰہی میں وہ میرا وسیلہ ہیں جو اللہ کے کلام کو لائے، جنہوں نے راہِ راست کی طرف رہنمائی کی اور جن کے ذریعے مخلوق کی ہدایت ہوئی یعنی شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم)

وَبِطَیْبَۃَ وَبِمَنْ حَوَتْ   وَبِمِنْبَرٍ وَّبِمَسْجِدِ

(میں مدینۂ طیبہ، مہاجرین و انصار، منبرِ سرکار، ابد قرار اور مسجد نبوی کے وسیلے سے اللہ کے تقرب کا طالب ہوں)

وَ بِکُلِّ مَنْ وَجَدَ الرِّضَا   مِنْ عِنْدِ رَبٍّ وَّاحِدِ

(رضا ہر ایسے برگزیدہ انسان سے متوسل ہے جو اپنے پروردگار کی جانب سے خوشنودی پا چکا ہے)

---

(۱) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد (جسارت پرنٹرز لاہور ۱۳۹۴ھ) طبع دوم: ۹۵، ۹۶

حدائق بخشش حصہ سوم: ۱۲

اللہ تعالیٰ سے امداد کی درخواست کرتے اور پناہ چاہتے ہوئے لکھا [1]

عَدَی الْعَادُوْن وَجَارُوْا وَرَجَوْتُ اللّٰہ مُجِیْرا

(مخالفین نے ظلم و تشدد سے کام لیا اور خوب جور و ستم کیا۔ میں نے اللہ سے تو لگا رکھی ہے کیونکہ وہ حقیقی پناہ دہندہ ہے)

وَکَفٰی بِاللّٰہ وَلِیّاً وَکَفٰی بِاللّٰہ نَصِیْرا

(اللہ مالک و ولی ہونے کے لحاظ سے کافی ہے اور اللہ ہی معین و مددگار ہونے کی حیثیت سے کافی ہے)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں پناہ پکڑتے ہوئے لکھا [2]

رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَنْتَ الْمُسْتَجَار فَلَا اَخْشَی الْاَعَادِیَ کَیْفَ جَارُوْا

(اے اللہ کے رسول! آپ پناہ گاہ ہیں لہذا میں دشمنوں سے ذرا بھی خائف نہیں کہ وہ کس طرح ظلم و ستم ڈھائیں؟)

بِفَضْلِکَ اَنْ تَجِیْ اَنْ عَنْ قَرِیْبٍ تُمَزِّقُ کَیْدَھُمْ وَالْقَوْمُ بَارُوْا

(مجھے آپ کے لطف و کرم سے توقع ہے کہ آپ جلد ہی دشمنوں کے مکر و فریب کے دام کو چاک فرما دیں گے اور دشمنوں کا گروہ ہلاک ہو جائے گا۔)

نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اعانت کی درخواست کرتے ہوئے رقمطراز ہیں [3]

رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَنْتَ بُعِثْتَ فِیْنَا کَرِیْماً رَحْمَۃً حِصْناً حَصِیْنَا

(اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں کریم و رحیم اور حصنِ حصین بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں)

تُخَوِّفُنِیْ الْعِدیٰ کَیْداً مَتِیْنًا اَجِرْنِیْ یَا اَمَانَ الْخَائِفِیْنَا

(اے خوفزدہ اشخاص کے مجسّم امن و امان! دشمن اپنے زبردست مکر و فریب سے مجھے خائف بنا رہے ہیں، اسلئے آپ مجھے پناہ دیجئے اور میری حفاظت فرمائیے)

تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کرتے ہوئے لکھا [4]

وَکُلُّ خَیْرٍ مِّنْ عَطَاءِ الْمُصْطَفٰی صَلّٰی عَلَیْہِ اللّٰہُ مَعَ مَنْ یَّصْطَفٰی

(ہر قسم کی نعمت و بھلائی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دیگر منتخب اشخاص کے ساتھ رحمت نازل فرمائے)

اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَالْحَبِیْبُ الْقَاسِم صَلّٰی عَلَیْہِ الْقَادَۃُ الْاَکَارِمُ

(خدا عطا فرماتا ہے اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمانے والے ہیں، اسی لئے قاسم کے لقب سے موسوم ہوئے۔ اکرام کے معزز و مکرم سردار آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔)

مَا نَالَ خَیْراً مِنْ سِوَاہُ نَائِلٌ کَلَّا! وَلَا یُرْجٰی بِغَیْرٍ نَائِلٌ

(کسی بھی پانے والے نے آپ کے علاوہ کسی سے بھی معمولی نعمت نہیں پائی۔ یہ امر بالکل یقینی ہے کہ سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی سے بھی بخشش کی توقع نہیں کی جا سکتی۔)

مِنْہُ الرَّجَا مِنْہُ الْعَطَا مِنْہُ الْمَدَدْ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاُخْرٰی لِلْاَبَدْ

(آپ ہی سے امید ہے، آپ کی طرف سے ہی جود و عطا ہے اور آپ کی ہی جانب سے دینی و دنیاوی اور لامتناہی اُخروی زندگی میں مدد و اعانت ہے کیونکہ آپ زبدۂ کائنات خیر البشر، افضل الرسل، ساقیِ کوثر اور شافعِ محشر ہیں۔)

قصیدہ "آمال الابرار و آلام الاشرار" کے چند ابتدائی اور آخری اشعار

ھِیَ الدُّنْیَا تُبِیْدُ وَلَا تُفِیْدُ فَاُفٍّ لِمَنْ یُّرِیْدُ وَمَنْ یَرُوْدُ [5]

(یہ دنیا ہی ہے جو ہلاک کرتی ہے اور فائدہ نہیں پہنچاتی ہے لہذا اُس شخص پر افسوس ہے جو دنیا کا ارادہ کرے اور اس کو تلاش کرے۔)

نُفُوْسُ الْجَھْلِ تَائِقَۃٌ اِلَیْھَا فَمُلْتَمِسٌ وَآخَرُ مُسْتَزِیْدُ

(نادان لوگ دنیا کے شائق اور آرزومند ہوا کرتے ہیں تو ایک اسے ڈھونڈ رہا ہے اور دوسرا زیادتی کی فکر میں لگا ہوا ہے۔)

وَلَمْ اَرَ مِثْلَ طَالِبِھَا غَبِیًّا وَلَا کَبْشاً لِمَذْبَحِہٖ اَقُوْدُ

(میں نے طالبِ دنیا کی طرح کوئی بے وقوف نہیں دیکھا یہانتک کہ وہ بے عقل مینڈھا بھی نہیں کہ جسے میں ذبح کی طرف کھینچوں)

یُبَارِیْ جُھْدَہٗ وَاِنِ اسْتَطَاعَ تَفَلَّتَ وَھُوَ عَنْ کَلَبٍ شَرُوْدُ

(وہ بھی امکان بھر چلنے میں ضد کرے گا اور اسے موقع ملے تو اب بھاگے کہ میں اسے گھاس دکھا رہا ہوں اور وہ پاس نہ آئے۔)

وَذَا الْمِسْکِیْنُ یَعْدُوْ نَحْوَ مَوْتِہٖ بِاَرْجُلِہٖ وَیَحْقِدُ مَنْ یَّحِیْدُ

(اور یہ بیچارہ بے وقوف خود اپنے پاؤں سے اپنی موت کی طرف دوڑ رہا ہے اور جو اسے خیر خواہی کرتے ہوئے روکے اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ مُؤْتَفِکَاتِ قَوْمٍ ھَوَتْ لِھَوًی فَاَھْوَاھَا الثَّمُوْدُ [6]

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ایک قوم (یعنی قوم لوط علیہ السلام) کی بستیاں الٹ دی گئیں کیونکہ قوم باطل خواہش کی طرف مائل ہوئی اور اُن کے لہو و لعب نے اُن کو تباہ کر دیا۔)

---

(۱) حدائق بخشش حصہ سوم : ۹۰

(۲) ایضاً : ۹۳

(۳) ایضاً : ۹۳

(۴) ایضاً : ۹۳-۹۴

(۵) آمال الابرار و آلام الاشرار : ۲

(۶) ایضاً : ۲۱

اُمُسْلِمُ اِعُذْ بِوَجْهِ اللّٰهِ مِنْهُمْ فَاِنَّ مَعَاذَهُ الرُّكْنُ الشَّدِيْدُ

(اے مسلم! شریروں کے شر سے اللہ عزّ وجلّ کی پناہ میں آ کیونکہ اسی کی پناہ نہایت مضبوط سہارا اور محکم ستون ہے۔)

وَلُذْ بِرَسُوْلِهٖ فَلِيَاذُهُ الْحَقُّ وَعَاهَدَهٗ مِنَ اللّٰهِ الْعُهُوْدُ (1)

(اور اللہ کے رسول کی پناہ لے کیونکہ ان کی پناہ حق و درست ہے اور اُن کی پناہ سے اللہ کے وعدے مربوط اور وابستہ ہیں۔)

علی المولی مِنَ الْاَعْلٰی صَلٰوةٌ تَفِيْضُ فَتَسْتَفِيْضُ بِهَا الْعَبِيْدُ

(ہمارے آقا سرورِ کون و مکان پر ربِ اعلیٰ کی ایسی رحمت کا فیضان ہو کہ جس سے ہم سب اُن کے غلام فیضیاب ہوں۔)

عَلَى الْوَالِيْ مِنَ الْعَالِيْ سَلَامٌ يَجُوْدُ فَيَجْتَدِيْ مِنْهُ الْعَبُوْدُ

(ہمارے والی و حاکم پر اللہ تعالیٰ سلامتی کی بخشش فرمائے اور اُن کے سب غلام اُس بخشش سے مستفید ہوں۔)

صَلٰوةٌ لَا تُحَدُّ وَلَا تُعَدُّ لَا تَفْنٰى وَاِنْ فَنِيَتْ اُبُوْدُ

(آپ پر خدا کی ایسی رحمت نازل ہو جو بے حد و حساب ہو، جو احاطۂ عدد سے خارج ہو اور جو منقطع نہ ہو اگرچہ طویل زمانے فنا ہو جائیں۔

سَلَامٌ لَا يُمَنُّ وَلَا يُمَالٰى وَلَا يَبْلٰى مَتٰى بَلِيَتْ عُهُوْدُ

(آپ پر ختم نہ ہونے والا اور مؤخر نہ ہونے والا خدا کا سلام ہو اور جب زمانے پرانے ہوں تو اُس میں کہنہ پن نہ پایا جائے۔)

رسولَ اللّٰه! اَنْتَ لَنَا الرَّجَاءُ وَفَضْلُكَ وَاسِعٌ وَجَدَاكَ جُوْدُ

(اللہ کے رسول! آپ ہماری امیدوں کا مرکز ہیں۔ آپ کا فضل و کرم وسیع ہے اور آپ کی سخاوت حقیقی سخاوت ہے۔)

حَبِيْبُ اللّٰهِ مَنْ تَقْرُبْهُ حِفْظًا فَكُلُّ كَرِيْهَةٍ عَنْهُ بَعِيْدُ

(جس شخص کی حفاظت کے لئے اللہ کے حبیب اس سے نزدیک ہوں تو اس سے ہر مصیبت دور ہے اور وہ عافیت میں ہے۔)

فرقۂ وہابیہ کی تردید کرتے ہوئے "انوارِ ساطعہ" پر بطور تقریظ یہ اشعار لکھے۔

وَلَا اَدْرِيْ وَسَوْفَ اَخَالُ اَدْرِيْ: اَقَوْمٌ اٰلُ نَجْدٍ اَمْ نِسَاءُ؟ (2)

(سر دست مجھے علم نہیں ہے، البتہ امید ہے کہ کچھ دیر بعد مجھے حقیقتِ حال معلوم ہو جائے گی کہ میرے مخالفین نجدیوں کی اولاد ہیں یا عورتیں۔)

فَمَنْ فِيْ كَفِّهٖ مِنْهُمْ خِضَابٌ كَمَنْ فِيْ كَفِّهٖ مِنْهُمْ لِوَاءُ

(لوگوں میں سے جس کے ہاتھ میں مہندی لگی ہو تو کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس کے ہاتھ میں جنگ کا جھنڈا بلند ہو۔)

فَمَا فِيْهِمْ رَشِيْدُ الصِّدْقِ اِلَّا وَاِنْ تُمْعِنْ فَكُلُّهُمْ هَبَاءُ

(میرے اعداء میں سے کوئی بھی حق و صداقت میں کامیاب نہیں ہوا بلکہ اگر تم غور سے دیکھو تو ان کی ہدایت اُس خس و خاشاک کی مانند ہے جس کے ذرّات صرف آفتاب کی کرنوں میں دکھائی دیتے ہیں)

فَمَا مَعْنٰى تُحَاوِرُهُمْ وَلٰكِنْ عَسَى الْحَنَّانُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ

(آپ نے راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں سے تمام مطالب پر گفتگو کر لی ہے لیکن ہدایت خدا کی مشیت میں ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ اور اپنی عنایت سے جسے چاہتا ہے راہِ راست پر گامزن کر دیتا ہے۔)

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب سے مجھے فاضل بریلوی کی ایک تصنیف دستیاب ہوئی۔ اس کا تاریخی نام "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" ہے۔ اس سے ۱۳۰۷ھ کے اعداد نکلتے ہیں۔ میرے سامنے اس کا تیسرا اڈیشن ہے جو مطبع اہلسنت و جماعت بریلی سے چھپا ہے۔ اسے دیکھکر اندازہ ہوا کہ ممدوح کے بعض عربی اشعار اُن کی تصانیف میں بھی ملتے ہیں۔ اگر اُن کا استقصا کیا جائے تو خاصے شعر جمع ہو جائیں اِس تصنیف میں فرقۂ وہابیہ کا اپنے آپ کو 'موحّد' کہنے کا راز و منشا بتاتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں: معتزلہ نے تعدّدِ قدما سے بچنے کے لئے نفیِ صفات کی اور اپنا نام اصحاب التوحید رکھا۔ ٹھیک اِسی طرح طائفۂ جدیدہ نے اِشتراکِ لفظِ وجوب سے بھاگنے کے لئے نفیِ اقتضائے ذات کی اور اپنا نام 'موحّد' تراشا۔ اِس بارے میں میرا قول ہے:

خَسِرَ الَّذِيْنَ بِالْاِعْتِزَالِ وَبِالتَّوَهُّبِ جَاوَرُوْا (3)

(جن لوگوں نے قدیم زمانے میں اعتزال کو اور کچھ عرصے سے وہابیت کو اختیار کیا، ناکام و نامراد ہوئے۔)

ذَا اَهْلُ تَوْحِيْدٍ وَذَا لَكَ مُوَحِّدٌ غَوَّارٌ

(فرقۂ معتزلہ نے اپنے آپ کو اہلِ توحید (اصحابِ توحید) کے نام سے مشہور کیا اور وہابیوں کی جماعت نے موحّد کے لقب سے اپنے آپ کو موسوم کیا۔ دونوں ہی گمراہ، حق سے محروم اور ہلاک ہونے والے ہیں۔)

نَعَمِ الْقُلُوْبُ تَشَابَهَتْ فَتَنَاسَبَ الْاَعْضَاءُ

(چونکہ دونوں جماعتوں کے قلوب یکساں ہیں، اسلئے ان کے اعضاءِ بدن میں بھی بہت زیادہ مناسبت ہے۔)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ معتزلہ نے اُس قدیم العدل پر تہمتِ ظلم رکھی اور وہابیوں نے اُس واجب الصدق پر افترائے کذب اٹھایا۔ میرا قول ہے:

هُمْ اٰمَنُوْا اَظُلْمًا بِظَالِمٍ مَلِيْكِهِمْ ذَا قَائِلٌ كَذِبًا بِكِذْبِ اِلٰهِهِمْ (4)

---

(1) آمال الابرار و آلام الاشرار: ۲۱، ۲۲۔

(2) انوارِ ساطعہ بحوالہ حدائقِ بخشش حصہ سوم: ۹۰

(3) سبحٰن السبوح: ۵۷ (4) سبحٰن السبوح: ۶۹

(معتزلی لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہوئے اپنے حقیقی مالک کے ظالم ہونے پر ایمان لائے اسی طرح وہابیوں نے دروغ گوئی کرتے ہوئے اپنے معبود کے کاذب ہونے کا قول کیا)

لَاغَرْوَ فِیهِ إذَا الْقُلُوبُ تَشَابَهَتْ　　فَالشِّبْهُ نَزَّاعٌ إلَى أَشْبَاهِهِ

(یہ بات کہ ایک جماعت نے ایک خلافِ عقل صفت اللہ کے لئے تسلیم کی اور دوسری جماعت نے باری تعالیٰ میں دوسرے نقص کا اذعان کیا تو اس میں نہ حیرت ہے اور نہ کوئی مضائقہ کیونکہ دونوں جماعتوں کے قلوب میں یکسانیت ہے اور یہ فطری قانون ہے کہ کوئی چیز اپنی ہی جیسی مشابہ چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے) اس فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ امام و مقتدی سب کے سب نہ ایک دو کفر بلکہ صدہا کفر اور سراپا کفر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں قائل ہوں!

فَكُفْرٌ فَوْقَ كُفْرٍ فَوْقَ كُفْرٍ　　كَأَنَّ الْكُفْرَ مِنْ كَثْبٍ دَوَفَى (۱)

(کفر میں اضافہ در اضافہ اور زیادتی پر زیادتی ہے گویا کہ کفر اپنی کثرت کی انتہا پر پہنچ چکا ہے۔)

كَمَا رَاءٍ مِنْ فَتْقٍ فِي دَفْرٍ　　تَتَابَعَ قَطْرُهُ مِنْ ثَقْبِ كَفْرٍ

(جس طرح کہ بدبودار پانی بہت زیادہ گندی و بدبودار جگہ میں ہو اور پہاڑ کی گھاٹی کے سوراخ سے گندے قطرات کا برابر اضافہ ہو رہا ہو۔)

مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے والد ماجد حکیم محمود خاں صاحب دہلوی کی وفات حسرت آیات پر قدیمی تعلق کی وجہ سے حسب ذیل تین شعر کہے تھے جو اس وقت بھی اس پتھر پر کندہ ہیں جو حکیم صاحب کی قبر کے سرہانے لگا ہوا ہے:

بَكَتِ الْعُيُونُ، أَمَاتُرِيدُ جُمُودَا؛　　أَبَكَتْ شَرِيفًا صَادِقًا مَحْمُودًا (۲)

(آنکھوں نے آنسو بہائے، کیا آنکھوں نے اشک ریزی سے نہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ کیا آنکھیں شریف، صادق اور محمود پر گریاں ہیں؟ حکیم صاحب کے جدِ امجد اور والدِ بزرگوار کے اسما بالترتیب حکیم محمد شریف خاں اور حکیم صادق علی خاں تھے۔ تینوں کی رعایت کو ترتیب کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔)

أَسِفَتْ بِفَقْدِ الطِّبِّ عَمْرَ قِوَامِهِ　　فَاضَتْ وَهَلْ بَاسًا تُحِسُّ نَقِيدَا

(آنکھیں غمگین ہیں کیونکہ طب نے اپنے مایۂ صحت کا سہارا کھو دیا ہے۔ آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ کیا ہم سے رحلت اختیار کر کے مفقود ہو جانے والے پر آنکھوں کو کسی عذاب کے خطرے کا احساس ہے؟)

أَمَلَتْ عَلَى مَثْوَاهُ يَوْمَ مَعَادِهِ　　قَبْرُ الَّذِي فِي الطِّبِّ مَاتَ حَمِيدَا

(حکیم صاحب کی وفات کے وقت آنکھوں نے ان کے مرقد پر بزبانِ حال تحریر کرایا: یہ اس شخص کی قبر ہے جس نے فنِ طب میں نیک نامی کی زندگی گذاری اور انتقال کے بعد قابلِ ستائش قرار پایا۔)

شاہ سید آلِ رسول احمد مارہروی کی وفات پر کہے ہوئے اشعار میں سے دو شعر

وَلِيٌّ طَاهِرٌ بَرٌّ إِمَامٌ　　وَصُولٌ طَيِّبٌ بَدْرٌ أَمِيرٌ (۳)
۱۲۹۶　　۱۲۹۶

(شاہ صاحب اللہ کے دوست، معاصی کی گندگی سے پاک، نیک سیرت، مخلوق کے پیشوا، ملنسار، پاکیزہ، ماہِ کامل اور حاکم و امیر تھے۔)

وَحِيدٌ طَائِعٌ بَحْرُ أَمَانٍ　　وَدُودٌ طَائِبٌ بَدَلٌ أَجِيرٌ
۱۲۹۶　　۱۲۹۶

(موصوف اپنی حیثیات میں منفرد، خدا کے فرمانبردار، امن و امان کے بحرِ بیکراں، محب و عاشق، نیک دل و نیک صفات، سخی و صالح اور صدقہ و خیرات کرنے والے تھے)

آپ نے اپنے دوست محمد اسماعیل قادری نقشبندی شاذلی کی وفات پر مرثیہ لکھا تھا۔ مرثیۂ ہذا کے چند اشعار ہیں۔

بَلَى تَبْلُحُ ذِي هَيْمٍ طَوِيلٍ وَسِيمَا　　هُمُومٍ عَلَى أَهْلِ مَحَايِمَ جَلَّتِ (۴)

(اگر میرے خیر خواہ رفیق کے انتقال کی وجہ سے مجھ پر غم کی رات طویل ہو گئی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ شدید رنج و الم میں مبتلا شخص کی رات طویل ہی ہوا کرتی ہے اور خاص طور سے ویرانوں اور بیابانوں کے رہنے والوں کے مصائب عظیم تر ہوا کرتے ہیں۔)

أَلَا كُلُّ زَائِرٍ فِي دُنْيَاكَ مُنْتَهٍ　　وَكُلُّ مُحَاقٍ مُسْفِرٌ عَنْ أَهِلَّةٍ

(اے ممدوح! آپ کی ذاتِ گرامی ایسی تھی کہ آپ سے نزدیک ہونے پر ہر تکلیف ختم ہو جاتی تھی۔ اللہ کا یہ مقررہ قانون ہے کہ مہینے کی آخری تین راتوں میں چاند دکھائی نہیں دیتا مگر وہ پہلی تاریخ کو ہلال بن کر جلوہ گر ہوتا ہے اور ماہِ تاباں بنتا ہے۔ اسی طرح آپ کے پاس کوئی مغموم پہنچتا تو مسرور ہو کر واپس ہوتا تھا۔)

شِمَالُ عُبَيْدِ اللهِ جَلَّتْ جَلِيلَةً　　وَشِمْلِيلُ إِسْمَاعِيلَ بِالتَّلْوِ صَلَّتِ

(عبید اللہ کا بایاں ہاتھ نہایت عظیم الشان تھا۔ دائیں ہاتھ کی عظمت کا تو کوئی ٹھکانا نہیں یعنی خیر و صلاح، ہدایت و ارشاد اور علم و عمل میں بلند پایہ تھے۔ مرحوم اسماعیل کا بایاں ہاتھ عبید اللہ کے پیچھے دوسرے نمبر پر تھا یعنی اسماعیل اپنی عظمت و رفعت عادات و خصائل اور اوراد و اعمال وغیرہ میں عبید اللہ سے انتہائی قریب تھے۔)

تَقَضَّى مُحَبَّةٌ قَوْمٌ مُحِبٌّ وَمُنْتَظِرٌ　　تُرَجِّي وَتَخْشَى مِنْ شُرُودٍ أَظَلَّتِ

(دنیا سے وہ قوم رختِ سفر باندھ چکی کہ جس سے ہمیں قلبی محبت تھی۔ راہِ حق پر گامزن ہونے کی وجہ سے ہم مصلح جماعت کے منتظر رہتے، ان سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے

---

(۱) سبحن السبوح: ۱۲۸
(۲) اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر: ۴۶
(۳) حدائق بخشش حصہ سوم: ۹۸
(۴) مواقع النجوم: ۱۵۶ — ۱۶۰

اور سایہ فگن ہوجانے والے مصائب سے ہم خائف رہا کرتے ۔)

وَذَاخَيْرُ مَا نَرْجُوْهُ أَنْ كَانَ وُدُّنَا لِخَالِصِ دِيْنِ اللّٰهِ مِنْ دُوْنِ عِلَّةٍ

(تمام متوقع امور میں سب سے بہتر یہی ہے کہ ہماری باہمی الفت ومودّت اللّٰہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے خالص دین کے لئے ہو اور اس میں کسی بھی خرابی کا شائبہ پایا جائے ۔)

قَضَى اللّٰهُ فِي جَنَّاتِهٖ جَمْعَ شَمْلِنَا وَبَوَّأَنَا فِي رَوْضَةٍ مُخْضَئِلَّةٍ

(خدائے برتر نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ ہم اہلِ حق کے گروہ کو اپنی جنتوں میں جمع کرے اور سرسبز باغات میں ہماری قیام گاہ بنائے ۔)

حَبَا اللّٰهُ إِسْمٰعِيْلَ فَضْلًا وَرَحْمَةً وَأَكْرَمَ مَثْوَاهُ بِمَنْزِلِ خُلَّةٍ

(اللہ تعالیٰ اسماعیل کو فضل ورحمت سے ، اور اُن کی فرودگاہ کو دوستی کے اعلیٰ مرتبے سے نوازے یعنی جوارِ رحمت میں اپنے قُرب سے نوازے ۔)

فَلَمْ يَكُ فِيْمَا جَارَنَا يَغْتَدِىْ وَلَا يَرُوْحُ فِي خَلَّةٍ أَيَّ خَلَّةٍ

(ہمارے پاس اسماعیل مرحوم کی صبح وشام آمد کسی معمولی سی بھی حاجت کے لئے نہیں تھی یعنی وہ مستغنی اور بے نیاز تھے اور خود وہ لوگوں کی ہر طرح حاجت روائی کرتے تھے ۔)

صِيَانَةِ دِيْنٍ أَوْ إِهَانَةِ بِدْعَةٍ إِبَانَةِ حَقٍّ أَوْ إِعَانَةِ خَلَّةٍ

(دینِ اسلام کی حفاظت یا کسی بھی بدعت کی اہانت ، حق کا اظہار یا محتاجوں کی اعانت اسماعیل مرحوم کی خصوصیات تھیں ۔)

نَوَالِ مُرِيْدٍ أَوْ نَكَالِ مَرِيْدَةٍ نَزَالِ مُزِلٍّ أَوْ نِضَالِ مُضِلَّةٍ

(اسماعیل مرحوم کی مزید خصوصیات ارادتمندوں کی فلاح وبہبود ، شریروں کی سرکوبی راہِ حق سے پھر جانے والوں کی اصلاح اور گم کردہ راہوں کی معرکہ آرائی میں سبقت وپیشقدمی ہیں ۔)

يُحِبُّ تَصَانِيْفِيْ لِنُصْرَتِهَا الْهُدٰى يَرٰى مِنْ كَلَامِيْ جُمْلَةً بِمَجَلَّةٍ

(چونکہ میری تصانیف ہدایت کے لئے معین ومددگار ہیں ، اسلئے اسماعیل مرحوم کو میری تصانیف بے حد محبوب تھیں اور میرے طویل کلام کے ایک ایک جملے کو ایک ایک رسالہ سمجھتے تھے ۔)

مَضٰى وَهُوَ تَوَّاقٌ إِلَى الْأَمْنِ وَالْعُلٰى فَنَالَ الْعُلٰى وَالْأَمْنَ فِيْمَا مَحَلَّةٍ

(اسماعیل مرحوم نے امن وبلندی کے اشتیاق میں عالمِ آخرت کا سفر اختیار کیا لہٰذا وہ اپنے اترنے کی جگہ پر بلندی وامن سے بہرہ ور ہوئے ۔)

فَغَسَّلَهٗ صَوْبُ الصَّوَابِ بِهِلَّةٍ وَكَفَّنَهٗ ثَوْبُ الثَّوَابِ بِحُلَّةٍ

(پھر اسماعیل مرحوم کو حق کی بارش نے بارش سے غسل دیا اور ثواب کے جامے نے بہترین لباس میں انہیں کفن پہنایا ۔)

يُنَمِّقُ فِيْ تَارِيْخِ رِحْلَتِهِ الرِّضَا: سَحَائِبُ مُنْبَجِ السَّفْحِ مَثْوَاكَ بَلَّتِ

(اسماعیل مرحوم کی وفات پر رضا ایک حسین تاریخِ وفات کہہ رہا ہے : دامنِ کوہ میں برسنے والے پانی سے لبریز بادل آپ کی قیام گاہ کو تر کریں یعنی آپ ہر قسم کی مسرت سے ہمکنار ہوں ۔)

وَتَمْنَحُكَ مَرَاقِي اللُّطْفِ كُلَّ كَرِيْمَةٍ سَقَتْكَ سَوَاقِي الرَّأْفِ أَرْجَ طَلَّةٍ

(اللّٰہ عَزَّ اِسْمُہٗ کے   الطاف وعنایات اسماعیل مرحوم کو ہر اذیت سے محفوظ رکھیں اور اس کے کرم کا دریا الٰہی بارش سے تر کیے ہوئے معطر مرقد کو سیراب کرے یعنی فرحت وانبساط سے لطف اندوز ہوں ۔)

إِلَيْكَ إِلٰهِيْ بِالْحَبِيْبِ تَوَسُّلِيْ بِهٖ فَاغْفِرِ اللّٰهُمَّ ذَنْبِيْ وَزَلَّتِيْ

(اے معبودِ برحق ! آپ کی بارگاہ میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وسیلہ اور شفیع بناتے ہوئے التماس ہے کہ میرے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت فرما دیجئے ۔)

میاں صاحب کی تصنیف " سراج العوارف " پر تحریر کردہ تقریظ کے چند شعر

أَيَا سَيِّدِيْ يَا ابْنَ عِزٍّ غَطَارِفٍ وَيَا أَحْمَدُ النُّوْرُ نُوْرُ الْأَعَارِفِ[1]

(اے میرے سردار ، اے معزز سرداروں کے بیٹے اور اے احمد جو خود بھی نور ہے ، اور مشہور ومعروف اکابر کا نور ہے یعنی نور کو وراثت میں بھی پایا ہے ۔)

كَلَامُكَ نُوْرٌ بِهَا السَّلَاسِلِ وَشَهْدٌ مُصَفًّى عَنِ الزَّيْغِ صَارِفٌ

(آپ کا کلام کتاب کی سطروں کی آب وتاب کا نور ہے ، خالص وصاف شہد ہے اور کج روی سے حق کی طرف پھیر دینے والا ہے ۔)

وَتَحْقِيْقُ تَرْوِيْحِ كَشْفِ الْقُلُوْبِ: دَلِيْلُ الْيَقِيْنِ سِرَاجُ الْعَوَارِفِ

(آپ کی تصنیف افسردہ قلوب کے رنج وغم کے سکون وآرام کا تحقیقی سرمایہ ، یقین کی دلیل اور علوم کی مشعلِ راہ ہے ۔)

وَلَا غَرْوَ إِنْ جَاءَ مِنْكَ سِرَاجٌ فَإِنَّكَ نُوْرِيٌّ نَادِي الْمَعَارِفِ

(اگر آپ نے " سراج العوارف " نامی کتاب تصنیف کر کے شمع روشن کر دی ہو تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کیونکہ آپ علوم کی مجلس میں نور پھیلانے والے ہیں)

أَرَانَا سِرَاجُكَ بِاللَّيْلِ شَمْسًا وَشَمْسٌ بِلَيْلٍ عَجِيْبٌ وَطَارِفٌ

(آپ کی تصنیف " سراج العوارف " نے ہمیں رات میں آفتاب دکھایا اور رات میں آفتاب کا وجود عجیب وغریب امر ہے ۔)

فَهَلْ مِثْلُهٗ فِيْ تَلِيْدٍ وَطَارِفٍ وَأَيْنَ فَأَيْنَ تَرَاهُ الطَّوَارِفُ

(کیا قدیم اور جدید زمانے میں " سراج العوارف " جیسی کوئی تصنیف ہے ؟ اور ایسی تصنیف کہاں ہے ؟ جواب یقیناً نفی میں ہے ۔ تو اس جیسی کتاب آنکھیں کہاں دیکھ سکتی ہیں ؟)

---

(۱) سراج العوارف : ۱۲۳ و ۱۲۴

مولانا محمد عمر حیدرآبادی کے قطعۂ وفات کے سات شعر

أَلَا سَقَى اللّٰهُ قَبْرًا صَوْبَ غَادِيَةٍ ؛ وَجَادَ بِالْجَوْدِ جُوْدًا وَهُوَ هَمَّانُ [1]

(اللہ عزّ نوالہٗ مرحوم کی قبر کو صبح کے ابر کی بارش سے سیراب فرمائے اور اپنے فیض کی تیز بارش سے خوب شاداب فرمائے کیونکہ مرحوم بھی بہت داد و دہش کرنے والے تھے۔)

قَبْرًا ثَوَى بِثَوَابِ اللّٰهِ فِيْهِ عُمَرُ ؛ مَعْمُوْرُ نُوْرِ الْهُدٰى لِلدِّيْنِ عَمَّانُ

(وہ قبر جس میں اللہ کے عطا کردہ اجرِ عظیم کے ساتھ متوفّٰی عمر مدفون ہیں، وہ ہدایت کے نور سے معمور و آباد ہے اور دین کے لئے صاحبِ وقار رہے۔)

عَبْدٌ يُغَوِّثُ الْبَرَايَا سَيِّدٌ سَنَدٌ ؛ بِالْغَوْثِ مُغْتَنِنٌ بِالْغَيْبِ مِدْرَانُ

(مخلوق کی اعانت کی وجہ سے مرحوم مخلوق کے سردار اور سہارا تھے۔ وہ پے در پے مدد کرنے والے اور اپنی روشن ضمیری کے باعث بکثرت غیب کی باتیں بتانے والے تھے)

بِاللُّطْفِ مُعْتَصِمٌ بِالتَّرَافِ مُبْتَسِمٌ ؛ بِالْعُرْفِ مُبْتَسِمٌ بِالْعَرْفِ مِعْطَانُ

(مرحوم لطف و کرم پر سختی سے عمل کرنے والے، خندہ پیشانی کے ساتھ عنایت سے پیش آنے والے، بھلائی کر کے شاداں و فرحاں ہونے والے اور خوشبو سے مہکنے والے یا صبر میں بلند مرتبہ تھے۔)

عِلْمٌ وَحِلْمٌ وَسِلْمٌ فِيْ تُقًى وَنُقًى ؛ سَيَادَةٌ مُّوَدَّدٌ وَفَضْلٌ وَإِيْثَارُ

(مرحوم علم، حلم، صلح، تقویٰ، خلوص، سیادت، بزرگی، فضل اور ایثار کی خوبیوں کے مالک تھے۔)

حَمَاهُ عَنْ كُلِّ ضَيْرٍ مَّنْ يُقَالُ لَهٗ حَامِي الْحَقِيْقَةِ نَفَّاعٌ وَضَرَّارُ

(ہر ضرر سے مرحوم کو وہ ذات پناہ میں رکھے جس کا خاصہ قابلِ حفاظت اشیاء کی حفاظت ہے اور وہ نفع و ضرر کا حقیقی مالک ہے یعنی خداوند عالم۔)

قَالَ الرِّضَا اَسِفًا فِيْ عَامِ فُرْقَتِهٖ ؛ مُحَمَّدٌ عُمَرُ الْفَارُوْقُ نَشْطَارُ

(مرحوم کے سال وفات پر رضا غم کے ساتھ گویا ہوا: ۱۳۲۰ھ محمد عمر صحیح و غلط میں تمیز کرنے والے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے منصف تھے۔)

---

(۱) تذکرہ علمائے اہل سنت: ۱۸۷

کی

اردو فارسی شاعری

ڈاکٹر وحید اشرف۔ ایم اے پی ایچ ڈی، بڑودہ یونیورسٹی

دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنہوں نے اپنے علم و عقل اور بصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض اور متحیر کیا ہے ابن سینا، عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، البیرونی، فارابی، ابن رشد وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا۔ ان میں کوئی فلسفہ و حکمت کا امام ہے کوئی ریاضی و ہئیت کا، کوئی فلسفۂ اخلاق کا اور کوئی فلسفۂ یونان کا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمین ہندوستان میں پیدا ہوئی اور موجودہ صدی ہی میں اس نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت ایسی پہلودار اور جامع علوم ہے کہ آپ کے کسی ایک پہلو پر سیر حاصل بحث کیلئے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ آپ کی زیادہ تر تصنیف اب تک زیور طباعت سے محروم ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ شخصیت کا پورا مطالعہ ممکن نہیں۔

مولانا کے علمی کمالات کا جائزہ لینا ہمارے موضوع علم اور دائرۂ فکر سے بھی باہر ہے یہ وہ سمندر ہے جس کی وسعت و گہرائی کو ناپنے کے ہم اہل نہیں۔ وہ تو صرف چند موجیں ہیں جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور صرف یہی موجیں کسی بحر ذخار کا پتہ دیتی ہیں۔

مذکورہ بالا چند سطور صرف اس لئے لکھی گئی ہیں کہ اس پس منظر کے بغیر مولانا کی شخصیت کے کسی پہلو کا بھی مطالعہ اس شخصیت کے بارے میں قاری کے دل و دماغ میں صحیح احساس نہ پیدا کر سکے گا اگرچہ المیزان کے اس شمارے میں مولانا احمد رضا کی زندگی ہی کے بارے میں ساری بحثیں ہیں تاہم یہاں ہم چند اور باتوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے اس خیال سے کہ مبادا دوسروں نے انہیں نظرانداز کر دیا ہو۔

مولانا احمد رضا کی زندگی کے بارے میں جہاں تک مجھے علم ہے وہ "الفقر فخری" کے پیرو تھے۔ وہ جب تک زندہ رہے دنیا سے بالکل بے نیاز رہے توکل کا رمز اور اس کی شان ان کی زندگی سے نمایاں تھی۔ وہ بیعت بھی لیتے تھے اور فتوح بھی پاتے تھے۔ لیکن یہ فتوحات عرب و عجم کے بہت سے حاجتمندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ تھیں معاش ہو یا نہ ہو فکر معاش سے وہ آزاد تھے مگر اس طرح نہیں کہ جیسے عمر خیام یا بو علی سینا یا البیرونی وغیرہ ان کی آزادی ان کے ایمان کا نتیجہ تھی۔ اور ان لوگوں کی آزادی فکر بادشاہوں کی مرہون منت ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ لیکن پچھلے دور میں علماء کی قدر دانی کے سبب فائدہ یہ ہوا کہ بادشاہوں کے کتبخانے ان کے لئے وقف ہو گئے چھاپہ خانہ نہ ہونے کے باوجود کسی کتاب کی نقل حاصل کرنا ان کے لئے دشوار نہ تھا۔ سائنسی تجربات و مشاہدات کے لئے ان کے لئے دار التجربہ (laboratory) اور اس کے تمام اسباب چشم زدن میں فراہم ہو جاتے تھے اس کے برعکس مولانا احمد رضا کے پاس کوئی (laboratory) تجربہ گاہ نہ تھی۔ کتابوں کا حاصل کرنا اس قدر آسان نہ تھا۔ یہاں تک کہ جن حالات میں انہوں نے گرانمایہ علمی کارنامے انجام دیئے اور جو کتابیں لکھیں وہ سب آج تک نہ چھپ سکیں ان میں سے صرف کچھ کتابیں چھپ سکی ہیں۔ حالانکہ ساری کتابیں خود انہیں کے زمانے میں شائع ہو جانا چاہئے تھیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس وہ ذرائع آمدنی نہ تھے جن سے یہ کام انجام پاتا۔ ان حالات میں بھی لکھنے کا حوصلہ نہایت درجہ قابل داد ہے۔

بات میں بات نکل آتی ہے جن علماء اور عقلا کا نام ہم نے اوپر لیا ہے ان میں سے اکثر کسی ایک فن کے امام تھے لیکن مولانا کا حال یہ ہے کہ جس فن کی طرف نظر کی وہ انمکے تارنگاہ کا اسیر ہو کر رہ گیا جس علم کی طرف توجہ کی اسے کمال تک پہنچا دیا۔ جس بحر میں غوطہ لگایا تو اس کی پوری گہرائی تک پہونچکر گوہر ہائے گونا گوں کتاب کے صفحات پر بکھیر دیئے جس چمن کی سیر کی اس میں اپنی بصیرت کے پھول کھلا دیئے اور دراصل علم کا اصلی معیار تصانیف میں تحقیق و بصیرت اور وہ قیاسات عقلیہ ہیں جن سے منقولات پر صحیح حکم لگایا جا سکے۔ لیکن مولانا ان علمی حدود سے گذر کر عقل کی اس منزل پر بھی نظر آتے ہیں جہاں مختلف دنیاوی علوم میں بھی وہ ایجادات و اختراعات کے نمونے پیش کرتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کی نہ ان کے پاس کوئی تجربہ گاہ تھی اور نہ ہی فن میں ان کا کوئی استاد اور نہ ہی اُن کا مقصد حیات بلکہ اسے انہوں نے صرف بازیچہ طفلاں ہی سمجھا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کا اصل مقصد شریعت و طریقت ہی کو قرار دے رکھا تھا۔ ایسے شخص کو اپنے وقت کا امام کہنا اس دور میں اس لفظ کی آبرو کو قائم رکھنا ہے۔

ایک ایسا شخص جس نے معقولات و منقولات کی اکثر اصناف میں اپنی بلندی فکر، جودت ذہن اور ندرت و جدت کا ثبوت دیا ہو اور جس کی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں پہونچتی ہوں اس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ شاعری کے نازک فن سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے عجائبات میں سے ہے۔ ایسی صرف ایک شخصیت اور نظر آتی ہے جس نے علوم معقولات میں زندگی گذارنے

کے باوجود شاعری کا ایک باکمال نمونہ چھوڑا ہے اگرچہ ضخامت کے اعتبار سے بہت ہی کم ہے اور وہ ہے عمر خیام جس کی رباعیاں فن اور فکر کا مکمل نمونہ ہیں لیکن امام احمد رضا کی جملہ علمی کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے مقابل عمر خیام کو نہیں لایا جا سکتا اور اس اصول کے پیش نظر کہ کوئی بھی صاحب فکر و نظر محقق اپنے تمام علمی سرمائے اور ذہنی صلاحیتوں کو کتاب کی قید میں نہیں لا سکتا تو امام احمد رضا کی تصانیف کے پیش نظر ان کی شخصیت پر رائے دیتے وقت عقل حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے

امام احمد رضا کی اردو اور فارسی شاعری حمد، مناجات، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے اس میں ہیئت کے اعتبار سے غزل اور رباعی شامل ہیں۔ ان اشعار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر صنف سخن پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اور شاعرانہ ذوق اور فکر و فن سے پوری طرح بہرہ ور تھے لیکن انہوں نے اپنی اس صلاحیت کو صرف اپنے پسندیدہ موضوعات تک محدود رکھا۔ اس میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ توشہ ان کے لئے زاد آخرت اور سرمایہ نجات بن جائے

راقم الحروف تک ایک روایت پہونچی ہے کہ کسی نے امام احمد رضا سے کہا کہ نواب نانپارہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ دیں۔ وہ شعر و ادب کے بہت قدر دان ہیں اور آپ کی بڑی عزت افزائی کریں گے۔ اس پر آپ نے ایک حسین و جمیل نعت لکھی اس واقعہ کی طرف مقطع میں بڑے بلیغ انداز سے اشارہ کیا ہے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

نانپارہ کے تعلق سے لفظ پارۂ ناں میں جو لطف بیان ہے وہ محتاج وضاحت نہیں۔

امام احمد رضا کا مندرجہ ذیل قطعہ ان کی طبیعت، مزاج اور مشاغل پر پوری طرح چسپاں ہوتا ہے

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد دروی
جز من و چند کتابی و دوات و قلمی

نعت گوئی میں انہوں نے اپنے اصول و نظریہ کو جگہ جگہ بیان کیا ہے ذیل میں ایسی دو رباعیاں نقل کی جاتی ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

توشے میں غم و اشک کا ساماں بس ہے + افغان دل زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو + نقش قدم حضرت حسان بس ہے

مولانا کا بیشتر کلام نعتیہ اشعار ہی پر مشتمل ہے اور بجا طور پر انہیں اردو کے ایک مستقل نعت گو شاعر کی حیثیت حاصل ہے اس لئے ہمارا موضوع سخن بھی اصولی طور پر ان کی اردو نعت گوئی ہی پر مرکوز رہے گا۔

عام طور پر مسلم ہے کہ نعت کا فن بہت مشکل فن ہے اس کے کئی وجوہ ہیں۔ نعت کے مضامین قرآن سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ انہیں مضامین کو جدت اسلوب کے ساتھ ادا کرنا ہے اور طرز ادا میں بھی جو آزادی دوسرے معشوقان مجازی کے ساتھ ہوتی ہے یہاں نہیں برتی جا سکتی۔ یہاں چشم زدن کے لئے بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا ہے اور شاعر جب تک پوری طرح آزاد نہ ہو اپنے فن کے کمال کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ محض وصف نگاری شاعری نہیں۔ کوئی بھی صنف شاعری ہو اگر وہ داخلیت سے خالی نظر آئے تو وہ محض تک بندی ہوگی یا دوسرے لفظوں میں اسے کلام منظوم کہہ لیجئے۔۔ خارجی اور داخلی شاعری کی تقسیم در اصل موضوع کے اعتبار سے ہے شعر درحقیقت شاعر کی داخلیت کا مظہر ہوتا ہے خارجی موضوعات کے تحت اشعار کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس میں شاعر کا ذاتی تاثر کس حد تک اور کس صداقت کے ساتھ شامل ہے یہی شاعری کی جان ہے اور شعر کا حسن اور اس کی تاثیر اسی پر مبنی ہے۔

نبی اکرم کے ساتھ عشق و محبت کا جذبہ ایک مومن کے لئے سرمایۂ حیات ہے لیکن ایک نعت گو شاعر اس جذبہ کا اظہار اس آزادی کے ساتھ نہیں کر سکتا جو دوسرے موضوعات کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ شاعری میں تصوف کا میدان بہت وسیع ہے اور اس میں شاعرانہ ندرت اور جوش و جذبہ کے اظہار کے لئے لامتناہی امکانات ہیں ایک صوفی خدا کے ساتھ عشق کا دعویٰ کرتا ہے اور جب وہ سراپا عشق بن جاتا ہے تو کبھی وہ سبحانی ما اعظم شانی کہتا ہے کبھی انا الحق اور کبھی اس سے یہ آواز آتی ہے کہ الناس کلھم عبد طلبعی ہ۔ اس طرح کے اقوال جو شطحیات میں شامل ہیں اور جو عالم سکر میں صوفیہ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ صرف عشق الٰہی میں جائز ہیں لیکن یہ جواز بطور فتویٰ نہیں ہے کیونکہ صوفیہ یہ کلمات اپنے ارادہ و اختیار سے نہیں کہتے اور جب ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہ ہو تو جواز و عدم جواز کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا۔ لیکن یہ اقوال صوفیہ کی خواہ کسی کیفیت کا مظہر ہوں، نبی اکرم کے حضور کبھی جائز نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ وہ بایزید جن سے سبحانی ما اعظم شانی کا قول منسوب ہے نبی اکرم کے حضور ان کی کیفیت یہ ہے کہ

نفس گم گشتہ می آید جنید و بایزید ای جا

اس بیان سے اس قول کا بھی مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ہشیاری کے ساتھ جذبۂ عشق کا اظہار شاعری میں ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا ہے اسی لئے اکثر نعت گو شعرا کلام میں عشق و محبت کی وہ تاثیر نہ پیدا کر سکے جو صوفیہ اپنی متصوفانہ شاعری میں کرتے ہیں۔ اردو اور فارسی نعتیہ شاعری میں علامہ اقبال بالکل منفرد اور مستقل مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ اسلامی فلسفۂ حیات کی ترجمانی کی ہے لیکن اس فلسفۂ حیات کی اساس عشق ہے۔ اور ان کا یہ عشق بھی جمال محمدی کا مرہون منت ہے اسلئے درحقیقت علامہ اقبال کا وہ جذبۂ عشق ہی ہے جس سے ان کے فکر کو جلا ملتی ہے اور

جہان کی شاعری کی روح ہے۔ ذیل کے اشعار سے رسول اکرم کے ساتھ ان کے والہانہ عشق کا اندازہ ہوتا ہے۔

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است　　ای خنک شہری کہ آنجا دلبر است

بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

ہر کہ عشق مصطفیٰ ساماں اوست　　بحر و بر در گوشۂ داماں اوست

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی
کہ اس جان جہاں کا آدمی دیوانہ بن جائے

ترے ثنا گو عروس رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روز محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

مذکورہ بالا اشعار میں اسلام کا فلسفۂ حیات مضمر ہے لیکن یہاں فلسفہ، فلسفہ نہیں رہ جاتا بلکہ عشق رسول کے جذبے میں ڈھل کر شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے جس کے بغیر اقبال کی شاعری مجرّد فلسفہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہم نے یہاں صرف اقبال کی مثال اس لئے دی ہے کہ وہ ایک مفکر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ سراپا عاشق رسول بھی تھے اس لئے ان کے کلام سے ہمارے مذکورہ دعویٰ کی دلیل زیادہ واضح ہو سکتی ہے۔

نعت کے سلسلے میں بعض ناقدین نے مذکورہ بالا کلیہ سے ہٹکر بعض دوسرے معیار مقرر کئے ہیں انہوں نے نعت کا معیار یہ مقرر کیا ہے کہ اس میں نبی اکرم کے صرف اخلاق کا ذکر ہو۔ اس سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اخلاق ہی کی خوبیاں دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اخلاق ہی سے شخصیت کی صحیح اور سچی تصویر نگاہوں کے سامنے ابھرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہم دنیا کی تمام قوموں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان اچھے اوصاف کو ایک مسلمان شاعر اپنی عقیدت کے ساتھ پیش کر کے اس میں کسی حد تک تاثیر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اور عقیدہ سے قطع نظر کوئی بھی حقیقت پسند شاعر ان اوصاف کو سچائی اور شاعرانہ حسن کے ساتھ بیان کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت کہ محاسن شعری اور تاثیر کے اعتبار سے یہ شاعری اس شاعری کی برابری نہیں کر سکتی جو ایک ایسے شاعر کے احساسات کا نتیجہ ہو جس کا دل عشق کی کیفیات سے آشنا ہو چکا ہو۔ نبی اکرم کے ساتھ عشق و محبت اور اس کے آداب خود قرآن سکھاتا ہے ان آداب کو اصول زندگی قرار دینے کے بعد قلب پر یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ الدین کلہ ادب۔ ان آداب کو اصول حیات قرار دینے کے بعد قلب کو عشق کی کیفیات کا تجربہ ہوتا ہے اسی لئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مرشد کامل اپنے کسی شاگرد کو عشق مجازی کی تلقین کرتا ہے لیکن یہ صرف ایسے شخص کے لئے ہے جس کا دل درد کے احساس سے ناآشنا ہوتا ہے اور وہ اس درد کو بغیر ذاتی یا مادّی تجربہ کے محسوس نہیں کر سکتا۔ جب اس کے دل کی سختی، نرمی سے بدل جاتی ہے اور وہ درد کی ٹیس اور اس کی کیفیت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ تو اس کی یہ کیفیت تعلیمات کے ذریعہ عشق رسول اور عشق الٰہی کی طرف منتقل کی جاتی ہے لیکن یہ اصول عام نہیں ہے اور بغیر مرشد کامل کے خطرہ سے خالی نہیں۔ الغرض ایک عاشق شاعر کی عشقیہ شاعری محض وصف نگاری سے کہیں مشکل ہے بلکہ دونوں میں موازنہ کرنا ہی نادرست ہے اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ نعت گوئی میں اس جذبۂ عشق کا اظہار تو نہایت نازک مقام اختیار کر لیتا ہے۔

دکنی زبان میں اردو شاعری کی ابتدا ہی سے نعت گو شعراء کی اچھی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ شمالی ہندوستان میں یوں تو سبھی شاعروں نے روایتی طور پر نعتیہ اشعار لکھے ہیں اور بعض شعراء نے خوب داد سخن دی ہے لیکن ایسے شعراء جنہوں نے صرف نعتیہ اشعار سے اپنے دیوان مرتب کئے ہوں دور متاخرین میں کم ہی نظر آتے ہیں البتہ جدید دور میں ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں جنہیں تفصیلی معلومات فراہم کرنا ہو وہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" ملاحظہ فرمائیں۔ یہ تذکرہ ایک موضوع کا صرف آغاز ہے جس پر ابھی بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔

بعض ناقدین نے اردو نعت گوئی میں مولانا حالی کو سب پر فوقیت دی ہے لیکن اول تو مسدّس میں مولانا حالی کا موضوع نعت نہیں ہے بلکہ اس کے مسدّس کا موضوع قوم مسلم کا عروج وزوال ہے یہ قوم مسلم کا ایک مرثیہ ہے اور مولانا حالی نے موضوع کو جس طرح پھیلایا ہے اس کے لئے تسلسل بیان کو قائم رکھنے کے لئے کچھ نعتیہ اشعار بھی ضروری ہو گئے۔ موضوع کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں رسول اکرم کے اخلاق اور آپ کے اخلاق کے تاریخی اثرات کا ذکر کیا جائے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک خارجی شاعری ہے جس کو مولانا حالی کے جذبہ کی صداقت اور ان کے فن نے لازوال تاثیر بخش دی ہے مسدّس میں موضوع کے اعتبار سے مولانا حالی کی ایک بڑی مجبوری تھی اس لئے وہ رسول اکرم کے حضور اپنے جذبات کا پورا اظہار نہ کر سکے۔ انہیں تو اس وقت اپنی قوم اور دنیا کے سامنے آپ کے اخلاق اور کارناموں کا ذکر ہی مقصود تھا۔ وہ بھی اختصار کیساتھ کیونکہ مسدّس کے موضوع کا صرف یہ ایک جزو ہے۔ نعت میں مولانا حالی کے جذبہ کا اگر مشاہدہ کرنا ہو تو اس مناجات کو پڑھئے جس کا عنوان ہے "عرض حال بجناب سرور کائنات علیہا فضل الصلوات واکمل التحیات" اور جس کا مطلع ہے

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اس میں بھی پہلے قوم مسلم کا مرثیہ ہے لیکن چند شعر میں حالی نے رسول اکرم کے متعلق اپنے قلبی احساسات کی ترجمانی کی ہے وہ یہ ہیں۔

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے　　وہ تیری محبت تری عترت کی ولا ہے

ہر چپقلش دہر مخالف میں ترا نام　　ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے

جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اڑتی　　وہ خاک ہمارے لئے دارو ہے شفا ہے

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرّف　　اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے

جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت　　کعبے سے کشش اسکی ہر اک دل میں سوا ہے

حیرت ہے کہ ناقدین نے حالی کے مندرجہ بالا اشعار کو کیوں نظرانداز کر رکھا حالانکہ انہیں اشعار سے رسول اکرم کے ساتھ حالی کی بے پناہ عقیدت ظاہر ہوتی ہے ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ حالی کے فکر وضمیر اور قلب وذہن پر عظمتِ رسول چھائی ہوئی ہے البتہ جس کے قلم سے ایسے اشعار نکلے ہوں اسی کے قلم سے یہ شعر زیب نہیں دیتا۔

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

نبی اور ایلچی ایک دوسرے کے مرادف نہیں اور یہاں نبی کو ایلچی کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی جب کہ یہاں قافیہ کی بھی تنگی نہ تھی اور یہاں مصرعہ میں بڑی آسانی سے بجائے ایلچی کے نبی کا لفظ لایا جا سکتا ہے۔

حالی نے نعت میں صرف چند اشعار کہے ہیں اور اس کی بنا پر انہیں نعت گو شاعر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ شاید انہیں نعت گوئی کے لئے زیادہ فرصت بھی نہ تھی۔

اگر اردو شاعری میں تمام شعراء کی نعت گوئی کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو امام احمد رضا اس میدان میں بھی درجۂ امامت پر فائز نظر آئیں گے۔ امام احمد رضا اس میدان میں ہر جگہ سراپا عشق و نیاز نظر آتے ہیں۔ ان کی سرمستی میں بھی ہشیاری ہے۔ انہوں نے عشق رسول کے تمام تر آداب قرآن سے سیکھے ہیں جو کبھی جادۂ ادب سے انہیں سرمو منحرف نہیں ہونے دیتے۔ ان کا کلام عشق اور تاثیر میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔

گزشتہ سطور سے یہ بات واضح ہے کہ نعت میں تاثیر کیلئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ شاعر کا قلب عشق رسول سے معمور ہو۔ عشق رسول ہی عشق الٰہی کا ذریعہ ہے عشق رسول کے بغیر طاعت وعبادت میں بھی حلاوت نہیں محسوس ہو سکتی۔ اس کے بغیر بندۂ عشق الٰہی سے بھی محروم رہتا ہے۔ بقول حسرت موہانی

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد میں نخوت کے سوا
شغل بے کار ہیں سب ان کی محبت کے سوا

نعت گوئی میں معبود اور عبد کے فرق کا لحاظ رکھنا ضروری ہے رسول کی خواہ کتنی ہی تعریف وتوصیف کی جائے لیکن اس کا مقام مقام عبدیت ہی ہے رسول اکرم کی عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں اسی لئے آپ کو قرآن میں بھی عبدہ کے خطاب سے نوازا گیا ہے عبدیت کا یہ بلند ترین مقام آپ کو تمام مخلوقات میں افضل ترین اور بے مثل قرار دیتا ہے۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
لیلائ حدوث تو وعذرائ قدم را (عرفی)

لیکن اس مقام عبدیت کے اظہار میں ایک عاشق کیلئے ضروری ہے کہ محبوب کی محبوبیت میں فرق نہ آنے پائے بندہ، بندہ ہی رہے اور دامن ادب بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے ایک سچا عاشق رسول اس جادۂ ادب پر ہمیشہ قائم رہے گا اور جس سے یہ چھوٹا تو یہ نہ صرف اس کے لذت عشق بلکہ ایمان سے بھی محروم ہونے کی دلیل ہے۔ اس نکتہ کو خواجہ حافظ شیرازی نے کتنے لطیف اور شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

صبحدم مرغ سحر باگل نو خاستہ گفت — ناز کم کن کہ دریں باغ بسی چوں تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولی — ہیچ عاشق سخن سخت بمعشوق نگفت[1]

امام احمد رضا کا جذبہ عشق انہیں ادب کے اس اصول سے سرمو منحرف نہیں ہونے دیتا ذیل کے اشعار میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار — روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے
اے شوق دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں — اچھا وہ سجدہ کیجئے سر کو خبر نہ ہو
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے — وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر — جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا — خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں جہاں ذرا سی لغزش یا فروگذاشت سے قلم رسول کے مقام عبدیت سے متجاوز ہو سکتا تھا۔ اس نازک مقام سے گذر جانا امام احمد رضا کے جذبۂ عشق کے ساتھ دینی ذوق وشعور کی دلیل ہے۔ عشق دل کی ایک کیفیت ہے اس کیفیت کو الفاظ کا ایسا جامہ پہنانا کہ اسے قاری یا سامع زیادہ سے زیادہ محسوس کر سکے نہایت مشکل کام ہے اس مشکل سے وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو مہارت فن کے ساتھ ایک سچے عاشق کا دل رکھتا ہو۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ کسی معشوق مجازی کے عشق میں گرفتار ہو کر ایک سنگ دل بھی اس کے تئیں موم ہو جاتا ہے لیکن رسول اکرم کی محبت میں دل گداختہ ہو جانا ایک مرد مومن کی شان ہے عشق کی یہ کیفیت اور مرد مومن کی یہ شان مولانا احمد رضا کی نعتوں سے جس قدر آشکارا نظر آتی ہے اردو شاعری میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے امام احمد رضا کا یہی وہ کمال ہے۔ جس پر اردو نعتیہ شاعری کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ کلام میں اس کیفیت کو محسوس کرنا ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے جسے ہر وہ شخص جو اردو ادب کا ذوق رکھتا ہو یقیناً محسوس کرے گا اور وہ دل جو ذوق کے ساتھ ایمان کی حلاوت بھی رکھتا ہو امام احمد رضا کے اشعار پر لوٹ پوٹ ہو جائے گا۔ آپ کا سارا کلام اس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لیکے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لیکے چلے

ذرّے جھڑ کر تری پیزاروں کے
تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

---

[1] مفہوم یہ ہے کہ صبح کی چڑیا نے گل نورس سے کہا کہ ناز نہ کر تمہارے جیسے بہت سے پھول کھلے اور ختم ہو گئے۔ پھول نے کہا کہ مجھے سچی بات سے تو تکلیف نہیں ہوتی لیکن یہ عاشق کا شیوہ نہیں کہ معشوق سے سختی کے انداز میں بات کہے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

دھوم دیکھی ہے در کعبہ پہ بیتابوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پانی
یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت
جوش رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو

ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارماں
ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو

رقص بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں
دل خونابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

غور سے سن تو رضاؔ کعبے سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو یہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

خوف ہے سمع خراشی سگ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالہ و افغاں ہم کو

شمع طیبہ سے میں پروانہ رہوں کب تک دور
ہاں جلا دے شرر آتش پنہاں ہم کو

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینے کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

اے رضاؔ وصف رخ پاک سنانے کیلئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں
جان مراد و کان تمنا کہوں تجھے

گلزار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں
درمان درد بلبل شیدا کہوں تجھے

صبح وطن پہ شام غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں جان تجلا کہوں تجھے

بے داغ لالہ یا قمر بے کلف کہوں
بے خار گلبن چمن آرا کہوں تجھے

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیع روز جزا کا کہوں تجھے

اس مردہ دل کو مژدہ حیات ابد کا دوں
تاب و توان جان مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیب تناہی[1] سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

امام احمد رضا کے نعتیہ کلام میں اچھی خاصی تعداد ایسے اشعار کی ہے جس میں رنگ تغزل بھی اپنی کیفیت آفرینی کے ساتھ جلوہ دکھاتا ہے۔ اس تغزل میں بھی دامن ادب ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ امام احمد رضا کا دماغ اگر سردبرین سے خراج تحسین وصول کرتا ہے تو ان کے قلب پر باغ ارم کی بہاریں بھی نثار ہیں امام احمد رضا کی یہ نعتیں اپنی شگفتگی اور رعنائی میں اپنی آپ مثال ہیں اور خود کلام ہی آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہے۔ مثلاً

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ و محن پھول

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی
ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول

بو ہو کے نہاں ہو گئے تاب رخ شہ میں
لو بن گئے ہیں اب تو حسینوں کے دہن پھول

ہوں بار گنہ سے نہ خجل دوش عزیزاں
للہ مری نعش کر اے جان چمن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

ترا قد تو نادر دہر ہے، کوئی مثل ہو تو مثال دے
کہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں، کہ چمن میں سرو چماں نہیں

امام احمد رضا کا لکھا ہوا معراج نامہ زبان و بیان کے اعتبار سے اردو زبان میں آپ اپنی مثال ہے۔ اردو میں معراج نامہ لکھنے کا رواج شروع سے رہا ہے لیکن یہ معراج نامہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے منظر نگاری، تغزل، جذبہ کا بہاؤ، حسن کی بارشیں عشق کی وارفتگی زمین سے آسمان تک شادی کی ہلچل اور انوار کا تلاطم، تشبیہات اور استعارے کی کشش، عظمت رسول کا اظہار لفظوں کا انتخاب با محاورہ زبان ہندی لفظوں کا برمحل استعمال، تراکیب کی شگفتگی اور پرشکوہ انداز کے بجائے سادہ اور شیریں زبان و بیان نے پوری نظم کو ایک حسین مرقع میں ڈھال دیا ہے۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے اردو شعراء میں بعض اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کیا تھا اور ان کے تتبع میں انہوں نے اشعار بھی لکھے ہیں۔ غالب کی ایک زمین میں انہوں نے چند نعتیں لکھی ہیں ان نعتوں میں وہی مدھم سوز، ٹھہراؤ اور لہجہ میں متانت ہے جس نے غالب کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ امام احمد رضا کا کلام پڑھ کر یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے شاعری محض اس لئے نہیں کی تاکہ ان پر "نصف عالم" کا الزام نہ لگ سکے اور نہ محض مشق سخن یا تفنن طبع کے طور پر انہوں نے اشعار لکھے ہیں بلکہ شاعری کا ملکہ ان کو قدرت نے پوری طرح ودیعت کیا تھا۔ اور وہ فن شاعری میں فخر خود

---

[1] یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تمام مخلوقات کے حیطۂ ادراک سے باہر ہیں۔

کی پختگی کے حامل تھے۔ یہی نہیں بلکہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا انہوں نے ہر صنف سخن میں داد سخن دی ہے غالب کی زمین میں جو چند نعتیں انھوں نے لکھی ہیں اس سے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمہ رضا کہ یوں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں — دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں — سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
یاد حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم — خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا — جسکو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

یا تو یونہی تڑپ کے جائیں یا وہی دام سے چھڑائیں
منت غیر کیوں اٹھائیں کوئی ترس جتائے کیوں

امام احمد رضا کی قادر الکلامی کا اندازہ وہاں ہوتا ہے جہاں انہوں نے سنگلاخ زمین کو موم اور سخت ردیف کو پانی کیا ہے ایسی ردیفوں سے نعتیہ کلام میں عہدہ برآ ہونا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً

رونق بزم جہاں ہیں عاشقانہ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ — الخ

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں — الخ

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ — الخ

ایک نعت میں قافیہ کی دشواری کے باوجود لہجہ کی متانت اور دھیم سوز دل کی اضطراری کیفیت اور عشق کا والہانہ انداز اور منفرد اسلوب ملاحظہ کیجئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قافیہ خود بخود بندھا چلا آرہا ہے۔

نہ آسمان کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا — حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا — کنار خار مدینہ دمیدہ ہونا تھا
حضور ان کے خلاف ادب تھی بیتابی — مری امید تجھے آرمیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں — دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو — سلام ابروے شہ میں خمیدہ ہونا تھا
ٹپکتا رنگ جنوں عشق شہ میں ہر گل سے — رگ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز — کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

گزرتے جان سے اک شور یا حبیب کیساتھ — فغاں کو نالۂ حلق بریدہ ہونا تھا
رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب
تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہونا تھا

امام احمد رضا نے ایک نعت میں عجیب جدت طرازی کا مظاہرہ کیا ہے اس میں التزام یہ رکھا ہے کہ ہر مصرعہ کے دو ٹکڑے ہوں اور ہر شعر کے چار ٹکڑے ہوں چاروں ٹکڑے چار زبانوں میں ہیں عربی، فارسی اردو اور ہندی۔ مختلف زبانوں کے باوجود بحر کی ترنم ریزی، قافیہ اور ردیف کی کشش جھنکار، ہندی زبان کی آمیزش سے مدھر اور میٹھا لب و لہجہ اور پوری نظم کا صوتی اور معنوی رنگ و آہنگ قابل دید و شنید ہے مختلف زبانوں پر قدرت رکھنے کے ساتھ لفظوں کا انتخاب اور پھر ان مختلف اجزاء کو ایک متناسب اور مترنم سانچے میں ڈھال دینا امام احمد رضا کی ذہنی جودت و جدت کا مظہر ہے۔ اس طرح کی مثال امیر خسرو کے یہاں ملتی ہے لیکن جو التزام امام احمد رضا کی نعت میں ملتا ہے وہ وہاں بھی نہیں ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا — جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوشربا — منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

یا شمس نظرت الیٰ لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا قافلتی زیدی اجلک رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
واھا لسویعات ذہبت آں عہد حضور بارگہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینہ کا جانا
القلب شج والھم شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

امام احمد رضا کی اکثر نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ مثنوی اور رباعیوں کی شکل میں بھی کچھ لکھا ہے رباعی ایک مشکل فن ہے آپ کی چند رباعیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس صنف کی طرف بھی آپ توجہ دیتے تو اردو کے ممتاز رباعی گو شعراء میں آپ کا مقام ہوتا نمونے کے طور پر چند رباعیاں درج ذیل ہیں۔

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں
شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں

حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغان دل زار حدی خواں بس ہے

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے

ہے جلوہ گہ نور الٰہی وہ رو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو

آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حسین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا
غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا

جس سے تجھے نقصان نہیں کر دے معاف
جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولا

نعت کے بعد آپ کے کلام میں منقبت پر اشعار ملتے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مدح میں زیادہ اشعار ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جس میں جوشِ بیان نمایاں ہے۔

رشکِ قمر ہوں رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرہ ترے جوا لے شہِ گردوں جناب ہوں

دُرِ نجف ہوں گوہرِ پاک خوش آب ہوں
یعنی ترابِ رہگذرِ بو تراب ہوں

گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پر آب ہوں
دل ہوں تو برق کا دلِ پر اضطراب ہوں

خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں شہا
رنگِ پریدۂ رخِ گل کا جواب ہوں

عبرت فزا ہے شرم گنہ سے مرا سکوت
گویا لبِ خموشِ لحد کا جواب ہوں

دل بستہ، بیقرار، جگر چاک، اشک بار
غنچہ ہوں، گل ہوں برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں

دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں
دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں

صدقے ہوں اس پہ نار سے دے گا جو مخلصی
بلبل نہیں کہ آتشِ گل پر کباب ہوں

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ہوں

حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ میں اے رضاؔ
ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خوں ناب ہوں

امام احمد رضاؔ کی اردو شاعری کے اس جائزے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شاعری کا پورا ملکہ رکھتے تھے البتہ انھوں نے اپنی اس صلاحیت کو صرف نعت و حمد اور منقبت و مناجات تک محدود رکھا۔ انھوں نے اردو کی نعتیہ شاعری کو ایک مستقل فن بنا دیا اور اس کو وہ دلنواز اور سدا بہار کیفیت عطا کی جو ہمیشہ تسخیر قلب کا کام کرتی رہے گی۔ انھوں نے اپنے قلم گوہر بار سے اردو شاعری کے دامن کو نیا جوہر عطا کیا۔ سادہ زبان، شگفتہ تراکیب، مترنم بحور اور رواں دواں نیز سخت و سنگلاخ زمین میں وہ لطیف جوئہائے شیریں نکالے ہیں جس میں آبِ حیات کا مزہ ہے آج اردو کی نعتیہ شاعری ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور یہ شجر ثمردار پھولتا پھلتا رہے گا لیکن امام احمد رضاؔ کی حیثیت ہمیشہ میر کارواں کی رہے گی کیونکہ درحقیقت وہ اس راہ کے رہبر ہیں۔ میرے پاس حدائق بخشش کا جو نسخہ ہے اس پر سن طباعت نہیں درج ہے اس میں جگہ جگہ مفید حواشی کی وجہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے لیکن کتاب، کتابت طباعت کی غلطیوں سے خالی نہیں ہے ضرورت ہے کہ کامل صحت اور عمدہ طباعت کے ساتھ کتاب شائع کی جائے۔

ارادہ تھا کہ اس مضمون میں امام احمد رضا کے اشعار کی زبان و بیان کی خوبیوں کی وضاحت کی جائے اور اس کے محاسن زبان کا تجزیہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ایک جامع انتخاب بھی پیش کیا جائے لیکن وقت کی کمی اور عدیم الفرصتی اس کام میں مانع ہے۔

یہ بھی خیال تھا کہ امام احمد رضاؔ کی فارسی شاعری پر بھی نا قدانہ بحث کی جائے لیکن ان کا فارسی کا کچھ زیادہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ اردو شاعری پر بھی گزشتہ سطور میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محض حدائق بخشش کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ ان کے جن اور منظوم کلام کا ذکر ملتا ہے وہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکے۔ حدائق بخشش ہی میں تھوڑا سا کلام فارسی زبان میں بھی شامل ہے۔ اگرچہ اس مختصر کلام سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ فارسی زبان میں بھی مشق سخن جاری رکھتے تو آپ فارسی شعرا کی صف میں بھی جگہ پاتے تاہم یہ مختصر سا کلام فارسی شاعری میں آپ کی شخصیت کو متعین کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے اس پر تبصرہ کرنا کچھ زیادہ ضروری نہیں معلوم ہوتا البتہ یہاں بطور نمونہ بعض انتخاب پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے آپ کی فارسی شاعری کے رنگ کا اندازہ ہو سکتا ہے فارسی میں آپ نے ۱۶۱ اشعار کی ایک مثنوی لکھی ہے اس کے آخر میں کچھ اشعار مناجات پر ہیں یہ مناجات حضرت فریدالدین عطار کی اس مناجات کی یاد دلاتی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے

بادشاہا جرم ما را در گذار
ما گنہگاریم و تو آمرزگار

اور روانی میں وہی کیفیت ہے جو مولانا روم کی مثنوی میں جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ امام احمد رضاؔ کی مناجات کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

ای خدا ای مہربان مولای من
ای انیس خلوت تنہای من

ای کریم و کارساز بے نیاز
دائم الاحسان شہ بندہ نواز

ای بیادت نالۂ مرغ سحر
ای کہ ذکرت مرہم زخم جگر

ای کہ نامت راحت جان و دلم
ای کہ فضل تو کفیل مشکلم

ہر دو عالم بندۂ اکرام تو
صد چو جان من فدای نام تو

ما خطا آریم و تو بخشش کنی
نعرۂ انی غفور و میزنی

اللہ اللہ زین طرف جرم و خطا
اللہ اللہ زان طرف رحم و عطا

زہر ما خواہم و تو شکر دہی
خیر را دانیم شر از گمرہی

تو فرستادی بما روشن کتاب
میکنی با ما باحکامت خطاب

از طفیل آن صراط مستقیم
قوت اسلام دہ ای کریم

مہر اسلامی ہزاران فتنہ ہا
یک مرد صد داغ فریاد ای خدا

ای خدا بہر جناب مصطفیٰ
چار یار پاک و آل باصفا

بہر مردانِ رہت ای بی نیاز	مردان در خواب ایشان در نماز
بہر آب گریۂ تر دامنان	بہر شورِ خندۂ طاعت کنان
بہر اشک گرم دوران از نگار	بہر آہ سرد مہجوران زیار
بہر جیب چاک عشق نامراد	بہر خون پاک مردان جہاد
پرکن از مقصد تہی دامان ما	از تو پذرفتن زما کردن دعا
ہیچ می آید ز دستِ عاجزان	جز دعای نیم شب ای مستعان
بلکہ کار تست اجابت ای صمد	وین دعا ہم محض توفیقت بود
ما کہ بودیم و دعای ما چہ بود	فضل تو دل داد ای ربّ ودود
ذرہ ای بر روی خاک افتادہ بود	فضل تو دل داد ای ربّ ودود
تکیہ بر رب کرد عبد ستہان	اوست بس ما را ملاذ و مستعان
کیست مولائی بہ از ربّ جلیل	حسبنا اللّٰہ ربّنا نعم الوکیل

امام احمد رضا کی فارسی کی ایک نعت بھی ملاحظہ ہو۔ زبان کی سادگی و شگفتگی، بیان میں روانی و شیرینی سہل الادا الفاظ کا استعمال اور مشکل تراکیب سے اجتناب اور حسن و عشق کی جلوہ طرازی یہ تمام خوبیاں اس میں مجتمع نظر آتی ہیں۔

زعکست ماہ تابان آفریدند	زبوی تو گلستان آفریدند
دلا ز بہر تو صرف ایما نیاشند	کہ خود بہر تو ایمان آفریدند
صبا را مست از بویت بہر سو	جان افتان و خیزان آفریدند
برای جلوۂ یک گلبن ناز	ہزاران باغ و بستان آفریدند
زلعل نوشخندِ جانفزایت	زلال آب حیوان آفریدند
نہ غیر کبریا جان آفرینی	نہ خود مثل تو جانان آفریدند
پیٔ نظارۂ محبوب لاہوت	جبینت آئینہ سان آفریدند
بنا کردند تا قصر رسالت	ترا شمع شبستان آفریدند
زمہر و چرخ بہر خوان جودت	عجب قرص و نمکدان آفریدند

زحسنت تا بہار تازہ گل کرد
رضایت راغزلخوان آفریدند

آپ نے فارسی میں متعدد رباعیاں لکھی ہیں اور بیشتر حضرت عبدالقادر جیلانی کی مدح میں ہیں کچھ رباعیوں کا انتخاب بھی ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

در حشر گہ جناب عبدالقادر	چون نشر کنی کتاب عبدالقادر
از قادریان مجو جداگانہ حساب	مدّی شمر از حساب عبدالقادر

نمکین گلی از ریاض عبدالقادر	تلوین نمی از حیاض عبدالقادر
نور دل عارفان کہ شب صبح نماست	سطری بود از بیاض عبدالقادر

یارب بجمال نام عبدالقادر	یارب بنوال عام عبدالقادر
منگر بقصور و نقص ما قادریان	بنگر بجمال نام عبدالقادر

خور نور ستد از رہِ عبدالقادر	ہم اذن طلوع از شہ عبدالقادر
ماہ است گدای درِ مہر و این جا	مہر است گدای مہ عبدالقادر

ای قادر وای خدای عبدالقادر	قدرت دہ دستہای عبدالقادر
برعاجزیِ ما نظر رحمت کن	رحم ای قادر برای عبدالقادر

اپنی تمام خاکساری کے باوجود امام احمد رضا کو شاعری میں اپنے فن کی مہارت کا خود احساس تھا اور کوئی بھی ماہر فن اس احساس سے عاری نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اگرچہ اس طرح کے اقوال مذہب شاعری میں جائز ہیں لیکن امام احمد رضا کا قول محض روایتی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔

امام احمد رضا کی

مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر

از:۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی
شعبہ اردو، گورکھپور یونیورسٹی

محترم ڈاکٹر سلام سندیلوی اردو ادب کی قد آور شخصیت ہیں۔ اب تک تقریباً تیس کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ موصوف اردو، فارسی اور ہسٹری میں ایم اے۔ ایل ایل بی، پی، ایچ ڈی، ڈی لٹ اور ساہتیہ سدھاکر ہیں۔ گورکھپور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے لیکچرر ہیں۔ مولانا محمد احمد مصباحی اور سالک گورکھپوری کی گذارش پر موصوف نے یہ مضمون ارسال فرمایا ہم شکریہ کے ساتھ شامل نمبر کر رہے ہیں۔ —————— (ایڈیٹر)

جس طرح زندگی کے ہر شعبہ میں صداقت کی اہمیت ہے۔ اسی طرح شاعری میں بھی صداقت ضروری ہے۔ مگر شاعری میں صداقت کی وہ نوعیت نہیں ہوتی ہے جو سائنس میں ہوتی ہے۔ دراصل سائنس میں سائنسی صداقت SCIENTIFIC TRUTH رونما ہوتی ہے مگر شاعری میں شاعرانہ صداقت (Poetic Truth) جلوہ دکھاتی ہے جب شاعری میں صداقت کے عناصر شامل ہوتے ہیں تو اس میں خلوص اور حقیقت کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک امر غور طلب ہے کہ شاعری میں صداقت کس طرح پیدا کی جائے۔ یہ سوال بہت اہم ہے اور اسی پر صداقت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ واضح طور پر شاعری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خارجی شاعری اور دوسری داخلی شاعری۔ خارجی شاعری میں صداقت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب شاعر خارجی مناظر کا بیان اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر پیش کرتا ہے۔ اور داخلی شاعری میں صداقت اس وقت جلوہ گر ہوتی ہے جب شاعر داخلی جذبات کا اظہار اپنے ذاتی تجربہ کی روشنی میں کرتا ہے۔ اگر خارجی اور داخلی شاعری کا انحصار یعنی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ پر نہیں ہوتا ہے تو ایسی شاعری تاثر سے محروم ہوتی ہے۔ اور وہ قارئین کے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے۔ شاعری میں خلوص اور صداقت کے مسئلہ پر سب سے پہلے افلاطون نے روشنی ڈالی ہے۔ اس کا قول ہے کہ سارے اعلیٰ اور دائمی ادب کی بنیاد خلوص (Sincerity) پر ہوتی ہے۔ کارلائل نے بھی خلوص کو ادب کی روح (Essence) قرار دیا ہے۔ رسکن کا قول ہے کہ ادب میں جدت کسی نئی بات سے نہیں پیدا ہوتی ہے بلکہ اصلیت (Genuineness) سے ظہور پذیر ہوتی ہے غرضیکہ ادب اور شاعری میں خلوص، اصلیت اور صداقت کی بڑی اہمیت ہے۔

جب ہم حضرت امام احمد رضا کی مذہبی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اس میں صداقت کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپ کے کلام میں صداقت کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے۔

۱۔ وراثت ۲۔ ماحول ۳۔ ذاتی مشاہدہ ۴۔ ذاتی تجربہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنیادی طور پر شاعری میں صداقت اور اصلیت مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر تابناکی دکھاتی ہے۔ مگر کسی نہ کسی حد تک یہ عناصر شاعری میں وراثت (Heredity) اور ماحول (Environment) کی بنا پر بھی ابھرتے ہیں۔ اس نکتے سے رابرٹ وڈورتھ (Robert Woodworth) اور ڈونالڈ مارکیوس (Donald Marquis) نے اپنی مشہور تصنیف میں مفصل طور پر بحث کی ہے۔

اگر ہم حضرت امام احمد رضا کی وراثت پر غور کریں اور ان کے خاندانی شجرہ کا مطالعہ کریں تو ہم کو ان کی شاعری میں صداقت کا سبب واضح طور پر نظر آئے گا۔ حضرت امام احمد رضا کا تعلق اعلیٰ نسب سے ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا سعید اللہ خاں کابل کے قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے جو عہد مغلیہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کو مغلیہ حکومت نے جاگیر اور منصب سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد آپ کے بیٹے مولانا سعادت یار خاں کو روہیل کھنڈ کا گورنر بنایا گیا مگر عہدہ قبول کرنے سے قبل ہی آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے بیٹے محمد اعظم خاں نے بریلی میں قیام کیا آپ کے سپرد عہدۂ وزارت کیا گیا۔ آپ کچھ عرصہ تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے مگر بعد میں آپ تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ کے بیٹے مولانا کاظم علی خاں

ہر براؤں کے تحصیلدار تھے۔ اس کے باوجود آپ عبادت و ریاضت سے غافل نہیں رہے۔ تحصیلدار صاحب کے بیٹے مولانا شاہ رضا علی خاں اپنے وقت کے زبردست عالم اور پاک باطن صوفی تھے۔ شاہ رضا علی خاں کے بیٹے شاہ نقی علی خاں بھی ایک کامل درویش تھے۔ آپ ہی کے بیٹے حضرت امام احمد رضا صاحب ہیں جن کی ولادت بریلی میں ۱۴ جون ۱۸۵۶ء میں ہوئی۔ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا خاندانی شجرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو عظمت، تقدس اور تصوف بطور وراثت ملا تھا۔ یہی عناصر آپ کی شاعری میں بھی منتقل ہو گئے ہیں۔

وراثت کے علاوہ حضرت امام احمد رضا پر آپ کے ماحول کا بھی اثر پڑا۔ آپ نے اپنے وقت کے بزرگان دین سے کسب علم کیا۔ چنانچہ آپ نے مرزا غلام قادر بیگ، مولانا سید آل رسول، مولانا سید ابوالحسین نوری مارہروی اور علامہ عبدالعلی وغیرہ سے علوم دینی و باطنی حاصل کئے۔ چونکہ آپ کو بچپن ہی میں اعلیٰ علمی اور ادبی ماحول مل گیا تھا۔ اسی لئے اس ماحول نے آپ کے کردار کی تشکیل میں بہت مدد کی۔ آپ کے ماحول نے آپ کو ایک مذہبی انسان بنا دیا۔ آپ نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ رسول اکرم اور صحابۂ کرام کی پیروی کی۔ آپ حج کی برکت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ چنانچہ آپ پہلی بار ۱۸۷۸ء میں حج کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کی۔ اس طرح آپ نے خود اپنی آنکھوں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مناظر دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعت میں ان شہروں کے مناظر کا جو ذکر ملتا ہے۔ وہ عینی ہے قیاسی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ اپنی نعت میں جس خلوص اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں یہ فرضی نہیں ہے بلکہ اصلی ہے کیونکہ زیارت حرمین نے آپ کے دل میں ولائے محمد کی چاندنی پھیلا دی۔ انہیں اسباب کی بنا پر آپ کی شاعری میں صداقت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ بہار چمنستان عرب
پاک ہیں لوث خزاں سے گل و ریحان عرب
جوشش ابر سے خون گل فردوس گرے
چھیڑ دے رگ کو اگر خار بیابان عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہراک گوشۂ کنعان عرب

ان اشعار میں حضرت امام احمد رضا نے عرب کے چمنستان کی بہار، عرب کے گل و ریحان، عرب کے بیابان کے خار اور عرب کے کوچوں کا ذکر کیا ہے مگر یہ ذکر رسمی اور قیاسی نہیں ہے بلکہ اس ذکر میں صداقت کا اجالا موجود ہے کیونکہ حضرت امام احمد رضا صاحب نے عرب کے ان مناظر کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔

حضرت امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے۔

نظارہ خاک مدینہ کا اور تیری آنکھ
نہ اسقدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں
دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
پناہ دامن دشت حرم میں چین آتا
نہ صبر دل کو غزال رمیدہ ہونا تھا

ان اشعار میں خاک مدینہ اور دشت حرم کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ حضرت امام صاحب خاک مدینہ اور دشت حرم کا بذات خود نظارہ کر چکے ہیں اسلئے وہ ان کی عظمت اور لطافت سے واقف ہیں۔ اسی لئے وہ دل حزیں کو تلقین کرتے ہیں کہ اس کو خاک مدینہ میں اشک بن کر ٹپکنا تھا اور غزال رمیدہ کو ہدایت کرتے ہیں کہ اس کو دامن دشت حرم میں چوکڑیاں بھرنا تھا۔ ان اشعار میں حضرت امام احمد رضا صاحب کا مشاہدہ جلوہ گر ہے۔

حضرت امام احمد رضا نے اپنی نعت میں خلوص کی مہک بھر دی ہے یہ خلوص ان کے ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنے ہر نفس میں بوئے محمد کو محسوس کیا ہے اور اس کی موجیں ہم کو ان کی شاعری میں رقصاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

زہے عزت و اعتلائے محمد ۔ کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد
مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا ۔ ملک خادمان سرائے محمد
بسی عطر محبوبئ کبریا سے ۔ عبائے محمد، قبائے محمد
دم نزع جاری ہو میری زباں پر ۔ محمد محمد خدائے محمد

ان اشعار میں تصنع اور آورد نہیں ہے بلکہ یہ اشعار شاعر کے دل کی گہرائی سے ابھرے ہیں اور صفحہ قرطاس پر موتی کی لڑیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔
ایک نعت کے چند اور اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
سر ناز قدم مغز راز حکم
یکہ تاز فضیلت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ لاکھوں درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

ان سارے اشعار میں خلوص و عقیدت کی مہک عود و عنبر کی خوشبو موجود ہے جن سے ہماری روح وجد میں آجاتی ہے۔ یہ اشعار رسمی طور پر

گئے ہیں بلکہ ان کی فضا میں اصلیت اور حقیقت کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔

جب حضرت امام احمد رضا نے ۱۲۹۵ھ میں مدینہ منورہ کے سفر کی تیاری کی اس وقت آپ کا دل جوشِ عقیدت سے امنڈ آیا اور آپ نے مندرجہ ذیل اشعار نظم کیے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضا دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبا دیکھو

رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت
اب مدینہ کو چلو صبحِ دل آرا دیکھو

دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بے تابوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ
قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوا دیکھو

ایمنِ طور کا تھا رکنِ یمانی میں فروغ
شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو

جب حضرت امام احمد رضا صاحب ۱۲۹۵ھ میں حج کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے تو ارضِ مقدس کے فراق میں آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ جس کا اظہار آپ نے ایک غزل کی صورت میں کیا ہے۔

خراب حال کیا دل کو پُر ملال کیا
تمہارے کوچے سے رخصت نے کیا نہال کیا

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لاکے قفس میں شکستہ بال کیا

نہ گھر کا رکھا نہ اس در کا ہائے ناکامی
ہماری بے بسی پر بھی نہ کچھ خیال کیا

مدینہ چھوڑ کے ویرانہ ہند کا چھایا
یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا

حضرت امام احمد رضا کو حضرت رسول اکرم کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بھی زبردست عقیدت تھی۔ اس لئے آپ نے ان کی شان میں ایک منقبت لکھی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

السلام اے احمدت صہر و برادر آمدہ
حمزہ سردار شہیداں، عم اکبر آمدہ

نرم نرم از بزم دامن چیدہ رفتہ باد شد
یا علی چوں بر زبان شمع مضطر آمدہ

من ز حق می خواہم اے خورشید حق آں پرتو
کز صبا نش عالم ایماں منور آمدہ

حضرت امام احمد رضا نے سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بھی آنسو بہائے ہیں۔ ان آنسوؤں میں خون کی سرخی ملاحظہ فرمائیے۔

یا شہید کربلا یا دافع کرب و بلا
گل رخا شہزادۂ گلگوں قبا امداد کن

اے حسین اے مصطفےٰ را راحت جاں نور عین
راحت جاں نور عینم وہ بیا امداد کن

اے تن تو گہ سوار شہسوار عرش تاز
گر چناں پامال خیل اشقیا امداد کن

غرضیکہ حضرت امام احمد رضا صاحب کو رسول اکرم اور اہل بیت سے بے حد عقیدت تھی۔ آپ کی عقیدت کی جھلک آپ کے اشعار میں موجود ہے آپ کا دل ایک آئینہ ہے جس میں ان بزرگان دین کا عکس موجود ہے۔ اور وہی عکس صفحہ قرطاس پر رقصاں ہے۔

حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی ایک اعلیٰ پایہ کے ولی گذرے ہیں جن کے معتقدین کی تعداد اسلامی ممالک کے ہر گوشہ میں بے شمار ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی آپ کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین سید شاہ آل رسول کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے تھا اور حضرت امام احمد رضا کے والد صاحب حضرت مولانا نقی علی نے سید شاہ آل رسول کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس طرح حضرت امام احمد رضا کا تعلق بھی سلسلۂ قادریہ سے ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت غوث الاعظم کی تعریف میں بھی کافی تعداد میں اشعار لکھے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے چشما تیرا

عرض احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب مگر
آنکھیں اے ابر کرم تکتی ہیں رستا تیرا

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

حضرت عبد القادر جیلانی کی شان میں چند مزید اشعار ملاحظہ فرمائیے

بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبد القادر
سرِ باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبد القادر

مفتیٔ شرع بھی ہے قاضیٔ ملت بھی ہے
علم اسرار سے ماہر بھی ہے عبد القادر

قطب و ابدال بھی ہے محور ارشاد بھی ہے
مرکز دائرہ سر بھی ہے عبد القادر

حضرت امام احمد رضا صاحب کو اپنے استاد مولانا سید ابوالحسین نوری مارہروی سے بھی عقیدت تھی جن سے آپ نے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے تھے۔ جب مولانا نوری صاحب کی مسند نشینی کا موقع آیا، اس وقت آپ نے ان کی شان میں ایک منقبت لکھی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھ رفعت بام ابوالحسین

وارستہ پائے بستۂ دام ابوالحسین
آزاد نار سے ہے غلام ابوالحسین

میلا نگ ہے شان سیما کی دید ہے
مرتے جلار ہا ہے خرام ابوالحسین

ذرہ کو مہر قطرہ کو دریا کرے ابھی
گر جوش زن ہو بخشش عام ابوالحسین

ان اشعار میں بھی خلوص کی گہرائیاں موجود ہیں۔ حضرت امام احمد رضا کی شاعری کے مطالعہ کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شاعری تصنع اور آورد سے پاک ہے اور اس میں حقیقی جذبات جلوہ افگن ہیں۔ دراصل اردو شاعری کا بیشتر حصہ رسمی اور روایتی ہے۔ مثلاً بہت سے شعرا نے واقعی کسی محبوبہ سے عشق نہیں کیا ہے مگر وہ فراق یار میں گریہ وزاری کرتے ہیں۔ امیر مینائی جیسے مقدس شاعر رسمی عشق کا مظاہرہ کرتے ہیں اور داغ کی سطح پر آجاتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے اردو شعرا نے گلگلوں کو منہ سے نہیں لگایا ہے مگر انہوں نے کافی تعداد میں خمریہ اشعار کہے ہیں۔ چنانچہ ریاض خیر آبادی کی ساری شاعری قیاسی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے کبھی شراب نہیں پی ہے لیکن مے نوشی پر سیکڑوں اشعار کہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے شعرا نے راہ تصوف کی ایک منزل بھی طے نہیں کی ہے مگر صوفیانہ اشعار کی تخلیق کی ہے۔ مثال کے لئے غالب ہی کو لے لیجئے غالب شراب بھی پیتے تھے، جوا بھی کھیلتے تھے۔ اور قمار بازی کی بنا پر جیل بھی جاتے تھے پھر بھی انہوں نے صوفیانہ اشعار کہے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ تر اردو شعرا کی شخصیت اور شاعری میں تفاوت نظر آتا ہے مگر جہاں تک حضرت امام احمد رضا صاحب کی شاعری کا تعلق ہے وہ رسمی اور روایتی نہیں ہے آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ تھا۔ آپ کو بزرگان دین سے عقیدت تھی، آپ حب رسول میں غرق تھے۔ اسلئے آپ کی مذہبی شاعری میں صداقت موجود ہے۔ آپ کی شخصیت اور شاعری میں فاصلہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی شخصیت آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری آپ کی شخصیت ہے شخصیت اور شاعری میں اس قدر

گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعرا کے یہاں ملے گی۔ آپ کے کلام کے تین مجموعے "حدائق بخشش" کے نام شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعے واقعی بخشش کے باغات ہیں جن میں علم وادب، معرفت وحقیقت اور لطافت و نزاکت کے پھول کھلے ہوئے ہیں جو ہماری روح کو معطر کرتے ہیں۔

امام احمد رضا کی

مذہبی شاعری

ڈاکٹر امانت ایم اے، پی ایچ ڈی
(صدر شعبہ اردو و فارسی واڈیا کالج پونہ)

یہ امر باعثِ حیرت و افسوس ہے کہ اردو ادب کی تاریخ کے مرتبین نے ان بزرگ شخصیتوں کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کر دیا ہے جنھوں نے مذہبیات یا کسی اور علم و فن میں مہارت تامہ حاصل کر کے شہرت دوام پائی۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ عمر خیّام صحیح معنوں میں ایک فلسفی اور ماہر ریاضی تھا لیکن اس کی صرف چند سو رباعیات نے اسے بحیثیت شاعری شہرتِ دوام بخشی اور اس کے فلسفہ و ریاضی کی صلاحیت و کمال کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ ذاکر حسین، غلام السیدین، اوپندر ناتھ اشک اور ساغر نظامی جیسی ادبی شخصیتوں کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر اعجاز حسین کی مختصر تاریخ ادب ہی لیجئے جسمیں مذکورہ حضرات کے تذکرے شامل ہی نہیں کئے گئے۔ یہی سلوک کچھ مجدد اسلام حضرت امام احمد رضا کے ساتھ بھی روا رکھا گیا۔ آپ کی مذہبی خدمات کے پیشِ نظر آپ کی نعتیہ شاعری کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ آپ کے نعتیہ کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن کا لب و لہجہ متغزلانہ ہے اور جو بہترین فکر پارے کہلائے جا سکتے ہیں۔

عمر خیّام کی رباعیات کی طرح انیسؔ و دبیرؔ کی مرثیہ نگاری اپنا لوہا منوا کر رہی، ورنہ مذہبی شاعری خصوصاً نعت گوئی پر ایک مستقل صنفِ ادب کے اعتبار سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے "لکھنؤ کا دبستان شاعری" میں محسنؔ کاکوروی کو بحیثیتِ نعت گو روشناس کرایا ہے۔ موصوف نے ضمناً شمالی ہند کے چند نعت گو شعراء کا بھی سرسری طور پر ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر سید رفیع الدین قادری نے نعت گوئی پر پی ایچ ڈی کا باقاعدہ تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کیا ہے۔ اردو ادب میں امیر مینائی، محسنؔ کاکوروی اور مہاراجہ سر کشن پرشاد شادؔ مشہور نعت گو ہیں۔ نعت گوئی ایک مشکل موضوع ہے جس سے عہدہ برآ ہونا آسان بات نہیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث فرماتے ہیں: "نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں، اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیئے کہ وہ اور کامیابی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے"[1]

اور سید رفیع الدین قادری صاحب رقمطراز ہیں کہ: "موضوع کا احترام شاعر کو مجبور کرتا ہے کہ وہ نپے تلے الفاظ، حسن خطاب اور حسنِ بیان کے ساتھ عقیدے کی تفصیلات اور باریکیوں کو صحت کے ساتھ لیکر چلے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ کرے کہ تخیل کی پرواز کہیں ان مقامات تک نہ پہنچا دے جن سے صادق البیانی پر حرف آئے اور نتیجۃً نعت نعت نہ رہے"..... فضائل نبوی کے بیان میں شاعر زمین سے پرواز کر کے افلاک کی سیر کرتا ہے۔ وہ ستاروں سے آگے گزر کر مقام مصطفائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہانتک کہ تمام افلاک اس کے تخیل کی زد میں آجاتے ہیں اور اب وہ اپنے ممدوح کو عرش و کرسی پر جلوہ فرما پاتا ہے۔ اس لحاظ سے نعت گو شاعر کو طبع آزمائی کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نقاد کی دسترس سے بھی باہر رہتا ہے اور اپنے معتقدات کو سپر بناتے ہوئے ہر تنقید سے کامیاب گزر جاتا ہے[2]"

صفاتِ محمدی کو سمجھ کر رسولِ پاک کے مرتبے کے ذکر کے لئے علمیت و بصیرت کے علاوہ شاعرانہ صلاحیت بھی درکار ہوتی ہے۔ یہ ایسی صفات ہیں جو آسانی سے یکجا جمع نہیں ہوتیں۔

نعت رسول اسلامی شاعری کے مقدمات میں شامل ہے[3] دربار رسول کے اولین نعت گو حضرتِ حسّان تھے۔ انھوں نے محض اپنے آقائے نامدار کی مدح نہیں کی بلکہ اپنی صداقت اور حقیقت شناس نظروں سے کام لیتے ہوئے رسول پاک کے مخالفین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا۔ حضرت حسّان کا کلام خلقِ نبی کا آئینہ دار ہے انھوں نے دراصل تعلیمات نبوی کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اس طرح آنحضرت سے اپنے

---

[1] لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۴۹۷
[2] نوائے ادب (سہ ماہی) بمبئی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۵ء ص ۲۲ - ۲۱
[3] ایضاً ص ۲۳

خلوص و عقیدت کا ثبوت بہم پہنچا ہے۔ حضرت حسان کی زبان نے درحقیقت وہ کام کیا جو بڑے بڑے سحر البیان خطیبوں سے ممکن نہ تھا۔

عربی اور فارسی زبانوں کے شعری سرمائے میں نعت گوئی کا فقدان نہیں ہے غزل گو شعراء نے عموماً اپنے دیوان اور کلیات کا آغاز بالترتیب حمد، نعت اور منقبت سے کیا ہے مگر یہ تمام تر ایک رسمی چیز تھی۔ اس لئے کہ ہندوستان کے غیر مسلم شعراء کے کلام میں بھی حمد و نعت اور منقبت کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے نعت گو وہ شعراء ہیں جنھیں زعم سخندانی نہ تھا بلکہ انھوں نے محض رسول کریم سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت اور شیفتگی کی بنا پر نعت گوئی اختیار کی تھی۔ اردو ادب میں ایسے مسلم شعراء کی کافی تعداد موجود ہے۔ ان کی نعتیں رسمی اور اعتقادی نعت گوئی کی مثالیں ہیں۔

حضرت مجدد اسلام انہی شعراء کے حلقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

نہ مرا نوش ز تحسیں، نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وی
جز من و چند کتابی و دوات و قلمی

(ترجمہ: مجھے نہ تو تحسین و آفرین ہی بطور نوش گوارا ہے اور نہ طعن و طنز میرے حق میں نیش ہیں۔ میں نہ تو اپنی مدح کی پروا کرتا ہوں اور نہ اپنی برائی پر کان دھرتا ہوں میں ہوں اور میرا گوشہ تنہائی جس میں چند کتابیں، قلم دوات اور میری ذات کے سواء اور کوئی نہیں۔) عجز و خاکساری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔؟

مذکورۂ بالا قطعہ بیساختہ حافظ شیرازی کے اُس مشہور شعر کی یاد دلاتا ہے جس میں حافظ نے اپنے پُر آشوب زمانے کی طرف لطیف اشارہ کرتے ہوئے اپنے مسلک رندانہ کا اظہار کیا ہے ؎

درین زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل است
صراحیٔ مے ناب و سفینۂ غزل است

مجدد اسلام اپنے مسلک شاعرانہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو
ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کے خلاف
لوزینہ میں سیر نہ بھایا مجھ کو

صحیفۂ آسمانی آپ کو درس نعت گوئی دیتا ہے ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

نعت گو شعراء نے جس زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اس کا نمونہ زندگی کے گوناگوں مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبال کی مقصدی شاعری رفعت محمدی کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اقبال کا مرد خودی، مرد کامل، مرد مومن، مرد قلندر عشق، عقل اور حکمت، سب کچھ اس ایک زندگی کی ترجمانی ہے۔ اقبال کی شاعری دراصل رسول کریم کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے جو منطقی، حکیمانہ، ادیبانہ اور شعری دلآویزیوں کے ساتھ نغمۂ حیات بن کر زندگی کا پیام پہنچا رہی ہے ۱؎ یہ قول بڑی حد تک مجدد اسلام کی نعتیہ شاعری پر بھی صادق آتا ہے۔

آپ کا شمار ان بزرگ و برتر ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے قلوب عشق الٰہی و محبت رسول سے لبریز و سرشار ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ" اور دوسرے پر "محمد رسول اللہ" (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوگا" ۲؎

آپ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم کے عشق و محبت میں بسر ہوتا رہا۔ آپ شریعت کے امام و مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت کے بادشاہ بھی تھے۔

محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک تو براہ راست محبوب کی مدح سرائی، دوسرے محبوب کے محبوب کی تعریف و توصیف اور تیسرے محبوب کے بدخواہوں اور دشمنوں کی مذمت ۳؎۔ آپ نے اپنے عشق و محبت اور احترام در رضائے محبوب کی خاطر تینوں طریقے اختیار کئے۔ آپ کی تمنا آپ کے لبوں پر یوں دعا بن کر آتی ہے کہ "اے رب العزت! مجھے کم از کم اپنے محبوب کی مدح کرنے والوں کے دربار کا سگ ہی بنا دے۔ یہی میرے لئے بڑی دولت ہے۔"

؎ کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

آپ رشک عنادل شاعر و فصیح بے مثال ہیں پھر بھی سراپا عجز و انکسار ہیں اور اپنی ہیچمدانی کا اعتراف کس حسن و خوبی کے ساتھ کرتے ہیں ؎

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں
شاعر ہوں، فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

جدید اردو شاعری میں نعتیہ کلام کا جو انداز ہے وہ موجودہ زمانے کے مزاج اور تقاضے کا آئینہ دار ہے۔ مسلمانوں کی اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی زبوں حالی

۱؎ نوائے ادب سہ ماہی بمبئی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۵ء ص ۲۸
۲؎ ۳؎ مجدد اسلام ص ۳۹-۳۸

اس کی محرک ثابت ہوئی۔ مولانا حالی اور شبلی کا دور اردو شاعری کا اصلاحی دور کہلاتا ہے۔ اس کے اثرات سے نعتیہ شاعری کیونکر محفوظ رہتی؟ ان دونوں حضرات نے نعتیہ شاعری کی مقصدی مگر مصنوعی و غیر حقیقی روش ترک کر کے جدت طرازی سے کام لیا اور ایک ایسی راہ نکالی جس سے اصلاح قوم کا سامان فراہم ہو گیا۔ مجدد اسلام کی نعتیہ شاعری کے محرک بھی یہی اسباب تھے جنہیں آپ "ضعف اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "مثنوی ردِ امثالہ" میں فرماتے ہیں:-

گریہ کن بلبلا! از رنج و غم
چاک کن اے گل! گریباں از الم
سنبلا! از سینہ برکش آہِ سرد
اے قمر! از فرطِ غم شو روئے زرد
ہاں صنوبر! برخیز و فریادی بکن
طوطیا! جز نالہ ترک ہر سخن
چہرہ برخ از اشکِ خونیں ہر کلیست
خون شو اے غنچہ! ارماں خندہ نیست
پارہ شو اے سینہ ہم ہمچو من
داغ شو اے لالۂ خونیں کفن!
خرمنِ عیشت بسوز اے برقِ تیز!
اے زمیں! برفرقِ خود خاکی بریز
آفتابا! آتشِ غم برفروز
شب رسید اے شمعِ روشن! خوش بسوز
ہمچو ابر اے بحر! در گریہ بجوش
آسمانا! جامۂ ماتم بپوش
خشک شو اے قلزم! از فرطِ بکا
جوش زن اے چشمۂ چشمِ ذکا
کن ظہور اے مہدیِ عالی جناب!
بر زمیں آ عیسیِ گردوں آفتاب
آہ آہ از ضعفِ اسلام، آہ آہ
آہ آہ از نفسِ خودکام آہ آہ
مردماں شہوت را دیں ساختند
صد ہزاراں رخنہا انداختند[1]

اور اپنے "غزل خواں" ہونے کا جواز یوں پیش کرتے ہیں ؎

زحسنت تا بہارِ تازہ گل کرد
رضایت را غزلخواں آفریدند

(آپ کے حسن و جمال سے اس دنیا میں ایک بہارِ تازہ نمودار ہوئی اس لئے آپ کے رضا کو غزلخواں بنا کر یہاں بھیجا گیا۔

عشقِ رسول میں رضا اتنے مست و سرشار ہیں کہ آپ کی غزل بڑھ کر "قصیدۂ نور" میں تبدیل ہو جاتی ہے ؎

اے رضا! یہ احمد نوری کا فیضِ نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

رضا اپنے سر پر غرور کو یوں نیچا دکھاتے ہیں ؎

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے؟
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

آپ کے نعتیہ سلام کا ایک ایک لفظ کیف و مستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ زبان نہایت صاف شستہ رواں اور سلیس ہے۔ قصیدۂ معراجیہ کی زبان تو کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
خوشی کے بادل امڈ کے آئے، دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے
دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں، وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں، دھار لچکا، حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے
پرانا پُر داغ ملگجا تھا، اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجومِ تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے
تجلیِ حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے
براق کے نقشِ سم کے صدقے، وہ گل کھلائے کہ سارے رستے

[1] حدائقِ بخشش (حصہ دوم) ص ۶۷

مہکتے گلبن، مہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی، امید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

خرد سے کہدو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

ادھر سے پیہم تقاضے آنا، ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا، کیسے قافیے تھے

قصیدۂ معراجیہ کل ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ ہر شعر فصیح و بلیغ، مترنّم اور وجد آفریں ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بس پڑھتے رہیں اور سر دھنتے رہیں۔

حضرت رضا نعت گوئی کے لئے حضرتِ حسان کی تقلید ہی کو اپنے لئے سرمایۂ صد افتخار سمجھتے ہیں ؎

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار، حُدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حسان بس ہے

نادر تشبیہات و استعارات، سہل ممتنع، محاکات، دلکش منظر نگاری اور متغزّلانہ رنگ و اندازِ بیان دیکھنا ہو تو درجِ ذیل انتخابِ کلام پڑھئے اور دادِ سخن دیجئے۔

ہے جلوہ گرِ نورِ الٰہی وہ رُو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اُس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصّے کئے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

کیا بات رضاؔ اُس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

نیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ
صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں، مرغِ سلیمانِ عرب

دل بستہ، بیقرار، جگر چاک، اشکبار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں

نفس یہ کوئی چال ہے ظالم
جیسے خاصے بجار پھرتے ہیں

دلِ اعدا کو رضاؔ تیز نمک کی دُھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

ہر چراغِ مزار پر قُدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں، چار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

دل کو اُن سے خدا جُدا نہ کرے
بیکسی لوٹ لے، خدا نہ کرے

ہم خاک میں مل چکے ہیں کب کے
نکلا نہ غبار تیرے جی سے

پر کٹے، تنگ قفس اور بلبل
نو گرفتار ہے کیا ہوتا ہے

کام زنداں کے کئے اور ہمیں
شوقِ گلزار ہے کیا ہوتا ہے

دُور جانا ہے، رہا دن تھوڑا

راہ دشوار ہے کیا ہونا ہے
جان ہلکان ہوئی جاتی ہے
بار سا بار ہے کیا ہونا ہے
روشنی کی ہیں عادت اور گھر
تیرہ و تار ہے کیا ہونا ہے

٭

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا ہوتے نہیں ہشیار ہم
دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم!
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم
فصلِ گل، سبزہ، صبا، مستی، شباب
چھوڑیں کس دل سے درِ خمّار ہم
میکدہ چھٹتا ہے للہ ساقیا
اب کی ساغر سے نہ ہوں ہشیار ہم

ہائے رے ذوقِ بیخودی، دل جو سنبھلنے سا لگا
چھک کے مہک میں پھول کی گرنے لگی صبا کہ یوں
جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لائے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
ہم تو ہیں آپ دلفگار، غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نو بہار خوں ہمیں رلائے کیوں
ہو نہ ہو آج کچھ مرا ذکر حضور میں ہوا
ورنہ مری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائے کیوں

دیدِ گل اور بھی کرتی ہے قیامت دل پر
ہم صفیرو! ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو

کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

٭

جب گرے، منہ سوئے میخانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے
گے کہاں اور کہاں ہیں زاہد!
یوں بھی چھکتے ہیں، چھکنے والے

کیوں رضا آج گلی سونی ہے؟
اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونیوالو جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھیں ملنا، جھنجھلا پڑنا، لاکھوں جمائی، انگڑائی
نام پر اُٹھنے کے لڑتا ہے، اٹھنا بھی کچھ گالی ہے
وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنّت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

دشتِ حرم میں رہنے دے صیّاد اگر تجھے
مٹی عزیزِ بلبلِ بے بال و پر کی ہے
لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق، طبع، لذتِ سوزِ جگر کی ہے

آنکھ محوِ جلوۂ دیدار، دل پُر جوشِ وجد
لب پہ شکرِ بخششِ ساقی، پیالی ہاتھ میں
ہے انھیں کے دم قدم کی باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب — نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کر کے حیرت کا
یہاں چھڑکا نمکداں، مرہم کافور ہاتھ آیا — دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا
نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی — چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

یارب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ
ہر مہ مہِ بہار ہو، ہر سال سالِ گل

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

غمِ تو اُن کو بھول کر لپٹا ہے یوں
جیسے اپنا کام ہو ہی جائے گا

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہِ حبیب
تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

ہے بلبلِ رنگیں رضا یا طوطیِ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے ترا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

امام احمد رضا اور نعتِ رسول

عظیم الحق جنیدی، ایم اے (علیگ) ریٹائرڈ پرنسپل سٹی ہائی اسکول
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

محترم جنیدی صاحب بچھراؤں ضلع مرادآباد کے علمی و روحانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ مکتب و مدرسہ کی تعلیم کے بعد کانپور اور علی گڈھ میں تعلیم حاصل کر کے محکمۂ تعلیمات اتر پردیش سے ۲۳ سال منسلک رہے اس کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی کے ہائی اسکولوں میں ۱۳ سال پرنسپل رہ کر ۱۹۸۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ اردو و انگریزی میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ہم موصوف کا مختصر مگر گرانقدر مقالہ شکریہ کے ساتھ شاملِ امام احمد رضا نمبر کر رہے ہیں ——————— اڈیٹر

اسلام معتقدات کے ایسے مجموعے کا نام نہیں جس پر یقین کر لینے کے بعد نجات کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور نہ صرف یہ کافی ہے کہ ارکان اسلام پر دل سے یقین کرنے کے بعد ان کا زبان سے بھی اعلان کر دیا جائے۔ بلکہ حقیقت میں اسلام ایک ایسا مکمل نظام معاشرت ہے جو ابد تک جاری و ساری رہے گا۔ گویا صحیح مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسانی زندگی اسلامی نظام معاشرت کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مسلمان کی دینی اور دنیوی زندگی کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہے اس کی دنیوی زندگی کو دینی زندگی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیوی زندگی عملی پہلو ہے اس کی دینی زندگی کا۔

اس اساسی حقیقت کو واضح کرنے کے بعد ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ مسلمان ایک کامیاب زندگی کس طرح گزار سکتا ہے۔ خداوند عالم کا حکم ہے اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی۔ اللہ کے احکام کی صحیح معنوں میں پیروی اس وقت تک ممکن نہیں جبتک کہ رسول اسلام کی پیروی نہ کی جائے۔ اسی حقیقت کو اقبال نے شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے

به مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اب یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ بغیر اتباع رسول اکرم کے انسانی زندگی درجۂ کمال حاصل نہیں کر سکتی اور صحیح اتباع اس ذات سے جس کی پیروی مقصود ہے نسبت پیدا کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نسبت اور اس نسبت کے سبب اتباع کا جذبۂ شدید صرف والہانہ عشق سے پیدا ہو سکتا ہے۔ حقیقی مسلمان وہی ہے جو رسول اکرم سے والہانہ عشق رکھتا ہو اور اس کے قلب کی ہر دھڑکن سے یا محمد کی صدا آتی ہو اور سنت رسول کی پیروی فطرت ثانیہ بن گئی ہو۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو انسانی زندگی کا ہر لمحہ یاد رسول کیلئے وقف ہوتا ہے اور جب یہ جذبہ شدت اختیار کر لیتا ہے تو اس کی زبان سے سوائے محبوب کی یاد و نعت کے کچھ اور نہیں ادا ہوتا۔ بالکل یہی کیفیت امام احمد رضا صاحب کی تھی کہ وہ عشق رسول میں اپنی ہستی کو اس طرح گم کر چکے تھے کہ کوتاہ بینوں کو ایک عاشق صادق کے والہانہ عشق کا اظہار بھی اپنی کج فہمی سے حدود شرع سے متجاوز نظر آیا حالانکہ وہ یہ بھول گئے کہ مقام عشق پر فائز ہونے کے بعد غیر محبوب کا تصور ہی باقی نہیں رہتا

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری میرے اس دعویٰ کی روشن اور واضح دلیل ہے فرماتے ہیں۔

ان کے نثار، کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیتے ہیں۔

عاشقانہ زندگی میں تین کیفیتیں گزرتی ہیں۔ ایک فراق اور اشتیاق وصل، دوسرے وصل اور تیسرے بقول حسرت موہانی کے، ان سے تو مل کر اور بھی بڑھ گئیں بے تابیاں۔

امام احمد رضا ایک عاشق صادق کی طرح ان تینوں مقامات سے گزرے ہیں اور ان مقامات کی جو کیفیات انھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں بیان فرمائی ہیں۔ ان سے ان کے جذبۂ صادق اور عشق محکم کا پتہ چلتا ہے وہ عام اصطلاح کے مطابق شاعر نہیں۔ ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبول سرکار ہے تمنا۔ نہ شاعری کی ہوس نہ پروائے ردیف تھی۔ کیسے قافیے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تمام شاعرانہ خوبیاں ان کے نعتیہ کلام میں پائی جاتی ہیں۔ بیان کی سلاست، جذبات کی شدت و صداقت، زبان کی شیرینی اور ان سب سے بالاتر حسن بیان، ان سب نے مل کر کلام کو کلام الملوک، ملوک الکلام بنا دیا ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیں اقتباسات۔

۱۔ غم ہو گئے بے شمار آقا — بندہ ترے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا — آقا! آقا! سنوار آقا
مجھ سا کوئی غم زدہ نہ ہوگا — تم سا نہیں غم گسار آقا
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی — ڈوبا، ڈوبا، اتار آقا

۲۔ جان ہے عشق مصطفےٰ، روز افزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو،
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت
اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابر رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو،
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

اور پھر آستانۂ محبوب دوعالم پر حاضر ہو کر کس جوش وخروش، عقیدت عجز و نیاز کے ساتھ سلام پیش کرتے ہیں۔

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریار ارم تاجدار حرم
نوبہار شریعت پہ لاکھوں سلام
مہر چرخ نبوت پہ روشن درود
گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

ہم تو ہیں آپ دل فگار غم میں ہنسی ہے ناگوار،
چھیڑکے گل کو نوبہار خون ہمیں رلائے کیوں
سنگ در حضور سے ہم کو خدا صبر نہ دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

یہ وہ واردات ہیں جو ایک عاشق، ہجراں نصیب، بے قرار وصل حبیب اور طالب دیدار محبوب ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی ہیں۔ اب وہ وقت آتا ہے جب وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

اور یہ جذبہ صادق باب اجابت تک پہنچتا ہے اور اذن باریابی کا مژدہ لاتا ہے حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ اور دیار حبیبؐ کے قریب پہونچ کر شوق دیدار ضبط کی حدود سے گزر جاتا ہے اور وہاں بھی یہی دعا فرماتے ہیں۔

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف وعطا، تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاک رسولؐ دکھا تجھے اپنے ہی عز وعلا کی قسم

اور جب اذن باریابی حاصل ہو جاتا ہے تو آپ کا جذب وکیف، اضطراب، اشتیاق دید اور جذبات کی سرشاری ملاحظہ ہو:

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

امام احمد رضا

بحیثیت شاعر

کالیداس گپتا رضا

تقریباً ربع صدی کے افریقہ کے قیام کے بعد مجھے ہندوستان پلٹے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے اس لئے جناب مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کے نام اور کلام سے بھی میری واقفیت چندہی دنوں کی ہے تاہم جب میرے ایک دوست اور عزیز اشتیاق احمد خان اور وی نے مجھے مولانا کی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں موسومہ حدائق بخشش (حصّہ اول و حصّہ دوم) برائے مطالعہ عنایت کیں تو معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر انکی شاعری بھی اس درجہ کی ہے کہ انھیں انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔

مولانا موصوف کے سلام اور نعتیں کبھی کبھار سننے میں آجاتے ہیں مگر وہ صرف مذہبی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ باہری حلقوں میں ادبی لحاظ سے نہ ان کو پڑھا جاتا ہے نہ اُن سے کسی قسم کا ادبی اور شعری حظ اٹھایا جاتا ہے۔ میری شاعری کی عمر بھی ۳۵ سال سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے اور میرے ذاتی کتب خانے میں شعر وشاعری سے متعلق تاریخی ادبی، علمی کتابوں اور قدیم وجدید شعراء کے دیوانوں اور تذکروں کا قابل لحاظ اور نادر ذخیرہ موجود ہے جو تقریباً تمام وکمال میری نظر سے گزر چکا ہے مگر مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حدائق بخشش کے ان دو نہایت معمولی لکھائی چھپائی والے مجموعوں کے علاوہ مولانا کے ہزارہا اشعار میں سے ایک حرف بھی میرے ہاں موجود نہیں ہے اور مذکورہ بالا دو مجموعوں کا حال یہ ہے کہ کتابت کی غلطیوں نے بہت سے اشعار کو بے معنی اور وزن سے ساقط کر کے رکھدیا ہے۔

مولانا کو جان بحق تسلیم ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے مگر کسی تذکرے میں انھیں شعراء کے زمرے میں شمار نہیں کیا گیا۔ صرف ایک جگہ ان کا ذرا سا تعارف نظر آیا وہ بھی براہ راست نہیں بلکہ اُن کے چھوٹے بھائی حسنؔ بریلوی مرحوم کے ذریعے۔ [دیکھئے "خمخانہ جاوید" (جلد دوم) از لالہ سری رام (صفحہ ۴۵۰) میں حسنؔ بریلوی کا حال]۔ چونکہ بھائی ہونے کے ناتے حسنؔ مرحوم اور مولانا کا حسب نسب ایک ہی ہے اس لئے یہاں اس ترجمے کا پہلا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

"سخنور خوش بیان ناظم شیریں زبان مولانا حاجی محمد حسن رضا خانصاحب حسنؔ بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علی خان صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خانصاحب عالم اہلسنت و شاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغؔ دہلوی۔ آپکے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کئے اُن کا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ۵ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے آباو اجداد دلی کے رہنے والے تھے آپ کے جد امجد سعادت علی خان صاحب کی وفات تک تو آپ کے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اس کے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپ کے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علی شاہ صاحب بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے تھے اور صاحب کشف وکرامات گزرے ہیں۔ علم وفضل آپ کا خاندانی ہے۔ نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خان سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان داغؔ سے تلمذ تھا....."

بے شک حسنؔ بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے تاہم حیرت ہے کہ اس ضخیم تذکرے میں اُن کے بڑے بھائی "عالم اہل سنت" اور نعت گوئی میں اُن کے استاد جناب احمد رضا خان کے ترجمے نے جگہ نہ پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیر اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اس طرح عوام نے انھیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں۔ تاہم نعتیں اور سلام ہی بہی ذرا سے غور وفکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل ودماغ پر مسلط کر دیتے ہیں جو محض ایک سخنور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت سے پیچھے نہ رہتا۔

نہیں معلوم کہ انھوں نے کسی سے باقاعدہ اصلاح لی تھی کہ نہیں تاہم اُن کے کلام سے اُن کے کامل صاحب فن اور مسلّم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں۔ اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی۔ عاشقانہ رنگ سا جو تغزل کی جان ہے یہ زنبہ ہے کہ اگر نعت کے مخصوص رنگ کے اشعار الگ کر دئے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے۔ ذیل میں چند

مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

غالب کی مشہور زمین "دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت ..." میں داغ کی بھی ایک غزل گلزار داغ میں ہے جو صحیح معنوں میں زبانِ داغ کا نمونہ ہے۔ اتفاق سے مولانا رضا صاحب کی بھی ایک نعت اسی زمین میں ہے۔ دونوں ہم عہد شاعروں کا بیک وقت لطف اٹھائیے۔ ایک اپنے عہد کا سب سے بڑا استاد غزل اور دوسرا بڑا نعت گو مگر بحیثیت شاعر گمنام۔ چند ہم قافیہ اشعار ہی پر اکتفا کی جاتی ہے ؎

داغ — جلد رفیق و ہمطریق رہزنِ راہِ عشق نہیں
سایۂ خضر کیوں نہ ہو ساتھ ہمارے آئے کیوں

رضا — جانِ سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں

داغ — عشق و جنوں سے مجھ کو لاگ ہوش و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اُٹھائے کیوں

رضا — جان ہے عشقِ مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

داغ — ہاں نہیں غیرتِ رقیب خیر میں بے حیا سہی
جو نہ دوبارہ آسکے بزم سے تیری جائے کیوں

رضا — دیکھ کے حضرتِ غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آنہ جائے کیوں

داغ — لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزم جہاں میں آئے کیوں

رضا — سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

غالب کا یہ شعر زبان زد عام ہے۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

سادگی کے ساتھ طرز ادا کا بانکپن ایسا ہے کہ اس پر سو غزلیں قربان۔ ردیف گویا اس سے بہتر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے غالب کی غزل کے صدقے لفظ بس کو سے سے بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ نعت اور غزل کو یکجان کرنا اسی کو کہتے ہیں مطلع دیکھئے ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

داغ کے ہمعصر امیر مینائی کے جو علم و فن میں داغ سے بھی بڑھے ہوئے تھے مشہور مطلعوں میں ایک مطلع یہ ہے اور واقعی بہت خوب ہے۔

جب سے باندھا ہے تصوّر اُس رُخِ پر نور کا
سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغِ طور کا

لیکن مولانا نے تقریباً اسی زمین میں ایسا نعتیہ مطلع کہا ہے کہ مضمون آفرینی کی انتہا کر دی ہے ؎

مَیل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کُرتا نور کا

ایک اور ہم قافیہ شعر ؎

امیر — اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو
دل میں ہزار درد اُٹھے آنکھ تر نہ ہو

رضا — کانٹا میرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

امیر کے دیوان مراۃ الغیب کی ایک غزل کے چند ہم قافیہ اشعار ملاحظہ فرمائیے مگر یہ نہ بھولئے کہ امیر کے اشعار ان کی غزل سے لئے گئے ہیں اور مولانا کے اُن کی نعتوں سے ؎

امیر — یہ تر و تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض
یہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو

رضا — سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

امیر — بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا
تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو

رضا — شانہ ہے پنجۂ قدرت تیرے بالوں کے لئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو

امیر — مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں
کھل گئے کس کے یہ دریا کے کنارے گیسو

رضا — تار شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اکدم ہوں کنارے گیسو

امیر — دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغِ خورشید
شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو

رضا تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

مندرجہ بالا زمین ردیف کی ثقالت کی وجہ سے ایسی بنجر ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے پھول کھلانا ممکن نہیں۔ لہٰذا دونوں کے اشعار میں طراوت و خوش بیانی کا ایک حد تک فقدان ہے۔ لیکن اب ہم مولانا کے چند ایسے نعتیہ اشعار پیش کریں گے جو اساتذہ غزل کی شان کے ہیں۔ اُن میں چستی و بندش، زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کے وہ وہ نمونے ملیں گے کہ لمحہ بھر کے لئے بھولنا پڑے گا کہ یہ اشعار نعتوں کے ہیں۔

شمع یادِ رُخِ جاناں نہ بجھے۔
خاک ہو جائیں بھڑکنے والے
کوئی ان تیز رَوؤں سے کہہ دو
کس کے ہو کر رہیں تھکنے والے
دل سلگتا ہی بھلا ہے اے ضبط
بجھ بھی جاتے ہیں دہکنے والے
نخل سے چھٹ کے یہ کیا حال ہوا
آہ او پتّے کھڑکنے والے
جب گرے، منھ سوئے میخانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

کام زنداں کے کئے اور ہیں
شوقِ گلزار ہے کیا ہونا ہے
بیچ میں آگ کا دریا حائل
قصد اُس پار ہے کیا ہونا ہے
دل ہیں تم سے لگانا ہی نہ تھا
اب سفر بار ہے کیا ہونا ہے
منھ دکھانے کا نہیں اور سحر
عام دربار ہے کیا ہونا ہے
چھپ کے لوگوں نے کئے جس سے گناہ
وہ خبردار ہے کیا ہونا ہے

اُن کے نقشِ پا پہ غیرت کیجئے
آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے
اُن کے حسنِ باملاحت پر نثار
شیرۂ جاں کی حلاوت کیجئے
ڈوب کر یادِ لبِ شاداب میں
آبِ کوثر کی سباحت کیجئے
سر سے گرتا ہے ابھی بارِ گناہ
خم ذرا فرقِ ارادت کیجئے

مولانا کسی صنفِ سخن میں بند نہیں انھوں نے جگہ جگہ صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے رباعی بھی نہایت پختہ کہتے ہیں۔ اس مختصر سے مقالے میں ان سب کی گنجائش نہیں صرف چند ہی رباعیاں پیش کی جاتی ہیں تاکہ کہنے کا پاس رہے۔

محصورِ جہاں دانی و عالی میں ہے
کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال
بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

کس منہ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں
شاعر ہوں فصیحِ بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھکو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

مولانا نے ائمہ اطہار کی شان میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک رُباعی سُنئے۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اُس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اُس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

بقیہ: اصنافِ سخن

بلکہ اس کے لئے احمد رضا خاں صاحب جیسے حکیم امت کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے جو قطرہ میں دریا کا جلوہ اس طرح دیکھ سکے کہ دونوں کی انفرادیت بھی برقرار رہے اور دونوں ایک دوسرے کا جزو لاینفک بھی معلوم ہوں۔

یہ میرے مجمل تاثرات ہیں جنہیں وقت کی کمی کے باعث میں نے اجمالاً چند منٹ میں تحریر کر دیا ہے۔ انشاء اللہ ان کی توضیح و تشریح "المیزان" کے کسی اگلے شمارہ میں پیش کروں گا۔

دیوانِ رضا

عرفان و وجدان کا قاموس

سید شمیم اشرف بی اے علیگ

شمامہ از بوئے اُو رشک جناں
ہم معطر زد قبائے مہ وشاں

فاضل بریلوی کی شاعری کو احاطۂ تحریر میں لاتے وقت مجھے اپنی بے مائگی اور بے بضاعتی کا پورا احساس ہے۔ یہ مختصر مضمون اعتراف شکست کے مترادف ہے، کیونکہ ایسی بزرگ ہستی پر خامہ آرائی کرتے وقت لاشعور کے پردے پر فاضل بریلوی کی جو تصویر ابھرتی ہے اُس کا تقدس دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے۔ اُن کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت کا صرف ایک رخ پردۂ شہود پر آیا ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالامال ایک مجدد جس کی جامع اور تاریخ ساز شخصیت نے برصغیر ہند و پاک کے مذہبی اور روحانی نقشہ پر دور رس اثرات مرتب کئے ہیں۔ ورنہ وہ اپنی گدڑی میں ایسا لعل بے بہا بھی رکھتے تھے جس کی ضیا پاشیاں صرف محفل میلاد تک محدود رہیں۔ وقت آگیا ہے کہ وہ بے ستون میں تیشۂ کوہکن کی ضربوں پر رقص کرنے والے اور قصر شیریں کے خوبصورت بام و دریچہ اپنے قلم کا جادو چھڑکنے والے اپنے ادراک کو اُس لعل گراں مایہ کی ضو فشانیوں سے صیقل کرکے "حدائق بخشش" کی طرف متوجہ ہوں جو عرفان و وجدان کا ایک قاموس ہے۔

یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ فاضل بریلوی ایک متبحر عالم اور مجدد تھے شاعر نہیں تھے۔ اُن کے کلام میں وہ شیریں دیوانگی HARMONIOUS MADNESS نہیں ملتی جو شاعروں کی دستار مرصع میں طرۂ افتخار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُن کے کلام میں آتش سیال کی حرارت نہیں۔ وہ "شعلۂ رنگ حنا" کی جستجو میں تخیل کے وسیع صحراؤں کی خاک نہیں چھانتے۔ وہ تصور کا کاسۂ دریوزہ گری ہاتھ میں لئے الفاظ کے تیرہ و تار اور پر پیچ راستوں سے گزر کر لیلائے مفہوم کے شہر نگاریں تک پہنچنے کی تگ و دو نہیں کرتے۔

اُن کی شاعری احکام شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔ ان کی شاعری میں الہام کی حلاوت ہے۔ تفہیم و افہام کی تلخی نہیں۔ وہ شمع جمال مصطفوی پر پرواز وار گرتے ہیں۔ اُن کا سینہ عشق رسول کا بحر ذخار ہے۔

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل ✤ جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

سر تا بہ قدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

حدائق بخشش، حدائق العطیات اور مدح رسول اُن کی شاعری کے مجموعے ہیں۔ موخرالذکر دو کتابیں نایاب ہیں۔ حدائق بخشش اُن کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ کلام کا بیشتر حصہ اردو میں ہے جو ایمان و آگہی کی چاشنی سے معمور ہے۔

مشہور جرمن فلسفی کانٹ KANT اپنی شہرۂ آفاق کتاب تنقید عقل محض THE CRITIQUE OF PURE REASON میں کہتا ہے "کوئی فن ریاضی کی طرح زرہ بکتر پہن کر نہیں نکلتا۔"

فن تخلیقی ذہن کا نوزائیدہ بچہ ہوتا ہے جو زماں و مکاں کے نازک رشتوں سے بندھا ہوا اپنا سفر ارتقا شروع کرتا ہے۔ بلوغت اور پختگی کی منزل پر پہونچ کر اُسکے بال و پر میں کونین کی وسعتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اُس پر فنی تعصب کا عمل جراحی شروع ہو جاتا ہے۔

شاعری کوئی منطقی شے نہیں ہے۔ جسے اسباب و علل کا ڈرائی کلین کیا ہوا سوٹ پہنا کر صنعتی سمیت INDUSTRIAL TOXICOLOGY کے کسی بین الاقوامی سمپوزیم میں کھڑا کر دیا جائے۔ حسیات عامہ کا شعور رکھنے والا بھی شاعر ہو سکتا ہے۔ ہیرے کی ساخت میں کاربن کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جو ایک پتھر کو کوہ نور بنا دیتا ہے۔ بڑے سے بڑا شاعر بقول شیلے "شاعری کرنے کا دعوی نہیں کر سکتا"، کیونکہ ذہن کے بجھتے ہوئے کوئلہ کو زندہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک غیر مرئی طاقت اُسے ہوا دیتی ہے۔ تب اُس میں نغماتی انبساط کی چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں اور اس کا ملکوتی حسن بیدار ہوتا ہے۔

جوہری دور کا مسلمان مذہب سے بیزار نظر آتا ہے۔ وہ ارتقا کی چاند گاڑی میں بیٹھ کر روحانیت کے تانے بانے توڑتا ہوا بیرونی خلا میں بے وزنی کی مہلک کیفیت کا شکار ہے۔ وہ ٹھوس حقائق کا سامنا کرتا ہوا گھبراتا ہے۔ اُسے اپنے نظریات اور مفروضوں کے تعمیر کئے ہوئے خیالی اہرام پسند ہیں۔ صور اسرافیل اور صدائے ابوالہول میں بڑا تضاد

اور تفاوت ہے۔

فاضل بریلوی نے اِس تضاد کو دیدۂ باطن سے دیکھا۔ اور اس کی کسک محسوس کی۔ اُن کی شاعری اِسی کسک اور سوز دروں کا نقش تمام ہے۔ جو طالبان حق کے لئے مشعل راہ اور شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کے لئے نسخۂ کیمیا ہے۔

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

تاب مرآت سحر گرد بیابان عرب
غازۂ روئے قمر دودِ چراغان عرب

ابتدائے آفرینش سے انسان دنیا کی بے ثباتی کو ایک حادثہ تصور کرکے قبول کر چکا ہے۔ فلاسفۂ قدیم و جدید اِس بات پر متفق ہیں کہ صرف تغیر و تبدل کو حیات دوام حاصل ہے۔ اقدار بدلتی رہتی ہیں۔ ایک غلطاں و پیچاں معاشرے میں بدلتی ہوئی قدروں کے ملبہ تلے دبا ہوا مسلمان بوئے گل کے خنک آنچل کی ہوا سے اپنے زخموں کا علاج چاہتا ہے اور گرمی حشر سے محفوظ رہنے کے لئے مرد شوں کی عطر بیز زلفوں کا سایہ تلاش کرتا ہے۔

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپش محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

خالص، پاکیزہ اور بے لوث عشق تصوف کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی عشق اور شیوۂ تسلیم و رضا کی تکمیل کے لئے تاجدار کونین کے لئے غار حرا کو مکتب ایمان و آگہی بنایا گیا اور یہیں سے راہ باطن ESATERIC METHOD اور تصوف MYSTICISM کے مقدس چشمے رواں دواں ہوئے۔ جن سے تا ابد شریعت طریقت اور حقیقت کے لالہ و گل بالیدگی حاصل کرتے رہیں گے۔ عشق الٰہی اور عشق رسول کے بغیر منزل یقین کی لذتوں سے آشنا ہونا ناممکن ہے۔

جسکو قرص مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو!
اُنکے خوان جود سے ہے ایک نان سوختہ

شاعری کوئی منطقی شے نہیں ہے جسے اسباب و علل کا ڈرائی کلین کیا ہوا سوٹ پہنا کر صنعتی سمیت کے کسی بین الاقوامی سمپوزیم میں کھڑا کر دیا جائے جسیات عامہ کا شعور رکھنے والا ہی شاعر ہو سکتا ہے ——— جرمن فلسفی کانٹ

شیلے اپنی مشہور نظم TO A SKYLARK میں کہتا ہے۔

فاضل بریلوی کی شاعری پر نصف صدی سے تجاہل و تغافل کی ٹھنڈی ڈھول جمی ہوئی ہے۔ خود ان کے مداحوں اور عقیدت مندوں کو طلسم سکوت توڑنے اور اپنے قلم کا جمود ختم کرنے کا خیال نہیں آیا ——— سید شمیم اشرف

OUR SWEETEST SONGS ARE THOSE THAT TELL OF SADDEST THOUGHT

ہمارے شیریں ترین نغمات وہ ہیں جو ہمارے غمگین ترین خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی کی شاعری پر نصف صدی سے تجاہل و تغافل کی ٹھنڈی ڈھول جمی ہوئی ہے خود اُن کے مداحوں اور عقیدتمندوں کو طلسم سکوت توڑنے اور اپنے قلم کا جمود ختم کرنے کا خیال نہیں آیا۔ ان کا نعتیہ کلام وہی سوز اندروں ہے جو "شیریں ترین نغمات" کا خالق ہے۔ جس کی شدت وحدت بادۂ عشق رسول کے مدہوشوں کے لئے معراج یقین ہے۔

ٹپکتا رنگ جنوں عشق شہ میں ہر گل سے ؎ رگ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز ؎ کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

خونیں جگر ہوں طائر بے آشیاں شہا
رنگ پریدۂ رخ گل کا جواب ہوں

محسن کاکوری کو آب تموج کے آئینے میں شہباز لالہ رخ کے پیکر رعنا کا عکس لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔

آئینہ آب تموج سے بہا جاتا ہے
کہئے تصویر سے گرنا نہ کہیں دیکھ سنبھل

فاضل بریلوی کو جوئے رواں کے شیش محل میں جمال مصطفائی کی سحر تابی اور اس کی بوقلمونیت نظر آتی ہے۔ وہ اپنے مخصوص پوربی انداز میں فرماتے ہیں۔

بنا کے ہیروں نے وہ چمکتا لباس آب رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حباب تاباں کے تھل ٹکے تھے
بچا جو تلووں کا اُن کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنہوں نے دولہا کی پائی اُترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

اُنکے نعتیہ کلام میں ایک سچے عاشق رسول کے دل خوں گشتہ کی لالہ کاری بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ جو دیدہ و دل کے منجمد پردوں پر ایک ملکوتی نور کا نقش ثبت کرتا ہے۔

یہ مختصر مضمون فاضل بریلوی کی شاعری پر حرف آخر نہیں ایک ترغیب اور دعوت فکر و نظر ہے۔ یہ ایک خوش آئند سفر کی تقریب اور ابتدا ہے ▲

امام احمد رضا اور اصنافِ سخن

(ایک جائزہ)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور ایم اے پی ایچ ڈی (لکھنؤ یونیورسٹی)

میں اس سعادت کو اپنے لئے باعث خیر و برکت تصور کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ سے یہ فرمائش کی کہ میں مجدد اسلام اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نعتیہ کلام کے محاسن کی نشان دہی کروں اور اس ضمن میں میرے کیا تاثرات رہے ہیں قارئین کے سامنے پیش کروں۔ مولانا کے اکتسابات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی اور ان کی قدر و قیمت کا بھرپور تعین کیا جاتا۔ مگر برا ہو منصبی اور سماجی علائق کا کہ باوجود خواہش کے فرصت و فراغت کے وہ لمحات میسر نہ آ سکے جن میں اپنے جذب و شوق کی محفل سجائی جا سکتی اور بقدر ظرف اس مضمون کو لکھنے کی گنجائش نکل پاتی، پھر بھی تعمیل حکم میں اپنے خیالات کو اجمالاً پیش کر رہا ہوں تاکہ میرا نام بھی ان کے مداحوں کی فہرست میں شامل ہو سکے۔

میرا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں نعت گوئی مشکل ترین صنف سخن رہی ہے۔ ہماری عقیدت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم ان کی مدح کریں تو اپنے جذبات کو مکمل طور پر آزاد چھوڑ دیں مگر شریعت جذبات کی اس غیر ذمہ دارانہ اڑان کو پسند نہیں کرتی اور اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ ہر شے کو اس کی مناسب متعین شدہ حد میں رکھا جائے۔ جذبہ اور عقیدت کی رو میں بہ کر مقام نبوت کو الوہیت کی سرحدوں میں داخل کر دینا۔ یا شعری لوازمات کی تسکین کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کر دینا جن سے شعر سوء ادب کا مرتکب ہو جائے، اچھی نعت کا ہر دور میں سخت ترین مرحلہ رہے ہیں اور اسی لئے مجموعی طور پر وہ نعتیں جو شعری اور شرعی دونوں تقاضوں کو پورا کر دیں ہمارے ادب میں نسبتاً کم پائی جاتی ہیں دراصل نعت محض رسول کریم کی شاعرانہ توصیف کا نام نہیں بلکہ بقول ایک تنقید نگار نبوت کے حقیقی کمالات کی ایسی تصویر کشی کا نام ہے جس سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہو سکے اور یہ تازگی اور بالیدگی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب مداح کا دل رسول کی محبت کے حقیقی جذبات سے پُر ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ مقام و مرتبے سے الگ ہٹ کر نعت گوئی کے راستے میں ایک اور بھی مرحلہ قرآن کے اس حکم کی بنا پر پیدا ہوتا ہے کہ "تم نبی کو اس طرح نہ پکارو جیسے تم میں سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں" نتیجہ میں وہ تشبیہات و استعارات جن میں پاکیزگی، تقدیس اور طہارت نہ ہو عام طور سے بیکار ہو جاتے ہیں اور اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ صرف تعظیمی ضمائر استعمال کیے جائیں اور یہ ضمائر انہیں لوگوں کے ہاتھ آتے ہیں جو جذبے اور وجدان کی آگ کے ساتھ ساتھ تضاد شعر و شریعت کو ہم آہنگ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب اگر ایک طرف تبحر علمی، زہد و تقویٰ اور روحانی تصرفات کا معیاری نمونہ تھے تو دوسری طرف رسول اکرم سے ان کی بے پناہ محبت و عقیدت بھی مثالی تھی۔ انہوں نے اپنی علمی اور دینی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی انقلاب پیدا کیا، اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے۔ تاریخ اسلام قرآنی رموز و نکات، حدیث اور علم الرجال پر ان کی جتنی گہری نگاہ تھی اس کے معترف و مداح ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے علمائے کرام رہے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا جو ملکہ انہیں حاصل تھا اس کی غمازی "حدائق بخشش" میں شامل وہ نعتیں اور منقبتیں کرتی ہیں جو آج بھی گھر گھر میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان نعتوں میں والہانہ ربودگی اور وفور جذبات کے ساتھ ساتھ ضبط و انقیاد کے وہ عناصر بھی پائے جاتے ہیں جو تزکیہ نفس اور تالیف قلب دونوں میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

حدائق بخشش کے دونوں حصے جنہیں مکتبہ علمی اہلسنت ناظر باغ کانپور نے شائع کیا ہے صرف مجدد ملت کے نعتیہ کلام کے مجموعے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں نعت کے علاوہ منقبت اور قصائد بھی شامل ہیں۔ اور مختلف اصناف سخن میں خراج عقیدت پیش کی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ خارجی مناظر کے بجائے داخلی جذبات و احساسات کی ترجمانی کی جائے اور سیرت مقدسہ کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کا احاطہ کر کے اسلامی تصورات عقاید اور تعلیمات کے سیاق و سباق میں چراغ مصطفوی کے نور کو اس طرح بکھیر جائے کہ "شرار بولہبی" سے ستیزہ کار ہو جائیں اور ایک ایسی فضا کی تعمیر و تشکیل کریں جن میں صحت مند عقاید پنپ سکیں اور فسق و فجور سے دلوں کے آئینے صاف ہو سکیں یہ کام صرف مکتب کرامت اور جذبات کو اوزان و بحور کے سانچے میں ڈھالنے کا کام نہیں ہے کہ بلکہ اس کے لئے اس فیضان نظر کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جو متون کی تقدیر بدل دیا کرتی ہے۔ گرد و غبار سے آئینوں کو صاف کرنا، اور پھر اسے ایسی مرکزی جگہ پر رکھ دینا کہ صورتیں حقیقی بھی ہوں اور خوبصورت بھی، یہ محض فنکار کے بس کی بات نہیں

(باقی صفحہ ۴۷۶ پر)

امام احمد رضا

واصفِ شاہِ ہُدیٰ

از: ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ داناپوری۔ ایم اے، پی ایچ ڈی
صدر شعبہ اردو و فارسی، جین کالج آرہ، بہار۔

تہذیب و ثقافت فلسفۂ حیاتِ انسانی کے دو روشن ترین باب ہیں۔ ہر تہذیب ایک مذہب سے وابستہ ہے اور ثقافت اس کی اعلیٰ قدروں کی نمائندہ۔ ثقافت بنی نوع انسان بلکہ انسانیت کی ترقی کی آئینہ دار و ترجمان ہے۔ یہ دراصل عبارت ہے افرادِ قوم کی جمالیاتی حس بلکہ جمالیاتی شعور کی بیداری سے۔ مشہور فلسفی کانٹ نے جمالیاتی شعور کو حس اور عقل کا مقام اتصال کہا ہے۔ حسن و جمال کی اہمیت قرآن حکیم کی بے شمار آیات کریمہ سے واضح ہے۔

ولکم فیہا جمالٌ حین تریحون وحین تسرحون ٥
(سورۃ النحل آیت ۶)

خالدین فیہا حسنت مستقراً وّمقاماً ط (الفرقان آیت ۷۶)

ربّنآ اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وّ فی الاخرۃ حسنۃ ط (البقرہ، آیت ۲۰۱)

قرآن حکیم ایک مکمل نظامِ حیات اور ایک بے مثل دستور العمل ہے۔ انسان کی ظاہری و باطنی، انفرادی و اجتماعی زندگی کس طرح اعتدال و توازن، لذّت و سرور اور کیف و طمانیت سے ہمکنار رہے۔ وہ اپنے معبود کے حضور کس شانِ عبدیت کا اظہار کرے۔ آخرت کی اس کھیتی کو کس انداز سے شاداب و سرسبز رکھے کہ انجام کار "حُسن المآب" کی منزل نصیب ہو؟ یہ سب کچھ ہمیں اسی ام الکتاب سے حاصل ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر اس میں موجود نہ ہو۔ تبیان لکلّ شیٍٔ ط لا رطبٍ وّلا یابسٍ الاّ فی کتابٍ مبین ط

حسن و جمال دراصل نظر افروزی و سرور انگیزی کی منزّہ و معطّر شئے ہے۔ منزلِ "حسنِ مآب"، یعنی جنت الفردوس میں مومن کے لئے اس سے بڑھ کر مسرت افزا نعمت اور کیا ہوگی کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی کے دیدار سے مشرف ہو۔ وَاِنَّ لہٗ عندنا وَحُسن مآبٍ ط (سورہ ص آیت ۲۵)۔ اس کے دیدار سے جس کی مثل کوئی شے نہیں لیس کمثلہٖ شیٔ ط اور جو سراپا جمال ہے۔ اللہ جمیلٌ ویُحِبُّ الجمال۔ اسے حسن پسند ہے۔ وصوّرکم فاحسن صورکم (اور تمہاری صورتیں بنائیں تو کیا ہی حسین صورتیں بنائیں) التغابن ۳۔ حتّیٰ کہ الّذی احسن کلّ شیٍٔ خلقہٗ (اس نے جو چیز بھی بنائی حسین بنائی) سورۃ السجدہ آیت ۷۔ فطرتِ انسانی بھی ایک شے ہے۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ط اور ارشاد باری ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (بلاشبہ ہم نے انسان کی فطرت کو بہت ہی حسین بنایا ہے) سورۃ التین۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین (سورۃ المومنون آیت ۱۴)۔ وہ تو حسن مطلق ہے، نور ہی نور ہے۔ اللہُ نور السمٰوٰتِ والارض (سورۃ النور آیت ۳۵)۔ کائنات حسین ہے اس کے مناظر حسین ہیں۔ یہ ساری خلقت جو ماسویٰ اللہ ہے اضافی حسن سے معمور ہے۔ حسن سرچشمۂ زندگی، مقصدِ حیات اور روحانی سرور و طمانیت قلبی کا منبع ہے۔ یہ حسن جب مجازی شکل اختیار کرلے تو وہ شکل جو یقینی کوئی شئے ہوگی حسین و خوبصورت کہلائے گی اور ہم اسے خلاقِ عالم کی تخلیق کہیں گے۔ تخلیقی فعلیت کا یہی ہنر فن ہے۔ خلّاقی روح الوہیت کی سب سے پہلی صفت ہے جو بالارادہ ظہور پذیر ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہی روح جب آدم میں ڈالدی اور فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا۔ اذ قال ربّک للملٰئکۃ انی خالقٌ بشراً مّن طین ٥ فاذا سوّیتہ ونفختُ فیہ من رّوحی فقعوا لہٗ سٰجدین ٥ (سورہ ص آیت ۷۱-۷۲)

(جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں جب اس میں تناسب و ہم آہنگی (تسویہ) پیدا کردوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدے میں گر جانا۔)

مختصر یہ کہ اشرف المخلوقات بنی نوع انسان ہے جو تسویہ و تعدیل کی داخلی و خارجی اوصاف کے ساتھ ساتھ علم و ادراک اور فکر و تخیل کی نعمتوں سے نوازا گیا۔ لہٰذا حسن انسانی سرشت میں داخل ہوئی۔ روح جو من امر ربّی ہے، اپنی صفت خلاقی کا مظاہرہ ہر حال میں کرے گی اور انسان اپنے پیمانۂ احساس و عقل کے ساتھ حسن و فن سے ہم آہنگ رہے گا۔ یہ اور بات کہ یہ رتبۂ بلند جس کو ملا مل گیا۔

شاعری بھی ایک فن ہے اور انتہائی لطیف فن۔ فن کا ایک اہم مقصد فکر انگیزی اور قوائے عقلیہ کو متحرک کرکے اس سے مفید تر کام لینا ہے۔ قرآن حکیم نے لعلکم یتفکرون اور لعلکم تعقلون کہہ کر ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے۔ تاکہ تخیل محض کی بے راہ روی کی تقلید میں شاعر یتبعھم الغاوٗن کا مصداق نہ بن جائے۔ شاعر حسنِ ازل کی سحر طرازیوں اور جلوہ باریوں کو اپنے فن کی گرفت میں لانا چاہتا ہے۔ ایک ایسا شاعر ایک ایسا فنکار جو سرتاسر اسلامی تہذیب و ثقافت کا نمائندۂ افضل ہو وہ کیوں نہ حسنِ مطلق یعنی نور السموات والارض کی اس شاہکار تخلیق کو پیش نظر رکھے جس تخلیق اور خالق کل کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں یعنی اس حدیث شریف کے رو سے "اوّل ما خلق اللہ نوری والخلق کلھم من نوری وانا من نور اللہ" خاتم النبین محبوب رب العلمین سبب تخلیق کائنات ہیں (لولاک لما خلقت الافلاک) آپ پرتوِ جمالِ الٰہی و مظہر ذاتِ کبریائی ہیں۔ اس شاہکار تخلیق پر خود خالق فریفتہ ہے اور ساری کائنات بالخصوص جن و انس کو اس محبوب پر اپنی اس فریفتگی کا شریک جانتا ہے۔ جن و انس کی تخلیق کا سبب یہ بتایا کہ "ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ الذاریات) اور روح عبادت عشق محمدی کو قرار دیا۔ عشق کا خاصہ ہے کہ وہ کیفیات و واردات الفت و محبت کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے ملائکہ کے ساتھ حضور انور پر درود و سلامتی بھیجتا ہے اور جن و انس کو ایسا حکم دیتا ہے کہ وہ بھی ایسا کریں۔ اِن اللہ وَ ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنو صلو علیہ و سلمو تسلیما ۃ گویا رسول مقبول پر درود بھیجنا، ان کا ذکر کرنا، ان سے عشق و محبت کا اظہار کرنا خواہ وہ قولی ہو یا فعلی ایک طرح کی عبادت ہے۔ اس طرح مدح و توصیف رسول اور نعت نبی کا رشتہ عبادت الٰہی سے مل جاتا ہے۔

اس پیش گفتار سے میری مراد دراصل افضل الافاضل حضرت امام احمد رضا خاں صاحب رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری میں فکر و فن اور حسن و عشق کی تابکاریوں کا جائزہ لینا ہے۔ ان کی فنکارانہ کاوشوں، شاعرانہ صلاحیتوں اور والہانہ جذباتِ عشق رسول کی نیرنگیوں پر نظر ڈالنی ہے تاکہ شعر و سخن میں بھی ان کے صحیح مقام اور مرتبہ کا تعین کیا جاسکے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ تخلیقی فعلیت خاصۂ روح ہے۔ لہٰذا فنکار کے لئے فن میں حقیقت کی ترجمانی لازمی و لابدی قرار پائی۔ ایسے اپنے فن کو بہر حال اقتدارِ حقیقی کا آئینہ دار بنانا ہوگا۔ تفنن طبع اور ذہنی تفریح تخلیق فن کا مقصد کبھی نہیں۔ خالقِ کل فرماتا ہے وما خلقنا السموٰت والارض وما بینھما لعبین ہ (اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ درمیان ان کے ہے کھیلتے ہوئے۔ سورۂ دخان آیت ۳۸)

عالم باعمل فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خاں صاحب اسلامی تاریخ کی ایک ایسی عبقری شخصیت اور فرد نابغہ کا نام ہے جس میں مجددیت کے سارے اوصاف مجتمع تھے۔ ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (میرؔ)

علم و فضل کے میدان میں حضرت رضا کی بسیار جہتی اہل نظر سے خراج عقیدت وصول کرتی رہے گی۔ اُن کی شاعری فنی نقطۂ نظر سے معیار و کمال کی حامل اور سر بسر حمد و نعت و منقبت پر ہی مشتمل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت ایک مشکل مگر بہترین صنف سخن اور باعث خیر و ثواب ہے۔ زور قلم اور جولانی طبع کے تحت اس فن میں قدم قدم پر خطرات کا سامنا ہے۔ وہ ذاتِ مقدس جس کی سرکار میں دانستہ و نادانستہ ذرا بھی سوئے ادب حبط اعمال کا سبب ہو اس کی مدح و نعت بڑے ہوش و حواس کا کام ہے۔ ؎ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار، کی منزل ہمہ دم پیش نگاہ رہنی چاہیئے۔ "الملفوظ" میں حضرت فاضل بریلوی نے فن نعت گوئی کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے۔ اپنی نعت نویسی کے لئے قرآن و حدیث کو ہی شمع راہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نعتیہ کلام افراط و تفریط کے عیب اور تخیل کی بے راہ روی سے پاک ہے۔ نعت گوئی میں آپ حضرتِ حسان کی پیروی کافی سمجھتے ہیں جن کی نعتیں سنکر خود رسالت مآب محظوظ ہوتے اور دعائیں فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں ؎

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حساں بس ہے

احکام شریعت کی تبلیغ و نگرانی میں آپ بہت ہی سخت تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ہیں ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے للّٰہ المنّتہ محفوظ
قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

"حدائق بخشش" ہر دو حصص حضرت رضا کی نعتوں کا مجموعہ اور ایک ایسی متاعِ بے بہا ہے جس پر اردو کی نعتیہ شاعری ہمیشہ ناز کرے گی۔ حضرت رضا کی نعتیں سادہ، سہل، عام فہم، سوز و گداز قلب اور عاشقانہ جذبات سے مملو ہیں۔ مخصوص فنی نقطۂ نظر سے بھی مشکل اور سخت زمینوں میں آپ کی نعتیں بندش و تراکیب اور قدرت بیان کا سارا حسن رکھتی ہیں۔

اردو کی کلاسیکی شاعری کے وہ سارے اوصاف جن پر اہل زبان کو ناز ہے حضرت رضا کے کلام میں بھرے پڑے ہیں۔ شوخیٔ طبع کے باوجود آپ نے بڑی احتیاط

نے عروسِ سخن کو ان تمام زیورات سے آراستہ کیا ہے جو نعت گوئی کے تقدس و احترام کے ساتھ اس کے حسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔ شاعر کو اپنی لیاقتِ فن کا پورا احساس تھا ؎

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضاؔ کی قسم

وہ ایک وہبی شاعر تھے۔ فنکاری و حسن آفرینی کے لئے موزونیٔ طبع ازبس ضروری ہے۔ یہ محض فیضانِ الٰہی ہے اور کچھ نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے الشعراء تلامیذ الرحمٰن۔ کیونکہ ؎

طبع موزوں نہ کسبی و عملی است
از عطیاتِ فیض لم یزلی است

انھیں زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا۔ فارسی و عربی میں مہارت کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کا ستھرا شعور رکھتے تھے۔ ان کی اردو لکھنؤ کی بامحاورہ ٹکسالی زبان ہے کلام کی سنجیدگی، لب و لہجہ کی بلند آہنگی، طنطنہ اور زور اس میدان میں بے مثل استادی کی دلیل ہے۔ ایک نعت شریف کے چند اشعار میرے اس دعوے کی تصدیق کریں گے۔ ملاحظہ ہوں ؎

رشکِ قمر ہوں رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرّہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں
درِّ نجف ہوں گوہرِ پاکِ خوش آب ہوں
یعنی ترابِ رہگذرِ بو تراب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پرآب ہوں
دل ہوں تو برق کا دلِ پر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں شہا
رنگِ پریدۂ رخِ گل کا جواب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں بحرِ کرم مدد
پروردۂ کنارِ سراب و حباب ہوں
عبرت فزا ہے شرمِ گنہ سے مرا سکوت
گویا لبِ خموشِ لحد کا جواب ہوں
دل بستہ بیقرار جگر چاک اشکبار
غنچہ ہوں گل ہوں برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں
مولیٰ دہائی نظروں سے گر کر جلا غلام
رشکِ مژہ رسیدۂ چشمِ کباب ہوں
مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں
دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں
شاہا بجھے سقر مرے اشکوں سے تانہ میں
آبِ عبث چکیدۂ چشمِ کباب ہوں

حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ کی اے رضاؔ
ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں

ناسخؔ ہوں کہ اسیرؔ، غالبؔ ہوں کہ مومنؔ، انھیں شہرت و مقبولیت جس برتے اور کمالِ فن پر حاصل ہوئی، کیا مندرجہ بالا کلام تھا کسی طرح بھی اس معیار کیف و کم سے کم ہے؟ اس ایک نعتیہ غزل میں شعر و سخن کے کتنے محاسن جمع ہیں۔ نادر استعارے تازہ کار تشبیہیں، صنعت لف و نشر، حسن تضاد، مراعاۃ النظیر، رعایت لفظی سادگی، صفائی، لب و لہجہ کا بانکپن، شوخیٔ طبع، مضمون آفرینی، پرواز فکر اور کیا کچھ نہیں ہے؟ غالبؔ اردو کا مایہ ناز شاعر ہے۔ حضرت رضاؔ نے غالبؔ کی جن زمینوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے ان سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ نظر انصاف میں دونوں کے اشعار دیکھیے اور معیار و منہاج کے پیش نظر ان پر صاد لگائیے۔ غالبؔ کی مشہور غزل ہے ؎

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

حضرت رضاؔ فرماتے ہیں ؎

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نورِ مہر میں مٹ کر دکھا دیا کہ یوں

غالبؔ کی ایک اور مقبول غزل ہے ؎

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

رضاؔ کی غزل کا اندازہ اس شعر سے لگایئے ؎

جان ہے عشقِ مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

حضور انور کے جسم منور کا سایہ نہ ہونے کی بہت ساری شاعرانہ توجیہیں بیان کی جاتی رہی ہیں۔ دیکھئے حضرت رضاؔ کس خوبصورتی سے کہتے ہیں ؎

راہِ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاضِ دیدہ کی
چادرِ ظل ہے ملگجی زیرِ قدم بچھائے کیوں

ہے تو رضاؔ نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں

آپ نے جو زمانہ پایا وہ ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال یافتہ عہد تھا۔ بادشاہت ختم ہو چکی تھی۔ انگریزوں کی غلامی کا دور تھا۔ مسلم معاشرہ، مسلم تہذیب اور اسلامی ثقافت کے عروج کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے، ہزار عیوب کے باوجود فنونِ لطیفہ کی دلکشی ابھی باقی تھی۔ شعر و سخن کا ہر طرف چرچا تھا، محفلیں گرم تھیں، زباندانی کے سکے بٹھلائے جاتے تھے۔ حضرت رضاؔ اپنی بے شمار صلاحیتوں کے ساتھ اگر صرف اس میدانِ زباندانی میں اپنا علم لہراتے تو کوئی مقابل نہ تھا مگر ان کی ساری توجہ حفاظت

دینِ متین اور شریعتِ محمدی کی پاسبانی پر رہی۔ اسلام کے بنیادی عقائد پر جو بالتحریک حملے ہو رہے تھے۔ فتنۂ نجدیہ نے جو طوفان برپا کر رکھا تھا اور جزیرۃ العرب کو ہلا تا ہوا یہ زلزلہ جس تیزی سے ہندوستان میں بڑھ چلا تھا اگر امام احمد رضا خاں اس کا توڑ نہ کرتے تو خدا معلوم کفریات وہابیہ کا سیلاب کتنوں کے سفینۂ ایمانی کو غرق کر دیتا حضرت فاضل بریلوی نے جس جانفشانی اور جگر کاوی کے ساتھ ردّ وہابیہ کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ وہ کچھ ان ہی کا حصّہ تھا ؏

اِیں کار از او آید و مرداں چنیں کنند

ان کی زندگی کا یہ مذہبی مشن ان کی شاعرانہ مقبولیت کی راہ میں حائل رہا اور وہ اکثر حلقوں میں مورد طعن و ملامت رہے مگر یہ تو سنت روز ازل ہے کہ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ستیزہ کار رہا ہے۔

اہل سنّت و جماعت کے امام عصر حاضر حق کے لئے کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ انھیں اس کا احساس تھا، وہ لکھتے ہیں ؎

سنیت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں
پھول بن کر رہ گئے کیا خار ہم

لیکن حوصلہ یہ تھا کہ

کلکِ رضا خنجر خونخوار برق بار
اعداسے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

رسول مقبول نے نجد سے متعلق جو پیشین گوئیاں فرمائی تھیں وہ سب کی سب اپنے وقت سے ظاہر ہوئیں۔ ابن عبدالوہاب نجدی نے جو کچھ کیا وہ کس سے پوشیدہ ہے۔ اس کے پیروؤں کے عقائد شیطانی لبس معاذ اللہ۔ حبّ رسول کی شدّت نے دشمنان رسول کے لئے کلکِ رضا کو واقعی خنجر خونخوار و برق بار بنا دیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

مومن وہ ہے جو ان کی عزّت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

ذکر روکے فضل کاٹے، نقص کا جویا رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امّت رسول اللہ کی

کرے مصطفےٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

حضرت رضا کی شاعری میں ان کی مذہبیت نے یہ رخ ضرور پیدا کیا ہے جو سراسر حقائق پر مبنی ہے۔ اس کے باوجود اگر خالص فنی اقدار کا جائزہ لیا جائے تو رضا کی شاعری دلّی اور لکھنؤ کی معیاری شاعری کے نمونے پیش کرے گی۔

زبان کی صفائی، شستگی و برجستگی اور سہل ممتنع کی مثالیں دیکھنی ہوں تو ذیل کے اشعار موجود ہیں ؎

اے رضا سب چلے مدینے کو
میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

آنکھیں رو رو کے سوجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

ذبح ہوتے ہیں وطن سے بچھڑے
دیس کیوں گاتے ہیں گلنے والے

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

اللہ اللہ کے نبی سے
فریاد ہے نفس کی بدی سے

شب بھر سونے ہی سے غرض تھی
تاروں نے ہزار دانت پیسے

ان کے آگے دعوئ ہستی رضا
کیا بکے جاتا ہے یہ ہر بار ہم

ان کا تبحر علمی ان کے بیشتر اشعار سے ظاہر ہے۔ عربی و فارسی پر کامل عبور نے اشعار میں عربی فقروں کا اتنا حسین اور برجستہ پیوند لگایا ہے جسکی مثال کم ملتی ہے ؎

بے ابر کرم کے مرے دھبے
لاتغسلہا البحار آقا

اتنی رحمت رضا پر کر لو
لایقربہ البوار آقا

لاملئن جہنم تھا وعدۂ ازلی
نہ منکروں کو عبث بد عقیدہ ہونا تھا

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تو رے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

آپ کی مشہور نعت ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مقطع کا حسن ملاحظہ ہو ؎

اے رضا چیست غم از جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام مامنِ خود قبلۂ حاجاتے را!

ایک دوسری نعت ہے ؎

پاٹ وہ کچھ، دھار یہ کچھ، زار ہم
یاالٰہی کیونکر اتریں پار ہم

مقطع میں فرماتے ہیں ؎

چشم پوشی و کرم شانِ شما
کارِ ما بیباکی و اصرار ہم

میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت رضاؔ کی زبان خالص ٹکسالی زبان ہے۔ ان کے یہاں کچھ ایسے الفاظ بھی بڑی عمدگی سے ادا ہوئے ہیں جو لکھنؤ کی خالص بیگماتی اردو کا جزو ہیں مثلاً منگتا، گنا، بھرن، خدائی خوار، گدگدی کرنا، سر پہ بلا اٹھانا، ہوا بتانا وغیرہ ؎

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرادے وہ دنیا کا تاج
جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

او شہد نمائے زہر درجام
گم جاؤں کدھر تری بدی سے

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعۂ باطن میں گنے جلوۂ ظاہر گیا

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے
بیکس کو اٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول

اپنے کوچہ سے نکالا تو نہ دو
ہیں تو حد بھر کے خدائی خوار ہم

غفلتِ شیخ و شاب پر ہنستے ہیں طفل شیر خوار
کرنے کو گدگدی عبث آنے لگی بہار کیوں

یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا اُٹھائی کیوں

نام مدینہ لے لیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی، کیوں؟

روزمرہ، محاورہ اور لب ولہجہ کا یہ ستھرا پن ان کے کلام کا خاص جوہر ہے اس کے باوصف سخت اور دشوار زمینوں میں حضرت رضاؔ نے جو مضامین باندھے ہیں وہ ان کی قادر الکلامی پر دال ہیں۔ آپ کی طبیعت مشکل پسند تھی اور یہ مشکل بھی ایسی اتنی سہل تھی گویا کوئی تکلیف ہی نہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل
پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل

رنگِ مژہ سے کر کے خجل یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں

چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آگئی
کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

تشبیہات کی کچھ اور تازہ کاری دیکھئے ؎

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

دل کھول کے خوں رولے غمِ عارضِ شہ میں
نکلے تو کہیں حسرتِ خوں نابہ شدن پھول

وہ بہادر شاہ ظفرؔ کی طرح لمبی لمبی ردیف میں بھی اشعار بڑی آسانی سے کہتے ہیں ؎

رخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا

رضاؔ جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب
تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

تلمیحات سے اشعار کا معنوی حسن سوا ہوتا ہے۔ حضرت رضاؔ کے کلام میں تلمیحات کی کثرت ہے جو ان کی وسعت علمی اور ایجاز سخن کی دلیل ہے۔ شاعر کو اس صنعت گری پر کمال حاصل ہے۔ ؎

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زنان
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ

وہ رعایت لفظی سے بھی اپنے کلام میں بڑی دلکشی اور جاذبیت پیدا کرتے ہیں۔

؎ خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

(بقیہ صفحہ ۵۰۴ پر)

کی نعتیہ شاعری پر اک نظر

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
چکیا کالج۔ بارا چکیا۔ ایسٹ چمپارن۔ بہار

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

نعت گوئی ایک فن ہے اور مشکل فن ہے۔ یہ پل صراط طے کرنے سے بھی دشوار تر ہے۔ اور چاول پر قُل ھواللہ کا نقش لکھنے کے مترادف ہے۔ اس فن کی نزاکتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بڑے محتاط فکر و تخیل ہوشیاری اور ادب شناسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی خیال کو فنی پیکر عطا کرنے سے پہلے اس کو سو بار احتیاط کی چھلنی میں چھان لینا پڑتا ہے۔ تب وہ کہیں جا کر حرفِ اظہار میں آتا ہے۔ علمائے نقد و نظر اور صاحبان علم و فن کا اتفاق ہے کہ نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ہے اور تمام اصناف سخن سے مشکل ہے۔ اگر حد سے تجاوز کرتا ہے تو الوہیت کی تجلی خاکستر کر دے گی۔ اور کمی کرتا ہے تو تنقیص شانِ رسالت کی تیز تلوار اُس کی گردن ناپ دے گی۔ اس لئے خوش نصیب ہیں وہ مداحین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جنھوں نے کامیابی اور سرخروئی کے ساتھ اس وادیٔ پر خار کو طے کیا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت و محبت کا شعری گلدستہ پیش کیا۔

نعت گوئی اور نعت خوانی ایسا مقدس وظیفۂ حیات ہے جس کی عظمت اور مقبولیت کی سند خود بارگاہ ممدوح، محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکی ہے حضرت حسّان بن ثابت حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے منبر پر کھڑے ہو کر نعت پاک پیش کیا کرتے اور سرکار دو جہاں ان کو "اللھم ایدہ بروح القدس" کا مژدۂ جانفزا سنا کر دارین کی سعادتوں سے نوازا کرتے۔ حضرت کعب بن زہیر جو حالت کفر میں اپنی شاعرانہ بے احتیاطیوں اور بے ادبیوں کے جرم میں واجب القتل قرار دے جا چکے تھے جب بارگاہ رحمت میں معذرت خواہ ہو کر حاضر ہوئے اور اپنا مشہور تاریخی قصیدہ "بانت سعاد" سنایا تو حضور نے خوش ہو کر اپنی ردائے مبارک اُن کو عطا کر دی۔ عہد مابعد میں صاحب "قصیدہ بُردہ" حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے بعارضۂ فالج ایک نعتیہ قصیدہ تحریر فرمایا۔ تو خواب میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک سے مشرّف ہوئے۔ حضور نے اپنا دست کرم اُن کے اعضائے مفلوجہ پر پھیرا۔ وہ اسی وقت اچھے ہو گئے اور ایک چادر رحمت سے بھی نوازے گئے۔ الغرض اعلحضرت ہی کی زبان میں ؎

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا

فارسی نعت گویوں میں حضرت سعدیؔ، جامیؔ، خسروؔ، اور قدسیؔ (رحمہم اللہ) کی نورانی اور عرفانی نعتوں سے کون صاحب ذوق واقف نہیں۔ ان عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بہ لحاظ فکر کیا بہ لحاظ فن۔ نعتوں اور منقبتوں کا ایسا حسین گلشن سنوار دیا ہے جس کی بہاریں صبح قیامت تک بے خزاں رہیں گی۔

اُردو شاعری اپنے دامن میں مقدار و معیار ہر دو اعتبار سے نعتوں کا عظیم سرمایہ رکھتی ہے اور ابتدا ہی سے نعت گویوں کا سلسلۂ نجوم نظر آتا ہے۔ اردو کا کوئی ایسا معقول شاعر نہیں جس نے نعت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کم از کم ایک دو شعر بھی نہیں کہا ہو۔ لیکن حقیقتاً جن خوش نصیب حضرات نے اس صنف لطیف کو اپنے سینوں سے لگایا اور نجات آخروی کا ذریعہ سمجھا اُن میں اعلیحضرت مولینا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی (نور اللہ مرقدہ) حضرت مولیٰنا غلام شہید، حضرت مولینا حسن رضا خاں صاحب بریلوی، حضرت آسی غازیپوری، حضرت محسن کاکوروی اور امیر مینائی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مگر تمام نعت گویوں میں از متقدمین تا متاخرین حضور اعلحضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب کا مقام اور ان کا کلام کئی جہت سے سب سے ممتاز و منفرد نظر آتا ہے۔ پہلی امتیازی خصوصیت تو یہ ہے کہ اردو کا کوئی بھی نعت گو آپ سے زیادہ وسیع المعلومات، اسرار شریعت کا رازداں، کتاب و سنت کے بحر ذخّار کا سچا شناور اور صاحب فضل و کمال نہیں ہوا۔ دوسری امتیازی صفت یہ ہے کہ نعت گوئی میں آپ جس احتیاط و ادب شناسی کی منزل سے گزرے ہیں اس کا جواب نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ آپ نے قرآن سے نعت گوئی سیکھی اور حضرت حسان

جیسے آشنائے منزل کو خضرِ راہ بنایا۔ خود فرماتے ہیں ؎

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

رہبر کی رہِ نعت میں اگر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

بہت کم شعرا ایسے ہوں گے جنھوں نے اپنی زبان وقلم کو صرف تذکرۂ پاک صاحبِ لولاک تک محدود رکھا ہو اور کبھی کسی اہل ثروت و منصب کی مداحی نہ کی ہو۔ یہ امتیاز خاص بھی صرف اعلیحضرت کا ہے کہ انھوں نے کبھی کسی دنیاوی جاہ و حشمت والے کی طرف نگاہِ غلط انداز تک نہیں ڈالی۔ ایک بار شاعروں نے نانپارہ کے نواب کی شان میں مدحیہ قصاید کہے۔ آپ سے بھی فرمائش کی گئی۔ جواب میں آپ نے ایک نعت پاک کہی جس کا مطلع ہے ؎

وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمان نقش جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور مقطع میں اپنا یہ مسلک شاعری بھی ظاہر کر دیا ؎

کروں مدح اہل دُوَل رضا، پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

قدرت کلام کے آئینے میں دیکھئے تو یہاں بھی اعلیحضرت اپنی انفرادی شان لئے ہوئے نظر آئیں گے۔ ایک بار آپ سے درخواست کی گئی کہ ایک ایسی نعت کہیں جس میں عربی فارسی، اردو، ہندی زبانوں کے الفاظ شامل ہوں۔ آپ نے فی البدیہہ دس اشعار پر مشتمل ایک نعت کہدی جس کا مطلع ہے ؎

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس ضمن میں ان کی ایک خالص اردو نعت کے یہ چند اشعار بھی دیکھئے جن میں الفاظ کی نشست و برخاست، خیالات کا اتار چڑھاؤ، لہجے کی گھلاوٹ، طرز ادا کی دلکشی، قوافی کی شگفتگی اور صوتی حسن سے رنگ و نور کا سامانِ صد ہزار لئے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ پڑھیئے اور کمال سخنوری کی داد دیجیئے ؎

زمین و زماں تمھارے لئے مکین و مکاں تمھارے لئے
چنین و چناں تمھارے لئے بنے دو جہاں تمھارے لئے

کلیم و نجی مسیح و صفی خلیل و رضی رسول و نبی
عتیق و وصی غنی و علی ثنا کی زباں تمھارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمھارے لئے

جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمھارے لئے

آپ نے اپنے عہد کے تمام مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی لیکن ہر جگہ اپنی انفرادیت کا نقش پائیدار چھوڑا ہے۔ دوم درجے کی چیز کبھی نہیں کہی۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد، قطعات، رباعیات اور سلام جس میدان کی طرف رخ کیا ہے اپنی شاعرانہ عظمتوں کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ یہ اعلیحضرت کے لئے شایاں تھا اگر یہ ادعا فرماتے کہ ؎

دونوں عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

لیکن انھوں نے از راہِ انکسار صرف اتنے ہی پر بس کیا ؎

یہی کہتی ہے بلبلِ باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

اور خدا کی قسم اس میں کوئی شاعرانہ تعلّی یا جذبۂ احساس برتری نہیں۔ نعت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ نے جس عشق و وارفتگی اور جذب و سرمستی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ دنیائے شعر و سخن میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا نعتیہ دیوان جو "حدائق بخشش" کے دو حصوں میں ہر جگہ دستیاب ہے اس کا ایک ایک شعر اور شعر کا ہر ہر لفظ عشق رسول کی پاکیزہ شراب سے لبریز ہے۔ اور عقیدت و اخلاص کا آئینہ دار ہے اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے اس بے پایاں عشق رسول اور فنا فی الرسول ہونے کی شہادت دشمنوں نے بھی دی ہے۔ الحق ما شھدت بہ الاعداء۔ اور یہ قبولیت و لطف سخن اس لئے حاصل ہوا کہ آپ کا قال حال تھا اور حال قال تھا۔ آپ کا ظاہر باطن تھا اور باطن ظاہر تھا۔ از دل خیزد در دل ریزد کی کیفیت سے سارا کلام مملو نظر آتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا بے مشکل ہے کہ کس شعر کو کس شعر پر ترجیح دی جائے۔ بقول نظیری ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

"حدائق بخشش" پر از اول تا آخر تنقیدی نظر ڈال جائیے، دوست کی نظر سے نہیں دشمن کی نظر سے، جانبداری کی نظر سے نہیں غیر جانبدار کی نظر سے، دور بینی نہیں خورد بینی نظر سے کہیں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملے گا جو کتاب و سنت سے متصادم اور احکام شریعت سے مزاحم ہو۔ نہ کہیں افراط نہ تفریط۔ ایک خوشگوار اعتدال و توازن کی چاندنی ہر جگہ چھٹکی نظر آتی ہے۔ اور لاریب اتنی کامیابی اور خوش اسلوبی سے وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو بارگاہ رسالت کا ادب شناس اور موید من اللہ ہو ـــــ ہر چند اعلیحضرت نے شعر گوئی کو کبھی مقصود بالذات نہیں سمجھا۔ مقصد حیات مداحیٔ سرکار تھا۔ انھوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی ہے۔ بلکہ شاعری بطور عبادت کی ہے۔ انھوں نے کبھی کسی سے "ستائش کی تمنا" نہیں کی اور "صلہ کی پروا" کی ہے تو اسی دربار گوہر بار سے جس کی شان انھیں کی زبان

میں تھے ؎

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

مرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں ۔ دُر بے بہا دیئے ہیں

اور واقعی اس شہنشاہ کونین کی بارگاہِ بیکس پناہ سے انھوں نے جو مانگا ملا جو تمنا کی پوری ہوئی۔ صرف دو واقعات کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔ ایک بار حضور اعلیٰ حضرت نے خواب دیکھا کہ اپنے مکان کے آگے شارع عام پر کھڑے ہیں اور ایک بلوری فانوس ہاتھ میں لیے ہے ۔ اُسے روشن کرنا چاہتے ہیں لیکن دو شخص جو دائیں بائیں کھڑے ہیں پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں۔ اتنے میں حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے ۔ آپ کو دیکھ کر وہ دونوں مخالف فوراً غائب ہو گئے ۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اعلیٰحضرت کے پاس تشریف لائے اور اُن سے اتنے قریب ہو گئے کہ ایک بالشت سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا اور بہ کمال رافت و رحمت ارشاد فرمایا "پھونک مار اللہ روشن کر دے گا" ۔ آپ (اعلیٰحضرت) نے پھونکا سارا فانوس روشن ہو گیا (تجلی الیقین صفحہ ۸۰)

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ دوسری بار جب سرکار اعلیٰحضرت زیارت محبوب کی غرض سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو شوقِ دیدار میں روضۂ انور کے مواجہہ میں درود کی ڈالیاں نچھاور کرتے رہے اس حُسنِ نیت اور یقین محکم کے ساتھ کہ حضور پر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں گے ۔ لیکن پہلی شب میں ایسا نہیں ہوا۔ تو آپ نے بہ رنگ تغزل ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اور اس کو نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مواجہہ اقدس میں عرض کیا ۔ اور ادب کے ساتھ بیٹھ گئے ۔ تھوڑی ہی دیر میں بابِ کرم وا ہوا اور آپ نے اپنے چشم سر سے بحالت بیداری تاجدار کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمال جہاں آرا کی زیارت فرمائی (حیات اعلیحضرت بحوالہ سوانح اعلیحضرت ص ۲۵۲)

حقیقت یہ ہے کہ جس کسی نے دل کی گہرائیوں سے محبوب کبریا کی مدح و منقبت فرمائی وہ کبھی محروم نہیں رہا ۔ اعلیٰحضرت کو یہ سعادت عظمیٰ اس لئے حاصل ہوئی کہ آپ سرکار کی محبت میں خلوص مجسم تھے ۔ بظاہر آپ کا جسم ہند میں لیکن روح گنبد خضریٰ کی ٹھنڈی چھاؤں میں چلتی پھرتی نظر آتی ۔ آپ کے نالۂ نیم شبی میں جو سوز و گداز اور آہ صبحگاہی میں جو جوش اضطراب تھا وہ بالآخر رنگ لے ہی آیا۔ اور آپ کا یہ جذب عشق صرف سرکار والاتبار کی ذات پاک ہی تک محدود نہیں ۔ بلکہ جلوہ گاہ محبوب مدینہ طیبہ کے ذرہ ذرہ اور چپہ چپہ سے آپ کو بے پایاں عشق رہا ہے ۔ اُس دیارِ قدس کے پھول تو پھول کانٹوں کو بھی آپ نے سینے سے لگایا ہے ۔ وہاں کے ہر در و دیوار، گنبد اور مینار ، مرغزار و کہسار اور ریگزار و رہگزار کو آپ نے قریب سے دیکھا ہے ۔ چشم و دل سے لگایا ہے اور پھر اُس کے حسین جلوؤں کو اپنے اشعار میں سمیٹ لیا ہے ۔ اور ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا ۔ بقول شاعر ؎

وَمِن مَذھبی حُبُّ الدِّیَارِ لِاَھلِھَا
وللناس فیما یَعشِقُون مَذَاھِبُ

(میرے مذہب میں دیار سے محبت کرنا صاحبِ دیار کی وجہ سے ہے اور عشق میں لوگوں کے الگ الگ مذہب ہوا کرتے ہیں)

اور اب اُن کے دیوان سے چند متفرق اشعار میرے دعاوی کے ثبوت میں ملاحظہ ہوں ؎

اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنارِ خارِ مدینہ دمیدہ ہونا تھا

اے خارِ طیبہ دیکھ کے دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

کیا مدینے سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

اسطرف روضے کا نور اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

چمن ہوتے ہیں یہ کمہلائے ہوئے پھولوں میں
کیوں یہ دن دیکھتے، پاتے جو بیابان عرب

مدینے کے خطے خدا تجھکو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

اسطرح کے ان گنت اشعار اُن کے دیوان میں مہ و نجوم کی طرح جگمگاتے ہیں۔ جب کبھی اعلیٰحضرت کے سامنے ذکر مدینہ آتا وہ فرط عقیدت و محبت سے سرشار ہو کر سارے زمانے سے بے نیاز ہو جاتے اور دنیا کی حسین

ترین چیزوں میں بھی انھیں کوئی لطف و دلکشی نہیں معلوم ہوتی۔ فرماتے ہیں ؎

حورِ جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا
چھیڑ کے پردۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

اور وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ عشقِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آتش فروزاں کی بدولت جو داغِ جگر کا لہلہاتا ہوا باغ عطا ہوا ہے وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے ؎

یا رب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ
ہر مہ مہِ بہار ہو ہر سال سالِ گل

دیکھیے "ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات" کے ٹکسال میں "ہر مہ مہِ بہار ہو ہر سال سالِ گل" کا کتنا لطیف اور دل آویز مصرع ڈھلا ہے۔ پھر پہلے مصرع میں "داغِ جگر" کو "باغ" سے تشبیہ دینا ندرتِ خیال اور جدّتِ بیان کی کتنی پاکیزہ مثال ہے۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

درد دیں صورتِ ہالہ محیطِ ماہِ طیبہ ہیں
برستا امتِ عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

علم ہیئت کی روشنی میں عوام الناس کا خیال ہے کہ جب ہالہ چاند کو اپنے حلقہ میں لے لیتا ہے تو یقیناً بارش کا نزول ہوتا ہے۔ اب اس نکتے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور اعلیٰحضرت معنی آفرینی فرماتے ہیں کہ امت کی جانب سے دردوں کی پیہم ڈالیاں نچھاور کی جاتی ہیں وہ بھی "ماہِ طیبہ" کے گرد بصورت ہالہ اپنا حلقہ بنا لیتی ہے۔ اس کے بعد ہر آن یہ آس لگی رہتی ہے کہ امتِ عاصی پہ رحمت و نور کی موسلا دھار بارش اب ہوئی تو اب ہوئی۔ اعلیٰحضرت کی یہ شاندار نکتہ آفرینی اہلِ نظر سے خصوصی داد و توجہ کی مستحق ہے۔

اردو کے ایک باکمال شاعر نے کہا تھا ؎

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

مجھے خبر نہیں کہ واقعی انھوں نے ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھا کہ نہیں لیکن اربابِ فکر و نظر دیکھ لیں کہ واقعی ہمارے امام اہلسنّت حضور اعلیٰحضرت نے اک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھا ہے۔ حدائق بخشش حصہ اول میں اُن کی ایک نعت ہے جس کی ردیف ہی "پھول" ہے۔ یہ نعت سولہ [16] اشعار پر مشتمل ہے۔ اور ہر شعر میں "پھول" کو ایک نئے معنی اور نئے طرز و انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور شاعروں نے "پھول" کو جتنے معنوں میں استعمال کیا ہوگا وہ سب یکجا طور پر اس گلدستہ نعت میں مل جائیں گے۔ تمام اشعار کو نقل کرنا ممکن نہیں صرف چار اشعار بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں ؎

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

(تیسرے شعر میں "پھول" بمعنی ہلکا اور چوتھے شعر میں "پھول" بمعنی گھمنڈ استعمال کیا گیا ہے)

مجھے یقین ہے کہ شعر و ادب کا ستھرا ذوق رکھنے والے حضرات اعلیٰحضرت کے شاعرانہ کمالات کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیں گے اگر وہ واقعی ایمان و دیانت کے ساتھ اُن کے دیوان کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر غالب کی فکرِ بلند اور علوئے حوصلے نے سارے "دشتِ امکاں" کو "ایک نقشِ پا" قرار دیا تھا تو اُن سے کئی منزل آگے بڑھ کر ہمارے اعلیٰحضرت کی عروسِ فکر نے زلفِ محبوب (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوشبو و لطافت کے مقابلے میں "بہشتِ خلد کی بہاروں" کو ایک "چھوٹا سا عطردان" قرار دیا ہے ؎

بزم ثنائے زلف میں میری عروسِ فکر کو
ساری بہارِ ہشت خلد چھوٹا سا عطردان ہے

اندازہ لگائیے ایک طرف "دشتِ امکاں" ہے دوسری طرف "ہشت خلد" اور جب یہ طے ہے کہ موجودہ دشتِ امکاں سے ایک خلد کا طول و عرض کئی گنا زیادہ ہے تو "ہشت خلد" کا عالم کیا ہوگا۔ اور پھر اس کی بہاروں کا خلاصہ اور نچوڑ زلفِ سرکار کے نزدیک ایک چھوٹا سا عطردان ہو۔ ایسی اچھوتی اور دل آویز بات شاید کسی مداحِ رسول نے کہی ہو۔ اور اب یہ شعر دیکھیے۔

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

شعرائے قدیم سے لے کر دورِ جدید تک کے دواوین کا بغور مطالعہ کر جائیے تلاش و تفحص کے بعد آپ ایک شعر بھی ایسا نہیں پیش کر سکیں گے جس میں اپنے ممدوح کی مدح و ثنا اتنے خوبصورت اور ایمان افروز انداز میں کی گئی ہو جتنے خوبصورت اور پاکیزہ انداز میں اعلیٰحضرت نے اپنے مرقومہ بالا شعر میں کی ہے۔ عام طور پر ممدوحِ حسین کو مطلق "پھول" اور "شمع" دونوں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت کا اپنا انداز ہی نرالا اور جدا گانہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ صرف ہمارے حضور پرنور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمالِ حسن ہے کہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا وہم و گمان

بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آپ عالمِ امکان کے لوث وعیوب سے بالکل پاک و منزہ حسن وجمال کے شاہکار نمونہ ہیں۔ پھول بھی خوبصورت ہوتا ہے مگر کانٹے کا وجود اس کے لئے عیب ہے۔ شمع میں بھی حسن ہے مگر وہ جلتی ہے تو دھواں نکلتا ہے یہ اس کے لئے نقص ہے۔ یہ صرف کمالِ حسن حضور ہے کہ آپ "پھول" ہیں تو کانٹے سے بیاز اور "شمع" ہیں تو ایسی کہ اس میں دھواں پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا یعنی ہمارا "پھول" باغ عالم میں بے نظیر اور ہماری "شمع" بزم امکاں میں بے مثال۔

اردو کے ایک استاد شاعر آتش لکھنوی نے فن شاعری کو مینا کاری اور مرصع سازی کا فن قرار دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

اور اب اعلیٰحضرت کے اس شعر کو دیکھئے ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سرکٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

اس شعر کے لفظی اور معنوی حسن کا تجزیہ کیجئے تو صناعی و فنکاری کی دنیا نظر آئے گی۔ اس شعر کا مفہوم محض اتنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن سے مبہوت ہوکر عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ دوسری طرف سرکار کے صرف نام پر مردانِ عرب سر کٹانے اور جان لٹانے کو تیار رہتے تھے۔

فنی اعتبار سے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ کا استعمال اس سلیقے اور ہنرمندی سے کیا گیا ہے کہ ان کے باہمی تقابل سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تفضیل ثابت ہوتی ہے۔ پہلے مصرع میں "حسن" کا لفظ آیا ہے تو اس کے مقابلہ میں مصرع ثانی میں "نام" کا لفظ ہے۔ پہلے میں "کٹنا" کہا گیا ہے جس میں قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا تو دوسرے میں "کٹانا" کہا گیا ہے جس میں قصد وارادہ کا شامل ہونا ناگزیر ہے پہلے میں "مصر" ہے تو دوسرے میں "عرب" اور ظاہر ہے کہ ایام جاہلیت میں موخرالذکر کی سرکشی اور خودسری مشہور تھی۔ پھر پہلے مصرع میں "انگشت" ہے تو دوسرے میں اس کے مقابلہ میں "سر"۔ پہلے میں "زناں" اس کے مقابلے میں دوسرے میں "مردان" پھر پہلے میں لفظ "کٹیں" سے مظہر ہے کہ ایک بار ایسا ہوا اور دوسرے میں "کٹاتے" سے ثابت ہے کہ استمرار و دوام کے طور پر ایسا ہوتا ہے۔ الغرض دونوں مصرعوں کا ایک ایک لفظ تفضیل سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علمبردار ہے۔ اعلیٰحضرت کے کمال تخیل کی داد دیجئے کہ کس طرح ایک شعر میں اتنے محاسن لفظی ومعنوی کا التزام کر دیا۔

اسی قبیل کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو ؎

کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستان ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے اپنی قمیص مبارک اپنے والد محترم کی ردِّ بصارت کے لئے کنعان روانہ کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دور ہی سے اس کی خوشبو محسوس فرمالی اور جب اس قمیص مبارک کو اپنی آنکھوں سے لگایا تو ان کی کھوئی ہوئی روشنی فوراً لوٹ آئی۔ یہاں اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ محبوب دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود پاک کی عطر بیزیوں سے عرب کا ہر ایک گوشہ کنعان کی طرح یوسفستان نظر آتا ہے۔ اور پیرہن محبوب کی خوشبوؤں سے یہاں کا کوچہ کوچہ ہر راہ ہر راہگذر مشکبار وخوشبو دار نظر آتی ہے۔ اس شعر میں "بوئے قمیص" "یوسفستان" اور "گوشۂ کنعان عرب" کی ترکیب و ترتیب اعلیٰ فنکاری اور مینا کاری ہے۔ خاص طور پر "یوسفستان" کی ترکیب اعلیٰحضرت سے پہلے شاید کسی اور نے استعمال کی ہو۔

گزشتہ سطور میں کہیں اشارہ کیا گیا ہے کہ اعلیٰحضرت نے اپنے فکر و نظر کی آبیاری کلام ربانی کے چشمۂ صافی سے کی ہے۔ اور حضرت حسان کی رہنمائی میں چمنستان نبوت کے خوشرنگ وخوشبودار پھولوں سے اپنے گلدستۂ نعت کی تزئین وآرائش کی ہے۔ آیئے ایک دو مثالوں سے اس کو واضح اور محکم کرتا چلوں۔ سب سے پہلے اعلیٰحضرت کا یہ شعر سنئے جو قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور خاص وعام کی زبان پر جاری رہتا ہے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

یعنی دونوں عالم کے رہنے والے خدا کی خوشنودی کے جویاں اور خواہاں ہیں اور خود خدا وند قدوس اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کا طالب ہے۔ اعلیٰحضرت نے اپنے اس فکر کی اساس آیات قرآنی قد نری تقلب وجہک .... ترضٰھا (الخ) رکھی ہے جس میں تحویل قبلہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے انھیں آیات مذکورہ کا صاف وبرملا ترجمہ اپنے شعر میں کیا ہے۔ یہ گویا سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے اور اختصار میں جامعیت کی شان پیدا کر دی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ قم باذن اللہ کہکر آپ مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔ اور سید الانبیاء کی معجزانہ شان یہ ہے کہ آپ نے بے جان کنکریوں کو قوت گویائی بخش دی۔ مردے تو بہر حال کسی زمانے میں ذی روح تھے لیکن سنگریزے تو ہمیشہ جامد وغیر ذی روح رہے اس لئے "اعجاز عیسوی" سے "اعجاز مصطفوی" زیادہ انوکھی اور اچھوتی بات ہوئی۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ؎

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

مصرع اول میں "لب عیسیٰ" اور "دست مصطفیٰ" کا تقابل بھی خوب ہے دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "لب عیسیٰ" سے بھی حضور ہی کے لبہائے مبارک مراد ہیں اور اعلیٰحضرت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور کے دہان مبارک اور لبہائے مبارک

کا اعجاز مسلم ہے ہی آپ کے دست مبارک میں بھی یہ اعجاز تھا کہ انگشت پاک سے اشارہ فرما دیا تو سنگریزے بولنے لگے۔ مصرع میں ثانی میں "شیریں مقالی" کا ٹکڑا بڑا جاندار اور بلاغت آفریں ہے کیونکہ سنگریزوں نے دستِ کا فر میں کلمۂ اسلام پڑھ کر اپنا تعارف کرایا تھا اس سے بڑھ کر اور "شیریں مقالی" کیا ہوگی۔

اس نعت کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو ؎

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

اس شعر میں آیت پاک محمد رسول اللہ والذین ..... بینھم (۲۶پ) کی شاندار ترجمانی کی گئی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں کے لئے رؤف و رحیم ہیں اور کفر کی حلقوم پر شمشیر برہنہ کی مانند ہیں۔ اسطرح آپ کی ذات اقدس جمال و جلال دونوں کی مظہر ہے۔ اس کو استعارہ بدل کر یوں کہا گیا ہے کہ آپ کے دست کرم میں دونوں شانیں موجود ہیں۔ ایک پہلو جمالی ہے تو دوسرا جلالی ہے۔ پہلے مصرع میں "ابر نیساں" کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں لفظ "جمالی" کا استعمال اور "تیغ عریاں" کی رعایت سے لفظ "جلالی" کا انتخاب کتنا موزوں، مناسب اور شاعرانہ طرز بیان ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور فداہ ابی وامی کل عرصات قیامت میں داور محشر کے سامنے گنہگاران امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اعلحضرت کی روح پرور نکتہ آفرینی دیکھئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی شفاعت فرمائی کا انداز اتنا والہانہ اور دل پذیر ہوگا کہ وہ قدسی نفس حضرات جن کے نامۂ اعمال میں سیأت کا شائبہ تک نہیں ہوگا وہ بھی یہ تمنا فرمائیں گے کہ کاش تھوڑا سا گنہ مل جاتا تاکہ ہم بھی سرکار کی روح افزا شفاعت سے لطف اندوز ہوتے۔ دیکھئے کتنے پیارے اور اچھوتے انداز میں کتنی پیاری بات کہی گئی ہے ؎

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ، پرہیزگاری واہ واہ

اس شعر میں "واہ واہ" کی ردیف نے صنعت تکرار کا لطف تو پیدا کیا ہی ہے لفظوں کے زیر و بم اور معنی کے کیف و کم نے بھی عروس سخن کے مکھڑے پر چار چاند لگا دیا ہے۔ قوافی کی شگفتگی، بحر کی روانی اور ترنم کی حلاوت اس پر مستزاد ہے۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر اصحاب کرام کے سامنے قلت آب کا مسئلہ درپیش آگیا آپ نے ایک پیالہ میں اپنا دست کرم ڈال دیا۔ پھر تو ان نورانی انگلیوں سے اس قدر متوج خیز دھارے پھوٹے کہ تمام لوگوں نے آسودہ ہو کر اپنی تشنگی رفع کرلی اور پھر پانی بچ بھی گیا۔ اس واقعہ کو مندرجہ بالا شعر میں اعلحضرت نے کتنے دلکش اور دل نشیں انداز میں ادا فرمایا ہے۔ دست نبوت کی پانچ انگلیوں کو "پنجاب رحمت کی ندیاں" قرار دینا اور پھر اُن سے رحمت کا پانی بہانا یہ حضور اعلحضرت ہی کے ذہن رسا کا کام تھا۔

حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور کے مزار پر انوار پر ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک اور ستر ہزار شام سے صبح تک لگاتار، درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کرتے رہتے ہیں۔ اس کو اعلحضرت نے یوں ارشاد فرمایا ہے ؎

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام
یوں بندگی زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے

فنی لحاظ سے اس شعر میں صبح و شام کی مناسبت سے زلف و رخ کا لانا کتنا لطیف اور شاعرانہ پیرایۂ بیان ہے۔ اس طرح کی ہزاروں مثالیں حدائق بخشش میں موجود ہیں۔ اعلحضرت نے جتنے محاسن ادبی و شعری اور صنائع و بدائع سے اپنے کلام کو مزین فرمایا ہے اگر ان کی کماحقہ توضیح و نشاندہی کی جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے مگر

ع فرصت کہاں کہ اس کی تمنا کرے کوئی

اس لئے بلا تبصرہ چند پسندیدہ اشعار اور سن لیجئے۔ عجب نہیں آپ کا ذوق بلند براہ راست دیوان اعلحضرت کے مطالعہ پر مجبور کر دے ؎

جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدرِ گل سے شفق میں ہلال گل

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

ہلال کیسے نہ بنتا کہ بدرِ کامل کو
سلام ابرو ئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

وہ سرگرم شفاعت ہیں عرق افشاں ہے پیشانی
کرم کا عطر صندل کی زمیں رحمت کی گھانی ہے

صف ماتم اٹھے، خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں
گنہگارو چلو مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزت ملی ہے

(بقیہ صفحہ ۵۰۴ پر)

امام احمد رضا کی شاعری تحقیق کے آئینے میں

اشفاق احمد رضوی (بی اے)

مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات مخزن برکات چودہویں صدی ہجری میں دنیا والوں کیلئے دینی، علمی روحانی لحاظ سے رب کریم کی اعلیٰ نعمت وسراپا رحمت تھی۔ آپ کی زندگی کے حالات عینی شاہدوں کے بیانات، علمائے عصر کی شہادتیں، مفتیان حل وحرم کے فتاوے، مشائخ عرب وعجم کے تحسینی ارشادات کی بنا پر یہ کہنا بالکل بجا اور بے غبار حقیقت ہے کہ مجدد مائتہ حاضرہ موید ملت طاہرہ "آیت من آیت اللہ" تھے۔ معجزۃ من معجزات سید المرسلین تھے (علے صاحبہا التحیہ والثنا) برہان اسلام، حجت دین، مسلک حق کیلئے آیت "بینات" تھے۔ یہ کلمات عقیدت ذرہ برابر بھی غلو ومبالغہ کے حامل نہیں ہیں۔ بلکہ اس دعویٰ پر اعلیٰ حضرت کے علمی، عملی کارنامے آپ کی تحقیقی تصنیفات، فتاوے رسائل و مسائل ایک مضبوط ومستحکم ثبوتی دستاویز ہیں۔

احوال واقعی

سطور بالا کے معروضات تخیلی پرواز نہیں ہیں بلکہ علمائے کرام کے ارشادات ہیں ورنہ اپنا حال تو یہ ہے کہ دینی علوم میں مہارت ورسوخ تو درکنار دینی علموں کے ابجد خوانوں کی صف نعال کے بھی لائق نہیں ہوں۔ پھر بھی ایسی باکمال شخصیت کے علم وفن پر جن کا سینہ دینی علموں کا خزینہ، کسبی علم وفن کا گنجینہ ہے، اظہار رائے کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پھر بھی "دربار رضویت" کے اس ناچیز وابستہ دامن نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ کلاموں کا بار بار مطالعہ کیا ہے جس کا تاریخی نام "حدائق بخشش" ہے۔ اس کے ساتھ اسکول وکالج کی زندگی میں اردو شعراء کے "دواوین" کے پڑھنے کا بھی موقع ملا ہے۔ اور اس پر نئے پرانے طرز کے نقادوں کی تنقیدیں بھی دیکھی ہیں۔ اثنائے مطالعہ میں صائب کا یہ مصرعہ بار بار دماغ میں چکر لگاتا رہا کہ "خس بود بالائے دریا زیر دریا گوہر است"۔ کتنے خس بالائے دریا ہیں ان کا حساب وکتاب کون پیش کرے۔ اسی طرح یہ معلوم کتنے "زیر دریا گوہر" ہیں۔ انہیں زیر دریا گوہروں میں ہر نقطہ سے اعلیٰ حضرت کے کمالات دُرِ بے بہا ہیں۔ اسی دُرِ یکتا کی شعری، ادبی جھلکیوں کو اپنی بساط بھر پیش کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ مولیٰ تعالےٰ اپنے حبیب پاک کے طفیل توفیق خیر سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

"معیار تنقید"

اردو شعراء کے کلام کو اس زمانہ میں جس معیار وکسوٹی سے پرکھا جا رہا ہے اور جس پیمانہ سے ناپا اور جس ترازو سے تولا جا رہا ہے اسی منوال ومیزان کی توقع ہم سے نہ رکھیں کیونکہ ہمارے نزدیک کسی کے کلام کی جانچ پرکھ اور اس کے کلامی وشعری معائب ومحاسن کی تعین وتشخیص اس اہل کلام کے "دعاوی وخاص التزام کی روشنی میں کرنا چاہیئے۔ جس رعایت ولزوم کا اس نے اپنے آپ کو پابند کر لیا ہے۔ نگاہ تنقید اس نکتہ پر مرکوز رہے کہ آیا وہ اپنی متعین راہ پر قائم رہا یا ڈگمگا گیا۔ اس نے اپنی قائم کردہ روش نباہا یا نہیں۔ طریق ادا اسلوب بیان ہو یا بلند خیالی۔ مضمون آفرینی ہو یا محاسن لفظی۔ صنائع وبدائع کی رعایت ہو یا ترکیب وبندش کی چستی۔ فصیحانہ بے ساختگی ہو یا بلیغانہ اقتضائے کلام۔ ان تمام شعبوں میں شاعر اپنے التزام وادعاء سے عہدہ برآ ہوا ہے یا نہیں۔ اسی معیار کی روشنی میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ "کلام الامام امام الکلام ہے یا نہیں؟

نعت گوئی اور امام احمد رضا

یہ حقیقت بالکل بے حجاب دبے نقاب ہے بلکہ روشن تر از آفتاب ہے کہ اعلیٰ حضرت کا دل ودماغ، قلب وجگر، چشم وگوش، ظاہر وباطن قلب وقالب سر سے پا تک سارے اعضاء رگ وپے۔ فکر وخیال، دین وایمان سب میں محبت سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی تھی۔ ہر آن حضور پرنور کی مدحت ورد زبان رہتی تھی۔ کوئی لمحہ ثنائے رسول سے خالی نہ رہتا تھا۔ قلم حق رقم کا کوئی نقش، اس کی کوئی تحریر ایسی نہیں جو محبت حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے حیاض رحمت سے شرابور نہ ہو اور عظمت حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نوک قلم سے ٹپکتی نہ ہو۔ اس کے باوجود شعری پیکر میں

عروس فکر کو منصۂ شہود کی جلوہ گاہ بنانا ضمنی تھا۔ پیرایۂ شعر میں نعت گوئی آپ کا مقصودِ حیات نہ تھا۔ مقصدِ زندگی تو احیائے سنت، شریعت حقہ کی حفاظت، اہلِ حق کی حمایت، اہلِ باطل کا ابطال و ازہاق تھا جس پر بدوِ شعور سے آخری سانس تک قائم رہے۔ حمایت حق نے اسی جوش نے آپ کو ان جملہ علوم کے احیاء و تجدید کی طرف مائل کر دیا جو احقاقِ حق و ابطالِ باطل میں کسی طرح بھی ممد و معاون ہو سکتے تھے۔ اور حال یہ تھا کہ وہ علم یا تو مٹ چکے تھے یا مٹنے کے قریب تھے۔ آپ کا شعری ذوق بھی اسی جذبۂ حق گوئی کے تحت نمودار ہوا اور حمد و نعت و مناقب کے رنگ میں آپ کے شاعرانہ کمالات منصۂ شہود پر جلوہ ریز ہوئے۔

آج کی گفتگو اسی محور پر گردش کرتی نظر آئے گی۔ سطور زیریں کے مطالعہ سے قبل "چھان بین" کے متذکرہ بالا اصول و نقد تبصرہ کی بنیاد و معیار کو اچھی طرح ذہن نشین فرما لیں۔

"نعت گوئی اور امام احمد رضا کا دعویٰ"

(۱) ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ۔ بیجا سے ہے المنة للہ محفوظ
قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی ۔ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حدائق بخشش حصہ دوئم (رباعی نمبر ۲)

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ:-

میں اپنے نعتیہ کلام سے نہایت ہی محظوظ و مسرور رہوں۔ کیونکہ میرا کلام بفضلِ الٰہی ہر بیجا و نازیبا الفاظ و معانی سے پاک ہے۔ مبرا ہے منزہ ہے میرے نعتیہ اشعار شریعت کے خلاف نہیں ہیں۔ اس میں ممنوعات و محذورات شرعی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ خلاف شرع مضامین و الفاظ کیسے آ سکتے تھے جبکہ میں نے قرآن عظیم سے نعت گوئی سیکھی ہے۔ اور قرآن حکیم کی نعت فرمائی و مدح نگاری کی شان ہی یہ ہے کہ احکام شریعت ملحوظ رہیں۔ اور ایک حرف بھی خلاف شرع آنے نہ پائے۔

اعلیٰ حضرت اپنی نعت گوئی کے محرکات کی نشان دہی خود ہی اسی حصۂ دیوان کی پہلی رباعی میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:-

(۲) پیشہ میرا شاعری نہ دعویٰ مجکو ۔ ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجکو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف ۔ لوزینہ میں سیر نہ بھایا مجکو

سطور بالا میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شاعری ضمنیہ ہے۔ مقصودِ حیات و متاعِ زندگی نہیں ہے اس رباعی میں اسی صداقت کی صراحت ہے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں۔ نہ مجھے شاعری کا دعویٰ ہے بلکہ یہ تو عِ "جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے" کے شعلے ہیں جو بے اختیار کبھی کبھی بھڑک اٹھتے ہیں۔ یہ مشق سخن کے نمونے بھی نہیں ہیں بلکہ تپتے دل کی بھاپ ہے جو کبھی آنکھوں سے جلوہ فرما ہوتی ہے تو کبھی نوک قلم سے بساطِ دین و ایمان پر گہر ریز ہو جاتی ہے۔ صرف "شرع" کی حمایت و پاسداری کا جذبہ محرک رہا ہے۔ جس کی وجہ سے سیف لسانی و تیغ کلکی سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ جب میری نعت گوئی کا محرک شرع شریف ہے تو پھر شریعت کے خلاف جو تصورات ہیں وہ میرے نعتیہ کلام میں کیسے باریابی حاصل کر سکتے ہیں"۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ "مولیٰ" کی مدحت و ثنا میں مولیٰ ہی کے حکم کا خلاف ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا مولیٰ کی ثنا و تعریف نہیں بلکہ اہانت ہے۔ ایسی صورت میں معاملہ ہی مقلوب و معکوس ہو جائے گا۔ ثواب و نجات کے بدلے عذاب و عقاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اسی حصۂ دیوان کی رباعی نمبر ۵ ملاحظہ فرمایئے:-

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی راہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرت حساں بس ہے

اللہ اللہ جس امام مجدد وقت نے قرآن پاک سے نعت گوئی سیکھی۔ جن کی نعت گوئی و منقبت نگاری کا داعیہ "جذبۂ شرع" ہے جن کو اگر رہِ نعت میں رہبر کی حاجت ہو تو "مداح الحبیب" نعت گو صحابیٔ جلیل حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا نقش قدم رہبری کیلئے کافی ہو۔" ان کے کلام شرعی نقائص و اسلامی نقائص سے پاک نہ ہوں گے تو پھر کس کے کلام نمونۂ شریعت ہوں گے۔ ؟

تلاش کیجئے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام کے متعلق جن دعاوی کا برملا اظہار فرمایا ہے آپ کے سامنے ہے۔ مخالفین ہوں یا موافقین، مخلصین ہوں یا معاندین سب کو دعوت تنقید دیجئے کہ اے ناقدین زمانہ سر جوڑ کر بیٹھئے، تلاشئے۔ ڈھونڈھئے۔ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام میں نقائص شرعیہ، ممنوعات دینیہ، محذورات اسلامیہ کے ثبوت میں ایک شعر ہی لے آیئے۔ نہیں نہیں ایک مصرعہ ہی سہی۔ قرآن کریم ہر جگہ موجود ہے۔ حضرت حسان کے "نقش قدم" بشکل دیوان موجود ہیں — شریعت غراء مدون و منضبط صورت میں جلوہ فرما ہے۔ بتایئے نشاندہی کیجئے کہ فلاں شعر قرآن کے مزاج سے متصادم ہے۔ فلاں مصرعہ شریعت مطہرہ سے ٹکراتا ہے۔ فلاں مطلع اور حسن مطلع حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نقوش عقیدت سے .... میل نہیں کھاتا ہے۔

بیجا نقادین

اعلیٰ حضرت کے حق گو اور بے باک ترجمان دین و علمبردار شریعت ہونے کی وجہ سے ان کے بیجا و عنادی ناقدوں کا ایک جم غفیر سرزمین ہند میں پھیلا ہوا ہے جو عناد و غیظ و غضب کی آگ سے آتش زیر پا ہو کر نہ معلوم کتنے افترائی اعتراضات کئے ہیں اور کر رہے ہیں بے بنیاد بہتان اٹھائے ہیں اور اٹھاتے جا رہے ہیں۔ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کے صلہ میں اعلیٰ حضرت کے خلاف بالکل بے اصل و بے حقیقت ہر قسم کے اوچھے، گندے، مکروہ حربے استعمال کئے گئے ہیں اور اب تک کئے جا رہے ہیں۔ لیکن میرے علم کی حد تک کسی گروہ نے بھی آج تک "اعلیٰ حضرت" کی نعت گوئی میں شرعی عیوب نہیں نکال سکے ہیں۔ حالانکہ اغیار تو اغیار کچھ اپنے بھی رشک میں مبتلا تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر اس باب میں مجھے کسی جانب کی نکتہ چینی کا علم نہیں ہے۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے استمداد

متذکرہ بالا دونوں قسم کے ناقدوں کے سلسلے میں سرکار بغداد سے استعانت و استمداد فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

عدو، بد دین، مذہب والے حاسد — تو ہی تنہا کا رو ز دل ہے یا غوث

حسد سے ان کے سینے پاک کر دے — کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث

امام اہل سنت نے "بد دین" کو عدو فرمایا اور بد مذہب حضرات کو حاسد ٹھہرایا اور سرکار غوثیت سے طالب امداد و اعانت ہوئے بھی تو کس چیز کے لئے۔ بس یہ کہ اے غوث پاک ان کے سینے حسد سے پاک کر دیئے جائیں۔ ان کی عداوتیں آپ کے ہوتے میرا کیا بگاڑیں گی۔ انہیں حاسدوں، معاندوں کا سراسر نقصان ہے کیونکہ ڈاہ و حسد کی آگ انسان کے دین و تدین کو اسی طرح خاکستر کر دیتی ہے جیسے ظاہری جسم کو "سل" کی بیماری کھا جاتی ہے۔ الغرض عظمت و توقیر رسالت کے پرچم بلند کرنے کی پاداش میں اہانت پسندوں نے وہ کون سی ایذائیں تھیں جو اس پیکر حق کو نہیں دی ہیں۔ مگر جب رسالت کے اس سرچشمہ نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوئے اپنے دشمنوں کو ان کی گالیوں کے بدلے دعائیں دی ہیں کہ ان کے سینے شرارتوں سے پاک کر دیئے جائیں۔ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ جن کے بارگاہ کے اعلیٰ حضرت غلام ہیں اور جن کے دربار کے ہمیشہ سائل رہے ہیں۔ اور یہ سائلانہ نعرہ لگاتے رہے

" رضایت سائل بے مرتویٰ سلطان لاتنہر

شہا بہر ازیں خواہم اغنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس اقلیم نبوت کے شہریار و کشور رسالت کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر ہونے والے جور و ستم کے جواب میں دعائیں نہیں دی ہیں ضرور ہیں۔ اسی خلق نبوی کا اتباع کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے دعا کی ہے کہ ان کینہ وروں کے دلوں کو پاک فرما دے۔

دوسرے شعر میں بشکل حیرت اظہار حقیقت فرما رہے ہیں۔

سنیت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں

پھول ہو کر ہو گئے کیا خار ہم

اس المناک حادثہ کا تذکرہ "سخن گسترانہ" طور پر کیا گیا ہے ورنہ کہنا یہی ہے کہ اعلیٰ حضرت پر ہر طرح کے ناروا حملے کئے گئے۔ مگر نعت گوئی میں کوئی بھی شرعی معائب کا سراغ نہ پا سکے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی نہ پا سکیں گے۔

پاس شرع اور حسن شعر

اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات کو یہ بات دہراتے ہوئے سنا گیا ہے کہ شرعی قیود و بند میں جکڑے ہوئے شعروں کی شعریت گھٹ جاتی ہے۔ دلکشی ہوا ہو جاتی ہے۔ واہ واہ کا سماں نہیں بندھتا۔ روکھا، پھیکا خشک محض ہوتا ہے۔ مگر جب شعر و سخن کذب و مبالغہ کی ٹکسال سے ڈھل کر برآمد ہوتا ہے (جس کو دروغ بے فروغ کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا) تو البتہ سامعین سر دھننے لگتے ہیں۔ واہ۔ واہ۔ داد تحسین و آفریں سے شور و غل سے زمین و آسمان گونجنے یا کانپنے لگتے ہیں۔ ایسے حضرات کے خیال میں حسن شعری و محاسن شرعی دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ دونوں میں ایسی بیر و ازلی دشمنی ہے۔"

اعلیٰ حضرت نے اس باطل نظریہ کا رد اپنے اس شعر میں کس خوبی سے فرمایا ہے۔

ے جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے

لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

اعلیٰ حضرت جیسی باکمال اہل زہد صاحب اتقا شخصیت سے ایک شعر و سخن ہی نہیں بلکہ جملہ شعبہ ہائے زندگی کے مسائل میں ایسی ہی بنی احتیاط و شرعی حسن کا یقین ہی رکھنا چاہئے۔

کیونکہ

آپ کے پیش نظر سورۂ شعراء کی یہ آیت کریمہ بھی تھی جس کا ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور یہ ترجمہ بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہی کا ہے۔

" اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور

بدلہ لیا۔ بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔"

مذکورہ بالا رضوی ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ پر جگہ جگہ "ف" کے نمبرات ہیں وہ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی "خزائن العرفان" کے وضاحتی و تفسیری نوٹ ہیں۔ ان پر بھی غائرانہ نہ سہی طائرانہ ہی نگاہ ڈالیں تو بہتر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کے ترجمۂ قرآن کی رضاحت حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی دلنشیں انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے۔ سطور زیریں میں ترجمہ اور توضیحی عبارتوں کو ملاکر نقل کر رہا ہوں تاکہ سلاست و روانی کا لطف ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں کہ ان کو پڑھتے ہیں۔ رواج دیتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ اشعار کذب و باطل ہوتے ہیں۔

"شان نزول"۔ یہ آیت شعراء کفار کے حق میں نازل ہوئی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جیسا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں ایسا ہم بھی کہہ لیتے ہیں۔ اور ان کی قوم کے گمراہ لوگ ان سے ان اشعار کو نقل کرتے تھے۔ ان لوگوں کی آیت میں مذمت فرمائی گئی۔ کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہر زمانے میں سرگرداں پھرتے ہیں اور ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔ اور ہر لغو و باطل میں سخن آرائی کرتے ہیں۔ جھوٹی مدح کرتے ہیں۔ جھوٹی ہجو کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اگر کسی کا جسم پیپ سے بھر جائے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے کہ شعر سے پر ہو مسلمان شعراء جو اس طریقہ سے اجتناب کرتے ہیں اس حکم سے مستثنیٰ کر دئے گئے ہیں۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اس میں شعراء اسلام کا استثناء فرمایا گیا وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد لکھتے ہیں۔ اسلام کی مدح لکھتے ہیں۔ پند و نصائح لکھتے ہیں۔ اس پر اجر و ثواب پاتے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسان کیلئے منبر بچھایا جاتا تھا وہ اس پر کھڑے ہو کر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مفاخر پڑھتے تھے۔ اور کفار کی بدگوئیوں کا جواب دیتے تھے۔ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعا فرماتے تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعض شعر حکمت ہوتے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں اکثر شعر پڑھے جاتے تھے جیسا کہ ترمذی میں جابر بن سمرہ سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ شعر کلام ہے بعض اچھا ہوتا ہے، بعض برا۔ اچھے کو لو۔ برے کو چھوڑ دو۔ شعبی نے کہا حضرت ابوبکر صدیق شعر کہتے تھے۔ حضرت علی ان سب سے زیادہ شعر فرمانے والے تھے" رضی اللہ تعالیٰ عنہم" اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور شعر ان کے لئے ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب نہ ہو سکا بلکہ ان لوگوں نے جب شعر کہا بھی تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور اصحاب کرام و صلحاء امت کی مدح اور حکمت و موعظت اور زہد و ادب میں۔ اور بدلا لیا کفار سے ان کی ہجو کا۔ بعد اسکے کہ ان پر ظلم ہوا کفار کی طرف سے کہ انہوں نے مسلمانوں اور ان کے پیشواؤں کی ہجو کی۔ ان حضرات نے اس کو دفع کیا۔ اور اس کے جواب دیئے۔ یہ مذموم نہیں ہیں بلکہ مستحق اجر و ثواب ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ یہ ان حضرات کا جہاد ہے۔ اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم یعنی مشرکین جنہوں نے سید الطاہرین افضل الخلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے موت کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا" پلٹا کھائیں گے" جہنم کی طرف اور وہ برا ہی ٹھکانا ہے۔"

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی شاعری انہیں مومنین کی سی شاعری ہے جس کا استثناء رب عظیم نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ مذموم و محمود۔ ممنوع و ماذون؛ شاعری کے مابین جو صفات و شرائط فارق ہیں اور شاعری کی ان دو نوں صنفوں میں جو چیزیں مابہ الامتیاز ہیں اس کی روشنی میں پرکھئے اور جانچئے۔ بلا شبہہ اعلیٰ حضرت کا کلام قرآن پاک کے مذکورہ بالا معیار پر پورا اور اترتا ہے ذرہ برابر کہیں بھی خلا نہیں۔ جائے انگشت نمائی کہیں نظر نہیں آتی۔ اب رہیں وہ باتیں کیا اور کتنی ہیں۔ جن سے جاہلی شاعری اور اسلامی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق نمایاں ہو گیا۔ اور جو سخن آرائی باعث عذاب تھی وہ اسلام کی بدولت اجر و ثواب کا سبب بن گئی۔ اس کی تفصیل و تشریح ہم سے نہیں۔ بلکہ مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" سے سنئے۔

"رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں۔ اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا۔ اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا ص ۱۲۵"

مودودی صاحب نے اپنی ترجمانی کے بعد ص ۱۲۵ نمبر دیکر جو اپنا تشریحی تفسیری نوٹ دیا ہے اسے بھی باصرہ نواز کیجئے۔

رو بیاں شعراء کی اس عام مذمت سے جو اوپر بیان ہوئی ان شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں۔ اول یہ کہ مومن ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں۔

اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں ۔ دوسرے یہ کہ اپنی عملی زندگی میں صالح ہوں ۔ بدکار اور فاسق و فاجر نہ ہوں ۔ اخلاق کی بندشوں سے آزاد ہوکر جھک مارتے نہ پھریں ۔"

تیسرے یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں ۔ اپنے عام حالات و واقعات میں بھی اور اپنے کلام میں بھی یہ نہ ہو کہ شخصی زندگی تو زہد و تقوی سے آراستہ ہے مگر کلام سراسر رندی و ہوسناکی سے لبریز ۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ شعر میں تو بڑی حکمت و معرفت کی باتیں بگھاری جا رہی ہیں ۔ مگر ذاتی زندگی کو دیکھئے تو یاد خدا کے سارے آثار سے خالی ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حالتیں یکساں مذموم ہیں ۔ ایک پسندیدہ شاعر وہی ہے جس کی نجی زندگی بھی خدا کی یاد سے معمور ہو ۔ اور شاعرانہ قابلیتیں بھی اسی راہ میں وقف رہیں ۔ جو خدا سے غافل لوگوں کی نہیں بلکہ خداشناس خدا دوست اور خدا پرست لوگوں کی راہ ہے ۔

چوتھی صفت ان مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ شخصی اغراض کے لئے تو کسی کی ہجو نہ کریں، نہ ذاتی یا نسلی یا قومی عصبیتوں کی خاطر انتقام کی آگ بھڑکائیں ۔ مگر جب ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کیلئے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے ۔ ہر وقت گھگھیاتے ہی رہنا اور ظلم کے مقابلے میں نیاز مندانہ معروضات ہی پیش کرتے رہنا مومنوں کا شیوہ نہیں ہے ۔ اسی کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین کے شاعر، اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الزامات کا جو طوفان اٹھاتے اور نفرت و عداوت کا جو زہر پھیلاتے تھے اس کا جواب دینے کیلئے حضور خود شعرائے اسلام کی ہمت افزائی فرمایا کرتے تھے ۔ چنانچہ کعب ابن مالک سے آپ نے فرمایا "اھجھم فوالذی نفسی بیدہ لھو اشد علیھم من النبل" ان کی ہجو کہو کیونکہ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ۔ تمہارا شعر ان کے حق میں تیر سے زیادہ تیز ہے ۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ سے فرمایا " اھجھم وجبرئیل معک ۔ اور قل وروح القدوس معک " ان کی خبر لو اور جبرئیل تمہارے ساتھ ہے ۔" "کہو اور روح القدس تمہارے ساتھ ہے"۔ آپ کا ارشاد تھا کہ ان المومن یجاھد بسیفہ و لسانہ ۔ مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی ۔"

قارئین کرام ! آپ کی نگاہوں کے سامنے امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترجمہ بھی ہے ۔ پھر حضرت صدرالافاضل فخرالاماثل قدس سرہ کی تفسیری تشریح بھی ہے ۔ مزید برآں موجودہ دور کے امام المتجددین مودودی صاحب کی ترجمانی پھر ان کی تشریح بھی ہے اس مقام میں مسئلہ زیر بحث کے مفاہیم و مطالب کے اندر ہمارے اور مودودی صاحب کے درمیان رتی برابر بھی فرق نہیں ہے ۔ مودودی صاحب نے مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی جو چوتھی صفت بیان کی ہے اس کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت کی ذات اور ان کے کلام میں یہ صفت کس زور و شور و کر و فر ، از شان و شوکت سے پائی جا رہی ہے ۔

کیا اعلیٰ حضرت کا شعر، کافروں، مرتدوں، بدینوں کے حق میں تیر سے زیادہ تیز نہیں ہے ۔ کیا اس امام اہلسنت نے جس نے فرمایا ہے کہ :۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے اس حدیث پر عمل فرمایا ہے یا نہیں ۔ جس کا سرکاری فرمان حضرت حسان کو مل چکا تھا " اھجھم وجبرئیل معک " قل وروح القدس معک ۔ ضرور ضرور عمل کیا ۔ گہری و نذر عزیمت و بے باک قلبی و اذعان کے ساتھ عمل کیا ۔ اس کی شہادت اعلیٰ حضرت کا پورا نعتیہ دیوان بآواز بلند سارے عالم میں دے رہا ہے ۔ اب اس اعلان و شہادت کو چند مثالوں میں ملاحظہ فرمائیں اور فرمان رسالت کی اس حقیقت کا کہ " مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی ۔ ان مثالوں میں مشاہدہ فرمائیں ۔

مثال اوّل

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں چھیڑنا شیطاں کا عادت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیات ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل یارسول اللہ کی کثرت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام جان کافر پہ قیامت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
ظالمو محبوب کا حق تھا یہی عشق کے بدلے عداوت کیجئے
یارسول اللہ دہائی آپ کی گوشمال اہل بدعت کیجئے

جس طرح حضرت کعب بن مالک و حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سرکار طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ان کفار و مشرکین شرار کی تنقیص و ہجو کرنے کیلئے مامور کئے گئے جنہوں نے اپنے شعروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تنقیص و ہجو کی ان شعرائے دربار رسالت نے اپنے فرائض متعلقہ کو انجام بھی دیا اور بطور انعام سرکار مدینہ کی دعا مستجابہ کے نوازے بھی گئے ۔

ٹھیک اسی طرح فرمان رسالت کی روشنی میں اور شعرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اتباع۔ و اسلاف کی راہ سلوک پر گامزن ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے شعری کلام میں اپنے زمانے کے بدعقیدہ فرقوں کی ہجو و تنقیص کی ہے اور ان کے کفری عقائد و گستاخانہ جسارتوں کا پردہ چاک فرمایا ہے۔ آپ کے منظوم کلام میں ان خارج از اسلام مرتدوں کا بھی رد ہے جو صرف فقہی بنیاد ہی پر نہیں بلکہ کلامی اصول کے اعتبار سے بھی اپنے صریح اقوال کفریہ کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں عرب و عجم کے مفتیان کرام کے فتاویٰ کی رو سے مرتد قرار دیئے گئے ہیں اور ان گمراہوں کا بھی رد ہے جو فقہی تکفیر کی زد میں آتے ہیں۔ اور ان بے دینوں کا بھی رد فرمایا جنکی بداعتقادیاں درجہ کفر تک نہیں پہونچی ہیں بلکہ گمراہی و بے دینی کی حد میں داخل ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے مذکورہ بالا فرقوں کے رد میں جہاں چھوٹے بڑے صدہا رسائل تحریر فرمائے ہیں جو عالمانہ و محققانہ علمی منشورات کے بہترین نمونے ہیں بلکہ شاہکار ہیں۔ اسی طرح اپنے منظومات کلام میں بھی ہر ہر بدعقیدوں کا رد فرمایا ہے۔ امام اہل سنت کا ایک منظوم رسالہ بھی ہے جس میں جملہ فرقہ باطلہ کا رد ہے جو بالکل ہی چھوٹی بحر میں ہے جس کا نام نامی "الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد" ہے۔

تقریباً ڈھائی تین سو اشعار ہیں اس میں اغیار دین کا بھی تذکرہ ہے اور احباب و خلفاء کیلئے دعائیں بھی ہیں۔ اگر کوئی مختوم ازلی اس مسنونہ روش کو شریعت کے خلاف سمجھتا ہے اور معترضانہ زبان درازی سے پیش آتا ہے تو اس کی یہ روش خود اس کی دینی بے علمی، شریعت ناشناسی، اسلام دشمنی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

"دو حدیثوں کا ترجمہ"

مسطورہ بالا موقف کی مزید وضاحت و توثیق کیلئے "مشکوٰۃ شریف کے" "باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی دو حدیثوں کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نفس، اپنی ذات کیلئے کسی چیز میں کبھی کسی سے بدلہ و انتقام نہیں لیا۔ مگر اس وقت انتقام و بدلہ ضرور لیا گیا جب کسی نے اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی حرمتوں کی بے عزتی و بے قدری کی ہے۔ اور حضور کا یہ انتقام لینا محض رضائے خداوندی کی خاطر تھا۔

اسی حدیث سے متصل ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور نفس کی خاطر کبھی کسی چیز کو اپنے مقدس ہاتھ سے مارا پیٹا نہیں۔ نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے وقت کسی قیمت پر کسی کو بخشا کبھی نہیں۔ اگر کسی نے آپ کی ذات کریم کو چاہے جتنی بھی تکلیف و ایذا کیوں نہ پہنچائی ہو مگر اس سے کبھی اس کی ایذا رسانی کا بدلہ نہیں لیا مگر اس کرم نمائی و رحمت مآبی کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ جب دنیٰ انسان رب تعالیٰ کے حدود و حرمات کی پردہ دری و بے دقری کرتا تو ضرور اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے بدلہ لیتے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی رورعایت نہ فرماتے

سراپا حب رسول و پیکر عشق

اعلیٰ حضرت کے عاشق رسول کریم ہونے میں علمائے حق و مشائخ کرام دو رائے نہیں رکھتے ہیں۔ جن دو حدیثوں کا مطلب خیز ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں اعلیٰ حضرت جیسے فنافی الرسول انسان سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ آپ کسی موقع پر بھی عمداً خلاف سنت کوئی کام کرتے یا سنت پر گامزن نہ ہوتے۔ اس کا ثبوت ان کی پوری زندگی ہے اور خاص کر زیر نظر نعتیہ دیوان ہے۔ تعظیم حبیب کبریا کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے اس کے لئے آپ نے دن رات جو کوشش فرمائی اس کے صلے میں دشمنان دین نے سب و شتم کی غلاظتوں کے انبار لگا دیئے. مگر آپ نے کبھی ان کا جواب نہیں دیا۔ کبھی انتقام و بدلہ کی خلش نے دل میں راہ نہیں پائی۔ مگر جہاں کسی نے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی اور رب تعالیٰ اور اس کی حرمتوں کی بے حرمتی کی اسکی فوراً نثراً و نظماً خبر لی یہ آپ کی اعلیٰ ترین عبادت بھی تھی اور ریاضت سلوک بھی۔ آپ جس عہد میں تھے اس کے لحاظ سے جہاد بالسیف کا موقع کہاں۔ البتہ جہاد بالقلم و باللسان کا زمانہ تھا۔ انہیں ذریعوں سے جہاد کرتے رہے۔ اس لئے یہ آپ کا جہادی کارنامہ بھی ہے۔ اور اتباع سنت حبیب بھی۔

آپ نے مودودی صاحب کا بیان مطالعہ فرمایا ہوگا اس کے خاص ضروری دو جملے ذہن نشینی کیلئے نقل کر رہا ہوں۔ لکھتے ہیں۔

"مگر جب ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کیلئے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے۔"

"ہر وقت گھگھیاتے ہی رہنا اور ظلم کے مقابلے میں نیازمندانہ معروضات ہی پیش کرتے رہنا مومنوں کا شیوہ نہیں ہے۔"

مودودی صاحب کے مندرجہ بالا جملوں کو بار بار پڑھیں اور اس کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی شعری و نثری تصانیف کا مطالعہ کریں کہیں بھی "گھگھیاتے" اور نیازمندانہ معروضات ہی نہ پائیں گے بلکہ ہر جگہ ظالم کے مقابلے میں حق کی حمایت فرماتے ہوئے مجاہدانہ انداز، مومنانہ شیوہ

شیرانہ گھن گرج پائیں گے۔ اس حقیقت کو کلام اعلیٰ حضرت کی دوسری مثال میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری مثال

"تحدیث نعمت" کے طور پر فرماتے ہیں۔

کلک رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار اعدا سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے۔

کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ دار وار سے پار ہے

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے

پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف

کافر ادھر کی ہے نہ اُدھر کی اَدھر کی ہے

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ تھا وعدہ ازلی

نہ منکروں کا عبث بدعقیدہ ہونا تھا۔

کرے مصطفےٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں

کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

کافروں پر تیغ والا سے گری برق غضب ابر آسا چھا گئی ہیبت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک

اندھے نجدی دیکھ لے صورت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو

ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر روکے فضل کاٹے عیب کا جویاں رہے

پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے

کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے۔

نہ معلوم کتنے اشعار کتنی بحروں میں گستاخان ناموس رسالت کے رد میں بلا خوف لومۃ لائم ارشاد فرمائے ہیں۔ طالب تحقیق "حدائق بخشش" کا مطالعہ فرمائیں۔ چند بحروں سے کچھ ہی اشعار نقل کرنے پر اقتباس کچھ طویل سا ہو گیا ہے اسکے بعد تیسری مثال کا مطالعہ کریں۔

تیسری مثال

حامد خدا محمود رب اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو اعلیٰ حضرت نے شعروں میں جس خوبی سے ادا فرمایا ہے اس کی مثال علماء کے طبقہ میں ملنا دشوار ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ دیوان سے ایسے اشعار کا التقاط و انتخاب کیا جائے جو سیرت کے مضامین پر مشتمل ہیں تو سیرت پاک کا ایک اچھا خاصا منظوم مجموعہ تیار ہو جائے گا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے کمال سیرت و جمال صورت کی تجلیاں ضیا ریز محسوس ہوں گی۔

آپ حضرات نے حضرت صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد گذشتہ اوراق میں مطالعہ فرمالیا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کبھی اپنی ذات کریم کیلئے انتقام نہیں لیا مگر جب (حدود شریعت و معالم دین) کا انتہاک و بے حرمتی کسی نے کی تو پھر ضرور چہرۂ انور سے الٰہیانہ جلال کی بجلیاں کوندنے لگتیں۔ قلب و قالب روح و جسم میں غیرت ربانیہ کا ارتعاش رواں دواں ہو جاتا۔ آپ حضرات نے قرآن حکیم میں اس آیۃ مبارکہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تلاوت ضرور فرمائی ہوگی۔ حضور کی سیرت میں اس تصویر کی دلکشی و دلپذیری ملاحظہ فرمایئے سیرت پاک کے اس انداز کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس شعر میں کھلی آنکھوں دیکھئے۔ ؎

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر

جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

ایک دست کرم ہے مگر دو متضاد کام ہیں۔ شان جمالی سے مومن نوازے جا رہے ہیں۔ اور کافر شان جلالی سے چل رہے ہیں۔ پھر اس شعر میں لف و نشر مرتب کا حسن الگ ہے۔ (ابر نیساں) پہلے ہے اور اس کی مطابقت سے شان جمال کا ٹکڑا بھی پہلے آیا ہے۔ تیغ عریاں پیچھے ہے اور اس کی مناسبت سے (شان جلالی) بھی پیچھے ہے۔ اور اس ترتیب و بیان ہی کو فن میں لف و نشر مرتب کہتے ہیں۔ (ابر نیساں) کی تقدیم (و تیغ عریاں) کی تاخیر اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرما ہے کہ حضور پر نور کی ذات سراپا جود و کرم کی اصل سرشت رحمت ہی رحمت ہے لیکن عبدیت و ماموریت خداوند کریم کا تقاضا ہے کہ حکم ربانی کی سرتابی نہ ہو۔ اس لئے مالک جسم و جاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت و فطرت کے برعکس دشمن خدا کے ساتھ جلال و غضب کا برتاؤ فرماتے ہیں۔ ؎

کافروں پر تیغ والا سے گری برق غضب

ابر آسا چھا گئی ہیبت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس سیرت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ آپ سراپا رحم و کرم ہوتے ہوئے بھی (حدود

شریعت) کی بے حرمتی کرنے والوں پر ایسے غضب وجلال کا مظاہرہ فرماتے کہ (اعوذ من غضب اللہ وغضب رسولہ) کا نعرہ ہر طرف بلند ہوجاتا۔ تیغ وبرق کا ایک ساتھ تذکرہ لفظی محاسن ومناسبت کی رعایت کا بہترین شاہکار ہے۔ تیغ کی آبداری، برق کی درخشندگی کی مناسبت کا لطف اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صیانت زبان وحلاوت لسان کا کیا کہنا۔ آپ کی خوش کلامی اور نرم گفتاری محتاج بیان نہیں۔ گویا زبان اطہر سے پھول جھڑتے تھے۔ سامعین کلام نبوت کی خوشبو سے معطر و پر مسرت بن جاتے تھے اس حقیقت کو اعلیٰ حضرت نے اس طرح ادا فرمایا ہے۔

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے
ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل
یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

حضور کے لب ہائے نازک کو نزاکت کی وجہ سے پھول قرار دے کر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور کے یہ لب ہائے مبارک ایسے پھول ہیں کہ جن سے ہزاروں پھول جھڑتے ہیں۔ یعنی اس سے مراد خوش گوئی اور خوش کلامی ہے۔ پھر براہ تعجب فرماتے ہیں۔ اے بلبل! یعنی اے عاشقان رسول! تم نے گلشن میں بارہا گلاب دیکھا ہوگا۔ مگر یہ تو طرفہ تماشا ہے کہ گلاب میں گلشن نظر آرہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کے ایک گلاب دہن سے خوش بیانی وللہیت کلامی کے گلشن لہک رہے ہیں۔ اس مقام پر اس طرز ادا اور اس تمثیلی ندرت کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ دکھانا یہ ہے کہ حضور کے فطری طرز سخن کے خلاف کبھی کبھی آپ کے اسلوب بیان میں تیزی وتندی حرارت وتلخی بھی پیدا ہوجاتی تھی۔ جس کا بیان زیر تبصرہ شعر میں آرہا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ناموس دین سے کھیلنے والوں پر بحکم خدا سخت سے سخت تر تھے۔

چنانچہ بنام اسلام کچھ نام نہاد مصلح ومبلغ کے بارے میں حضور نے پیشن گوئی فرمائی ہے جو روح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ردپوشی کے لبادے تاقیامت رونما ہوتے رہیں گے۔ (ذیابٌ فی ثیاب) یعنی بھیڑیے انسانی لباس میں ہوں گے۔ اس حدیث پاک کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے شعری لباس میں یوں پیش کیا ہے۔

ذیابٌ فی ثیابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

دل میں گستاخی کا بھرا ہونا یہی بھیڑیا پن ہے۔ لب پہ کلمہ یہ ظاہری انسانی واسلامی لباس ہے۔ جس میں اپنی ذیابی شان کو چھپانا مقصود ہے اسلام ملحد کو سلام کرنا یہ سلام متارکت ہے۔ اور اس کو یہ پیام متارکت اس کی تسلیم زبانی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہی اسلام لائق تسلیم ہے جو تسلیم جنانی وتصدیق قلبی سے ہو۔ اور یہاں تسلیم قلبی مفقود ہے۔ فرمایئے اس بیان میں اعلیٰ حضرت کی کیا خطا ہے۔ یہ تو فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ہے۔

تیری جلو میں ہے ماہ طیبہ ہلال ہر مرگ وزندگی کا
حیات جاں کا رکاب میں ہے ممات اعدا کا ڈاب میں ہے

اس شعر میں ماہ طیبہ کے ذکر کے بعد ہلال کا ذکر کرنا پھر رکاب وڈاب کا تذکرہ جس کا ہلال کے ہم شکل ہونا ظاہر ہے۔ پھر مرگ وزندگی میں تقابل ضدین بھی ہے۔ ان سب محاسن کی وجہ سے شعر نے شعریت کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے۔ حضور وجہ تخلیق عالم ہیں۔ اس لئے مرگ وزندگی کے مرکز بھی ہیں۔ پھر کمال یہ ہے کہ ادائے مطلب میں بارگاہ رسالت کے ادب کی شان بھی بہت واضح ہے کہ عاشقان رسول کی زندگی کا ہلال مرکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب میں ہے۔ اور اعدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ہلال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈاب یعنی خنجر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس شعر کی لطافت کو بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔ روح کلام یہ ہے کہ اس شعر میں بھی اسی جلالی وجمالی سیرت کا بیان ہے جس کے حضور جامع ہیں۔ اس عنوان کی وضاحت کے لئے چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ اب تھوڑی توجہ دوسری سمت مبذول فرمایئے۔ وہ سمت دیگر فنی اعتبار سے کچھ منتخب اشعار پیش کرنے کی ہے۔ شعر وسخن کی جان علم بدیع وعلم بیان ہے۔ شعراء کے کلام کی لفظی ومعنوی محاسن ونقائص کی جانچ وپرکھ انہیں اسکے اصول وقواعد سے کی جاتی ہے۔ اس فن کے اعتبار سے بالاستیعاب تفصیلی گفتگو کرنا مجھ جیسے بے بہرہ علم وفن کی بساط سے باہر ہے۔ ایں وآں کے کلام پر گفتگو نہیں ہے۔ بلکہ یہ کلام الامام ہے۔ اسی لئے امام الکلام بھی ہے۔

"حسن تعلیل"

کسی امر کی وہ ظاہری اور پسندیدہ علت بیان کرنا جو حقیقی علت نہ ہو اس کو حسن تعلیل کہتے ہیں۔

اس معیار پر اعلیٰ حضرت کے نعتیہ دیوان کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

یہ ظاہر ہے کہ ہلال کی خمیدگی حقیقتاً سلام ابروئے شہ کیلئے نہیں ہے لیکن ایک ایسی وجہ لطیف بیان کی گئی ہے جس سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کی دنیا عالم وجد میں آجاتی ہے۔ اس شعر میں دقت آفرینی بھی ہے

اور بلندیٔ خیال بھی۔ ہلال ابرو کا ذکر پھر سلام کیلئے جھکنا مجالس شرفاء کے یہ ظاہری آداب بھی ہیں۔ گرچہ سلام کے وقت مکلفین کیلئے جھکنا ممنوع ہے۔ مگر ہلال مکلف نہیں۔ اس لئے سلام کی خاطر اس کا جھکنا شرعی محذورات میں داخل نہیں۔ جیسے بارگاہ رسالت میں جانوروں، درختوں کا سجدہ ریز ہونا احادیث میں مروی ہے۔ حسن تعلیل کی دوسری مثال یہ شعر بھی ہے۔ ؎

سبزۂ گردوں جھکا تھا بہر پا بوسِ براق

پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

ہر دیکھنے والے کو آسمان گنبد نما معلوم ہوتا ہے۔ آپ اکناف عالم کی سیر کر جائیں۔ مگر ہر جگہ آسمان اسی حال میں نظر آئیگا۔ اعلیٰ حضرت حسن تعلیل کے طور پر اس خمیدگی کی علت یہ بیان فرماتے ہیں کہ معراج میں جب سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار سبزہ گردوں سے گزرے تو سبزۂ گردوں نہایت ہی ادب سے براق برق رفتار کی قدمبوسی کے لئے جھکا اس روز سے آج تک جھکا ہی ہوا ہے۔ اور قیامت تک جھکا رہے گا۔ اس اسپ فلک نے ایسا نورانی کوڑا کھایا کہ پھر سیدھا نہ ہو سکا۔ اللہ اللہ کیا شان ادب ہے اور کیسی شان تعظیم و تبجیل ہے کہ سبزۂ گردوں نے اپنے آپ کو سرکار فلک وقار کے پائے ناز کی قدمبوسی کے لائق نہ سمجھا بلکہ براق کے سُم کو ہی بوسہ دیدینا اپنے لئے بڑے افتخار کی بات سمجھی۔ آسمان کی محسوسی شکل کے لئے حقیقتاً یہ علت نہیں ہے بلکہ حسن تعلیل کے طور پر یہ ایک نادر تخیل ہے۔ بلند خیالی۔ بلند پردازی۔ معنیٰ آفرینی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

حسن طلب

دل پسند طریقہ سے کسی چیز کو کسی سے طلب کرنا فن میں اسکو حسن طلب کہتے ہیں۔ زیر تبصرہ دیوان کے کچھ اشعار اس عنوان پر بھی ملاحظہ کیجئے۔

؎ میرے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر

کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہوتا تھا

شفاعت کی طلب اس انداز میں کہ میں مانتا ہوں گناہ سراسر زہر ہے لیکن اگر یہ زہر نہ ہوتا تو کوئی کس طرح شہد شفاعت سے اپنے کام ودہن کو لذت آشنا کرتا۔ لطف تو یہ ہے کہ اس شعر میں صنعت تضاد بھی ہے۔ زہر، شہد دونوں متضاد صفت کے حامل ہیں۔ اسی کے ہم معنی یہ شعر بھی ہے۔ اس میں حسن طلب کا نرالا انداز ہے۔ خوبی بالائے خوبی یہ بھی ہے کہ اسی شعر میں دعویٰ دلیل کے ساتھ ہے۔

؎ دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر۔ دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چونکہ میں گنہگاروں میں سب سے بڑا گنہگار ہوں اور شفاعت گنہگاروں کیلئے ہی ہے اس لئے اس کا سب سے زیادہ مستحق میں ہوں۔ اس شعر میں حسن طلب کے ساتھ دعویٰ مع الدلیل بھی ہے۔

لف ونشر مرتب

چند چیزوں کو پہلے فقروں میں بیان کرنا پھر ان چیزوں کے مناسبات کو دوسرے فقروں میں ترتیب وار لانا، اسی کو اصطلاح میں لف ونشر کہتے ہیں۔ اس عنوان پر بھی شعر ملاحظہ فرمائیں۔

؎ دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار

غنچہ ہوں، گل ہوں، برق تپاں ہوں سحاب ہوں

دل بستہ کی مناسبت سے غنچہ، بیقرار کی مناسبت سے گل، جگر کی مناسبت سے برق تپاں، اشکبار کی مناسبت سے سحاب استعمال کیا گیا ہے۔ یہ مناسبات لف ونشر مرتب کی بے نظیر نظیر ہیں۔

اسی کے ذیل میں یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

؎ دندان ولب وزلف ورخ شہ کے فدائی

ہیں درعدن، لعل یمن، مشک ختن پھول

دندان کے مناسب درعدن اور لب کے مناسب لعل یمن اور زلف کے مناسب مشک ختن اور رخ کے مناسب پھول۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شرعی احتیاط و پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے اس شان کی نعت گوئی صرف انہیں کا حصہ تھا۔

"صنعت تضاد"

اعلیٰ حضرت کے کلام میں صنعت تضاد بکثرت ہے۔ کوئی ایسی بحر اور زمین نہیں جس میں یہ صنعت نہ ہو ایک زمین کے مقطع کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

؎ رضاؔ یہ نعت نبی نے بلندیاں بخشیں

لقب زمین فلک کا ہوا سمائے فلک

زمین سما کی ضد ہے اور حسن کلام تو یہ ہے کہ فلک کیلئے زمین ثابت فرمایا۔ گرچہ زمین یہاں موضوع لہ معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مقطع کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

؎ اے رضاؔ مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا

اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

اس میں بھی زمین و آسمان کا مقابلہ ہے۔ گرچہ اس شعر میں بھی زمین و آسمان موضوع لہ معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

آتش تردامنی نے دل کئے کیا کیا کباب
خضر کی جاں ہو جلا دو ماہیان سوختہ

تردامنی اور آتش بالکل متضاد ہیں۔ پھر آتش کی مناسبت سے دل کا کباب ہونا۔ حضرت خضر اور ماہیان سوختہ کی تلمیح پھر سرکار طیبہ کی ذات کریم کو جان خضر قرار دینا بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذنبیل سے دریا میں چلا جانا اسی طرح عصیاں شعاروں کا گناہ کی آگ سے جل کر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی چھینٹوں سے زندہ ہونا عجیب و غریب ایمانی نشاط کا سرمایہ بہم کرتا ہے۔ ان سب لفظی و معنوی محاسن نے اس شعر کو نقطۂ عروج پر پہونچا دیا ہے۔ جن حضرات کو شعر و سخن کا ذوق ہو گا۔ وہ اس شعر کی لطافت شعری سے ضرور فیضیاب ہوں گے۔

تنسیق الصفات

کسی شخص کا تذکرہ بہت سی صفتوں کے ساتھ کرنا خواہ وہ صفات مدح ہوں یا ذم اس کو اصطلاح میں تنسیق الصفات کہتے ہیں۔ اس صنعت کی مثالیں بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ کلام میں بکثرت ہیں۔ زیر نظر اشعار سے لطف اٹھایئے۔

اصالت کل، امانت کل، سیادت کل، امارت کل
حکومت کل، ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لئے
فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم
وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے

اس زمین کے تمام اشعار میں (تنسیق الصفات) کی صنعت رواں دواں ہے۔ اور الفاظ کی شان و شوکت، کر و فر اور زور کلام و بیان کا گویا یہ ایک نادر گلدستہ ہے۔ اور اس میں قادر الکلامی کی شان آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

مشترک المعنی الفاظ کا استعمال

اعلیٰ حضرت کے کلام میں ایک ہی زبان کے مشترک المعنی لفظ کا اپنے کل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہ استعمال ایک ہی مصرع میں موجود ہے۔ جیسے "سونا" یہ اردو زبان میں چند معنی رکھتا ہے۔ ایک سونا جو دھات اور خلقی ثمن ہے۔ ایک کسی کا سو جانا۔ اس لفظ کو میش کے اشباع کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی سناٹا ہوتا ہے۔ اس لفظ کو ان تینوں معنی میں ایک ہی مصرع کے اندر اعلیٰ حضرت نے جمع فرما دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سونا پاس ہے سُونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے۔ تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

اسی طرح ایک دوسرے شعر میں دو معنی والے لفظ کو استعمال فرمایا گیا ہے لطف یہ کہ وہ لفظ عربی کا بھی ہے اور اردو کا بھی۔ صرف خطی تجنیس ہے۔ وہ لفظ "والی" ہے۔ یہ عربی میں مالک اور بادشاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے والیٔ سلطنت بولتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت رب تعالیٰ جل جلالہٗ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی داخل ہے۔ اور اردو میں اظہار نسبت و فاعلیت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر میں والا اور مونث میں والی۔ جیسے کام کرنے والا۔ کام کرنے والی۔ یہ فاعلیت کی مثال ہے۔ مال و دولت والا۔ حسن و جمال والی۔ یہ نسبت کی مثال ہے۔ اس ذو معنین اور ذو لسانین لفظ کو اس زبان کے اپنے اپنے معنی میں اعلیٰحضرت نے یکجا فرمایا ہے۔ اب حسن شعری کا نظارہ فرمایئے۔

تقاضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے
جو ان کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے

پہلے مصرع میں اللہ والی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے۔ دوسرے مصرع وہ جان اللہ والی ہے یہ اظہار نسبت کیلئے ہے۔ اس استعمال نے حسن شعر کو دوبالا کر دیا ہے۔ اسی طرح اسی انداز کے ایک اور شعر کو ملاحظہ فرمایئے۔

ترا قد مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے
اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے

پہلے مصرع میں ڈالی اسم ہے شاخ کے معنی میں ہے۔ دوسرے مصرع میں ڈالی ہے اردو کا فعل ماضی قریب ہے۔ یہ لفظ بھی اردو ہی کا ہے۔ اس دو معنی کے علاوہ اس کے اور بھی معنی ہیں۔ جیسے کسی کو ڈالی پیش کرنا۔ لطف یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں رحمت کی ڈالی ہے۔ مگر معنی کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسم و فعل میں جو معنوی فرق ہے وہی امتیاز معنوی یہاں بھی ہے۔ اگر تتبع اور تلاش جاری رہے تو بہت سے اشعار اسی منوال و نہج کے اور بھی دستیاب ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی قادر الکلامی کی شان یہ ہے کہ ایک زبان کے ایک لفظ کو اس زبان میں وہ لفظ جتنے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اس کو ایک بحر کے شعروں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کی مثال پھول والی زمین میں بہت ہے۔ اردو زبان میں پھول جتنے معنوں میں استعمال ہوتا ہے وہ سب معنی اس نعت شریف میں موجود ہیں۔ پھول اپنے حقیقی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اس کے علاوہ ہلکا ہونا، غرور کرنا۔ لطیف و نازک ہونا۔ ان تمام معنوں میں لفظ پھول مستعمل ہوا ہے۔ تمام شعروں کو نقل کرنا اطالت کا باعث

ہوگا۔ اس لیے شعروں کو چھوڑتا ہوں۔ صرف ارباب ذوق سے گذارش ہے کہ اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اور اعترافِ حقیقت فرماتے ہوئے دادِ سخن دیں۔ اگر فن کے لحاظ سے مجاز مرسل۔ استعارہ، کنایہ کی مثالیں بھی صراحت کے ساتھ تحریر کی جائیں تو "انجام بہ اطالت رسید" کا معاملہ پیش آجائے گا۔ سردست چند مصروفیات کی بنا پر اس کی انجام دہی سے قاصر ہوں۔ زندگی نے وفا کی تو پھر دیکھا جائیگا۔ اس وقت فقط استعارہ تصریحیہ کی مثال پیش کر رہا ہوں۔

استعارۂ تصریحیہ

اگر صرف مستعار منہ کا ذکر ہو اور مستعار لہ محذوف تو اسکو استعارۂ بالتصریح کہتے ہیں۔ مثلاً یہ مصرع ؎

اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

اس مصرع میں۔ اس مصرع میں دوسرا گل مستعار منہ ہے مستعار لہ کا ذکر محذوف ہے۔ یہاں مستعار لہ مالک فرش و عرش صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے یہ استعارۂ تصریحیہ ہوا۔ پورا شعر ملاحظہ فرمائیے۔

؎ جنت ہے ان کے جلوے سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

خلاصہ یہ کہ پہلا گل حقیقی معنی میں ہے۔ دوسرے گل سے سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ تیسرے گل سے مراد جنت ہے۔ چوتھا گل حقیقی معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے خاکدانِ گیتی کے گل، ہمارے گل۔ سید کل۔ امام الرسل۔ ہادی السبل صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت بھی گل کا سوال کر رہی ہے تو اوروں کا قاسم کنز نعمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی کا سوالی ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

تبصرہ کے اختتام پر صنعت لفظی کی ایک قسم "ردالعجز علی الصدر" کی بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ عجز: آخر، صدر: شروع کو کہتے ہیں۔ یعنی جو لفظ شروع فقرہ میں ہو وہی آخری فقرہ میں بھی آئے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جن و بشر سلام کو حاضر ہیں السلام — یہ بارگاہ مالک جن و بشر کی ہے
شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام — خوبی انہیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے
سب بحر و بر سلام کو حاضر ہیں السلام — تملیک انہیں کے نام تو ہر بحر و بر کی ہے
عرش و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام — ملجا یہ بارگاہ دعا و اثر کی ہے
سب کروفر سلام کو حاضر ہیں السلام — ٹوپی یہیں تو خاک پہ ہر کروفر کی ہے

دنیائے شاعری کی پسندیدہ شئے

ادبا و شعرا، نثر ہو یا نظم ہر ایک میں استعمال محاورات کو بڑی وقیع نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسکو موازنہ میں سنگ ترجیح وجہ فوقیت۔ سبب برتری سمجھتے ہیں۔ اس پسند خاطر شئے کی روشنی میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا کلام فائق الکلام "ارجح الاشعار" ہے۔ بعض بعض شعر کے دونوں مصرعوں میں "محاورات" زیب کلام، زینت سخن ہیں۔ شاید ہی کچھ اشعار ایسے ہوں جن میں "محاورے" روح اشعار نہ ہوں۔ محاورات کی اتنی بہتات و کثرت ہے کہ اس لحاظ سے اشعار کا انتخاب بہت ہی مشکل کام بن جاتا ہے۔ ذوق انتخاب حیران ہو جاتا ہے کہ کس شعر کو لیا جائے۔ اور کس کو چھوڑ دیا جائے۔ ملتقط تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے اشعار ایک پر ایک ہیں۔ نگاہِ انتخاب حیرت کا شکار ہو کر مخمصہ میں پڑ جاتی ہے۔ نمونے کے چند اشعار زیب قرطاس ہیں۔

بند ہو گئی تیری ہوا، ساوہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا ہے۔

پہلے مصرعے میں بھی دو محاورے ہیں۔ ہوا بند ہونا، خاک اڑنا۔ دوسرے مصرعے میں بھی ضیا کا بڑھنا۔ آتش پہ پانی پھرنا، دو محاورے ہیں۔ بلکہ یہ صرف محاورے ہی نہیں ہیں بلکہ کس خوبی سے اربعہ عناصر کا ذکر ہوا، آگ خاک پانی۔ ایک شعر میں جلوہ ریز ہے۔ تیز ہوا چلتی ہے تو دریا۔ تالاب خشک ہو جاتے ہیں۔ آمد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت میں اتنی دھد آفریں ہوا چلی کہ نہر ساوہ خشک ہو گئی۔ اور اس میں خاک اڑنے لگی۔ اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی میں اتنی ضیا ریزی ہوئی کہ فارس کا آتشکدہ جو ہزار سال سے دہکتا ہوا رہا تھا۔ یک بیک بجھ گیا۔ اور اس کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی پھر گیا۔ اور اس کی ہزار سالہ زندگی فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اللہ اللہ اس کی خوبی بیان سے باہر ہے۔ ؎

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

بیڑا پار ہونا۔ بجرا تر جانا۔ خطرہ و مشکل سے نکل جانا، یہ محاورے تلمیحی بھی ہیں سیدنا حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ عفو، غفور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل و صدقہ میں مولیٰ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھی تلاطم و تموج خیز طوفان کی موجوں و لہروں سے نجات یاب ہوئی۔

؎ تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

مجرے کو جھکنا۔ جھک کر سلام کرنا۔ بت کا ہیبت سے تھرتھرا کر گر جانا۔ یہ دو محاورے اس شعر میں ہیں یہ محاورے "ولادت مقدس" کے وقت "بیت اللہ" شریف کی مسرت و شادمانی کے عکاس ہیں۔ کیسی مکرم اور معزز

مہمان کے تشریف لاتے وقت میزبان خندہ پیشانی خمیدہ سری سے استقبال کرتا ہے۔ اسی طرح معزز مہمان ہی نہیں بلکہ شہنشاہ گیتی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم میمنت لزوم کی ساعت میں "بیت اللہ شریف" سلام کے لئے جھک گیا۔ اور ظہور قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں جھوم اٹھا۔ اسی تشریف آوری کا دوسرا رخ یہ ہے کہ "خانہ کعبہ" میں جو بت تھے شاہ ہر دو سرا صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف و ہیبت سے سرنگوں ہو گئے۔ واقعہ کے مطابق کتنا سچا مضمون فرمایا گیا ہے۔ اس کے باوجود شعر ادبی و شعری حسن کے نقطۂ عروج پہ ہے۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو یہ فرماتے ہیں کہ شعروں کا لطف جھوٹے مبالغوں میں ہے۔ آئیں اور "الصدق ینجی" کی شان ملاحظہ فرمائیں۔

؎ تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم
تیرے بے دام کی بندی ہیں ہزاران عرب

بے دام کا بندہ ہونا۔ مخلص، بے غرض، جان نثار و غلام ہونا، بے دام کی بندی ہونا۔ جال و پھندا کے بغیر بہ رضا و رغبت قیدی ہونا۔ "ہزاران عرب" عاشقان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ فارسی زبان میں دام کے دو معنی ہوتے ہیں۔ قیمت۔ جال۔ دام پہلے مصرعے میں قیمت کے معنی میں ہے اور دوسرے میں "جال" کے معنی میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و مطہرہ سیرت و حسن خلق کی کشش ایسی تھی کہ خلایق بلا غرض و بلا طمع آپ کے جان نثار و سچے غلام ہو گئے اور آپ کی عقیدت و محبت کے رشتہ کے قیدی بن گئے۔

اسی زمین کا مقطع ملاحظہ فرمائیں۔

؎ بہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا
چار دن برسے جہاں ابر نیسان عرب

شعر میں "بہشت خلد اور چار دن" کے لانے سے "سیاق الاعداد" کی صنعت پیدا ہو گئی ہے جس سے شعر میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ کسب لطافت کیلئے بہشت خلد کا وہاں آنا جہاں چار دن "بہار عرب کا ابر برس جائے" تو اس مبارک خطۂ زمیں کے بارے میں آپ حضرات کا دینی فیصلہ کیا ہوگا جہاں ہر آن و ہر لحظہ بہار عرب یعنی سرکار عرش وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارش رحمت ہوتی رہتی ہے یقینی ایمان بول اٹھے گا کہ "شہر طیبہ" باغ جناں" کا جنت الماوی ہے۔

؎ مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

دونوں مصرعے میں "مرے دل سے" ہے۔ پہلے میں "مرے دل سے" مراد یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو حضور کی عزت و حرمت پر جان و دل سے نثار و قربان ہے گویا کہ یہ مومن کی شرعی تعریف ہے۔ رہ گئے نجدی تو وہ "بارے دل" مرے قلب سے بظاہر کبھی کبھی تعظیم رسول کر لیتے ہیں۔ گویا نجدی کی مذہبی تعریف یہی ہے کہ وہ "مرے دل سے" دکھانے کیلئے تعظیم کر لیتا ہے۔ اس لئے اس کی تعظیم بر بنائے ایمان نہیں بلکہ یہ بنائے ریاء و تقیہ ہے۔ پہلے مصرعے میں "مرے" فعل مضارع ہے۔ دوسرے میں "مرے" دل کی صفت ہے۔ لہذا معنًا دونوں میں وہی فرق ہے جو زمین و آسمان، نور و ظلمت، بہار و خزاں۔ خار و گل کے معنوں میں ہے۔ یہ ہے انتہائی علم و فن کا کمال یہ ہے ایمانی محبت کے سوز و گداز، خلوص و محبت کا نقطۂ عروج، اسی زمین کا ایک اور شعر آپ حضرات کی ضیافت طبع کیلئے حاضر خدمت ہے۔

؎ دریا چڑھا ہے تیرا کتنی ہی اڑائیں خاک
اتریں گے کہاں مجرم اے عفو ترے دل سے

دریا کا چڑھا ہونا، خاک اڑانا۔ دل سے اترنا۔ تین تین محاورے مربوط انداز میں ایک شعر کے اندر لانا یہ اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے۔ پھر لطف بالائے لطف تو یہ انداز بیان ہے کہ "اے عفو، مجرم کبھی تیرے دل سے نہیں اتریں گے۔ کیونکہ آپ کے جود و کرم کا دریا اتنا چڑھا ہوا ہے کہ بلا طلب "آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا" جہاں بخشش و کرم کا یہ عالم ہو اس ذات بابرکات کے "عفو پسند دل سے مجرم کبھی نہیں اتر سکتے۔ ہم بارگاہ ایزدی کے نا ترس لاکھ سیہ کاری و معصیت کی خاک اڑاتے رہیں۔ گناہوں کی کیچڑ میں سنے ہوئے ہوں۔ لیکن کسی طرح آپ کے درِ دل سے محروم نہیں لوٹیں گے۔ اس ادائے مطلب نے شعر کو شاہکار بنا دیا ہے۔

؎ صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گلزار
کچھ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستان عرب

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے عرب کو یہ شرف و مجد فخر و مباہات حاصل ہے کہ لاکھوں گلزار ہر طرف سے اسی پر نثار ہونے کے لئے بے تاب کھینچے چلے آ رہے ہیں۔ کیا موسم حج میں کعبہ و عرفات، مزدلفہ و منیٰ کی مرکزیت گنبد خضرا کے گرد ہجوم خلائق اس صداقت پر مہر تصدیق ثبت نہیں فرماتے۔ گلستان عرب کا پھولا ہونا اور اس پہ لاکھوں گلزار کا صدقہ ہونا ایسی بندش ہے جس نے شعر کو عجب مقام سے ہمکنار کر دیا ہے۔ اس عنوان کو اب اس شعر پر ختم کر رہا ہوں۔

؎ اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

آگ بجھانا بھی محاورہ ہے اور آگ لگانا بھی۔ لیکن آگ آگ کو بجھا دے عجیب معنی آفرینی ہے۔ دونوں آگ حقیقی معنی میں نہیں ہے۔ ایک عشق سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ ہے دوسری جہنم کی آگ ہے جس خوش نصیب نے عشق سرکار طیبہ کی آگ اپنے دل میں لگالی ہے تو یہ آگ نار جہنم کو ضرور بجھا دے گی۔

یہ انداز بیان کس قدر اچھوتا اور ندرت آمیز ہے اس کا فیصلہ آپ کے ادبی و شعری ذوق کے سپرد کر رہا ہوں۔

"غلو" اصطلاح میں کسی بات کے بیان کرنے میں حد سے بہت زیادہ بڑھ جانے کو مبالغہ کہتے ہیں۔ مبالغہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) تبلیغ (۲) اغراق (۳) غلو۔

شرعی نعت گوئی میں مبالغہ متصور ہی نہیں۔ کیونکہ حضور بے مثل و بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بشری طاقت سے باہر ہے۔ ع "لا یمکن الثناء کما کان حقہ" زبان زد ہی ہے۔ اس کے ماسوا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

؎ اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح رسول
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

جن و بشر، حور و ملک سے جس وجود ذی جود کی تعریف ہی ممکن نہیں اس کی مداحی میں حد سے بڑھ جانے کی صورت ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نعتیہ بیان میں مبالغہ اپنی جملہ صنفوں کے ساتھ معدوم و مفقود ہے۔

جہاں مقسم ہی کا پتہ نہیں وہاں کا اقسام کا وجود کہاں سے آجائیگا۔ اس مسلمہ حقیقت کے ہوتے ہوئے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک میں "غلو" کے کیڑے نکالنا دینی غالیوں کا غلو ہے جن کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و کسر شان میں توحید کے مہر درخشاں نظر آتے ہیں۔

انبیاء کرام کی تعریف و توصیف میں غلو کے پائے جانے کی صرف تین صورتیں ہیں۔ (۱) رسالت کی الوہیت کا عقیدہ۔ (۲) نبوت کی ابنیت کا عقیدہ۔ (۳) رسول و انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ثالث ثلاثہ یعنی تثلیث کا مصداق ماننا۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پرستار عیسائیوں کے مذکورہ بالا غالیانہ اعتقاد کا رد بلیغ شدید انداز میں موجود ہے۔ سورۂ مائدہ شریف میں ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ بیشک وہ کافر ہو گیا جس نے کہا اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے۔ اسی سورہ میں ہے لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ۔ بیشک وہ کافر ہو گیا جس نے کہا اللہ تو تین کا تیسرا ہے۔ اسی سورۂ مقدسہ میں ہے

قالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ۔ یہود و نصاریٰ نے کہا ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے و چہیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ان عقیدوں کے بیان کے بعد اسی سورہ میں ارشاد ربانی ہے یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق۔ یعنی اے اہل حق دین خدا میں ناحق غلو نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ کسی مخلوق کے بارے میں غلو کے وہی تین امور ہیں جس مدح و ثنا میں یہ باتیں نہ ہوں وہ غلو سے پاک و صاف ہے۔

قرآن حکیم نے اسی سورۂ مائدہ شریف میں رد غلو کے ساتھ ساتھ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل عظیمہ مناقب جلیلہ کو مشرح بیان فرمایا ہے تاکہ کوئی کور مغز۔ بد باطن بیان فضائل و ذکر معجزات کو غلو نہ سمجھ بیٹھے۔ حضرت روح اللہ علیہ السلام کے خداداد تصرفات و معجزات کو قرآن پاک نے اس طرح پیش فرمایا ہے۔

ابراء اکمہ و ابرص۔ ہیئت طیور کی تخلیق پھر اس میں نفخ روح احیائے موتی۔ اخبار غیب۔ وجاہت وغیرہ اس قرآنی ارشاد سے یہ حقیقت۔ ماہ نیم ماہ۔ مہر نیم روز کی طرح ثابت و محقق ہو گئی کہ انبیاء کرام کے فضائل و معجزات لاکھ محیر العقول ہوں مگر بیان کرنا ہرگز غلو نہیں بلکہ قرآنی سنت ہے۔ ہاں غلو جب ہی ہو گا جب کسی رسول و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ۔ یا اللہ تعالےٰ کا بیٹا یا تین میں کا تیسرا نثر میں یا نظم و شعر میں کہا جائے اس کے سوا لاکھ تعریف کسی قسم سے کی جائے ہرگز غلو نہیں۔

بحمدہ تعالیٰ آج تک کسی سنی مسلمان یا مطلق مسلمان نے کسی نبی کسی ولی کی شان میں مذکورہ بالا مشرکانہ عقیدوں کا اظہار نہیں کیا۔ خاص کر ماحی شرک و کفر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و نعت میں ان عقیدوں کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ حضرت بوصیری قدس سرہٗ نے قصیدہ بردہ شریف میں کیا ہی آب زر سے لکھنے کے قابل زریں نصیحت فرمائی ہے۔ سنئے اور نصیحت پر عمل فرمائیے

؎ دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم
وَاحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

یعنی نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جن کفری عقیدوں کا دعویٰ کیا ہے اے مسلمان اپنے رسول پاک کے حق میں ان کفری و شرکی دعووں کو قطعاً ترک کر دے۔ اس کے سوا حضور کی شان کریم میں جو بھی فضل و کمال جو بھی علمی و عملی وسعتیں و بلندیاں ذہن و تصور میں آسکیں ثابت کرو۔ نظماً و نثراً بیان کرو۔ اس اثبات و بیان میں تم حق بجانب ہو گے۔

اس تفصیلات شرعیہ کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے کلام میں غلو کی تلاش یا اس کا انتساب ایک حقیقت عدمیہ کی تلاش و جستجو کے سوا کچھ نہیں، ایک بے سود کاوش و لاحاصل کاہش ضرور ہو گی۔ اعلیحضرت رضی اللہ عنہ

غلو کا سد باب کس زور و شور سے فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

؎ لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا۔
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

؎ ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیرت نے جھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد اللہ اور عالم امکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

الغرض اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا کلام مالا کلام ہے۔ شریعت و قرآن پاک کی روشنی میں ہر شرعی نقائص و ہر طرح کے عیب غلو سے پاک و صاف ہے۔ سردست اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام دیوان کے متعلق انہیں کا یہ مصرعہ لکھ کر خاموش ہو رہا ہوں۔

؎ وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیان ہے جس کا بیاں نہیں۔

واصف شاہ ھدیٰ کا بقیہ

حسن تکرار موسیقیت کی جان ہے۔ حضرت رضا ان رموز فنی سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ترنم، نغمگی اور موسیقیت بحروں کے انتخاب پر بھی موقوف ہے۔ ذیل کے اشعار شاعر کے بالیدہ شعور کی غمازی کرتے ہیں ؎

کرنا تو ہے یاد ان کی، غفلت کو ذرا روکے
للہ رضا دل سے ہاں دل سے ارے دل سے
کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں
اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اس سے انکار ممکن نہیں کہ اگر فاضل بریلوی صرف شاعری پر ہی اکتفا کرتے تو آج اردو دنیا میں ان کا مقام میر و غالب ہی کی طرح محفوظ سمجھا جاتا اور شہرت ان کے قدموں سے لگی رہتی لیکن اس عاشق رسول نے شعر گوئی و سخن طرازی کو اپنے جذبۂ عشق رسول کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اظہار و ابلاغ کا یہ وسیلہ چونکہ اپنی نوعیت میں فن تھا لہٰذا انھوں نے اس کے آداب و احترام کو کما حقہ ملحوظ رکھتے ہوئے فنی تقاضوں کو بہ تمام پورا کیا۔ وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

نعتیہ شاعری پر ایک نظر کا بقیہ

لطف اُن کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
سائلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا
نیر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ ملے سائۂ داماں ہم کو
اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور
جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم
پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

مختصر یہ کہ اعلیٰحضرت کا نعتیہ کلام فکر بلند اور فن لطیف کا شاہکار نمونہ ہے۔ ساتھ ہی میں اپنے قلم کی بے مائگی اور عجز بیان کا اعتراف کرتا ہوں کہ "کلام الامام امام الکلام" جس دروں بینی اور ژرف نگاہی کا مستحق تھا وہ مجھ سے نہیں ادا ہو سکا اور ان چند صفحات میں یہ ممکن بھی نہیں تھا۔

امام احمد رضا

ایک مکمّل شاعر

از: طارق سعید بی اے
شیعہ ڈگری کالج لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اعلیحضرت کا یہ مقطع شاعرانہ تعلی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ کا عکاس ہے۔ کیوں کہ آپ نے ہزلیات اور لغویات سے بہت دور رہکر فن سخن کے تمام اصناف میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ غزل، مثنوی، مستزاد، قطعات، رباعیات وغیرہ جس میدان کی طرف آگئے ہیں سکّے بٹھا دیتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت، حلاوت و ملاحت، لطافت و تخیل، جدت تمثیل، صنعت تلمیع و ترصیع، صنعت تجنیس و تسجیع، قوافی کا زور تسلسل بیان، تنوع مضامین، انتہائی جوش و جذبہ، والہانہ عقیدت، واردات وغیرہ سب چیزیں آپ کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ (از: سوانح اعلیحضرت)

امر واقعہ ہے اور تاریخ ادب و سخن شاہد ہے کہ امام احمد رضا ایک مکمل شاعر تھے۔ میری ایک عادت کہیئے یا حقیقت پسندی کہ اس وقت تک کسی کو ادب و سخن کا دلدادہ تسلیم نہیں کرتا جب تک کہ پروفیسر آل احمد سرور کی کسوٹی پر ناپ جوکھ نہیں لیتا۔ "تنقید کیا ہے" میں سرور صاحب فرماتے ہیں۔ "تنقید کا کام فیصلہ کرنا ہے۔ تنقید دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کر دیتی ہے۔ تنقید وضاحت ہے۔ تجزیہ ہے۔ تنقید قدریں متعین کرتی ہے۔ ادب و زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے۔" آگے فرماتے ہیں۔ "تنقید کے بغیر ادب ایک ایسا جنگل ہے جس میں پیداوار کی کثرت ہے۔ موزونیت اور قرینے کا پتہ نہیں ہے۔" یعنی کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ادب و سخن اور شعر و شاعری کی پرکھ صرف تنقید کی ہی کسوٹی پر ہو سکتی ہے۔ اور آج ہم نے بھی طے کیا ہے کہ امام رضا کی شاعری پر بے لاگ تبصرہ کریں گے۔ شعر کی جانچ دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ ایک اس کی معنوی خوبی کے نظریہ سے دوسری اس کی لفظی خوبی کے نظریہ سے۔

کلام رضا میں معنوی اوصاف

(۱) اصلیت: رضا کی شاعری کا ہر شعر اصلیت و واقعیت کی بنیاد پر ہے بلکہ ہر شعر سابق صدر شعبہ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب کی تعریف پر بالکل کھرا اترتا ہے۔ ادیب صاحب فرماتے ہیں "شعر میں خیال کی اصلیت سے یہ مراد ہے کہ جس چیز سے وہ خیال متعلق ہے اس کا وجود حقیقت میں ہو، یا عقل یا اعتقاد کی رو سے ممکن ہو، یا مان لیا گیا ہو۔" امام رضا کے کلام میں یہ ایک اہم خوبی ہے کہ مقتضائے حال کے مناسب ہوتا ہے۔ ان کے بیان میں حقیقت پسندی ہر جگہ نمایاں ہے۔ مثلاً ایک ہندی کلام کو قلم بند کرتے وقت اپنی حقیقت پسندی اور سچائی کی وجہ سے واضح طور پر فرماتے ہیں کہ یہ نہ تو میری طرز ہے نہ میرا رنگ۔ فرماتے ہیں ؎

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ میرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

(ب) **سادگی خیال**:۔ خیال کی سادگی سے یہ مراد ہے کہ شاعر نے اپنے کلام میں کسی مقام پر الجھاؤ اور پیچیدگی سے کام نہ لیا ہو۔ امام رضا کی یہ خوبی ہے کہ عظیم سے عظیم خیال کو اس سادگی سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والا پوری طریقہ سے سمجھ بھی لیتا ہے اور پورا لطف بھی اٹھاتا ہے مثلاً سرور کے جلوہ انور کی تصویر کشی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں ؎

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول بدن پھول

کس صفت تکرار کے ساتھ سادگی خیال کا اہتمام کیا گیا ہے کہ شعر کا حسن بھی باقی ہے اور سلاست ہی سلاست۔

(س) **بلندی و باریکی**:۔ خیال کی بلندی اور باریکی سے یہ مراد ہے کہ بیان نرالا ہو، انوکھا ہو اور سطحی نہ ہو اور کہیں بھی مبالغے سے کام نہ لیا گیا ہو۔" یہ امر واقعہ ہے کہ جہاں امام رضا کے کلام میں اصلیت و سادگی پائی جاتی ہے وہیں بلندی اور باریکی بھی نظر آتی ہے نہایت باریک اور بلند خیال کو رضا نے اتنی آسانی سے ادا کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مشکل بات ہی نہ تھی۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں ؛ وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ کتنا بلند اور باریک خیال ہے اور کتنا واضح بیان۔ شاید ہی کوئی قلم بند کر سکے۔

(د) **تڑپ**:- اس سے یہ مراد ہے کہ خیال کے ساتھ جذبات بھی شامل ہوں۔ اگر کلام میں تڑپ یعنی جذبات کی آمیزش نہیں تو وہ شاعرانہ خیال نہ ہوگا، حکیمانہ یا واعظانہ خیال ہوگا۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت

مثال کے طور پر ایک ہندی کلام کو ہی لے لیجئے۔ امام رضا فرماتے ہیں ؎

منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیّا پار لگا جانا
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں، مرا کون ہے تیرے سوا جانا

کیسی مجبوری، کتنا درد کا احساس اور کتنا سوز اور کیسی تمنا۔ امر واقعہ ہے کہ امام رضا کے کلام کو پڑھنے کے بعد یہ تڑپ بڑھ جاتی ہے کہ ؎

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذّتِ سوزِ جگر کی ہے

مندرجہ بالا بحث امام رضا کے کلام کی معنوی خوبی کی بنیاد پر تھی۔ اور اب تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ امام رضا کی شاعری میں لفظی کیا خوبیاں ہیں۔

احمد رضا کے کلام و بیان میں ہر مقام پر سلیس، فصیح و بلیغ اور رواں لفظوں کا اصول قواعد و اختصار کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ غیر مانوس اور لفظوں میں تنافر پیدا کرنے والے تمام غیر ضروری چیزوں سے بچا گیا ہے۔ امام رضا دیگر شعراء کی طرح مایوسانہ الفاظ کا استعمال نہیں کرتے، وہ ناکامی کا رونا نہیں روتے، وہ کہیں اپنا ہوش و حواس گم نہیں کرتے۔ مثلاً میر تقی میر فرماتے ہیں۔ ؎

عشق گیا، سو دین گیا، ایمان گیا، اسلام گیا
دل نے کچھ ایسا کام کیا جس سے میں ناکام گیا

یہ عشقِ میر عشقِ الٰہی سے تعبیر کیا جا سکتا تھا مگر میر صاحب نے یہ کہکر اس کی گنجائش بھی نہ چھوڑی۔ فرماتے ہیں ؎

کس کس اپنی کل کو رووے، ہجراں میں بیکل اس کا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے، چین گیا، آرام گیا

میر صاحب عشقِ بتاں سے اتنے زیادہ خوف زدہ ہیں کہ فرماتے ہیں ؎

جی ڈوبا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

احمد رضا بد حواس اور بے خودی کا کہیں ثبوت نہیں دیتے۔ ان میں سنجیدگی و متانت ہے۔ ان میں تہذیب اور شگفتگی ہے۔ وہ ہمیشہ شستہ اور شفاف الفاظ کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ وہ ناسخ نہیں کہ اتنا بے خود ہو جائیں کہ "یاد آیا مجھ کو مجنوں آپ مجنوں ہو گیا"

یا ناسخ کی طرح یوں کہیں کہ ؎

مجھ کو اب ساقی گلفام سے کچھ کام نہیں
مے سے کچھ کام نہیں جام سے کچھ کام نہیں
ہے فراقِ بت خود کام میں ناسخ کا کلام
ہوں میں ناکام مجھے کام سے کچھ کام نہیں

مگر امام رضا کا اسلام و ایمان اتنا آسان نہیں جتنا میر، ناسخ وغیرہ کا ہے۔ رضا یقین کی منزل وہ دنیا کو ایک امتحان گاہ سمجھتے ہیں۔ وہ کام کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان کی تمنا و حسرت ہے کہ وہ جب دنیا سے جاویں تو ساتھ خیریت و ساتھ ایمان جاویں، بامراد جاویں، ناکامی اور مایوسی ان کے یہاں کوئی مقام نہیں رکھتی۔ وہ فانی نہیں ہیں کہ کہیں ؎

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں وہ سو وہ بھی کیا معلوم

مگر امام رضا اپنے محبوب کو یوں مانتے ہیں ؎

انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امام رضا بھی آہیں بھرنا جانتے ہیں مگر ان کی آواز سوز دوسروں سے مختلف ہے۔ ان میں بھی "ہائے" "ہائے" کی صدائیں ملے گی مگر غالب کی ہائے ہائے کی طرح نہیں۔ غالب فرماتے ہیں ؎

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

مگر امام رضا کی آہ اس طرح ہے، ملاحظہ فرمایئے ؎

آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در کا پر ارمان گیا

پر ارمان جانے والا دل امام رضا کا ہی دل ہے۔ غالب و ناسخ تو اپنے محبوب کے در سے ناامید و مایوس لوٹتے ہیں۔

مندرجہ بالا حقیقتوں کے علاوہ جو چیز امام رضا کو دوسرے شعراء کے مقابلہ میں سربلند اور اونچا کرتی ہے وہ ہے ؎ ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے

یہی مقصد زندگی ان تمام بے مقصد سخن گوؤں سے ان کو سربلند کرتی ہیں جو نامام بے مراد اور ہائے ہائے کرتے دنیائے فانی سے اٹھ جاتے ہیں ؎

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی ؛ کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

مگر امام رضا نہ تو غم سے مرتے ہیں اور نہ انھیں اپنی تعزیت کی فکر ہے کیوں کہ انکا شمار ولیوں اور بزرگوں میں ہو نیوالا تھا جن کو نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلا کی پروا۔ امام احمد رضا کی شاعری کو پروفیسر آل احمد سرور کی کسوٹی پر رکھکر اگر علماء زبان و ادب پرکھیں تو بھی کو یہ کہنا پڑیگا کہ امام رضا، ایک مکمل شاعر تھے۔

امام احمد رضا اور اردو ادب

مولانا شاہد رضا اشرفی ایم اے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی شخصیت کا مخصوص دائرہ کار مذہبی تبلیغ و اسلامی حقائق کی حقیقی تشریح و تفسیر ہے۔ ان کی زبردست علمی صلاحیتوں کا میدان عمل بنیادی طور پر وہی ہے جو آپ سے پہلے کے صوفیائے کرام اور مجددین ملت کا رہا ہے۔ میرے اس مضمون کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں ان کی شخصیت کے بین الاقوامی تاثر میں کوئی تبدیلی چاہتا ہوں۔ آج بھی دنیا کے گوشہ گوشہ میں مسلمانوں کا صالح اور راست طبقہ انھیں "امام اہلسنت" کے نام سے یاد کرتا ہے اور یہ ایک صحیح اور سائنٹفک تاثر ہے۔

لیکن صوفیا اور علماء اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ کے لئے جب اظہار مدعا کا کوئی پیرایہ متعین کرتے ہیں تو خود بخود کسی نہ کسی زبان و ادب کی خدمت اور توسیع و ترقی کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب "اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام" میں لکھا ہے۔

"یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے۔ یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی۔ نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا۔ اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں۔ اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی"۔

اس کتاب میں "بابائے اردو" نے صوفیائے کرام کو اردو کا محسن بتایا ہے اور کہا ہے کہ اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو نہیں بھول سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تا دم تحریر مورخین اردو ادب نے اس احسان کو کہاں تک یاد رکھا ہے۔ لیکن کم سے کم مجھے تو یہ احسان صرف یاد ہی نہیں بلکہ میرے احساس و فکر کی دنیا میں ایک زندہ حقیقت بن کر آج مجھے پابند لوح و قلم بھی کر رہا ہے۔

امام احمد رضا کی پر وقار شخصیت سے اردو ادب کے رشتہ پر میری چھان بین کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ میں ارادی طور پر اس عنوان پر کچھ لکھنے کے لئے بیتاب ہوں۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ کرۂ ارض کے تمام خطے ہمہ وقت تابناک نہیں رہتے بلکہ اگر زمین کا نصف حصہ تاریکی کی آغوش میں رہتا ہے تو نصف حصہ اجالوں میں پلتا ہے۔ شاید نظام قدرت کا یہ قانون فکر انسانی کو بھی راس آیا ہے ورنہ اردو کے عظیم مورخین کی یہ روش میرے نزدیک حیرت انگیز ہے کہ وہ ایک ہی دور میں داغ و امیر، حالی و شبلی، اکبر و سر سید کی خدمات پر تو اپنے آفتاب تحقیق کی کرنیں بکھیرتے ہیں لیکن امام احمد رضا کی شاعری، نثر نگاری اور ان کے علمی جاہ و جلال کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ میرے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور میں اپنی ناپسندیدگی کو دوسروں کی پسند گمان کرنے والوں میں بھی نہیں ہوں لیکن اردو ادب کا طالب علم جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد ادب کی روشنی میں اپنا ذہنی سفر شروع کرتا ہے تو یہ حیرت اُسے ضرور ہوتی ہے اگر نہیں ہوتی تو ہونی چاہیئے۔ اور اگر اس "چاہیئے" کا بھی انکار ہے تو حقیقتیں ہر دور میں آتی با اختیار ضرور ہوتی ہیں اور رہیں گی جب حقائق کی انمٹ طاقتوں نے محض تخیلاتی نظریات کے پہاڑوں کو چکنا چور کر دیا ہے۔ ایٹم (ATOM) کی سہ رکنی حقیقت نے نیوٹن کا بھرم اگر توڑا ہے۔ صورت و معنی کی کشمکش میں اگر معنی کو غلبہ حاصل ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ فاضل بریلوی کی ادبی و لسانی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے گا۔

ذہنی و علمی دنیا کی شاید یہ وہی مایوس منزل ہے جہاں اپنوں سے شکوہ و شکایت کو "شدید اپنائیت" کی خوبصورت تاویل کا لبادہ پہنا دیا جاتا ہے۔ میں بھی اپنے کرب و کسک کی اسی مایوس منزل پر ہوں جہاں مجھے اپنوں سے شکوہ ہے۔ لیکن سوچتا ہوں کہ اپنا کون ہے اس لئے یہ کہہ دینا ہی عافیت بخش ہے کہ مجھے سب سے شکوہ ہے۔ کاش! ہماری جماعت کے لوگ فاضل بریلوی کے اس رخ پر کچھ لکھتے تو آج حامد حسین قادری، رام بابو سکینہ، نسیم قریشی، عبدالسلام ندوی کی تاریخ ادب کی کتابیں "ذکر رضا" سے ناآشنا نہ ہوتیں۔ وہ "شہنشاہ اقلیم سخن" جس نے شائع شدہ تحقیق کی روشنی میں ۱۳ مختلف فنون کی ۷۵ کتابوں کا تحفہ اردو زبان کو دیا وہ "امام الکلام" جس کی

نعتیہ شاعری آج بھی اردو ادب میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ شعراء اردو کے تذکروں میں گمنام نہ ہوتا۔

میں جو کچھ قلم بند کر رہا ہوں اپنی بے بضاعتی کے بھرپور احساس کے ساتھ قلم بند کر رہا ہوں۔ ایک متنوع شخصیت کی رنگارنگی میں کسی ایک مخصوص رنگ کو منفرد انداز سے پیش کرنا وقت اور غائر مطالعہ چاہتا ہے۔ اور اس قسم کے مطالعے بھی ان گنت رُخ رکھتے ہیں۔ اس لئے موضوع میں مکمل گفتگو کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسا کوئی اِدّعا میرا مقصد ہے۔ بلکہ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ادب کی ایک بھولی ہوئی اہم ترین ضرورت کا "احساس جاں" "احساس جہاں" ہو جائے اور میری تنہائی انجمن بن جائے۔

ازل سے ایک جہانِ سکوت لایا ہوں
شریکِ شرحِ نوا ہائے راز کرنے کو

"ادب تنقیدِ حیات ہے" میتھو آرنلڈ کا یہ وہ مقولہ ہے جو آج بھی اصنافِ ادب کے ضمن میں شاعری کی بھی حقیقی تعبیر سمجھا جاتا ہے۔ آیئے ہم بھی اس تعبیر کو اپنے خواب کا آئینہ سمجھ کر آگے بڑھیں میرے موضوع کا شدید تقاضا ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھیں کہ شاعری کس حیات کی تنقید ہے۔ میرے نزدیک حیات کے دو رخ تو مسلّم ہیں۔ حیاتِ فانی اور حیاتِ باقی۔ اسے آپ دنیوی اور اخروی حیات بھی کہہ سکتے ہیں اگر شاعری کو صرف دنیاوی حیات (مادی حیات) کی تنقید سمجھا جائے تو پھر شاعری کا وہ دعویٰ مجروح ہوتا ہے جس کی روشنی میں اسے "انسانی رہنمائی" کا افتخار حاصل ہے۔ اسی لئے بعض نقادوں نے آرنلڈ کے اس جملہ میں حیات کے ساتھ اپنی جانب سے کوئی قید نہ لگا کر اسے شاعر کے شعور سے وابستہ کر دیا ہے۔ جعفر علی خاں اثر اپنے مضمون "پروپگنڈہ اور شاعری" میں رقم طراز ہیں۔

"ادب تنقیدِ حیات ہے مگر عام حیات کی نہیں بلکہ اُس حیات کی جس کی تشکیل شاعر یا ترجمان نے کی ہے"۔

اور جب حیات کی ادبی جہت فنکار کے شعور سے وابستہ ہے تو ایک ایسا فنکار جو شعوری طور پر نہ صرف حیاتِ اخروی پر ایمان رکھتا ہے بلکہ وہ اُسے ساری دنیائے انسانیت کے لئے باعثِ نجات بھی جانتا ہے۔ جب حیات کی تنقید کرے گا تو اس کے فن میں ایسے عقائد و جذبات کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جو اس کی نظر میں باعثِ نجات و عافیت ہو۔ یہی وہ تنقیدِ حیات ہے جسے ہم نعتیہ شاعری۔ مذہبی شاعری یا اعتقادی شاعری میں پوری طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ اور یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس کی بنیاد پر ادب کا ہر شہ پارہ تنقیدِ حیات کے دائرے میں آجاتا ہے۔ خواہ وہ مذہبی شخص ہو یا لامذہبی اور غیر شخصی۔

فاضل بریلوی کی پوری اردو شاعری نعت و منقبت پر مشتمل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں مسلک اور عقیدہ کا اظہار بھی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ ان کے بلند شعور کی بات ہے کہ انھوں نے حقیقی حیات کی تنقید کو اپنا موضوعِ سخن بنایا جنت و دوزخ، قبر و قیامت، قضا و قدر، عذاب و ثواب، بخشش و تعزیر اور اسی قبیل کے موضوعاتِ اخروی ان کی شاعری کا اصل موضوع ہیں۔ جس کا تعلق حیات بعد الممات سے ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

یاالٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

کھڑے ہیں منکر نکیر سر پہ نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور
بتا دو آکر میرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

بارگاہ رسالت میں جذبات و کیفیات کا منظوم نذرانہ بھی نجاتِ اخروی اور حیاتِ ابدی کے حصول کا ایک پاکیزہ وسیلہ ہے۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری بھی رضائے رسول اور حبِ نبوی کے اکتساب کا ایک مقدس انداز ہے اور یہی رضا و محبت اسلام میں تکمیلِ ایمان کا وہ معیار ہے جہاں انسان حیات کی اس منزل پر ہوتا ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے حیات کے مرکز سے دور رہتا ہے

اور یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ فاضل بریلوی کے فن میں اسی حیات کی تنقید کے جلوؤں کا ہجوم ہے۔ دراصل اسلامیات پر ان کا مطالعہ عقلی و وجدانی دونوں اعتبار سے کامل تھا۔ اسلامی معقولیت نے انھیں علم و فضل میں یگانۂ روزگار بنایا اور ہوش و بصیرت سے معمور ان کی اسلامی وجدانیت نے اردو نعت کو شاعرانہ حسن آفرینی کے ساتھ شانِ برگزیدگی عطا کی۔ اردو نعت گو شعراء کی ہندوستانی روایت میں فاضل بریلوی کا امتیاز ہے کہ ان کے کلام میں "عقلِ مومن" اور "وجدان" کا حسین اعتدال و امتزاج موجود ہے۔ افتخار اعظمی نے "ارمغانِ حرم" کے مقدمہ میں فاضل بریلوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اسی لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انھیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہیئے۔ انھیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ انکے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ چونکہ رسولِ پاک سے انھیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کیساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے"

حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری تخلیقی صلاحیت اور جدت طرازی سے آراستہ ہے۔ ان کی اس نعت کا چرچا آج بھی ہر سمت ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس نعت میں عربی۔ فارسی اور ہندی کی اردو کے ساتھ آمیزش تو نعتیہ شاعری میں نادر الوجود نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن ہاں! اس کی "لسانیاتی تثلیث" میں جو امتزاج و آہنگ ہے جو روانی اور سلاست ہے اس کی لطافت اور دلنشینی کی بازگشت سے آج بھی اردو کی نعتیہ شاعری محروم ہے۔

شاعری واردات قلب کے آراستہ اظہار سے عبارت ہے۔ امام احمد رضا کے ایمانی واردات جگر کو ملاحظہ فرمائیے۔

آنکھ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پُر ارمان گیا
جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہونچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

کانٹا میرے جگر کا غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو
لے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اور نعتیہ مضامین میں شان تجمل کے پہلو بہ پہلو خلوص وفا کی رعنائیاں تو جیسے چھلکی پڑتی ہیں۔ وفور شوق کے جلو میں بارگاہ مصطفےٰ کے حضور سرمایۂ عقیدت کی یہ دلنواز پیش کش اردو شاعری میں کہیں کہیں ہی دکھائی دیتی ہے۔

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اس شعر میں "پنجاب رحمت" کی ترکیب اردو زبان کو فاضل بریلوی نے ہی دی ہے اور اسی نعت کا دوسرا شعر تو پرواز فکر اور رفعت تخیل کی آخری حدوں تک پہونچ گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ

اس شعر کے خصوص میں میں نے دعویٰ کیا ہے کہ تخیل کی آخری حد شاعر کے ذہن میں آ بسی ہے۔ اس ادعا کی تائید میں اقبال سہیل کو سنئے۔

چلے ہیں فاروق اس ادا سے فضائیں گونجی ہیں مرحبا سے
جو ذرے اڑتے ہیں گرد پا سے نجوم پر مسکرا رہے ہیں

شعر کا مضمون نہایت واضح ہے شاعر فاروق اعظم کا پائے ناز چومنے والے ذروں کو نجوم پر فوقیت دے رہا ہے۔ لیکن میرے مقصد کو سمجھنے کے لئے ان دونوں شعروں میں تقابل سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ تخیل اور ہے مصداق تخیل اور۔ یہاں مصداق تخیل سے بے نیاز ہو کر صرف شاعر کی ذہنی پرواز کا تجزیہ مقصود ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے اس سرمدی شعور پہ ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے جو علوئے فکر اور فنی احساسات کی لطافت سے جگمگا رہا ہے۔ انھوں نے سواری رسول کے قدموں سے اٹھنے والی دھول کو مہر و ماہ کے لئے "مخزن اکتساب نور" بنا دیا ہے۔ ذروں اور ستاروں کا جو رشتہ انھوں نے اجاگر کیا ہے وہ کتنا لطیف اور بلند ہے۔ اسے فن شناس نگاہیں خوب جانتی ہیں۔ اقبال سہیل نے تو الفاظ کی شان و شوکت اور ترکیب کی سج دھج سے تخیل کو جلا بخشی ہے۔ لیکن فاضل بریلوی کے یہاں پرواز فکر کی جاذبیت سے الفاظ کی رگوں میں زندگی کا تازہ لہو گردش کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایک شاعر کی نگاہ صاحب تعریف کے قدموں پر ٹھہر گئی ہے لیکن دوسری جگہ شاعر کی نگاہیں نسبت کے اعزاز تک جا پہونچی ہیں۔

تقابل کی بات ذہن میں آتے ہی دفعتاً فاضل بریلوی کا وہ شعر بھی یاد آگیا جو زبان زد خاص و عام ہے۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

فن اور زبان پر زبردست عبور کی ہی بات ہے کہ اس شعر میں ہر لفظ تقابل کی علامت بنکر شاعرانہ احساسات کے سانچے میں ڈھل گیا ہے۔ زنان مصر اور مردان عرب یا انگشت اور سر کا باہمی تقابل تو بالکل ظاہر ہے لیکن حسن یوسف پر انگلیوں کا کٹ جانا اور اسم مصطفےٰ پر سر کٹا دینا اپنی جگہ پہ زبردست معنویت رکھتا ہے۔ کٹنا غیر ارادی اور اضطراری فعل ہے۔ لیکن کٹانا ارادہ اور مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا مجبوری اور مختاری کا آمنا سامنا ہو رہا ہے۔ اسی طرح یوسف اور اسم سرور کائنات بھی شاعر کے فکر میں روبرو ہیں۔ حضرت یوسف کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے اختیاری میں انگلیاں کٹی ہیں۔ لیکن جمال مصطفےٰ کو دیکھ کر نہیں بلکہ صرف سن کر سر کٹانے کی تمنا جوان ہو گئی ہے۔ جس بارگاہ و فا میں نام کی یہ تاثیر ہو وہاں جلوۂ ذات کی تجلیات کا کیا عالم ہوگا؟ یہ فاضل بریلوی کی وہ ایمائیت ہے جہاں ٹھہر کر آپ جس قدر غور کریں گے عشق مصطفےٰ کی چاشنی دو آتشہ ہوتی ہوئی محسوس ہوگی

ع۔ جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

بڑی سچی اور منطقی بات ہے لیکن یہ شاعر کا قادر الکلامی ہے کہ اس نے بہت کچھ کہہ کر بھی تذکرہ "حسن یار" کو محدود نہیں ہونے دیا ہے۔

محمد علی جوہر کا ایک نعتیہ شعر سنئے۔ جسے ان کے ایمانی احساسات کا نچوڑ

سمجھنا چاہیئے۔

شمعِ ایماں کو خدا روشن رکھے

قبر میں جوہر کی پہلی رات ہے

اس شعر میں ایک عجیب کیفیت ہے اس کو بار بار پڑھیئے تو دل میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ کاش شاعر کی "یہ پہلی رات" سب کو نصیب ہو لیکن "وہ شمعِ ایماں" جسے روشن رکھنے کی التجا بارگاہ رب العالمین میں پیش کی جارہی ہے۔ کیا ہے؟ یہ فنکار کے دل میں پوشیدہ ہے۔ جذبات کے رخ پر پڑے ہوئے اس حجاب کو اٹھانے کے لئے عشق رسول کی جو سرمستی چاہیئے وہ جوہر کے یہاں مفقود ہے لیکن "امام الکلام" کی یہ وارفتگی دیکھیئے جس کے بل بوتے پر وہ بے حجابانہ پکار اٹھے۔

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لیکے چلے

اندھیری رات سُنی تھی چراغ لیکے چلے

فاضل بریلوی کی یہ وہ خصوصیت ہے جو انھیں نعت رسول کی نغمگی کا مکمل حق ادا کرتی ہے۔ ورنہ اس انجمن ناز میں سر کو لیکر جانا سب کے بس کی بات نہیں۔

ایمان و عشق کی شان ہی یہ ہے کہ پھانسی کے تختہ پر بھی اُسے تاریخ کی نگاہوں نے زندہ اور بے باک دیکھا ہے۔ ماحول کی شدید مخالفت کی چھاؤں میں بھی اُس کے ماتھے پر شکست کی کوئی لکیر تلاش نہیں کی جاسکی ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی یہی وہ حق گوئی اور بے باکی ہے جسے کچھ لوگوں نے "آئین جواں مرداں" نہ سمجھ کر "افراط و تفریط" اور "بے راہ روی" کا نام دیا ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے اُن کے کلام میں شدت بھی ہے اور عقائد کا بے لاگ اظہار بھی لیکن یہ شدت تو فن کی ایک خصوصیت ہے نہ کہ خامی حقیقی شاعر کے یہاں احساس و جذبہ کی شدت ایک فطری اور لازمی شے ہے۔ جہاں تک عقیدہ اور مسلک کے اظہار کی بات ہے اُس سے کسی کا اختلاف ممکن ہے لیکن خالص ادبی بنیاد پر کوئی عیب نہیں بلکہ فن کا حسن ترکیبی ہے۔ ایسے خیالات کی بنیاد کو شاعرانہ محاسن کی کسوٹی بنانا میرے نزدیک ہرگز درست نہیں۔ سلامت اللہ خاں اپنے مضمون "ادب اور عقیدہ" میں لکھتے ہیں۔

"ادب عقیدہ کے بغیر بھی وجود میں آسکتا ہے یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ ادب الفاظ کے بغیر بھی تخلیق کیا جاسکتا ہے۔"

(علیگڑھ میگزین نظریاتی ادب نمبر ۱۹۵۸ء)

اور اگر ادبی تخلیقات میں مخصوص عقائد کے بیان و اظہار کو غیر پسندیدہ قرار دیدیا جائے تو پھر دانتے اور ملٹن کی شاعری اقبال و ٹیگور کے پیغام کے بارے میں بھی مسلمہ ادبی فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہ سکے گی۔ "PARADISE LOST" یا "مسجد قرطبہ" کی ادبی حیثیت کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

کسی شاعر یا ادیب کے عقائد کو قبول کر لینا نقاد یا تاری کے لئے ضروری نہیں لیکن فنکار کا فن اگر اس کے انفرادی نظریات و خیالات پر مشتمل نہ ہو تو اس میں اعلیٰ ادب کی نمایاں خصوصیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ ادیب کا انفرادی نظریہ ہی درحقیقت فن کا محرک ہوتا ہے اور ادیب میں شمع تخلیق کو روشن کرتا ہے۔

اقبال کی فلسفیت اور بین الاقوامیت بھی ان کے انفرادی نظریات و عقائد کی راہ میں حائل نظر نہیں آتی۔ وہ برملا کہتے ہیں۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ

زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است (ارمغان حجاز)

شبلی کی جدیدیت اور ذہنی آزادی نے بھی اُن کا یہ انفرادی انداز نہیں چھینا

آستانوں کی زیارت کے لئے شدرحال

اسمیں کیا شانِ پرستاریٔ اصنام نہیں

{ "اسلام کے تنزل کا اصلی سبب" کلیات شبلی اردو }

پھر فاضل بریلوی کے افکار و عقائد کا اظہار ادب کے ظرف میں کیوں "افراط و تفریط" کا زہر گھولنے لگتا ہے اسے سمجھنے سے اب تک میں قاصر رہا ہوں۔

بتوں نے لوٹ لی ساری خدائی

خدا کے پاس اب رکھا ہی کیا ہے۔

ایک مادہ پرست ادیب کا شعر جب ادب کے شیش محل میں کوئی زلزلہ پیدا نہیں کرسکا تو پھر فاضل بریلوی کے مذکورہ ذیل اشعار سے ادب کی دھرتی کیوں کانپتی ہے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروّت کیجئے

کیجئے چرچا انھیں کا صبح و شام جان کافر پہ قیامت کیجئے

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے

یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

شاعری کی صالح و پاکیزہ ذہنی آزادی کا تنقید کے نام پر استحصال ادب کی وقعت کو کم کرتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی

خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر

فاضل بریلوی پر ادبی مضامین "افراط و تفریط" کا الزام لگانے والوں سے اسلئے میری اپیل ہے کہ وہ "ادب اور عقیدہ" کے اٹوٹ رشتہ اور اس کی اہمیت پر اچھی طرح غور کریں۔ جہاں تک اختلاف مسلک کی بات ہے اُس کا تعلق "دینیات و مذہبیات" سے ہے۔ ادب میں دوسرے موضوعات کے اصولوں کو عیب و ہنر کی تشخیص کی بنیاد سمجھنا بے اصولی ہے۔ جس سے احتراز کرنا ادب اور ادیب دونوں کی آبرو کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

امام احمد رضا کی

نعت گوئی

سید شمیم گوہر ایڈیٹر نمائندہ الہ آباد

دنیا کا کوئی بھی انسان ہو جس مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو وہ کسی منزل پر اپنے آپ کو غیر مذہبی نہیں تصور کرتا۔ خواہ اس کے ذاتی افعال و کردار کتنے ہی لامذہبیت کا کیوں نہ ارتکاب کرتے رہتے ہوں۔ ہر کیفیت میں وہ خود کو مذہبی ہی گمان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ہندوستان کی ادبی دنیا کا عجیب عالم ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ادیب و شاعر کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اپنے تخیلات کے خود ہی پروردگار ہوتے ہیں۔ ایسی غیر فطری نظریاتی لغزش یا ایسا بے بنیاد انکشاف کس کھوکھلے پن کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کا خاطر خواہ جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا کیوں کہ اثباتی طور پر نہیں آج تک کوئی مسلم ادیب و شاعر مندر میں شنکھ بجاتا ہوا نظر آیا اور نہ ہی کسی ہندو قلم کار کو مسجد میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہی دیکھا گیا۔ بات کچھ بھی نہیں یہ بہ محض وقتی یا لمحاتی آوارہ طبعی کا بے بنیاد سا مظاہرہ ہے ورنہ دنیا کا کوئی انسان غیر مذہبی ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم نے ایسی تمہیدی ضرورت صرف اس لئے محسوس کی کہ اصناف سخن کے سلسلے میں ادب و مذہب کے گہرے رشتے کو نمایاں طور پر پیش کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ یہ واضح کر سکیں کہ ایسی بھرپور مذہبی حقیقت کی روشنی میں اردو کے مسلم شعرائے متقدمین نے جہاں ہر صنفِ سخن کے ساتھ یکساں رویہ رکھنے کی کوشش کی ہے وہاں نعت گوئی کے سلسلے میں ان کا غیر تکمیلی پہلو کیوں سمجھ میں آتا ہے۔ تواریخ سخن کا مطالعہ کرنے والے ضرور جانتے ہوں گے کہ عربی و فارسی اور سنسکرت کے بیشتر شعرائے متقدمین کا شعری خزانہ جس قدر حمد و ثنا اور اوصاف و کرامات کی شعری بندش پر مبنی ہے کسی دیگر رجحان کے تہائی حصہ کا بھی پتہ نہیں چلتا پاکیزہ روی کا یہ حال تھا کہ راہ شاعری پر گامزن رہتے ہوئے انھیں اپنی اظہار ادبیت کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہوتی تھی بلکہ اپنے ذہنی خاصے کو اظہار مذہبیت ہی پر زیادہ تر محمول کیا کرتے تھے ان کے نزدیک دراصل اظہار ادبیت وہی چیز ہوتی تھی جو جزو مذہب کا پتہ دے سکتی رہی ہو مگر افسوس کہ ہند و پاک کے اردو شعراء کے نزدیک ادبیت کے مفہوم نے کچھ اس طرح پلٹا کھایا کہ سارے مذہب تمام ادبی تقاضے جلتی پھرتی ادبیت کا پازیب بن کر رہ گئے۔

ہندوستان کے اردو ذخیرۂ نعت کا تاریخی اور بھرپور محاسبہ کرنے اور اس کی مختلف نعتیہ فضاؤں کا تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجہ کا تعین کرنا کوئی مشکل کام نہیں کہ اردو شعراء کی نعت گوئی کے مقابلے میں ممالک اسلامیہ کی تاریخ نعت اتنی زیادہ معروج و سر بلند اور مکمل نظر آتی ہے کہ اس کا تہائی حصہ بھی اردو شعراء کے نصیب میں نہ آسکا۔ کسی قدر حیرت کی بات ہے جب کہ دیگر اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کرنے والے ایک سے ایک شاعر قادر الکلام تسلیم کئے گئے۔ یہ مسئلہ کم از کم ہمارے لئے تو بے حد اہمیت رکھتا ہے کہ آخر ہندوستانی ادب کدے میں اردو کے انھیں مسلم شاعروں کے شعری سرمائے کو کیوں مسلّم و مستحکم باور کیا جاتا رہا ہے۔ جو نعت جیسے عظیم و بلیغ اور منفرد فن کی طرف اپنی تھوڑی توجہ بھی مبذول کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ کیا اصناف سخن میں نعت گوئی کا ایسا کوئی بھی مقام متعین نہیں کیا جا سکتا تھا جس کی روشنی میں کسی نعت گو کو باکمال شاعر تصور کیا جا سکتا۔ شاعری کے جمیع شعبوں کے پیش نظر یہ قاعدۂ کلیہ ادب کی کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے کہ شاعری کرنے والوں کے لئے یہی ضروری سمجھا جاتا ہو کہ وہ جمالیاتی یا تجرباتی غزل و نظم ہی کے میدان تک محدود رہے اور دیگر اصناف سخن کو ٹھوکر پہ لے لے۔ غیر مسلم شعری رجحان سے ہمیں کوئی غرض نہیں مگر مسلم شاعری کی شعریت پر یہ الزام عائد کرنا قطعی درست ہوگا کہ ان کے اصناف سخن کا بیشتر انتخاب بے بنیاد و بے مقصد رہا۔ ہم کہتے ہیں ہندوستان میں ولی دکنی سے لیکر آج تک کی مسلم شعری فضا نعت گوئی ہی کے انتخاب کی بنیاد پر جوہر شاعری دکھانے کی کوشش کرتی رہتی تو کیا شاعری کی دنیا ادھوری رہ جاتی۔ عربی میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت ابو طالب کعب بن زبیر، بوصیری، اور شوقی۔ فارسی میں جامی، قدسی، عرفی، نظیری، ظہوری، سعدی اور حافظ شیرازی وغیرہ جیسے شہرۂ آفاق شعرائے کرام کے شعری خزانے کا محاسبہ کرنے کے بعد جس عظیم الشان روحانی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کیا کوئی شخص اس سے انکار کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ ان کا بیشتر اور اکثر شعری سرمایہ نعت یا نعت نما غزل ہی پر منحصر رہا ہے۔ اور اسی صنف نے انھیں آفاقی حیثیت کا علمبردار بھی بنا کر دکھایا۔ کیا ہندوستان کا کوئی ادبی شاعر مذکورہ شاعروں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ حالی اور اقبال کی شاعری کئی نظریاتی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے جسے مسلم معاشرہ کی اصلاح اور فلسفۂ حیات کے سلسلے میں افادہ بخش تو ضرور سمجھا جا سکتا ہے مگر ان کی ایسی مختلف نظم گوئی

کی بنیاد پر انھیں مکمل ایک نعت گو یا نعت نما غزل گو شاید کسی زاویئے سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ عربی و فارسی شعرا کے نعتیہ کارنامے ثبوت کے لئے بہت کافی ہیں اسی طرح انیس و دبیر بھی حالاتِ کربلا، رنج و اندوہ اور منظر نگاری کی منزل تک محدود رہے نعت گوئی کا ذاتی تقاضا ان کے ہاں بھی محفوظ نہیں باقی اور جتنے شاعر گزرے ہیں انھیں بھی اپنے رنگ تغزل، مثنوی نوازی اور مسکہ باز قصیدے ہی سے فرصت نہیں ملی تو فن نعت کے لئے کیا رجحان سلامت رکھ سکتے۔

یہاں پر ہم اسلامی نہیں بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے یہ عقدہ کشائی کرنا چاہتے ہیں کہ ولی دکنی سے لیکر آج تک کے مسلم شاعروں نے جو بھی شاعرانہ فضا بنائی ہے اور جن جن رجحانات کا مصرف لیا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ یا تو نا انصافی کے محور پر گردش کرتا رہا ہے یا پھر فن نعت کے حقیقی رنگ و روغن ہی کو پرکھنے سے عاجز رہے اس قسم کا فیصلہ دونوں نظریات کے لئے قائم کیا جاسکتا ہے مسلم شعراء کو یہ خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے تھا کہ اصناف سخن میں سے فن نعت کا ایک ایسا نازک ترین مسئلہ ہے جس کا حل سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے پاس نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اس فن کا صحیح محافظ مسلم شعرا کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا مگر کس قدر حیرت و استعجاب کی منزل ہے کہ ایسے نازک ترین پہلو کے ہوتے ہوئے بھی شعرائے متقدین نے کوئی لحاظ نہیں رکھا اور صرف زیادہ تر اپنی غزل گوئی، مرثیہ گوئی، قصیدہ گوئی اور مثنوی گوئی کی ذہنیت پر ریاض کرنے پر آمادہ رہے۔ اگر اس موقع پر کچھ اشخاص کے قول کے مطابق یہ تصور قائم کرلیا جائے کہ نعت گوئی کے فن کو اس لئے خاطر میں نہیں لایا گیا کہ یہ ایک مشکل ترین فن ہے۔ سب کے مان کی نہیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کیا میرؔ و آتشؔ اور غالبؔ و مومن کے نزدیک بھی یہ فن دقت طلب اور دشوار کن ہو سکتا تھا اگر مانا اس احتراز کے پس پشت کچھ ایسی ہی حقیقت جلوہ افروز تھی تو پھر ہم میرؔ و غالبؔ کو کس اعتبار سے مسلم الثبوت شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ایسے بیشتر قادر الکلام شاعر اپنی تفریح طبع یا ارتقائے رنگ تغزل کے طور پر تو ساری عمر شاعری سے شغل کرتے رہے مگر نعت شریف جیسے پاکیزہ اور صاف ستھرے فن کو ہاتھ تک نہ لگایا جب کہ یہ مسئلہ روز روشن کی طرح درپیش تھا کہ نعت گوئی کا صحیح تقاضہ صرف مسلمان ہی شعرا پر عائد ہوتا ہے۔ کیا میر و غالب اور آتش و سوداؔ نے اگر نعت گوئی ہی کے لئے زور قلم صرف کیا ہوتا تو کیا انھیں مسلم الثبوت شاعر تسلیم کرنے کے لئے ادبی دنیا کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا۔ کیا اردو زبان و ادب کو نکھارنے کے لئے نعت گوئی کے سہارے کو کافی نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہم تمام شاعر و ناقد سے طلب کرتے ہیں۔

ہندوستان کی اردو دنیا بھی عجیب چوں چوں کا مربہ ثابت ہوتی رہی عربی و فارسی کے اکثر شعرائے متقدین کی ذہنی روش پر غور کیجئے تو پتہ یہی چلے گا کہ ان کے زیادہ تر شعری رویے ہمیشہ مذہبیت اور صالح نتائج سے قریب ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے اور اسی رویہ کی بنیاد پر وہ اپنی حقیقی ادبیت کا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ مگر ہندوستان کی اردو شعریت نے کچھ ایسے ایسے انقلابات کو جنم دینا شروع کیا کہ بالآخر اس صنف کا شمار دائرہ عیب میں ہوتا چلا گیا۔ ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا جو صحیح معنی میں اپنے مذہب ہی سے دلچسپی نہیں رکھ پاتا وہ دنیا میں ادب نواز کس طرح تسلیم کرلیا جاتا ہے۔ ادب کا رشتہ مذہب سے بالکل اسی طرح ہے جس طرح مذہب کا تعلق ادب سے ہے۔ "الحیاء من شعبة الایمان" حیا و شرم ایمان کے شعبہ میں سے ہے۔ اسی حیا و شرم کا دوسرا نام ادب ہے۔ یہ نظریہ تو کبھی قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک طرف دعویٰ ادب بھی جتایا جائے اور دوسری جانب مذہبی رجحان سے احتراز کرنے کا مظاہرہ بھی کیا جائے۔ نتیجہ سوائے اس کے اور کیا اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی جھوٹی اور کھوکھلی ادبیت، فریب و مکاری اور حیلہ تراشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ باطنی و ظاہری طور سے مذہبی بننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ہر آدمی صرف اپنے باطن ہی پر اکتفا کرتے ہوئے مذہبی بنا رہنا چاہے تو یہ اتنا بہتر نہیں جتنا کہ باطن کی بنیاد پر ظاہری اعمال و کردار کا وجود ضروری ہے۔ "ہمارا مذہب بہت اچھا ہے مگر اس کا ثبوت" حقیقتاً اسی کو تبلیغ کہتے ہیں جو ہزاروں مذاہب کے درمیان اپنی اپنی مذہبی حقیقت کو واضح طور سے نمایاں کرسکے۔ دوسروں کے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے مذہبی اعمال و حقائق کے ظاہری رنگ و روغن کے اثبات کو اسی لئے ضروری سمجھا جاتا ہے مگر ہم ادب نوازوں کی خاموش (مدہوش) مذہبیت کے بارے میں کیا عرض کریں آپ ہی فیصلہ کیجئے مگر ہاں اتنا ضرور ہے کہ نعت گوئی کی بغاوت میں یہی سب آوارہ رجحانات ہیں جنھوں نے صرف اپنے حق میں جگہ بناتے ہوئے فن نعت کے لئے تھوڑے بھی انصاف سے کام نہیں لیا ورنہ کیا ادب نوازی کے صحیح مفہوم و روح کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہوئے حمد و نعت اور منقبت وغیرہ جیسے عظیم اصناف کو آسمان تک نہیں پہنچایا جاسکتا تھا مگر افسوس کہ ولی سے لیکر تا ہنوز ادب کے صفحات پر کسی بھی ایسے نعت گو کا تذکرہ موجود نہیں ہے جس پر ادبی دنیا کا اتفاق ناز کرتا ہو اس زمرے میں خواہ آتشؔ و ناسخؔ آتے ہوں یا میرؔ و غالبؔ، انیسؔ و دبیرؔ آتے ہوں یا اقبالؔ و حالیؔ۔ مذہبی نقطۂ نظر سے اپنی اپنی ادب بازی کے چکر میں سبھی مار کھاتے رہے۔ شانِ رسالتِ رسول اور حالاتِ حبیب کردگار کے سلسلے میں طویل شعری سلسلہ کسی کے یہاں نہیں ملتا۔ یہی سبب ہے آج کہنا پڑتا ہے کہ شعرائے متقدین نے اپنے اپنے اعتبار سے ایک سے ایک جوہر شاعری دکھائے مگر خاص طور سے فن نعت سے متعلق کون سا ارتقائی پہلو اجاگر کیا گیا کوئی جواب نہیں۔ اقبال اور حالی کی اسلام پرستی اور عشق رسول میں کوئی شبہ نہیں۔ ان کی بہت ساری نظمیں جہاں خالص ہندوستانیت اور گنگا و جمنا وغیرہ کی عظمت بیان کرنے میں جوکی وہاں خاص طور سے اسلامی رنگ و آہنگ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مگر خصوصاً نعت گوئی کا حقیقی پہلو دونوں کے ہاں خبط ہے چند نعتیہ کلام کی روشنی میں کسی کو عہد ساز نعت گو کبھی یاد نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستانی اردو ادب کی تاریخی عمر ابھی پھر بھی کافی مختصر ہے اور جتنی مختصر ہے اتنی ہی بے رحم بھی۔ دنیائے سخن نے آج انھیں شعر نوازوں کو یاد رکھا جو اپنی تشہیر و تبلیغ کا خود آپ ذریعہ بنے رہے مگر جنھوں نے "ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا" کا حق ادا کرتے ہوئے عشق رسول کے سمندر بہا دیئے۔ دنیا نے انھیں اس طرح فراموش کر کے رکھ دیا جیسے معلوم ہو خطا و نسیان کا سارا خزانہ اسی قبیل والوں کے حصہ میں آگیا ہے۔ ہم اپنی اوپر کی تحریر میں یہی الزام عائد کرتے آئے تھے کہ اردو کی شعری تاریخ نعت گوئیوں سے بالکل خالی ہے ایسا کوئی بھی سخن نواز نہیں جسے ادبی دنیا متفق ہو کر نعت گوئی کا قادر الکلام استاد تسلیم کر سکتی اور یہ صحیح بھی ہے مگر ہمارا یہ نظریہ صرف اسی طبقہ سے متعلق ہے جہاں کے ادب نوازوں کو ادب کی ٹھیکیداری لینے میں تو بڑا مزہ آتا ہے مگر فن نعت کو گلے لگانے میں کوئی بھی لطف نہیں حاصل کر پاتے ورنہ ان کی دنیا سے الگ چند ایسے مایۂ ناز نعت گو شاعر ضرور نظر آئیں گے جنھیں نہ کبھی اپنی ادب نوازی پہ ناز رہا اور نہ جنھیں ادبی دنیا اپنے صفحات پر محفوظ ہی کر سکی ستم بالائے ستم اسی کو کہتے ہیں۔ ہند و پاک اور عرب و عجم کی فضاؤں پر چھا جانے والے عظیم روحانی پیشوا حدیث و فقہ مسائل و فتاویٰ اور تراجم و تفاسیر کی رحلوں میں حقیقت شناسی کے آفتاب روشن کر دینے والے باکمال مجاہد حضور امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ جن کے علم و فضل کے ستارے آج ساری دنیا میں چمک رہے ہیں۔ فن نعت کے میدان میں بھی وہ مقام پیدا کر کے دکھایا کہ اگر ادب کے کشکول میں ایک بھی دانۂ انصاف ہوتا تو ایسے عہد ساز نعت گو کے تذکرے سے ان کی کتابیں محروم نہ رہنے پائیں۔ مگر چونکہ تنگ نظری اور بے التفاتی نے اپنا ہی قد دیکھنا مناسب سمجھا اس بنا پر تاریخ کے ایک حقیقی گوشے پر ادبی دنیا کا اتفاق نہ ہو سکا ورنہ اس سلسلے میں تھوڑی بھی فراخدلی عہد ساز شاعر باور کر لینے کے لئے بہت کافی ہوتی۔ ویسے اس قسم کا زبردست دھوکہ کھانے کا نقش ادب نوازوں میں تو پایا جا سکتا ہے مگر انصاف پسند دنیا کے حصہ میں بھی جو ہر فریب آجائے یہ بہت مشکل ہے۔ فاضل بریلوی کی عظیم روحانی شاعری کو دنیائے شعر و ادب تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن حق پسند اور شعر شناس دنیا کے افراد ان کی شاعرانہ عظمت اور نعتیہ صداقت پر بہرحال اتفاق کرتے رہیں گے اور یہ اس لئے نہیں کہ فاضل بریلوی کے احترام و مسلک کی بنیاد پر اس اتفاق کو نذر کیا جا رہا ہے بلکہ ہم ادب کے صالح اذہان کو دعوت دیتے ہیں کہ فاضل بریلوی کے نعتیہ خزانوں کا مطالعہ فرمائیں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ اتفاق رکھنے والوں کی صداقت پسندی کہاں تک ہمارے ذہنوں کا سارا رس نچوڑ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آج کا زمانہ تجدد پسندی کا زمانہ ہے جدت نوازی کے اثرات سارے اصناف سخن پر چھائے جا رہے ہیں آج جس شاعر کے یہاں جلوۂ تجدید نمائی نہیں وہ راندۂ بارگاہ سمجھا جاتا ہے فاضل بریلوی کے جیسے شعری محاسن کا سلسلہ کہاں تک پھیلا ہوا ہے چند صفحات کی قید میں اس کا بھرپور جائزہ کرنا ممکن نہیں اس لئے ہم یہاں پر خصوصیت کے ساتھ اسی پہلو کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے جس کی روشنی میں صاف طور سے یہ بھی واضح ہو سکے کہ فاضل بریلوی کی تقریباً ستر اسی سال پرانی نعتیہ شاعری کن ٹھوس اثرات کے ساتھ جدت طرازی کی نشاندہی کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ اطلاع عام طور سے پیدا ہوتی رہتی ہے کہ حمد و نعت کے سلسلے میں جدید شاعروں کے لئے ایسی کوئی اچھوتی راہ نہیں نکل پاتی ہے جس طرح کہ عام طور سے غزل و نظم کے لئے نئے نئے راستے بنتے جاتے ہیں گویا فن نعت کو محدود دائرہ فکر سے تعبیر کرتے ہوئے انکشاف یہ کرنا مقصود رہتا ہے کہ غزل کی بنسبت نعت گوئی کی راہ سازی کے لئے بہت کم امکانات کا پتہ چلتا ہے حالانکہ یہ سب کم ظرفی کی علامتیں ہیں اور وسیع النظری سے محروم سعدی، حافظ، جامی، عرفی اور قدسی وغیرہ نے وسعتِ نعت کے سلسلے میں نہ جانے کیسے کیسے عظیم انباتی عمل کا مشاہدہ کر کے دوسرے اصناف سخن پر پانی پھیر کر رکھ دیا مگر اردو کے جدید شاعر ہیں کہ انھیں نعت گوئی کے لئے کوئی نیا راستہ ہی نہیں مل پاتا۔ ہم اپنے دعویٰ میں اسی لئے تقویت محسوس کرتے جا رہے ہیں کہ فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری میں قدامت و تجدد کا جو تہہ دار اور معنی خیز امتزاج ملتا ہے کیا وہ کسی بھاری بھرکم جدید شاعر کی رہنمائی کرنے کے لئے کافی نہیں۔ نعتیہ شاعری کے موضوعات و بیانات اور تقدسات و تصورات چونکہ غزلیہ شاعری کے رنگ و آہنگ سے کافی مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ذاتی مفاہیم و مطالب سے مقابلہ کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا البتہ جہاں تک نئے نئے رد الف و توالی تمثیلات و استعارات اور اشارے و کنائے کا مسئلہ ہے۔ فاضل بریلوی کی شاعری ان سب کیفیات کی روشنی میں آسمان کو چھوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ایسے قیمتی تاثرات کے بعد مان لینا پڑتا ہے کہ سرپرستانِ ادب موصوف علیہ الرحمۃ کی شاعری کو خواہ قدامت پسندی کے ترازو پر رکھ کر تولیں یا تجدد نوازی کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھیں دونوں میدان کی یکساں شہسوار نظر آئے گی۔ اور یہ دعویٰ بھی کرتی ہوئی نظر آئے گی کہ دائرۂ ذہن تغزل کو تو محدود تصور کیا جاتا ہے مگر وسعت نعت کے متعلق ایسا سوچا تک نہیں جا سکتا۔ اتنی طویل تمہید کے بعد اب انتہا پرست جدیدیئے فاضل بریلوی کے کچھ اشعار نعت ملاحظہ فرمائیں اور اپنی بدچلن نظموں اور یتیم غزلوں جن کی بنیاد پر عہد سازی کی سند ملی ہے سامنے رکھ کر رسوا نہ کریں کہ حقیقت کی روح کس کے شعروں میں حلول کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحیٰ تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے سہارا تیرا

ہے خاک سے تعمیر مزار شہ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

گزرتے جان سے اک شور یا حبیب کے ساتھ
فغاں کو نالۂ حلق بریدہ ہونا تھا

رے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر......

کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا

جلتی تھی زمیں کیسی، تھی دھوپ کڑی کیسی

لو وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں

سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

آل احمد خذ بیدی یا سید حمزہ کن مددی

وقت خزان عمر رضا ہو برگ ہدیٰ سے عاری شاخ

مجرم کو بارگاہ عدالت میں لائے ہیں

تکتا ہے بیکسی میں تری راہ لے خبر

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں

مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم

دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا

رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

پھرے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کے کھائے کیوں

دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ

قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والے ٹھہرو

گٹھریاں توشۂ امید کی کس جانے دو

اے رضا آہ کہ یوں سہل کٹیں جرم کے سال

دو گھڑی کی بھی عبادت تو برس جانے دو

جن کے تلوؤں کا دھوون ہے آبِ حیات

ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے

آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

عرض کروں حضور سے دل کی تو میرے خیر ہے

پیٹتی سر کو آرزو دشتِ حرم سے آئی کیوں

تو ہے خورشیدِ رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیا میں تارے

انبیا اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

ان چند اشعار کی وسعت نظری اور حیرت انگیز فکری محاسبے کو ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ لگایئے کہ تجدیدی نقطۂ نظر سے حمد و نعت اور منقبت وغیرہ پر طبع آزمائی کرتے ہوئے کیسے کیسے حکیمانہ اور منفرد گوشوں کو تلاش کرنے کی جد و جہد کی گئی ہے الٰ مذکورہ اشعار کے بعض مفاہیم و معانی کی تہہ داری تک آج کا کون شاعر ہے جو اترنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ ایک پہلو سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان شعروں کی کوئی بھی ردیف ایسی نہیں ہے جو شاعری کے دونوں رجحانات کا پتہ نہ دے رہی ہو۔ یہ بات ہم نے اس لئے بھی کہ تجدد پسندوں کو اپنے اپنے نئے ردیف و قافیہ پر خصوصیت کے ساتھ بڑا ناز رہتا ہے اسی بنیاد پر ان کی جدید شاعری رقص بھی کرتی رہتی ہے مگر فاضل بریلوی اس قسم کی جدت کا اظہار نہ جانے کتنے عرصہ پہلے ہی کر چکے تھے جب کہ ان نئی پیداوار کا وجود دیکھنے کو نہیں تھا (سوائے غالب کے) مگر حیرت کا مقام ہے کہ صرف جدید اختراعی نظموں کے پیش نظر جس کا شمار بھی اصناف سخن میں نہیں ہوتا اس پر زور قلم ضائع کرنے والے ناقدین وقت کے نزدیک عہد ساز شاعر بادر کر لئے گئے مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی رضا بریلوی کی اتنی عظیم، بلیغ اور پُر جلال شاعری جوار دو نعتیہ شاعری پر احسان کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ناقدین ادب نے فراموش کر کے رکھ دیا۔

قاتل تو کوئی اتنا معصوم نہیں ہوتا

کیا آپ ہی قاتل ہیں معلوم نہیں ہوتا

*

امام احمد رضا

امام شعر و سخن

مولانا وارث جمال صاحب بستوی

مولانا وارث جمال بستوی میرٹھ اور براؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مبارکپور پہونچے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ فی الحال بمبئی میں بزنس کر رہے ہیں، پھر بھی دینی امور کی انجام دہی کے جذبات سے مغلوب رہتے ہیں۔ اب تک آپ کی متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ انداز تحریر صاف ستھرا، تحقیقی و معلومات ہے جس کی دلیل زیر نظر مقالہ ہے۔

(ادیٹر)

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

نعت گوئی کی تاریخ بہت پرانی ہے اس کا تعلق براہ راست عہد ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے ہے درباری شعراء کی حیثیت سے حسان بن ثابت، عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر نمایاں طور پر شہرت کے بلند ترین مقام پر نظر آتے ہیں۔ احادیث و سیر کی کتابوں میں جن کا تذکرہ شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔

یہ مسلم حقیقت ہے کہ شاعری کے جملہ اصناف میں نعت گوئی بہت ہی مشکل فن ہے اس کے لئے جذبۂ اخلاص و محبت اور گہری عقیدت کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن اور حدود شناسی کی بھی شدید ضرورت ہے اسی لئے عرفی شیرازی فرماتے ہیں۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

نعت رسول کی پہلی شرط قلب کا عشق رسول سے معمور رہنا ہے۔ رہ گئی فصاحت و بلاغت حلاوت و ملاحت، لطافت و نزاکت اور شاعری کے جملہ اصول کی بالکلیہ رعایت تو یہ بعد کی چیز ہے۔ حالانکہ شاعر کو جب تک محبوب کائنات حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہرا شغف اور والہانہ شیفتگی نہ ہوگی بات نہ بنے گی۔

اس نظریے سے امام احمد رضا کا دیوان حدائق بخشش پڑھتے جائیے سطر سطر سے عشق و عقیدت کا پھوٹتا ہوا آبشار نظر آئے گا۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

اَلرُّوح فِدَاكَ فَزِدْ حَرَقًا اَز شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

دل میں جو چوٹ تھی دبی ہائے غضب ابھر گئی
پوچھو تو آہ سرد سے ٹھنڈی ہوا چلائی کیوں

تو نے تو کر دیا طبیب آتش سینہ کا علاج
آج کے دود آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ کی اے رضا
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

امام احمد رضا نے ہزلیات و لغویات نیز ذوق سخن سازی اور مشق خیال آرائی سے بہت دور ہٹ کر فن سخن کے تقریباً جملہ اصناف پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور حق یہ ہے کہ ہر صنف میں شعر گوئی کا حق ادا کر دیا ہے آپ کا ایک مشہور مقطع ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

یہ کوئی تعلی نہیں بلکہ حقیقت اور تحدیث نعمت ہے۔ غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ مستزاد، قطعات، رباعیات، استعارات، تشبیہات، اقتباسات حسن تعلیل ندرت تخئیل۔ جدت تمثیل، صنعت تلمیع، صنعت تلمیح۔ صنعت طباق و تضاد، صنعت اتصال تربیعی، صنعت تجنیس، تجنیس تام، تجنیس مماثل، تجنیس مستوفی۔ تجاہل عارفانہ، مراعات النظیر۔ وغیرہ وغیرہ کا وہ کون سا قابل ذکر میدان ہے جس میں شعر و ادب کے امام نے

یہی طبع رواں کا جوہر نہیں دکھایا؟ رہ گئی فصاحت بلاغت حلاوت ملاحت لطافت و نزاکت تو یہ بقول عابد نظامی پاکستانی یہ ان کے ہاں کی لونڈیاں ہیں (۱)

یہ ادعائے محض نہیں بلکہ اس کے شواہد و نظائر ہیں (جو آگے آرہے ہیں) اور کہیں کہیں تو جلوؤں کے خمار کے مدہوش کن عالم میں جہاں پہونچکر شعور کو بھی نیند آجاتی ہے۔ وہاں پر امام احمد رضا کے پاسِ شرع احتیاط فی الدین اور شریعت مطہرہ کی حرمتوں کا احترام دیکھ کر اغیار و مخالفین اور عشق رسالت میں غلو کا الزام دینے والوں تک کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

حب رسول کے بادۂ پرکیف میں سرشار رہنے والا عاشق گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں میں پہونچکر جذبات کی تلاطم اور اس کی حشر آفرینیوں کے باوجود شریعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ گنبد خضرا پر نظر پڑی دل کی چوٹ ابھر آئی۔ آنکھوں نے گوہر آبدار برسایا اور جذبات کی حشر خیزی نے شعر کا لباس پہن لیا ؎

پیش نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

اے شوق دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو

عشاق روضہ سجدے میں سوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

حضرت حسان جس کوچہ خیال سے سرفراز تھے اس کی طلب تو ہر عاشق صادق کے لئے سرمایہ حیات اور حاصل زندگی ہے کیوں کہ اس کے بغیر عاشقان جاں سوختہ کی بحور حیات سے سرور کی وہ موج نہیں اٹھ سکے گی جو ماضی حال اور مستقبل کی سرحدوں کو مٹاتی ہوئی ابدیت کی ان گہرائیوں سے جا ملتی ہے جہاں سے ستاروں کو روشنی۔ دریاؤں کو روانی، پھولوں کو مہک اور آبشاروں کو ترنم عطا ہوتا ہے ؎

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ ؛ کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ
مہر عالمتاب جھکتا ہے پئے تسلیم روز ؛ پیش ذرات مزار بیدلان سوختہ
کوچۂ گیسوئے جاناں سے چلے ٹھنڈی نسیم ؛ بال و پر افشاں ہوں یارب بلبلان سوختہ
اے رضا مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا ؛ اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

شریعت کے حدود میں رہ کر شعر کہہ لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس فن میں امام احمد رضا اپنے عہد کے میر کارواں ہیں غیر منقسم ہندوستان میں فن نعت گوئی کی امامت کا ذریں تاج آپ ہی کے سر زیبا پہ رکھا گیا۔ اظہار نعت کے طور پر خود ہی ارشاد فرماتے ہیں ؎

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں...
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

نعتیہ شاعری کا یہ کمال اگر شاعر کے فن سے زیادہ اس کے کمال عشق کا سکہ دلوں پر بیٹھ جائے۔ فن شاعری میں امام احمد رضا کسی کے شاگرد نہیں تھے بلکہ عاشق صادق تھے فیضان عشق رسالت نے انہیں وہ سب کچھ دے دیا کہ بس سوچا کیجئے

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی
چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں

★

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

★

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے
آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

اب ہم ذیل میں شعر و سخن کے چند مشہور اصناف اور ان کے تحت امام احمد رضا کا کلام پیش کرتے ہیں۔

غزل (۲)

اس نظم کو کہتے ہیں جس میں حسن و عشق اخلاق و تصوف وغیرہ مختلف مضامین ہوں اور ہر شعر الگ مضمون کا ہو۔ جیسے امام احمد رضا کی نعتیہ غزل ؎

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

تنگ آئے ہیں دو عالم تری بیتابی سے
چین لینے دے تپ سینہ سوزاں ہم کو

نیر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ ملے سایہ داماں ہم کو

چاک داماں میں نہ تھک جائیو اے وحشت دل
پرزے کرنا ہے ابھی جیب و گریباں ہم کو

پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا لے مہ تاباں ہم کو

اے رضا وصف رخ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

(حدائق بخشش حصہ اول صفحہ ۵۶)

۱۔ مقالات یوم رضا صفحہ ۱۱۳

۲۔ تاریخ و تنقید صفحہ ۱۰۱ حامد حسن قادری

قصیدہ[1]: اس نظم کو کہتے ہیں جو کسی کی تعریف و تحسین میں لکھی گئی ہو اور اس کی شکل غزل سے ملتی جلتی ہو اور ہر شعر مطلع سے ہم قافیہ ہو[5]

مثلاً ۶۲ اشعار پر مشتمل قصیدہ کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا .:. صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا .:. مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرہ نور کا .:. تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا .:. نور دن دونا تیرا دے ڈال صدقہ نور کا

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا .:. سایہ کا سایہ نہ ہوتا اور نہ سایہ نور کا

بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا .:. ماہ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا .:. تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال .:. ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں .:. کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

ایک سینے سے مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک .:. حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں .:. خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ص .:. کہٰیٰعٓصٓ ان کا ہے چہرہ نور کا

اے رضاؔ یہ احمد نوری کا فیض نور ہے

ہو گئی منزل غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

مثنوی[2]: وہ نظم ہے جسمیں ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ آئے اور ہر شعر کا قافیہ پہلے شعر کے علاوہ کوئی اور ہو۔

اپنے وقت کے مولانا روم امام احمد رضا بارگاہ صمدیت میں عرض کناں ہیں ؎

(۱۹۳ اشعار میں سے صرف چند)

اے خدا اے مہرباں مولائے من .:. اے انیس خلوت شبہائے من

اے کریم کارساز بے نیاز .:. دائم الاحسان شہ بندہ نواز

اے بیادت نالۂ مرغ سحر .:. اے کہ ذکرت مرہم زخم جگر

ما خطا آریم و تو بخشش کنی .:. نعرہ انی غفور[ٌ] ی زنی ...

اے خدا بہر جناب مصطفےٰ .:. چار یار پاک وآل با صفا

بہر جیب چاک عشق نامراد .:. بہر خون پاک مردان جہاد

پر کن از مقصد تہی داماں ما .:. از تو بذرفتن زما کردن دعا[3]

ترجمہ: اے میرے خدا تو میرا مہربان والی ہے۔ میری راتوں کی تنہائی کا مونس ہے شان بے نیازی کے باوجود تو وہ کارساز کریم ہے جو ہمیشہ احسان فرماتا ہے اور تو وہ شہنشاہ ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔

مرغ سحر کی آہیں تیری یاد میں ہیں اور تیرا ذکر زخمی دل کے لئے مرہم ہے ہم غلطیاں کرتے تو بخشش فرماتا ہے۔ تیرا ارشاد ہے کہ میں بخشنے والا (مہربان) ہوں۔

اے رب کریم مصطفےٰ پیارے کے لئے، ان کے پاک صحابہ کے لئے، آل باصفا کے لئے صدقہ اس پاک دامن کا جو عشق نامراد سے تار تار ہوا اور اس مقدس خون کا واسطہ جو مردوں نے میدان جہاد میں بہایا۔ ہماری خالی جھولیاں مقصد سے بھر دے، میرا کام دعا کرنا ہے۔ تیرا کام قبول فرمانا۔

رباعی: اس نظم کو کہتے ہیں جسمیں صرف چار مصرعے ہوں۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو دوسرا شعر خصوصاً چوتھا مصرعہ نہایت بلند و عجیب ہوتا کہ سننے والا متحیر ہو جائے۔

(تاریخ و تنقید حامد حسن قادری ص۱۱۵)

حضرت محسن کاکوروی کی ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ فرمائیں ؎

دنیا میں اور رسول لاکھ سہی .:. ہے خاتمہ حسن عناصر ان پر

زیبا ہے مگر حضور کو تاج شہی .:. ہیں مصرعہ آخر اس رباعی کے وہی

ساتھ ہی امام احمد رضا کی بھی دو رباعیاں درج ذیل ہیں، دونوں کو سامنے رکھ کر تعریف کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں ؎

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ .:. ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں .:. ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

ہے جلوہ گہہ نور الٰہی وہ رو .:. قوسین کے مانند ہیں دونوں ابرو

آنکھیں نہیں یہ سبزۂ مژگاں کے قریب .:. چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو[5]

مستزاد[4]: غزل، رباعی یا اور کسی نظم کے ساتھ ایک ایک موزوں فقرہ ملحق کر دیں تو اسے مستزاد کہتے ہیں۔

امام احمد رضا خاتم النبیین کے حضور مدح سرا ہیں ؎

وہی رب ہے جس نے تجھکو ہمہ تن کرم بنایا .:. ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

.... تجھے حمد ہے خدایا

وہ کنواری پاک مریم وہ نفخت فیہ کا دم .:. ہے عجب نشان اعظم مگر آمنہ کا جایا

.... وہی سب سے افضل آیا

ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو .:. میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا

.... نہ کوئی گیا نہ آیا

ہمیں اے رضاؔ تیرے دل کا پتہ چلا بمشکل .:. در روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا

.... یہ نہ پوچھو کیسا پایا؟

۱۔ تاریخ ادب اردو ص۴۳

۲۔ نسیم البلاغت ص۱۱۲ جلال الدین جعفری

۳۔ حدائق بخشش حصہ دوم ص۲۱۳-۲۱۴ و ۵۔ نسیم البلاغت ص۱۱۲

کبھی خندہ زیر لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے :. کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا..

... نہ اسی نے کچھ بتایا

کبھی خاک پر پڑا ہے سر چرخ زیر پا ہے :. کبھی پیش در کھڑا ہے سر بندگی جھکایا

... تو قدم میں عرش پایا

کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کی بارش :. کبھی وہ ہجوم نالش کوئی جانے ابر چھایا

.... بڑی جوشش سے آیا

کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل :. کبھی زیر لب فغاں ہی کبھی چپ کہ دم نہ تھایا

... رخ کام جاں دکھایا

یہ تصورات باطل تیرے آگے کیا ہے مشکل

تیری قدرتیں ہے کامل انہیں راست کر خدایا

.... میں انہیں شفیع لایا[1]

صنعت اتصال تربیعی

ایسے چار مصرعوں کا مجموعہ جس کے آخر میں وہی کلمہ رکھا جائے جو مصرعہ کا ابتدائی کلمہ ہے جیسا کہ اعلحضرت امام احمد رضا کے یہ اشعار جو سید نا غوث الاعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں فرمایا "صنعت اتصال تربیعی" کا نمونہ ہیں ۔

جات بالا تر زوہم جا لہا :. جا لہا خود ہست بہر پا لہا

پالہا چہ بود کہ سرہا زیر پات :. پات ہم کے چوں فرد آئی زجات

بہت سے قابل ذکر شعراء کے دواوین نظروں سے گذرے مگر اس عجیب ترین صنعت سے ان کے دیوان خالی ہی ملے ۔

عظمت خداداد کو عقیدتوں کا خراج پیش کیجئے کہ ایسی ایسی مشکل ترین صنعت پر رہوار قلم کو ذرا بھی جھجھک نہیں ، سمند تخیل ثریا کو شرما رہا ہے اہلسنت کے عظیم تر امام ۔ چودھویں صدی کے مجدد اعظم نے طبع رواں کیسے کیسے جوہر دکھائے ہیں عقل حیران ہے کہ کتنے علوم و فنون کی امامت کا ذریں تاج ان کے سر پر رکھا گیا تھا بالکل بجا فرمایا ہے آپ نے کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مگر اپنے تذکروں اور تاریخوں میں ٹھیکداران ادب کا تذکرۂ رضا سے یہ اغماض بے اعتنائی اور تغافل ، قصدا ، ایک بڑے المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اجارہ داران ادب کے کاروبارانہ ۔ منافقانہ ، مصلحت کوشانہ اور غیر مورخانہ ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے انہوں نے ادب برائے ادب کو ادب برائے تجارت کی شکل دیکر ایسے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے جو نا قابل معافی اور شعر و ادب کے روشن اور تابناک پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے ۔

انہیں چاہئے تو یہ تھا کہ نعت گو شعراء کے ایسے جلیل القدر امام کے تذکرے کو امتیازی حیثیت دیتے مگر یاللعجب ! امتیازی حیثیت تو الگ رہا۔ یہاں تو سرے سے کوئی حیثیت ہی دینے کے لئے تیار نہیں ۔ غالباً اس مذموم جذبے کا محرک کوئی ذاتی مصلحت ہے یا پھر تاریخ ادب اردو سے عدم واقفیت ! بر تقدیر اول اسے اردو تاریخ کی تذکرہ نگاری کے بجائے ادب کی بردہ فروشی کہنا زیادہ مناسب ہوگا ۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وقت کے ایک عظیم ترین نعت گو شاعر کے ذکر سے ادب کے سارے تذکرے یکسر خالی ہوں ۔ حالانکہ شعر و ادب کے اس رجل عظیم کو اپنی شاعری کا کوئی پندار رہی نہیں اور نہ ہی نام و نمود کی کوئی خواہش ! ؎

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا

نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ۔ ردی تھی کیا کیسے قافئے تھے

تاجران ادب نے ادبی خدمات کی آڑ میں شعر و ادب کی حرمتوں کا جو خون کیا ہے اس کے لئے انہیں وقت کے متدین اور منصف مزاج مورخ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا ؎

قریب ہے یار و روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

اب بھی وقت ہے دعویداران ادب کے لئے کہ وہ اپنے اس جرم کا کفارہ ادا کرلیں ورنہ مستقبل قریب کا منصف مزاج مورخ انہیں معاف نہیں کریگا ؎

تم اپنے تغافل کا گلہ کیوں نہیں کرتے

کیوں دیتے ہو الزام میکر دیدۂ نم کو

صنعت طباق و تضاد :-

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے کے ضد ہوں ۔ خواہ وہ دونوں اسم ہوں ، یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف[2]

جیسا کہ امام احمد رضا کے درج ذیل اشعار میں صنعت طباق و تضاد ہے ؎

(۱) دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے

پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

پہلے شعر میں ہلکا اور بھاری اور دوسرے شعر میں کمال و نقص ایک دوسرے کے ضد ہیں ؎

نامہ سے رضاؔ کے اب مٹ جاؤ برے کامو

دیکھو میرے پلہ پہ وہ اچھے میاں آیا

---

[1] حدائق بخشش حصہ دوم ص۱۲۱ مکتبہ بریلی شریف

[2] مختصر المعانی ص۲۲۴

اس شعر میں برے اور اچھے ایک دوسرے کے ضد ہیں ۔

بڑھ چلی تیری ضیا اندھیر عالم سے گھٹا : کھل گیا گیسو تیرا رحمت کا بادل گھر گیا

اس شعر میں بڑھ چلی اور گھٹا یہ دونوں شعر ایک دوسرے کے ضد ہیں نیز ضیا اور اندھیر ایک دوسرے کے ضد ہیں۔

صنعت تجنیس

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو بولنے یا لکھنے میں مشابہ ہوں اور معنی میں مخالف اس کی کئی صورتیں ہیں۔

تجنیس مماثل

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں مشابہ ہوں مگر معنی میں مختلف لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف۔ مثلاً امام احمد رضا فرماتے ہیں ۔

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

اس شعر میں تجنیس مماثل ہے پہلا توڑا ٹکڑا کے معنی میں ہے اور دوسرا توڑا کمی کے معنی میں اور یہ دونوں لفظ اسم ہیں ۔

وصل دلک یہ درود ہو کوئی جانے ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے

اس شعر میں تجنیس مماثل ہے پہلا شمار گنتی کے معنی میں ہے اور دوسرے شمار سے قیامت کا دن مراد ہے ۔

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی :۔ چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

اس شعر میں بھی تجنیس مماثل ہے ۔ پہلا لفظ بدلی (ایک دوسرے کے بعد آنا) کے معنی میں ہے اور دوسرا بدلی ابر یعنی بادل کے معنی میں آیا ہے ۔

آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا :۔ مہر سنت ماہ طلعت لے لے بدلہ نور کا

یہاں بھی تجنیس مماثل پایا جاتا ہے ۔ پہلا بدلا تغیر و تبدل کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور دوسرے بدلے سے مراد انتقام ہے

تجنیس مستوفی

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں یکساں اور معنی میں مختلف ہوں مگر یہ ضروری ہے کہ ان میں ایک لفظ اگر اسم ہے تو دوسرا فعل یا حرف ہو اور اگر فعل ہے تو دوسرا اسم یا حرف ہو اور اگر حرف ہے تو دوسرا اسم یا فعل ہو۔

جیسے امام احمد رضا کا یہ شعر ۔

صدقے میں تیرے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

اس شعر میں تجنیس مستوفی ہے پہلا بن جنگل کے معنی میں ہے اور دوسرا بن ہوجانا کے معنی میں ہے جس کا مصدر آتا ہے بننا پہلا لفظ "بن" اسم ہے اور دوسرا فعل ہے ۔

مومن ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

اس شعر میں بھی تجنیس مستوفی ہے پہلے شعر میں مرے فعل ہے اور دوسرے شعر میں مرے اسم ہے جو دل کی صفت ہے یعنی منکرین عظمت رسالت اگر بالفرض چند در چند مادی مصالح کی بنا پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم بھی کریں گے تو بالکل مردہ دل سے ۔ یُفْعَلُوْنَ رِیَاءَ النَّاس۔

صنعت تلمیع

ایسی نظم لکھنا جس کے ہر شعر کا ایک حصہ ایک زبان میں ہو اور بعض حصہ دوسری زبان میں ہو۔

جیسے امام احمد رضا کے یہ نعتیہ اشعار جو بارگاہ رسالت میں پیش کئے ہیں ۔

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لَکَ بَدْرٌ فِی الْوَجْہِ الْاَجْمَلْ خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
اَلْقَلْبُ شَجٍ وَالْھَمُّ شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں میرا کون ہے تیرے سوا جانا
بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ میرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

قصیدہ مرصعہ

وہ قصیدہ ہے جو مطلع یا حسن مطلع کے بعد کم از کم اٹھائیس[28] اشعار پر اس طرح مشتمل ہو کہ ہر پہلے مصرعہ کے آخر میں حروف تہجی کا بالترتیب ایک حرف آجائے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ اس زمین پر بھی کسی شاعر نے طبع آزمائی کی مگر بحمدہ تعالیٰ اقلیم سخن کے تاجدار سیدنا مولانا امام احمد رضا نے شعر و نغمہ کی اس زمین پر بھی طبع آزمائی فرمائی ہے۔ جس کا روشن ثبوت قصیدہ درود شریف ہے ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں یہ قصیدہ اختصار کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

مطلع :۔ کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

حسن مطلع: شافع روز جزا تم پہ کروروں درود :۔ دافع جملہ بلا تم پہ کروروں درود

(الف) اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا :۔ جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

(ب) ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب :۔ نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروروں درود

(ت) تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات :۔ اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروروں درود

[28] نسیم البلاغت صد ۹۱ جلال الدین جعفری

(ث) تم ہو حفیظ و مغیث کیا ہے وہ دشمن خبیث ؛ تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروڑوں درود

(ج) وہ شب معراج راج وہ صف محشر کا تاج ؛ کوئی بھی ایسا ہوا تم پہ کروڑوں درود

(ح) جان جہان مسیح داد کہ دل ہے جریح ؛ نبضیں چھٹیں دم چلا تم پہ کروڑوں درود

(خ) اف یہ رہ سنگلاخ آہ یہ پا شاخ شاخ ؛ اے مرے مشکل کشا تم پہ کروڑوں درود

(د) تم سے کھلا باب جود تم سے ہے سب کا وجود ؛ تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروڑوں درود

(ذ) خستہ ہوں اور تم معاذ بستہ ہوں اور تم ملاذ ؛ آگے جو شہ کی رضا تم پہ کروڑوں درود

(ر) گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو غفور ؛ بخش دو جرم و خطا تم پہ کروڑوں درود

(ز) بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز ؛ ایک تمہارے سوا تم پہ کروڑوں درود

(س) آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمہاری ہے آس ؛ بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود

(ش) طارم اعلیٰ کا عرش جس کف پا کا ہے فرش ؛ آنکھوں پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

(ص) کہنے کو ہیں عام و خاص ایک تمہیں ہو خلاص ؛ بند سے کر دو رہا تم پہ کروڑوں درود

(ض) تم ہو شفائے مرض خلق خدا خود غرض ؛ خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروڑوں درود

(ط) آہ وہ راہ صراط بندوں کی کتنی بساط ؛ المدد اے رہنما تم پہ کروڑوں درود

(ظ) بے ادب و بد لحاظ کر نہ سکا کچھ حفاظ ؛ عفو پہ بھولا رہا تم پہ کروڑوں درود

(ع) لو تہ دامن کی شمع جھونکوں میں ہے روز جمع ؛ آندھیوں سے حشر اٹھا تم پہ کروڑوں درود

(غ) سینہ کہ ہے داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ ؛ طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروڑوں درود

(ف) گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف ؛ لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود

(ق) تم نے برنگ فلق جیب جہاں کر کے شق ؛ نور کا تڑکا کیا تم پہ کروڑوں درود

(ک) نوبت در ہیں فلک خادم در ہیں ملک ؛ تم ہو جہاں بادشا تم پہ کروڑوں درود

(ل) خلق تمہاری جمیل خلق تمہارا جلیل ؛ خلق تمہاری گدا تم پہ کروڑوں درود

(م) طیبہ کے ماہ تمام جملہ رسل کے امام ؛ نوشہ ملک خدا تم پہ کروڑوں درود

(ن) برسے کرم کی بھرن پھولیں نعم کے چمن ؛ ایسی چلا دو ہوا تم پہ کروڑوں درود

(و) اپنے خطاواروں کو اپنے ہی دامن میں لو ؛ کون کرے یہ عطا تم پہ کروڑوں درود

(ہ) کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ ؛ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

(لا) ہم نے خطا میں نہ کی تم نے عطا میں نہ کی ؛ کوئی کمی سرورا تم پہ کروڑوں درود

(ی) کام غضب کے کئے اس پہ ہے سرکار سے ؛ بندوں کو چشم رضا تم پہ کروڑوں درود

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

(حدائق بخشش صہ ۳۲۔ ۳۱۔ ۳۰۔ ۱۲۹)

تلمیح[1]

متکلم کا اپنے کلام میں کسی آیت یا حدیث یا کسی مشہور شعر، کہاوت یا کسی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرنا۔

رجعت شمس اور معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

شب ہجرت میں پیش آنے والے غار ثور کے اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

صدیق بلکہ غار میں جاں اس کو دے چکے
اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

جنگ بدر میں کفار و مشرکین پر ایک مشت خاک اٹھا کر پھینک دیا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا

بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں ؎

ان پر کتاب اتری بَیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ؛ تفصیل جس میں ماعبر و ماغبر کی ہے

پہلے مصرعہ میں اشارہ ہے آیۂ کریمہ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ کی طرف اور دوسرے مصرعہ میں مَا عَبَرَ وَ مَا غَبَرَ (جو کچھ گذر گیا اور جو کچھ باقی رہا) سے مراد یہ حدیث فِیْهِ نَبَأُ مَنْ قَبْلَكُمْ وَ خَبَرُ مَنْ بَعْدَكُمْ ہے یعنی قرآن شریف میں تم سے اگلوں اور پچھلوں سب کے احوال کی خبر ہے ؎

لَیْلَةُ الْقَدْرِ میں مَطْلَعِ الْفَجْرِ حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

حسن تعلیل

کسی وصف کے لئے ایسی علت کا دعویٰ کرنا جو حقیقی نہ ہو لیکن اس میں کوئی ندرت و عمدگی ضرور ہو۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں ؎

(۱) خم ہو گئی پشت فلک اس طعن زمیں سے ؛ سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

(۲) اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں ؛ مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

مفہوم کی جستجو کیجئے، معنی آفرینی سے کام لیجئے، تخئیل کی ندرت پہ عش عش کیجئے اور سب سے اہم بات یہ کہ کسی گدائے عشق کی نگاہ سے محبوب کی رہگذر کے ان ذرات کو آنکھوں میں بسا لیجئے جن سے کہکشاں کا جمال شرمندہ پھر جائے کہیں محبوب دو عالم کی حقیقی عظمتوں کی ایک ہلکی سی جھلک ملے گی ؎

حسرت میں خاک بوسی طیبہ کی اے رضا
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

اقتباس[2]

کلام میں قرآن یا حدیث کا کوئی ایسا ٹکڑا لایا جائے جس کو بعینہ قرآن کی آیت یا حدیث نہ کہا جائے۔

امام احمد رضا بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں ؎

---

[1] دروس البلاغت مع بدور الفصاحت صہ ۲۱۳

[2] مختصر المعانی صہ ۴۷۶

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ

پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

قرآن عظیم میں ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ (الآیۃ) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اس کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ کرنے والا مہربان پائیں (ترجمہ رضویہ) ؎

نہ عرش ایمن اِنِّیْ ذَاهِبٌ میں مہمانی ہے

نہ لطف اُدْنُ یَا اَحْمَدُ نصیب لَنْ تَرَانِیْ ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْ ذَاهِبٌ سَیَهْدِیْنِ میں اپنے رب کے پاس جاؤں گا وہ مجھے راہ دکھائے گا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ شب معراج اللہ رب العزت نے محبوب سے ارشاد فرمایا۔

اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ پاس آ اے احمد۔ پاس آ۔ اے محمد۔ پاس آ اے سارے جہاں سے بہتر ؎

کھلے کیا راز محبوب و محب مستان غفلت پر

شراب قَدْ رَاَ الْحَقَّ زیب جام مَنْ رَاٰنِیْ ہے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ یعنی جس نے مجھے دیکھا اسے دیدار الٰہی نصیب ہوا۔

مراعات النظیر[1]

چند چیزوں کا ذکر کرنا جن کا آپس میں مناسبت ہو تضاد نہ ہو۔

امام احمد رضا کے یہ اشعار مراعات النظیر کے نمونہ ہیں ؎

واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ

مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

عطر۔ دولہن پھول۔ گل ان کا آپس میں مناسبت ہے تضاد نہیں ؎

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

پھول۔ خار۔ شمع دھواں ان کا آپس میں مناسبت ہے ؎

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا

گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

مصرعہ اولیٰ میں باغ غنچہ۔ گل کا آپس میں مناسبت ہے اور مصرعہ ثانی میں کلیوں باغ پھولے اور گلوں کا آپس میں مناسبت ہی ہے کوئی تضاد نہیں۔

لف و نشر مرتب

یہ ہے کہ پہلے متعدد اشیاء کا ذکر تفصیلا یا اجمالا کیا جائے پھر ان میں ہر ہر شئی کے لئے ایک مناسب بات بغیر تعیین[2] کے لائی جائے۔

جیسا کہ امام احمد رضا کے درج ذیل اشعار میں لف و نشر مرتب پایا جاتا ہے ؎

(۱) خوار و بیمار و خطا وار و گنہگار ہوں میں

رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

(۲) وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کی سب سے قریب ہیں

کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں ہیں

یعنی حضور سید الا جیلانے بزرگی کے مرتبے کو زینت بخشی ہے جہاں وہم گمان کے پر جلتے ہیں خود فرماتے ہیں یَا اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَتِیْ غَیْرُ رَبِّیْ اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے جانا نہیں۔ اور کرم یہ کہ ہم عصیاں شعاروں میں تشریف لائے ایک پیکر نور کا آخر ہم خاکزادوں سے نسبت ہی کیا مگر یہ ان کا کرم ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ؎

دندان ولب و زلف و رخ شہ کے فدائی

ہیں در عدن، لعل یمن مشک ختن پھول

یعنی عدن کا موتی دندان مبارک کا شیدا ہے اور یمن کا لعل لب اعجاز نبوت پر نچھاور! اور ملک ختن کا مشک زلف عنبریں کا فدائی اور پھول رخ زیبا پر قربان!

حضور آفتاب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و زیبائی اور جمال و رعنائی کے ایسے پیکر مجسم تھے جو اپنی مثال آپ تھے ؎

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا!

کہو اس کو گل کہے کیا بنے کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

کسی شخص کے قد و قامت کی تعریف زیادہ سے زیادہ ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ وہ سرو قد اور شمشاد قامت ہے مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قد زیبا کو یہ استعارے چھو نہیں سکتے ؎

تیرا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے

نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

لالہ و گل یاسمین نسترن سنبل و نرگس، آفتاب و ماہتاب لعل یمن، دُرِّ عدن، مشک ختن عنبر سارا دلنواز تبسم بشگفتہ غنچہ، اور نجم السحر انسانی حسن و جمال اور اس کی خوبی و رعنائی کے یہ تمام استعارے ہیں مگر محبوب کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال کے شرح و بیان کے لئے یہ سب استعارے ناقص، ادھورے ناتمام اور

---

[1] مختصر المعانی ص ۴۲۹

[2] یعنی خود متکلم اپنی طرف سے متعین نہ کرے کہ فلاں معنی فلاں شئی کے لئے مناسب ہے کیونکہ اگر متکلم کی طرف سے تعیین ہوگی تو پھر اس صنعت کو لف و نشر مرتب کے بجائے صنعت تقسیم سے موسوم کریں گے۔

تشبیہ و مماثلت کی سطح سے بہت فروتر ہیں ؎

رخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

امام احمد رضا نے اس حقیقت صادقہ کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ اسی لئے اس میدان میں آپ کا کوئی حریف نہیں حتیٰ کہ لسان العرب حضرت امام بوصیری صاحب قیصدہ بردہ شریف بھی سبقت نہ لے جاسکے امام بوصیری نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہے ؎

كَالزَّهْرِ فِيْ تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِيْ شَرَفٍ
وَالْبَحْرِ فِيْ كَرَمٍ وَالدَّهْرِ فِيْ هِمَمٍ

یارسول اللہ تازگی میں حضور شگفتہ غنچہ ہیں اور شرف و بزرگی میں چودھویں کی چاند جود و عطا میں دریا اور ہمت عالی میں دہر (یعنی زمانہ کی طرح وسیع ہیں) ؎

كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِيْ صَدَفٍ
مِنْ مَعْدَنَيْ مَنْطِقٍ مِنْهُ وَمُبْتَسَمٍ

آپ کے دندان مبارک گویا موتی ہیں جو ایسے صدف میں پوشیدہ ہیں جس کا ایک معدن نطق اور دوسرا تبسم ہے۔ مگر جمال مصطفےٰ کے شرح بیان کے لئے امام احمد رضا نے بھی استعارے استعمال کئے۔ تشبیہ کی یہ ندرت اللہ اکبر! جس کا جواب نہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی
ہیں دُر عدن لعل یمن مشک ختن پھول

تشبیہ[1] ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی صفت میں شریک قرار دینا حرف کے ذریعے کسی غرض سے مدح حبیب میں امام احمد رضا کے یہ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں ؎

دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف پا چاند سا
سینے پہ رکھدو ذرا تم پہ کروڑوں درود

کف پا مشبہ چاند مشبہ بہ، سا، حرف تشبیہ وجہ شبہ چمک دمک ؎

عرش سا فرش زمیں ہے فرش پا عرش بریں
کیا نرالی طرز کی نام خدا رفتار ہے

عرش مشبہ فرش زمین مشبہ بہ سا حرف تشبیہ وجہ شبہ سج دھج

تجاہل عارفانہ[1] کسی نکتہ کے سبب کی بات سے جان بوجھ کر انجان بننا۔ (نسیم البلاغت ص۶۰)

جیسے امام احمد رضا کا یہ نعتیہ شعر ؎

ارے او خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈھو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا۔ نہ کوئی گیا نہ آیا

استعارہ کسی لفظ کے حقیقی معنی کو ترک کر کے اسے مجازی معنی میں استعمال کرنا جبکہ دونوں میں معنی تشبیہ کا تعلق ہو۔ (دروس البلاغت مع بدور الفصاحت ص۱۵۱)

؎ آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

مصرعہ ثانیہ میں سورج سے مراد ذات رسالت ہے کیونکہ آسمان والا سورج دلوں کو نہیں چمکاتا اور دونوں معانی کے درمیان شبہ تنویر ہے امام احمد رضا نے سورج کے ساتھ سچے کی صفت لگا کر مستعار لہ کی ذات کو مستعار منہ کی ذات سے افضل ہونا واضح کیا۔

مقابلہ ذکر کرنا چند معانی کا جو آپس میں موافق ہوں پھر ہر معنی کے مقابلے میں اس کے اضداد کا ذکر کرنا۔ جیسے فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ٥

امام احمد رضا فرماتے ہیں ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں؛ سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسا ہے جہاں فن اپنے پورے کمال کے ساتھ جلوہ افروز ہے نیز محبت اپنے تمام توانائیوں کے ساتھ سرچشمہ حیات لئے زمین کی وسعتوں سے لیکر آسمان کی بلندیوں تک محبوب کے نت نئے بکھرے ہوئے جلوؤں میں نہائی ہوئی نظر آتی ہے مگر ان کا ادراک ایک گدائے عشق کا شعور ہی کرسکتا ہے جو کس قدر بیدار ہے ملاحظہ ہو ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں: سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

(۱) وہاں حسن یہاں نام (۲) وہاں کٹنا جو عدم قصد پر دلالت کرتا ہے اور یہاں کٹانا کہ قصد و ارادہ بتاتا ہے۔ (۳) وہاں مصر کہ اس کی تمدن معاشرت علم، تہذیب شائستگی۔ شرافت۔ متانت کا غلغلہ اور یہاں عرب کہ زمانہ جاہلیت میں اس کی جہالت و سرکشی، خباثت و کجروی تمرد و خود سری کا شہرہ۔ (۴) وہاں انگلی یہاں سر (۵) وہاں سبک خرام نازک اندام صبح بہار کی طرح نکھری ہوئیں تر و تازہ حسینائیں اور یہاں جنگجو قبائل کے مردان شیر افگن کہاں زنان مصر اور کہاں مردان عرب! (۶) وہاں انگلیاں کٹیں جو ایک بار وقوع پزیر ہونا بتاتا ہے اور یہاں کٹاتے ہیں جو استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اور جدت تخیل کی یہ نظیر شعراء کے دواوین جس کی مثال سے خالی ہیں۔ سیدنا حسن مجتبیٰ و حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان عرض کرتے ہیں۔

ایک سینہ سے مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

---

[1] دروس البلاغت مع البدور الفصاحت ص۱۲۹

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں

خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

خط توام

ایسا خط کہ جس کے ذریعے اہم اور نازک ترین راز پہونچایا جائے اور یہ طریقہ زیادہ تر اعلیٰ خاندان کی وہ ذی حیثیت عورتیں اختیار کرتیں جو اپنے سے فروتر مرد کے دام عشق میں گرفتار ہوتیں اگر محبوب کو کوئی اطلاع دینا مقصود ہوتا تو کسی محرم راز ٹرینڈ TRAND کر کے اس کے ذریعے وہ خط پہونچاتیں۔

خط لکھنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا پہلے ایک کاغذ کے دو حصے کئے جاتے اور جملے کا حرف ایک حصے پر اور دوسرا حرف دوسرے حصے پہ لکھا جاتا اس طرح پورا خط لکھا جاتا پہلے ایک ہی حصے کو تنہا بھیجا جاتا۔ جب وہ منزل پر پہونچ جاتا تب دوسرا ارسال کیا جاتا جب خط کے دونوں حصے محبوب تک پہونچ جاتے تو وہ ان دونوں کو سامنے رکھ جوڑتا پھر آسانی کے ساتھ پورا خط مکمل ہو جاتا پھر وہ اسی طریقے پر جواب بھی بھیجا دیتا۔ جب تک دونوں صفحے اکھٹے آمنے سامنے نہ ہوں گے مقصد حاصل نہ ہوگا۔

خط توام کے اس مفہوم کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آئیے امام احمد رضا کے اس شعر پر غور کریں خط توام کا مطلب نمایاں طور پر واضح ہو جائے گا حضرت سرکار حسن مجتبیٰ اپنے نانا حضور سے سینہ تک مشابہ تھے اور امام عرش مقام شہید کربلا گلگوں قبا آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے سے قدم ناز تک ہم شبیہ حضور رحمت اللعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اگر جسمانی سراپا دیکھنا ہو تو اِمَامَیْنِ الکَرِیْمَیْنِ المَظْلُوْمَیْن حضرت امام حسن و سیدنا حسین کو ایک جگہ دیکھ لو! شکل پاک رسالت اپنے پورے وجود کے ساتھ واضح طور پر نمایاں نظر آئے گی ؎

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک

حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں

خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

مرکز ہجوم آرزو!

زندگی کا یہ کارواں تمناؤں کے ہجوم میں آگے بڑھتا ہے ہر شام ولولۂ شوق میں گذارتا ہے اور ہر آنے والی صبح نت نئے خواہشات کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ سوچ، آرزو اور خواہش پہ کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی قیمت! اسی لئے آج بھی خیالی فرمارواؤں کی کوئی کمی نہیں، تمناؤں کے ناپیدا کنار وسعتوں کے گرد آج تک کوئی حصار نہیں قائم کیا جا سکا۔ آرزوں کی بارات میں تمناؤں کی آرتی چڑھتی اترتی رہتی ہے۔ امنگوں کی ریت پر سیکڑوں خوابوں کے شیش محل بنتے اجڑتے رہتے ہیں۔ آئے دن سپنوں کی شہزادی کے لئے جلنے کتنے قیس و فرہاد خیالی صحرا نوردی اور کوہ کنی میں مصروف عمل ہیں آرزوں کی جنت کو مجوبہ دلنواز کے نام الاٹمنٹ ALATAMENTA کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں اور خوابوں کے تاج محل کے ساتھ آج بھی لاکھوں شاہجہاں کی دھڑکنیں وابستہ ہیں۔

مگر انہیں لاکھوں انسانی زندگیوں کے درمیان تنہا، منفرد، بے مثل اور عام سطح سے بالاتر ایک ایسی ذات بھی گذری ہے جس کی تمنا ہی نرالی ہے۔ آرزوں کی بارات اس نے بھی سجائی ہے۔ امنگوں کے ہجوم میں رات گذار کر تمناؤں کے ساتھ سویرا بھی کیا ہے ارمانوں نے اس کے یہاں بھی انگڑائیاں لی ہیں! مگر اس کی تمنا تو دیکھئے عجیب ترین آرزو! بھیگی ہوئی پلکوں کی چلمن سے جھلکنے والی بے تابی شوق کا اندازہ لگانے کے لئے تیار ہو جائیے تشریح آرزو کی یہی تمام! ؎

بے بسی ہو جو مجھے نامۂ اعمال کے وقت :- دوستو کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے

کاش فریاد میری سن کے یہ فرمائیں حضور :- ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغہ کیا ہے

کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے :- کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے

کس سے کہتا ہے کہ للہ میری لیجے خبر :- کیوں ہے بے تاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے :- اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل :- بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

اب کوئی دم میں گرفتار بلا ہوتا ہوں :- آپ آجائیں تو کیا خوف ہے کھٹکا کیا ہے

سن کے یہ عرض میری بحر کرم جوش میں آئے :- یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے

کس کو تم مورد آفات کیا چاہتے ہو :- ہم بھی تو دیکھیں ذرا آکے تماشا کیا ہے

ان کی آواز پر کراٹھوں میں بے ساختہ شور :- اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے

لو وہ آیا میرا حامی میرا غمخوار امم :- آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور :- اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے

بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا :- کیا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے

چھوڑ کر مجھکو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم :- حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ :- چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

صدقہ اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار :- اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

اے رضا جان عنادل تیرے نغموں پہ نثار

بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے

(حدائق بخشش حصہ اول ص ٧٦-٧٧)

جذبۂ شوق کا اظہار وہ بھی اشعار کے قالب میں اللہ اکبر! نعتیہ شاعری کا یہ کمال! کہ شاعر کے فن سے زیادہ اس کے کمال عشق کا سکہ دلوں پر بیٹھ جائے۔

آپ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" صرف نعتوں کا ایک دلکش مجموعہ ہی نہیں بلکہ خدا و رسول کی عظمت و محبت سے خالی اذہان و قلوب کے لئے ایک کیمیائے سعادت ہے ایسے نازک ترین دور میں جبکہ سڑے گلے بدبودار بندے اپنے گنہگار وجود کو مٹانا

رسالت کے ہم پلہ سمجھنے لگے اور ہمسری کے زعم باطل میں عصمت انبیاء سے کھیلنے لگے اور نجاست کے اس غلیظ ترین ڈھیر پر اپنے حواریوں کے ساتھ مسند آرائی کرکے اپنے زبان و قلم سے عشق کی سلامتی کا تار و پود بکھیرنے لگے تو ایسے وقت میں "نغمات رضا" دیوانوں کے قلوب میں آندھیوں کی زد پر عشق و عقیدت کا ایک چراغ جلایا ؎

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اور مسلمانوں کے قلوب و اذہان کو دربار رسالت کی طرف پھیر کر یہ بتا دیا کہ ؎

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باد نہ رسیدی تمام بولہبی است۔

بس رحمت و نور کی موسلا دھار بارش ہو اے امام اہلسنت تیری مرقد انور پر! تمہارے عشق کے فیضان نے ہم گنہگاروں کو عظمت رسول کا احترام بخشا۔ تیری زندگی کا ہر ورق ایک آئینہ محبت ہے جس میں آفتاب نیم روز کی بات تو الگ رہی رات کو بھی جلووں کا سویرا نظر آتا ہے۔

ویسے وہ بدنصیب قطعی قابل اعتنا نہیں کہ جنکے قلوب عشق رسالت کی نعمت کبریٰ سے محروم کر دیئے گئے ہیں وہ جلوۂ محبوب کے اس آئینہ جمال و کمال کو توڑ بھی دیں تو کوئی تعجب نہیں کہ پہلو میں محبت آشنا دل نہیں مگر ان دردمندان دل اور وارفتگان آرزو سے شوق سے پوچھئے جو خاک طیبہ کو صرف اس جذبۂ محبت میں اپنی آنکھوں سے لگا لیتے ہیں کہ شاید پائے حبیب سے مس ہو گئی ہے

امام احمد رضا کا

ذوق سخن

مولانا بدر القادری صاحب مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

مولانا بدر القادری مصباحی گھوسی ضلع اعظم کے متوطن ۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے فاضل ہیں ۔ اہلسنت وجماعت کے ابھرتے ہوئے قلمکاروں میں آپ کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے ۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا آرگن ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور آپ ہی کی زیر ادارت میں شائع ہو رہا ہے ——— (ایڈیٹر)

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ ایک جامع الصفات شخصیت کا نام ہے ۔ تاہم اگر کوئی کہے کہ اُردو ادب و انشاء کی حیثیت سے آپ نے کچھ نہیں کیا تو اس حد تک تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے صرف ادب برائے ادب کچھ بھی نہ کیا ۔ مگر جہاں تک ادب نوازی کا سوال ہے آپ کے فتاوے کم و بیش لاکھ صفحات پر مشتمل ہیں جن میں عربی اور فارسی سے کہیں زیادہ اُردو ادب و انشاء کے نادر نمونے موجود ہیں ۔ آپ کے قصائد کے مجموعے حدائق بخشش کی دو جلدیں ہیں جن میں صنائع و بدائع کی خوبیاں اپنے عروج پہ ہیں مگر نثر و نظم ہر ایک کا مطالعہ ذہن پر یہ اثر مرتب کرتا ہے کہ آپ کی تمام تر قلمکاری عشق و عرفان محمدی کے نشہ میں سرابور ہے ۔ اس سے جدا ہو کر آپ نے کبھی کچھ نہ لکھا ۔ مندرجہ ذیل مضمون میں ہم صرف چند ایسے اقتباسات درج کریں گے جن سے امام احمد رضا قدس سرہ کی شعری دلچسپی اور محل وقوع کے اعتبار سے اشعار کے استعمال میں مہارت کا اندازہ ہوگا ۔ بات ظاہر ہے کہ فتویٰ اور فقہ و تفسیر نیز دیگر علوم کا اپنا الگ اسلوب بیان ہے جس میں اشعار کے استعمال کا تُک ہی نہیں ۔ لامحالہ جہاں معاملات سے کچھ سابقہ پڑا ہے امام کے قلم کی یہ صفت ظاہر ہوئی ہے اس مضمون کی ترتیب کیلئے ہمیں آپ کی دس کتابوں سے مدد ملی ۔ اور غائر نظر سے مطالعہ کے بعد ادب شناسوں کو کہنا لازم ہو جاتا ہے کہ "

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

"زندۂ جاوید" انوار البشارۃ (حج و زیارت کے موضوع پر آپ کا نہایت جامع رسالہ ہے ۔ ضروری مسائل اور مقامات زیارت وغیرہ پر مشتمل ہے ۔ اس میں جبل احد کا ذکر ہے ۔ جو قتیلانِ محبت کی آرامگاہ ہے ۔ یہیں غزوۂ محبت برپا ہوا اور ستر صحابۂ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا اور وہی لوگ آیۂ مبارکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران) جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے روزی دیئے جاتے ہیں " کے اولین مصداق ہیں ۔ ان شہیدانِ محبت کے ذکر جمیل میں مندرجہ ذیل اشعار ثبت فرمائے ۔

زندۂ جاوید ہیں سوز محبت کے قتیل
یہ شرر ٹھنڈے نہیں ہوتے ہیں بجھ جانے کے بعد

رتبہ شہید عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والوں پہ قربان جائیے

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جو جینا ہے تو مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ

(انوار البشارۃ ص ۱۳۷)

"قرار این جا" آداب زیارت کے نصیحتوں کے باب میں ۲۹ ویں نمبر پر مزارات بقیع و قبا وغیرہ کا ذکر فرمایا ۔ جسکے اخیر میں ایک ایسا جاندار مصرع تحریر کیا جو آپ کے ذوق شعری کے ساتھ ساتھ عقیدت مندانہ گرویدگی کی نشانی ہے ۔ لکھتے ہیں " بقیع و احد کی زیارت سنت ہے مسجد قبا کی دو رکعت کی سنّت کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے اور چاہو تو یہیں حاضر رہو سیدی ابن الحمیرہ قدس سرہٗ جب حاضر حضور ہوتے آٹھوں پہر برابر حضور میں کھڑے رہتے ایک دن بقیع وغیرہ زیارات کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لئے کھلا ہوا اسے چھوڑ کر کہاں جائیں ۔

ع سر این جا سجدہ این جا بندگی این جا قرار این جا

(انوار البشارۃ ص ۱۰۲)

"سجدہ گاہ اہل نظر" مسجد الرایہ جسے ذباب بھی کہتے ہیں مدینہ طیبہ سے شام کو جانے والے راستہ میں پہاڑ کی بلندی پہ ہے سرکار جب غزوۂ تبوک کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو اس مقام پہ خیمہ نصب ہوا تھا ۔ اور حضور نے اسی جگہ نماز ادا فرمائی تھی ۔ اس کے ذکر جمیل پہ بہت ہی مناسب شعر نصب فرماتے ہیں ۔

بزمینے کہ نشان کف پائے تو بود ۔۔۔۔ سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

(یعنی جس زمین پہ آپ کے قدم ناز کا نشان پڑ جائے وہاں اہل بصیرت کا سالہا سال سجدہ ہوگا۔ (انوار البشارۃ ص۱۲۶)

"تو تنہا داری" الاستیعاب لعبد البر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم عالم شیر خوارگی میں حلیمہ سعدیہ کی گود میں تھے قبیلۂ بنی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں نے بھولا بھالا نورانی پیکر دیکھا تو منہ میں پانی بھر آیا لپک کر گود میں اٹھا لیا۔ اور اپنے پستان دہن اقدس میں رکھ دیئے تینوں کے دودھ اتر آیا۔ ان تینوں کا نام عاتکہ تھا۔ آگے خود انکی تحریر ملاحظہ کریں۔ "یہ اس مرتبہ کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔ حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرمایا۔ ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
(جتنی خوبیاں تمام انبیاء علیہم السلام رکھتے ہیں یا رسول اللہ تنہا آپ میں سب موجود ہیں۔
(شمول الاسلام ص۲۸)

"دعوتِ فکر" کذب باری کو ممکن جاننے والوں کے رد میں ایک سو بائیس دلیلیں پیش کیں پھر بھی خاتمۂ کتاب میں فرماتے ہیں "ہزار ہزار بار حاشا للہ میں ہرگز انکی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کیلئے کوئی ضعیف سا بھی محمل نہ رہے۔
فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی (سبحان السبوح ص۱)
ذکر دلائل کے بعد غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ کاش کوئی ایک دلیل بھی انھیں عقیدہ باطل سے لوٹا دیتی تو میری محنت بر آتی اسی مفہوم کو بسیط عبارت میں پرونے کے بعد یہ شعر نصب فرماتے ہیں ؎

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول
اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

کیا تم میرے آنسوؤں کو قبول کر سکتے ہو، اگر ایسا ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ بارش کے قطرے کو تم نے موتی بنا دیا (سبحٰن السبوح ص۱۱۵)

"امید کرم" امام احمد رضا کی تحریروں میں اسلام دشمن عناصر کیلئے تلخی محض ان کے تصلب فی الدین اور الحب للہ والبغض للہ" کی وجہ سے ہے ایسا نہیں کہ کسی دباؤ یا دنیاوی لالچ نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ بلکہ امام کا جذبہ حب رسول تو اس منزل پہ تھا کہ کسی دنیادار کی فلاح دستائش بھی وبال تصور فرماتے تھے جیسا کہ خود کہا۔ ؎ کروں مدح اہل دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں
حضور کی نسبت صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین صاحب ایمان تھے اسکے ثبوت میں دلائل پیش فرمانے کے بعد خود ہی اسکی علت بیان فرماتے ہیں کہ "اس مسئلہ کو ضبط تحریر میں لانے کا مقصود؟ شاید مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ تمام جہان سے اکرم وارحم ابر وادنیٰ ہیں۔ محض اپنے کرم سے نظر قبول فرمائیں ورنہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خاص فضل کے صلے میں اس عاجز بیچارہ بیکس بے یار کا ایمان حفظ فرما کر دارین میں عقاب وعذاب سے بچائیں ؎
بر کریماں کارہا دشوار نیست (شمول الاسلام ص۳۲)

"فطرت روباہی" چند متعصب مزاجوں نے دلائل الخیرات جیسی مقبول دعا و درود کی کتاب کو شرک و بدعت کا مجموعہ کہہ دیا۔ اس پر دیندارانہ یوں ہی فرماتے ہیں
" دلائل الخیرات شریف کو تالیف ہوئے پونے پانچ سو برس گزرے جب سے یہ کتاب مستطاب شرقاً غرباً عرباً عجماً تمام جہان کے علماء واولیاء وصلحاء میں حرز جان وظیفۂ دین وایمان ہو رہی ہے۔ یہ حسن قبول خدا ورسول زید وعمر کے مٹائے نہیں مٹ سکتا ؎

ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(دنیا کے تمام شیر اس سلسلہ سے وابستہ ہیں لومڑی مکر سے اسے کہاں توڑ سکتی ہے)
ہاں اب نئے زمانے فتنے کے گھرانے ہیں وہ گمراہ بھی پیدا ہوئے ہیں جو عیاذاً باللہ دلائل الخیرات کو معدن شرک و بدعت کہتے ہیں۔ مگر ان کے بکنے سے امت مرحومہ کا اتفاق و اطباق نہیں ٹوٹ سکتا ؎

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند
ہر کسے بر خلقت خودمی تند

(چاند روشنی لٹاتا ہے اور کتا بھونکتا رہتا ہے۔ ہر شئی اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتی ہے۔ (شفاء الوالہ ص۱۷)

"روح" روح اور عرفان نفس کے سلسلہ میں ایک شعر کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
" روح عالم امر سے ایک چیز ہے عقل کا حصہ اسی قدر ہے۔ آگے اسکی ماہیئت اکابر اہل باطن جانتے ہیں۔ سبحان اللہ آدمی خود اسی روح کا نام ہے۔ اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر ناکام ہے ؎

تنت زندہ بجان جاں نہانی
تو از جاں زندہ وجاں را ندانی
(کشف حقائق ص۷)

"دیار حبیب کی عظمت" حج وزیارت کے مسائل بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا جب اس مقام پہ پہونچے تو
ایک دیوانۂ رسول دیار حبیب میں قدم رکھ رہا ہے۔ منی وعرفات کے مراحل سے گزر کر طیبہ حبیب میں پہونچ رہا ہے۔ اور سرکار مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی منزل آتی ہے ایسا لگتا ہے کہ مسائل بیان کرتے ہوئے بھی ایک مفتی اور فقیہانہ اسلوب تحریر کو ترک کر کے ایک دیوانۂ رسول کے انداز میں رقم طراز ہیں۔

"راستے بھر درود شریف میں ڈوب جاؤ۔ جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ ہے کہ پیادہ پا ہو۔ سر جھکائے آنکھیں نیچے کئے۔ جب قبۂ انور پہ نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو جب شہر اقدس تک پہنچو جلال و جمال محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور میں غرق ہو جاؤ۔ ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ

جائے سراست این کہ تو پامی نہی — پائے نہ بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا — ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(انوار البشارہ ص۹۲)

"تاویل بارد" امکان کذب باری تعالی اور علم غیب مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علمائے دیوبند کی ہفوات کے جواب کی جانب جب علماء اہل سنت نے توجہ کی تو انھوں نے اپنے اقوال ہی سے انکار و گریز اور تحریروں کی بعید از قیاس تاویلیں شروع کر دیں۔ امام احمد رضا اس موقع پر ان عبارتوں کا مع حوالہ جات جائزہ لیتے ہوئے نہایت برمحل فرماتے ہیں۔

ع " نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا "
(وہ راز بھلا کہاں چھپ سکتا ہے جس نے کئی محلیں آراستہ کر دیں۔)
(الاستمداد ص۱۷۵)

"تاسف" ڈپٹی کلکٹر مولوی امداد علی بہادر کو بعض علماء سوء نے ایسا بہکایا کہ امام اہلسنت اور علماء اسلام سے گفت و شنید تک بند کرا دی کہ مبادا ہماری ہانڈی ٹھنڈی ہو جائے۔ کلکٹر صاحب کو مخاطب بنا کر کتنا برمحل شعر ارقام فرماتے ہیں۔

" صبر اس پر اس ہماری حسرت دیدار کا
بند جس نے کر دیا روزن تری دیوار کا
(سیف المصطفی علی ادیان الافتراء ص۱۸)

"بریں علم و دانش" فتاوی رشیدیہ کے ایک بے سروپا فتوے پر مرزا ایک مصرعے کے ذریعہ کتنا جامع تبصرہ فرماتے ہیں۔ جو اپنے اندر طنز کی تلخی کیساتھ ساتھ بھرپور معنویت لئے ہوئے ہے۔ من و عن ملاحظہ کریں۔
سوال۔ نصرانی یا ہندو وغیرہ مسجد بنادے تو اس میں نماز کا حکم کیا ہے؟ تو اب ہوگا یا نہیں؟
الجواب۔ جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عمدہ عبادت کا کام ہے اس کے مسجد بنانے کا حکم مسجد کا ہوگا۔
ع تو و مسجد اے فارغ از عقل و دیں (الاستمداد ص۱۸۸)

"سر خفی" علوم ظاہر کے علاوہ آپ علوم باطن کے بھی امام تھے۔ عرفان و حقیقت کے مے پوشیدہ و بادہ کش تھے۔ شرعی استفتاء کا آپ کے پاس تانتا بندھا ہی رہتا تھا۔ بعض اہل دل عالم اسرار کے روحانی و عرفانی سوالات بھی پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سر خفی و روح و قلب کے رموز پر رقم طراز ہیں۔" اور سر خفی و روح و قلب لطائف حضرات نقشبندیہ (قدست اسرارہم) جن میں تجلیات حق کے رنگا رنگ ذوق کا ادراک کا رعیاں ہے۔ نہ کار بیان
ع "ذوق این مے نشناسی بخدا تانہ چشی"
(واللہ اس شراب کا لطف اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک چکھا نہ ہو۔
(کشف حقائق ص۷)

"دیار قنوج" مولوی بشیر الدین قنوجی جو علماء دیوبند کے نہایت چابکدست ہمنوا تھے۔ علماء اسلام کی عبارتوں میں کتر بیونت اور حذف و اضافہ اور چابکدستی کے ذریعہ اپنے آقایان نعمت کے عقیدہ و نظریہ سے عطر کشید کرتے تھے۔ امام احمد رضا کا خیال ہے کہ طائفہ علماء دیوبند اس نئے قنوجی عطر کو پاکر بیحد مسرور ہوا۔ مگر افسوس! اسکی کوششوں سے تیار شدہ امام کے الفاظ میں پہلی شیشی (کتاب تفہیم المسائل) اور دوسری شیشی (غایۃ الکلام میلاد شریف کے عدم جواز میں) بھی عقائد میں رخنہ انداز نہ ہو سکی۔ اور ان حضرات کے عقائد فاسدہ کی بابت ان کی فحش قلم کاری نے اہل ایمان کے مزاج کو جس قدر مکدر کیا تھا قنوجی صاحب کی یہ شیشیاں اپنے حسن کلام کی خوشبو کے لحاظ سے کچھ مفید نہ ہو سکیں۔ امام تحریر فرماتے ہیں۔
"طائفہ بھر کا مشورہ ٹھہرا کہ اب انھیں کی عرق ریزی سے کچھ عطر بیزی کی امید ہے مگر لن یصلح العطار ما افسد الدھر (جس نے زمانے کی فضا مکدر کر دی اسکی درستگی عطار کا کام نہیں۔ قنوجی صاحب نے وہ گندی روش اختیار کی جس کی برکت سے مذہب کے علاوہ بھر میں سچ کا پھول مارا گیا جہاں دیکھو تحریف و تصرف کا امو کھلا ع
اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست
(سیف المصطفی ص۲۳)

"چھیڑ چھاڑ" امام احمد رضا کی تحریروں کا تنقیدی جائزہ لینے سے قبل نہایت لطیف انداز میں اجازت طلب کرتے ہیں۔
"سرکار نازک مزاجی سے اجازت ملے تو بطریق نمونہ اس خردار سے چند مشت پیش کرے ؎
کون کہتا ہے گلہ تم سے مکر جانے کا
چھیڑ کر لطف اٹھالیتے ہیں جھنجلانے کا
(سیف المصطفی ص۲۳)

"خون دیانت" قنوجی صاحب نے مذکورہ کتابوں میں درمختار، سراجیہ، ردمحتار، مطالبۃ المؤمنین وغیرہ کتب کی عبارتوں میں قطع و برید کا جو فنکارانہ انداز استعمال کیا ہے اس پر امام انکی دیانت کا ماتم کرتے ہیں ؎
جعل مزا جھوٹ غذا ہو گیا
ہائے دیانت تجھ کیا ہو گیا
(سیف المصطفی ص۲۹)

"عنقاء" قنوجی صاحب نے بعض عبارتیں تو ایسی لکھ ماری ہیں جن کیلئے کسی کتاب کا نہیں بلکہ انکے اختراعی ذہن کے صفحات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ امام اس پہ ایک تشریحی شعر ثبت فرماتے ہیں ؎

نہ ملے قرض میں بھی ان کا پتہ لاکھ برس
نازپروردۂ عنقا ہیں حوالے تیرے

(سیف المصطفی ص۳)

"شوخی چشم" غایت الکلام میں قنوجی صاحب کتاب شرح معینہ اور عباد اللہ المخلصین سے عدم جواز استمداد کیلئے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اسی کتاب میں توسل کے دلائل پیش کئے گئے ہیں مگر آنجناب اپنے مقصد کی عبارتیں کتر کر لمبی چوڑی تمہید و تبصرہ کیساتھ کتاب میں نقل کرتے ہیں (جس کا مکمل جائزہ امام کی اسی محولہ کتاب کے حاشیہ پہ مولانا سلطان احمد خاں قادری نے لیا ہے) امام ان کی شوخ چشمی کی داد اس انداز میں دیتے ہیں" ایسا سچا سچا دعوی آپ کی تو کیا تعریف کروں میں تو ان آنکھوں کا قائل ہوں کہ ایسے ادعا کرتے وقت جن کے تیور رنگ نہیں بدلتے ؎

شوخی و فتنہ تو ہر وقت ہے ان آنکھوں میں
کیوں حیا؟ تم کو بھی ہے حکم کبھی آنے کا

(سیف المصطفیٰ ص۴)

"تجاہل عارفانہ" نادانستہ طور پر غلطی کرنے والے اس شخص کے احسان مند ہوتے ہیں جو اسے غلطی سے مطلع کر دے۔ مگر اس شخص کا کیا علاج جو دیدہ و دانستہ شریعت و دیانت کے خلاف کمربستہ ہو۔ اسی مفہوم کو بیان کرنے کے لیے عربی کا یہ شعر تحریر کرتے ہیں۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

بے علمی ایک مصیبت ضرور ہے مگر دیدہ و دانستہ لاعلم بننا تو بہت بڑی مصیبت ہے۔ (سبحان السبوح ص۹۳)

"کورچشمی" زاغ معروفہ کو حلال فرمانے والے اور ان کے ہم جماعت دیگر علماء کی رہبری اور قیادت کا تذکرہ فرماتے ہوئے کیا ہی مناسب شعر تحریر کیا ہے

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیھدیھم طریق الھالکینا

(اگر کوا کسی قوم کا رہنما ہو تو وہ قوم جلد ہلاکت کے گھاٹ اترے گی۔

(سبحان السبوح ص۹۹)

"احوال دل" مسائل مختلف فیہا میں دلائل قاہرہ سے مزین کتابیں پیش کرنے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی نے آپ کی آواز حق کو ہمیشہ ناقابل اعتنا سمجھا۔ بارہا نہایت نرمی سے اس حق گریزی کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

کہنے کو اُن سے کہتا ہوں احوال دل مگر
ڈر ہے کہ ناز حسن پہ شکوہ گراں نہ ہو

(سبحان السبوح ص۳۷)

"حزم واحتیاط" حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین صاحب ایمان ہیں۔ بیشمار دلائل و براہین سے ثابت کرنے کے بعد منکرین کو تنبیہ کے طور پر نہایت برمحل مصرع تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"طبرانی میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو۔ یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں۔ ہمارے تمام افعال و اقوال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ، جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عاقل کو چاہئے کہ اس جگہ سخت احتیاط سے کام لے ؎ ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را

(شمول الاسلام ص۳۲)

"مرضی الٰہی" انسانوں میں عقل و شعور مال و دولت وغیرہ کے لحاظ سے تفاوت اور فرق ہوتا ہے۔ اسکی نہایت عمدہ مثال سے تفہیم فرماتے ہیں۔

"یفعل اللہ ما یشاء" اللہ جو چاہے کرتا ہے اسکی شان ہے" ان اللہ یحکم ما یرید" اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے اسکی شان ہے، لا یُسئل عما یفعل وھم یسئلون" وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور سب سے سوال ہوگا۔ زید نے روپئے کی ہزار اینٹیں خریدیں۔ پانچ سو مسجد میں لگائیں۔ پانچ سو پاخانہ کی زمین اور قدمچوں میں صرف کیا۔ اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک مٹی سے بنی ہوئی ایک آوے میں پکی ہوئی ایک روپئے کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں۔ ان پانچ سو میں کیا خوبی تھی کہ مسجد میں صرف کیں اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں رکھیں اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری ملک تھی۔ میں نے جو چاہا کیا۔ جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا۔ ہمارا اور ہماری جان و مال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا مالک ہے۔ اس کے کام اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدن کیا معنی؟ کیا کوئی اس کا ہمسر یا اس پر افسر ہے؟ جو اس سے کیوں اور کیا کہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے بے اشتراک ہے جو چاہا کیا۔ اور جو چاہے گا کرے گا۔ ذلیل فقیر بے حیثیت اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اس کا سر کھجایا ہے شامت نے گھیرا ہے اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ۔ او بدعقل بے ادب اپنی حد پر رہ جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال و صفات میں یکتا و کامل ہے۔ تو تجھے اس کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال؟

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
نظام مملکت خویش خسرواں دانند (التحبیر بباب التدبیر ص...)

"نظریۂ توکل کی غلط توجیہہ" نظریۂ توکل کی ایک مکروہ توجیہہ یہ ہے کہ آدمی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کسی گوشہ میں بیٹھ جائے

اور تقدیر الٰہی کے تحت روزی کا انتظار کرنے لگے۔ امام اس انداز توکل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"

"ملائکہ کا بے آب و غذا زندگی گزارنا کسے نہیں معلوم مگر یہ انسان میں خرق عادت ہے جس پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا جہل و حماقت یہاں تک کہ اگر تقدیر پر بھروسے کا جھوٹا نام دے کر خورد و نوش کا عہد کرے اور بھوک پیاس سے مر جائے تو بیشک حرام موت مرے اور اللہ تعالیٰ کا گنہگار ٹھہرے مرگ بھی تو تقدیر سے ہے پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا" ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ" اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔

گرچہ مردن مقدر ست ولے — تو مرو در دہان اژدھا

(اگرچہ موت تقدیر ہی سے آتی ہے مگر جان بوجھ کر اژدہے کے منہ میں نہ چلے جاؤ"

(التحبیر بباب التدبیر ص۲)

"حقیقی توکل"

توکل کی صحیح رخ سے توضیح کرتے ہوئے قلم بند فرمایا

" تلاش حلال و فکر معاش و تعاطی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر اور بھروسہ تقدیر پر رکھے اسی لئے جب ایک صحابی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:" اپنی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں یا اسے باندھوں اور خدا پر توکل کروں۔ ارشاد فرمایا۔ قید و توکل باندھ اور خدا پر تکیہ رکھ

ع برتوکل زانوئے اشتر ببند (

(التحبیر بباب التدبیر ص۹)

"اظہار افسوس"

اوآر ا اعبہ ص۱۲۲ کی ایک عبارت پر جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کیلئے بیوی بچے ہونا عقلاً محال ہوتا تو نصاری اتنے عقل مند اور ایسے صناع ہیں۔ وہ اسے کیوں مانتے۔ امام احمد رضا ان گندم نما جو فروش دینداروں کی عقل پہ اظہار افسوس فرماتے ہیں اور یہ شعر لکھتے ہیں ؎

چشم باز و گوش باز و ایں ذکا
خیرہ ام در چشم بندی خدا

آنکھ کان صحیح سلامت ہوتے ہوئے عقل ایسی خدائے تعالیٰ کی اس حکمت چشم بندی پہ میں حیران ہوں۔ (پیکان جانگداز ص۱۵۷)

"خون ناحق"

علماء سوء کی تردید فرماتے ہوئے ان کے آزار قلم کی زبوں کاریوں کا ذکر کیا جس نے لاتعداد سچے مسلمانوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ جس کے دست برد سے صحابہ کرام تابعین علماء و صلحاء حتیٰ کہ مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی تک محفوظ نہ رہ سکے۔ پھر یہ خود اس سے بچ کر کہاں جاتے۔ انہیں خود انکی شامتِ اعمال نے درگذر نہ کیا امام تحریر فرماتے ہیں۔

" کے کرد کہ نیافت — کمال تدین قداں

؎ دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند (سبحان السبوح ص۱۰۵)

"بے حیا باش"

ذات باری تعالیٰ کیلئے معائب کا امکان رکھنے والوں اور مراتب انبیاء علیہم السلام میں چنیں و چناں کرنے والوں کو مبداء دین و شرع پر کلوخ زنی کے باوجود دعویٰ ایمانداری ہے۔ ان کے عقائد فاسدہ کی واضح تردید فرماتے ہوئے سبحان السبوح ص۶۱ پہ بے حیا باش ہرچہ خواہی کن پہ نہایت ستھری اور مبنی بر حقیقت تضمین کرتے ہیں۔

تیر بر جاہ انبیاء انداز — طعن در حضرت الٰہی کن
بے ادبی و ہرچہ دانی گوئے — بے حیا باش ہرچہ خواہی کن (سبحان السبوح ص۶۱)

شوخیٔ رفتار

ائمہ مجتہدین اور فقہائے قدیم کی جسکے نزدیک کوئی وقعت نہ ہو اسے آپ کیا کہیں گے؟ انھیں حضرات میں کہ ایک شوخ چشم مجتہد العصر ہیں۔ امام احمد رضا نے ان کے اکیس اجتہادات پر گرفت فرمائی ہے۔ جس میں انھوں نے بزعم خویش مسائل مختلف فیہا پر بڑے نپے تلے تیر مار رہے ہیں۔ مگر محولہ کتابوں سے اپنے مقصد کی عبارتیں اخذ کرنا اور عقائد حقہ کی تائید کے باب در باب نظر انداز کر دینا جو کہ ان حضرات کا جماعتی وطیرہ ہے۔ بڑی شدت سے عامل ہیں۔ امام فرماتے ہیں۔

العظمۃ للہ دربارۂ قیام ان کے ایک لفظ محتمل پر جس کے معنی علامہ حلبی نے واضح کر دیئے اتنا اچھلنا اور اسی مجلس اقدس کے باب میں انھوں نے دفتر کے دفتر لکھے اور کس زور و شور محققانہ سے اس کے عمدہ مستحبات اور اجلۂ محسنات سے ہونے پر عرش تحقیق ثابت کر دیا وہاں یوں دبے پاؤں نیچی نظریں بدن چرائے نکل بھاگے جانے ہم نے دیکھا ہی نہیں — اللہ رے تغافل

فتنہ آنکھیں ہیں غضب شوخ ہے چلنا تیرا
کر گیا کام یہ بچ بچ کے نکلنا تیرا

(سیف المصطفی ص۴۶)

"جدید فقہ"

ایک صاحب کو اردو فقہیات میں کچھ شُدبُد ہو گئی۔ انگریزوں کی شہ پر اجتہاد کا شوق چرایا آپ نے اُلّو کا گوشت حلال کر دیا۔ پھوپھی اور بھتیجی کو حرمت کی فہرست سے نکال کر حلت کے دائرے میں لا بٹھایا اس پر دنیا اور لوگ چاہے ؎ ٹک ٹک دیدم دم نکشیدم۔ بنے رہتے۔ مگر وقت کے امام کو کہاں تاب؟ ایسی خبر لی کہ ہوش ٹھکانے لگ گئے۔ ایک شعر خاص انھیں کے لئے موزوں فرمایا۔

؎ کہاں کا اسلام کیسی ملت مجوسیت کو نہال کیجئے
مزے سے اُلو کا گوشت کھا کر پھوپھی بھتیجی حلال کیجئے (سیف المصطفی ص۱۵۶)

"ہٹ دھرمی"

سابق والی محمد آباد نے بھی کچھ اسی قسم کی گل افشانی کی جس پر امام احمد رضا نے مواخذہ کیا تحریر کا آخری پیراگراف ملاحظہ کریں

" ص۴۲ پر صاحب درمختار کو ان لوگوں میں داخل فرمایا جو صلوٰۃ الرغائب اور نماز نصف شعبان کو بدعت منکرہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی درمختار دیکھنے کا تصدعہ نہیں دیتے مگر جناب ڈپٹی مجسٹریٹ بہادر کے رسالہ امداد المسلمین پر ذرا نگاہ روبرو ہو جائے کہ

صـ۱۲ پر فرماتے ہیں" بعض فقہا جیسے صاحب در مختار وغیرہ نے حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھدیا ہے۔ الغرض۔

رحم آتا ہے حیا مجھ کو تری غربت پر
خوب شوخی نے لٹائی ہے کمائی تیری

(سیف المصطفیٰ صـ۱)

"بوکھلاہٹ" علم و استدلال کے میدان میں علمائے دیوبند نے امام احمد رضا کی تصنیفات کے جواب لکھے۔ مگر بوکھلاہٹ میں اپنی پچھلی تحریروں کی خود ہی تردید کر گئے۔ چنانچہ تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم کو ایک ساتھ رکھئے تو ان میں بے شمار مسائل ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ انھیں بوالعجبیوں کا ذکر تھا جس پر امام نے یہ شعر ثبت فرمایا۔

گر بت شکنی گاہ بمسجد زنی آتش
از مذہب تو گبر و مسلماں گلہ دارند

"زند روبہ لنگ لاف شکار" میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام تعظیمی کا ثبوت دیتے ہوئے سینکڑوں دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"اب منصف انصاف کرے علماء مکہ و مدینہ و جدہ و حدیدہ و روم و شام و مصر و دمیاط و یمن و زبید و بصرہ و حضر موت، و حلب و حبش و برزنج و برع و کردو داغستان و اندلس و ہند کا اتفاق ارباب عقول کو قابل قبول نہ ہوگا ــــــ؟ تعصب نہ کریں تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالات این و آں سے رہائی دیجئے۔ اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے۔ کہ گویا یہ سینکڑوں اکابر ایک وقت میں سب کے سب زندہ موجود ہیں۔ اور اپنے مراتب عالیہ کیساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے ہیں۔ اور ان کے سامنے مسئلہ قیام پیش ہوا ہے۔ اور ان سب نے یک زبان ہو کر باواز بلند فرمایا ہے کہ بیشک مستحب ہے۔ وہ کون ہے جو اسے منع کرتا ہے؟ ذرا ہمارے سامنے آئے۔ اس وقت انکی شوکت و جبروت خیال کیجئے۔ اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لیکر دیکھئے ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جا کر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے۔ اور یوں تو ــــــ

؎ چوں شیراں بر فتند از مرغزار
زند روبہ لنگ لاف شکار

(اقامۃ القیمۃ صـ۲۱-۲۲)

میرے روحانی جدِ محترم **امام احمد رضا** کی یاد میں منعقدہ

امام احمد رضا کانفرنس

کے لئے

آل انڈیا سنی لیگ

اور

امام احمد رضا نمبر کے لئے ادارہ ماہنامہ المیزان کی خدمت میں

ہدیہ خلوص

الحاج عبد الغفور رضوی القادری

موٹر سائیکل والے

۱۰۱۔ کھارا ٹینک روڈ، بمبئی ۳ — فون نمبر: ۳۳۵۶۴۰

آگر سنادے عشق کے بولوں ہیں اے رضا
مشتاق طبع لذّتِ سوزِ جگر کی ہے

اپنے پیرو مرشد امیر الملت سیدنا مولانا **امیر اشرف** صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے روحانی فیوض و برکات
کے طلب گار

سیفکو گیس کمپنی

قیصر باغ، تھانہ روڈ، بھیمڑی، تھانہ (مہاراشٹر)

سرفراز احمد حاجی صدیق فقیہ اشرفی

سوداگر محلہ بھیمڑی

فون:۔ دکان: ۸۲۴۱ ــــ مکان: ۷۳۳۱

ماهنامه المیزان کو بے پناه مبارکبادیاں

کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا
رضاؔ تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

اپنے روحانی رہبر شیخ طریقت حضرت مولانا الحاج سید شاہ **اکمل حسین** اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے فیوض کے طلب گار

محمد حنیف شہرت علی

اور برادران

دھوبی تالاب، بھیمڑی، تھانہ

آؤ چلیں سلطان الہند کے دربار میں

اجمیر مقدس ایشیا کی وہ واحد زیارت گاہ ہے جہاں لاکھوں کی تعداد میں عقیدتمند جمع ہوتے ہیں اور گوہر مراد حاصل کرتے ہیں فیوض و برکات کی ایک پُرجوش نہر جاری رہتی ہے ہر شخص اپنی بساط بھر لیکر ہی واپس ہوتا ہے

خواجہ نگری جانے سے پہلے لوگ کسی ایسے رہبر اور گائڈ کی تلاش میں رہتے ہیں جو معمولات عرس خواجہ سے اچھی طرح بہرہ مند کرا سکے بیت النور اجمیر میں ایک خاندان ایسا بھی ہے جس کے توسل سے حاضری کی سعادت حاصل کرنے کی گزارش خاندانِ اشرفیہ کے اکابرین نے کی۔ اور خود صاحب سجادہ سرکار کلاں آستانہ اشرفیہ دامت فیوضہم نے اپنے پرسنل لیٹر ہیڈ پر ان الفاظ میں ہدایت فرمائی ہے

منجانب اکابرین خاندان اشرفیہ

اعزارشد سید محمد ہادی صاحب سلمہ کے والد ماجد مولانا سید محمد غلام علی معینی علیہ الرحمہ کے تعلقات جو ہمارے آباء و اجداد وغیرہ سے تھے وہ تو تحریر سے ظاہر ہے ہمیشہ اعلیحضرت سیدی وجدی علیہ الرحمہ کا قیام انھیں کے مکان پر ہوتا رہا اور وابستگانِ سلسلہ اشرفیہ کے قیام و زیارت کی خدمات انجام دیتے رہے آج بھی بالائے جھالرہ بیت النور ہی میں قیام رہتا ہے لہذا تمام سلسلۂ اشرفیہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اجمیر شریف پہونچ کر سید محمد ہادی صاحب و سید محمد مہدی صاحب سلمہا یہ دونوں بھائی ہیں۔ انھیں کے ذریعہ سے آستانہ کی حاضری کی سعادت حاصل کریں دستخط سید محمد مختار اشرف سجادہ نشیں کچھوچھہ شریف فیض آباد دستخط سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ دستخط سید محمد مظفر حسین کچھوچھہ شریف دستخط سید محمد مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھہ شریف فیض آباد دستخط سید اظہار اشرف کچھوچھہ شریف

امام احمد رضا

وہ مینارۂ نور ہیں

جن سے آنے والی نسلیں

ہم سے زیادہ نور حاصل کریں گی

اے بہار گلستانِ شرع متیں ایک آنو رہی مداح تیرا نہیں

ہیں کھڑے دور تک ہدیہ دل لئے کارواں کارواں قافلے قافلے

تأثرات

(اپنے اور پرائے)

امام احمد رضا قبلۂ اہل دل [1]

امام احمد رضا عالم با عمل [2]

امام احمد رضا ایک فاضل اہل حدیث کی نظر میں [3]

امام احمد رضا اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں [4]

امام احمد رضا

قبلۂ اہلِ دل

ڈاکٹر نسیم قریشی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

مدیر مکرم ——— سلام نیاز ——— یہ حقیر و بے مایہ تحریر محض نذرِ عقیدت ہے ۔ کاش میں سیر حاصل مضمون لکھ سکتا ، تحریر اگر شائع بھی نہ ہو تو مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی ۔ مجھے تو نذرِ عقیدت پیش کرنا تھی ، سکون دل میسر آگیا ———————— نیاز کیش : نسیم

ایک تاثر ، حسین و خوش گوار تاثر ، دلنواز ، روح پرور جو ایک نقشِ تابندہ بن کر ذہن کے پردوں پر مرتسم ہوگیا ہے ۔ بزم سیرت پاک تھی ، فضائل و شمائل ختمی مآب کی جلوہ سامانیاں چشم تصور کے سامنے حیات انسانی کا وہ گوشۂ جمیل ضوفشاں ہو رہا تھا جس نے رہتی دنیا تک کے لئے نورانی فکر اور پاکیزہ عمل کی ایک شاہراہ بنادی ہے ۔ انسانیت کے فروغ کمال اور صلاح و فلاحِ دارین کی راہ ——— ہادی برحق ، مقتدائے انسانیت ، شفیع محشر کا ذکرِ پاک ۔ روحانی سرخوشی کی ایک جوئے حیات افزا تھی کہ پڑی بہہ رہی تھی ۔ اسی عالم کیف و مستی میں ، عرض نیاز ، سرشاری و سپردگی ، الفت و عقیدت کا ایک ترانۂ شوق تھا کہ بلند ہوا ۔ مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

طبیعت بے اختیار وجد کر اٹھی ۔ ذہن کے دریچے بہار ابد کی جاں فزا ہواؤں کے لئے کھل گئے ۔ وجود کا ذرہ ذرہ سحاب سرمدی کی سرشاریوں میں ڈوب گیا ۔ کیا نغمہ ، کیا نظم ، کیا والہانہ سلام ، لفظ و بیان کے پیچ و خم ہیں کہ نیاز مندی کی تہ در تہ کیفیتوں میں ہلک اٹھے ہیں ۔ حسن معنی ہے کہ حسن عقیدت میں سمو کر زمزمۂ داؤدی کے پیکر میں ڈھل گیا ہے ۔ سرورِ کائنات کے حضور شرفِ باریابی حاصل ہے ۔ لوائے شوق نغمۂ والہانہ بن گئی ہے ، ذوق فدائیت شباب پر ہے ۔ شیفتگی و نیاز کیشی ، ہمہ آواز ، ہم سرور مستانہ ، ہم ارتعاش قلب مضطر ہوگئی ہیں ۔ روحانی سرمستی کے عالم میں حضرت رضا خلد آشیانی کی زبان حقیقت ترجمان سے جو حرف نکلا ہے ، باغ کامرانی کا سدا بہار پھول بن گیا ہے ۔

نعت گوئی ادبیات انسانی کا ایک بے انتہا بیش قیمت ذخیرہ ہے ۔ نازک خیال شاعروں اور چابکدست ماہرین فن نے سرمایہ عقیدت کو وہ آب و رنگ دیا ہے ۔ یہ ایمان انداز چمن طرازی فکر و بیان کی ہے کہ طبیعت جھوم جھوم اٹھتی ہے ۔ کتنی عظیم سعادت آئی ہے ، حضرت رضا کے حصہ میں کہ وہ مقبولین بارگاہ الٰہی اور نظر کردگان رسالت پناہی کے اس محبوب زمرہ میں ایک مقام خاص رکھتے ہیں ۔ ایسا بلند مقام کہ انہیں حسان الہند کے مبارک لقب سے یاد کئے بغیر ان کے بے پناہ جذبۂ عشق رسول ، ان کی وجد آفریں ،، نعت گوئی کے ساتھ انصاف ہو ہی نہیں سکتا ۔ محمدی لوائے عظمت ابد کی چوٹیوں پر سرمدی شان سے لہرا رہا ہے اور اس کے مقدس سائے میں حضرت رضا بریلوی جاوداں کامرانیوں سے سرفراز و شادکام ہو رہے ہیں ۔

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے ۔

امام احمد رضا

عالم باعمل

(خطیب اہلبیت مولانا سید عباس رضوی بمبئی)

تقریباً ڈیڑھ سو یا پھر دو سو سال کا زمانہ کہیئے، تاریخ اسلام میں عجیب اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ اہل بیت اطہاریوں تو ہر دور میں مظلوم رہے ہیں لیکن اس ڈیڑھ دو سو سال کے عرصہ میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم کا نہ کو خود مسلمانوں کے پڑھے لکھے گروپ سے ایسا سیاہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا جس سے بچنا، نپٹنا، سرخرو ہو کر شعلوں سے نکل آنا، دشمن کو چاروں خانے چت کرنا معمولی دل گردے والے کا کام نہ تھا۔

سنہ ۱۸۵۰ء سے سنہ ۱۹۱۵ء تک کا وہ خطرناک دور تھا جب ندوۃ العلماء کا سر دلفسفہ اور دارالعلوم دیوبند کی مسموم فضا نے ہر خشک و تر کو ایسا بدترین موقعہ فراہم کر دیا تھا کہ خود انگریزی حکومت نے ہندوستان میں بھلے، خاصے چنگے خاموش طبع پنجابی نوجوان کو پیغمبری کا دعویدار بنا دیا۔ کرشن، گوتم، رام اور عیسٰی بنا دیا ظلی نبوت کی بیجان روح پھونکدی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب دیوبند سے تعزیہ داری، مرثیہ خوانی، مجلس شہادت، تقسیم شربت و فاتحہ و درود کے لیئے کیسے کیسے تابڑ توڑ فتاوے صادر ہوئے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فقہی مسائل میں مے وانگبیں کی لاگ کو پسند فرمایا گیا۔ اور پنجابی نبوت کے دعوئ پر بڑے بڑے دو زانو ہو کر منزلیں طے کرنے لگے۔ اسی زمانہ میں تو سر ظفر اللہ خاں صاحب کی والدۂ محترمہ بغیر شوہر کی اجازت طلب کئے لاہور سے قادیان آکر بیعت سے مشرف ہوئیں۔ منکر ختم نبوت کی گستاخیاں حد سے تجاوز کرنے لگیں۔ قرآن حکیم کی عجیب عجیب مضحکہ خیز تفسیریں و تاویلیں کیجانے لگیں۔ اسلام میں صوفی ازم کو زک پہنچانے کی آڑ میں دراصل خود شجرِ اسلام پر کلہاڑی چلائی جا رہی تھی۔ اور یہ وہی شجرِ اسلام تھا جس کو خشک ہونے سے بچانے کے لئے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نے اپنے خون سے اس کی آبیاری کر کے اسے شاداب زندگی بخشی۔

تاریخ کا مطالعہ اگر بغور کیا جائے تو بہت جلد واضح ہو جاتا ہے کہ دراصل ایک فرد کی ذات کو نیچا دکھانے کے لیے کیسے کیسے ذلیل حربے استعمال کیئے گئے کہ خطرہ دشمنانِ دینِ مبین کو وحدانیت کے تصور سے نہ تھا، ہمہ اوست سے جنگ نہ تھی سجدۂ تعظیمی سے بیر نہ تھا بلکہ ان سب کی روحِ اعظم حُبِ اہلبیت سے کد تھا۔ ایسے کڑے وقت میں بریلی کے متمول تعلیم یافتہ بزرگ خاندان سے احمد رضا خانصاحب قبلہ کی ذاتِ گرامی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ زبردست جہادِ اولیٰ کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے تن تنہا اتنے عظیم طوفان کا مقابلہ کیا۔ اقبال جیسے مفکر سے لوہا منوایا۔ غیروں سے تائید کرائی۔ اکابرین علمائے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ سے مہر تصدیق ثبت کرائی، مرثیہ خوانی، مجلس، تبرک درود فاتحہ کی اہمیت کو عملی طور پر اجاگر کر کے زمانہ کو شعبدہ بازی کی بھول بھلیوں سے نکال کر اپنے عاشقِ رسولِ اکرم اور محبِ اہل بیت ہونے کا عظیم ثبوت دیا

مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ نے ناموس عترت اور تحفظِ ذکرِ اطہار کے لیئے وہ عظیم کام کیا جو کسی شیعہ مجتہد سے بھی ممکن نہ تھا۔ ہندوستان میں آج جو مجالس محرم قائم ہیں اُسکے وجود کی بقا کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا کی بے لوث خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت کا کلام پڑھیے تو پتا چلتا ہے کہ اُنہیں پنجتن پاک سے کس قدر عشق تھا۔ ائمہ و اہلبیت سے کتنا لگاؤ تھا۔ اُن کا کلام عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور ہمارے لئے ایک سبق ہے۔

کیوں نہ مبارک ہو وہ ذاتِ گرامی جسکا نام حمدیت کے ایقان سے لبریز ہو کر احمد سے شروع ہوا اور عرفانِ رضائے حق شیوۂ کردار کا حُسنِ اختتام ہو۔ واللہ کچھ نہ بھی ہو پھر بھی ہمیں تو اس نام نامی سے صرف اس لیئے عقیدت ہے کہ اُسنے اپنے نام کی بھرپور لاج رکھی اور اپنے کام کو اپنے نام سے ہمیشہ وابستہ رکھا گویا اُن کا کام اُنکے نام کا رہین منت ٹھہرا۔ کسی بھی مدرسۂ فکر و خیال کے علماء ہوں مولانا احمد رضا خانصاحب کا نام سُنکر گردن نہ سہی دل ضرور خم کر دیتے ہیں اور یہ ایک ادنیٰ اعجاز ہے محبِ اہلبیت ہونے کا۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا احمد رضا جیسے مُحبِ اہلبیت بزرگ صدیوں کے الٹ پھیر میں بھی پیدا نہیں ہوتے۔ قدرت انکو ایک خاص مقصد سے پیدا کرتی ہے۔ اور یہ خود دینِ فطرت کی خدمت کیلئے وجود میں آتے ہیں۔ المیزان مولانا احمد رضا نمبر نکال کر ایک بڑی خدمت انجام دیرہا ہے۔ مجھے عدیم الفرصتی کی بنا پر وقت نہ مل سکا جو کچھ محسوسات ہے وہ یونہی چلتے چلتے سفر پر جانے سے قبل پیش کر دیئے ہیں۔ خدا اس نمبر کو کامیاب فرمائے۔

امام احمد رضا

ایک فاضل اہلحدیث کی نظر میں

از: ڈاکٹر پروفیسر محی الدین الوائی جامعہ ازہر مصر

ڈاکٹر محی الدین الوائی ازہر یونیورسٹی میں تقریباً بیس سال سے دینی اور علمی خدمات میں مصروف هیں الوائی صاحب کی شخصیت علماء ازہر اور ہندوستانی علماء میں تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ پروفیسر موصوف بیک وقت اردو، ہندی، ملیالم، عربی اور انگریزی جیسی زبانوں پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ حسن ادا اور شوکت الفاظ کی خوبیاں ان کی زبان میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ موصوف مسلکاً اہل حدیث ہیں لیکن ان کی وسیع القلبی اور وسعت نظری کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اہل حدیث ہونے کے باوجود امام احمد رضا کی تبحر علمی کا برملا اظہار کیا۔ ڈاکٹر الوائی کا یہ عربی مقالہ قاہرہ سے شائع ہونے والے مشہور جریدہ صوت الشرق ص ۱۶ - ۱۷ شمارہ فروری ۱۹۷۰ء میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ قارئین المیزان کے سامنے مکرمی محب الحق اعظمی بی۔ یو۔ ایم۔ ایس طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تفصیلی اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

کاش اکابرین دیوبند بھی وسعت نظر اور روشن خیالی میں پروفیسر محی الدین الوائی کے شانہ بشانہ چلتے اور تعصب اور تنگ نظری سے ہٹ کر امام احمد رضا کی انقلاب آفریں ذات کا مطالعہ کرتے تو انھیں پتہ چلتا کہ فاضل بریلوی نے برصغیر ہند و پاک کے لئے علوم و فنون کے کس قدر خزانے چھوڑ کر آنکھیں بند کی ہیں۔
(ایڈیٹر)

شخصيات اسلامية من الهند

مولانا احمد رضا ــــ بریلوی رحمة الله تعالى عليه

يعد مولانا احمد رضا خان بريلوي رحمة الله عليه من طليعة علماء الهند المسلمين الذين ساهموا مساهمة فعالة في خدمة العلم والدين واللغة العربية في انحاء مثبتة القارة الهندية، وله صفحات بجيدة في تاريخ نشر العلوم العربية والاسلامية في ربوعها وقد وضع مولفات عديدة في التفسير والحديث والفقه وعلم الكلام والتصوف وغيرها من العلوم الاسلامية، كما

جن علمائے ہند نے مروجہ علوم عربیہ و دینیہ کی خدمات میں اعلیٰ قسم کا حصہ لیا ہے ان میں مولانا احمد رضا خانصاحب کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ علوم عربیہ اسلامیہ کو آراستہ کرنے میں آپ کا بہترین ریکارڈ ہے۔ آپ نے جس طرح علم فقہ، تفسیر، حدیث و کلام، تصوف وغیرہ علوم فروعات میں تصنیفات فرمائی ہیں اسی طرح آپ کی بہت سی تصانیف ادب مثلاً صرف بلاغت، شعر و انشاء میں بھی ہیں۔ نیز علوم عقلیہ۔ مثلاً منطق

ان له مولفات فی فروع الادب من صرف و بلاغة وشعر وانشاء وقد صنف ایضا فی العلوم العقلية كالمنطق وعلم الهيئة والحساب والحكمة الطبيعة وغيرها:

ولد احمد رضا خان فی العاشر من شوال سنة ۱۲۷۲ھ الموافق ۱۴ ابونية سنة ۱۸۵۶ء وقد سمی (محمد) عقب ولادته ثم اشتهر بلقب (اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان) وكانت عائلته قد انحدرت من بلدة (قندھار) بافغانستان الی الھند فی عھد المغول فيها، وكان والده عالماً جليلاً ذا ورع وتقی۔

ويقال ان مولانا احمد رضا خان قد حفظ القرآن الكريم كله فی مدة شھر واحد، ونبغ فی مبادیٔ العلوم الاسلامية والعربية والتاريخ والحساب وغيرها تحت اشراف والده قبل ان يتجاوز سن الرابعة عشرة وكان من اساتذته المشهورين۔

۱۔ مولانا عبد العلی رامپوری
۲۔ والشيخ ابو الحسين نوری مارھروی
۳۔ والسيد مرزا غلام قادر بك رحمة الله عليهما

ميلة الی التصوف

وقد بدت فی سلوك احمد رضا منذ الصغر اثار الزاھد فی متعه الحياة الدنيوية والتمسك بالاخلاق الفاضلة والتواضع والحلم فی معاملاته مع الناس، وفی عام ۱۱۲۹ء صبح مريداً عاملاً علی يد الصوفی الكبير قطب الزمان سيد شاہ نوری رحمة الله عليه وقد تجلت مظاهر الورع والتقی والتصوف الخالص فی نشاط العلمی حتی ذاع صيته فی ارجاء الهند وبداء طلاب النور والعرفان يفدون اليه من شتی البقاع

سفرة الی الحرمين

وقام الشيخ احمد رضا لحجة الی بيت الله الحرام وزيارة الروضة النبوية مرتين وقد اتاحت له هاتان الرحلتان الفرصة للقيام بزيارة المراكز العلمية

ہیئت، حساب، فلسفہ وغیرہ علوم پر بھی آپ نے قلم اٹھایا ہے۔

پیدائش

احمد رضا خاں ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ آپ کا نام ولادت کے بعد محمد رکھا گیا پھر آپ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کے اسلاف افغانستان کے مشہور شہر قندھار سے دور مغلیہ میں ہندوستان آئے تھے۔ آپ کے والد عالم جلیل اور صاحب زہد و تقویٰ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے صرف ایک ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ آپ چودہ سال کی عمر میں بنیادی علوم اسلامیہ، عربیہ، تاریخ حساب وغیرہ اپنے والد سے حاصل کئے۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عبد العلی رامپوری
۲۔ شیخ ابو الحسین نوری مارہروی
۳۔ سید مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہما ہیں

تصوف کیجانب رجحان

احمد رضا بچپن ہی سے دنیاوی آرائشوں کی طرف ملتفت نہ تھے لوگوں سے معاملات میں حلم تواضع بلند اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ۱۲۹۴ھ میں آپ قطب زماں حضرت مولانا سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔

آپ کی علمی سرگرمیوں میں تصوف، اتقاء پرہیزگاری کے بہترین نمونے ہیں۔ جس کی بنا پر آپ بہت جلد سارے ہندوستان میں مشہور ہو گئے اور آپ کے پاس نور و معرفت کے پروانے ہر طرف سے آنے لگے۔

سفر حرمین

شیخ احمد رضا دو مرتبہ حج بیت اللہ و زیارت روضہ نبوی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے دونوں سفروں میں عرب کے اسلامی و علمی مرکزوں کو بھی دیکھا اور وہاں کے علماء سے ملاقات

فی بعض البلدان العربیۃ والاسلامیۃ، والاتصال بعلمائھا والتشاور معھم فی شؤن الدین والعلم. واثناء زیارتہ للبلاد العربیۃ، نال اجازۃ اجازۃ لروایۃ الاحادیث النبویۃ من بعض مشاھیر علماء الحدیث فی الحجاز من اسانید ھم، کما اجازھو بنفسہ لبعض ھولاء العلماء حق روایۃ الحدیث من اسانیدہ الخاصۃ۔

نبوغۃ فی الریاضیات

وجدیر بالذکر ان مولانا احمد رضا خان قد امتاز عن کثیر من اقرانہ ومعاصیریہ العلماء فی الجمع بین العلوم النظریہ والعلمیہ ومما یدل علی مہارتہ فی الریاضیات والحساب والجبر وغیرھا۔ ان العالم الریاضی الشھیر الدکتور ضیاء الدین وکیل جامعۃ علیگرۃ الاسبق وامثال کالنوایذ ھبون الیہ لحل بعض المشکلات العویصۃ فی المسائل الحسابیہ والھندسیہ ویحکی الدکتور ضیاء الدین انہ قد واجہ فی احدی تجاربہ الحسابیہ مشکلۃ عویصۃ۔ فقرران ان یسافر الی جرمنی لیناقش ھذہ المسالۃ مع احد اساتذتہ المعروفین ھناك وأثناء سفرہ الی مینا بومبائی قابل الدکتور ضیاء الدین فی القطار ومولانا احمد رضا خان بالمصارفۃ وماکان یعرف عنہ حینذاك الاانہ عالم دینی متین وصو فی جلیل فتحرك الیہ الدکتور ضیاء الدین عن وجھۃ رحلتہ وغرضۃ منھا فطلب منہ مولانا احمد رضا ان یشرح المشکلۃ فاذ ھو یحلھا بکل سھولۃ ووضوح فاعجب بہ الدکتور ضیاء الدین ومنذ ذلك الحین اصبح من المشرددین الیہ کلما صادفتہ مشکلۃ من مشکلات العلوم النظریۃ اوالعلمیۃ

کی۔ علوم اور معاملات دینیہ میں مشورے بھی کئے، حجاز کے مشہور علماء حدیث کی مخصوص اسانید سے حدیث روایت کرنے کی اجازتیں بھی حاصل کیں۔ اور خود بھی اپنی مخصوص اسناد سے وہاں کے علماء کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔

علم ریاضی اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین

مولانا محمد حسین صاحب میرٹھی بانی طلسمی پریس بیان کرتے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر محمد ضیاء الدین صاحب مرحوم جنھوں نے ہندوستان کے علاوہ یورپ کے ممالک میں تعلیم پائی تھی اور علم ریاضی میں کمال حاصل تھا۔ ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ اتفاق سے ان کو ریاضی کے کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا۔ ہرچند کوشش کی مگر مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ کیونکہ صاحب حیثیت اور علم کے شائق تھے اس لئے قصد کیا کہ اس کو جرمنی جاکر حل کرائیں۔ حسن اتفاق انھوں نے استاذ العلماء سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اس کا تذکرہ کیا۔ مولانا نے مشورہ دیا کہ آپ بریلی جاکر اعلیحضرت امام احمد رضا سے دریافت کیجئے انشاء اللہ وہ ضرور حل فرمادیں گے۔ سر ضیاء الدین صاحب نے کہا کہ مولانا یہ آپ کیا فرمارہے ہیں کہاں کہاں تعلیم پاکر میں آیا ہوں اور حل نہ کرسکا اور آپ ان صاحب کا نام لے رہے ہیں جنھوں نے غیر ممالک تو کیا اپنے شہر کے کالج میں بھی تعلیم حاصل نہ کی بھلا وہ کیا حل کرسکتے ہیں۔ دوچار روز کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو پریشان دیکھ کر دوبارہ یہی مشورہ دیا لیکن وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ وہ کیا حل کرسکتے ہیں۔ اور یورپ جانے کی تیاری شروع کردی۔ مولانا موصوف نے جب تیسری بار بریلی جانے کو فرمایا تو وہ غصہ بھرے لہجے میں بولے کہ مولانا عقل بھی کوئی چیز ہے آپ مجھے کیسی رائے دے رہے ہیں اس پر مولانا نے فرمایا کہ۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے اتنے بڑے سفر کے لئے بریلی جانا تو کوئی چیز نہیں ہے علی گڑھ سے سیدھی گاڑی جاتی ہے چند گھنٹے کا سفر ہے آپ وہاں ہو تو آئیں ...... پھر تو ان کی سمجھ میں بات آگئی چنانچہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کو لے کر مارہرہ شریف پہونچے اور وہاں سے اعلیحضرت کے پیرزادہ والا درجت جناب سید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین کو لے کر بریلی شریف اعلیحضرت کے دولت کدے پر پہونچے

اور اندرا طلاع بھیجی۔ ان دنوں اعلحضرت کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لیئے سید مہدی حسن صاحب نے کہلا بھیجا کہ میں آپ کو دیکھنے کو آیا ہوں فوراً پردہ کرادیا گیا۔ اور یہ تینوں حضرات اعلحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اعلحضرت نے حضرت سید مہدی حسن میاں کی تعظیم و توقیر شایان شان فرمائی اور مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کے بھی بوجہ سیادت تعظیم کی اور جناب وائس چانسلر سر ضیاء الدین صاحب سے بھی مزاج پرسی فرمائی اور ان کی غرض دریافت کی تو ڈاکٹر نے بتایا کہ میں ریاضی کا ایک مسئلہ حل کرنے آیا ہوں۔ اعلحضرت نے فرمایا۔ پوچھئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ ایسی بات نہیں ہے جسے میں اتنی جلدی عرض کردوں۔ اعلحضرت نے فرمایا کہ آخر کچھ تو فرمایئے۔ غرض ڈاکٹر نے سوال پیش کر دیا۔ اعلحضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ اسکا جواب یہ ہے۔ یہ سن کران کو حیرت ہوگئی اور گویا آنکھ سے پردہ اٹھ گیا اور بے اختیار بول اٹھے کہ میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی چیز ہے آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلے کے حل کے لئے جرمنی جارہا تھا۔ لیکن ہمارے پروفیسر جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہبری فرمائی۔ مجھے جواب سن کر تو ایسا معلوم ہورہا ہے کہ جناب اس مسئلے کو کتاب میں دیکھ رہے تھے سنتے ہی فی البدیہ تشفی بخش نہایت اطمینان کا جواب مرحمت فرمادیا پھر ڈاکٹر صاحب بہت شاداں و فرحاں علی گڑھ واپس تشریف لے آئے۔

شاعری وعلوم

پرانا مشہور مقولہ ہے کہ شخص واحد میں دو چیزیں تحقیقات علمیہ نازک خیالی نہیں پائی جاتی۔ لیکن مولانا احمد رضا کی ذات گرامی اس تقلیدی نظریہ کے عکس پر بہترین دلیل ہے آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر آپ کے دیوان " حدائق بخشش " " حدائق الدطیات و مدح رسول " بہترین شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ فلسفہ علم فلکیات، ریاضی اور دین وادب میں آپ ہندوستان میں صف اول کے ممتاز علماء اور شعراء میں تھے۔

تصنیفات

آپ کی تصنیفات مطبوعہ وقلمی عربی، فارسی اردو زبانوں میں ایکہزار سے زائد ہیں جن میں سے ہم چند کا تذکرہ کرتے ہیں۔

العالم الشاعر

قديما قيل ان التحقيق العلمى الاصيل والخيال الذهنى الخصيب لا يجتمعان فى شخص واحد، ولكن مولانا احمد رضا كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية، فكان شاعرا ذخيال خصيب وتشهد له بذلك دواوينه الشعريه باللغات الفارسية والاردوية والعربية وديوانه المعروف باسم "حدائق بخشش" "حدائق العطيات" ومرح الرسول" مشهور فى اوساط شعراالهند بجانب مؤلفاته القيمة فى علوم الفلسفه والفلك والرياضة والدين والادب۔

مؤلفاته

ويبلغ مجموع مؤلفاته، ما بين مخطوط ومطبوع حوالى الف كتاب فى مختلف اللغات، ونشيرهنا الى بعض مؤلفاته العربية

١- الزلال الانقى عن بحر سفينة التقى فى علم التفسير
٢- حاشية تفسير البيضاوى
٣- حاشية تفسير خازن
٤ حاشية الدر المنثور
٥- حاشية معالم التنزيل
٦- مدارج طبقات الحديث
٧- حاشية البخارى
٨- حاشية مسلم
٩- حاشية الترمذى
١٠- الروض البهيج فى آداب التخريج

وله مؤلفات فى خمسين فنا من الفنون العديدة
ومن اغرب هذه الفنون التى الف فيها مولانا احمد رضا علم الزيجات وعلم الجبر والمقابلة وعلم طبقات الارض. وقد جمعت الفتاوىٰ الشرعية التى اصدرها مولانا احمد رضا فى شتى المسائل الفقهية، فبلغت احد عشر مجلداً وتعرف باسم (الفتاوىٰ الرضوية) وبقا لان معهدان علميان تخليد الذكرى هذا العالم الجليل۔

احدهما "الجامعة الرضوية" بمدينة (بريلى) والاخر "المدرسة الامجدية" بمدينة، كراتشى ويعتبر كل منهما مركز اشعاع للعلوم العربية واسلامية۔

وفاته

توفى مولانا شاه احمد رضا خان رحمة الله عليه فى سنة ١٣٤٠ھ بعد حيات حافلة من انشاة العلمى والفكرى، وبعدان ترك ذخائر قيمة من نتاج لتجاربه العلمية والادبية للاجيال القادمة ومازال ضريحه بمدينة (بريلى) الولاية الشمالية فى الهند مزارا لمـ يديه ومحبيه۔

١- الزلال الانقیٰ عن بحر سفینۃ التقی فی علم التفسیر
٢- حاشیہ تفسیر بیضاوی
٣- حاشیہ تفسیر خازن
۴- حاشیہ درالمنثور
۵- حاشیہ معالم التنزیل
۶- مدارج طبقات الحدیث
۷- حاشیہ بخاری
٨- حاشیہ مسلم
٩- حاشیہ ترمذی
١٠- الروضۃ البہیج فی آداب التخریج"

مولانا احمد رضا کی تصنیفات تقریباً پچاس فنون میں ہیں جن فنون پر آپ نے تصنیفات کی ہیں ان میں سب سے زیادہ نادر علم زیجات (وہ جدول جن سے ستاروں کی رفتار پہچانی جاتی ہے) وجبر ومقابلہ وعلم طبقات الارض ہے۔ مولانا احمد رضا نے اپنی زندگی میں جن فتاویٰ شرعیہ کو صادر فرمایا۔ انھیں کتابی شکل میں جمع کرلیا گیا ہے۔ تقریباً ١٢ جلدوں پر مشتمل ہے جس کا نام فتاویٰ رضویہ ہے۔ حضرت مولانا کی یادگار میں ٢ علمی مرکزی ادارے قائم کردیئے گئے ہیں۔

١- جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف،
٢- دارالعلوم امجدیہ کراچی، جس میں سے ہر ایک علوم عربیہ اسلامیہ کی شعاعوں کا مرکز ہے۔

وفات

مولانا احمد رضا خاں آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تصنیفات کے قیمتی ذخائر وعلمی وفکری سرگرمیوں سے بھرے خزانے چھوڑکر ١٣٤٠ھ میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمایا۔ آپکا مزار بریلی میں مریدین ومحبین کے لئے ہمیشہ زیارت گاہ رہے گا۔

(بشکریہ صوت الشرق قاہرہ)

امام احمد رضا

اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں

ڈاکٹر محمد اسد املکھیڑوی، پیلی بھیتی (علیگ)

جناب ڈاکٹر محمد اسد صاحب املکھیڑوی ضلع پیلی بھیت کے متوطن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طبیہ کالج سے ڈاکٹری پاس کیا اور اب ٹریننگ پریڈ میں ہیں۔ مصروفیت کے باوجود آپنے نہ صرف یہ کہ مضمون لکھا بلکہ مضمون کی فراہمی میں بے پناہ تعاون فرمایا۔ (ایڈیٹر)

اعلیٰحضرت مولانا مولوی الحاج حافظ الحاج احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں ہے آپ کے علم و فضل کے کمالات کی بلندیوں کا اعتراف دنیائے اسلام کے مشاہیر کر چکے ہیں۔ آپ کا قلم ایک طرف عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی وجہ سے نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نغمہ طراز ہے تو دوسری طرف ان اعتقادی گوشوں کی اصلاح کیلئے نشتر ہے جہاں ذرہ بھر نظریاتی خرابی دیکھتے ہیں ان دونوں مقامات سے گزر کر اعلیٰحضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فقہی اور علمی میدان میں علمائے عرب وعجم سے اپنے کمالات کا لوہا منوایا ہے۔

مشاہیر ملت (اپنوں اور بیگانوں) کی اعلیٰحضرت کے متعلق آراء پیش کی جاتی ہیں۔ جن آراء سے فاضل بریلوی کی مذہبی وملی اور سیاسی خدمات کا اظہار ہوتا ہے

- تیرہویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی اور چودہویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں اسکو حق وصداقت کا مینارۂ نور سمجھا جانے لگا جس طرح سے سارے حل وحرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا۔ [1] (فخر خانوادہ اشرفیہ جناب حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمتہ۔)

[1] مجدد اسلام مطبوعہ نوری بکڈپو ہمایوں باغ کانپور ص ۴۴ اور ۴۵۔

امام احمد رضا، سید الفقہا حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد کی نظر میں

سیدی ومولائی اعلیٰحضرت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ العزیز اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین اور شیخ طریقت تھے۔ اگرچہ وہ جملہ علوم معقول ومنقول میں امامت کے درجہ پر فائز تھے مگر فقہ ان کا خاص موضوع تھا۔ اور اس فن میں سند وپاک میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں اور خاص بات یہ ہے کہ عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکا قیمتی اور قابل قدر ذخیرہ تھا اللہ تعالیٰ نے نو پیدا شدہ مذاہب وفرق کے استیصال اور تردید اور مذہب اہل سنت وجماعت کی تائید کیلئے اعلیٰحضرت کو منتخب فرمایا۔ اعلیٰحضرت نے اس کام کو اس قدر کو سر انجام دیا کہ آج سند وپاک میں مذہب اہلسنت اپنی اصلی حالت میں جو نظر آ رہا ہے محض ان کے تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے۔ [2]

امام احمد رضا سید مغفور القادری کی نظر میں

اعلیٰحضرت کا علمی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے تقریباً پچاس علوم وفنون میں ان کی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہر موضوع پر ان کی کتابیں متن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ایک تاریخی ناقابل فراموش وحعانی فرد گزاشت ہوگی۔ اگر ہندستان کے اتنے بڑے عالم مفکر مصنف نعت گو اور سیاسی مدبر انسان کی زندگی کو صرف نکرو نظر کے اختلافات کی وجہ سے گمنامی کے گوشہ میں پھینک دیا جائے۔ [3]

[2] مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ دائرۃ المصنفین لاہور ص ۵۷۔

[3] مقالات یوم رضا حصہ دوم دائرۃ المصنفین لاہور۔ ص ۶۳

امام احمد رضا عبد الستار خاں نیازی صاحب مدظلہ العالی جنرل سکریٹری جمعیۃ العلماء پاکستان کی نظر میں

حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت سے شدید اختلافات رکھنے والے حضرات کو آپ کے علم و فضل غیرت ایمانی اور سیاسی تدبر کا اقرار کرنا پڑا ہے اور یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ قرآن و حدیث، تفسیر فقہ علم کلام تصوف اور سیاسیات ملکی میں فضل و کمال اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت ایک نہایت ہی بالغ نظر، متوازن الفکر و معتدل المزاج مفکر اسلام تھے جنہوں نے علم و کمالات نبوت کو توحید ربانی کا عکس قرار دیا۔ علم غیب پر ایسے محتاط انداز میں لب کشائی کی کہ مخالفین ایک دفعہ تو دم بخود رہ گئے اور خود ساختہ الزامات کی بیہودگی اور نامعقولیت ان کے سامنے الم نشرح ہو گئی۔ ح۱

عبد الستار خاں نیازی مدظلہ العالی
جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے پاکستان

امام احمد رضا ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں

میرے دل میں احمد رضا کیلئے بیحد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔ ح۴

اشرف علی تھانوی

امام احمد رضا مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی علیہ الرحمۃ کی نظر میں

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری قدس سرہٗ میرے نزدیک اس صدی کے فقیہہ اعظم تھے۔ آپ متداول علوم عربیہ ادبیہ میں ماہر کامل، فنون عقلیہ و نقلیہ میں ایجاد و اجتہاد پر فائز تھے۔ ح۳

مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی علیہ الرحمۃ

امام احمد رضا صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی نظر میں

علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کر لیا۔ تفصیل تو ان کے فتویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھیے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم اسلام کے حوادث و وقائع استفتار

امام احمد رضا ملک شیر محمد خاں اعوان صاحب آف کالا باغ کی نظر میں

احمد رضا خاں کسی فرد واحد کا نام نہیں، تقدیس رسالت کی تحریک کا نام تھا۔ عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے پاک باہرکت اور پرسوز دل کا نام تھا۔ اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی احمد رضا خاں کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا ہے۔ اور اب حادثات حیات کا بیدار جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگ دل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی۔

اعلیٰ حضرت کے مخالفین ان کے اپنے دور میں بے شمار تھے اور آج بھی لاتعداد ہیں مگر کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت اس کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج اس کے منور نام کی درخشندگی کم کر سکتے ہیں وہ حب رسالت کا قاسم تھا اس نے تقدیس رسالت کا درس دیا محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر داد تحقیق دی لیکن اگر وہ اتنی پرعظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کا نام زندہ رکھنے کیلئے کافی تھا۔ ح۲

ملک شیر محمد خاں اعوان صاحب آف کالا باغ

ح۱ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۲۵۹ - ۲۶۰

ح۲ محاسن کنزالایمان مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۔ ۲۵ — ۲۶

ح۳ مقالات یوم رضا حصہ اول ۔ مطبوعہ دائرۃ المصنفین لاہور ۔ ص ۵۳ ح۴ اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام ۔ مطبوعہ لاہور ۔

کیلئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بدمذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ ۱

امام احمد رضا سید انور علی صاحب ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی دنیائے اسلام کے زبردست عالم اور شیخ طریقت تھے۔ امام اہلسنت کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ اور اس مقام کے وہ صحیح طور پر مستحق ہیں۔ عالم اسلام میں آپ کے متبعین اور معتقدین لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی شخصیت کے متعلق شبہات پیدا کرنے کیلئے آپ کے مخالفین نے جو الزامات عائد کئے تھے غالباً علوم اسلامیہ میں آپ کے تبحر علمی اور مذہب اسلام میں نومولود فرقہ وہابیہ کے متبعین کے افکار و خیالات کی نشاندہی میں آپ کی استدلالی قوت کی وجہ سے جو دن بدن آپ کی عزت و شہرت میں اضافہ ہو رہا تھا اس سے مخالفین جل رہے تھے۔ ۳

(سید انور علی صاحب ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)

امام احمد رضا پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی نظر میں

فاضل بریلوی متبحر عالم اور بلند پایہ فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی و سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا۔ اور اس میدان میں خوب داد سخن دی۔ آپ کی نعتیں جذبات قلبیہ کا بے سروپا اظہار نہیں بلکہ آداب عشق و محبت کی آئینہ دار ہیں۔ اس حیثیت سے اردو ادب میں آپ نعت گو شعراء کے سرتاج ہیں۔ ۴

(پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مجددی)

امام احمد رضا علامہ اقبال کی نظر میں

ہندوستان کے دور آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتویٰ ان کی ذہانت فطانت جودت طبع کمال نقاہت علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ گویا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ تھے۔ ۲

(ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صاحب مرحوم)

غلام رسول گوہر صاحب مدیر ماہنامہ انوار الصوفیہ کی نظر میں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و عملی اور نظری و فکری فضیلت و برتری کا سورج نہ صرف ہند و پاک کو اپنی نورانی شعاعوں سے روشن کر رہا ہے بلکہ ان شعلوں نے اہل عرب اہل حجاز کو علمی اور نظری و فکری لحاظ سے مستفید کیا ہے۔ وہاں کے اکابر و فضلا نے آپ کی تصنیفات و تالیفات اور آپ کی تحقیقات اور تدقیقات سے متاثر ہو کر آپ کی مدح نہایت پاکیزہ الفاظ میں کی ہے۔ مثلاً شیخ اسماعیل علیہ الرحمۃ (حافظ کتب الحرام مکہ معظمہ) نے آپ کے حق میں لکھا ہے۔

"میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بیشک حق و صحیح ہے۔" ۵

غلام رسول گوہر صاحب مدیر ماہنامہ انوار الصوفیہ

(ضلع لاہور)

---

۱ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۴۔ ۲ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳
۳ فاضل بریلوی علما کے حجاز کی نظر میں مطبوعہ لاہور ص ۲۳۹ ۴ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۸۵۔۸۶ ۵ ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور ضلع لاہور شمارہ دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۳۲

امام احمد رضا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے۔ اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ۱

سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب

امام احمد رضا جسٹس شمیم حسین قادری کی نظر میں

فاضل بریلوی عاشق رسول تھے اور یہی عشق رسول کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے کہ سرور کائنات کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔ قوم پر جب کبھی سیاسی اور تہذیبی مشکل کا وقت آیا تو علمائے کرام ہی آگے بڑھے اور انہوں نے قوم کیلئے قربانیاں دیں۔ ۲

(جسٹس شمیم حسین قادری ہائی کورٹ مغربی پاکستان)

امام احمد رضا، پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے مدیر ضیائے حرم لاہور کی نظر میں

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی زندگی کے یہ چند سال جن کا گوشہ گوشہ علم و عمل کے نور سے منور ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے جو پند و موعظت اور ذکر و ارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے۔ جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو سرشار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشق مصطفےٰ بن کر رہ گیا۔ یہی آپ کا ایمان تھا کہ جب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جان و ایمان اور روح و دین ہے اس کے نیر جار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کردی۔ اس کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کردیں ۳

پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے (ازہر) مدیر ضیائے حرم لاہور۔

امام احمد رضا علامہ علاء الدین صدیقی چیرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل کی نظر میں

جس طرح ادیان عالم میں دین اسلام اسی طرح اسلام کے جملہ فرقوں میں اہلسنت کو خاص حیثیت حاصل ہے آپ نے مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا جب دین کی قدر دوں کو گرایا جارہا تھا اس وقت مولانا الشاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ آگے بڑھے اور انہوں نے دین کی قدر دوں کو ان کے صحیح مقام پر ثبات بخشا۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ امام اہلسنت تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیئے۔ ۴

(علامہ علاء الدین صدیقی صاحب چیرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل)

امام احمد رضا، ڈاکٹر عبد الوحید صاحب بی اے ڈائرکٹر پی، ایچ، ڈی (لندن) کی نظر میں

احمد رضا خاں، بریلوی مدرسہ کے بانی ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے محمد احمد رضا خاں نے علوم دینی و دنیوی کی تکمیل گھر پر اپنے والد مولوی

---

۱ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۴۰

۲ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۸

۳ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۳۲

۴ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۷

امام احمد رضا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے۔ اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ [1]

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

امام احمد رضا جسٹس شمیم حسین قادری کی نظر میں

فاضل بریلوی عاشق رسول تھے اور یہی عشق رسول کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے کہ سرور کائنات کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔ قوم پر جب کبھی سیاسی اور تہذیبی مشکل کا وقت آیا تو علمائے کرام ہی آگے بڑھے اور انہوں نے قوم کیلئے قربانیاں دیں۔ [2]

(جسٹس شمیم حسین قادری ہائی کورٹ منزل پاکستان)

امام احمد رضا، پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے مدیر ضیائے حرم لاہور کی نظر میں

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی زندگی کے یہ چند سال جن کا گوشہ گوشہ علم و عمل کے نور سے منور ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے جو پند و موعظت اور ذکر و ارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے۔ جو پھیلا تو کائنات کی پنہائیوں کو شرمسار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشق مصطفیٰ بن کر رہ گیا۔ یہی آپ کا ایمان تھا کہ جب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جان و ایمان اور روح و دین ہے اس کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کردی۔ اس کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کردیں [3]

پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے (ازہر) مدیر ضیائے حرم لاہور۔

امام احمد رضا علامہ علاء الدین صدیقی چیئرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل کی نظر میں

جس طرح ادیان عالم میں دین اسلام اسی طرح اسلام کے جملہ فرقوں میں اہلسنت کو خاص حیثیت حاصل ہے آپ نے مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا جب دین کی قدر کو گرایا جارہا تھا اس وقت مولانا الشاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ بڑھے اور انہوں نے دین کی قدر دی ان کے صحیح مقام پر ثبات بخشا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ امام اہلسنت تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیئے۔ [4]

(علامہ علاء الدین صدیقی صاحب چیئرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل)

امام احمد رضا، ڈاکٹر عبدالوحید صاحب بی اے، پی ایچ، ڈی (لندن) کی نظر میں

احمد رضا خاں، بریلوی مدرسہ کے بانی ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے محمد احمد رضا خاں نے علوم دینی و دنیوی کی تکمیل گھر پر اپنے والد

---

[1] مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۴۰

[2] مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۸

[3] مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۳۲

[4] مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۷

محمد نقی علی خاں سے کی۔ دومرتبہ حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ درس و تدریس کے علاوہ مختلف علوم و فنون پر کئی کتابیں رسالے تصنیف و تالیف کئے جن میں بارہ جلد وفتویٰ رضویہ کا مجموعہ ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔ علوم ریاضی اور جعفر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعروشاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بہت سی نعتیں اور سلام لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو وفات پائی۔ مسلمانوں کا بریلوی فرقہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔ ۱

ڈاکٹر عبدالوحید صاحب بی اے آنرز پی ایچ ڈی۔ (لندن)

مولانا ماہرالقادری صاحب مدیر ماہنامہ فاران کراچی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے یہاں تک تک کہ ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ دینی علم و فضل کے ساتھ ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے۔ اور ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔

مولانا احمد رضا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ہے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں۔

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔ ۲

(مولانا ماہرالقادری صاحب ماہنامہ فاران کراچی)

امام احمد رضا، افتخار اعظمی صاحب کی نظر میں

احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہانت متبحر عالم تھے۔ وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اسی لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا مسہ انہیں طبقہ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہئے۔ ان کا زبان میں پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ چونکہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے۔ ۳

امام احمد رضا
ملک غلام علی نائب مودودی صاحب کی نظر میں

حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاوے کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ ۴

(ملک غلام علی نائب مودودی صاحب)

امام احمد رضا معین الدین ندوی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم اس دور کے صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصًا فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی مولانا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جواب تحریر فرمائے ہیں اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت قرآنی استحضار ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے عالمانہ محققانہ فتاوے مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔ ۵

(معین الدین ندوی)

۱۔ اردو انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور ص ۸۶
۲۔ ماہنامہ فاران کراچی ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴۔۴۵
۳۔ ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۶۲ء
۴۔ ارمغان حرم مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۴
۵۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر ۱۹۴۹ء

محمد نقی علی خاں سے کی ۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے گئے درس و تدریس کے علاوہ مختلف علوم و فنون پر کئی کتابیں رسالے تصنیف و تالیف کئے جن میں بارہ جلدوں فتویٰ رضویہ کا مجموعہ ہے ۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا ۔ علوم ریاضی اور جفر میں بھی مہارت رکھتے تھے ۔ شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بہت سی نعتیں اور سلام لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو وفات پائی مسلمانوں کا بریلوی فرقہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے ۔ ۱

ڈاکٹر عبدالوحید صاحب بی اے آنرز پی ایچ ڈی ۔ (لندن)

مولانا ماہر القادری صاحب مدیر ماہنامہ فاران کراچی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے یہاں تک کہ ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے ۔ دینی علم و فضل کے ساتھ ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے ۔ اور ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول کو اپنے افکار کا موضوع بنایا ۔

مولانا احمد رضا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے ۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ہے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے ۔ ۲

(مولانا ماہر القادری صاحب ماہنامہ فاران کراچی)

امام احمد رضا، افتخار اعظمی صاحب کی نظر میں

احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس پر کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین متبحر عالم تھے ۔ وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اس لئے ان کی شاعرانہ تحقیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقہ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہئے ۔ انہیں فن اور زبان میں پوری قدرت حاصل ہے ۔ ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے ۔ چونکہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے ۔ ۳

امام احمد رضا

ملک غلام علی نائب مودودی صاحب کی نظر میں

حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں ۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاوے کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے ۔ ۴

(ملک غلام علی نائب مودودی صاحب)

امام احمد رضا معین الدین ندوی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم اس دور کے صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے ۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی مولانا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جواب تحریر کئے ہیں اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت قرآنی استحضار ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ۔ ان کے عالمانہ محققانہ فتاوے مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں ۔ ۵

(معین الدین ندوی)

۱ اردو انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص ۸۶
۲ ماہنامہ فاران کراچی ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴-۴۵
۳ ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۶۲ء
۴ ارمغان حرم مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۴
۵ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر ۱۹۴۹ء

امام احمد رضا

پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کراچی کی نظر میں

علامہ فاضل مولانا احمد رضا خاں بریلوی چودھویں عیسوی کے نامور عالم اور مصنف تھے۔ ان کی تمام تر زندگی تصنیف و تالیف اور علوم اسلامیہ کی خدمت میں گذاری اور انہوں نے اپنے پیچھے تصانیف کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے جس کا بیشتر حصہ علم کلام عقائد اور فقہ پر مبنی ہے اگرچہ فاضل بریلوی تمام علوم متداولہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ مگر فقہ میں ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ ان کی فقہی جامعیت کا اندازہ ان کے فتویٰ سے ہوتا ہے۔

فاضل بریلوی نے حنفیت کی بڑے زور و شور سے تبلیغ و اشاعت کی اور اس میں ان کو اس قدر شہرت ہوئی کہ وہ ایک مکتبۂ فکر کے بانی قرار پائے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاضل بریلوی خاتم الحکما د مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا فضل رسول بدایونی کے سلسلے کی آخری کڑی تھے۔ ۱

پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کراچی

امام احمد رضا، مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب کی نظر میں

حضرت مولانا احمد رضا خاں مرحوم اس عہد کے چوٹی کے عالم تھے جزیات فقہیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ قاموس الکتب اردو جو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کی نگرانی میں مرتب کی ہے اس میں مولانا کی کتب کا ذکر کیا اور اس پر نوٹ بھی لکھے۔ ترجمہ کلام مجید اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ مولانا کا نعتیہ کلام پر اثر ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سراج الحق P.H.D. تو مولانا کے کلام کے گرویدہ ہیں۔ اور مولانا کو عاشق رسول سے خطاب کرتے ہیں۔ مولانا کی دینی معلومات پر گہری نظر تھی۔ ۲

(مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب)

امام احمد رضا رئیس امروہوی کی نظر میں

مولانا الشاہ احمد رضا کی وسیع تصانیف کا مطالعہ تو میں نہیں کر سکا البتہ کچھ چیزیں ضرور دیکھی ہیں۔ میرا خیال شاہ صاحب اور دوسرے نقطہ ہائے نظر کے علماء کے متعلق یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کسی بزرگ کی کچھ باتوں سے اختلاف بھی ہو جب بھی علم اور تاریخ میں ان کا جو حصہ شامل ہے اسے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا نیز تعمیری نقطۂ نظر میں اسکو سمجھتا ہوں کہ ہم مختلف مدارس فکر کی شخصیتوں کو اپنے خاندان ملت کے شرکار مان کر ان کی اچھی باتوں سے استفادہ حاصل کریں اور اگر کچھ باتیں ہمارے معیاروں پر پوری نہ اتریں تو ان کو اچھالنے اور ان کو ذریعہ نفرت و نزع بنانے کے بجائے ان سے صرف نظر کریں۔ یہ نقطۂ نظر ایسے عناصر کے متعلق نہیں جو توحید یا منصب رسالت یا ختم نبوت یا کسی اور بنیادی عقیدے کو مجروح کر کے جداگانہ راستہ نکالنے والے ہوں۔ ۳

(رئیس امروہوی صاحب)

امام احمد رضا عبدالحئی صاحب کی نظر میں

فقہ حنفی اور اس کے جزیات پر عبور حاصل کرنے میں اپنے زمانہ میں نامور روزگار تھے جس پر ان کے فتویٰ کا مجموعہ شاہد ہے نیز ان کی کتاب کفل الفقیہ .... جسے انہوں نے سنہ ۱۳۲۳ھ میں قیام مکہ (معظمہ) کے دوران تحریر کیا شاہد ہے۔ ۴

(عبدالحئی صاحب لکھنوی)

امام احمد رضا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی نظر میں

وہ جید عالم متبحر حکیم عبقری فقیہہ صاحب نظر مفسر قرآن عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے لیکن ان تمام درجات رفیع سے بھی بلند ان کا درجہ ہے اور وہ ہے عاشق رسول کا۔ ۵ (ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب)

---

۱ مقالات رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۲۷

۳ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۷۶ - ۷۷

۵ پیغامات یوم رضا مطبوعہ لاہور ص ۳۵

۲ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۲۰

۴ نزہۃ الخواطر جلد ۸ مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۹

امام احمد رضا پروفیسر سلیم چشتی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے سرکار ابد قرار زبدہ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو سلام منظوم پیش کیا ہے اسے یقیناً شرف قبولیت حاصل ہوگیا۔ کیونکہ ہند و پاک میں شاید ہی کوئی عاشق رسول ایسا ہوگا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کرلیے ہوں۔ ۱ے

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب)

امام احمد رضا ڈاکٹر نسیم قریشی صاحب ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں مرحوم و مغفور علوم و فنون کے جامع تھے اور نعت گوئی میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے اور وہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ۲ے

(ڈاکٹر نسیم قریشی صاحب ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

امام احمد رضا ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی صدر شعبۂ اردو کی نظر میں

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے واقفیت بچپن ہی سے ہے۔ آپ کے علم و فضل تقویٰ و تقدیس حمیت دینی و حرارت ایمانی کا ذکر اکثر اپنے بزرگوں سے سنا۔ فقیہہ اسلام اور مترجم قرآن شریف کی حیثیت سے حضرت کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے اس کا اعتراف تمام اہل نظر نے کیا ہے۔ حضرت مولانا کے شاعرانہ کمالات سے کمی حال ہی میں شناسائی ہوئی بالخصوص نعتیہ کلام نے خاص طور پر متاثر کیا۔ آپ کے کلام میں جو والہانہ سرشاری سپردگی اور سوز و گداز کی کیفیت ملتی ہے وہ اردو کے نعت گو شعراء میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے لیکن ہر جگہ حدود شرعی کا لحاظ رکھا گیا ہے نعتیہ شاعری بڑی نزاکت اور ذمہ داری کا کام ہے اکثر شعراء سے اس راہ میں لغزش ہو جاتی ہے۔ حضرت کے کلام کے متعلق بلا خوف و تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ ہر ایک اعتبار سے ایک بلند مرتبہ شاعر ہیں اردو کی نعتیہ شاعری کا کوئی جائزہ حضرت کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ ۳ے ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

امام احمد رضا

محمد عبد الحکیم شرف قادری بریلوی کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین فخر المحققین مولانا نقی علی خانصاحب اور جد امجد بحر العلوم والفنون و رئیس المدققین یگانہ روزگار ہستیاں تھیں۔ اور فضل و کمال میں بے مثال ان حضرات کی تربیت میں آپ نے صرف ۱۳ سال دس ماہ کی عمر میں تمام مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کرلی اور ایک وہ وقت آیا جبکہ اہل علم نے آپ کو بالاتفاق مجدد عصر تسلیم کرلیا۔

آپ نے کم و بیش چھوٹی بڑی ایک ہزار کتابیں لکھیں لیکن جنہیں علماء و فضلاء کے طبقے میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اپنی افادیت کے پیش نظر بیحد مقبول ہیں۔ اگر مخالفین بھی ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں تو انہیں مصنف کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ۴ے

(محمد عبد الحکیم شرف قادری بریلوی ہری پور ہزارہ)

امام احمد رضا

سید عابد علی صاحب عابد بریلوی کی نظر میں

سیدنا امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ عظیم البرکت امام اہلسنت مجدد دین و ملت فاضل اجل عالم بے بدل شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات ہندستان پاکستان اور عرب و عجم میں محتاج تعارف نہیں۔ ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ فقہ و حدیث فلسفہ و منطق ادب و تاریخ تفسیر و کلام بیان و بدیع جملہ فنون ریاضیہ فن شعر و عروض غرضیکہ کون سا علم ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہیں۔ زبردست خطیب و مقرر صاحب کثیر التصانیف مصنف بلند پایہ محقق عربی و فارسی زبان و ادب کے زبردست اسکالر اردو کے بہت بڑے

۱ے ندائے حق جونپور ۱۹۶۰ء ص ۱۳ بحوالہ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر مطبوعہ لاہور ص ۸

۲ے اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر طبع ثانی اندرونی ٹائیٹل صفحہ

۳ے ڈاکٹر صاحب کا مکتوب گرامی بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب مدظلہ العالی روح رواں مرکزی مجلس رضا لاہور

۴ے ایذان الاجر ۳

محسن غرضیکہ ہندوستان میں ایسی باکمال ہستیاں بہت کم ہوئی ہوں گی۔ ہندی مسلمان اس مایہ ناز ہستی پر جتنا بھی فخر کریں درست ہے۔ کمالات ظاہری کو دیکھ کر جید علماء کی آنکھیں خیرہ اور حسن باطنی کو دیکھ کر اہل بصیرت حیران علم و ہدایت کا سرچشمہ جس سے ہزاروں علمائے دین و شریعت فیضیاب اور لاکھوں تشنہ کامان معرفت سیراب زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف رضائے مولا چلنے پھرتے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سونے جاگنے غرضیکہ تمام جزئیات حیات میں پیروی سنت کا التزام بات چیت میں تحریر و تقریر میں نثر و نظم میں خیال و تصور غرض ہر امر میں شریعت مطہرہ کا احترام یہ ہیں وہ اوصاف جنہیں ہر دیکھنے والی آنکھ اس مقدس ذات میں دیکھتی رہی۔ [1]

(سید عابد علی صاحب عابد بریلوی)

امام احمد رضا ڈاکٹر حامد علی خانصاحب کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی عابد و زاہد خوش خصال مزاجی حاضر جواب ذکی و ذہین صاحب الرائے خطیب و مناظر اور جملہ علوم و فنون میں ماہر تھے۔ عربی و فارسی اور اردو میں ۳۵۰ علمی یادگاریں چھوڑ کر ۱۳۴۰ھ میں انتقال کیا۔ رضا صاحب تینوں مذکورہ زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے۔ اور ایک غیر مطبوعہ دیوان بھی ہے۔ [2]

ڈاکٹر حامد علی خانصاحب لکچرار شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

امام احمد رضا

ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر مہر ماہ لاہور کی نظر میں

اعلیٰ حضرت ایک فاضل مفسر عظیم محدث اور بلند پایہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فطری و ذہنی شاعر بھی تھے۔ انہیں جملہ مشہور اصناف سخن مثلاً رباعی نعت اور قصیدہ وغیرہ پر کامل دسترس اور مہارت تامہ حاصل تھی۔ [3]

(ابوالطاہر فدا حسین صاحب فدا مدیر مہر ماہ لاہور)

امام احمد رضا، حافظ بشیر احمد غازی آبادی کی نظر میں

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ حضرت فاضل بریلوی نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شریعت کی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا یہ سراسر غلط فہمی ہے جس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہم اس غلط فہمی کی صحت کے لئے آپ کی ایک نعت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کی کیسی فصیح و بلیغ تائید ہے۔ جتنی بار پڑھے کہ خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے" دل ایمانی کیفیت سے سرشار ہوتا چلا جائے گا۔ بیشک جس کے لئے زمین و آسمان پیدا کئے گئے وہ خدا کا محبوب ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے معراج کی عظمت سے نوازا جو شافع محشر ہے۔ وہ یتیم عبداللہ آمنہ کا لال وہ ساقی کوثر وہ خاتم الانبیاء اور خیر البشر وہ شہنشاہ کونین وہ سرور کون و مکان وہ تاجدار دو عالم جس کا سایہ نہ تھا اس کا ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ بیشک وہ خالق کا بندہ ہے اور خلق کا آقا ہے۔ [4]

(حافظ بشیر احمد غازی آبادی)

امام احمد رضا

مداح رحمۃ اللعالمین حافظ مظہر الدین صاحب کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کے نغموں سے عشق و مستی کا جہاں آباد ہے دلوں کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ عشق کو فروغ نصیب ہو رہا ہے۔ اور محبت زمزمہ خواں بنکر روحوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے۔ [5]

(مداح رحمۃ اللعالمین حافظ مظہر الدین صاحب راولپنڈی)

---

[1] پاسبان کا امام احمد رضا نمبر ۱۹۶۲ء ص ۳۶ [2] ہندوستان کے ۶ بی گو شعرا غیر مطبوعہ ص ۲۳۶ [3] اعلیٰحضرت کی شاعری پر ایک نظر ص ۴ [4] ایضاً ص ۲۷ [5] پیغامات یوم رضا صفحہ ۴۳

سپہر علم و ادب آفتاب فضل و ہنر
امیر قافلۂ فن امام نقد و نظر

ارشادات

(نظم و نثر)

۱

امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں

۲

امام احمد رضا سے ایک یادگار انٹرویو

۳

کلام الامام امام الکلام

امام احمد رضا

مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مصطفیٰ علیخاں مہتاب افتخاری سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ

کسی بھی شخصیت کے اصلی خدوخال پڑھنے کے لئے اُس کے خطوط و مکتوبات کا مطالعہ سب سے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔ نجی مکتوبات میں تصنع اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ ہر لفظ بے لاگ اور ہر جملہ برجستہ ہوتا ہے۔ مکتوبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اشخاص کی زندگی کا صحیح آئینہ دار ہوتے ہیں۔ مکتوبات میں مکتوب نویس کی زندگی آداب و القاب کے بوجھ تلے دب کر نہیں رہ جاتی ہے بلکہ ایک صاف شفاف تالاب میں کنول کے پھول کی طرح اُبھر کر وہ جلوہ طرازیاں کرتی ہے کہ دیکھنے والے عش عش کرنے لگتے ہیں۔

دنیا کے ادب میں مکتوبات نے بھی ایک ادبی حیثیت حاصل کرلی ہے اور شخصیتوں کی زندگی کے ہر گوشے کو نمایاں کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جارہا ہے۔

ہم انھیں نظریات کی روشنی میں امام احمد رضا کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

مناظرہ

آپ نے اپنے ایک خط مرقومہ ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ بنام مولوی ظفرالدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"کلکتہ میں دیابنہ کا جلسہ تھا وہاں بھی جاکر مناظرہ کا غل کیا پندرہ پندرہ ہزار روپئے جمع کردینے ٹھہرے۔ تاروں اور خطوں پر ۱۲ دن مکالمہ رہا مگر نہ تھانوی نے اقرار مناظرہ کیا نہ دیابنہ جم سکے ——— اسی طرح ماہ صفر میں رہتک ضلع پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے ہی خط پر فرار کیا"

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مناظرے سے فرار دیوبندیوں اور وہابیوں کی عادت ثانیہ ہے۔ مناظرے سے پہلے تار اور خطوط کے ذریعہ اُلجھانے کی ہمیشہ کوشش نامسعودان کا وطیرہ ہے۔ بھیرٹی کے مناظرے میں بھی یہی سب کچھ ہوا تھا۔ جس کی طرف امام احمد رضا نے اشارہ فرمایا ہے۔

شاگردوں سے محبت

آپ اپنے شاگردوں سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی علمی قابلیت کو سراہتے تھے چنانچہ خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کو لکھتے ہیں۔

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفرالدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی۔ اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کرسکتے ہیں۔ (۷) علماء زمانہ میں "علم توقیت" سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامہ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بن پائے جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہِ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔

یہ خط ۵ شعبان المکرم ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا تھا۔

اس خط کا مطالعہ بتاتا ہے کہ "امام احمد رضا علم توقیت" سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے جبھی تو اپنے ایک شاگرد کے "علم توقیت" پر عبور کو کس درجہ اعتماد کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور یہ اظہار بھی مترشح ہے کہ آپ اپنے زمانے میں علم توقیت سے لوگوں کی عدم توجہی پر ماتم کناں ہیں اور اس علم کی اہمیت پر زور دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ "امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے۔ "آج کی ہماری علمی درسگاہیں جنھیں ہم دارالعلوم کہتے ہیں اس علم سے کسی قدر بے خبر ہیں

علم توقیت وہ علم ہے جس کے ذریعہ اوقات طلوع وغروب ونصف النہار برائے زمانہ مستقبل آج بنایا جاسکے اس کے لئے علم ہیئت وریاضی اور طول البلد عرض البلد کا جاننا بھی ضروری ہے۔

وہابیہ کی فطرت ایک خط میں جو مولوی ظفر الدین صاحب کے نام ہے لکھتے ہیں۔

"ہٰذا یہ بلندہ برنگ مرسل ہے۔ وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے مدت سے ان کی تمنا تھی کہ اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے۔

نوٹ کیجئے وہابیوں کی فطرت کا کتنا اچھا تجزیہ کیا ہے وہ ہمیشہ سنیوں کو الجھانے کے لئے "اصول دین" سے ہٹ کر کسی "فرعی مسئلہ" کو چھیڑ دیتے ہیں۔ یہ سُنیوں کے لئے انتباہ ہے۔

سفید داغ کا مجرب نسخہ امام احمد رضا جنھیں طب میں بھی شغف تھا۔ مرض سفید داغ کے لئے ایک مجرب نسخہ تحریر فرماتے ہیں

"صندل سفید ۱ ماشہ، سم الفار سنکھیا ۱ ماشہ ہر دو را خوب سحق کردہ قدرے بر داغ سفید خوب بمالند تا آنکہ آب از آں داغ برآمد۔ ہر دو وقت بمالند جوش خواہد کرد روغن بر آتش داشتہ ٹکیہ برگ نیم دراں اندازہ وقتیکہ سوختہ شود بر دارد روغن صاف کردہ بر جراحت رسانده خواهد شد و بدن برنگ اصلی می رسد۔

ترجمہ:۔ صندل سفید ۱ ماشہ، سم الفار سنکھیا ۱ ماشہ دونوں کو خوب سحق کرکے کچھ سفید داغ پر خوب ملئے یہاں تک کہ اس میں سے پانی نکلنے لگے۔ دو وقت ملئے۔ تیل کو آگ پر خوب جوش دے کر اس میں نیم کی پتیوں کو ٹکیہ بنا کر تیل میں اتنا پکائے کہ وہ جل جائیں بعد ازاں تیل کو صاف کرکے مالش سے پیدا ہونے والے زخموں پر لگائے جسم کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آجائے گا۔

شب برات کی فضیلت ایک خط میں شب برات کی فضیلت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان سچے دل سے ایک دوسرے سے محبت کریں۔ آپس میں نفاق نہ رکھیں کہ نفاق مولا تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ سچے دل سے صلح و معافی ہونی چاہئے۔ مصالحت اخوان اور معافی حقوق یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے۔ اس لئے اس کی اجرا میں کوشش ہونی چاہئے۔ یہ سنت حسنہ ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا جو مُردہ سنتوں کو زندہ کرتے تھے اپنے منصب مجددیت کے فرائض کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خط کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ شب برات قریب ہے اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پُرنور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے مگر چند ان میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں فرماتا ہے ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کریں۔ لہٰذا اہلسنت کو چاہئے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کریں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں یا معاف کرالیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہو کر بارگاہ عزت میں پیش ہوں۔ حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبہ صادقہ کافی ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامہ ہے بشرط صحت عقیدہ وھو الغفور الرحیم۔ یہ سب مصالحت اخوان و معافی حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجراء کرکے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہٗ اجرہٗ واجر من عمل بھا الیٰ یوم القیٰمۃ لا ینقص من اجورھم شیئا کے مصداق ہوں۔

یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ اُن کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو و عافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔

علم کی پیاس ایک خط میں اپنی طویل علالت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"۲۲ ذیقعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے۔

اس بیماری میں المنک ۱۹۱۸ء منگانی یاد نہ رہی ______

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا کو بیماری کے عالم میں بھی علم سے جو شغف تھا وہ بدرجۂ اتم تھا۔ مطالعہ جاری رہتا تھا۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ مطالعہ سے خالی نہیں تھا۔

دوسرے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مطالعہ کے معاملے میں اعلیٰ حضرت متعصب نہیں تھے بلکہ کتاب خواہ انگریز کی لکھی ہو یا کسی بددین کی، ضرور مطالعہ فرماتے تھے۔ اور اس سے فیض اٹھاتے تھے۔

المنک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ستاروں کی چال، اوقات طلوع وغروب وغیرہ ہوتے ہیں جس کو ہندی میں پنچانگ کہتے ہیں۔ یہ اسپینی عربی لفظ المناخ

سے مشتق ہے کچھ علمائے لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ مصری لفظ "المنیخیا" نا سے مشتق ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم کے معاملے میں انسان کو وسیع النظر ہونا چاہئے۔

فتاویٰ نویسی

ایک خط میں امام احمد رضا نے اپنی دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے پہلا فتویٰ ۱۳ سال کی عمر میں لکھا تھا۔ اور ۱۳۳۶ھ تک ان کے فتاویٰ نویسی کی عمر ۵۰ سال ہوئی تھی۔

" فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر ۷ دن اور زندگی بالخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہو نگے۔"

تنگ نظری کا بے بنیاد الزام

دشمنانِ امام احمد رضا نے یہ بے پر کی بات اڑا رکھی ہے کہ اعلیٰ حضرت کسی غیر سنی کی مجلس میں بیٹھنے سے تعصب کی حد تک پرہیز کیا کرتے تھے۔ غیر سنیوں سے کسی قسم کی ہم مجلسی اور گفت و شنید کو برا سمجھتے تھے ــــ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

" ۱۳ تا ۱۵ رجب مطابق ۲۴ تا ۲۶ مارچ سے گاندھویوں (گاندھی وادیوں) کا بھاری جلسہ بریلی میں ہونے کو ہے احباب کی رائے ہے کہ اپنے علماء بھی ایام ندوہ کی طرح جمع ہوں۔ اگر یہ قرار پایا تو آپ کو آنا ضرور ہوگا۔ تیار رہئے اگر میں ۱۱ یا ۱۲ رجب کو تار دوں تو باذنہٖ تعالیٰ فوراً تشریف لائیے۔"

اس خط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا ایسے جلسوں میں شریک ہونے کو مفید سمجھتے تھے جو مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے منعقد ہوتے تھے چنانچہ امام موصوف اپنے نقطۂ نظر اور سنی موقف کی وضاحت کے لئے اشد ضروری خیال فرماتے تھے کہ شرکت کی جائے۔

امام موصوف کی اس "نباضیٔ وقت" اور "مدبرانہ روش" کو مجروح کرنے کے لئے ہمارے بعض علماء بھی غیر شعوری طور پر اسیرانِ تو ہب کے پروپیگنڈہ کے شکار ہوگئے اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں صرف یہ آتا ہے کہ چونکہ ان علماء کا مبلغ علم سطحی ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں احساس کمتری کے ساتھ جارحانہ علیحدگی پسندی بھی پیدا ہو گئی۔ صرف درسی کتب کا مطالعہ کافی نہیں ہے جیسا کہ امام احمد رضا نے اپنے ایک خط مرقومہ ۱۵ ذی الحجہ یوم الاحد ۱۳۳۶ھ میں تحریر فرمایا ہے۔

" درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسانی کوئی لیاقت جناں درکار نہیں۔"

اس لئے ہم علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ترک کریں اور غیر سنیوں کو بائیکاٹ کرنے کے بجائے انھیں اپنے موقف سے آگاہ کریں۔ ہماری پالیسی میں بڑی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ وہابیت اور دیوبندیت کو اپنی عدم موجودگی سے قیادت کے اعادہ کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہئے۔

بیمہ یا انشورنس

بیمہ یا انشورنس سے متعلق عام مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں۔ امام احمد رضا نے اپنے ایک خط کے ذریعہ اس گتھی کو بھی سلجھا دیا ہے اور انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

" جبکہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اسکے سبب اس کے ذمے کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت

ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو خلاف شرع احتیاط کا پابند بناتا ہو مسلمان کے لئے کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ اور بیمہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ہے۔

عشقِ رسول

امام احمد رضا کو جو بے پناہ عشق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی والہانہ عشق کا تذکرہ اپنے ایک خط بنام مولوی عرفان علی اس طرح کرتے ہیں کہ ہند تو ہند ہے مکہ میں مرنے کے لئے بھی راضی نہیں ہیں بلکہ ان کی دلی تمنا ہے کہ مدینہ میں اپنی جان دیں۔ کیا محبت ہے کیا جذبہ ہے۔

" وقتِ مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔

مشورۂ احباب

امام احمد رضا احباب کے مشورے کو نہایت اہم تصور فرماتے تھے چنانچہ ایک خط میں مولانا ظفر الدین کو لکھتے ہیں۔

" آپ کا رسالہ موذن الاوقات آیا۔ نام بھی نہایت مناسب و موزوں پایا۔ اس کے مقصد اول و خاتمہ کو ضرور دکھا لینا چاہئے اور تذہیب کا حرف بہ حرف قبل طبع دکھا لینا فرض اہم ہے۔ مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے۔"

اردوئے معلّیٰ

اب آخر میں ہم امام احمد رضا کے خط کا ایک اقتباس پیش کریں گے جس کو پڑھ کر ناظرین کو مرزا غالب کے مکتوبات پڑھنے کا لطف آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ امام نے اردوئے معلیٰ تحریر فرمایا ہے۔

" کاغذ کے نمونے آگئے واقعی بہت گراں ہیں۔ حاجی عیسیٰ گئے

مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہوگی۔ کلکتہ میں بھی ایک عالم سنی کی بہت ضرورت ہے۔ حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ برکات دے۔ تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے انھیں دین کا کم خیال ہے اور جنھیں دین ہے ان سے عرض ہے افلاس کا مرض ہے۔ ورنہ کلکتہ میں حمایت دین کے لئے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز تھے۔ ادھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت میں نے سنا کہ سولہ ہزار روپے سالانہ کی جائداد اس کے لئے وقف ہے۔ اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہو جائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ افسوس کہ ادھر نہ مدرس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حاجی صاحب نے چٹائیوں کی نسبت پھر کچھ نہ لکھا اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے بطور خود یہ کام بہ نیت لوجہ اللہ کیا اس کے اس کا معاوضہ نہیں تو بیشک نہیں۔ وجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا اور اگر میرے لکھنے کی بنا پر میری وجہ سے ہے تو حاشا نہ یہ میرا مقصود تھا نہ اب منظور۔ لہٰذا بات صاف ہونا ضرور۔

(ماخوذ از حیات اعلیٰ حضرت مولفہ ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ)

امام احمد رضا سے

ایک یادگار انٹرویو

از:۔ حضرت ملا فاتح۔ ممبئی

المیزان کے قارئین کو یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ مابدولت یعنی ملا فاتح المیزان کا قدیم کالم نگار ہے، اور "آنکھیں میری باقی اُن کا" کے عنوان سے المیزان کے صفحات میں آ تا رہا ہوں۔ سب سے پہلے اگست ۱۹۷۶ء کے شمارے میں میری شرکت "دیوبند سے دیوبند تک" کے عنوان سے ہوئی۔ اس شمارہ میں آپ کے ملا نے اپنا تعارف یوں پیش کیا تھا۔

محترم قارئین! ملا فاتح ایک معروف ترین بین الاقوامی شہر بمبئی میں رہتا ہے، بمبئی کی مخصوص بولی بولنے کا عادی ہو گیا ہے۔ جہاں اکثر یہ بولا جاتا ہے کہ "میں بولوں گا تو بولو گے کہ بولتا ہے" لہٰذا میرے الفاظ میں، انداز بیان میں حیدرآباد کی بولی کی شیرینی و تلخی بھی شامل رہے گی۔۔۔

ستمبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ سے ملا نے عنوان کو بدل کر "آنکھیں میری باقی ان کا" رکھا۔ اس عنوان میں شیخ الاسلام حضرت مدنی میاں کی رائے شامل تھی۔ اس کا تفصیلی تذکرہ ستمبر ۱۹۷۶ء کے المیزان میں ہے۔ اور پھر اس کے بعد ملا چل پڑا۔ خوب چلا، ایک مضمون پر انعام بھی رکھا اور انعام تقسیم بھی کیا۔ الغرض ملا فاتح المیزان کی دنیا میں بھی ایک اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مذہبی پلیٹ فارم پر آنے کے بعد میری معلومات میں کافی سے زیادہ اضافہ ہوا۔ اب تک تو میں "صحافی محض" تھا۔ المیزان کی وابستگی نے مجھے دین و دھرم سے کما حقہ واقف کرایا۔ مذہب کے نام پر تقسیم ہونے والی ٹولیوں سے بھی کما حقہ آگہی ہوئی۔

بات ہے یہ فروری ۱۹۷۸ء کی۔ جبکہ بمبئی کی گلی گلی میں محرم الحرام کی مجلسوں کی دھوم مچی تھی۔ ملا فاتح کا یہ تو حوصلہ رہا نہیں کہ مولوی حضرات کے جلسوں میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا، مگر میں المیزان کے راہی صاحب کا مشکور ہوں۔ جنہوں نے میرے اندر چھپے ہوئے "سنی" کو جگانے میں بڑی مدد کی۔ جو باپ دادا سے وراثتہً سینے میں محفوظ تھا۔

نیاز، فاتحہ، عرس و چہلم، صندل و چادر بمبئی کی دھرتی پر اس کا مظاہرہ مسلسل دیکھنے میں آتا رہا ہے اور اب راہی صاحب کی بدولت علمائے کرام کے وعظوں کا بھی نظارہ ہو رہا ہے، اور پھر اسی طرح ۹ مارچ ۱۹۷۸ء کو "مجدد اعظم کانفرنس" میں بھی شرکت ہوئی۔ آل انڈیا سنی لیگ کی کمان میں بولنے والوں کے مطابق پہلی بار یہ کانفرنس کی گئی جس کی صدارت نوجوان مولانا جناب عبید اللہ خاں اعظمی کر رہے تھے، اور خصوصی مقرر کی حیثیت سے مولانا ہاشمی میاں نے تقریر کی۔ فاضل بریلوی حضرت علامہ احمد رضا خاں کے بارے میں ملا فاتح کو پہلی بار اس قدر تفصیلات معلوم ہوئیں۔ بس پھر کیا تھا؟ دلچسپی میں اضافہ ہوا، حضرت فاضل بریلوی کو پڑھنے اور سمجھنے کو جی چاہنے لگا۔ خوشی یہ ہوئی کہ آل انڈیا سنی لیگ نے فاضل بریلوی پر کام کرنے کا اعلان کیا۔ اور مرکزی مجلس رضا کے قیام کا ریزولیشن پاس کیا۔ قوم کی خوش بختی کہ سنی لیگ نے ریزولیشن پاس ہی نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کرنے کے لئے "المیزان" کو منتخب کیا اور "امام احمد رضا نمبر" کی تیاریوں کی جانب چل پڑی۔ ایک دن ایڈیٹر المیزان نے طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ملا فاتح! تم بھی امام احمد رضا پر کچھ لکھو۔ کتابوں کی ضرورت ہو تو آفس سے لیجاؤ اور جم کر مضمون لکھو آفس المیزان میں آ کر دیکھا کہ ایک سے ایک علمی اور ادبی شخصیتوں کے قلمی شاہکار آ رہے ہیں۔ اور پھر اپنے کو دیکھا، اپنی علمی کمزوریوں و کوتاہی کو دیکھا، وقت کا مجدد، علم کا ہمالہ، فضل کا سمندر ایک طرف، دوسری طرف ایک کم علم، نافہم اور فکر و شعور کا بھکاری ملا فاتح، لیکن المیزان کے "امام احمد رضا نمبر" میں شرکت کا سعید موقع آواز دے رہا تھا کہ ملا ایسا وقت بار بار نہیں آتا۔ اٹھو اور امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں جو کچھ بھی ہو سکے خراج عقیدت پیش کر کے احسانمندوں کے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔ بہت سوچا، سمجھا، فکر کیا کہ المیزان کے تحقیقی اور تاریخی امام احمد رضا نمبر میں کس انداز سے شرکت کی جائے، آخر کار فکر کو سہارا ملا شعور کو راہ ملی اور نکل پڑا، بارگاہ امام احمد رضا میں وہ امام جو چودھویں صدی کا مجدد، ہزار کتابوں کا مصنف، پچاس علوم و فنون کا واقف کار، علماء حرمین کی آنکھوں کا تارا ــ ملت اسلامیہ کی کشتی کا کھیون ہار، خاندان برکاتیہ کا روحانی فرزند، ملک و قوم کا عظیم راہنما، ایسے قائد کی بارگاہ میں ملا فاتح کی حاضری، بتائیے نا! کیا یہ ملا کی فیروز بختی نہ تھی، بہرحال ایک طرف امام احمد رضا جیسی بھاری بھرکم ذات، دوسری جانب سیکڑوں کی تعداد میں چھوڑے ہوئے علمی شہ پارے اور پھر انہیں کے درمیان آپ کا ملا، بکھر گیا تھا۔

انٹرویو کی تیاری شروع کردی، سوچا کہ امام احمد رضا سے انٹرویو لے لوں۔ وہ نہیں ہیں ان کی روحانیت تو ہے۔ ان کا فکری اثاثہ اور علمی سرمایہ تو ہے۔ امام احمد رضا کو انہیں سے ہی ہم جان سکتے ہیں، سمجھ سکتے ہیں۔ اور انہیں سرمایۂ علم و فن سے ان کی تحریک ان کا مشن، ان کے تجدیدی کارنامے اور ان کی خدمات سے ہم آگاہ ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آج اس عظیم نمبر میں ملا فاتح کی شرکت "امام احمد رضا سے ایک یادگار انٹرویو کے چونکا دینے والے عنوان سے ہو رہی ہے۔ انٹرویو لینے کی شکل یہ ہے کہ میری نگاہوں میں امام احمد رضا کا سراپا ہے، ان کی بے شمار کتابیں ہیں۔ اور ایک گوشے میں باادب ملا فاتح ہے۔ جو امام احمد رضا سے سوال کر رہا ہے۔

> قوم کی خوش بختی کہ سنی لیگ نے دین ولیشن پاس ہی نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کرنے کیلئے "المیزان" کو منتخب کیا اور "امام احمد رضا نمبر" کی تیاریوں کی جانب چل پڑے۔ ملا فاتح

ملا فاتح! سرکار امام احمد رضا! آپ سے میں کچھ زیادہ واقف نہ تھا، آپ کے بارے میں مجھ تک جو اطلاعات ملی تھیں وہ اس قدر کہ آپ نے چند ہندوستانی مولویوں کی بیہودہ عبارتوں پر گرفت کی، اس پر شرعی فتویٰ دیا اور اس کی تصدیق علماء حرمین سے کی۔ اور بس باقی آپ کی دوسری عظیم خدمات سے آج تک اہل علم فن کما حقہ واقف نہیں ہو سکے ہیں۔

امام احمد رضا:۔ میں آبا و اجداد سے علوم دینی کا خادم ہوں، چوہتر سال سے میرے یہاں سے فتویٰ جاری ہے تمام ہندوستان اور کشمیر اور برما سے سوال آئے ہیں، ابھی چین سے چودہ مسئلے دریافت کئے ہیں درس نظامی کی تمام کتب اور پچاس سے زائد کتب میرے درس و تدریس و مطالعہ میں رہیں۔

مُلا فاتح: حضور! آپ کے علم و فضل اور دینی خدمات کا اعتراف اپنے تو اپنے غیر بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فقہ حنفی کی زبردست خدمت کی اور اسے روز روشن کی طرح واضح کیا۔ علم و فن کے اتنے اعلیٰ مراتب پر پہنچنے کے باوجود آپ تقلید کیوں کرتے ہیں، کس مجبوری سے آپ کو تقلید کرنی پڑی۔

> میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عز و جل سے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں ـــــــــ مجدد اسلام

امام احمد رضا! جس مجبوری سے ایک لاکھ سے زائد صحابی مقلد ہوئے اور اس زمانہ میں عام مسلمان مقلد ہوئے یعنی منصب اجتہاد حاصل نہ کیا۔

ملا فاتح! ہم لوگ سنی مسلمان ہیں، اور اپنے کو اہلسنت و جماعت سے جانتے ہیں۔ لیکن سرکار! یہ نہیں معلوم کہ اہلسنت کی تعریف کیا ہے۔

امام احمد رضا! اہلسنت و جماعت جو سواد اعظم مسلمین کے پیرو ہیں جس کے اتباع کا متواتر حدیثوں میں حکم ہے اور حدیث نے مذہب حق کی عام فہم بیان فرمائی ہے اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار مسلمانوں کے بڑے گروہ کی پیروی کرو جو اس سے جدا ہوا وہ جہنم میں جدا ہوا۔ شرح عقائد نسفی میں ہے کہ اہلسنت و جماعت کا نام اس وجہ سے اہل سنت و جماعت ہوا کہ انہوں نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جماعت صحابہ کی پیروی کی، آج اہل سنت ان چار مذاہب حنفی، شافعی مالکی حنبلی میں مجتمع ہیں۔

ملا فاتح! آپ نے رسول اللہ کی بارگاہ کے گستاخوں کے چہروں سے سیاہ نقاب اٹھانے کا جو زبردست کارنامہ انجام دیا۔ اور عرب و عجم کے اکابرین اسلام نے آپ کے شرعی موقف کی جو زبردست تائید کی، اس سے دریدہ دہنوں کی ٹولیوں کو جو دھچکا پہنچا، اس سے بلبلا اٹھے اور سبھی ملکر آپ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگ گئے۔ اور آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور آپ کو گالیوں و فحش باتوں سے یاد کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کا ارشاد گرامی کیا ہے۔

امام احمد رضا! برملا فحش گالیاں دیتے ہیں بعض چھپا تو مغلظات سے بھرے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس سے زیادہ میری ذات پر حملے کریں میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عز و جل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لئے ہے بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔

ملا فاتح! سرکار فاضل بریلوی! ایک بات کھل کر پوچھنا چاہتا ہوں، میں نے سنا ہے کہ سنی مولوی حضرات علم غیب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے علم غیب سے ملاتے ہیں اور دونوں کو غیب داں جانتے ہیں بلکہ اس علم میں دونوں برابر ہیں۔ ایسا کہتے ہیں آپ لوگ! مجھ سے کئی غیر سنی مولویوں نے کہا کہ بریلی کے مولانا احمد رضا صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

بارے میں علم ذاتی مانتے ہیں، اور اس پر اصرار بھی کرتے ہیں، اور اس پر شدت کیساتھ قائم ہیں، اور اپنے اس عقیدے کو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا بھی ہے۔ لہذا سرکار عالی اس موضوع پر بھی کچھ اظہار خیال فرمائیں۔

رضا! مسئلہ علم غیب میں اختراع پھیلنے شروع کئے، کبھی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ کا علم ذاتی بے عطائے الٰہی مانتا ہے، کبھی علم الٰہی سے مساوی مانتا ہے، صرف قدم وحدوث کا فرق کرتا ہے وغیرہ وغیرہ —— حالانکہ اللہ واحد قہار دیکھ رہا ہے کہ یہ سب انہی اشقیا کا اختراع ہے سچے ہیں تو بتائیں کہ ان میں سے کون جملہ فقیر کے کس رسالے کس فتوے، کس تحریر میں ہے —— علم ذاتی اللہ عز وجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر ومشرک ہے —— .... اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے —— ہماری تقریر سے روشن وتاباں ہوگیا کہ تمام مخلوق کے جملہ علوم ملکیہ بھی علوم الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ گذرے۔ —— ہم قاہر دلیلیں قائم کرچکے کہ علوم مخلوق کا جمع معلومات الٰہیہ کو محیط ہونا عقل وشرع دونوں کی رو سے یقیناً محال ہے —— اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ، تمام انبیاء، تمام جہان سے اتم واعظم ہے۔ اللہ عز وجل کی عطا سے، حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے —— مخالفین کو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرا کردیا۔ انہیں حق نہیں سوجھتا مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دشواری نہیں۔ علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے —— ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں۔ اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع —— میرا مختصر فتوی انباء المصطفیٰ بمبئی ومرادآباد میں تین بار ۱۳۱۸ھ سے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہوکر شائع ہوا۔ اس سے بڑھکر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے مفتری کذاب ہے۔ اور اللہ کے یہاں اس کا حساب ——

(خالص الاعتقاد)

مُلّا فاتح! ایک اہم سوال کی جسارت کر رہا ہوں۔ آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ مخالفین پر شدت کرتے ہیں، کوئی بھی آئے اگر آپ کے عقیدے کا نہیں ہے تو آپ اسے ذلیل کرتے ہیں، بھگا دیتے ہیں، اس سے بات نہیں کرتے، اس کی بات کا جواب نہیں دیتے۔ بلکہ اسے سختی کے ساتھ نکال باہر کرتے ہیں۔ مُلّا کو تو یقین نہیں آرہا ہے کہ حضور والا اسقدر سختی برتتے ہوں گے پھر بھی احباب کے دل سے غلط فہمی دور کرنے کے لئے سوال کی ہمت کر رہا ہوں۔

امام احمد رضا! دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل ہوسکتے۔ اگر اس شخص (ایک دہلی فاضل بریلوی کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بے پناہ متاثر ہوا اور آپ کے اخلاقی وعلمی طاقت کا گن گانے لگا) سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہوجائیں۔

(الملفوظ)

مُلّا فاتح! حضور! آجکل ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا لوگوں کی عادت سی بن گئی ہے، اعلی حسب نسب والے بھی چند ایسے ملیں گے جو دوسرے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، دوسرے کو انتہائی ترش روئی سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے کچھ ایسے بھی لوگ ہیں حضرت کہ اپنے برابر کسی کو سمجھتے بھی نہیں ہر شخص کو کمتر اور ذلیل جانتے ہیں۔ مسلمانوں کو ذلیل ورسوا سمجھتے ہیں اور اس میں مگن ومست رہتے ہیں اور اسی کو دین ودھرم کی خدمت سمجھتے ہیں، اس سلسلے میں آپ کا موقف کیا ہے؟

> علم ذاتی اللہ عز وجل سے خاص ہے اس کے غیر کیلئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے —— امام احمد رضا

امام احمد رضا! کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بلا حاجت شرعیہ ایسے لفظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو اسے ایذا پہنچے شرعاً ناجائز وحرام ہے اگرچہ بات فی نفسہ سچی ہو۔

(ارادۃ الادب لفاضل النسب)

مُلّا فاتح! اعلحضرت! آپ کے تعلق سے اس بات کا زبردست شہرہ ہے کہ آپ کافر بنانے میں جواب نہیں رکھتے، کچھ لوگ مکفر المسلمین کہتے ہیں، کچھ آپ کو کفر ساز مشین کہتے ہیں، کچھ کافر گر کہتے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ آپ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ آپ اکابرین اسلام

کو بھی کافر کہتے ہیں۔ غرضکہ آپ مسلمانوں کو کافر کہنے اور لکھنے میں بے باک ہیں۔ حالانکہ مُلّانے آپ کی تصنیفات پڑھی ہیں، آپ نے کسی بھی مسلمان کو آج تک کافر نہیں کہا ہے، آپ نے صرف کافر ہی کو کافر کہا ہے مگر پھر بھی آپ کی زبان اقدس سے بھی کچھ سننا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے خلاف جو بین الاقوامی سطح پر جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس کی قلعی کھل جائے، امید ہے کہ حضرت والا اس پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

امام احمد رضا! عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دھاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علماء اہلسنت کے فتویٔ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہدیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہدیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہدیا۔ مولوی عبدالحیؔ صاحب کو کافر کہدیا پھر جن کی حیا بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذاللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہدیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو کہدیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کو کہدیا۔ یا پھر جو پورے ہی حدِّ حیا سے اوپر گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں۔ عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہدیا غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہدیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم مغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذاللہ معاذاللہ معاذاللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہدیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے آیۃ کریمہ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا پر عمل فرمایا خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھ ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا غرض ہمیشہ ایسے ہی افتراء اٹھایا کرتے ہیں ——— مرتا کیا نہ کرتا اب خدا و رسول کو گالیاں دینے والوں کے کفر پر پردہ ڈالنے کا حیلہ یہی رہ گیا ہے کہ کسطرح عوام بھائیوں کے ذہن میں جم جائے کہ علماء اہلسنت یونہی بلا وجہ لوگوں کو کافر کہدیا کرتے ہیں۔

مُلّا فاتح! سرکار نے میری بڑی حوصلہ افزائی فرمائی، اس ناکارہ کو حضور والا نے جو عزت بخشی کہہ نہیں سکتا۔ حضرت والا شاعری میں بھی جواب نہیں رکھتے۔ صنف نعت میں آپ نے جو نیا رخ دیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی، لیکن حیف صد حیف آپ پر جسطرح یہ زیادتی ہوئی کہ من گھڑت اور بے بنیاد الزامات لگائے جاتے رہے ہیں، اسی طرح آپ کو بحیثیت شاعر قبول کرنے سے اردو ادب کے ٹھیکیداروں نے نظرانداز کیا۔ شعر و ادب کے میدان میں آپ کی خدمات، آپ کے کارہائے نمایاں سے سبھی واقف ہیں مگر پھر بھی آپ کی شان میں چند تعریفی کلمات نکالنے میں بھی ان لوگوں کا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے، گلا رندھ جاتا ہے، حلق خشک ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔

امام احمد رضا!

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولے کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

(مجھے نہ تو لوگوں کی تعریف سے لطف آتا ہے، اور نہ ہی ان کے طعن و تشنیع سے جلن ہوتی ہے۔ نہ ہی میرے کان تعریف مدحت کا انتظار کرتے ہیں اور نہ ہی مجھے کسی کی مذمت سننے کا ہوش ہے بس میری دنیا تو میرا وہ گوشۂ تنہائی ہے جسمیں میرے علاوہ اور میری کتاب و میرے قلم کے علاوہ کسی دوسری چیز کی گنجائش ہی نہیں)

مُلّا فاتح! مدینہ طیبہ کی عظمت و حرمت پر کچھ ارشاد فرمائیے۔

امام احمد رضا!

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
زینت کعبہ میں تھا لاکھ عروسوں کا بناؤ
جلوہ فرما یہاں کونین کا دولہا دیکھو
غور سے سن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے
طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

شانِ جمال طیبہ جاناں ہے نفع محض
وسعت جلال مکہ میں سود و ضرر کی ہے
کعبہ ہے بیشک انجمن آرا دُلہن مگر
ساری بہار دلہنوں میں دولہا کے گھر کی ہے

مُلّا فاتح! سرکار ذرا اہلبیت اطہار کے تعلق سے بھی کچھ ارشاد فرمائیے۔

امام احمد رضا!

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جسمیں حسین اور حسن پھول

> جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں
> ان سے سختی برتی جائے کہ وہ ٹھیک
> ہوجائیں ——— فاضل بریلوی

مشکلیں حل کر شہِ مشکل کشا کے واسطے
کربلائیں رد شہیدِ کربلا کے واسطے
سیّد سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علمِ حق دے باقرِ علمِ ہدیٰ کے واسطے
اہلسنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

ملا فاتح! کچھ لفڑے باز قسم کے لوگ آپ کے بارے میں یہ بھی بولتے ہیں کہ آپ خدا کے برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں، اور آپ ان کو انسان نہیں سمجھتے، اس پر بھی کچھ ارشاد فرمائیے۔

امام احمد رضا! اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ (حدائق بخشش)

ملا فاتح! میں چاہتا ہوں کہ کچھ سماجی اور معاشرتی باتیں بھی پوچھ لوں، ہمارے معاشرے میں آجکل اگر کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو احسان سے زیادہ اس کی اشاعت چاہتا ہے، کسی کی مدد کی، یا کچھ دیدیا یا غریبوں و مسکینوں کی اعانت کی تو پھر کل ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ جس سے خوشی کے بجائے دل دکھتا ہے۔ سماج کے ایسے افراد کے لئے بھی کچھ ارشاد فرمائیے۔

امام احمد رضا! فقراء آئیں ان کی مدارات و خاطر داری میں سعی جمیل کریں۔ اپنا احسان ان پر نہ رکھیں بلکہ آنے میں ان کا احسان اپنے اوپر جانیں کہ وہ اپنا رزق کھاتے اور تمہارے گناہ مٹاتے ہیں، اٹھانے بٹھانے بلانے کھلانے کسی بات میں برتاؤ ایسا نہ کریں جس سے ان کا دل دکھے کہ احسان رکھنے ایذا دینے سے صدقہ بالکل اکارت جاتا ہے، اس عمل کو ایک ہی بار نہ کریں بار بار بجا لائیں کہ جتنی ہوگی اتنی اپنے لئے کثرت ہوگی اور اپنے لئے اتنی ہی فقراء و غرباء کی منفعت برکت و نعمت و سعادت دینی و دنیوی جسمی و جانی رحمت ہوگی۔

ملا فاتح! اب جب ہمارے سماج اور گھریلو معاملات کی بات چل پڑی ہے تو ایک اور سوال کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، آجکل اگر کوئی ایصالِ ثواب یا صدقہ و خیرات کے لئے دعوت دیتا ہے تو غریبوں کی تعداد کم ہوتی ہے امیر لوگ اور کھاتے پیتے لوگ زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور لوگ بھی جم کر کھاتے ہیں۔ غریب و مفلس کا حق بھی مار جاتے ہیں، ایسے عناصر کے بارے میں سرکار! آپ ضرور کچھ ارشاد فرمائیں۔

امام احمد رضا! زنہار زنہار ایسا نہ کریں کہ کھاتے پیتوں کو بلائیں محتاجوں کو چھوڑیں کہ زیادہ مستحق وہی ہیں اور انہیں اس کی حاجت ہے تو ان کا چھوڑنا انہیں ایذا دینا اور دل دکھانا ہے۔ مسلمان کی دل شکنی معاذ اللہ وہ بلائے عظیم ہے کہ سارے عمل کو خاک کر دے گی ایسے کھانے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بدتر کھانا فرمایا کہ پیٹ بھرے بلائیں، جنہیں پرواہ نہیں اور بھوکے چھوڑ دیئے جائیں جو آنا چاہتے ہیں۔

(رد القحط والوباء)

ملا فاتح! حضور والا نے مجھ پر کرم فرمایا کہ اور میرے سوالات کے جوابات مرحمت فرمایا، اب میں رخصت کی اجازت چاہتا ہوں، میں نے بریلی شریف آکر آپ کی بارگاہ میں حاضری دیکر بہت کچھ پایا، میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کا جاہ و جلال دیکھا، فضل و جمال دیکھا، میں نے آپ کے بارے میں جو کچھ سنا یا مجھے جو کچھ سنایا گیا اور عمر کے اپنے اس حصے میں میں نے جو کچھ پڑھا تھا، ناقص تھا، آپ کے بارے میں میرے ذہن میں جو تصویر تھی وہ دھندلی تھی، تصویر کا صرف ایک رخ تھا، حالانکہ آپ نے نہ جانے کتنی دینی و علمی خدمات انجام دی ہیں۔ علم و فن کے دریا بہائے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو رسول دشمنوں کی گھناؤنی سازش سے محفوظ کیا ہے، افراد اسلام کو عشق رسول کا ڈھنگ بتایا ہے، غرضکہ آپ نے وہ سب کچھ دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی کے مطابق ہر صدی کا "ایک مجدد" دیتا ہے، لہٰذا اب آخر میں ایک گذارش کر رہا ہوں یقین ہے کہ سرکار عالی گذارش کو قبولیت کا درجہ دیں گے، غرض یہ ہے کہ امت مسلمہ کے لئے کچھ ایمان افروز نصیحت فرما دیں۔ تاکہ ہم سب کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

> فقراء آئیں تو ان کی مدارات و خاطر داری میں سعی جمیل کریں، اپنا احسان ان پر نہ رکھیں بلکہ آنے میں ان کا احسان اپنے اوپر جانیں۔
> مسلمان کی دل شکنی معاذ اللہ! وہ بلائے عظیم ہے کہ سارے عمل کو خاک کر دے گی ____ امام احمد رضا

امام احمد رضا! اے لوگو! تم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں۔ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں۔ تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو اور دور بھاگو۔ ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ ____ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو ____ میں پونے

چودہ برس کی عمر سے یہی بتا تا رہا اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت کے لئے کسی بندے کو کھڑا کر دے گا مگر نہیں معلوم میرے بعد جو آئے کیسا ہو اور تمہیں کیا بتائے اسلئے ان باتوں کو خوب سن لو حجۃ اللہ قائم ہو چکی ہے ۔

مُلّا کا یادگار انٹرویو ختم ہوا ۔ امام احمد رضا کو دیکھکر ان کے اخلاق و اخلاص ان کی علمی رعب اور ان کی روحانی عظمتوں کو دیکھکر میں کسقدر متاثر ہوا ۔ کما حقہ بیان کرنے سے قاصر ہوں ، امام احمد رضا کا سراپا آج بھی آنکھوں میں گردش کر رہا ہے ۔ کشادہ پیشانی بلند اقبال کی نشانی ، انغانی آنکھیں دشمنوں کو تانکیں دوستوں کو تلاشیں ، آنکھوں کے ابرو خاندانی آبرو ، سینہ کشادہ اس میں جو دل وہ بھی کشادہ اہل محبت کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ۔ صراحی دار گردن ملت کی قیادت کی علامت ، رنگ پختہ ، پختگیٔ ذہن و فکر کی نشانی ، چلیں تو چال ڈھال میں وقار بولیں تو بول چال میں وقار ایسی ذات پر تحقیقات کے لئے آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلس رضائے المیزان بمبئی کے ذریعہ جو قدم اٹھایا ہے ، مُلّا فاتح کی آنکھوں میں تشکر کی بوندیں چھلک رہی ہیں ۔

امام احمد رضا ! دعا کیجئے کہ آل انڈیا سنی لیگ کاہل الوجودوں کا مرکب بنکر نہ رہ جائے ، مگر سرکار ! سنی لیگ آپکے وقار کو اپنوں اور غیروں کے ذہن و فکر پر بحال کرنے کا ذریعہ بن جائے آپکی جملہ خدمت کی جانکاری ملت اسلامیہ کی نئی پود کو کرائے اور اسطرح آپ ہی کی جلائی ہوئی مشعل کی روشنی میں قوم و ملک کی رہنمائی ، سنی لیگ کرنا چاہتی ہے ، دعا فرمایئے کہ سنی لیگ کے موجودہ سربراہ حرکت و عمل کے مجسمہ بنے رہیں ۔ قارئین المیزان کو عرض ہے کہ میںنے امام احمد رضا سے جو انٹرویو لیا ہے وہ پسند آیا یا نہیں ، اسکی اطلاع مجھے ضرور کریں ۔ اتنے تاریخی و تحقیقی نمبر میں ملا فاتح کی شرکت ملا کی زندگی کا انتہائی قیمتی سرمایہ ہے ، میری یہ شرکت آپ کو کیسی لگی مجھے ضرور خبر کریں ۔ میرا پتہ وہی جو المیزان کا ہے ۔ اچھا خدا حافظ آپکا اپنا ! مُلّا فاتح

> کشادہ پیشانی بلند اقبال کی نشانی ۔ انغانی آنکھیں دشمنوں کو تانکیں دوستوں کو تلاشیں ۔ صراحی دار گردن ملت کی قیادت کی علامت ، رنگ پختہ پختگیٔ ذہن و فکر کی نشانی ـــــــــــ
>
> امام احمد رضا ! دعا کیجئے کہ آل انڈیا سنی لیگ کاہل الوجودوں کا مرکب بنکر نہ رہ جائے ۔ ملا فاتح

ماخوذات ! اظہار حق الجلی ، خالص الاعتقاد ، الملفوظ ، ارارۃ الادب لفاضل النسب ۔ حسام الحرمین ، حدائق بخشش ، رد القحط والوبار ، وصایا شریف ۔

امام احمد رضا

کلام الامام امام الکلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

جرم حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اسکے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

دور کیا جانیے بدکار پہ کیسی گزرے
تیرے ہی در پہ مرے بیکس و تنہا تیرا

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اسکو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

(۲)

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

خم ہو گئی پشتِ فلک اس طعن زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدرِ کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا

اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفون شہِ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

(۳)

غم ہو گئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا

ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ
بھاری ہے تیرا وقار آقا

مجبور ہیں ہم تو فکر کیا ہے
تم کو تو ہے اختیار آقا

تضمین مفکرِ ملت سید حسن مثنیٰ انور ایم اے علیگ

میں دور ہوں تم تو ہو مرے پاس
سن لو میری پکار آقا

مجھ سا کوئی غمزدہ نہ ہوگا
تم سا نہیں غمگسار آقا

گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی
ڈوبا ڈوبا اتار آقا

کیا بھول ہے انکے ہوتے کہلائیں
دنیا کے یہ تاجدار آقا

ان کے ادنیٰ گدا پہ مٹ جائیں
ایسے ایسے ہزار آقا

(۴)

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

بڑھا یہ سلسلہ رحمت کا دورِ زلف والا میں
تسلسل کالے کوسوں رہ گیا عصیاں کی ظلمت کا

صفِ ماتم اٹھے خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں
گنہگارو چلو مولا نے در کھولا ہے جنت کا

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب
نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کر کے حیرت کا

تم زلف نبی ساجد ہے محرابِ دو ابرو میں
کہ یارب تو ہی والی ہے سیہ کارانِ امت کا

مدد اے جوششِ گریہ بہا دے کوہ اور صحرا
نظر آجائے جلوہ بے حجاب اس پاک تربت کا

یہاں چھڑکا نمک واں مرہم کافور ہاتھ آیا
دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

الٰہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخوابِ بصارت کا

زبانِ خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے
تڑپنا دشتِ طیبہ میں جگر افگار فرقت کا

رضائے خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائیگا دامن ان کی رحمت کا

(۵)

لطف ان کا عام ہو ہی جائیگا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائیگا

جان دیدو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائیگا

سائلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائیگا

یادِ ابرو کر کے تڑپو بلبلو
ٹکڑے ٹکڑے دام ہو ہی جائیگا

مفلسو ان کی گلی میں جا پڑو
باغِ خلد اکرام ہو ہی جائیگا

بادہ خواری کا سماں بندھنے تو دو
شیخ دُرد آشام ہو ہی جائیگا

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائیگا

(٦)

لمیات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

البحر علا والموج طغیٰ من بے کس و طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

یا شمس نظرت الیٰ لیلی چوں بہ طیبہ رسی عرضی بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

یا قافلتی زیدی اجلک رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

واھا لسویعات ذہبت آں عہد حضور بار گہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینہ کا جانا

القلب شج والھم شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں میرا کون ہے تیرے سوا جانا

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ میرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

(٧)

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا

اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنار خار مدینہ دمیدہ ہونا تھا

نظارہ خاک مدینہ کا اور تیری آنکھ
نہ اس قدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

مرے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر
کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا

رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب
تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہونا تھا

(٨)

شور مہ سنکر تجھ تک میں دوان آیا
ساقی میں ترے صدقے مے دے رمضان آیا

جب بام تجلی پر وہ نیر جاں آیا
سر تھا جو گرا جھک کر دل تھا جو تپاں آیا

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا

طیبہ سے ہم آتے ہیں کہئے تو جناں والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

لے طوق الم سے اب آزاد ہو اے قمری
چھٹی لئے بخشش کی وہ سرو رواں آیا

(٩)

خراب حال کیا دل کو پر ملال کیا
تمہارے کوچہ سے رخصت کیا نہال کیا

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

وہ دل کہ خوں شدہ ارماں تھے جس میں مل ڈالا
فغاں کہ گور شہیداں کو پائمال کیا

چمن سے پھینک دیا آشیانۂ بلبل
اجاڑا خانۂ بے کس بڑا کمال کیا

الٰہی سن لے رضا جیتے جی کہ مولیٰ نے
سگان کوچہ میں چہرا مرا بحال کیا

(١٠)

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعہ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

وہ کہ اس در کا ہوا خلق خدا اس کی ہوئی
وہ کہ اس در سے پھرا اللہ اس سے پھر گیا

ٹھوکریں کھاتے پھروگے انکے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

(١١)

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

لے خبر جلد کہ غیروں کی طرف دھیان گیا
میرے مولا مرے آقا ترے قربان گیا

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہونچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

(١٢)

تاب مرأت سحر گرد بیابان عرب
غازۂ روئے قمر دود چراغان عرب

اللہ اللہ بہار چمنستان عرب
پاک ہیں لوث خزاں سے گل و ریحان عرب

جوشش ابر سے خون گل فردوس گرے
اگر آزاد کرے سرو خرامان عرب

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

بزم قدسی میں ہے یاد لب جاں بخش حضور
عالم نور میں ہے چشمۂ حیوان عرب

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

(١٣)

پھر اٹھا ولولۂ یاد مغیلان عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابان عرب

اب تو ہے گریۂ خوں گوہر دامان عرب
جس میں دو لعل تھے زہرا کے وہ تھی کان عرب

دل وہی دل ہے جو آنکھوں سے ہو حیران عرب
آنکھیں وہ آنکھیں ہیں جو دل سے ہوں قربان عرب

فصل گل لاکھ نہ ہو وصل کی رکھ آس ہزار
پھولتے پھلتے ہیں بے فصل گلستان عرب

شادیٔ حشر ہے صدقے میں چھٹیں گے قیدی
عرش پہ دھوم سے ہے دعوت مہمان عرب

چرچے ہوتے ہیں یہ کمھلائے ہوئے پھولوں میں ‌ کیوں یہ دن دیکھتے پاتے جو بیابان عرب
ہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا ‌ چار دن برسے جہاں ابر بہاران عرب

(۱۴)

جو بنوں پر ہے بہار چمن آرائی دوست ‌ خلد کا نام نہ لے بلبل شیدائی دوست
تھک کے بیٹھے تو در دل پہ تمنائی دوست ‌ کون سے گھر کا اجالا نہیں زیبائی دوست
عہر کس منہ سے جلو داری جاناں کرتا ‌ سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست
مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمر جاوید ‌ زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست
ان کو یکتا کیا اور خلق بنائی یعنی ‌ انجمن کر کے تماشا کرے تنہائی دوست
شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور ‌ سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست
رنج اعدا کا رضا چارہ ہی کیا ہے جب انہیں ‌ آپ گستاخ رکھے حلم شکیبائی دوست

(۱۵)

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ
مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق و عثماں حیدر ہر اک اس کی شاخ
شاخ قامت شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب ہیں
سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ
اپنے ان باغوں کا صدقہ وہ رحمت کا پانی دے
جس سے نخل دل میں ہو پیدا پیارے تیری ولا کی شاخ
ظاہر و باطن اول و آخر زیب فروع و زین اصول
باغ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتی شاخ

(۱۶)

زہے عزت و اعتلائے محمد ‌ کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد
مکاں عرش انکا فلک فرش انکا ‌ ملک خادمان سرائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم ‌ خدا چاہتا ہے رضائے محمد
بسی عطر محبوبئ کبریا سے ‌ عبائے محمد قبائے محمد
دم نزع جاری ہو میری زباں پر ‌ محمد محمد خدائے محمد
میں قربان کیا پیاری پیاری ہے نسبت ‌ یہ آن خدا وہ خدائے محمد
خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے ‌ جو آنکھیں ہیں محو لقائے محمد
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا ‌ بڑھی ناز سے جب دعائے محمد
رضا پل سے اب وجد کرتے گزریئے ‌ کہ ہے رب سلم صدائے محمد

(۱۷)

اے شافع امم شہ ذیجاہ لے خبر ‌ للہ لے خبر مری للہ لے خبر
منزل کڑی ہے رات اندھیری میں نابلد ‌ اے خضر لے خبر مری اے ماہ لے خبر
جنگل درندوں کا ہے میں بے یار شب قریب ‌ گھیرے ہیں چار سمت سے بدخواہ لے خبر
وہ سختیاں سوال کی وہ صورتیں مہیب ‌ اے غمزدوں کے حال سے آگاہ لے خبر
مجرم کو بارگاہ عدالت میں لائے ہیں ‌ تکتا ہے بے کسی میں تری راہ لے خبر
اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے ‌ میرا ہے کون تیرے سوا آہ لے خبر
مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضا ‌ تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ لے خبر

(۱۸)

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر ‌ رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر
رخ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی ‌ رہ گیا بوسہ دہ نقش کف پا ہو کر
وائے محرومئ قسمت کہ میں پھر اب کی برس ‌ رہ گیا ہمرہ زوار مدینہ ہو کر
چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغ سدرہ ‌ برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہو کر
ہے یہ امید رضا کو تری رحمت سے شہا ‌ نہ ہو زندانئ دوزخ ترا بندہ ہو کر

(۱۹)

نار دوزخ کو چمن کر دے بہار عارض ‌ ظلمت حشر کو دن کر دے نہار عارض
میں تو کیا چیز ہوں خود صاحب قرآن کو شہا ‌ لاکھ مصحف سے پسند آئی بہار عارض
جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا ‌ یوہیں قرآن کا وظیفہ ہے بہار عارض
طور کیا عرش جلے دیکھ کے وہ جلوۂ گرم ‌ آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض
طرفہ عالم ہے وہ قرآن ادھر دیکھیں ادھر ‌ مصحف پاک ہو حیران بہار عارض
ترجمہ ہے یہ صفت کا وہ خود آئینہ ذات ‌ کیوں نہ مصحف سے زیادہ ہو وقار عارض
آہ بے مائگی دل کہ رضائے محتاج ‌ لیکر اک جان چلا بہر نثار عارض

(۲۰)

کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل ‌ پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل
جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو ‌ اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل
رنگ مژہ سے کر کے خجل یاد شاہ میں ‌ کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطر جمال گل
میں یاد شہ میں روؤں عنادل کریں ہجوم ‌ ہر اشک لالہ فام پہ ہو احتمال گل
ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں ‌ ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل
کر اس کی یاد جس سے ملے چین عندلیب ‌ دیکھا نہیں کہ خار الم ہے خیال گل
ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں ‌ کیجئے رضا کو حشر میں خنداں مثال گل

(۲۱)

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول ‌ لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا ‌ تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ ‌ مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول
دل بستہ و خوں گشتہ نہ خوشبو نہ لطافت ‌ کیوں غنچہ کہوں ہے مرے آقا کا دہن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرہ ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

(۲۲)

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحی ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

ترا مسند ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

یہی عرض ہے خالق ارض و سما وہ رسول ہیں تیرے میں بندہ ترا
مجھے ان کی جوار میں دے وہ جگہ کہ ہے خلد کو جس کی صفا کی قسم

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا ہے تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدی مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

(۲۳)

رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں
ذرہ ترا جو اے شہ گردوں جناب ہوں

در نجف ہوں گوہر پاک خوشاب ہوں
یعنی تراب رہ گذر بو تراب ہوں

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار
غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں سحاب ہوں

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہدیں وہ عالیجناب ہوں

حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ میں اے رضا
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

(۲۴)

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفی کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کے اک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

(۲۵)

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تری گلی سے جائے کیوں

رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سائے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

یاد حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

جان ہے عشق مصطفی روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

ہم تو ہیں آپ دل فگار غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نو بہار خون ہمیں رلائے کیوں

خوش رہے گل سے عندلیب خار حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پہ پھول کے خار کھائے کیوں

ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں

(۲۶)

یاد وطن ستم کیا دشت حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بد نصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

دل میں تو چوٹ تھی دبی ہائے غضب ابھر گئی
پوچھو تو آہ سرد سے ٹھنڈی ہوا چلائی کیوں

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں

حسرت نو کا سانحہ سنتے ہی دل بگڑ گیا
ایسے مریض کو رضا مرگ جواں سنائی کیوں

(۲۷)

اہل صراط روح امیں کو خبر کریں
جاتی ہے امت نبوی فرش پر کریں

ان فتنہ ہائے حشر سے کہدو حذر کریں
نازوں کے پالے آتے ہیں رہ سے گزر کریں

بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے
ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رخ کدھر کریں

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے
آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

(۲۸)

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

ہر چراغ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے شیدا ہزار پھرتے ہیں

(۲۹)

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دئے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کے کتنے
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دئے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دئے ہیں

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہونگے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دئے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا ‏ رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا ‏ دریا بہا دیئے ہیں دُربے بہا دیئے ہیں
ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم ‏ جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

(۳۰)

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
جود شاہ کوثر اپنے پیاسوں کا جویا ہے آپ
کیا عجب اڑ کر جو آپ آئے پیالی ہاتھ میں
ابر نیساں مومنوں کو تیغ عُریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں
مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
سایہ افگن سر پہ ہو پرچم الٰہی جھوم کر
جب لواء الحمد لے امت کا والی ہاتھ میں
آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود
وقف سنگ در جبیں روضہ کی جالی ہاتھ میں
حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں

(۳۱)

راہ عرفاں سے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں ‏ مصطفیٰ ہے مسند ارشاد پر کچھ غم نہیں
بنجۂ مہر عرب ہے جس سے دریا بہ گئے ‏ چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں
اوس مہر حشر پر پڑ جائے پیاسو تو سہی ‏ اس گل خنداں کا رونا گریۂ شبنم نہیں
ہے انہیں کے دم قدم کی باغ عالم میں بہار ‏ وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہیں
سایۂ دیوار و خاک در ہو یا رب اور رضاؔ ‏ خواہش دیہیم قیصر شوق تخت جم نہیں

(۳۲)

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
کرے مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں
وہی نور حق وہی ظل اب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں انکی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں
نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کبھی نہ کوئی ہوا
کہو اس کو گل کہے کیا بنے کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں
کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

(۳۳)

زائرو پاس ادب رکھو ہوس جانے دو ‏ آنکھیں اندھی ہوئی ہیں انکو ترس جانے دو
سوکھی جاتی ہے امید غربا کی کھیتی ‏ بوندیاں لکۂ رحمت کی برس جانے دو
پلٹی آتی ہے ابھی وجد میں جان شیریں ‏ نغمۂ قم کا ذرا کانوں میں رس جانے دو
ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والو ٹھہرو ‏ گٹھریاں توشۂ امید کی کس جانے دو
دید گل اور بھی ڈھاتی ہے قیامت دل پر ‏ ہمصفیرو ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو

(۳۴)

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو ‏ حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو
ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپش محشر میں ‏ سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو
آخر حج غم امت میں پریشاں ہو کر ‏ تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے ‏ چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
کعبۂ جاں کو پنہایا ہے غلاف مشکیں ‏ اڑ کے آئے ہیں جو ابرو پہ تمہارے گیسو
سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں ‏ سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو
دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر ‏ یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ ‏ صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

(۳۵)

یاد میں جسکی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو ‏ پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی ‏ پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل ‏ جسکو سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو
عرش جس خوبیٔ رفتار کا پامال ہوا ‏ دو قدم چل کے دکھا سرو خراماں ہم کو
مرے ہر زخم جگر سے یہ نکلتی ہے صدا ‏ اے ملیح عربی کر دے نمکداں ہم کو
جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار ‏ نظر آتی ہے خزاں دیدہ گلستاں ہم کو
مہر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے ‏ تیز ہے دھوپ ملے سایۂ داماں ہم کو
چاک داماں میں نہ تھک جائیو اے دست جنوں ‏ پرزے کرنا ہے ابھی جیب و گریباں ہم کو

اے رضا وصف رخ پاک سنانے کیلئے ۔۔۔ نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

(۳۶)

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو ۔۔۔ کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت ۔۔۔ اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
آب زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں ۔۔۔ آؤ جود شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے ۔۔۔ ابر رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو
دھوم دیکھی ہے در کعبہ پہ بے تابوں کی ۔۔۔ ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ ۔۔۔ قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
ایمن طور کا تھا رکن یمانی میں فروغ ۔۔۔ شعلہ طور یہاں انجمن آرا دیکھو
رقص بسمل کی بہاریں تو منی میں دیکھیں ۔۔۔ دل خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا ۔۔۔ میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

(۳۷)

پل سے اتارو راہ گذر کو خبر نہ ہو ۔۔۔ جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو
کانٹا مرے جگر سے غم روزگار کا ۔۔۔ یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو
فریاد امتی جو کرے حال زار میں ۔۔۔ ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو
کہتی تھی یہ براق سے اسکی سبک روی ۔۔۔ یوں جایئے کہ گرد سفر کو خبر نہ ہو
ان کے سوا رضا کوئی حامی نہیں جہاں ۔۔۔ گزرا کرے پسر پہ پدر کو خبر نہ ہو

(۳۸)

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو ۔۔۔ جب پڑے مشکل شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو
یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو ۔۔۔ شادیٔ دیدار حسن مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشید حشر ۔۔۔ سید بے سایہ کے ظل لوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی گرمی محشر سے جب بھڑکیں بدن ۔۔۔ دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی نامہ اعمال جب کھلنے لگیں ۔۔۔ عیب پوش خلق ستار خطا کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے ۔۔۔ رب سلم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے ۔۔۔ دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

(۳۹)

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ
خامۂ قدرت کا حسن دست کاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ
اشک شب بھر انتظار عفو امت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ
مجرموں کو ڈھونڈھتی پھرتی ہے رحمت کی نگاہ
طالع برگشتہ تیری سازگاری واہ واہ
کیا مدینہ سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ
اس طرف روضہ کا نور اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ
پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفہ میں رضا
ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

(۴۰)

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ ۔۔۔ کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ
جس کو قرص مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو ۔۔۔ ان کے خوان جود سے ہے ایک نان سوختہ
برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایکبار ۔۔۔ آج تک ہے سینۂ مہ میں نشان سوختہ
مہر عالمتاب جھکتا ہے پئے تسلیم روز ۔۔۔ پیش ذرات مزار بے دلان سوختہ
آتش گلہائے طیبہ پر جلانے کے لئے ۔۔۔ جان کے طالب ہیں پیارے بلبلان سوختہ
اے رضا مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا ۔۔۔ اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

(۴۱)

سب سے اولی و اعلی ہمارا نبی ۔۔۔ سب سے بالا و والا ہمارا نبی
اپنے مولی کا پیارا ہمارا نبی ۔۔۔ دونوں عالم کا دولھا ہمارا نبی
بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا ۔۔۔ نور اول کا جلوا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں ۔۔۔ شمع وہ لیکر آیا ہمارا نبی
خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل ۔۔۔ اور رسولوں سے اعلی ہمارا نبی
حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم ۔۔۔ وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی
جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی ۔۔۔ ان کا ان کا تمہارا ہمارا نبی
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی ۔۔۔ چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی
کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے ۔۔۔ دینے والا ہے سچا ہمارا نبی
لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے ۔۔۔ ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے ۔۔۔ بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

(۴۲)

کس کے جلوہ کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

ہم ہیں ان کے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے
ان کی امت میں بنایا انھیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعوی کیا ہے
زاہد ان کا میں گنہ گار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہو جو مجھے پرسش اعمال کے وقت
دوستو کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے
کاش فریاد میری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغا کیا ہے
کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے
کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے
یوں ملائک کریں معروض کہ کب مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تونے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفتر اعمال ہے پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل
بندہ بیکس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بحر کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے
کس کو تم مورد آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے
ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے
پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم
حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے
یہ سماں دیکھ کر محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے
اے رضا جان عنادل ترے نغموں پہ نثار
بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے

(۴۳)

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امیدگہ کہوں
جان مراد کان تمنا کہوں تجھے
گلزار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں
درمان درد بلبل شیدا کہوں تجھے
صبح وطن پہ شام غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے
اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں جان تجلا کہوں تجھے
مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیع روز جزا کا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

(۴۴)

اٹھا دو پردہ دکھا دو جلوہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے
کھڑے ہیں منکر نکیر سر پہ نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور
بتا دو آکر میرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے
خدائے قہار ہے غضب پر کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچا لو آکر شفیع محشر تمہارا بندہ عذاب میں ہے
کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے
کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

(۴۵)

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
بادل گرجے بجلی چمکے دھک سے کلیجہ ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کے سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے
وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے
تم تو چاند عرب کے ہو پیارے تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو مجھ بیکس پہ شب نے کیسی آفت ڈالی ہے
مولیٰ تیرے عفو و کرم ہوں میرے گواہ صفائی کے
ورنہ رضا سے چور پہ تیری ڈگری تو اقبالی ہے

(۴۶)

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آئے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

تجلیٔ حق کا سہرا سر پر صلاۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

براق کے نقشِ سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنیٔ اول و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دھل گیا نام ریگ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اک بھبوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا دہر دہر پیڑ جل رہے تھے

جلو میں جو مرغِ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے

قوی تھے مرغانِ وہم کے پر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے

سنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاجِ شرف ترے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

خرد سے کہدو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

ادھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں ادھر سے انعامِ خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پرنور میں پڑے تھے

زباں کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروروں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آ لئے تھے

نبیٔ رحمت شفیعِ امت رضاؔ پہ للہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافئے تھے

(۴۷)

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
انسا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

(۴۸)

کعبہ سے اگر تربت شہ فاضل ہے
کیوں بائیں طرف اس کیلئے منزل ہے

اس فکر میں جو دل کی طرف دھیان گیا
سمجھا کہ وہ جسم ہے یہ مرقد دل ہے

(۴۹)

تم چاہو تو قسمت کی مصیبت ٹل جائے
کیونکر کہوں ساعت سے قیامت ٹل جائے

للہ اٹھاؤ رخ روشن سے نقاب
مولی مری آئی ہوئی شامت ٹل جائے

(۵۰)

یاں شبہ شبیہہ کا گزرنا کیسا ہے
بے مثل کی تمثال سنورنا کیسا ہے

ان کا متعلق ہے ترقی پہ مدام
تصویر کا پھر کہئے اترنا کیسا ہے

(۵۱)

مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود
مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اوسکی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

وصف جس کا ہے آئینہ حق نما
اوس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے سر سروراں خم رہیں
اوس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

جسکے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اوس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جسکو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اسکے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

وہ دعا جس کا جوبن بہار قبول
اس نسیم اجابت پہ لاکھوں سلام

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

الله الله وہ بچپنے کی پھبن
اس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام

جسکے گھیرے میں ہیں انبیاء وملک
اس جہانگیر بعثت پہ لاکھوں سلام

جسکے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں
اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام

(۵۲)

زمین وزماں تمھارے لئے مکین ومکاں تمھارے لئے
چنین وچناں تمھارے لئے بنے دوجہاں تمھارے لئے

دہن میں زباں تمھارے لئے بدن میں ہے جاں تمھارے لئے
ہم آئے یہاں تمھارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمھارے لئے

فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم
وجود وعدم حدوث وقدم جہاں میں عیاں تمھارے لئے

اصالت کل امامت کل سیادت کل امارت کل
حکومت کل ولایت کل خدا کے یہاں تمھارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمھارے لئے

جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دولہن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن وا ماں تمھارے لئے

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب وتواں تمھارے لئے

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضاؔ کی زباں تمھارے لئے

(۵۳)

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لیکے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لیکے چلے

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

مدینہ جان جناں وجہاں ہے وہ سن لیں
جنھیں جنون جناں سوئے زاغ لے کے چلے

مگر خدا پہ جو دھبہ دروغ کا تھوپا
یہ کس لعین کی غلامی کا داغ لے کے چلے

رضاؔ کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

(۵۴)

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد انکی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

روح تو سب کی ہے زندہ ان کا
جسم پر نور بھی روحانی ہے

اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف
ان کے اجسام کی کب ثانی ہے

یہ ہیں حی ابدی ان کو رضاؔ
صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

(۵۵)

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا ہے المنۃ للّٰہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

(۵۶)

توشہ میں غم واشک کا ساماں بس ہے
افغان دل زار حدی خواں بس ہے

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے

(۵۷)

کس درجہ ہے روشن تن محبوب الٰہ
جامہ سے عیاں رنگ بدن ہے واللہ

کپڑے یہ نہیں میلے ہیں اس گل کے رضا
فریاد کو آئی ہے سیاہیٔ گناہ

(۵۸)

ہے جلوہ گہہ نور الٰہی وہ رو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو

آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

(۵۹)

معدوم نہ تھا سایۂ شاہ ثقلین
وہ سایہ تھا جلوہ گر بذات حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنائے آدھے سے حسین

(۶۰)

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولی
عقبی پہ نہ کچھ رنج دکھانا مولی

بیٹھوں جو در پاک پیمبر کے حضور
ایمان پر اس وقت اٹھانا مولی

(۶۱)

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا
غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا

جس سے تجھے نقصان نہیں کردے معاف
جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولے

اے امام ہدیٰ وارث انبیاء عارف کبریا عاشق مصطفیٰ
تجھ کو کہتی ہے دنیا امام رضا تجھ سے اسلامیوں کے مقدر کھلے

تجلیاتِ حرمین

۱
الامام احمد رضا اور مفتی المکۃ السید احمد زینی دحلان

۲
امام احمد رضا اور مفتی مکہ سید احمد زینی دحلان

۳
امام احمد رضا علمائے عرب و عجم کی نظر میں

الامام احمد رضا اور مفتی مکہ السید احمد زینی دحلان

رئیس القلم السید عبد الکریم السید علی الہاشمی ایم اے
کارواری بمبائی۔

An Arabic article on a hidden aspect of the life of Imam Ahmed Reza Khan connected with his visit to Medina for Ziarat in 1869 when he met along with Mufti Mecca Syed Zaini Dahlan the Ottoman Caliph Sultan Abdul Aziz and also the next would be Caliph Sultan Abdul Hameed Khan the last-Caliph of Islam.

On this occasion Imam Ahmed Reza Khan officially confirmed as a Mufti from India, the old Sunni Dogma of

وجوب سلام بقیام علی النبی علیہ السلام

By

Syed Abdul Karim Hashimi,
M.A.

بسم اللہ الرحمن الرحیم وھو حسبی ونعم الوکیل۔ الحمد للہ الذی من علینا برسولہ وھدانا الی سواء سبیلہ وامرنا بتعظیمہ وتکریمہ وتبجیلہ وفرض علینا (ای کل مومن و مسلم) ان یکون احب الیہ من نفسہ والویہ وخلیلہ وجعل إتباعہ سببا لمحبۃ اللہ وتفضیلہ (وایضا الانقیاد لہ والإستسلام والتقلیس والتسلیم لذاتہ وصفاتہ ورفعتہ وعظمتہ بعد عظمۃ اللہ جل جلالہ سببا لتعظیم اللہ) ونصب طاعتہ عاصمۃ من کید الشیطان وتضلیلہ ویغنی عن جملۃ القول وتفصیلہ رفع ذکرہ وما اثنی علیہ فی محکم الکتاب وتنزیلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ دائمۃ بدوام طلوع النجم واُفولہ وبدوام قربہ من ربہ وقرب ربہ منہ وبمابینہ وبین ربہ (من الاسرار "لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی" و "ما نفدت کلمات اللہ" و "لی مع اللہ وقت" و "کنت نبیا وادم بین الماء والطین" و "انک فی اعیننا" و "للہ العزۃ جمیعا والعزۃ للہ ورسولہ") وبدوام ملک اللہ رب العالمین الذی خلقہ من جلالہ وزینہ بجمالہ وتوجہ لبکمالہ واھلہ لرویۃ ذاتہ وجعلہ محلا لاسمائہ وصفاتہ وبدوام ظھورما یظھر من تحرُّف اسمائہ وشموس افلاک صفاتہ وجوامع کمالہ بجلالہ وجمالہ فی غیب حضرۃ ذاتہ۔ اما بعد۔ الحمد للہ علی رحمتہ بواسطۃ ما اشرت الیہ بقولہ "ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین" وبقولہ "صدقت یا ادم انہ لاحبّ الخلق الیّ اذسالتنی بحقہ قد غفرت لک ولولا محمدٌ ما خلقتک وھو آخر الانبیاء من ذریتک ....."

الیوم عدد الناس فی الارض یکون اربعۃ الف ملیون ومنھم ۵۲۲ ملیون یدینون بدین الاسلام وادیان اخر من الملل واھواء النحل والباقون لادین لھم ولامذھب ولاملۃ وھم الملاحدۃ والدھریۃ ولاادریۃ ای الناس بعدم الاعتقاد باللہ تعالیٰ الذی نزل الکتاب علی قلب محمد وھم الکومیونسٹس یعنی شیوعی اشتراکی متطرف و ھم مشرکون کما قال اللہ تعالیٰ "وما یومن اکثرھم باللہ إلا وھم مشرکون"

نحن بنی ادم محصورین الیوم بین قوتان عظیمتان متعارضان منافصتان ومخالفتان احدھم السلطات لاصحاب الادیان السماویۃ ومذاھب الارضیۃ وھم الراسمالیون یسمیٰ کا بیتلسٹس والثانی سلطات الاصحاب الاشتراکیۃ وھم کومیونسٹس الراسمالیون (الحق ولاواحد منھم غیر راس المال) لان الدول الارباح المال والتمویل والتجنیب تملک اکثر الذھب (ما فوق من عشرین الف طن) والفضۃ والجواھرات (من کنوز الملوک الفراعنۃ والیونان والروم والھند وغیرھم) والقصور والعقار والاراضی الزراعۃ وفابرک والبنیوک والشرکات المعادن والبواخر وسکک الحدید والطیارات وغیرھم وکل ثروۃ البلاد براً وبحراً فی ید الحکومۃ والاھراء والتجار ویبقی الرعیۃ فقیرۃ (مثل ذلک الیوم فی المسلمین مملکۃ السعودیۃ العربیۃ وبحرین وکویت وامارات المتحدۃ العربیۃ وفی غیر مسلمین ولایات المتحدۃ الامیرکۃ) کذلک الحال فی بلدان الکومیونسٹس۔ ھناک ایضا کل شی یبقی بید الحکومۃ فقط والرعیۃ مالھا ای ملک وھم مبسوطین ومطمئنین باحوالھم لان الحکومۃ لادینیۃ یزین لھم حیاتھم الدنیویۃ ولیس لدیھم ای مشروع للعقبیٰ لانھم لا یعتقدون بالاخرۃ ویظنون ان امل العقبیٰ خدع عظیم والرعیۃ فی بلدان کابیتلسٹس ایضا یعیش مطمئنۃ لان لھم حریۃ الدین باھل العیشۃ الراضیۃ فی العقبی فقط وفی بلدان کمیونسٹس العمل بالدین ممنوع لانھم یعتقدون ان ادیان السماویۃ والسفلیۃ غیر عقلی وباطل بکونھم سخیف وغیر معقول وان الراسمالیون یلعبون بھم وبرقۃ الاحساس العواطف الدینیۃ ولھذا الزعائھم یسئلون مالنا بالدین لما یکفی لنا فقط مبدأ تعلیمی وقانون من عقائد کارل مارکس الفیلسوف المانی عن المساوات الانسانی والاخوۃ والاتحاد والحریۃ بان حیاتنا ھی حیاۃ الدنیا فقط ولابعث بعدہ

نسمع ان الی عام ۱۹۱۰ میلادی العدد المسلمین فی بلدان کمیونسٹس کانت یفوق ۲۰۰ ملیون سنی حنفی والیوم ھم اقل من ۱۰ ملیون وھم مایعرفون الصلاۃ والحج وفی بلدان کابیتلسٹس ھناک ۱۰۰۰ ملیون مسلم وفیھم السنیون یزیدون سبعین فی المأۃ ومنھم الحنفیون یزیدون سبعین فی المأۃ والوھابیون اقل من عشرین فی المأۃ۔ وھم یظنون ان اھل السنۃ قد ارتدوا عن اسلامھم

وصاروا من اهل الشرک والزیغ واهل البدعة (رأیت کتاب الدولة المکیة بالمادة الغیبیة مصنف امام اهلسنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قادری رحمة الله علیه - قد اشتیٰ بطبعة جدیدة بالأوفست حسین حلمی بن سعید استانبولی سنہ ۱۹۷۵ء - ووجدت فیها هذا ... "ولاشک ان فرقة الوهابیة اشقی الناس بحسدهم لرسول الله ....) بناء علی ما قال مولانا احمد رضا خان لاشک ان فرقة الوهابیة فی الهند (ای دیوبندیة ندویة اصلاحیة ولبّة من مدرسة باقیات الصالحات وغیرهم) نحن نقول ان اشقی الناس بحسدهم لاهل السنة (الذین هم اسعد الناس بحبهم برسول الله) - لانهم یعتقدون ان السنیون مشرکون -

اول من حکم علی اهل السنة انهم مشرکون هو امام (اعظم الائمة للوهابیة) عز الدین ابن عبد السلام قاضی القضاة دمشق هو الذی بدأ مذهب الوهابیة باسم طریقة الاصلاح فی الدین واحیاء السنة فاصلح وابطل بدعا کثیرة منها صلاة الرغائب وصلاة نصف شعبان لان (کما قال القاضی) مایفعله الناس (ای اهل السنة - منهم بالاخص الاتراک الاحناف) من احیاء نصف شعبان والدعاء فیها بهذا الدعاء المعروف لا اصل له فی الدین وایضا قال ان العلماء متفقون علی انه من المحدثات ای البدعة او خلاف السنة - کان القاضی مع النصاریٰ فی حروب الصلیبیة وخلاف الاحناف الاتراک وکان موجود بالدمشق لما سیدنا سلطان رکن الدین بیبرس انهزم جنود الصلیبین وانتصر فی معرکة عین جالوت وهی نصرة عظیمة للاسلام - فلما وقع الخلاف بین القاضی وبین ملک صالح اسماعیل اعلن اسقاطه من الحکم فی الخطبة والملک حاضر فی المسجد فالملک قبض علیه وحبسه فضج الناس وتکلم العلماء فجاءوا عند الملک وفود من الافرنج یطلبون اطلاق القاضی من السجن وقالوا ایضا" والله لو کان هذا القاضی قسیسنا لغسلنا رجلیه وشربنا ماءها".....

هذا عقیدة الوهابیة وهم یقولون ان مذهبهم السنة النبویة وطریقتهم الطریقة المحمدیة وان هم اخذوا الطریقة المحمدیة من امامهم الاخیر محمد بن عبد الوهاب النجدی وهو اخذه من شیخه الشیخ محمد حیات سندهی (نزیل مدینة) وهو اخذه من ۲۷ مشائخه (کلهم نزیل مدینه) وهم علماء الحدیث فی المدینة (هؤلاء ۲۷ کانوا محدثین الکبار ومدرسین فی مدرسة الحدیث - اسست بواسطة الکتاب تقویة الایمان وامامنا احمد رضا خان کان محارب کمحرکة صوریة مع تلک المذاهب فی الهند) وهم ای ۲۷ محدثین العظام اخذواه من امام ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ وهو اخذه من جده امام مجد الدین ابن تیمیة وهو اخذه من شیخه عز الدین ابن عبد السلام المتوفی سنہ ۶۶۰ھ - لما حرق المسجد النبوی فی سنہ ۶۵۴ھ (یوما الجمعة اول رمضان - هذا هو المسجد بناها مهدی بن منصور خلیفة عباسی - احرقت کل شی فی المسجد سوی الصندوق المصاحف القران وجذع الحنانة وهدمت قبر النبی وایضا قبور الضجیعین) قام السلطان رکن الدین بیبرس بتعمیر الجدید وعمرانه وقام القاضی عز الدین علیه واعلن ان السلطان فاسق ومشرک یعبد قبر النبی واعلن اسقاطه من الحکم - کان السلطان یخاف من القاضی - لما توفی القاضی بمصر وخرجت الجنازة تحت القلعة وشاهد الملک کثرة الخلق الذین معها من المسلمین والنصاریٰ قال لبعض اخوانه الیوم استقر امری فی الملک لان هذا الشیخ لو کان یقول للناس اخرجوا علیه لانتزع الملک منی - وبناء علی ذلک بدأ الحرب بین الوهابیة (ای جماعة القاضی عز الدین) والاحناف من سنہ ۶۶ـ لما کانت المسجد النبوی یمتلی بالزائرین خصوصا الاحناف الروم الاتراک الذین کانوا یعتقدون ان التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی علیه الصلواة والسلام واقع فی کل زمان ومکان وحال قبل خلقه وفی مدة حیاته (طوله ....۵ ملیون عام لما قال الله تعالیٰ کنت کنزا رحمة مخفیة فاحببت ان اظهر نفسی) فی الدنیا وبعد موته فی مدة البرزخ وبعد البعث فی عرصات القیامة - ولازال هذا الحرب جاری الی الیوم وبناء علی هذا حارب امامنا احمد رضا خان مع الوهابیة فی الهند الی اربعین عام بعد رجوعه من الحج الاول فی سنہ ۱۸۷ م وبعد التقائه مع شیخه مفتی مکة السید احمد زینی دحلان المکی الذی هو کان اشد الاعداء الوهابیون الاصلیون ای اهل النجد - الوهابیون فی الهند کانوا مثل بناسپتی الی سنہ ۱۲ ھ ولاکن الیوم هم اشد من النجدیین فی الارتودکسی ای استقامة الرای والنجدیون صاروا الیوم بناسپتی وهابی - لهذا اهنا سوالان عن الوهابیون عموما (الارتودکس ای ۲۴ قیراط و ۱۴ قیراط و ۹ قیراط) هل هم فرقة من ۷۲ فرق الاسلام ؟ بالطبع الاجابة تاتی بالایجاب علی هذا السوال - هل هم مع اهل السنة واهل السنة بنفسهم؟ بالطبع

العابة تاتی بالنفی لان هناك توحید بین الوهابیة والبریطانیة تحت شعار واحد واهداف واحدة۔ بناء علی ذلك نقول ان المذهب
دهابیه او وهابی إزم اسلامیة لیست دین مستقل بل هو فرقة من اهواء النحل من ۷۲ فرق المومنین کما اخبر النبی ان ستفرق امتی
فی ۷۲ فرقة وهم شیعة اخرجت من سلال اهل السنة والجماعة من منذ سنة ۱۱۵۰ھ وهم الذین وضعوا هذه المذهب فی شکله الحدیث
.

ایضا یمدحون الوهابیة ویقولون ان الاحناف فی ترکستان الروسی ایضا کانوا یعبدون القبور۔ انا ما ادری ماهو
السران الاسماعیلیون وایضا الکومیونسٹی والوهابیون کلهم یکرهون القبور۔ البته کان امامنا احمد رضا خان یعرف السر ولا
جل ذلك هو قام ضد الوهابیون الذین یکرهون قبور الانبیاء والاولیاء وفی الجواب فی ردقولهم ان عوس القبور شرك قال
قال الله تعالی یا ایها الذین آمنوا لا تتولوا قوما غضب الله علیهم قد یئسوا من الآخرة کما یئس الکفار من اصحاب القبور فی
رد الوهابیة قالوا ان النبی قال: اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور انبیائهم مساجد۔ ولهذا قالوا اشتد
غضب الله علی الاحناف الاتراك بانهم اتخذوا قبر النبی مسجد وایضا قالوا ان الخلفاء العثمانیون قد جعلوا مسجد
النبوی کهیکل دانیال وکنیسة بوربونة

بدأ مذهب الوهابیة فی قناع التنکر والخدیعة الدینیة السیاسیة الدسیسیة فی سنة ۱۷۲۵م من نجد والی
سنة ۱۸۵۰ انهم تقدم بسرعة الی القوة الهائلة حتی تغلب علی اهل السنة فی العالم وفی نفس العصر المحدثات الامور صار ا
ظهور الوهابیون (ای جماعة دینیة وسیاسة المخلوطة) فی نجد وهم اسسوا الجمعیة الاخوان باسم التوحید الخالص و
توحید العربی لاحیاء الدین وتنقیة وتطهیر الحرمین الشریفین من دنس الشرك ونجاسة الاشراك ای (کما یقولون
علماء الشریعة والحدیث) اتخاذ غیر الله تعالی الها او عبادة غیر الله تعالی وهدم خلافة العثمانیة التی کانت عند هم
خلافة المشرکین ای خلافة الاحناف من العجم الذین یعبدون مع الله الها آخر ای محمد رسول الله جل جلاله وعم نواله
ویشرکون بعبادة وبهما احدا ای رسوله۔ هذا هو سفسطة الوهابیة لانهم یعلمون ان الله لا یصلی علی غیر الله قط وحتی الها
آخر واحدا هو الشیطان الرجیم فقط۔ وفی نفس العصر طلع شمس الالحاد الکومینزم من المغرب بکر امة کارل مارکس الیهودی الالمانی
الذی نشر بروتوکول الاشتراکی الشیوعی فی سنة ۱۸۴۳م۔ اخبرنی استاذی شیخ الاسلام حنفی الشیخ امین سوید دمشقی المتوفی سنة ۱۹۲۵
ان الوهابیون (من نجد وهند) قد فاقوا فی الحیلة والخدعة والمکر والدهاء لوسیفرا المشهود (LUCI PHER) باسم عود کبریت
ونجمة المساء ای مساء الدنیا وصبح الآخرة وبعد ذلك صار مستحیل لاهل السنة ان یبطلوا سحرهم ومسندهم وغلبتهم وسلطتهم السیاسة
والدسیسة باسم الدین واحیاء السنة النبویه والتوحید الخالص ضد سنة الصحابة وتوحید المسلمین۔ وبعد ذلك صار الهزیمة
لاهل السنة وما کان لهم ای قوة لدفع السلطة الوهابیة علی بیت الله المقدس ومسجد النبوی الشریف ولو انهم عرفوا بالجد (حسب تعلیم
السید احمد دحلان واحمد رضا خان۔ کلاهما کانا عشاق النبی وحب النبی اکبر وثیقة اعتماد عند الله) ان الوهابیون قد قاموا
لهدم قوة الاحناف الاتراك عثمانیون وهدم خلافة الاسلامیة الترکیة التی اسست فی سنة ۷۲۶ھ وهدمت فی سنة ۱۹۲۴ بعد ثورة ال
والحرب (المسلمین والنصاری والیهود۔ کلهم سامیّ ای بنی سام ابن نوح علیه السلام) وثورات النصاری فی بلقان بسبب التوحید
النجد والبریطانیة وتوحید العرب مع الحلفاء الغرب ضد الاتراك الذین کانوا رب البیت ورب العائلة لاحناف العالم

الحرب الاول بین الوهابیون والسنیون ابتدأت فی سنة ۱۲۱۲ھ فی مکة المکرمة فی ایام الحج وهذا الحرب کانت
بالکلام ای باللسان فقط ای المباحثة والمجادلة یسمی مناظرة۔ الوهابیة غلبوا فی هذا وصار الفتح لاهل السنة وبعد
ذلك هجموا الوهابیة بالسیوف والبنادق والمدافع وقتلوا مائة الف مسلمین من سنة ۱۲۱۶ھ الی سنة ۱۲۱۸ھ حد اخیرا صار النجاح
للوهابیون وانهزموا اهل السنة هزیمة شنیعة۔

لما طبع خانبها در نواب بهوفال صدیق حسن (وکیل بریطانیة العظمی فی الهند) ثلاثة تفاسیر القرآن فی هذا التفاسیر

تقریبا عشر المحتویات محرفة۔ عندی شهادة ان صدیق حسن قد حرف تفسیر ابن کثیر و تفسیر قاضی شوکانی و تفسیر شهاب الدین آلوسی المسمی روح المعانی۔ هذه التفاسیر المطبوعة جدا غیر و مختلف عن المخطوطات الاصلیة الکائنة فی دار الکتب القدیمة۔

ان الذین جاهدوا و حاربوا بالقلم و بالسیف فی الحجاز ضد الوهابیة هم اهل السنة و علمائهم الکبار و رئیسهم فی طلیعة الاخیر (مالنا ای طلیعة الیوم) کان مولانا سید احمد زینی دحلان المکی (و هو معروف عند الوهابیة باللقب السید الفساق والفجار الطغام و امام ضلالتهم و بدعتهم احمد زینی دحلان) والذی جاهد فی الهند اشد الجهاد قبل سنة ۱۸۸۶ھ هو شیخ الاسلام حنفی مولانا احمد رضا خان بریلوی المولود فی سنة ۱۸۵۶م و هو کان فقیه و شارع الکبیر و مفتی و ایضا صوفی و هو اخذ الطریقة الصوفیه من مشائخ طریقة القادریة واخذ درس السیاسة المدینیة من علماء الحرمین الشریفین و کان شیخه الکبیر والمرشد الشیخ الاوحد مفتی مکة (فی عهد خلیفة سلطان عبد الحمید خان) السید احمد زینی دحلان المتوفی سنة ۱۸۸۶م. کما کان یقولون الوهابیة فی العرب ان السید احمد زینی دحلان کان مشرکا الوهابیون فی الهند یقولون ان احمد رضا خان ایضا کان مشرکا و "بدعتی" بانه کان ضد الوهابیة (فی العرب والهند) و کان مع الاتراک ضد الافرنج کما کان زینی دحلان ضد الافرنج و مع الاتراک۔ و لولا هو تابع لسید المکی ما کان له ممکن ان یسیر فی طریقه و یثبت امام هجوم الوهابیة (من مدارس دهلی بهو فال دیوبند و لکهنو ای الندوة و مدرسة باقیات الصالحات و غیرهم) و یصیر امام السنة و ناصر الامام الاعظم ابو حنیفة فی الهند۔ ولو ان قد اجتهدوا السید احمد زینی دحلان واحمد رضا خان والوف من علماء اهل السنة تحت قیادتهما بهدم مذهب الوهابیة ما کان لهم حظ النجاح المقصود بسبب انه کانت الامبراطوریة البریطانیة العظمی مع الوهابیة فی العالم بسبب التوحید (ای الاتحاد والاتفاق) بینهم والمیثاق تحت مشروع سیاسی واحد و اهداف واحدة ضد الخلافة العثمانیة الحنفیة من سنة ۱۴۵۲ء م حینما فتح السلطان محمد الثانی الفاتح عاصمة الامبراطوریة البیزنطینیة المسیحیة ای القسطنطنیة و سماه آستانه العالیة و اسلام بول و استنبول الذی فیه قصر توپ کاپی و فیه آثار المقدسة لذکری النبی۔ لما صار الآستانة عاصمة الخلافة عُطلت التجارة بین الشرق والغرب من طریقتان مشهورتان لتجارة الحریر والطیب والبخور و بسبب ذلک اضطروا الاوروبائیون ان یفتش طریق البحر الی الشرق فوصل فاسکودی جاما البرتغالی الی کوشین فی مالابار فی ۱۴۹۸ء م والی سنة ۱۶۰۰ء م کانوا العرب فی سواحل الخلیج الفارس (الیوم خلیج العربی) مع الاوروبائیون و ضد العثمانیون الاتراک الاحناف۔

کان الامیر عبد العزیز بن محمد السعود المتوفی سنة ۱۸۰۳ء (و هو الذی هجم علی المکة فی ۱۸۰۲ء بعد مناظرة ۱۲۱۲ھ۔ و قتل سنیون کانهم الکفار والمشرکون) مع البریطانیة العظمی ضد الاتراک و کذالک کان السلطان عبد العزیز بن سعود المتوفی سنة ۱۹۵۲ء م تحت حمایة الافرنج من منذ سنة ۱۹۰۰ء و بسبب ذلک لما هو فتح مملکة الحجاز و انهزم و طرد و کیل الخلافة العثمانیة الشریف المکة السید حسین الهاشمی اول من تعهد رسمیا مع الوهابیون القابضون علی الحرمین الشریفین فی سنة ۱۹۲۴ء م هی حکومة بریطانیة و اول ما فعلوا الوهابیون لهدم کل شی من دستور اهل السنة (خصوصا للتابعین السید احمد زینی دحلان و احمد رضا خان) هو منع جلوس المحمل الشریف لکسوة الشریفة للکعبة المشرفة و هذا هی اول هزیمة المهینة لاهل السنة و بعد ذالک منعوا الوهابیون دستور التشفع والتوسل والاستغاثة والاستعانة بالنبی عند قبره المقدس و ایضا دستور وجوب السلام بالقیام علی النبی علیه السلام تشریفا و تعظیما و تسلیما ای بالتقلیس والانقیاد و انحناء الراس والقلب والروح لدیه و ایضا منعوا اللمس والتقبیل الشبکة المبارکة فی درابزان الشریف

حول حجرة الشريفة فی مسجد النبوی الشریف۔ وایضا قطعوکل حلقة الیار ای شکل الهلال فی "یارسول اللہ" مکتوبة (منقوشة) فی محاریب الروضة المقدسة۔ وکان هذا القانون الحدیث الشرعی لمنع الاشراک والبدعة بالجبر والاکراہ علی اهل السنة من محدثات الامور۔ کان هذا من اعظم مأساة الفاجعة الکارثة لاهل السنة خصوصا علی البریلویه الملقبین برضاخانیة۔ کما هم یلقبون الوهابیة فی الهند اسماعیلیه رشیدیة قاسمیة انبیتهویة وغیرہ۔ هناک فرق بیّن بین الوهابیون العرب والهنود۔

کان السلطان جلالة الملک المعظم عبد العزیز ابن سعود وهابی شدید واورتودوکس قاسی وصعب التصدیق ومتوقد الذهن الی سنة ۱۹۴۰م (وهوکان سلطان التاسع عشر من سلالة آل سعود وهذا عدد دار وغات جهنم) ولکن لماکان عمرہ ۶۸ ای بخمسة سنین قبل موته لین اللہ قلبه وهو صار مثل اهل السنة ومن بعدہ صار جلالة الملک المعظم المحبوب فیصل السعود ایضا یمیل ازید من ابیهم الی اهل السنة واراد ان ینقل جمیع المآثر المقدسة لذکری النبی من قصر توپ کاپی فی استنبول الی مکة لاجل الحجاج الکرام ان یزوروا نهم وهذا اعظم دلیل ان الملک فیصل المحبوب ترک تذکار الجمیل والمجید هو انقاذ وحصول جامع القرطبة فی الاسبانیه الاندلس القدیم للمسلمین هواشتری المسجد بستة مأة ملیون ریال وعمرها عمران جدید وکذالک هوکان حریص علی انقاذ المسجد الصخرا المبارک ومسجد الاقصیٰ المقدس ومسجد سیدنا عمر فی بیت المقدس۔ فلما نشر هذا الخبر فی الجرائد ان ملک فیصل صار یعظم شعائر النبی ای الآثار المقدسة فی آستنبول ویرید یحولهم الی المکة قاموا علماء الوهابیون علیه وبعضهم فی الهند کتبوا فی الجرائد ان الملک لم یکن صافی النیة بل یرید یا خذ المآثر ویفنیهم۔ هذا دلیل واضح ان کل من هو وهابی لیس بامین لسیدہٖ وکلهم منافقین الظانین بالفیصل ظن السوء کما هم الظانین بالنبی ظن السوء ولولاهم منافقین ما کتبوا فی الجرائد ما کتبوہ۔ هذا دلیل واضح ایضا ان الملوک الوهابیة قد ترکوا مذهب ۲۷ محدثین الکبار فی المدینة الذین کانوا فی اوائل القرن الثانی عشرة الظانین بالنبی ظن السوء ولاکن الوهابیة فی الهند لازال یتبعون تلک الشیاطین الانس۔ فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون الذین هم یراؤن ومایصلون علی النبی کما امر اللہ تعالیٰ عزوجل صلوا علیه وسلموا تسلیما ای صلوا علی النبی وقوموا لتعظیمه لما یقوموا المسلمین عند ذکرہ الخاصة۔

لما جاء الخبرات الملک الفیصل قد عشق علی آثار النبی فی TOPKAPI (وکدر الوهابیون) کان ضروری علی اهل السنة ان یقولوا مرحبا بک یا فیصل عافاک اللہ للہ درّک حبذا حبذا استمر بعون اللہ تعالیٰ ونحن معک لاننا نرید نزور آثار النبی فی الحرمین الشریفین۔ انا متاسف جدا ان اهل السنة فی العالم ما درسوا وما عرفوا نیة ملک فیصل وفقدوا الفرصة الجلیلة لاجلال ذکری النبی صلی اللہ علیه وسلم ولانهم یقولون بالجد دائما فی جلوس مولد النبی نبی کا دامن نهیں چهوڑیں گے ای ما نترک وزرة النبی یخرج من ایدینا تابعا لامر اللہ تعالیٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ومعنی جمیعاً نحن اهل السنة والحنفاء بکوننا الاکثریة السواد الاعظم۔ هذا هو الحقیقة ما سوف علیه اننا قد فقدنا الفرصة ولاکن لساعة ما فات الامر بناء علی هذہ التغیر فی التعصب القدیم الوهابیة علی طول زمان ۲۵۰ سنة اقول بالتاکید ان الیوم قد حصل السنیون الفرصة الجمیلة لترک جباتهم (علی طول زمان ۵۰ سنة) لتجدید جمیع رسوم مسالک اهل السنة فی حرم الشریف النبوی مثل تقبیل الشبیکة المبارکة کما کان یجری هناک من خلافة لما جاء الخلیفة العباسی المهدی بن المنصور (ابو هارون الرشید) لزیادة مسجد النبوی الشریف الجدید التی هو بناها (حسب الوصیة امامنا الاعظم ابو حنیفه) وعمرها ذی شان العالیة لعبادة اللہ تعالیٰ عزوجل ولتعظیم رسوله محمد الملقب رحمة اللہ ورحمة للعالمین کما قال اللہ تعالیٰ ان رحمة اللہ قریب من المحسنین وهذا اکبر دلیل ان محمد یکون للمسلمین اقرب من ارواحهم واشباحهم مع اللہ تعالیٰ بذاته وصفاته ووقایته وعنایته ورعایته کما قال اللہ تعالیٰ نحن اقرب من حبل الورید

للمسلمين فقط وهو ليس بتقريب من المنافقين والمنافقات والمشركين والمشركات الظانين بالله ظن السوء يعني ايضا الظانين بالنبي ظن السوء انه قد مات (وقد صار كالمعدوم وغير موجود) هناك دليل اخر لظن السوء الوهابية انهم يقولون ما نعرف لماذا يصيحون المجانين "شئ لله يا سيد المرسلين شئ لله يا حبيب رب العالمين" "اغثني يا رسول الله" "سيدی یا رسول الله" "يا رسول الله انت لها"

ان الفرق بين الوهابي والسني كما فسره امام احمد رضا خان هو هذا ان السني يحب النبي حب المجنون والوهابي ما يحبه كما هو اهله لان العلماء الوهابيون يخافون ان حب النبي الى حد التعظيم وراء العظيم يماثل الحب لغير الله تعالى والاتكال عليه (فی جلب المنفعة ودفع المضرة) ومنافى لامر الله تعالى" قل اغير الله اتخذ وليا" الحق كلام احمد رضا الحق وكلام رشيد رضا (رئيس الوهابيون) باطل- هذا رشيد رضا لبنانی ثم مصری كان ناصر الوهابيون فی الهند مثل رشيد احمد غنغوهی- هو الذی كان رئيس المجلس فی حفلة مدرسة ندوة فی ۱۹۱۲ء تسعة سنين قبل وفات احمد رضا- هذا ضروری لنا ان نعرف ما قال احمد رضا عن رشید رضا ومن اتی به الی الهند- قال احمد رضا ان علماء الوهابيون يقولون ان النبی غير موجود بيننا اليوم والسنيون يعتقدون ان معنى نحن اقرب ای ان الله قريب منا فی المجاز فقط وفی الحقيقة الذی قريب منا فی المجاز والحقيقة هو رسول الله ولذلك الله محمد اقرب منا ولاكن مع ذالك ليس لنا ممكن ان نعرف معنى وبمحمد اقرب حتى نتصل بمحمد اول الاتصال مع الله بعد ذلك لا ممكن لاحد ان يتصل مع الله قبل وصاله بمحمد والوهابيون ينكرون هذا ويقولون مالنا بمحمد وهو غير الله نحن نريد ان نتصل مع الله وحده فقط

انا اعرف ان السنيون لازال ضد الوهابيون وعلمائهم الاولون من ستة ماة عام ولاكن ليس لديهم ای استطاعة ان يبينوا ويثبتوا ان رسول الله ليس بغير الله- وانا اظن ان اغلب علماء اهل السنة ايضا يصدقون ان النبي غير الله (لان غير الله) وما سوى الله كلمتان مترادفتان

اليوم عندنا الفرصة الوحيدة لابطال مذهب الوهابية لان افل شمس امبراطورية البريطانية العظمى واليوم لا خليل لهم ولا ناصر كما كانوا فی قرون الماضية والحق ان اليوم ما بقی ای شئ من سلطة البريطانية العظمی وسلطة المستعمرين فی اوروبا وليس لهم ای وقار فی ای مملكة من ممالك الاسلامية- واينما تولوا تجدوا فيها الحمد لله وما شاء الله سبعين فی الماة من اهل السنة والجماعة ونحن قادرون ان نطفى نار الوهابيين المنافقين الظانين برسول الله ظن السوء بانه معدوم ومفقود وغير موجود وليس له اليوم ای قوة لانقاذ المسلمين من ورطات التعنت وان معنى "عزيز عليه ما عنتم" يكون شئ الذی مضى وما بقی منه شئ- نرى اليوم استيقاظ ونهضة جديدة وجميلة وجليلة فی المسلمين وهم يريدون حل جميع مسائل الدينيه والسياسة بنفسهم وينجوا انفسهم من المشكلات المحدثات الامور المكونة بفتنة الوهابيون مع فتن الاوروبائيون كما اشار اليهم النبی بقوله عليه السلام محدثات الامور فكل محدث ضلالة وكل ضلالة بدعة وكل بدعة فی النار- اليوم بعد الايقاظ بين المسلمين قد عرفوا التجار الراسمالية والاشتراكية ايضا ان اليوم سوتهم فی الخطر لان الاسلام يرفع راسه ويظهر على رؤس قوتهم وسوتهم لابطال سطوتهم فی العالم الذی كان تحت اقدمهم الى اربع ماة عام ولهذا نرى اليوم شدة بروبغندا ای نشر الدعاية ضد الاسلام وضد المسلمين ومذاهبهم وتهذيبهم وتمدنهم وطريقتهم ومعيشتهم وشريعتهم وقوانينهم ثقافتهم وسياستهم ويقولون ان قوانين الاسلام غير لائق للاستعمال ولازم نترك بدل قوانين الجديدة والحديثة ولهذا نرى اليوم ان اكثر المتعلمين العصريين يكرهون الاميين من المسلمين ويقولون انهم جهال واهل البدعة والزيغ والشرك- هذ العصريون المجددون يحبون التجديد مثل المحدثون والمجددون الذين يريد التجديد ای التبديل والتغير فی فقه الامام ابو حنيفة باسم احياء السنة النبوية وسنة السلف الصالحين كأن الامام ابو حنيفة ما كان يفهم السنة

النبوية وسنن الصحابة العظام من المهاجرين والانصار بناء على هذا العصريون يحبون الراسماليون والاشتراكيون والمجددون والمحدثون انهم اصحاب العقل والحكمة وان الاحناف من الضالين من بدء الامر الى منتهاه - الوهابيون والعصريون متفقون ان ابوحنيفة وكل من تبعه اهل الزيغ والبدعة - بناء على هذا المجددون العصريون يعتقدون ان السيد زيني دحلان واحمد رضاخان كانوا من علماء السوء لانهم كانوا ائمة اهل السنة يعني اخس المسلمين المنبوذين وضحكة على الاسلام - العصريون والمجددون والمحدثون والمجتهدون ومعهم الاوروبيون كلهم كانوا حريصون على التدمير والتخريب تجمهر الناس مذهب الحنفية الصمدية فى الهند ولولا احمد رضاخان البتهان صمدله وقاوم قيام الافغانية الحنيل الحنفية ما كان لنا ممكن اليوم ان نفتخر انا الحنفيون اى التائبون العابدون الحامدون السائحون الراكعون الساجدون الأمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله واهل الجماعة" والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه"

ولوان مذهب الحنفية حق وهو مذهب اهل السنة (اى السنة النبويه والسنة اصحاب النبي وآله) ومذهب الجماعة (اى جماعة رسول الله) مالدينا اليوم الا قليل من الرجال الذين يعلمون ويعتقدون ان اليوم ليس هناك اى دين الا دين الاسلام (كما قال الله تعالى ان الدين عند الله الاسلام) الدين الوحيد والفريد السماوى الذى فيه النظام الصحيح لنجاة الدنيا من التهلكة من قارعات القنابل الذرية مسمى ايتم بمب - الاسلام هو الدين الاوحد لتامين حياة بنى آدم والضمانة والكفالة بسلامة دنياهم وعقباهم - الراسماليون والاشتراكيون من غير مسلمين يضمن فقط فى دنيانا ولم يستطيع يضمن شئ فى عقبانا ليس لديهم اى مشروع بضمانة حيات الابدى بعد الموت - نحن السنيون عائشون فى الدنيا على امل العقبى ولذالك نعبد الله وحده ونعظم رسوله ونحترم اولياء الله ولاكن الوهابيون (اى اعداء سيد احمد زيني دحلان واحمد رضاخان) يمنعونا من ذالك ويقولون ان هذا شرك مثل الشرك الكفار الذين كانوا فى عهد النبي وهم حصب جهنم وكذالك السنيون حصب جهنم - ولوان الوهابية (اى الديوبنديه والندويه وحلفائهم) يقدمون دلائل قوية فى تائيد عقائدهم خلاف عقائدنا ما لنا قلب ان نترك سبيل آبائنا السنيون السابقون (الوهابيون يقولون ان آبائنا وآبائهم اى السنيون السابقون فى الهند كانوا اهل الشرك والبدعة (ونحن نقول ان آبائنا وآبائكم كانوا الحمد لله المسلمين المحسنين المتقين الناجين) ولهذا الوهابية يضروا نا ويضربونا ضرباً شديداً من كل جهات الستة - الفرق الكبير بين عقائد السنيون والوهابيون هو هذا الوهابيون يظنون ان تسعين فى المأة من اهل السنة والجماعة قد ارتدوا من دين الاسلام وصاروا اهل الشرك والبدعة بعد اتباع احمد رضاخان ومالهم اى استحقاق لحيات الجنة مثل عدم استحقاق للكفار والمشركين والملحدين والسنيون يعتقدون ان الوهابيون قد كفروا بعد ايمانهم واسلامهم بالنبي لانهم يؤمنون بالله فقط وما يسلمون انفسهم تسليماً لرسول الله لهذا هم اصحاب جهنم مثل المشركين (قال الامام ابوحنيفة ان ومن كفر بمحمد فهو مشرك ولهذا الوهابيون يظنون انه غلطان لان عندهم من يكفر بالله ليس بمشرك بل ومن يؤمن بالله ورسوله فهو مشرك - الوهابيون يعتقدون ان الاشتراكيون وايضا مثلهم الاشتراكيون لم يكونون من المشركين لانهم كفار فقط وهو محال لاى كافر ان يكون مشركاً كما هو محال للخنثى ان يزنى ويقال زانى والدليل لذالك هذا ان المشرك لازم يكون بالتحقيق المومن بالله اولاً ومع ذالك يعبد الاها اخر اى غير الله المفسرون يقولون ان المعنى الاها اخر الشيطان ولاكن الوهابيون يقولون ان كل غير الله الها اخر حتى النبي هو الها اخر لان السنيون يعبدونه يبلاونها را مع الله تعالى وبناء على هذا يظنون السنيون مشركون لانهم يعتقدون ان الله تعالى ورسوله متفقين ومتحدين من الازل وبينهم توحيد اى الاتحاد والاتفاق مثل كولابوريشن اى الاشتراك العمل على مقصد واحد وتحت اهداف واحدة كما قال رسول الله فى حديث قدسى انى سفير محمد مفوض ومختار لله تعالى وان الله تعالى قال لى "يا ايها النبي انى شرفتك وفضلتك على جميع خلقى واشركتك فى امرى".

ای جعلتك بحیث تذکر معی وامرت بطاعتك مع طاعتی فی نحو اطیعوا الله واطیعوا الرسول... وایضا جاء فی الحدیث الدعا من النبی انه قال ادعو الله کذا "اللهم اشرکنا فی دعاء الصالحین..." بناءً علی هذا کان الامام احمد رضا خان احد من عاشر ورافق وصاحب مع الصالحین ونادیٰ یا رفیق یا شفیق ولاجل ذالك هو کان یرافق مع الصوفیین من طریقة وسلسلة السادات مارهره الشریف القادریة۔ جمیع اولیاء الله من اهل الطریقة من القادریه والرفاعیه والشاذلیه والچشتیه والسهروردیه والنقشبندیه وغیرهم یعتقدون الحدیث فوقانی صحیح جدا ان الله تعالیٰ قال لنبیه "انی اشرکتك فی امری" ولاکن الوهابیون یقولون ان هذا الحدیث وماشا کله موضوعة وقط لم یصح منه شی عند اهل الروایة ای الحفاظ الحدیث والمحدثین الکبار مثل ابن حجر العسقلانی والسنیون یقولون ان الامام المحدث احمد قسطلانی قال هذا حدیث صحیح وبناء علی ذلك کتب ان هناك التوحید ای UNITY بین الله تعالیٰ عزوجل والاحد والصمد وبین نبیه ورسوله محمد الاوحد بکونه المظهر الاعلیٰ لذاة الله جل جلاله وعم نواله۔ کان الله تعالیٰ الاحد لما کان ای شئ موجود من مخلوقاته واول ما خلق الله هو نور محمد الذی هو باعث الخلق ولذالك قال الله تعالیٰ لِابونا آدم علیه السلام "ولولا محمد ما خلقتك" وقال فی القران "کتب الله علی نفسه الرحمة" ولولا محمد ما کان الله کتب علی نفسه الرحمة بان الاحد بکونه فی وحدة الوجود لذاته وبذاته لایتصل باحد حتی یظهر نفسه ان هو الله الصمد ای هو الذی یسد حوائج مخلوقاته۔ هذا هو معنی الله الصمد ان الله الصمد یسد جمیع حوائج الخلق ولیس له بنفسه ولنفسه ای حاجة الاحاجة الرحمة علی مخلوقاته بواسطة وبحرمة وبحق رسوله الکریم روف رحیم ولاجل هذا جعل الله رسوله وکیله ونائب لذاته المقدس وعلی هذه القیاس عرفوا العارفون ان رسول الله الاوحد هو وحید وفرید

کما قدر الله وذلك تقدیر العزیز العلیم۔

وبناء علی هذا نحن السنیون یعتقدون کما کان یعتقد امامنا احمد رضا خان الحنفی (وکل حنفی صمد ای ما یرفع الیدین ای یخضع امام احد الذی ما یتبع امامنا الاعظم اباحنیفه النعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماه مولیٰ تیم الله وهو من رسط حمزة الزیات۔ کان تیم الله بن ثعلبة من اهل کابل ای بتهان۔ وایضا کان احمد رضا خان بتهان والبتهان ماسوی هیند زب) ان کان رسول الله من الازل وسیکون الی الابد سیدنا وملاذنا ومولانا وملجانا وماوانا" وماله لغیر مولاه عوز وله العالمون فی اعواز" وهو مفوض معتمد ومختار لنا من عند الله وهو وکیله وحبیبه ووزیره یرجیٰ منه حوائجنا وهو مغیثنا ومجیبنا ومعاذنا فی البلاء والرخا ولذالك لما نسمع الاذان الصلاة نحن ندعوا الله تعالیٰ "وابعثه لنا مقاما محمودا" ولاکن الاعداء احمد رضا خان ینکرون کل ذالك ویقولون انه کان بشر مثلنا وبعد وفاته لایستطیع ان یسمع مناجاتنا ویساعدنا فی کربنا ولاله ای حق ولاله ای قدرة الروحیه لانه روحه مقیدة فی البرزخ ولیس له ای التصرف فی تقادیر الله والذی یعتقد انه رقیب علینا ای احمد رضا خان فهو مشرک۔ هذا هو صحیح ان احمد رضا خان یعتقد ان النبی حاضر وناظر وهو رقیب علینا الیوم فی کل وقت وحین۔ وایضا کان احمد رضا خان یقول ان قول الوهابیة زخرف القول والزور لاننا نعتقد ما کتب امامنا الامام الاعظم ابوحنیفه ان "ما یضر مع الایمان شئ" والحق اننا آمنا بالله ورسوله وما آمنا بالله فقط۔ فکیف نفرق بین الله ورسوله فی محبتنا وطاعاتنا وعبادتنا لاننا قد اسلمنا مع محمد لله رب العالمین وهذا هو موضوع جدالنا مع الوهابیة

اول من خاصم مع الوهابیون فی الحجاز وطبعا فی العالم الاسلام هو مفتی مکة المکرمة السید احمد زینی دحلان واول من خاصم مع اخوان الوهابیون فی الهند (ای الوهابیون الذین کانوا یتبعون الشیخ محمد ابن عبدالوهاب بواسطة تلمیذ تلمیذه مولوی محمد اسماعیل الدهلوی الذی قتلوه البتهان لانه حارب معهم علی مسئلة الرفع الیدین فی الصلوة) هو تلمیذ ومرید للسید احمد زینی ای مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ هو صار الی الحج مرتین اولا لما کان عمره خمسة عشر سنة لما کان المفتی السید احمد حی وبعد وفاته فی سنة ۱۹۰۱م۔ ولهذا اقول ان السید احمد زینی دحلان المکی کان استاد

الكبير والمرشد الكبير لاحمد رضا خان ولولا، ما كان ممكن لاحمد رضا ان يخاصم ويجادل مع الوهابيون فى الهند لان الهنود ما كانوا يعرفون وما كانوا يفهمون معنى اللفظ الوهابية وما كانوا يعلمون الوهابيون منهم وما دينهم وما مقصدهم وما اهدافهم. البته ما خاصم احمد رضا خان مع الوهابية مثل شيخه فى المكة ومشائخه الاخر فى الحجاز لان الوهابيون الهنديون كانوا احناف ومن سلالة احناف ويكونهم اهل التقية ما كان سهل على امامنا ان يفرق بين الحنفى اصلى وحنفى منافق اى الوهابى الوهابيون فى الهند من سنة ١٨٢٦ م الى سنة ١٩٢٦ م ما اظهروا ما كان مخفى فى قلوبهم كما هم اظهروا وقاموا بالمطارق وبالمرافش والمخل بايديهم ان يهدموا ويدمروا مرقد النبي وقبة الخضراء عليه. لو كان احمد رضا خان يعرف هذه السرفى حياته كان يقوم عليهم للجهاد. الوهابيون كانوا يخفون هذا المشروع فى ظلام قلوبهما الى سنة ١٩٢٥ م وقبل انشاء هذه السر ما كان ممكن لائمة الاحناف ان يفسروا المقصد الاصلى فى قعر قلوب الوهابيون الذين كانوا يقولون ليلا ونهارا "ان النبي محمد غير الله" وما عنده علم الغيب" و"ان التوسل بالذوات لم يشرع وكذالك طلب الشفاعة من النبي فى الدنيا والاستغاثة بغير الله تعالى محرمة فى كل دين بالنصوص وهذا المقام لا يسع التحقيق..." واقوال الاخر مثل هذا ان النبي بكونه ميت ما يستحق اى تعظيم لذاته بل لسنته فقط وبناءً على هذا كل وهابى كان يريد ان يهدم كل شى باتى مثل الآثار لذكرى رسول الله وهم كانوا يسبون مولانا السلطان الشرف قائتباى الذى بنىٰ القبة الخضرا ويسمونه الصنم الاكبر" مثل الصنم الثور الذى يعبدونه عبدة العجل. ولو ان احمد رضا خان ما كان يعرف ان الوهابيون يريدون ان يهدموا قبر النبي والقبة الخضرا هو كان يفهم ما هو فتنة رسالة التوحيد لابن عبدالوهاب وتقوية الايمان لاسماعيل دهلوى ان سياتى قوم مثل الصليبيون والتتر لهجوم على الحرمين الشريفين والهجوم يكون مثل هجوم على بيت المقدس فى حرب الصليبي فى سنة ٥٠٥ھ. انا اظن ان فى سنة ١٢٤٢ھ الوهابيون والاتحاديون كانوا يريدون ان يهدموا قبة الخضراء مثل الزمرد ولابعد حرب العالمى الاول (اى حرب الصليبي الآخر) وبعد ذالك يهدموا قبة الصفراء مثل الذهب اى قبة المسجد الصخراى المبارك ومسجد الاقصىٰ ومسجد سيد ناعمر وبعد ذالك القبب الذهب فى الكاظمين والمشهد الشريف لسيدنا على رضا وبعد ذالك جميع مشاهد اوليا ءالله فى العالم حتىٰ مزار الچشتى فى اجمير الشريف لان السنيون يعبدون القبور واعظمهم وقبر النبي صلى الله عليه وسلم انا ما اعرف ان امام احمد رضا خان يعرف هذه الاسرار لانه ما كان شديد على الوهابية فى الهند كما كان السيد احمد زينى دحلان بالمرة شديد على الوهابيه فى بلاد العرب. البتة هذا هو التحقيق ان احمد رضا خان قد قراء جميع الكتب العربيه ضد الوهابية وبناء على ذالك خاصم مع الوهابيون فى الهند اى القاسميين والاحمديين اى تابعين لرشيد احمد غنغوهى وغلام احمد قاديانى

السيد احمد زينى دحلان كتب ان الوهابية ومن تبعهم كانوا الكفار الذين قد كفروا بعد ايمانهم واسلامهم لله ورسوله وبقوا المومنين بالله فقط وغير المستهين لرسول الله تعالىٰ جل جلاله وعم نواله قال السيد ان الوهابية يومنون بكلمة التوحيد لا اله الا الله محمد رسول الله وهذا لكلمة مكتوب على لوائهم وفوقه المصحف القرآن وتحته السيف ولاكن هم يظنون ان رسول الله ايضا غير الله. بناءً على هذا كتب السيد احمد زينى دحلان ان البانى للفرقة الوهابية النجدية وسائر بلدان الاسلامية والهندية باسم التوحيد الخالص هو الخبيث الوحيد واول امام بدعاتهم واخر امام ضلالتهم هو ابن عبد الوهاب المتوفى سنة ١٢٠٦ھ (الموافق سنة ١٧٨٧م) هو الذى غرس شجرة ملعونة فى القرآن والحديث والتاريخ الاسلامى باسم التوحيد الخالص وكانت توحيده وتبا ئلهم البدو والوحشى مع اعداء الاسلام اى الاتحاد بروتستانتى (بالنسبة الى المذهب الانجيلى واصحاب بروتستو المحتج ومقيم الحجة ضد الاحناف المسلمين المسلمين لله ورسوله) وطلعت قرن الشيطان اى زمان الابليس وعهد الشيطان. من هذا الحرث التوحيد الجديد التوحيد النجدى البريطانى بعد ما فتح نابوليون بونا بارت المصر والفلسطين والشام ومن هذه القرن اى بوق الشيطان خروج الصوت

الصور الابلیس اللعین الذی ابیٰ ان یسجد لآدم لانہ رای فیہ نور من نور محمد وھو مظھر رحمۃ اللہ وھوا لوحید الاوحد والفرید ان یکون مھبط الرحمات من اللہ رب العالمین للعالمین۔ وبعد ابن عبد الوھاب اخذ البوق تلمیذہ قاضی محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمن حلیف بریطانی۔ بناء علی ھذہ القول السید احمد زینی دحلان نستطیع نقول ان اول من اتی بھذہ البوق الشیطانی فی الھند ھو احمد شاہ ولی اللہ الدھلوی واول من نفخہ فی الھند ونسف وذلک اھل السنۃ ھو ملا محمد اسماعیل دھلوی المشھور بالشھید الذی مات مقتولا فی سنۃ ۱۸۳۱ء م فی غزواتہ ضد طائفۃ سکہ وطائفۃ الاحناف الافغان المسمی بتھان۔ واسفا علی العرب الذین رفعوا ایادیھم امام فقہ بروتستانتی الاوروبائی فی طول الزمان من قرن الثانی عشر میلادی وایضا فی قرن الثانی عشر الھجریۃ وقاموا ایضا ضد الاحناف الاتراک وسبواھم انھم مشرکین ومبتدعین ای مخالفین السنۃ النبویۃ بانھم ما یرفعون ایادیھم فی الصلوۃ ویرفعون ارواحھم فی الصلاۃ علی النبی۔ ھی ھی یاوھابیون اعلموا کیف نرفع ایادینا امام وبینکم الباطل حینما تقولون ان فی قول اللہ تعالیٰ عزوجل" صلوا علیہ وسلموا تسلیما" التاویل التسلیم لیست التسلیم ای تقلیس وانقیاد وقیام بالانحناء الراس تعظیما لرسول اللہ رب العالمین ولا بمعنی الاستسلام الخضوع العبودیۃ بل اذعان لاوامرہ فقط حینما انتم ترفعون اصواتکم فوق صوت النبی وعلی النبی ایضا وایضا ترفعون رؤسکم علی راس النبی ولا ترفعون ایادیکم وقلوبکم عند ذکری النبی ما لنا ان نرفع ایادینا امامکم فی الصلاۃ۔ قد قال امامنا احمد رضا خان فی اشعارہ فی المدح النبی ان عندنا الصلاۃ ھو نماز وایضا درود و بدون ھذہ الصلاۃ ای درود لاصلوۃ لنا ای لانماز لنا مثل ما قال الامام الشافعی ان من لم یصلی علی النبی لاصلاۃ لہ۔ نحن ما نرفع ایادینا مثلکم فی النماز بل نرفع اجسادنا وارواحنا وقلوبنا فی الدرود۔ قولوا انتم ترفعون ایادیکم فی الصلاۃ ای النماز لمن؟ وان تقولوا للہ رب العالمین فقط نسئلکم ھل تذکرون ان النبی کان یرفع ایادیہ اللہ رب العالمین ام لا واذا قلتم نعم ھذہ السنۃ النبویۃ کیف تقولون ان ذکری النبی فی الصلاۃ یُبطل الصلاۃ۔ الیس ھذا ھو قول الخبیث النجدی ابن عبد الوھاب (وقول ملا اسماعیل الذی ینقل ھذہ ما ستروس وائس) ان رعایۃ النبی فی الصلاۃ یبطل الصلاۃ ای المفسد النماز۔ ما نی غلطان ان اعتقد ان الامام احمد رضا خان الذی رجع من الحج فی سنۃ ۱۸۷۰م (لبعد لقائبہ مع السید احمد زینی دحلان وکثیر من علماء اھل السنۃ فی مکہ ومدینۃ) کان متیقن ان مولانا احمد شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کان من اولیاء اللہ لما ھو قال ان معنیٰ اللھم صل علی محمد یکون بارخدایا تعظیم کن محمد را در دنیا وآخرت (ای اللھم عظم شان محمد فی الدنیا والآخرۃ) ولاکن کان حفیدہ ملا محمد اسماعیل اول من رفع صوت صفیر الشیطان ای بوق الشیطان النجدی فی الھند حین کتب کتابہ تقویۃ الایمان وکتب فیہ ان کل سنی الذی یقراء" شیء للہ یا سید المرسلین" او یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ فھو مشرک لان الشرک فی العبادۃ والشرک فی الطاعۃ والشرک فی التعظیم والرجاء وھذ الشرک وذاک الشرک ظلم عظیم۔ لھذا قال الشیخ احمد رضا خان ان ملا محمد اسماعیل کان احد علماء السوء فی الھند الذی ارتد وصار من اھل الحدیث وغیر مذھبہ الحنفیہ د غش کثیر من علماء الاحناف الذین کانوا یحبون ویعظمون جدہ مولانا شاہ احمد ولی اللہ۔ کل حنفی الذی امن بتقویۃ الایمان صار مخالف لعقائد حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد بن محمد الغزالی وامام فخر الدین الرازی وامامنا فی التفسیر والتصوف الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی اندلسی ومولانا السید شریف جرجانی وامام سعد الدین تفتازانی ومولانا حافظ الدین نسفی سندھی ومولانا الشیخ ملاجیون لکھنوی وغیرھم من الوف کبار علماء اھل السنۃ الجماعۃ فی عالم اسلامی من اندلوسیا الی اندونیشیا۔

الوھابیون فی الھند یعتقدون ان التقویۃ الایمان یکون اجل واعظم من جمیع التفاسیر حتی تفسیر رازی تفسیر بیضاوی تفسیر ابن العربی تفسیر نسفی وتفسیر شیخ جیون۔

ان الذین یرفعون شان ملا محمد اسماعیل انہ مجتھد الاعظم بکونہ حفید محدث الاعظم

ولی الله یظنون ان السید احمد زینی دحلان کان احد الشیاطین من علماء السوء (هم یظنون ان الامام الاعظم ابوحنیفة کان من اهل البدعة وایضا خلفائه مثل الامام محمد بن الحسن شیبانی صاحب الجامع الصغیر فی الفروع وابویوسف الانصاری وملا نور الدین علی القاری وصدر الشریعة برهان الدین محمود وصدر الشریعة عبید الله بن مسعود وصدر الشریعة احمد بن جمال الدین عبید الله المحبوبی البخاری الحنفی وغیرهم) ولهذا تلمیذه ومریده احمد رضا خان ایضا کان من اهل الشرک والبدعة لانه کان یعبد النبی وینادیه یا مولائی ویا مالک۔ هم الذین یقولون ان امامنا امام الاعظم ابوحنیفة ایضا کان امام اهل الزیغ لانه منع رفع الیدین فی الصلاة وخالف السنة النبویه۔ بناء علی هذا جمیع الوهابیون فی الهند یظنون ان ابا الحنیفة قد صار حصب لجهنم لانه ترک السنة النبویه والتخذ البدعة۔ والهذا الاصحاب الحدیث یقولون بالصراحة ان کل من تبعه (ای ابوحنیفه) من الاموات والاحیاء (وهم الیوم ۷۰۰ ملیون نفر) قد ترک السنة النبویه وضل ضلالا بعیدا۔ واول من قال هذا فی الهند هو احمد شاه ولی الله فی کتابه جلاء العینین فی رفع الیدین وبعده ملا محمد اسماعیل بن عبد الغنی فی کتابه تنویر العینین فی اثبات رفع یدین۔ فلما رد الامام احمد رضا خان علی هذه التنقید من الدهلیون وعلی انفهم استمر فی تقلید الامام الاعظم ابوحنیفه وتبع مسالک الامام تقی الدین احمد ابن السبکی وامام احمد ابن حجر المکی وامام جلال الدین سیوطی والسید احمد زینی دحلان وغیرهم قاموا جمیع الوهابیة بانواعهم المختلفة فی الهند وسموه مشرک وامام اهل البدعة والزیغ فی الهند۔ لیس فیه عجب لانهم سبوا الامام الاعظم ایضا کذلک وکل ملا ومولوی الوهابی فی الهند۔ ینفخ فی نفس البوق نفیر لوم وزم علی اهل السنة بلهجة واحد واسلوب واحد ولحن واحد۔ هؤلاء المومنین الموحدین بزعمهما ای الوهابیون ایضا یظنون ان النبی محمد کان بالتحقیق بشر مثلهم وهم کذالک بشر مثله وان النبی کان مذنب مثلهم وهم ایضا مذنبین مثل النبی والدلیل عندهم لتحقیق هذه العقیدة الفاسدة تاویل الآیة فی سورة الفتح "لیغفر لک الله ما تقدم من ذنبک وما تأخر" وهذا المعنی عند المفسرین القدیم۔ هم یعتقدون ان معنی ذنبک الذنب الامة لان النبی مسئول عنه ولاجل ذلک قال النبی لربه "رب هب لی امتی مع ثوابه وذنوبه لاننی مسئول علی ذلک کله۔

طبعا کان لاحمد رضا خان الحق ان یهجم علی الوهابیة مثل هجوم السید احمد زینی دحلان الذی هجم علیهم مثل هجوم الملائکة فی معرکته البدر علی الکفار والمشرکین لنصر المصطفی هادی البشر۔ لان الوهابیون شاعوا کتاب تقویة الایمان فی الهند کله من سنه ۱۲۵۰ه الی سنه ۱۲۰۰ه وعشرة فی المأة من ۱۰۰ ملیون من الاحناف ارتدوا وغیروا مذهبهم الحنفیة الی مذهب الوهابیة ای مذهب السب واهانة وشتم علی النبی انه لیس المسیح والمخلص لامته بل المرسال ومبلغ فقط۔ الیوم ایضا اکثر الاحناف یظنون ان الرسول کان فقط المرسال والیوم لا رسالة له ای ما بقی الیوم ای مکالمة بینه وبین الله وسلسلة المراسلات بینهم القدیمة من الازل قد قطعت من سنه ۶۲۲م ورب العرش ما یتکلم مع المتراب فی الارض تحت القبة الخضراء۔ لما عرفوا الوهابیون ان الکتاب تقویة الایمان صارت مشهور وماوف لدی الجمهور الاحناف عرفوا ان الی السنة سنه ۱۳۵۰ه کل حنفی یصیر وهابی مثلهم ولا یبقی ای عزة لابوحنیفة بحیثیة الامام والسنیون یترکون کثرة الصلاة والسلام علی النبی علیه السلام وایضا یترکون انعقاد مجلس مولد النبی کالعادة السابقة کانها بدعة وسبب لجهنم وایضا یترکون السلام بالقیام علی النبی علیه السلام کانه شرک لان التعظیم بغیر الله تعالیٰ ظلم عظیم۔ ولاکن الحمد لله وما شاء الله مولانا احمد رضا خان دمرهم تدمیرا واعلی ما قال الله تعالیٰ کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاها الله ورد الذین کفروا بغیظهم لم ینالوا خیرا وکفی الله المومنین القتال ولاکن غیر الاحوال فی جزیرة العرب من بعد سنه ۱۹۰۸م (لما عزل الخلیفة عبد الحمید خان القادری والشاذلی) وما کان هناک ای حول ولا قوة عند اهل السنة لمقاومة ضد الشیاطین ای النجدیین۔ لما راح احمد رضا خان لحج الثانی فی سنه ۱۹۰۱م وقام فی المدینة شهر کامل شاف ان السنیون لا سلاح لهم وهم فی کارثة

عظیمة لهذا هو خاصم مع بعض العلماء اهل السنة علی برودتهم علی مر الزمان۔ والی سنة ۱۹۲۶ انهزموا اهل السنة الهزیمة الشنیعة والوهابیون منعوا قراءة دلائل الخیرات وبندوا دستور المولد النبی تماما وایضا منعوا الحجاج ان یقوموا عند قبر النبی للصلاة والسلام علی النبی علیه السلام۔

بدات حرکة الوهابیة فی سنة ۱۱۶۰ھ من مدینة بید علامة ابو ذئیب واخروا کبر ظهورها کانت ایضا من مدینة من سنة ۱۱۰۰ الی سنة ۱۱۵۰ھ واول من درس هذه الحرکة والمذهب هو السید احمد زینی دحلان المولود فی سنة ۱۲۲۲ھ / ۱۸۱۶م بیتم ستة عشرة سنة بعد هجوم الاولی من الوهابیة علی مکة المکرمة۔ وهو رای بعینه فی شبابه الحروب الشدیدة بین جنود الوهابیة وجنود محمد علی باشا الخدیو۔ وکتب ام کتب واکثرهم ضد الوهابیة واشهرهم الکتاب الدرر السنیة فی رد الوهابیة۔ ولبعد السید زینی کتب مولانا الشیخ داؤد بن سلیمان بغدادی نقشبندی کتب اربعة کتب ضد الوهابیة: ۱۔ اشد الاجتهاد فی ابطال دعوی الاجتهاد ۲۔ رسالة فی الرد علی محمود آلوسی ۳۔ صلح الاخوان من اهل الایمان وبیان الدین القیم فی تبرئة ابن تیمیه وابن قیم۔ ۴۔ المنحة الوهبیة فی رد الوهابیة ولبعد ذلک کتب مفتی بغداد مولانا جمیل افندی صدقی زهاوی الکتاب اسمه "الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق ایضا علی النفس الموضوع "وهابی ازم" کتب مولانا روحی بک خالدی قدسی الکتاب اسمه" اسباب انقلاب عثمانی۔ مولانا روحی بک کان ماهر فی لغة الفرانسادیة وبکونه موظف کبیر فی باریس عند الحکومة هو کان یعرف سیاسیات جمیع حکومات فی اوروبا۔ لهذا هو درس السیاسة واکتشف ان مذهب الوهابیه قد یکون نصف دینی ونصف سیاسی وایضا اکتشف ان البریطانیة العظمیٰ والالمانیة والفرانسا کانوا یساعدون الوهابیة ضد الاتراک۔ لما قرأت مقالات مولانا روحی بک عرفت ما عرفوا السید احمد زینی دحلان و حمد رضا خان ان الخلافة العثمانیة ای خلافة الاحناف کانت ناصر اهل السنة والجماعة من سنة ۷۲۶ھ وکانت بریطانیة ناصر الوهابیون ضد اهل السنه والخلافة بنی عثمان .... ما اظن ان ای واحد سوی احمد رضا خان من علماء اهل السنة فی الهند کانوا یعرفون اسماء هذه الکتب فی رد الوهابیة۔ العلماء الکبار من اهل السنة فی الهند لا یعلمون بالتحقیق ان احمد رضا خان کان من معتقدین السید احمد زینی دحلان وانه تلمیذه ومریده وانه قد حصل الکتب المذکورة اعلیٰ من مشائخ حرمین الشریفین وبعد ذالک قام ضد الوهابیة فی الهند ای جماعة ملا محمد اسماعیل وان لولا هذه العلاقة بینه وبین السید احمد زینی دحلان ما کان ممکن لاحمد رضا خان ان یتحرک ای ثورة ضد الوهابیة الاسماعیلیة فی الهند وبخاصم علی تلامیذ والمریدین وخلفاء مولانا حاجی امداد اللہ مهاجر مکی (ایضا صاحب السید احمد زینی دحلان ومن احد کبار ائمة اهل السنة فی الهند) مثل علامة رشید احمد گنگوهی وعلامة قاسم نانوتوی وعلامة شیخ الهند محمود الحسن وعلامة حسین احمد مدنی وعلامة خلیل احمد امبیٹھوی وعلامه اشرف علی تهانوی وغیرهم۔ العلماء اهل السنة یظنون ان احمد رضا خان ما کان تابع لاحمد زینی بل کان مستقلا منه وغیر مرتبط ویشتغل نفسه علحدة من علماء الحرمین الشریفین۔ والوهابیة فی الهند یظنون انه ما کان یعرف حقیقتهم الاصلی انهم کانوا مع الوهابیة فی نجد الی مائة عام ولذالک خطاء فی ارسال استفتاء مزورة الی مفتی مکة وحصل الفتویٰ علیهم بالکذب وکان الفتوی طبعا کاذبة انهم کفر والبعد ایمانهم واسلامهم۔ انا اعرف بالتحقیق ان احمد رضا خان کان بالمرة مطلع علی احوال والاسرار الوهابیة فی النجد والهند وکان یعرف توحیدهم فی العقائد والمقاصد والاهداف فی تشهیرا نداز فضیحة ووشایة تعظیم رسول اللہ لانهم یعتقدون ان التوسل والتشفع والاستغاثة والاستعانة بالنبی شرک عظیم بکونه غیر اللہ والاستغاثة بغیر اللہ تعالی محرمة بالنصوص القرآن والحدیث۔ لاکن بالاسف هو ما عرف فتنة نواب بهوپال صدیق حسن خان بهادر

اسٹار اوف انڈیا و ذدج کراون ارف انڈیا ای سیدہ شاہ جہان بیگم ملکۃ بوفال

کل واحد من علماء اهل السنۃ والوهابیۃ فی الهند اما ساذج ای عدیم المعرفۃ او منکر فی رفض الاعتراف ای تجاهل عارفانۃ ان النواب بهوپال خانبهادر صدیق حسن کان مواطی کبیر (ای شریک فی الذنب) الآثم لعالم الکبیر الوهابی محمود شکری آلوسی بغدادی فی اشاعتہ کتابہ المسمیٰ غایۃ الآمانی فی ردعلی النبهانی وانہ کتب هذا الکتاب فی ردکتاب شواهد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق وهذا کتاب مؤلف من سفرین کبیرین ردفیها ماجاء بہ النبهانی فی کتابہ من الجهالات والنقول الکاذبۃ والآراء السخیفۃ والدلائل المقلوبۃ فی جواز الاستغاثۃ بغیر اللہ تعالیٰ مطکر دستان العلمیۃ ۱۳۲۷ھ (طبعت هذا الکتاب بعد اربعۃ عام لمارجع احمد رضا خان من الحج والزیارۃ) وهم مایعلمون ان هذا هو الآلوسی جمال الدین ابو المعالی محمود شکری المتوفی ۱۳۴۲ھ هو الذی قد انتدب الی المؤتمر الشرقی المنعقد فی استوکهام (سویدن) فی عام ۱۸۸۹ء فاستحق تالیفہ التقریظ کما استحق المؤلف الثناء وفازدون سواہ بالجائزۃ والوسام الذهبی۔ وهذا الآلوسی جمال الدین کان من اصحاب نواب بهوپال (کلاهما کانا مثل مواطی اودلی من الذل لبریطانیہ) الذی کان اکبر رئیس الوهابیۃ فی الهند وامام اعظم اهل الحدیث الملقب بامیرالمؤمنین ووالاجاہ حضرت محدث الاعظم۔ کان الوسی هذا ابن الاخ خیرالدین نعمان الوسی المتوفی ۱۳۱۷ھ مصنف کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین وهو رد علی مولانا شهاب الدین احمد ابن حجر الهیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ فی انتقادہ الامام احمد ابن تیمیہ طبع بامر نواب صدیق حسن فی ۱۲۹۲ھ وهذا نعمان الوسی کان من اولاد مولانا ابو الثناء شهاب الدین محمود الوسی بغدادی الحسنی الحسینی متوفی ۱۲۷۰ھ وهو صاحب تفسیر روح المعانی فی تفسیر القران العظیم والسبع المثانی الذی طبعہ نواب صدیق حسن فی ۱۳۰۱ھ فی تسعۃ اجزاء لاکن بالاسف هذہ التفسیر المطبوع محرف جدا ولیس موافقا لمخطوطہ الاصلی الذی موجود الیوم فی استنبول (وفی استنبول ایضا کان امام احمد رضا خان بالمرۃ معروف ومحبوب وکان لہ مقام اعلیٰ فی دار الخلافۃ) بناء علی هذا ومن اخبار الصحیح عن فتن الوهابیۃ وفتن نواب صدیق حسن انا استطیع اقول ان هذا خان بهادر نشر مذهب الوهابیۃ فی الهند باسم تقویۃ تقویۃ الایمان بعد تحریف فی الطباعۃ ثلاثۃ تفاسیر القران ای تفسیر ابن کثیر تفسیر قاضی شوکانی وتفسیر روح المعانی) لاجل تشهیر انذار ونصیحۃ تنظیم رسول اللہ تعالیٰ ولهذا ضروری الیوم لذکری امامنا احمد رضا خان ناصر اهل السنۃ ان علماء اهل السنۃ یحققوا عن هذہ الفتن الکبیر المسمیٰ وهابیۃ۔ الحق ان امامنا احمد رضا خان وقف حیاتہ علی درس هذہ الفتن وردعقائدہ الفاسدۃ والخبیثۃ ضد مذهب الحنفیۃ المقدسۃ۔

خرج هذا العقیدۃ الکاذبۃ ان النبی غیر اللہ اولا من دمشق من کتب شیخ الاسلام حنبلی (ومواطی النصاریٰ) تقی الدین ابن تیمیۃ المشهور بابن الزفیل وبعد ذالک علیٰ نفس العقیدۃ نشر مذهب الوهابیۃ من مدینۃ منورۃ لواسطۃ ۲۷ محدثین الکبار بین ۱۰۹۰ سنہ و ۱۱۵۰ سنہ، ومشهورین منهم شیخ نورالدین محمد عبد الهادی سندهی وشیخ ابراهیم کردی وشیخ ابوطاهر محمد ابراهیم الکرانی وشیخ ابن علی عجمی وشیخ تاج الدین وشیخ محمد حیات سندهی (وکلهم مهاجرین من اوطانهم ونزیل مدینۃ ربما علی حساب بریطانیہ او شیاطین الانس اخر ای عباد الہ آخر) وکان شیخ محمد ابن عبد الوهاب تلمیذ لمحمد حیات سندهی (ولا جل ذلک انا اقول هو سانجو بانزا السبعۃ وعشرین دون کیخوطات وکلهم سانجو بانزلدون کیخوطات الدمشق ورئیسهم ابن الزفیل۔ امامنا شیخ الاسلام تقی الدین ابن السبکی قاضی القضاۃ سمیٰ ابن تیمیۃ ابن زفیل) وایضا مولانا احمد شاہ ولی اللہ اخذ درس الحدیث الی ثلاثۃ عام وبسبب ذالک ارتد من مذهب الحنفی الی الوهابیۃ ولمارجع بعد الحج کتب تفسیر القران بلغۃ الفارسیۃ فی ۱۱۵۰ھ وکتب فیہ ان رسول اللہ ایضا غیر اللہ بالتحقیق وهذا قولہ موجود فی تفسیر "ما اهل بہ لغیر اللہ" ای بتان وشیاطین نیز پیغمبران ای معنی غیر اللہ الاصنام والطواغیت وایضا الانبیاء والمرسلین۔ هذا هی التاریخ بالاختصار عن نشر مذهب الوهابیۃ فی الهند واول من ادرک وعرف اسرار هذہ الفتنۃ هو احمد رضا خان المشهور عند الوهابیۃ بلقب امام اهل الشرک والبدعۃ لانہ رد علی قول الوهابیون ای من قال "شئی للہ یا رسول اللہ" فهو مشرک۔ ومن

قال "اغثني يارسول الله" و"ايدني يارسول الله" و"يارسول الله انت لها" فهو ايضا مشرك وطبعا كل سني مشرك لانه يعتقد ان النبي مختار ومالك له كما كان يعتقد امامنا احمد رضا خان ان منه اي النبي تحصل جلب المنفعة ودفع المضرة۔ كان احمد رضا خان سيد الطائفة لاهل السنة في الهند كما كان رشيد احمد غنغوهي سيد الطائفة للوهابيون في الهند وهو كان تابع لابن زفيل اي احمد ابن تيمية وكان احمد رضا خان من تباع سيد احمد زيني دحلان و طبعا تابع الامام احمد ابن حجر المكي وكلاهما كانا اشد الاعداء لاحمد ابن تيمية ولهذا اقول ان من تبع احمد ابن تيمية هو وهابي ومن تبع تقي الدين ابن السبكي واحمد ابن حجر هيتمي المكي وسيد احمد زيني دحلان المكي واحمد رضا خان هو سني وكذالك اقول من تبع الحافظ والمحدث الاعظم امام ابن حجر العسقلاني هو وهابي ومن تبع حافظ والمحدث الاعظم امام احمد القسطلاني الحنفي هو سني۔

كتبت هذا المقالة قصدا ان انصح السنيون ان يفهموا اسرار الوهابية ويصفحوا وسامحوا ذنب الوهابيون دائما الى الابد على شرط واحد ان لازم على الوهابيون ان يتركوا عقيدتهم الباطلة ان النبي هو غير الله ويرجعوا الى عقيدتنا ان النبي رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ والله لا يصلى قط على اي غير الله۔

هذا هو الحقيقة ان هناك تاريخ قديم على مخاصمة بين الوهابيون والسنيون۔ واصل المخاصمة بدات على تاويلات غير الله وعلى مسئلة ابقاء قبر النبي داخل المسجد النبوي۔ الوهابيون كانوا يقولون ان وجود قبر النبي في مسجد النبوي يكون منافي لاحكام الله ورسوله اي خلاف الشريعة وبالمرة ضد امر النبي بنفسه لانه اكد على سرير موته ان اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد۔ والسنيون كانوا يقولون لاباس فيه ان وجود قبر النبي في حرم الشريف النبوي داخل المسجد النبوي المقدس ضروري جدا لاجل الزيارة المباركة بعد الحج ولاجل ارتفاع شان النبي وشان الاسلام والمسلمين ولهذا واجب علينا ان نزور المدينة المنورة ونشد الرحال اليه بعد اداء او قبل اداء فريضة الحج المبارك۔ سمعت في سنه ۱۹۳۹ م من استاذي مفتي اعظم فلسطين السيد امين الحسيني المتوفي سنه ۱۹۷۵ م ان النبي بكونه نبي الله (هو كان نبي الله من قبل ولادته في الدنيا ومن بدء الازل) زار قبور اجداده الانبياء عليهم السلام ابراهيم خليل الله واسحاق ويعقوب في بلدة خليل الله المسمى هبرون (في جنوب بيت المقدس وقريب منه) في مسجد المسمى خليل الله وعظمهم تعظيما۔ وبناء على ذالك اعتقد ان لتعظيم النبي وخاصتا لهذه المقصد الاسنى وهدف الاعلى وبرضوان الله تعالى عز وجل الخلفاء الراشدون الاربعة وكبار الصحابة الكرام من المهاجرين والانصار رضوان الله تعالى عز وجل

جل جلاله عليهم ومن والاهم دفنوا النبي داخل المسجد النبوي لكي يزوروه المسلمين في العالم اي القبر المقدس الى يوم القيامة

النبي بنى المسجد النبوي الشريف بايديه المبارك كما بنوا اجداده ابراهيم واسماعيل الكعبة الشريف بايديهم المباركة

كانت مسجد النبوي الاول ۲۴۷۵ ميتر مربع فزاد فيها عمر ابن الخطاب ۱۱۰۰ ميتر مربع ودخل القبر الشريف داخل الحجرة الشريفة داخل المسجد الشريف وداخل جدران المسجد لاجل يبقى القبر المقدس في المسجد وفي وسط صفوف المصلين الى يوم القيامة كان عمر عارف بعلم الغيب ان سياتي قوم بعد كم عام ويقول هدموا هذه القبر كي لا يصير المسجد معبد للمشركين المسلمين مثل مشركين اليهود والنصارى الذين اتخذوا قبور انبيائهم مساجد لان مسجد خليل الله في هبرون يحتوي على قبور ابراهيم واسحاق ويعقوب واليهود والنصارى يعبدونهم مع الله ولاجل منع الشرك مثل هذا نبه النبي عند وفاته ان اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد۔ كان يعرف عمر ان اصحاب الحديث يقول مثل هذا القول لاحياء السنة النبويه بعد درس عميق في الحديث كما نرى اليوم ان المحدثون يجتهدون لاحياء السنة والغاء دستور امام الاعظم۔ رايت ان بعض علماء اهل السنة ايضا يحثون على احياء السنة خلاف دستور الاحناف۔ الدستور الرسمي لخطبة الجمعة يكون ان المؤذن يؤذن امام المنبر ولاكن بعض العلماء يقولون ان هذا بدعة والسنة لازم الاذان يكون من باب المسجد۔ كان عمر يخاف من الاختلاف مثل

هذا على ابقاء قبر النبي بين صفوف المصلين۔

• نحن اهل السنة جدا مشكورين لسيدنا عمر لانه ابقى قبر النبي وقبر سيدنا ابابكر۔ داخل المسجد وبعد ذالك دفن عمر ايضا فى نفس الحجرة الشريفة وبعد ذالك زاد فيها عثمان ۴۹۶م ميترمربع وبعد ذلك زاد فيها خليفة وليد بن عبد الملك الاموى ۲۳۶۹ ميترمربع وبعد ذالك زاد فيها مهدى بن منصور العباسى ۲۴۵۰ ميترمربع وبعد ذلك حرق المسجد كله يوم الجمعة اول رمضان ۶۵۴ سنه وما بقى فيها جزء من الخشب سوى الصندوق المصاحف وجذع الحنانة واول من بنى مسجد النبوى الجديد هو مولانا سلطان ركن الدين بندقدارى صالحى بيبرس التركى الحنفى۔ هو ايضا زين المسجد وزين المزار الشريف من قناديل و بخوردان و قواريرالعطر والجواهرات والكسوة من حرير ومخمل ودیباج وامر المسلمين ان يزوروه ويعظموه۔ هذا هو بيبرس الذى جعل فى الكعبة اربعة مصلى الحنفى المالكى الشافعى والحنبلى وبعد ذلك زاد فيها مولانا سلطان اشرف قائتبای ۱۲۰ ميترمربع و بنى على القبور القبة اول مرة (ما كان هناك اى قبة قبل ذلك) وهو موجود الآن وهذا هو قبة الخضراء وبعد ذلك زاد فيها سلطان عبد المجيد خان عثمانى ۱۲۹۲ ميترمربع فى ۱۸۶۰ سنة (بعد ولادة احمد رضا خان باربعة عام) هذه المسجد التى بناها خليفة عثمانى كانت ذى شان عظيم وكانت وسعتها ۱۰۲۱۲ ميترمربع۔ فكانت هذه المسجد القبلة الثانى بعد حرم شريف الكعبة وكانت محل اعظم اجتماع لجماعة المصلين اى اهل ملة نماز واهل ملة درود ولكن الاولون اى اهل ملة نماز ما كانوا يزورون الروضة وما كانوا يقومون عنده لاجل الصلاة اى درود والسلام الوهابيون كانوا يدخلون المسجد فى اوقات الصلوة اى نماز فقط واصحاب الصلاة اى درود كانوا يجتمعون فى المسجد طول النهار والليل كان هناك اجتماع كبير من الناس ايضا۔ وفى ۱۲۹۴ سنه هـ (۱۸۷۶) صار سلطان عبد الحميد خان عثمانى خليفة المسلمين وهو آخر من خلفاء الاسلام وهو عزل فى ۱۹۰۹ سنه م وتوفى فى ۱۹۱۸ سنه م لما اتى الخليفة لزيارة القبر النبي شاف ان الوهابيون لا يزورون القبر ولا يصلون على النبي فامر ان الزيارة واجب وايضا السلام بالقيام عند القبر المبارك واجب على المسلمين والمسلمات۔ كان هذا بلاغ من الخليفة بشكل الاعلان الدينى واذاعة الرسمى المذهبى فى ۱۲۸۶ سنه م (۱۸۶۹)۔ وكان هذه البلاغ بامر الخليفة عثمانى عبد العزيز وكان سمو الامير عبد الحميد معه وفى هذه السنة (۱۲۸۸ه) جاء واكثير من علماء الكبار الاحناف من الروم وما تمن علماء الاحناف من جميع العالم الاسلامى وكان امامنا احمد رضا خان ايضا حاضر هناك لاجل الزيارة۔ لما امر الخليفة عبد العزيز و سمو الامير ولى العهد عبد الحميد ان الزيارة واجب اتفقوا جميع العلماء بهذا وايضا امام احمد رضا خان اعلن ان الزيارة واجب وايضا السلام بالقيام عند قبر النبي واجب على كل مسلم ومسلمة۔ وقال السيد احمد زينى دحلان هذا هو الحق نحن العرب عارفين بهذا ان السلام بالقيام فرض تحت امر الله "صلوا عليه وسلموا تسليما"، وعلماء الهند ايضا متفقون بهذا وانا اقول لهذا شاب الهندى احمد رضا خان عافاك الله لله درك شاباش عليك انت مفتى حنفى هندى۔ والله انت الحق وهذا هو الحق ان النبي له الحق ان يقوم الناس لتعظيمه تشريفا وتسليما وهذا قول الله تعالى عز وجل الذى انزل القران وقال و بالحق نزل انزلناه وبالحق۔ لما رجع الخليفة وامير عبد الحميد علماء الروم وعلماء العالم قاموا الوهابيون وضجوا ان الزيادة قبر النبي حرام كما قال امامنا ابن تيميه انه حرام۔ فاجاب لهم السيد احمد زينى دحلان ان ابن تيمية كان غلطان وبناء على ذلك قال السبكى ان ابن تيميه هو ابن الزنفيل۔ وبعد ذلك ابتداء الحرب الوهابية بالشدة ضد الخليفة عبد الحميد و خلافة العثمانية۔ قرات فى جريدة "العربى" من الكويت مقالة طويلة ضد الخليفة عبد الحميد وفيه كان مكتوب ان عبد الحميد كان الداهية اى سافل ونذل لئيم وعديم الشرف۔ هذا هو الصحيح ان العرب كانوا يكرهون الخليفة عبد الحميد لانه كان يتبع طريقة الصوفيه وكان موميد لاحد شيخ الصوفية الشاذلية۔ وبالنتيجة ثورات العرب والثورات فى بلقان والهجوم من اوروبا فى حرب العالمى الاول هدمت الخلافة العثمانى الحنفى فى ۱۹۲۲ سنة وهجم سلطان عبد العزيز على الحجاز وقبضه وفى ۱۳۴۴ سنه هـ (۱۹۲۶) اراد الملك عبد العزيز ال فيصل آل سعود ان يخرب القبور الثلاثة ويهدم القبة الخضراء عليهم لان المحدثين الكبار وعلماء حنابلة كلهم وبعض الشوافع والوهابيون فى العالم (و منهم علامة ثناء الله امرت سرى وجماعة

من جماعة ابو الکلام آزاد وبعضهم من دیوبند وبھوپال و مدراس) کانوا یصرون علیه (علی الملک عبد العزیز) فی تخریج القبور وانّهم من داخل المسجد النبوی لان بقاء هذه القبور لاجل الزیارة فتنة کبیرة وسببا للشرک العظیم۔

بناء علی هذه الضجات والصرخات والصیاح وهتاف عدائی ضد اهل السنة وخصوصا ضد الاحناف کان مُؤکد فی تلک العام (ای ١٣٤٢ سنہ ھ) ان قد خُرب وهُدم القبة الخضراء والقبور المقدسة والمبارکة۔ ما کان امامنا احمد رضا خان حي فی تلک السنة لانه توفی فی ١٣٤٠ سنہ لاکن کانوا هنالک فی بدله فی الهند ملائین من اتباعه من اهل السنة۔ فقاموا اهل السنة حسب تعلیماته ومسالکه وقوموا قیامة عظیمة ضد الوهابیه (النجدیة والهندیة) و منعوا السلطان عبد العزیز وعلمائه من اجراء مشروعهم الخبیثة وهو مشروع الشیطان الرجیم اکبر عدو للنبی (کما قال الشاعر هندی الکبیر مولانا علامة محمد اقبال : ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ای ان الشیطان یرید یطفی نور الله ای نور محمد ای سراجا منیرا الذی ذیته من نور الله تعالیٰ عزوجل)

کان السلطان عبد العزیز وهابی شدید الی آخر ١٩٤٧ سنہ ای الی آخر بقاء امبراطوریة البریطانیة الحمد لله هدمت الامبراطوریة فی ١٩٤٨ سنہ لما خرج الهند من قبضة البریطانیة وبقی عبد العزیز یتیم۔ وبعد ذلک الحمد لله لین الله قلب الملک عبد العزیز وهو ترک دین الوهابیة وراء ظهره ودخل فی ملة اهل السنة (ومن تلک السنة الوهابیون فی الهند ای دهلویون بهوفالیون دیوبندیون وندویون ای اسماعیلیون خانبهادریون غنغوهیون ای قاسمیون نانوتویون ولبائیون وغیرهم یقولون انهم ایضا من اهل السنة لانهم متمسکین بالسنة النبویه) ولعد ذلک ارادالملک للمملکة السعودیة العربیة (لا مملکة الوهابیة ولو ان فی ١٩٢٦ سنہ کانوا الوهابیون فی الهند یفتخرون ان سلطنتهم بالتحقیق وهابیة) ان یوسع مسجد النبوی فی طرز حدیث ولاجل هذا هو شاور قبل ای احد مع سیدی و مولائی الحاج شیخ محمد علی زینل علی رضا وبعد ذلک مع کثیر من کبار اهل السنة فی العالم وما اخذ ای عالم وهابی فی مشاورته۔ فی ١٩٤٨ سنہ م اتی رسالة وبرقیة من جلالة الملک المعظم المحبوب عبد العزیز لمحمد علی بن زینل ان یحضر سریعا فی ریاض عاصمة المملکة۔ لما سافر علی رضا بالطیارة اخذ معه لهدیة لجلالة الملک خاتم فص الماس کبیر الذی هو اشتراه بمأة وخمسین الف روبیة (الیوم یساوی خمسة لک دولارات) ولما رجع لعد زیارة القبر النبی اتی بالبشارة الکبیرة ان الملک یرید یوسع المسجد النبوی مع توسیع فی الکعبة ای حرم الشریف ویعظم شان قبة الخضراء المبارک۔ انی رأیت عند سیدی محمد علی ورقة مهمة ونقلت هذه العبارة : بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله والصلوٰة والسلام علی رسول الله وعلی آله وصحبه اجمعین وبعده فان التفکیر فی مشروع توسعة المسجد النبوی الشریف لم یکن طارئا لدی جلالة الملک المعظم المحبوب مولانا عبد العزیز بن عبد الرحمن آل فیصل آل سعود بل انه کان یجول فی نفسه أمد لیس بالقصیر حتیٰ أذن الله سبحانه وتعالیٰ له بالبروز فخرج الی عالم الوجود ففی عام ١٣٦٨ سنہ تفضل جلالته فاصدر کتابا مفتوحا الی جریدة المدینة برقم ٢٧-٣-٣-١٢٧٠ و تاریخ ١٢-٨-١٣٦٨ یبشر فیه العالم الاسلامی بعزمه علی توسعة المسجد النبوی الشریف وقد نشر هذا الکتاب فی الجریدة المذکورة فی عددها الصادر بتاریخ ٥ رمضان عدد ٢٠١ ١٣٦٨ سنہ ....." ..... وفی الیوم الخامس من شهر شوال ١٣٧٠ سنہ (الموافق ١٩٥٠ سنہ م) بدئ فی تنفیذ مشروع عمارة الحرم النبوی الشریف وکان اول ما بدی به هو هدم الدور المحیطة بالمسجد..... وفی شهر ربیع الاول عام ١٣٧٢ سنہ زار المدینة المنورة جلالة الملک المعظم المحبوب سعود بن عبد العزیز وفی حفل کبیر وضع جلالته الحجر الاساسي للمسجد النبوی الشریف المقدس المبارک وفی ٣ شعبان ١٣٧٢ سنہ بدی فی هذه الاساسات فی المسجد الشریف بالجناح الغربي بالمنطقة التی تلی باب الرحمة وفی یوم الرابع والعشرین من شهر رمضان المبارک ١٣٧٢ سنہ بدی فی بناء العمارة الشریفة المبارکة المقدسة وفی شهر ربیع الاول عام ١٣٧٢ سنہ زار جلالة الملک سعود المدینة وبنی بیده فی عمارة المسجد ووضع اربعة احجار فی احدی زوایا الجدار الغربي بالمسجد الشریف تأسیسا بالنبی صلی الله علیه وسلم ..... اخیرا نری الیوم ان الزیادة التی بداها جلالة الملک عبد العزیز

رحمہ اللہ واتمہا جلالۃ الملک سعود ٦٠٢٤ میترمربع۔ الیوم مساحۃ الکلیۃ للمسجد بعد التوسعۃ السعودیۃ ١٦٣٢٧ میترمربع

فیہا ٧٤٠ عمود مربع القدیمۃ المحیطۃ بالجدار والاعمدۃ المستدیرۃ الجدیدۃ ٢٣٢: وھکذا تحققت المعجزۃ الالٰھیۃ وتمت

ھذہ العمارۃ علی الوجہ الاکمل وکل ھذا تذکارا جلیلا النصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم"

لو ما کان فی عالم الاسلامی سبعین فی المأۃ من المسلمین من اھل السنۃ الاحناف ولو ما کان احمد رضا خاں امام اھل السنۃ

فی الھند ماکنا نری الیوم القبۃ الخضراء وسبب بذالک الصوت الاکبر التی رُفعت من الھند

(قال رسول اللہ ان یاتی الیہ ریح الریحان من الھند) لحفظ قبۃ

الخضراء وھی صوت السنیون وھم تابعین احمد رضا خاں

الیوم ضروری علی جمیع ادارۃ الدینیۃ سنیۃ حنفیۃ ان یحصلوا درایۃ خدمات السید احمد زینی دحلان

وتلمیذہ و مریدہ احمد رضا خاں فی مقاومتھم ضد الوھابیۃ الھندیۃ والباکستانیہ لان بدون ذلک

العلم ھو مستحیل لاھل السنۃ فی الھند ان یھزموا جنود ما بقی من جنود الوھابیۃ المتفرقۃ والمزقہ شتی لبعد کثرھم فی عام

١٩٢٦ء حین حفظ اللہ تعالیٰ قبۃ الخضراء المبارک علی قبلتنا الثانی المقدس والمشرف والمبارک ای حرم النبی الشریف الذی

فی شانہ قال امامنا مولانا نور الدین الجامی "وان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعی" وھذا الدرایۃ والتحقیق بالمرۃ ضروری

لاننا قد نفقدنا و قطعنا الامل من نجاۃ والقاذ قبلتنا الاول ای مسجد الصخرۃ المبارکۃ (التی علیہ القبۃ الصفراء الذھبی) و

مسجد الاقصی المبارک ومسجد سیدنا عمر الفاروق فی بیت المقدس۔ وھذا ھو العمر الذی نادی فی غزوۃ الاحد حین صاحوا

الکفار ان "مات محمد"... "ھذا رسول اللہ حیٌ سلیم" و ما توفیقی الا باللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلس رضا اور ادارۂ المیزان کی تاریخی پیشکش

امام احمد رضا نمبر

پر مبارکبادیاں

خانوادۂ اشرفیہ، برکاتیہ اور رضویہ کو خراج عقیدت

کیوں رضا کڑھتے ہو ہنستے اٹھو
جب وہ غفار ہے کیا ہونا ہے

ایک نیازمند

امام احمد رضا اور

مفتی مکہ سیّد احمد زینی دحلان

رئیس القلم سید عبدالکریم سید علی ہاشمی ایم اے
کاروواری ۔ بمبئی ۔

محقق دوراں سید عبدالکریم ہاشمی کا محققانہ عربی مقالہ جسے انہوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ "امام احمد رضا نمبر" کیلئے قلم بند فرمایا تھا' ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ امام احمد رضا پر انوکھی اور سحری تحقیق کے اس شاہ کار سے ہمارے عام قارئین بھی مستفید ہوسکیں ۔ (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم :

شروع کرتا ہوں میں اللہ' رحمن' رحیم کے نام سے' وہی میرے لئے کافی ہے اور وہی سب سے اچھا وکیل ہے ۔ سب تعریف اور شکرانہ ادا کرنے کی مدح وثنا اللہ ہی کیلئے خاص ہے جس نے ہم پر اپنے رسول کی طرف سے احسان کیا ہے جس کے ہم ممنون ہیں اور اس نے ہمیں ہدایت کی ہے اپنے راستہ پر اور دوسرے راستوں سے ہٹایا ہے اور اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کے رسول یعنی سفیر مفوض معتمد اور مختار یعنی امباسیڈر پلینی پوٹنشیری کی تعظیم وتکریم اور بڑی عزت کریں ۔ اور اس نے ہم پر فرض کیا ہے (ہر مومن ومسلم پر) کہ آنحضرت ہمارے لئے ہماری جان' والدین وغیرہ سے زیادہ پیارے ہوں ۔ اور اس نے آپکی پیروی کو بحیثیت اللہ اپنی محبت اور فضیلت کا سبب بنایا ہے ۔ (اور ساتھ ہی ساتھ بحیثیت اللہ اپنی تعظیم کے لئے حضور کے سامنے خود سپردی کے ساتھ جھکنا اور آپ کی ذات صفات رفعت وعظمت کو اپنی عظمت کے بعد ادباً واحتراماً کھڑے ہو کر سلام کرنا اپنی تعظیم کے مظاہر کا سبب بنایا ہے) اور یہ مقرر کیا ہے کہ آپ کی اطاعت' شیطان کی مکاری اور گمراہی سے بچنے کے لئے ایک جائے امن واماں اور پناہ ہے ۔ آپ کی مدح وثنا جملہ بیانوں اور تفصیلوں سے بالاتر ہے کیوں کہ خود اللہ ہی نے آپکے ذکر کو بلند کیا ہے ۔ اور قرآن میں آپ کی مدح وثنا رکھا ہے ۔ اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر درود پڑھیں اور دعا کریں کہ یا اللہ محمد پر دنیا اور آخرت میں رحمت خاصہ بھیجتے رہنا ۔ اور یہ صلاۃ یعنی درود ہمیشہ ہمیشہ آتا رہے ۔ جب تک کہ ستارے طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور اسی طرح سے ہمیشہ ہمیشہ وہ درود جاری رہیں جیسے آپ ہمیشہ ہمیشہ اپنے رب سے قریب ہیں اور آپ کا رب ہمیشہ ہمیشہ سے آپ کے قریب ہے اور یہ درود اس لئے جاری رہے کہ اللہ اور محمد کے مابین کوئی راز ہے ۔

(یہ راز مندرجہ آیات اور احادیث سے ظاہر ہے ۔ محمد کی مدح وثنا کے بیان کو تحریر میں لانے کیلئے ایک سمندر بھر سیاہی ختم ہوجائے گی مگر کلمات ربی پورے نہ ہوں گے ۔ یعنی بقول نبی میرے رب کی مدح وثنا کی باتیں پوری نہ ہوں گی اور اللہ کی حمد وثنا کی باتیں جو خود اللہ ہی بیان کر سکتا ہے تحریر میں لانے کیلئے سات سمندروں کی سیاہی کافی نہیں ہے ۔ اور میرے لئے اللہ کے ساتھ تنہا رہنے کا ایک وقت مقرر ہے اور میں اس وقت اللہ کا نبی تھا ۔ یعنی اللہ سے بات چیت کرتا تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے اور یہ کہ اللہ نے مجھ سے کہا ہے کہ اے محمد' تو میری آنکھوں میں ہے اور ساری عزت اللہ کی ہے اور ساری عزت اللہ اور اس کے رسول کی ہے ۔) یہ درود کے تحفے اللہ رب العالمین کے راج تک جاری رہیں ۔ جس نے محمد کو اپنے جلال سے پیدا کیا ہے اور آپکو اپنے جمال سے سنوارا ہے اور آپکو اپنے کمال کا تاج پہنایا ہے اور آپکو اس قابل بنایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخفی ذات کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس اللہ نے آپ کی ذات کو اپنے ناموں اور اپنی صفتوں کا مقام ظہور بنایا ہے' یہ درود اس وقت تک جاری رہیں جب تک اللہ اور محمد کے ناموں میں تعرف یعنی مماثلت اور یگانگت یعنی آئیڈینٹٹی ہے اور اس تعرف کی وجہ سے بہت کچھ ظہور میں آچکا ہے اور بہت کچھ ظہور میں آنے والا بھی ہے ۔ یہ درود اس وقت تک جاری وساری رہیں جب تک آپ کی صفات اور آپ کے کمالات کے جوامع کہ آسمانوں میں بہت سے سورج چمکتے رہے ہیں اور آپ اپنے جلال وجمال کے ساتھ اس عالم غیب میں موجود رہتے ہیں جہاں حضرت ذات باری تعالیٰ غیب میں موجود ہے ۔

پس ہم اللہ کا شکرانہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے محمد کے واسطے سے ہم پر رحمت بھیجا ہے ۔ اس کی طرف قرآن میں یوں اشارہ کیا ہے کہ " تحقیق اللہ کی رحمت یعنی محمد محسنین یعنی سنیوں سے قریب ہے ۔ ہم اللہ کے اس قول کے بھی ممنون ومشکور ہیں کہ اس نے ہمارے جد امجد آدم سے یہ کہا ہے کہ " اے آدم' تو نے سچ کہا ہے' بے شک محمد مجھے جمیع مخلوقات سے زیادہ پیارا ہے اور چوں کہ تو نے اس کے حق سے معافی مانگا ہے' میں نے تجھے معاف کر دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو اے آدم میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا اور وہ تیری اولاد میں ہونیوالے پیغمبروں میں آخری نبی ہے ۔

آج روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی تعداد ۴ ہزار ملیون ہے اور ان میں سے ۲۲۲۵ ملیون دیندار ہیں یعنی دین اسلام اور دوسرے ادیان و مذاہب اور دستوں اور دھرموں پر چلتے ہیں۔ اور باقی لادین ہیں ان کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے اور ان کی کوئی ملت نہیں ہے وہ ملحد دھریئے اور لاادریہ ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے جس نے محمد پر قرآن نازل کیا ہے ان بے دین لوگوں میں شیوعی اور اشتراکی بہت ہیں۔ اور وہی اصلی مشرک ہیں جیسا کہ اللہ نے کہا ہے - "اور اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ کچھ نہیں ہیں مگر مشرکوں میں سے ہیں" سورہ یوسف آیت نمبر ۱۰۶۔ یعنی حقیقی مشرک وہی لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں (وہابیوں نے اسی آیت کا غلط ترجمہ کیا ہے کہ "اور اکثر لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شرک بھی کرتے ہیں"۔ یہ محرف ترجمہ صرف سنیوں کو اور مولانا احمد رضا خاں کے تابع حنفیوں کو مشرک ثابت کرنے کیلئے ہے اگر وہابی لوگ قرآن کے ترجمہ میں سفسطہ آفریں مغالطہ سازی سے کام نہ لیتے تو ان کے لئے محال تھا کہ وہ ہم سنیوں کو ذرا بھی مشرک بول سکیں۔ وہابیوں کے نزدیک آج کل کے ترک اور حنفی تحقیق مشرک ہیں انہوں نے اس آیت کے حرف - ما - کو بگاڑ کر معکوس کر دیا ہے۔)

ہم بنی آدم آج دو بڑی بھاری طاقتوں کے دباؤ میں گھرے ہوئے ہیں، یہ دو طاقتیں آپس میں سخت مخالف ہیں۔ ایک طاقت آسمانی اور عقلی ادیان و مذاہب کو ماننے والی حکومتوں کی ہے، وہ کیپٹیلسٹ ہیں، دوسری اشتراکی حکومتوں کی طاقت ہے وہ بھی راسمالی ہیں، یہ ساری حکومتیں زر پرست ہیں۔ دنیا بھر کے خزانے (جن میں بیس ہزار ٹن سے زیادہ سونا ہے۔) ہیرے جواہرات، معدنیات، کارخانے، پروپرٹی، بنک ریلوے ہوائی اور بحری جہاز وغیرہ سب ان کے قبضہ میں ہے اور رعایا کو فقیر رکھا گیا ہے۔ بہرحال دونوں طرح کی حکومتوں میں رعایا اپنے حال میں خوش ہے، کیمونسٹ ملکوں میں مفلسی کی کسی کو فکر نہیں ہے، کھانا کپڑا اور مکان مل جاتے تو وہ مطمئن ہیں۔ دیندار حکومتوں میں فقیر رعایا اس لئے مطمئن ہے کہ انھیں دنیا دین پالنے کی چھوٹ ہے اسلئے وہ مفلسی کی امید میں خوش ہیں۔

ہم نے سنا ہے کہ ۱۹۱۰ء تک کیمونسٹ ممالک میں چار سو ملیون حنفی تھے آج وہاں دس ملیون بھی ایسے نہیں ہیں جو نماز پڑھتے ہوں مگر وہ مشرک نہیں ہیں کیوں کہ وہاں درگاہوں کو بھی بند کر دیا گیا ہے۔ اشتراکی لوگ وہابیوں کی طرح قبر پرستی کے سخت مخالف ہیں۔ دیندار حکومتوں میں (مسلم اور غیر مسلم) مسلمانوں کی آبادی ایک ہزار ملیون سے کم نہیں ہے ان میں سے ستر فیصدی سنی ہیں جن میں ستر فیصد حنفی ہیں۔ وہابیوں کی تعداد بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ ان وہابیوں کو یقین ہو گیا ہے کہ سنی لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور بدعتی اور مشرک بھی۔ (میں نے امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قادری کی لکھی ہوئی عربی کتاب "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ کتاب استنبول میں کئی بار چھپی ہے۔ ابھی ۱۹۷۵ء میں حسین حلمی بن سعید استنبولی نے اسے آفسیٹ سے چھاپا ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کا فیصلہ

...وہ ہے کہ سنی لوگ وہابیوں کو کیا سمجھیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ: بیشک وہابی نسل تو سب سے بڑے شقی لوگوں کا ہے جسے رسول اللہ سے بڑا بھاری حسد ہے اور وہ حضور سے نہ صرف بدگمان ہیں بلکہ خفا بھی ہیں کہ اللہ نے آپ کی اتنی بڑی تعظیم کیوں کی ہے...) اس پر سے مجھے یقین ہوا ہے کہ مولانا احمد رضا خان نے جو فتویٰ جاری کیا تھا کہ برٹش انڈیا کے وہابی شقی ہیں۔ برحق ہے۔ کیوں کہ انھوں نے ناحق یہ عقیدہ باندھ رکھا ہے کہ سبھی سنی مشرک ہیں۔ سنیوں کو کس طرح سے ناحق مشرک ثابت کیا گیا ہے اور وہ بھی قرآن شریف کی تفسیر، تاویل اور تعبیر میں تحریف کر کے اس کا ثبوت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر میں سورہ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۶ کی تعلیق کے ۱۵۰ الفاظ کے بیان میں موجود ہے کہ کسی کا نام غلام رسول اور غلام نبی رکھنا بھی شرک ہے۔ اس عقیدے پر اعتماد رکھنے والے وہابی اکثر دیوبندی ندوی اصلاحی اور ویلور کے مدرسۂ باقیات الصالحات کے جیسے بھی ہیں اور وہ سب کے سب سنیوں پر اس لئے جلتے ہیں کہ انھیں رسول اللہ سے بڑی محبت ہے۔ اور وہ آپ کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تعظیم کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور کسی غیر اللہ کو ذرا بھی حق نہیں ہے۔ چنانچہ غیر اللہ کی تعظیم کرنا شرک ہے۔ ایک سنی مسلم اور وہابی مومن میں تمیز کرنے کی صرف ایک ہی کسوٹی ہے۔ جسے رسول اللہ سے بڑی محبت ہے وہ اسعد الناس ہے اور جسے نبی سے حسد جلن بغض اور کدورت ہے، وہ بڑا شقی ہے۔ حب نبی ہی دین اسلام کا معیار ہے۔

سب سے پہلے جس شخص نے اہل سنت پر تہمت لگائی ہے کہ وہ مشرک ہیں وہ (وہابیوں کے امام اعظم) عز الدین ابن عبد السلام قاضی القضاۃ دمشق ہیں، آپ نے اصلاح دین اور احیائے سنت کے نام سے وہابی مذہب ایجاد کیا اور فاتحہ خوانی کی محفل کے علاوہ مسجد میں نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا بھی بدعت قرار دیا۔ آپ نے سنیوں کی اور خاص طور پر ترکی حنفیوں کی بہت سی رسموں کو بدعت بول کر بند کر دیا۔ ان میں سے ایک صلاۃ رغائب اور نصف شعبان کی نماز ہے۔ اس روز مغرب سے لیکر رات بھر مخصوص دعائیں پڑھی جاتی تھیں۔ قاضی صاحب نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ نصف شعبان کی عید منانا بدعت ہے اور ایسے بدعتی تحقیق جہنمی ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ دین اور شریعت میں ایسی نماز اور ایسی دعاؤں کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ان بدعتوں کے موجد حنفی ہیں جنھوں نے سنت نبویہ کے خلاف دین میں نئے نئے رواج داخل کر دیتے ہیں۔ قاضی صاحب کی احیائے سنت یعنی صرف نبی کی سنت کو زندہ کرنے کی تحریک کی ایک تازہ ترین مثال آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور اس کے موجد خود سنی ہیں۔ یہ موڈرن سنی کہتے ہیں کہ شریعت کی بہار اس میں ہے کہ ہم حنفی عالموں کے دستور سے ان باتوں کو ترک کر دیں جو نبی کی سیرت میں موجود نہیں ہیں۔

ایسی ہی احیائے سنت کی ایک زبردست تحریک قاضی عز الدین نے دمشق سے جاری کی تھی۔ جو وہابی ازم کا سب سے پہلا اور بڑا مرکز تھا۔ یہ قاضی ابن عبد السلام اپنے زمانے کی صلیبی جنگوں کی شدت میں ترکی حنفی مجاہدین اسلام

کے خلاف اور عیسائیوں کے ساتھ تھے۔ آپ سلطان رکن الدین صالحی بندقداری بیبرس کے بڑے دشمن تھے جس نے عین جالوت کی سب سے بڑی جنگ میں صلیبیوں اور منگول تاتاریوں کی متحدہ فوجوں کو پہلی بار سب سے بھاری شکست دی ہے اور ان کے سیلاب کو توڑ دیا ہے۔ جب قاضی صاحب اور سلطان دمشق میں جھڑپ ہو گئی اور جمعہ کے خطبہ میں قاضی صاحب نے اسے فاسق اور فاجر کہا تو سلطان نے آپکو قید کیا۔ اس لئے بھی علماؤں نے شور مچایا اور وہابیوں نے احتجاج کے جلوس نکالے اور ساتھ ہی ساتھ عیسائی زعمار کا ایک وفد سلطان کے پاس آیا۔ اور قاضی صاحب کو رہا کر دینے کی درخواست کی' اس وفد نے یہ بھی کہا کہ۔ قاضی صاحب اتنے بڑے عالم ہیں کہ اگر آپ ہمارے پادری ہوتے تو ہم ان کے قدم دھو کر پانی پیتے۔" اس قاضی صاحب کے مسلک کا نام وہابی ازم ہے اس مذہب کا آخری امام ابن عبدالوہاب ہے۔ جس نے یہ طریقہ اپنے شیخ طریقت شیخ محمد حیات سندھی سے لیا ہے اور اس نے مدینے کے ۲۷ استادوں سے لیا ہے (شیخ احمد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ان ہی محدثین میں سے پانچ اصحاب حدیث سے حدیث کی سند حاصل کی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ نے مدینہ سے وہابی مذہب ہندستان میں لے آئے) ان ۲۷ محدثین کبار نے یہ طریقہ اپنے امام احمد ابن تیمیہ سے لیا ہے اس نے اپنے دادا تقی الدین تیمیہ سے اور اس نے اپنے شیخ قاضی عزالدین متوفی ۶۶۰ھ سے لیا ہے ———

جب ۶۵۴ھ میں عباسی خلیفہ مہدی بن منصور کی بنائی ہوئی مسجد نبوی پوری جل کر خاک ہو گئی۔ تو سلطان رکن الدین نے نئی مسجد تعمیر کی اور نبی ابوبکر اور عمر کی ٹوٹی ہوئی قبروں کو بنایا اور مزاروں کے حجرہ شریف کو سنوارا۔ اس پر سے قاضی عزالدین نے فتویٰ کیا کہ سلطان بیبرس قبر پرست اور مشرک ہے' چنانچہ سلطان اس قاضی سے بہت ڈرتا تھا۔ حالاں کہ صلیبی اور تاتاری فوجوں کے بڑے بڑے کمانڈر سلطان کے نام سے ڈرتے تھے۔ کیوں کہ آپ ہی معرکۂ عین جالوت کے ہیرو ہیں۔ جب مصر میں قاضی صاحب وفات پائے اور آپ کا جنازہ سلطان کے قلعہ کے پاس سے گذرا جس میں مسلمانوں کے علاوہ ' عیسائیوں کا بھی ہجوم تھا، تو سلطان نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ آج مجھے اطمینان ہوا ورنہ اگر یہ قاضی مسلمانوں کو حکم دیتے کہ بغاوت کرو تو میری حکومت کا خاتمہ ہوتا۔

اسی زمانے سے مسجد نبوی کی زیارت گاہ ہونے کی حیثیت کے مسئلہ پر سے وہابیوں نے قاضی عزالدین کی جماعت نے حنفیوں سے بحث وجدل کا سلسلہ جاری کر دیا۔ کیونکہ وہابیوں نے دیکھا کہ سلطان بیبرس کی نئی مسجد نبوی میں ترکی حنفی زائرین مرد اور عورتوں کے بڑے بڑے ہجوم آتے ہیں۔ اور مزار مقدس کے پاس کھڑے ہو کر نبی سے توسل تشفع اور استغاثہ کرتے ہیں۔ اور مناجات میں بھی کرتے ہیں۔ جو بقول ان کے مسجد نبوی ہی کے اندر واقع ہونیوالے شرک کے کام تھے، حالانکہ مسجد صرف صلاۃ یعنی پنجوقتہ نماز کے لئے ہے۔ اور دن رات کی صلاۃ یعنی درود پڑھتے رہنے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ حنفی لوگ دھوم دھام سے کرتے رہتے تھے۔ حنفی علمائے عظام کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی سے توسل تشفع اور استغاثہ کرنا ہر حال ہر زمان اور ہر مکان میں برحق ہے۔ یعنی آپ کی ولادت سے پہلے اور آپ کی حیات کے ہر دور میں (آپ کی حیات کا دور بقول ان علمائے عظام

کے' ازل سے ہے۔ جو کم از کم پچاس ہزار کروڑ سال کی مدت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ میں رحمت کا مخفی خزانہ تھا اور اب مجھے پسند آیا ہے کہ میں اپنے آپکو ظاہر کروں۔)

اس زمانے سے آج تک ان ہی مسائل پر وہابیوں اور سنیوں کے مابین ' عقائدی جنگ جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احمد رضا خان نے ۱۸۷۶ء میں حج سے واپس آنے کے بعد سے وہابیوں سے بڑی بھاری لڑائی کی مگر ۱۸۸۶ء کے بعد سے وہابیوں سے برسر پیکار رہنے کے بدلے حنفی مذہب کی حفاظت میں معروف ہو گئے۔ مگر آپ کے تابعین کی ایک جماعت نے صرف وہابیوں سے لڑتے رہنا اپنا شعار بنا لیا۔ اور حنفی مذہب کے وقار اور اقتدار کے کاموں کو بڑھانے کے کاموں سے غافل رہی۔

البتہ ۱۳۰۰ھ تک نجدی وہابیوں کے مقابلہ میں ہندی وہابی محض نا سیتی وہابی تھے۔ مگر آج عرب کے وہابی نا سیتی ہو گئے ہیں' اور ہندی وہابی ۱۲۱۵ھ کے وہابیوں کیطرح نہایت ہی متعصب ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہمارے سامنے دو سوال آتے ہیں۔

۱۔ عام ۲۴ کیرٹ ۱۴ کیرٹ اور ۲۴ کیرٹ وہابیوں کے متعلق یہ سوال آتا ہے کہ کیا مسلمانوں کے ۷۲ فرقوں میں شمار ہیں۔ اس کا جواب "ہاں" ہے۔

۲۔ کیا وہابی لوگ اہل سنت کے ساتھ ہیں؟ اس کا جواب "نفی" میں ہے کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ وہابیوں اور انگریزوں میں ایک ہی شعار اور ایک ہی مقصد ہدف بر توحید یعنی اتفاق اور اتحاد قائم تھا، غالباً یہ توحید ۱۸۲۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس لئے ہم بول سکتے ہیں کہ وہابی ازم کوئی مستقل دین نہیں ہے بلکہ ایک فرقہ ہے جو سنیوں کے دشمنوں سے ملا ہوا ہے

۔ جو سنیوں کی قبر پرستی کی مذمت میں بہت کچھ بولتے ہیں۔ احمد رضا کو اس ملی بھگت کا علم تھا' اس لئے آپ نے وہابیوں کی قبر پرستی کی مذمت کی رد میں کہ ولیوں کی قبروں کا عرس کرنا شرک ہے' سورہ الممتحنہ کی آخری آیت کی تفسیر پیش کر دی کہ اصحاب قبور سے مایوس ہونیوالے کافر ہیں' خصوصاً وہ لوگ جنھیں حضور کے مزار مبارک سے کوئی بھی فیض کی آس نہیں ہے۔ احمد رضا خان کی قرآن کی اس آیت کی دلیل کی رد میں کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ حضور کے مزار مبارک سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ رکھیں' وہابیوں نے نبی کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ آپ نے اپنے بستر مرگ پر یہ کہا ہے کہ اللہ کا غضب بڑا شدید ہے اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد یعنی عبادت گاہ بنا لیں۔ اس حدیث کے پیش نظر وہابیوں کے علمائے کبار نے لکھا ہے کہ سلطان بیبرس سلطان قلاوٗن سلطان اشرف قائتبائی سلطان محمد الفاتح اور سب سے آخر میں سلطان عبدالمجید خان نے مسجد نبوی کو ہیکل دانیال اور جنوبی فرانس کے شہر لوربون کے کنسیا کی طرح بنا لیا ہے جہاں تین قبروں کے پاس رات دن قندیلیں اور بڑے بڑے بخور دان جلاتے جلتے ہیں۔

• یہ وہابی مذہب خفیہ طور پر دین اور سیاست کے سنگم کی مکاریوں سے ۱۷۲۵ء میں نجد سے ظاہر ہوا۔ اور ۱۸۵۰ء تک بڑی تیزی سے ہر طرف پھیلا اور اس قدر طاقتور ہو گیا کہ وہ پوری دنیا کے سنیوں پر غالب آیا۔ اور محدثات الامور کے

اسی دور میں نجدیوں نے (افرنج سے توحید قائم کرکے) خالص توحید عربی اتحاد اور حرمین شریفین کو شرک کی نجاستوں کو پاک کرنے کے بہانے سے (بقول ان کے اس شرک کرنے والے حنفی مشرکوں کی سرپرستی عثمانی خلافت کررہی تھی۔) جمعیۃ اخوان بنالی اور لفظ شرک کی ایک محرف تعریف شائع کردی کہ غیر اللہ تعالیٰ کو معبود اور دستگیر بنانا اور غیر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا شرک ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ترکی حنفی خلافت کو منہدم کرنے کا پلان مکمل کرلیا۔ اور رسول اللہ کو بھی غیر اللہ اور سنیوں کا " الٰھا" آخر قرار دیا یعنی ان کے شرکاؤں میں سے سب سے بڑا شریک یعنی خدائے تعالیٰ کے بعد خدائے ثانی۔

وہابیوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حنفیوں نے اللہ کے فرمان " ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً " کی مخالفت میں نبی کو اپنا معبود ثانی بنالیا ہے... جس زمانہ میں وہابی مذہب کو بڑی ترقی نصیب ہوئی اسی زمانہ میں مغرب سے الحاد کا سورج طلوع ہوا۔ اور یہ کارل مارکس کی جادوگری سے ہوا ہے جو ایک جرمنی یہودی داعیہ ہے جس نے ۱۸۶۷ء میں (یعنی تقویۃ الایمان کی اشاعت کے زمانہ میں) کو میولنٹ پرودوکال لندن سے شائع کیا۔ میرے استاد شیخ الاسلام شیخ امین سوید دمشقی متوفی ۱۹۳۵ء نے مجھے بتایا ہے کہ وہابی (نجدی ، ہندی) مکر و فریب لوسیفر سے بھی بڑے ہیں جو حود کبریت اور مغرب کے ستارے کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی وہ ستارہ دنیا کی شام اور آخرت کی صبح کو طلوع ہوا ہے اس زمانے سے سنیوں کی ہزیمت کا دور شروع ہوا۔ چنانچہ آج کل کے سنی ایک دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں سنیوں کی اس پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ افرنج اور نجدی توحید سے بیک وقت نجد اور بلقان سے ترکوں کے خلاف بغاوت شروع ہوئی اور ۷۲۶ھ میں قائم ہونیوالی ترکی حنفی خلافت ۱۹۲۴ء میں ٹوٹ گئی۔ اور وہابی لوگ ۱۹۲۶ء میں مسجد نبوی کے اندر کی تینوں قبروں اور ان کے اوپر کے گنبد خضرا کو توڑنے کے لئے تیشہ بدست کھڑے ہوگئے۔ اس کام کے لئے ہندی وہابیوں نے بھی آستینیں چڑھالی تھیں اور پائنچے بھی ابھار لئے تھے۔ وہابیوں اور سنیوں کی پہلی جنگ مناظرہ کی صورت میں حج کے ایام میں مکہ مکرمہ میں ۱۲۱۲ھ میں ہوئی۔ اس میں سنیوں کی جیت ہوئی۔ مگر ۱۲۱۸ھ میں وہابیوں نے حجاز پر تلواروں بندوقوں اور توپوں سے حملہ کردیا۔ اور اس میں سنیوں کو شکست ہوئی۔ بعد میں حجاز مصر و روم کے سنیوں نے بھی تلوار اٹھائی۔ اور ستر سال تک گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان ہی لڑائیوں کے درمیانی دور میں احمد رضا خان پیدا ہوئے "

جبکہ نواب بھوپال خان بہادر صدیق حسن خان نے (جو ہندستان میں برطانیہ کے وکیل تھے) قرآن کی تین عربی تفسیروں میں دس فیصد آیتوں کی تاویل میں تحریف پیدا کرکے وہابی مذہب کو ہر طرف سے کامیاب بنادیا۔ خان صاحب نے جن تفسیروں کو بگاڑ کر اپنی طرف سے لاکھوں روپئے صرف کرکے چھاپا ہے وہ تفسیر ابن کثیر تفسیر شوکانی اور تفسیر روح المعانی ہیں۔ اشرف علی تھانوی نے ان ہی محرف تفسیروں پر سے اپنی تفسیر میں وہابی ازم کی تائید کی ہے۔

جن لوگوں نے حجاز میں قلم اور تلوار سے وہابیوں سے سو سال تک جنگ کی ہے۔ وہ وہاں کے سنی ہیں۔ اور ان کے علماء کبار کے طلیعہ کے سردار مولانا سید احمد زینی دحلان ہیں (وہابی عالموں نے آپکو فاسق فاجر اور امام زیغ و بدعات کا خطاب دیا ہے) اور جس نے ہندستان میں ہندی وہابیوں سے ۱۹۲۱ء سے قبل سخت لڑائی کی ہے... وہ شیخ الھند مولانا احمد رضا خان بریلوی ہیں۔

آپ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے فقیہ حنفی شارع مفتی اور صوفی تھے۔ آپ نے مارہرہ شریف کے سادات مشائخ سے قادریہ طریقہ حاصل کیا اور دینی ریاست کا درس حرمین شریفین کے علماء کبار سے حاصل کیا۔ آپ کے خاص الخاص مرشد مفتی مکہ سید احمد زینی دحلان متوفی ۱۸۸۶ء ہیں۔ جو خلیفہ عبدالحمید کے شیخ الاسلام تھے۔ جس طرح سے وہابیوں نے سید احمد زینی دحلان کو مشرک کہا ہے اسی طرح ہندی وہابیوں نے احمد رضا خان کو مشرک کہا ہے، اگر احمد رضا سید احمد مکی کے تابع نہ ہوتے تو آپ کیلئے ممکن ہی نہ تھا کہ آپ وہابیوں کے ہجوم کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ ہجوم مدراس، دہلی، بھوپال، دیوبند، ندوہ وغیرہ کے خود کو خالص موحد سمجھنے والے حنفی نما وہابیوں اور وہابی نما حنفیوں کی طرف سے ہوا تھا۔ اگرچہ سید احمد زینی اور احمد رضا نے وہابی مذہب کو دبانے کے لئے جان توڑ کوششیں کی ہیں۔ انھیں اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی کیوں کہ برٹش امپائر وہابیوں کے ساتھ تھا۔ افرنج اور وہابی میلی بھگت ان کے ۱۴۵۳ء کے بعد کی دوستی اور عثمانی خلافت کی دشمنی پر مبنی تھی، جب سلطان محمد ثانی نے بیزنطینی امپائر کا پایۂ تخت قسطنطنیہ فتح کرلیا اور اس کا نام آستانہ اسلام بول اور استنبول رکھا۔ اور وہاں قصر توپ کاپی میں نبی کے مقدس آثار جمع کرلیا جس سے وہابیوں کو بہت ہی بڑا دکھ ہوا۔ جب آستانہ دار الخلافت ہوا تو یورپ اور ہند و چین کی تجارت بند ہوگئی۔ جو سلک روڈ اور لوبان روڈ کے کاروالوں سے ہوتی تھی۔ ان راستوں کے بند ہوجانے سے یورپ والوں نے مشرق بعید کیلئے سمندری راستہ تلاش کرلیا۔ اور پرتگیز ناخدا واسکوڈی گاما اپنے جہاز سے ۱۴۹۸ء میں کوچین پہنچے، پھر ۱۶۰۰ء تک خلیج فارس (حالیہ عربین گلف) کے سواحل کے عربوں نے ترکی حنفی عثمانی خلافت کے خلاف یورپ والوں سے معاہدے کرلئے۔

جس طرح نجد کے امیر عبدالعزیز بن سعود متوفی ۱۸۰۳ء نے (آپ ہی نے ۱۲۱۸ء میں ۱۲۱۲ء کے مناظرے کے بعد مکہ مکرمہ پر حملہ کرکے ہزاروں سنیوں کو مشرک بول کر کاٹا ہے۔) ترکوں کے خلاف برطانیہ سے دوستی کرلی تھی۔ اسی طرح سلطان عبدالعزیز بن سعود متوفی ۱۹۵۳ء نے بھی ۱۹۱۰ء سے ترکوں کی دشمنی سے (جو ان کی نظر میں مشرک تھے۔) برطانیہ سے دوستی کرلی تھی۔ اس لئے جب حنفیوں کی خلافت ٹوٹ گئی ابن سعود نے خلافت کے وکیل شریف مکہ سید حسین ہاشمی کو مار بھگایا۔ اور پورے حجاز پر قبضہ کرلیا۔ اور فوراً حرمین شریفین سے بقول ان کے تمام مشرکانہ کاموں اور بدعات کو بند کردیا۔ جن کی فہرست قاضی عزالدین نے اس زمانہ میں تیار کرلی تھی جب سلطان بیبرس نئی مسجد بنوائی تھی۔ ان مشرکانہ کاموں اور بدعات کی دوسری فہرست وہابیوں کے اور ایک ممتاز محدث قاضی عزالدین ابن جماعۃ الکنانی نے ۷۰۵ھ میں تیار کرلی تھی۔ جبکہ

آپ نے مسجد نبوی کے اندر سے جذع حنانہ کو اکھاڑ کر برباد کر دیا۔ جن مسالک کو سلطان ابن سعود نے بدعات بول کر بند کر دیا ہے ان میں چند یہ ہیں۔

کعبہ شریف کے غلاف شریف کے محمل شریف کا جلوس، نبی کی قبر شریف کے پاس توسل تشفع استغاثہ اور مناجات کا دستور اور دلائل الخیرات کا پڑھنا۔

سنیوں کیلئے یہ سب سے بڑی شکست تھی۔ علاوہ ازیں مزار مقدس کے دراہزان کی جالی مبارک کا چھونا اور چومنا بھی بند کر دیا گیا۔ پھر حجرہ شریف کی بھی محرابوں میں بڑے بڑے منقش اور سنہری حرفوں میں ڈھلے ہوئے "یا رسول اللہ" کے حرف یا کے نیچے کا ہلالی حلقہ کاٹ دیا گیا۔ اور اب صرف ا رسول اللہ باقی ہے۔ اور اگر الف کے نیچے کے دونوں بڑے نقطے کاٹ دیئے جائیں تو ارسول اللہ ہے۔ اس کام سے ہر قسم کے وہابی بہت خوش ہوئے۔ مثلاً اسماعیلیہ رشیدیہ قاسمیہ انبیٹھویہ اور دکن کے لبّا اور ٹوٹڈے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے کرشمے بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز بن سعود ۱۹۵۳ء تک نہایت ہی کٹر شدید اور ارتھوڈوکس اور قاسی وہابی تھے۔ آپ آل سعود کی نسل کے انیسویں سلطان ہیں، یہ ۱۹ کا عدد جہنم کے داروغاؤں کا ہے، مگر جب آپ کی عمر ۷۸ سال کی ہوئی تو آپ وفات سے پانچ سال قبل بفضل باری تعالیٰ اہل سنت اور خاص کر حنفیوں کی طرف مائل ہوئے۔ پھر آپ کے بعد سلطان ابن سعود اور بھی زیادہ اہل سنت کی طرف مائل ہوئے اور پھر آپ کے بعد سلطان فیصل اور بھی زیادہ مائل ہوئے اور جلالۃ الملک المعظم المحبوب ہوئے۔ شاہ فیصل نے ارادہ کیا کہ قصر توپ کاپی سے نبی کی یادگار کے سبھی آثار مقدسہ کو منتقل کر کے مکہ مکرمہ لایا جائے۔ تاکہ حجاج کرام ان کی زیارت کریں۔ مگر دنیا بھر کے وہابیوں نے اس مشروع کی سخت مخالفت کی۔ بمبئی کے اخبار میں اس پلان پر ایک طنز آمیز حملہ بھی ہوا کہ شاید فیصل ان آثار کو حاصل کرنے کے بعد ایسا برباد کرنا چاہتے ہیں جیسا قاضی عزالدین نے جذع حنانہ کو برباد کیا ہے۔ شاہ فیصل کا ایک کارنامہ یادگار رہے گا کہ آثار مقدسہ کی تعظیم کیلئے آپ نے اندلس کی جامع قرطبہ کو (جو ۱۴۹۲ء سے بند تھی اور اس سال سے کسی ایک مسلمان نے بھی اس میں نماز پڑھی نہیں تھی۔) ۴۰۰ ملیون ریال میں خرید کر از سر نو اس کی عمران قائم کر دی اور آج وہاں نماز کی جماعت ہوتی ہے۔ اسی طرح آپکو یہ بھی حرص تھی کہ آپ اپنی زندگی میں بیت المقدس کی مسجد صخرہ مبارک، مسجد اقصیٰ مبارک اور سیدنا عمر کی مسجد مبارک بھی آزاد کر لیں۔

جب شاہ فیصل توپ کاپی کے نبی کریم کے آثار مقدسہ پر عاشق ہو گئے تو "رسول کا دامن نہ چھوڑیں گے" کا نعرہ لگانے والوں پر لازم تھا کہ وہ شاہ فیصل کا ساتھ دیتے یا کم از کم آپ کو ہدایت کرتے کہ مسجد نبوی میں ہمارے ان مسالک کو زندہ کر دیا جائے جو وہاں ۲۵ھ سے جاری تھے اور وہ ۱۳۴۲ھ سے بند کر دیئے گئے ہیں۔۔۔۔

آج ساری دنیا میں دینی اور مذہبی عقائد کے متعلق ایسی بیداری ہو رہی ہے کہ اگر احمد رضا خان کے تابع سیاسی بیداری سے کام لیں تو وہابیت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ آج کل کی عالم اسلامی کی بیداری کو دیکھ کر روحانی اور اشتراکی تاجر بھی گھبرا گئے ہیں کہ ان کا وہ مارکیٹ ٹوٹ رہا ہے جو قاضی عزالدین۔ ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر اور ۲۷ محدثین کی وہابیت کی مدد سے قائم تھا۔ آج دنیا کی سب سے بڑی دو مخالف طاقتوں کی چار سو سال کی مونوپلی ختم ہو رہی ہے اس لئے وہ اسلام کے خلاف نئے ڈھنگ سے پروپاگنڈہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کا مذہب دقیانوسی ہے اور ان کی تہذیب حیات تمدن اور ثقافت اور شریعت کے قوانین دستور اور رسم و رواج عصر جدید کیلئے بیکار ہیں۔ آج کل کے ماڈرن تعلیم یافتہ نیم سنی نیم وہابی (اور پرانے حنفیوں اور شافعیوں کی اولاد ہونے سے نیم حنفی نیم شافعی) مگر مخلص اور اسلام کی خدمت کرنے کا شوق رکھنے والے حضرات بھی غیر شعوری طور پر شریعت کے مروجہ قوانین میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کی موڈرن وہابیت ہے کیوں کہ قاضی عزالدین کے زمانے کے وہابیوں نے بھی شرک شکنی بدعت شکنی اصلاح اور تجدید اور اجتہاد کے ناموں سے ایسی ہی تحریک اٹھائی تھی۔ یہ موڈرن تحریک بھی حنفی مذہب کو توڑنے کیلئے اٹھائی گئی ہے۔

ایسی بھی تحریکیں جو احیائے دین احیائے شریعت احیائے سنت کے نام سے اٹھائی گئی ہیں ان کا اصلی مقصد حنفی مذہب کو توڑنا ہے کیوں کہ عالم اسلام میں حنفیوں کی اکثریت ہے حنفیوں کے دشمن عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم اور آپ کے صحابہ کرام کے مذہب کا نام حنفی نہ تھا۔ اور یہ کہ ابوحنیفہ کو صحیح اور حقیقی سنت نبویہ کی معرفت نہیں تھی بلکہ آپ نے محض قیاس آرائی سے فقہ اور شریعت کی تدوین کی ہے۔ ایسے ہی خیال والوں نے (جن میں مجدد مجتہد اور محدث بہت ہیں۔) سید زینی دحلان اور احمد رضا خان کو علمائے سو میں شمار کر دیا ہے اور سنی مسلمانوں کو قبوریین سمجھ کر یہ اعلان بھی کیا ہے کہ وہ اسلام کیلئے ایک مذاق بنے ہوئے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دو سو سال سے عصریوں مجتہدوں اور مجدّدوں اور محدثوں نے اور ان کے ساتھ یورپ والوں نے بھی حنفی مذہب کے ہیرے جیسے بلور کو توڑنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ دنیا کے سامنے رفع یدین یعنی ہینڈز اپ کرنے پر مجبور کر دیئے جائیں۔ شاہ ولی اللہ اور مولوی محمد اسماعیل کے رفع یدین کے اثبات اور تلقین اور تبلیغ کے بعد ہی ہندی مسلمانوں پر انگریزوں کے سامنے ہینڈز اپ کرنے کا دور آیا ہے۔ اگر حنفی مذہب صمد نہ ہوتا اور ۱۷۷۰ کے بعد سے احمد رضا خان بھی پٹھانوں کی طرح صمد نہ ہوتے اور وہابیوں کا حنفی خیل افغانوں کی طرح ڈٹ کر کھڑے نہ ہوتے تو آج ہندی سنیوں کیلئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ فخریہ بول سکیں۔ کہ ہم سنی توبہ کرنیوالے حمد کرنیوالے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے، سجدہ کرنیوالے نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنیوالے خدا کی حدوں کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ (وہ جو وہابی ہیں وہ فاتحہ میلاد شریف اور سلام بقیام جیسے نیک کاموں کو بری باتیں بولکر منع کرتے ہیں۔) اور ہم اہل سنت ہیں اور اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جن کے متعلق سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں اشارہ ہے۔

کہ "جن لوگوں نے سبقت دی یعنی سب سے آگے نکلے مہاجرین اور انصار میں سے اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔" اگر ہم حنفی نہ ہوتے اور اہل سنت (یعنی نبی اور آپ کے صحابہ اور آل کی سنت کو ماننے والے) اور والجماعت (یعنی رسول اللہ کی جماعت کے مذہب پر چلنے والے) نہ ہوتے تو زمانے کے محدثات الامور کے زیر اثر ہم پہلی صدی ہجری کے آخر تک مٹ ہی جاتے۔ اگر کسی نے اس کو بچالیا ہے تو وہ حنفی مذہب ہے۔ جو دین اسلام کا سب سے پہلا مذہب ہے۔ ہم سنی لوگ دنیا میں عقبیٰ کی امید پر جیتے ہیں اور اس لئے ہم اللہ کی عبادت کے ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ کی بھی تعظیم کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں بھی ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی بھی عزت کرتے ہیں حالاں کہ وہابی لوگ (یعنی دحلان اور رضاخان کے دشمن ہیں) ہمیں ایسا کرنے سے روکتے ہیں کہ یہ سب کچھ شرک ہے۔ کیوں کہ غیراللہ کی تعظیم اور عزت اور پرستش کرنا شرک ہے۔ محمد کی تعظیم کرنا شرک قرار دینے والے ذرا یہ بھی تو غور کرلیں کہ خود اللہ تعالیٰ اسی غیراللہ تعالیٰ پر درود اور سلام کیوں بھیجتا ہے اور آپ ہی کی تعظیم کیوں کرتا ہے اور ہمیں یہ ہدایت کیوں کی ہے۔ کہ ہم اذان سنتے ہی یہ دعا پڑھیں "وابعثہ لنا مقاما محمودا"۔ یعنی یارب قیامت میں محمد کو ہماری مغفرت کیلئے مقام محمود پر فائز کرنا۔ ہماری یہ دعا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں فرق نہیں کرتے۔ کیوں کہ ابوحنیفہ نے لکھا ہے کہ جو شخص محمد سے کفر کرے وہ مشرک ہے۔ وہابی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے اس قول میں شرک ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو اللہ سے کفر کرے وہ مشرک نہیں ہے، بلکہ مشرک وہی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور ساتھ ہی ساتھ رسول پر ایسا ایمان رکھے کہ اللہ کی طرح آپ بھی ہمارے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب احمد رضا نے محمد کو اپنا مالک بول کر پکارا تو وہابیوں نے آپکو مشرک کہا۔ غالباً اشرف علی تھانوی نے یہ کہا ہے کہ احمد رضا حب رسول میں اندھے ہوگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حنفی سنیوں کو مشرک ثابت کرنے کے لئے اپنی تفسیر میں عجیب و غریب بیانات بھر دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ صرف مومن مشرک ہوتا ہے اور کافر کیلئے مشرک ہونا قطعی محال ہے جیسے ایک خنثی کیلئے محال ہے کہ وہ زانی بنے۔ اشرف علی نے سیکڑوں آیتوں کی تاویل میں اسباب پر زور دیا ہے کہ حضور کی روحانی طاقت سے مدد کے طالب ہونا شرک ہے۔ اس شرک کو ثابت کرنے کیلئے ابن کثیر کے زمانے سے لے کر آج تک کے وہابیوں نے غیراللہ کی نہایت ہی محرف تعریف سے کام لیا ہے کہ اللہ کے سوا ساری خلق غیراللہ ہے، حالاں کہ غیراللہ صرف شیطان کا لقب ہے۔ ہمارے جلیل القدر مفسرین نے لکھا ہے کہ ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا کا احدا یعنی وہ فلاں ایک اور الٰھاً آخر اور غیراللہ اور من دون اللہ سب شیطان کے القاب ہیں۔ اور محمد کو اللہ کا عزیز شریک یقین کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ کیوں کہ خود نبی نے فرمایا ہے کہ اللہ نے مجھ سے کہا ہے کہ "اے محمد! میں نے تجھے میرے جمیع معاملات میں اپنا شریک بنالیا ہے اور تجھے میری جمیع خلق کے اوپر شرافت اور فضیلت بخشی ہے تاکہ جہاں میرا ذکر ہو اس کے ساتھ ہی ساتھ تیرا بھی ذکر ہو، اور میں نے میری اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ تیری بھی اطاعت فرض کردی ہے..."

یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم اس سے یہ دعا کریں کہ "یارب تو ہمیں صالحین کی دعا میں شریک کرلے"۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ شاہ ولی اللہ اسی فرمان کے مطابق مدینے جانے سے پہلے قادریہ چشتیہ نقشبندیہ اور مجددیہ طریقوں کے مشائخ سے بیعت رکھتے تھے مدینہ میں آپکو خبر ملی تھی کہ عالم اسلام میں صوفیوں کے ۶۶ طریقے ہیں جن میں سے حجاز میں شاذلیہ سلسلے کے مشائخ کثرت سے تھے مگر آپ پر ۲۷ محدثین عظام کا غلبہ ہوگیا... وہابی کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث (جہاں اللہ نے محمد کو اپنا شریک کہا ہے۔) اور ایسی دوسری سبھی حدیثیں غلط ہیں۔ کیوں کہ ان کے سب سے بڑے محدث حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح صحیح بخاری فتح الباری میں ان حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں کیوں کہ ہمارے محدث اعظم حافظ احمد قسطلانی نے اپنی شرح صحیح بخاری ارشاد الساری میں ان حدیثوں کو صحیح ثابت کیا ہے۔ قسطلانی نے لکھا ہے کہ محمد باعث کائنات ہیں اور آپکو پیدا کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے رحمت کرنا اپنے اوپر واجب کرلیا ہے۔ اگر وہ سب سے پہلے محمد ہی کو پیدا نہ کرتا تو اپنے اوپر رحمت کرنے کا کام واجب نہ کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ محمد کے ایک سو فیصد توحید یعنی یونیٹی ہے کیوں کہ اللہ احد اور صمد ہے اور محمد اوحد ہیں کیوں کہ آپ اللہ کی ذات کے مظہر ہیں۔ جب اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو وجود میں نہیں لایا تھا اس وقت وہ اللہ احد تھا اور جب سب سے پہلے اس نے نور محمدی کو پیدا کیا تو محمد ہی باعث خلق و کائنات ہوئے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حافظ احمد قسطلانی نے لکھا ہے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو اللہ اپنے اوپر یہ واجب نہ کرلیتا کہ وہ رحمت کرے کیوں کہ جو اللہ ہے وہ اپنے وحدۃ الوجود میں سب سے دور اور علیحدہ رہتا ہے اور کسی سے اتصال نہیں کرلیتا کہ وہ اس پر رحمت کرے، جب تک وہ اپنے آپکو ظہور میں نہ لائے۔ اس لئے اللہ مخفی میں احد ہے اور ظاہر میں صمد ہے۔ یعنی اپنی مخلوقات کی حاجتوں کا حاجت روا ہوا۔ صمد کے یہی معنی ہیں کہ اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے مگر ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ اسے خود اپنے لئے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ رحمت کرے۔ چناں چہ وہ بحیثیت احد اپنی مخلوقات کے سامنے آنا پسند نہیں کرتا تھا اور بحیثیت صمد اس نے نبی کے واسطے سب پر احسان کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے قرآن کی آخری وحی میں اس نے محمد کو رؤف رحیم بولکر پکارا ہے اور اس کا نام ہے مظہر من تعرف اسمائہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محمد کو اپنا رسول وکیل نائب قائم مقام اور اپنی ذات تقدس کا شاہد بنایا ہے۔ اس حقیقت کے اہل معرفت نے آپکو احد و فرید و وحید اور اللہ ہی کی طرف سے مقرر کیا ہوا بنایا ہے، اور یہ ہے تقدیر العزیز العلیم۔ اس حقیقت پر ہمارے سامنے احمد رضا خان نے اپنی ساری تعلیمات کا جوہر رکھا ہے اور وہی جوہر ابوحنیفہ نے بھی نکالا تھا۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ہمارے لئے ازل سے ابد تک ملجا و ماوا ہیں اور آپ سے بھیک مانگنا اپنے مولیٰ تعالیٰ کے غیر سے بھیک مانگنا نہیں ہے۔ ہم کسی بھی حال میں امام اعظم کے اس عقیدے کو

ڈھیلانہ ہونے دیں گے۔ کیوں کہ یہی حنفیت کے تاج کا سب سے بڑا خوبصورت گوہر ہے۔ عرب ابن الوقت۔

ہو سکتا ہے مگر عجمی سنی اور حنفی ہو نہیں سکتے۔ ان کی مدح میں سورہ محمد کی آخری آیت گواہ ہے۔ (مولانا محمود الحسن کی تفسیر میں اس حقیقت کی وضاحت دیکھی جائے) یوں بھی امام ابوحنیفہ پٹھان تھے یعنی اصلاً خان تھے اور اسی قوم سے تھے جس قوم سے احمد رضا خان بھی ہیں اور خان کسی کے سامنے نہیں دبتا۔ عام ہندی حنفیوں کو ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ ابوحنیفہ بھی خان ہیں۔ آپ کا پورا نام یہ ہے' ابا حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ مولیٰ تیم اللہ۔ یہ ربط حمزہ زیات سے ہیں۔ تیم اللہ ابن ثعلبہ کابلی تھے۔

اگرچہ کہ احمد رضا خاں سید احمد زینی دحلان کے شاگرد اور مرید تھے۔ آپ نے ہندی وہابیوں کی سرکوبی کیلئے اسی شدت سے کام نہیں لیا جو علمائے حرمین کا طریقہ تھا کیوں کہ وہ لوگ وہابیوں کو نجس سمجھتے تھے اور احمد رضا یہاں کے وہابیوں کو غیر نہیں سمجھتے تھے بلکہ سنیوں کی اولاد سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ وعظ و پند سے وہ سدھر جائیں گے مگر ان کا بدلنا اس لئے محال تھا کہ وہ لوگ اپنے راز چھپائے ہوئے تھے جو ۱۹۲۴ء تک چھپا ہی رہا اور اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد وہ راز فاش ہوا۔ اگر احمد رضا خان کو معلوم ہوتا کہ وہابیت کا اصلی راز گنبد خضریٰ کو صنم الاکبر بول کر توڑنا ہے تو آپ سنہ ۱۷۷ء سے وہابی ازم کو منہدم کرنے ڈینامیٹ ایجاد کر لیتے۔ البتہ آپ سنتے تھے کہ وہابی علماء کبار رات دن یہ الاپتے ہیں کہ نبی کو علم غیب نہیں ہے، کیوں کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضور کو اس راز کا علم نہیں ہے کہ وہابی لوگ آپ کے روضہ کو توڑنا چاہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ نبی کو علم غیب نہیں ہے سنیوں پر ایک طنز تھا۔ کہ تم خود کو عاشق نبی سمجھتے ہو مگر وہ تمہیں وہ راز بھی نہیں بتا سکتے جو ہمارے دلوں میں سنہ ۱۱ھ سے چھپا ہوا ہے۔ بہرحال یہ راز سنہ ۱۳۴۲ھ میں فاش ہوا اور پھر سنی وہابی جھگڑے تیز ہو گئے۔ البتہ اعلیٰ حضرت کو ابن عبدالوہاب کے رسالۃ التوحید اور مولوی اسماعیل کی تقویت الایمان سے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی بڑا فتنہ اٹھنے والا ہے۔ آپ کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ خود مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہونیوالے ہیں۔ جو مسجد صخرہ مبارک کے سنہری گنبد' مسجد نبوی کے سبز گنبد اور کاظمین اور مشہد کے سونے کے گنبدوں اور پھر روئے زمین کے ولیوں کی درگاہوں کو توڑنے کیلئے کھڑے ہو جائیں گے تاکہ قبر پرستی بند ہو جائے جس کیلئے عالم اسلام کی سب سے بڑی زیارت گاہ کو بند کرنا ضروری تھا اور اس غرض سے مجددین مجتہدین اور محدثین نے وہابی مشروع یعنی قبر شکنی کا پروٹوکال شائع کیا ہے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت اور آپ کے ممتاز ترین تابعین کو اس مشروع کے اسرار کا علم نہ تھا۔ اور یہ بھی علم نہ تھا کہ ابن عبدالوہاب نے ایک ایسا خبیث درخت لگایا ہے جسے قرآن میں "شجرۃ ملعونۃ فی القرآن" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس خبیث محدث نے خالص توحید کے نام سے قرآن حدیث اور تاریخ کی باتوں میں جھگڑا پیدا کیا۔ وہابیوں کی توحید قرآن حدیث اور کلمہ توحید کی توحید نہیں ہے بلکہ دمشقی بدو عرب قبائل اور دشمنان اسلام پروٹسٹنس عیسائی شاطر مقباز سیاسی لیڈروں کی توحید

یعنی یونیٹی ہے۔ اس میلی بھگت سے (جسے ہم قضا و قدر کا کرشمہ بول سکتے ہیں۔) قرن الشیطان طلوع ہوا۔ جسے ہم قران الشیاطین بھی بول سکتے ہیں

برطانی نجدی اتحاد و اتفاق کی کھیتی سے اس وقت قرن الشیطان نکلا۔ جبکہ نیپولین بونا پارٹ نے مصر فلسطین اور شام فتح کر لیا اور اسی قرن یعنی شیطان کے ناقوس سے ابلیس لعین کے اس صور کی آواز نکلی جس کی بنا پر اس نے آدم کو سجدہ کرنے کے انکار کا اعلان کیا تھا۔ کیوں کہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ آدم میں نور محمدی کو رکھا گیا ہے جو اللہ کی رحمت کا مظہر ہے اور وہی مہبط الرحمات بھی ہے جس پر ساری کائنات کی رحمتوں کی بارش ہوگی۔ ابن عبدالوہاب کے بعد قاضی شوکانی یمنی نے اس ناقوس کو پھونکا کہ اللہ اور محمد کے مابین کوئی توحید نہیں ہے کیوں کہ محمد غیر اللہ ہیں۔ یہ شوکانی بھی برطانیہ کا حلیف تھا۔ (اس کا ثبوت نواب بھوپال صدیق حسن کی انگریزی کتاب بنام "وہابی ازم کے معنی" سے ملتا ہے۔) سید احمد زینی دحلان کے انکشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں جس محدث اعظم نے اس ناقوس کو اپنے ہم درس اور ہمنوا اور ہم صحبت ابن عبدالوہاب کے پاس سے لایا ہے وہ احمد شاہ ولی اللہ ہے۔ اور یہاں جس شخص نے سب سے پہلے اسے پھونکا وہ مولوی محمد اسماعیل ہے (اذان اعلان کرتی ہے کہ اللہ محمد میں توحید ہے، وہابی ناقوس اعلان کرتا ہے کہ نہیں ہے۔) یہی وجہ ہے کہ آپ نے لکھ دیا ہے کہ نماز میں محمد کا نام یاد آئے تو نماز باطل ہوتی ہے حالانکہ رفع یدین کے وقت وہ یاد کرتے ہیں کہ یہی وہ محمد کی سنت ہے جسے ابوحنیفہ نے چھوڑ دیا ہے جب احمد رضا ۱۸۷۰ء میں حج کر کے واپس آئے اسوقت آپکو یقین تھا کہ ولی اللہ اولیاء اللہ میں سے ہیں کیوں کہ آپ کی حدیث کی سند ان سے ملتی ہے اور آپ نے ان کی تفسیر میں پڑھا ہے کہ آپ نے اللھم صل علیٰ محمد کا ترجمہ بار خدایا تعظیم کن محمد را در دنیا و آخرت لکھا ہے مگر آپکو یہ یقین بھی ہو گیا کہ تقویت الایمان میں شیطان کے ناقوس کی آواز ہے۔ کیوں کہ آپنے لکھا ہے کہ شیئاً للہ یا سید المرسلین بولنا شرک ہے۔

اعلیٰ حضرت نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ جن حنفی علمائے کبار پر تقویۃ الایمان کا غلبہ ہو گیا ہے وہ سنیوں کے بزرگ ترین علمائے کبار و عظام کو بھی ملا محمد اسماعیل کے سامنے ہیچ سمجھتے ہیں۔ یہ بات معارف کے ایک مضمون سے بھی ثابت ہے کہ ان علمائے حنفیہ کی نگاہ میں امام غزالی فخر الدین رازی مفسر قرآن محی الدین ابن العربی سید شریف جرجانی سعد الدین تفتازانی حافظ الدین نسفی اور شیخ ملا جیون وغیرہ وغیرہ۔ کوئی بھی وقعت نہیں رکھتے تھے، اتنا ہی نہیں بلکہ ان نیم حنفی نیم وہابی عالموں نے امام ابوحنیفہ اور آپکے خلیفاؤں کو بھی ہیچ سمجھا ہے۔ مثلاً امام محمد شیبانی امام ابو یوسف انصاری ملا نور الدین علی قاری صدر الشریعت برہان الدین صدر الشریعت مجید اللہ اور صدر الشریعت احمد بن جمال اللہ محبوبی حنفی بخاری۔

یہی وجہ ہے کہ ان وہابیوں نے سنہ ھ سے کہ آج تک کے مرحوم حنفیوں کو (جو کئی انچ ہوں گے)

اور آج کل کے ستر کروڑ زندہ سنیوں کو بدعتی اور مشرک اور تحقیقی جہنمی قرار دیا ہے اور صرف اپنے ہی لئے جنت کو ریزرو کر لیا ہے۔ ان کے نزدیک امام تقی الدین احمد سبکی امام ابن حجر ہیتمی مکی امام جلال الدین سیوطی امام سید احمد زینی دحلان اور امام احمد رضا خاں کے سبھی تابعین جہنمی ہیں۔ یہ ان حنفی وہابیوں کا قول ہے جنھوں نے شاہ ولی اللہ کی کتاب جلال العینین فی رفع یدین اور مولوی اسماعیل کی کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین پر اعتبار کر لیا ہے۔ انھیں لوگوں نے ایسے محرف ایمان کی تقویت کے لئے سورہ الفتح کی ابتدائی آیتوں پر سے نبی کو بھی اپنے جیسے گنہگار ثابت کیا ہے حالانکہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر سے مراد امت محمدیہ کی گناہیں ہیں کیونکہ نبی نے اپنے آپ کو ان کے لئے مسئول بنا لیا ہے اور اس نیت سے اللہ سے دعا کی ہے کہ یارب مجھے میری امت ان کے ثواب اور گناہوں کے ساتھ بخش دے کیونکہ میں ان کا جواب دار ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے ثناء اللہ امرتسری نے اس آیت کی تفسیر میں نبی کو گنہگار ثابت کرتے ہوئے غیر شعوری طور پر اپنی دلیل کی رد میں ان حدیثوں میں سے ایک حدیث پیش کی ہے جو یارسول اللہ انت لہما سے تعلق رکھتی ہے کہ محشر کورٹ میں اللہ تعالیٰ قاضی القضاۃ کی حیثیت سے اپنی مخلوقات کے سامنے آنا پسند نہیں کرتا بلکہ وہ شاہنشاہ بن کر بیٹھے گا اور اپنے تخت محمود پر محمد کو اپنا چیف جسٹس بنا کر بٹھائے گا۔ اعلیٰحضرت کے اس عقیدے کی تردید میں وہابیوں نے تقویت الایمان کی باتوں کو ایسی پرزور تحریک سے شائع کیا کہ سنہ ۱۲۵۰ء سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک دس فیصد حنفی وہابی ہو گئے اور عام مسلمانوں میں تبلیغ ہونے لگی کہ محمد اپنی امت کو نجات دلانے سے معذور ہیں کیونکہ آپ سچ مچ مخلص اور مسیح نہیں ہیں بلکہ مسیحا کوئی اور ہے۔ محمد تو صرف پیغام بر تھے اور آج بالذات زندہ نبی نہیں ہیں۔ آج اللہ اور محمد کے مابین مراسلات اور آپس کی بات چیت کا سلسلہ ٹوٹ چکا ہے اور عرش اور فرش کے درمیان محمد کے دفتر میں کوئی ہوٹ لائن نہیں ہے اور کوئی ٹیلیکس اور کوئی ٹیلیو ٹرن بھی نہیں ہے جیسا کہ سنہ ۶۳۲ تک تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ رب العرش العظیم گنبد خضرا کے نیچے زمین میں پڑی ہوئی مٹی سے کوئی کلام نہیں کرتا۔ ایسی تبلیغ سے تقویۃ الایمان والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ سنہ ۱۳۵۰ھ تک سبھی حنفی وہابی ہو جائیں گے اور امام ابوحنیفہ کی کوئی عزت باقی نہ رہے گی اور سنی لوگ میلاد شریف اور کثرت سے درود پڑھنا چھوڑ کر صرف نماز کے اندر کے درود پر اکتفا کریں گے اور کھڑے ہو کر نبی پر سلام پڑھنا شرک یقین کریں گے مگر وہابیوں کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا کیونکہ اعلیٰحضرت نے سنہ ۱۸۷۰ سے لے کر سنہ ۱۹۲۰ تک پورے پچاس سال کی مدت میں وہابیوں کے عقائد کو لات مار کر پھینک دیا۔ البتہ آپ ان کا دل پھرا نہ سکے۔ بہر حال سنیوں میں میلاد شریف کا دستور قائم ہی رہا، گرچہ کہ اس میں بہت کمی واقع ہو گئی ہے مگر سرزمین عرب پر حالات اس قدر بگڑ گئے اور وہابیوں کو اتنی بڑی کامیابی ہوئی کہ سنہ ۱۹۰۹ء میں خلیفہ عبدالحمید تخت خلافت پر سے اُتار دیئے گئے اور اسی سال سے سنیوں کی طاقت بھی ٹوٹنے لگی اور جب اعلیٰحضرت دوبارہ سنہ ۱۹۲۱ء میں حج کو گئے تو آپ کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ علمائے حرمین بھی خلافت کے ٹوٹنے سے یتیم اور ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے جب مدینہ میں پورے ایک ماہ تک قیام کیا (جس میں ربیع الاول کا بیشتر حصہ تھا) آپ روزانہ زیارت کرتے تھے اور یہ دیکھ کر روتے تھے کہ اب زائرین کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے چنانچہ آپ نے وہاں کے بعض سنی علمائے کبار کو غصہ بھی کیا کہ تم اسقدر ڈھیلے کیوں ہو گئے ہو۔ ایسی کمزوری اور ادبار کے بعد سنہ ۱۹۲۶ء تک آخر اہل سنت کو پوری پوری شکست ہو گئی اور وہابیوں نے زیارت کا نام لینا بھی بند کر دیا۔ اگر اس زمانے میں اعلیٰحضرت زندہ رہتے تو آپ حکم نکالتے کہ وہ زبردستی سے سعودی سپاہیوں کو مار کر جالی مبارک کے بوسے لیں اور وہابی عالموں سے مناظرہ کریں اور انھیں ایسی شکست دیں جیسی سنہ ۱۲۱۲ھ میں سنی علمائے کبار نے ان کے علمائے کو شکست دی تھی اور زیارت کے دستور کو اس زمانے میں بھی جاری رکھا تھا جبکہ سنہ ۱۸۲۲ سے لیکر سنہ ۱۸۲۸ء تک حرمین شریفین پر وہابیوں کا پہلی بار پورا پورا قبضہ ہو ہی گیا تھا۔

وہابی تحریک حدیثوں پر سے دراصل سنہ ۱۱۶۰ھ سے نکلی۔ اس کے محرک ابوذئیب ہیں۔ اس تحریک کا آخری پُرزور ظہور مدینہ ہی میں سنہ ۱۱۰۰ء سے لیکر سنہ ۱۱۵۰ء تک ہوا۔ سب سے پہلے جس بزرگ نے اس تحریک کی پوری پوری رشدی کی ہے وہ مفتی مکہ سید احمد زینی دحلان ہیں (ت سنہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۶) میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ یعنی مکہ پر وہابیوں کے پہلے حملے کے ۱۶ سال بعد۔ سید صاحب نے وہابی لڑائیوں کے جو واقعات دیکھے ہیں وہ اعلیٰحضرت نے نہیں دیکھے۔ چنانچہ سید صاحب نے سنیوں کی تقویت اور وہابیوں کی رد میں ۱۲ کتابیں لکھی ہیں ان میں سب سے مشہور الدرر السنیہ فی رد الوہابیہ ہے۔ سید صاحب کے بعد مولانا شیخ داؤد بن سلیمان بغدادی نقشبندی نے وہابی ازم کے خلاف ۴ کتابیں لکھی ہیں۔ ۱۔ رشد الجہاد فی البطال دعوی الاجتہاد ۲۔ رسالتہ فی الرد علی محمود آلوسی ۳۔ صلح الاخوان من اہل الایمان و بیان الدین یعنیم فی تبرئۃ ابن تیجہ و ابن قیم ۴۔ المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوھابیۃ۔ اس کے بعد مفتی بغداد مولانا جمیل آفندی صدقی زہاوی نے الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق لکھی پھر مولانا روحی بک خالدی قدسی نے اسباب انقلاب عثمانی لکھی۔ آپ فرانسیسی زبان کے ماہر اور پیرس میں حکومت کے بڑے عہدے پر متقرر تھے۔ پس آپ کو یورپ والوں کی سیاسی چالوں کی پوری پوری خبر تھی کہ وہابی تحریک کا اصلی مقصد عثمانی خلافت کو منہدم کرنا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اعلیٰحضرت کے علاوہ ہندوستان میں کسی سنی عالم کو ان کتابوں کے

نام معلوم ہوں۔ اگر اعلیٰ حضرت کو ان کتابوں کا علم نہ ہوتا تو آپ کے لئے یہ مشکل تھا کہ آپ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے نام نہاد خلیفاؤں سے مخاصمت کرتے مثلاً رشید احمد گنگوہی اور قاسم ناتوی وغیرہ۔ ان کے تابعین کہتے ہیں کہ احمد رضا نے محض بدگمانی پر سے وہابیوں کے خلاف حرمین کے فتوے حاصل کر لئے ہیں۔ اور آپ کا استفتاء غلط ہے ....۔ اگرچہ کہ اعلیٰ حضرت نے وہابیوں کی رد میں بہت کچھ لکھا ہے مگر مجھے اس بات کا ثبوت ملا نہیں ہے کہ آپ نے ہندوستان کے سب سے بڑے وہابی اور اُن کے رئیس اعظم کی فتنہ بازیوں کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے اور وہ مفتن خان بہادر صدیق حسن ہے۔ آپ برطانیہ کے مواطی تھے اور دوسرے عرب مواطیوں سے ملے ہوئے تھے۔ آپ ہی نے ایک بڑے وہابی عالم محمود شکری الوسی کی غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی کی اشاعت میں بڑی مدد کی ہے۔ نبہانی نے شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الحق لکھی تھی۔ الوسی نے لکھا ہے کہ نبہانی نے نبی سے استغاثہ کرنے کے جواز میں جہالات آرائے سخیفہ اور دلائل مقولہ سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کے پہلے حج کی واپسی کے چار سال بعد چھپی ہے۔ یہ وہی الوسی ہے جسے یورپ والوں نے سنہ ۱۸۸۹ء میں نوبل پرائز اور سونے کا تمغہ دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد کو غیر اللہ ثابت کرنے والا یورپ کا گولڈ مڈلسٹ ہے۔ اسی طرح خان بہادر نے خیر الدین نعمان الوسی کو بڑی رشوت دے کر امام ابن حجر ہیتمی مکی کی رد میں بلاد العینین فی محاکمۃ الاحمدین لکھنے لگائی۔ اور اسی نعمان آلوسی کو ورغلا کر ان کے والد شہاب الدین الوسی حسنی حسینی کی تفسیر روح المعانی کو بھی محرف کر کے چھاپا ہے چنانچہ صدیق حسن خان بہادر نواب بھوپال نے تین تفسیروں کو محرف کر کے نبی کی تعظیم کرنا شرک ثابت کیا ہے۔

چونکہ اعلیٰ حضرت کو ان تفسیروں کی تحریف کا علم نہ تھا کیونکہ یہ تحریف سید زینی دحلان کی وفات کے بعد عرب پریس سے ہوئی ہے۔ آپ کے تابعین یعنی بریلوی سنیوں کو یہ راز معلوم نہیں ہے کہ خان بہادر نے وہابی ازم کی تقویت کے لئے کیسی کیسی مکاریوں اور فریب کاریوں سے کام لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی یادگار کے سلسلے میں سنی عالموں کو چاہئے کہ وہ اعلیٰحضرت کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے ان تفسیروں میں سے ان محرف تاویلات کو معلوم کریں اور سنیوں کے ہاتھ میں وہابیوں کو دفع کرنے کے ہتھیار دیدیں کیونکہ آج کل کے سنی عالم جس طریقے سے وہابیوں کا مقابلہ کر رہے ہے وہ ایسا ہے کہ قیامت تک ان کی ہر سیچ ڈرا ہی میں جائے گی اور کبھی بھی پوری جیت نہ ہوگی۔

یہ کہ نبی سے جلب منفعت اور دفع مضرت کی امید رکھنا اور ہر طرح کی کامیابی کے لئے درود و سلام کی کثرت سے کام لینا اور نبی کو اپنا دست گیر کہنا شرک ہے سب سے پہلے علمائے دمشق نے بطور فتویٰ اعلان کیا۔ یہ عقیدہ سب سے پہلے تقی الدین ابن تیمیہ کو ابن زفیل کا خطاب دیا۔ پھر سنہ ۱۱۱۰ء تک ابن زفیل کی جماعت نے اس تائید میں سیکڑوں کتابیں لکھیں اور نہایت ہی پُر فریب مغالطات سے طالب مدد ہونا سی دلفریب دلیلیں نکال لیں کہ محمد غیر اللہ ہیں اور غیر اللہ کی روحانی طاقت سے طالب مدد ہونا شرک ہے۔ رفتہ رفتہ سنیوں کے بہت سے علمائے کبار نے بھی تسلیم کر لیا کہ رسول اللہ غیر اللہ ہیں اور آپ کو اللہ کی ذات اور صفات میں ملانا اور آپ کی ہستی کو اللہ کی عین ہستی کے برابر یا مثل سمجھنا شرک ہے پھر اس پلید عقیدے ہی سے اور بھی پُر فتن عقائد نکلے۔ پھر مدینے کے ۲۷ محدثین نے ایسی حدیثوں کو زندہ کر دیا اور ایسے ایسے میڈان لندن میڈن پیرس اور میڈ ان برلن عقائد نکلے کہ شاہ صاحب محدث دہلوی بھی ان کے دام فریب میں گرفتار ہو گئے۔ ان ۲۷ محدثین سے ۳ کا مذہب مخفی ہے اور صرف ۲۴ کا مذہب ظاہر ہے۔ اس لئے ان کے تابعین کو ۲۴ نمبر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ۶ حنبلی ۱۵ شافعی اور ۳ حنفی تھے۔ ان میں سے شاہ صاحب کے استادوں کے نام یہ ہیں: شیخ نور الدین محمد عبد الہادی سندھی۔ شیخ ابراہیم کردی۔ شیخ ابو طاہر محمد ابراہیم کرانی۔ شیخ ابن علی عجمی شیخ تاج الدین اور شیخ محمد حیات سندھی۔ یہ سب کے سب مہاجر تھے اور اپنے اپنے وطن سے ہجرت کر کے انگریزوں کے حساب پر مدینے میں حدیث کا مدرسہ چلاتے تھے اسی مدرسے کی شاخ شاہ صاحب کا دہلی کا مدرسۂ حدیث تھا جس میں آپ نے ۱۵ سال تک درسِ حدیث دیا ہے۔ اس درسِ حدیث کا اصلی مقصد یہ تھا کہ حنفی مذہب منسوخ کر دیا جائے اور اس کے بدلے صحیح سنن نبویہ کو زندہ کر دیا جائے۔ اسی اصول کے تحت جب شاہ صاحب تین سال تک عربستان میں رہ کر آئے آپ نے سنہ ۱۱۵۰ھ میں فارسی تفسیر لکھی اور اس میں لکھ دیا کہ رسول اللہ واقعی غیر اللہ ہیں۔ یہ بات یہ بات کسی بھی قدیم جلیل القدر تفسیر میں نہیں تھی۔ سب سے پہلے یہ اجتہاد وہابیوں کی تفسیروں میں ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے وما اھل بہ لغیر اللہ کا ایسا ترجمہ کیا ہے کہ نبی اور کسی ولی کے نام کا ذبیحہ بھی حرام قرار دیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے معنی بتان شیاطین نیز پیغمبران ہے۔ یہ نیز پیغمبران کی عبارت زبردستی سے نکالی گئی ہے اور اللہ کی مراد میں نہیں ہے کہ اصنام طواغیت اور انبیاء و مرسلین میں کوئی تعرف ہے۔ یہ ہے مختصر تاریخ نجدی وہابی ازم کی جس کے اسرار سے اگر کوئی سب سے پہلے مطلع ہوا ہے تو وہ اعلیٰحضرت ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے نجد سے آئی ہوئی اور ہندوستان میں پلی ہوئی وہابیت پر حملہ کر دیا اور الغنی یا رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو جمیع وہابیوں نے آپ کو مشرک قرار دیا۔ نجدی وہابیوں نے اس طرح سید احمد زینی دحلان کو مشرک کہا ہے۔ قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ احمد رضا خاں سید احمد زینی دحلان کے تابع تھے اور سید صاحب احمد ابن حجر ہیتمی مکی کے تابع تھے اور یہ تینوں بزرگ احمد ابن تیمیہ کے دشمن تھے۔

میں نے یہ مقالہ قصداً اس غرض سے لکھا ہے کہ سنیوں سے التجا کروں کہ وہ ایک فرار ہونے والے سانپ کے نشان پر ڈنڈے مارنا چھوڑ دیں اور وہابی ازم کے اصلی اسرار کو

سمجھ لیں اور آج کل کے نام نہاد وہابیوں کو معاف کر دیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ کو غیر اللہ کہنا چھوڑ دیں (سب سے پہلے ہم سنیوں پر واجب آتا ہے کہ سب سے پہلے ہم حضور کو غیر اللہ سمجھنا چھوڑ دیں)، کیونکہ ہر مسلمان کو یہ بولنے کا حق ہے کہ تحقیق میں اللہ کی قسم کھا کر بولتا ہوں کہ محمد حبیب اللہ ہیں اور اللہ کبھی غیر اللہ پر درود نہیں بھیجتا. سب سے پہلے ابن تیمیہ اور ابن قیم کے شاگرد ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں رسول اللہ کو غیر اللہ ثابت کر کے شرک کی تعریف میں تحریف پیدا کر دی اور اسی محرف تعریف کو مدینے کے ۲۴ محدثین کبار نے پورے عالم اسلام میں شائع کر دیا اور شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی نے ان ہی سے غلط تعلیم حاصل کر کے اسی محرف تعریف میں تحریف پیدا کر دی اور اسی محرف تعریف کو مدینے کے ۲۴ محدثین کبار نے پورے عالم اسلام میں شائع کر دیا اور شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی نے انہی سے غلط تعلیم حاصل کر کے اسی محرف تعریفِ شرک کو ابن کثیر کی عبارت میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے ہندی مذاق کے موافق اسے پورے ہند میں شائع کر دیا اور شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ غلط تعریفِ شرک آپ کی مشہور کتاب شفاء الاسقام شفاء العلیل میں ہے جو قول الجلیل فی سواء السبیل کا ترجمہ ہے. اس میں جن بیماریوں کا علاج ہے ان میں سے سب سے بڑی بیماری شرک ہے. شاہ صاحب مدینے سے واپس آنے کے بعد ہندی سنیوں کی شرک کی بیماریوں کو دفع کرنے کے لئے حکیم امت بن گئے ہیں۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ فمنہا الاشراک باللہ تعالیٰ عبادۃ واستعانۃ فی الرزق والشفاء وغیرھما والی التوبۃ منہما الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ ایاک نعبد وایاک نستعین۔ یہاں شاہ صاحب نے اللہ کے سوا کسی بھی ماسوی اللہ سے استعانت طلب کرنا شرک قرار دیا ہے اور یہی عقیدہ غیر اللہ کے منحرف ترجمے سے نکالا گیا ہے۔ اگر وہابی لوگ غیر اللہ کی مروجہ تاویل کو ترک کر دیں تو ہم ان کے ہر قصور کو معاف کر دیں گے۔ مجھے ایسی معافی کی ایک دلیل میرے آقا مرحوم الحاج شیخ محمد علی زینل علی رضا سے ملی ہے۔ آپ سنہ ۱۹۰۰ء سے نجدی وہابیوں کے کٹر دشمن تھے کیونکہ آپ بھی احمد رضا خاں کی طرح سید احمد زینی دحلان کے تابعین میں سے تھے اور سنہ ۱۹۴۷ء تک شاہ عبد العزیز ابن مسعود کے بڑے دشمن تھے مگر آپ نے انھیں سنہ ۱۹۴۰ء میں معاف کر دیا اور انھیں جلالۃ الملک المعظم المحبوب کا خطاب دیا.... یہ ایک حقیقت ہے کہ وہابی سنی مخاصمت کی جڑ غیر اللہ کی تاویل ہی پر مبنی ہے اور اسی مسئلہ پر سے مسجد نبوی میں نبی کی قبر کو باقی رکھنے اور توڑنے کی بحث نکلی تھی. جو لوگ حجرہ شریف کی تینوں قبروں کو توڑنا چاہتے تھے وہ وہابی ہیں. سنی کہتے تھے ان کو باقی رکھنا نبی کی تعظیم اور اسلام کی عظمت اور شان و شوکت کے لئے ضروری ہے کیونکہ فریضۂ حج کے بعد نبی کی قبر کی زیارت کرنا فرائض اور اہم ترین واجبات میں سے ہے. میں نے سنہ ۱۹۲۹ء میں میرے استاذ شیخ الاسلام حنفی شیخ امین سوید دمشقی متوفی سنہ ۱۹۳۵ء اور میرے مرشد مفتی اعظم فلسطینی سید امین حسینی متوفی سنہ ۱۹۷۵ء سے سنا ہے کہ نبی کریم بحیثیت نبی (آپ تو ازل سے نبی ہیں) اپنے اجداد انبیاء علیہم السلام ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے مزار پر (یہ تینوں قبریں خلیل اللہ یعنی حبرون کی مسجد میں ہیں) زیارت کے لئے گئے تھے اسی قبر پر سے خلفائے راشدین مہاجرین اور انصار نے حضور کو بھی مسجد نبوی میں دفن کرنا پسند کیا تاکہ وہ قیامت تک عالم اسلام کی سب سے بڑی زیارت گاہ رہے. جن لوگوں نے مسجد نبوی کو زیارت گاہ بھی ہونے کی حیثیت سے ھیکل دانیال سمجھا ہے وہی اصلی وہابی ہیں اور انھوں نے زیارت کو بند کرنے کے لئے وہابی مذہب ایجاد کیا ہے.

نبی کریم علیہ السلام نے خود اپنے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے ہجرت کے دوسرے سال مسجد نبوی تعمیر کی جس طرح آپ کے اجداد ابراہیم اور اسماعیل نے خود اپنے ہاتھوں سے (وہ بھی مقدس اور مبارک ہاتھ ہیں) کعبہ شریف بنایا ہے. نبی کی بنائی ہوئی کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کی دیواروں اور چھت کی سادہ مسجد ۲۴۷۵ مربع میٹر تھی. حضرت عمر نے اس میں ۱۱۰۰ م م کا اضافہ کر کے حجرۂ مبارک کو حرم شریف میں ملا لیا تاکہ قبر شریف مسجد کے اندر نمازیوں کی صفوں کے درمیان رہے. حضرت عمر کو علم غیب تھا اور آپ کو علم ہو گیا تھا کہ آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو اس قبر کو مسجد کے اندر سے نکالنے کی کوشش کریں گے چنانچہ انھیں ناکام کرنے کے لئے آپ نے پہلے ہی سے زیارت کا اہتمام اور انتظام کر دیا کہ سورہ الماعون میں جن مصلین کا ذکر ہے وہ صلوٰۃ بمعنی نماز کے ساتھ صلوۃ بمعنی درود و سلام پڑھنے کے لئے یعنی برحق مصلین بن جانے کے لئے مسجد نبوی کی نماز کے بعد مسجد نبوی ہی میں درود و سلام پڑھیں اور بہانہ بنا کر بھاگ نہ جائیں۔ پھر حضرت عثمان نے حجرہ شریف ہی کی جانب ۴۹۶ م م کا اضافہ کیا. اور تینوں مزاروں کو ہمیشہ کے لئے مسجد نبوی میں داخل کر دیا. پھر اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اس میں ۲۳۶۹ م م کا اضافہ کیا اور آپ کے گورنر حضرت عمر ابن عبد العزیز نے خود اپنے ہاتھوں سے اسے بزنطینی طرز تعمیر سے عظیم الشان بنا دیا. حضرت عمر نے حجرہ شریف کے پاس بڑی بڑی قندیلیں اور بڑے بڑے بخوردان بھی رکھے تاکہ مزار کے پاس رات دن روشنی اور عطر و عود کی خوشبو رہے. اس کے بعد عباسی خلیفہ مہدی بن منصور نے اس میں ۲۴۵۰ م م کا اضافہ کر کے اسے اور بھی شاندار بنا دیا. یہی مسجد بروز جمعہ یکم رمضان سنہ ۶۵۴ھ کو پوری جل کر خاک کا ڈھیر بن گئی اس میں سوائے مصاحف قرآن کے اور جذع حنانہ کے لکڑی کا ایک پرزہ بھی نہ بچا. یہ آگ ایسی تھی کہ ستونوں کے اندر کا سیسہ بھی پگھل کر بہہ گیا. اب ایک سال کے بعد مولانا سلطان رکن الدین بیبرس نے نئی مسجد نبوی تعمیر کی اور حجرہ شریف کی زیارت خاص کا اہتمام بھی کیا. پھر سلطان اشرف قائتبائی نے مزار کے اوپر گنبد خضرا بنایا. اس سے قبل وہاں کوئی گنبد نہیں تھا. سلطان بیبرس کی نئی مسجد اور قائتبائی کے نئے گنبد سے اس زمانے کے بھی وہابی بہت خفا ہو گئے اور ان حنفی سلاطین کو مشرک قرار دیا. وہابیوں کا شور و غل تو جاری ہی رہا کہ گنبد خضرا توڑ

دیا جائے مگر عثمانی خلیفہ عبدالمجید نے مسجد نبوی میں ۱۲۹۲م کا اضافہ کر کے اور بھی عظیم الشان مسجد بنائی اب یہ مسجد ۱۰۳۱۲ م م ہوئی۔ یہ ۱۸۶۰ء میں پوری ہوئی جبکہ احمد رضا خاں کی عمر ۴ سال کی تھی۔ اس زمانے میں عربستان میں وہابیوں کی اکثریت ہوگئی تھی۔ وہ لوگ مسجد میں صرف نماز پڑھتے تھے اور زیارت نہیں کرتے تھے مگر اکثر ترکی احناف کے ہجوم زیارت کو آتے تھے اور ان کے ساتھ خود خلیفہ بھی آتے تھے۔

۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالحمید خاں خلیفہ ہوئے (آپ ہی آخری خلیفہ ہیں) ۱۸۷۹ء میں شہزادہ عبدالحمید خلیفہ عبدالعزیز کے ساتھ زیارت کے لئے آئے تھے اور اپنے ساتھ بہت سے علمائے کبار کو بھی لائے تھے اس سال احمد رضا خاں بھی زیارت کے لئے مدینہ میں موجود تھے۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اکثر لوگ صرف نماز کے لئے مسجد میں آتے تھے اور زیارت کرنے والے کو مشرک بولتے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے فرمان جاری کیا کہ دور سے آنے والوں پر زیارت کرنا واجب ہے۔ اس فرمان کے لئے خلیفہ نے جن علمائے کرام سے مشورہ کیا ہے ان میں احمد رضا بھی ہیں۔ آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ قبر شریف کے پاس، کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا واجب ہے چنانچہ آپ کے مرشد سید احمد زینی نے خلیفہ اور ترکستان کے علمائے کبار کے سامنے آپ کی بڑی مدح و ثنا کی تھی اور آپ کو مفتی حنفی ہندی کا خطاب دیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ ہندی علماء بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کے لفظ تسلیما سے مراد نبی کی تعظیم ادبا کھڑے ہونا ہے چنانچہ کھڑے ہو کر ہی نبی پر سلام پڑھنا فرض ہے۔ جب خلیفہ چلے گئے تو وہابیوں نے بہت شور وغل مچایا اور اپنی تحریک کو اور بھی تیز کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہند میں بھی رشید احمد گنگوہی وغیرہ احمد رضا خاں اور آپ کی جماعت کے خلاف ہو گئے اور بھی بریلوی سنیوں کو سو فیصد مشرک اور بدعتی قرار دیا۔ عرب کے وہابی تو سلطان عبدالحمید کے سخت دشمن ہو گئے کیونکہ آپ نے مدینہ منورہ کو شرک کا گڑھ بنا دیا ہے اس کا ثبوت کویت کے ماہنامہ العربی کے ایک مضمون میں موجود ہے جہاں آپ کو شرک نواز مشرک اور دبیہ کہا گیا ہے اور آپ پر بہت بڑے الزام لگائے گئے ہیں کہ ترکی خلیفاؤں میں آپ سے زیادہ پلید اور خبیث دوسرا کوئی ہوا نہیں ہے البتہ اس العربی میں ایک افغانی نے تردیدی مضمون میں شائع کیا ہے۔ ترکوں کے خلاف نجدیوں کی بغاوت پرانی تھی مگر ۱۹۰۶ء کے بعد سے وہ اور بھی تیز ہو گئی کیونکہ اسی سال سے وہابیوں پر بھی زیارت کرنا لازمی قرار کر دیا گیا۔ جب ۱۹۲۲ء میں خلافت ٹوٹ گئی سلطان عبدالعزیز نے حجاز پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کر لیا۔ اور ۱۹۲۶ء میں گنبد خضرا کو توڑنے کا اعلان کر دیا اور زیارت کا نام لینا جرم قرار دیا۔ اس زمانے میں دنیا بھر کے حنبلی اکثر شافعی اور حنفی بھی اہل حدیث کے ہمنوا بن گئے اور گنبد خضرا کو توڑنے کے مشروع کی تائید کی مثلاً ہندوستان میں علامہ ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد اور بعض دیوبندی بھی شریک تھے۔

اسی شور وغل اور زبردست غوغا کے زمانے میں، وہابی سنی عداوتوں کا پورا پورا ظہور ہوا اور ان کی آپس کی عداوت اپنے نصف النہار پر پہنچ گئی اور یقین تھا کہ ۱۳۴۳ھ کے آخر تک گنبد خضرا توڑ ہی دیا جاتا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت زندہ نہیں تھے مگر آپ کی جماعت موجود تھی۔ اس جماعت نے سب سے زیادہ سلطان عبدالعزیز کے پلان کو فیل کرا دیا۔ اور وہ مقصد پورا ہوا جس کے لئے اعلیٰ حضرت نے رسالت پرستوں کی جماعت تیار کی تھی۔ آج اس جماعت کے سامنے اتنا بڑا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔ گنبد خضرا کو منہدم کرنے کے شیطانی پلان کی طرف سے علامہ اقبال نے یوں اشارہ کیا ہے کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

آج یہ شیطانی پلان ٹوٹ چکا ہے اور ابھی اس گنبد خضرا کو توڑنا ہے جو نجدیوں کے ذہن میں موجود ہے۔

سلطان عبدالعزیز ۱۹۴۵ء تک نہایت ہی شدید وہابی تھے مگر برٹش امپائر کے اختتام کے ساتھ ان کی وہابیت بھی ختم ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ برٹش امپائر ۱۹۴۵ء میں منہدم ہو گیا اور ہندوستان بھی اسی سال آزاد ہوا۔ اس کے بعد الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے عبدالعزیز کے دل کو نرم کر دیا اور آپ نے وہابی ازم ترک کر دیا اور اہل سنت کی طرف مائل ہو گئے (اسی زمانے میں ہندی وہابی یعنی دہلوی بھوپالی دیوبندی ندوی اسماعیلی خان بہادری گنگوہی قاسمی نانوتوی اور بہائی وغیرہ بھی اپنے آپ کو سنی بولنے لگ گئے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہی سنت نبویہ کا صحیح اور بہترین تمسک کرتے ہیں اور نام نہاد سنیوں نے سنت نبویہ کو ترک کر دیا ہے اور زیادہ تر بدعات ہی کا تمسک کیا ہے) اس غیر متوقع اور وہابیوں کی دل شکن تبدیلی کے بعد شاہ عبدالعزیز نے ارادہ کر لیا کہ مسجد نبوی میں توسیع کی جائے اور موڈرن اور قدیم عربی اور بیزنطینی فن تعمیر کا ایک شاندار شاہکار بنایا جائے جس کے لئے آپ نے تیل کی بے شمار دولت خرچ کرنا چاہا جو کہ قومی ملکیت تو نہ تھی بلکہ صرف سعودی خاندان کی تھی۔ اس مقصد سے سب سے پہلے سلطان نے اپنے سب سے بڑے اور قدیم مخالف محمد علی علی رضا ہی سے خاص طور پر مشورہ کیا اور اس مشاورت میں کسی بڑے سے بڑے وہابی عالم کو بھی شریک نہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء کے وسط میں سلطان نے علی رضا کو خط لکھا اور تار بھی بھیجا کہ آپ فوراً ریاض آجائیں۔ جب علی رضا ہوائی جہاز سے گئے تو آپ نے اپنے ساتھ بطور تحفہ ایک خوبصورت ہیرے کی انگوٹھی بھی لے گئے جو آپ نے ڈیڑھ لاکھ روپیوں میں خریدی تھی (آج اُس کی قیمت پچاس لاکھ سے کم نہیں ہے) سلطان سے ملاقات اور مشورہ کرنے کے بعد آپ زیارت کو گئے اور واپس آکر ہمیں بڑی بشارت دی کہ سلطان حرم شریف کعبہ اور حرم شریف نبوی میں توسیع اور زیب و زینت کرنا چاہتے ہیں اور خاص طور پر گنبد خضرا کی شان کو بڑھانا چاہتے ہیں جسے چند سال پہلے آپ منہدم کرنے کے لئے ابن زقیل کا بم لے کر کھڑے ہوئے تھے۔

چونکہ میں علی رضا کا پرائیویٹ سکریٹری تھا آپ نے مجھے اپنے نوٹس نقل کرنیکی اجازت

دی تھی اور تاکید بھی کی تھی کہ مسجد نبوی کی اس توسیع کا اصلی راز آپ کی وفات سے پہلے عام نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اس زمانے میں مندرجہ ذیل جملے نقل کر لئے تھے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ ایک عرصے سے جلالۃ الملک المعظم المحبوب مولانا سلطان عبد العزیز بن عبد الرحمن آل فیصل آل سعود کے دل میں مجبوم رہا تھا آخر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو اجازت دی کہ وہ اپنی نیت پوری کر دیں۔ پس آپ کا ارادہ ۱۳۶۸ھ میں (ابن تیمیہ کی وفات کے ۶۴۰ سال بعد) عالم وجود میں آیا اور سلطان نے اپنا شاہی فرمان ایک کھلے خط سے مدینے کے اخبار کو بھیجا جس کا نمبر ۲۲-۰۲-۱۳۷۸ ہے اور مورخہ ۱۲-۸-۱۳۶۸ ہے۔ اس خبر، عالم اسلام کو سلطان کے عزم کی خوشخبری دی گئی کہ آپ مسجد نبوی میں توسیع کرنا چاہتے ہیں، (اس سے مولانا شیخ احمد رضا خاں مفتی اعظم ہندی حنفی کی روح کو بڑی خوشی ہے کیونکہ یہ وہی سلطان ہے جس نے قسم کھا کر عالم اسلام کو دھمکی دی تھی کہ از روئے شریعت گنبد خضرا اور اس کے نیچے کی تینوں قبروں کو توڑنا واجب ہے اور جو مشرک مقابلے پر آئے گا اس کی گردن کاٹ دی جائے گی) یہ خط مذکورہ اخبار میں اس کے شمارہ نمبر ۳۰۱ ۱۳۶۹ھ میں ۵ رمضان کو شائع ہوا . . .

۵ شوال ۱۳۷۰ھ کو (الموافق ۱۹۵۰ء) یہ مبارک کام شروع ہوا جس کے لئے سب سے پہلے وہ دیوار توڑی گئی جو مسجد کے اطراف تھی ... اور ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کو جلالۃ الملک المعظم المحبوب سعود بن عبد العزیز مدینہ تشریف لائے اور ایک بڑی محفل میں مسجد نبوی شریف کا سنگ بنیاد رکھی اور ۱۴ شعبان ۱۳۷۲ھ کو مسجد شریف کے مغربی کونے میں ستونوں کے لئے کھدائی کا کام شروع ہوا جو باب رحمت کے پاس ہے اور ۲۴ رمضان ۱۳۷۳ھ کو عمارت شریف کا کام جاری ہوا اور ربیع الاول ۱۳۷۳ھ کو سلطان سعود پھر سے مدینے کی زیارت کو آئے اور اپنے ہاتھوں سے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا اور مغربی دیوار کے ایک کونے میں چار پتھر رکھے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی اساس ہے آخر میں ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ (۱۳۷۴ھ) کہ جس توسیع کا کام سلطان عبد العزیز نے شروع کیا تھا اسے سلطان سعود نے پورا کیا اور ۶۰۲۴ مربع میٹر کا اضافہ کر کے ۱۶۳۲۷ م م کی وسیع مسجد بنا دی۔ اس میں ۴۷۴ قدیم ستون ہیں جو پہلے ہی سے تھے جو دیوار کے اطراف تھے اور اب ۲۳۲ نئے ستون نصب کئے گئے ہیں۔ سبحان اللہ کا معجزہ اس طرح سے پیدا ہوا اور یہ عمارت بہت ہی شاندار ہے اور یہ سب کچھ محمد کی عظمت کی یادگار ہے . . .''

اگر عالم اسلام میں ستر فیصد سنی نہ ہوتے اور ان میں احناف کی اکثریت نہ ہوتی اور احمد رضا خاں ہندی حنفیوں کے امام نہ ہوتے تو ہم آج گنبد خضرا کو سلامت نہ دیکھتے اس کی حفاظت کے لئے سب سے بڑی آواز صرف ہندوستان ہی سے اٹھی ہے (حضور کہا کرتے تھے کہ مجھے ہند سے ریحان کی خوشبو آتی ہے) آج ضروری ہے کہ حنفی سنیوں کے دینی ادارے سید احمد زینی دحلان اور امام احمد رضا خاں کی توحید اور ان کی خدمات کی تاریخ حاصل کریں اور غور کریں کہ انھوں نے ہندوستانی اور پاکستانی وہابیوں سے کیسی ٹکر لی ہے۔ ۱۹۲۶ء میں وہابیوں کی فوج ایک بڑی جرار فوج تھی آج وہ تتر بتر ہو گئی ہے۔ آج سنیوں کے لئے بہت ہی آسان ہے کہ ان کی ٹولیوں کو شکست دیں عرصہ ہوا ہم نے اپنا قبلہ اول کھو دیا ہے اور آج اس کی رہائی کی کوئی امید نہیں ہے اور یہ امید بھی نہیں ہے کہ موڈرن عرب مسجد صخرہ مبارک مسجد اقصیٰ اور مسجد عمر کو آزاد کر سکیں۔ یہ اسی عمر کی مسجد ہے جس نے غزوۂ احد میں جب کافروں نے شور مچایا کہ محمد مر گئے تو آپ نے ڈھونڈھ کر نبی کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر لائے اور اعلان کیا کہ لوگو دیکھو یہ ہیں محمد اور محمد زندہ و سلامت ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ

علماء عرب و عجم کی نظر میں

محمد یٰسین اختر الندوی
جنرل سکریٹری، امام احمد رضا اکیڈمی، مبارک پور- اعظم گڑھ

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

موجودہ صدی کے مجدد اعظم حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے علم و فضل، دیانت و تقویٰ، حق و صداقت، عدالت و انصاف اور حق گوئی و بیباکی کے ذریعہ دنیائے اسلام پر جو عظیم احسانات کئے ہیں وہ مذہبی و ملی اور علمی و تحقیقی تاریخ میں تا قیام قیامت روشن و تابناک ابواب رہیں گے جس سے اہل اسلام ہمیشہ متمتع و فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ رہروانِ جادۂ حق کو روشنی اور گمرہوں کو ہدایت و رہنمائی کا درس ملتا رہے گا اور جن کے ہاتھوں سیراب شدہ پودے ہمیشہ برگ و بار لاتے رہیں گے۔

"امام احمد رضا" کسی ایک ذات اور شخصیت کا نام نہیں بلکہ اس دور آخر میں عظمت حق، شوکت اسلام، ناموسِ عشق مصطفےٰ اور حق و صداقت کی ایک روشن و تابناک قندیل اور ایک ہمہ گیر تحریک کا نام "امام احمد رضا" ہے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

ثبوت و تحقیق کے لئے حق پسندی کے تمام تقاضوں کے ساتھ آنے والے صفحات کا مطالعہ کرکے اپنی آنکھیں ٹھنڈی اور اپنا دل روشن کیجئے۔

پہلا سفر حج

امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد مولانا علی نقی علیہ الرحمہ کے ساتھ ۲۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

اپنے خداداد علم و فضل۔ ذکاوت و ذہانت اور ایمانی روح و حرارت کی وجہ سے بہت جلد علماء حجاز میں متعارف اور مقبول و محبوب بن گئے جس کا واضح ثبوت اس وقت کے فاضل اجل امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح (۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء) کے ساتھ پیش آنے والے ایمان افروز واقعہ سے ملتا ہے۔ جن کا اس سے پہلے کسی طرح کا کوئی تعارف و تعلق نہ تھا حرم شریف میں نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد ایک روز شیخ حسین بن صالح نے اس عارف باللہ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے ساتھ لیکر دولت کدہ پر تشریف لے گئے آپ کی دمکتی ہوئی پیشانی پر نظریں گاڑ دیا۔ اور دیر تک عشق و سرمستی کے عالم میں جبینِ سعادت و ارجمندی کی درخشاں اور واضح لکیروں کا بغور مطالعہ کرتے رہے پھر جوشِ عقیدت میں پکار اٹھے انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین (ص ۹۹ تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی) میں اس پیشانی میں خدا کا نور پا رہا ہوں۔ اور پھر اپنے فیضان کرم سے نوازتے ہوئے صحاحِ ستہ کی سند اور اپنے سلسلہ کی اجازت عطا فرمائی اور شفقت و محبت سے آپ کا نام "ضیاء الدین احمد" رکھا۔

شیخ موصوف کے علاوہ مفتی شافعیہ سید احمد دحلان (م ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء) و مفتی حنفیہ شیخ عبد الرحمان سراج (م ۱۳۰۱ھ ۱۳۸۳ھ) و دیگر بہت سے اکابر و اعاظم علماء نے حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کی سندوں سے آپ کو نوازا۔

فاضل بریلوی نے شیخ جمل اللیل کے ایما پر فقہ شافعی میں مناسک حج سے متعلق شیخ حسین بن صالح کے ایک وقیع رسالہ کی نہایت جامع و مانع شرح صرف دو دن کی مختصر مدت میں کی اور اس کا نام النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ رکھا۔ اس شرح کو علماء حجاز نے بڑی مقبولیت کی نظر سے رکھا۔ اور آپ کو تحسین و آفریں سے نوازا۔ اس شرح میں پہلے مطلب پھر اختلافِ مذاہب حنفیہ و شافعیہ اور مذہب حنفی میں اختیارِ راجح و ترک مرجوح کو مدلل و مبرہن کیا۔

پھر بعد میں اسی رسالہ میں فوائد لطیفہ و توضیح مسائل و تخریج احادیث وغیرہ کے ساتھ تعلیقات و حواشی لکھا جو ایک مستقل رسالہ ہوکر "الطرۃ الوضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ" کے نام سے موسوم ہوا۔

اسی سفر میں علمائے ندوہ کے خلاف مشاہیر علمائے ملت اسلامیہ ہند کے حاصل شدہ فتاویٰ کا مجموعہ "الجام السنۃ لاھل الفتنۃ" کے ساتھ اٹھائیس پیدا ہونے والے سوالات اور ان پر اپنی جانب سے مدلل جوابات پر مشتمل ایک فتویٰ جب حجاج کرام کے ذریعہ شیخ سید اسمٰعیل مکی بن شیخ سید خلیل محافظ کتب خانہ حرم شریف و تلمیذ رشید شیخ الدلائل حضرت شیخ عبد الحق مہاجر مکی صاحب "الاکلیل علی مدارک التنزیل" و دیگر علمائے مکہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو تمام علمائے نے اپنی تصدیقات و تقریظات سے اس فتویٰ کا خیر مقدم کیا۔ اور ان حاصل شدہ توثیقات کا مجموعہ بنام فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا جس نے ایک بہت بڑے فتنہ کی بیخ کنی میں نمایاں اور اہم رول

ادا کیا۔ اور بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے سدِ سکندری بن کر حائل ہوگیا۔

دوسرا سفرِ حج

یہ سفر اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء میں حج کے لئے اپنے برادرِ خورد مولانا محمد رضا اور بڑے شہزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا کو جب بریلی سے لکھنؤ تک پہونچا کر گھر واپس ہوئے تو ایک عجیب اضطراب و بے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور زیارت حرمین طیبین کا شوق مچلنے لگا۔ چونکہ اس بار خداوند قدوس آپ سے اہم خدمتیں لینا چاہتا تھا اس لئے اس نے آپ کے دل کو ہر چہار جانب سے موڑ کر اسی سال سفرِ حج کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے رختِ سفر باندھا اور فوراً روانہ ہوئے حسن اتفاق سے بمبئی ہی میں مولانا محمد رضا اور حجۃ الاسلام سے ملاقات ہوگئی۔ وہاں سے حجاز مقدس پہونچے اور فریضۂ حج ادا کیا۔

حسام الحرمین (۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء) الدولۃ المکیہ (۱۳۲۳ھ ۱۹۰۶ء) کفل الفقیہ الفاهم (۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء) وغیرہ اسی سفر کی شاہکار تصانیف ہیں۔

اس سفر میں آپ کی جو پذیرائی ہوئی وہ خدا کا ایک خاص انعام تھا۔ مشاہیر علماء اسلام آپ سے اجازت طلبی کے مشتاق نظر آتے تھے۔ شیخ سید عبدالحئی مکی (م ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۳ء) اور شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم کو سب سے پہلے اجازت مرحمت ہوئی۔ ان دونوں حضرات کے بعد شیخ صالح کمال (م ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء) سید اسمٰعیل خلیل (م ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء) سید مصطفیٰ خلیل (م ۱۳۳۹ھ) شیخ احمد خضراوی شیخ عبدالقادر کردی (م ۱۳۴۶ھ) شیخ فرید (م ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۶ء) سید محمد عمر وغیرہم کو اجازت سے مشرف فرمایا اور جو لوگ مدت قیام حرمین طیبین میں اجازت نہ حاصل کر سکے۔ انھیں گھر آنے کے بعد اجازت ارسال کی گئی (قیام مکہ ہی کے دوران شیخ سید اسمٰعیل سے رشتۂ عقیدت و محبت اتنا استوار ہوا کہ وہ ۱۳۲۶ھ میں صرف اعلیٰحضرت سے ملاقات کے لئے بریلی تشریف لائے) پھر مدینہ طیبہ جب تشریف لے گئے تو وہاں بھی علماء کی ایک کثیر تعداد نے اجازت حاصل کی۔ کچھ لوگوں کو زبانی اجازت دی اور کچھ لوگوں سے وطن عزیز واپسی کے بعد ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مثلاً شیخ عمر بن حمدان المحرسی بسید مامون البری شیخ الدلائل شیخ محمد سعید وغیرہم۔

مدینہ طیبہ میں آپ کی جو تعظیم و تکریم ہوئی اور دیار حبیب میں جس اعزاز و اکرام سے آپ کو نوازا گیا۔ اس کا آنکھوں دیکھا حال اس خط میں پڑھیے جو شیخ الدلائل شیخ محمد عبدالحق مہاجر مکی (م ۱۳۳۲ھ) اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

انی مقیم بالمدینۃ الامینۃ منذ سنین ویاتیها من الهند الوف من العالمین، فیهم علماء وصلحاء واتقیاء، رأیتهم یدورون فی سکک البلد۔ لا یلتفت الیهم من اهله احد ورأیت العلماء الکبار والعظماء الیک مهرعین۔ وباجلالک مسرعین ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

مدینہ طیبہ کئی سال سے میرا قیام ہے۔ ہندوستان سے ہزاروں اصحاب علم آتے ہیں ان میں علماء، صلحاء، اتقیاء سبھی ہوتے ہیں۔ وہ شہر کے گلی کوچوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر ان کی جانب کوئی التفات نہیں کرتا۔ لیکن بڑے بڑے علماء آپ (فاضل بریلوی) کے پاس جوق در جوق آتے اور تعظیم و تکریم میں لگے رہتے ہیں۔ یہ خدا کا فضل خاص ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے (الاجازت المتینۃ ص۲ از حامد رضا خان)

وطن عزیز واپسی کے بعد ارسال اجازت میں کچھ تاخیر ہوئی تو یاد دہانی کے خطوط آنے لگے جن میں ان کے بے پناہ اشتیاق کی جھلک پائی جاتی ہے۔

سید اسمعیل خلیل (م ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء) یاد دہانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "وعدتم الحقیر واخاه بارسال الاجازۃ بمرویاتکم فلم تات فکان اقرب الناس الیکم ابعدهم او کنا نسیاً منسیاً۔ (محررہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء) (الاجازات المتینہ ص۱۰۹ از حامد رضا خاں)

آپ نے حقیر اور اس کے بھائی سے اپنی مرویات کے ساتھ اجازت بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن ابھی تک اجازت نہ مل سکی جو آپ سے بہت قریب تھا وہ سب دور ہو گیا۔ یا ہمیں بھلا ہی دیا گیا۔

حرمین شریفین میں فاضل بریلوی کی یہ مقبولیت صرف اسلام و ایمان پر کامل یقین اور عشق رسالت کا کرشمہ ہے۔ ورنہ وہ پاک سرزمین جہاں اقصائے عالم کے فضلاء و علماء کا ہر سال جم غفیر اکٹھا ہوتا ہے جہاں شرق سے مغرب تک کا دل و دماغ اور عارفین و اولیاء کاملین کے کارواں پہونچتے ہوں وہاں ایک غیر معروف ہندی شخص کو کون پوچھتا اور لوگوں کی نگاہیں کیوں اٹھتیں۔

قیام حجاز کے دوران آپ کی کئی ایک بے مثال و شاہکار تصنیفات منظر عام پر آئیں اور ایک عالم ان کا گرویدہ ہو گیا۔ چند کتابوں پر علماء کرام کی جو وقیع تقریظات ہیں ان کے ساتھ تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں پڑھیے۔

الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں علم غیب کا اثبات اور منکرین کے اعتراضات و الزامات کی تردید فرماتے ہوئے نہایت فاضلانہ اور محققانہ بحث فرمائی گئی ہے۔ دوسرا حصہ چار سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے مولانا سلامت اللہ رام پوری کی کتاب "اعلام الاذکیاء" کے آخر میں ایک عبارت سے متعلق تین سوالات اور ایک سوال خطبۂ مدارج النبوۃ للشیخ عبدالحق محدث دہلوی سے متعلق ہے۔

کتاب کی وجہ تالیف ص۱۱ الدولۃ المکیہ (مطبوعہ استنبول۔ ترکی) میں مذکور ہے مگر اس کے بجائے آپ حضرت شیخ اسمعیل بن خلیل (مدینہ طیبہ) کی زبانی سنیے۔ وہ فرماتے ہیں (ترجمہ)

شیخ العلامہ المجدد، شیخ الاساتذہ علی الاطلاق المولوی الشیخ احمد رضا خاں جب ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لائے تو بعض ناسمجھوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہنچانے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا۔ چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا

کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں ہے مولانا نے (اللہ ان کی تائید کرے) اس سوال کا وہ جواب دیا جس نے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کر دی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ بے نور کو ذلیل و خوار کیا۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے شیخ مذکور حضرت احمد رضا خاں جب تحریر جواب سے فارغ ہوئے تو شریف مکہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں پڑھا جائے۔ چنانچہ رسالہ پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے، سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے۔ اس وقت شریف مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ شریف مکہ کے ایک ملازم نے درخواست کی کہ حق شیخ (فاضل بریلوی) میں اہانت کی اجازت دی جائے۔ تو شریف مکہ نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

کیف یکون اجراءُ مثل ھٰذا الامر والعلماء کلھم قاطبۃ قائمون وقائلون بقولہ۔ وانا کلنا مرجعنا الیھم والاستفادۃ منھم۔

ایسے امر کا اجراء کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب تمام علماء بھی وہی بات کہہ رہے ہیں جو وہ کہتے ہیں۔ ہمارے مرجع و مآب علماء ہی ہیں اور ہمیں انھیں سے استفادہ کرنا ہے۔

آپ کی مقبولیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فاعزاللہ مولینا الشیخ احمد المذکور علیٰ رغم انوفھم۔ واکتنفتہ العلماء والطلبۃ۔ فمن سائلٍ مستفید ومن مقدمٍ سوالا للاستفسار علی القول السدید ومن طالبِ اجازۃ ومن منتظرٍ اشارۃ۔ ھذا حالہ وھو بمکۃ (الاجازات المتینۃ ص۱۲ از حامد رضا)

مکہ مکرمہ میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر چہار جانب سے علماء و طالبین نے آپ کو گھیر لیا۔ کوئی سوال پیش کر کے استفادہ کرتا۔ کوئی صحیح درائے مسئلہ پوچھتا جس میں اسے شک ہوتا۔ کوئی صرف اشارہ کا منتظر ہوتا۔

انھیں بی اس علم و فضل اور حرمین شریفین میں فاضل بریلوی کی بے پناہ مقبولیت اور آپ کے سیال قلم کا ذکر کرتے ہوئے حکیم عبد الحئی رائے بریلوی لکھتے ہیں۔

وسافر الی الحرمین الشریفین عدۃ مرات وذاکر علماء الحجاز فی بعض مسائل الفقھیۃ والکلامیۃ والّف بعض الرسائل اثناء اقامتہ بالحرمین واجاب عن بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین۔ واعجبوا بغزارۃ علمہ وسعتہ اطلاعہ علی المتون الفقھیۃ والمسائل الخلافیۃ وسرعۃ تحریرہ وذکاء (ص۳۹ آٹھویں جلد نزھۃ الخواطر از حکیم عبد الحئی)

کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور علماء حجاز سے بعض مسائل فقہیہ و کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا۔ چند رسالے بھی لکھے اور علماء حرمین کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔ متون فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذکاوت و ذہانت کو دیکھ کر سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔

اس دور میں اور آج بھی کچھ لوگ یہ الزام لگاتے پھرتے ہیں کہ معاذ اللہ ان لوگوں نے خدا کا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ایک کر دیا۔ اور یہ رسول کے لئے علم کلی مانتے ہیں۔ اس کی تردید کرتے ہوئے الدولۃ المکیہ کی تقریظ میں شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل مکی لکھتے ہیں

(ترجمہ)

بلکہ ایک اور نے اپنی تحریر میں یہ جھوٹ باندھا اور بہتان لگایا کہ حضرت احمد رضا نے اپنے رسالہ میں جو اس سوال کے جواب میں لکھا یہ حکم لگایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مثل علم الٰہی کے ہے۔ اور رسول کریم کا علم غیر متناہی بالفعل سے متعلق ہے۔ حاشا وکلا ہمارے شیخ مذکور نے ان میں سے کوئی بات نہیں کہی۔ اور کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ ہمارے ہاتھ میں وہ پورا رسالہ ہی موجود ہے

علماء حجاز کی ایک کثیر تعداد نے الدولۃ المکیہ کو اپنی تصدیقات و تقریظات سے نوازا ہے۔ آپ یہ سنکر حیران رہ جائیں گے کہ اتنی معرکۃ الآراء کتاب جو ان کے تبحر و وسعت پر شاہد عدل ہے اس کی تالیف صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں ہوئی۔ اور صرف دو نشستوں میں ۲۶، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو اختتام پذیر ہو گئی۔ آپ کے اعزاز و اکرام اور علمائے حجاز و بلاد اسلامیہ کی نظر میں آپ کی جلالت شان اور علمی رعب و دبدبہ کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ عرب و عجم کے جلیل القدر علماء نے الدولۃ المکیہ پر مبسوط و مفصل تصدیقات و تقریظات لکھی ہیں۔

جن میں سے چیدہ چیدہ چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جنھیں تحقیق کی ضرورت ہو وہ الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیہ (تالیف ۱۹۰۶ء) مطبوعہ کراچی کا مطالعہ کریں (التقاریظ واسماء رجالھا مقتبۃ عن۔ فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں۔ از ڈاکٹر مسعود احمد پی ایچ ڈی)

(۱) رئیس الخطباء والائمۃ والمدرس بالمسجد الحرام الشیخ احمد ابوالخیر بن عبد اللہ میرداد مکۃ المکرمۃ۔

میں نے دقت نظر اور نہایت غور و خوض سے اس رسالہ کا مطالعہ کیا اس کے مباحث و دلائل نہایت مستحکم اور محقق و مدلل ہیں۔ اس کے بیان سے دل میں وسعت و کشادگی پیدا ہوئی اس کی یقینی دلیلیں آسمانی بلندی کو چھو رہی ہیں اور کیوں نہ ہو کہ یہ اس کی تصنیف ہے جو علامہ عقیل۔ ذکی۔ بلند ہمت۔ اپنے زمانہ کے تمام مؤلفوں کا سردار ہے۔ میدان تصنیف میں جس کی امامت کی شہادت خود بڑے بڑے معاصرین کر رہے ہیں جو اس رسالہ کو غور و فکر سے مطالعہ کرے گا وہ کہنے والے کی اس بات کو جھوٹا جانے گا کہ شیخ نے اپنے رسالہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب بالذات اور خالق زمین و آسمان کے علم کے برابر مانا ہے (الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ ص۲۵)

(۲) مفتی حنفیہ شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سراج۔ مکہ مکرمہ

میں نے اسمیں اپنی نظر دوڑایا تو دیکھا کہ اسمیں اسرار معانی جھلک رہے ہیں جیک اس

کا مصنف کھری بات لایا۔ اور اس نے رشد و ہدایت کا راستہ واضح کر دیا۔ ہر جمع کرنے والا مولف نہیں ہوتا۔ اور ادھر اُدھر سے بہت سی نقلیں لانے والا مصنف نہیں ہوتا۔ یہ تو عطائیں ہیں کہ مولائے کریم جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور اسے اول بنا دیتا ہے (الفیوضات الملکیہ ص۲۰)

(۳) شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (بیروت)

(صاحب جواہر البحار، شواہد الحق، حجۃ اللہ علی العلمین، سعادۃ الدارین)

میں نے اس کا شروع سے آخر تک مطالعہ کیا اور نہایت مفید و نفع بخش پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں جو ایک علامہ کبیر اور امام اکبر کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ اس مصنف کے رسالے سے راضی رہے اور اسے اپنی عنایتوں سے راضی کرے اور ان کی تمام نیک و پاکیزہ امیدوں کو بر لائے (آمین) (الفیوضات ص۴۷)

(۴) مفتی حنابلہ شیخ عبداللہ بن حمید مکہ مکرمہ۔

میں نے یہ رسالہ دیکھا جسے ہر سر دانے قبول کیا۔ اس کے دلائل یقینیہ کے آفتابوں نے ہر تاریکی دور کر دی اور اس کی ہدایت کے نور اس امت پر چمکے تو اس رسالہ پر یہ قول صادق آیا۔

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم
بہن فلول من قراع الکتائب

تو اس کے دندانِ تبسم ریز کا بوسہ لیتے ہوئے میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بے شمار حمد کی۔ اگر اس وقت میرا وضو ہوتا تو میں سجدۂ شکر میں گر پڑتا کہ اس نے ہمارے اندر ایسا عالم محقق و مدقق بھیجکر احسان فرمایا۔ زمانے کی بقا تک اس کے علم کا درخت بڑھتا رہے (الفیوضات ص۷۶،۷۹)

(۵) شیخ العلماء، مفتی شافعیہ محمد سعید بن محمد بابصیل مکہ مکرمہ۔

فاضل کامل سیدی احمد رضا خان کے رسالہ مسمّٰی بہ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ کا مطالعہ کیا میرے نزدیک اس رسالہ کی تین وجوہ سے بڑی حیثیت ہے۔

اول یہ کہ اس کے اصول و فروع نہایت محقق و مدقق ہیں دوم یہ تصنیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تعظیم و آداب طیبہ شامل ہے سوم یہ کہ اسے زمانہ حج میں نہایت قلیل مدت میں لکھا گیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ رسالہ علماء حرمین کے نزدیک بہت مقبول ہوا اور تمام علماء نے اس پر تقریظیں لکھیں۔ آپ کی خوب تائید و تحسین کی۔ پھر بھی یہ مصنف کی قدر و منزلت سے کم ہے (الفیوضات ص۱۶،۱۸)

(۶) مفتی مالکیہ شیخ احمد الجزائری بن سید احمد المدنی۔ مدینہ منورہ۔

علامۂ زماں، یکتائے روزگار، سرچشمۂ معرفت، سید عدنان کی نظروں کے مرکز۔ حضرت مولانا شیخ احمد رضا۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے۔

ہر صاحب توفیق سمجھدار ان سے نفع اندوز اور ہر گنہگار و بدکار اور مفتری لرزہ بر اندام ہوگا۔ (الفیوضات ص۲۳)

(۷) سید حسین بن علامہ سید عبدالقادر طرابلسی، مدرس مسجد نبوی۔ مدینہ طیبہ۔

بعد حمد و نعت! جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حقیر بندے پر یہ احسان فرمایا کہ میں ان کے آستانہ سے شرف یاب ہوا جو علامۂ کامل اور فہامۂ شہیر حامی ملت محمدیہ طاہرہ۔ مجدد مائۃ حاضرہ سیدی و استاذی حضرت مولانا احمد رضا خاں ہیں (الفیوضات ص۸۲)

(۸) مفتی مالکیہ شیخ سید احمد علوی بن سید احمد بافقیہ حسینی علوی مدینہ منورہ۔

تمام فاضلوں سے افضل۔ عاقلوں سے زیادہ دانشمند۔ فخر السلف۔ قدوۃ الخلف حضرت احمد رضا خاں بریلوی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پوشیدہ لطف و مہربانی سے ان کے ساتھ معاملہ کرے۔ الدولۃ المکیہ کی تعریف میں رقم طراز ہیں۔

اور یہ کتاب بیشک اس لائق ہے کہ سیاہی کے بجائے سونے سے لکھی جائے (ص۹۲)

(۹) شیخ عبدالرحمٰن حنفی مدرس جامعہ ازہر قاہرہ۔ مصر۔

مجھے اپنی عمر کی قسم مؤلف نے رسالہ میں کافی دلائل ذکر فرما دیئے ہے اور حاسد کے لئے تو طویل عبارتیں بھی ناکافی ہوتی ہیں۔ (الفیوضات ص۵۴)

(۱۰) شیخ عبدالرحمٰن نابلسی مسجد نبوی۔ مدینہ طیبہ

وہ نادر روزگار۔ اس وقت اور زمانے کا نور۔ عالم باعمل۔ بلند ہمت فاضل مسائل اور مشکل احکام کی تنقیح کرنے والا اور دلائل و براہین سے ان کو مستحکم تر کرنے والا۔ معزز مشائخ اور فضلاء کا سردار بلا نامل وہ زمانے کا گوہر یکتا قاضی القضاۃ شیخ احمد رضا خان، خدا ان کی زندگی سے ہم کو متمتع فرمائے اور ہم پر اور سارے مسلمانوں پر ان کا فیض جاری و ساری رکھے۔ آمین (الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص۹۵-۹۶)

یہ چند تقریظات آپ کے سامنے بطور نمونہ پیش کر دی گئیں اور ان میں بھی چیدہ چیدہ اقتباسات ہیں۔ بہت سے دوسرے علماء عرب و عجم نے بھی تقریظات و تصدیقات سے نوازا ہے جنھیں ابھی بہت سی غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ ان تمام کو لکھنا تطویل کا باعث ہے۔ ذیل میں عالم اسلام کی چند مقتدر ہستیوں کے اسماء لکھے جاتے ہیں جن میں سے کچھ کا اوپر ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اس وقت کے تمام علماء نے بیک زبان آپ کو اپنے وقت کا امام و مقتدا۔ علوم و فنون کا جامع فیوض و برکات کا سرچشمہ۔ اسلام کا داعی و مبلغ اور موجودہ صدی کا مجدد برحق تسلیم کیا ہے جس کے بعد پھر آپ کے علم و فضل آپ کے دینی و ملی کارنامے اور آپ کی عظیم شخصیت کا انکار چڑھتے سورج کے وجود سے انکار کے مترادف ہوگا۔

اسماء گرامی علماء حجاز و بلاد اسلامیہ

علماء مکہ مکرمہ

۱۔	شیخ محمد صالح بن شیخ صدیق کمال	مفتی حنفیہ
۲۔	شیخ محمد سعید بن محمد بابصیل	مفتی شافعیہ
۳۔	شیخ عبداللہ بن حمید	مفتی حنابلہ
۴۔	شیخ محمد عابد	مفتی مالکیہ

۵۔ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج — مفتی حنفیہ
۶۔ شیخ احمد ابوالخیر عبداللہ مراد — رئیس الخطباء والائمہ بالمسجد الحرام
۷۔ سید اسمٰعیل بن خلیل
۸۔ شیخ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین — مفتی مالکیہ
۹۔ شیخ محمد صالح بن محمد بافضل امام شافعیہ مسجد حرام
۱۰۔ شیخ عبدالرحمٰن بن احمد دہان
۱۱۔ شیخ محمد علی بن شیخ صدیق کمال حنفی — مدرس مسجد حرام
۱۲۔ شیخ عطیہ محمود — مدرس حرم شریف
۱۳۔ شیخ محمد بن واسع حسینی ادریسی — مدرس حرم شریف
۱۴۔ شیخ عبداللہ بن محمد صدقہ — مدرس مسجد حرام
۱۵۔ شیخ عمر بن ابی بکر باجنید — مدرس مسجد حرام
۱۶۔ شیخ ابوالحسین محمد مرزوق — مدرس مسجد حرام
۱۷۔ شیخ محمد علی بن حسین امام مالکیہ — مدرس مسجد حرام
۱۸۔ شیخ اسعد بن احمد دہان — مدرس مسجد حرام
۱۹۔ شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی — مدرس مسجد حرام
۲۰۔ شیخ محمد یوسف خیاط وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین

علماء مدینہ طیبہ

۲۱۔ شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی — مفتی مدینہ منورہ
۲۲۔ شیخ احمد الجزائری بن سید احمد مدنی — مفتی مالکیہ مدینہ طیبہ
۲۳۔ شیخ محمد تاج الدین بن محمد مصطفیٰ الیاس حنفی — مفتی مدینہ منورہ
۲۴۔ شیخ عبداللہ نابلسی حنبلی — مسجد نبوی
۲۵۔ شیخ محمد عبدالباری بن سید محمد امین رضوان — مسجد نبوی
۲۶۔ شیخ محمد سعید بن محمد الحسنی الادریسی القادری — مسجد نبوی
۲۷۔ شیخ احمد اسعد الکیلانی حسنی وحسینی — حماۃ شریف
۲۸۔ شیخ عبدالقادر بن سودۃ القرشی — مسجد نبوی
۲۹۔ شیخ مصطفیٰ بن نارزکی بن نمروز مالکی — مسجد نبوی
۳۰۔ شیخ عبدالرحمٰن ودیدار المصری — مدرس مسجد نبوی
۳۱۔ شیخ حسین بن عبدالقادر طرابلسی — مدرس مسجد نبوی
۳۲۔ سید احمد علوی بن سید احمد بافقیہ حسین علوی — مفتی شافعیہ
۳۳۔ شیخ عباس بن رضوان — مسجد نبوی
۳۴۔ شیخ احمد بن سید احمد حسینی شیخ مالکیہ — مسجد نبوی
۳۵۔ سید احمد علی الہندی رامپوری — مہاجر مدنی
۳۶۔ شیخ علی بن احمد — مسجد نبوی
۳۷۔ شیخ غلام محمد برہان الدین بن شیخ نور الحسن
۳۸۔ شیخ محمد عبدالوہاب بن محمد یوسف — مسجد نبوی
۳۹۔ شیخ احمد بن محمد السناری العباسی
۴۰۔ شیخ موسیٰ علی شامی ازہری مدنی
۴۱۔ شیخ یٰسین الخیاری — مسجد نبوی
۴۲۔ شیخ عبدالرحمٰن ودیدار المصری — مدرس مسجد نبوی
۴۳۔ شیخ محمد توفیق الایوبی الانصاری — مدینہ طیبہ
۴۴۔ شیخ عبدالوہاب — مدینہ طیبہ
۴۵۔ شیخ محمد کریم اللہ — مہاجر مدنی
۴۶۔ شیخ محمد یعقوب بن شیخ محمد رجب — مدرس مسجد نبوی
۴۷۔ شیخ محمد یٰسین بن سعید — مسجد نبوی
۴۸۔ شیخ حسین بن محمد
۴۹۔ شیخ محمد سعید بن محمد الحسنی الحسینی الادریسی القادری
۵۰۔ شیخ علاء الرحمانی — مدینہ طیبہ وغیرہم رضوان اللہ اجمعین

دیگر بلاد اسلامیہ

۵۱۔ شیخ عبدالرحمٰن احمد حنفی — مدرس جامعہ ازہر
۵۲۔ شیخ ابراہیم عبدالعلی السقا — مدرس جامعہ ازہر
۵۳۔ شیخ الجامع الازہری الدمشقی القسطنطینی
۵۴۔ شیخ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی بیروت
۵۵۔ شیخ محمد امین — دمشقی
۵۶۔ شیخ محمد سعید بن عبدالقادر — بغدادی
۵۷۔ شیخ محمد یحییٰ المکتبی الحسینی — دمشقی
۵۸۔ شیخ حمدان ولیسی — قسطنطینی الجزائری
۵۹۔ شیخ یوسف عطاء مدرس درگاہ قادریہ بغداد شریف وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین

مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ

فاضل بریلوی کی قیام گاہ ۲۳ صفر ۱۳۲۴ھ تک مرجع عوام وخواص بنی رہی۔ صبح سے بارہ بجے شب تک علمی مذاکرے ہوتے سندوں اور اجازتوں کے حصول کا سلسلہ جاری رہتا۔ آپ کے علم وفضل کی شہرت سنکر تمام علماء خود ہی فرودگاہ رضویہ پر تشریف لاتے۔ اور اکتساب فیض کرتے۔ شیخ الدلائل حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ

قیام مکہ مکرمہ کی چالیس سال کی مدت میں کبھی شریف مکہ کے یہاں تشریف نہ لے گئے لیکن بایں جلالت علمی وکبر سنی فاضل بریلوی کی قیام گاہ پر دوبار تشریف لائے۔ صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو فاضل بریلوی کی ملاقات کے لئے ان کے قیام گاہ پر نہ آسکی۔ مکہ مکرمہ میں مفتی حنفیہ کا درجہ شاہ حجاز کے بعد سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت اس منصب عظیم پہ حضرت شیخ عبداللہ بن صدیق فائز تھے۔ فاضل بریلوی کے علمی کمالات کی شہرت نے بالآخر انھیں بھی ملاقات وزیارت کا مشتاق بنا دیا۔ اپنے ایک مخصوص شاگرد کو بھیجا کہ ملاقات کا کوئی پرسکون وقت متعین ہو جائے۔ انھوں نے بارگاہ رضویہ میں حاضری دی اور یہ گزارش کیا "حضرت مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں" آپ ملاقات کا کوئی وقت متعین کرنا ہی چاہتے تھے کہ حضرت مولانا سید محمد اسمٰعیل جو بغل میں بیٹھے ہوئے تھے وہ بول اٹھے۔ قسم بخدا یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام علماء کرام تو خود تشریف لائیں اور آپ ان کے پاس حاضر ہوں۔ اس جلیل القدر عالم کی اس بات نے آپ کو پس وپیش میں ڈال دیا۔ لیکن تقدیر الٰہی میں ایک نئی شان سے ملاقات ہونا مقدر تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ اسی دوران شیخ مولانا عبداللہ مرداد امام حرم شریف اور مولانا حامد محمد احمد جداوی نے سلسلۂ نوٹ بارہ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء فاضل بریلوی کے پاس بھیجا۔ آپ نے ایک مبسوط کتاب بنام کفل الفقیہ الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم کی شکل میں جواب دیا۔ ۲۳ محرم ۱۳۲۴ھ کو اس کی تکمیل ہوئی۔ محافظ کتب خانہ حرم شریف شیخ سید مصطفےٰ چونکہ نہایت خوشخط عالم تھے اس لئے ان کو یہ کتاب تبییض کے لئے دیدی گئی۔ مبیضہ کی تصحیح کے لئے ۴ محرم ۱۳۲۴ھ کو ایک بار آپ کتب خانہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک عظیم المرتبت عالم "کفل الفقیہ الفاهم" کے مطالعہ میں مشغول ہیں۔ اور جب وہ اس مقام پر پہونچے جہاں فاضل بریلوی نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی تھی کہ لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ" یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بھی بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر فرط مسرت سے ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔

این جمال بن عبداللہ من هذا النص الصریح۔ حضرت جمال بن عبداللہ (جو سابق مفتی حنفیہ تھے اور ان سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ کوئی تشفی بخش جواب چونکہ اس وقت ان کو مستحضر نہ تھا۔ اس لئے بات اپنی جگہ جوں کی توں پڑی رہ گئی) اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے۔

فاضل بریلوی اپنے مبیضہ کی تصحیح میں بدستور مصروف رہے۔ ان دونوں حضرات میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے ابھی تک متعارف نہ تھا۔ کوئی مسئلہ الجھا ہوا تھا جسے دیکھنے کے لئے شیخ مولانا عبداللہ بن صدیق نے کچھ کتابیں نکلوائیں تاکہ ان میں سے عبارتیں نقل کریں۔ اتفاقاً انھوں نے ایک دوات ایسی کتاب پر رکھ دی جس کا نہ وہ مطالعہ کر رہے تھے اور نہ ہی اس سے کچھ نقل کر رہے تھے۔ فاضل بریلوی نے بغیر اعتراض فرمائے کتاب سے دوات اتار کر دوسری جگہ رکھ دیا۔ مفتی حنفیہ بول اٹھے۔ کیوں جناب "بحر الرائق" "کتاب الکراهیت" میں تو یہ تصریح ہے کہ دوات کتاب پر رکھنی جائز ہے۔ آپ نے مختصراً جواب دیا مگر بضرورت جائز ہے جیسے ہوا کی وجہ سے کتاب کے اوراق اڑتے ہوں۔ انھوں نے ارشاد فرمایا۔ میں لکھنا ہی تو چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ مگر ابھی لکھ تو نہیں رہے تھے .... اس کے بعد حضرت مفتی حنفیہ خاموش ہو گئے اور سید اسمٰعیل محافظ کتب خانہ حرم سے دریافت فرمایا کہ یہ کون عالم ہیں۔ مولانا اسمٰعیل نے کہا یہی مولانا احمد رضا خاں ہیں جن کی کتاب "کفل الفقیہ الفاهم" کا آپ ابھی ابھی مطالعہ فرما رہے تھے۔ مفتی حنفیہ فوراً فاضل بریلوی سے گرمجوشی کے ساتھ ملے مگر چہرے پر کچھ خجالت محسوس ہو رہی تھی .... پھر اس کے بعد دونوں حضرات کتب خانہ تشریف لے گئے (ص ۲۴۳ تا ۲۴۶ سوانح اعلیحضرت از مولانا بدر الدین رضوی)

شاہ حجاز کا دربار اور الدولۃ المکیہ

علماء کرام کے درمیان فاضل بریلوی اور ان کی کتاب الدولۃ المکیہ کی مقبولیت کا حال آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے۔ اب شاہ حجاز کے دربار کا بھی تھوڑا سا حال پڑھ لیجئے۔ شاہ حجاز نے تو گویا کتاب کی افادیت ومقبولیت پر سرکاری مہر لگا دی اور مخالفین کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اپنی موت آپ مر گئیں اور وہ اپنے مقصد میں خائب وخاسر رہے۔

شاہ حجاز کا دربار نماز عشاء کے بعد سے بارہ بجے شب تک لگا رہتا تھا اور عوام وخواص اپنی اپنی عرضداشتیں پیش کرتے۔ رئیس العلماء مولانا صالح کمال ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دربار شاہی میں پہونچے اور دربار میں کتاب پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ امام احمد رضا نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا۔ شریف علی پاشا نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا۔ مولانا صالح کمال نے پڑھنا شروع کیا۔ مخالفین درمیان میں بار بار اعتراضات کرتے کہ کہیں یہ کتاب ہماری موت کا سامان نہ بن جائے اور ہمیں کوئی پوچھنے والا بھی نہ رہ جائے۔ معترضین میں "احمد نگہ" اور "عبدالرحمٰن اسکوبی" پیش پیش تھے۔ مولانا صالح کمال نے دو ایک اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے مگر جب ان کی نیت سمجھ گئے تو شریف علی پاشا کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا "آپ کا کیا حکم ہے میں کتاب پڑھوں یا ان کے اعتراضات کے جوابات دوں" شریف نے کہا "اقرأ" "آپ کتاب پڑھ کر سنایئے۔ فرمان شاہی کے بعد مخالفین کی زبان بند ہو گئی اور کتاب پڑھ کر سنائی جانے لگی۔ الدولۃ المکیہ کے دلائل وبراہین جو کتاب وسنت کی روشنی میں نہایت ٹھوس اور مستحکم تھے انھیں سنکر شریف علی پاشا نے باآواز بلند کہا۔ "اللہ یعطی وهؤلاء یمنعون" خدا تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ اسے روکتے ہیں۔ بارہ بجے تک اس کتاب کا نصف حصہ ختم ہوا۔ اب دربار برخاست ہونے کا وقت آگیا اس لئے شریف نے مولانا صالح کمال سے کہا کہ آپ یہاں نشانی رکھ دیجئے آپ نے وہیں رکھ دیا اور وہ کتاب پھر انھیں کے پاس رہ گئی۔ اور اصل کتاب سے دیگر علمائے کرام نے نقلیں حاصل کیں۔

علماء کرام اور شاہ حجاز کے دربار میں جب مخالفین کو ناکامی ہوئی تو انھوں نے تیسرے دربار کا رخ کیا۔ اس وقت کے گورنر مدینہ راتب پاشا ایک جاہل متکبر دینہ دار شخص تھے۔ وہ روزانہ عصر بعد طواف خانۂ کعبہ کیا کرتے تھے۔ احمد نگہ اور عبدالرحمٰن اسکوبی نے سوچا کہ شریف

پاشا ایک عقلمند اور تعلیم یافتہ شخص تھا اس لئے اس کے سامنے ہمارا کوئی بس نہ چل سکا۔ یہ جاہل و ناخواندہ ہے۔ اس کو ہم کسی طرح اپنے دام فریب میں پھنسا لیں۔ یہ سوچ کر انھوں نے شیخ عبد القادر شیبی جو اس وقت نائب الحرم کہے جاتے تھے ان کو بھی اپنا ہمنوا بنا کر راتب پاشا کے پاس پہونچے اور طواف کے بعد عرض کیا کہ ایک ہندی عالم آیا ہے اور وہ عربوں کے عقائد بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہے اس کے بعد اس نے سوچا کہ آخر یہ گورنر یہ سوچ سکتا ہے کہ علماء حرمین کی موجودگی میں ایک ہندی عالم کیوں کر عربوں کے عقائد خراب کر سکتا ہے۔ اس لئے اس نے مجبوراً چند مقتدر ہستیوں کے نام بھی گنائے کہ یہ لوگ بھی اس کے ہمنوا ہو گئے ہیں مثلاً کبیر العلماء شیخ ابو الخیر مرداد، رئیس العلماء شیخ صالح کمال، شیخ العلماء سید محمد سعید بابصیل وغیرہم۔

اس کے بعد راتب نے عبد القادر کو ایک زوردار طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ یا خبیث بن الخبیث یا کلب ابن الکلب اذا کان ھؤلاء معہ فھو ... ام یصلح
اے خبیث جب یہ عظیم القدر ہستیاں بھی اس کے ساتھ ہیں تو وہ فساد برپا کرے گا یا اصلاح کرے گا۔

جس مرد مجاہد کو غیبی تائید اور حق کی نصرت و حمایت حاصل تھی اسے یہ چند فتنہ پرور عناصر کس طرح زیر کر سکتے تھے۔ حق ہمیشہ سربلند رہتا ہے اور اس کے سامنے بالآخر تمام طاغوتی طاقتیں سپر ڈالنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین

المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

حضرت علامہ فضل رسول بدایونی کی ایک جلیل القدر تصنیف ہے جس پر علامہ فضل حق خیر آبادی (مجاہد جنگ آزادی) مفتی محمد صدر الدین آزردہ دہلوی، حضرت مولانا احمد سعید رام پوری و علامہ حیدر علی کی تقریظات ہیں۔ اس پر فاضل بریلوی نے تعلیقات و حواشی کا اضافہ فرما کر "المعتمد المستند" (۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء) نام رکھا۔ اور ان تعلیقات کا خلاصہ کر کے علماء عرب کے سامنے پیش کیا۔ الدولۃ المکیہ ہی کی طرح اس پر بھی علماء نے دل کھول تقریظیں لکھیں جنھیں بعد میں مرتب کر کے "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا گیا۔ المعتمد المستند کے بنیادی مباحث یہ تھے جن کی تردید کی گئی تھی۔

(۱) تکذیب انبیاء و رسل و انکار ختم نبوت۔
(۲) نص قطعی سے انکار وسعت علم نبوی و اثبات علم شیطان۔
(۳) امکان و وقوع کذب باری تعالیٰ۔
(۴) نبی کریم صلی اللہ کے بعد بعثت انبیاء مستبعد نہیں۔
(۵) علم غیب رسول علیہ السلام کو بچوں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ۔

المعتمد المستند کے خلاصہ میں فاضل بریلوی نے ان عقائد و نظریات کا باطل ہونا اور ان کے ماننے والوں کا کافر ہونا قرآن و احادیث کے ناقابل تردید دلائل و شواہد کی روشنی میں ثابت کیا اور اسے (۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ) کو علماء عرب کے سامنے پیش کیا جس سے ہر ایک نے اتفاق کیا۔ اور اپنی تصدیقات و توثیقات سے "حسام الحرمین" کو نوازا۔

تقریظات علماء کرام

(۱) شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل — محافظ کتب خانہ حرم مکہ مکرمہ

واحمد اللہ تعالیٰ علی ان تیقض ھذا العالم العامل والفاضل الکامل صاحب المناقب والمفاخر۔ مظہر کم ترک الاول للآخر فرید العصر وحید الدھر مولانا الشیخ احمد رضا خاں سلمہ اللہ رب المنان۔ لابطال حججھم الداحضۃ بالآیات والاحادیث القاطعۃ۔ کیف لا وقد شہد لہ عالمو مکۃ بذالک ولو لم یکن بالمحل الارفع لما وقع منھم ذلک بل اقول لو قیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقا وصدقا۔

اور میں خدا کی حمد بجا لاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے۔ مناقب و مفاخر والا۔ اس شعر کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ مولانا شیخ احمد رضا خاں پروردگار عالم انھیں سلامت رکھے تاکہ وہ (مخالفین کی) بے ثبات حجتوں کو آیات قرآنیہ اور احادیث قطعیہ سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علماء مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں۔ اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علماء مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بیشک حق اور صحیح ہے۔

(حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (مرتبہ) ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء ص ۱۴۰-۱۴۲ مطبوعہ لاہور)

(۲) علامہ شیخ صالح کمال — مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ

لاسیما العالم العلامۃ بحر الفضائل و قرۃ عیون العلماء الاماثل مولانا الشیخ المحقق برکۃ الزمان احمد رضا خاں البریلوی حفظہ اللہ وابقاہ

بالخصوص اس عالم دین پر (رحمتیں نازل فرما) کہ جو فضائل کا دریا ہے اور ان علماء عائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ زمانے کی برکت مولانا الشیخ المحقق احمد رضا خاں بریلوی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور سلامت رکھے (آمین) (حوالہ مذکورہ ص ۱۳۰)

(۳) شیخ احمد ابو الخیر بن عبد اللہ مرداد۔ — خطیب مسجد الحرام مکہ مکرمہ۔

فھو کنز الدقائق المنتخب من خزائن الذخیرۃ وشمس المعارف المشرقۃ فی الظھیرۃ کتاب مشکلات العلوم فی الباطن والظاھر یحق لکل من وقف علی نضدہ ان یقول کم ترک الاول للآخر

وانی وان کنت الاخیر زمانہ — لآت بمالم تستطعہ الاوائل
ولیس علی اللہ بمستنکر — ان یجمع العالم فی واحد

تو وہ باریکیوں کا خزانہ محفوظ گنجینوں سے چنا ہوا۔ اور معرفت کا آفتاب نصف النہار ہے علوم کی مشکلات ظاہر و باطن کا گرہ کشا جو اس نفل پر آگاہ ہے اس کے لئے سزاوار ہے

کر کہہ کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ میں اگرچہ اخیر زمانے میں آیا ہوں مگر وہ چیز لایا ہوں جو اگلے نہ لا سکے خداوند تعالیٰ کے لئے یہ بات غیر ممکن نہیں کہ وہ ایک شخص میں ایک جہان سمو دے (ص ۱۲۷-۱۲۸)

(۴) شیخ عابد حسین مفتی مالکیہ مکہ مکرمہ

علماء مشاہیر کا سردار معزز فاضلوں کا سرمایۂ افتخار سعادت دین وملت، محمود سیرت، ہر کام میں پسندیدہ، صاحب عدل، عالم باعمل صاحب احسان حضرت مولانا احمد رضا خاں تو اس نے اس بات میں (یعنی گستاخان رسول علیہ التحیۃ والثناء کا رد فرما کر) فرض کفایہ ادا کر دیا۔ (ص ۱۵۳)

(۵) سید احمد بن سید اسمٰعیل الحسینی البرزنجی۔ مفتی شافعیہ مدینہ طیبہ

لے علامہ کامل شہیر و مشہور صاحب تحقیق و تنقیح۔ صاحب تدقیق و تزئین عالم اہلسنت والجماعت شیخ احمد رضا خاں بریلوی (اللہ اس کی تمناؤں کو پوری فرمائے اور اس کی بلندیوں کو باقی و دائم رکھے) میں نے آپ کی کتاب "المعتمد المستند" کے خلاصہ کا مطالعہ کیا تو میں نے اس کو قوت ونقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا (ص ۲۳)

(۶) شیخ اسعد بن احمد دہان مدرس حرم شریف مکہ مکرمہ۔

یہ عظمت والا رسالہ میرے علم میں آیا جس کا مصنف نادر روزگار اور خلاصہ لیل و نہار ہے۔ وہ علامہ جس کی وجہ سے پچھلے اگلوں پر فخر کرتے ہیں۔ عالم زمانہ جس نے اپنے روشن بیان سے سحبان فصیح البیان کو بے زبان کر دیا سیدی وسندی شیخ احمد رضا خاں بریلوی (ص ۱۷۰)

(۷) شیخ محمد یوسف علیہ الرحمہ مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

یہ رسالہ میرے علم میں آیا جسے علامہ فاضل اور دریائے علم و دانش نے تصنیف فرمایا ہے جو اللہ کی مضبوط رسی تھامے ہوئے ہے۔ دین وشریعت کے مینارہ نور کا محافظ، وہ کہ زبان بلاغت جس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے اس کے حقوق واحسانات کی خدمت سے عاجز ہے وہ کہ جس کے وجود پر زمانے کو ناز ہے۔ مولانا شیخ احمد رضا خاں وہ ہمیشہ اس ہدایت پر گامزن رہے۔ اور بندوں کے سرداں پر فضل واحسان کے پرچم بلند کرتا رہے (ص ۱۷۱)

(۸) شیخ حامد احمد محمد جداوی مکہ معظمہ

میں نے یہ مختصر رسالہ مطالعہ کیا۔ رسالہ کیا ہے یہ تو خالص سونے کی ڈلی ہے۔ یا یاقوت وزبرجد اور موتیوں کی لڑیوں کا دانہ ہے جسے بیش بہا معتمد عالم باعمل فاضل متبحر۔ دریائے بیکراں۔ محیط کامل۔ محبوب ومقبول ومرغوب بستودہ اقوال وافعال۔ مولانا شیخ احمد رضا خاں کے قابل قدر، ہاتھوں نے صراط مستقیم کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور جملہ مسلمانان عالم کو ان کی زندگی سے نفع عطا فرمائے (ص ۱۹۷)

(۹) شیخ سعید بن سید محمد المغربی شیخ الدلائل مدینہ طیبہ

جب شک وشبہ کی اندھیری رات چھا جاتی ہے تو وہ اپنے آسمان علم سے چودھویں کا چاند چمکاتا ہے۔ اسطرح نسلاً بعد نسلٍ علماء کاملین وناقدین کے ہاتھوں شریعت مطہرہ تغیر وتبدل سے محفوظ رہی اور ان جلیل القدر علمائے میں سے کثیر الفہم عظیم العلم حضرت مولانا احمد رضا خاں ہیں۔ (ص ۲۱۳، ۲۱۵)

(۱۰) شیخ عمر بن حمدان محرسی مالکی اشعری مدینہ طیبہ

جناب شیخ احمد رضا نے اپنے خلاصہ میں جو تحریر فرمایا ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا یہ خلاصہ ان کی کتاب موسوم بالمعتمد المستند سے ماخوذ ہے۔ لہذا مطالعہ میں نے محسوس کیا کہ مصنف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا مصنف کی تعریف وتوصیف اللہ کے لئے ہے۔ وہ مصنف جو خوب جاننے والا، خوب سمجھنے والا اور سوچنے والا ہے اور ایسی روشن تحقیق کرنے والا ہے جس سے تمام پہلو روشن ومنور ہو جاتے ہیں (ص ۲۲)

یہ اور اسطرح کی دوسری بہت سی تقریظات وتصدیقات ہیں جن کے ایک ایک حرف عقیدت واحترام اور اعتراف علم وفضل کے جذبات سے لبریز نظر آتے ہیں

خلاصۃ المعتمد المستند پر تقریظات لکھنے والے علماء کرام کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اسماء گرامی علماء حرمین طیبین

علماء مکہ مکرمہ

۱۔ شیخ صالح کمال — مفتی حنفیہ
۲۔ شیخ محمد سعید بابصیل — مفتی شافعیہ
۳۔ شیخ عابد بن حسین — مفتی مالکیہ
۴۔ شیخ علی بن صدیق کمال — سابق مفتی حنفیہ
۵۔ شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ مرداد — خطیب مسجد حرام
۶۔ شیخ اسمٰعیل بن خلیل — محافظ کتب حرام
۷۔ شیخ علی بن حسین مالکی — مدرس مسجد حرام
۸۔ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی
۹۔ شیخ عمر بن ابی بکر جنید
۱۰۔ شیخ سید مرزوقی ابوحسین
۱۱۔ شیخ محمد علی بن حسین مکی
۱۲۔ شیخ اسعد بن دہان — مدرس حرم شریف
۱۳۔ مولانا محمد یوسف افغانی مہاجر مکی
مدرس مدرسہ صولتیہ حرم شریف
۱۴۔ شیخ محمد یوسف خیاط
۱۵۔ شیخ محمد عبدالکریم ناجی واغستانی
۱۶۔ شیخ احمد محمد جداوی
۱۷۔ شیخ جمال بن محمد بن حسین
۱۸۔ شیخ عبدالرحمان دہان

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

شیخ الاسلام حضرت علامہ سید نا **مدنی میاں** الاشرفی الجیلانی کی
بارگاہ میں نذر عقیدت

جن کے ہاتھوں میں موجودہ نسل کی قیادت کی باگ ڈور ہے

عقیدتمندان

میسرز احسان اللہ ٹمبر ٹریڈرس

دارو خانہ، لکڑا بندر مجگاؤں، ممبئی ۴۰۰۰۱۰

فون

آفس :- ۳۷۷۹۷۷
مکان : ۳۹۵۱۷۳

نقیہ ہے۔ اسی وقت سے میں ان کے فتاوی کی تلاش میں ہوں مگر ابھی تک دستیاب نہ ہوسکے مجھے اس وقت اپنی جماعت کے اشاعتی میدان کی تہی دامنی سے بے پناہ اذیت کا احساس ہوا اور روحانی قلق پہونچا کہ ہماری بے اعتنائی وکاہلی کتنے جویائے حق اور تشنہ کاموں کے اضطراب وبے چینی کا باعث ہے۔ بہر حال میں نے اس وقت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا عربی میں تعارف کتابچہ۔ المعتقد المنتقد (مطبوعہ استنبول۔ ترکی) اور الدولۃ المکیہ کے ایک ایک نسخے کسی طرح تلاش کرکے حوالہ کر دیا (ان کتابوں کا انتظام معلوم ہونے کے بعد ہی کرلیا تھا) اور اطمینان دلایا کہ بہت جلد میں فتوی رضویہ آپ کے نام ارسال کر دوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے عربی رسائل وپمفلٹ "رسالۃ المسترشدین للحارث المحاسبی صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل" وغیرہ بطور ہدیہ عنایت فرمایا جن پر اپنے ہاتھ سے یہ بھی لکھا۔ ھدیۃ الی الاخ المحب الحبیب فی اللہ تعالی الشیخ محمد بشیر الحسنی الاعظمی نفع اللہ بدینہ وعلمہ واکرمہ بتوفیقہ .... من اخیہ عبدالفتاح ابی غدہ ۲۸ر۱۰ر۱۳۹۵ فی لکھنؤ۔ اس کے بعد پھر ہم لوگ واپس چلے آئے۔

امام احمد رضا کی زندگی سے لیکر آج تک تسلسل وتواتر کے ساتھ علماء اسلام کا یہ اعتراف علم وفضل اور بے پناہ جذبۂ عقیدت واحترام ہمیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ فاضل بریلوی ایک غیر معمولی اور اپنے وقت کی بے مثال شخصیت کا نام ہے۔

الصوارم الهندیة

علماء حرمین طیبین اور وہاں پر موجود عالم اسلام کے دوسرے فضلاء واکابر کی تصدیقات وتوثیقات کے بعد جب حسام الحرمین ہندوستان آئی تو وہاں پر خلاصہ المعتمد المستند کے باقیماندہ نقول کی وجہ سے تقریظات کی آمد کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ یہاں بھی مشاہیر علماء اسلام کی تصدیقات کے حصول کا سلسلہ چلا دیا گیا تاکہ فاضل بریلوی کے فتاوی اور ان کے علم وفضل ان کی حق پرستی ودین پروری پر جملہ علماء عالم کی مہر تصدیق ثبت ہو جائے۔

چنانچہ مارہرہ مطہرہ، اجمیر شریف، جبل پور، کچھوچھہ مقدسہ، دربار علی پور سیدان (پنجاب)، منظر اسلام بریلی، دارالافتاء مرادآباد، انجمن حزب الاحناف لاہور، آرہ، بانکی پور پٹنہ، سیتاپور، ریاست جلال آباد، ضلع فیروزپور پنجاب، مظفرپور، بہاولپور پنجاب، سیالکوٹ، راجپوتانہ لودھیانہ، دہلی منرنگ لاہور، اٹاوہ، مدراس، ضلع جہلم سنبھل، داودں علی گڑھ، شاہجہانپور، بنگلور، امروہہ، جالندھر، ہوشیارپور، وزیر آباد، رام پور، کانپور، آنولہ، ہلدوانی نینی تال، مان بھوم، حیدرآباد دکن، سورت، بھڑوچ گجرات، بدایوں، بھیڑی، پشاور، فرنگی محل لکھنؤ، سراج گنج بنگال، بلیا، فتح پور ہسوہ، کاٹھیاواڑ، جوناگڑھ، بڑودہ، سلطان کوٹ سندھ، سکھر سندھ، ڈیرہ غازی خان پنجاب وغیرہ وغیرہ غیر منقسم ہندوستان کے دوسو اڑسٹھ ۲۶۸ علماء ومشائخ وجلیل القدر مفتیوں نے اپنے اپنے فتاوی میں حسام الحرمین کی تصدیق کی (الصوارم الہندیہ مطبوعہ برقی پریس مرادآباد)

ان تمام تصدیقات وتقریظات اور حرمین طیبین میں مشاہیر علماء اسلام کی طرف سے فاضل بریلوی کی تحسین وآفریں۔ اعزاز واکرام۔ اعتراف علم وفضل مجددیت پر اتفاق اور خلاصہ لیل ونہار قرار دینے کے بعد یہ بات خود بخود ذہن ودماغ اور قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے زمانہ کے تمام علماء پر فائق علمائے عرب وعجم میں معظم ومحترم اور ان کی بزم کے صدر نشین علم وفضل کے بحر ذخار موجودہ صدی کے مجدد۔ آیۃ من آیات اللہ۔ اور پروردگار عالم کی نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت تھے۔

آپ نے گذشتہ صفحات میں اپنے ماتھے کی آنکھوں سے پڑھ لیا کہ مکہ مکرمہ۔ مدینہ طیبہ۔ یمن۔ شام۔ عراق۔ لبنان۔ مصر۔ الجزائر۔ اندلس۔ طرابلس۔ افغانستان۔ داغستان۔ ترکستان اور غیر منقسم ہندوستان وغیرہ کے سیکڑوں مفسرین۔ محدثین۔ فقہاء۔ مشائخ اور مفتیان کرام نے بریلوی کو مجدد دین وملت۔ محی السنۃ۔ امام الائمۃ قاضی القضاۃ۔ عاشق رسول۔ آفتاب معرفت اصولی زماں متکلم دوراں۔ علامہ اجل۔ نادر دھر یکتائے روزگار۔ خلاصہ لیل ونہار صاحب مناقب ومفاخر شنبشاہ محققین ومصنفین۔ علم وفضل کا وارث وامین، عقدہ کشائے مشکلات ومغلقات، فاضل متبحر اور حقائق ومعارف کا بحر بیکراں (وغیرہ) کے معزز خطابات سے نواز کر اپنی عقیدت واحترام کا وافر ثبوت فراہم کر دیا۔ اور زمانہ پر یہ روشن ہوگیا کہ اس آخری دور میں آپ کی وہ عظیم شخصیت ہے جس کی جلالت علمی اور خدمات دینی کے سامنے علماء عرب وعجم اپنا سر خم کئے ہوئے ہیں اور آپ ہی کی وہ منفرد شخصیت ہے جس نے عہد اخیر میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے کفر وطغیان اور تمرد وعصیان کی بلند وبالا عمارتوں کو خس وخاشاک کی طرح بہاکر سلیم الفطرت انسانوں کی آبادیوں میں عظمت حق اور شوکت اسلام کا پرچم لہرا دیا۔

قابل توجہ باتیں

(۱) انتخاب ترتیب و تدوین اور تصحیح کا کام انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اسی احساس کے ساتھ یہ امور انجام دئے گئے ہیں پھر بھی بمصداق الانسان مرکب من الخطاء والنسیان امام احمد رضا نمبر میں کوئی خامی نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کرلی جائے

(۲) خیال تھا کہ امام احمد رضا نمبر کے قلم کاروں کا مختصر تعارف بھی شامل کیا جائے مگر کچھ تو قلت صفحات اور کچھ میٹر کی فراہمی میں تاخیر کے باعث اس کام کو دوسرے ایڈیشن کے لئے اٹھا رکھا گیا۔

(۳) بہت سے مضامین، پیغامات بارگاہ امام احمد رضا میں منظوم نذر عقیدت اور مدارس اسلامیہ کے تعارف و تصاویر وغیرہ بھی قلت صفحات کی وجہ سے شامل نمبر نہ ہو سکے

(۴) انشاء اللہ تعالی المیزان امام احمد رضا نمبر کا ضمیمہ بھی شائع کریگا جسمیں بچے ہوئے مضامین مدارس کے فوٹو، امام احمد رضا کانفرنس کی رپورٹیں، امام احمد رضا نمبر پر تاثرات، تنقیدات اور تبصرے شامل کئے جائیں گے۔

(۵) المیزان کی آئندہ پیشکش علامہ فضل حق نمبر ہوگی۔ مضمون نگار حضرات سے گذارش ہیکہ جنگ آزادی کے مجاہد اعظم پر مضامین ارسال فرمائیں۔

آپ کا

محمد احمد مصباحی

۱۹۔ شیخ مولانا احمد مکی (خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔
مدرس مدرسہ صولتیہ حرم شریف

۲۰۔ شیخ محمد صالح بن محمد بافضل

۲۱۔ شیخ محمد سعید بن محمد یمانی مدرس مسجد حرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

علماء مدینہ طیبہ

۲۲۔ شیخ تاج الدین الیاس بن مصطفیٰ الیاس مفتی مدینہ

۲۳۔ شیخ سید شریف احمد برزنجی مفتی شافعیہ

۲۴۔ سید احمد الجزائری شیخ مالکیہ

۲۵۔ 〃 محمد سعید بن محمد المغربی شیخ الدلائل

۲۶۔ شیخ عمر بن حمدان محرسی مالکی اشعری

۲۷۔ 〃 سید محمد بن محمد حبیب مدنی دیداری

۲۸۔ 〃 عبدالقادر توفیق شلبی طرابلسی حنفی

۲۹۔ 〃 عثمان بن عبدالسلام داغستانی سابق مفتی مدینہ

۳۰۔ 〃 سید عباس بن جلیل محمد رضوان شیخ الدلائل

۳۱۔ 〃 محمد بن موسیٰ خیاری مدرس حرم شریف

۳۲۔ محمد عزیز وزیر مالکی مغربی اندلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

مشاہیر خلفاء

فاضل بریلوی اگر ایک طرف علم وفضل کے تاجدار اور میدان تحقیق وتدقیق کے شہسوار تھے تو دوسری طرف طریقت وتصوف کے رمز شناس اور امیر کشور ولایت بھی تھے، اگر ایک طرف ان کا ذہن رسا بحر فلسفہ وحکمت کی غواصی کرکے آبدار موتیاں نکالتا تھا تو دوسری طرف ان کے سیال زبان وقلم سے معرفت کے چشمے بھی ابلتے تھے اور ان کی مجلسوں میں تصوف واذکار کے بے شمار رموز واسرار وانکشاف ہوتے تھے (جنھیں الملفوظ کی صورت میں چار جلدوں میں شائع بھی کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی ایک کتابیں اس فن میں ہیں۔) جنھیں پڑھ کر بے شمار الجھی ہوئی گرہیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔ اور ایک ایک بات دل کی گہرائیوں میں اتر کر اپنی جگہ بناتی چلی جاتی ہے۔ ان حقائق ومعارف کی چوٹ براہ راست قلب وضمیر پر پڑتی ہے اور پڑھنے والے کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل روشن ہو جاتا ہے۔

ابتداء مضمون ہی میں آپ شیخ حسین بن صالح کا وہ واقعہ پڑھ چکے ہیں جس میں انھوں نے آپ کو دیر تک بنظر غائر دیکھنے کے بعد فرمایا۔ انی لاجد نور اللّٰہ فی ھذا الجبین، یعنی میں اس پیشانی میں خدا کا نور پا رہا ہوں۔ ایک دوسرا واقعہ بھی پڑھتے چلیے مشہور ہندوستانی عارف باللہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ۱۳۱۹ھ میں شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ کی معیت میں بغرض ملاقات گنج مراد آباد تشریف لے گئے، حضرت گنج مراد آبادی کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو قصبہ سے باہر نکل آئے آپ کا استقبال کیا اور اپنا خصوصی مہمان بنایا۔ عصر کی بعد کی صحبت میں حاضرین کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا مجھے آپ (فاضل بریلوی) میں نور ہی نور نظر آتا ہے۔ اور اپنی ٹوپی انھیں اڑھا دی اور ان کی ٹوپی خود اوڑھ لی۔

سفر حج کے موقع پر بے شمار علماء ومشائخ آپ کے سلسلے میں منسلک ہوئے اور آپ کی شانِ ولایت کے بجان ودل معترف ہوئے۔ غیر منقسم ہندوستان میں آپ کے خلفاء کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی تھی۔ ذیل میں ہم غیر ہندی خلفاء میں سے چند ممتاز مشائخ وخلفاء کے اسمائے گرامی درج کر رہے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ آپ کے فیوض وبرکات کا سمندر عرب وعجم دونوں کو پوری طرح محیط ہے۔ اور ایک عالم نے آپ کے چشمۂ فیض سے اپنی روحانی تشنگی بجھائی ہے۔

شیخ سید محمد اسمٰعیل مکی محافظ کتب خانہ حرم شریف، شیخ ابوحسین محمد مرزوقی امین الفتویٰ مکی۔ شیخ صالح کمالی سابق مفتی حنفیہ۔ شیخ سید خلیل مکی۔ شیخ اسعد دھان مکی۔ شیخ عبدالحی بن سید عبدالکبیر کتانی حسنی ادریسی۔ فاسی محدث بلاد مغرب (افریقہ) شیخ علی بن حسین مکی۔ شیخ عبداللہ بن شیخ احمد ابوالخیر مرداد مکی۔ شیخ محمد عابد بن حسین مکی مفتی مالکیہ شیخ جمال بن محمد امیر مکی۔ شیخ بکر رفیع مکی۔ شیخ عبداللہ دحلان مکی۔ شیخ حسن عجیمی، شیخ سالم بن عیدروس حضرمی، شیخ سید علوی بن حسن الکاف الحضرمی۔ شیخ ابوبکر بن سالم، حضرمی، شیخ سید محمد بن عثمان دحلان مکی۔ شیخ محمد یوسف مدرس مدرسہ رحمت اللہ مہاجر مکی۔ شیخ ضیاء الدین مہاجر مدنی۔ شیخ الدلائل سید محمد سعید مدنی، شیخ عمر بن حمدان محرسی مدنی۔ شیخ محمد مامون بری مدنی۔ شیخ احمد خضراوی مکی۔ شیخ عبداللہ فرید بن شیخ عبدالقادر کردی مکی وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

دَورِ حاضر کے علماء عرب کی نظر میں

ایسا نہیں کہ فاضل بریلوی جب تک بقید حیات تھے اسی وقت تک علماء اسلام نے ان کی قدر ومنزلت کی اور بعد میں انھیں بھلا بیٹھے...... بلکہ دور حاضر میں بھی ان کی یاد اور ان کا اعزاز واکرام اسی طرح برقرار ہے جیسا ان کے زمانہ میں تھا۔ اور ان کے علم وفضل کا اعتراف آج علمی ومذہبی حلقوں میں برملا کیا جاتا ہے اور عقیدت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدرس مدرسہ عربیہ اشرف العلوم گھوڑا مارا۔ راجشاہی (موجودہ بنگلہ دیش) حج وزیارت سے فارغ ہونے کے بعد جب اپنے وطن واپس آئے تو احباب کے اصرار پر انھوں نے سفر مبارک کے حالات وواقعات پر مشتمل ایک سفر نامہ بنام سفر نامۂ حرمین طیبین" ۱۹۶۰ء شائع فرمایا جس میں انھوں نے چند ایسے واقعات بھی تحریر فرمائے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آج بھی فاضل بریلوی سے علماء عرب پہلے ہی کی طرح متعارف ہیں۔ اور عرب معاصرین نے اپنی آنے والی نسلوں کے سینوں

میں آپ کی عقیدت و محبت کا بیج بو دیا ہے۔

حضرت شیخ مفتی سعد اللہ مکی سے مولانا غلام مصطفیٰ صاحب اور ان کے چند رفقاء بصورت وفد ملے تو انھوں نے فرمایا کہ بلاد عرب میں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا ڈنکا بج رہا ہے اور علماء حرمین طیبین اعلیٰحضرت سے جس قدر واقف ہیں ہندوستان کے لوگ بھی اس قدر واقف نہیں۔ مفتی سعد اللہ مکی نے بطور آزمائش اس وفد کو شیخ سید محمد علوی مالکی قاضی القضاۃ مکہ مکرمہ کے پاس بھیجا جن کے والد ماجد فاضل بریلوی کے ہمعصر اور دوست تھے مفتی سعد اللہ نے یہ بھی سکھا دیا کہ آپ ان کے پاس جب پہونچیں تو صرف اتنا کہ دیں کہ نحن تلامیذ تلامیذ اعلیٰ الحضرۃ المولانا احمد رضا البریلوی رحمۃ اللہ علیہ پھر آپ دیکھئے گا کہ وہ کتنے احترام سے پیش آتے ہیں۔ جب یہ وفد ان کے دولت کدہ پر پہونچا تو تھوڑی دیر کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے سلام و معانقے کے بعد مولانا غلام مصطفےٰ صاحب نے اپنا اور اپنے رفقاء کا تعارف کرایا اور وہی جملہ دہرایا کہ۔ نحن تلامیذ تلامیذ اعلیٰ الحضرۃ المولانا احمد رضا خاں البریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ یعنی ہم لوگ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔۔ اتنا سننا تھا کہ قاضی القضاۃ سروقد کھڑے ہو گئے۔ ایک ایک سے معانقہ کیا اور غایت درجہ شفقت و محبت سے پیش آئے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا نحن نعرفہ بتصنیفاتہ وتالیفاتہ حبہ علامۃ السنۃ و بغضہ علامۃ البدعۃ یعنی ہم لوگ فاضل بریلوی کو ان کی تصنیفات سے جانتے ہیں۔ ان کی محبت سنت کی علامت ہے اور بغض بدعتی کی پہچان ہے۔ حاضرین اس شفقت و التفات سے دم بخود رہ گئے اور حیرت سے ہم لوگوں کا منہ دیکھتے رہے۔ قاضی القضاۃ بڑی دیر تک بار بار اعلیٰحضرت کے ذکر اور ان کی تعریف سے حاضرین کو محظوظ کرتے رہے۔

پھر دوسرے دن شیخ محمد مغربی الجزائری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نہایت شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کے عالم تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ سلسلۂ اعلیٰحضرت سے منسلک ہیں تو کھڑے ہو کر فرداً فرداً ہر ایک سے معانقہ و مصافحہ کیا اور عزت فرمائی اور فرمایا کہ فاضل بریلوی میرے ہمعصر اور دوست تھے۔ ہم آج بھی ان کے علم و فضل کے مداح ہیں۔ اور ہمیشہ انھیں دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ ایک روز حرم شریف میں بعد نماز مغرب ان کی نگاہ ان لوگوں پر پڑی تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے اٹھتے ہی مصری، یمنی، ترکی وغیرہ کے بڑے بڑے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے وہ بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ نے ان لوگوں سے ان کا تعارف کرایا اور فاضل بریلوی کے حالات اور ان کے علم و فضل کا ذکر کیا۔

اسی طرح ایک اور عالم شیخ عبد الرحمان سے ملاقات کی جن کی عمر تقریباً اسی سال کی تھی مگر جوانوں سے بھی زیادہ چست نظر آتے تھے۔ ان کا مکان حرم شریف سے متصل ہی تھا۔ ان کے پاس فاضل بریلوی کے عطا کردہ بہت سے تبرکات بھی تھے۔ انھوں نے بتایا کہ علماء حرمین شریفین جب فاضل بریلوی سے ملتے تو دست بوسی کرتے اور اتنا احترام کرتے کہ اتنا احترام میں نے کسی ہندی عالم کا نہیں دیکھا۔

ابھی چند ماہ پیشتر راقم سطور ایک کانفرنس (منعقدہ ۲۵ تا ۲۸ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۳۱ اکتوبر تا ۳ نومبر ۱۹۷۵ء) میں شرکت کے لئے لکھنؤ گیا تھا جس میں کثیر تعداد میں عرب علماء و شیوخ تھے۔ اس کانفرنس کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ میں نادر روزگار ہندی علماء و حکماء کا ایک اجمالی نقشہ طغروں کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ بے مثال شخصیتوں اور ان کے دینی و علمی کارناموں کی فہرست میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا بھی نام تھا اور ان کے نام کے سامنے ان کی دو کتابیں مندرج تھیں۔ عقائد و کلام کے نقشے میں "خالص الاعتقاد" اور فقہ میں "المنیرۃ الوضیۃ"

امام احمد رضا کا نام پڑھ کر کئی علماء چونک اٹھے جیسے کوئی چیز اچانک انھیں یاد آگئی ہو چند حضرات نے "این مجموعہ فتاواہ" یعنی فتاویٰ رضویہ کی بھی مانگ کی، لیکن انھیں یہ کہہ کر ٹرخا دیا گیا کہ یہاں موجود نہیں۔ ایک شامی عالم شیخ عبد الفتاح ابوغدہ استاذ کلیۃ الشریعۃ (محمد بن سعود یونیورسٹی) ریاض سعودی عرب نے جب ان چار ٹولوں کے مطالعہ کے بعد "این مجموعۃ فتاوی الشیخ الامام احمد رضا" کہا تو ایک مولوی صاحب نے انھیں گول مول جواب دینا چاہا۔ مگر حسن اتفاق سے ایک "صاحب" اور بھی ساتھ ہی میں تھے انھوں نے موقع غنیمت سمجھ کر درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ انما توجد فی ھذہ البلاد۔ شیخ! فتاویٰ رضویہ یہاں موجود ہے۔ مولوی صاحب نے انھیں وہ ڈانٹ پلائی کہ بیچارہ نے وہاں سے کھسکنے ہی میں عافیت سمجھی...... خیر.... شدہ شدہ یہ خبر مجھ تک بھی پہونچی۔ میں نے کسی مناسب وقت میں تفصیلی ملاقات کی کوشش شروع کر دی (عام لوگوں کو ان کی قیام گاہ پر جانا ممنوع تھا۔ خاص خاص آدمی یا ڈیلیگیٹ ہی جا سکتے تھے۔) تقریبے کے ایک پروگرام کے بعد میں نے ان سے دو منٹ گفتگو کی جس کے بعد انھوں نے روم نمبر ۱۲ کلارک اودھ ہوٹل لکھنؤ میں ڈھائی بجے ملاقات کا وقت دیا۔ کانفرنس کا آخری دن تھا۔ تین بجے انھیں دلی جانا تھا میں ڈھائی بجے ان کے روم میں پہونچ گیا۔ ساتھ میں ایک اور صاحب تھے جنھوں نے اس کام میں بڑی محنت و لگن کا ثبوت دیا۔ شیخ جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے سلام و مصافحہ کے بعد بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ خیریت پوچھی۔ اور ماحضر ناشتہ سے بھی ضیافت کی۔ گفتگو میں بڑی شیرینی و حلاوت تھی۔ چہرہ بھی نورانی تھا۔ خیریت کے بعد میں نے پوچھا۔ سمعت انک تشتاق الی مجموعۃ فتاوی الشیخ الامام احمد رضا۔ نام سنتے ہی چہرہ دمک اٹھا اور فوراً بول اٹھے۔ ہاں! کیا آپ کے پاس ہے۔ میں نے کہا اس وقت تو نہ مل سکے گی مگر انشاء اللہ بہت جلد آپ کے نام بذریعہ ڈاک ارسال کر دوں گا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کیف عرفت عملہ وفضلہ۔ آپ امام احمد رضا کے علم و فضل سے کیسے متعارف ہوئے۔ اس سوال سے ان کے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر تبسم کی لہر دوڑ گئی۔۔۔ فرمایا۔ عطر بہر حال عطر ہی ہے۔ اسے کتنا بھی بند شیشی اور بند کمرے میں رکھا جائے مگر اس کی خوشبو اہل ذوق تک پہونچ ہی جاتی ہے۔ پھر کہا میرے ایک دوست کے پاس مجموعۂ فتاویٰ رضویہ تھا۔ وہ کہیں سفر پر جا رہے تھے۔ میری نظر اچانک اس کتاب پر پڑ گئی میں نے اٹھا کر مطالعہ کرنا شروع کیا۔ ایک عربی فتویٰ کا میں نے بغور مطالعہ کیا۔۔۔ بس اسی ایک فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا متبحر عالم اور اپنے وقت کا زبردست

نرالے شاہ

ھوالاشرف

خلیفۂ مجاز حضرت شمس العارفین سید شاہ طفیل احمد اشرفی الجیلانی قدس سرہ (رہبر طریقت) پیر نرالے شاہ اشرفی

مستان تالاب، ناگپاڑہ، بمبئی ۴۰۰۰۰۸

کی جانب سے

امام احمد رضا کانفرنس منعقد کرنے پر آل انڈیا سنّی لیگ کو

اور

امام احمد رضا نمبر پیش کرنے پر ادارۂ ماہنامہ المیزان بمبئی کو

ہدیہ تبریک پیش ہے

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

آل انڈیا سُنّی لیگ

دنیا کی ہر تحریک خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو کسی نہ کسی بے چینی کا واضح اظہار ہوتی ہے۔ مورخ و مصلح کا کمال یہ ہے کہ وہ کرب و اضطراب اور بے چینی کے ان گوشوں کو تلاش کرے جن سے تحریک کا جنم ہوتا ہے۔ کرب و اضطراب کا یہ اظہار جب تک نرم اور سبک رو ہوتا ہے ناقابل تذکرہ ہی رہتا ہے لیکن دوربین نگاہیں اس میں چھپی ہوئی اس شدت اور حدت کو بھانپ لیتی ہیں جو مستقبل قریب میں لاوا بن کر اُبلنے والا ہوتا ہے جس کو سیاسی زبان میں "انقلاب" کہتے ہیں۔

ملک کی آزادی کے ۲۵ سال بعد بھی ملّت اسلامیہ ہند طوائف الملوکی کا شکار اور ملک میں پیدا ہونے والے مسلم مسائل کے حل میں پے در پے ناکامیوں کا واحد سبب مسلمان کہلانے والے تمام فرقوں کے درمیان منافرت اور مسلم عوام میں غالب اکثریت رکھنے والے سنّی مسلمانوں کی غیر منظم زندگی ہے جس کو ملک کے قانون داں دانشور، مفکرین، سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں کے قائدین، علماء و مشائخین نے پوری شدّت کے ساتھ محسوس کیا اور انھوں نے غور و فکر کے بعد ۲۱ نومبر ۱۹۷۳ء کو ایک سنّی عوامی تنظیم آل انڈیا سنّی لیگ کی بنیاد رکھی۔

آل انڈیا سنّی لیگ، سنی مسلمانوں کی فعالیت کے ساتھ ہمہ گیر مسائل میں ملک گیر اساس اور صحت مند بنیادوں پر رہنمائی کے لئے عالم وجود میں آئی جو راسخ العقیدہ سنّی مسلمانوں کے مذہبی، تبلیغی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی، تعلیمی، لسانی، تہذیبی، ثقافتی، اذفانی اور دستوری حقوق کے حصول و تحفظ و برقراری کی جد و جہد کرے گی اور عمومی مسلم مسائل کے حل کے سلسلے میں مسلمان کہلانے والے تمام فرقوں سے حسب ضرورت تعاون و اشتراک کیا جاسکے گا اور ملکی معاملات میں ابنائے وطن کے دوش بدوش رہے گی۔ آل انڈیا سنی لیگ غیر سیاسی تنظیم ہے۔ غیر سیاسی سے مراد یہ ہے کہ آل انڈیا سنی لیگ اپنے جماعتی ٹکٹ پر ملک کے کسی بھی قانون ساز ادارے کے لئے انتخابات میں امیدوار نامزد نہیں کرے گی لیکن سنّی مسلمانوں کی فلاح و بہبود و ترقی کے لئے سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں سے مشاورت، تعاون و اشتراک کیا جاسکے گا۔

آل انڈیا سنی لیگ تمام تحریکات سے الگ خدمت دین و ملت کے جدید ترین تصورات کو اپنے آغوش میں سموئے ہوئے ایک زندہ اور پائندہ تحریک ہے۔ آل انڈیا سنی لیگ کا یہ ایقان ہے کہ ملک کے سنی مسلمانوں کا اتحاد ہی ملک میں پیدا ہونے والے تمام مسلم مسائل کا حل ثابت ہوگا۔

میں اس بات پر کامل یقین رکھتا ہوں کہ صحیح العقیدہ سنی مسلمانان ہند ملک کے گوشہ گوشہ میں آل انڈیا سنی لیگ کے سبز و سرخ ہلالی پرچم کو لہرا کر اپنے اٹوٹ اتحاد کے ذریعہ ناقابل تسخیر قوم بن کر اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو تابناک مستقبل عطا کریں گے۔

خادم سنّیت

محمد یٰسین انصاری

جنرل سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ
57/E سانکلی اسٹریٹ جونی مسجد کمپاؤنڈ
بمبئی ۴۰۰۰۰۸
(مہاراشٹر)

فون: ۳۷۹۶۴۱
۳۷۲۲۶۶

جنگ آزادی کے مجاہدِ اعظم علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت

المیزان

کا

آئندہ نمبر

علامہ فضلِ حق نمبر

ہوگا

مضمون نگار حضرات اپنے رشحات قلم ارسال فرمائیں
اپنے مفید آراء سے ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں۔

رابطہ قائم کیجیے

ایڈیٹر سے
دارالعلوم دیوان شاہ
اشرف نگر، درگا روڈ بھیونڈی، تھانہ

مینجر سے
المیزان 57/E سائکلی اسٹریٹ
جونی مسجد کمپاؤنڈ، بمبئی نمبر ۸

Decl. No. 408 of 1974 **The Almeezan Monthly** Ragd. No. BYW 170
IMAM AHMED RAZA NUMBER
REGISTRED WITH RAGISTRAR OF NEWS PAPAER FOR INDIA R. N. No. 22803/74 April 1976

اصحابی کالنجوم

اھل بیتی کسفینۃ نوح

ادارۂ المیزان ، اللہ تعالیٰ کے تمام شعائر و حرمات کے وسیلے سے محترمہ منور بخت صاحبہ (ہر ہائینس آف رادھن پور) علیہا الرحمۃ کی روح کو دعائے مغفرت و سکونت جوار رحمت کا ارمغان خلوص پیش کرتا ہے :

SHALIMAR PRINTERS M. Azad Road. Siddik Lane. Madanpura. Bombay-400008.